قومی راج

جلد نمبر ۵، شمارہ نمبر ۲۴ ؛ ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء
جلد ۶ شمارہ ۱ کو ۱۰ر جنوری ۱۹۷۹ء

ــــ ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے ــــ

زرِ سالانہ: دس روپے ؛ فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

مراٹھی ادب نے آزادی کے بعد سے جس تیز رفتاری سے ترقی حاصل کی ہے اس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ مراٹھی افسانے ہوں یا ناول، نظم ہو یا تجریدی شاعری ہر صنف زندگی سے وابستہ حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایسے واقعات بہت کم ملتے ہیں جہاں روز مرہ کے تجربوں سے ہٹ کر بات کہی گئی ہو۔

زیر نظر شمارہ میں مراٹھی ادب پر چار مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ جس میں پروفیسر وی۔ ڈی کلکرنی نے "آزادی کے بعد مراٹھی ادب" کا جائزہ پیش کیا ہے۔

مراٹھی ادب میں اگر "دلت ادب" کا تذکرہ نہ کیا جائے تو بڑی ہی ناانصافی ہوگی۔ شری آر۔ بی جوشی نے "دلت ادب" پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور ان الفاظ کے استعمال پر خصوصی توجہ دی ہے جو "دلت ادب" میں عام طور سے استعمال ہو رہے ہیں۔

اسی سلسلہ میں اشفاق انجم صاحب کا تحقیقی مقالہ بعنوان "منشی عبدالکریم عطار اور ان کا ایک مراٹھی مرثیہ" بھی ہے جو اپنی انفرادیت کی وجہ سے دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

علاوہ ازیں جگن ناتھ آزاد صاحب "عہدِ جوانی کے ساتھی" اور سردار عرفان صاحب "مخطوطات۔ علم و دانش کے مخزن" لے کر حاضر ہو رہے ہیں۔ محمد زبیر اعظمی صاحب نے "سراج اورنگ آبادی کی شاعری کا احاطہ کیا ہے اور محترمہ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی صاحبہ نے "سلیمان خطیب" مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

'قومی راج' کا یہ شمارہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۸ء اور ۱۰ر جنوری ۱۹۷۹ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ ۲۵ر جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ "سورداس نمبر" ہوگا۔

خواجہ

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر • ایڈیٹر: ریاض احمد خاں • سب ایڈیٹر: عبدالحفیظ خاں ہاشمی

قارئین کی رائے

• **شوکت نظامی - چائباسہ**

آپ کا موقر رسالہ 'قومی راج' کئی بار نظر نواز ہوا۔ رسالہ ازحد پسند آیا۔ آپ کی محنت ورق ورق سے آشکارا ہے۔ بخدا بڑی سلیقگی ہے۔ ماہ میں دو بار اتنا دیدہ زیب اور معیاری رسالہ نکالنے پر میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔

---o---

عبدالستار بیدری - بیگم پیٹھ، سولاپور - ۴۱۳۰۰۱

'قومی راج' کا ۱۰ نومبر ۷۸ء کا شمارہ موصول ہوا۔ بے حد مسرت ہوئی نشہ بندی نمبر اور فلم نگری نمبر مجھے بہت پسند آئے۔ میں سالانہ خریدار ہوں اور اب 'جنگلی جانور نمبر' کا بے چینی سے منتظر ہوں۔
خداوند کریم 'قومی راج' کو دن دونی رات چوگنی ترقی سے نوازے۔
(آمین)

---o---

• **ظہیر عباس رضوی (سی اے) بمبئی**

'قومی راج' کا ہر شمارہ قابل قدر ہوتا جا رہا ہے۔ مضامین کے علاوہ تصاویر بھی بڑی صاف ستھری اور عمدہ عنوانات کے ساتھ شائع کی جا رہی ہیں، جس کے لئے حکومت مہاراشٹر قابلِ مبارکباد ہے۔
'سخنہائے گفتنی' یوں تو پورے پرچے کا لب لباب ہوتا ہے مگر بین الاقوامی سطح کی طرف ہلکا سا موڑ اسے اور زیادہ مؤثر بنا سکتا ہے۔

---o---

• **شاہد جمال - آگرہ**

'قومی راج' میں شائع شدہ مضامین بڑے معلوماتی اور ادبی مقام رکھتے ہیں۔ ملک میں شاید ہی ایسا کوئی رسالہ ہو۔
ادبی صفحات کے شامل ہونے سے تشنگی میں کمی ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرف اور توجہ دیں گے۔

---o---

• **محمد رضی الدین معظم - ۸۶۶ - رحیم منزل، شاہ گنج، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲**

میرا محبوب رسالہ 'قومی راج' ۱۰ نومبر ۷۸ء باصرہ نواز ہو کر روح کی تسکین و بالیدگی کا باعث بنا۔ باکمال و بلند پایہ فنکاروں کی اعلیٰ کاوشوں اور علمی و ذہنی نچوڑ کو مدیران کی ترتیب و تدوین نے بے نظیر ادبی تحفہ بنا دیا جو اردو ادب کی تاریخ میں ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ سرورق انتہائی دیدہ زیب اور دل موہ لینے والا قابلِ تحسین ہے۔
"نئی منزلوں کی جانب مہاراشٹر کی پیش قدمی"، "خوش آمدید سکنیارا" "روشن صبح" اور "صنعتی ترقی مراکز اور ان کی حکمت عملی" رسالہ کی جان ہیں۔ "خشک سالی کے خلاف جنگ" بھی صحیح راہ پر عمدہ قدم ہے "یوتھ فورم" کا سلسلہ جلد شروع کیجئے۔ یہ سلسلہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔
کیا آپ حضرات کے ہاتھوں میں ید بیضا ہے جو اس قدر شاندار نمبر نکال سکنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ 'قومی راج' کا ہر شمارہ پہلے سے اعلیٰ ہوتا ہے، سچ پوچھئے تو آپ تمام مدیران "نمبر ایکسپرٹ" بن گئے ہیں۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ (آمین)

---o---

• **منظر سلطانپوری**
بہار اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ کمبائنڈ بلڈنگ، دھنباد

'قومی راج' کے کئی شمارے (بشمول اقبال نمبر) دیکھنے کو ملے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں شائع شدہ مضامین معلوماتی اور تصاویر پرکشش ہیں، جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اس پرچہ کے حسن تزئین نے آپ کو مزید مرتبہ عطا فرمایا ہے۔

---o---

• **محمد احسان الحق، برہان پور (ایم پی)**

'قومی راج' کے 'سور داس خصوصی نمبر' کا اس لئے انتظار ہے کہ حکومتِ مہاراشٹر کا ہر خاص نمبر اپنے صوری و معنوی اعتبار سے عظیم ہوتا ہے اس سے قبل "شراب بندی نمبر" کی مقبولیت پر دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔

---o---

• **عبدالرؤف - ٹیکس سپرنٹنڈنٹ، کھنڈوہ**

'قومی راج' کے مطالعے نے میری معلومات میں کئی گنا اضافہ کیا ہے۔ ۱۰ نومبر کا شمارہ مجھے بہت پسند آیا، جس میں ایک مضمون "مہاراشٹر - نئی منزلوں کی جانب پیش قدمی" قابلِ ستائش ہے۔ ادبی صفحات میں ندا، نایاب اور شوق قابلِ ذکر ہیں۔ سرورق سادہ مگر پرکشش ہے۔

---o---

ترسیل زر کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر
منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

وامن چور گھڑے

مختصر افسانہ نویسی میں نئے رجحان کے خالق

○ ایم۔ کے دیش پانڈے
ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفارمیشن (اگزبیشن)

وامن چور گھڑے
صدر آل انڈیا مراٹھی لٹریری کانفرنس، چندر پور

ادب میں نیا پن کیا ہے؟ کیا یہ اسلوب یا موضوع کے لحاظ سے ماضی سے مختلف ہوتا ہے کُل اچھے ادب کی رُوح تو ایک ہی ہے۔ پھر ہم ادب میں قدیم اور نئے رجحان اور نئے اسلوب کے مابین کس طرح امتیاز کرسکتے ہیں۔ درحقیقت اچھے یا بُرے ادب کا انحصار اس امر پر ہے کہ شخصی تجربات اچھے یا بُرے کیسے موثر انداز سے پیش کئے گئے ہیں۔ اپنے تجربات کو ادبی شہ پارہ بناکر ہی ان کی خوبیاں واضح کی جاسکتی ہیں۔ سماجی حالات، جن میں ایک حساس ادیب زندگی گذارتا ہے، اس کی وراثتی ذہانت اور فہم و فراست ہی سے بالآخر اس کی ادبی تخلیقات کی شکل و صورت معین ہوتی ہے۔ اس حد سے آگے بھی کئی دیگر عناصر ہیں جنھیں 'فونڈوس' (FONDOOS) جیسا عجیب نام دیا گیا ہے اور جن سے ایک تخلیقی ادیب کے خط و خال وضع ہوتے ہیں۔ آکسفورڈ کالج ہوسٹل کے مطبخ کے ایک 'لذیذ پکوان' کے بارے میں ایک عجیب کہانی بیان کی جاتی ہے۔ یہ اسقدر خوش ذائقہ تھی کہ نہ تو اس کا کوئی مناسب نام رکھا جاسکا اور نہ ہی اس کے اجزائے ترکیبی کا تجزیہ کیا جاسکا۔ لہٰذا مشہور انگریزی ناقد نے جنھوں نے یہ کہانی بنائی ہے' اس لذیذ ڈِش کو 'فونڈوس' کے نام سے منسوب کیا۔ ایسے ہی سادہ اور بےلاگ طریقے سے ایک کامل ادیب کی خصوصیات بیان کی جاسکتی ہیں یا اس کی ذہانت و فراست کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ سرسری تمہید اس لئے ضروری تھی تاکہ ایک ادیب کو صحیح پس منظر میں پیش کیا جا سکے
وامن چورگھڑے مراٹھی کے نامی کامی مختصر افسانہ نگار ہیں۔ لیکن فی الحال ان پر
ایک پرانے ادیب کی حیثیت ہی سے نظر ڈالی جا سکتی ہے جو مراٹھی افسانہ نویسی کی
تاریخ میں ایک خاص رجحان یا عہد کی نمائندگی کرتا ہے۔ کسی بھی اچھے ادیب کی
طرح وامن چورگھڑے اپنے دور کے ادب میں یقیناً نئے رجحان کے ترجمان ہیں۔ مزید
برآں انھوں نے اس عہد میں جبکہ ادبی محاذ پر کھانڈیکر اور پھڈکے جیسے عظیم ادیبوں
کا بول بالا تھا اپنی شخصیت اور تحریر کو الگ ہی رکھا۔ مراٹھی ادب کے ان دو ممتاز
ادیبوں نے مختصر افسانہ نگاری کو بندھے ٹکے ناول کی روایاتی شکل سے اوپر اٹھایا۔
اسے نیا روپ رنگ، نیا طرز بیان اور شائستہ اسلوب دیا۔ خصوصاً کھانڈیکر نے
جذبات نگاری اور متنوع کینوس کا اضافہ کیا، انھوں نے شاعرانہ اشاریت کو
رواج دیا جو تصنع سے ممیز ہے۔

چورگھڑے نے ۱۹۳۲ء میں مختصر افسانے لکھنا شروع کئے اور ۱۹۶۶ء تک
اس میدان میں رہے۔ وہ کبھی بھی پھڈکے اور کھانڈیکر کے مانند صف اول کے
مقبول ادیب نہ رہے، لیکن انھوں نے خود اپنے لئے خاص مقام پیدا کیا اور ایسی
کہانیاں لکھیں جو موضوع، مقصدیت، انداز بیان، امتزاج، عکاسی اور شعریت
کے لحاظ سے لاجواب ہیں۔ ان کی کہانیوں میں سب سے پہلے بیانیہ عنصر بڑی حد تک
خارج نظر آتا ہے۔ چورگھڑے اپنی کہانیوں میں اشاریت اور مقصدیت سے کام
لیتے ہیں اور شاعرانہ انداز بیان اختیار کرتے ہیں۔ ایک لحاظ سے چورگھڑے کھانڈیکر
سے بہتر ہیں کیونکہ ان کے ہاں تصنع نہیں ہوتا۔ ایک طرح سے وہ مختصر کہانی میں نئی
لہر کے پیش رو بھی ہیں جس کے قائد اروند گوکھلے اور گنگا دھر گاڈگل ہیں جنھوں نے
موقع محل پر بیداری پیدا کی اور اپنی تخلیقات کو گہرے نفسیاتی معنی دیئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس طرح وامن چورگھڑے نے مراٹھی ادب میں اہم
مقام پایا۔ گاؤں میں گذارے ہوئے بچپن کے تجربات سے انھوں نے بہت کچھ اخذ
کیا۔ پھر وہ قصباتی اور شہری زندگی سے روشناس ہوئے۔ لیکن گاؤں کی سیدھی
سادھی زندگی اور اس کے تجربات ہی سے انھیں لگاؤ رہا۔ وہ ملک کی جدوجہد
آزادی میں بھی شریک ہوئے اور عمر کے بقیہ سال زیادہ تر کالج میں معلم رہے۔ انھوں
نے اپنی زندگی میں گاندھی جی اور بعد ازاں ونوبا جی سے بڑا اثر لیا۔ وہ گاندھی جی کے
اصول زندگی کے سچے پیرو ہیں۔ یہی سب کچھ ان کی کہانیوں میں بھی ہے جو سیدھی
سادھی، سچی اور کھری ہیں اور شاعرانہ چاشنی لئے ہوئے ہیں۔ وہ قدرت میں
سما جاتے ہیں، صبح صبح افق سے ابھرتے ہوئے سورج کے گن گاتے ہیں، پرندوں
کے ساتھ ساتھ چہچہاتے ہیں اور درختوں کی شاخوں کے ساتھ جھومتے ہیں۔ انھوں
نے فی الحقیقت اپنی کہانیوں کا پہلا مجموعہ 'سایہ شجر' ہی کے نام سے منسوب کیا۔

انھوں نے بہت کچھ لکھا اور خوب لکھا۔ ہماری نسل ایک ادیب کی حیثیت
سے ان کی ممنون ہے کیونکہ انھوں نے زندگی کے بھرپور اور بیش قیمت تجربات ہمارے
سامنے رکھے، نیا جیون پیش کیا، اپنے پُرزور قلم سے ہم عصر زندگی کے شرمناک پہلوؤں
اور بندشوں پر تیز روشنی ڈالی۔ ان کی تحریروں میں مظلوموں کا درد بھی بھرا ہے،
اور غریبوں کے جذبات اور آشائیں بھی۔ زندگی کے بھرپور تجربات اور احساسات
سے ان کی تحریروں میں گہرائی اور لطافت آئی۔ آج بھی نوع بنوع ادیبوں کے
ہجوم میں ان کا نام نمایاں ہے اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔

اب میں اس مختصر مضمون کی تمہید کو دہراتا ہوں۔ کسی بھی فنی کام کے تجزیہ
کا انحصار اس امر پر ہے کہ شخصی تجربات کیسے موثر انداز سے قلمبند کئے گئے ہیں
گویہ ادیب کی ذہانت اور صلاحیت سے مشروط ہے۔ گوناگوں تاریخ ادب میں
ادیبوں کی قطار میں کچھ ممتاز ہیں اور کچھ روایات کے پابند۔ میرے خیال میں شری
چورگھڑے مراٹھی ادب میں بذات خود خاص نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے
قارئین کے لئے یہ انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ انھیں آل انڈیا مراٹھی لٹریری
کانفرنس چندرپور کی صدارت کے لئے چُنا گیا ہے

تلخیص: عبدالوحید خاں

چورگھڑے کا تعارف

شری وامن راؤ چورگھڑے ۱۶ جولائی ۱۹۱۴ء کو ضلع ناگپور کے
تعلقہ کٹول میں واقع مقام نرکھیڈ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم ناگپور
میں ہوئی۔ آپ نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں
سزائے قید ہوئی۔ آپ نے ۵۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ جن
میں 'سُشما، پرستھان، یاتھیہ، سنسکار اور ناگویل مشہور ہیں'
آپ کی عالمانہ تصنیفات ساہتیہ چے مول دھن' وانگمے آنی وانگ
مے سیوک اور سوتنتریہ چے یوگ دان خصوصاً طلبہ اور اسکالروں
کے لئے قابل مطالعہ ہیں۔ مقبول و معروف رسائل مثلاً جوتسنا،
پرتبھا' وغیرہ میں شائع شدہ ابتدائی کہانیوں کے ذریعہ آپ مراٹھی
قارئین میں متعارف ہوئے۔ آپ شاعرانہ دماغ رکھتے ہیں۔ پسماندہ
لوگوں اور غریبوں کے دردمند ہیں اور انھیں اوپر اٹھانے کا ولولہ رکھتے
ہیں۔ آپ کی تحریروں کا معیار بلند ہے۔

آپ ودربھ ساہتیہ سمیلن کی سلور جوبلی تقریب کے صدر تھے۔ جو
۱۹۶۴ء میں ضلع ایوت محل کے مقام پوسد میں منعقد ہوئی تھی۔ ہندی
گجراتی وغیرہ کئی دیسی زبانوں نیز انگریزی اور اطالوی وغیرہ دیگر
زبانوں میں بھی آپ کی کہانیوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

آپ ادب و ثقافت سے متعلق کئی سرکاری اور یونیورسٹی کمیٹیوں
میں کام کر چکے ہیں۔

آزادی کے بعد مراٹھی ادب

• پروفیسر سی. ڈی کلکرنی
صدر، شعبۂ مراٹھی، ممبئی یونیورسٹی

آزادی کے بعد مراٹھی ادب کا ایک واضح جائزہ لینے کی یہ ایک حقیر کوشش ہے
یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان چند صفحات میں ہر پہلو سے پورے مراٹھی ادب
کی مکمل تصویر پیش کرنا ممکن نہیں۔ مضمون نگار کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ
کس طرح مراٹھی ادب چند قدیم اور جدید رجحانات کے ساتھ فروغ پارہا ہے۔

ادب کی دنیا خود اپنی جگہ کافی آزاد ہے۔ درحقیقت تخلیقی ادب کو دیس کی روزمرہ سیاسی زندگی سے کم ہی سروکار رہتا ہے۔ البتہ عظیم اور خاص واقعات دو دانوں خصوصًا شاعروں کے دل ودماغ پر یقینًا اثرانداز ہوتے ہیں۔ سوا سو سال کے بعد غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں اور ہم نے آزاد فضا میں سانس لیا۔ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو طلوع ہونے والا سورج ہی آزاد آفتاب تھا۔ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹیوں نے فخر کے ساتھ آزادی کی اولین کرنوں کا سواگت کیا۔ لوک کوی من موہن نے اپنے جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

आज रवीचे बिंब मोकळे . . .

. . . .

हिमालयाचा स्वर गदगदला . . . .

شاعروں نے خوش آنند گیت اور ترانوں کے ساتھ آزادی کی دیوی کا سواگت کیا۔ لیکن خوشی ومسرت کے اظہار کے ساتھ ان کے جذبات میں کچھ تڑپ بھی، کوئی چیز تھی جو ان کے دلوں کو مسوس رہی تھی۔ دیس دو حصوں میں تقسیم ہوگیا تھا، اور ایک ہی سرزمین پر ایک ہی آکاش کے نیچے بھائی بھائی کی طرح رہنے والے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے۔ بورکر کی کویتا میں اس پر شدید دُکھ پوری طرح محسوس ہوتا ہے:

घाम आपुल्या शिरी । बापुजी । घाव आपुल्या उरीं ।
स्वातंत्र्याची अशी दिवाळी कशी करू साजरी ।
दुभंग झाली वास्तुदेवता
दुभंग झाली माया ममता
भावांच्या घावांतुन निघती नव्या विषाच्या झरी.

مہاتما گاندھی قتل کر دیئے گئے اور شاعر دل پکڑ کر رہ گئے، الفاظ کہاں سے لائیں کہ اس صدمے کی ـــــ کا اظہار کر سکیں:

असलें फळ हें केवि तपाला ?

कुठली पापें झालीं गोळा ?

—बा. भ. बोरकर

انھوں نے خود اپنی ذات اور مقدر ہی کو کوسا۔

اس طرح آزادی کا پہلا سال ختم ہوا۔ سیاسی لیڈروں نے پوری سنجیدگی سے قوم کی تعمیر پر توجہ دی۔ مختلف شعبہ جات کے لائق ماہر منصوبے بنانے میں لگ گئے۔ مضامین اور مقالے لکھے گئے تاکہ پانچسالہ منصوبہ جات اور سرکاری پالیسیوں پر روشنی ڈالی جائے۔ ان کی خوبیوں اور طریقہ کار پر تنقید کی جائے اور انھیں پرکھا جائے۔ اس طرح تمام عقلی و ذہنی ادب اس ترقیاتی پروگرام تک محدود رہا جو حکومت نے شروع کئے تھے۔ دوسری طرف تخلیقی ادب اپنے میدان میں سرگرم عمل رہا۔

شاعری اور تنقید میں نیا دور

درحقیقت تخلیقی ادب دوسری عالمی جنگ کے مابعد پریشان کن نتائج سے متاثر ہوا جس میں انسان چیونٹی اور مکھی کی طرح ـــــ گئے تھے۔

سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی ایک عذاب بن گئی تھی اور عام انسان کی امید اور خواب منتشر ہو گئے تھے:

पृथ्वीची फुलांची परडी . . . तिरडी झाली . . .
. . . . पांचाली विवस्त्र झाली . . .

قدیم رومانی تصورات بے معنی ہو کر رہ گئے اور اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جراُت مندانہ حقیقی تصورات اپنائے جائیں۔ مرڈھیکر پہلے شاعر ہیں جنھوں نے شعور کی اس بیداری کا اظہار کیا۔ ان کا رجحان انسانی تھا، لیکن بالکل مراٹھی سنتوں جیسا نہیں۔ اس کی لطافت، اہمیت اور تاثیر الگ ہی تھی:

बडवीन टिऱ्या । अर्धपोट किंवा
ओंगळ देखावा । वालवीत
भिक्षा मागे रोज । एवढासा पोर
तोंवर आम्ही । समस्त नंगे. . . .

ان کی نگاہ میں ایک آگ بجھانے والا ’نئے دور کا گردھر‘ ہے۔ انسان کی بے جان اور بندھی ٹکی مشینی زندگی کو دیکھ کر ان کا دل دُکھتا۔ چیونٹیوں کے مانند جینا اور مرنا، زندگی کتنی حقیر بن گئی تھی۔

مرڈھیکر خشک مزاج زاہد نہ تھے۔ وہ بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور حُسن کے قدر دان تھے۔ انھوں نے انسانی زندگی کو خوب سمجھا تھا اور انھیں فن کار کے خلوص پر یقین تھا۔ ان کے نزدیک یہی خلوص فن کی روح ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک آرٹسٹ کو خود اپنی آنکھوں سے زندگی کا مشاہدہ کرنا چاہیے۔ مرڈھیکر باغی تھے، کیونکہ ان کے خیال میں فن اور ادب کی ثقافتی افادیت کچھ نہ تھی۔ فنونِ لطیفہ کی ترتیب میں انھوں نے موسیقی کو سب سے اوپر کے درجے پر اور ادب کو سب سے نیچے رکھا۔ ادب کے بارے میں مرڈھیکر کے نظریہ اور عمل پر ابتدا میں نکتہ چینی کی گئی، لیکن بعد ازاں اس کی ہمنوائی اور قدر کی گئی۔

یہ مرڈھیکر ہی تھے جنھوں نے ادب کو غیر ادبی اور فرسودہ خیالات اور روایات سے نجات دلائی۔ انھوں نے ادب میں اپنا سہ پہلو نظریہ جمالیات پیش کیا اور بلاشبہ آئندہ نسل کے ادیبوں کے لئے ایک صحت مند اور پاک فضا پیدا کی۔ ان کے ہی دم سے مراٹھی شاعری اور تنقید میں نئے دور کا آغاز ہوا۔

مختصر مراٹھی کہانی — نیا روپ

مراٹھی میں مختصر قصہ کہانی نیا روپ اختیار کر رہی تھی۔ اروند گو کھلے، گنگادھر گاڈگل، وینکٹیش مڈگولکر، پی۔ بی بھاوے اور ڈی۔ بی موکاشی جیسے اولین نئے مختصر افسانہ نگاروں نے کہانی عنصر کو بہت کم اہمیت دی۔ انھیں فنی باریکیوں سے زیادہ انسانی ذہن اور شعور کو بیدار کرنے کی فکر تھی۔ عام آدمی ہی ان کی دلچسپی اور جستجو کا مرکز تھا۔ گاڈگل کی مختصر کہانی بعنوان ’بغیر چہرے کی شام‘

’ **बिन चेहऱ्याची संध्याकाळ** ‘ میں بڑے موثر طریقے سے اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ آج اس مشینی دور میں انسان نے کس طرح اپنی اصلیت کو کھو دیا ہے۔

مختصر کہانی کی پُرانی شکل بتدریج بدل رہی تھی اور مختصر کہانی اور ذاتی مضمون کے درمیان خفیف سا فرق رہ گیا تھا۔ کسُم وتی دیشپانڈے اور دامن چور گھڑے کی مختصر کہانی نویسی کے ساتھ ہی اس مرحلے کا آغاز ہو گیا تھا۔

بعد از آزادی مراٹھی ادبی دور کا نصف حصہ یعنی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۰ء کا زمانہ نظم اور مختصر کہانی کی فراوانی کا زمانہ ہے۔ وندا کرندیکر کی شاعری مواد کے لحاظ سے بھرپور اور متنوع ہے اور اس کا انداز بیان خالص تجرباتی سنسکرت کویتا کے ”شرنگارس“ **शृंगार-रस** اور مراٹھی ’لاونی‘ **लावणी** کا حسین امتزاج وسنت باپٹ کے گیتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی شاعرانہ قوتِ فکر سے قوم کی سیاسی ضرورت بھی پوری ہوئی۔ منگیش پھڈ گاؤنکر نے حُسن قدرت اور محبت کے بارے میں اپنے گہرے جذبات اور ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے مراٹھی میں سب سے پہلے اپنی قسم کی بڑی شیریں اور تلخ نظمیں پیش کیں۔ ان کی طنزیہ نظمیں جراُت و بے باکی کی حامل ہیں۔

گو ہم عموماً مراٹھی شاعری کے مرڈھیکر مکتبِ خیال کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر شاعر اپنے طور پر آزاد ہے۔ ان شاعروں کے طفیل مراٹھی شاعری کو پوری آزادی نصیب ہوئی اور یہ موضوع اور شکل کے لحاظ سے خوب پروان چڑھی، پھلی پھُولی۔ جہاں تک پُرانے اساتذہ کا تعلق ہے، انیل بورکر اور کسم گراج نظمیں لکھتے رہے اور لکھ رہے ہیں، جن میں وہی پرانا زور اور حُسنِ بیان ہے اور جدّت کی آمیزش بھی۔ ان کے درمیان آنجہانی پی۔ ایس ریگے سب سے زیادہ جدّت پسند اور مخالف روایات تھے۔ ان کے خیالات اور اسلوب ہمیشہ تر و تازہ رہے۔ ان کی شاعری میں زندگی کی گونج ہے۔

ادبی خیالات میں حصّہ

نئی نظم اور مختصر کہانی کو مراٹھی قارئین اور ناقدین نے بڑی مشکل سے قبول کیا۔ مرڈھیکر کو خود یہ وضاحت کرنا پڑی کہ ادب میں حُسن اور عظمت سے کیا مراد ہے۔ ان کی تصانیف

’ **सौंदर्य आणि साहित्य** ‘ اور ’ **वाङ्मयीन महात्मा** ‘

مراٹھی میں نظریہ ادبی تنقید سے متنازع اور انقلابی قرار پائیں۔

پروفیسر ڈبلیو۔ ایل کلکرنی نے سنسکرت فن شاعری کی قدیم میراث سے انکار نہیں کیا، لیکن وہ بذاتِ خود اس سے قدرے آزاد رہے۔ انھوں نے مراٹھی تنقید میں چھڑی بحثوں کی وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ ان کی کتاب

’ **साहित्य आणि समीक्षा** ‘

میں ان کی تنقیدی تحریروں کا خلاصہ ہے۔ ایس۔ کے شیر ساگر، پی۔ ایس ریگے، ڈی۔ کے بیڈیکر، آر۔ بی جوشی، گنگادھر گاڈگل، کسُم وتی دیشپانڈے، ڈی۔ جی گوڈسے، پربھاکر پادھے، جی۔ وی کرندیکر، مادھواچوال، نرہر کرونڈکر اور آر۔ بی پاٹنکر

نے ادبی تنقید کے تعلق سے کئی اہم نکات پر بحث کی اور مراٹھی تنقید نگاری میں بڑا حصہ لیا۔ پربھاکر پادھیے اور آر۔ بی پاٹنکر نے مرڈھیکر کے اصول جمالیات پر ناقدانہ نظر ڈالی اور خود اپنے نظریات وضع کئے۔ یہ ضروری بھی تھا کیونکہ یہ خطرہ لاحق تھا کہ کہیں مراٹھی میں ادبی تنقید نئی کنجلک بحث کی وجہ سے خالص میکانکی اور خشک ہو کر نہ رہ جائے۔

اس تمام پس منظر کے ساتھ ہم بعد از آزادی مراٹھی ادب کے دوسرے نصف دور (۱۹۶۰ء تا ۱۹۷۸ء) پر آتے ہیں۔

ناول اور ناٹک کا دور

ہم اس دور کے قریب ہیں بلکہ اسی میں رہ رہے ہیں، لہٰذا ابھی اس کا غائر جائزہ لینا قدرے مشکل ہے۔ اس دور میں بڑے پیمانے پر ادب کی تخلیق اور اشاعت ہوئی۔ ہر قسم کی بھلی بُری ظرافت اور طنز و مزاح نے مراٹھی ادب کے ہر میدان میں پوری طرح سے فروغ پایا۔ شخصی مضامین میں بھی ذہانت سے زیادہ شعریت داخل ہوئی۔ باتصویر سفر ناموں کی قدر و منزلت کے مدنظر انھیں ادب کا حصہ مانا گیا۔ انٹرویو کی تکنیک نے اس قدر ترقی پائی کہ ایک عام قاری اسے خالص ادب ہی کا جز سمجھنے لگا۔ ہفتہ وار پرچوں، رسالوں اور ریڈیو نشریات کے ذریعے ایسا ادب خوب بڑھا۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں ہماری قوم کو تین مرتبہ جنگی آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے بلا شبہ قوم کی پکار پر دھیان دیا۔ لیکن زمانۂ جنگ کے وقتی ادب کو اصل اور پائیدار ادب قرار دینا مشکل ہے۔ اس ادبی ہما ہمی کے زمانے میں ہمیں زیادہ تر ناول اور افسانوں ہی کا زور نظر آتا ہے۔ لہٰذا اس دور کو ناول اور افسانہ کا دور کہہ سکتے ہیں۔

یہ ناول اور افسانے چار حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ تاریخ اور سوانح

۲۔ وجودیت

۳۔ محنت کش طبقہ کے ترجمان

۴۔ غیر روایاتی: آزاد

اپنے ناول 'یایاتی' ययाती میں شری وی۔ ایس کھانڈیکر نے دیومالا کہانیوں کو جدید زمانے میں ضم کیا ہے۔ ناول میں آج کی نئی نسل میں لہو و لعب، عیش و عشرت کی پھیلتی ہوئی وبا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ رنجیت دیسائی کی تاریخی ناول "سوامی" "ययाती. स्वामी" سے ملتی جلتی ہے۔ تاریخی ناول جو تین صدی سے ناپید تھی دوبارہ وجود میں آئی۔ 'سوامی' بے حد مشہور ہوئی۔ تاریخی اور خیالی واقعات کو اس طرح سے جوڑ کر پیش کیا گیا جس کے پڑھنے سے ایک مکمل فن کا احساس ہوتا ہے۔ منظر نگاری بیحد حسین ہے۔ مختصر یہ کہ رومانی اور ٹریجڈی دونوں لحاظ سے 'سوامی' स्वामी بہترین ہے۔

'سوامی' اور 'یایاتی'

'سوامی' اور 'یایاتی' طرز پر تاریخی اور دیومالائی ناولیں اتنی مشہور ہوئیں کہ کئی ناول نگاروں نے قارئین اور اپنی خود کی پسند کی خاطر مراٹھا تاریخ کو ہر طرح سے استعمال کیا۔ ایسی ناولوں میں "جھنجھ" اور "جھینپ" (مصنف انعامدار) قابل تعریف ہیں۔

تاریخی ناولوں کے ساتھ ساتھ عام لوگوں میں مشہور ہستیوں کی زندگی کو پیش کرنے کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ شری ایس۔ جے جوشی کی ناول "آنندی گوپال" आनंदीगोपाळ گوپال راؤ جوشی کے مزاج اور ہندستان کی پہلی خاتون ڈاکٹر آنندی بائی کی تکالیف کی جھلک پیش کرتی ہے۔ اس ناول کی سطور پر شری ساورکر اور لال بہادر شاستری کے حالاتِ زندگی پر ناولیں شائع ہوئیں لیکن ایسی کوششیں ناکامیاب ثابت ہوئیں۔ گنگادھر گاڈگل کی ناول "دردمیہ" لوکمانیہ تلک کی زندگی پر لکھی گئی ہے، اس میں تاریخی واقعات کو کہانی کی شکل میں دُہرایا گیا ہے۔ شری جی۔ این ڈانڈیکر نے شیوکال शिवकाल کو بطور ہیرو کے اپنی ناولوں میں پیش کیا۔ آجکل تاریخی اور آپ بیتی قسم کے ناولوں کا زور کچھ کم ہو گیا ہے۔ یہ ناولیں اپنی کشش کھو چکی ہیں۔ لیکن شری ایس۔ جے جوشی کی حالیہ تصنیف "رگھوناتھ چی بکھر" रघुनाथाची बखर | ایک قابلِ تعریف ناول ہے۔

وسنت کانیکر ایک مشہور ڈرامہ نویس ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ایک نفسیاتی ڈرامہ | वेड्याचे घर उन्हात | ہے جس نے آپ کی شہرت کو دو بالا کیا ہے۔ اسی طرح شیواجی کی زندگی پر لکھے ہوئے موصوف کے ڈرامے ـــ

रायगडाला जेव्हा जाग येते میں

شیواجی اور سنبھاجی کے درمیان باپ اور بیٹے کے تعلقات کی کامیاب جھلک پیش کی گئی ہے۔ اس طرح سے تاریخی ڈراموں کا ایک دور شروع ہوا۔ کانیٹکر کا ڈرامہ हिमालयाची सावली ایک آپ بیتی ہے اور اسٹیج پر بیحد مقبول ہوا ہے۔

وجودیت سے متعلق ناولیں

تاریخی اور دیومالائی کہانیوں کے دور سے گذر کر جب ہم حقیقت کی دنیا میں آتے ہیں اور موجودہ زندگی کا سامنا کرتے ہیں تو حالات یکسر بدل جاتے ہیں، ہمارے ملک کی موجودہ نسل کو اب ماضی سے بہت کم دلچسپی رہ گئی ہے۔ لوکمانیہ تلک اور مہاتما گاندھی جیسی عظیم ہستیاں ان کے لئے محض نام یا تصویر سے زیادہ اہمیت

نہیں رکھتیں۔ ان کے لئے زندگی مشینی حیثیت رکھتی ہے۔ نہ ہی تاریخ ان کے لئے اہم ہے اور نہ ہی مستقبل کے سُہانے خواب میں انھیں کوئی کشش نظر آتی ہے۔ " زندگی کا کیا مقصد ہے؟" "میں کیوں پیدا ہوا ہوں؟" "میرے وجود کا کیا مقصد ہے؟"

یہ ایسے سوالات ہیں جو آج کے نوجوان اپنے آپ سے پوچھتے رہتے ہیں۔ زندگی ان کے لئے بے مقصد ہے، کھوکھلی ہے، ان کا نعرہ ہے "صفر ہی صفر سے زیادہ حقیقی ہے"۔ "یہاں۔ اور۔ ابھی"۔ ان کی زندگی کا اصول ہے۔ آج کی اس باغی نسل کو زندگی یا ادب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ بالچندر نیماڑے کی "کوسلہ" 'कोसला' اور بھاؤ پادھے کی

'डॉ. अनिरुद्ध धोपेश्वरकर'

نام نہاد وجودیت سے متعلق ناولوں کی مثالیں ہیں۔ اشوک شاہانے اور دلیپ چترے کی جانب ہم پلٹیں تو ہمیں مراٹھی ادب میں درد کی گرمی اور گہرائی کا اندازہ ہو سکے گا۔ یہ شاخ ابھی ترقی پذیر ہے۔

تجرباتی تھیٹر:

وجودیت اور ابکنا کا احساس عام کرنے والے نفری۔ ایکٹ اور مکمل ڈرامے مراٹھی تھیٹر، خصوصاً تجرباتی شاخ کی قابل فخر پیشکش ہیں۔ مراٹھی اسٹیج سے اکثر و بیشتر خانگی قسم کے ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں عام لوگوں کی پسند کے مطابق جذباتیت اور دیگر مواد شامل ہوتا ہے۔ شری وی۔ وی شرواڈکر کا ڈرامہ "نٹ سمراٹ" 'नटसम्राट' اسی طرح کا ایک جذباتی اور اثر انگیز ڈرامہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اب اسٹیج سے ایسے ڈرامے بھی پیش ہو رہے ہیں جو حقیقت سے قریب، طنز سے بھرپور اور دل کو چھو لینے والے کہے جا سکتے ہیں۔ شری وجے ٹینڈولکر نے تمام مخالفتوں اور غم و غصہ کا مقابلہ کرتے ہوئے "مانس ناداچے بیٹ" 'माणूस नावाचे बेट' "شانتتا کورٹ چالو آہے" 'शांतता कोर्ट चालू आहे' "گدھاڑے"، 'गिधाडे' "سکھارام بائینڈر" 'सखाराम बाइंडर' "گھاشی رام کوتوال" 'घाशीराम कोतवाल' جیسے ڈرامے پیش کئے، جنھوں نے مراٹھی تھیٹر کے تمام بندھنوں کو توڑ دیا ہے۔ یہی مثال سی۔ ٹی کھانولکر کے ڈراموں "ایک شونیہ باجی راؤ" 'एक शून्य बाजीराव' اور "اودھیہ"، 'अवध्य' کی ہے۔

شری گریش کرناڈ کے کنڑ ڈرامے اور بادل سرکار کے بنگالی ڈرامے نے باشعور طبقے کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ لوئیس فرانڈیلو کا انگریزی ڈرامہ "ایک مصنف کی تلاش میں" ترجمہ کی صورت میں شری مادھو واٹوے نے پیش کیا جو دیکھنے والوں کو بیحد متاثر کرتا ہے۔ اس طرح مراٹھی تھیٹر کی تجرباتی شاخ زندگی کے تمام پہلوؤں کو اصلی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ آرتھر ملر، بریشٹ جیسے مغربی ڈرامہ نویس امیچر گروپ کے پسندیدہ ہیں۔ اس گروپ نے اب ایک تھیٹر یونٹ قائم کیا ہے اور بمبئی میں "چھبیلداس" نامی تحریک شروع کی ہے۔ اس ضمن میں بمبئی مراٹھی سہتیہ سنگھ 'मुंबई मराठी साहित्य संघ' قابل ذکر ہے۔

(۱) اس سنگھ نے سنسکرت سے لیا گیا ایک ڈرامہ مراٹھی میں "مدراکشس" کے نام سے پیش کیا۔ اس کے علاوہ "مچھ کٹک" ڈرامہ اس سنگھ کا کامیاب ڈرامہ تھا۔

(۲) بریشٹ کا ڈرامہ "چاک سرکل" (CHALK CIRCLE) مراٹھی میں بنایا گیا اور جی۔ ڈی۔ آر کی سلور جوبلی تقریب پر پیش کیا گیا، جسے بہترین ڈرامہ مانا گیا۔

ادبی اور سماجی اصلاح دونوں نقطۂ نظر سے عوامی ادب کا اپنا ایک الگ مقام ہے۔ عام محنت کش متوسط طبقے سے ویسے تو "معاشی طور پر پسماندہ طبقہ" ہے لیکن یہ ادیب اس معنی میں نہیں لکھتے بلکہ وہ اس کے معنی ذات پات کی وجہ سے پسماندہ طبقہ "دَلِت" لیتے ہیں۔ نارائن سروے اور بابوراؤ باگل کی نظمیں اور مختصر کہانیاں بغاوت کے جذبہ سے پُر بیباک تصنیف ہیں۔ وہ اپنے اظہار خیالات کے لئے کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے ان میں خودداری کا احساس دستور ہند کی دین ہے۔ نیگرو۔ آزادی کی تحریک سے وہ خود اور ان کا ادب متاثر نظر آتا ہے۔ آزادی کے بعد کے زمانے میں اس قسم کے ادب کو پھلنے پھولنے کا بہترین موقع ملا۔

نامدیو ڈھسل، وامن نیبولکر، ارجن ڈانگلے، ایف۔ ایم شندے اور کئی ایک نوجوان شاعروں نے اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار میں کافی بیباکی سے کام لیا ہے۔ کئی ایک موقعوں پر تو شاعروں نے جارحانہ اور سخت رویہ اپنایا ہے۔

غیر تقلیدی مصنف: درگا بائی بھگوت، آنجہانی پی۔ ایس ریگے، جی۔ اے کلکرنی اور چند دیگر ادیب کسی خاص گروپ یا طبقے سے تعلق نہیں رکھتے ان کی تصانیف رسمی بناوٹ سے بعید ہوتی ہیں۔ ان کی تصانیف میں انسانی رشتہ کو اہمیت دی جاتی ہے جو حقیقت میں نسل، مذہب اور قومیت کی پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ پی۔ ایس ریگے کی ناول "استری" ایک بریم کہانی ہے جو آہستہ آہستہ سچائی میں بدلتی جاتی ہے۔ درگا بائی کی ناولیں 'ऋतुचक्र' اور 'पैस' بھی کافی اثر انگیز سمجھی جاتی ہیں۔

باقی صفحہ ۱۳ پر

دلتِ ادب

آر۔ بی۔ جوشی

مراٹھی ادب میں "دلت ادب" کو وجود میں آئے ہوئے ابھی صرف بیس سال ہوئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ادب نہ صرف انوکھا ادب ہے بلکہ بے نظیر اور بے مثال بھی کہا جا سکتا ہے۔ بے نظیر اس لئے کہ "اچھوت" برادری سے تعلق رکھنے والے افراد جنھیں اب درجِ فہرست اقوام کہا جاتا ہے، اس کے مصنف ہیں' اور ایسا ادب پہلے کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ بے مثال اس لئے کہ ہندوستان کی کسی اور ریاست میں "دلت" قوم کی جانب سے اس طرح کی تصانیف تعداد و خصوصیت کے لحاظ سے کہیں اور نہیں ملتی۔

شاہر جنباجی اور کسان بھاگوجی بنسوڑے جیسے چند لوگ ہیں جنھوں نے "اچھوت" برادری سے متعلق طنزیہ مضامین لکھے ہیں لیکن جس معیار پر 'دلت' افراد آجکل لکھ رہے ہیں ان سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ تصانیف کی بھرمار، اس میں پائی جانے والی تلخی اور غم و غصہ کا اظہار بالکل یوں ہے جیسے طویل عرصہ سے خاموش لاوا، جو آتش فشاں سے اچانک پھوٹ پڑا ہو۔

'دلت ادب' بنیادی طور پر ایک انقلابی اور احتجاجی ادب ہے۔ یہ ادب ہندو سماج کے روایتی سماجی نظام کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور ان عقیدوں اور نظریوں کی مخالفت کرتا ہے جو ایسے سماجی غیر مساوات کے حامل ہیں جن کی وجہ سے سماج کے ایک حصّہ کو الگ کر دیا گیا ہے اور جن کے ساتھ حقیر سلوک کیا جاتا ہے۔ دلت ادیبوں میں سے اکثر قدیم مراٹھی ادب پسند نہیں کرتے، اس لئے کہ ایک تو یہ ادب بے انصافی پر مبنی سماجی وراثت کی تائید کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ سماج کے "ذات۔ باہر" افراد کی تکالیف سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بادی النظر میں 'دلت ادب' منفی ادب نظر آتا ہے لیکن ایسا سمجھنا غلط ہے۔ دراصل نقطۂ نظر کے لحاظ سے یہ ادب زندگی کے مثبت پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔ اس ادب کا نصب العین ایسے نظام کا قیام ہے جو انصاف، آزادی، اخوت اور مساوات پر مبنی ہو۔ اس ادب میں پایا جانے والا تخریبی اور منفی رجحان پرانے رواجوں کو مسمار کرنے کی ایک کوشش ہے تاکہ نئے رواج کے لئے زمین ہموار کی جا سکے۔

آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی تصانیف، خدمات اور ان کی زندگی (بشمول تقاریر اور خطوط) کے واقعات نے دلت ادب کو بڑھاوا دیا اور اسے استحکام بخشا۔ علاوہ ازیں اُن کی زندگی کے تین اہم واقعات یعنی مہاڑ کی چودار ٹینک ستیہ گرہ، مہاڑ ہی میں منوسمرتی کو جلانے کا واقعہ اور ناشک میں کلارام مندر میں داخلہ کی ستیہ گرہ، تعمیری اقدام کی حوصلہ افزا مثالیں ہیں۔

دلت قوم کے نوجوانوں نے آپ کے خیالات کے تاثر کو اس وقت محسوس کیا جب آپ نے ۱۹۴۵ء میں عوامی تعلیمی انجمن کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۴۶ء میں بمبئی میں سدھارتھ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس اور ۱۹۵۰ء میں اورنگ آباد میں ملینڈ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس شروع کیا۔ ان کالجوں کے قیام سے درجِ فہرست اقوام کے نوجوانوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ناگپور میں آنجہانی ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی زیرِ قیادت ہزاروں درج فہرست افراد کے بدھ مذہب قبول کرنے کا واقعہ ایسا اہم واقعہ ہے جس نے مذکورہ افراد کے دل و دماغ کو بیحد متاثر کیا۔ مذہب کی تبدیلی کے نتیجہ میں درج فہرست اقوام کے نئے بدھسٹوں نے اپنے آپ کو "اچھوت" یا دوسرے فرقوں سے کمتر سمجھنا ترک کر دیا اور دوسرے فرقوں کے افراد نے انھیں جو کچھ بھی سمجھا اُس کی پرواہ نہ کی۔

ڈاکٹر امبیڈکر ۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو سورگباش ہو گئے جبکہ انھیں بدھ مذہب کی تحریک دوبارہ چلائے ہوئے صرف تین ماہ ہوئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عوامی تعلیمی انجمن کے زیرِ سرپرستی کالجوں میں نوجوان دلت طلبہ کی تعداد بڑھتی رہی۔ اس کے علاوہ درج فہرست اقوام کے رہنماؤں میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور وہ بھی اپنے اپنے علاقوں میں کالج قائم کرتے رہے۔ حکومت نے پسماندہ اور معاشی طور پر پسماندہ افراد کو مالی امداد اور دیگر سہولتیں جاری کیں۔ ان تمام اقدامات کے نتیجہ میں درج فہرست اقوام کے طلبہ میں اعلیٰ تعلیم کا شوق اُبھرتا گیا۔ ان میں خودداری اور خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ بے عزتی اور حقیر سلوک ان کے لئے ناقابلِ برداشت بن گیا۔ اور ان میں یہ تصوّر جاگ اُٹھا کہ وہ نہ صرف اپنی قوم کے بلکہ سماج کے نمائندے ہیں اور دونوں کے مستقبل کا انحصار ان کی کارکردگی پر ہے۔

اس طرح سے' ان افراد کے متعلق کچھ لکھنا گویا ایک مشن کے مانند تھا ان میں زیادہ باشعور افراد نے سنجیدگی سے لکھنا شروع کیا۔ یہ بالکل فطری بات تھی کہ اپنے تاثرات پیش کرنے کے لئے شاعری کا سہارا لیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زیادہ تصانیف شاعری پر ہی مشتمل ہیں۔

دلِت شاعری میں دلِت افراد کے حالات زندگی قلمبند کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے جن خیالات کا اس میں اظہار کیا گیا ہے وہ یہی ہیں کہ دلِت' سماج کا ایک ایسا فرقہ ہے جسے بُنیادی ضرورتیں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان جیسی چیزوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ اس طبقہ میں صرف افلاس، پسماندگی اور مظلومیت پھیلی ہوئی ہے جو اونچی ذات والوں نے ان پر لاد دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اکثر ان کی شاعری میں مار دھاڑ، جنگ۔ وجدل، فوجی دستے وغیرہ الفاظ جذبات کے اظہار کے لئے مجازاً استعمال کئے جاتے ہیں۔

دلِت شاعری چونکہ انقلابی اور احتجاجی شاعری ہے اس لئے زبان میں تلخی، غم وغصہ اور اونچی ذات والوں کے خلاف نفرت عیاں ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں کلام میں زورِ بیان اور معقولیت پائی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے کلام میں جہاں تاریکی اور نااُمیدی ہے وہیں روشنی اور اُمید بھی نظر آتی ہے۔

بیس سالوں کے دوران کئی شاعر وجود میں آئے۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جنہیں بھلایا نہیں جا سکتا۔ اثر انگیز اور زور بیان شاعروں میں نامدیو دھسال کا نام سرِفہرست ہے۔ اس کے کلام میں مبالغہ آمیزی ضرور ہے۔ لیکن اس کی شان مایاں ہے مستقبل بھی موجود ہے۔ دیا پوار، ارجن، ڈانگلے، وامن نیمبیلکر، بھیم سین دیتھے چند دینکر، شری امبک سپکالے اور کیشو میشرام کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ اور نارائن سروے مانے ہوئے سنجیدہ مزاج شاعر ہیں۔

دلِت ادب میں شاعری یوں تو زیادہ ہے۔ نثر نگاری میں بھی مانے ہوئے ادیب موجود ہیں ان میں سے شنکر راؤ کھرت اور انا بھاؤ ساٹھے قابل ذکر ہیں۔ دونوں ناول نگار ہیں اور مختصر کہانیاں بھی لکھتے ہیں۔

بابوراؤ باگل دلِت ادیبوں میں کہانی لکھنے والوں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی کہانیوں میں تشہیر سے زیادہ حقیقت کا رنگ نظر آتا ہے۔ نوجوان ادیبوں میں یوگی راج واگھمارے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی تصاویر میں دلت لوگوں میں ہی چند لوگوں کا معیار زندگی بلند ہونے کے نتیجہ میں آپس میں تناؤ اور کشیدگی کے رجحان کا ذکر ہوتا ہے۔

کیشو میشرام حالانکہ تربیت و تجربہ کے لحاظ سے غیر دلِت ہیں لیکن حال ہی میں انھوں نے دلت انداز سے لکھنا شروع کیا ہے۔ آپ کی تصانیف میں خیالات کی پختگی، زبان پر قدرت اور موثر اندازِ بیان پایا جاتا ہے۔ واقعات اور جذبات کی صحیح عکاسی نظر آتی ہے۔ آپ کی تصنیف "حقیقت اور جاتیو" نثر نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ آپ بیک وقت ایک شاعر، ناقد، مضمون نویس اور کہانی نگار ہیں۔

دلِت ادب میں نثر، قصہ کہانی مقابلتاً کم ہے اور ناٹک یا ڈرامہ کا عنصر اس سے بھی کم۔ ابتدائی دور میں "تماشہ" پرچار کے مقصد سے موثر طور پر استعمال کیا گیا یوں تو دلتوں کے جیون میں ناٹک یا تمثیل کی کمی نہیں، پھر بھی کوئی قابلِ ذکر 'ڈرامہ' نہیں لکھا گیا۔

دلت ادب کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ بہت سے دلت لوگوں کا خیال ہے کہ ان کا حال بھی امریکہ کے نیگروں ہی کے مانند ہے۔ کچھ دلتوں نے نیگرو ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس سے متاثر ہوئے۔ بلاشبہ نیگرو اور دلت کے حالات میں بعض باتیں مشابہ ہیں، لیکن یہ مشابہت کس حد تک ہے یہ کہنا دشوار ہے۔

کچھ سال ہوئے زیادہ جوشیلے اور مجاہد قسم کے دلتوں نے 'دلت پینتھرس' کے نام سے اپنی تنظیم کی۔ دلت ادب' دلت احیا کا 'ذہنی محاذ' ہے اور پینتھر اس کا مجاہدانہ محاذ قرار پایا۔

دلت ادب کے تعلق سے ایک اور سوال جس پر بار بار بحث ہوئی ہے، یہ ہے کہ صحیح معنوں میں دلت ادیب کون ہے، نیز کس قسم کے ادب کو 'دلِت ادَب' کہا جا سکتا ہے؟ کیا صرف نوبدھوں (سابق مہار) کو دلِت ادیب سمجھا جائے' یا ان تمام لوگوں کو جو درماندہ اور نیچ جاتیوں سے تعلق رکھتے ہیں "دلت" شمار کیا جائے مزید برآں کیا ایسے ادیب ہی کو 'دلت ادیب' کہا جائے جو اونچی جاتیوں کے خلاف انقلابی جذبہ کے ساتھ 'دلت زندگی' کے بارے میں لکھتا ہے؟ یا پھر کوئی بھی ادیب جو دلت طبقہ سے تعلق رکھتا ہو اور کسی بھی جذبہ کے تحت کسی بھی طبقہ' نیز پورے دلت طبقہ کی زندگی کے بارے میں لکھتا ہو' دلت ادیب' مانا جائے۔ آخر دلت کون ہے؟

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے' عام خیال یہی ہے کہ پست اور مظلوم طبقہ کی زندگی کے بارے میں احتجاجی انداز سے لکھنے والے شخص کو ہی خواہ اس کی ذات برادری کچھ بھی ہو' دلت ادیب مانا جائے۔ لہذا ظاہر یہی ہے کہ 'کون لکھتا ہے' اس کے مقابلے میں 'کیا لکھا ہے اور کس انداز اور جذبے سے لکھا ہے' زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہی اٹھائے گئے دونوں سوالوں کا جواب ہے۔

دلت ادب کا ایک اور پہلو قابل غور ہے۔ اکثر وبیشتر 'دلِت ادیب' ڈاکٹر امبیڈکر کے عقیدت مند ہیں اور ان ہی کے خیالات اور فلسفہ پر کاربند رہتے ہیں۔ ان میں ایسے چند ہی ادیب ہیں جو 'مارکسٹ خیالات' کے حامی ہیں یا اس کا رجحان رکھتے ہیں ــــ پربھاکر، نیرورکر اور ڈاکٹر سدا کر ہاڈے جیسے غیر دلت ادیب ان کے ہمنوا ہیں۔ ڈاکٹر ہاڈے کے خیال میں امبیڈکری اور مارکسی تصورات میں موثر طریقے پر ہم آہنگی ممکن ہے اور مارکسی اور امبیڈکری گروہ مل کر بڑی طاقت بن سکتے ہیں اور سماجی ومعاشی انقلاب لا سکتے ہیں' آیا امبیڈکری اس خیال سے متفق ہیں یا نہیں' یہ امر ابھی واضح نہیں ہے۔ بہرحال

باقی صفحہ ۱۳ پر

منشی عبدالکریم عطاؔر اور اُن کا ایک مراٹھی مرثیہ

اشفاق انجم
(مالیگاؤں)

حیاتِ انسانی ' غم ومسرت کے جذبات سے عبارت ہے۔ اس وقت جبکہ انسان "غوں غاں" کے اسٹیج میں تھا اپنے ان جذبات کا اظہار عموماً ایسے ہی بے معنی الفاظ یا اپنی حرکات سے کرتا تھا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ زبان کی تشکیل ہوئی تو اس کا پیرایۂ اظہار بھی تبدیل ہوتا گیا اور اب انسان اپنے جذبات وخیالات کے اظہار کے لیے الفاظ کا سہارا لینے لگا۔ ابتدا میں جو شعری تخلیقات ہوئیں ان میں انھیں دو جذبات کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ عموماً مسرت کے لمحات وقتی ہوتے ہیں اور غم ایک مستقل روگ بن جاتا ہے۔ انسان جس شدت سے غم والم سے متاثر ہوتا ہے، خوشیوں سے نہیں ہوتا۔ غم والم کا تاثر بڑا دیرپا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر زبان میں جو ابتدائی شعری نمونے ملتے ہیں وہ "مرثیہ" ہیں۔

بقول سفارش حسین رضوی :

"عوام کی زندگی میں عقیدت کے جذبے کی تسکین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر زبان کے ابتدائی ادب میں اس سرمایہ (مرثیہ) کی عام طور پر فراوانی ہے۔"[1]

ہندوستان میں مرثیہ کی ابتدا "دکن" سے ہوئی۔ اب تک جس قدیم ترین دکنی مرثیہ کا پتہ چلا ہے وہ قطب شاہ کا ہے جو سولہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف کی تصنیف ہے[2]

یہ یقینی اور مصدقہ امر ہے کہ اُردو شاعری' فارسی شاعری کا عکس رہی ہے اور تمام اصنافِ سخن اسی سے مستعار ہیں۔ مرثیہ بھی اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ آیا لیکن اس میں ایک تخصیص کی صورت پیدا ہو چکی تھی یعنی اب مرثیہ صرف معرکۂ کربلا اور شہادتِ حسینؓ کے بیان کا نام تھا۔ شعراء مرثیہ لکھنا کارِ ثواب سمجھنے لگے۔ انیسؔ و دبیرؔ نے تو اسے نجات کا باعث سمجھ لیا تھا۔ اور انھیں دو اساتذہ نے مرثیہ کو نئی جہت سے روشناس کروایا۔ ان کی مرثیہ گوئی نے مرثیہ کو وزن و وقار عطا کیا ورنہ ایک زمانہ تھا کہ شمالی ہند میں "مرثیہ گوئی" بگڑے شاعر کی جاگیر سمجھی جاتی تھی۔ انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ گوئی کا یہ اثر ہوا کہ تمام ملک میں تقریباً ہر چھوٹے بڑے شاعر نے "حسبِ توفیق" مرثیہ لکھا اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ یہاں تک کہ ہندو شعراء نے بھی نہایت پُراثر مرثیے لکھے۔ ثبوت کے لئے درج ذیل واقعہ ہی کافی ہوگا:

منشی نوبت رائے نظرؔ نے فروری ۱۹۰۸ء کے "زمانہ" میں لکھا ہے کہ ایک ہندو شاعر کے سلام میں ایک شعر لاجواب نکل آیا۔ میر انیسؔ کو وہ شعر سُنایا گیا تو بولے کہ "میں اس شعر کے بدلے اپنا سب دفتر دینے کو تیار ہوں"

شعر یہ ہے ؎

کہتی تھی بانو الٰہی کیجیو وارث کی خیر !
آج کیوں سر سے ڈھلی جاتی ہے چادر بار بار

غرض کہ سارے ملک میں مرثیہ ہی کی فرمانروائی تھی۔ مالیگاؤں میں بھی شعرائے کرام نے اس پر طبع آزمائی کی لیکن یہ ان کے لیے "وقتی مشغلہ" تھا جبکہ منشی عبدالکریم عطاؔر نے اسے اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ انھوں نے تمام عمر مرثیہ کے علاوہ کسی اور صنفِ سخن کی طرف توجہ نہیں کی۔

عطاؔر کے والد کا نام چاند تھا جو ملاّباڑے میں رہتے تھے۔ یہیں عطاؔر کی پیدائش ۱۸۴۴ء میں ہوئی اور ۱۹۴۴ء میں تقریباً ۱۰۰ برس کی عمر میں کرج گوان (مالیگاؤں کے قریب ایک دیہات) میں وفات پائی۔

میرے پاس عطاؔر مرحوم کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس میں ان کے کل ۴۳ مرثیے شامل ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس کے علاوہ ان کا تمام سرمایہ ضائع ہوگیا۔

منشی عطاؔر کے مرثیوں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا علم نہایت ہی وسیع تھا۔ اُردو، فارسی اور مراٹھی پر مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فن شاعری سے پوری طرح واقف تھے۔ انھوں نے اسے نہایت چابکدستی سے اپنے کلام میں برتا بھی ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی شاعر کے ہاں اس قدر مشکل انداز اور مشکل ترین صنعتوں میں شعر نہیں ملتے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قلمی نسخے میں ایک مرثیہ شامل ہے، جسے انھوں نے "صنعتِ تحتانیہ" کا نام دیا ہے۔ اس صنعت میں تمام الفاظ کے نیچے نقطے آتے ہیں ؎

باادب ہو کے بس میرے یارا — ہے سلامٌ علیکم ہمارا
مُرسلِ پاک کو بار بارا — ہے سلامٌ علیکم ہمارا
بعدِ عباس ہے جو دلاور — اور بہادر ہے بس جو کہ اکبر
بھوکا پیاسا گیا ہے جو مارا — ہے سلامٌ علیکم ہمارا

صنعتِ غیر منقوط میں چند اشعار ؎

حمدِ مولا کو اوّل ادا کر ! — دل لگا کر
دوسرا حمدِ احمد مدام و سوا کر — محمد محمد کہا کر
وصل دادر ہوا اس کو حاصل — اور کامل
وِرد اسمِ محمدؐ کا ہر دم دلا کر — محمدؐ محمدؐ کہا کر

[1] [2] 'اُردو مرثیہ' ۔ سفارش حسین رضوی صفحہ ۱۸ ، صفحہ ۱۸

"صنعتِ" واسع الشفتین" میں چند شعر پیش کرتا ہوں۔ اس صنعت میں ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن کے پڑھنے سے لب سے لب نہیں ملتے ۔

لڑکوں کی کرنے شادیاں کہتے تھے شاہِ دیں
کیا ہوگیا یہ، کیا تھا ارادہ حسینؑ کا

دہشت سے شاہِ دیں کی تھراتے تھے عدد
سُن کے لرزتے تھے لعیں نعرہ حسینؑ کا

رنج کتنا ہوگا رُوحِ رسولِ خداؐ کے تئیں
سُلگائے اعدا جس گھڑی ڈیرہ حسینؑ کا

اس کے علاوہ انھوں نے فارسی میں بھی کئی مرثیے لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ اِس وقت مجھے منشی عطاؔ، کی شاعرانہ صلاحیتوں اور خصوصاً ان کے ایک مراٹھی مرثیے سے بحث کرنی ہے اس لئے اسے نظر انداز کر رہا ہوں۔

مراٹھی شاعری کی عمر قابلِ لحاظ ہے لیکن اس میں بہت کم مُسلمان شعرا نے حصہ لیا ہے۔ ملک محمد جائسی اور آمر شیخ کا نام ان میں نمایاں ہے۔ منشی عبدالکریم عطاؔ، مراٹھی زبان سے کماحقہٗ واقف تھے۔ اس لئے انھوں نے اسے بھی اپنے جذبات و خیالات کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ چونکہ عطاؔ، صرف مرثیہ ہی کہتے تھے اس لئے انھوں نے مراٹھی میں بھی مرثیہ ہی لکھا۔ اس طرح انھوں نے مراٹھی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ابھی تک میں نے کہیں بھی مراٹھی مرثیہ سے متعلق کچھ سُنا ہے اور نہ ہی کہیں کچھ پڑھنے ہی میں آیا۔ عطاؔ، کے قلمی نسخہ میں صرف ایک ہی مراٹھی مرثیہ شامل ہے۔ جو زبان و بیان کے لحاظ سے مکمل تو ہے ہی، اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں جذباتی تاثر بھی عیاں ہے مجھے یقین ہے کہ عطاؔ، نے اور بھی مراٹھی مرثیے کہے ہوں گے جو اُن کے تمام سرمائے کے ساتھ ضائع ہو گئے۔ اس کے باوجود بھی منشی عطاؔ، کو "پہلا مراٹھی مرثیہ گو" شاعر کہا جاسکتا ہے۔

ذیل میں ان کا مراٹھی مرثیہ مع ترجمہ کے ملاحظہ فرمایئے اور اس کی سلاست اور روانی کی داد دیجئے:

مراٹھی مرثیہ:

شمر لنے پھار وائیٹ کیلا ... آئیکا سجنا
لال زہرہ چا کربل مدھی ٹھار کیلا ... جگ چا چندر آج میلا

ترجمہ:

شمر نے بہت ہی بُرا کیا ۔ سُنو دوستو
زہرہ کے لال کو کربل میں شہید کیا ۔ دنیا کا ماہتاب آج فوت ہوا

مراٹھی مرثیہ:

جل دِلا ناہی بیری نے ہائے ۔ ظلم کائے
پانی پانی کرتا منگ پران گیلا ... جگ چا چندر آج میلا

ترجمہ:

ظالم نے انھیں پانی دیا ہی نہیں ۔ بڑا ظلم کیا
پانی پانی کرتے ہوئے جان دی ۔ دنیا کا ماہتاب آج فوت ہوا

مراٹھی مرثیہ:

ایتھے پانی مِڑالا ہی ناہی ۔ آئیکا سائی
جاؤن بیکنٹھ مدھی نیر منگ تیانی پیلا ۔ جگ چا چندر آج میلا

ترجمہ:

یہاں پانی ملا ہی نہیں ۔ سُن سائی
اس نے جنت میں جا کر پانی (آبِ کوثر) پیا ۔ دنیا کا چاند آج فوت ہوا

مراٹھی مرثیہ:

گوشٹ اِتکی عطاؔ آئیک ماجھی ۔ ہمنتو توشی
ہیا جگا تِیل ملعون نی باپ نیلا ۔ جگ چا چندر آج میلا

ترجمہ:

عطاؔ میری اتنی بات سُن ۔ تجھ سے کہتا ہوں
اس دنیا سے شمر ملعون باپ لے گیا ۔ دنیا کا چاند آج فوت ہوا

مراٹھی	دیگر	زبان
آئیکا سجنا		شمرنی پھار وائیٹ کیلا
جگ چا چندر آج میلا		لال زہرا چا کربل مدھی ٹھار کیلا
ظلم کائے		جل دلا ناہی بیری نی ہائے
جگ چا چندر آج میلا		پانی پانی کرتا منگ پران گیلا
آئیکا سائی		ایتھے پانی مڑالا ہی ناہی
جگ چا چندر آج میلا		جاؤن بیکنٹھ مدھی نیر منگ تیانی پیلا
ہمنتو توشی		گوشٹ اِتکی عطا آئیک ماجھی
جگ چا چندر آج میلا		ہیا جگا تیل ملعون نی باپ نیلا

اس مرثیے سے متعلق دو باتوں کا اظہار کر دینا ضروری ہے اول تو یہ کہ عطاؔ نے یہ مرثیہ اُردو رسم الخط میں تحریر کیا ہے اور دوم یہ کہ انھوں نے اس

منشی عبدالکریم عطاؔ، کے قلمی نسخے کے ایک صفحہ کا عکس تحریر جس کا رسم الخط اُردو ہے اور زبان مراٹھی

مرثیے میں " ملعون " کا لفظ استعمال کیا ہے جو شاید مراٹھی زبان کے لئے نیا ہو سکتا ہے کسی زبان میں نئے الفاظ کا داخلہ مشکل ہی سے ہوتا ہے، ہاں اگر الفاظ زبان کے مزاج کا ساتھ دیں تو ناممکن بھی نہیں ہے۔ یہاں عطار نے لفظ 'ملعون' اس انداز میں استعمال کیا ہے کہ وہ عربی کی بجائے مراٹھی ہی کا کوئی لفظ معلوم ہوتا ہے کاش عطار کا تمام دفتر ہاتھ آسکتا تو یقینی طور پر اور بھی کئی نادر چیزیں دیکھنے کو ملتیں۔

عطار کی فنی مہارت اور ان کے اسلوب کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عطار اپنے دور کے ایک منفرد اور ممتاز شاعر تھے۔ جنھوں نے مختلف اصنافِ سخن اور مختلف زبانوں میں مرثیہ کہہ کر مرثیے کے کینواس کو اور زیادہ وسیع کیا اور اُسے ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ ००

ص۸ سے آگے

آنند یادو کی لکھی ہوئی ناول ' गोतावळा ' اور جی۔ این ڈانڈیکر کی ناول (مرنی مٹی) انسان اور قدرت کے درمیان رشتوں کو بڑے سلیقے سے واضح کرتی ہیں۔ (چکر) وِدیادھر پنڈلک کا مشہور یک نفری ڈرامہ ہے جس میں عالمی امن اور دوستی کا پیغام پوشیدہ ہے۔

ایس۔ این پینڈسے مانے ہوئے ناول نگار ہیں۔ ان کی ناولس گربیا چا باپو ' गारंबीचा बापू ' اور رتھ چکر ' रथचक्र ' لاجواب تصانیف ہیں۔ جس میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مزاح نگاری میں پی۔ ایل دیش پانڈے کی ناول ' व्यक्ती आणि वल्ली ' اور ' गणगोत. ' بہترین کہی جاسکتی ہیں۔

جیونت دلوی کی تصنیف ' ठणठण पाळ ' مزاح، حاضر جوابی اور لطائف کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ وسنت سبنیس کا ڈرامہ " وچھا ماجھی پوری کرا " ' विच्छा माझी पुरी करा ' نئے زمانے کی مناسبت سے ایک مقبول ڈرامہ ہے۔ مہیش الکنچوار ایک نوجوان ڈرامہ نویس ہیں جو مغربی ڈراموں جیسا اثر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

آج ہری بھاؤ جیسے ناول نگار اور کھاڈیلکر۔ گڈکری جیسے ڈرامہ نویس موجود نہیں ہیں لیکن درگا بائی۔ ایراوتی بائی، شردا ڈکر۔ کانیٹکر اور جی۔ اے کرنڈیکر۔ پڈگاؤکر، بورکر۔ اندار پینڈسے۔ ٹینڈولکر، گریس اور مہانور جیسے ادیب موجود ہیں جن کی تصانیف کافی ترقی یافتہ ہیں۔ آج ادب پختہ صاف اور غیر ادبی تاثر سے پاک نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ آزادی کے بعد ادب کو ملی ہوئی آزادی کا نتیجہ ہے۔ ●●

ص۱ سے آگے

یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ کہاں تک ممکن ہے کیونکہ خود ڈاکٹر امبیڈکر کا یہ کہنا ہے کہ 'بدھ مت' مارکسیزم کا بہتر بدل ہے۔ حالانکہ بابوراؤ باگل غالباً مارکسی ہیں لیکن وہ انسانیت کے مقابلہ میں مارکسیزم کو کمتر اہمیت دیتے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ دلت ادب انسان کے تئیں نفرت نہیں بلکہ محبت کا حامل ہے اور اس کا مرکز انسان ہی ہے۔

دلت ادب کے پروان چڑھنے کے ساتھ اس کی پرکھ کا سوال بھی قدرتی طور سے اُٹھا۔ یہ خیال پُرزور طریقے سے پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ 'دلت ادب' متن، جذبہ اور مقصد کے لحاظ سے بورژوا یعنی متوسط طبقہ کے ادب سے مختلف ہے لہٰذا ادبی تنقید کا یہ معیار 'دلت ادب' کے لئے اپنایا نہیں جاسکتا۔ اس نقطۂ نظر سے 'دلت ادب' کی ساخت کے مقابلے میں 'متن، مقصد اور جذبہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے، یہی خیال پختہ ہوتا جارہا ہے۔

ایک اور پہلو ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ دلت ادب میں زندگی کا احوال کم و بیش یکساں ہے، احساسات اور تجربات میں گہرائی نہیں، تجربات کے اظہار کے لئے استعمال کی جانے والی زبان اور محاورے بھی کم و بیش ایک ہی طرح کے ہیں۔ اس ادب میں موضوع اور طرزِ بیان میں یہ تکرار اور مماثلت قابلِ فہم ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے جذبات اور تجربات کا از خود اولین اظہار ہے جن میں نئی بیداری، خود اعتمادی اور عزتِ نفس پیدا ہوئی ہے۔

یہ قدرتی امر ہے کہ اس روحانی بیداری کو فروغ دینے کے لئے رسالوں کی ضرورت تھی۔ ایسے کئی رسالے شائع بھی ہوئے لیکن ان میں سے چند ہی زندہ رہے جن میں سے قابلِ ذکر " اسمتا درس " ہے جسے پونے کے پروفیسر گنگا دھر پنت والے چلاتے ہیں۔ یہ گیارہ سال سے زیادہ عرصہ سے جاری ہے اور ہر نقطۂ خیال سے 'دلت ادب' کو فروغ دے رہا ہے۔

'دلت ادب' کی قدر و قیمت کے بارے میں مختلف رائیں ہو سکتی ہیں، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مراٹھی ادب میں ایک جاندار اور قابلِ قدر اضافہ ہے۔

●● ✶✶✶✶✶✶✶

مراٹھی نظم

دل کے صبح و شام

• گووند اگرج
— ترجمہ —
بدیع الزماں خاور

یہ جو تا حدِّ نظر پھیلا ہوا ہے آسماں
دل مجھے فطرت سے ایسا ہی ملا ہے بیکراں
نور و ظلمت کا یہی منظر مرے سینے میں ہے
ہے یہی شام و سحر کا میرے دل میں بھی سماں

•

تیرگی شب میں، مشرق سے ابھرتے ہی سحر
جیسے آتا ہے نیا عالم نگاہوں کو نظر
یاس میں ویسے ہی اُمیدوں کے تازہ نور سے
جگمگاتے ہیں مرے تاریک دل کے بام و در

•

دوپہر میں جیسے ہوتا ہے فزوں دن کا جمال
ڈوبتا ہے جیسے سورج شام کو ہو کر نڈھال
ویسے ہی دل کی اُمیدیں پاتی رہتی ہیں فروغ
ویسے ہی دل کی اُمیدوں پر بھی آتا ہے زوال

•

رات کو ہوتی ہے غائب جیسے دن کی روشنی
جیسے چاروں سمت شب کو پھیلتی ہے تیرگی
یاس میں ویسے ہی ہوتا ہے فسُردہ میرا دل!
کِھل کے مُرجھاتی ہے ویسے ہی مرے دل کی کلی

•

جیسے شب کی تیرگی میں جھلملاتے ہیں نجُوم
ویسے ہی دل میں اُبھرتا ہے خیالوں کا ہجوم
جیسے سورج رقص کرتا ہے اُفق پر صبح کو
ویسے ہی دل میں نئی آشا مچا دیتی ہے دھوم

•

ہے اُمید و یاس پر قائم مرے دل کا نظام
نور و ظلمت رقص کرتے ہیں مرے دل میں مدام
میرے سینے کے خلاء میں بھی، مثالِ آسماں
کھیلتے رہتے ہیں پیہم میرے دل کے صبح و شام

مہاراشٹر کا زبردست سماجی و معاشی پروگرام

شری شرد پوار کی زیرِ قیادت پروگریسیو ڈیموکریٹک فرنٹ (پی۔ ڈی۔ ایف) کی نئی حکومت گزشتہ جولائی میں قائم ہوئی۔ اس کے بعد سے صرف تین ماہ کی مختصر مدت میں نئی حکومت نے کئی اہم اور جرأت مندانہ فیصلے کیے۔ برسرِ اقتدار آنے کے بعد نئی حکومت کو متعدد پیچیدہ اور کٹھن مسائل سے نپٹنا پڑا جو ریاست کو درپیش تھے۔ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ اگر کسی مسئلے پر فوراً توجہ نہ دی جائے اور اسے حل کرنے کے لیے بروقت فیصلہ نہ کیا جائے تو یہ نہ صرف مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے بلکہ خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اور بالآخر قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہر مسئلہ کو حل کرنے کی غرض سے بروقت فیصلہ کیا جائے۔ یہ نہ صرف حکومت بلکہ عوام کے نقطۂ نظر سے بھی سودمند ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا نئی حکومت کو تیزی سے متعدد جرأت مندانہ فیصلے کر کے انھیں زیرِ عمل لانے کے لئے فوری اقدامات کرنا پڑے۔

نئی حکومت نے عوام پر یہ واضح کر دیا ہے کہ اس کے پیشِ نظر اصل مقصد یہی ہے کہ ریاست میں جمہوریت کو مستحکم کیا جائے۔ نیز عام آدمی کو ساری منصوبہ بندی کا مرکزی نقطہ مان کر سماجی و معاشی ترقی کی راہ ہموار کی جائے۔ نئی حکومت نے عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر ۴۰ نکاتی پروگرام منظور کیا ہے جس کے تحت چھوٹے کسانوں، بے گھر دن، بے زمین مزدوروں، ادیباسیوں اور جھونپڑ پٹی واسیوں کو درپیش مسائل حل کرنے کے لیئے موثر اقدامات کئے جائیں گے۔

کھیت اجرت میں اضافہ:

اس سمت میں ریاستی حکومت نے جو فیصلے کئے ہیں ان میں ایک اہم ترین فیصلہ کھیتی مزدوروں کی کم سے کم اجرت بڑھانے سے متعلق ہے۔ ان مزدوروں کو جن کی تعداد ۵۴ لاکھ ہے جاری زراعتی سال سے روزانہ ایک سے لے کر ۲½ روپے تک زائد اجرت ملے گی۔ اسی طرح ضمانت روزگار اسکیم کے کاموں میں لگے ہوئے مزدوروں کو روزانہ موجودہ تین روپے کے بجائے چار روپے ملیں گے۔ بہرحال انھیں تین روپے نقد دیئے جائیں گے۔ اور مزید برآں مرکز کے "اناج برائے کام" پروگرام کے تحت ایک کلوگرام گیہوں دیا جائے گا۔ ایک کھیتی مزدور کی اقل ترین شرح اجرت ۳ روپے روزانہ تھی۔ اب زرعی علاقے چار حلقہ جات میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان حلقوں میں مختلف شرح اجرت ۴ تا ۵½ روپے مقرر کی گئی ہے۔

کسانوں کو خاص رعایتیں:

حکومت نے چھوٹے کسانوں کے مفاد کی حفاظت کی خاطر خاص رعایتوں کا اعلان بھی کیا ہے۔ ان قرضہ جات پر شرح سود کم کر دی جائے گی جو چھوٹے اور معمولی کسان لیتے ہیں۔ ادیباسیوں کو ۷،۵۰۰ روپے کی رقم تک بلا سود قرض مل سکے گا۔ اس کے علاوہ خشک کھیتی کسانوں کو کھیتی کے لئے دیئے جانے والے مختصر المدتی قرضہ جات کے سلسلے میں بعض مراعات حاصل ہوں گی، جو یہ ہیں:- (۱) ۷،۵۰۰ روپے کی رقم تک ایسے قرضہ جات پر سود نصف کر دیا جائے گا جو یکم جولائی ۱۹۷۸ء کے بعد ادیباسیوں نے قبائلیوں ضمنی منصوبے کے تحت زراعتی سوسائٹیوں یا سر دس سوسائٹیوں سے لیا ہے۔ لیکن ان کی ملکیت میں دو ہیکٹر سے زیادہ زمین نہ ہونی چاہیئے نیز ان کی غیر زراعتی آمدنی سالانہ ۲،۴۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو۔ اب تک وہ ۴ فیصدی سود دیتے تھے۔

(۲) بیرون قبائلی ضمنی منصوبہ ابتدائی سوسائٹیوں کے ادیباسی ممبران سے جو مذکورہ بالا آمدنی زمرہ میں آتے ہیں۔ سات فیصد شرح سے سود لیا جاتا ہے۔ یکم جولائی ۱۹۷۸ء سے کوئی سود نہ لیا جائے گا۔

(۳) ریاست کے سوکھے سے متاثرہ ۸۷ علاقوں کے چھوٹے کسانوں کے لئے شرح سود گیارہ فیصد سے گھٹا کر چار فیصد کر دی جائے گی۔ لیکن ان کی ملکیتِ اراضی تین ہیکٹر سے زیادہ اور ان کی غیر زراعتی آمدنی ۲،۴۰۰ روپے سالانہ سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔

(۴) سوکھے علاقوں سے باہر کسانوں کے لئے شرح سود سات فی صد سے گھٹا کر چار فیصد کر دی جائے گی۔ جہاں ملکیت اراضی دو ہیکٹر سے زیادہ اور غیر زراعتی آمدنی سالانہ ۲،۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے۔

کسانوں کے لئے بجلی:

مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹرک سٹی بورڈ نے ۷ ستمبر ۱۹۷۸ء سے معمولی اور

تیز درجہ یہ دونوں طرح کی سپلائی کے سلسلے میں ریٹ گھٹا کر ۲۰ پیسے فی یونٹ کر دیا ہے تاکہ کسانوں کو کھیتی میں فائدہ پہنچے۔ معمولی بجلی سپلائی کے لئے شرح ۲۹ پیسے اور تیز بجلی سپلائی کے لئے ۲۷ پیسے تھی۔

جن علاقوں میں بجلی کی سپلائی موٹر ہارس پاور کی بنیاد پر ہوتی ہے وہاں شرح ۱۲۵ روپے فی ہارس پاور ہوگی۔ قبل ازیں یہ شرح ۱۸۰ روپے تھی۔ اس کے علاوہ تمام کسان صارفین کے لئے کوئی الیکٹریسٹی ڈیوٹی نہ ہوگی۔

گندی بستیوں کا سدھار:

بمبئی میں مکانات کا مسئلہ بڑا کٹھن بن گیا ہے۔ مکانات کی قلت اور گرانی کے باعث جھونپڑ پٹیاں اندھا دھند بڑھ گئی ہیں لہٰذا حکومت کو ان جھونپڑ پٹیوں کی تعمیر نو اور سدھار کے کام کو اولیت دینا پڑی تاکہ جھونپڑ پٹی واسی بہتر زندگی گذار سکیں۔ اس مقصد کے پیش نظر نئی حکومت نے جھونپڑ پٹیوں کا کرایہ گھٹا کر پہلا قدم اٹھایا ہے۔ اس فیصلے کے مطابق ۱۵۰ مربع فٹ یا اس سے کم رقبے والے جھونپڑے کے کرایہ دار کو یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے ایک روپیہ ماہانہ برائے نام فرشی کرایہ حکومت کو نیز نل پانی سنڈاس اور بجلی جیسی سہولتوں کے لیے ۱۰ روپے ماہانہ بطور سروس چارج میونسپلٹی کو ادا کرنا ہوگا۔ فی الحال وہ ۲۱ روپے ماہانہ ادا کرتے تھے۔ اس رعایت سے بمبئی عظمیٰ میں شمار کردہ ۷۰ فیصد جھونپڑ پٹی واسی مستفید ہوں گے۔ یہ رعایت ۱۵۰ مربع فٹ سے زیادہ رقبے والے جھونپڑوں کے لیے نہ ہوگی۔

قبل ازیں ریاستی حکومت اس اراضی پر جھونپڑ پٹی واسیوں کے لیۓ لازمی سہولتیں بہم نہ پہنچا سکی تھی۔ جو مرکزی حکومت کے محکمہ جات کے قبضے میں ہے۔ اب یہ طے کیا گیا ہے کہ ریاستی حکومت اپنے طور پر ایسی اراضی پر جو فوری طور سے درکار نہیں ہے جھونپڑ پٹیوں میں بنیادی سہولتیں بہم پہنچائے گی۔

استحصال کی روک تھام:

ریاستی حکومت نے کمزور اور پست طبقات کے لوگوں خصوصاً ادیباسیوں کی زندگی کے معیار کو بلند کرنے کی جانب اولین توجہ دی ہے۔ ریاست میں ادیباسیوں کی تعداد تقریباً ۲۹،۵۴ لاکھ ہے جو کل آبادی کا چھ فیصد ہے۔ روپیہ کے لین دین بیوپار میں بے ایمانی اور استحصال کو روکنے کی غرض سے حکومت نے قبائلی ضمنی منصوبہ علاقہ میں ساہوکاروں پر پابندی عائد کر دی ہے اور مہاراشٹر قبائلی معاشی حالت بہتری ایکٹ لاگو کیا ہے۔ اس کے علاوہ کھوتی قرضہ جات کے لیے بھی قاعدہ بنایا گیا ہے۔ اب ادیباسیوں کی امداد باہمی سوسائٹیاں ادیباسی کسانوں بے زمین بے زمین مزدوروں اور دیگر مزدوروں کو قرض دیتی ہیں۔ اس مقصد سے ۳۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جس میں سے ۲۰،۵۴ کروڑ روپے تقسیم کئے جا چکے ہیں۔

مذکورہ بالا ایکٹ کے قوانین کے تحت بیوپاریوں اور ایجنٹوں کو ادیباسیوں کی زرعی اور جنگلاتی پیداوار خریدنے کی ممانعت کر دی گئی ہے، یہ اسکیم ریاست کے ۴۰ تعلقہ جات میں لاگو کی گئی ہے۔ جہاں ادیباسیوں کی اکثریت ہے۔ اسٹیٹ کو آپریٹو ادیباسی ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ حکومت کی جانب سے یہ پیداوار ادیباسیوں سے خریدے گی۔ اس مقصد سے مختلف مقامات پر خریداری مراکز کھولے گئے ہیں۔ اس طرح بیوپاری ادیباسیوں کو لوٹ نہ سکیں گے اور ادیباسیوں کو براہ راست فائدہ پہنچے گا۔ انھیں اپنے مال پر واجب قیمت نقد ملے گی اور ناپ تول اور رقم وغیرہ کے معاملے میں بے ایمانی نہ ہو سکے گی۔

سیلاب زدگان کی بحالی:

گزشتہ موسم باراں کے دوران اضلاع اکولہ اور جلگاؤں میں بھاری سیلاب کے باعث لوگوں کی زندگی درہم برہم ہو گئی۔ لہٰذا حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ سیلاب سے متاثرہ اشخاص کی بازآبادکاری کے لئے ترجیحی بنیاد پر اقدامات کئے جائیں۔ لہٰذا ایسے کاشت کاروں کو جن کے پاس چار ہیکڑ سے زیادہ اراضی ہے بیج خریداری کے لئے تقاوی قرض دیا جاتا ہے۔ فی الحال کسانوں کو بیج بلا قیمت مہیا کرنے کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے۔ سیلاب کے باعث کچھ قابل کاشت اراضی ناقابل کاشت ہو گئی ہے۔ لہٰذا محکمہ زراعت کو ہدایت کی گئی ہے کہ اس اراضی کو پھر قابل کاشت بنانے کے لیے اقدامات کئے جائیں۔ ایسی صنعتوں کو جنھیں سیلاب کے باعث نقصان پہنچا ہے۔ بحالی کے لئے ریاست مہاراشٹر مالیاتی کارپوریشن سے قرض ملے گا۔ سیلاب سے متاثرہ اشخاص کو برتنوں کی خریداری کے لیۓ ۵۰ روپے کی مالی امداد نیز مکانات کی مرمت کے لیے ۷۵۰ روپے تک بطور امدادی رقم اور ۵۰۰۰ روپے تک بطور قرض دیا جائے گا۔

فنی ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ تاکہ وہ سیلاب سے متاثرہ علاقوں میں سیلاب زدہ دیہاتوں کی منتقلی اور لوگوں کو بار بار نقصان سے بچانے کے لیۓ سفارشات پیش کرے۔ یہ کمیٹی فی الحال جلگاؤں اکولہ اور بھنڈارہ اضلاع کے سیلاب زدہ علاقوں کا جائزہ لے گی۔ حکومت اس کمیٹی کی سفارشات کے مطابق سیلاب سے متاثرہ علاقوں کی بحالی کا کام شروع کرے گی۔

فرشی رقبہ بدستور:

بمبئی عظمیٰ میں مختلف علاقوں کے لیۓ تعمیرات کے سلسلے میں فلور اسپیس انڈیکس (ایف ایس آئی) رولز، وضع کئے گئے ہیں۔ یہ افواہ پھیلی تھی کہ ایف ایس آئی قوانین میں تبدیلی یا اصلاح کی جانے والی ہے۔ لیکن یہ طے کیا گیا ہے کہ شہر میں لاگو ۱.۳۳ کی ایف ایس آئی میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ بہر حال ہاؤس ریپیئر اینڈ ری کنسٹرکشن بورڈ اور عوامی جماعتوں یا اوقاف کے زیر انتظام تعلیمی

[تع]لیمی اداروں کے معاملے میں حسب ضرورت قوانین میں ترمیم کی جائے گی۔

فراہمیٔ آب :

بمبئی واٹر سپلائی اینڈ سیوریج پلان کے دوسرے مرحلے پر ۳۵۴ کروڑ [رو]پے خرچ ہوں گے۔ اس پروجیکٹ کے لئے جو ۸۴-۱۹۸۳ء تک پایۂ تکمیل [ت]ک پہنچے گا انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ اتھارٹی (آئی ڈی اے) سے ۱۶۸٫۳۶ کروڑ [رو]پے کی امداد ملے گی۔ بقیہ خرچ ریاستی حکومت اور بمبئی میونسپل کارپوریشن مشترکہ [ط]ور سے برداشت کریں گی۔ اس منصوبہ میں آئندہ پندرہ سال کی مدت میں متوقع [ا]ضافہ آبادی نیز کم از کم فی کس کی موجودہ سطح پر برابر فراہمیٔ آب کا خیال رکھا گیا ہے۔ [ا]س کے علاوہ نکاسی نظام (سیوریج سسٹم) میں سدھار کے ساتھ صنعتوں کو کسی حد تک زیادہ پانی مل سکے گا۔ اس کے نتیجے میں موجودہ ۴۴ فیصدی کے مقابلہ میں ۹۰ فیصدی علاقہ فیضیاب ہوگا۔

فساد سے متاثرین کی بحالی :

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے نام میں تبدیلی کے معاملے پر مراٹھواڑہ میں فسادات برپا ہوئے تھے۔ اس معاملے میں یہ یقین دلایا گیا کہ یونیورسٹی کا نام بدلنے کے سلسلے میں فیصلہ مراٹھواڑہ کے لوگوں پر لادا نہیں جائے گا۔ مراٹھواڑہ کے تمام متعلقہ لوگوں اور حلقوں سے صلاح و مشورہ کرنے کے بعد اس مسئلے کا متحدہ حل نکالنے کی کوشش کی جائے گی۔ فساد سے متاثرہ اشخاص کی باز آبادکاری کے لئے ایک خاص افسر مقرر کیا گیا ہے اور باز آبادکاری کا کام تکمیل کے قریب ہے۔

پسماندہ طبقات کی ترقی :

ریاست میں مندرج جاتیوں، قبائل، نوبدھ، ومکت جاتیوں اور خانہ بدوش قبائل کی ہمہ جہتی معاشی ترقی کے لئے مہاتما پھلے بیک ورڈ کلاس ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کی گئی ہے۔ یہ کارپوریشن پسماندہ طبقات کو زراعتی ترقی، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں اور امداد باہمی صنعتوں کے قیام وغیرہ کے لئے مدد دے گی۔ انھیں سرمایہ اور قرض مہیا کرے گی۔

حکومت نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ تعلیمی مراعات سہولتیں اور سرکاری ملازمتوں میں تحفظ وغیرہ کی رعایتیں معاشی طور سے پسماندہ طبقات کو بھی دی جائیں۔ اس مقصد سے وزیر محصول شری اتم راؤ کی زیر قیادت ایک کابینہ ضمنی کمیٹی مقرر کی گئی ہے تاکہ وہ فی الحال دستیاب سہولتوں کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ رعایتیں معاشی طور سے پسماندہ طبقات کو دینے کے لئے معیار و ضابطہ طے کرے۔

قلت کے حالات پر قابو :

اس سال ریاست کے کچھ حصوں میں ناکافی بارش کی وجہ سے ریاست کے ۹ اضلاع قحط جیسی صورت حال سے دوچار ہوئے۔ ان حالات پر قابو پانے کے لئے حکومت نے چند موثر اقدامات کئے ہیں۔ مثلاً قحط زدہ علاقوں میں کسانوں کو ۳۰۰ روپے کے قرضہ جات کی منظوری تاکہ وہ کھاد وغیرہ خرید سکیں۔ ۷۸-۱۹۷۷ء کے تخمینہ کے سطور پر کھاد کے نقل و حمل کی سہولت، روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لئے تعمیری کام جیسے نالہ بندی وغیرہ، ایسی اراضی کی سرعت سے حصولیابی جن پر تعمیری کام کیا جانا منظور کیا گیا ہے۔

تعمیری کام پر زور :

قحط زدہ علاقوں میں باندھ اور نہر وغیرہ کا کام بلا تاخیر کیا جائے گا۔ سڑکوں کا کام بھی اسی طرح ذمہ دار افسران کے تعاون سے بلا تاخیر کیا جائے گا۔ دھولیہ ناشک، احمد نگر، پونے، سولاپور، سانگلی، جلگاؤں اور ستارہ جیسے قحط زدہ علاقوں میں تقطیر آب ٹانکیوں کے کام کے لیے ۵۵۰۰ روپیہ (فی ملین مربع فٹ) کے بجائے ۷۵۰۰ روپیہ کا مالی نشانہ قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح نالہ بندی کا کام ۸۰ ہیکٹر سے گھٹا کر ۴۰ ہیکٹر کر دیا گیا ہے۔ قحط زدہ علاقوں میں ان کاموں کو بڑے پیمانے پر انجام دیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کام ان مقامات پر بھی انجام دئے جا رہے ہیں جہاں ضروری سہولتیں مہیا ہیں۔ ٹانکیوں اور نہروں کی صفائی کا کام روزگار ضمانت اسکیم کے تحت مکمل کیا جائے گا۔

اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ دیہی علاقوں میں مقررہ فنی معیار کے مطابق ٹانکیوں کا کام پورا کیا جائے۔ خشک سالی کے آثار رکھنے والے علاقوں کا جائزہ لیا جا رہا ہے تاکہ ان جگہوں پر واقع سرکاری گرام پنچایت زمینوں اور دیگر خالی زمینوں پر مذکورہ بالا اقدامات کئے جا سکیں۔

فیس میں اضافہ کا خاتمہ :

ریاست میں واقع مختلف یونیورسٹیوں کے زیر تحت کالج فیس میں اضافہ اب ختم کر دیا گیا ہے۔ اور اب اسی سال سے ۷۸-۱۹۷۷ء کے مطابق فیس وصول کی جائے گی۔ جن طلبا نے پہلی ٹرم فیس زیادہ ادا کی ہے انھیں یا تو پیسہ واپس دیا جائے گا یا پھر یہ رقم آئندہ کسی ادائیگی میں جمع کر دی جائے گی۔ اس سلسلے میں ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جو کالج فیس پر غور و خوض کرے گی۔ اس کے علاوہ اس بات پر بھی غور کیا جائے گا کہ سالانہ ۴۸۰۰ روپیہ تک آمدنی رکھنے والے طلبا کے علاوہ مالی طور پر کمزور اور کن طلبا کو فیس میں رعایت دی جا سکتی ہے۔

یونیورسٹی میں داخلہ

حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ انجینیرنگ کالجوں میں زائد آسامیاں رکھی جائیں اور ایسے طلبا جنھوں نے پونے، مراٹھواڑہ اور شیواجی یونیورسٹی سے انٹر سائنس، پیشہ ورانہ کورس یا ڈی۔ ایس سی پارٹ۔ امیں۔ ۷۰ فیصدی یا زائد نمبر حاصل کئے ہیں، انھیں انجینیرنگ کالجوں میں لیا جائے۔ کل جگہوں میں سے ۵۰ فیصدی یا صرف ۱۰ امیدواروں، جو بھی کم ہو، کو مذکورہ بالا یونیورسٹیوں کے انجینیرنگ کالجوں میں داخلہ دیا جائے گا۔

پیشہ ورانہ کورس

۷۹-۱۹۷۸ء کے تعلیمی سال سے بمبئی عظمٰی، ناشک، امراوتی اورنگ آباد، ناگپور، کولھاپور، تھانہ اور رتناگیری علاقوں میں ایس ایس سی کے بعد پیشہ ورانہ کورس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کامیاب طلبا کو صنعتی کاروبار، چھوٹی صنعتیں ذاتی روزگار، کامرشیل کپڑا بننا، اسکوٹر، موٹر سائیکل مرمت، مچھلی کا کاروبار، بجلی کی مشینوں کا استعمال اور میٹھے پانی میں ماہی گیری جیسے پیشوں میں تربیت دی جائے گی۔

بک بینک اسکیم میں توسیع

حکومت نے ۷۷-۱۹۷۶ء سے پسماندہ اقوام و قبائل، خانہ بدوش قبائل و بمکبت جاتی اور دیگر سماجی طور پر کمزور طلباء کے لئے درجۂ چہارم تک بک بنک اسکیم جاری کی ہے۔ اب اس اسکیم میں درجۂ ہشتم و درجۂ نہم کے طلبا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ اسکیم مقامی انتظامیہ کی پرائمری اسکولوں اور حکومت سے گرانٹ پانے والے ثانوی مدارس میں عمل میں لائی جائے گی۔

علاوہ ازیں دیہی علاقوں میں ایک ٹیچر پر مشتمل اسکول میں مزید ایک ٹیچر کا اضافہ کیا جائے گا۔

مختصر مدت کا طبی کورس

ایل، سی، پی، ایس کی سطور پر ایک مختصر مدت کا طبی کورس جو دو سے ڈھائی سال کی مدت کا ہوگا شروع کیا جا رہا ہے۔ اس کورس میں داخلہ کے خواہشمند امیدواروں کو اس ضمانت پر لیا جائے گا کہ وہ دیہی علاقوں میں پریکٹس کریں گے۔

سرکاری ملازمین کے مطالبات

عوامی فوائد سے متعلق سرکاری اسکیموں پر عمل درآمد کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام سرکاری و نیم سرکاری ملازمین کا تعاون حاصل ہو۔ لہٰذا حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ گزشتہ دسمبر میں ۵۴ دنوں کی ہڑتال کے بعد ایڈوانس کے بطور سرکاری ملازمین کو ادا کی گئی رقم واپس نہ لی جائے۔ اس سے قبل یہ رقم واپس لینے کا فیصلہ کیا گیا تھا جس کی بنیاد پر دو قسطیں وصول کر لی گئی تھیں۔ اب باقیماندہ ۲۲ قسطیں وصول نہیں کی جائیں گی۔ اس کے بجائے ملازمین ہر ماہ کے چوتھے سنیچر کو پورا دن اور ہر روز ایک گھنٹہ مزید زیادہ کام کریں گے۔ تاکہ ہڑتال کے دنوں کے کام کی تلافی ہو سکے۔ پرائمری اور ثانوی جماعتوں کے اساتذہ جنھیں ایڈوانس رقم دی گئی تھی اور جنھوں نے زیادہ کام کر کے نقصان کی تلافی کر لی ہے۔ ان سے رقم واپس نہیں لی جائے گی۔ دیگر معاملات پر دوبارہ غور کیا جائے گا۔

مرکزی حکومت کے ملازمین اور ریاستی حکومت و ضلع پریشد کے ملازمین کے درمیان ۱۱ فیصدی مہنگائی بھتے کا فرق تین قسطوں میں ختم کیا جائے گا: یکم ستمبر ۱۹۷۸ء کو چار فیصدی (یہ قسط ستمبر ۱۹۷۸ء کو ماہ اگست کی تنخواہ کی ادائیگی کے وقت ادا کر دی گئی ہے) یکم مارچ ۱۹۷۹ء کو تین فیصدی اور یکم مارچ ۱۹۸۰ء کو باقیماندہ ۴ فیصدی کے حساب سے یہ قسطیں ادا کی جائینگی۔

درجہ سوم کے سرکاری ملازمین جنھیں مقررہ معیار کے قابل نہ سمجھ کر لازمی طور سے ۵۰ اور ۵۵ سال کی عمر میں ریٹائر کر دیا گیا تھا۔ انھیں جائزہ کمیٹی کے ذریعہ جانچ پڑتال کے بعد دوبارہ اسی تاریخ سے ملازمت پر بحال کیا جائے گا جس تاریخ سے انھیں ریٹائر کیا گیا تھا۔ بھوسے کمیشن کی رپورٹ میں خامیوں اور بے قاعدگیوں کی جانچ کے لئے بھی ایک سیل قائم کیا گیا ہے۔

مختلف اداروں میں اجرت کی بنیاد پر کام کرنے والے ملازمین اور مہاراشٹر ہاؤسنگ و ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے ملازمین بھی یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے نئی تنخواہ اسکیل کے مستحق ہوں گے۔

امید ہے کہ مطمئن سرکاری ملازمین ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوئے بہتر طور سے اپنے فرائض انجام دیں گے تاکہ مختلف سرکاری اسکیمیں جنھیں غریب اور نادار طبقات کی فلاح و بہبودی کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ معینہ وقت پر عمل میں لائی جا سکیں۔

حکومت نئی اسکیمیں مرتب کر رہی ہے۔ جن کی رو سے تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو ذاتی روزگار فراہم کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے ایک علٰحدہ وزارت روزگار قائم ہوگی۔ فروغ روزگار پروگرام کے تحت تعلیمیافتہ بے روزگاروں کے لئے تخمی مالی امداد کی اسکیم میں بھی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ اب ایک لاکھ روپیہ مالیت کے پروجیکٹ کے لئے تخمی امدادی رقم غیر پسماندہ افراد کے لئے ۱۵ فیصدی اور پسماندہ افراد کے لئے ۲۰ فیصدی شرح پر مہیا کی جائے گی جن افراد کے خاندان کی سالانہ آمدنی ۴۸۰۰ روپیہ سے زائد نہیں ہے ایسے افراد کے لئے غیر

باقی صفحہ ۳۸ پر

عوام کے خادم۔ ہوم گارڈس اور سیول ڈیفنس آرگنائزیشن

یوم جمہوریہ کے موقع پر سیول ڈیفنس کی خواتین رضا کار گارڈ آف آنر پیش کر رہی ہیں۔

—— آر۔ ایل۔ بھتگے۔ کمانڈنٹ جنرل ہوم گارڈس اور ڈائرکٹر آف سیول ڈیفنس مہاراشٹر اسٹیٹ، بمبئی۔ ——

ہوم گارڈس اور سیول ڈیفنس دو رضا کار ادارے ہیں۔ جو
وصی خدمات کے لیے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ادارے ہنگامی
لات میں ریاست اور عوام کی مدد کے لئے تیار رہتے ہیں۔
اراشٹر میں قدرتی و انسانی ہنگامی صورتوں میں ان اداروں کی
بے غرض عوامی خدمات کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

ایک منظم ادارے کی ضرورت :

ایسے وقت میں جبکہ ملک کے بیشتر حصوں میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ
رہے تھے اور ملک ایک بحران کے دور سے گذر رہا تھا ۶ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو
شہر میں ہوم گارڈس آرگنائزیشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت بمبئی شہر
فرقہ وارانہ ہنگاموں سے محفوظ نہیں تھا۔ لہٰذا ریاستی حکومت کو اس بات
ضرورت محسوس ہوئی کہ عوامی خدمات کے جذبے سے پُر شہریوں کا ایک
مضبوط اور منظم ادارہ قائم کیا جائے جو ہنگامی حالات میں امن و امان کی بحالی
کے لئے پولیس کے ساتھ تعاون کر سکے۔ اس طرح ہوم گارڈس کو بنیادی طور
پولیس کے تعاون کے لئے قائم کیا گیا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس ادارے
کے فرائض میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آج یہ ریاست بھر کے ۵۰،۰۰۰ مرد و
خواتین پر مشتمل ایک باضابطہ ادارہ ہے جو کسی بھی کام میں رکاوٹ ہونے پر عوامی
خدمات کے لئے اور دیگر ترقیاتی و سماجی خدمات کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔

ہوم گارڈس کی عملی خدمات :

حال ہی میں مہاراشٹر میں ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۷ء سے شروع ہو کر ۴۵ دن جاری
رہنے والی سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین کی ہڑتال کے دوران ہوم گارڈس نے
عملی خدمات انجام دی ہیں۔ ریاست بھر میں ضروری خدمات مثلاً اسپتال، دودھ
فراہمی، آب رسانی، ٹیلی فون ایکسچینج وغیرہ جاری رکھنے کے لئے تقریباً
۱۰،۵۰۰ ہوم گارڈس کو حکام کے تعاون کے لئے طلب کیا گیا تھا۔ چونکہ کئی مقامات
پر فرائض کے اوقات ۲۴ گھنٹے اور غیر معینہ مدت کے تھے لہٰذا ہوم گارڈس وقت
وقت تبدیل ہوتے رہتے تھے تاکہ وہ اپنے خود کے کام بھی دیکھ سکیں اس
طرح سے ہڑتال کے دوران مختلف کاموں کے لئے تقریباً ۲۰،۰۰۰ ہوم گارڈس نے
خدمات انجام دیں۔ ۲۰۰۰ ہوم گارڈس صرف گورنمنٹ ملک اسکیم کا انتظام
سنبھالنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے جو دودھ فراہمی کا مکمل کام انتظام یعنی مضصل
علاقوں سے دودھ حاصل کرنا اور انھیں مراکز پر تقسیم کرنا وغیرہ ہوم گارڈس کے
رضاکاروں نے بخوبی انجام دیا۔ اسی طرح کے فرائض پونے، ناگپور، سولاپور، ناسک
کولھاپور وغیرہ میں بھی انجام دیے گئے۔

اسپتال کے انتظامات مثلاً ایمبولنس گاڑی کا استعمال، ٹیلی فون مریضوں
کی دیکھ بھال، کھانا پکانا وغیرہ کاموں کے لئے تقریباً ۲۰۰۰ ہوم گارڈس
نے اپنی خدمات وقف کیں۔

حال ہی میں مراٹھواڑہ اور ریاست کے دیگر حصوں میں ہنگاموں کے دوران

ہنگامی حالات میں ہوم گارڈس کو آگ بجھانے، فرسٹ ایڈ اور دیگر امدادی کاموں کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔ زیر نظر تصویر میں ہوم گارڈس حفاظتی کام میں مصروف۔

امن و امان قائم رکھنے میں پولیس کی مدد کے لئے بھی ہوم گارڈس طلب کئے گئے تھے۔

کارہائے نمایاں :

ہوم گارڈس نے قابل ذکر خدمات انجام دی ہیں۔ کوئنا نگر میں زلزلہ کے وقت ستارا ضلع سے سب سے پہلے ہوم گارڈس جائے حادثہ پر پہنچے تھے اور وہاں انھوں نے ۳۹ دن گذارے اور متاثرہ لوگوں کی مدد کی۔ جب پن شیٹ باندھ پھٹنے سے پونے میں سیلاب آیا اور کونکن میں آندھی آئی تب ہوم گارڈس نے امدادی اقدامات کے سلسلے میں تعاون کیا۔ بھیونڈی اور دوسرے علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات کے دوران امن کی بحالی اور غیر سماجی عناصر کے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ بجھانے کے لئے ناسک اور پونے سے ہوم گارڈس کا دستہ پہنچا تھا۔

۱۹۶۲ء میں بھارت چین اور ۱۹۶۵ء میں ہندوستان۔ پاکستان کی جنگ کے دوران چونکہ اس وقت کوئی سول ڈیفنس ادارہ قائم نہ تھا، اس لئے ہوم گارڈس نے شہری دفاع کا انتظام سنبھالا تھا۔ ۱۹۷۱ء کی ہندوستان۔پاکستان کی جنگ کے دوران ہنگامی حالات کے نفاذ کے وقت بمبئی عظمیٰ، پونے، تھانے، ناسک جلگاؤں اور ناگپور میں ہوم گارڈس کو سول ڈیفنس حصوں میں آگ بجھانے والے عملے کی اعانت کے لئے ۲۴ گھنٹے ڈیوٹی دی گئی تھی۔

جب سے اس ادارہ کا وجود ہوا ہے۔ تب سے ان گنت موقعوں پر ہنگامی صورت حال سے نپٹنے کے لئے ہوم گارڈس کو طلب کیا گیا تھا۔ ان میں سے قابل ذکر واقعات درج ذیل ہیں۔ مرکزی سرکاری ملازمین کی ۱۹۶۰ء میں ہڑتال اور سال ۱۹۶۲-۶۳ء میں میونسپل ملازمین کی ہڑتال، بمبئی میں ۳۸ ویں کرسچین کانگریس اجلاس، گوا میں سینٹ فرانسس زیویر کا دیدار، ۱۹۶۶ء میں مالٹونگا دادر ریلوے حادثہ، ریاست مہاراشٹر کے الیکٹریسٹی بورڈ کے ملازمین کی ہڑتال، ۱۹۶۷ء میں بمبئی فائر بریگیڈ عملے کی ہڑتال، ۱۹۶۷ء میں چمبر دن ملاٹ کا حادثہ، ۱۹۷۰ء میں ناسک میں انی کے مقام پر ستیا شرنگی مندر کے دھنسنے کا حادثہ، ۱۹۷۲ء میں بمبئی میونسپل ملازمین کی ہڑتال، ۱۹۷۴ء میں کل ہند ریلوے کرمچاریوں کی ہڑتال اور ۱۹۷۵ء میں ریاستی سرکاری ملازمین کی ہڑتال۔

عام حالات میں انتخابات، گنپتی جلوس، میلے اور دیگر تہواروں کے موقع پر امن و امان برقرار رکھنے میں پولیس کی اعانت کے لئے ہوم گارڈس کو طلب کیا جاتا ہے۔

تربیت :

قدرتی آفات اور شہری ہنگاموں کے وقت ہوم گارڈس کو خصوصی خدمات انجام دینی ہوتی ہیں۔ اس لئے انھیں آگ بجھانے، حفاظتی اقدامات، فرسٹ ایڈ اور رسل و رسائل کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ عام تربیت بھی دی جاتی ہے، مثلاً پیدل مارچ، ہتھیاروں کا استعمال وغیرہ، گھاٹ کوپر میں واقع سینٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ تمام اضلاع سے آئے ہوئے ہوم گارڈس کو اعلیٰ تربیت مہیا کرتا ہے۔ فی الحال مختلف اضلاع میں ضلع تربیتی مرکز قائم کئے جا رہے ہیں تاکہ شہری و دیہی علاقوں سے آئے ہوئے ہوم گارڈس کو تربیت دی جا سکے۔

سماجی خدمات :

سماجی خدمات کے طور پر ہوم گارڈس نے آنکھ کے ماہر سرجن ڈاکٹر ایم سی۔ مودی اور دیگر اداروں کی جانب سے منعقد کئے گئے مفت آنکھ کے کیمپ کے انتظامات میں حصہ لیا تھا۔ ہوم گارڈس نے خون کا عطیہ بھی دیا ہے اور سماجی مقاصد کی حامی تحریکوں مثلاً خاندانی منصوبہ بندی، چھوت چھات کا خاتمہ اور مختلف خیراتی کاموں کے لئے چندہ کی فراہمی وغیرہ میں بھی حصہ لیا ہے۔

ریاستی سرکاری ملازمین کی گذشتہ ہڑتال کے دوران، بیس ہزار سے زائد مرد اور خواتین رضاکاروں نے اشد ضروری کام انجام دیئے تھے۔ زیر نظر تصویر میں خواتین رضاکار ہڑتال کے دنوں میں اپنی ڈیوٹی پر جا رہی ہیں۔

ملکی سطح کی خدمات:

مہاراشٹر کو اپنے ہوم گارڈس آرگنائزیشن پر فخر ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی تحریک ہے جس کا آغاز اس ریاست نے ۳۲ سال پہلے کیا جس کا بنیادی مقصد لوگوں میں سچی شہریت کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور انھیں یہ احساس دلانا ہے کہ قوم کی فلاح و بہبودی کے لئے کوئی بھی قربانی بیش قیمت نہیں ہے۔ مہاراشٹر ہوم گارڈس کی قابل قدر خدمات سے متاثر ہو کر حکومت ہند نے ۱۹۵۹ء میں ایسے ادارے تمام ریاستوں اور مرکزی علاقوں میں قائم کرنے کی سفارش کی اور آج یہ ادارہ ملکی سطح پر پھیلا ہوا ہے۔ حکومت ہند نے یہ بھی طے کیا کہ ۶ دسمبر کا دن جو کہ ۱۹۴۶ء میں اس تاریخ کو ریاستی ہوم گارڈس آرگنائزیشن کے قیام کا دن ہے، ۱۹۷۳ء سے ہر سال کل ہند ہوم گارڈس و سول ڈیفنس دن کے طور پر منایا جائے۔

قدر و منزلت:

۱۹۶۲ء میں ہندوستانی افواج کے سابق سپہ سالار جنرل کے۔ ایم کریاپا کے زیر قیادت ریاستی حکومت کی قائم کردہ ایوالویشن کمیٹی نے مہاراشٹر ہوم گارڈس کی اعلیٰ خدمات کو تسلیم کیا۔ کمیٹی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہوم گارڈس صرف ایک باوصف عمل ہی نہیں بلکہ ان تمام سالوں میں اس ادارے نے بہترین خدمات انجام دی ہیں۔ اس کمیٹی نے محسوس کیا کہ ہوم گارڈس آرگنائزیشن کا مستقبل تابناک ہے کیوں کہ یہ ادارہ ہنگامی حالات اور عام حالات میں کارآمد اقدامات کے ذریعہ عوام کی خدمات انجام دیتا ہے جس کی وجہ سے عوام میں مقبول ہے۔

سول ڈیفنس۔ امن کے دوران عملی کارروائیاں:

سول ڈیفنس، ہوم گارڈس کے بعد مہاراشٹر میں قائم کیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں چین کے حملے کے بعد حکومت ہند نے سول ڈیفنس سے متعلق پالیسی پر نظر ثانی کی اور وقتاً بہ وقتاً حکومت کے احکامات کے مطابق سول ڈیفنس کے سلسلے میں ریاست میں اقدامات کئے گئے۔

امن کے دوران تربیت:

یہ غلط فہمی عام ہے کہ سول ڈیفنس صرف جنگ کے دوران ہی خدمات کے لئے وقف ہے۔ حالاں کہ سول ڈیفنس آرگنائزیشن کا خاص مقصد امن کے دوران ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جنگ چھڑنے پر اس ادارے کو کام کا وقت ہی نہیں ملتا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ چین کے حملے کے وقت ہی اچانک اس ادارے کو قائم کرنے کا خیال دل میں آیا تھا۔ اس لئے انتہا امان کے دوران جو مدت حاصل ہے وہی سول ڈیفنس کے رضاکاروں کو تربیت دینے کے لئے اہم ہوتی ہے۔

سول ڈیفنس کے فرائض:

اس ادارے میں عام لوگوں کو سول ڈیفنس کار پس کے رضا کار کے طور پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد سول ڈیفنس سے متعلق دیگر خدمات سونپی جاتی ہیں۔ مثلاً وارڈن سروس، امدادی سروس، رسل و رسائل کے کام وغیرہ

رضاکاروں کو سول ڈیفنس کے مقررہ شہروں میں اور بمبئی میں سول ڈیفنس اسٹاف کالج میں ریاستی سطح پر تربیت دی جاتی ہے

ریاستی سرکاری ملازمین کی ہڑتال کے دوران ہوم گارڈس نے خدمات عامہ کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ ان میں سب سے زیادہ ذمّہ داری کا کام دودھ کی سپلائی کا تھا۔

شہر بمبئی، پونے، ناگپور، سولاپور، ناشک اور کولہاپور وغیرہ میں بڑی تعداد میں ضرورتمندوں کو دودھ سپلائی کرنا پڑتا تھا۔

سرکاری ڈیریوں پر اس کام میں دو ہزار ہوم گارڈس لگے تھے۔ جنھوں نے تمام کام مثلاً مفصل علاقوں سے دودھ کی حصولی اور شہریوں میں تقسیم کاری ٹھیک طرح سے انجام دیئے۔

۱۰ گھنٹوں سے لے کر ۱۵ دنوں کی مدت کے مختلف کورس سکھلائے جاتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو رضاکاروں کی سہولت کو نظر میں رکھتے ہوئے تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ملازمین رضاکاروں کے لیے سول ڈیفنس آرگنائزیشن کی جانب سے متعلقہ مالکوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ سول ڈیفنس کارپس میں شامل اپنے ملازمین کو تربیت حاصل کرنے کے لئے ضروری سہولت دیں۔

صنعتی سول ڈیفنس یونٹ:

مذکورہ یونٹ کا کام صنعتی پیداوار میں کسی بھی رکاوٹ کو دور کرنا،

(بقیہ صفحہ ۴۶ پر)

بمبئی

بمبئی اُن کے لئے ہے جنھیں راس آجائے

کتنے آتے ہیں یہاں خواب بسائے دل میں
سر میں سودا لئے اک آس لگائے دل میں
محفلیں اپنے خیالوں کی سجائے دل میں

ہے سبھی کے لئے پھیلا ہوا دامن تیرا
نت نئے پھولوں سے شاداب ہے گلشن تیرا

کتنا رنگیں ترا شہر ہے دلہن کی طرح
کوئی آنگن نہیں دیکھا ترے آنگن کی طرح
تو ہمیشہ نظر آتی ہے سہاگن کی طرح

یوں تو باہر سے تو رنگین نظر آتی ہے
اور اندر بڑی سنگین نظر آتی ہے

پُرکشش کتنی ہے اے بمبئی دنیا تیری
بے وطن کتنوں کو کرتی ہے تمنا تیری
نوجوانوں کو بھگا لاتی ہے آشا تیری

کتنے ہوتے ہیں کہ منزل جنھیں مل جاتی ہے
ورنہ اکثر کو، تو ترساتی ہے تڑپاتی ہے

کوئی آتا ہے تو آتے ہی اُبھر جاتا ہے
تجھ کو دیتا ہے دُعائیں ترے گُن گاتا ہے
زندگی بھر کوئی دیواروں سے ٹکراتا ہے

کوئی گُن گاتا ہے تیرے کوئی رو دیتا ہے
کوئی پالیتا ہے تجھ کو کوئی کھو دیتا ہے

لڑکیاں دیش کی جب جوش میں آجاتی ہیں
ہر طرف سے ترے آغوش میں آجاتی ہیں
جب اُترتا ہے نشہ ہوش میں آجاتی ہیں

لُٹ گئیں کتنی جنھیں کوئی سہارا نہ ملا
کشتیاں ڈوب گئیں اور کنارا نہ ملا

دلکشی میں تری ناسور چھپے ہیں کتنے!
جھونپڑے تیری محبت میں بنے ہیں کتنے
لوگ مر کے جئے، جی جی کے مرے ہیں کتنے

جھونپڑے جتنے ہیں سب خوابوں کی تعبیریں ہیں
جو محل بن نہ سکیں یہ وہی تصویریں ہیں!

انڈیا گیٹ بھی اور 'تاج محل' بھی دیکھا
ایلیفنٹا میں ترا حسنِ عمل بھی دیکھا
کس بھی دیکھا تری تعمیر کا بَل بھی دیکھا

نیند اُڑ جاتی ہے بس منزلے گنتے گنتے
عمر کٹ جاتی ہے اِک خواب ہی بنتے بنتے

• کامران چاندپوری
۶/۲۴ نشان پاڑہ روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۹

"شریمد بھگوت" کی دکنی طرز کی عظیم تصاویر

• پروفیسر بابوراؤ ... ڈائرکٹر آف آرٹ، ریاست مہاراشٹر

ہم مہاراشٹر پر بجا طور پر فخر کرسکتے ہیں کہ یہاں اجنٹا، ایلورا اور ایلیفنٹا فنِ تصویرکشی اور فنِ سنگتراشی کے ایسے اعلیٰ نمونے ہیں جو نہ صرف انسانی تہذیب و تمدن کی یادگار ہیں بلکہ عجائب میں بھی جن کا شمار کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر میں مختلف فنون اور دستکاری کی ایسی عمدہ مثالیں موجود ہیں جو یہاں کی اعلیٰ تہذیب کی حقیقی معنوں میں عکاسی کرتی ہیں۔

چند ماہرین اور آرٹ کے دلدادہ لوگوں کو چھوڑ کر، عوام کی اکثریت اس فن سے ناواقف ہے۔ صرف چند موقعوں پر ہی تعلیمی اور دیگر ضابطوں کے ذریعے عوام کو اپنے موروثی فن سے روشناس ہونے کا موقع ملتا ہے ہمارے شہروں میں مختلف ذات، عقیدوں اور پیشوں کے باشندے بستے ہیں۔ لیکن یہ تمام کے تمام ایک قوم ہیں، جو تاریخی حیثیت سے ہزاروں سال سے قائم ہے اور رنگارنگی تہذیب کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ یہ تمام لوگ اپنے قومی فنون سے واقف ہوں تاکہ وہ باذوق زندگی بسر کرسکیں۔

ریاست مہاراشٹر خصوصی طور پر اپنے عوام کو فنون سے واقف کرانے کی ہمیشہ کوشش کرتی رہی ہے۔ اس سلسلہ میں سالانہ آرٹ نمائشوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان فنون پر کتابیں تیار کی جاتی ہیں۔ قیمتی معلومات سے پُر ان کتابوں کو سستے داموں فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ لوگ ان کتابوں کو اپنی گھریلو لائبریریوں کی زینت بنا سکیں۔ اس کے علاوہ تصویر، سنگتراشی اور دستکاری کے نمونوں کو سستے داموں عوام کو فروخت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ یہ نمونے ان کے گھر کی زینت بڑھا سکیں۔

مقصد: اسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈائرکٹوریٹ برائے پرنٹنگ و اسٹیشنری اور ڈائرکٹوریٹ برائے آرٹ، مشترکہ طور پر ایک سرکاری کیلنڈر پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ریاست کے مذکورہ فنون کے چند غیر معمولی نمونوں کی عکاسی ہوگی۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ ممکن ہے کہ عوام کی اکثریت میں

کیلنڈر کے اوراق

بھگوان گنیش اور سرسوتی کی پوجا۔ دیاس مُنی، بھگوت کا پاٹھ کرتے ہوئے۔

بھگوت کتھن۔
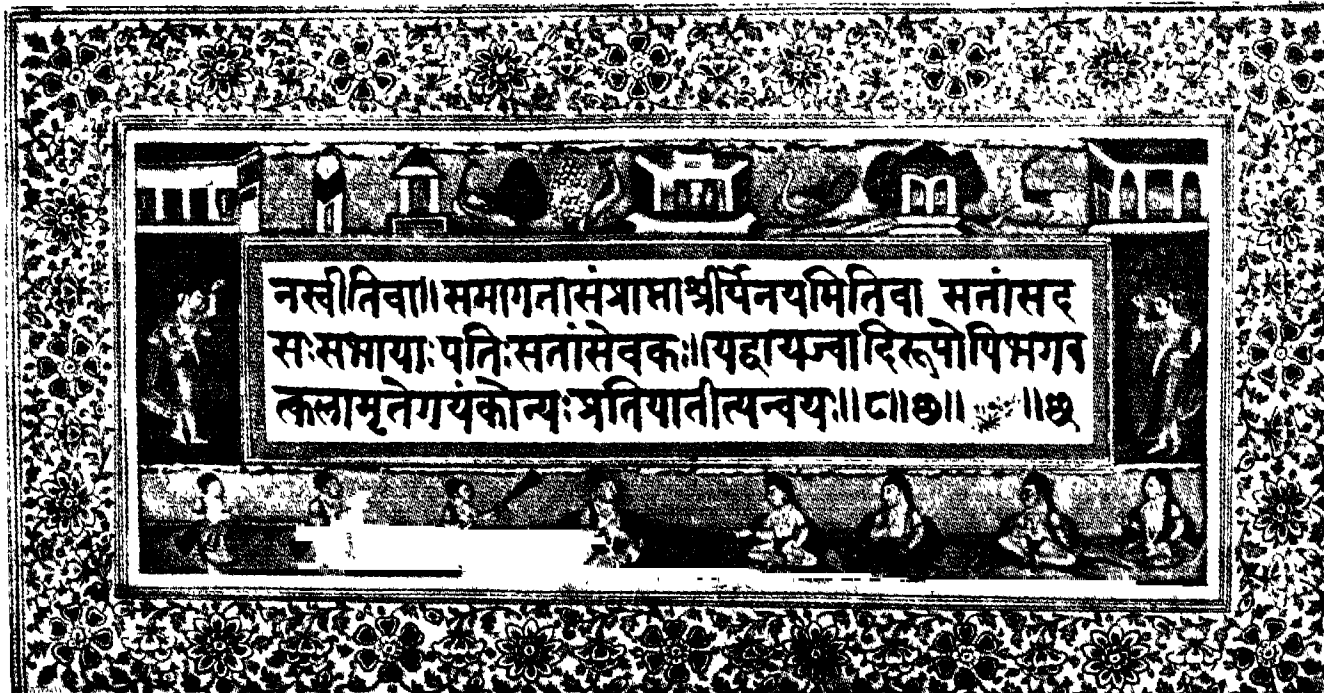
بشکریہ. سینٹرل میوزیم، ناگپور

اصل "سریمد بھگوت" کا ایک ورق، جو ناگپور کے راجے راگھوجی بھوسلے کے اصل مجموعے سے ماخوذ ہے اور دکن (مراٹھا) اسکول۔ اواخر اٹھارویں صدی سے متعلق ہے۔

راجہ پریکشت اپنے رتھ سے اس شودر کو دیکھ رہے ہیں
جو بڑی کٹھورتا سے ایک بیر والے بیل کو سرسوتی کے کنارے مار رہا ہے۔
اشارۃً اس کے معنی ہیں کہ "ستیہ یگ" میں چہار پایہ سے مُراد ہے گیان
دھیان، پاکی، رحم اور سچائی۔ "کلی یگ" میں اچنبھے، دنیاداری اور
گھمنڈ کے باعث تین برباد ہوئے اور باقی بچا صرف ایک "سچائی"۔

بھگوان وشنو کی پوجا۔

نرسنہہ، ہرناکشیپو کو قتل کرتے ہوئے۔

ان فنون کا ذوق پیدا ہو سکے گا بلکہ کچھ ایسے نمونے جو قریب المختتم ہیں ان کے چند پسند کرنیوالے لوگ مل جائیں گے جو انھیں محفوظ رکھ سکیں۔

۱۹۷۱ء میں چند ہم عصر آرٹسٹوں کے پینٹنگ کے نمونوں پر مشتمل پہلا سرکاری کیلنڈر شائع ہوا تھا۔ اس کیلنڈر میں دو نسلوں کے آرٹسٹوں کی بارہ تصویریں تھیں جس میں اصلی تصویروں کو مختلف انداز سے پیش کیا گیا تھا۔

۱۹۷۷ء میں قومی انعام : ۱۹۷۷ء میں ایک ایسا کیلنڈر پیش کیا گیا، جو اپنی مثال آپ تھا۔ مہاراشٹر میں رائج فنِ تصویر کشی کے تاریخی مطالعے کا حاصل اس کیلنڈر میں پیش کیا گیا تھا۔ مختلف میوزیم اور نجی ذرائع سے حاصل کئے گئے پینٹنگ کے کئی نمونوں میں سے ۱۹ویں صدی کی فنِ تصویر کشی کی عکاسی کرنے والے تیرہ نمونوں کو منتخب کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ پینٹنگ کی مکمل تاریخ کو صرف تیرہ نمونوں کے ذریعے پیش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اس کیلنڈر میں زمانہ، آرٹسٹ اور آرٹسٹ کی مختصر سوانح حیات بھی پیش کی گئی تھی۔ یہ کیلنڈر ہندوستان بھر میں پسند کیا گیا، اور سال کا خوبصورت ترین کیلنڈر تسلیم کرتے ہوئے اُسے پہلے قومی انعام کے لئے منتخب کیا گیا۔ حقیقت میں یہ کیلنڈر سرکاری پرنٹنگ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایسے مقصدی کاموں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور سرکاری کیلنڈر کی اشاعت صحیح معنوں میں ایک ریسرچ کام بن گیا جس کے ذریعے ریاست کی اعلیٰ تہذیب کی صحیح عکاسی کی جا سکے۔

چتر کتھی : ضلع رتناگیری میں پنگولی گاؤں میں دریافت کئے گئے "چتر کتھی" نامی آرٹ کو بالکل ہی بھلا دیا گیا ہے۔ تصویری اور حکایتی انداز سے پیش کئے گئے اس دیہی آرٹ کو جو قریب المختتم تھا، ۱۹۷۸ء کے سرکاری کیلنڈر کے لئے بنیاد بنایا گیا۔ چھ ماہ تک ریسرچ اور دیگر ذرائع سے چھان بین کی گئی۔ اس طرح اس آرٹ کی مکمل تاریخ پس منظر، اظہارِ خیالات بذریعہ تصاویر، ان کا انداز، تکنیک اور فرقہ کی تاریخ جس نے آج تک "چتر کتھی" آرٹ کو زندہ رکھا، وغیرہ جیسی معلومات پہلی دفعہ اکٹھا کی گئیں۔ ان معلومات پر مشتمل مواد سے کیلنڈر مرتب کیا گیا اور نتیجہ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ قبل کے کیلنڈر کی طرح یہ کیلنڈر بھی ہندوستان بھر میں پسند کیا گیا۔ میوزیم کے ڈائرکٹروں نے اسے "بہترین مجموعہ" کا نام دیا۔ یہاں تک کہ غیر ممالک میں بھی اس کیلنڈر کی کاپیاں منگوائی گئیں۔

۱۹۷۹ء کا کیلنڈر اس سے شاندار ہوگا۔ جس میں پہلی دفعہ قلمی نسخوں کے نمونوں کو پیش کیا جائے گا۔ ہندوستان دستاویزوں کا خزانہ ہے۔ تاریخی و کلاسیکی ادب کی دستاویزات میوزیم، یونیورسٹی اور نجی مقامات پر محفوظ رکھی گئی ہیں۔ جین دستاویزات اور مغل زمانہ کی دستاویزات مثلاً حمزہ نامہ، اکبر نامہ وغیرہ دنیا بھر میں پیش کی جا چکی ہیں۔ مہاراشٹر میں بھی سیکڑوں دستاویزات پیش ہوئی ہیں جو فن کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ دستاویزات صرف میوزیم اور یونیورسٹیوں میں محفوظ ہونے کی وجہ سے عام شہریوں کی دسترس سے باہر ہیں۔ یہ دستاویزات نہ صرف ادبی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ پُرکشش تصویروں کی بھی نقاشی کرتی ہیں جو دیکھنے والوں کو مسحور کرتی ہیں۔

شریمد بھگوت ۔ مرکزی خیال

۱۹۷۹ء کے سرکاری کیلنڈر کے لئے شری مد بھگوت کو مرکزی خیال کے طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ شریمد بھگوت فنِ تحریر میں پوشیدہ تصویر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے جسے آرٹ کے دلدادہ بے حد پسند کریں گے۔ اس دستاویز کو پہلے کبھی نہیں پیش کیا گیا، اور اب پہلی دفعہ اسے عوام کے سامنے لایا جائے گا۔

'شریمد بھگوت'، سنسکرت ادب کی ایک قیمتی اور یادگار تخلیق ہے۔ بھگوت گیتا کی طرح اسے بھی ملک بھر میں شہرت حاصل ہے۔ آج بھی ہندو طبقہ کی اکثریت شریمد بھگوت کو احترام سے سنتی ہے۔

روایتی طور پر بھگوت کو پُران کہا جاتا ہے، جس کے معنی ہیں تاریخی حکایت۔ پُران دراصل دیوتاؤں اور واقعات پر مشتمل کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ جنھیں خاص انداز سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ جس سے زندگی کے اخلاقی اور فلسفیانہ پہلو واضح ہوتے ہیں۔ اہم پُران ۱۸ ہیں جن میں بھگوت پانچویں نمبر پر ہے۔ لیکن یہ تمام پُران کا نچوڑ ہے۔ اس لئے اسے اٹھارواں پران بھی کہا جاتا ہے۔

بنیادی طور پر یہ ایک دھارمک حکایت ہے جس میں بھگوان کرشن یا بھگوان وشنو (کرشن، وشنو کے اوتار ہیں) مرکزی کردار ہیں۔ تمام پُرانوں میں یہ پُران نہایت ترنم ریز اور اثر انگیز ہے عام طور سے ایسا یقین کیا جاتا ہے کہ عظیم فلسفی اور مفکر شری ویاس نے بھگوت مرتب کیا اور اپنے بیٹے شکھا کو سنایا جس نے بعد میں راجہ پریکشت کو پیش کیا۔

شریمد بھگوت پُران ایک یادگار تخلیق ہے۔ اس میں اٹھارہ ہزار اشلوک ہیں۔ یہ بارہ ابواب میں منقسم ہیں۔ سنسکرت میں باب کو اسکندھا کہا جاتا ہے موجودہ شریمد بھگوت کے قلمی نسخے کے آج صرف تین ابواب حاصل ہو سکے ہیں۔ یہ ابواب پہلا، دوسرا، اور پانچواں ہیں۔ اس قلمی نسخے کی تاریخ نہیں بیان کی جا سکتی لیکن انداز تحریر، تصاویر اور کتابت کو دیکھ کر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ تخلیق ۱۸ویں صدی کے آخری حصہ میں ظہور میں آئی۔ تصویروں کے انداز دیکھ کر انھیں دکنی (مراٹھا) طرز کی پینٹنگ کہا جا سکتا ہے۔

یہ اہم قلمی نسخہ جو شروع میں ناگپور کے راجہ راگھوجی بھونسلے کے قبضہ میں تھا، اب ناگپور کے سنٹرل میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ تصویری قلمی نسخہ مغل دورِ حکومت کے زوال کے بعد تمام دیگر فنون میں ایک ہیرے کی حیثیت

(باقی صفحہ ۳۸ پر)

• جگن ناتھ آزاد

عہدِ جوانی کے ساتھی

عہدِ جوانی کا خیال آتے ہی سیماب اکبر آبادی کا ایک مصرع زبان پر آرہا ہے ؎

ہر شئے جوان تھی میرے عہدِ شباب میں

اور اس دور میں ہر شے میری ساتھی اور میری رفیق تھی۔ موجِ دریا سے لے کے دامانِ کوہ تک، خارِ بیاباں سے لے کر بوئے گل تک اور اُفق کی تجلّی سے لے کر شفق کی لالی تک ۔ میرے عہدِ جوانی کے ساتھیوں میں میرے بزرگ بھی شامل ہیں، جن کے فیضِ نظر سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ جیسے مولانا ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا غلام رسول مہر، عبدالعزیز فطرت، جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مہاتما آنند سوامی، ڈاکٹر سید محمود، مولانا صلاح الدین احمد، جوش ملسیانی، جگر مراد آبادی، میلارام وفا، حفیظ جالندھری اور فراق گورکھپوری' اور میرے اساتذہ بھی مثلاً مولانا تاجور نجیب آبادی، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، پروفیسر علم الدین سالک، زیڈ۔ لوٹا سنگھ، پروفیسر وشوا ناتھ، پروفیسر رام ناتھ، پروفیسر جسونت رائے، سید عابد علی عابد، صوفی غلام مصطفےٰ تبسم، ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر مدن گوپال سنگھ، پروفیسر جی۔ سی چیٹرجی اور خان بہادر شیخ نور الٰہی، جن کے قدموں میں بیٹھ کر میں نے بات کرنے کا طریقہ سیکھا۔ اور میرے والدِ محترم بھی کہ آج میں جو کچھ ہوں ان کی آغوشِ شفقت کی بدولت ہوں لیکن میں آج کی بات چیت میں اپنے ان ساتھیوں کا ذکر نہیں کروں گا بلکہ صرف اپنے قریب قریب ہم عمر دوستوں کا ذکر کروں گا جن کی یاد سے شامِ جاں آج بھی معطر ہے اور جن کی یاد کے ساتھ ہی حفیظ کا یہ شعر حافظے میں چمک اُٹھتا ہے ؎

پیاروں کی موت نے میری دنیا اُجاڑ دی
یاروں نے دور جا کے بسائی ہیں بستیاں!

گویا جن ساتھیوں کا میں ذکر کروں گا ان میں دو قسم کے ساتھی ہیں ایک وہ جن کی موت میری زندگی میں ہمیشہ کے لئے خلاء پیدا کر گئی، اور دوسرے وہ جن کے ساتھ ملاقاتیں اب ناممکن نہیں تو محال ضرور ہیں ۔۔۔!

جب میں اپنے اُس دور پر نظر ڈالتا ہوں جسے جوانی کا دور کہتے ہیں تو سب سے پہلے جو محبوب دوست نظر کے سامنے آتا ہے وہ قتیل شفائی ہے۔ بات یہ ہے کہ گارڈن کالج راولپنڈی سے ۱۸ برس کی عمر میں بی۔ اے کی ڈگری لینے کے بعد میں لاہور چلا گیا۔ اس وقت نئے اُبھرتے ہوئے شعراء میں قتیل کا نام بڑی تیزی سے سامنے آرہا تھا۔ قتیل کا کلام میں پڑھ چکا تھا۔ نام سُن چکا تھا۔ اس سے ملنے کا اشتیاق مجھے بے اندازہ تھا۔

ایک بار میں دو ایک چھٹیوں میں لاہور سے واپس راولپنڈی گیا تو عبدالعزیز فطرت نے میری آمد کے سلسلے میں ایک ادبی نشست کا انتظام کیا۔ گارڈن کالج ہی میں۔ اس میں قتیل سے میری ملاقات ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں مجھے محسوس ہوا جیسے قتیل سے میری مدتوں کی دوستی ہے۔ قتیل نے اپنا کلام سُنایا۔ میں نے اپنا کلام بھی سُنایا اور والد کا بھی' کیونکہ والد اس جلسے میں مدعو تھے اور مجھ سے اُن کا کلام سُنانے کی فرمائش ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے ان کی نظم "نورجہاں کا مزار" پڑھ کر سُنائی تھی۔

قتیل نے اس ملاقات میں اپنی ملازمت سے بیزاری کا اظہار کیا اور بتایا کہ میں ہزارے سے لاہور منتقل ہو جانے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں ہوں۔ میرا ارادہ فلم لائن میں جانے کا ہے لیکن لاہور میں قدم جمانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے وہاں کسی رسالے کی ایڈیٹری مل جائے۔ قتیل کی نظر "ادبِ لطیف" اور "سویرا" پر تھی۔ باتوں باتوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ قتیل نے ابھی تک لاہور نہیں دیکھا۔ صرف اس کے تصور ہی سے آشنا ہے۔ میں کچھ مدت سے لاہور میں تھا اور اس وقت تحریکِ رفاقت میں ملازمت کر رہا تھا۔ میں تحریک کے سیکریٹری مولانا محمد ابراہیم علی چشتی کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔ تحریک کے زیرِ اہتمام جو ادبی جلسے یا مشاعرے منعقد ہوتے تھے ان کے بارے میں مولوی صاحب بالعموم میرے ساتھ مشورہ کر لیا کرتے تھے اور اکثر میرے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے۔ بعض اوقات وہ میرے مشوروں کو قطعی ناقابلِ قبول سمجھتے تھے اور اپنی رائے پر بضد رہتے تھے۔ یہ ان کی طبیعت کے استحکام کا ایک خاص پہلو تھا۔

تحریکِ رفاقت کے مشاعروں کو کامیاب بنانے کے لئے ایک بار میں نے ان سے کہا کہ ہمیں ابوالاثر حفیظ جالندھری سے مشاعروں میں شرکت کی درخواست کرنا چاہیے۔ اوّل تو انھیں مشاعروں میں شرکت کے لئے کسی شاعر سے درخواست کرنے کی بات

ہی پسند نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جب تحریک کی طرف سے مشاعرے میں شرکت کے لئے حق الخدمت دیا جاتا ہے تو پھر درخواست کرنے کے کیا معنی؟ دوسرے حفیظ صاحب کا نام سنتے ہی فوراً انھوں نے جواب دیا "حفیظ پڑھتا اچھا نہیں ہے"۔ اب اس کے بعد اس بات کی گنجائش ہی کہاں رہ گئی تھی کہ میں دوبارہ ان سے حفیظ صاحب کی مشاعرے میں شرکت کی بات کرتا۔

بہرطور مولوی صاحب کی اس اصابت رائے کے باوجود میں کبھی کبھی انھیں شاعروں کے بارے میں مشورہ دے دیا کرتا تھا۔ چنانچہ راولپنڈی میں قتیل سے ملاقات کرنے اور اس کا کلام سننے کے بعد جب میں لاہور واپس آیا تو تحریک کی جانب سے ملتان میں ایک مشاعرہ منعقد کرنے کی تجویز زیرِ غور تھی۔ میں نے اس مشاعرے کے لئے قتیل کا نام تجویز کیا۔ مولوی صاحب نے پہلے تو خوب ٹھونک بجا کے قتیل کے بارے میں مجھ سے پوچھا "کلام کیسا ہے؟ پڑھتا کیسا ہے؟" جب میں نے ہر طرح سے اُن کی تسلی کر دی تو انھوں نے اپنے سامنے رکھی ہوئی مجوزہ فہرست میں ان کا نام انگریزی میں QATIL لکھ کر شامل کر لیا اور دو چار دن بعد جب فہرست شعراء کو قطعی صورت دی جانے لگی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا "یہ قاتل کون ہے اور اس کا نام فہرست میں کیسے آگیا؟" میں نے پھر اوّل سے آخر تک چار دن پہلے والی بات دُہرا دی اور کہا کہ "یہ ابھی تک تو قتیل ہے ممکن ہے مشاعرے میں شرکت کے بعد تک قاتل ہی نظر آئے۔" مولوی صاحب کو پہلے والی بات یاد آگئی اور قتیل شفائی کو ہم لوگوں کی طرف سے ملتان کے مشاعرے میں شرکت کا دعوت نامہ چلا گیا۔

قتیل لاہور پہنچے تو بہت خوش تھے۔ ایک تو لاہور آنے کی خوشی، دوسرے لاہور سے ملتان اور ملتان سے لاہور تک میرے ساتھ سفر کرنے کی خوشی۔ اس زمانے میں دوسری جنگِ عظیم زوروں پر تھی اور ریل کے ہر درجے میں وہ بھیڑ ہوتی تھی کہ الٰہی توبہ! اصل میں ریل کے زیادہ تر ڈبے فوجیوں کے لئے وقف ہوتے تھے۔ باقی ماندہ دو چار ڈبوں میں تمام غیر فوجی مُسافروں کو گھُس گھُسا کر سفر کرنا پڑتا تھا۔ جس ڈبے میں، میں نے اور قتیل نے سفر کیا اس میں مجھے تو برتھ کے ایک کونے پر ٹکنے کو جگہ مل گئی لیکن قتیل کو اپنے بکس ہی پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑا۔ ملتان کے قریب ہی جو ایک اسٹیشن پر ریل رُکی تو ایک نیا شادی شدہ جوڑا اس ڈبے میں داخل ہوا۔ بیٹھنے کو تو کہیں جگہ تھی نہیں اس لئے دولھا میاں اُوپر کی برتھ کی زنجیر پکڑ کے کھڑے ہو گئے اور دلہن قتیل والے بکس کی باقی ماندہ جگہ کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ خدا جانے دلہن، دولھا میاں سے پہلے ہی بیزار تھی یا قتیل کے عاشقانہ مزاج نے اپنا اثر دکھایا کہ اس نے ملتانی زبان میں قتیل سے فرمائش کر دی "میکو نسا گھن ویج" یعنی مجھے بھگا لے چل.... قتیل اپنے بکس پر میری نشست کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ میں نے یہ سُن لیا۔ اب وہ عجیب کشمکش و پیچ کے عالم میں تھا۔ اگر دلہن کی فرمائش کو ٹھکراتا ہے تو کسی غیر متوقع صورتِ حال کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کی بات مانے بھی تو کیسے۔ اس مخمصے سے نکلنے کے لئے مجھ سے کہنے لگا۔ "آؤ۔ تم یہاں آجاؤ۔ میں تمھاری جگہ بیٹھوں گا" میں نے کہا۔ "جہاں تم ہو، میں وہاں تک کیسے آسکتا ہوں۔ اب وہیں رہو۔ مصلحتاً ہاں کر دو۔ ملتان قریب ہے اُس وقت ہمت پڑے تو یہ کارِ مرداں کر گزرو۔ ورنہ آرام سے اُتر کے میرے ساتھ چلو اور اس وقت جو کچھ دل پر گذر رہی ہے اسے اپنی غزل یا نظم میں سمو کر سامعینِ مشاعرہ کو سُناؤ اور داد پاؤ۔"

اتنے میں ملتان آگیا۔ قتیل پوری احتیاط کے ساتھ ریل کے ڈبے سے اُترا اور جیسے اس نے کوئی بڑا جرم کیا ہو منتظمین مشاعرہ کی نظریں بچاتا ہوا مجھ سے کہیں پہلے پلیٹ فارم سے باہر آگیا۔

قتیل سے میری تازہ ترین ملاقات گذشتہ دسمبر میں ہوئی۔ ملاقات نہیں ملاقاتیں، جبکہ میں اقبال عالمی کانگریس میں شرکت کے لئے لاہور گیا۔ میں اپنی مصروفیات کی بنا پر خواہش کے باوجود قتیل کے گھر تو نہ جا سکا لیکن قتیل میرے ہی پروگرام کے مطابق کھانے سے بھرا توشہ دان لے کے پاکستان آرٹ کونسل میں پہنچا جہاں میں، مرتضےٰ برلاس، خود قتیل، کرنل شاد اور عزیزم ذوالفقار سلمہٗ (ابن محمد طفیل مدیر "نقوش") اس کھانے سے لُطف اندوز ہوئے۔

قتیل کے ذکر نے شاید زیادہ ہی وقت لے لیا ہے ؏
لذیذ بود حکایت دراز گفتم

اب میں اپنے ایک مرحوم ساتھی کا ذکر کرتا ہوں، اور یہ تھے باری علیگ، باری علیگ کی شخصیت لاہور کے ادبی حلقوں میں بڑی محبوب شخصیت تھی۔ ان کی کتاب "کمپنی کی حکومت" اس زمانے میں مکتبۂ اُردو نے شائع کی تھی اور ہر زبان پہ اس کا ذکر تھا۔ باری مرحوم جب باتیں کرتے تھے تو گویا اُن کے مُنہ سے پھول جھڑتے تھے۔ بات چیت کے فن میں باری کے ایک اور دوست عاشق حسین بٹالوی بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ کبھی کبھی ان دونوں حضرات کی بات چیت کا رُخ یو۔پی کی مخالفت سے ہوتا ہوا اہلِ زبان اور اُردو کی مخالفت تک جا پہنچتا تھا۔ اس ضمن میں باری صاحب کا یہ فقرہ مدتوں تک لاہور کی محفلوں میں گونجتا رہا کہ "یار جب ہم اُردو میں بات کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا جھوٹ بول رہے ہوں۔"

۱۹۶۲ء میں، جب میں انگلستان گیا اور وہاں عاشق حسین سے ملاقاتیں ہوئیں تو لاہور کا وہ زمانہ گویا پھر سے واپس آگیا، کتنی ہی باتیں اور کتنے ہی واقعات ہم نے ایک دوسرے کو یاد دِلا دِلا کے ہنسایا اور ہنسا ہنسا کے رُلایا۔ اتفاق کی بات ہے کہ باری مرحوم کا یہ فقرہ ہم دونوں کو یاد تھا اور دونوں اس فقرے کو بار بار دُہرا کر ہنستے رہے۔

باری مرحوم کی باغ و بہار شخصیت کا کیا ذکر کیا جائے ظالم عجیب آدمی تھا۔ ایک اجتماعِ ضدین، صحیح معنوں میں ایک عالم شخص تھا لیکن مزاج میں آوارگی لئے ہوئے۔ تاریخ کے واقعات اس کے حافظے کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتے تھے، صوبائی اور ملکی سیاست کا جو مطالعہ اس نے کیا تھا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ اور پھر جب یہ واقعات اور مشاہدات اس کی زبان پہ آتے تھے تو غالب کا یہ مصرع یاد آجاتا تھا ع

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

طبیعت ایسی لاابالی اور خود دار پائی تھی کہ اس کی مثال ڈھونڈے سے نہ ملے۔ اخبار "پرتاپ" لاہور میں ملازم تھے۔ ایک دن اخبار کے مالک مہاشے کرشن نے گفتگو کے دوران میں کہہ دیا کہ اب وقت آگیا ہے جب ہندو اور مسلمان مل کر ایک ادارے میں کام نہیں کر سکتے۔ انھوں نے یہ بات سنی اور اپنا استعفیٰ مہاشے جی کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مہاشے جی نے کہا کہ میرا اشارہ آپ کی طرف نہیں تھا میں نے تو ایک عام بات کی تھی آپ کو میں دفتر سے نہ جانے دوں گا، کیونکہ آپ تو قوم پرست ہیں۔ باری نے جواب دیا

"مہاشے جی، میں نہ قوم پرست ہوں نہ فرقہ پرست ہوں۔ میں تو شکم پرست ہوں۔ مجھے تو دال روٹی کمانا ہے "پرتاپ" میں نہ سہی کہیں اور بھاڑ جھونک لوں گا"... مہاشے کرشن نے ہزار رد کا لیکن یہ اپنی بات پر اڑے رہے۔ نہ مانے اور دوسرے دن سے پرتاپ کے دفتر میں جانا بند کر دیا۔

مہاشے کرشن کا سلوک اپنے ملازمین کے ساتھ نہایت عمدہ ہوتا تھا۔ وہ انھیں اپنے خاندان ہی کا رکن سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایک ادارے میں کام نہ کرنے کی بات انھوں نے پنجاب کے تمام حالات کو سامنے رکھ کے کہی ہوگی اپنے ادارے کے متعلق تو وہ ایسا سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ وقار انبالوی، مضطر اکبرآبادی اور خان غازی کابلی تقسیم ہند کے وقت یعنی اگست ۱۹۴۷ء تک 'پرتاپ' لاہور میں کام کرتے رہے۔

باری مرحوم نے "ملاپ" لاہور میں بھی ملازمت کی۔ "ملاپ" کا دفتر آریہ سماج کی عمارت میں ایس۔ پی۔ ایس کے ہال کے سامنے اوپر کی منزل میں تھا نیچے دہی لسی والے کی دکان تھی۔ ایک دن لسی پینے کے لئے نیچے اترے اور ڈیڑھ ماہ بعد ان کا خط برما سے ملا کہ میں رنگون پہنچ گیا ہوں اب کچھ مدت یہاں رہنے کا ارادہ ہے۔

یہ ہے اس محبوب شخصیت کی ہلکی سی ایک جھلک جسے مرحوم کہتے ہوئے آج بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے ع

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

یہ زمانہ احسان دانش کے عروج کا زمانہ تھا۔ ان کا کلام اور ان کی آواز دونوں اپنے جوبن پر تھے۔ جنگی مشاعرے ملک کے گوشے گوشے میں ہو رہے تھے اور احسان کی شہرت خوبیٔ کلام کے علاوہ ان مشاعروں کی بدولت بھی ملک میں چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

احسان، گیلانی پریس بک ڈپو میں ملازم تھے۔ ہسپتال روڈ پر یہ بک ڈپو تھا۔ ایک روز میں وہاں بیٹھا تھا کہ ایک گاہک نے آکر پوچھا 'آپ کے پاس پریم چند کا ناول "غبن" ہے'۔ احسان نے کہا "نہیں ہے"۔ وہ شخص چلا گیا تو میں نے احسان سے کہا 'یہ کیا مسخرہ پن ہے وہ سامنے دیکھو "غبن" کی کئی جلدیں رکھی ہیں'۔ احسان نے کہا 'اگر کتاب بیچ دیں تو دکان میں کیا رہے گا'۔ غرض اسی طرح احسان دانش، گیلانی بک ڈپو چلاتے رہے۔ اس کے بعد انھوں نے یونیورسٹی روڈ پر اپنی دکان کھول لی، ساتھ ہی کتابیں چھاپنا شروع کر دیں اور آہستہ آہستہ اپنے کام کو فروغ دیتے چلے گئے۔

آج ایبک روڈ پر احسان کی بہت بڑی کتابوں کی دکان ہے۔ ادارۂ فروغِ اردو کے بغل میں۔ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں احسان نے جس استقامت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے وہ اردو کے شاعروں اور ادیبوں کے لئے ایک درسِ حیات سے کم نہیں۔

احسان اس زمانے میں کہا کرتے تھے کہ بوریئے پر میری آنکھ کھلی ہے اور قالین پر دم نکلے گا۔ کسی نے سوال کیا 'احسان صاحب بوریئے اور قالین میں کیا فرق ہے'؟ کہنے لگے "بال کا"

احسان سے بھی میری ملاقات گذشتہ دسمبر میں لاہور میں ہوئی، اور ہوئی بھی کہاں اپنے مرحوم دوست شورش کاشمیری کے دولت کدے پر جہاں شورش کے فرزند اور میرے بھتیجے مسعود شورش نے مجھے اور آل احمد سرور کو کھانے پر مدعو کیا تھا اور جہاں دورِ جوانی کے دو اور ساتھی بھی موجود تھے ایک "نقوش" کے مدیر محمد طفیل اور دوسرے انگریزی اور اردو کے نامور صحافی میاں محمد شفیع جنھیں اردو دنیا م۔ ش کے نام سے جانتی ہے۔

اب عمر کے کچھ فرق کے باوجود ایک اور دلنواز شخصیت کا ذکر کروں گا انھیں کے ذکر پر یہ بات چیت ختم ہو رہی ہے وہ تھے چراغ حسن حسرت، حسرت مرحوم پونچھ کے رہنے والے تھے لیکن زبان پر ان کو جو گہری نظر حاصل تھی وہ دہلی اور لکھنؤ والوں کے لئے باعثِ رشک و باعثِ حیرت تھی۔

ایک بار میرے دوست حمید نسیم نے ان سے کہا "مولانا! آپ کیا ہر وقت صحیح زبان کی بات کرتے رہتے ہیں۔ آپ تو ننانوے کے چکر میں پڑے ہیں"۔

حسرت صاحب نے فرمایا۔ "بیٹا! ننانوے کا پھیر ہوتا ہے، چکر نہیں ہوتا۔"

●●

• سردار عرفان

مخطوطات: علم و دانش کے مخزن

یوں تو ہر زبان کے مخطوطے یا قلمی نسخے اُس کے علمی، تہذیبی اور تاریخی سرمایہ کے امین ہوتے ہیں لیکن اُردو میں قلمی نسخوں کی اہمیت دوسری زبانوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک طرف تو ان میں علم و دانش کا بیش بہا خزانہ چھپا ہوا ہے اور دوسری طرف یہ تحریری مصوری یا خطّاطی جیسے بےنظیر اور پاکیزہ فن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان مخطوطوں کا مطالعہ جہاں ایک محقق کی بصیرتِ علمی کے لئے سُرمہ کا کام انجام دیتا ہے وہیں اس سے فنِ خطّاطی کے ارتقاء کی ایک طویل اور پُراسرار داستان کا بھی انکشاف ہوتا ہے۔

*

یہ مخطوطے جن کا شمار اب نوادرات میں ہوتا ہے، اُس دور کا عطیہ ہیں جب چھاپے خانے کا تصور نہ تھا اور شاعر، ادیب یا محقق کو اپنے خیالات، تاثرات یا انکشافات دوسروں تک پہنچانے کے لئے خود اپنی تحریر کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب اَلْخَطُّ نِصْفُ الْعِلْمِ ؒ کا مقولہ عام تھا اور ہر ذی علم شخص خطاطی اور کتابت سیکھنے میں فخر محسوس کرتا تھا یہی وجہ ہے کہ بیشتر مخطوطے خود مصنّفوں کے تحریر کردہ ہوتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بپیشہ ور نقل نویسوں یا خطاطوں کا وجود نہ تھا لیکن جو معدودے چند خطّاط اور مصوّر پائے جاتے تھے ان کی خدمات سے صرف بادشاہ یا امراء ہی فیضیاب ہوسکتے تھے کہ اس فنِ شریف کی قدر و قیمت ادا کرنا عام شاعر یا نثار کے مقدور کی بات نہ تھی، چنانچہ اکثر شاہی فرامین جو مخطوطوں کی صورت میں محفوظ ہیں اعلیٰ درجے کے خوشنویسوں کے کمالِ فن کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب عہدِ عالمگیری میں سرکاری و درباری دستاویزات محرّروں، مصوّروں اور خطّاطوں نے تیار کیں خود بادشاہ کلام پاک کی کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ اورنگ زیب کے لکھے ہوئے قرآن مجید کا نمونہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تاریخی اور ء. باقی اہمیت کے پیشِ نظر اس نسخہ کا ایک ایک ورق کئی ہزار ڈالر مالیت کا مانا جاتا ہے، حالانکہ یہ خط نسخ میں سادہ مگر پاکیزہ کتابت کا نمونہ ہے۔ اس کے برعکس ایسے مخطوطے بھی ہیں جو ہیرے جواہرات سے مزیّن ہیں۔ حبیب شیروانی کے کتب خانے میں جو اب علی گڑھ منتقل ہوگیا ہے، ایسی قلمی کتب موجود ہیں جن کے متن اور حاشیوں پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں اور یہ کتابیں چھینٹ، زربفت اور کلابتو کے قیمتی جزدانوں میں رکھی گئی ہیں۔

جن درباری شعراء کا کلام بادشاہ کو بہت پسند آجاتا تھا اس کی نقلیں نامور خطاطوں اور مصوّروں سے تیار کرائی جاتی تھیں۔ اکبر کی فرمائش پر فیضی نے لیلیٰ مجنوں کے انداز میں ایک ہندوستانی داستانِ عشق "نل دمن"، لکھی جس کی بُنیاد مہابھارت پر ہے اور جس میں تقریباً چار ہزار اشعار ہیں۔ جب فیضی نے یہ مثنوی اکبر کی خدمت میں پیش کی تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اسے بہترین خط میں لکھوایا جائے اور جا بجا مرقع اور تصویریں شامل کی جائیں۔ بادشاہ وقت کی فرمائش پر صرف درباری شعراء کا کلام ہی نہیں بلکہ قدیم نسخوں کے نئے ایڈیشن بھی تیار کرائے جاتے تھے۔ "گلستانِ سعدی" کا ایک ہندوستانی مخطوطہ جو پرندوں کی خوشنما تصویروں سے آراستہ ہے، اس کی ایک نظیر ہے۔
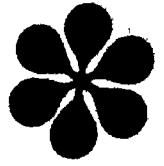
چو بینی میان دو دشمنان جنگ | وگر بینی که با ہم یک زبانند
کمان را زہ کن و بر بارہ سنگ | دشمن چو از ہمہ حیلتی باز ماند

سلسلہ دوستی بجنباند آنگاہ بدوستی کارہا کند کہ ہیچ دشمن نتواند

سر مار بدست دشمن بکوب کہ از احدی الحسنیین خالی نباشد اگر این غالب

آمد مار کشتی وگر آن از دشمن رستی

بروز معرکہ ایمن مشو ز خصم ضعیف | کہ مغز شیر برآرد چو دل ز جان برداشت

خبری کہ دانی کہ دلی بیازارد تو خاموش باش تا دیگری بیارد

بلبلا مژدہ بہار بیار | خبر بد بہ بوم و زاغ گذار

پادشاہ را بر خیانت کسی واقف مگردان مگر آنگہ کہ بر قبول کلی او

واثق باشی وگرنہ در ہلاک خویش کوشی

بسیج سخن گفتن آنگاہ کن | کہ دانی کہ در کار گیرد سخن
کمالست در نفس انسان سخن | تو خود را بگفتن ناقص مکن

نمایاں صورت میں اپنے کلام یا تصنیف کی حفاظت اور شاہی فرمائش کے علاوہ ایک اور محرک جو مخطوطات کے وجود میں آنے کی وجہ بنتی تھی اُستاد یا مُرشد سے عقیدت اور ان کے خیالات کی تبلیغ تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے فرمودات کو امیر خسروؒ قلمبند کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے مخطوطوں سے نہ صرف مصنف بلکہ کاتب اور دیگر متعلقہ افراد کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جنوبی ہند میں اس نوع کا ایک مخطوطہ 'معراج العاشقین' ہے جو خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی تصنیف ہے اور دکنی زبان میں نثر کی پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔ حالیہ زمانہ میں اس کی مثال مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف

ڈیا وِنس فریڈم" پیش کرتی ہے۔ جس کا مسودہ ہمایوں کبیر کے ہاتھ
لکھا ہوا ہے۔

تاریخ نویسی کے فن کو مسلمانوں نے بڑی ترقی دی۔ اس کی ایک وجہ
ل اس فن سے ان کی دلچسپی تھی وہیں یہ حقیقت بھی تھی کہ مختلف واقعات
عات، مہمات اور معاہدات کو تحریری صورت دیدینے سے تاریخ
ری کا کام آسان ہوجاتا تھا۔ روزمرہ کے واقعات، جنگوں، معاہدوں،
وکتابت، سفر اور شکار کے قصوں پر مشتمل مخطوطے مورخین کے لئے بڑے
تبر ریکارڈ کا کام دیتے رہے اور دیتے رہیں گے۔ ہندوستان میں عہدِ مغلیہ
ں اس فن نے کافی ترقی کی۔ 'تزک بابری' سے مآثر عالمگیری تک تصانیف
یک سلسلہ ہے جو مخطوطات کی شکل میں آئندہ نسلوں کو ملا۔

جنوبی ہند میں ایک طرف تو بہمنی حکومت نے دکنی زبان کو فروغ
اتھا جس کے نتیجہ میں ہمیں دکنی کے متعدد اہم اور انمول مخطوطے ملے
میں مراٹھوں نے مسلم اثرات کے تحت تہذیبی اور تاریخی تذکرے لکھنا
وع کیا جنھیں بکھر کہتے ہیں۔ یہ قدیم مراٹھی نثر کے عمدہ نمونے ہیں ان
طوطوں کے مطالعہ سے بہت سی دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں، مثلاً یہ کہ
میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کا خوب استعمال ہوتا تھا۔ اربع، تسعین،
ن جیسے اعداد کا استعمال عام تھا جس کا ثبوت موڑی پتروں سے ملتا ہے۔
نکہ مسلمانوں سے خصوصاً مغل دربار سے مراسلت عموماً فارسی میں ہوا کرتی
ی اس لئے شیواجی اور پیشواؤں کے دربار میں فارسی کے ماہر خطاط اس
ام پر مامور تھے۔ اورنگ زیب کے نام شیواجی کے مخطوطے آج بھی زبردست
ریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح مسلمان بادشاہ غیر مسلموں سے جو
لاوکتابت کرتے تھے اس میں مقامی ضروریات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ
ادل شاہی دور کے فرمانوں کی زبان تو فارسی ہوتی تھی لیکن رسم الخط
دناگری ہوتا تھا یا فارسی رسمِ خط استعمال کرنے کی صورت میں اختتام پر
اٹھی اور تلنگی عبارتیں لکھ دی جاتی تھیں۔

شاہی فرمانوں اور سندوں سے قطع نظر جہاں تک علمی، تحقیقی اور شعری
تلیقات کا سوال ہے مصنف کے اپنے لکھے ہوئے نسخوں کی خاص طور پر قدر
ی جاتی تھی۔ چنانچہ اکبر کے نورتنوں کے لکھے ہوئے بہت سے نسخے ملتے ہیں
ابوالفضل اور فیضی نے اپنی تصانیف کی کتابت کے لئے کئی خطاط مامور
کر رکھے تھے لیکن خود ان کی تحریر میں کئی نسخے موجود ہیں۔ مثلاً کتب خانہ
آصفیہ میں "نل دمن" کا مبیضہ اور مسودہ موجود ہیں جو فیضی کے خط میں ہیں۔

لکھائی شروع کرنے سے قبل مصنف کاغذ پر مطلوبہ تعداد میں سطریں کھینچ لیتا تھا
لیکن بعض ایسے ماہرین بھی تھے جو بغیر سطور کے سادہ ورق پر لکھتے تھے صفحات
کے حاشیوں پر نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ بسا اوقات حاشیے سادہ رکھے
جاتے تھے تاکہ پڑھنے والے ان پر اپنے نوٹ لکھ سکیں۔ عموماً مخطوطوں کے لئے
خاص قسم کا کاغذ اور نہایت پائیدار روشنائی استعمال کی جاتی تھی۔ اس روشنائی
سے لکھے ہوئے الفاظ اور بیل بوٹے سینکڑوں سال گزرنے پر بھی برقرار ہیں۔
عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے جاتے تھے۔ مکمل ہونے کے بعد جزبندی کرالیتے تھے جلد
عام طور سے چرمی بنوائی جاتی تھی، صفحۂ اول پر سرنامہ اور اس کے ساتھ محرابی
نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ کتاب کی ابتدا میں کوئی فہرست نہیں ہوتی تھی
لیکن کبھی کبھی بعد کی نقلوں میں فہرست کا اضافہ کردیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر شیخ
فرید صاحب کے مطابق محمد غوثی کی تصنیف "گلزارِ ابرار" کی چھ معلوم جلدیں
موجود ہیں جن میں سے پانچ ہندوستان میں اور ایک پاکستان میں ہے۔ اصل
جادرہ میں ہے جو مصنف کا وطن مالوف تھا اور رامپور، پٹنہ، علی گڈھ، حیدرآباد
بھاولپور اور بمبئی میں نقلیں ہیں۔ موخرالذکر میں جو ڈاکٹر فرید صاحب کے پاس
ہے، فہرست بھی ہے جبکہ باقی ماندہ نقول اور اصل میں فہرست نہیں ہے۔

قدیم مخطوطات آجکل کی کتابوں کے تصور سے قطعی مختلف ہیں جن میں
تقریظ و تعارف، پیش لفظ، پیغام اور پریس کا نام معمولات ہی نہیں لوازم کا
درجہ رکھتے ہیں فی زمانہ مطبوعات کے برعکس مخطوطات میں مصنف کا نام اختتام
پر درج کیا جاتا تھا۔ اس عبارت سے جسے ترقیمہ کہا جاتا ہے، تین باتوں کا
اندازہ لگتا ہے یعنی کاتب کا نام سنِ کتابت اور مقامِ کتابت۔ اس حصہ میں کاتب
کنایتہً مصنف کا نام یہ لکھتے ہوئے بتاتا ہے "من تصنیفِ فلاں" اور جب
مصنف خود کاتب ہو تو یہ تحریر کرتا ہے: "بیدِ حقیر فقیر..." اور یہ بھی اشارہ کرتا
ہے کہ کتابت بھی خود اس نے کی ہے۔ مثلاً 'کلیات ممنون' میں شاعر نے
خود کتابت کی ہے اور ترقیمہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔

بسا اوقات مخطوطات شاہی انعام واکرام کی توقع پر تیار کئے جاتے
تھے اور کبھی کبھی سلاطین و امراء شعراء کو اس کام پر مامور کرتے تھے۔
اس کا پتہ ان انتسابات سے چلتا ہے جو ان مخطوطات پر مرقوم ہوتے ہیں۔
"مفتاح السرور" کا پہلا انتساب مالوہ کے سلطان خلجی کے نام ہے لیکن
جب تکمیل سے قبل ہی اس کا انتقال ہوگیا تو یہ مخطوطہ عادل شاہ والیٔ خاندیس
سے منسوب کردیا گیا۔

مخطوطات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نہ صرف مصنف اور کاتب بلکہ
قاری بھی حاشیہ میں اپنی رائے یا تبصرہ تحریر کردیتا ہے۔ اس مقصد کے لئے
مخطوطوں میں بطور خاص سادے حاشیے رکھے جاتے تھے۔ "چنگیز نامہ" پر
ہمایوں کی تحریر، "دیوان حافظ" پر ہمایوں اور جہانگیر کی تحریریں اور "دیوانِ کامران"
پر جہانگیر اور شاہجہاں کی تحریریں موجود ہیں۔ ان حاشیوں سے بعض اوقات بڑے
دلچسپ انکشاف بھی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر "طبِ قاسمی" میں جو طب کے
موضوع پر فرشتہ کا قلمی نسخہ ہے، مصنف کے شاگرد اور اکبر کے طبیب خاص

حکیم مصری نے ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ یہ نسخہ حبس بول کے سلسلے میں اکبر پر آزمایا گیا اور مفید پایا گیا۔ طب قاسمی کا یہ نسخہ احمد آباد کی گجرات ورناکیولر سوسائٹی کی تحویل میں ہے۔

ان تحریروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی نسخہ کتنے ہاتھوں سے گذرا ہے۔ عبدالرحیم خانخاناں کا مخطوطہ "فتوحاتِ مکیہ" مصنف نے جہانگیر کو پیش کیا۔ جہانگیر نے سید محمد گجراتی کو دیا اور سید محمد سے یہ اس کے بیٹے سید جلال تک پہنچا۔ یہ تفصیل اس مخطوطے پر درج ہے جو آج کل کلکتہ میموریل ہال میں محفوظ ہے۔

مخطوطے نقل در نقل ہوتے ہوئے نہ صرف مائمال ہوتے ہیں بلکہ رد و بدل کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر شیخ فرید کے پاس شاہ باجن کے ایک مخطوطے کی فوٹو کاپی ہے۔ اس مخطوطے کا نام مصنف نے "خزائنِ رحمتہ اللہ" رکھا تھا۔ ناقلوں نے نام بدل کر "خزانۂ رحمت" کر دیا جس کا سبب غالباً سہولت ہے۔ یہی نام مشہور بھی ہوا لیکن ایک اور ناقل محمود شیرانی نے تو ایک قدم آگے بڑھ کر اسے "گلستانِ رحمت" کر دیا۔

نقل در نقل میں ہونے والی ستم ظریفیوں کی ایک مثال "دیوانِ ساکر ناجی" کے مرتب ڈاکٹر فضل الحق نے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ناجی کے کلام کے دو نسخوں کا علم ہو چکا ہے، ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اور دوسرا سنٹرل لائبریری پٹیالہ کی ملکیت ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطے کا کاتب انتہائی غلط نویس ہے۔ املائی غلطیوں کے علاوہ الفاظ و حروف چھوڑ جانا، اپنی طرف سے مصرعوں اور اشعار میں اضافہ کر دینا اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ پٹیالہ کا نسخہ بھی املائی غلطیوں سے پاک نہیں اس کا کاتب مصرعہ میں 'ع' کی جگہ 'الف' لکھتا ہے مگر حروف اور الفاظ کا اضافہ یا کمی نہیں کرتا۔

قدیم مخطوطوں کو صحیح صحیح پڑھ لینا ایک مشکل امر ہے جس کے لئے کافی مشق اور مہارت کی ضرورت ہے۔ ایک تو قدیم املا بڑی حد تک متروک ہو گیا ہے اور رسم خط میں بھی کافی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ علاوہ ازیں زبان اور تحریر پر مقامی اثرات بھی کافی الجھاؤ پیدا کرتے ہیں۔ چھاپہ خانے کے معرض وجود میں آنے کے بعد جب کتابیں عوام الناس تک بھی پہنچنے لگیں، رسم الخط کی بعض کمزوریوں کو جنھیں اب تک خوبیاں متصور کیا جاتا تھا، دور کر دیا گیا۔ چنانچہ گذشتہ صدی کے اواخر اور جاری صدی کے اوائل میں جب وصلی نویسوں کی جگہ کاپی نویسوں نے لے لی تو بقول مولوی شاغل عثمانی، انھوں نے تحریر کی طباعتی خوشنمائی کی غرض سے اصولِ کتابت میں بھی بعض ترمیمیں کر لیں۔ جوڑ پیوند اور مد و کشش میں بھی تصرفات کئے۔ مثلاً ص، ط اور م کی کشش جو متقدمین نے بنظر حسن جائز سمجھی تھیں، متروک قرار دی گئیں۔ زائد مد اور زائد نقاط جو جگہ پُر کرنے اور خوشنمائی کی غرض سے لگا دیئے جاتے تھے یا ایک ہی نقطے سے ایک سے زائد نقطے کا کام لیا جاتا تھا یا صحیح مقام کی بجائے دوسری جگہ نقطہ لگا دیا جاتا تھا، ناجائز قرار پائے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پنجاب کے اہلِ علم حضرات نے نستعلیق خط کو مزید عام فہم اور معیاری بنانے کے لئے اور بھی ترمیمات کیں۔ مثلاً یائے معروف مدور لکھی جائے اور یائے مجہول دراز؛ نون غنہ میں نقطہ نہ لگایا جائے۔ ہائے مخلوط دو چشمی ہو، واؤ معروف پر الٹی علامتِ جزم ہو۔ کافِ فارسی (گ) کے لئے دو مرکز ضروری قرار دیئے گئے۔ متشابہ حروف کے لئے اعراب لگائے جانے لگے۔ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان ترمیمات کے بعد نستعلیق خط میں مطبوعات کا مطالعہ کرنے والے کسی شخص کے لئے ان قلمی نسخوں کا مطالعہ اور تفہیم کس قدر مشکل امر ہو گا۔ جن میں ان حالیہ ترمیمات کا التزام نہ رکھا گیا ہو۔

مخطوطات کے قاری کے لئے قدیم املا، رسم الخط اور طرز تحریر کا علم بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مابعد کی تبدیلیوں اور ترمیموں کا ہے ورنہ اس کا کام علمی کم اور اٹکل پچو زیادہ ہو جائے گا۔

جہاں تک اردو مخطوطات کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر مغلیہ دور کے دوران تحریر کردہ ہیں۔ اس دور میں فارسی اور اردو کے لئے نستعلیق رواج پا چکا تھا۔ لیکن چونکہ نستعلیق کافی دقت طلب خط ہے اس لئے روزمرہ کے کاموں کے لئے آسان اور رواں خطوط کی تلاش جاری تھی۔ علاوہ ازیں خطاطی کے ماہر فنکار نت نئے تجربات میں مصروف رہتے تھے چنانچہ خط نعلیق اور خط نستعلیق کے اتصال سے خطِ شکستہ اور خط شفیعہ رائج کئے گئے۔ خط شکستہ کی ایجاد زود نویسی کی غرض سے ہوئی تھی اور چونکہ یہ بہت جلد دفتری امور میں استعمال ہونے لگا اس لئے "خط دیوانی" کے نام سے بھی مشہور ہو گیا۔ اس خط کو بعد میں عرف عام میں گھسیٹ کہا جانے لگا، لیکن جبکہ "گھسیٹ" کسی بھی بدنما قلمی تحریر کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، خطِ شکستہ ایک باضابطہ اور مستقل خط ہے۔ اساتذۂ فن نے نہ صرف اس کے اصول و قواعد منضبط کئے ہیں بلکہ مسلسل ترمیمات کر کے اس کو بیحد دیدہ زیب اور خوشنما بھی بنا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے موجد میرزا محمد حسین بعض امراء صفویہ کے حسد کے باعث ایران چھوڑ کر ہندوستان آئے اور پہلے ہمایوں پھر اکبر کے دربار میں اعزاز پایا۔ اس فنکار کی آمد کے بعد ہندوستان میں خط شکستہ کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ شاہجہاں کا زمانہ اس کے عروج کا دور تھا۔ خط شفیعہ اگرچہ خط شکستہ ہی کی ایک طرزِ خاص ہے تاہم اساتذہ نے اس کی مخصوص روش اور مقبولیت کے پیش نظر اسے بھی ایک جداگانہ خط تسلیم کیا۔ ان دونوں خطوں میں نستعلیق کا حسن اور تعلیق کی پیچیدگی نمایاں ہیں تعلیق میں الفاظ ایک دوسرے سے زنجیر کے حلقوں کی طرح جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ان میں حروف کو تبدیل

کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے فرامین و سرکاری دستاویزات کے لئے اسے سب سے عمدہ خط تسلیم کیا گیا تھا۔ اس خط کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ سرکاری خطوط کے لئے "تعلیقہ" کا لفظ رائج ہوگیا تھا۔ فارسی کا ایک شاعر زکیؔ کہتا ہے ؎

خط آمد و کیفیتِ رُخسارِ تو کم شُد
تعلیقۂ معزولیٔ نازِ تو رقم شُد

تعلیق کی اس مقبولیت کے پیشِ نظر اُردو مخطوطات اور فرامین کے لئے شکستہ جو تعلیق سے قریب ہے اور شفیعہ جو نستعلیق سے موزوں خط سمجھے گئے۔

وصلی جس میں خطاطی کی مشق کی گئی ہے

ان دو خطوط میں تحریر کئے ہوئے قلمی نسخے پڑھنا اس قدر آسان نہیں جتنا نستعلیق میں تحریر کردہ عبارتیں، بالخصوص چونکہ ان میں نقطوں اور مرکزوں کے مقامات تبدیل ہوتے ہیں یا ان کا سرے سے وجود نہیں ہوتا، یہ کام اور مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ خواندگی کی سعی سے قبل مختلف خطوں اور ان کی باریکیوں کا علم حاصل کیا جائے۔ اس کے لئے ہمیں قدیم رسومِ خط کے پس منظر میں جانا پڑے گا۔

جوں جوں ہم عہدِ قدیم کی طرف مراجعت کرتے ہیں، خطوط کی پیچیدگیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اکثر قدیم مخطوطے اور مکتوبے خطِ کوفی میں ملتے ہیں۔ ۵۰ھ تک خطِ کوفی میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے جاتے تھے لیکن جب حروفِ متشابہ کی تمیز میں دقتیں پیش آنے لگیں اور خصوصاً تلاوتِ قرآن پاک میں غلطیاں ہونے لگیں تو عربی کے ایک عالم ابوالاسود دؤلی نے حروف کی تشخیص کے لئے نقطے لگوائے۔ تاہم مولوی شاغل عثمانی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس نے نقطے اعراب کے لئے جاری کئے تھے۔ بعد بنی اُمیّہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو حکم دیا کہ ابوالاسود کی مجوزہ علامتیں ناکافی ہیں، اس لئے علماء سے مشورہ کے بعد ان میں مزید ترمیم کی جائے۔ حجاج نے متشابہ حروف میں امتیاز کے لئے ایک، دو اور تین نقطے تجویز کئے مگر اعرابی نقاط کو بھی برقرار رکھا۔ اس وقت تک موجودہ زیر، زبر، پیش کا استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں سرورِ کائناتؐ کے اس مکتوب کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو انھوں نے شہنشاہِ روم ہرقلِ اعظم کے نام ساتویں ہجری میں بھیجا تھا۔ یہ مکتوب جو نقاط و اعراب سے یکسر عاری ہے لندن کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ قسطنطنیہ کے کتب خانے میں محفوظ مصحفِ عثمانی اور ایران میں حضرت علی مرتضیٰ کے قلمِ مبارک سے تحریر کردہ قرآن پاک کا نسخہ بھی انہی خصوصیات کے حامل ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ نقاط اور اعراب سے احتراز صرف عربی تک محدود نہ تھا بلکہ فارسی مخطوطات کے لئے بھی یہ طریقہ اختیار کیا جانے لگا تھا۔ مولوی شاغل عثمانی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے پاس اس قسم کی ایک سو سے زائد تحریریں موجود ہیں جو بدقت ہی سہی لیکن پڑھنے میں ضرور آتی ہیں۔ مولوی صاحب کے مطابق زمانۂ موجودہ کی کثیر تحریرات بزبانِ اردو ملتی ہیں جن میں نہ نقطہ ہوتا ہے نہ حروف کی صحیح شکل۔ لکھنے والے بے نقط گھسیٹتے ہیں مگر پڑھنے میں صاف اور صحیح آتی ہیں۔ دراصل نقطے لگانا ایک گونہ کاتب و مکتوب الیہ کی کم علمی تصور کی جاتی تھی۔ لہٰذا مخطوطوں کی خواندگی میں حروفِ مہملہ اور حروفِ معجمہ کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ فارسی اور اُردو مخطوطوں میں کافِ فارسی یا 'گ' کی تمیز بھی ضروری ہوتی ہے جس پر بسا اوقات صرف ایک مرکز ہوتا ہے اور اسے کاف سے ممیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔

دکنی اور اُردو مخطوطوں میں ہندی کے حروفِ مفرد اور مرکب مثلاً ٹ،
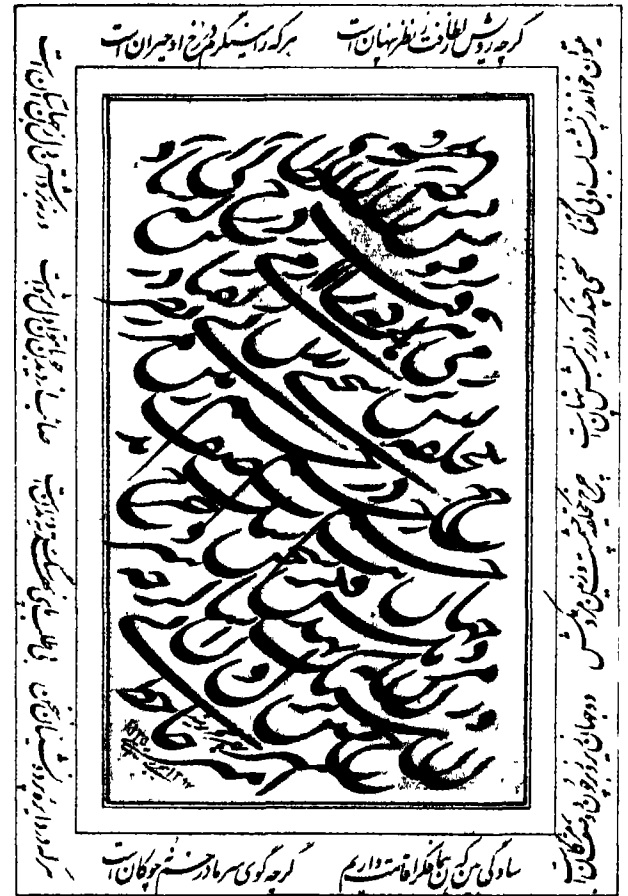
ڈ، ڑ، بھ، پھ، چھ وغیرہ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ ٹ، ڑ وغیرہ برعلامتِ شناخت کے لئے چھوٹی ط کس نے اور کب تجویز کی یہ تحقیق نہیں۔ قیاس ہے کہ یہ علامت ۱۸۰۰ء کے بعد رائج ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے ان حروف کی علامتِ شناخت 'ت' کے دو نقطوں پر ایک وقفہ کے ذریعے کبھانی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کی تصانیف میں بیٹھنا اور ڈرنا اسی طرح لکھا ہوا ملتا ہے۔ ۱۸۰۰ء کے قبل کے بعض نسخوں میں ٹ، ڈ، ڑ کے لئے چار نقطے استعمال کئے گئے ہیں (ٺ، ڐ، ڙ) جیساکہ سندھی رسم الخط میں فی زمانہ رائج ہے۔ علاوہ ازیں دکنی رسم خط میں یہی کام تلے اوپر لکھے ہوئے دو نقطوں سے لیا گیا ہے۔ لہٰذا مخطوطات پڑھنے والے متعلم یا محقق کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ان نکات کو پیشِ نظر رکھے اور خواندگی سے قبل اس قسم کے امتیازی مقامات و علامات کی ایک کلید تیار کر لے جو صحیح خواندگی میں قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرے گی۔

●●

صفحہ ۱۸ سے آگے

پسماندہ طبقات کے لئے ۲۰ فیصدی اور پسماندہ طبقات کے لئے ۲۲½ فیصدی شرح سے امداد دی جائے گی۔

سیمنٹ کے کاروبار میں دھاندلیوں اور بلیک مارکٹنگ کی روک تھام کے لئے یکم اکتوبر ۱۹۷۸ء سے مہاراشٹر بھر میں پرمٹ کے ذریعہ سمنٹ کی فروخت کا نفاذ کیا گیا ہے۔ سیمنٹ کی تقسیم اب سو فیصدی پرمٹ کے ذریعہ ہو گی۔ اس میں سے ۵ فیصدی تقسیم امداد باہمی اداروں کے ذریعہ عمل میں لائی جائے گی۔ موجودہ اور نئے بیوپاریوں کی ایک فہرست مرتب کی جائے گی تعلقہ سطح پر کم از کم ایک امداد باہمی ادارہ کو اسٹاکسٹ مقرر کیا جائے گا نئے بیوپاریوں میں امداد باہمی اداروں کو ترجیح دی جائے گی۔ سیمنٹ کی فروخت اور تقسیم پر نظر رکھنے کے لئے ضلع اور تعلقہ سطحوں پر کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔ ضلع کی کمیٹیاں تعلقہ کمیٹیوں کو سیمنٹ تقسیم کریں گی اور اس بات پر نظر رکھے گی کہ سیمنٹ کی تقسیم قانون کے مطابق ہو رہی ہے یا نہیں۔ تعلقہ کمیٹیاں درخواست گزاروں کے لئے سمنٹ کا کوٹہ مقرر کرے گی۔ ان کمیٹیوں میں مقامی ایم ایل اے، ضلع پریشد صدور، پنچایت سمیتی کے چیرمین، خرید و فروخت یونین کے نمائندے اور عوامی نمائندے شامل ہوں گے۔ بمبئی عظمیٰ میں سیمنٹ کی تقسیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا جائے گا۔ اور مختلف وارڈ کے لئے ضمنی کمیٹیاں قائم کی جائیں گی جس میں عوامی نمائندوں کو بحیثیت اراکین شامل کیا جائے گا۔ تقسیم کاری کے سلسلے میں ضروری ہدایت اور رہنمائی حکومت کی جانب سے کی جائے گی۔

صرف تین مہینے کے مختصر عرصے میں ہی پی ڈی، ایف حکومت نے عوامی فلاح و بہبود سے متعلق یہ اہم فیصلے کئے ہیں۔ ان تمام اقدامات کا بین مقصد غربت میں مبتلا ہزاروں ادیباسی، بے زمین مزدور، ملازمین، چھوٹے کسان اور غریب بستیوں کے باشندوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ ان اقدامات میں سے چند کا اعلان ہونے کے فوراً بعد ہی واضح اثر دیکھا گیا۔ دیگر اقدامات کا بھی خاصا اثر مستقبل قریب میں دیکھا جائے گا۔ لیکن ایک اہم بات یہ ہے کہ ان تمام فیصلوں نے عوام میں بیداری کی ایک نئی لہر پھونک دی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام میں مشکلات پر قابو پانے کا ایک نیا رجحان پیدا ہو گا اور عوام کے تعاون سے یہ تمام پروگرام زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

●●

صفحہ ۲۹ سے آگے

رکھتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں شمال سے کئی آرٹسٹ اپنے مداحوں کی تلاش میں ہجرت کر کے جنوب میں چلے آئے۔ ان کی دستکاری لاجواب تھی۔ گِلڈ کے طریقے کار کے مطابق ان افراد نے ایسے مقدس کام پر دل کی گہرائی سے کام کیا۔ ان کا مشاہدہ لاجواب ہے اور اپنی تمام پینٹنگ کی انھوں نے واضح تشریح بھی کی۔ تصویروں کی ڈرائینگ کلاسیکی طرز کی ہے۔ ہر صفحہ پر تصویروں کے لئے چھوڑی گئی چند مربع ملی میٹر جگہ میں آرٹسٹ نے بیشما تفصیلات اس باریکی سے پیش کی ہیں کہ تصویریں کتنی بھی بڑی ہوں بغیر کسی ردّ و بدل کے مکمل طور سے واضح ہو جاتی ہیں۔

دُہرا مقصد: ۱۹۷۹ء کا سرکاری کیلینڈر دُہری حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۹۷۹ء کا سال بچوں کا سال تسلیم کیا گیا ہے۔ بچوں سے متعلق تصاویر اس کیلینڈر میں شامل کی گئی ہیں، یہ فوٹو یونیسف سے حاصل کئے گئے ہیں۔

یہ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ سال بچوں کا سال ہونے کے ناطے بچوں کو یہ پیغام ملتا ہے کہ بچے کل ہماری تہذیبی اقدار کے محافظ ہوں گے۔ ہمارے موروثی قیمتی اور لازوال فنون کے محافظ ہوں گے۔

(ترجمہ: ایم۔ اقبال)

●●●

سراج اورنگ آبادی اور آتشِ عشق و محبت

محمد زبیر اعظمی
ایولہ

کچھ نامور شعراء اور ادیب ایسے بھی گذرے ہیں جن کے شاہکار امتدادِ زمانہ کے باوجود اور مرورِ ماہ و سال کے باوصف آج بھی اپنے اندر اتنی ہی جاذبیت اور کشش رکھتے ہیں جتنی اپنے وجود میں آنے کے وقت رکھتے ہوں گے۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ان کی قدامت اور دیرینہ سالی نے ان پر اور زیادہ صیقل کا کام کیا ہے۔ میر انیس، نظیر اکبر آبادی اور غلام حسن مصنف سحر البیان اس کی زندہ و تابندہ مثالیں ہیں۔ اس کے بعد ہمیں یہ حقیقت جس طرح سراج اورنگ آبادی کے کلام میں نظر آتی ہے کہیں اور اسکی نظیر نہیں ملتی بلکہ مذکورہ شعراء سے زیادہ یہ صفت سراج اورنگ آبادی کے کلام میں نمایاں نظر آتی ہے کیونکہ انکا عہد اور بھی قدیم ہے اور زبان دکھنی سے قریب تر ہونے کے باوجود بعض اشعار اتنے خوبصورت ہیں کہ آج کس کا منہ ہے جو ان سے بہتر کہہ سکے۔ پھر فارسی ترکیبوں اور بندشوں نے اس شاعر کے کلام کو بہت ہی ارفع و اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے اور یہ وہ مقام ہے جو نہ پہلے کسی کو نصیب ہوا نہ آئندہ شاید نصیب ہو۔

خال خال ہی یہ خوش نصیبی کسی کے نصیب میں آتی ہے جب شعر نثر سے زیادہ قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ ایسی ہی ایک مشہور سہل ممتنع اور زبان زد خاص و عام غزل ان کی یہ ہے ؎
"خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی" یہ غزل اتنی خوبصورت اور پیاری ہے کہ سو بار پڑھنے کے باوجود بھی زبان چٹخارے لیتی رہتی ہے اور دل ہے کہ یہی چاہتا رہتا ہے کہ بار بار پڑھا جائے اسی غزل کا ایک مشہور شعر یہ ہے ؎

چلی سمت غیب سے ایک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

میں نے دورِ حاضر کے ایک ممتاز ادیب اور یگانۂ روزگار عالم کا یہ ریمارک پڑھا ہے جو سراپا حقیقت پر مبنی ہے کہ سراج کے اس شعر سے بہتر اپنے مفہوم میں آج تک کوئی شعر نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ اردو شاعری غالباً اس سے بہتر طرز ادا سے خالی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فراق گورکھپوری نے ہندستانی یا مشرقی عورت کے حسن و جمال کو جس جس انداز سے اجاگر کیا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے اگر یہ صحیح ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ سراج نے عشق و محبت کو جس جس انداز سے پیش کیا ہے وہ کسی اور شاعر کے بس کی بات نہیں، مولانائے روم نے بیشک عشق کو بڑے اچھوتے اور دلکش پیرائے میں پیش کیا ہے جس کی داد نہ دینا صریح ظلم ہے۔ لیکن پھر بھی عشق و محبت کو جس جس طرح سراج نے محسوس کیا ہے یہ دولت احساس بہت کم ادیبوں، شاعروں یا عاشقوں کے حصے میں آئی ہوگی۔ ان کے نزدیک عشق ایک خیالی، مفروضی، اور صرف گفتنی چیز نہیں ہے ایک ٹھوس حقیقت ہے جو اپنی جگہ ثابت و قائم ہے۔ ایک حقیقت ایسی جو لافانی اور امٹ ہے جس کو زوال نہیں، فنا نہیں یہ صرف شاعرانہ خیال آرائی نہیں ہے۔ بلکہ بات اپنے اپنے احساس و ادراک کی ہے۔ ان کے نزدیک عشق تمام تر گرمی، سوزش، درد، ٹیس، ہوک، ہول تڑپ، جگر خراشی و جگر سوزی سے عبارت ہے۔ شاعر ہمہ دم اس کی آگ میں جلتا ہے جل کر خاک اور خاکستر ہو جاتا ہے۔ پھر زندہ ہوتا ہے اور جلتا ہے اور تڑپتا ہے۔ اور تلملاتا ہے۔ کبھی کبھی عشق کو ایک مجسم شخصیت کے روپ میں پیش کرتا ہے جو اس کو کچوکے لگاتا ہے۔ نشتر چبھوتا ہے۔ اور شمشیر و سناں اور تیشہ و تبر سے اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور وہ شب و روز یہ سب کچھ سہتا ہے۔ عشق اس شاعر کا دلچسپ موضوع ہے اور پھر اس ضمن میں جدائی، تڑپ، کسک، سوزش وغیرہ واردات خود بخود آجاتی ہیں۔ جنھیں وہ مختلف انداز سے پیش کرتا چلا جاتا ہے اپنے ہر مقطع میں تقریباً وہ عشق ہی کا اظہار کرتا ہے اور عشق کی طرف سے محسوس کی جانے والی حالتوں اور قلبی احساسات کا تذکرہ بڑی صفائی سے کرتا ہے۔

ناانصافی ہوگی اگر یہاں اس کے چند اشعار بطور نمونہ کے پیش نہ کئے جائیں تاکہ کھرے کھوٹے اور جھوٹ سچ کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ تو لیجئے کچھ اشعار ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کئے جا رہے ہیں۔ تاکہ وہ اس حلاوت و شیرینی سے محظوظ ہو سکیں۔

ایک جگہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے غم کے شعلوں سے دل کا چراغ روشن کر رکھا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اس لالہ رو کے ہجر کی آتش میں اے سراج
روشن کیا ہوں شعلۂ غم میں چراغ دل!

کہیں کہتے ہیں کہ میرے دل میں غم کی آگ بھڑک رہی ہے ؎

خاموش نہ ہو سوزِ سراج آج کی شب پوچھ
بھڑکا ہے میرے دل میں ترے غم کی اگن بول

کبھی دنیا والوں سے کہتے ہیں کہ غم کی آگ میں سراج کی مانند جلنا سیکھو ؎

جلو مثل سراج آتش میں غم کی　　جو پروانے طرف منسوب ہو تم

ایک مقام پر کہتے ہیں کہ چراغ دل عشق و محبت کے شعلوں سے روشن ہے:

شوق کے شعلہ میں روشن ہے چراغ دل سراج
ہر سپر پیرواشتہ بزم محبت کی قسم!

کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس ماڑو سے کوئی جاکر کہدے کہ میرے جگر میں محبت کی آگ لپٹیں مار رہی ہے ؎

اے سراج اس شمع رو سیں جا کے بول
ہے جگر میں آتش غم شعلہ زن

ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ میری آتش فرقت اپنے وصال کے پانی سے بجھا جا:

اگن میں ہجر کی جلتا ہوں میں سدا جاناں
زلال وصل سیں یہ آگ آ بجھا جاناں!

ایک جگہ شکایت کرتے ہیں کہ سنگدل معشوق میری جرارت وہمت کی داد بھی نہیں دیتا کہ میں کس طرح ہنس ہنس کر جل رہا ہوں ؎

وہ ظالم مجھ کو جلتا دیکھ اتنا بھی نہیں کہتا
کہ کیا ثابت قدم ہے کیوں نہ ہوئے آخر سراج اپنا

دیکھئے کن باتوں پر شاعر کو ناز ہے:

تڑپناں، تلملاناں، غم میں جلناں، خاک ہو جاناں
یہی ہے افتخار اپنا یہی ہے اعتبار اپنا

کہیں کہتے ہیں کہ اپنی محبت کے ٹھنڈے چھینٹوں سے میرے دل کی آگ بجھا دینا بہتر ہے:

سراج آتش میں تیرے فراقوں کی　بجھا جا مہر سیں یکبار موہن

آتش فراق سے گھبرا کر مجلس وصال میں جانے کی اجازت چاہتے ہیں:

دے مجلس وصال میں پروانگی مجھے　جلتا ہوں جیوں سراج برہ کی اگن منیں

کہیں جدائی کی آگ پوشیدہ و مستور رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں تاکہ رازِ عشق فاش نہ ہونے پائے:-

پنہاں رکھو جگر میں برہ آگ جیوں سراج
پوشیدہ رازِ عشق کو مشہور مت کرو

کچھ اور اشعار اپنے دعوے کی صداقت میں پیش کرتا چلوں تو بہتر ہوگا۔ سنئے ؎

۱: جیوں سراج آتش کے شعلے جن کو ہیں شربت کے گھونٹ
خوف کر اے شمع رو ایسے بلا نوشوں ستی

۲: جلتا ہوں سراج آتش فرقت میں تمہاری
کس دن دل غمگیں کو مرے شاد کرے گا

۳: جب سے تجھ عشق کی گرمی کا اثر ہے من میں
تب سیں پھرتا ہوں اداسی ہو برہ کے بن میں

۴: خوف کر تو سراج سوزاں سیں
آہ کا تیر ہے ہوائی نہیں

۵: ہے آگ عاشقوں کا دم سرد اے سراج
اور آگ کی لپٹ کو دم سرد بولئے

۶: شعلۂ غم سے دل جلا کے سراج
آپ ہی ہنستا ہے ہو تماشائی

مختصر یہ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاروں طرف سے محبت کے شعلے شاعر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اور وہ پوری طرح ان کی لپیٹ میں ہے۔ جس سے چیختا ہے چلاتا ہے اور نالہ و فریاد کرتا ہے۔ یہ شاعر آگ میں رہتا ہے آگ میں جیتا ہے اور آگ ہی کی سیج پر سوتا ہے۔ غرض آگ ہی کی بنی ہوئی دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کی نگاہ سے دیکھئے تو ہر طرف شعلے ہیں آگ انگارے اور لپٹیں ہیں اس کے علاوہ کچھ بھی اس کو نظر نہیں آتا ـــ آگ اور بس آگ ہی آگ!

یوتھ فورم

یوتھ فورم کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا فروغ۔ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے ـــ اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر "قومی راج" ۱۵واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

• ڈاکٹر حمیرہ جلیلی

سلیمان خطیب - ایک جائزہ

جنوبی ہند کے ان شعراء کے درمیان جنھوں نے دکھنی زبان میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا زیادہ پسند کیا ہے۔ سلیمان خطیب نے اپنے منفرد لب و لہجہ، سلجھے ہوئے شعور اور فکروفن کی گہرائی و گیرائی کے ساتھ ایک منفرد و ممتاز مقام پیدا کر رکھا تھا۔ سلیمان خطیب اس لحاظ سے بڑے خوش قسمت رہے کہ اپنی حیات ہی میں انھوں نے کل ہند شہرت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ برصغیر کے مختلف مقامات جیسے کشمیر، بہار، گجرات، پنجاب، یوپی اور مہاراشٹر کے بڑے بڑے مشاعروں میں وہ بطورِ خاص بلوائے جاتے تھے۔ اور جہاں بھی وہ جاتے اپنے مخصوص طرزِ کلام سے اپنی شاعری کی انفرادیت کے جھنڈے گاڑدیا کرتے تھے۔

سلیمان خطیب یوں تو دکھنی زبان کے طنز و مزاح کے شاعر ہیں، لیکن ان کے کلام کا خاصہ حصہ عصری زبان میں بھی ہے۔ جو ایک خاص اہمیت اور خصوصیت کا حامل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دکھنی زبان میں وجیہی کی سلاست، غواصی کی بلاغت اور نصرتی کے پُرشکوہ انداز کے ساتھ انھوں نے نسبتاً وسیع حلقے تک اپنی بات پہنچائی ہے، یعنی ایسے لوگوں تک جن کے وہ شب و روز قریب رہے، جن کی آہوں اور نالوں کے ایک ایک سُر کو اپنے گیتوں میں پروتے رہے۔

خطیب ایک پختہ سماجی شعور کے مالک تھے اور بڑے چابک دست فن کار بھی۔ زبان پر ان کی گرفت مضبوط تھی، مشاہدہ میں وسعت اور فکر میں گہرائی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک دردمند دل کے مالک تھے۔ اسی لئے اپنی شاعری کی زندگی کا ایک بڑا حصہ انھوں نے بےکس و بے سہارا، محنت کش و تہی دست افراد کی تائید میں قائم کردہ محاذ پر گذار دیا۔ دراصل سلیمان خطیب مجبوروں اور دُکھ کے ماروں کی ترجمانی کے پردے میں خود اپنے دل کے اوراق کھول کر رکھ دیا کرتے تھے۔

خطیب کے فن کا یہ کمال ہے کہ وہ اپنے سیدھے سادے انداز، چبھتے ہوئے تیکھے موضوعات اور دلکش اسلوب کے ساتھ پہلے قاری و سامعی کو لطف و انبساط کی پُرکیف فضا میں لے آتے ہیں۔ لیکن لُطف و انبساط کا یہ سفر سُرور انگیز فضاؤں میں آگے بڑھتے بڑھتے اُس وقت ایک جھٹکے کے ساتھ رُک جاتا ہے جب ہم خوشی کے راستے چلتے چلتے اچانک اپنے آپ کو آنسوؤں کے موڑ پر پاتے ہیں۔ ہنسا ہنسا کر یوں اشکبار کرنا ہی ان کے فن کی جیت اور ان کے فکر کا حاصل ہے۔

ہمارے معاشرے کی جتنی صاف اور برملا تصویر کشی سلیمان خطیب نے کی ہے وہ انہی کا حصہ بن گیا ہے۔ انھوں نے کبھی فلسفیانہ اور دقیع موضوعات پر قلم نہیں اُٹھایا، بلکہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو جن سے ہم روزمرّہ زندگی میں دوچار ہوتے ہیں اور جن سے حقیقت میں ہماری زندگی ترتیب پاتی ہے اسے انھوں نے بڑے چونکا دینے والے انداز میں پیش کیا ہے۔ ایسے کتنے ہی چھوٹے چھوٹے موضوعات جو کبھی قابلِ اعتنا نہ سمجھے گئے، سلیمان خطیب کے قلم کی زد پر آنے کے بعد یک بیک اہمیت و خصوصیت کے حامل ہو گئے ہیں۔ ان کے کلام کی ایک خصوصیت ڈرامائی آہنگ بھی ہے۔ ڈرامے کا اُتار چڑھاؤ اور کلائمکس کا رنگ پوری طرح ان کے کلام پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ جب کبھی خطیب دو یا دو سے زائد کرداروں کے ذریعے اظہارِ خیال کرتے ہیں تو ان کے یہ کردار بالکل جیتے جاگتے ہمیں میں سے نظر آتے ہیں۔ خطیب کے کرداروں کی یہ خوبی ہے کہ وہ جس ماحول اور طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں، ویسی ہی زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔ برجستہ، بے تکلف اور تصنّع سے پاک۔

"ہمارے بچے"، "لکھنوی شاعر کی دکنی بیوی"، "دو شاعر ایک رقاصہ" "لندن پلٹ بیٹا باپ کی قبر پر"، "کابلی والا جشنِ غالب میں" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ "ہمارے بچے" سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ؎

لکھنوی پنڈت:

صاحب! غلام زادے سب طاق ہو چکے ہیں
بستی کی کس گلی سے نسبت نہیں ہے اُن کی

ڈرتے ہیں یوں بڑوں سے پاسِ ادب ہے اِتنا
دوچار دن سے گھر میں صورت نہیں ہے اُن کی

مسٹر رابرٹ:

بائی گاڈ اپنا جانی پرفیکٹ ہوگیا ہے
اِک دم ہے فورٹونٹی پِیا سے فائیٹ کرتا
ممی کو مار دیتا، ٹیچر کو ٹائیٹ کرتا
سچے کو رانگ کرتا، جھوٹے کو رائٹ کرتا

خان صاحب:

واللہ اَمارا بچہ ہے گُل کے یار مافک
گاتا ہے فلمی گانے، بُلبل کے یار مافک
اُڑتا ہے چاندنی میں، ظالم چکور مافک
"یاہو" پکارتا ہے، شمّی کپُور مافک

کئی اعتبار سے سلیمان خطیبؔ، اکبر الہ آبادی کے بہت قریب نظر آتے ہیں کیونکہ سوسائٹی کی بے لاگ تنقید کے علاوہ اکبر الہ آبادی کی طرح ہی عوامی اور بول چال کی زبان کے ایسے الفاظ جو مزاج شاعری کے لئے بار محسوس ہوتے ہیں خطیب نہایت سہولت اور پُرکاری سے استعمال کرلیتے ہیں. جیسے، حولا، پُیّا، کھلگا، بوکڑ، اٹلانا، جورُو، محبوب میاں، بیتھو میاں وغیرہ۔ چند مثالیں پیش ہیں:

کاں سے بیٹھا تھا نصیباں میں یہ بولا شاعر
اڑدُمٹی پڑد دیوانہ ہے حولا شاعر

*

پُیّا ترپیٹ ہے ہاف سِگنل ہے
مُنھ پو چیچک سڑا ستافل ہے

*

روز مستی بھرے کُھلگے مرے کلو بلو رہتیں
پانا کھاکو یہ بوکڑ تو چکالی کرتیں
کوے چیلاں کے سریکا کبھی کوکو کرتیں
اَن کے اٹلانے سے بچے مرے ڈر کو مرتیں

*

اور خود کو بَتاتا ہے سلاطین سلف کا
اور سیّد سادات ہے جورُو کی طرف سے

یوں تو خطیبؔ، زبان کے لحاظ سے دکھنی شاعر ہیں لیکن مزاج اور موضوعات کے لحاظ سے سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اُن کے کلام میں حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریم اور حضرت موسیٰؑ کی عظمت و وقار کے پہلو بہ پہلو رآم کی شجاعت، ارجن و بھیم کی جوانمردی، گوتم کی بزرگی، سیتا کا تقدس، کنھیا کی بانسری کی گونج اور رادھیکا کے پائل کی جھنکار بھی ہے. خطیبؔ کے حُبّ الوطنی کی ترجمانی "پیارا وطن ہمارا" اور "ہمالیہ کی چاندنی" نظموں سے ہوتی ہے. یہ نظمیں گوکہ زیادہ طویل نہیں ہیں، لیکن ان کے ایک ایک لفظ سے وطن کے لئے شاعر کی محبت اور وارفتگی جھلکتی ہے۔

مشاہیر کی وفات پر خطیبؔ نے جو نظمیں قلمبند کی ہیں اُن میں "آخری کرن"، "سفیرِ امن"، "بہادر بیٹا"، "آہ زور"، "آہ ڈاکٹر زور"، "آخری دیدار"، "تارہ پھولاں" اور "لوک دوانہ" شامل ہیں. جو جواہر لال نہرو، شاستری جی، کیپٹن عبدالحمید، ڈاکٹر زور، سرور ڈانڈا اور مخدوم کے سانحۂ ارتحال پر لکھی گئی ہیں. موضوع کے لحاظ سے ان نظموں میں سوز و گداز کا عنصر غالب ہے لیکن اکثر مقامات پر جذبات کی لَے اتنی اونچی ہوگئی ہے کہ فکر کو زیادہ اُبھرنے کا موقع نہ مل سکا.

یوں تو خطیبؔ نے کئی کامیاب پیروڈیاں لکھی ہیں، لیکن ان کی وہ پیروڈی جو مخدوم کی نظم "چارہ گر" پر مبنی ہے. تاثر کے لحاظ سے اتنی بھرپور اور بلحاظِ فن اتنی مکمل ہے کہ بلا کسی پس و پیش کے اُسے اُردو ادب میں ایک اضافے کی چیز قرار دیا جاسکتا ہے۔

یوں تو خطیبؔ اپنی شاعری کی دنیا میں قدم قدم پر سماج کی بے اعتدالیوں کی نقاب کشی اور وقت و حالات کے ناسوروں پر نشتر لگاتے نظر آتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے کلام میں وہ حرکتی اجزاء بھی موجود ہیں جو گرے ہوؤں کو دلاسا دیکر پھر میدانِ عمل کی طرف راغب کرتے اور پژمُردہ دلوں کو خوش آئند مستقبل کی نوید دیتے ہیں.

کالے راتاں کا کبھی مُنھ بھی تو کالا ہوں گا
لنگے کندھے پو ہمارے بھی دوشالا ہوں گا
پیاسے ہاتاں میں بھرا سونے کا پیالا ہوں گا

●●
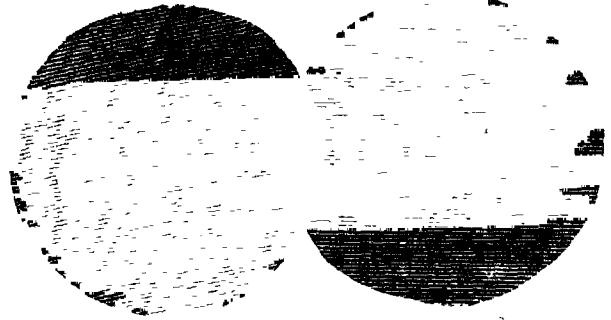
ڈاکٹر سلیم احمد دھالا

مائیکروبائیولوجسٹ سے ایک ملاقات

ایم اقبال

ملک و ریاست کی زراعتی قوت کو بڑھانے میں سائنس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم احمد دھالا ایک ماہر حشرات الارض اور ریسرچ سائنسداں ہیں۔ زراعتی زمین سے متعلق پروجیکٹوں پر کام کر رہے ہیں۔ آپ کی تحقیقات مقالہ کی صورت میں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ملکی اعلیٰ معیاری سائنسی رسالوں میں شائع ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے حال ہی میں سوئٹزرلینڈ میں منعقدہ ایک عالمی سائنسی کانفرنس میں ہمارے ملک کی کامیاب نمائندگی کی ہے۔ جراثیم کے بارے میں آپ کی معلومات کافی وسیع ہے۔ جراثیم کی دنیا کے متعلق خصوصاً ایسے جراثیم جو خصوصاً فصلوں، پودوں اور پھلوں پر اثرانداز ہوتے ہیں، آپ نے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں جسے ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے قلم بند کر رہے ہیں۔

بھون کالج اندھیری میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ بھون کالج میں مائیکروبایولوجی کے پروفیسر اور اسی شعبے کے سربراہ بھی ہیں۔ آپ کہتے ہیں "مائیکروبایولوجی سے مراد خوردبینی جراثیم کا مطالعہ ہے۔ یہ خوردبینی جراثیم اور انھیں کے ساتھ نظر آنے والے دوسرے کیڑے مکوڑے قدرت کی ایک چھوٹی سی مخلوق ہیں۔ لیکن ان سے ظہور میں آنے والی تباہ کاریاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ یہ جراثیم اور کیڑے مکوڑے انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی سے بہت نزدیک کا رشتہ رکھتے ہیں۔"

س: مائیکروبایولوجی کی تعریف تو سمجھ میں آگئی۔ آپ تو جانتے ہیں کہ ہمارا ملک ایک زراعت پیشہ ملک ہے۔ آپ جن تخلیقی کاموں سے فی الحال وابستہ ہیں یا وہ پروجیکٹ جن پر آپ کام کر رہے ہیں کیا ان سے زراعت کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

ج: یقیناً، میری تمام ریسرچ کا تعلق ایسے حشرات الارض سے ہے جو زمین اور مٹی میں پائے جاتے ہیں۔ اسے انگریزی میں "سائل مائیکروبایولوجی" کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ خوردبینی تجزیہ سے آلودگی پر قابو پانے کے ذرائع پر بھی تحقیقات جاری ہے۔ قدرتی طور پر زمین اور آلودگی دونوں ہی زراعت کے نقطۂ نظر سے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ انڈین کونسل آف اگریکلچر، ریسرچ کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اور محکمہ اٹامک انرجی نے چند پروجیکٹوں کے لئے ہماری خدمات حاصل کی ہیں۔ اور اس سلسلے میں ریسرچ سے جو کچھ بھی ہم حاصل کر سکے ہیں وہ زراعت کے لئے سود مند ہے۔ مثلاً حالیہ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ اسپریلا کے ذریعہ نائٹروجن کا حصول کیا جاسکتا ہے۔ یہ انوکھی قسم کے بیکٹیریا ہیں جن سے اجناس، گھاس اور پودوں کی افزائش میں مدد ملتی ہے۔ ہمارے ملک کی مٹی میں یہ جراثیم پائے جاتے ہیں اور تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ یہ زراعت کے لئے فائدہ مند ہیں۔

س: کہا جاتا ہے کہ کچھ جراثیم فصلوں کے لئے نقصان دہ ہیں اور کچھ حقیقت میں پودوں کی نشو و نما میں مدد دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

ج: جی ہاں ہمارے ماحول میں خوردبینی و غیر خوردبینی جراثیم اور کیڑے مکوڑے کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کے جراثیم اور کیڑے مکوڑے ہماری فصلوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ مثلاً ٹڈیاں، جھینگر، چوہے، دیمک وغیرہ۔ تاریخ میں ایسے واقعات درج ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ کہیں کہیں ان جراثیموں نے اناج، آلو اور ترکاریوں کو اس قدر برباد کر دیا کہ بالکل قحط جیسی حالت پیدا ہو گئی۔ ہندوستان

میں صرف چوہے ہی ہماری کئی ٹن غذا چٹ کر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ جھاڑ جھنکار ایسے ہیں جو ہماری فصلوں کو ۳۰ فیصدی تک نقصان پہنچاتے ہیں۔ حال ہی میں سیلون سے کچھ ایسے قسم کے کیڑے یہاں پہنچے جنھوں نے تقریباً ۴ کروڑ روپیوں کی مالیت کے کیلوں کو تباہ کر دیا تھا۔

قدرت نے ان ضرر رساں کیڑوں کے خاتمے کے لئے چند ایسے کیڑے پیدا کئے ہیں۔ جو ان چھوٹے کیڑوں کو کھا جاتے ہیں۔ مثلاً چند بیکٹیریا، وائرس وغیرہ لاروے کو مار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ پودے ایسے ہوتے ہیں جو کیڑوں کے لئے زہر کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً تمباکو کے پتے جن میں نکوٹین پایا جاتا ہے جو جراثیم کش ہے۔

س :۔ واقعی ان جراثیموں سے فصلوں کو ہونے والے نقصانات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ان ہی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے حفاظتی اقدام کے طور پر جرثوموں پر قابو پانے کے مختلف طریقوں خصوصاً جراثیم کش ادویات کے استعمال کی تلقین کی جاتی ہے۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔

ج : جراثیم اور کیڑے مکوڑوں پر قابو پانے کے لئے انسان نے کئی کیمیائی طریقے ایجاد کئے ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کیڑوں سے ہونے والے نقصانات میں کافی کمی آگئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جراثیم کش ادویات کے استعمال سے ہماری غذائیں اور فصل محفوظ رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کیڑوں سے پھیلنے والی بیماریاں مثلاً ملیریا، پیلا بخار، طاعون وغیرہ کافی حد تک قابو میں آگئی ہیں۔ لیکن سائنسداں ہونے کی حیثیت سے میں زراعت پیشہ افراد کو ان ادویات کے بکثرت استعمال سے ہونے والے نقصان سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ حال ہی میں پتہ چلا ہے کہ ڈی ڈی ٹی کا غیر معمولی ذخیرہ ہمارے آب و ہوا میں پایا جاتا ہے جو ہماری غذا اور جسم میں داخل ہو سکتا ہے۔

آرگینو فاسفورس کمپاؤنڈ اور کاربامیٹس بہت ہی تیز قسم کی جراثیم کش دوائیں ہیں جو زندگی کے لئے بھی خطرناک ہیں۔ ان دواؤں کے استعمال سے کام آنے والے مفید کیڑے، مچھلیاں، پرندے پالتو جانور اور درختوں کی اموات ہوتی ہیں۔ یہ دوائیاں اگر پانی میں مل جائیں یا زمین میں دبی رہ جائیں تو مچھلیوں، جانوروں اور پودوں کے ذریعہ ہمارے جسم میں بھی داخل ہو سکتی ہیں اور ہماری صحت کو کافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مغربی ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ ماں کے دودھ میں بھی PESTICIDE کے اجزا موجود ہیں اسی لئے مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانے سے کتراتی ہیں۔ ان خطرات سے بچنے کے لئے لازمی ہے کہ کیڑا مار اور دیگر جراثیم کش ادویات کا محتاط استعمال کیا جانا چاہیئے۔ خود حکومت نے بھی اس مقصد سے قانون وضع کئے ہیں۔ کارخانوں سے جو گندا پانی نکلتا ہے اس پر نگرانی رکھی جاتی ہے۔ صرف ایک مقررہ حد تک ہی کیڑا مار ادویات پانی یا کھیتوں میں ڈالی جاتی ہیں۔

س :۔ مائیکرو بایولوجی طبی تعلیم میں کہاں تک مفید ثابت ہو سکتی ہے؟

ج :۔ مائیکرو بایولوجی خود ایک جزوی طبی مضمون ہے۔ اگر مائیکرو بایولوجی کو اسکول میں عام کیا جائے تو کم عمر بچے بھی جراثیموں اور ان سے پھیلنے والی بیماریوں سے آگاہ ہو جائیں گے اور ۹۰ فیصدی متعدی و غیر متعدی بیماریوں پر قابو پایا جا سکے گا۔ اس کے نتیجے میں گھریلو ماحول میں سدھار پیدا ہوگا اور معیار زندگی بلند ہوگا۔ لیکن یہ بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک میں مائیکرو بایولوجی سے غفلت برتی جا رہی ہے۔

س :۔ طالب علموں کے لئے کوئی پیغام؟

ج :۔ قوم و سماج کی تعمیر و ترقی میں طالب علموں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ طالب علم یہ ذمہ داری بخوبی نبھا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ معینہ نصب العین کے تحت شوق سے تعلیم حاصل کریں۔ امتحانات کے سلسلے میں اب اصلاحات ناگزیر ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے خیالات سے واقعی میں بے حد متاثر ہوا۔ آپ نے مجھے اپنے شعبے کی سیر کرائی اور ایک مشین دکھائی جس میں "کلچر" اگائے جاتے ہیں ایک طالب علم شیشہ کی ایک بند طشتری لے آیا جس میں چند دانے دانے نظر آرہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ دانے دراصل ایک قسم کے جراثیم ہیں جو ایک غذائی شئے میں پائے گئے۔ خدانخواستہ اگر وہ غذا جراثیم سے پاک کئے بغیر ہی کھائی جاتی تو اس سے شدید بیماری لگنے کا خطرہ لاحق تھا۔ یہ انکشاف کافی تھا ان تمام بیماریوں کو سمجھنے کے لئے جو ہمارے اطراف غلیظ ماحول میں فروخت ہونے والی اشیاء سے پھیلتی ہیں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور دل میں ڈاکٹر موصوف اور ان تمام سائنسدانوں کی قدر و منزلت سموئے کالج سے باہر نکلا جو بنی نوع انسان کی خاطر اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے ہیں۔
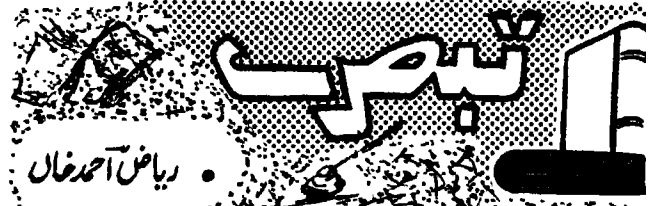
شامِ شہرِ یاراں

مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ دلی نے امسال کئی عمدہ کتابیں شائع کی ہیں ، جن میں سے ہر کتاب اپنی انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔ 'شامِ شہرِ یاراں' کا مقام بہت بلند ہے۔ نہ صرف فیض کے چاہنے والوں، فیض کی شاعری کے متوالوں بلکہ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کے لئے بھی یہ ایک تحفہ ہے۔ امسال فیض متعدد بار ہندوستان تشریف لائے۔ ملک کے ہر چھوٹے اور بڑے شہروں میں فیض کے اعزاز میں استقبالیہ، عشائیہ، شعری نشستیں محفلِ مشاعرہ منعقد کی گئیں اور ان کی شخصیت و اُن کے افکار پر وسیع پیمانے پر روشنی ڈالی گئی۔ مکتبۂ جامعہ نے 'شامِ شہرِ یاراں' شائع کر کے اپنا حق ادا کیا۔

'شامِ شہرِ یاراں'، فیض کا مجموعۂ کلام ہے جس میں غزلیں، نظمیں ، گیت اور متفرق اشعار شامل ہیں۔ اسی مجموعے میں شاعر کا 'کلامِ تازہ' بھی شامل کیا گیا ہے جو اب تک نظروں سے نہیں گذرا تھا۔ اسی مجموعہ میں فیض کی پنجابی نظمیں بھی ہیں اور منظوم تراجم بھی۔

'عہدِ طفلی سے عنفوانِ شباب تک' میں فیض نے مرزا ظفر الحسن سے گفتگو کے دوران اپنی ابتدائی زندگی، تعلیم، اساتذہ اور ہم عصروں کے بارے میں نئی نئی باتیں تحریر کی ہیں۔ اور یہیں فیض نے اس بات کا بھی اعلان کیا ہے کہ انھیں سیاست سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ لاہور اور سیالکوٹ کا تذکرہ بڑے دل آویز انداز سے کیا ہے جس سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ فیض کو اب بھی ان مقامات سے جہاں وہ زندگی کے کسی بھی دور میں رہ چکے ہیں کس قدر انسیت ہے۔ فیض نے اپنے طالبِ علمی کے زمانے کے حالات' اسی دور کے دوستوں کے حالات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ زندگی میں اچھا کھلاڑی بننے کی تمنا، اچھے ریسرچ اسکالر بننے کی تمنا لئے ہوئے فیض ایک اُستاد بن گئے۔ ترقی پسند ادب کے بارے میں بھی فیض نے تذکرہ کیا ہے کیونکہ فیض کی باتیں نا تمام رہیں اس لئے مزید حالات جاننے کے لئے دل میں ایک کسک باقی رہ گئی ہے۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے "فیض سے میری پہلی ملاقات" میں کئی نئی اور دلچسپ حقیقتوں کا اظہار کیا ہے۔ فیض پہلی مرتبہ جب مشاعرے میں شرکت کرنے آئے اُس وقت ان کی کیا حالت ہوئی اور سامعین پر ان کے اشعار کا کیا ردِ عمل ہوا، پڑھنے والوں کے لئے ایک دریافت ہے۔ اسی طرح امتحان ہال میں فیض کی طلبِ سگریٹ نوشی کی اجازت بھی ایک دریافت سے کم نہیں۔

شیر محمد حمید، فیض کے کالج کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ انھوں نے "فیض سے میری رفاقت" میں اس عظیم شاعر کے جذبات، قوتِ برداشت، تخلیقی پہلوؤں، اخلاق اور ملنساری پر بہت عمدہ طریقے سے روشنی ڈالی ہے۔ کچھ تھوڑے بہت فیض کے خاندان کے بارے میں بھی حالات بتائے ہیں جن میں دو حادثات — والد خان بہادر سلطان محمد خاں کا حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال اور اسی طرح بڑے بھائی طفیل احمد کا اس وقت انتقال جب وہ فیض سے ملنے حیدرآباد جیل تشریف لے گئے تھے، خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں ابواب کے شامل ہو جانے سے 'شامِ شہرِ یاراں' کی شہرت لافانی ہو گئی ہے۔ صفحہ ۴۳ سے ۱۳۶ تک فیض کا کلام ہے جو مندرجۂ ذیل اشعار سے شروع ہوتا ہے ؎

جو پیرہن میں کوئی تار محتسب سے بچا
دراز دستیِ پیرِ مغاں کی نذر ہوا!
اگر جراحتِ قاتل سے بخشوا لائے
تو دل سیاستِ چارہ گراں کی نذر ہوا

'شامِ شہرِ یاراں' کی طباعت لبرٹی آرٹ پریس نے بڑے سلیقے سے کی ہے اور اب اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ کچھ دنوں میں لبرٹی آرٹ پریس ملک کے نامور پریسوں میں شامل ہو جائے گا۔

اس مجلّد مجموعے کی قیمت دس روپے اور غیر مجلّد کی قیمت چھ روپے ہے جو مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسس بلڈنگ نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳ و مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ کے دلی اور علیگڈھ شاخوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

عشق اور بھکتی

عماد الحسن آزاد فاروقی نے مولانا رومؒ اور سری راما کرشنا — دونوں کے عشقِ حقیقی پر مبنی خیالات پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مولانا رومؒ جہاں اسلامی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں وہیں سری راما کرشنا ہندومت کی۔ در اصل ان دونوں بزرگوں نے عشق اور بھکتی کو حاصلِ زندگی قرار دیا کیونکہ ان کے نظریوں کے مطابق وہ شخص زندگی کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے جو "عشق اور بھکتی" کی تجلیوں سے دُور ہے۔ وہی شخص زندگی میں عرفان حاصل

کر سکتا ہے جب کہ اس کا دل عشق اور بھکتی سے سرشار ہو۔

عمادالحسن نے بڑی کامیابی سے "عشق اور بھکتی" سے متعارف کرایا ہے۔ اس کی بنیادی علامات اور نمایاں خصوصیات، اس کی ماہیت اور دور رس اثرات پر بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ انسان کی عظمت کا راز اس کے دل میں "جذبۂ محبت" کو قائم رکھنا ہے۔ کیونکہ بغیر دل میں جذبۂ محبت رکھے انسان اس جذبے سے سرشار نہیں ہو سکتا جو اسے عالم میں انفرادیت بخشتا ہے۔

"عشق اور بھکتی" چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب "انسان کی وجودی کیفیت" ۔ مولانا روم اور سری راما کرشنا کی نظر میں" ہے۔ جس میں عمادالحسن نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ان دونوں عظیم مفکروں نے انسانی زندگی میں روحانی تشنگی کو خاص طور سے محسوس کیا، جس کے ثبوت میں مولا روم کی ایک مشہور مثنوی پیش کی ہے۔ "میں" اور "تو" کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں"، "تو" سے الگ بھی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک رشتہ بھی قائم ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا بھی نہیں ہیں لیکن ایک بھی نہیں ہیں۔ دونوں کے درمیان ایک کشمکش ہے جو ساری عمر جاری رہتی ہے۔

دوسرا باب "عشق اور بھکتی" ۔ حقیقت و ماہیت پر مبنی ہے۔ جس میں حقیقت اور ماہیت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ مولانا روم اور سری راما کرشنا کے اقوال اور ذاتی تجربات کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔

تیسرا باب "عشق اور بھکتی" ۔ وسیلۂ معرفت ہے۔ جس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ مولانا روم اور سری راما کرشنا، عشق اور بھکتی کو ذاتِ خداوندی کی معرفت کا سب سے بہترین ذریعہ بتاتے ہیں۔

چوتھا باب "مولانا روم اور سری راما کرشنا کی زندگی میں عشق اور بھکتی" ہے جس میں ان کے حالات زندگی سے بحث کی گئی ہے۔ دو صفحات پر اقتباسات اور تین صفحات پر کتابیات درج ہیں۔

بچانوے صفحات پر مشتمل "عشق اور بھکتی" اُردو ادب میں ایک اضافہ ہے جو ہر مکتبِ خیال میں مقبول ہوگی۔ کتاب سادگی سے مزین کی گئی ہے۔ طباعت کی ذمہ داری جمال پرنٹنگ پریس نے خوبی کے ساتھ ادا کی ہے۔

مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ نئی دلی قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے اس قابلِ کتاب کو منظر عام پر لانے کے لئے کامیاب کوشش کی۔ "عشق اور بھکتی" چھ روپے میں مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳ کے علاوہ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ کے صدر دفتر واقع جامعہ نگر، نئی دلی ۲۵ اور مکتبہ کی علی گڈھ اور دِلی شاخوں سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

●●

(صفحہ ۲۲ سے آگے)

نقصانات سے بچاؤ، پیداوار میں تسلسل قائم رکھنا اور مزدوروں کی حفاظت کرنا ہے۔

اس یونٹ کے رضاکاروں کو آگ بجھانا، امداد اور فرسٹ ایڈ کی تربیت دی جاتی ہے۔ بمبئی عظمیٰ میں اب تک ۱۷۸ بڑی صنعتوں نے سول ڈیفنس قائم کیا ہے جس میں ۶۰۰۰ سے زائد رضاکار شامل ہیں۔ مہاراشٹر کے دیگر شہروں میں بھی ایسی ہی صنعتوں میں سول ڈیفنس شعبے قائم کیے گئے ہیں۔

دیگر خدمات:

میلوں اور تہواروں کے موقع پر سول ڈیفنس کی جانب سے فرسٹ ایڈ مرکز قائم کیے جاتے ہیں اور گمشدہ بچوں کو تلاش کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خون کا عطیہ دیا جاتا ہے اور اکثر شہروں میں عوام کے لئے دلچسپ اور فائدہ مند نمائش کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

مفید کام:

بنیادی طور پر ہوم گارڈس اور سول ڈیفنس دونوں کا مقصد ہنگامی حالات میں عوامی خدمات انجام دینا ہیں۔ لہٰذا قدرتی طور پر سماجی شعور رکھنے والے شہری اور مالکان کے تعاون کی بدولت ہی اس ادارے کو استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔ ان اداروں کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ اس کے لئے وہ شہری اعزاز کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے ان اداروں کو اپنی بے غرض رضاکارانہ خدمات وقف کی ہیں۔

●●

ظفر گورکھپوری

ہال روڈ، کرلا، بمبئی

وز پھولوں سے، عنادل سے، غزالوں سے ملے
ں سے کہدو کہ کبھی چاہنے والوں سے ملے

ظلمتوں میں نہ ہوا جو وہ اُجالوں میں ہوا
شرم محسوس ہوئی جب بھی اُجالوں سے ملے

ڈگا کس درجہ دلآویز اُس انساں کا مزاج
س کو نرمی کی ہدایت ترے گالوں سے ملے

سب نے مریخ و عطارد پہ بسالی بستی
اے زمیں کون تری رُوح کے چھالوں سے ملے

تنے پل ساتھ رہے آنکھ سے آنسو نہ تھمے
ب بھی تنہائی میں ہم تیرے خیالوں سے ملے

چل کے دیکھیں کہ وہ گھونگھٹ کے دیئے کیسے ہیں؟
مدتیں بیت گئیں زُہرہ جمالوں سے ملے

راطراف میں تھا کون جو ملتے اُس سے
ب ملے اپنے پریشان خیالوں سے ملے

لوگ کچھ اور سبب سے جو پریشان سے ہیں
سلسلے کیوں ترے بکھرے ہوئے بالوں سے ملے

سے دیوانے ظفرؔ چند ہی گزرے ہوں گے
نکو پھولوں کے بجائے پاؤں کے چھالوں سے ملے

*

بلراج حیرتؔ

۲۹۲-بی نانک پور، نئی دہلی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا، معاملہ کیا تھا
ہر اک پرندہ افق کی طرف ہی اڑتا تھا

عجیب ہیں مرے معیار، میرے پیمانے
تجھے بھی میں نے کئی زاویوں سے دیکھا تھا

خود اپنی آگ میں جلنا پڑا مجھے آخر
یہ حادثہ بھی مرے ساتھ ہی گذرنا تھا

حقیقتوں کی ضیا باریاں گماں تک تھیں
نظر کی زد میں جو آیا وہی چھلاوہ تھا

زمین سر پہ اٹھائے پھروگے قرنوں تک
صلیب سے نہ اتارو اسے وہ عیسیٰ تھا

وہی ہزار جہاں در جہاں لگا ہوں میں
وہی شکایتِ دل، میں جہاں میں تنہا تھا

پہن کے خلعتِ وقت اور ہو گیا ننگا
یقیناً اس سے تو میں بے لباس اچھا تھا

بزرگ کہتے ہیں میری شبیہہ تھی حیرتؔ
جسے میں دیکھ کے بے اختیار چونکا تھا

*

قاضی حسن رضاؔ

قاضی پورہ - کھنڈوہ - ایم-پی

تو بھی خود کچھ نہ کرے اور نہ کرنے دے مجھے
اے خرد راہِ جنوں سے ہی گذرنے دے مجھے

یورشِ وقت کوئی سنگِ گراں میری طرف
توڑ دے جسم مرا اور بکھرنے دے مجھے

سر سے آسیبِ خودی یوں تو نہیں اتریگا
اپنی ہی ذات کے شیشے میں اترنے دے مجھے

بادوباراں کا یہ طوفان بھی تھم جائے گا
سات رنگوں میں فلک پر تو ابھرنے دے مجھے

منتشر زلفِ پریشاں سا رہوں میں کب تک
ٹھہر اے تند ہوا کچھ تو سنورنے دے مجھے

قطرۂ آب ہی مل جائے یہ ممکن ہے رضاؔ
جستجو کچھ تو سرابوں میں بھی کرنے دے مجھے

*

ریاستی خبریں

چھوکا میلہ گرلس ہائی اسکول
وزیراعلیٰ کے ہاتھوں سنگِ بُنیاد رکھا گیا

ناگپور میں ۱۴ر دسمبر کے روز سست چھوکا میلہ گرلس اسکول کی نئی عمارت کا سنگِ بنیاد وزیراعلیٰ شری شردپوار کے ہاتھوں رکھا گیا۔ اس تقریب کے موقع پر وزیراعلیٰ نے فرمایا کہ مہاتما پھلے اور ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کے پیش کردہ سماجی مساوات کے نصب العین پر مکمل طور سے عمل کیا جانا چاہئے تاکہ کمزور طبقات کے مسائل حل ہو سکیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ مہاتما پھلے خواتین کی تعلیم کے حامی اور اس تحریک کے رہنما تھے اس لئے لڑکیوں کو بھی سماجی ترقی میں برابر حصہ لینا چاہئے۔ آپ نے اس اسکول کے لئے ۲۵۰۰۰ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ اس موقع پر شری بھاؤ صاحب سروے وزیر برائے مکانات اور شری دتہ میگھے وزیر مملکت برائے ٹیکنیکل تعلیم بھی موجود تھے۔ اس تقریب سے قبل وزیراعلیٰ شری شردپوار نے مہاتما جیوتی با پھلے اور ڈاکٹر امبیڈکر صاحب کی تصاویر پر ہار چڑھائے۔

ریاست کے سب سے بڑے ایس۔ٹی ڈپو کا افتتاح

ناگپور ۱۵ [illegible] کو ریاست کے سب سے بڑے ایس۔ٹی ڈپو کا افتتاح وزیر برائے ٹرانسپورٹ شری ہسمکھ بھائی اپادھیا کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ ۴۱ لاکھ روپے کی لاگت سے تیار کردہ یہ نیا بس ڈپو بیدھا ناتھ فیکٹری کے قریب واقع ہے۔ اس ڈپو میں رات کی ڈیوٹی کرنے والے ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کیلئے ۵۰ بستروں پر مشتمل آرامگاہ تعمیر کی گئی ہے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ آئندہ دو سالوں میں ودربھ کے ۸۰ فیصد دیہی علاقوں میں ایس۔ٹی بس چلائی جائے گی۔ اس تقریب کی صدارت وزیر مکانات شری بھاؤ صاحب سروے نے کی۔ وزیر مملکت برائے ٹرانسپورٹ شری سکھا رام نکھتے نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ریاستی حکومت ریاست کے دور دراز علاقوں میں ٹرانسپورٹ کی سہولت فراہم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

خاندانی بہبود تحریک

حکومت مہاراشٹر نے ۱۶ر دسمبر سے ۱۳ر جنوری تک پوری ریاست میں خاندانی بہبود تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس موقع پر تربیتی کیمپ کا اہتمام کیا جائے گا جس کے ذریعہ خاندانی بہبود تحریک کو عام کرنے اور دیہی باشندوں میں خاندانی بہبودی سے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے علاوہ کثیر تعداد میں بچوں کو چھوٹی چیچک، بی سی جی اور ڈی پی ٹی وغیرہ کے ٹیکے لگائے جائیں گے۔ ضلع پریشد کے سرکاری و غیر سرکاری اراکین، پنچایت سمیتیوں کے افسران کو اس تحریک پر عمل آوری کے لئے آمادہ کیا جائے گا۔

معذوروں کو روزگار فراہم کیا جائے
گورنر مہاراشٹر کی اپیل

ناگپور میں واقع ذہنی طور پر معذور بچوں کے نندادن اسکول میں ایک تقریب کے موقع پر مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے سماجی اداروں سے پُرزور اپیل کی کہ وہ ذہنی و جسمانی طور پر معذور بچوں کے لئے پیشہ ورانہ سہولتوں کا اہتمام کریں۔ اسی اسکول کی ایک طالبہ کماری تنوا واڈی کو، جس کی جلد ہی شادی ہونے والی ہے، اسکول کی جانب سے گورنر موصوف کے ہاتھوں ایک تحفہ پیش کیا گیا۔

سنسکرت ڈرامے مُقابلے

۱۸ ویں ریاست مہاراشٹر ناٹیہ مہوتسو کے تحت حکومت مہاراشٹر کے ڈائرکٹر برائے ثقافتی امور کے زیر اہتمام سنسکرت ڈراموں کے مقابلے پونے میں منعقد کئے گئے۔ اس مقابلے میں بھارتیہ ناٹیہ سنشودھن مندر، پونے کے ڈرامے "سنگیت شرم" کو ۷۵۰ روپے کا پہلا انعام دیا گیا۔ مہاراشٹر سیوا سنگھ، نہرو روڈ، ملنڈ، بمبئی کو "ابھین شکنتلم" ڈرامے پر ۵۰۰ روپے کا دوسرا انعام دیا گیا۔ ۳۰۰ روپے کا تیسرا انعام "بلیدانم" ڈرامے کے لئے ایم۔اے۔ ایس رینوکا سوروپ میموریل گرلس ہائی اسکول، پونے کو دیا گیا۔

بہترین اداکاری پر شری وویک گھلاسی اور شریمتی وینائے تائیے کو چاندی کا تمغہ دیا گیا۔ شری وشوانا تھ لیماے، شری ونائک بھیڑے، شریمتی منیشا کرتانے اور شریمتی ودیا گوکھلے کو اداکاری کے لئے سندیں دی گئیں۔

ڈاکٹر کمل ابھینکر، ڈاکٹر جی یو تھیٹے اور ڈاکٹر ٹی۔ این دھرمادیکاری نے ججوں کے فرائض انجام دیئے۔

کپاس کی خریداری اسکیم کی بحالی

حکومت مہاراشٹر نے گزٹ کے ذریعہ عام کپاس قانون کی بعض دفعات کو منسوخ کرتے ہوئے اور اس بابت قبل کے اطلاع نامے کو خارج کرتے ہوئے کپاس کی خریداری اسکیم کو پرانی شکل میں برقرار رکھا ہے۔ یہ اسکیم ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء سے واپس نافذ

ی گئی ہے۔

اس اسکیم کے تحت، گزٹ میں ایک علیحدہ اطلاع نامے میں شائع کی گئی ں پر ریاستی حکومت کی جانب سے مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ یشن مختلف مراکز سے کاشتکاروں سے ضمانت شدہ قیمتوں پر کپاس خریدا ے گی۔ یہ قیمتیں مختلف اقسام کی کپاس کے لئے ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۷۸ء کو حکومت کے اعلان کردہ کم از کم قیمتوں سے اوسطاً ۲۰ فیصد زیادہ ہیں۔

اس کے علاوہ ریاستی حکومت نے وزیر امداد باہمی شری این۔ ڈی پاٹل کی قیادت جولائی ۱۹۷۸ء میں قائم کردہ کمیٹی کی سفارشات پر کئی نئی تجاویز ل کی ہیں۔ مثلاً (۱) ٹینڈر کے وقت ضمانت شدہ قیمتوں کی ۱۰۰ فیصدی گی (۲) کاشتکاروں کو فوری ادائیگی (۳) ٹینڈر کے وقت قیمتوں پر ۴ فیصد یٹیو قرضوں کی وصولی (۴) ضمانت شدہ رقم اور طے شدہ رقم کے فرق میں ل کے اُتار چڑھاؤ فنڈ کے لئے ۲۵ فیصد کے بجائے صرف ۵ فیصد رقم کی کٹوتی

ورنگ آباد سے

دکن کی تاریخ میں مراٹھواڑہ اور اس کے مستقر اورنگ آباد کو ہمیشہ اہمیت ل رہی ہے۔ یہ اپنی قدیم تاریخی روایات کا حامل رہتے ہوئے اب تک د پسماندہ رہا ہے۔ لیکن اب بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ زیر نظر مختصر خبرنامے میں حکومت مہاراشٹر نے اس کی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے جو تعلیمی تی، زرعی اور فنی میدانوں میں اقدامات کئے ہیں۔ ان کا سرسری جائزہ یا ہے۔

ڈ گیج لائن کے کام کا افتتاح

براڈ گیج لائن کے کام کا افتتاح ۲ ر نومبر کو وزیر اعلیٰ شرد پوار کے زیر ارت وزیر ریلوے شری مدھو دنڈوتے کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس کی لت بھارت کی اہم منڈیوں سے مراٹھواڑہ کا رابطہ قائم ہو جائے گا۔ نیز نگ آباد کو بہ حیثیت انٹرنیشنل ٹورسٹ سنٹر زائد اور اپ ٹو ڈیٹ ہوٹلیں م ہو سکیں گی۔ براڈ گیج لائن کے کام کے لئے فی کلومیٹر ایک ہزار مزدور درکار ۔ اس لئے اس علاقے کے بے روزگاروں کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکے گا کلومیٹر لمبی یہ ریلوے لائن آنے والے تین سالوں کے دوران مکمل ہو گی، اس پر تخمیناً ۱۵ کروڑ روپے خرچ آئے گا۔ صنعتی ترقیاتی میدان میں یہ انقلابی قدم ہے۔

نگ آباد ایس ٹی اسٹینڈ کا افتتاح

مراٹھواڑہ کے عوام کی خاطر ۱۳ لاکھ کی لاگت سے بنائے گئے اس عظیم الشان ایس۔ ٹی اسٹینڈ کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے عوام سے اپیل کی کہ وہ ریلوے اور ایس۔ ٹی اسٹینڈ کی املاک کو اپنا سمجھ کر استعمال کریں اور ان کی حفاظت کریں۔

ہندو وحید ٹکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کے ہاتھوں ۲ ر نومبر کے تاریخی دن ہی مولانا آزاد ایجوکیشن سوسائٹی کے ہندو وحید ٹکنالوجیکل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس انسٹی ٹیوٹ نے الیکٹریکل مینٹیننس، موٹر سائیکل ریپرس، میکانیکل ایکوپمنٹس وغیرہ پروفیشنل کورسیس کا انتظام کیا ہے ساتھ ہی ساتھ یہاں وائر مین، پلمبنگ، آٹو الیکٹریسٹی کورسیس و نیز خواتین کے لئے ٹیلرنگ، بیکری اور فوڈ پریزرویشن کورسیس کا بھی انتظام کیا ہے۔

سیمنٹ کی تقسیم کا سہل طریقہ

حکومت مہاراشٹر نے یکم اکتوبر سے سیمنٹ کی تقسیم کے غلط طریقہ کار اور کالا بازار کو ختم کرنے کے لئے سہل طریقہ کار کو اپنا لیا ہے۔

ضلع اورنگ آباد میں اس نئے انتظام سے قبل ۴۵ لائسنس ہولڈرس کے ذریعے سیمنٹ کی فروخت ہوتی تھی۔ اب ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ خلد آباد کے سوا گیارہ تعلقوں میں ۱۶ امداد باہمی انجمنوں و ۳۵ خانگی انجمنوں کے ذریعہ سیمنٹ کی فروخت کا کام اطمینان بخش طریقے پر ہو رہا ہے۔ تقسیم کے اس طریقہ کار کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر تعلقہ کی ضرورت اسی تعلقہ میں پوری کی جا رہی ہے۔

تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو ترقی روزگار کا ایک موقع

تعلیم یافتہ سند یافتہ بیروزگاروں کو جزوی کام دے کر ہر ماہ ۱۰۰ روپیے بطور اعزازی تنخواہ دینے کی حکومت کی اسکیم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر نوکری کا مقام جائے رہائش سے دور ہو گا تو ۵۰ پیسے بوجہ سفر خرچ دیا جائے گا۔ ضلع اورنگ آباد کے پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے ۵۶ اور دیگر جماعتوں سے تعلق رکھنے والے ۵۶ اس طرح جملہ ۱۱۲ نوجوانوں کو فائدہ حاصل ہو گا۔

ایس۔ ایس سی پاس نوکری کے متلاشی افراد کو اپنی کوشش جاری رکھنے کے لئے تین سال تک ۱۰۰ روپے سالانہ تحصیلدار کی معرفت دیئے جائیں گے۔

اس منصوبے کے تحت ضلع اورنگ آباد کے ۲۲۰۴ نوجوان مستفید ہوں گے۔

اس تعلق سے اہم یہ ہے کہ حکومت نے ذاتی کاروبار شروع کرنے والے خواہشمند نوجوانوں کو ۲۰ تا ۲۵ فیصد رقم بیج بھانڈول کے روپ میں دینے کا اعلان کیا ہے۔ ضلع کے بہت سے نوجوانوں کو اس سے فائدہ پہنچنے کی امید ہے

صدرِ ہند کا دورۂ مہاراشٹر

۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو گاندھی نیشنل میوزیم (آغا خاں محل) پونے میں صدر جمہوریہ ہند شری سنجیوا ریڈی نے کستوربا کی سمادھی پر پھول چڑھائے ۔ تصویر میں گورنر مہاراشٹر شری صادق علی، شریمتی شانتی صادق علی اور وزیر مملکت برائے پروٹوکول شری اسحٰق جمخانہ والا بھی دیکھے جا سکتے ہیں.

نیشنل ڈیفنس اکاڈمی کی جانب سے ایک شاندار پروگرام مرتب کیا گیا ۔ اس پروگرام میں صدر جمہوریہ ہند شری سنجیوا ریڈی نے اس ادارے کی اعلیٰ خدمات کو سراہتے ہوئے "امتیازی نشان" پیش کئے.

۱۳ دسمبر کو صدر جمہوریہ ہند شری سنجیوا ریڈی نے بھسونڈی (ضلع تھانے) میں بی. این. این کالج کی رلون لائبریری کا افتتاح فرمایا ۔
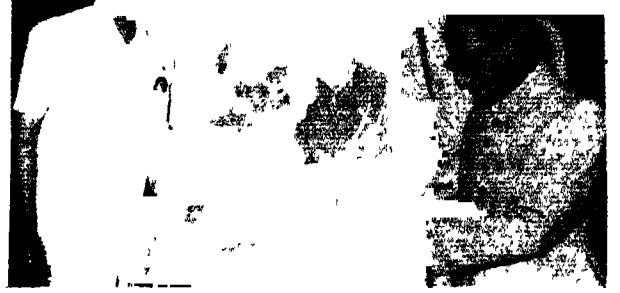
خبریں - تصویروں میں

اوپر بائیں طرف : شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال نے ۱۸ نومبر ۱۹۷۸ء کو شیواجی پارک، بمبئی میں ہفت روزہ نمائش تصاویر کا افتتاح کیا جن سے مغربی بنگال میں حالیہ سیلاب کے باعث تباہ کاری کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ یہاں شری رجنی پٹیل، صدر سیلاب امدادی کمیٹی، شری جیوتی باسو اور شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، تصاویر دیکھ رہے ہیں۔ شری ایم۔ کے دیشپانڈے، ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفارمیشن (ایگزیبیشن) بھی نظر آرہے ہیں۔

اوپر دائیں طرف : گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی ۲۵ نومبر کو راج بھون، بمبئی میں شریمتی میکر، اہلیہ شری راجہ رام میکر سے جوانوں کی بھلائی کی خاطر ۹۴ ہزار روپے کا چیک وصول فرما رہے ہیں۔ شری میکر بائیں سرے پر نظر آرہے ہیں۔ (دائیں :) شری ارجن راؤ کستورے، وزیر برائے سماجی بہبود نے حال ہی میں مانخورد (بمبئی) میں "بال سدھار کیندر" کے طلبہ کو انعامات تقسیم کئے۔ تقسیم انعامات کی یہ تقریب نیشنل سروس اسکیم کی رام نرائن روئیا کالج برانچ کے نگری شبر کے موقع پر منعقد ہوئی تھی۔

نیچے : سیسون ہسپتال، پونے میں ۱۴ نومبر ۱۹۷۸ء کو "بچوں کے دن" کی تقریب کے موقع پر شریمتی شانتی نائک، وزیر مملکت برائے سماجی بہبود (درمیان) نے ایک بچہ کو پولیو خوراک دی اور ڈاکٹر نام دیو راؤ گاڈیکر، وزیر مملکت برائے صحت عامہ (دائیں) نے ایک ٹرائپل انجکشن دیا۔ اس کا اہتمام بچوں کے بین الاقوامی سال کے موقع پر بی۔ جے میڈیکل کالج نے کیا تھا۔ بائیں طرف جھونپڑپٹی سے گھر والیاں اپنے بچوں کو لئے ہوئے آرہی ہیں۔

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی ۴ر دسمبر کو ناگپور میں
دماغی طور سے معذور بچوں کے اسکول تشریف لے گئے۔
اس تصویر میں گورنر موصوف ایک طالبہ کماری نرملا تنون
واڑی کو اس کی سگائی پر تحفہ دے رہے ہیں۔

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی حال ہی میں
ناگپور یونیورسٹی کی دس لاکھ روپے کی لاگت سے
تعمیر شدہ نئی لائبریری عمارت کا افتتاح کرتے
ہوئے۔ ناگپور یونیورسٹی کے وائس چانسلر شری
ڈبلیو۔ ایم کال میگھ بھی اس تصویر میں دیکھے
جا سکتے ہیں۔

ماہر حیوانات و نباتات، ڈاکٹر سلیم علی، ۸ر دسمبر کو بوریولی، نیشنل پارک (بمبئی) میں ایک خاص
وائلڈ لائف پوسٹل کور، شری بی۔ ڈی میگھانی، پوسٹ ماسٹر جنرل سے وصول فرما رہے ہیں، جو
چوبیسویں 'ون پرانی ہفتہ' کے موقع پر جاری کیا گیا ہے۔ درمیان میں شری پی۔ جی سالوی، سکریٹری،
ریونیو ڈپارٹمنٹ تشریف فرما ہیں۔

شری چھیدی لال گپتا وزیر برائے شراب بندی نے ۲۵ر نومبر کو کلکٹر بھنڈارہ
شری جی۔ بی۔ تریپاٹھی سے ۲۸ء۴ لاکھ روپے کی رقم کا چیک وصول فرمایا۔
یہ رقم ضلع بھنڈارہ نے چھوٹی بچت میں جمع کی ہے۔
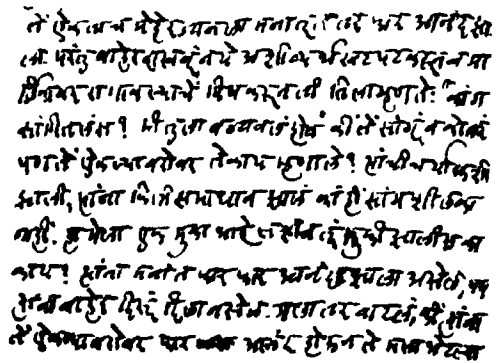
↑ سیہی (فرید آباد) سنت سُور داس کی جائے پیدائش۔ دائیں جانب "سمارک ودیالیہ" جو سنت کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے۔ چندر سرودر، پارسولی میں سنت

↓ سُور داس کا عظیم مجسمہ۔ سامنے "جل محل" جو مہاراجہ بھرت پور نے تعمیر کرایا تھا۔

• **طاہرہ قریشی**، معرفت عظیم ٹینکر اسٹورس، نزد لال اسکول، مومن پورہ ناگپور

"قومی راج" کا "جنگلی جانور نمبر" نظر نواز ہوا۔ سُبحان اللہ۔ اُن جانوروں کی تصویریں دکھادیں آپ نے جن کا ہم نے نام بھی نہیں سُنا تھا۔ سرورق تو اس قدر جاذبِ نظر ہے کہ بس دیکھتے رہ جائیے۔ اس کے پُشتی حصّے کا بلاک بھی اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتا ہے۔ اندر کی تصویروں کا کیا کہنا فریم میں لگانے کے لائق ہیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے "قومی راج" سے آئندہ بھی توقع ہے کہ وہ اس قسم کے عجائبات سے ہماری معلومات میں اضافہ کرتا رہے گا۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شرد پوار صاحب نے جنگل اور جنگلی جانوروں کی حفاظت کے سلسلے میں مہاراشٹر کے باشندوں سے جو اپیل کی ہے اس کی تائید ہر روشن خیال شہری کریگا کہ جنگلی جانور اور خوشرنگ آبی اور غیر آبی پرندے ہمارے لئے قدرت کا بخشش بہا عطیہ ہیں۔ شری چھیدی لال گپتا وزیر جنگلات نے بھی یہی بات کہی ہے۔ جانوروں کی بود و باش کے بارے میں جو مضامین تصاویر کے ساتھ دیئے گئے ہیں بڑے معلوماتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہارون رشید صاحب ایم۔ ایس۔ سی (علیگ) کا مضمون خاص طور پر اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ آلِ رسول نظمی صاحب نے بھی "رینگتی مخلوق" پر بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے۔ میں اس پُرکشش اور مفید نمبر نکالنے پر "قومی راج" کے عملۂ ادارت کو مُبارکباد کہتا ہوں۔
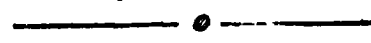
• **محبوب راھی**۔ نزدیک گلزاری مسجد۔ بارسی ٹکلی۔ اکولہ (مہاراشٹر)

حسین، دلکش، دیدہ زیب، رنگارنگ اور دلفریب تصاویر سے مزین "قومی راج" "جنگلی جانور نمبر" (۱۰ دسمبر) اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں، دلفریبیوں اور رنگینیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ جانوروں اور پرندوں کی ایسی رنگ برنگی تصاویر دیکھ کر مجھ جیسا حسّاس انسان، انسانی چہروں کے بے ہنگم خدوخال سے بیزاری محسوس کرنے لگے تو عجب نہ ہوگا۔ انمول اور نایاب تصاویر کے ساتھ ساتھ دلچسپ پیرایۂ بیان میں تمام چرند، پرند اور درند پر جو گوناگوں مضامین آپ نے اس شمارے میں جمع کر دیئے ہیں، اس کے لئے آپ واقعی قابلِ مبارکباد ہیں۔ ایک دستاویزی شکل دیدی ہے آپ نے اس شمارے کو۔ تمام پرچہ اس قدر دلچسپ ہوگیا ہے کہ دیر تک مجھے اس بات کا بھی احساس نہ ہوسکا کہ اس تمام رسالے میں شعر و ادب کے قبیل کی کوئی بھی چیز شامل نہیں۔ داد دینی پڑے گی آپ کی اس ہُنرمندی کی۔

• **محمد نوراللہ تہور سروش یزدانی**۔ لونار، بلڈانہ

قومی راج کا ۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کا شمارہ "جنگلی جانور نمبر" میرے سامنے ہے اس سے متعلق عرض ہے کہ اس کا خوبصورت ٹائیٹل پیج، دیدہ زیب لکھائی جانوروں اور پرندوں کی حسین تصویریں نیز معلوماتی مضامین پڑھ کر طلبہ اور ٹیچرز نے خوب سراہا ہے۔ ویسے ماہنامہ "آجکل" کا جنگلی جانوروں کا شمارہ بھی میں نے پڑھا ہے۔ لیکن "قومی راج" کی کچھ انفرادی خصوصیات نے اسے "ایں چیزے دیگر ہست" لکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔

"تغدار" جیسے عظیم ہندوستانی پرندے سے میں پہلی بار آپ کے رسالہ سے متعارف ہوا۔

• **ڈاکٹر نایاب** (ڈی۔ او۔ ایم۔ ایس۔ یو) نیا پورہ، مالیگاؤں۔ (ناسک)

"قومی راج" جانور نمبر پڑھا۔ خاصکر "کیچوا اور بچھو" (خورشید جہاں ایڈوانی) بہت ہی دلچسپ ہے کیونکہ اس سے کئی معلومات میں مدد ملتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی جانفشانی سے معلومات حاصل کرکے کیچوا اور بچھو کو نئی معلومات سے پیش کیا گیا ہے "شہد کی مکھی" ایس۔ ایم سلیم صاحب نے مضمون میں نئی بات پیش کی ہے کہ مزدور، راجہ اور رانی کس طرح بسر کرتے ہیں۔ "سانپ" کے حالات بھی بے حد معلوماتی ہیں، شمس کنول صاحب بھی قابلِ مُبارکباد ہیں۔ شری شرد پوار وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے جو اپیل کی ہے وہ قابلِ قدر ہے

• **رفیق خاں عبدالعزیز خاں**۔ اُردو اسکول مہاسواڑ، ضلع جلگاؤں

"قومی راج" کا ۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کا شمارہ "جنگلی جانور نمبر" موصول ہوا۔ واقعی زیرِ نظر شمارہ قابلِ تعریف ہے۔ ہمارے اسکول کے بچوں نے خاص طور پر اسے پسند کیا ہے۔ ایسا رسالہ طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے مُفید ہے۔

• **سلمان ماہمی** (جرنلسٹ)، ماہمی ہاؤس، گیارہویں راہداری۔ تھانے

دسمبر کا شمارہ موصول ہوا، جو جنگلی جانوروں کی معلومات سے بھرپور ہے۔ شمس کنول صاحب کا مضمون جو سانپوں سے متعلق ہے، پڑھنے کے بعد قارئین کے دل میں یہ خدشات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کہ سانپ انتقام لے سکتا ہے۔ تھانے میں حال ہی میں سانپوں سے متعلق ایک نمائش منعقد ہوئی تھی، جس میں بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ سانپ انتقام لینے کا اہل نہیں ہے، نہ ہی وہ تیز رفتاری سے دوڑ سکتا ہے کہ گھوڑے سے آگے نکل جائے۔ دراصل سانپ کے متعلق عدم واقفیت نے اُسے حیرت انگیز ریپٹائل کے رُوپ میں پیش کیا ہے۔

राष्ट्रपति भवन नई दिल्ली भारत
RASHTRAPATI BHAVAN NEW DELHI INDIA

صدرِ ہند کا پیغام

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ سنت سورداس کی ۵۰۰ویں سالگرہ دیس بھر میں منائی جارہی ہے۔ سورداس ایک عظیم سنت شاعر تھے اور اُن کی شخصیت نے لوگوں کی مذہبی اور سماجی زندگی پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ تقریب ہر طرح کامیاب رہے۔

این۔ سنجیوا ریڈی

उप राष्ट्रपति, भारत
नई देहली
VICE-PRESIDENT
INDIA
NEW DELHI

نائب صدر کا پیغام

مجھے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ حکومت مہاراشٹر نے سنت سوَرداس کی ۵۰۰ویں سالگرہ تقریب شایانِ شان طریقہ پر منانے کا ارادہ کیا ہے اور اس موقع پر حکومت مہاراشٹر کی مطبوعات کا خاص نمبر وزیراعلیٰ مہاراشٹر جاری فرمائیں گے۔ میں اس تقریب کی کامیابی کا متمنی ہوں۔

بی۔ ڈی۔ جتی۔

وزیرِ اطلاعات و نشریات

کا

پیغام

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ حکومتِ مہاراشٹر کے محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ نے سورداس کی ۵۰۰ ویں سالگرہ منانے کے لئے خاص اہتمام کیا ہے۔

ہندی ادب میں سورداس اور تلسی، بھکتی کے مانے ہوئے کوی رہے ہیں، ان کے روحانی کلام نے بھارتی ادب کو بیحد متاثر کیا ہے۔ سورداس کے ادب کی آج بھی اتنی قدر ہے جتنی پہلے تھی۔ آپ کے محکمہ کی جانب سے ایسے عظیم شاعر کی ۵۰۰ ویں سالگرہ منانے کے لئے یہ مساعی قابلِ تحسین ہے۔ اس موقع پر میری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے۔

لال۔ ایڈوانی

ہندی کے مہان بھگت کوی

(وزیر اعلیٰ) مہاراشٹر کا پیغام

سورداس جی ہندی کے مہان بھگت کوی تھے۔ سورداس جی نے "لیلاگان" کے روپ میں بھاگوت بھکتی کو عظمت دی ہے۔ 'لیلاگان' کی روایت مہاراشٹر کے وارکری سمپردایہ کی دین ہے جو سورداس کے پہلے سے مہاراشٹر میں جاری رہی ہے۔ سورداس جی نے پورے اتربھارت میں اس 'لیلاگان' کی روایت کو آگے بڑھایا اور عوام کو سچے جیون کی راہ دکھائی۔ سورداس جی کی شاعری ہمیں آج بھی روحانی تازگی بخشتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ 'قومی راج' سورداس جی پر اپنے خاص شمارے میں ان کی زندگی شاعری اور کارناموں کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہوگا۔

شرد پوار۔

وزیر اعظم ہند کا دورۂ مہاراشٹر

وزیر اعظم سیواگرام میں مہاتما گاندھی کی کٹیا میں۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی نے پہلے ۲۴ ر یا ۲۵ ر دسمبر اور پھر ۳۰ ر تا ۳۱ ر دسمبر ۱۹۷۸ء، اس طرح چار دن مہاراشٹر کا دورہ کیا۔ آپ نے ۲۴ ر دسمبر کو بمبئی میں انڈین اکنومک ایسوسی ایشن کی ڈائمنڈ جوبلی کا افتتاح فرمایا۔ اپنی مادر علمی (ALMA MATER) ولسن کالج میں طلبہ سے خطاب کیا اور پوائی میں آئی۔ آئی۔ ٹی کے انسٹرومینٹیشن سینٹر کا افتتاح کیا۔ ۲۵ ر دسمبر کو شری مرارجی دیسائی نے باندرہ میں مجوزہ 'علی یاور جنگ نیشنل انسٹی ٹیوٹ فار دی ڈیف' کا سنگ بنیاد رکھا اور دیوار (ضلع تھانے) میں سنجیوانی ہسپتال کا افتتاح فرمایا۔

وردھا میں ۳۰ ر دسمبر کو وزیر اعظم نے آشرم پرتشٹھان' سیواگرام کے کارکنوں سے خطاب کیا، ماگن میوزیم' وردھا کی چالیسویں سالانہ تقریب کا افتتاح کیا۔ اور وردھا کے دتاپور میں آل انڈیا لیپروسی آرگنائزیشن کی اختتامی تقریب سے خطاب کیا۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی ۳۰ ر دسمبر کو 'پونار آشرم' تشریف لے گئے اور وہاں اچاریہ ونوبا بھاوے سے بات چیت کی۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی ۲۵ دسمبر کو بمبئی میں بہروں کے لئے علی یاور جنگ نیشنل انسٹی ٹیوٹ کی سنگ بنیاد تقریب کے موقع پر خطاب فرما رہے ہیں۔
تصویر میں بائیں سے دائیں، گورنر شری صادق علی، شریمتی زہرہ علی یاور جنگ، وزیر اعلیٰ شری شرد پوار اور شریمتی شانتی صادق علی بھی نظر آ رہی ہیں۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی ''سدواگرام'' میں ''کہ کٹی'' کا افتتاح کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی کو ۲۴ دسمبر کو ولسن کالج میں، کالج اور اس کے سابق طلبہ کی انجمن کی جانب سے مبارک باد دی گئی اور انھیں ''بہترین ولسنی'' (BEST WILSONIAN) کا خطاب دیا گیا۔ ولسن کالج کے پرنسپل شری اے۔ جے بورڈے نے وزیر اعظم کو ہار پہنا کر انھیں مبارکباد دی اور ایک شال پیش کی۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعظم تہنیت کے بعد خطاب فرما رہے ہیں۔
گورنر شری صادق علی، وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، پرنسپل شری اے۔ جے بورڈے اور وزیر مملکت برائے پروٹوکول شری اسحٰق جمخانہ والا بھی تشریف فرما ہیں۔

سُورساگر — عوامی ادب، فلسفہ اور سنگیت کا سُہانا سنگم

• جی. وی. دیوبکر
ڈاکٹر امبیڈکر روڈ، ماٹونگا، ممبئی ۴۰۰۰۱۹

سورداس سوامی ولبھ اچاریہ کے چیلے تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی کمالات کے جوہر سے سوامی ولبھ آچاریہ کے پشٹی مارگ کے فلسفہ کو، جو بڑے بڑے عالموں اور شاعروں کے لئے بھی سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بہت کٹھن ہے، مقبول عام و خاص بنادیا۔ یوں بھی برج بھاشا، شاعری کے لئے نہایت عمدہ ذریعہ ہے اور سورداس کی کرشن بھکتی کی تڑپ نے اور ادبی کاوشوں نے ان کی شاعری کو ایک بالکل انوکھے جذبہ سے مزین کیا ہے جس کو "وانسلیہ رس" کہا جاتا ہے۔ وانسلیہ وہ جذبہ ہے جو سلونے شیام کی نسبت جسوداجی اور برج کی گوپیاں محسوس کرتی تھیں اور بال کرشن جیسے نٹ کھٹ اور شریر جوادھے گوپال کے خلاف پیار بھری شکایتیں کرتے ہوئے اپنے عقیدے کا اظہار کرتی تھیں۔

بال کرشن کبھی تن من میں کالے ماکھن چور اور گوپیوں کے مٹکے پھوڑنے والے ہوتے تھے، تو کبھی اُن کے عشق میں بیکل رادھا اور گوپیوں کو رجھانے کے لئے ان کے ساتھ راس رچاتے تھے۔ سورداس کی شاعری میں شرنگار رس (عشقیہ جذبہ) ضرور ہے مگر اس میں ہوس پرستی کی بجائے موہن مُرلی دھر کے روپ اور موسیقی سے مسحور بھگتوں کی زبوں حالی کی ترجمانی کی جاتی ہے۔

ہندوستانی فلسفہ اور بھگتی مارگ:

سورداس بھگتی مارگی شاعر تھے اور بھگتی مارگ، حالانکہ قدیم ہندوستان کے چھ فلسفیانہ مکاتب (شٹ درشن) میں سے ایک یعنی ویدانت سے تعلق رکھتا ہے پھر بھی اپنی مقبولیت کی وجہ سے اس نے ان سبھی مکاتب کو پس پشت ڈال کر ہندو عوام کے دلوں میں اپنا ایک خاص سکہ بٹھادیا ہے۔ ان چھ درشنوں کا مختصر خاکہ اس طرح ہے۔ (۱) پوروا میمانسہ: اس میں یگیہ یاگ کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اور گوکہ اس میں اندر، اگنی، ورون متر۔ جیسے دیومالائی عناصر کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور اُن کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں پھر بھی اُن کی حیثیت حاکموں جیسی ہے نہ کہ خالقِ مطلق کی۔ (۲) نیائے (۳) ویشیشک (۴) یوگ (۵) سانکھیا اور (۶) ویدانت۔ ویدانت میں آتما اور پرماتما کے آپسی ناطے کے سلسلہ میں چار نظریئے مشہور ہیں۔ پہلا شنکر آچاریہ کا ادویت ویدانت ہے جو آتما (انفرادی روح) اور برہم (حق) کی وحدت کا قائل ہے اور جگت (کائنات) کو متھیا یا جھوٹ ظاہر کرتے ہوئے برہم (خالق) کے نرگن اور نراکار (خصلتوں اور صورت سے بری) ہونے کا دعویٰ کرتا ہے (۲) رامانج آچاریہ کا وششٹ (مخصوص) ادویت جو آتما اور برہم کی وحدت کو مشروط قرار دیتا ہے (۳) مدھواچاریہ کا دویت جو آتما اور پرماتما کے دو مطلقاً علیحدہ وجود اور ان کے سوامی اور داس (آقا اور غلام) کے رشتہ پر مبنی ہے۔ مدھواچاریہ جی وشنو کو خالق اعظم مانتے ہیں (۴) ولبھ آچاریہ، آتما اور برہم کی وحدت کے قائل ضرور ہیں مگر شنکر اچاریہ جی کی طرح وہ کائنات کو جھوٹ اور مایا کا جال نہیں سمجھتے بلکہ وشنو یا ان کے ایک اوتار کرشن بھگوان کو معبود قرار دیتے ہوئے گیان مارگ (منطق اور فقہ) کی بجائے بھگتی مارگ (بھجن اور کیرتن) کے ذریعے نجات حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ رامانج اچاریہ، مدھواچاریہ اور ولبھ اچاریہ سبھی وشنو یا کرشن کو پرشوتم (اعلیٰ ہستی) قرار دیتے ہیں اور سگن اور ساکار (گن اور روپ کا مالک) ٹھہراتے ہیں۔ اس نوعیت کے فلسفہ (ویدانت) میں حق مطلق یا برہم کوئی خیالی یا مبہم ہستی نہیں ہوتی بلکہ وہ بھگوان (کریم) دیالو (رحیم) داتا (رزاق) ترانا (پروردگار) شما کرنے والا (غفور) اور اُپاسنا (عبادت) سے خوش ہونے والا ہوتا ہے اور اس کے بردان (صدقہ) سے عابد نہ صرف اس جہاں میں ہر طرح کی خوشیاں حاصل کرسکتا ہے بلکہ وفات

گے بعد بیکنٹھ (وشنو کا پایہ تخت) بھی سدھارتا ہے۔ اس قسم کے ٹھوس اور صاف عقائد کی بنا پر عوام میں بھگتی مارگ کو اور فلسفوں کے مقابلے میں بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں پچھلے دو ڈھائی ہزار برسوں سے بھاگوت (وشنو) دھرم ہی ہندو مت کا واحد ترجمان تصور کیا گیا ہے۔

بھگتی مارگ کا آغاز اور ارتقاء:

ویدانت کا فلسفہ اگرچہ خالق (برہم) کے وجود کو مانتا ہے مگر اس میں برہم رام، کرشن، شیو، شکتی یا دیوی کا روپ نہیں دھارتا۔ اپنشدوں میں بھی حق کے سوروپ (صورت) کے بارے میں کہا گیا ہے "نیتی۔ نیتی" (ایسا نہیں ہے اور ویسا بھی نہیں ہے) یہ نظریہ عالموں کے لئے موزوں ضرور ہے مگر عام آدمی کے لئے اس میں دلچسپی کا کوئی ساماں موجود نہیں ہے۔ اسی لئے کوئی دو ڈھائی ہزار سال پہلے رگ وید کا ایک دیوتا۔ وشنو "جو اندر۔ اگنی" وغیرہ کے مقابلے میں بہت معمولی تھا، سب سے بڑا دیوتا قرار دیا گیا اور اس کی پرستش کو یگیہ اور یاگ پر ترجیح دی گئی۔ یہ دراصل ویدک دھرم کے خلاف بغاوت تھی لیکن چونکہ عبادت کا یہ طریقہ برہمن، کشتری، ویش اور شودر، ایسی سبھی جماعتوں کے لئے عام تھا اس لئے یہ ایک دو صدیوں کے اندر بھارت کا سب سے بڑا وسیع دھرم ہو گیا۔ شروع میں اس کو "پنچراتر" دھرم کہتے تھے لیکن بعد میں بھاگوت، وشنو، شیو، شکتی جیسے معبودوں کے ناموں کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ فرقے (پنتھ) وجود میں آئے اور ان سب میں خاص معبود کو ہی اعلیٰ ترین دیوتا مانا جانے لگا۔

"مادھوریہ" (حلاوت):

بھگتی مارگ کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً بھگود گیتا میں کرشن جی اپنے کو پرماتما ظاہر کرتے ہیں اور اپنی عبادت کو یگیہ یاگ، گیان، منطق وغیرہ سے اعلیٰ اور نجات یا موکش کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ عظمت کے اس تخیل میں قدرے اصلاح کرتے ہوئے آچاریہ نمبارک اور ولبھ آچاریہ نے معبود کو معشوق میں تبدیل کر دیا، جس کے نتیجہ میں بھگوان کی عظمت، بہادری، بخشندگی اور بخشش گری کے بجائے، شیام کے سلونے پن کو، ان کی مرلی کی سحر آفرینی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی گئی اور عابد کا جذبۂ عبودیت بندگی، انکساری اور سوال کے بجائے عاشقی، پیا کے درس کی تڑپ اور رادھا یا گوپیوں کے درد فراق میں ڈھل گیا۔

ولبھ آچاریہ اور مدھر (میٹھی) بھکتی:

ولبھ آچاریہ جی نے شری کرشن کی عظمت (مہاتمیہ) کو قبول کر لیا تھا مگر اس کی عبادت میں خوف کی بجائے وہ عشق کے جذبہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے بال کرشن کو معبود ٹھہرایا تاکہ واتسلیہ یا ممتا کا جذبہ نکھر کر سامنے آ سکے۔ اسی اصول کی تکمیل کے لئے انھوں نے اپنے مرید سورداس کو شری کرشن کی بال لیلاؤں کا ورنن کرنے کی تعلیم دی تھی اور سورداس جی نے اپنی ساری عمر اس مشن کے لئے وقف کر دی تھی۔ سورداس کی شاعری میں ولبھ آچاریہ جی کی مدھر بھکتی کے سبھی انداز کی جھلک پائی جاتی ہے۔ بھگوان کو معشوق تصور کرتے ہوئے اس کے ساتھ گفتگو، اس کا درشن، اس کا وصال اور اس سے دائمی صحبت کی آرزو یہی مدھر بھکتی کے اہم عناصر ہیں اور ایک عام انسان عشق کے جذبے کے ذریعہ آسانی سے ان کو اپنا سکتا ہے اس میں موکش (نجات) حاصل کرنے کی غرض سے کسی اور سادھنا یا تپسیا کی ضرورت نہیں رہتی۔ ولبھ آچاریہ نے مدھر بھکتی کے نظریہ کو اپنے "مدھراشٹک" میں اس طرح سے واضح کیا ہے:

' ادھرم مدھرم ودنم مدھوام نینم مدھرم ہستم مدھرم
ہردیم مدھورم گھمنم مدھرم مدھرا دھپیتر کھلم مدھرم '

وہ شری کرشن کے یہاں ہر چیز مدھر یا میٹھی ہی میٹھی ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹ میٹھے، اس کی صورت سہانی اس کی آنکھیں دلکش اس کی مسکان نفیس، اس کا دل درد بھرا اور اس کی چال ڈھنگ دار ہے۔

سورداس کی ہندی ادب کو دین:

سورداس سمیت ۱۵۴۰ بکری مطابق ۱۴۷۸ء میں انکتا یا رینو کا کشتیر میں میں پیدا ہوئے۔ وہ سارسوت برہمن تھے اور متھرا برندابن کے بیچ گوگھاٹ میں رہتے تھے۔ یہیں پر ان کی سوامی ولبھ آچاریہ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے ہی ان کو "سور" کا لقب عطا کیا تھا۔ کیونکہ وہ جنم سے ہی اندھے تھے اور اسی مناسبت سے اندھے راہبوں اور شاعروں کو "سورداس" کہا جاتا ہے۔ ولبھ آچاریہ نے محسوس کیا کہ سور بظاہر بینائی سے محروم ضرور ہیں مگر عرفان اور روحانی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کا رتبہ بلند ہے اور وہ اپنے پیارے شیام کا روپ کا ورنن اس نزاکت اور رنگین بیانی کے ساتھ کر سکتے ہیں کہ کوئی بینا شاعر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے انھوں نے سورداس کو کیرتن گانے کے کام پر معمور کیا اور انھوں نے عام فہم برج بھاشا میں ایسی کویتائیں لکھیں، جن پر پچھلے پانچ سو سال سے ہندی ادب ناز کرتا آ رہا ہے۔

سور ساہتیہ: ولبھ آچاریہ کے حکم کے مطابق سورداس، شری ناتھ جی کی سیوا کرتے رہے اور وہاں سے انھیں پراسولی گاؤں جانا پڑا، جہاں وہ عمر بھر رادھا کرشن کی پریم لیلاؤں کے گیت گاتے رہے۔ ان گیتوں کا سنگرہ (مجموعہ) سورساگر کہلاتا ہے اس کے علاوہ انھوں نے سور سارا ولی۔ بھرمر (بھنورا) گیت جیسی کویتاؤں کی بھی رچنا کی۔ سورداس کے معبود بال مکند تھے اور وہ قیام بھی راس بھومی پراسولی میں کرتے تھے اس لئے سورساگر میں۔ واتسلیہ (ممتا) دوستی۔ رادھا اور گوپیوں کے

فراق کا درد بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ مثال کے لئے اُن کے چند گیت ملاحظہ ہوں

• 'سورداس اپنے اِشٹ (پسندیدہ) دیوتا جوڑی۔ رادھا کرشن کے پریم کا بیان اس طرح کرتے ہیں ؎

" برج ہی بسے آپ ہی بسرایو
پرکرتی پُرش یکے کری جانوں باتن بھید کرایو
جل تھل جہاں رہو تم بن نہیں بھید اُپنشد گایو
دوے تن جیو ایک ہم تم دوؤ سُکھ کارن اپجایو
برہم روپ دوتیا نہیں کو تب من تریا جنایو
سور سیام سُکھ دیکھی الپ ہنسی آنند پنج بڑھایو

(سورساگر نند دُلارے واجپئے صفحہ ۸۴۱)

یعنی میں برج بھومی میں رہ کر خود کو بھول گیا
پرکرتی اور پُرش کو ایک سمجھتے ہوئے اُن میں صرف زبان کے لحاظ سے فرق بتایا۔
شیام! تم چاہے پانی یا زمین جہاں کہیں بھی رہو، اُپنشدوں نے تمہارے سوائے کسی اور ہستی کا بھید نہیں بتایا ہے۔
بدن دو پر جان ایک۔ ہم دونوں کو سُکھ حاصل کرنے کے لئے الگ الگ پیدا کیا گیا ہے۔
برہم (حق) کا دوسرا کوئی رُوپ موجود نہیں۔ من نے ہی استری کے رُوپ کا تصور پیش کیا ہے۔
سور نے شیام کا مکھ دیکھ کر گاکر۔ ہنس کر اپنے آنند کا سرمایہ بڑھا لیا ہے۔

اگرچہ یہ گیت بھاگوت سمپردائے کے پرچار کے لئے پیش کیا گیا ہے لیکن اس سے سانکھیا فلسفہ کا اُصول، پرکرتی اور پُرش کا تصور ہی مقصود ہے۔ اس بات کو اور واضح کرنے کے لئے انھوں نے کہا ہے کہ:

پران ایک دوئے دیہہ کینہے۔ بھکتی پریتی پرکاس
سور سوامی۔ سوامنی ملی۔ کرت رنگ۔ بلاس

" جان ایک ہے اور جسم دو ہیں اور بھکتی اور پریتی کی صورت میں ان کا سنگم ہوا ہے۔
سور اپنے آقا کرشن اور مالکن رادھا سے مل کر رنگ بلاس کرتے ہیں۔"

رادھا اور کرشن کے پریم کی معصومیت اس گیت سے ظاہر ہوتی ہے:

(رادھا اور کرشن کا سوال و جواب)

'بُوجھت سیام کون تو گوری۔ کہاں رہت کا کی ہے بیٹی
دیکھی نہیں برج کھوری

رادھا کہتی ہے:

'کاہے کو ہم برج تن آوت۔ کھیلت رہت آپنی پوری
سُنت رہت سرومنن نند ڈھوٹا
کرت پھرت ماکھن دومی چوری

کرشن جی کہتے ہیں:

'تمہارو کہاں ہم چوری لئے ہیں۔ کھیلن چلوں سنگ مل جوڑی
سورداس پربھو رسک سرومنی باتن بھُرئی رادھکا بھوری'

بال کرشن کی چکنی چپڑی باتوں سے رادھیکا بھولی ان کے نرغے میں نہ آئے تو ہی تعجب کی بات ہے۔

سورداس کا بھرمر گیت ان کا لاجواب کارنامہ سمجھا جاتا ہے اور اس میں سورداس نے شری کرشن کے متھرا چھوڑ کر دوارکا جانے اور رادھا اور گوپیوں سے جُدا ہونے کا منظر بڑی قابلیت کے ساتھ پیش کیا ہے:

"میرے من اتنی سول رہی۔ وے بتیاں چھتیاں لکھی راکھی جے نندلال کہی
ایک دیوس میرے گھر آئے۔ ہوں ہی میت دہی
رت (محبت) مانگ میں مال (منع) کیو سکھی۔ سو ہری گستا (غصہ) گہی
سوچت ات پچھتاتی رادھکا مُرجھت دھرنی ڈھہی
سورداس پربھو کے بچھرے نیں۔ بتھا نہ جات سہی"

سورداس نے معیاری شاعری کو اپنانے کی کوشش کبھی نہیں کی تھی، مگر اُن کے بھجن کیرتنوں میں جو عوام کو مدھورا بھکتی کا نظریہ سمجھانے کے لئے موزوں کئے گئے تھے، ایسی ادبی خوبیاں ہیں کہ ان کے اثر سے 'سور ساگر' کا شمار عالمی ادب میں ہونے لگا۔
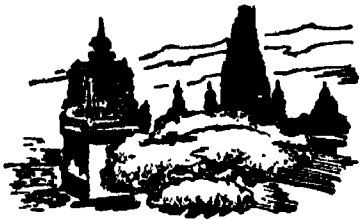
ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔
منترالیہ، بمبئی ۳۲-۴۰۰۰۰

ہماری جمہوریت

• محبوب راہی
بارسی ٹاکلی، اکولہ، مہاراشٹر

*

ہمارے جہاں سے پیاری سارے جہاں سے نیاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

بھارت ہے نام جس کا وہ دیش ہے ہمارا — دنیا سے پیار جس کو دنیا کو ہے جو پیارا
سب سے ہے میل [illegible] کا سب سے ہے جس کی یاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

سرسبز جس کے میداں شاداب کھیتیاں ہیں — دھرتی پہ جس کی ہر سو ندیاں رواں دواں ہیں
جن کے بطن سے لاکھوں نہریں ہوئی ہیں جاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

مذہب الگ الگ ہیں ذاتیں جدا جدا ہیں — رسمیں الگ الگ ہیں باتیں جدا جدا ہیں
پہلے ہیں بھارتی پھر پنجابی یا بہاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

مہکا رہے ہیں دھرتی چاہت سے پھول جس کے — اپنا رہی ہے دنیا پیارے اصول جس کے
شیدا ہے جان و دل سے مخلوق جس پہ ساری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

ہر کھیت اب ہمارا سونا اگل رہا ہے — ہر شخص عزمِ نو کے سانچے میں ڈھل رہا ہے
اب بھوک سے کرے گا کوئی نہ آہ و زاری !
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

گاندھی نے جس کو اپنے خونِ جگر سے سینچا — نہرو نے اپنا سب کچھ دیکر جسے سنوارا
کرنی ہے اس چمن کی اب ہم کو آبیاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

ہم منزلوں کی جانب دن رات بڑھ رہے ہیں — پیہم ترقیوں کے زینوں پہ چڑھ رہے ہیں
پیچھے رہے نہ کوئی وہ نر ہو یا ہو ناری !
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

ہم لوگ جانتے ہیں جینے کا راز راہی — قربانیوں پہ اپنی ہم کو ہے ناز راہی
اپنے بڑوں سے ہم نے سیکھی ہے جاں نثاری
پھولے پھلے خدایا جمہوریت ہماری

वर्षा
बोले माई गोवरधन पर मोर।
तैसई स्याम घन मुरली बजाई, घटा उठी घनघोर।
बड़ी बड़ी बूंदन बरसन लागी, पवन चलत झकझोर।
सूरदास प्रभु तिहारे मिलन को निसि जागत भई भोर।

दे री ओढ़ाई मोहि लाल दुसाला ।
थर हरात तन सीत लगत है,
पवन प्रवाह कसाला ।
नीर छुवत नीको नहीं लागत,
पावक भई रस बाला ।
कारी कामरी ओढ़ि रहौंगी,
बन न जाऊँ यहि काला ।
सूरदास प्रभु चौकी बैठे,
अंगा पहिर रसाला ।

शिशिर
सूरदास पिय को हियलाय,
गाई सुनाई मीठी तान ।

ڈاکٹر [illegible]
[illegible] مالیگاؤں

سُورداس

انسانیت سے پیار کیا سُورداس نے
آدم کو باوقار کیا سُورداس نے

دلکش جو رنگ سب سے ہے بھگتوں کے واسطے
وہ رنگ اختیار کیا سُورداس نے

تفریق ذات پات کی دھرموں کا بھید بھاؤ
سب کو غلط شمار کیا سُورداس نے

یہ کہہ کے، دکھ ہزاروں ہیں انساں کی جان کو
ہر دل کو بیقرار کیا سورداس نے

بکھرے ہوئے چمن میں جو تھے خار و خس انھیں
سرمایۂ بہار کیا سورداس نے

تابندہ اس کا ذکر ہے صدیوں کے بعد بھی
وہ نقش یادگار کیا سورداس نے

اپنی نوا سے، اپنے بھجن اپنے گیت سے
ذرّوں کو تابدار کیا سورداس نے

جینا وہی ہے کام کا جو سب کے کام آئے
یہ نکتہ آشکار کیا سُورداس نے

نایابؔ اس کے دل میں خدائی کا درد تھا
دنیا کو غم گسار کیا سُورداس نے

سور اور تلسی

• ڈاکٹر صفدر آہ

سورؔ اور تُلسیؔ دونوں ہندی شاعری کے نیرین سمجھے جاتے ہیں. سورؔ کی شاعری برج بھاشا میں ہے تُلسیؔ کے تقریباً نصف گرنتھ برج بھاشا میں اور نصف اودھی میں ہیں' جن میں ان کا اودھی گرنتھ 'رام چرت مانس' سب سے اہم ہے۔ بنیادی طور پر سورؔ اور تلسیؔ دونوں بھگت شاعر ہیں۔ سورؔ کرشن بھگت ہیں اور تلسیؔ مریادا پرشوتم رام کے بھگت ہیں. دونوں شاعروں کی شاعری کی رُوح رواں پریم ہے جو بھگتی کا جُزد لازم ہے۔ سورؔ کا پریم ولبھ سمپردائے کے منظم اور رومانی تصوّرات میں نہایا ہوا ہے۔ لیکن تلسیؔ کا پریم برہمنی نظام حیات، دھرم اور شاستروں کا تابع ہے.

*

ان دونوں شاعروں کے عہد میں بھی کوئی خاص بُعد نہیں ہے. سورؔ کا آفتابِ حیات جب ہندوستانی شاعری کی شہنشاہیت کا دوَر پورا کر کے غروب ہو رہا تھا تو نوجوان تلسی کی شاعری اُفقِ ادب پر طلوع ہو رہی تھی. تاریخ کے اعتبار سے یہ زمانہ اکبر بادشاہ کا دورِ حکومت تھا۔ اس دور کے کچھ پہلے سے لے کر کچھ بعد تک ڈیڑھ سو سال کا زمانہ عوامی ادب کا وہ عہد زریں ہے جس کا جواب ہندوستان کے سارے ماضی میں کہیں نہیں ملتا. ہندوستان کے عہد قدیم میں علم و ادب کی کمی نہ تھی لیکن وہ سب برہمنوں کی زبان سنسکرت میں تھا جس کی کوئی کرن عوام تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ انہی ڈیڑھ سو سال کے اندر ہندوستانی مٹی سے کبیرؔ، جائسیؔ، سورؔ، میراؔ اور تلسیؔ جیسے عظیم عوامی شاعر پیدا ہوئے. جن کے نغموں نے برہمن اجارہ داری کو ختم کر کے علم و ادب کی روشنی پہلی بار عوام کے جھونپڑوں تک پہنچائی

اس بے عدیل ارتقائی اقدام کے پس منظر میں اُن مسلم صوفیوں کے اثرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جن کی وسیع النظری نے ایک طرف نسلاً بعد نسل تاریکی میں بسنے والے عوام کو طلوعِ سحر کا مژدہ سُنایا اور دوسری طرف اسی ملک کی خاک سے عوامی زبان میں دانش کے گیت گانے والے وہ غیر فانی شاعر پیدا کیے جو ہندوستانی انقلاب کے پیشرو ہیں.

سورؔ اور تلسیؔ کے تقابلی مطالعے میں سب سے پہلے "رام چرت مانس" کو الگ رکھ دینا ہوگا. رام چرت مانس ایک پربندھ مہاکاویہ ہے۔ سورؔ کے یہاں اس انداز اور اس مرتبے کی کوئی نظم موجود نہیں ہے۔ ان دونوں شاعروں کے اُن بھجنوں اور گیتوں میں کافی مماثلت مل جائے گی جو برج بھاشا میں ہیں' لیکن یہ حقیقت ہے کہ تلسیؔ اپنی ساری شاعرانہ صلاحیتوں کے باوجود سورؔ کی الہامی برج بھاشا کی مٹھاس اپنے یہاں نہیں پیدا کر سکے. تلسیؔ کے گیتوں کے مجموعے 'ونے پتر' کے علاوہ ان کا کوئی گرنتھ سورؔ کے گیتوں کے سامنے نہیں رکھا جا سکتا. سورؔ برج بھاشا کا وہ شاعرِ اعظم ہے جس کا جواب نہ برج بھاشا میں اس سے پہلے تھا اور نہ اس کے بعد آج تک پیدا ہو سکا ہے.

آچاریہ رام چندر شکل نے اپنی کتاب 'تروینی' کے صفحہ ۸۲ پر ایک سخت بے بنیاد بات لکھ دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "سورؔ کی بھاشا بول چال کی بھاشا نہیں ہے"' میری عرض یہ ہے کہ کسی عہد کی زبان کے نمائندے اس عہد کے مُستند شعراء ہی ہوتے ہیں۔ سورؔ سے زیادہ مستند ساری برج بھاشا میں کوئی شاعر نہیں ہے۔ پھر سورؔ کے عہد تک شاستریہ شاعری بھی نہیں شروع ہوئی تھی۔ جس میں بے اثر کتابی زبان کا رواج ہے۔ سورؔ کے لئے تو ہم وہم و گمان میں بھی نہیں سوچ سکتے کہ وہ اپنے عہد میں بولی جانے والی زبان کی نمائندگی نہیں کرتے

آچاریہ رام چندر شکل کا خیال ہے کہ "جیسی برج بھاشا کے जाको—ताकी —जाकी ہی کی طرح اُن کے پُرانے روپ तेह—जेह وغیرہ سورؔ کے یہاں ملتے ہیں۔ جو اودھی میں تو اب تک ہیں، لیکن برج کی بول چال میں خود سورؔ کے عہد میں بھی نہ تھے"۔ یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ سورؔ کے عہد کے متروکات کا پتہ آچاریہ جی کو کیونکر لگا۔ برج بھاشا کی پُرانی بول چال کا ہمارے پاس کوئی لغت یا ریکارڈ نہیں ہے، جس سے ہم سورؔ کے کلام کا تقابل کر کے سورؔ کی زبان پر کوئی حکم لگا سکیں۔ اصولاً سورؔ جیسے مستند شاعر کے کلام میں جو کچھ ہے وہی اُس عہد کی رائج اور مستند زبان ہے۔ जाको کے ساتھ जेह اور ताको کے ساتھ तेह سورؔ کے عہد میں اسی طرح رائج تھے' جیسے آج "جس کو" کے ساتھ "جیسے" اور "اُس کو" کے ساتھ "اِسے" رائج ہیں.

آچاریہ رام چندر شکل کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ضرور" کے مفہوم میں पै کا استعمال صرف سُور کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اچاریہ جی نے पै کا مفہوم ضرور بھی ٹھیک نہیں بتایا ہے۔ شبد ساگر کے معنی پاس بتاتا ہے میرے خیال میں یہ معنی بھی اس لفظ پر پوری طرح منطبق نہیں ہوتے۔ पै کا استعمال اودھی، راجستھانی، برج بھاشا یہاں تک کہ مراٹھی میں بھی ہے۔ جیسے گیانیشوری میں ہے :

पै आपलेनि भेद बिन । जानि जे माझे एक वप ।
त्या नांव शरण ॥ मज वजे मा ॥

(گیانیشوری ادھیائے ۱۸)

سُور نے पै کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ جس کی ایک مثال اچاریہ جی نے دی ہے :

जेहि लगे सोई पै जाने, प्रेम बाण अनियारी

دوسری جگہ سُور نے کہا ہے :

तुम पै कौन दुहावै गैया

اِس لفظ کے معنی کا تعین پُرانی زبان میں محل استعمال کے لحاظ سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ لفظ بول چال کا ہے اور اچاریہ جی نے ظلم یہ کیا ہے کہ اس لفظ کو بول چال ہی سے خارج نہیں کیا ہے بلکہ عہدِ سُور میں اسے متروک بھی قرار دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ برج بھاشا میں اب تک رائج ہے بیسویں صدی بکرمی کے شاعر رتناکر کہتے ہیں :

जैसे कांच कांच पै मानिक मज जावै है

یا رتناکر ہی کہتے ہیں :

मन लेहु रहे पै बासो मन ही

جائسی کی اودھی میں بھی पै موجود ہے :

प्रेम घाव दुख जान न कोई ।
जेह लागी जानै पै सोई ॥

(پریم کھانڈ)

ڈاکٹر شیام سندر داس اور ڈاکٹر پتامبر دت نے اپنی مشترکہ تصنیف تلسی داس کے صفحہ ۲۰ پر بتایا ہے کہ تلسی جس وقت چترکوٹ میں مقیم تھے تو سُور اپنا سور ساگر لیکر اس گرنتھ کے لئے تلسی سے آشیرواد لینے گئے تھے۔

ہندی میں تلسی کے واقعاتِ حیات کا سب سے زیادہ مخرب ایک جعلی گرنتھ 'مول گسائیں چرت' نکلا تھا جو کافی مدت تک بے حد مقبول رہا۔ یہ گرنتھ سمبت ۱۹۸۴ بکرمی میں مذکورہ بالا کتاب کے ایک مصنّف ڈاکٹر شیام سندر داس ہی نے ہندی دنیا سے متعارف کرایا تھا۔ اسی گرنتھ میں ہے کہ :

سمبت ۱۶۱۶ بکرمی میں سُور کامدگری (چترکوٹ) پر تلسی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن کو ولبھ سمپردائے کے گرو گوکل داس نے کرشن بھگتی کے رنگ میں رنگ کر بھیجا تھا (دوہا ۲۹ — ۳۰)۔

غرض یہ ہے کہ یہ روایت سراسر بے سر پا ہے۔ سمبت ۱۶۱۶ بکرمی میں گرو گوکل داس صرف آٹھ سال کے تھے اس وقت ولبھ سمپردائے کی گادی پر ان کے والد تھے جو سمبت ۱۶۴۲ بکرمی تک زندہ رہے۔

اس کے بعد مول گسائیں چرت میں اس سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ کہا گیا ہے کہ :

"سُور تلسی کے پاؤں پڑے اور اپنا گرنتھ سور ساگر تلسی کے سامنے پیش کیا۔ نیز اپنا کلام بھی گا گا کر سُناتے رہے۔ پھر تلسی سے آشیرواد لیا۔"

(دوہا ۳۰ کے بعد کا چھند)

سمبت ۱۶۱۶ بکرمی تک تلسی نے صرف دو نظمیں لکھی تھیں۔ رام للا نہچھو اور بیراگ سندیپنی' یہ دونوں نظمیں ایسی نہیں جن سے تلسی کو وہ شہرت مل جائے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر' سُور جو اس وقت عمر میں بھی کچھ کم اسّی کا تھا، ۲۷ سال کے نوجوان تلسی کی خدمت میں حاضری دے۔

تلسی کی اس غیر ضروری عزّت افزائی کے بعد محترم مصنفین نے تلسی کے لئے ایسی بات کہہ دی ہے جسے سُن کر ذوقِ سلیم خودکشی کر لے گا۔ موصوفین فرماتے ہیں کہ "سور ساگر دیکھ کر اسی کی شیلی پر تلسی نے رام چرت مانس نظم کیا" حالانکہ سور ساگر اور رام چرت مانس کی شیلی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا سُرخ اور سپید میں' چاندنی اور دھوپ میں' کوئل کی کوک اور بُلبل کے گیت میں۔ واضح رہے کہ بال لیلا شیلی نہیں موضوع ہے۔" واتسلیہ بھاؤ[1] کا یہ موضوع وشنو بھگتی کا ایک جُزو ہے جس پر بہت سے وشنو شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔

سُور کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُن کا کلام سور ساگر کسی سابق روایت کی پیداوار نہیں ہے بلکہ خود روایت ساز ہے۔ رام چرت مانس کو الگ ہٹا کر تلسی کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ مانس کے بعد سب سے اہم تلسی کے بھجن اور گیت ہیں، جن میں وہ بدیہتاً سُور سے متاثر نظر آتے ہیں۔

سُور کے طرز کی ایک اہم خصوصیت مٹھاس اور نرمی ہے۔ ان کے کلام میں جہیج اور پُرجوش اجزا، شاید مشکل ہی سے مِل سکیں گے۔ انھوں نے

---

1 بکرمی سمبت سنہ عیسوی سے ۵۷ سال پہلے شروع ہوا تھا عیسوی سنہ معلوم کرنے کے لئے بکرمی سمبت میں سے ۵۷ سال کم کر دیجئے۔

1 رام یا کرشن کے بال رُوپ کی پُوجا اور بھگتی واتسلیہ بھاؤ کہلاتی ہے۔

کرشن کے ذکر میں ان کے رزمیہ کردار کو اُچھالا نہیں ہے۔ ان کا کرشن' دلارا، پیارا اور بے حد محبوب ہے۔ اس کی شجاعت کے کارناموں پر انھوں نے بہت کم توجہ دی ہے۔ لیکن تلسی کے بال رام سے فاتح لنکا رام تک رام کی شجاعت پر کافی زور دیا ہے۔ جہاں تک رام چرت مانس کا تعلق ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک مسلسل مہاکاویہ ہے۔ جس میں ہیرو کی شجاعت کے کارنامے دکھانا ضروری تھے۔ لیکن یہاں گفتگو رام چرت مانس کو الگ کر کے ہو رہی ہے۔ تلسی نے رامائن کے ساتوں کانڈوں کے زیرعنوان جو گیت لکھے ہیں اُن میں ویر، ردر، یہاں تک کہ دبھتس رس بھی موجود ہے۔ یہ کوئی شاعرانہ عیب نہیں ــ اسے صرف سور اور تلسی کی شاعری کا فرق سمجھانے کے لئے لکھا گیا ہے۔

سور شرنگار رس کے شہنشاہ ہیں اور اس رنگ میں ساری ہندی شاعری میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں ہے۔ بچپن کے پریم سے لیکر جوانی تک کے سنجوگ اور وِیوگ کے اذکار، پھر گیان اور یوگ سے بھی پریم کو افضل دکھانا سور کا حصہ ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں یہ لطیف کیفیات شاید ہی آسکی ہوں۔

سور کے کلام میں یوں تو سب ہی کچھ سراپا حُسن ہے۔ جس میں ان کی بال لیلاؤں کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ واتسلیہ بھاؤ کا یہ امرت تلسی کے یہاں بھی بڑے دلکش انداز میں ہے۔ سور اور تلسی کے دو گیت دیکھئے جن میں ماں بچے کو پالنا جُھلا رہی ہے۔

سور کہتے ہیں:

जसोदा हरि पालने झुलावै ॥
हलरावै, दुलराय मल्हावै, जो सो कुछ गावै ।
मेरे लाल की आउ निंदिया, काहे न आन सुलावै ।
तू काहे न बेगि सी आवै, तोको कान्ह बुलावै ॥

جسودا بال کرشن کو پالنے میں جُھلا رہی ہے
ہلراتی ہے، دلار کر کے ملہراتی ہے، جو سو کچھ گاتی ہے
میرے لال کی آوری نندیا، کیوں نہ آن سُلاوے
تو جلدی کیوں نہیں آتی، تجھ کو کانھا بلاوے

कबहुँ पलक हरि मूंद लेत हैं, कबहुँ अधर फरकावै ।
सोवत जानि मौन ह्वै रहीं, हरि करि सैन बतावै ॥

کبھی کرشن پلک بند کر لیتے ہیں، کبھی جسم پھڑکاتے ہیں
جسودا سوتا سمجھ کر چپ ہوگئی اور کرشن کو صرف اشارے کرتی ہے

इहि अंतर अकुलाय उठे हरि, जसुमति मधुरे गावै ।
जो सुख 'सूर' अमर मुनि दुरलभ, सो नंद भामिनि पावै ॥

اس بیچ میں کرشن بے چین ہو اُٹھے، جسو فوراً پھر میٹھے گیت گاتی ہے

اے سور، جو سکھ امر منیوں کو نہیں ملتا، وہ نند کی دلہن کو مِل رہا ہے
(سور ساگر دسم سکندھ ۶۶۱)

تلسی کہتے ہیں.

पोढ़िये लालन पालने हौं झुलावौं ।

لال پالنے میں لیٹو میں جُھلاتی ہوں

कर पद, मुख, चख, कमल लसत लोचन भंवर भुलावौं ।

تمہارے کمل جیسے ہاتھ پاؤں، منھ اور آنکھیں دیکھ کر ان میں اپنی آنکھوں کے بھونرے (پتلیاں) پیوست کر دوں۔

बाल विनोद मोद मंजुल मनि किलकनि खानि खुलावौं ।

تمہارے بچپن کی ہنسی اور کلکاریوں کے جواہرات کی کھان کھلاؤں

तेई अनुराग ताग गुहिबे, कहँ, मति मृग नयनि बुलावौ

ان کو محبت کے تاگے میں گُندھ کر اپنی سمجھ کی مرگ نینی کو بلاؤں

'तुलसी' भनित भली भामिनि, उर सों पहिराइ फुलावौं

اے تلسی یہ مالا بھلی خاتون کے سینے پر پہناؤں

चार चरित रघुबर तेरे तेहि मिल गाइ चरन चित लावौं

رگھوبر تیرے چار چرت گا کر تیرے چرن سے چت لگاؤں
(گیتاولی ۱۵)

سور کے گیت میں جسودا بال کرشن کو ہلراتی ہے، دلراتی ہے، ملہاتی ہے اور جو سو کچھ گاتی ہے۔ میرے لال کی آری نندیا۔ تجھے کانھا بُلاتا ہے۔ جلدی کیوں نہیں آتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بہتے ہوئے جذبات، یہ زبان کی مٹھاس۔ یہ منظم خیال آرائی سے آزاد جو منہ میں آئے پیار سے گانا تعریف سے بالاتر ہے' یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے بھولی گوالن ماں کا دل نکال کر کاغذ پر رکھ دیا ہے۔ اس کے برعکس تلسی کے یہاں خیال آرائی ہے، شاستریہ شاعری کی مصنوعی زبان" کر پد مکھ جکھ کمل لست لکھ لوچن بھنور بھلاؤں" ــ پالنے کے گیت کے لئے یہ زبان اور یہ پیچیدہ خیالات قطعاً نامناسب ہیں۔ یہاں سور کا گیت بہتر ہی نہیں بدرجہا بہتر ہے۔ اصل میں شاستریہ شاعری کی بدولت تلسی کے برج بھاشا کے گیتوں کو سخت نقصان پہنچا ہے۔

سور کرشن کی آنکھوں کی تعریف کرتے ہیں۔

देख री हरि के चंचल नैन ।
खंजन, मीन मृगज चपलाई, नहीं पटतर एक सैन ॥

اے ری کرشن کی چنچل آنکھیں دیکھ
کھنجن (چڑیا)، مچھلی، ہرن کے بچے کی چپل آنکھیں کوئی ان کی مثل نہیں

राजिवदल, इन्दीवर, सतदल, कमल, कुसेसय जाति ।
निस मुद्रित, प्रातहि वे बिकसत, ये बिकसे दिन रात ॥

(پانچ قسم کے کمل، راجیو دل، اندیور، ست دل، کمل، کسیسہ، یہ سب سدا کھلنے والے کمل صرف سویرے کھلتے ہیں (لیکن) یہ (آنکھیں) رات دن کھلی رہتی ہیں.

अरुन सेत सिति झलक पलक प्रति को बरनै उपमाय ।
मनु सरसुति, गंगा, जमुना संगम कीन्हो जाय ॥

لالی اور سفیدی کی جھلک پل پل میں بدلتی ہے، تشبیہ کس طرح دی جائے
گویا سرسوتی، گنگا اور جمنا کا سنگم ہوگیا ہے۔

अवलोकनि जल बार तेज अति, तहाँ न मन ठहरात ।
'सूर' स्याम लोचन अपार छवि, उपमा सुनि सरमात ॥

کرشن کے لئے جل دھار تیز ہے۔ من ٹھہرنے نہیں پاتا۔
اے سور، شیام کی آنکھوں کا حسن اپار ہے۔ تشبیہ سن کر شرما جاتی ہے
(سور ساگر دسم سکندھ)

تلسی، رام کی آنکھوں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

सोहत सहज सुहाए नैन ।
खंजन, मीन, कमल सकुचात तब;
जब उपमा चाहत कवि दैन ॥

فطری حسن رکھنے والی آنکھیں بڑی پیاری لگتی ہیں
کھنجن (چڑیا)، مچھلی، کمل سب شرماتے ہیں
جب شاعر تشبیہ دینا چاہتا ہے۔ (گیتاولی بال ۳۲)

آنکھ مشرقی شاعری کا خاص موضوع رہی ہے۔ جس پر شعراء نے نئے نئے مضمون پیدا کئے ہیں۔ سور اور تلسی کے مندرجہ گیتوں میں بھی یہی موضوع ہے۔

سور نے کرشن کی آنکھ کی تعریف کی ہے اور تلسی نے رام کی آنکھ کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ مضمون دونوں گیتوں کا ایک ہی قسم کا ہے۔ کھنجن، مچھلی اور کمل وغیرہ کی تشبیہ دے کر دونوں شاعروں نے کہا ہے کہ تشبیہ آنکھوں کے سامنے آتے ہوئے شرماتی ہے. سور نے اس جگہ مضمون کو پھیلا کر بیان کیا ہے اور تلسی کے یہاں اختصار ہے۔ یہ تشبیہیں نہ سور کی تخلیق ہیں نہ تلسی کی۔ دونوں جگہ سنسکرت سے لائی گئی ہیں اور دونوں گیت سنسکرت سے بوجھل ہیں۔ توضیع کے باوجود سور کا سلیقہ بیان بہتر ہے۔

سور کے یہاں جسودھا بال کرشن کو پاؤں پاؤں چلنا سکھا رہی ہے:

सिखावत चलन जसोदा मैया ।
अरबराय कर पानि गहावत, डगमगाय धरै पैया ॥

جسودا میا کرشن کو چلنا سکھاتی ہیں
کرشن گڑبڑا کر ہاتھ کی ہتھیلی مارتے ہیں اور ڈگمگا کر پاؤں رکھتے ہیں
(سور ساگر دسم سکندھ ۳۳)

تلسی کے یہاں کوشلیا بال رام کو چلنا سکھاتی ہے:

ललित सुतहिं लालति सचु पाए ।

پیارے بیٹے کے پالنے کا سکھ پایا

कौसल्या कल कनक अजिर महं, सिखवत चलन अंगुरया लाए ॥

کوشلیا اپنے سونے کے آنگن میں بال رام کی انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتی ہے

कटि किंकिनी पैंजनी पायनि, बाजत रुनझुन मधुर रेंगाए ।
पहुंची करनि कंठ कठुला, बनयो केहरि नख मनि—जरित जराए ॥

رام کی کمر کی کنکنی، پاؤں کی پینجنی سے رن جھن میٹھی آواز نکلتی ہے۔
ان کی ہاتھوں کی پہنچی، گلے کا کٹھلا اور دوسرے جڑاؤ زیور چمکتے ہیں
(گیتاولی بال ۲۹)

(تلسی نے آگے بال رام کی بڑی خوبصورت تصویر پیش کی ہے لیکن چلنا سکھانے کا موضوع یہیں ختم ہوگیا ہے)

سور اور تلسی دونوں کے یہاں ماں اپنے بالک کو چلنا سکھا رہی ہے۔ سور کا بالک ایک گوالن کے گھر میں ہے اور تلسی کا بالک ایک راجکمار ہے۔ جو زیوروں سے آراستہ، محل کے سونے کے آنگن میں چلنا سیکھ رہا ہے۔ سور کا بالک اربرا کر فطری طریقے پر ہاتھ مارتا ہے اور ڈگمگا کر پاؤں رکھتا ہے۔ ادھر تلسی کے بالک کے گھنگھرو رن جھن بول رہے ہیں۔ دونوں ماحول الگ ہیں، لیکن سور کے بالک کی ادائیں دل سے بہت قریب ہیں۔ کنکنی کی رن جھن سنسکرت شاعروں کے یہاں بہت مل جائے گی۔ لیکن سور کے بچے کی ادا شاید ہی کہیں مل سکے۔

سور کا بالک جسودا کی گود میں:

हरि किलकत जसोदा की कनिया ।

جسودا کی گود میں کرشن کلکاریاں مار رہے ہیں

निरख निरख मुख कहत लाल सों । मो निधिनी को धनिया ॥

(جسودا) منہ دیکھ دیکھ کر بچے سے کہتی ہیں۔ "مجھ نردھن کے دھن"

अति कोमल तन चिते स्याम को बार बार पछतात ।
कैसे बच्यो जाऊं बलि तेरे तृनावर्त के घात ॥

شیام کا بے حد نازک تن نہارتی ہے اور بار بار جذبات سے بھر جاتی ہے (پھر کہتی ہے) ترناورت راکشش کو مارنے والے میں کیونکر تیرے صدقے ہو جاؤں۔
(سور ساگر دسم سکندھ ۷۹۹/۸۲)

تلسی کے رام، کوشلیا کی گود میں:

सुभग सेज सोभित कौसल्या, रुचिर रामसिसु गोद लिये ॥

بالک رام کو گود میں لئے بھاگوان کوشلیا، سیج کی زینت بنی ہے

बार बार बिधु बदन बिलोकति, लोचन चारु चकोर किये ॥

طرح طرح سے بار بار چہرہ چکور جیسی آنکھوں سے دیکھتی ہے

कबहुँ पौढ़ि पयपान करावति, कबहुँ राखति लाइ हिये ॥

کبھی لیٹ کر دُودھ پلاتی ہے، کبھی سینے سے چمٹا لیتی ہے

बालकेलि गावति हलरावति, पुलकित प्रेम पियूष पिये ॥

پیار کا پیوش پیئے ہوئے، جذبات میں بھری ہوئی، بچوں کے گیت گا کر رام کو ہاتھوں پر جھلاتی ہے۔

बिधि, महेस, मुनि, सुर, सिहात सब, देखत अंबर ओट दिये ॥

برمھا، شیو، منی اور دیوتا آسمان کی آڑ سے اس نظارے کا لُطف لے رہے ہیں

'तुलसीदास' ऐसो सुख रघुपति पै काहूतो पायो न बिये ॥

تلسی داس، رگھوپت کے نظارے کا ایسا سُکھ کا ہے کو کسی نے پایا ہو گا۔

(گیتاولی بال)

سوؔر کے گیت میں ماں کے فطری جذبات ہیں۔ جن میں سادگی کے باوجود جذبات کی شدّت ہے۔ تلسیؔ نے اپنے گیت کا منظر ملوڈرامٹک بنا دیا ہے۔ جذبات میں یہاں بھی شدّت ہے۔ لیکن ساتھ ہی برمھا اور شیو وغیرہ آسمان کی آڑ سے رام کے دُلار کا یہ منظر دیکھ رہے ہیں، تلسیؔ کا گیت بے مثل ہے دل کو چھوتا ہے۔ لیکن گیت کا رنگ سوؔر کی گوالن ماں کے یہاں زیادہ دلکش ہے۔ سوؔر کا گیت جیسے روز کی بات ہے۔ بعض دوسرے گیتوں میں سوؔر نے بھی برمھا اور شیو کو کرشن لیلاؤں کے منظر دکھائے ہیں۔

سوؔر کے کرشن سویرے جگائے جاتے ہیں، جگانے والی ہے جسودا:

जागो जागो हो गोपाल ।

नाहिं इतौ सोइयत सुनि सुत, प्रात परम सुचिकाल ॥

اے گوپال جاگو جاگو اتنا بھی نہیں سوتے بیٹا، سویرا بڑا مُبارک وقت ہے۔

फिर फिर जात निरखि मुख छिन छिन, सब गोपिन के बाल

बिन बिकसे कल कमल कोषाते, मनु मधुपनि की माल ॥

چھن چھن میں (تمھارا) مُکھ دیکھ کر گوپیوں کے بالک پھر پھر جاتے ہیں

بغیر کھلے کمل کے پھولوں سے بھوروں کی قطار اُڑ رہی ہے

(سورساگر دسم سکندھ ۸۲۵/۲۰۷)

تلسیؔ کے رام سویرے جگائے جاتے ہیں، یہاں جگانے والی کوشلیا ہے:

भोर भयो जागहु रघुनंदन । गत-व्यलीक भगतनि उर चंदन ॥

رگھونندن جاگو، سویرا ہو گیا، تم بے ریا بھگتوں کے سینے کا چندن ہو۔

ससिकर हीन छीन दुतितारे । तमचुर मुखर सुनहु मेरे प्यारे ॥

چاند پھیکا پڑ گیا ہے تارے دھُندلے ہو گئے ہیں، میرے پیارے سُنو مُرغ بول رہا ہے

बिकसित कंज कुमुद बिलखाने । लै पराग रस मधुप उड़ाने ॥

کمل کھِل رہے ہیں، کمد بند ہو رہے ہیں، بھونرے پھُولوں کا رس لے کر اُڑنے لگے

अनुज सखा सब बोलने आए । बंदिन्ह अति पुनीत गुन गाए ॥

بھائی اور دوست بُلانے آئے ہیں، ملازم تمھارے بیحد پاکیزہ گُن گا رہے ہیں

मन भावतो कलेऊ कीजै । तुलसी दास कँह जूठन दीजै ॥

دل پسند ناشتہ کیجیے (اور) تلسی داس کو جھوٹن دیجیے

(گیتاولی بال ۳۳)

دونوں گیتوں میں بیشتر حصہ بالکل یکساں ہے۔ سوؔر کے یہاں جسودا، کرشن کو اور تلسیؔ کے یہاں کوشلیا رام کو جگاتی ہے۔ سوؔر کے یہاں گوپیوں کے بچے تھوڑی تھوڑی دیر میں آتے ہیں اور کرشن کو سوتا دیکھ کر واپس جاتے ہیں۔ تلسی کے یہاں رام کے بھائی اور دوست انھیں بلانے آتے ہیں اور واپس جاتے ہیں۔ سوؔر نے جس طرح ناشگفتہ کملوں سے بھونروں کی قطار اُڑائی ہے۔ بالکل اسی طرح تلسیؔ کے یہاں بھی بھونرے کملوں سے اُڑ رہے ہیں تلسی کے یہاں یہ بات نئی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے رام سے ان کی جھوٹن مانگی ہے۔ یہ بات بھگتی بھاؤ رکھنے والوں کو مزہ دے جائے گی۔ لیکن تلسیؔ کے گیتوں کے مطالعے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے سوؔر سے کافی اِستفادہ کیا ہے۔

سوؔر اور تلسیؔ کے یہ چند گیت درج کر دیئے گئے ہیں۔ ان دونوں شاعروں کے مجموعی مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلسیؔ عالِم ہیں، سنسکرت الفاظ اور خیالات پر انھیں پوری قدرت ہے۔ وہ سنسکرت النکار بعض جگہ خود سنسکرت شاعروں سے بہتر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن شاعری سنسکرت نہیں ہے۔ میرے نزدیک بحیثیت شاعر سوؔر، تلسی سے زیادہ پُراثر، پُرکشش اور شیریں کلام ہیں۔ برج بھاشا میں تو سوؔر منفرد ہیں ہی، وہ ساری ہندی شاعری میں بھی جذبات نگاری، سادگی اور رومانیت میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ ایک نابینا شاعر اتنے حسین نظارے اور اتنا کچھ ہمیں دکھا سکتا ہے ذہن اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔

(بقایا صفحہ ۴۵ پر)

ہندوستان کا عظیم سنت کوی ۔ سُورداس

• طرفہ قریشی ناگپوری

کسی بھی زبان کا ادب ہو، اپنے ملک اپنے علاقے اور اپنے ماحول کی تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہوتا ہے۔ سماجی اور مذہبی یکجہتی کا علمبردار کہلاتا ہے۔ ہر زبان کے ادیب، شاعر، صحافی، فلاسفر اور محقق کو اس کی سج دھج اور جمالیات پر ناز اور اس سے قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ کوئی جبری کیفیت نہیں ہے، اس کے اپنے کلچر کا تقاضا ہے۔ ہر زبان کا قلمکار اپنی ادبی تخلیق کو دوسری زبان کے لٹریچر پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے۔

زبان کی تفریق اور بھید بھاؤ فورٹ ولیم کالج کلکتہ ہی کی پیداوار ہے۔ کسی بھی ملک و ماحول کا مزاج و مذاق زبان ہی کے ضمیر وخمیر سے بنتا ہے۔ ہر زبان کا ادب اپنے اندر وہ سب کچھ رکھتا ہے جسے انسانی معاشرہ چاہتا ہے۔

اگر اردو کا شاعر و ادیب یہ کہے کہ میری زبان اور میرا ہی ادب سب سے افضل و برتر ہے تو اس کے اس دعوے کو ادّعا پر ہی محمول کیا جائے گا اور ہندی مراٹھی، گجراتی یا ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے والی کسی بھی زبان کے کوی اور رچناکار کو یہ یقین ہو کہ اسی کی زبان کا لٹریچر سب کچھ ہے تو یہ بھی اس کی محض خوش فہمی و خود فریبی ہوگی۔ ہر ادیب، شاعر اور صحافی کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ پہلے انسان ہے اور بعد میں سب کچھ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نہایت ہی اونچے قوام اور احسن طریقے سے تخلیق فرمایا ہے۔ فہم و فراست، بلند اخلاقی اور انتہا درجہ کی پاکیزگی عطا فرمائی ہے۔ اس کے پہچاننے کے لئے کسی زنار و تسبیح کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنی بلند اخلاقی، خدا ترسی اور بھائی چارگی کی وجہ سے انسان مانا جاتا ہے۔

اگر اردو والوں کو اس پر فخر ہے کہ ان کی زبان کو امیر خسرو، شہنشاہِ دکن حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ، خواجہ شمس العشاق، خواجہ غریب نوازؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ، خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی جیسے خدا پرست صوفی شاعر اور ادیب ملے تو دوسری زبان والوں کو بھی اپنے رشیوں، بھگتوں اور سنتوں پر فخر ہے کہ انھوں نے بھی ان کی زبانوں سے خوب خوب پیار کیا ہے کیا میرا بائی، کالیداس، تلسی داس، کیشوداس اور سُورداس کی ادبی، قومی اور ملی خدمات سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے؟ ہمارے ملک کی یہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جن کا چھوڑا ہوا لٹریچر آج بھی فیض رسانِ خلائق اور ہم ہندوستانیوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

انھوں نے اپنے ادبی شہ پاروں کے ذریعے ہم انسانوں کو وہی تعلیم دی ہے جو مُسلم اکابر اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کے ادبی ذخیرے سے ہمیں ملتی ہے۔ کسی کا بھی لٹریچر ہو ہم کو ہر جگہ انسانیت اور خدا پرستی کا سبق دیتا ہے۔ صرف عمل کے راستے مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں موازنہ اور مقابلہ کی بات تحصیلِ حاصل ہوگی۔

اوپر کی عبارت کو میرے مضمون کی تمہید سمجھئے۔ اس وقت میرا موضوعِ سخن صرف "سُورداس" ہے۔ مجھے صرف انھیں کی پاکیزہ شخصیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ تاریخ کے اوراق ان کے شہ پاروں کو آفتاب کی کرنوں اور ماہتاب کی نور پاشیوں کی طرح اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں۔ انھیں آسمانِ سخن کا آفتاب کہا گیا ہے اور ان کی عظمت و برتری کا اعتراف ہر ہندوستانی ادیب، شاعر، صحافی اور محقق نے کیا ہے۔

سُورداس جی کی لافانی شہرت و عظمت اور پاکیزہ پیغام کا ذکر صرف ہندوستان ہی کا احاطہ گیر نہیں ہے۔ ان کی شاعری نے دوسرے ملکوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ مختلف زبانوں میں ان کے فکر و فن کو سراہا جا رہا ہے، اور ان کی رچناؤں کے ترجمے کئے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے فلاسفر، محقق اور صحافی ان کے اظہار برتری میں رطب اللسان ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے نہ صرف اپنی زبان برج بھاشا کا پرچار کیا ہے بلکہ عبد و معبود کی وابستگی اور خدمتِ خلق کی کئی گوشوں کی رنگ آمیزی بھی کی ہے۔ اگر تنگ دلی اور کوتاہ نظری سے کام نہ لیا جائے تو ہم انسانیت پرستوں کو، انھیں اردو و فارسی کے ممتاز، صاحبِ دل صوفی شعراء کے دوش بدوش بٹھانے کا پورا حق پہنچتا ہے۔

سُورداس کی زندگی کے حالات ہنوز اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان کی تاریخِ پیدائش کے بارے میں بھی محققین اور مورخین متفق و مطمئن نہیں ہیں، لیکن کثرتِ رائے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ وہ وکرمی سمت ۱۵۳۵ میں ایک سیہی نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو تغلق آباد دہلی کے نزدیک واقع ہے۔ وہ کس سماج سے تعلق رکھتے تھے اس کا بھی صحیح علم کسی

کو نہ ہو سکا۔ لیکن عام طور پر انھیں "سارسوت برہمن" کہا جاتا ہے اور ان کے والد کا نام پنڈت رام داس بتایا جاتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ پیدائشی نابینا تھے۔ لیکن انھوں نے اپنی شاعری میں مناظرِ قدرت کی جو عکاسی کی ہے اُسے دیکھ کر قطعی یقین نہیں ہوتا کہ وہ پیدائشی نابینا تھے۔ ان کا بچپن اپنے آبائی گاؤں میں گزرا اور جب سنِ شعور کو پہنچے تو آگرہ کے قریب "گؤ گھاٹ" جاکر اپنا مرگ چھالا بچھایا یعنی بھگوان کی تپسیہ میں مشغول ہو گئے اور یہیں ۱۵۶۵ء وکرمی سمت میں گرو ولبھ آچاریہ سے اپنا رشتۂ ارادت جوڑا، اور زندگی بھر اُن کی سیوا کرتے رہے۔ کچھ دنوں بعد اپنے گرو کے ساتھ "گووردھن" آگئے جو متھرا کے قریب واقع ہے۔ وہاں اسولی گاؤں میں "چندر سرور" کے پاس مستقل قیام فرمایا، اور "شری ناتھ جی" کے مندر میں کرشن بھگتی میں مصروف ہو گئے اور وہیں ۹۵ برس کی عمر میں ۱۶۴۰ وکرمی سمت میں انتقال فرمایا۔

سورداس کی شاعری سے اندازہ ہوتا ہے کہ ممدوح کی فکرِ شعر اوّل تا آخر کرشن بھگتی اور پاکیزہ نفسی کے مرکز و محور پر حال و قال اور تواجد فطرت کی گلوکار ہے۔ اُن کی شاعری میں پاکیزہ رومان بھی ہے اور اخلاقی بلندی بھی۔ انسانیت کا پرچار بھی ہے اور وحدت الوجود کی منظر کشی بھی۔ زبان کی چاشنی بھی ہے اور ادب کا فنی اُبھار بھی۔ فکر کی گہرائی بھی ہے اور مشاہدے کی وسعت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی زبان کے شعراء میں ان کی شاعری کو زیادہ مقبولیت اور انھیں بلند درجہ حاصل ہے۔

انھوں نے اپنی شاعری میں شری کرشن کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بڑے پُرکشش لہجے اور بڑی عقیدت کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ اور انھیں اپنے معبود کا درجہ دیا ہے۔ عوامی جذبات و احساسات کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ ان کی شاعری میں بچے، جوان، بوڑھے، مرد، عورت، سب کے فطری احساسات اور نفسیاتی پہلو کے بڑے صاف ستھرے نمونے ملتے ہیں۔ شری کرشن کے دیدار کے شوق کو انھوں نے اپنے دل میں جس پختگی کے ساتھ جگہ دی ہے اور رادھا اور گوپیوں کے جذباتِ محبت کی تصویر اپنے شعروں میں کھینچی ہے، ادبِ عالیہ میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ ان کے شعروں میں سماجی کُرید بھی ہے اور مذہبی عقائد کی جِنانُد بھی۔ رسم و روایاتِ قدیم کا اعادہ بھی ہے اور مختلف تہواروں، میلوں ٹھیلوں کا تفصیلی بیان بھی۔ شری کرشن سے اپنی رُوح کے بندھن کو کس عقیدت و محبت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو ؎

میرو من انت کہاں سُکھ پاوے
جیسے اُڑی جہاج کو "پچھی" پھری جہاج پر آوے

(یعنی میرا مَن کیسے سُکھ پائے گا، وہ تو اس پرندے کی مانند ہے جو سمندری جہاز پر سے اُڑتا ہے اور تھوڑی دیر میں وہیں واپس آجاتا ہے۔")

کمل نین کو چھانڈی مہاتم، اور دیوکون دھیاوے
پرم گنگ کو چھانڈی پیاسو درمتی کُوپ کھناوے

(یعنی "وہ کنول نین میں کرشن کی اہمیت کو نہ سمجھ کر دوسروں سے پریم کرتا ہے۔ جیسے پوتر گنگا کے متبرک پانی کو چھوڑ کر بیوقوف خود کنواں کھودنا شروع کر دیتا ہے۔")

جیہیں مدھوم اُنج رس چکھیو کیونکر بل پھل بھاوے
سورداس پربھو کام دھنبو تجی چھیری کون دُہاوے

("یا میٹھے پھل چھوڑ کر کڑوے پھل چکھنے میں لگ جاتا ہے۔ سورداس بھی اسی طرح کام دھینو گائے کو چھوڑ کر ایک معمولی گائے کو دوہنے میں لگا ہے۔")

سورداس نے جس محبت و عقیدت اور شگفتگی کے ساتھ شری کرشن کی اُلوہیت کا ذکر کیا ہے اور ان کی زندگی کے معاملات پر روشنی ڈالی ہے دوسروں کے یہاں شاید نفی کے برابر ہے۔ دوسری زبانوں میں بھی یہ اسلوب، یہ خلوص اور یہ انداز مشکل سے ملے گا۔

سورداس کے ذہن و فکر نے انسانی زندگی کے کئی گوشوں کی بڑی ندرت اور رنگینیوں کے ساتھ نقاب کشائی کی ہے۔ اُن کی رچناؤں میں وہ سب کچھ ہے جن کے سہارے انسان اپنی زندگی کے ہر نشیب و فراز سے گزر کر اپنے معبودِ حقیقی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور ایک تقدّس آمیز وابستگی کا دعویدار بن جاتا ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ انھوں نے انسانی حیات کے ہر موضوع کو اپنے توسنِ فکر کی جولاں گاہ بنایا ہے۔ انھوں نے کئی رچنائیں لکھی ہیں۔ اُن کی رچناؤں میں "سورساگر" کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انھوں نے اپنی کرشن بھگتی کی بھرپور عکاسی کی ہے۔

سورداس کو دنیا سے پردہ کئے ہوئے کم و بیش پانچ سو سال ہو گئے ہیں لیکن ان کا نام اور ان کے فن پارے آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ وہ برج بھاشا کے عظیم ترین شاعر تھے۔ انھوں نے جمالِ فطرت کی عجیب عجیب رُوپ سے منظر کشی کی ہے۔ "پران پیاری"۔ "بانسری لیلا"۔ "رادھا رس کیلی کوتک"۔ وغیرہ ایسی رچنائیں ہیں جن میں ان کا رومان آکاش کو چھوتا نظر آتا ہے۔ "رامائن"۔ اور۔ رام لیلا کے پد"۔ اُن کی شاعری کے مقدس کارنامے ہیں۔

انھوں نے گوپیوں اور شری کرشن کی راس لیلا اور ہجر و وصال کے بیان میں اپنے والہانہ تاثرات اس طرح پیش کئے ہیں کہ قاری کچھ دیر کے لئے مجسمۂ حیرت بن جاتا ہے۔ ایک جگہ کرشن کے فراق میں گوپیوں کی بے چینی اور اضطراب کو یوں ظاہر کرتے ہیں ؎

نسی دن برست نین ہمارے
سدا رہتی برکھا رتو ہم پر جب تیں سیام سدھارے

درگ انجن نہ رہت نسی باسر، کرکیوں بھے کور
کنچو کی بٹ سوکھت ناہیں کبھو ہوں، اُر بچ بہت پنارے
آنسو سلسل سے بھئی کایا پل نہ جات رس توڑ
سوُرداس پربھو یہ پریکھو، گوکل کا ہے بسارے

[" ہماری آنکھیں ہر وقت آنسو بہاتی ہیں۔ جب سے کرشن یہاں سے گئے ہیں۔ ہمارے لئے ہمیشہ برسات کا موسم لگا رہتا ہے، آنسوؤں سے کاجل دھل کر ہمارے رُخسار سیاہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے آنچل کبھی سوکھ ہی نہیں رہے۔ ہماری چھاتی میں جیسے ایک نالہ بہہ رہا ہو۔ ہمارا جسم آنسوؤں سے شرابور ہے۔ سوُرداس کہتے ہیں اے کرشن، تم گوکل چھوڑ کر کیوں چلے گئے"۔]

شری کرشن سے گوپیوں کی والہانہ محبت کو ایک جگہ یوں بھی بیان کیا ہے ؎

"لوچن رُوم رُوم اَتی مانگو"

("کرشن اتنے حسین ہیں کہ گوپیاں اپنے جسم کے ایک ایک مسَام میں آنکھ چاہتی ہیں اور پھر پلک جھپکنا نہیں چاہتیں")

دنیا میں بچوں کی ضد جسے "بال ہٹ" کہا جاتا ہے، بہت مشہور ہے۔ کبھی کبھی بچے اپنے ماں باپ کے سامنے ایسی ضدیں بھی کرتے ہیں کہ والدین دیر تک مزا لیتے ہیں۔ بالخصوص ماں کے ساتھ بچے کی ضد تو کوئی نئی بات ہے ہی نہیں۔

ایک مرتبہ کرشن کی والدہ "یشودھا" گائے کا دوُدھ دوہنے کے لئے جب آنگن میں آئیں تو کرشن بھی وہاں پہنچ گئے۔ یہ اُن کی بڑی ہی کمسنی کا زمانہ تھا، ماں سے ضد کرنے لگے کہ آج دوُدھ ہم دوہیں گے۔ ماں نے انھیں بہت روکا لیکن وہ نہ مانے اور دوُدھ دوہنے بیٹھ گئے۔ ماں چپ یہ تماشا دیکھنے لگیں ــــ پوچھا "تمھیں دوُدھ دوہنا کس نے سکھایا؟" اس کا جواب سوُرداس کی زبان سے سُنئے ؎

تیرے من پرتیت نہ آوے، دوہن انگرین بھاؤ بتایو
انگری مات دیکھی جبنی تب، ہنسی کے سیام ہیں کنٹھ لگایو

[" مجھے تو گائے دوہنا بابا نے سکھایا ہے۔ وہ انگلیوں سے ماں کو بتاتے ہیں کہ کس طرح گائے کو دوہا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر ان کی ماں یشودھا ہنس کر انھیں گلے سے لگا لیتی ہیں"]

اکثر مائیں اپنے بچوں کو پالنے میں جھُلاتی ہیں اور روحانی لطف حاصل کرتی ہیں۔ اس وقت جو کیف و سُرور ماؤں کو ملتا ہے اس کا خاکہ سوُرداس نے اپنے مندرجہ ذیل شعروں میں کس طرح کھینچا ہے، ملاحظہ ہو ــ یشودھا اپنے لختِ جگر کرشن کا پالنا جھُلا رہی ہیں ؎

جسودھا ہری پالنے جھُلاوے
ہراوے، دلرائی مُلہاوے جوئی سوئی کچھ گاوے
میرے لال کو آؤ نندریا کاہیں نہ آئی سوہاوے
تو کاہیں ناہیں بیگہنی آوے، تو کوں کاہن بلاوے
کب ہوتک پلک ہری موند لیت کبھو اُدھر پھر کاوے
سوت جانی مون ہوے کے رہی، کری کری سین بتاوے
ای ہیں انترا کلائی اُٹھے ہری جھومتی مدھر یں گاوے
جو سُکھ سوُرداس امر منی ورلبھ سو نند بھامنی پاوے

["یشودھا، کرشن کو پالنے میں سُلا کر انھیں لوری گا کر سُلا رہی ہیں وہ کرشن کا دُلار کر رہی ہیں اور دھیرے دھیرے پریم میں مگن ہو کر گیت گا رہی ہیں کہ اے نیند تو جلدی سے کیوں نہیں آ جاتی میرا لال تجھے بلا رہا ہے۔ پالنے میں سوئے کرشن کبھی اپنی پلکیں بند کر لیتے ہیں اور کبھی اُن کے ہونٹ پھڑ پھڑاتے ہیں۔ ان کو سویا جان کر یشودھا چپ ہو جاتی ہیں اور اشاروں میں بات کرتی ہیں جیسے ہی کرشن تھوڑے ہلتے جُلتے ہیں یشودھا اپنا مدھُر گیت پھر شروع کر دیتی ہیں۔ اے سوُرداس اس طرح جو سُکھ بڑے بڑے رشیوں کو نہیں ملتا وہ یشودھا کو مل رہا ہے"]

سوُرداس جی کی رچناؤں کا تجزیہ کرنے، ان کے پیغام کو سمجھنے، ان کی زندگی کے نشیب و فراز کو جاننے اور ان کی ایشور بھکتی کے ماحصل کا پتہ لگانے کے لئے ایک مدّتِ مدید درکار ہے۔

●●

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر کریں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

(ادارہ)

مہاکوی سورداس اور مغل شہنشاہ اکبر

• ہارون رشید (علیگ)

ہندی ادب میں ۱۴۰۰ء سے ۱۶۰۰ء کا زمانہ بھگتی کال کہلاتا ہے۔ بھگتی کال گیان بھگتی، رام بھگتی اور کرشن بھگتی پر مشتمل تھا۔ بہت سے بھگت شاعروں نے ہی دور میں ہندی ادب اور فکر میں نئی راہیں تلاش کیں۔ کبیر داس نے سکندر لودھی کے زمانے میں ذات پات اور اونچ نیچ کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے گیتوں میں وحدانیت کا پیغام دیا۔ ہندی ادب کے سورج اور چاند یعنی سورداس اور تلسی داس نے کرشن اور رام کی تعلیمات کو بھجن کی صورت میں گھر گھر پہنچایا اور ہندو دھرم کو استحکام بخشا۔ ساہتیہ اور سماج کا اتنا خوبصورت سنگم شاید ہی کسی دور میں دیکھا گیا ہو

مشہور ہندی داں پروفیسر ہربنس لال شرما نے اپنی کتاب "سور اور ان کا ساہتیہ" میں حقیقت شناسی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے :-

"تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤالدین خلجی نے اپنے زمانے کے ملا اور مولویوں سے متاثر ہو کر مذہبی حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ سیاسی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے اس نے یقیناً سخت اقدامات کئے تھے لیکن اس کا مذہب سے واسطہ نہ تھا۔ گناہ کرنے پر ہندو مسلمان دونوں ہی عذاب کا شکار ہوتے تھے۔ اسلام کے لئے بھی کوئی رو رعایت نہ تھی۔ پٹھانوں کے دور حکومت میں بھی ہندو دھرم پر کوئی آنچ نہ آئی۔ شیر شاہ سوری ہندو یا مسلمانوں کو برابر سمجھتا تھا اور ہندو علماء کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اکبر کے زمانے میں تو حالات نہایت سازگار ہو گئے۔"

مہاکوی سورداس کی پیدائش بہلول لودھی کے زمانے میں ہوئی تھی اور شہنشاہ اکبر کے زمانے میں انھوں نے دنیا کو خیرباد کہا تھا۔ یوں تو سورداس کی زندگی پر سو سے زائد کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن ان کی پیدائش کا کون سا سال تھا، اس کے متعلق قطعی طور پر کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا ہے۔ پھر بھی اب تک کی کھوج اور ریسرچ کی مدد سے ان کا سال پیدائش ۱۴۷۸ء اور سال وفات ۱۵۸۳ء تسلیم کیا گیا ہے۔ سورداس جتنے دنوں بھی بقید حیات رہے دلی انقلابات، تغیرات کی آماجگاہ بنی رہی۔ جن بادشاہوں نے سنگھاسن

تو :

حکومت سنبھالا ان کے ناموں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :

بادشاہ	حکومت کا دور
بہلول لودھی	۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۸ء
سکندر لودھی	۱۴۸۸ء سے ۱۵۱۷ء
ابراہیم لودھی	۱۵۱۷ء سے ۱۵۲۶ء
بابر	۱۵۲۶ء سے ۱۵۳۰ء
ہمایوں	۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۰ء
شیر شاہ سوری	۱۵۴۰ء سے ۱۵۴۵ء
ہمایوں	۱۵۵۵ء سے ۱۵۵۶ء
اکبر	۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء

اکبر اور سورداس کی ملاقات کا تذکرہ ہمیں تاریخ کی مختلف کتابوں میں ملتا ہے۔ آئین اکبری میں جس کا ترجمہ بلاک مین (Blockman) نے کیا ہے سورداس کے پتا رام داس کا بیان ہے۔ انھیں دربار اکبری کا ایک مغنی بتلایا گیا ہے اور ان کے لڑکے سورداس کا بھی دربار میں آنے جانے کا تذکرہ ہے۔

"منشآت ابوالفضل" ابوالفضل کے لکھے ہوئے خطوں کا مجموعہ ہے۔ ۱۶۰۶ء میں عبدالصمد نے ان خطوط کو یکجا کیا تھا۔ اس میں سورداس کے نام ایک خط ہے جس میں انھیں پریاگ آنے کے لئے کہا گیا ہے تاکہ وہ اکبر سے ملاقات کر سکیں۔ سورداس نے دربار میں یہ شکایت پہنچائی تھی کہ بنارس کا کروڑی انھیں پریشان کیا کرتا ہے۔ مشہور ہندی ادیب رادھا کرشن داس کا کہنا ہے کہ سور، اکبر ملاقات پریاگ میں ہی ہوئی تھی۔ لیکن محققین کی اکثریت اس سے انکار کرتی ہے کیوں کہ اکبر ۱۵۸۳ء میں پریاگ گیا تھا۔ اس وقت سورداس کی عمر ۱۰۰ سال سے اوپر ہو چکی تھی اور اکبر جیسے علم دوست سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اس نے سورداس کو ضعیفی کے عالم میں پریاگ آنے کے لئے کہا ہوگا۔

اکبر کے دربار میں مذہبی بحث و نظر کا آغاز ۱۵۷۵ء میں ہوا۔ ابتدا میں اس بحث میں صرف مسلمان شریک ہوا کرتے تھے۔ بعد ازاں ہندوؤں، جینیوں، زرتشتیوں، صابیوں اور عیسائیوں کو بھی مدعو کر لیا گیا۔ گوا سے پرتگیز یسوعی انٹونیو مونسرات (Antonio Monserrate) اور راڈلفو اکوا ویوا

(Rudulph Aquaviva) کو بھی بلایا گیا تھا۔ ۱۵۸۲ء میں اکبر نے اپنا مذہب دینِ الٰہی جاری کیا تھا۔ اس وقت سورداس کی شہرت گھر گھر پھیل گئی تھی۔ اور یہ ناممکن تھا کہ اکبر ان سے بے خبر رہتا۔ ویسے ہی اکبر نے ایک خصوصی فرمان کے ذریعہ گوسوامی وٹھل ناتھ کو جو سورداس کے گرو مہاپربھو ولبھ چاریہ کے لڑکے تھے، گوکل میں رہنے کی اجازت دی تھی۔ ایک اور دوسرے فرمان کے ذریعہ وٹھل ناتھ کو جاگیر کی کسی بھی زمین پر گائیں چرانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں اکبر نے ایک اور مشہور سنت کبھن داس سے فتحپور سیکری میں ملاقات کی تھی۔

"چوراسی وشنوان کی وارتا" चौरासी वैष्णवन की वार्ता کے تیسرے باب میں اکبر سور ملاقات کا بیان ہے۔ اسی طرح सूर निर्णय کے مصنفین نے بھی لکھا ہے کہ اکبر سور ملاقات متھرا میں ہوئی تھی۔ اکبر نے سب سے پہلے سنگیت سمراٹ تان سین سے سورداس کا بھگتی گیت سنا تھا۔ اس صورت میں یہ ملاقات ۱۵۶۳ء کے بعد ہوئی ہوگی کیوں کہ اسی سال تان سین نورتنوں میں شامل کئے گئے تھے۔ بھجن سننے کے بعد اکبر نے سورداس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ کہتے ہیں اکبر نے مہاکوی کو گوردھن میں تلاش کروایا تھا لیکن اس وقت وہ متھرا میں موجود تھے۔ متھرا میں اکبر نے سورداس سے ملاقات کے دوران ان کا بھگتی گیت سننا چاہا تھا۔ سورداس نے یہ مشہور بھجن سنایا تھا۔

मन रे माधव सौं करि प्रीति
काम-क्रोध-मद-लोभ-मोह तू, छाँड़ि सबै बिपरीति।

یعنی۔ اے میرے دل مادھو سے پریت کرنے کیلئے ہوس، غصہ، لالچ، مستی اور موہ چھوڑ دے یہ سب محبت کے خلاف ہیں۔

اکبر سورداس کا کلام سن کر بے حد متاثر ہوا اور ان سے کہنے لگا کہ مجھے خدا نے اتنی عظیم سلطنت عطا کی ہے سب میری تعریف کے گیت گاتے ہیں آپ بھی کچھ گائیے۔

اکبر کی فرمائش پر سورداس نے یہ بھجن سنایا تھا:

नाहिन रह्यो मन में ठौर

یعنی میرے دل میں اب کسی اور کے لئے جگہ نہیں ہے (سوائے کرشن) اس گیت کا آخری مصرع یوں تھا۔

सूर ऐसे दरस को ए मरत लोचन प्यासे।

کرشن کے دیدار کے لئے آنکھیں پیاس سے مر رہی ہیں۔

یہ سن کر اکبر نے سورداس سے کہا تھا کہ تمہارے لوچن (آنکھیں) تو نہیں ہیں پھر پیاسی کیسے مر رہی ہیں۔

بھاؤ پرکاش میں شری ہری رائے نے لکھا ہے کہ اکبر نے سورداس کو کئی گاؤں اور کثیر دولت دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن سورداس اس پر راضی نہیں ہوئے اور اکبر سے کہا تھا کہ وہ آئندہ ان سے ملاقات نہ کرے۔ جب اکبر متھرا سے آگرہ لوٹا، تو وہ سورداس کے گیتوں کا دیوانہ ہو چکا تھا۔ اس نے سورداس کے کلام کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ کہتے ہیں کہ بہت سے لالچی اکبر کے دربار میں حاضر ہوتے اور اپنے کلام کو سورداس جی کی تخلیق بتا کر انعام حاصل کرتے تھے۔ بعد ازاں اکبر نے سورداس کے اصل کلام کی ایک کسوٹی معلوم کر لی تھی۔ وہ کاغذات جن پر سورداس کے بھجن لکھے ہوئے ہوتے تھے پانی میں ڈالنے کے بعد بھی نم نہیں ہوتے تھے۔

"چوراسی وارتا" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغل شہنشاہ نے دلی سے آگرہ جاتے ہوئے متھرا میں سورداس سے ملاقات کی تھی۔ ڈاکٹر دین دیال گپت کا اندازہ ہے کہ یہ ملاقات ۱۵۷۵ء سے ۱۵۸۲ء کے درمیان ہوئی تھی۔ زیادہ ممکن یہی ہے کہ ملاقات اکبر کے ۱۵۷۹ء کے اجمیر سفر کے دوران ہوئی ہوگی۔ کیوں کہ اس وقت اکبر کے دربار میں علماء کا مباحثہ شروع ہو چکا تھا۔ سور نرنے सूर निर्णय میں ملاقات کا سال ۱۵۶۶ء درج ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں لگتا۔ کیوں کہ اس وقت اکبر کے مذہبی خیالات میں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ونسنٹ اسمتھ نے اپنی کتاب "اکبر دی گریٹ مغل" میں لکھا ہے۔

"...۱۵۷۴ء سے ۱۵۸۲ء کے درمیان اکبر کے مذہبی خیالات میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی اور اسلام کے بنیادی مسائل سے اس کا دھیان ہٹتا چلا گیا۔

بہرحال اتنا یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اکبر اجمیر سفر کے دوران دلی سے آگرہ لوٹتے ہوئے سورداس سے ملا تھا۔ کیونکہ اس وقت اجمیر کا سفر دلی سے گزرتے ہوئے ہوتا تھا۔ اور اکبر آخری بار ۱۵۷۹ء میں اجمیر گیا تھا۔ اگر सूर निर्णय کی بات مانی جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ۱۵۶۶ء میں اکبر سورداس سے خاص ملاقات کے لئے ہی متھرا گیا ہوگا۔ کیوں کہ "اکبر نامہ" کے مطابق اجمیر شریف کا سفر ۱۵۶۸ء سے شروع ہوا تھا۔

متھرا ملاقات کے تذکرے کے علاوہ ہندی کی پرانی کتابوں میں اکبر اور سورداس

(بقایا صفحہ ۵۴ پر)

سوُرداس

زندگی اور کارنامے

مصوّر: نریندر وچارے

ہندی ادب آکاش کے آفتاب، سورداس پانچ سو سال قبل ۱۵۳۵ میں (۱۴۷۸ء) دیساکھ سود نجمی کے دن پیدا ہوئے۔ ادب، موسیقی اور آرٹ میں آپ کا حصّہ بڑا شاندار رہے۔

سُورداس نے بالم گڑھ کے قریب واقع مقام 'سیہی' میں جنم لیا۔ وہ ایک غریب سرسوت برہمن کے چوتھے بیٹے تھے۔ بلاشبہ وہ نابینا تھے لیکن یقینی طور سے یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آیا وہ جنم ہی سے نابینا تھے یا زندگی میں آگے چل کر ان کی بینائی جاتی رہی۔ بہرحال اس میں کلام نہیں کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اس کائنات کا ایسا سچا اور حسین نقشہ کھینچا ہے جو چشمِ بینا ہی کرسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سُورداس، سری ناتھ جی کی پرستش میں مگن رہے۔

انتہائی مفلسی کے باعث نابینا سورداس کے گھر والے انھیں بوجھ سمجھنے لگے۔ قدرتی طور سے وہ ماں باپ کی محبت، وشفقت سے محروم رہے۔ گھر میں اس سلوک سے نراش ہوکر نوعمر سورداس گھر سے نکل پڑے، ایک لاٹھی کے سہارے سیہی کے قریب ہی دوسرے گاؤں پہنچے اور وہاں رہنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت سورداس جوتشی تھے۔ اُن کی پیشین گوئیاں صحیح نکلتی تھیں۔ آس پاس کے گاؤں سے بہت سے لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے۔ وہ انھیں اناج اور کپڑے پیش کرتے۔ اس طرح ان کا گھر دنیاوی سامانِ راحت سے بھر گیا۔

سورداس اچھی نسل ذات، فطری ذہانت وفراست، نیک سیرت اور خصلت کے مالک تھے۔ ان ہی اعلیٰ صفات کی بنا پر انھوں نے نوعمری ہی میں مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ ساز اور آواز دونوں طرح کے سنگیت میں انھوں نے خاص دلچسپی لی۔ ان کی آواز بڑی سُریلی تھی اور گانے کا شوق تھا۔ جب وہ اپنی سُریلی اور مدھ بھری آواز میں گاتے تو سُننے والے مگن ہو جاتے۔ آپ کی نظموں میں پریم، محبت، جدائی اور برہا کا بیان بڑا پُراثر ہے

*****

سورداس نے غربت اور ماں باپ کے ناروا سلوک سے نراش ہوکر گھر چھوڑ دیا۔

ایک دن سورداس کے دل میں یہ خیال آیا کہ انھوں نے گھر تو اس لئے چھوڑا تھا کہ دنیاداری ترک کر دیں اور بھگوان کی پوجا میں لگ جائیں لیکن دنیاوی عیش و عشرت میں پڑ کر وہ بھٹک گئے۔ اس خیال سے وہ بہت دکھی ہوئے اور سب عیش و عشرت چھوڑ کر برج بھومی چلے گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۸ سال تھی۔ اس طرح وہ صرف ۱۵۵۳ (ہندی سن وِکرم سمبت) تک سیہی اور آس پاس کے گاؤں میں رہے۔

سورداس وہاں سے متھرا اور متھرا سے 'گئوگھاٹ' گئے۔ جو متھرا آگرہ روڈ پر ہے۔ انھوں نے جمنا کے کنارے بڑی حسین اور پُرفضا جگہ ڈیرا ڈالا۔ وہ وہاں تقریباً بارہ سال رہے۔ وہ 'کرشن لیلا' کے بھگتی گیت گاتے تھے جو 'وِنَے پد' اور 'شرنگار رس' سے بھرے تھے۔ بہت سے لوگ ان کے 'اپدیش' سے فیضیاب ہوئے۔ سورداس 'سوامی جی' کے نام سے مشہور ہوئے۔ بہت سے لوگ ان کے عقیدت مند اور چیلے بن گئے۔

★★★★★

سورداس نے گئوگھاٹ پر 'پشٹی سمپردایہ' کے مہاپربھو ولبھ اچاریہ سے 'دکشا' لی۔

لگ بھگ ۱۵۶۷ (ہندی سن وِکرم سمبت) میں پشٹی سمپردایہ کے پرورتک ولبھ اچاریہ گؤ گھاٹ آئے۔ ان کی شہرت سورداس کے کان میں پڑ چکی تھی، وہ ان کے پاس پہنچے اور اپنے 'دوہے' انھیں گا کر سنائے۔ سورداس ان کی علمیت اور شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور ان کے سمپردایہ میں شامل ہو گئے۔ اپنے گرو کے ارشاد پر وہ بھگوان شری کرشن کے گیت گانے لگے۔

ولبھ اچاریہ، سورداس کو اپنے ساتھ لے گئے۔ گووردھن پہنچ کر انھوں نے سورداس کو شری ناتھ جی مندر کا 'کیرتن کار' بنا دیا۔

★★★★★

• مُرلی کی مدھر تان سن کر برہ کی ماری گوپیاں دوڑی دوڑی کرشن کے پاس آئیں۔ کرشن نے ان سے کہا کہ وہ شانت رہیں۔

لومی راج

سورداس نے ۱۵۱۸ کے دوران ۳۲ سال کی عمر میں شری ناتھ جی مندر میں کیرتن کرنا شروع کیا۔ اپنے کیرتن میں انھوں نے بہت سے گیت اور نظمیں کہیں۔ ۱۶۲۹ (سموت تیسرا) میں پارا سولی کے مقام پر ہندی ادب کے آفتاب و مہتاب۔ سورداس اور تلسی داس ایک دوسرے سے ملے۔ یہ ملاقات سورداس کے گھر پر ہوئی۔ اس وقت سورداس کی عمر کافی ہو چکی تھی اور آپ کئی گیت اور نظمیں لکھ چکے تھے جبکہ تلسی داس ابھی جوان تھے اور نظمیں کہنی شروع کی تھیں۔

★★★★

سورداس جی نے ۳۲ سال کی عمر میں شری ناتھ جی مندر میں کیرتن شروع کیا۔

پاراسولی شری ناتھ جی مندر کے قریب واقع تھا، جہاں سورداس رہا کرتے تھے۔ ان کا روزمرہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے کیرتن کے لئے مندر جایا کرتے اور شام کو پاراسولی واپس لوٹتے۔ ولبھ اچاریہ، وٹھل ناتھ جی کا لڑکا جب "پشتی سمپردایہ" کا اچاریہ بنا تو اس نے شری ناتھ جی کی پرستش اور عام کردی۔ ۱۶۰۲ (سن دتسرا) میں اس نے "سمپردایہ" کے لئے آٹھ موسیقاروں پر مشتمل ایک حلقہ قائم کیا جو بعد میں 'آشٹہ چاپ' کے نام سے مشہور ہوا۔ سورداس کو 'آشٹہ چاپ' کا قائد بنایا گیا۔

۱۶۰۲ میں سورداس نے دو کتابیں، "سراولی اور "سیوا پھل" تصنیف کیں۔

★★

جب گوسوامی تلسی داس اپنے چھوٹے بھائی نند داس سے ملنے آئے تو آپ نے سورداس سے بھی ملاقات کی:

قومی راج
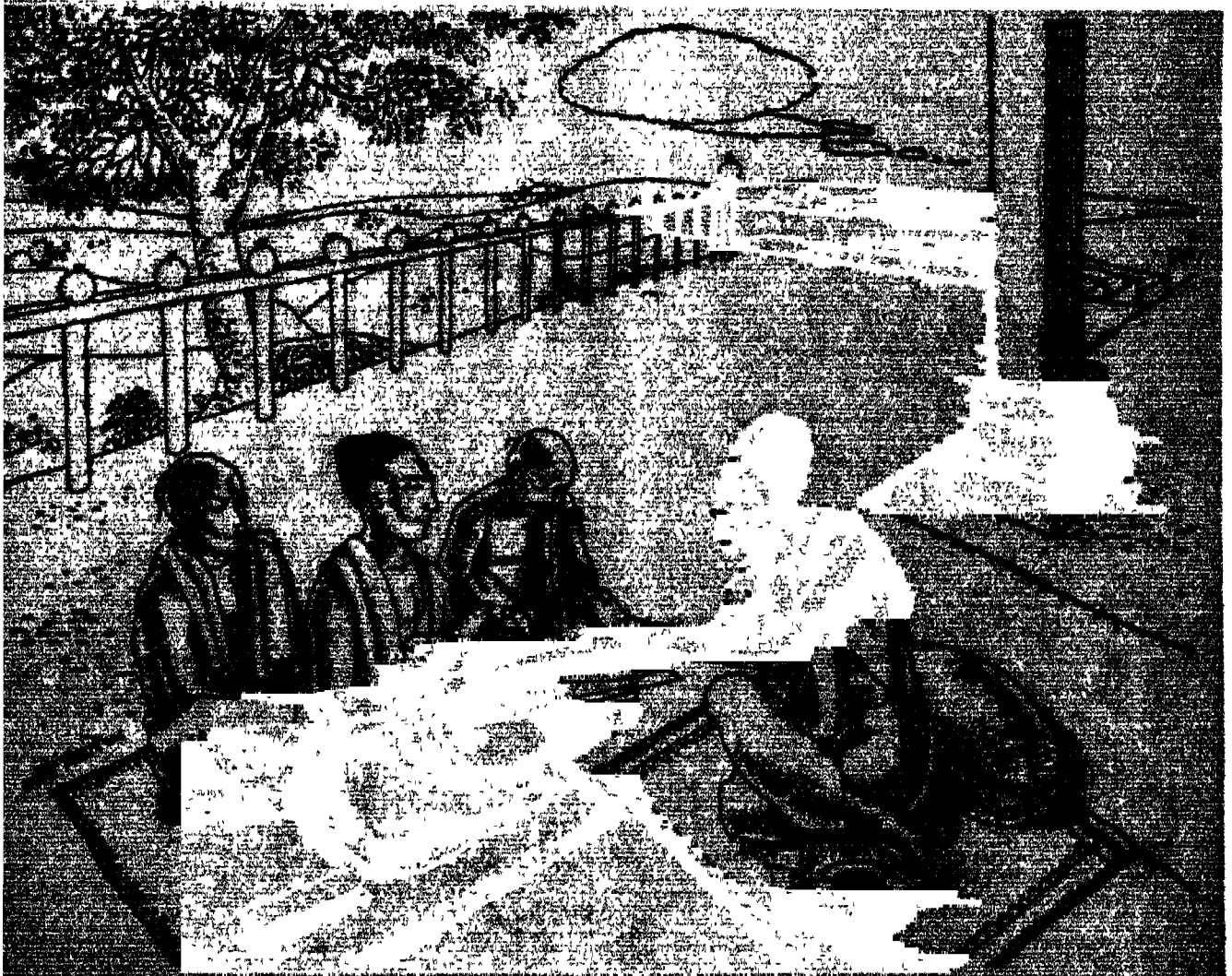
سوُرداس کا سنگیت دور و نزدیک مشہوُر ہو چکا تھا۔ کئی گوّیوں نے سوُرداس کے ترتیب دیئے ہوئے نغمے گانے شروع کئے۔ ایک دفعہ تان سین نے اکبر بادشاہ کے سامنے سورداس کا نغمہ گایا۔ اکبر بادشاہ اس گیت کو سُنکر بہت خوش ہوئے اور سوُرداس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ ۱۶۲۳ء سن (ونسرا) میں اکبر بادشاہ کسی کام سے متھرا آئے۔ سوُرداس بھی وہیں مقیم تھے۔ اکبر بادشاہ کے اصرار پر سوُرداس نے مشہوُر پند" سورچبیسی" کی بنیاد پر ترتیب دیا ہوا گیت سُنایا۔

پاراسولی - گوردھن میں اپنے ۷۲ سالہ طویل قیام کے دوران سوُرداس نے شری ناتھ جی کے یہاں اپنے کئی گیت گائے۔ اپنی ۱۰۵ سالہ زندگی کے دوران قریباً ایک لاکھ "پد" ترتیب دیئے۔

★★★★★

سوُرداس کی شہرت ملک کے چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ کئی مانے ہوئے گوّیئے، سورداس کے نغمے گایا کرتے تھے۔ اکبر بادشاہ بھی ان کے گانوں سے متاثر ہوئے، اور متھرا میں سوُرداس جی سے ملاقات کی۔ سوُرداس نے مشہوُر پند "سوُر چبیسی" کی بنیاد پر ترتیب دیا ہوا ایک گیت اکبر بادشاہ کو سُنایا۔
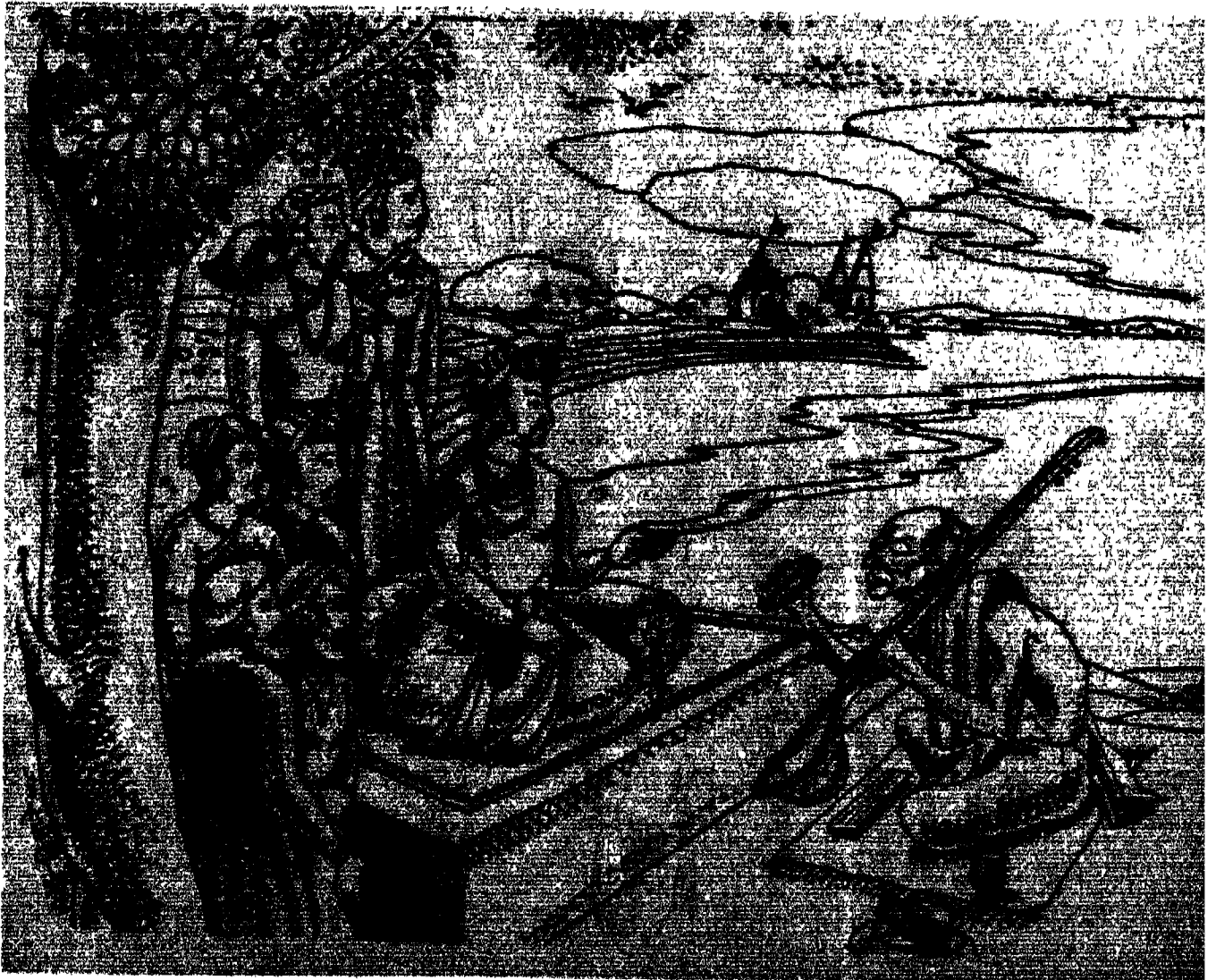
جب سورداس کو محسوس ہوا کہ وہ اب کافی عرصہ تک عبادت کر چکے ہیں اور اب اس دنیا کو خیرباد کہنے کا وقت آگیا ہے، تو انھوں نے شری ناتھ جی مندر کے جھنڈے کو، پرنام کیا اور مندر کے قریب ہی اپنے من میں گیان کی جوت لگائے ڈنڈوت کرتے ہوئے لیٹ گئے. جب گوسائی وٹھل ناتھ جی کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ اپنے چیلوں کے ساتھ فوراً سورداس کے پاس پہنچے اور ان کی خیریت دریافت کی ۔ تب ہی سورداس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور گوسائی وٹھل ناتھ جی کو الوداع کہا ۔

۱۶۴۰ (سن وکرما) میں سورداس بھگوان سری کرشن کے ساتھ ہو گئے ۔

۸

سورداس جی کی زندگی کے آخری لمحوں میں گوسوامی وٹھل ناتھ جی اپنے چیلوں کے ساتھ سورداس کو دیکھنے آئے. سورداس نے احترام سے سر جھکایا اور دم توڑ دیا۔

فیروز راج

بھگتی اور سُورداس

شمس کنول
۵۴۸۷/۸-۱۴۹ کنورنگر،
وکرولی (ایسٹ)، بمبئی ۴۰۰۰۸۳

تغیر و تبدّل (آگے بڑھنا اور کبھی کبھی تھوڑا پیچھے ہٹنا) انسانی تہذیب و تمدن کا ایک لازمی جُز ہے۔ کوئی ایسا خاص وقت آتا ہے کہ جب دنیا کے کسی خاص خطّے میں انسانوں کا ایک گروہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے ایک مخصوص تہذیب یا کلچر کی بُنیاد رکھتا ہے۔ سماج کے درجے ترتیب دیئے جاتے ہیں، آئین تخلیق کیا جاتا ہے، حکومت کرنے کا دستور بنایا جاتا ہے، سیاست کی پالیسی قائم کی جاتی ہے اور علوم و فنون کو فروغ دیا جاتا ہے۔ یعنی دو تین صدی میں وہ تہذیب و تمدّن کسی مخصوص نام یا حوالے سے پہچانا جانے لگتا ہے لیکن چند صدی تک وہ انسانی گروہ اس مخصوص تہذیب و تمدّن کے "زیر فرمان" رہ کر یہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ سماج میں اب اس کے لئے پھر تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اسے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ جس طرح انسان کے جوان ہونے پر اس کے بچپن کا لباس بیکار ہوجاتا ہے اسی طرح انسانی دماغ اور انسان کا اخلاق ترقی کرتے کرتے اپنے مروجہ تہذیب و تمدّن کی حد سے آگے نکل جاتا ہے مگر اپنے وقت کے تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر انسانی ذہن کے آگے نکل جانے کا احساس عوام کو نہیں ہوتا اور سچ تو یہ ہے کہ خواص کو بھی نہیں ہوتا بلکہ خواص میں پہلے چند ذی فہم، ذی حس اور روشن دماغ انسان قوم کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور اپنے سماج میں تبدیلی لانے کے لئے بےچین ہو اُٹھتے ہیں۔

انسان فطری طور پر اپنی عادات کا غلام ہے اور پھر اپنی عادات اور اپنے نظریات کا بدلنا آسان نہیں ہے بلکہ ذہنی اور جسمانی طور پر تکلیف دہ ہے۔ عوام نے ہمیشہ یہی سمجھا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے زندگی کے مسائل کو جس طرح حل کیا ہے وہی طریقہ ہمارے لئے بھی ٹھیک ہے، دنیا جو کل تھی وہی آج ہے اور آئندہ بھی ایسی ہی رہے گی۔ چنانچہ اصلاح کرنے والوں کو ہمیشہ عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تکالیف سہنا پڑتی ہیں اور بعض اوقات اپنی جان کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ صلیب پر چڑھائے گئے، حضرت محمدؐ کو جلا وطن ہونا پڑا اور سوامی دیانند کو زہر پینا پڑا۔

چونکہ تبدیلی اور اصلاح بتقاضائے فطرتِ انسانی اور قانونِ قدرت عمل میں آتی ہے اور مصلح قوم درحقیقت انسانیت کے دوست ہوتے ہیں اور انسانوں کے مخلص، اس لئے عوامی مخالفت اور ناسمجھوں کی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کے باوجود نئے خیالات و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ہوتی ہی رہتی ہے اور جو بھی سچا مُصلحِ قوم اچھی، مفید اور وقت کے مطابق کارآمد باتیں لے کر آتا ہے اس کے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے لیکن اکثر انسانوں کے اصلاح پسند گروہ صدیوں کی جدوجہد اور کشمکش کے بعد اپنی قوم کو کوئی نیا آئین، نیا دستورِ زندگی، نیا سماج یا نیا تہذیب و تمدن عطا کرتا پاتا ہے۔ دراصل ایک طویل بےچینی، کشمکش اور جدوجہد ہی کے نتیجے میں انسانی ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔

مذہب کا ارتقاء بھی اس کلیے سے خارج نہیں ہے۔

ویدوں اور شاستروں کے تخلیق کرنے والے رشی منی ہوں یا گوتم بدھ، مہاویر، شنکراچاریہ، رامانج، رامانند، کبیر، تلسی، نانک، چیتن، سورداس، راجا رام موہن رائے اور سوامی دیانند جیسے اصلاح پسند۔ دراصل سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

ہندوؤں میں عبادت کے عموماً تین طریقے رائج رہے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے دیوتا کی تعریف و توصیف بیان کرنا اور ثنا اور صفت کا ذکر کرنا اور پھر اس کے مندر میں اپنی ضرورتوں، حاجتوں اور خواہشوں کا اظہار کرنا۔ عبادت کا دوسرا طریقہ یگ ہے۔ یہ طریق عبادت ابتدا سے ہے اور آج تک ہے۔ یوں تو ہندو دھرم کے ہر ماننے والے کے لئے یگ کا کرنا ضروری تھا۔ مگر دولت مند ہندو یا ہندو راجا یگ کو انجام دینے میں بے شمار دولت صرف کرتے تھے جیسے 'راجسو یہ یگ' (جشن شاہنشاہی) یا 'اشومیدھ یگ' (جس میں گھوڑے کی قربانی دی جاتی تھی) راجا مہا راجہ ہی انجام دے سکتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں نے عبادت کا ایک تیسرا طریقہ بھی رائج کیا وہ تھا گیان کا طریقہ یعنی برہم گیان (علم الٰہی) کے ذریعے موکش (نجات) حاصل ہوسکتا ہے اور اپنے معبود حقیقی کو پہچانا جاسکتا ہے۔ چنانچہ گیان حاصل کرنے کے لئے تپ (ریاضت) کرنا ضروری ہوگیا اور تپ کرنے والے کو تپسوی کہا گیا۔

مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ہندوؤں کی عبادت کے طریقے اور مذہبی رسوم طویل، پیچیدہ اور گنجلک ہوتے گئے۔ عام دنیادار ہندو کے لئے ان کو انجام دینا مشکل ہوگیا۔ دیا روشن کرنا، قربانی کب اور کس طرح دینا، کس وقت کون سی دعا پڑھنا، پڑھنے کے لئے مختلف منتروں کو یاد رکھنا اور اسی طرح عبادت یا پوجا کے دوسرے ضابطوں اور قاعدوں کا دھیان رکھنا دنیا کے بکھیڑوں میں پڑے ہوئے عام ہندو کے لئے ناممکن تھا۔ اس مشکل نے برہمنوں کے گروہ کو پیدا کیا وہ سب کی طرف سے عبادت یا پوجا کا فرض انجام دینے لگے!

ایک انسان ہو یا بہت سے، ہوتا یہی ہے کہ اگر وہ کسی کام میں ماہر ہوجاتے ہیں تو ان میں غرور آجاتا ہے اور پھر وہ دوسروں کا استحصال کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ برہمنوں نے بھی ہندو دھرم کے سارے تقدس کو اپنی ہی ذات میں سمیٹ لیا اور دھرم کا راز دار بھی خود ہی کو سمجھنے لگے اور بھگوان کا خلیفہ بھی خود ہی کو قرار دے دیا۔ سولہویں صدی میں یورپ میں بھی ایسا ہی ہوا پاپائے روم بھی یہ دعویٰ کرنے لگے تھے کہ عیسائی مذہب کے ہر معاملے میں "میرا فیصلہ آخری ہے اور میرے فرمان کو نہ ماننا خدا کے حکم کی نافرمانی کرنا ہے!"

ہندوستان کے برہمنوں کا دعویٰ بھی تقریباً وہی تھا اور اس پر ذات پات کی تفریق اور تازیانہ تھا۔ جس طرح یورپ میں چند اصلاح پسندوں (جن کے لیڈر 'لوتھر' تھے) نے پادریوں کی انا کے خلاف پروٹسٹ (احتجاج) کیا اور نتیجے میں پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد پڑ گئی۔ بالکل اسی طرح ہندوستان میں بھی چند ہندو بھگتوں نے برہمنوں کی نخوت، گھمنڈ اور اجارہ داری کو چیلنج کیا!

آٹھویں صدی عیسوی سے ہندو دھرم کا نشاۃ ثانیہ شروع ہوا۔ شنکر اچاریہ نے دھرم کو نکھارنے اور سدھارنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کے وعظ کا بہت سے لوگوں پر اچھا اثر ہوا، سارے ملک میں ان کی نیک آواز گونج گئی۔ شنکر اچاریہ کے مشن نے شاستروں اور ویدوں کی عظمت کو بھی کم نہیں کیا اور لوگ مہا بھارت۔ اور رامائن کو بھی اور زیادہ محترم خیال کرنے لگے اور پرانے دیوی دیوتاؤں کی بہ نسبت رام اور کرشن کی زیادہ عزت کی جانے لگی۔ اسی تبدیلی نے بھگتی کے عقیدے کو رواج دیا۔ کرم، گیان اور ریاضت سے لوگ واقف تھے۔ اب بھگتی نے ان کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔

بارہویں صدی سے سترہویں صدی تک۔ جو بھی ہندو ریفارمر ہوئے انھوں نے بھگتی تحریک کو سراہا اور اسے آگے بڑھایا۔ شمالی ہند میں راما نند کے کبیر، تلسی اور سور جیسے چیلوں نے پنجاب میں نانک اور جنوب میں تکارام نے بھگتی تحریک کی تبلیغ و اشاعت میں بڑا کام انجام دیا۔ بھگتی تحریک کے بانی راما نج وشنو تھے اور اس تحریک کے اکثر دوسرے پیشوا بھی وشنو ہی ہوئے اس لئے اس تحریک کو انگریز مورخوں نے 'وشنو ازم' کہا ہے۔

دراصل بھگتی وہی چیز ہے جس کو صوفی ازم میں 'عشق الٰہی' کہا جاتا ہے۔ بھگت کو پوجا پاٹھ جیسے بکھیڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی، محبت کا جذبہ ہی اس کے لئے دونوں جہاں کا سرمایہ ہوتا ہے لیکن آواگون کی آزمائش سے اس کو بھی گزرنا پڑتا ہے مگر بھگتی ہی کے ذریعے وہ موکش (نجات) حاصل کرتا ہے اور بھگتی کا کیف و سرور اس کو اتنا عزیز ہوتا ہے کہ اس کے لئے وہ بلا جھجک دونوں جہاں کی قربانی دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ علمائے ظاہر اور علمائے باطن میں جو فرق ہے وہی دوسرے پنڈتوں اور وشنو بھگتوں میں ہے۔ وشنو بھگت قلب کی صفائی اور من کے پریم کو بڑی اہمیت دیتے ہیں ان کے نزدیک ظاہری پوجا پاٹھ اور یوگ کی ورزش کوئی معنے نہیں رکھتی، من کی سچائی اور پریم ہی اہم ہے۔ صاف دل اور طلب صادق ہی کے نتیجے میں ایشور مل سکتا ہے اگر دل صاف نہیں ہے تو مذہب کے اصول اور کٹھن ریاضت سب ہی بیکار ہے۔ نمائشی عبادت سے دنیا والے چاہے مرعوب ہوجائیں مگر ایشور خوش نہیں ہوتا۔

بھگتی کی وضاحت لفظوں کے ذریعے ممکن نہیں اور نہ منطقی دلائل ہی بھگتی کی ماہیت کو سمجھا سکتے ہیں دراصل کیف و سرور، خوشی و انبساط اور محویت کی کیفیت ہی کو بھگتی کہتے ہیں اور اس کو اپنے طور پر

تبھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب محبّت کے ولولے اور جوش کو دِلی جذبات اور قلبی واردات میں اس طرح تحلیل کر لیا جائے کہ دونوں کی پہچان ختم ہو جائے اور کسی غیر کے بتانے پر نہیں بلکہ اپنے ذاتی تجربے سے اپنے آپ پر عشقِ الٰہی کی حقیقت روشن ہو جائے۔ فارسی کے ایک شعر کا ایک مصرع اس بات کو اس طرح واضح کرتا ہے ع

آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اور اِس بات کو ایک پادری نے اس طرح کہا ہے کہ:

"Peace that passeth Understanding" یعنی آتما کی وہ شانتی اور سکونِ قلب جو ادراکِ انسانی سے بالاتر ہے جس نے اُس کو پالیا اُس نے سب کچھ پالیا۔

فن ہو یا کوئی سیاسی اِزم یا مذہب، دراصل وہ اپنے زمانے کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کے حالات ہی اس کو پروان چڑھاتے ہیں۔ مغل بادشاہ اکبر کے عہد میں بھگتی پروان چڑھی۔ اسی دور میں تلسی داس، گارنیش، کیشو داس، خان خاناں، رس خان، میرا، جلال الدین، تاج، جمال الدین، دلدار، دادو، وِدیاپتی، اسر داس اور سور داس جیسے بھگت اور بھگتی کے کوی پیدا ہوئے۔ اگرچہ خواص میں اس وقت کی رائج زبانیں سنسکرت، عربی، فارسی، ترکی اور ہندی تھیں مگر بھگتی کے اِن سبھی کویوں نے اپنا نیک پیغام عوام تک پہنچانے کے لئے لوک بھاشا ہی کو اپنا میڈیم بنایا۔

آیئے! اب سور داس کا ذکر کریں۔

لفظ "سوُر" فارسی بھی ہے اور سنسکرت بھی۔ فارسی "سوُر" کے معنی ہیں جشن، خوشی، سُرخ رنگ وغیرہ۔ اسی وجہ سے لالہ اور گلاب جیسے پھولوں کو "سوری" کہتے ہیں مگر سنسکرت لفظ "سوُر" کے معنی ہیں عالِم، فاضل، پنڈت، سورج وغیرہ، سرسوں کو بھی "سوُر" کہتے ہیں اور بُدھ مت کے ادبی پیشوا کا نام بھی 'سوُر' تھا۔ لغت میں سور داس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ سور داس ایک ہندی کوی تھے وہ گویّے بھی تھے چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے بعد میں ہر نابینا ہندو کو سوُر داس کہا جانے لگا یعنی جیسے مُسلمانوں میں نابینا مُسلمان کو اکثر حافظ جی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

تاریخی اعتبار سے سور داس کے صحیح سوانحی حالات بتانا مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ وہ ۱۵۳۵ وکرمی سمت میں شہر دہلی کے قریب 'سی ہی' (सीही) گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ آگرے اور متھرا کے درمیان اس زمانے میں جو گئو گھاٹ واقع تھا وہاں بیٹھ کر وہ گایا کرتے تھے۔ اسی گھاٹ پر سور داس کی ملاقات ولبھ اچاریہ سے ہوئی تھی۔ ولبھ اچاریہ نے ان کو گُنی جان کر اپنا چیلا بنالیا۔ عام قسم کا گانا گانے سے روکا اور ان کو کرشن جی کی بھگتی کا درس دیا۔

نتیجے میں سور داس، کرشن جی کے معتقد بن کر انہی کی زندگی کو موضوع بنا کر گانے لگے۔ کچھ عرصے بعد وہ اپنے گُرو کی ہدایت پر گوکل آگئے اور گوُوردھن پربت پر شری ناتھ کے مندر میں رہنے لگے۔ کہتے ہیں کہ بنارس کے قریب پارسولی گاؤں میں ان کا انتقال ہوا۔ سور داس کی زندگی کے بہت سے واقعات سے اکثر مورخوں کو اختلاف ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ ایک برہمن کے گھر میں پیدا ہوئے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ بچپن سے بڑھاپے تک سور داس ایک سنت ہی کی حیثیت سے زندگی گذارتے رہے۔ مگر بعض مورخوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ سور داس کچھ عرصہ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں محکمۂ مال میں تحصیلدار بھی رہے۔ ایک بار انھوں نے کل مالگذاری بندرابن کے موہن جی کے مندر کی نذر کر دی اور خالی صندوق کو پتھروں سے بھر کر شاہی خزانے بھیجدیا۔ اس جرم میں راجہ ٹوڈرمل نے انھیں قید کر دیا مگر بعد میں اکبر بادشاہ نے انھیں مجذوب جان کر معاف کر دیا اور رہا کر دیا۔

سور داس کے موضوع پر کئی ناٹک بھی لکھے گئے ہیں اور کئی بار فلمیں بھی بنی ہیں مگر ظاہر ہے کہ ناٹکوں اور فلموں میں سُور داس کی زندگی کو بہت حد تک افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ سور داس سے متعلق لکھے گئے ناٹکوں میں آغا حشر کشمیری اور پنڈت بیتاب کے ناٹکوں کو بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ آغا حشر نے اپنے ناٹک "بلوا منگل" میں بتایا ہے کہ بِلوا (سور داس) ایک امیر برہمن رام داس کا بیٹا ہے۔ چنتا آمنی نامی ایک وَیشیا پر وہ عاشق ہے۔ ایک رات جب بِلوا، چنتا آمنی سے ملاقات کے لئے روانہ ہوتا ہے تو راہ میں طوفان آجاتا ہے، دریا چڑھا ہوا ہے، گھپ اندھیرا ہے، موسلادھار بارش ہو رہی ہے کبھی کبھی بجلی کڑکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں۔ دریا میں بہتے ہوئے ایک تختے کی مدد سے بِلوا تیر کر پار ہو جاتا ہے۔ مگر چنتامنی کے مکان کا صدر دروازہ بند ہے، بِلوا مکان کے پچھواڑے پہنچتا ہے وہاں اُسے مکان کی ایک کھڑکی سے زمین تک ایک موٹی رسّی لٹکی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ بِلوا اس رسّی کے ذریعے چڑھ کر کھڑکی کے راستے سے چنتا آمنی کے مکان میں داخل ہوتا ہے، چنتامنی ایسی طوفانی رات میں بِلوا کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر متعجب ہوتی ہے۔ پوچھنے پر بِلوا بتاتا ہے کہ "ایک تختے کے سہارے میں نے طوفانی دریا پار کیا اور جو رسی تم نے لٹکا رکھی تھی، اس پر چڑھ کر اندر آیا!"

چنتامنی یہ سن کر اور زیادہ حیران ہوتی ہے اور پھر بِلوا سے کہتی ہے کہ "تم نے اپنی واسنا میں اندھے ہو کر جسے لکڑی کا تختہ سمجھا، دراصل وہ ایک انسان کی بہتی ہوئی لاش تھی اور جسے تم نے رسّی سمجھا وہ سانپ تھا۔ جتنی لَو

تم نے مجھ سے لگا رکھی ہے اگر اتنی لَو بھگوان سے لگاؤ تو سنت کہلاؤ!" چنتا کی یہ نصیحت بلوا کے دل میں اُتر گئی اور بلوا نے چنتا کو چھوڑ کر بھگوان کو اپنا لیا۔

آغا حشر کشمیری نے اپنے ناٹک "بلوا منگل" میں سورداس اور اُن کے باپ رام داس کے درمیان گفتگو کو اس طرح پیش کیا ہے:

(رام داس، بلوا کا باپ قریب المرگ ہے، بلوا جو چنتا منی نامی طوائف سے محبت کرتا ہے، گھر میں داخل ہوتا ہے)۔

رام داس: بلوا! آدمی کھیت بوتا ہے پھل کھانے کے لئے، سیوا کرتا ہے آرام پانے کے لئے، محبت کرتا ہے لابھ اُٹھانے کے لئے۔ اب تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ میں نے تمھیں پالا، دُکھ بیماری میں سنبھالا، تم کو آدمی بنانے کے لئے اپنے آپ کو مٹا ڈالا۔ اس کا تم نے کیا بدلا دیا؟ ان خدمتوں اور مہربانیوں کا مجھے کیا پرتی دان ملا؟

بلوا: تو مجھے ان مہربانیوں سے کب انکار ہے۔ میں مانتا ہوں کہ میرا بال بال آپ کا قرض دار ہے!

رام داس: تو پھر یہ قرض؟

بلوا: ضرور ادا کروں گا!

رام داس: کب؟ کس دن؟ کس طرح؟ کس چیز سے؟ دل تھا وہ اپونروچاروں کو اَرپن کیا، پیار تھا وہ ایک بازاری ویشیا کو دے ڈالا، دھرم تھا سو اَدھرم کو بھینٹ دیا۔ اب تمھارے پاس میرا قرض ادا کرنے کے لئے رکھا ہی کیا ہے، اگر کچھ ہے تو لاؤ دو، میں آج تم سے اپنی سیوا، اپنے پیار، اپنے اُپکار، ہر چیز کا بدلہ چاہتا ہوں!

بلوا: پھر؟

رام داس: اِدھر دیکھو! یہ بھارت کی ہندو لڑکی جس کی ذات میں پرماتما نے شکنتلا کی خوبصورتی، سیتا کا پتی ورت دھرم اور رادھا کا پریم جمع کر دیا ہے۔ اس کے لئے محبت کا برتاؤ اور اپنے لئے آگیا کارن سمجھاؤ!

بلوا: ایک چیز بغیر فریب کے دوسرے کے ہاتھوں میں نہیں آسکتی۔ جب تک یہ چنتا بن کر ان آنکھوں کو دھوکا نہ دے اس دل میں جگہ نہیں پاسکتی!

رام داس: چنتا، چنتا، چنتا! ارے وہی بازاری ویشیا، وہی دنیا کی قے، وہی ہزاروں منہ کا اُگلا ہوا نوالہ، وہی سیکڑوں کامی کتوں کی چچوڑی ہوئی ہڈی، جس کا اُت پات اور انت نرکھ ہے! جس کا ایشور روپیا، جس کا پیشہ بدکاری، جس کی زندگی بے شرمی۔ اس دُراچاری کے کارن اس ستی ناری کی طرف سے آنکھیں بند کرتا ہے، ہیرے کو ٹھوکر مار کر کنکر کو پسند کرتا ہے!

آغا حشر کے اسی ناٹک "بلوا منگل" میں بلوا اور اس کی محبوبہ چنتا کی بات چیت اس طرح پیش کی گئی ہے:

چنتا: سوچو اور انصاف کرو کہ جب برہمن جھوٹا کھانا اور دوسرے کا اُگلا ہوا نوالہ نہیں کھا سکتا تو ایک رنڈی کہ جس کی آنکھ، گال، ہونٹ، مُنھ، اَنگ اَنگ کو دوسروں نے جھوٹا کر چھوڑا ہے، جو ایسی ہڈی کی مانند ہے جس کو سیکڑوں کتوں نے چچوڑا ہے۔ شرم کرو بلوا! شرم کرو، دھن کے لئے دھرم کھونے والی، سنسار میں دُراچار پھیلانے والی، دروپدی اور سیتا جیسی دیویوں کو اپنے کھوٹے کاموں سے کلنک لگانے والی ایک بازاری رنڈی کو اپنی دھرم پتنی سے بڑھاتے ہو، چندن اور کستوری کو چھوڑ کر جوتے کی خاک کو ماتھے کا تلک بناتے ہو!

کہتے ہیں کہ سورداس پیدائش ہی سے نابینا تھے مگر انھوں نے اپنی شاعری میں قدرتی مناظر کی جو عکاسی پیش کی ہے اور بچّے (بال کرشن) کی فطرت کا جو صحیح نقشہ کھینچا ہے وہ کسی نابینا شاعر سے ممکن نہیں ہے۔ اسی لئے بعض ناٹک کاروں کا خیال ہے کہ سورداس جنم سے اندھے نہیں تھے بلکہ بعد میں ایک واقعہ کے نتیجہ میں ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ ناٹک کاروں نے اس واقعہ کو اس طرح ڈرامائی بنا کر بیان کیا ہے۔

ایک بار ایک امیر نے سورداس کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی۔ سورداس جب اس امیر کے گھر پہنچے اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کی بیوی کی خوبصورت آنکھوں پر عاشق ہو گئے۔ میزبان سے بولے کہ "کھانا نہیں بلکہ میں جو مانگتا ہوں وہ دے!"

اس امیر نے جواب دیا کہ "مہمان جو مانگے گا وہی دوں گا، یہی میزبان کا دھرم ہے"۔ سورداس نے اپنے میزبان کی بیوی مانگ لی۔ میزبان نے اپنے دھرم کا پالن کرتے ہوئے اپنی بیوی اپنے مہمان سورداس کی نذر کر دی۔ امیر کی اُس بیوی نے سورداس کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ "میں اپنے پتی کا حکم نہیں ٹال سکتی، آپ کی سیوا میں آچکی ہوں، مگر میں پوچھتی ہوں کہ آپ کیسے سادھو ہیں، سادھو ہو کر اپنے من میں واسنا لئے پھرتے ہیں!" یہ سنتے ہی سورداس بہت شرمندہ ہوئے اور پھر انھوں نے اپنے میزبان ہی کی بیوی سے دو سوئے لانے کے لئے کہا۔ جب وہ دو سوئے لے کر آئی تو سورداس نے ایک ہی وقت میں ان سوؤں سے اپنی دونوں پاپی آنکھیں پھوڑ لیں اور اس دن سے وہ مرتے دم تک نابینا ہی رہے۔

سورداس ولبھ اچاریہ سے ملنے سے پہلے کرشن بھگتی سے ناواقف تھے وہ وِنے پد (عجز و انکساری کے گیت) کی رچنا کرتے تھے اور وہی گاتے تھے جیسے:

ہم کون کٹل کھل کامی
جن تن دیوؤ تا ہی بسریو
ایسو نمک حرامی!

(میرے ایسا کون بُرا بدمعاش ہوگا کہ جس نے مجھے جسم دیا ہے میں اسی کو بھول گیا ہوں، میں ایسا نمک حرام ہوں!)

مگر ولبھ اچاریہ کی تعلیم و تربیت نے اُن کے رُجحان کو بدل دیا اور پھر وہ اپنی شاعری میں کرشن جی سے اپنی عقیدت کا والہانہ اظہار کرنے لگے ذیل میں انھوں نے کرشن جی کے بچپن کا ذکر اس طرح کیا ہے:

میّا موہیں داؤ بہت کھجایو
موسوں کہت مول کو لیہوں
تو جسومتی کب جایو!

(ماں! مجھے بل دیو (کرشن جی کے بھائی) بہت پریشان کرتا ہے، مجھ سے کہتا ہے کہ تجھے تو خرید اگیا ہے، تجھے جسودا میّا نے جنم نہیں دیا)

گورے نند جسودھا گوری، تو کت سیام گات!
چُٹکی دیدے گوال نچاوت، ہنستے سبھے مُسکات!

(بلدیو کہتا ہے کہ نند جی بھی گورے ہیں، جسودھا بھی گوری ہیں مگر تیرا رنگ کیوں کالا ہے؟ اس پر سب بال گوال چُٹکی بجا بجا کر ناچتے ہیں اور ہنستے ہیں اور میرا مذاق اُڑاتے ہیں!)

کہتے ہیں کہ نہ پہلے کبھی کوئی ہندی کوی ایسا ہوا اور نہ آئندہ ہوگا کہ جس کو بچوں کی نفسیات (CHILD PSYCHOLOGY) کا اتنا زیادہ علم ہو جتنا سورداس کو تھا۔ سورداس نے کرشن جی کے بچپن کے واقعات (سونے، جاگنے، کھیلنے کودنے، کھانے پینے اور بال ہٹ وغیرہ) کچھ اتنے فطری انداز میں بیان کئے ہیں کہ پڑھنے والے کو ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ کرشن جی کے بچپن سے متعلق کوئی ڈاکومنٹری فلم دیکھ رہا ہے۔ پالنے میں بال کرشن کے سونے، جاگنے اور جسودھا کی ممتا کو سورداس نے اس طرح بیان کیا ہے:

جسودھا ہری پالنے جُھلاوے
ہلراوے، دلرائی ملہاوے جوئی سوئی کچھ گاوے
میرے لال کو آؤ نندریا کاہیں نہ آنی سوہاوے
تو کاہیں ناہیں بیگہی آوے، تو کو کاہن بُلاوے
کب ہو نک پلک ہری موندلیت، کبھو ادھر پھرکاوے
سووت جانی مون ہوے کے رہی، کری کری سین بتاوے
ای ہیں انترا کلائی اُٹھے ہری جسومتی مدھر یں گاوے
جو سکھ سور امرمنی درلبھ سو نند بھامنی پاوے

(جسودھا میّا کرشن کو پالنے میں لٹانے کے بعد لوری گا کر انھیں سُلا رہی ہیں، دُلار کر رہی ہیں اور کہتی جا رہی ہیں کہ اے نیند! تو جلدی کیوں نہیں آجاتی میرا لال تجھے بلا رہا ہے۔ پالنے میں پڑے ہوئے کرشن کبھی اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کبھی اپنے ہونٹ پھڑپھڑانے لگتے ہیں کرشن کو سویا ہوا سمجھ کر جسودھا خاموش ہو جاتی ہیں مگر جیسے ہی کرشن ہلتے جلتے ہیں جسودھا اپنی مدھر لوری پھر شروع کر دیتی ہیں۔ اے سورداس! اس طرح جو سُکھ جسودھا کو مل رہا ہے وہ بڑے بڑے رشیوں کو بھی نہیں ملتا!)

بچوں کی بال ہٹ مشہور ہے۔ سورداس نے بھی بال کرشن کی اس ضد کی بہت ہی صحیح عکاسی کی ہے کہ کرشن خود دودھ دوہنے پر بضد ہیں اور ماں کو دودھ دُہنے نہیں دیتے:

بابا موکو دوہن سکھایو
تیرے من پرتیت نہ آوے، دوہن انگرئین بھاؤ بنایو
انگری مات دیکھی جتنی تب، ہنسی کے سیام ہیں کنٹھ لگایو

(مجھے تو دودھ دُہنا بابا نے سکھایا ہے۔ ان دو اُنگلیوں سے دودھ دوہا جاتا ہے۔ بال کرشن کی یہ شوخی دیکھ کر جسودھا ہنس پڑتی ہے اور پھر بیٹے کو گلے لگا لیتی ہے)۔

سورداس کے تین دیوان بتائے جاتے ہیں جن میں سُورساگر زیادہ مشہور ہوا۔ یہ دیوان شریمد بھگوت کے دشم سکند (دسواں باب) پر مشتمل ہے جو انھوں نے ولبھ اچاریہ سے سُنا تھا۔ 'سورساگر' کے دو باب بہت اہم ہیں۔ ایک بال لیلا (کرشن جی کا بچپن) اور دوسرا بھرمر گیت (فراق کے گیت) سورداس فراق کے گیت شرنگار رس میں گاتے تھے۔

شرنگار رس کے چار بھاؤ مانے جاتے ہیں:

مدھر بھاؤ — جو رادھا اور کرشن میں تھا۔
سکھا بھاؤ — جو من سکھ اور کرشن میں دوستی کا تھا۔
سوامی بھاؤ — جو بھگت اور بھگوان میں ہوتا ہے۔
واتسلیہ بھاؤ — جو ماں اور بچے کے من میں ہوتا ہے، جو جسودھا کے من میں تھا۔

سورداس کو حالتِ فراق بیان کرنے میں بھی بلا کی قدرت حاصل ہے۔ جب کرشن گوکل چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو گوپیاں ان کے فراق میں یوں تڑپنے لگتی ہیں

نسی دن برست نین ہمارے
سدا رہتی برکھا رِتو ہم پر، جب تیں سیام سدھارے
درگ انجن نہ رہت نسی باسر، کر کپول بھیے کور
کنچو کی پٹ سوکھت ناہیں کبھی ہوں، اُر بچ بہت پنارے
آنسو سلل سبھی کایا پل نہ جات رس توڑ
سورداس پربھو یہ پرکھو، گوکل کاہے بسارے!

(جب سے کرشن جی نے گوکل چھوڑا ہے ہماری آنکھوں سے ہر گھڑی آنسو بہتے رہتے ہیں یعنی ہمارے لئے ہمیشہ موسم برسات ہی رہتا ہے۔ ہماری آنکھوں سے ہمارے آنسوؤں نے کاجل کو اس حد تک دھو ڈالا

ہے کہ کاجل نے بہہ بہہ کر ہمارے رخساروں کا رنگ کالا کر دیا ہے۔ ہمارے آنسو ہمارے سینے سے نالے کی طرح بہہ رہے ہیں اور ہمارے دامن کو تر کئے جا رہے ہیں اور ہمارا جسم ہمارے آنسوؤں سے تر اور ہو چکا ہے۔

سورداس دریافت کرتے ہیں کہ "اے کرشن! تم نے گوکل کیوں چھوڑا؟"

اسی طرح اس بات کا دوسرا رُوپ یہ ہے کہ جب کرشن جی گوکل چھوڑ کر چلے گئے تو گوکل کی ساری سکھیاں برہا سے دیاکُل ہو اٹھیں تو کرشن جی کے دوست (سکھا) اُدو جی انھیں سمجھانے لگے کہ کرشن تو دراصل بھگوان کے اوتار ہیں، تم کرشن کی پُوجا کی چنتا میں کیوں پڑتی ہو، بھگوان کی پُوجا کرو!

اودو! من نہیں دس بیس!

ایک ہتو سو گئیو شیام سنگ، کو آزادائیس،

بھئیں اتی شتھل سبھے مادھوبن،

یتھا دیہہ بن سیس،

سوانسا اٹکی رہی آس لگی جیوہی کوٹی بدیس،

تم توسکھا سیام سُندر کے، سکل جوگ کے ائیس،

سورداس رسک کی بتیاں پر من جگدیس،

(سکھیاں جواب میں کہتی ہیں کہ اودو! دل کوئی دس بیس تو ہیں نہیں ایک ہے اور وہی کرشن جی کے ساتھ چلا گیا ہے اب بھگوان کی پُوجا کے لئے کہاں سے دل لائیں!)

ہندی زبان کے شعری ادب میں بھگتی کے تین بڑے اور اہم کوی مانے گئے ہیں یعنی تلسی داس، کبیر اور سورداس۔ کبیر کی بھگتی میں اسلام کے فلسفۂ وحدت کو بڑا دخل ہے مگر ان کا پیغام عوامی ہے اسی لئے انھوں نے قطعی طور پر عوامی زبان استعمال کی ہے یہاں تک کہ ان کی زبان شاعرانہ نفاست سے بھی محروم ہے۔ اُن کے وچار انقلابی بھی ہیں اور انھوں نے عورت کو زیادہ قابلِ احترام نہیں سمجھا مگر ان کی بھگتی محبت و مساوات کی ترجمان ہے یہی وجہ ہے کہ کبیر کی شاعری عوام کو بیحد متاثر کرتی ہے۔

تلسی، کرشن جی کے نہیں بلکہ رام کے بھگت ہیں۔ ان کے پیغام کا پس منظر برہمنی نظام ہے چونکہ وہ راج پاٹ کو موضوع بنائے ہوئے ہیں، اس لئے ان کی شاعری پُرشکوہ ہے۔ البتہ وہ اخلاقی قدروں کے قدر دان ہیں لیکن وہ عورت ذات کے اس حد تک مخالف ہیں کہ:

بُدھ ہوں نہ نار سر دے گت جائی

سکل کپٹ اگھ اوگن کھانی!

(بڑے سے بڑا عقل مند مرد بھی عورت کے دل کی بات کو نہیں پہنچ سکتا۔ عورت تو سراسر کپٹ، جہالت اور برائیوں کی جڑ ہے)۔

کہہ کر رام چندر جی کی زبان میں نارد منی کو شادی کرنے سے منع کرتے ہیں۔

لیکن سورداس کرشن کے بھگت ہیں مگر ان کا کرشن، پیار کا دیوتا ہے، سیاست داں یا مصلحت پسند منتری نہیں۔ ان کا کرشن تو جسودھا اور نند کا لال ہے، نٹ کھٹ ہے، ماکھن چور ہے، گوالوں کا دوست ہے، رادھا اور گوپیوں کا محبوب ہے۔ وہ مدھر بنسری بجانے والا ہے اور اس کی لے پر ناچنے والا ہے۔

اسی لئے سورداس نے جو راس لیلائیں رچی ہیں وہ ریاضت کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ انھوں نے اپنے کلام سے کرشن بھگتی کا جو ثبوت دیا ہے وہ 'سکھا بھاؤ' (ایک مِتر) کے ناتے دیا ہے۔ سور کا احساس وجذبہ، دوستی کا جذبہ تھا۔ وہ کرشن کے بھگت ہونے کے باوجود کرشن کو اپنا دوست مانتے تھے۔ چنانچہ سورداس کی تمام شاعری کرشن بھگتی ہی کے محور پر گھومتی ہے مگر انھوں نے کرشن کے (مہابھارت سے متعلق) رزمیہ کردار سے کوئی سروکار نہیں رکھا اور نہ کرشن کے بہادرانہ کارناموں ہی پر توجہ دی ہے۔ وہ تو کرشن کو ایک دُلارے، لاڈلے اور محبوب ہی کے رُوپ میں پیش کرتے ہیں، کرشن سے اُن کے تعلق کا انداز دوستی کا سا ہے۔

ان حقائق کے ساتھ ساتھ سورداس کے ہر گیت اور کبت سے محبتِ الٰہی اور روحانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ چونکہ روحانیت ان کی شاعری کا ایک اہم عنصر ہے اسی لئے وہ کبیر اور تلسی کی طرح عورت ذات کے مخالف نہیں ہیں وہ تو شرنگار رس (جُدائی کا احساس) کے سمراٹ ہیں۔ اس سلسلہ میں اُن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، وہ تو اپنی روایت کے خود موجد ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ان کی بھگتی ایک باضابطہ نظام کی تابع ہے اور اس کے نتیجہ میں بھگتی کا لطیف ترین بھاؤ سورداس ہی دے پائے ہیں۔ تصورات کے رومانی ہونے، زبان کے شیریں ہونے، اسلوب کی بیساختگی سادگی، روانی اور جذبات کی رومانیت نے سورداس کے یہاں تکلف و تصنع سے مبرا دل کو چھو لینے والا انداز پیدا کر دیا ہے اور یہ فن کا خلوص ہی ہے کہ سور کی لوک بھاشا ادبی مرتبے کو پہنچ گئی ہے۔

تلسی داس چونکہ سنسکرت زبان کے بہت بڑے عالم تھے اس لئے ان کی زبان بھی ایک پڑھے لکھے انسان کی سی زبان ہے مگر سورداس کی درسی تعلیم برائے نام ہی تھی پھر بھی ان کی زبان مرتبے کے اعتبار سے کلاسیکی درجہ پا چکی ہے اور ان کے کلام کو الہامی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اکثر نقادوں نے سورداس کو دوسرے ہندی کلاسیکی شعراء سے ممتاز قرار دیا ہے ؎

سور سور، تلسی ششی، اُڈگن کیشو داس!

اب کے کوی کھدیوت سم جہاں تہاں کرت پرکاس

(سورداس تو ہندی ادب کے سورج ہیں، تلسی داس چاند ہیں،

کیشوداس ایک ستارہ مگر باقی سارے کوی جگنوؤں کے مانند ہیں جو اِدھر اُدھر روشنی کرتے ہیں)۔

سورداس کی تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں مورخ متفق نہیں ہیں، اور ان کی موت کب ہوئی اس سلسلے میں بھی مورخوں میں اتفاق نہیں ہے۔ بس اندازہ ہے کہ ۱۶۲۰ سے ۱۶۴۲ وکرمی سمت کے درمیان کم و بیش ۹۹ برس کی عمر میں پارسولی گاؤں میں اُن کی موت واقع ہوئی۔

سورداس کی سوانح اور اُن کی بھگتی کے موضوع پر متعدد ناٹک لکھے گئے ہیں اور انھیں اسٹیج بھی کیا گیا ہے۔ عوام و خواص میں سورداس کی ہر دلعزیزی کے پیش نظر ناٹکوں کے بعد سورداس کی زندگی پر کئی فلمیں بھی بن چکی ہیں اور مقبول ہو چکی ہیں۔ خاموش فلموں کے دور میں سورداس کے موضوع پر سب سے پہلی فلم "بلوا منگل" کے نام سے ۱۹۱۹ء میں بنی۔ ۱۹۲۹ء میں اسی نام سے پھر ایک فلم بنی۔ بولنے والی فلموں کے زمانے میں پہلی متکلم فلم "بلوا منگل" ہی کے نام سے ۱۹۳۲ء میں تیار ہوئی۔ مگر ۱۹۴۲ء میں سورداس سے متعلق "بھگت سورداس" کے نام سے جو فلم بنی وہ سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اس میں سورداس کا رول سہگل نے ادا کیا تھا اور خورشید چنتامنی بنی تھی۔ دونوں کی اداکاری اور دونوں کے گائے ہوئے اپنے گانوں نے اس فلم کو بے پناہ مقبولیت بخشی تھی۔ سورداس اپنی الہامی شاعری اور اپنی کرشن بھگتی کی بنا پر ہندوستان کے ہر علاقے میں مقبول رہے ہیں۔ چنانچہ سورداس کے موضوع پر پنجابی زبان میں (۱۹۳۹ء) بھی فلم بنی، مراٹھی زبان میں (۱۹۴۲ء) اور گجراتی زبان (۱۹۴۷ء) میں بھی۔

آخری فلم جو اس موضوع پر بنی اس کا نام "بلوا منگل" تھا۔ اور وہ ۱۹۵۴ء میں بنی تھی اس فلم کا مرکزی رول سُریندر نے انجام دیا تھا۔

پانچ صدیاں گزرنے کے بعد سورداس اپنی شیریں کلامی، کرشن بھگتی اور اپنی الہامی شاعری کی بنا پر آج بھی عوام و خواص میں مقبول ہیں اور برج بھاشا کے بہترین شاعر مانے جاتے ہیں۔

(صفحہ ۲۵ سے آگے)

تلسی کے 'مانس' ہی کی طرح ان کی برج بھاشا میں بھی سنسکرت کا اثر بہت گہرا ہے۔ لیکن سور خلاف جذبات اور خلاق خیالات ہیں۔ وہ گاؤں کی سادہ زندگی کو ایک ماہرِ فن کار کی طرح اتنا دلکش بنا کر پیش کرتے ہیں کہ ان کی تصویریں دل میں اُتر جاتی ہیں۔ سور کو پڑھ کر دل جس طرح ورندابن کا گرویدہ ہو جاتا ہے وہ صورت تلسی کا کلام (بشمول مانس) ایودھیا کے لئے نہیں پیدا کر سکتا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں شاعر کا کیا قصور۔ اصل رام کتھا میں ایودھیا تھا ہی ایسا۔ وہاں وہ لیلائیں، رومان اور دلکش کھیل نہیں ہوئے جو ورندابن میں ہوئے تھے۔ یہ جواب اگر درست بھی مان لیا جائے تب بھی آپ اس شاعر کی عظمت کا اندازہ کیجئے جس نے برج بھاشا میں بغیر کسی سابقہ روایت کے اتنی لیلائیں، اتنی کہانیاں اور اتنے رہس تیار کر دیئے۔ برج بھاشا کا اس مخصوص نام کے ساتھ رواج کب سے ہوا، یہ ماہرینِ لسانیات کے طے کرنے کی بات ہے۔ لیکن برج بھاشا ایک عظیم ادبی زبان قطعاً سور کی شاعری ہی سے بنی۔ سور کے کرشن نے جو بانسری بجائی تھی اس کی غنائیت برج بھاشا میں آج تک رس گھول رہی ہے۔

یہ بات مکرر یاد دلا دینا ضروری ہے کہ تلسی کی 'رام چرت مانس' کو اس تقابلی مطالعے سے پہلے ہی الگ کر لیا گیا ہے۔ سور نے نظم مسلسل کی شکل میں ایک چھوٹی سی رامائن لکھی ہے۔ لیکن یہ ان کا کام نہ تھا۔ 'مانس' کے سامنے سور کی رامائن کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا۔ اس کے برعکس تلسی نے ایک گرنتھ سری کرشن گیتاولی کرشن کے موضوع پر لکھا ہے۔ جس کے گیت سارے کرشن ساہتیہ میں سور کے گیتوں کے بعد بہترین ہیں۔ حالانکہ مشہور یہ ہے کہ تلسی کی رام بھگتی میں اتنی شدت تھی کہ وہ رام کے علاوہ کسی دوسرے موضوع پر کچھ نہیں لکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تلسی ایک بار کرشن مندر میں گئے۔ جہاں کرشن مورتی سجی ہوئی سامنے کھڑی تھی۔ تلسی اس چھب سے متاثر ہوئے۔ لیکن پھر بھی مورتی کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اور فی البدیہہ یہ دوہا کہا:

کیا چھبی ورنوں آج کی بھلے بنے ہو ناتھ
تلسی متک تب نوے دھنش بان لیو ہاتھ

یعنی اے کرشن، تم اور رام دونوں وشنو ہی کے اوتار ہو اور آج بڑے دلکش بھی لگ رہے ہو۔ لیکن تلسی تو سر اسی وقت جھکائیگا جب تم دھنش بان لے کر سامنے آؤ۔ یعنی رام بن جاؤ۔

یہ تو ہے روایت۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تلسی کی کرشن گیتاولی ایک مستند اور عظیم ادبی مجموعے کی شکل میں آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ تلسی نے ایک گرنتھ پاروتی منگل بھی لکھا ہے جس میں شیو اور پاروتی کا بیاہ نظم کیا ہے۔ لیکن شیو کی حیثیت تلسی کے یہاں بالکل مختلف ہے۔ "رام چرت مانس" کا نام شیو کا دیا ہوا ہے اور رام کی کتھا بھی انھی نے بیان کی ہے۔ وہ رام بھگتی کا اہم جزو ہیں۔

(بشکریہ۔ ہندوستانی زبان۔ بمبئی)

دیو داس بسمل
فورٹ، بمبئی

سُورداس - آفتاب ہندی سخن

*

ہندی آج کے ہندوستان کی قومی زبان ہے، سارے ہندوستان کو جوڑنے والی ایک زنجیر، ایک کڑی - دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان کی طرح ہندی میں بھی بہت سے سخنور، نغمہ نگار، شاعر اور کوی گذرے ہیں جن میں آسمان سخن پر سورج کے مانند ایک نام درخشاں ہے ــــ مہاکوی سورداس کا۔ مہاکوی سورداس ہندی ادب، ہندی سخن اور ہندی شاعری کے میدان میں عظیم الشان حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو ہندی سخن کا سورج، آفتاب تسلیم کیا جاتا ہے ان کے متعلق ایک دوہا مشہور ہے۔ ؎

سور۔ سور، تلسی سسی، اُڈگن کیشو داس
اب کے کوی کھدیوت سم جہیں تہیں کریں پرکاس

اس کا مطلب ہے کہ سورداس ہندی سخن کے سورج ہیں، تلسی داس چندا اور کیشو داس تارہ اور آج کل کے کوی جگنو کے مانند ہیں جو جہاں تہاں تھوڑی بہت روشنی کرتے پھرتے ہیں۔

ایسی ہی ایک اور کہاوت بھی بہت مشہور ہے۔ ؎

تتھ تتھ سورا کہی، تلسی کہی انوٹھی
بچی کھچی کبیرا کہی اور کہی سب جھوٹھی

اس کا مطلب ہے کہ سچی بات سورداس نے کہی ہے، تلسی داس نے بھی بہت اچھی بات کہی اور ان دونوں سے جو کچھ بچ رہا اس کا ذکر کبیر نے اپنے کلام میں کیا ہے مگر ان کے علاوہ باقی شاعروں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان تینوں کو کہی ہوئی باتوں کو ہی دوبارہ کہا ہے، اسے ہی دہرایا ہے۔

اس طرح ہندی سخن میں مہاکوی سورداس کی جگہ سب سے اونچی ہے۔ وہ سخن کی سب سے اوپر کی سیڑھی پر جلوہ افروز ہیں۔

سورداس کی پیدائش اور وفات کے بارے میں علماء متفق نہیں۔ مختلف لوگ الگ الگ تاریخ ان کی پیدائش کی طے کرتے پائے جاتے ہیں۔ کسی بھی پرانے شاعر کی زندگی کے بارے میں جانکاری حاصل کرنے کے لئے ہندی کے عالموں نے دو طریقے اختیار کئے ہیں۔ پہلا طریقہ ہے شاعر نے اپنے کلام میں اپنے بارے میں جو کچھ کہا ہو اور دوسرا طریقہ ہے۔ دوسرے قدیم و جدید شاعروں اور ادیبوں نے اس شاعر کی زندگی کے بارے میں جو کچھ کہا ہو۔

پہلے طریقے کے طور پر سورداس کے دیوان "سور ــــ ساراولی" کا ایک پد (بند) "ساہتیہ - لہری" کے دو پد اور "سورساگر" کے کئی پد ملتے ہیں۔ جن سے سورداس کی زندگی کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔ ان کے مطابق "سور۔ساگر" کے بعد انہوں نے "سور ۔ساراولی" دیوان تیار کیا اور اس وقت ان کی عمر ۶۷ برس تھی۔ "ساہتیہ ۔لہری" کے پد کے مطابق سورداس ۱۶۰۷ء تک ضرور زندہ تھے۔ اور اس وقت کے آس پاس ان کی ملاقات شہنشاہ اکبر سے ہوئی ہوگی۔ جب اکبر اُن سے خود ملنے ان کے استھان پر آئے تھے۔

دوسرے طریقے کے طور پر گوسوامی وٹھل ناتھ کے بیٹے گوسوامی ۔ گوکل ناتھ کی "چوراسی ویشنوؤں کی وارتا"، "نجی وارتا" چوراسی ویشنوؤں کی وارتا کی تفسیر۔ "بھاؤپرکاش" نابھاداس کی "بھکتی مال"، دھروداس کی "بھکت ناماولی" میاں سنگھ کی "بھکت ونود" وغیرہ کتابیں ملتی ہیں۔ جن میں سورداس کی زندگی کے بارے میں جانکاری ملتی ہے۔ ان کے علاوہ "آئینۂ اکبری"، "منشیات ابوالفضل" وغیرہ تاریخی کتابوں میں بھی ان کے بارے میں ذکر ملتا ہے ماضی کے ان ثبوتوں کے ساتھ ہی جدید عالموں نے بھی ان کی زندگی کے متعلق نئی نئی کھوجیں کی ہیں۔ جن میں ڈاکٹر دین دیال، ڈاکٹر برجیشوری ورما، ڈاکٹر ہری ونش لال اور ڈاکٹر اسناتک وغیرہ کے نام آتے ہیں مگر ان سب کی تحقیقات بھی مندرجہ بالا دونوں طریقوں پر ہی مبنی ہیں۔

اس طرح سورداس کی پیدائش کے بارے میں نقاد کسی ایک تاریخ پر متفق نہیں ہیں مگر اوپر کے دونوں طریقوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ولبھ فرقے کے عقیدوں کو زیادہ صحیح مانا جاسکتا ہے۔ ان کے مطابق سورداس اپنے گرو گوسوامی ولبھاچاریہ سے دس دن چھوٹے تھے۔ جن کی پیدائش کی تاریخ ۱۴۷۸ء بیشاکھ بدی ایکادشی ہے۔ چنانچہ سورداس کی پیدائش کی تاریخ ۱۴۷۸ء بیشاکھ سُدی پنچمی ہی زیادہ صحیح ٹھہرتی ہے۔

اسی طرح سورداس کی وفات ۱۵۷۱ء سے ۱۵۸۵ء کے بیچ مانی جاتی ہے۔ "گو مشر بندھوؤں" نے اپنی کتاب "ہندی نورتن" میں ان کی وفات کا وقت ۱۵۶۳ء مانا ہے مگر اس وقت کے بعد میں بھی کے زندہ رہنے کے ثبوت ملتے ہیں۔ سورداس کے انتقال کے وقت گوسوامی وٹھل ناتھ جی زندہ تھے جن کا انتقال ۱۵۸۵ء میں ہوا تھا۔

اس لئے سورداس کا انتقال ۱۵۸۵ء سے پہلے ہی ہوا ہوگا۔ اور زیادہ تر لوگ ۱۵۸۳ء کو ان کے انتقال کا سال تسلیم کرتے ہیں۔

سورداس کی پیدائش کی طرح ان کی ذات اور خاندان کے بارے میں بھی سب لوگ ایک بات پر اتفاق نہیں کرتے ہیں۔ "ساہتیہ لہری" کے ایک پد کے مطابق کچھ لوگ سورداس کو ذات کا بھاٹ مانتے ہیں اور پرتھوی راج کے راج کوی چند بردائی کے خاندان سے مانتے ہیں۔ مگر زیادہ تر لوگ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ لوگ "بھاؤ پرکاش" کے مطابق سورداس کو سارس وت برہمن مانتے ہیں۔ اور اسی بات کو زیادہ صحیح مانا جاتا ہے۔

سورداس کا صحیح نام کیا تھا؟ ان کی کتابوں میں، ان کے پدوں میں پانچ نام ملتے ہیں ـــــ سورج، سور، سورج داس، سور شیام اور سورداس۔ آچاریہ منشی رام ان سبھی ناموں کو سورداس کے ہی نام مانتے ہیں۔ "سور نرنیہ" کے مصنفوں نے "اشٹ ساکھارت" کے مطابق سورج داس نام مانا ہے۔ "ساہتیہ لہری" میں سورج چند نام آیا ہے۔ "وارتا" ساہتیہ میں انہیں سور اور سورداس کہا گیا ہے شاید بندوں (چھندوں) میں وزن بنائے رکھنے کے لئے اتنے زیادہ نام استعمال کئے گئے ہیں۔

سورج داس کی جائے پیدائش کے متعلق بھی عالموں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش کی جگہ کے بارے میں گوپاچل یا گوپا دری نام آیا ہے نقاد اسے گوالیر مانتے ہیں۔ میاں سنگھ نے "بھکت ونود" میں متھرا صوبے کا ایک گاؤں، ان کا گاؤں مانا ہے۔ آچاریہ رام چند شکل اور بابو شیام سندر داس نے آگرہ کے پاس رونکتا گاؤں کو ان کی جائے پیدائش مانا ہے۔ مہاپربھو ولبھاچاریہ کی پانچویں پیڑھی گوسائیں ہری رائے نام کے ایک پشٹی مارگی عالم ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق دلی سے چار کوس دور سیہی گاؤں سور کی پیدائش کی جگہ ہے۔ مذہبی ثبوتوں اور "بھاؤ پرکاش" میں بھی سیہی کو ہی ان کی جائے پیدائش تسلیم کیا گیا ہے "بھاؤ پرکاش" سورداس کے انتقال کے سو سال بعد لکھا گیا تھا۔ "اشٹ ساکھارت" میں بھی اسی جگہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور کچھ ایک دوسرے ثبوتوں کی بنیاد پر ڈاکٹر ہری ونش لال نے بھی سیہی گاؤں کو ہی سورداس کی پیدائش کی جگہ مانا ہے۔

سورداس کے بارے میں اکثر ایک سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ ـــ کیا وہ پیدائشی اندھے تھے یا وہ بعد میں اندھے ہوئے؟ یہ بات تو طے ہے کہ سورداس اندھے تھے مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ جنم سے اندھے تھے یا بعد میں اندھے ہوئے۔ اس بارے میں سوائے "بھکت مال" کے کوئی پرانا ثبوت تو نہیں ملتا ہے۔ لیکن ریواں کے راجا رگھوراج سنگھ کی لکھی کتاب "رام رسیکاولی" میں "بھکت مال" کی بنیاد پر لکھا ہوا ہے۔ ؎

"جنہیں تے ہے نین وہینا"

مطلب یہ کہ پیدائش سے ہی بنا آنکھوں کے ہے۔ پشٹی مارگی عالم گوسائیں ہری رائے جی نے انہیں نہ صرف پیدائش کا اندھا بتایا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ ان کی آنکھوں کے ٹھیکرے تک نہیں تھے صرف بھنویں ہی تھیں لیکن گوسائیں ہری رائے جی کی بات زبانی دلیلوں پر ہی منحصر ہے اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ "چوراسی ویشنوؤں کی وارتا" میں سورداس کے اندھے ہونے کا دو جگہ پر ذکر آیا ہے لیکن وہاں بھی اُن کے پیدائشی اندھے ہونے کی بات ثابت نہیں ہوتی۔

سورداس کے اندھے پن کے بارے میں کئی روایتیں مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک روایت ہے کہ سورداس پیدائشی اندھے تھے اور ایک بار کنویں میں گر پڑے تھے۔ وہ چھ دن تک کنویں میں پڑے رہے اور ساتویں دن خود بھگوان کرشن نے انہیں کنویں سے نکالا تھا۔ اور اپنے درشن دئے تھے۔ اس طرح بھگوان کی مہربانی سے اُنہیں نظر مل گئی تھی۔ بھگوان کی دید کے بعد انہوں نے بھگوان سے پھر اندھے ہونے کی التجا کی۔ کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جن آنکھوں سے بھگوان کے درشن کئے ہیں ان ہی آنکھوں سے پھر اس بد رنگ دنیا کو دیکھیں۔

ان کے بارے میں ایک دوسری روایت مشہور ہے کہ وہ اپنی جوانی میں کسی سندری پر عاشق ہو گئے تھے لیکن بعد میں اسے اپنی جوانی کی غلطی سمجھ کر انہوں نے دو سوئیوں سے اپنی آنکھیں پھوڑ لی تھیں۔

اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورداس کی آنکھیں پیدائش سے اندھی نہیں تھیں۔ مشر بندھوؤں نے بھی اپنے "ہندی نورتن" میں لکھا ہے کہ سورداس کے پیدائشی اندھے ہونے پر یقین نہیں آتا۔ سورداس نے اپنی شاعری میں رنگوں کو اداؤں اور انداز کو بہت ہی خوبصورتی سے بیان کیا اور ایسی ایسی چبھتی ہوئی تشبیہات دی ہیں، جنہیں دیکھ کر یہ یقین نہیں آتا کہ کوئی بنا دیکھے ایسی باتیں قلم بند کر سکتا ہے۔

ان سب باتوں اور ثبوتوں کی بنیاد پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ سورداس اندھے تو ضرور تھے لیکن وہ کب یا کس عمر میں اندھے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے پیدائشی اندھے ہونے کی بات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اور روپ ورنگ کی وہ خوب صورت دنیا جس کی تخلیق سورداس نے شاعری میں کی ہے وہ ایک بار روبرو دیکھے بغیر کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔

سورداس کے پریوار کے بارے میں کوئی خاص جانکاری حاصل نہیں ہے جو لوگ ان کو بھاٹ یا برہما بھٹ اور چند بردائی کے خاندان سے مانتے

ہیں ان کے مطابق ان کے والد کا نام ہری چند تھا۔ جن کے سات بیٹے ہوئے کریت چند، اُدار چند، روپ چند، بدھی چند، دیو چند، پربودھ چند اور سورج چند۔ ساتویں بیٹے سورج چند ہی مشہور و معروف مہاکوی سورداس تھے۔ سورداس کے چھ بھائی جنگ میں مارے گئے۔ سورج چند اندھے، وہ کنویں میں جا پڑے اور چھ دن تک اسی میں پڑے رہے۔ ساتویں دن کسی نے ان کی پکار سن کر انہیں کنویں سے نکالا اور انہوں نے سمجھا کہ بھگوان شری کرشن نے ہی انہیں کنویں سے نکالا ہے۔

مگر جو لوگ ان کو سارسوت برہمن مانتے ہیں وہ ان کے پتا کا نام رامداس مانتے ہیں۔ شیو سنگھ بھی پتا کا نام بابا رام داس لکھتے ہیں۔

اس کے بعد سورداس کے بچپن اور جوانی کے بارے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سورداس نے شادی کی تھی اور ان کے ایک بیٹا بھی تھا۔ لیکن بیوی اور بیٹے کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے وہ دنیا داری سے علیحدہ ہو گئے اور بیراگی ہو کر بھگوان کی عبادت میں لگ گئے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ چھ برس کی عمر میں ہی گھر سے نکل پڑے تھے اور گاؤں سے چار کوس دور ایک تالاب کے کنارے رہنے لگے۔ وہاں یہ ۱۸ سال کی عمر تک رہے۔ اس کے بعد اپنی عبادت میں خلل پڑنے کے ڈر سے وہاں سے چپ چاپ نکل پڑے۔

"بھکت مال" میں لکھا ہے کہ سورداس کی پیدائش دلی کے نزدیک سیہی گاؤں کے رہنے والے ایک غریب ماتا پتا کے گھر ہوئی۔ جب ان کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی تو ان کے ماتا پتا انہیں ساتھ لے کر متھرا کی تیرتھ یاترا پر گئے۔ جب وہ واپس گھر لوٹنے لگے تو سورداس نے ان سے التجا کی کہ "اب مجھے یہیں رہنے دو۔" اس پر ان کے ماتا پتا رونے لگے، کہنے لگے۔ "تمہیں اکیلے کس کے سہارے چھوڑ جائیں؟" تب سور نے کہا کہ "بھگوان کرشن چندر کا سہارا کیا کم ہے!" اس پر ایک سادھو نے بھی کہا کہ "میں اس بالک کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔" تب ماتا پتا گھر چلے گئے اور سورداس برج میں ہی رہ گئے۔

سورداس کی زندگی کے بارے میں یہاں تک مختلف باتیں ملتی ہیں لیکن اس کے بعد کی زندگی کے بارے میں جو جانکاری ملتی ہے اس پر سب کی ایک رائے ہے۔ وہ کہانی قریب قریب ایک ہی ہے جو اس طرح ہے:

دنیا داری سے علیحدہ ہو جانے کے بعد سورداس "چوراسی ویشنوؤں کی وارتا" کے مطابق گھوگھاٹ نام کی ایک جگہ پر رہنے لگے جو آگرہ اور متھرا کے بیچ ہے اور بھگوان کرشن کی پوجا، عبادت میں بھجن گانے لگے۔ ایک کرشن بھکتی شاکھا کے پشٹی مارگ کی ابتدا کرنے والے سوامی ولبھاچاریہ اس راستے سے کہیں جا رہے تھے۔ ان کے کانوں میں سورداس کے بھجن کی آواز پڑی وہ ٹھہر گئے۔ انہوں نے سورداس سے بھگوان کی بھکتی کے گیت سنانے کو کہا جس پر سورداس نے دو پد (بند) سنائے۔ ان پدوں کو سن کر مہاپربھو ولبھاچاریہ متاثر تو ضرور ہو گئے لیکن انہیں انکساری کا احساس پسند نہیں آیا اور انہوں نے سورداس سے کہا "سور (بہادر) ہو کر ایسے کیوں گھگھیاتے ہو، کچھ بھگوان کرشن کے جلال کا بیان کرو"۔ اس کے بعد ولبھاچاریہ نے انہیں اپنا شاگرد بنا کر اپنے پشٹی مارگ میں شامل کر لیا۔ اور شری کرشن کی لیلا کی جانکاری دی۔ اس کے ساتھ ہی سوامی ولبھاچاریہ، سورداس کو اپنے ساتھ گووردھن پہاڑ پر بسے گوکل گاؤں میں شری ناتھ جی کے مندر میں لے گئے اور وہاں بھگوان کی کیرتن کا کام ان کے ذمے کر دیا۔ اور پھر بہت عرصے تک سورداس وہیں پر مقیم رہے۔

مہاپربھو ولبھاچاریہ کے بعد ان کے بیٹے وٹھل ناتھ جی نے اس پنتھ کو اور بھی آگے بڑھایا۔ آٹھ اہم بھکت کویوں کا کیرتن منڈل بنا کر انہوں نے "اشٹ چھاپ" کی بنیاد ڈالی۔ جن کے نام تھے۔ سورداس، کمبھن داس، پرمانند داس، کرشن داس، چھیت سوامی، گووند سوامی، چتر بھج داس، اور نند داس۔ اور سورداس کو اس منڈل کا سردار بنایا۔ مہاپربھو ولبھاچاریہ نے سورداس کو بھاگوت کی پوری کتھا سنائی تھی۔ سورداس بھاگوت کی اسی کتھا کو برج بھاشا میں پد (بند) بنا بنا کر گاتے رہے اور پدوں میں گائی یہ کتھا آگے چل کر "سورساگر" کے نام سے مشہور ہوئی۔

یہیں پر رہتے رہتے سورداس بوڑھے ہوئے اور جب انہیں لگا کہ اب ان کا آخری وقت قریب ہے تو وہ متھرا کے نزدیک پارسولی نام کے گاؤں چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

سورداس کا کلام: کاشی ناگری پرچارنی سبھا، وارانسی کی کھوج کی بنا پر سورداس کی لکھی کتابوں، دیوانوں کی گنتی سولہ ٹھہرتی ہے۔ کچھ لوگ ان کے انیس دیوان بتلاتے ہیں لیکن عام طور پر سورداس کے فقط پانچ دیوان کا ذکر کیا جاتا رہا ہے۔ وہ پانچ ہیں۔ (۱) سورساگر (۲) سور سارا ولی (۳) ساہتیہ لہری (۴) نل دمینتی اور (۵) بیاہو۔ ان میں سے نل دمینتی اور بیاہو کی کوئی بھی پرانی کاپی نہیں ملی ہے اس لئے زیادہ تر لوگ ان کے باقی تین دیوان کو ہی سورداس کا صحیح کلام مانتے ہیں۔ اور ان میں بھی سب سے اہم ہے "سورساگر"۔

سورساگر: "سورساگر" سورداس کا سب سے زیادہ لمبا چوڑا دیوان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سورداس نے اس میں سوا لاکھ پد لکھے تھے لیکن ابھی تک ان میں سے فقط سات آٹھ ہزار پد ہی مل سکے ہیں۔ سورساگر کو بھاگوت کی کتھا کو ہی سندر، سرل اور سیدھی برج

بھاشا میں خوب صورت پدوں میں کہا گیا ہے۔ لیکن سور ساگر کو بھاگوت کا ترجمہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں خاص کر بھاگوت کے دسویں باب میں کہی گئی بھگوان کرشن کی لیلاؤں (کارناموں) کا بہت ہی خوب صورت اور دلکش پیرائے میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ سور۔ساگر برج بھاشا شاعری کا سب سے پہلا ادبی دیوان مانا جاتا ہے۔ اور اس شاعری کے آگے باقی تمام شاعروں کی شاعری کو سورداس کے سخن کی جھوٹن مانا جاتا ہے۔

سورداس ہندی شاعری کی کرشن بھکتی شاکھا کے سب سے اعلیٰ ترین شاعر ہیں۔ جس طرح رام بھکت شاعروں میں گوسوامی تلسی داس سب سے اعلیٰ مانے جاتے ہیں اسی طرح کرشن بھکت کویوں میں سورداس سب سے افضل مانے جاتے ہیں۔ حقیقت میں یہ دونوں شاعر آسمانِ ہندی سخن کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔ سورداس نے ہی برج بھاشا کو اتنا اہم بنایا کہ وہ سخن کی زبان بن سکی۔ اور ہندی شاعری میں ایک ایسا وقت آیا کہ جب فقط برج بھاشا کو ہی ہندی میں شاعری کی زبان مانا جاتا تھا۔ اور ہندی کی دوسری کسی بھی بولی کو شاعری کے قابل مانا ہی نہیں جاتا تھا۔ اور برج بھاشا کو اتنی اونچائی تک پہنچانے کا سہرا سورداس کے ہی سر بندھتا ہے۔ سورداس نے ہی برج بھاشا کو اتنا عظیم بنایا۔

سورداس نے اپنی شاعری میں کرشن کے بال پن اور لڑکپن کی لیلاؤں کا گان کیا ہے۔ جس میں بہت مٹھاس اور دلکشی ہے۔ سورداس نے بال پن، عشق اور بھکتی ان تینوں کو ہی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ اور ان تینوں سے بال پن، عشق اور بھکتی کا جو بیان کیا اُس کا دنیا کی شاعری میں کوئی مقابلہ نہیں۔ بچپن اور بھکتی کا اتنا خوبصورت بیان سورداس نے اپنی شاعری میں کیا ہے کہ واتسلیہ (بال پن) یعنی عہدِ طفلی اور بھکتی کو ہندی ادب میں نو رسوں کے علاوہ دسواں اور گیارہواں رس گنا جانے لگا۔

سورداس کے پد (بند) سیدھے ہمارے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کے گیتوں کی اسی خاصیت کو دیکھ کر ان کی تعریف میں ایک پد ملتا ہے کہ

کدھوں سور کو سر لگیو، کدھوں سور کو تیر
کدھوں سور کو پد لگیو، بیدھت سکل سریر

جس کا مطلب یہ ہے کہ "یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ سورداس کے تیر کا زخم جسم میں کہاں پر لگا۔ کیونکہ ان کے پد کا اثر تو پورے جسم پر ہوتا اور اُن کے پد سے سارا جسم ہی چھلنی ہو جاتا ہے۔

ایک اور کہاوت ہے ــــــ

کویتا کرتا تین ہیں، تلسی، کیسو، سور

یعنی شاعری کرنے والے بس تین ہی ہیں اور وہ ہیں۔ تلسی، کیشو اور سورداس۔

مختصر یہ کہ سورداس ہندی سخن کے اعلیٰ ترین شاعر ہیں اور حقیقت میں وہ آفتابِ ہندی سخن ہیں۔

نذرِ سورداس

قمر سیوہاروی
وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار، بمبئی ۳....۴

ایک گلشن ہے آج تک جس کی
ہے وہی آب و تاب پہلی سی
نکہتِ آبِ صبحگاہ وہی
طلعتِ تابِ مہر و ماہ وہی
سبز، نیلے، سنہرے اور پیلے
پھول کھلتے رہے بکھرتے رہے
کوئی توڑا گیا، کہ قتل ہوا!
کوئی مرجھا کے خود ہی ٹوٹ گیا

مختلف پھول مختلف رنگت
پھر بھی سب کی تھی ایک ہی غایت
ذہنِ انساں تازگی پائے!
امنِ عالم میں آشتی لائے
سور جی داس ہوں کہ ہوں اقبال
داس تلسی ہوں یا کہ ہوں گوپال
آپ نانک سے کہیں کہ رام رسول
مختلف نظریئے تھے ایک اصول

ولی دکنی کا فن شاعری

سید شاہد انیس
۲۱۷۵ قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

*

مُغلوں کے پے دَر پے حملوں کے بعد جب اکبر کا نصب العین اورنگ زیب کے ہاتھوں زوال بیجاپور (۱۶۸۶ء) اور سقوط گولکنڈہ (۱۶۸۷ء) کی صورت میں پورا ہوا تو نہ صرف دکن کے سیاسی مراکز ختم ہوگئے بلکہ دکنی شعروادب کے سوتے بھی خشک ہونے لگے۔ وطن کی پامالی اور سرپرست حکومتوں کی تباہی کا اثر شاعروں اور ادیبوں کی معاشی و ذہنی زندگی پر بھی پڑا اور وہ مایوسی، افسردگی اور حیات گریزی کا شکار ہوگئے یہی وجہ ہے کہ اس دور میں ایسے شعراء ملتے ہیں جنھوں نے مرثیہ گوئی کو اپنا شعار بنالیا۔ یا پھر تصوّف میں پناہ لی۔

*

اگر دیوان ولی دکنی کا بغور مُطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ معرفتِ الٰہی کا ایک دفترِ بے پایاں ہے۔ ولی اُردو شاعری کے وہ مشہوُر اور قابلِ قدر علمبردار تھے جن کی قادر الکلامی کا لوہا دورِ جدید کے شعراء و مصنّفین بھی مانتے ہیں۔ ایک ایسے نامور شخص کا جس نے شاعری کے میدان میں اپنا کمال دکھا کر اہلِ ہند کے دلوں کو مسخر کرلیا تھا یقین کے ساتھ نہ تو مولد معلوم اور نہ ہی سنہ ولادت۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ۱۶۶۸ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۷۴۲ء میں وفات پائی۔ بعض مصنّفین کا خیال ہے کہ اُن کی ولادت احمد آباد میں ہوئی۔ ولی کو گجرات سے محبّت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ ان کی زندگی کا بڑا حصّہ گجرات کی مشہوُر خانقاہ میں گزرا اور وہیں انھوں نے دینی اور دنیوی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔

وہ جس زمانے میں پیدا ہوئے اس وقت تصوف کا بڑے زور شور سے چرچا تھا اور ہر طرف صوفیائے کرام کی قدر و منزلت تھی، چنانچہ ولی نے بھی شاہ نورالدین سے جو ایک صوفی کامل تھے بیعت کی تھی۔ ولی نے اپنی دائمی خوابگاہ کے لئے بھی گجرات کی سرزمین کو پسند کیا اور وہیں دریا خاں کے گنبد کے سائے میں دفن کئے گئے۔

انھوں نے دہلی کا سفر بھی اختیار کیا جہاں حضرت شاہ اسعد اللہ گلشن سے جو ایک عالم بزرگ اور شاعر تھے ملاقات کی اور اپنا زیادہ تر وقت خانقاہوں اور وہاں کی صحبت میں گذارا۔

ولی کے کلام سے دکن کے اس دَور کی خصوصیات اور مذاق کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان کا کلام اپنے دور کے تمدّن اور معاشرت کا آئینہ ہے اور یہی ولی کے کمالِ فن کا راز ہے۔ شاعر جتنا اپنے دور سے مِلا رہے گا اتنا ہی کامیاب رہے گا۔

ہند کے مشہوُر شعراء کرام میں ولی کی حیثیت ممتاز تھی۔ خود اُن کے ہمعصر بھی انھیں اعلیٰ درجہ کا شاعر تسلیم کرتے تھے۔ غزل گوئی کے اعتبار سے بھی ولی اوّل درجے کے شاعر تھے۔ ولی کے کلام میں دردؔ، سوداؔ، میرؔ، مصحفیؔ ذوقؔ، ناسخؔ اور آتشؔ سب کے رنگ بکثرت موجوُد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر قوی دماغ شاعر تھے۔

مرزا غالبؔ میرؔ کے بارے یوں کہتے ہیں ؎

غالبؔ اپنا تو عقیدہ ہے بقولِ ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میرؔ نہیں!

اور وہی میرؔ کس حُسن سے ولی کے کمال کا اعتراف کرتے ہیں ؎

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہمیں ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ولی ایک غزل گو شاعر تھے۔ اُن کا کمالِ فن تغزّل ہی میں نظر آتا ہے۔ اُن کی غزلیات میں وہ سب کچھ ہے جس کو اُردو غزل کا سرمایہ کہہ سکتے ہیں۔ غالباً ولی جدید اُردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے باقاعدہ ردیف وار اور حروفِ تہجّی کے لحاظ سے غزلیں لکھیں، اگرچہ بعض اہلِ قلم نے اُنھیں پہلا مدوّن ماننے سے انکار کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قطب شاہی سلاطین کے جن دیوانوں کا ذکر ولی کے زمانے سے قبل موجود تھا وہ ان کے دَور کے بہت قبل کے کلام پر مشتمل ہے۔ اور جو ٹھیٹ دکنی اُردو میں لکھے گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ولی سے قبل دواوین قطب شاہیہ مرتب کئے گئے ...اردو شاعری کی ایک بہت بڑی خدمت کی گئی لیکن اُن کی زبان بہت ...ہم تھی اور اسلوب میں ہندیت نمایاں تھی۔ ولی بعد کے زمانے کے شاعر تھے ...ر اس کے علاوہ سیر و سیاحت کے سبب ان کی زبان میں وسعت ...ر اسلوب میں روانی پیدا ہوگئی تھی۔ ان سے قبل کے کئی ایک شاعروں ... مُرقع نگاری ولی سے بڑھ کر آب و تاب رکھتی ہو لیکن اس وقت تک ... سے بیشتر جتنی غزلیں شائع ہوئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے ...دکن کا وہ تغزل جو ولی سے پہلے تھا، ولی کے تغزل سے لگا نہیں کھا سکتا۔ ... کی ایک غزل ملاحظہ فرمائیں ؎

ہوا ہوں بے خبر تجھ مست انکھیاں کی خبر سُن کر
ہوا ہوں ناتواں جیوں مو تری نازک کمر سُن کر

نہیں تجھ لعل شیریں پر خطِ سبزاے گلستاں رو
یہ طوطی ہے کہ آئی ہے تیرے لب کی شکر سُن کر

پرَت کے پنتھ میں ہرگز قدم پیچھے نہ رکھ اے دل
ہٹاتے ہیں قدم نامرد اس رہ کا خطر سُن کر

بگولے کی نمط آتا ہے مجنوں بے سر و بے پا
مرے دیوانۂ دل کوں اپس کا راہبر سُن کر

صبا کے ہاتھ سوں جیوں ہے ہر اک غنچہ پریشاں دل
یو نہیں ہر دل پریشاں ہے مری آہِ سحر سُن کر

ولی تیری گلی کوں سُن کے یوں مشتاق ہے نہ دل
کہ جیوں عشاق ہوں مشتاق وصفِ مو کمر سُن کر

ولی نے اپنے متقدمین کے راستے سے ہٹ کر جن کے ہاں صرف ... ...د اصنافِ سخن پائے جاتے ہیں اپنا ایک الگ ڈگر قائم کیا اور فارسی شعرا ...طرح ہر صنفِ سخن میں شعر کہہ کر اپنے دیوان کو باقاعدہ مرتب کیا۔ انھوں ...ے اپنی ہی غزلوں پر مستزاد اور مخمسات کہے ہیں۔ جس کی وجہ شاید ایک ...ہو کہ جدّت طرازی ان کی فطرت میں تھی اور دوسری یہ کہ دوسرے شعراء ... کی آنکھوں میں بھرتے نہ تھے۔ انھوں نے قصائد بھی لکھے ہیں اور ترجیع بند ...اعیات میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور قطعات میں بھی۔ لیکن ولی کا کمالِ ...اعری دیکھنا ہو تو تغزل کو دیکھنا چاہیئے۔

ولی کی شاعری میں جو خاص توازن نظر آتا ہے اس کی وجہ ان کا عشقِ ...یقی اور عشقِ مجازی ہے چونکہ اُن کے جذبات حقیقی اور تاثرات سچے تھے،

ان کی سادہ سے سادہ غزل بھی اپنے اندر ایک نشتر سوز و گداز رکھتی ہے۔ مشہور شاعر کیٹس کی طرح ان کا فلسفہ بھی "حسن صداقت اور صداقت حسن" ہے، حسن عشق کی خاطر اور محبت حسن کے لئے اور حسن محبت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اُن کی آنکھیں ہر شے میں حسن کی متلاشی تھیں۔ محبوبوں کی یاد اور ان کا حسن انھیں معشوقِ حقیقی کی طرف مائل کرتا تھا۔ غرض ہر سمت انھیں حقیقت اور حسن کی تجلیاں نظر آتی تھیں۔ ان کے حسبِ ذیل شعر اس خصوص میں قابلِ ذکر ہیں ؎

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

ہوا ہے مجھ کو شمعِ بزم یکرنگی سوں یو روشن !
کہ ہر ذرے پر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا

کرے عشاق کو جیوں صورتِ دیوار حیرت سوں
اگر پردے سوں وا ہوے جمالِ بے حجاب اس کا

کلیاتِ ولی کے مطالعے سے ان کے عقائد کے متعلق کافی روشنی پڑتی ہے وہ ایک وسیع مشرب اور آزاد منش انسان تھے۔ مذہبی قیود اور جکڑ بندیوں سے ہمیشہ بیزار رہے۔ فرقہ بندی، اوہام پرستی اور مذہبی تعصب سے ان کا دامن پاک تھا۔ وہ مذہب کا احترام کرتے تھے۔ سلامت روی متانت اور قناعت ان کے جوہرِ طبعی تھے۔ ان کی آزاد مشربی اور وسعتِ نظر کی مثالیں جا بجا کلام میں پائی جاتی ہیں۔ وہ حسن پرست بھی تھے مگر یہ حسن پرستی ہوسناکیوں سے پاک تھی کیونکہ وہ عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ خیال کرتے تھے۔

علومِ مذہبی کے علاوہ ولی کے کلام کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ادبِ فارسی و عربی سے بھی کماحقہ واقف تھے اور ادبیات کا گہرا مطالعہ تھا۔ ولی کی شاعری کے خالص ہندی تخیل نے انھیں تمام اُردو شعراء سے ممتاز کر دیا ہے کیونکہ یہ پاکیزہ ہندی رنگ بعد کے شعراء میں بہت کم ملتا ہے۔ ان کے دوست مختلف مذاہب کے پیرو تھے۔ ان کی رواداری کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر فرقہ اور مذہب کے لوگوں کا کچھ ایسے پیرائے میں ذکر کرتے ہیں کہ فرقہ بندی کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

ولی کا دلی مدعا مختلف قوموں میں ارتباط و اتحاد پیدا کرنا تھا۔ اس خلوص کے ساتھ مختلف اہلِ مذاہب کو زندگی بسر کرتے دیکھ کر انھیں روحانی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ وہ اپنے اشعار میں ہندو مسلم اتحاد کی ترغیب دلاتے ہیں۔ انھوں نے جہاں مسلمانوں کی شان و شوکت، ایران کی فصلِ بہار اور اسلامی تقدس کی تصویریں کھینچی ہیں وہیں ہندوؤں کے تہواروں اور عبادت

کا ذکر اور دیوالی کی روشنی کی بہار اور چہل پہل کے نقشے بھی کھینچے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ؎

نزک قلعہ کے بار گھاٹ ہے وہاں
کہ دائم گکر خاں کے باٹ ہے وہاں
شہر بھیتر جو آوے نہان کا دن
ہندو کی قوم کے اشنان کا دن
وہاں اشنان جب کرتا ہے عالم
صبح اور شام جب کرتا ہے عالم
ہر ایک جانب دیکھوں میں فوج در فوج
تجلی کے سمندر کے اُٹھے موج

تری انکھیاں کے حلقے میں دسے یوں نقش رخِ روشن
کہ جیسے ہند کے بھیتر لگے دیوے دیوالی کے ؎

ولی کے تخیل کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے، وہ نزاکت پسند ہے اس نے بار بار اپنی معنی نگاری کو سراہا ہے۔ مثلاً ؎

ولی انکھیاں کی گرد اوات پتلی کی سیاہی سوں
لکھیا تیری صفت کوں لے قلم معنی نگاری کا

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے اشعار الفاظ کی بھول بھلیاں نہیں ہوتے وہ معنی اور مطلب پر زور دیتے ہیں۔ اور اکثر تناسب الفاظ اور زور تخیل سے بات میں بات پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے کامیاب شاعر ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ وہ نزاکت پرست ہیں۔ نازک تشبیہیں، میٹھے الفاظ، لطیف استعارے اور حسین ترکیبیں اُن کی کامیابی کا راز ہیں۔ شاعرانہ معنوی اس کو کہتے ہیں کہ ایک ایک لفظ دل میں اُترتا چلا جائے۔ الفاظ کی موسیقیت نے شعر کا حسن دوبالا کر دیا ہے ؎

ناز دیتا نہیں گر رخصتِ گلگشتِ چمن
اے چمن زارِ حیا دل کے گلستاں میں آ

*

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار!
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

*

جو کوئی دیکھے چشم گریاں
اُسے ابرِ بہاراں یاد آوے

دکن کا وہ دور جس میں ولی نے جنم لیا، وہ ماحول جس میں ولی کے وجدان نے نشو و نما پائی اور وہ صحبت جس میں ولی کے تخیل نے ارتقا کے منازل طے کیے، خاص تصوف کا دور تھا۔ چنانچہ ولی کے ان اشعار سے اس دور کی ذہنیت اور رجحان پر روشنی پڑتی ہے ؎

دیکھا ہے اک نگہ میں حقیقت کے ملک کوں
جب بے خودی کی راہ میں دل نے سفر کیا

*

مجھے بولیا کہ توں واقف نہیں عشقِ حقیقی سوں
تو بہتر یوں ہے جا دامن پکڑ عشقِ مجازی کا

ہر قوم کا دورِ زوال دورِ تصوف ہوتا ہے۔ ستم دیدہ شاعر ایسی قومی تباہی سے خاص طور پر متاثر ہوتا ہے۔ وہ عالم کرب و اضطراب میں اپنے درد کا درماں اشراق و تصوف میں ڈھونڈتا ہے ؎

اے ولی عشقِ ظاہری کا سبب
جلوۂ شاہدِ مجازی ہے!

ولی کا اُردو زبان کو سب سے بڑا عطیہ یہ ہے کہ انھوں نے اُردو کو تمام ہندوستان میں عام فہم بنانے کی خاطر اس کو صوبجاتی قید و بند سے آزاد کیا دکنی عنصر کم کر کے اس میں شمال کے روزمرہ کو بھی شامل کیا۔ اس کے علاوہ ایسے ہندی الفاظ رائج کر دیئے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان کے لئے ضروری تھے۔

●●

ہندستانی موسیقی

آلِ رسول نظمی

بھارتی موسیقی ایک قدیم فن ہے جس کے پیچھے تین ہزار سال پرانی روایت پوشیدہ ہے. یہ ایک ایسا ثقافتی تسلسل ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوا زمانۂ مسیح سے بھی بہت پہلے ہندستانی موسیقی کے پاس اپنے مستحکم قواعد بھی تھے اور جامع و مربوط اسالیب بھی!

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندستانی موسیقی کی ابتدا ویدوں کے عہد میں ہوئی تھی موسیقی کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں. اہل ہنود کا عقیدہ ہے کہ موسیقی کے سات سُر اور سادی نغمے خود بھگوان نے نازل کئے تھے. نغمہ و رقص بھگوان کی مختلف شکلوں کے غماز ہیں. قدیم نغمے فلسفیانہ نظریات، مذہبی و اخلاقی مباحث اور اجتماعی عقید پر مشتمل ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ مندر اور دیگر عبادت گاہیں موسیقی اور رقص کے گہوارے رہے ہیں. موسیقی کے سرچشمے عظیم فنکار یا اُن کی تصانیف نہیں بلکہ بھرت (چوتھی صدی عیسوی) کا "ناٹیہ شاستر" سارنگ دیو (تیرھویں صدی عیسوی) کا "سنگیت رتناکر" رام مایتہ (سولہویں صدی عیسوی) کا "سور میلہ کلانِدھی" اور وینکٹ ماکھی (سترہویں صدی) کا "چترُدنڈیہ کاسک" جیسے رسالے تھے جو فن موسیقی پر لکھے گئے تھے.

موسیقی کی تاریخ پر سیاسی اور تاریخی تبدیلیوں کا کافی اثر پڑا ہے. بارھویں صدی میں مسلمانوں کی آمد نے بھی موسیقی کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا. مسلمان حکمراں اپنے ساتھ ایران کے لطیف و خوش آہنگ سُر لائے اور انھوں نے ہندو موسیقی کو نیا موڑ دیا. جنوبی ہند چونکہ اسلام کے زیرِ اثر نہیں آیا تھا اس لئے وہاں موسیقی کا قدیم انداز برقرار رہا.

ہندستانی موسیقی اور مغربی موسیقی میں وہی تعلق ہے جو ہندستانی رقص اور مغربی بیلے یا ہندستانی ادب اور یوروپی ادب میں ہے. ان سب میں جذباتی ہم آہنگی اور ذہنی خلوص نمایاں ہے.

ہندستانی موسیقی میں وجدان ہے جبکہ مغربی موسیقی دلیل پر مبنی ہے. ہندوستانی موسیقی کی غنائیت میں داخلی معیار پر زور دیا جاتا ہے جبکہ مغرب والے خارجی غنائیت کو مقدم اور حقیقی سمجھتے ہیں. غنائیت کا یہ فرق مشرق و مغرب کے سازوں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے. ہندستانی سازاپنی [illegible] کے اعتبار سے بہت سادہ اور مختصر ہوتے ہیں اس سادگی اور اختصار کے باوجود ان سازوں کے سُر نہایت پیچیدہ ہوتے ہیں. مغربی ساز بناوٹ کے لحاظ سے اس حد تک پیچیدہ ہوتے ہیں کہ تصنع کا گمان ہوتا ہے.

ہندستانی سازوں کی ایک اور نمایاں خصوصیت اُن کے سینے میں چھپی ہوئی ایک مخصوص گونج ہے. یہ گونج ٹھیکے والے سازوں میں نمایاں ہے ڈھول ہو یا مردنگ، ایک تھاپ میں کئی تال، ہر تال اپنی جگہ موزوں. یہی وجہ ہے کہ ہندستانی موسیقی اپنے اندر ایک ہم آہنگی ایک تسلسل رکھتی ہے. ٹھیکے والے سازوں کی قبیل کے مغربی ساز گونج کے حامل تو ہیں مگر یہ گونج مضراب کا ردِ عمل ہوتی ہے. اس کا ارتعاش ایسا ہی ہوتا ہے جیسے چینی کا ایک پیالہ پختہ فرش پر گرا، ایک چھناکا ہوا اور پھر خاموشی. مغربی موسیقی میں گول سُر ہیں جن کا تعلق ہم آہنگ نغموں سے ہے. بھارتی موسیقی میں سُر پھیلے ہوئے ہیں جن کی بدولت اُن میں روانی ہے.

راگ موسیقی کا بنیادی جز ہے. بھارتی موسیقی میں پورے پورے سات سُروں والے ۷۲ راگ ہیں جنھیں "سمپورن" یا میل کرتا کہا جاتا ہے. ان سب میں پنچم استھائی ہوتا ہے. ۳۶ راگوں میں چوتھا سُر پورن اور ۳۶ میں تیور ہوتا ہے. ان راگوں سے بعض اور راگ مشتق ہیں جن میں سے کچھ ۶ سُروں اور کچھ آٹھ سُروں پر مشتمل ہیں. ان میں سے تقریباً چار سو راگوں کی درجہ بندی کر دی گئی ہے اور یہ سب گایکی میں کم و بیش واقعی مستعمل ہیں

تال متناسب بھی ہوتا ہے اور منتشر بھی. تال کے مختلف امتزاج اور تبدیلیاں، ہندستانی موسیقی میں ہی ممکن ہیں کیونکہ اس موسیقی کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ اوزان کا وہی تناسب قبول کرے جو کثیر آہنگ موسیقی کیلئے ضروری ہوتا ہے.

راگ کا تصوّر اگر مکمل طور پر نہیں تو بہت حد تک مغربی ایشیا کے "مقام" کے تصوّر اور جنوب مشرقی ایشیا کے مماثل تصورات سے مُشابہ ہے۔ زمرہ بندی میں "مقامات" کو 'بابوں' اور 'بیٹیوں' میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ تقسیم راگ کی 'راگوں' اور 'راگنیوں' یعنی مذکر مونث، بیٹوں اور بیٹیوں کی تقسیم سے ملتی جلتی ہے۔ مقامات کی طرح راگ بھی دن کے مختلف اوقات سے مختص ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر "مقام راست" راگ بھیروں کی طرح صبح تڑکے کا راگ ہے۔

اسی طرح ہندستانی موسیقی میں "تقسیم" کی ملتی جلتی چیز "الاپ" ہوتی ہے۔ تال میں ہندستانی اور دیگر مشرقی موسیقی کے درمیان واضح مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہندستانی اور عربی تال دونوں وزن اور وقت کا مجموعہ ہیں۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے فنون ایک غیر یقینی دور سے گذر رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے قبل کے ڈیڑھ سو سال بھارت کی تاریخ میں غیر دلکشی اور عدم افتخار کا عرصہ رہے ہیں۔ اس دور میں کسی حد تک یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ ہماری موسیقی کی ترقی کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوجائے لیکن اب جدید دور کے موسیقار تاریخ کو داستان سے، جمالیات کو عقائد کے کٹرپن سے، اصولوں کو رسمیات سے اور مظاہرۂ فن کو جکڑبندیوں سے علاحدہ کر رہے ہیں۔ موسیقی سے متعلق متن پڑھے اور مدوّن کئے جا رہے ہیں۔

مدراس، بنارس، بڑودہ، پٹنہ، اناملائی، کیرالا، شانتی نکیتن اور دلّی کی یونیورسٹیوں میں موسیقی کے شعبے قائم ہیں، جہاں موسیقی کی ڈگری دی جاتی ہے۔ اگر کوئی چاہے تو وہ موسیقی میں ڈاکٹریٹ بھی کرسکتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ ایسے ادارے بھی ہیں جہاں موسیقی کے اعلیٰ درجہ کے ماہرین موسیقی کی تعلیم دیتے ہیں، مثلاً سواتی تھیرونل اکیڈمی آف میوزک (تریوندرم)، مدراس کا کرناٹک میوزک کالج گندھرو ودّیالیہ اور لکھنؤ کا میرس کالج آف میوزک۔

ملک میں وقتاً فوقتاً قومی اور ریاستی سطح پر سنگیت سمیلن منعقد ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد نہ صرف فن کا فروغ ہے بلکہ نوآموز فن کاروں کی حوصلہ افزائی بھی ہے۔

عوامی رابطے کے ذرائع مثلاً ریڈیو، فلم اور ٹیلیویژن کے توسط سے عوام کو موسیقی کے فن، اس کے اسلوب اور باریکیوں سے روشناس کرایا جارہا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں جابجا موسیقی کی کلاسیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ عوام میں موسیقی کی دلچسپی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ ہندستانی موسیقی کے ماہرین غیر ملکوں کا دورہ کرکے وہاں کے لوگوں کو ہندستان کی مدُھر اور من موہک تانوں کے قریب لانے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

***

(صفحہ ۳۰ سے آگے)

گئے بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جو مبالغہ آمیز اور بڑی حد تک بے بنیاد لگتے ہیں۔

ایک پرانی کتاب 'بھگت ونود' میں لکھا ہے:

"... دلّی کے شاہ نے ایک بار سوُرداس کو دربار میں بلایا اور آتے پر انھیں اٹھ کر پرنام کیا۔

بادشاہ نے سوال کیا کہ میرے محل میں کون سی رانی 'یادو نسل' کی ہے اور سب سے بڑی کرشن بھگت ہے۔ سوُرداس کے کہنے پر سبھی رانیوں کو ایک ایک کرکے ان کے سامنے لایا گیا۔ آخری عورت نے سوُرداس کو پہچانتے ہوئے انھیں پکڑ لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مرگئی۔ بادشاہ کے پوچھنے پر سوُرداس نے اس عورت کا پچھلے جنم سے لیکر اس جنم تک کا حال بیان کردیا۔"

"رام رسی کاولی" میں مہاراج رگھوراج سنگھ نے لکھا ہے۔

"... اکبر نے سوُرداس کو دلّی بُلایا۔ وہاں انھوں نے شاہ کی لڑکی کے ٹانگ کا تِل بنا کر سب کو حیرت زدہ کردیا۔"

مذکورہ واقعات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اکبر اور سوُرداس کے چرچے اس زمانے میں عام تھے اور لوگ یہ جانتے تھے کہ مغل شہنشاہ نے سوُرداس سے ملاقات کی ہے اور وہ مہاکوی سوُرداس کی بےحد عزت کرتا ہے۔

نیا یہ سال یہ جمہوریت کی سالگرہ

• مفتون کوٹوی
• ہرن بازار۔ کوٹہ

*

نیا یہ سال یہ جمہوریت کی سالگرہ
خدا کرے کہ تمھیں دونوں سازگار رہیں
دلی مراد ملے وقت خوشگوار کٹے
تمھارے راستے شاداب و پُربہار رہیں

•

یہ سال تو ہو مبارک وطن پرستوں کو
کچھ اس کے ہم سے تقاضے بھی ہیں انھیں سمجھیں
ہمارے سامنے کچھ مسئلے ہیں اُلجھے ہوئے
ہم التفات ادھر بھی کریں انھیں سمجھیں

•

ہم اپنے ملک کے دستور میں مساوی ہیں
وہ چاہے ہندو ہو مسلم ہو چاہے عیسائی
ہے آج ملک میں جمہوریت کی سالگرہ
وہاں ستارے، یہاں پھول ہیں تماشائی

•

ستارے خواہ بڑے ہوں وہ خواہ چھوٹے ہوں
فلک کے روئے درخشاں کی وجہ زینت ہیں
ہزار قسم کے ہیں پھول صحنِ گلشن میں
چمن انھیں کی بدولت حریفِ جنت ہیں

•

اسی طرح جو وطن میں ہیں، سب ہیں اہلِ وطن
ہیں جیسے اہلِ فلک ایک، اہلِ گلشن ایک
بہم ہیں رابطۂ اتحاد میں پیوست
سوال ملک کا جب آگیا تو تن من ایک

•

زباں ایک سبھی کا تو منفعت بھی ایک
سبھی وطن کے پرستار ہیں فدائی ہیں!
وہ قحط ہو کہ گرانی ہو یا دفاعِ وطن
یہ معرکے ہیں مقابل میں سب سپاہی ہیں

•

یہ حادثے ہیں سبھی کے لئے مصیبت خیز
سبھی لڑیں گے صف آرا و ہم عناں ہو کر
اگر ہے ملک پہ آفت تو ہم بھی ہیں بے چین
سکون پا نہیں سکتے ہیں بے اماں ہو کر

•

وہ گھر ہوں یا ہوں وہ کانیں کہ کارخانے ہوں
وہ کھیت ہوں کہ ہوں دفتر، لڑائی کے ہیں محاذ
یہیں تم اپنے فرائض ادا کرو بہ خلوص
تمھارے واسطے زور آزمائی کے ہیں محاذ

•

جو کارخانوں میں ہیں وہ بڑھائیں پیداوار
کسان ہوں تو اُگلوائیں کھیت سے سونا
نہ وقت یونہی گنواؤ قدم بڑھاتے رہو
کہ اہلِ عقل کے شایاں نہیں ہے کچھ کھونا

•

ہر ایک کام دیانت سے جگمگا اُٹھے
مشین ہو کہ قلم، مِل ہو یا ترازو ہو!
رہو جو مِل کے تو جمہوریت کی شان بڑھے
وطن ہے جسم تو تم اس کے دست و بازو ہو

•

سکوں پسند نہیں وقت کی صداؤں کو
یہ باغ و راغ کا نغمہ تمھیں مبارک ہو
دکھاؤ حبِ وطن کام سب کرو مِل کر
یہ جشنِ سالگرہ کا تمھیں مبارک ہو

•

**

غزلیں

ڈاکٹر محمد منشاء الرحمن منشاؔ
11 - اسٹارکی ٹاؤن - ناگپور

*

چاک سینہ چاک دل آتش بجاں زندہ رہے
ہم ہجومِ درد و غم کے درمیاں زندہ رہے

سردیِ ماحول تو بے شک تھی جاں لیوا مگر
ہم بفیضِ گرمیِ قلبِ تپاں زندہ رہے

سانس لینا بھی قیامت سے نہیں ہے کم جہاں
ہم وہاں بھی صورتِ موجِ رواں زندہ رہے

ہم ہی ہیں جو زندگی کی چلچلاتی دھوپ میں
بے سہارا بے مکاں بے سائباں زندہ رہے

دادِ ہستی کا حقیقت میں وہی ہے مستحق
جو بلاؤں میں بجانِ ناتواں زندہ رہے

زندہ رہنے کو رہے، لیکن خدارا یہ نہ پوچھ
بن ترے ہم کس طرح اے جانِ جاں زندہ رہے

غم نہیں جو زیست کے سارے سہارے ٹوٹ جائیں
ایک بس تو اے مرے عزمِ جواں زندہ رہے

جس نے بخشی ہند کو تہذیب کی شائستگی
ہے دعا منشاؔ کی وہ اردو زباں زندہ رہے

*

نادرہ صدیقی
انور باغ، لکھنؤ-۳

*

دیوانوں سے سب کچھ پایا کچھ نہ ملا ہشیاروں سے
ہم نے اکثر کام کی باتیں سیکھی ہیں بیکاروں سے

سیم و زر کے پوجنے والو یہ بھی کبھی کیا سوچا ہے؟
کیسے کیسے فتنے جاگے سکوں کی جھنکاروں سے

وقت آنے پر ہر طاقت کی خود ہی کمر جھک جاتی ہے
کچھ تو سیکھو سیکھنے والو گرتی ہوئی دیواروں سے

عارض و رخ پر مرنے والو! دیکھو ذرا دور سے ہو
بچوں جیسا کھیل نہ کھیلو جلتے ہوئے انگاروں سے

رنج و غم چاہے جس کا ہو آنکھ مری بھر آتی ہے
دل کو ایک تعلق سا ہے تکلیفوں آزاروں سے

ہم تو اپنے دشمن کو بھی دکھ دیتے ڈرتے ہیں
جو جو دکھ پائے ہیں ہم نے اکثر اپنے یاروں سے

کیا کیا آڑے کیا کیا ترچھے، کیا کیا بانکے لوگ گئے
کیسے کیسے ڈھانچے نکلے وقت کے گہرے غاروں سے

ایک نظر کی برچھی ان کو گھائل کر کے چھوڑ گئی
کھیلا کرتے تھے جو ہر دم تیروں سے تلواروں سے

اس جیون کی ساری قیمت گویا ادا ہو جاتی ہے
بیاگل نینا جب ملتے ہیں اپنے پیاروں سے

دیکھو نادرؔ دنیا والے کتنے ناداں ہوتے ہیں
دنیاداری چاہ رہے ہیں اور وہ بھی فنکاروں سے

*

• تسنیم فاروقی
باغ ناصر، لکھنؤ - ۳

عمر بھر جس کا انکشاف نہ ہو
ایسے دل کی خطا معاف نہ ہو

ہم نے وہ پھول ہی نہیں دیکھے
جن میں رنگوں کا اختلاف نہ ہو

یہ گھٹا سے ابھرتی قوس قزح
سوچتا ہوں ترا مُباف[1] نہ ہو

بزمِ یاراں سے اٹھ کے فکر یہ ہے
تبصرہ کچھ مرے خلاف نہ ہو

خالی خالی سا ذہن رہتا ہے
جب تک اس بزم کا طواف نہ ہو

ایسے ملنے کے ہم نہیں قائل
جس کا آنکھوں سے اعتراف نہ ہو

کوئی اک شخص ایسا ملوا دو
جس پہ تہذیب کا غلاف نہ ہو

ہم اسے دل کبھی نہیں کہتے
آئینے کی طرح جو صاف نہ ہو

ہیں اُسی کی مسرتیں تسنیم
رنج سے جس کو انحراف نہ ہو

[1] یہ لفظ مُوباف ہے، مُباف نظم کیا گیا بمعنی 'ربن'

• شاذ تمکنت
لے ۱۷۳، معظم پورہ، حیدرآباد - ۱ ۵۰۰۰۰

چشمِ پُر آب میں کچھ یوں ترا پیکر اترے
جس طرح چاند سمندر میں کھلے سر اترے

زخم کی طرح یہ سنّاٹا لہو دیتا ہے
کوئی بولے کسی آواز کا نشتر اترے

مدتیں گزریں تجھے کھو بھی چکے، رو بھی چکے
لیکن اک بوجھ سا دل پر ہے یہ کیوں کر اترے

میں تو بس کانپ کے رہ جاتا ہوں جانے کیا ہو
گر کبھی آیتِ غم کوہِ گراں پر اترے

وہ نہ دیکھیں نہ سہی، ہم تو نظر رکھتے ہیں
کہ ہر اک دوست کے ساغر میں برابر اترے

اس نزاکت سے ترے جی سے اتر جاؤں گا
جس طرح تیرے بدن سے ترا زیور اترے

شاذ اس دور کے صحرا میں ہیں یوں شعر کے پھول
جیسے اُمت ہی نہ ہو اور پیمبر اترے

• مہدی پرتاپگڑھی
پرتاپ گڑھ

آج موضوعِ سخن فرد کی تنہائی ہے
گلشنِ فن پہ وہ بے رحم خزاں چھائی ہے

جب یہ چاہا وہ ملے اور نہ بولوں اُس سے
یوں ہوا ہے مری آنکھوں نے زباں پائی ہے

جاتے جاتے بھی وہ چھوڑ گیا خوشبوئے بدن
صرف کمرہ نہیں مہکی ہوئی انگنائی ہے

خوئے دلداری ہے یہ بھی کہ دکھاتا ہے وہ دل
خوش رہے وہ مرے ہونٹوں پہ دعا آئی ہے

ہر شگوفے پہ خراشوں کے نشاں ملتے ہیں
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے

کس کا پیکر مری یادوں کے افق پر ابھرا!
میرا ہر موئے بدن جس کا تماشائی ہے

تم بھی منسوب ہو کچھ جاگتے افسانوں سے
میرے ہمراہ بھی افکار کی رسوائی ہے

پیرہن جلنے لگا حسرتِ دل کا مہدی
چاندنی پھر مرے آنگن میں اتر آئی ہے

تخمی مالی امداد کی اسکیم

یہ حقیقت ہے کہ آج روزگار کا مسئلہ ریاستی و ملکی سطح پر ایک پیچیدہ مسئلہ بنا ہوا ہے۔ اَن گنت تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو روزگار مہیا کرنا ایک مشکل کام ہے۔ یہ مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ ایسے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔ ایسے خود برسرکار اشخاص بلواسطہ یا بلاواسطہ روزگار کی مزید گنجائش نکال سکیں گے۔ تاکہ وہ خود اپنی صنعتیں اور کاروبار جاری کر سکیں۔

عام مالی ادارے عموماً کل لاگت پروجیکٹ کا ۲۵ یا ۳۰ فیصد حصّہ پورا کرتے ہیں۔ جبکہ ضرورت مند صنعت کار اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ زائد سرمایہ کے لئے بنکوں کے حسب مرضی تجاویز پیش کر سکیں۔ اس کمی کو دور کرنے کے لئے تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو خود روزگار کے لئے تخمی مالی امداد کی اسکیم شروع کی گئی ہے۔

چار علاقائی ترقیاتی کارپوریشن اس اسکیم کو اپنے علاقوں میں عمل میں لانے کی ذمہ دار ہیں، (مغربی مہاراشٹر، ودربھ، مراٹھواڑہ اور کونکن) جبکہ بمبئی عظمیٰ میں مہاراشٹر چھوٹی صنعت ترقیاتی کارپوریشن اور ساری ریاست میں، ریاست مہاراشٹر کھادی و دیہی صنعتی بورڈ اس اسکیم پر عملدرآمدی کے ذمّے دار ہیں۔

قابلیت : ایسے تعلیمیافتہ بے روزگار افراد جن کی عمریں درخواست کے وقت ۱۸ سے ۴۰ سال کے درمیان ہوں۔ جنھوں نے ایس ایس سی یا مساوی امتحان یا آئی ٹی آئی کے کسی ٹریڈ کورس میں کامیابی حاصل کی ہے وہ اس اسکیم سے فیضیاب ہونے کے مستحق ہیں۔

اس اسکیم کے تحت منصوبہ کی کُل مالیت کا ۱۰ فیصد اور ۴ فیصد شرح سے بطور تخمی مالی امداد کے مذکورہ بالا ایجنسیوں کی معرفت دیا جاتا ہے۔ اس پر بنک یا مالی ادارے ۷۵ فیصد رقم بطور قرض دیتے ہیں۔ جبکہ ضرورتمند افراد کو خود ۱۵ فیصد رقم مہیا کرنی ہوتی ہے۔

لیکن اکثر اوقات تعلیم یافتہ بیروزگار افراد اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ وہ اپنے حصہ کی رقم مہیا کر سکیں۔ لہٰذا ۹ راگست ۱۹۷۸ء سے مذکورہ اسکیم میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں :

(الف) ۱۔ ایک لاکھ روپے کے منصوبوں کے لئے غیر پسماندہ طبقات کے واسطے ۱۵ فیصد اور پسماندہ طبقات (یعنی درج فہرست اقوام، درج فہرست قبائل، نومیدک اور وِمکت جاتی) کے لئے ۲۰ فیصد شرح سے تخمی مالی امداد دی جائے گی اس کے علاوہ غیر پسماندہ طبقات کے لئے ۲۰ فیصد اور پسماندہ طبقات کے لئے ۲۲ ۱/۲ فیصد کے حساب سے بھی یہ امداد اُن افراد کو دی جائے گی جن کے افراد خاندان کی کُل آمدنی سالانہ ۴۸۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے۔

۲۔ ایک لاکھ روپے کی مالیت کے صنعتی منصوبوں کے لئے تخمی مالی امداد دیئے جانے کی تاریخ سے چھ ماہ کی مدت تک متعلقہ افراد کو ماہانہ ۱۰۰ روپے وظیفہ ذاتی اخراجات کے طور پر دیا جائے گا، اگر منصوبہ اس وقت زیر تکمیل ہو۔

(ب) ایک لاکھ سے زائد مالیت کے منصوبوں پر مذکورہ اسکیم کا بغیر کسی ردّ و بدل کے اطلاق ہوگا۔

(ج) الف اور ب میں بیان کئے گئے افراد کے لئے مختلف انتظامیہ اداروں کے تعاون سے تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ بنک اس تربیت کے اخراجات جو کہ ۱۰۰ روپے فی کس ہے، پورا کرنے میں تعاون کریں گے۔ تربیت کی مدّت کے دوران متعلقہ افراد کو اپنے رہنے سہنے کے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے لیکن ماہانہ سو روپے یعنی ۴ روپیہ یومیہ کے حساب سے تربیتی وظیفہ دیا جائے گا۔

اسکیم پر عمل کرنیوالی ایجنسیوں کے پتے :

۱۔ مہاراشٹرا اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ، "کروسا ندھی" والچند ہیراچند مارگ، بیلارڈ اسٹیٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

۲۔ مہاراشٹرا اسٹیٹ کھادی اینڈ ویلج انڈسٹریز بورڈ، بھاٹیہ بال رکھشک ودیالیہ، ۱۹-۲۱ منوہر داس اسٹریٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

۳۔ ڈیولپمنٹ کارپوریشن آف کوکن لمیٹیڈ، وارڈ ہاؤس، پانچواں منزلہ، سرفیروزشاہ مہتہ روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

۴۔ ڈیولپمنٹ کارپوریشن آف ودربھ مہاجن بلڈنگ، پہلا منزلہ، مین روڈ، سیتا بلدی، ناگپور ۴۰۰۰۱۲

۵۔ مراٹھواڑہ ڈیولپمنٹ کارپوریشن لمیٹیڈ، وِکاس بھون، ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ، اورنگ آباد (ڈی۔ ایس) ۴۳۱۰۰۱

اسکول کے بچّوں کے لئے غذا کی فراہمی :

ہمارے ملک کی آبادی کا ۴۲ فیصدی حصہ ۱۵ سال سے کم عمر کے بچوں پر مشتمل ہے

یہاں تمام پنجسالہ منصوبوں کے تحت سماجی ترقیاتی کاموں سے متعلق کوششوں کے نتیجہ میں اگرچہ اموات کی تعداد ۲۷۴ فی ہزار سے کم ہو کر ۱۵ فی ہزار ہو گئی ہے۔ (۱۹۴۱ء سے ۱۹۷۵ء) اس کے باوجود بچوں کی شرح اموات دیگر ترقی یافتہ ملکوں کی بہ نسبت یہاں زیادہ ہی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک جائزے کے مطابق ناکافی غذا بچوں کی اموات اور ان کی مضر حالت کی واحد اور سب سے اہم وجہ ہے۔

اسکول کے بچوں کو کھانے کی فراہمی:

اس پروگرام کے تحت پری۔اسکول اور پرائمری اسکول کے بچوں کو جن کی عمریں ۶ اور ۱۱ سال کے درمیان ہیں، سال میں دو سو دن سو گرام "سکھاڑا" دیا جاتا ہے۔ اس سے دو مقصد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ 'سکھاڑا' سے غیر متوازن غذا کی خامی کچھ حد تک دور ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ اسکول کی حاضری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

چوتھے پنجسالہ منصوبہ کی مدت کے دوران اضلاع کے ۳۰ بلاک میں فیضیاب ہونے والوں کی تعداد ۲،۲۵،۰۰۰ تھی۔ پنجسالہ منصوبے کے دوران نشانہ ۵،۲۵،۰۰۰ تھا لیکن منصوبہ کی مدت کے خاتمے تک فیضیاب ہونے والوں کی تعداد صرف ۱،۰۶،۰۰۰ تھی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس اسکیم کو صرف اضلاع کی سطح تک محدود رکھا گیا اور صرف دو اضلاع نے اسے اپنے منصوبے میں شامل کیا۔ اس غذا پر ۱۰۰ گرام کے لئے ۳۰ پیسے یومیہ کے حساب سے خرچ آتا تھا۔ اس اسکیم کو کم از کم ضرورت پروگرام کے نام سے ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۳ء مدت کے دوران بھی جاری رکھنے کی تجویز ہے۔ اس اسکیم سے ۵۵ لاکھ بچوں کو فیضیاب کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر جد و جہد اور سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔ اس سلسلہ میں ابتدا کے طور پر ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران اس پروگرام میں توسیع کر کے خشک سالی کے آثار رکھنے والے ۲۴ تعلقہ جات میں ۶ تا ۱۱ سال کے درمیان عمر والے ۲۲ء۲ لاکھ بچوں کو فیضیاب کیا جائے گا اس کے علاوہ قبائلی منصوبے کے تحت ۶۰ء۲ لاکھ بچوں کو بھی فیضیاب کیا جائے گا خاکہ حسب ذیل ہے:

سال	کل تعداد (بچے)	اخراجات (لاکھوں میں)
۸۰-۱۹۷۹ء	۲۰	۱۲۰۰
۸۱-۱۹۸۰ء	۳۱	۱۸۶۰
۸۲-۱۹۸۱ء	۴۲	۲۵۲۰
۸۳-۱۹۸۲ء	۵۵	۳۳۰۰
		میزان: ۸۸۸۰

اس طرح سے منصوبے کی مدت کے دوران کل اخراجات کا تخمینہ تقریباً ۹۱ء۵۲ کروڑ روپے ہوگا۔ یہ کم از کم ضرورت پروگرام کا ایک عنصر ہے جو نئی حکومت نے اپنے ۴۰ نکاتی پروگرام میں شامل کیا ہے۔

تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے تخمی مالی امداد کی اسکیم:

فی الحال فروغ روزگار پروگرام میں شامل تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے تخمی مالی امداد کی اسکیم کے تحت بنک ۷۵ فیصد رقم بطور قرض مہیا کرتے ہیں۔ علاوہ ترقیاتی کارپوریشن اور مہاراشٹر چھوٹی صنعتی ترقیاتی کارپوریشن، کھادی و دیہی صنعتی بورڈ کی معرفت حکومت ۱۰ فیصد (مستحق معاملوں میں ۱۵ فیصد) رقم بطور تخمی مالی امداد دیتی ہے اور متعلقہ فرد کو خود ۱۵ فیصد (مستحق معاملوں میں ۱۰ فیصد) رقم مہیا کرنی ہوتی ہے۔

اکثر اوقات یہ تجربہ ہوا ہے کہ تعلیم یافتہ بیروزگار لوگوں میں سے کئی لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنے حصہ کی رقم ادا کر سکیں۔ لہٰذا حکومت نے اس اسکیم میں مندرجہ ذیل تبدیلی کی ہے:

(الف) ۱۔ ایک لاکھ روپے کی مالیت کے منصوبوں کیلئے غیر پسماندہ طبقات کے لئے ۱۵ فیصد اور پسماندہ طبقات (یعنی درج فہرست اقوام، درج فہرست قبائل، نومیدک اور دیمکت جاتی) کے لئے ۲۰ فیصد شرح سے تخمی مالی امداد دی جائے گی۔ اس کے علاوہ غیر پسماندہ طبقات کے لئے ۲۰ فیصد اور پسماندہ طبقات کے لئے ۲۲½ فیصدی کے حساب سے بھی یہ امداد ان افراد کو دی جائے گی جن کے افراد خاندان کی کل آمدنی سالانہ ۴۸۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے۔

۲۔ ایک لاکھ روپے کی مالیت کے منصوبوں کے لئے تخمی مالی امداد دیئے جانے کی تاریخ سے ۶ ماہ کی مدت تک متعلقہ افراد کو ماہانہ ۱۰۰ روپے وظیفہ ذاتی اخراجات کے لئے دیا جائے گا، اگر منصوبہ اس وقت زیر تکمیل ہو۔

ب) ایک لاکھ روپے سے زائد مالیت کے منصوبوں پر مذکورہ اسکیم کا بغیر کسی رد و بدل کے اطلاق ہوگا۔

ج) الف اور ب میں بیان کئے گئے افراد کے لئے مختلف انتظامیہ اداروں کے تعاون سے تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ بنک اس تربیت کے اخراجات جو کہ ۱۰۰ روپے فی کس ہے پورا کرنے میں تعاون کریں گے۔ تربیت کی مدت کے دوران متعلقہ افراد کو اپنے رہنے سہنے کے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے لیکن انہیں ماہانہ ۱۰۰ روپے یعنی یومیہ ۴ روپیہ کے حساب سے تربیتی وظیفہ دیا جائے گا۔

اس اسکیم میں مذکورہ بالا تبدیلیوں کا نفاذ ۹ اگست ۱۹۷۸ء سے ہوگا۔

شری رام کمار تترا، ممبئی کے نئے شریف مقرر ہوئے۔ ۲۰ ردسمبر کو راج بھون میں مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی کے روبرو آپ نے اپنے عہدہ کا حلف لیا۔

کل ہند دستکاری ہفتہ امراؤتی میں ۱۵ ردسمبر کو منایا گیا۔ اس سلسلے میں ایک نمائش منعقد کی گئی۔ بائیں طرف کی تصویر میں ضلع کلکٹر، شری ایم۔ آر۔ پاٹل اور شریمتی پاٹل کو نمائش دیکھتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ دائیں طرف کی تصویر میں ایگزیکیٹو ضلع پریشد آفیسر شری پی۔ کے دیشپانڈے، شری بیڈکر کو اول انعام دیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

بین الاقوامی سال برائے اطفال کی تقریبات کا آغاز یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو ناسک میں منعقد کئے گئے ایک زبردست ریلی اور کلچرل پروگرام سے ہوا۔ مشہور شاعر اور مراٹھی ادب کے ڈرامہ نویس شری وی۔ وی۔ شرواڈکر (تصویر میں بائیں طرف) نے بچوں کی ریلی سے خطاب کیا۔ ناسک کے ضلع کلکٹر اور بین الاقوامی سال برائے اطفال کی تقریبات سے متعلق ضلع کمیٹی کے چیئرمین شری اشوک باسک، ناسک میونسپل کونسل کے صدر شری وی۔ بی گیتے اور منتری وسنت راؤ اُپادھیہ ایم۔ ایل۔ اے بھی اس تقریب میں موجود تھے۔
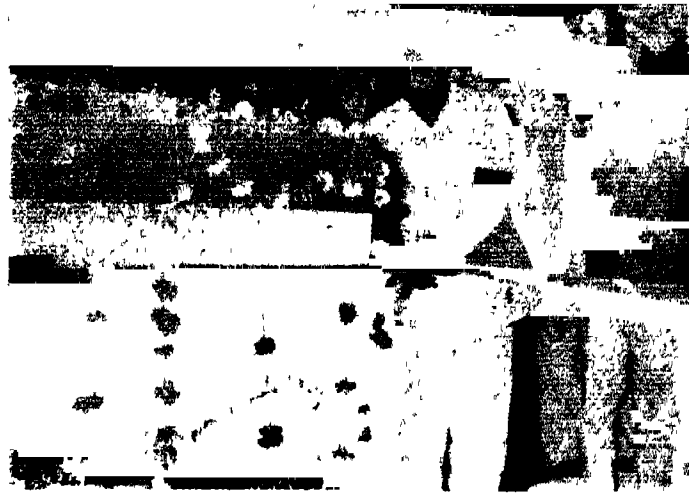
اوپر بائیں طرف : ۲۲ دسمبر کو ممبئی میں ریٹنلیسٹ ایسوسی ایشن کی ایک بیٹھک ہوئی ــــ وزیر مملکت برائے امور داخلہ شری بھائی ونہ بہ نے جلسہ سے خطاب کیا۔

اوپر دائیں طرف : وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے یکم دسمبر ۱۹۷۸ء کو سمینری ہل مال‌دیان' ناگپور میں بچوں کی ایک ٹرین" ون بالا" کا افتتاح کیا تصویر میں وزیر اعلیٰ کو ربن کاٹتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ وزیر جنگلات شری تھمدی لال گپتا اور وزیر مملکت برائے جنگلات شری دلور سنگھ پدوی بھی اس تقریب میں موجود تھے۔

◀ وزیر ٹرانسپورٹ شری ہنسمکھ بھائی اُپادھیہ نے ناگپور میں نئے تعمیر کردہ مہاراشٹر کے سب سے بڑے ایس۔ٹی ڈپو کا افتتاح کیا تصویر میں وزیر موصوف ربن کاٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

نیچے : ۲۷ دسمبر ۱۹۷۸ء کو نیوی کوہلی اسٹیڈیم ممبئی میں جسمانی طور پر کمزور بچوں کے دوسرے قومی کھیلوں اور تیراکی کے مقابلے منعقد ہوئے۔ جس کا افتتاح وزیر تعلیم شری سدانند ورودے نے کیا تصویر میں وزیر موصوف کو جسمانی طور سے معذور بچوں کی سلامی لیتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔
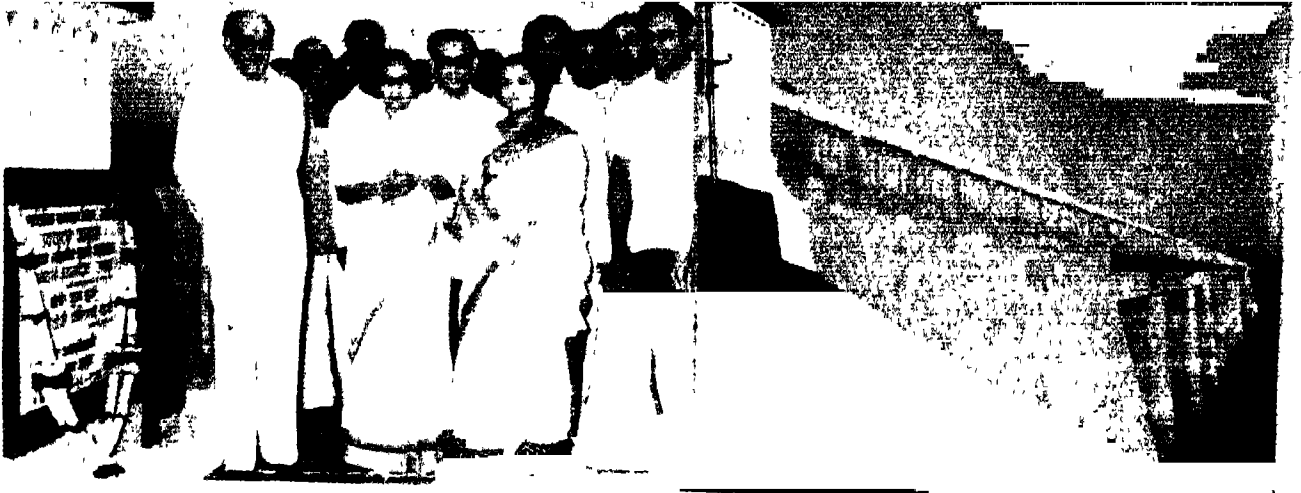
ضلع اکولہ میں منورا کرنجا بیٹرک سے گذرتا ہوا اون ندی پر ۲۸۶۶۷ لاکھ روپے کی لاگت سے ۲۱۳ میٹر لمبا پُل تعمیر کیا گیا ۔ وزیر ... ی جگس ... راؤ جادھو
نے اس پل کا افتتاح کیا اس پل کی تعمیر سے منورا ۔ کرنجا کے بیچ ۱۲ کلومیٹر کا فاصلہ کم ہوگیا ہے ۔ اس کے علاوہ یہ پُل کرنجا ، انجورا ، کیپنا اور منورا کو آپس میں ملاتا ہے ۔
... میں وزیر موصوف کے ساتھ وزیر صحت ڈاکٹر شریمتی پربھا راؤ ملے کو بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔
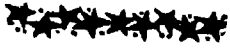
وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۱۴ ردسمبر کو ناگپور کے پچپاؤلی مقام پر ۲۵ءا لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والی سنت جو کھامیلہ گرلس سکول کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا ۔ وزیر مکانات شری بھاؤ صاحب سروے اور وزیر مملکت برائے ٹکنیکل تعلیم شری دتہ میگھے بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں ۔
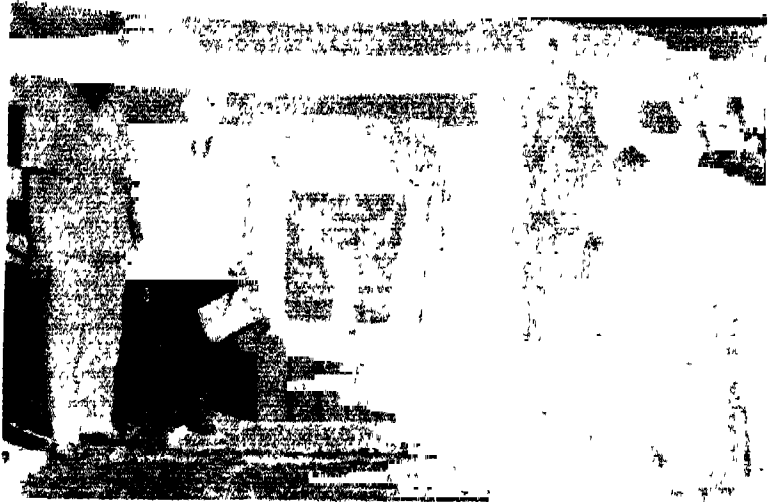
گذشتہ دنوں ضلع دھولیہ میں گرو دہائی اسکول کے وسیع میدان میں ۱۷ واں نیشنل کھو کھو ٹورنامنٹ منعقد ہوا ۔ وزیر محصول شری آتم راؤ پاٹل نے ٹورنامنٹ کا آغاز کیا ۔ بائیں طرف وزیر موصوف سلامی لیتے ہوئے اور دائیں طرف مہاراشٹر ٹیم کے کیپٹن شری راجندر راود کی قیادت میں کھلاڑیوں کو مارچ پاسٹ کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے ۔
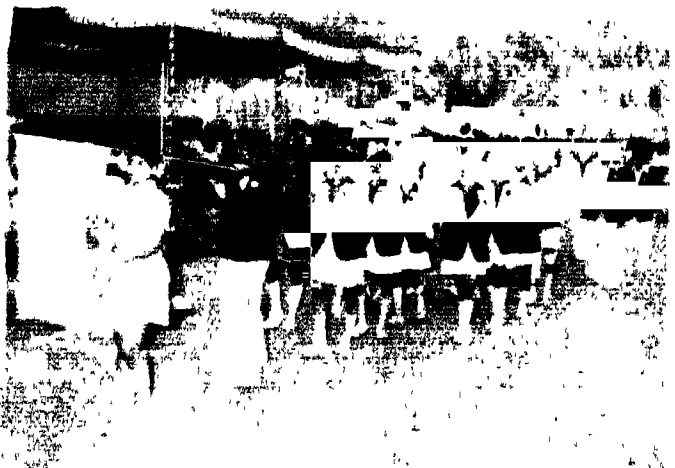
۳ر جنوری کو جہانگیر آرٹ گیلری میں گورنر شری صادق علی کے ہاتھوں ۱۹ ویں مہاراشٹرا اسٹیٹ آرٹ ایگزیبیشن کا افتتاح عمل میں آیا۔ تصویر میں گورنر موصوف کے ساتھ وزیر برائے ٹیکنیکل تعلیم شری نہال احمد کو دیکھا جا سکتا ہے۔
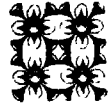
بین الاقوامی سال برائے اطفال جشن کے سلسلے میں ناندیڑ میں بچوں کی ایک ریلی ہوئی۔ اس تقریب میں بچوں کا فینسی ڈریس آئیٹم پیش کیا گیا اس موقع کی ایک تصویر۔ دائیں طرف ضلع کلکٹر کی بیگم مترمبنی نمینکشن بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

بزمِ اُردو، دیگلور کالج کی جانب سے ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو کالج ہال میں ایک مجلسِ مذاکرہ و مشاعرہ منعقد ہوئی۔ زیرِ نظر تصویر میں جناب جوش محمد آبادی اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے ہوئے۔

شری شیوڑے کی موت پر وزیر اعلیٰ کا تعزیتی پیغام

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے آنجہانی شری اے۔ جی شیوڑے کی موت پر اظہار افسوس کیا۔

وزیر اعلیٰ کے تعزیتی پیغام کا متن حسب ذیل ہے :

"شری شیوڑے کی موت سے ملک نے ایک ممتاز مجاہد آزادی کھو دیا ہے جس کی زندگی کا مقصد صحافت کے ذریعہ عوام کو تعلیم دینا تھا۔ انھوں نے ہندی ادب اور ہندوستانی صحافت میں نمایاں فرائض انجام دیئے ہیں۔ خاص طور پر ہندی کو قومی زبان کی حیثیت سے ترقی دینے میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔"

شری بھائی ویدیہ کا اظہارِ تعزیت

شری بھائی ویدیہ، وزیر مملکت برائے داخلہ و عام انتظامیہ نے شری اے۔ جی شیوڑے "ناگپور ٹائمز" کے مینجنگ ایڈیٹر کی اچانک موت پر اظہار تاسف کیا۔

تعزیتی پیغام میں شری ویدیہ نے کہا کہ "مجھے ہندوستان کے عظیم صحافی کی موت کی خبر سُن کر سخت صدمہ ہوا۔ وہ صحافت، آدرش واد اور آزادی کی جدوجہد کی تاریخ میں اپنے کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید ہو گئے ہیں۔"

خواتین اور پچھڑے ہوئے افراد کو بیگار سے چھٹکارا دلایئے — وزیر اعلیٰ کی اپیل

"مہاتما جیوتی با پھلے اور ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے سُنہری خوابوں کی تعبیر اس وقت ممکن ہے جب مساوات کی بنیاد پر ہمارا مہذب سماج بنے گا۔ اور اس کے لئے خواتین اور پچھڑے ہوئے افراد کو صحیح معنوں میں بیگار سے چھٹکارہ دلانا بیحد ضروری ہے۔" اس بات کا اظہار شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے شریمتی مکتابائی بیک ورڈ گرلز ہاسٹل بلڈنگ کا ناگپور میں ۱۲ رجنوری کو سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے کیا۔

مجوزہ تین منزلہ ہوسٹل کی عمارت دکشا گراؤنڈ کے قریب ہے۔ اس پر لاگت کا تخمینہ ۱۲ لاکھ روپے کا ہے۔

اس موقع پر وزیر سماجی بھلائی شری ارجن راؤ کستورے نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

وزیر اعلیٰ نے خواتین کی بہبود کے سلسلہ میں مہاتما جیوتی با پھلے، مہارشی کروے اور پنڈت مکتابائی کی خدمات کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ شریمتی مکتابائی کے نام پر اس ہوسٹل کی بنیاد رکھنے کی وجہ سے ہوسٹل کی لڑکیوں کے سامنے ہمیشہ ایک آدرش شخصیت رہے گی۔

اس موقع پر شری بھاؤ صاحب سروے، وزیر عمارات، شری دتہ میگھے وزیر مملکت برائے روزگار اور شری بھاؤ صاحب ٹلک، وزیر مملکت برائے شہری ترقیات بھی موجود تھے۔

سینک اسکول میں داخلہ کے امتحان

کل ہند سینک اسکولوں کے لئے ۸۰-۱۹۷۹ء میں داخلہ کی خاطر امتحان ۲۴ اور ۲۵ رفروری ۱۹۷۹ء کو منعقد کئے جائیں گے۔ ناگرڈٹا کے سینک اسکول (جے اور کے) کے لئے بعد میں علیحدہ امتحان لئے جائیں گے، یکم جولائی ۱۹۷۹ء تک ۱۰ سے ۱۲ رسال کی عمر کے بچے داخلہ امتحان میں شریک ہو سکتے ہیں۔

داخلہ فارم بھرنے کی آخری تاریخ ۳۱ رجنوری ۱۹۷۹ء ہے۔ کچھ سیٹیں مندرج جاتیوں اور قبائل کے لئے امتحان کی بعض شرطوں کے تحت محفوظ ہیں۔

داخلے کے خواہشمند اُمیدوار پُروسپیکٹس مع ماڈل سوالناموں کے سینک اسکول سے براہ راست ۲ روپے پوسٹل آرڈر دے کر پرنسپل سے حاصل کر سکتے ہیں۔

ناگالینڈ، میگھالیہ، تریپورہ اور سکم کے علاوہ ہر ریاست میں ایک سینک اسکول ہے۔

مہاراشٹر سینک اسکول ستارا میں واقع ہے۔

بین الاقوامی اطفال سال کے لئے نمائش، ڈرامے

"بین الاقوامی اطفال سال" منانے کے لئے بمبئی عظمیٰ کمیٹی نے ۱۱ رجنوری کو ایک بیٹھک بُلائی اور اس سال کے دوران بچوں کے لئے نمائش، ڈرامہ مقابلے، فلم شو وغیرہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔

بمبئی کمشنر نے علاقائی ہیڈکوارٹرز اور بمبئی میں دو نمائشیں منعقد کرنے کے لئے ۱۰,۰۰۰ روپے کی رقم منظوری دی ہے۔ یہ نمائش باندرہ، گھاٹ کوپر، اور شیواجی پارک میں ستمبر کے بعد منعقد کی جائیں گی۔

بچوں کے ڈرامہ مقابلوں کا انتظام لیبر ویلفیئر سینٹر اور بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ایجوکیشن افسر کی مدد سے کیا جائے گا۔ جس میں ۵۰۰۰ روپے کے انعامات تقسیم کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جھونپڑ پٹیوں کے علاقوں میں مہاراشٹر اسٹیٹ کونسل فار چلڈرن ویلفیئر اور محکمۂ تعلیم کی مدد سے بچوں کی فلمیں دکھائی جائیں گی۔

اس موقع پر بمبئی کے کلکٹر شری نندلال نے صدارت کے فرائض انجام دیئے شریمتی کسم تائی وانکھیڈے، شریمتی اوشا گوکھلے، شری گورے اور شری آر۔ ایس نڈ کمی نے میٹنگ میں شرکت کی۔

اقلیت کی زبانوں میں سرکاری اشاعتیں

اقلیت کی زبانوں کے تحفظ کی اسکیم کے تحت ریاستی ڈائرکٹوریٹ آف لنگوئجز نے اہم سرکاری احکامات، اعلانات اور قوانین کے ترجمہ کی سہولتیں مہاراشٹر کے ۴ علاقائی شہروں میں مہیا کی ہیں۔ یہ علاقے ہیں :

(۱) بمبئی : (ہندی، اُردو، گجراتی، کنڑاور سندھی) (۲) پونے : (کنڑ اور تیلگو) (۳) ناگپور : (ہندی، اُردو) اور (۴) اورنگ آباد (اُردو)

اب تک مندرجہ ذیل اشاعتیں ریاستی حکومت نے اُردو، کنڑ، اور گجراتی میں شائع کی ہیں ۔

اُردو ۔(۱) بمبئی دکانات وکارخانہ جات ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء (۲) ملازمین پراوڈنٹ فنڈ ایکٹ (۳) ہالی ڈے کیمپس قوانین وغیرہ ریزرویشن (۴) ہالی ڈے کیمپس بمبئی اور (۵) اقل ترین اُجرت ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء۔

کنڑ: (۱) مہاراشٹر بائیلر قوانین بابت ۱۹۶۲ء (قوانین ۴، سے ۱۴۹ تک) (۲) بمبئی اوزان وپیمائش ایکٹ (۳) آلوؤں کی کاشت زیادہ پیداوار کے لئے (۴) چوہوں سے تحفظ (۵) جوار کے لئے کیڑوں پر کنٹرول (۶) فصلوں کے لئے حفاظتی اقدام (۷) بڑی فصلوں کو خراب ہونے یا کیڑے لگنے سے بچانے کے اقدامات اور (۸) مہاراشٹر میں چراگاہوں کو بڑھاوا۔

گجراتی : (۱) بمبئی اسٹامپ ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء اور (۲) بمبئی کورٹ فیس ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء ایسے افراد جو کہ مذکورہ اشاعتوں کو خریدنے کے خواہشمند ہیں انھیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مذکورہ مقامات پر اسٹیٹ گورنمنٹ بکڈپوٹ رجوع کریں۔

کتابوں کا نواں قومی میلہ

مہاراشٹر اسٹال کی تعریف

بنگلور میں ۲۹ ردسمبر ۱۹۷۸ء سے ۷ رجنوری ۱۹۷۹ء تک نیشنل بک ٹرسٹ کی جانب سے کتابوں کے نویں قومی میلہ کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک بھر سے کتابوں کی ۲۰۰ دکانیں سجائی گئی تھیں۔ مہاراشٹر کا اسٹال ڈائرکٹر جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز اور ڈائرکٹر لائبریریز کے اشتراک سے لگایا گیا تھا جس میں حال ہی میں شائع شدہ چنندہ مراٹھی کتابیں سجائی گئی تھیں۔ ریاستی حکومت کی جانب سے انعام یافتہ کتابوں کو الگ رکھا گیا تھا۔

کرناٹک کے گورنر شری گوند نارائن اور وزیراعلیٰ شری دیوراج ارس نے اسٹال کا معائنہ کیا۔ آویزاں تصاویر جن میں سنت گیانیشور اور دیگر جدید مصنفوں کی روایات پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ خاص طور پر جاذب نظر تھیں۔

۵۰,۰۰۰ سے زیادہ افراد نے اسٹال دیکھا اور بیحد پسند کیا۔

خاندانی بہبود ماہ کے لئے خصوصی انعامات

بہترین ضلع کو پچیس ۲۵ ہزار روپے ملیں گے

ماہ جنوری ۱۹۷۹ء پوری ریاست میں 'خاندانی بہبود ماہ' کے طور پر منایا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں حکومت مہاراشٹر نے مختلف ضلعوں پر بہترین کارنامہ انجام دینے پر ۴۵ء۰ لاکھ روپے کی رقم بطور خصوصی انعامات دینے کے لئے منظور کی ہے۔

شری پاٹل نے حلف اٹھایا

شری راجہ رام باپو پاٹل ایم۔ایل۔سی نے ۹ رجنوری کو راج بھون، بمبئی میں منعقدہ تقریب میں ریاستی کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے شری پاٹل کو حلف دلایا۔

وزیراعلیٰ شری شرد پوار کے علاوہ کابینہ کے دیگر ممبران، چیف جسٹس شری بی۔ این۔ دیشمکھ، میئر بمبئی شری رلیا چیبولکر اور دیگر اعلیٰ عہدیدار اس موقع پر موجود تھے۔

وزیر کی حیثیت سے شری پاٹل کی شمولیت کے بعد ریاستی کابینہ کے ممبران کی تعداد ۲۵ ہوگئی ہے۔

یہ اسی موقع پر لی گئی تصویر ہے۔

موسم گرما کی دھان پیداوار کے لئے زبردست پروگرام جاری

ایک زبردست پروگرام موسم گرما کی دھان کی پیداوار کے لئے ضلع بھنڈارہ میں ۷۰۰۰ ہیکٹر آبپاشی کی سہولتیں باغ اور اتیاڈو نہروں کی وجہ سے مہیا کی گئی ہیں، وضع کیا گیا ہے۔

اتیاڈو نہر سے ۱۸۰۰ ہیکٹر پر آبپاشی کی سہولت مارگاؤں ارجونی پنچائت سمیتی میں ۱۱۰۰ ہیکٹر، لاکھندر پنچائت سمیتی اور ۲۱۰۰ ہیکٹر امراوتی پنچائت سمیتی ضلع چندرپور میں حاصل ہوسکے گی جبکہ باغ نہر سے ۲۰۸۰ ہیکٹر پر آبپاشی کی جاسکے گی جس میں ۷۰۰ ہیکٹر سلیکا سا پنچائت سمیتی میں، ۱۰۰۰ ہیکٹر امگاؤں پنچائت سمیتی اور ۳۰۰ ہیکٹر گوندیا پنچایت سمیتی میں شامل ہے۔

مناسب قیمتوں کے دکانداروں کے لئے تربیتی کورس

حکومت مہاراشٹر نے ہر ضلع کے شہری اور دیہی علاقوں میں اس سال ۲ تا ۳ مناسب قیمتوں کی دکانوں کا انتخاب کرکے پائلٹ پروجیکٹوں کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ عوام تقسیم کار کے طریقے کو درمیانی طبقہ اور نادار طبقہ کے افراد کے لئے مفید بنایا جاسکے اور یکساں قیمتوں پر بغیر کسی رکاوٹ کے ضروری اشیاء ان تک پہنچائی جاسکے۔

اس بات کا اعلان وزیر غذا و شہری رسد شری انج ہنسمکھ اپادھیائے نے ۱۴ر جنوری کو ناگپور کے کلکٹوریٹ میں کیا۔

مناسب قیمتوں کی دکانوں کو اناج کے علاوہ چائے، گھاسلیٹ، لکھنے کی بیاضیں، شکر، کھانے کا تیل اور روزانہ استعمال کی دیگر اشیاء بھی فراہم کی جائیں گی۔

وزیر موصوف نے اس بات کی بھی امید ظاہر کی ہے کہ بہت جلد سرکار ایک تربیتی کورس جاری کرنے والی ہے تاکہ مناسب قیمتوں کے دکانداروں کو دکانداری میں مہارت حاصل ہوسکے۔

اورنگ آباد سے

پسماندہ طبقات کے طالبات کے لئے ہوسٹل

حکومت مہاراشٹر کے سوشیل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے ناندیڑ، امبا جوگائی ضلع بیڑ اور اُدگیر ضلع عثمان آباد میں پسماندہ طبقات و دیگر مالی لحاظ سے پچھڑے ہوئے طبقات سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے لئے ہوسٹل کھولا جارہا ہے۔ اس ہوسٹل میں ۴۰ سیٹیں پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں، اور ۴۰ سیٹیں دیگر مالی لحاظ سے پچھڑے ہوئے طبقات سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے لئے رکھی گئی ہیں۔

قومی راج

ڈسٹرکٹ انڈسٹریل سینٹر کی جانب سے ۱۴۰ تعلیمیافتہ بیروزگاروں کی رہبری

ڈسٹرکٹ انڈسٹریل سینٹر کی جانب سے چھوٹی صنعتوں کی ترقی کے مدنظر مختلف قسم کی اسکیمات روبہ عمل لائی جاتی ہیں۔ یہ سینٹر اپنے قیام یکم مئی ۱۹۷۸ء سے برابر اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کررہا ہے۔

اس سینٹر کی جانب سے ۱۴۰ تعلیمیافتہ بیروزگاروں کی رہبری کی گئی اور انھیں چھوٹی صنعتیں شروع کرنے کے لئے قرض منظور کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دیہی کھادی صنعت کے لئے دیہی کھادی صنعتی بورڈ کی جانب سے ۲۳ لاکھ روپے کی تقسیم کی جاچکی ہے۔ صنعتی سینٹر کے منیجر نے تعلقہ کی سطح پر تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی روزگار رہبری مہم شروع کردی ہے جو تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے حق میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ ہے۔

اورنگ آباد میں ٹیلیفون مرکز کا افتتاح

دو ہزار سات سو ٹیلیفونوں کی گنجائش رکھنے والے ڈائرکٹ لائن ٹیلیفون مرکز کا افتتاح ۲ر دسمبر کو مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے صحت عامہ ڈاکٹر نامدیو راؤ گاڑیکر کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس نئے مرکز کی وجہ سے ۲۶۰ نئے گاہکوں کو فوراً کنکشن دیئے جائیں گے۔ آخر مارچ ۱۹۷۹ء تک مزید ۲۵۰ ٹیلیفون کنکشن شہریوں کو دیئے جائیں گے۔

اس پروگرام کی صدارت اورنگ آباد آرچ بشپ اُبریئو لے کی۔ صدارتی خطبہ میں موصوف نے اس مرکز کے قیام کو مرہٹواڑہ کی ترقی کے لئے ایک نیک فال سے تعبیر کیا۔

دیہی علاقوں میں محافظ صحت عامہ اسکیم کا افتتاح

شہروں میں بسنے والے لوگ ماہر ڈاکٹروں کی خدمات سے استفادہ حاصل کرتے ہیں، جبکہ دور دراز دیہاتوں کے لوگ اس سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی فرق کو دور کرنے کے لئے اب حکومت نے محافظ صحت عامہ اسکیم شروع کی ہے۔

ڈاکٹر گاڑیکر کے ہاتھوں ۴ر دسمبر کو تعلقہ خلدآباد کے بازارساونگی دیہات میں محافظ صحت عامہ اسکیم کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس اسکیم کے تحت ایک ہزار لوگوں کے لئے ایک عدد تربیت یافتہ محافظ صحت عامہ مقرر کیا جائے گا۔ ان محافظوں کو تین ماہ بعد ۵۰ روپے بطور اعزازی تنخواہ دی جائے گی۔ یہ محافظ انھیں فراہم کی گئی دواؤں کی مدد سے ملیریا، سردرد، معمولی زخم وغیرہ کا علاج کریں گے۔ یہ محافظ سرکاری نوکر نہ ہوتے ہوئے سماجی خدمت کے جذبے کے تحت فرض انجام دیں گے۔

ڈاکٹر گاڑیکر نے دیہی عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ خدشات سے پرے ہٹ کر بلاکھٹکے محافظ صحت عامہ کے پاس کی دوائیں استعمال کریں۔ موصوف نے مزید کہا کہ یہ سیدھی سادھی اسکیم ہے۔ بطور خاص غریب عوام کو چاہیئے کہ وہ توہمات میں وقت نہ برباد کرتے ہوئے اس اسکیم سے مستفید ہوں۔

گوا اور مہاراشٹر کے باشندوں میں قریبی تعلقات

وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ شری بھائی ویدیہ کا دورۂ گوا

گوا کے باشندوں نے مہاراشٹر کے وزیر مملکت برائے امور داخلہ اور پبلسٹی شری بھائی ویدیہ کا یکم جنوری کو پاناجی، گوا میں پرجوش خیرمقدم کیا۔ اس ایک روزہ دورہ کے مصروف ترین پروگرام میں وزیر موصوف کا گوانی مجاہدین آزادی کے اجتماع سے خطاب، ناتھ پائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی کی اسکول بلڈنگ کی سنگِ بنیاد تقریب کی صدارت، گومنتک ساہتیہ سیوا منڈل کی گولڈن جوبلی تقریب سے خطاب، ایک مجاہدِ آزادی کی بیوہ کی قیام گاہ پر تعزیت اور آخر میں مہاراشٹر انفارمیشن سینٹر کا معائنہ خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ اس ایک روزہ دورہ کے باعث گوا اور مہاراشٹر کے باشندوں کے درمیان قریبی تعلقات مزید استوار ہوئے۔

★

مجاہدین آزادی کی ریلی: ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نگر مہاپسہ میں گوانی مجاہدین آزادی کی 'ریلی' کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ تاریخی جدوجہدِ آزادی میں شرکت کے وقت ہمارے مجاہدین کی کبھی بھی یہ نیت نہ رہی کہ آزادی کے بعد لوگ انھیں خوب انعام واکرام سے نوازیں۔ میرے خیال میں وہ کبھی بھی اپنی بے لوث اور مخلصانہ خدمات پر کسی صلے کے طالب نہیں ہوئے اور نہ کبھی ہونگے۔

شری ویدیہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات بھی عجیب وغریب لگتی ہے کہ جن افراد نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہے وہی آزادی کے بعد حکومت کی باگ ڈور بھی سنبھالیں اور دیس پر راج کریں۔ میرے خیال میں جو لوگ دیس کے لوگوں کی سیوا کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ چنداں ضروری نہیں کہ وہ اہم عہدہ بھی سنبھالیں۔

آج مجاہدینِ آزادی کے لئے اہم کام یہی ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ آیا یہ وہی آزادی ہے، جس کے لئے وہ لڑے تھے اور یہ کوشش کریں کہ اس سے حقیقتاً سماج کے لاکھوں کروڑوں پست اور غریب ترین طبقہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

مثالی انسانی سوسائٹی: کالن گٹ میں ناتھ پائی میموریل ایجوکیشن سوسائٹی کی اسکول بلڈنگ کی سنگِ بنیاد تقریب کی صدارت کرتے ہوئے شری ویدیہ نے عظیم ماہر پارلیمنٹ اور قابل بیرسٹر ناتھ پائی کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ زندگی بھر آنجہانی ناتھ پائی نے لوگوں کو یہی تلقین کی کہ وہ ذات پات اور عقیدے کے اختلافات کو مٹا کر خالص سماجی ومعاشی نظام قائم کریں۔

وزیر موصوف نے سوسائٹی سے گذارش کی کہ وہ بیرسٹر ناتھ پائی کے تصوّر کے مطابق مثالی انسانی سوسائٹی قائم کرنے کے لئے تمام لوگوں کو تعلیم دیں۔ اس طرح یہ سوسائٹی جو اُن کے نام سے منسوب ہے انھیں بہترین خراج عقیدت ادا کرسکتی ہے۔ مہمان خصوصی شری شیرو بھاؤ لیمائے نے سنگِ بنیاد رکھا۔ ڈاکٹر جبلو گاؤکر، چیرمین سوسائٹی نے مہمانوں کا خیرمقدم کیا۔ شری شیواجی دیسائی وائس چیرمین نے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ سوسائٹی کے سیکریٹری شری وناٹک نائک نے سوسائٹی کی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر لوہیا کے نام پر باغ: شری بھائی ویدیہ نے مہاپسہ میونسپل گارڈن ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کے نام سے منسوب کرنے کی رسم بھی ادا کی۔

ڈاکٹر لوہیا کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے شری ویدیہ نے فرمایا کہ ڈاکٹر لوہیا محض سیاستداں نہیں تھے۔ ان کے خیالات اور اقوال آج کے حالات سے بڑی مناسبت رکھتے ہیں اگر قوم ان پر عمل پیرا ہو تو وہ جلد ہی خوشحالی حاصل کرسکتی ہے۔

شری ویدیہ نے یہ مشورہ بھی دیا کہ ڈاکٹر لوہیا کا مجسمہ اور تختی جس پر ان کے تصوّرات اور اقوال کندہ ہوں باغ میں لگائی جائے تاکہ آئندہ نسلوں کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ قائم رہے۔

وزیر موصوف نے مہاپسہ شہر میں دو سڑکوں کے نام رکھنے کی رسم بھی ادا کی جن میں سے ایک کا نام ڈاکٹر امبیڈکر روڈ اور دوسری کا نام ہیڈ الوارث روڈ ہے۔

مہاپسہ میونسپلٹی کے چیرمین شری موتی لال بانڈیکر نے مہمانوں کا خیرمقدم کیا۔

شری بھائی ویدیہ نے مہاپلسہ میں (دائیں جانب) پیتل کی شمع روشن کر کے مجاہدین آزادی کانفرنس کا افتتاح فرمایا۔ دائیں طرف وزیر موصوف اس موقع پر خطاب فرما رہے ہیں۔ شری نبیرد بھاؤ لیمائے (بائیں سے تیسرے) اور شری وامن رادھاکرشنا (بائیں سے چوتھے) بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ساہتیہ سیوک منڈل کے کام کی تعریف: ماناجی میں گومنتک ساہتیہ سیوک منڈل کی گولڈن جوبلی تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی تقریر کرتے ہوئے شری بھائی ویدیہ نے منڈل کی گوناگوں سرگرمیوں کی تعریف کی اور منڈل کو یقین دلایا کہ حکومت مہاراشٹر اس کے خود اپنے مجوزہ میوزیم کی تعمیر میں تعاون دے گی۔

گوا کے باشندوں نے مہاراشٹر کے ادب اور ثقافت کو بہت کچھ دیا ہے اور اُسے مالامال کیا ہے۔ اس معاملہ میں منڈل کی کوشش کبھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

مہان بیٹھک پروفیسر گنگادھر گاڈگل نے اپنی صدارتی تقریر میں یہ مشورہ دیا کہ پرتگالی الفاظ و محاورے لے کر مراٹھی زبان و ادب کو مالامال کیا جا سکتا ہے اور یہ ذخیرۂ الفاظ گوا کے باشندوں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ گومنتک کو اس اچھے کام میں مہاراشٹر کے لوگوں سے تعاون کرنا چاہیئے۔

پروفیسر گاڈگل نے منڈل کی جانب سے کلا اکیڈیمی انعامات پانے والوں کو مبارکباد دی۔ ممتاز مراٹھی اور کوکنی شاعر و ادیب بشمول نریندر بورکر، منوہر سردیسائی، چندر کانت کنواس، پنڈلک نائک، اودھت کڑانکر، رمیش ویلوسکر اور نیلما انجلے اور وسنتی ناڈکرنی کو اعزاز دیا گیا۔

منڈل کے صدر شری منوہر دیسائی نے تعارفی تقریر کی۔

منڈل کے نائب صدر شری پربھاکر بھساری نے شکریہ ادا کیا۔

وزیر موصوف نے بزرگ مجاہد آزادی آنجہانی مارک فرنانڈس جن کا بس کے حادثہ میں انتقال ہو گیا تھا، کی بیوہ سے ملاقات کی اور انہیں پُرسا دیا۔ کالن گٹ میں شریمتی مرینا فرنانڈس کی قیامگاہ پر اس تعزیت کے وقت دیگر مجاہدین آزادی بھی موجود تھے اور انہیں وزیر موصوف سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔ ایک اور بزرگ مجاہد آزادی کی بیوہ شریمتی آروزے بھی وہاں موجود تھیں۔

وزیر موصوف کی اس آمد پر گوا کی تحریک آزادی اور مادر وطن کی آزادی کی خاطر گوانی محبانِ وطن کے کارناموں اور قربانیوں کی یاد دلوں میں تازہ ہو گئی اور سب کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

مہاراشٹر انفارمیشن سینٹر: وزیر موصوف پاناجی میں واقع مہاراشٹر انفارمیشن سینٹر بھی تشریف لے گئے۔ شری پربھاکر بھساری، چیف انفارمیشن آفیسر نے وزیر موصوف کو سنٹر کی سرگرمیوں اور مہاراشٹر اور گوا کے باشندوں کے درمیان ثقافتی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے اس کی کوششوں سے روشناس کیا۔ شری ایشور راج ماتھر، ایڈیشنل چیف ڈائرکٹر آف مہاراشٹر ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز وزیر موصوف کے ہمراہ تھے۔

یوتھ فورم

یوتھ فورم، مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنیوالے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے، تعلیم کا فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔ اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

↑ جانی پورہ کی پہاڑیوں پر واقع قدیم عمارت، جہاں سنت سورداس، پارسولی سے آکر بھجن گانے تھے۔

↓ سیہی، میں سنت سورداس کی جائے پیدائش میں اُن کی مورتی۔

QAUMI RAJ: Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 for ‘without prepayment of postag*

||राग मलार||

बहुरि बन बोलन लागे मोर।
[illegible] भाँति नंदनंदन की
सुनि बादर की घोर।।
जिन के पिय परदेस सिधारे
सो तिय परी निठोर।
मोहि बहुत दुख हरि बिछुरे को
रहत बिरह को जोर।।
चातक पिक दादुर चकोर ये
सबै मिले हैं चोर
“सूरदास” प्रभु बेगि न मिलहु
जनम परत है ओर।।

... مائل، چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۳۲ ۔ ۴ ے گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی ۴ ... میں چھپوا کر شائع کیا

قومی راج

۱۰ر فروری ۱۹۷۹ء

قیمت: ۵۰ پیسے

• یوسف ناظم

نمبر ۱۹، 'الہلال' ۱۳۔ باندرہ ریکلیمیشن، باندرہ، ممبئی ۴۰۰۰۵۰

'قومی راج' مسلسل مل رہا ہے۔ بیچ میں البتہ کچھ دنوں کے لئے 'ناغہ' ہوگیا تھا لیکن اس میں قصور میرا تھا۔ میرا ہی پتہ بدل گیا تھا۔ اصل میں میں بھول گیا تھا کہ ہندوستان میں اگر کسی کو اپنی ڈاک کی حفاظت عزیز اور مقصود ہو تو اسے اپنا پتہ ہرگز ہرگز نہیں بدلنا چاہیئے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ کل ہی ملا۔ آپ نے اس سے پہلے بھی کئی اچھے اور خوبصورت شمارے شائع کئے ہیں لیکن اس شمارے کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے سجایا ہے۔ اسے پڑھ کر بے اختیار جی چاہا کہ آپ کو خط لکھا جائے۔ آئندہ بھی ایسا ہی کیا کیجئے۔ اس میں تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ پرچہ بے حد معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد دلچسپ بھی ہے۔ ان دونوں خوبیوں کا ایک ساتھ جمع ہوجانا اس بات کی ضمانت ہے کہ سرکاری پرچے بھی کچھ کم نہیں ہوا کرتے ؎

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

"دلت ادب" (آر۔ بی جوشی)، 'منشی عبدالکریم عطاؔر' (اشفاق انجم) 'مخطوطات' (سردار عرفان)، 'اسرار زمین' (ایم۔ اقبال) ضروری مضامین کی صف میں آتے ہیں۔ ان میں نہ صرف معلومات ہیں بلکہ وزن اور دبدبہ بھی ہے۔ (ورنہ دبدبہ صرف آدمیوں میں ہوا کرتا ہے، تحریروں میں نہیں،) دلت ادب کے بارے میں انگریزی میں تو کافی چھپ چکا ہے لیکن "اردو" میں غالباً یہ پہلا ہی مضمون ہے۔ منشی عبدالکریم عطاؔر کی مرثیہ نگاری سے بھی ہم پہلی بار واقف ہوئے۔ مراٹھی مرثیہ سے کتنے لوگ واقف تھے؟ 'مخطوطات' کے بارے میں سردار عرفان نے بڑی محنت سے مضمون لکھا ہے۔ کہتے ہیں 'صبر کے پھل سے بھی بڑا دمیٹھا محنت کا پھل ہوا کرتا ہے۔ (یوں چاقوؤں اور چھریوں کے پھل بھی عمدہ ہوا کرتے ہیں)۔ اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید' سالار جنگ میوزیم میں' میں نے دیکھا ہے۔ اسے دیکھیئے تو آنکھوں میں روشنی آجاتی ہے۔ سردار عرفان اگر اسی ایک مخطوطے کے بارے میں لکھتے تو وہ خود ایک مکمل مضمون ہوتا۔ اس قسم کے معلوماتی مضامین آپ شائع کرتے رہیں تو آپ کا رسالہ "یارِ شاطر" ثابت ہوگا۔

جگن ناتھ آزاد کے مضمون "عہدِ جوانی کے ساتھی" نے اس شمارے کو 'ہمہ رنگی' کا حُسن دے دیا ہے۔ ہماری اردو تہذیب کے نام لیواؤں میں جگن ناتھ آزاد لیں دس' پندرہ لوگوں میں آتے ہیں۔ ان کا مضمون بہت پیارا لگا۔ لیکن یہ تو بہت مختصر ہے۔ ان سے کہئے جس طرح بعض موقعوں پر "طوالت" کھلتی ہے اسی طرح بعض جگہوں پر اختصار بھی کھلتا ہے۔

"آزادی کے بعد مراٹھی ادب" بھی خاصا وقیع مضمون ہے اور ہم لوگوں کے لئے جو مراٹھی ادب سے کم واقف ہیں' خاص طور پر خاصے کی چیز ہے۔ محمد زبیر اعظمی اور ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کے مضامین بھی پسند آئے۔

'قومی راج' آہستہ آہستہ "ہمارا پرچہ" ہوتا جا رہا ہے۔

o

• طرفہ قریشی

معرفت عظیم بنکر اسٹورس، نزد لالا سکول، مومن پورہ، ناگپور ۔۱۸

"قومی راج" کا ۱۰ر جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ بڑی ادبی اور سیاسی خوبیاں لے کر سامنے آیا۔ اس سے قبل "جنگلی جانور نمبر" بھی موصول ہوا تھا جو اپنی مثال آپ تھا۔ زیر نظر شمارے کی بات کچھ اور ہی ہے۔ مضامین کے انتخاب میں آپ کی باریک بینی اور سلیقے کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔

"دامن چور گھڑے" کا انسانوی تعارف 'آزادی کے بعد مراٹھی ادب' خاصے کی چیزیں ہیں۔ اشفاق انجم نے منشی عبدالکریم عطار کی مراٹھی مرثیہ گوئی پر قلم اٹھا کر نہ صرف مرحوم عطاؔر پر احسانِ عظیم کیا ہے بلکہ قارئین قومی راج کو ایک اچھے اور باکمال تخلیق کار سے روشناس کرایا ہے۔ ضرورت ہے کہ آئندہ بھی ایسے گمنام شعراء اور ادباء کو سامنے لایا جائے۔

جگن ناتھ آزاد کا مضمون 'عہدِ جوانی کے ساتھی' انتہائی دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ حق شناسی کا بہترین نمونہ ہے۔ ڈاکٹر حمیرہ جلیلی نے 'سلیمان خطیب کی فکر و فن' کا اچھا جائزہ لیا ہے۔ تبصرے کے باب میں 'شام شہریاراں' اور 'عشق اور بھکتی' پر مدیر 'قومی راج' کا تبصرہ ان کی اپنی گہری نگاہ کا پتہ دیتا ہے۔ نظموں میں بدیع الزماں خاور کی نظم "دل کے صبح و شام" اور کامل چاندپوری کی "بمبئی" متناقی کا آئینہ دار ہیں۔ کامل چاندپوری نے اپنی نظم میں بمبئی کی بود و باش اختیار کرنے والوں پر بڑے لطیف طنز کئے ہیں اور جو کہا ہے وہ غلط بھی نہیں۔ غزلوں میں قاضی حسن رضا (کھنڈوہ) اور ظفر گورکھپوری کے اشعار مزا دے گئے۔ ظفر گورکھپوری نے یہ دو شعر تو بڑے جوان کہے ہیں جن سے ان کی پختہ مشقی اور معاملہ بندی ظاہر ہوتی ہے ؎

ہوگا کِس درجہ دلآویز اس انساں کا مزاج
جس کو نرمی کی ہدایت ترے گالوں سے ملے

؎

چل کے دیکھیں کہ وہ گھونگھٹ کے دیئے کیسے ہیں
مدتیں بیت گئیں زہرہ جمالوں سے ملے ! ●●

یومِ جمہوریہ پر گورنر کا پیغام

جمہوریت سب کی فلاح و بہبود کی ضامن

یومِ جمہوریہ پر مہاراشٹر کے باشندوں کے نام اپنے پیغام میں گورنر شری صادق علی نے اس بات کی ضرورت جتائی کہ پُرامن طور طریقے اختیار کر کے ایک صاف ستھری سچی اور مساویانہ سوسائٹی قائم کی جائے۔ موصوف نے یہ اُمید بھی ظاہر کی کہ نیا سال کسی لحاظ سے خوش آئند ہوگا۔

گورنر کے پیغام کا متن حسب ذیل ہے:

یہ میرے لئے انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ میں ہماری جمہوریہ کی ۲۹ ویں سالگرہ پر مہاراشٹر کے باشندوں کو مبارکباد پیش کروں اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کروں۔

۱۹۷۸ء میں مہاراشٹر میں معاشرے کے غریب اور کمزور لوگوں کے مسائل پر بہت کچھ توجہ مبذول ہوئی۔ ضمانت روزگار اسکیم، اجارہ داری حصول کپاس اسکیم، کھیتی مزدور کی اقل ترین اُجرت اور چھوٹے و غریب کسانوں کی خاطر کچھ فلاحی اقدامات سے یہ بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرہ کے کمزور ترین عناصر کی بھلائی کی کس قدر فکر لاحق ہے۔ صنعت کے اہم میدان میں کوشش یہی رہی کہ مہاراشٹر کے متعدد علاقوں میں اس کی توسیع و ترقی عمل میں آئے۔

مہاراشٹر میں "بچوں کے سال" پر خاص دھیان دیا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بچوں کو قدرے اچھی غذا ملنے لگی ہے۔ کئی نئی رضاکارانہ جماعتیں قائم ہوئی ہیں تاکہ کسی نہ کسی طور سے معذوروں کی دیکھ بھال کریں۔

اچھی جمہوریت کے معنی یہی ہیں کہ سب ہی کا بھلا ہو، سب کو مساوی مواقع ملیں اور سماجی و معاشی عدل و انصاف حاصل ہو۔ جمہوریت کے معنی و مقصد کے بارے میں ہماری قوم میں بیداری اور جانکاری بڑھ رہی ہے۔ جمہوریت کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ بتدریج صاف ستھری اور مساوی سوسائٹی کے قیام کے لئے پُرامن طور طریقے اختیار کئے جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ نیا سال جس میں ہم نے قدم رکھا ہے کسی طرح سے خوش آئند ہوگا۔

صادق علی
گورنر مہاراشٹر

یومِ جمہوریہ پر وزیرِ اعلیٰ کا پیغام

لوگوں کی توقعات پُوری کرنے کا عزم

وزیرِ اعلیٰ شری شرد پوار نے اپنے یومِ جمہوریہ پیغام میں لوگوں سے اپیل کی کہ وہ مل جُل کر کوشش کریں تاکہ نیا فلاحی پروگرام کامیابی سے ہمکنار ہو۔

وزیرِ اعلیٰ کے پیغام کا متن حسبِ ذیل ہے :

اُنتیسویں یومِ جمہوریہ پر میں مہاراشٹر کے باشندوں کو مُبارکباد اور نیک خواہشات پیش کرتا ہوں۔
ہمارے دیس کی خوشحالی کا انحصار لوگوں کی بھلائی اور خوشحالی پر ہی ہے۔ لہٰذا مہاراشٹر کی نئی حکومت نے ایک پابند وقت پروگرام شروع کیا ہے تاکہ بُھلائے گئے غریب اور عام آدمی کے خوابوں کو حقیقت کا رُوپ دیا جائے۔ اس کے نتیجہ میں اس پروگرام کے فائدے مزدوروں، تعلیم یافتہ بیروزگاروں اور دیگر اشخاص کو ملنا شروع ہو گئے ہیں۔

ریاستی حکومت نے پُورے عزم کے ساتھ یہ بیڑا اُٹھایا ہے کہ عوام کی بڑھتی ہوئی خواہشات کو سُرعت سے پُورا کیا جائے۔ بہرصورت اس کام کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگ فوری اور عملی تعاون کریں۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے اختلافات کو فراموش کر دیں جو کہ ترقی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور دل و جان سے اس عام فلاحی پروگرام کی عمل آوری میں لگ جائیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ مہاراشٹر کے باشندے قوم کی خوشحالی کے اس عظیم کام میں برابر دل و جان سے تعاون کرتے رہیں گے۔

شرد پوار
وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر

٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭
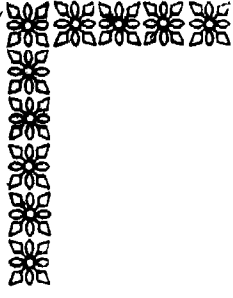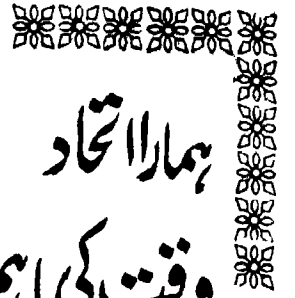
ہمارا اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے

... اُس مساوات کا واضح تصور اور حصول جو ہر امر کی بنیاد ہے .... امن اور خوشحالی حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے ....

بی۔ ڈی۔ جتی
نائب صدر ہند

ہندوستانی جمہوریت میں مذہبی تعصب کے لئے کوئی مقام متعین نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ تمام انسانی مذاہب اور بنی نوع انسان کی تمام قومیں اور نسلیں بالآخر تجربہ کرنے پر، ایک ہی ثابت ہوتی ہیں کیوں کہ ہر شخص ایک ہی مختار کل کا ایک جزو ہے۔

اِک قطرہ دریا بنتا ہے
جب بحر سے جا کر ملتا ہے
خود روح مقدس بنتی ہے
تقدیس سے جب جا ملتی ہے

ہندو، مسلم، عیسائی، بدھ اور دوسرے مذہبوں کے ماننے والے ان بہت سے راستوں کی طرف رہنمائی کرنے والے نشان راہ ہیں جو ایک ہی منزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک ہی سچائی پر ختم ہوتے ہیں۔ اس معبود کی مقدس ذات تک پہنچاتے ہیں جو سبھی انسانوں کا خدا ہے جس کی پرستش، جس کا احترام مختلف ناموں کے ساتھ سب کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ صاف و صریح جہالت ہے کہ لوگ اپنے آپ کو تعصب کی رو میں بہہ جانے دیں۔ اور ایک خدا کی طرف لے جانے والے اس واحد راستے کے ٹھیکے دار بن کر لڑنے اور مارنے پر اتر آئیں جو اُن کی تنگ نظری کے مطابق سچائی کا واحد راستہ اور سچے خدا کی طرف لے جانے والا تنہا راستہ ہے۔ اس قسم کی تنگ نظری کا غلط ہونا ہر اس شخص کی سمجھ میں آجائے گا جو ظاہری سطح کے اندر کی جانب دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہو اور لازماً ان سب کو ایک ہی ذات گرامی کا پَرتو گردانتا ہو۔

رام کرشنا پرم ہنس، جو اس ذات ابدی کے واحد ہونے پر نہایت پختہ عقیدہ رکھتے تھے انھوں نے اپنی طور پر خود عیسائیت، اسلام وغیرہ کے مخصوص طریقے کے مطابق روحانیات کے تجربے حاصل کیے۔ اس کی بنا پر انھوں نے خدا کے ایک اور رب العالمین ہونے کے عقیدے کو عملاً اپنایا۔

یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کی دولت اس کے عظیم بزرگ، رشی، اولیاء اور سنت ہیں جن کی ہستی عالمگیر ہے اور جن کے فیوض تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہیں۔ ساری دنیا میں مقدس لوگوں اور اولیاء کا یہی مسلک رہا ہے کہ وہ ہر چیز میں خدائے پاک کے مظاہر کا مشاہدہ کرتے تھے۔ مرد ہوں یا عورتیں چونکہ سب کے سب عناصر اربعہ کی پیداوار ہیں اس لئے ایک ہی نوع ہیں۔ ان کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں۔ خودی کا نہ کوئی رنگ ہے نہ مذہب اور نہ فرقہ نہ جنس۔ یہ بالکل خالص ہے اور اس کی شرافت و نجابت بھی سب میں یکساں اور عیوب سے پاک ہے۔ اس لئے رسوم اور عملوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات سے خودی کو داغدار نہیں کیا جانا چاہیئے۔ کیوں کہ وہ اس قسم کی حد بندیوں سے اعلیٰ و بالا ہے۔ رسومات تو صرف تکلیفوں اور پریشانیوں کو بڑھاتے ہیں اور اسی طرح عقائد بھی۔ ان پر عمل پیرا ہونے کی بجائے روحانی بلندی سکون اور سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جو اس ذات والاصفات سے لو لگانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو حاضر و ناظر ہے۔

مشیت الٰہی ہمیشہ انصاف کرتی ہے۔ اس کے یہاں بحیثیت

انسان سب برابر ہیں۔ قدرت کے سارے انعامات تمام مخلوقات پر بغیر کسی امتیاز کے تقسیم ہوتے ہیں۔ کھانا پانی، ہوا اور روشنی سے سب ہی یکساں طور پر فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس میں امیر و غریب اور ذات پات، مذہب و عقیدہ یا نسل و رنگ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مسٹر وُجنا شاعر کے الفاظ میں:

زمیں جس پہ چلتے ہیں ہم ایک ہی ہے
وہ پانی جو پیتے ہیں ہم ایک ہی ہے
جو آتش جلاتے ہیں ہم ایک ہی ہے
ہوا جس سے جیتے ہیں ہم ایک ہی ہے
تو پھر ذات پات، اونچ اور نیچ کیا ہے؟

مادرِ زمین دونوں ہستیوں کے درمیان امتیاز نہیں برتتی بلکہ سبھوں کو مساوی طور پر اپنی پشت پر جگہ دیئے ہوئے ہے اس لئے کہ ساری مخلوق ایک ہی نوع سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ کہ یہ سب چہرے مہرے اور رنگ و روپ کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔ اس مادی دنیا میں اور آنے والی روحانی دنیا میں کوئی دوہراپن نہیں ہے سوا اس کے کہ ایک امتحان گاہ ہے اور دوسری نتیجہ گاہ۔ اس طرح ایک ہونے کو مان لینے کے بعد مذہب و فرقہ کی بنیاد پر جنگ و جدال کا سلسلہ قطعی نادرست، بے فیض اور بے تعلق ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایک نوع سے متعلق ہونے کے باوجود خام خیالی ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ حالانکہ لامحدود اختلافِ نوع کے بعد بھی یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ مخلوق ہونے میں ہم سب برابر ہیں۔

یگانگت کا اظہار

امتیاز و فرق انسان کے پیدا کردہ ہیں۔ اتحاد و اختلاف اسی کی کارفرمائی ہے۔ اسی طرح اونچ اور نیچ، امیر و غریب وغیرہ کی تفریق بھی اسی کی لائی ہوئی ہے۔ بلکہ ہندو، مسلم اور عیسائی جیسے امتیازات بھی اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ خدائی مذہب یہ ہے کہ ساری مخلوق ایک ہے، مساوی اور برابر ہے۔ بظاہر مختلف النوع ہونے پر بھی ان سب میں یگانگت ہے۔ اس یگانگت کی تفریق اور جز سازی انسانی دماغ کی اُپج ہے۔ بنیادی طور پر، دنیا کی یک نوعی نہ صرف صوفیانہ تجربوں کی مرکزی خصوصیت ہے بلکہ یہ جدید علم الطبعیات کے نہایت نمایاں انکشافات میں سے بھی ہے۔ یہ بنیادی یک نوعی یا ایک پن اٹیمک سطح پر زیادہ واضح ہو جاتی ہے اور جیسے جیسے تحتی اٹیمک ذرات کے عالم میں زیادہ سے زیادہ گہرائیوں تک جانے کی کوشش کی جاتی ہے، اس کا ظہور مزید در مزید وضاحت و قوت کے ساتھ ہوتا جاتا ہے۔

واسو دھیئیو کٹمبکم

یہ انسانی خاندان ہے۔ یہ ایک ہندوستانی تصور ہے جس کی بنیاد عالمگیر اخوت اور تمام بنی نوع انسان کے اتحاد کی قدر و قیمت کے تسلیم کرنے پر قائم ہے۔ جہاں ایک بار اس قدر و قیمت کو تسلیم کر لینے کی خوبیاں آدمی پر روشن ہوئیں کہ لازمی طور پر ان تمام امتیازات اور باہمی منافرت و توہین، جو اس قسم کے امتیاز کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں، کے بالکل فضول ہونے کی واضح اور گہری سوجھ بوجھ خود بخود پیدا ہو گی۔

خدائی چنگاری طبعاً ہر ہستی میں اور ہر شئے میں موجود ہے۔ شری بسویشر کے لافانی الفاظ میں:

یہ ایسی دبی آگ کے مثل ہے
جو متلاطم پانی میں پوشیدہ ہو
یہ ہے ایسے لذت بھرے رس کے مثل
جو ایک نرم و نازک سے پودے میں ہو
کسی تازگی بخش خوشبو کے مثل
ابھی پنکھڑیوں میں جو روپوش ہو
کسی پاکداماں کی الفت کے مثل
جو ہر ماسوا سے سبکدوش ہو

اکّا مہادیوی خدا کے محیطِ کل ہونے کی تعریف و توصیف میں یوں رطب اللسان ہے:

زمیں کے جوف میں جیسے خزانے ہیں مدفون
پھلوں کے بیج میں ہیں جیسے ذائقے مخفی
حجر میں جیسے کہ سونا ہے، تیل بیجوں میں
اور آگ جیسے ہے نادیدہ خشک لکڑی میں
اسی طرح سے خدا جاگزیں ہے سینوں میں

یہ بات سنجیدگی کے ساتھ غور کیے جانے کے قابل ہے کہ آج ہماری یہ دنیا اس محیطِ کل ذاتِ واحد کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے بہت دور جا پہنچی ہے۔ ہم اپنے آس پاس تصادم، غلط فہمی، حسد، رقابت، طعن و تشنیع، بغض و عناد اور دشنام طرازی کا ایک طوفان سا امڈتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہ ساری خرابیاں اس ذاتِ واحد کی حقیقت کو

(بقایا صفحہ ۱۳ پر)

رتناگیری میں دیہی ترقیات کی جانب نیا قدم

—— این۔ آر گوجر

آزادی کے بعد سے ملک کی بڑی سے بڑی ہستی سے لیکر ایک عام آدمی تک تعلیمی انقلاب کی بات کرتا رہا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں حکومت ہند کی جاری کردہ، قومی تعلیمی پالیسی میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ "تعلیم کے ایسے طریقوں کو اپنانا چاہئے جس کی بدولت نوجوان مرد اور عورتیں قومی خدمت اور ترقیات میں حصہ لینے کے قابل ہوسکیں"

آج کے رائج طریقۂ تعلیم میں عملی۔ تجربے پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ طلباء کے رجحان کو محنت و مشقت کے کاموں کی سمت موڑا جا سکتا ہے۔

رتناگیری میں بالکل اسی عملی۔ تجربے کے سطور پر تجربے کئے جارہے ہیں۔

رتناگیری ضلع کے مسائل مہاراشٹر کی دیگر ریاستوں سے مختلف اور عجیب ہیں۔ اس ضلع کی کل آبادی ۱۹،۵ لاکھ ہے جس میں سے ۱۳ لاکھ عورتیں اور صرف ۶،۵ لاکھ مرد ہیں۔ مردوں کی اس قلیل آبادی میں سے بھی اکثریت بچوں کی ہے یہاں کی اس نامتناسب آبادی کی خاص وجہ یہ ہے کہ بمبئی شہر میں اس ضلع کی اکثریت ملازمت کے لئے بس گئی ہے۔ اس ضلع کے ہر خاندان کا ایک فرد بمبئی میں ملازمت کرتا ہوا پایا جائے گا جو بمبئی سے اپنے گھر رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجتا ہوگا۔ دراصل رتناگیری' معیشت بذریعہ' منی آرڈر' کے لئے مشہور ہوگیا ہے۔

غیرواجب اور کتابی تعلیم:

سب سے بڑا مسئلہ ملک میں رائج طریقۂ تعلیم ہے۔ جس میں طلباء کو صرف کتابی معلومات سکھائی جاتی ہیں۔ جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے طلباء کو کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی کام بھی سکھائے جانے چاہیئے تاکہ وہ ضلعوں کو درپیش مسئلوں کو حل کرنے میں مدد دے سکیں۔ دوسرے لفظوں میں تعلیم اور محنت و مشقت کے کام میں ہم آہنگی پیدا کی جانی چاہیئے تاکہ طلباء اپنے ہی گاؤں اور دیہاتوں میں اپنی تعلیم و تربیت اور موجودگی کی اہمیت سمجھ سکیں۔ (بدقسمتی سے رائج طریقۂ تعلیم، آبپاشی زراعت میں اصلاح، قبائلیوں کی ترقی، سڑکوں وغیرہ کی تعمیر، وغیرہ جیسے مسئلوں کا ایسا کوئی حل نہیں پیش کرتا جس کی مدد سے دور دراز کے دیہاتوں میں بھی سماجی و قومی یک جہتی کو فروغ دیا جاسکے) اسی مشکل کا نتیجہ ہے کہ میٹرک یا گریجویٹ ہونے کے بعد کوئی بھی طالب علم کاشتکاری کرنا نہیں چاہتا (حالانکہ اس مقصد کے لئے کافی زمین موجود ہے) اور نہ ہی کوئی طالب علم چاہتا ہے کہ وہ اپنے دیہات میں مستقل طور سے قیام کرے اور مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے میں تعاون دے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اندازاً ۶۰ فیصدی طلباء پرائمری تعلیم اور ۲۰ فیصدی طلباء سکنڈری تعلیم مکمل کئے بغیر چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بیروزگاری میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ ہی مہاراشٹر میں کوئی ان مسئلوں سے ناواقف ہے۔ لیکن یہ ایک ناخوشگوار حقیقت ہے کہ ضلع رتناگیری میں مذکورہ بالا حالات ۵۰ سال سے موجود ہیں۔ اور طرہ یہ کہ یہ تمام مسائل پنجسالہ منصوبوں' مختلف طبقاتی پنچایت' سمیتی اور ضلع پرتد کی ترقیاتی اسکیموں کے باوجود موجود ہیں۔ اس ضلع کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ تمام حالات جوں کے توں قائم ہیں۔ اگر کوئی نمایاں تبدیلی ہوئی ہے تو وہ صرف کسی اسکول کی نئی عمارت یا ایک آدھ سڑک کی تعمیر ہوگی۔

ماہرین اقتصادیات اور سیاست داں نیز دیگر دانشور حضرات کا مشاہدہ ہے کہ رتناگیری ضلع کے غیر تسلی بخش حالات کی اصل وجہ "منی آرڈر" معیشت ہے۔ اسی وجہ سے یہاں کے لوگوں میں تجارت یا کاروبار کرنے کی ہمت پست ہوگئی ہے۔ اب قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے بمبئی میں مقیم افراد رتناگیری میں اپنے گھر زیادہ "منی آرڈر" بھیجنے کے قابل نہیں ہیں۔

یہ کہنا غیر ضروری ہوگا کہ زراعت اور فن باغبانی کے کاموں کو فروغ دینا ہی اس ضلع کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ ہمارے تعلیمیافتہ نوجوان زراعت کی طرف اس وقت تک متوجہ نہیں ہوں گے جب تک کہ انھیں یہ پیشہ نفع بخش محسوس نہ ہو۔ اس لئے ایسے تجربات لازمی ہیں جن کی وجہ سے زراعت کے پیشے کو زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنایا جاسکے، تاکہ رتناگیری کے

اسکول کے احاطہ میں
۵۰ ناریل کے درخت
لگائے گئے ہیں ۔
جواب پھل دے رہے ہیں ۔

نوجوانوں کو بمبئی میں نوکری کرنے لئے ہجرت سے روکا جا سکے۔

ایک رہنما: مہاتما گاندھی کے معتقد آنجہانی آپا صاحب نے سب سے پہلے "عملی تجربے" کی بنیاد پر تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ نے رتناگیری میں کنکاولی تعلقہ کے قریب گوپوری کے مقام پر ایک آشرم شروع کیا۔ اس آشرم میں کسانوں کو جدید سائنٹفک طریقے سے کاشتکاری کرنا سکھایا جاتا تھا۔ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک بنجر خطۂ زمین پر ایک نمونہ پیش کیا۔ تجربہ کامیاب رہا اور آج اسی خطۂ زمین پر سال بھر کبھی بھی اناج کی فصلیں اور پھل اُگے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ خود آنجہانی جواہر لال نہرو کے الفاظ میں۔

"... یہ ایک پوترا استھان ہے جس کے درشن کو کن کے ہر باشندے کو کرنے چاہئیں ..."

تقریباً تمام لوگوں نے اس کام کو سراہا لیکن اسے جاری رکھنے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں آیا۔

۱۹۷۲ء میں آپا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کے گزرنے کے بعد آپا صاحب پٹوردھن سمارک ٹرسٹ قائم کیا گیا۔ حال ہی میں گاندھی جی کے ایک دوسرے معتقد شری انا صاحب سہاشرابدھے نے اس ٹرسٹ کا انتظام سنبھالا اور گوپوری سے چند میل پر واقع کدال تعلقہ میں "کاسل" نامی تجربہ شروع کیا۔

کاسل تجربہ: گوپوری میں نمونہ کے کھیت میں کسانوں کے لئے عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ٹرسٹ نے "گور وکل پروجیکٹ۔ ایگریکلچرل ایکسٹنشن اسکیم" شروع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت آٹھویں جماعت کے طلباء کو کاشتکاری، علم حیوانات، گھریلو صنعت، امداد باہمی اور سماجی کاموں کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ ان میں محنت کی قدر کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

اسی پروگرام میں ضلع میں واقع قابلِ استعمال زمینوں اور دیگر ذرائع پر غور و خوض منصوبہ بندی اور سائنٹفک طور سے مشاہدہ بھی شامل ہے۔ عملی تربیت سے نوجوانوں میں یہ اعتماد پیدا ہوگا کہ وہ اپنے گاؤں میں ہی خوشحال زندگی گذار سکتے ہیں۔ ایسی تربیت لڑکیوں اور عورتوں کو بھی دی جائے گی۔

اسی تجربہ کے تحت پودوں کی قلمیں اور مختلف پھلوں کے بیج بھی کاسل کے اطراف واقع موضعات کو فراہم کئے جائیں گے۔ کسانوں کا اجتماع اور نمائشیں وغیرہ منعقد کی جائے گی تاکہ مقامی حالات کے مطابق مناسب پھلوں کی کاشتکاری کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔

اُمید ہے کہ تربیت یافتہ طلباء اپنے موضعات میں ہی رہکر کاشتکاری اور گھریلو صنعتوں پر توجہ دیں گے یا کاشتکاری کے جدید طریقوں کو اپنانے میں کسانوں کی رہنمائی کریں گے۔ گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے اور ان صنعتوں کی تیار اشیاء کی مارکٹنگ وغیرہ معاملوں میں بھی تعاون کریں گے۔

اس اسکیم میں ٹرسٹ کے ساتھ مینوا انگلش اسکول۔ کاسل نے بھی اشتراک کا وعدہ کیا ہے اور اس سلسلے میں اپنی ۸ ہیکٹر ۴۰ گنٹھا زمین اور اسکول ہاسٹل کی عمارت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

مذکورہ اسکول کے دو کنوئیں ہیں جن کی مالیت ...۱۵۰ روپیہ ہے اور ان میں ...۱ فٹ پائپ لائن جوڑی گئی ہے۔ ان کنوؤں سے حاصل شدہ پانی دو فصلوں کی ایک وقت میں آبپاشی کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ چار ہیکٹر زمین پر بھی تیسری فصل کی بھی آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ ان تمام سہولتوں کے لئے مذکورہ ٹرسٹ اور اسکول نے اب تک ۳۶,۷۰۰ روپیہ خرچ کیا ہے۔ بمبئی کے ایک ٹرسٹ نے بھی اس سلسلے میں مالی امداد دی ہے۔

کیلے کے پودوں کے ساتھ
جولائی کی
دوسری فصل تیار
ہوگئی ہے۔

رتناگیری ضلع میں حکومت مہاراشٹر آم اور ناریل کی کاشت کو فروغ دینا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں موجودہ وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے جبکہ وہ وزیر زراعت تھے، تو ایک مرتبہ کہا تھا "اگر رتناگری ضلع کی غیر کاشت زمین کو آم کی فصل کے لئے استعمال کیا جائے تو صرف اسی سے ہی سالانہ ۹۰ کروڑ روپے کی آمدنی ہوسکتی ہے۔" بالکل یہی مقصد کاسل پروجیکٹ' کا ہے۔

انواع واقسام : کاسل ہائی اسکول میں اطراف کے ۱۱ موضعات سے طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ یہ اسکول اپنی توسیعی اسکیم میں ...۲۵ آبادی پر مشتمل ۸ کلومیٹر علاقہ شامل کرنا چاہتا ہے۔ فی الحال ۶۰۰ خاندانوں سے شروعات ہوچکی ہے۔

اس علاقے میں اسکول چھوڑے ہوئے طلباء کو زراعت، ڈیری وغیرہ کے کاموں کی تربیت دینے کے لئے اساتذہ مقرر کئے جائیں گے۔ منتخب موضعات میں توسیعی کاموں کی دیکھ بھال کے لئے ایک منتظم مقرر ہوگا۔ یہ منتظم گھریلو سبزیاں، قابلِ فروخت پھول مثلاً موگرا، ابولی اور پھل جیسے آم، ناریل کی اپنی زمین پر کاشتکاری کے کام کو فروغ دینے کی کوشش کرے گا۔ کم سے کم ایسے ۲۰ طلباء اس تربیت سے مستفید ہوں گے۔

یہ پروگرام پانچ سالہ ہوگا جس پر لاگت کا تخمینہ سالانہ ۹۰,۷۲۰ روپیہ ہے اخراجات کا ۲۵ فیصدی مذکورہ ادارہ برداشت کرے گا جبکہ باقی ماندہ اخراجات عوامی ترقیاتی کمیٹی (PAD) برداشت کرے گی۔

اسکیم پر عمل آوری : نیو انگلش اسکول کاسل نے ۱۹۷۴ء میں ۵ طلباء سے اسکیم کا آغاز کیا۔ "تعلیم کے ساتھ کمائی" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر سال آٹھویں جماعت کے ۵ طلباء کو منتخب کیا گیا۔ ان طلباء کو سبزیوں اور پھولدار درختوں کی کاشتکاری سکھائی گئی۔ اس کام کے لئے انھیں روزانہ ۲ تا ۲½ گھنٹے مصروف رکھا گیا۔ پہلے سال ہر طلباء کو ۲۵ پیسہ فی گھنٹہ کے حساب سے آمدنی ہوئی۔ بعد کے دو سالوں میں یہ آمدنی ۳۷ پیسہ اور ۵۰ پیسہ فی گھنٹہ ہوگئی۔ اس کے بعد دسویں اور گیارہویں جماعت کے طلباء کو تربیت دی گئی۔ بدقسمتی سے مذکورہ اسکول کے پاس اتنی زمین نہیں ہے کہ تمام طلباء کو تربیت دی جاسکے۔ اس لئے توسیعی طور پر اس کام کے لئے دوسرے کسانوں کی زمین استعمال کی جاتی ہے۔

اس اسکول میں طلباء کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ یکم اپریل ۱۹۷۷ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء کی مدت میں مذکورہ اسکول نے ۵۹ خاندانوں کو زراعت کی تربیت دی۔ اس مدت میں ۱۶۷ خاندانوں کو سبزیاں اگانے پر مائل کیا۔ ۱۵ خاندانوں نے ملچی بونا سیکھا۔

اسی توسیعی اسکیم میں بہت جلد اسکول کی جانب سے کسانوں کو ڈیری، بکریاں پالنا اور بارکوں کی تعمیر کے کام سکھائے جائیں گے۔ اس پروگرام کے لئے PAD نے ۳۵ ہزار روپیہ دینا منظور کیا ہے۔

اس اسکیم کے تحت کاسل میں سبزی، جوار، گیہوں، گنّا اور مونگ پھلی کی کاشت کی گئی۔ پڈارے اور ادسر گاؤں میں آم اور ناریل اگایا گیا۔ کسُبے، اور اکیکر۔ ہڈول، اور ریز وغیرہ دیہات بھی اس اسکیم میں شامل تھے۔

یہ اس لئے ممکن ہوسکا کیونکہ طلباء نے روزانہ صرف دو گھنٹہ ہی نہیں بلکہ اتوار اور چھٹیوں کے دنوں میں بھی کام کیا۔

***

منیال کیلوں
کے
بڑھتے ہوئے
پودے

***

مستقبل کی توقعات : ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران چار دیہاتوں میں ہر گھر کے صحن میں گھریلو سبزیاں اُگانے کا پروگرام شامل ہے۔ ہر دیہات میں طلباء کے ساتھ ایک یا دو اساتذہ اس پروگرام پر عمل آوری کریں گے، یہ لوگ ہر گھر کے قریب سبزیاں اُگانے کی جگہ تعمیر کریں گے۔ اس کے علاوہ کھیتی کے زمین کی ہمواری، پھلوں کے لئے زمین کی کھدائی "سویا" لیزین کے لئے زمین کی تیاری وغیرہ کام بھی ان ہی کے سپرد ہوں گے۔ سبزیوں اور پھولوں کے علاوہ دوا کے کام آنے والی جڑی بوٹیاں بھی اُگائی جائیں گی۔ ان اقدامات پر فی گھر ۱۰۰ روپیہ خرچ آئے گا۔

آئندہ چار سالوں میں ۵۰۰ گھر اس پروگرام کے تحت لائے جاسکیں گے۔ چند سالوں میں اُمید ہے کہ یہ گھر اس قابل ہوسکیں گے کہ اپنے برآمدے کے باغ کی دیکھ بھال کرسکیں۔ اس گھریلو باغ سے ہر خاندان کو ۵۰۰ رُپئے تک آمدنی ہوسکے گی۔ آئندہ آٹھ سالوں میں اس پروگرام میں شامل ہونے والے اسکولوں کی تعداد بائیس ہوجانے کی توقع ہے۔

اس پروگرام کی یہ خوبی ہے کہ اس میں صرف طلباء ہی نہیں ان کے والدین بھی شامل ہیں۔ ہر ایک کی کوششوں سے بنجر زمین بہت جلد پھلوں اور پھولوں سے لدی خوبصورت سبزہ زار بن سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صرف تجربہ ہے، نتیجہ کچھ وقت کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا۔ لیکن چونکہ شروعات ہوچکی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے ان افراد کی آنکھیں کھلیں جو اپنی کفالت کے لئے ممبئی میں مقیم برسر روزگار افراد خاندان کے بھیجے ہوئے روپیوں کے منتظر رہتے ہیں۔ یہ عملی تجربہ دراصل رتناگیری کی "منی آرڈر" والی معیشت سے خود کفیل بننے کی سمت ایک مؤثر قدم ہے جس کے نتیجہ میں رتناگیری کے عوام کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی واقع ہوسکے گی۔

یُوتھ فورم : یُوتھ فورم، کا مستقل فیچر کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔
قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے
اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں : ایڈیٹر قومی راج، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

• پروفیسر آر۔ بی۔ جوشی

ٹالسٹائی ان عظیم ہستیوں میں سے ہیں جو اپنی زندگی اور کارناموں کی بدولت صرف کسی ایک ملک یا براعظم ہی نہیں بلکہ ساری دنیا سے وابستہ ہیں ٹالسٹائی محض ایک بڑے ناول نگار ہی نہیں بلکہ ایک عظیم اخلاقی مفکر بھی تھے جن کا قول اور عمل ایک ہی ہوتا ہے۔ وہ بڑے دیندار تھے لیکن اس زمانے کے سرکاری کلیسا کے مخالف تھے۔ انسانوں کی بپتا پران کا دل بہت دکھتا تھا۔ وہ ضرورت کے وقت مالی اعانت کرتے تھے۔ انھوں نے قحط کے زمانے میں چندہ جمع کرنے کے لئے مہم چلائی تاکہ قحط زدگان کی مدد کی جائے۔ جب ڈوک ہوبرس ریاست اور کلیسا کی نظروں میں حقیر بن گئے تھے تو ٹالسٹائی نے انھیں مالی مدد دی تاکہ وہ کنیڈا ہجرت کر جائیں۔

ٹالسٹائی خصوصاً ہم ہندوستانیوں کے تو بہت قریب ہیں کیونکہ گاندھی جی ان کی تصانیف سے بہت متاثر تھے، اُن سے خط و کتابت رہتی تھی اور گاندھی جی نے جنوبی افریقہ میں اپنا آشرم بھی ان ہی کے نام (مانی) سے منسوب کیا تھا۔ اہنسہ اور ستیہ یعنی عدم تشدد اور صداقت پر پکا ایمان، ہر حالت میں ہر قیمت پر جان تک قربان کر کے ان اصولوں کی حمایت کا عزم، یہ خصوصیات گاندھی جی اور ٹالسٹائی دونوں ہی میں مشترک تھیں۔

ٹالسٹائی بڑی عجیب اور پہلودار شخصیت کے مالک تھے۔ بیس سال کی عمر کے جوان ٹالسٹائی ماسکو میں سُکھ چین کی زندگی گذار رہے تھے۔ نہ کوئی کام کاج تھا، نہ کوئی فکر اور نہ ہی کوئی مطمح نظر۔ ٹالسٹائی چار سال تک فوجی ملازمت میں رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے فوجی مہمات میں حصہ لیا۔ اس طرح انھیں سپاہیوں، افسروں نیز عام آدمیوں کی زندگی کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ جب فوجی زندگی پران کے خاکے شائع ہوئے تو ممبار ر یاندس نے بھی اُن کو سہ ا یا

ٹالسٹائی یسنا یا پولیانہ میں ایسے ۔ سردار تھے جس کی بس یہی خواہش تھی کہ رعیت کو آزاد کر دیں اور امراء کے بالکل برعکس سیدھی سادھی زندگی گذاریں۔ ٹالسٹائی نے کسان بچوں کے لئے ایک اسکول چلایا، ان کے لئے کتابیں لکھیں، رسالہ جاری کیا اور تعلیم کے اغراض و مقاصد پر مضامین لکھے، یہاں بھی ان کے خیالات غیر مقلدانہ اور نئے رجحان کے حامل ہیں۔

اپنی طویل زندگی کی تقریباً نصف منزل پر یعنی ۱۸۸۰ء میں ہم ٹالسٹائی کو ان کی تصانیف 'اے کنفیشن' (A CONFESSION) اور 'وہاٹ آئی بلیو' (WHAT I BELIEVE) کی روشنی میں ایک 'انارکی' معلم اخلاق اور عقیدتمند عیسائی پاتے ہیں جو تسلیم شدہ کلیسا کے خلاف ہے۔ جیسا کہ لینن نے خیال ظاہر کیا ہے ٹالسٹائی کی پوری کوشش یہی تھی کہ سرکاری کلیسا، زمینداروں اور زمینداری راج پر یورش کر کے زمینداری اور لگانداری نظام کے ہر نقش کو مٹا دیا جائے اور پولیس۔ کلاس اسٹیٹ، کی جگہ ایک ایسی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کی جائے جس کی مالک اور حکمراں آزاد اور ہم رتبہ معمولی کسانوں کی قوم ہو۔

مذہب کے بارے میں ایسے منکرانہ خیالات کی بنا پر بالآخر کلیسا نے انھیں دینی حقوق سے محروم کر دیا۔ وہ سرکاری عتاب کا شکار ہوئے، اور رئیس طبقہ بھی ان سے برگشتہ ہو گیا جس میں انھوں نے جنم لیا تھا اور جس سے وہ وابستہ تھے۔ ایک طرح سے خاندان بھی ان کے لئے بیگانہ بن گیا اور خصوصاً بیوی سے بھی نہ بنی، کیونکہ دونوں کی فطرت ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھی۔

حق کے متلاشی:

یہ تبدیلی اور انقلاب ان میں یکایک رونما نہیں ہوا۔ ان کے مختلف رویوں کی تہہ میں ایک اصل ناقابلِ تغیر ٹالسٹائی ہیں، بے چین و مضطرب، سچائی، بنیادی سچائی اور زندگی کے حقیقی اور اخلاقی مقاصد کے متلاشی۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں لڑکپن ہی کے زمانے سے زندگی، سماج میں فرد کے کردار اور ایسے دیگر مسائل کے بارے میں انھوں نے بڑے سنجیدہ سوالات پوچھنا شروع کر دیئے تھے۔ انھوں نے والٹیر کا مطالعہ کیا۔ وہ روسو کی تحریروں سے بہت متاثر ہوئے اور چھوٹی عمر ہی میں اپنے آپ کو روسو کا شاگرد سمجھنے لگے۔ نوجوانی ہی کے زمانے سے ان کے دل میں سرکاری کلیسا کی تعلیمات کے بارے میں شبہات پیدا ہونے لگے اور ان کا اعتقاد اٹھ گیا۔ وہ خود بائبل کی جانب رجوع ہوئے تاکہ یہ جان سکیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تعلیم دی ہے۔ ان کی تصانیف 'اے کنفیشن' اور 'وھاٹ آئی بلیو' گہرے تجزیہ نفس اور تقریباً آٹھ سال تک دینِ عیسوی کے قریبی مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ "وھاٹ آئی بلیو" کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں:

"میں پچپن سال سے اس دنیا میں ہوں اور بچپن کے چودہ یا پندرہ سال کے بعد ۳۵ سال تک میں ٹھیک اصطلاحی معنوں میں ایک 'انکاری' رہا مطلب یہ ہے کہ ایک سوشلسٹ یا انقلابی نہیں رہا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے بلکہ میں اس معنی میں منکر تھا کہ کوئی عقیدہ سامنے نہ تھا۔ چار سال پہلے میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات پر ایمان لے آیا اور میری زندگی یکایک بدل گئی۔"

اس بیان سے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان تمام گذشتہ سالوں میں وہ کس قدر بے چین و مضطرب رہے ہوں گے، خود اپنی ذات سے اور اس عالم سے نبرد آزما، جس میں وہ زندگی گذار رہے تھے۔

۱۸۶۲ء میں ۳۵ سال کی عمر میں ٹالسٹائی کی شادی صوفیہ سے ہوئی۔ جن کی عمر اس وقت ۱۸ سال تھی یعنی وہ ان سے ۱۷ سال چھوٹی تھیں۔ ٹالسٹائی ایک مفکر، ادیب اور سرگرم کارکن تھے۔ غریب دہقانوں کے ہمنوا اور ہمدرد، انھوں نے معاشرے کے مختلف طبقات کی زندگی کا قریب سے مشاہدہ کیا تھا، لیکن ان کی منگیتر شہر میں پلی بڑھی تھیں، نوجوان، موہنی اور فیشن پرست۔ شادی کے فوراً بعد ہی سے شک و شبہات اور اختلافات رونما ہونے لگے۔ گو دونوں میں باہم خلوص و محبت تھی، لیکن ان کے اختلافات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے ہی رہے۔

بچوں کے آجانے پر بھی ان حالات میں فرق نہیں پڑا، بلکہ اس کے برعکس خود بچے بھی اسی طرح بٹ گئے کچھ ماں کے ساتھ کچھ باپ کے حامی۔ آخر کار حالات ٹالسٹائی کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئے اور وہ ایک دن سویرے اسی مایوسی کے عالم میں گھر چھوڑ کر کسی گمنام جگہ چلے گئے۔ ان کی بیوی کو خبر تک نہ ہوئی۔ دس دن کے بعد ایک چھوٹے سے مقام پران کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت وہ بیاسی سال کے تھے۔

آج ٹالسٹائی کو انتقال کئے ہوئے تقریباً ستر سال بیت چکے ہیں، تمام ڈائریاں، تحریریں اور کاغذات ہمارے پاس ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے۔ لیکن پھر بھی یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں کہ ان دونوں میں سے غلطی پر کون تھا۔ زندگی، جاگیر و ملکیت نیز دولت کے بارے میں ان کے خیالات بالکل جُداجُدا تھے اور دونوں مضبوط قوتِ ارادی کے مالک اور اپنی اپنی جگہ اٹل۔ لہٰذا جو کچھ ہوا شاید وہی مقدر میں تھا۔

ٹالسٹائی کی زندگی عذاب جان رہی۔ گھریلو اختلافات، ہمہ وقت ذہنی اور روحانی کشمکش، ہر پہلو سے پریشانی اور اضطراب۔ ان حالات میں بھی انھوں نے ایسی مایہ ناز ادبی تخلیقات پیش کیں جن کی بنا پر وہ دنیا کی عظیم ہستیوں میں شمار ہوئے اور ان کا نام سدا امر رہے گا۔

جنگ اور امن:

'وار اینڈ پیس' (WAR AND PEACE) یہ کتاب ٹالسٹائی نے شادی کے بعد ابتدائی سالوں میں لکھی تھی اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ روسی ادب میں نایاب قرار دی گئی۔ ان کی پچھلی تصانیف، کہانیوں، خاکوں اور چھوٹی موٹی ناولوں کی وجہ سے انھیں دولت، شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی لیکن 'وار اینڈ پیس' نے ان کا نام سب سے اونچا کر دیا۔ ترگنیف نے اس کے بارے میں فرمایا کہ "یہ ایک عظیم ادیب کی ایک عظیم تخلیق ہے۔ یہی حقیقی روس ہے۔" — اس سے بڑھ کر تعریف اور کیا ہو سکتی ہے؟

اسی طرح گون چروف نے "وار اینڈ پیس" کی اشاعت پر ٹالسٹائی کو روسی ادب میں 'شیر ببر' قرار دیا۔ ۱۸۷۹ء میں فرانسیسی، ۸۶-۱۸۸۵ء میں جرمن اور ۸۷-۱۸۸۶ء میں اس ناول کا انگریزی میں ترجمہ ہوا۔ اس طرح اس ناول کی بدولت عالمی میدان میں ٹالسٹائی کو شہرت اور عظمت ملی۔ وسیع ترین کینوس، متنوع عکاسی اور واقعات سے بھرپور اس ناول کو کسی عام ماتے ہوئے ادبی اسلوب سے پرکھنا محال ہے۔ خود ٹالسٹائی کے الفاظ میں "یہ نہ ناول ہے، نہ ہی کوئی نظم، اور نہ ہی ایک تاریخی داستان۔" "وار اینڈ پیس" دراصل مصنف کی ایک آرزو ہے جسے وہ اس انداز سے پیش کر سکا جیسا کہ خواہش تھی۔ حقیقت میں یہ کتاب ادبی آرٹ کا شاہکار ہے۔

'انا کرینینا' (ANNA KARENINA)

'انا کرینینا' ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ ناول مختصر سہی لیکن بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ دوستووسکی نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے ایک حسین اور کامل تخلیق قرار دیا۔ تھومس مان نے اِن الفاظ میں اسے سراہا "یہ روسی اور عالمی ادب

میں عظیم ترین سماجی ناول ہے۔"

ریزرکشن' (RESURRECTION) :

اس کی تیسری عظیم ناول 'ریزرکشن' ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔ لیکن اس سے کچھ عرصہ قبل یعنی ۱۸۹۸ء میں 'وہاٹ از آرٹ' (WHAT IS ART?) شائع ہو چکی تھی جو فنِ تنقید کے میدان میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب پندرہ سال کے غور و فکر اور مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ قدرتی طور پر یہ کتاب مباحثہ انگیز ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ اس موضوع پر ایک اہم ترین تصنیف ہے۔

'ریسرکشن' میں ایک اخلاقی مسئلہ کو بڑی سنجیدگی سے موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، لیکن ادبی لحاظ سے یہ اُن کی پچھلی ناولوں کی ہم پلہ نہیں۔

اس مضمون میں ٹالسٹائی کی چند اہم ترین تخلیقات ہی کا مختصراً ذکر کیا جا سکا ہے۔ ٹالسٹائی عظیم ہمالیہ کے مانند عظیم اور گوناگوں شخصیت کے مالک ہیں اور ایک ہی نظر میں اس کا احاطہ کرنا محال ہے۔ آخر میں بقول لینن یہی کہا جا سکتا ہے کہ "ٹالسٹائی نے بلند مقام پایا اور ان کی تخلیقات عالمی ادب میں عظیم ترین درجہ رکھتی ہیں۔"

تلخیص: عبدالوحید خاں جامی

(صفحہ ۶ سے آگے)

تسلیم نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔ دوئی کا جو احساس ہر طرف پھیلا ہوا ہے، یہ پھوٹ اسی کی پیداوار ہے۔ یہی وہ خرابی ہے جس نے قوموں، قبیلوں اور لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ جب سارے مذاہب ایک رب العالمین، ایک خدا کے قائل ہیں تو دوئی کا تصور عقلاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ درحقیقت بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو مشرق و مغرب کے ما بین فرق و امتیاز بھی غلط ہے۔ کیوں کہ دنیا کلیتاً اسی ذات واحد ہی کی تو ہے اگر اس نظریے کو مان لیا جائے تو گویا یہ بات بھی مان لی جاتی ہے کہ ساری دنیا ایک خاندان ہے، ایک ہی رشتے میں منسلک ہے۔ ایک ہی لڑی میں پروئی ہوئی ہے — یہ ایک پن، یہ رشتۂ واحد، تمام جغرافیائی اور سیاسی حدود اور پابندیوں سے بہت بلند ارفع و اعلیٰ ہے۔ ہم اسے "احساسِ مساوات" کہہ سکتے ہیں۔

مساوات کا صاف و صریح تصور اور اس کا حصول امن و سکون اور خوشحالی حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے۔ عدم مساوات امن و سکون کے مخالف ہے جو کسی طرح جہنم سے کم نہیں۔ انسانی جسم میں اونچائی اور نیچائی جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیوں کہ ہر عضو اپنا اپنا کام انجام دیتا ہے۔ ایک عضو کا کام دوسرا عضو انجام نہیں دے سکتا۔

میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے ایک بڑے صوفی منش سنت کے الفاظ دہراتا ہوں:

" جیسے جیسے انسان ارتقائی منزلوں کی طرف بڑھتا ہے اس کی روح ہر چیز کو اپنے پہلو میں سمیٹتی اور جگہ دیتی ہے۔ اور اگر ہم عالمگیر شہری ہیں اور فرقہ داری مقامیت پسندی پر غالب آنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو ہم اس سیارہ زمین کے جملہ روحانی قدروں کے وارث ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے کہ جس قدر زیادہ اس کے بے انتہا خزانوں کی گرہیں کھلتی جائیں گی اسی قدر زیادہ اُس کی روحانیت اس کے دل میں مرکوز ہوتی جائے گی: (اس کا آغاز "ایک" کی حیثیت سے ہوا تھا اور اب ایک ہی کی سمت وہ رواں دواں ہے۔)"

اجارہ داری حصولِ کپاس اسکیم کی تجدید

کپاس کاشت کاروں کے حق میں ترقی پسندانہ اقدام

• این۔ ڈی۔ پاٹل
وزیر برائے امداد باہمی

ہندوستان میں کپاس پیدا کرنے والی ریاستوں میں مہاراشٹر ایک بڑی ریاست ہے۔ ملک بھر میں کپاس کی کل پیداوار میں مہاراشٹر کا حصہ ۲۰ فیصد ہے۔ بہرحال یہ افسوسناک بات ہے کہ فی ہیکٹر پیداوار کے لحاظ سے مہاراشٹر کی صلاحیت پیداوار بڑی حقیر ہے۔ مجموعی طور سے یہی حال دیش کا بھی ہے۔ کیونکہ مقدار کے مطابق فی ہیکٹر پیداوار کے لحاظ سے دنیا میں کپاس پیدا کرنے والے ممالک میں ہندوستان کا درجہ کم ترین ہے۔ پھر یہ اور بھی افسوس کی بات ہے کہ مہاراشٹر ہندوستان میں کپاس پیدا کرنے والی ریاستوں میں کم ترین درجہ پر ہے۔

فی ہیکٹر کم تر پیداوار کا سبب یہ ہے کہ مہاراشٹر میں کپاس کی کاشت بڑی حد تک موسم باراں کے رحم و کرم پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کپاس کی زیر کاشت ، صرف ڈھائی فیصد علاقہ باغایتی (یعنی زیر آب پاشی) ہے۔ جبکہ بقیہ ۹۷٫۵ فیصد زراعتی (یعنی بلا آب پاشی) ہے۔ لہٰذا کپاس کے تحت تقریباً سارے علاقہ میں کپاس کی کاشت بارش پر منحصر ہے۔ نتیجہ یہ کہ فی ہیکٹر پیداوار کم ترین ہے۔

اس افسوسناک صورت حال سے کپاس کے کاشت کاروں کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ ان کی قسمت بارش اور کھلی منڈی میں روئی کے چڑھتے اترتے بھاؤ کے درمیان جھولتی رہتی ہے۔ قیمتوں اور پیداوار کی لاگت کے درمیان دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی سروے نمبر والی پیداشدہ کپاس جس کا مالک ایک ہی کاشت کار ہوتا ہے مختلف قیمتوں پر بکتی ہے۔

غیر یقینی صورت حال

یہ ناخوشگوار صورت حال ہمارے دیش میں آزادی کے اکتیس سال بعد بھی موجود ہے۔ کسانوں کو واجب منافع پہنچانے کی غرض سے ان کی زراعتی پیداوار کی قیمت ان کے مصارف زندگی۔ پیداوار کی لاگت کو نظر میں رکھ کر متعین کی جانی چاہئے۔ بہر صورت مجموعی طور پر ہمارے کاشت کاروں کو یہ ضمانت حاصل نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنی پیداوار کی قیمت معین کرنے میں کچھ دخل رکھتے ہیں۔ صنعتی سیکٹر میں صورت حال بالکل برعکس ہے جہاں صنعتی مال کی قیمت مالکان مل یا مالکان کارخانہ خود مقرر کرتے ہیں۔ وہ اپنے تیار مال کی قیمت پیداوار کی لاگت اور حصہ منافع کو شمار کر کے طے کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے زراعتی سیکٹر میں خریدار قیمت کے تعین میں آخری دخل رکھتے ہیں۔ وہ زراعتی پیداوار معمولی بھاؤ پر خرید لیتے ہیں اور باقاعدہ کسانوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہاں وہاں چند استثنیات کو چھوڑ کر مجموعی طور سے ہمارے کسان انتہائی غریب اور مقروض ہیں۔ ان میں سے اکثر تو حد غربت سے بھی نچلے درجہ پر ہیں۔ آدھے پیٹ کھا کر زندگی گذارتے ہیں۔ انھیں نقد روپے کی سخت ضرورت لاحق رہتی ہے تاکہ وہ اپنی پیداوار کی فروخت روک سکیں۔ اور جب بھاؤ بڑھنے لگے تو فروخت کریں۔ روپیہ کی سخت اور فوری ضرورت سے مجبور ہو کر وہ اپنی پیداوار منڈی میں اس وقت جو بھی بھاؤ ہو اس پر فروخت کر ڈالتے ہیں۔ بیوپاری اور دلال دونوں ہی کسانوں کی اس مجبوری سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

انہی حالات کے مدنظر حکومت نے حصول کپاس اسکیم کی تجدید کی ہے۔ اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ کسانوں کے استحصال کو روکا جائے اور انھیں کپاس کے بھاؤ میں اتار چڑھاؤ کی جھنجھٹ سے چھٹکارا ملے۔ اب انھیں قیمتوں کی ضمانت دی گئی ہے۔ جو ریاست بھر میں پوری فصل کے زمانے میں ایک ہی درجہ کی کپاس کے لئے ایک ہی رہیں گی۔ اب تک کپاس کے کاشت کار صرف خام کپاس بیچ سکتے تھے۔ لیکن اب وہ کپاس کی گانٹھیں بھی فروخت کر سکیں گے۔ وہ ہفتہ واری ہاٹ ہی میں کپاس فروخت کر سکتے تھے۔ لیکن اب اسکیم کے باعث منظم طریقے پر آخری منڈی تک ان کی رسائی ممکن ہو گئی ہے۔ اسکیم کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ان میں نیا اعتماد پیدا ہو اور پوری تجارت کپاس کی باگ ڈور خود ان کے ہی ہاتھ میں آجائے اور وہ خود کفیل بن جائیں۔

مہاراشٹر خام کپاس (ذخیرہ پروسیسنگ اور فروخت) ایکٹ ۱۹۷۲-۷۳ء میں جاری ہوا۔ اس ایکٹ کے تحت کسانوں کی کل کپاس پیداوار

ڈی پاٹل کی زیر صدارت ایک کمیٹی قائم کی گئی تاکہ وہ عمل آوری میں خامیوں کو دور کرنے کے لئے تدابیر سمجھائے۔ اس کمیٹی نے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۰ء کو اپنی رپورٹ پیش کردی۔

سال ۷۳-۱۹۷۲ء میں جب اسکیم اولاً وجود میں آئی تھی رزرو بنک آف انڈیا نے قرض سرمایہ (کریڈیٹ) کی منظوری دی تھی۔ اس طرح اس سال نیز ۷۴-۱۹۷۳ء کے لئے منظور شدہ کل قرض سرمایہ ۸۵ کروڑ روپیے تک تھا۔ لہٰذا حکومت کے لئے اسکیم کو زیر عمل لانا زیادہ سہل تھا۔ لیکن ۷۵-۱۹۷۴ء سے رزرو بنک آف انڈیا نے بڑھتے ہوئے افراط زر اوران پر عائد عام پابندیوں کی وجہ سے قرض کی رقم ۸۵ کروڑ روپیے سے گھٹا کر ۴۰ کروڑ روپیے کردی۔ لہٰذا ریاستی حکومت کے لئے اسکیم کو بآسانی زیر عمل لانا مشکل ہوگیا۔ بہرحال اس نے کسانوں کو اپنے اعتماد میں لے کر ضمانتی قیمتوں کی ادائیگی کا طریقہ بدل دیا۔ شروع میں اسکیم اقساط میں قیمتوں کی ادائیگی کے ساتھ زیر عمل لائی گئی۔ مجموعی طور سے ۷۵-۱۹۷۴ء بڑا کٹھن سال تھا۔ حکومت کو اونچی ضمانتی قیمتوں نیز سارے ولیس اور دنیا بھر میں کپاس کے بھاؤ گرجانے کے باعث ۲۰ کروڑ روپے کا خسارہ اٹھانا پڑا۔ ۷۶-۱۹۷۵ء اور ۷۷-۱۹۷۶ء میں ریزرو بنک آف انڈیا نے پھر صرف ۴۰ کروڑ روپیے کا ہی قرض سرمایہ (کریڈیٹ) منظور کیا۔ بہرحال ان دو فصلوں کے زمانے میں حکومت کو اس اسکیم کو زیر عمل لانے میں کوئی بڑی دقت پیش نہ آئی کیوں کہ ضمانتی قیمتیں ایگری کلچرل پرائس کمیشن کی جانب سے مقررہ قیمتوں سے وابستہ تھیں نیز ضمانتی قیمتیں کم تھیں۔ مجموعی طور سے مہاراشٹر نیز ملک میں کپاس کی پیداوار گھٹ گئی اور قیمتیں تیزی سے چڑھ گئیں لہٰذا کپاس تیزی سے فروخت کردی گئی اور آمدنی زیادہ ہوئی۔

۷۸-۱۹۷۷ء میں ریزرو بنک آف انڈیا نے ریاستی حکومت کو آگاہ کیا کہ جب تک ریاستی حکومت کی جانب سے اجارہ داری بنیاد پر یہ اسکیم جاری رکھی جائے گی وہ قرض سرمایہ منظور نہ کریگا۔ اجارہ داری حصول کپاس اسکیم کو کپاس کی پیداوار میں کمی کا ذمے دار ٹھہرایا گیا اور اسی بنا پر سرمایہ دینے سے انکار کردیا گیا۔

ریاستی حکومت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ حصول کپاس اسکیم رضاکارانہ طور پر چلائے اور اس کے ساتھ کھلی منڈی میں کپاس کی فروخت جاری رکھے۔ ریزرو بنک نے حصول کپاس کے لئے صرف دس کروڑ روپے کی قرض رقم منظور کی۔ اس وقت ضمانتی قیمتیں ایگری کلچرل پرائز کمیشن کے نرخ نامہ سے قریبی تعلق رکھتی تھیں۔ جب ضمانتی قیمتوں کا کھلی منڈی میں بڑھتی ہوئی قیمتوں سے مقابلہ کیا گیا تو موخرالذکر پچیس تیس فیصد زیادہ نکلیں۔ قدرتی طور سے کپاس پیدا کرنے والے کاشت کاروں کو حصول اسکیم کی جانب راغب کرنا مشکل ہوگیا۔ اس کے باوجود یہ تعجب ہی کی بات ہے کہ ریاست میں پیدا ہونے والی کپاس کی کل مقدار میں سے ۱۰ فیصد ایک جگہ اکٹھا کی جاتی ہے۔ بہرحال کپاس کا پول" یعنی کپاس اکٹھا کرنے کا محض مرکز ہی نہیں بلکہ ایک مشترک پلیٹ فارم بھی ہے جہاں کسانوں کو منافع بخش قیمتوں کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔

اسکیم کے تحت ضمانتی قیمتوں کا اعلان ہونے پر جو کچھ بھی یہ ہوں حکومت کو منظور کرنا پڑتی ہیں۔ اور وہ انہی ضمانتی قیمتوں پر کپاس خرید لیتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خواہ بھاؤ گھٹے بڑھے یا بھاؤ گر جائے یا کپاس کی گانٹھوں اور بنولہ پر یقینی قیمت نہ مل سکے تو بھی حکومت کو قبل ازیں ضمانتی بھاؤ ہی پر کپاس خریدنا پڑتی ہے لیکن اگر بالآخر کپاس کی قیمت بڑھ کر ضمانتی قیمت سے زیادہ ہو جائے تو اس صورت میں حکومت ضمانتی قیمتوں سے اوپر اضافی رقم ادا کرتی ہے۔ اس طرح عموماً کسان قیمتوں میں اتار چڑھاؤ سے متاثر نہیں ہوتے۔ اگر قیمتیں گر جائیں تو حکومت کو خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے اور اگر بڑھ جائیں تو کسان منافع میں حصہ دار ہوتا ہے۔

آخری منڈی تک رسائی

کاشت کار عموماً خام کپاس بیچتے ہیں۔ اب حصول کپاس اسکیم کی عمل آوری سے کاشت کاروں کی بمبئی یا احمد آباد جیسی آخری منڈیوں تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ جہاں کپاس فروخت کرنے میں زیادہ منافع ہے۔ اس طرح دلال کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے اور کپاس کے کاشت کاروں کا استحصال نہیں ہوسکتا۔

اسکیم کی عمل آوری میں بعض خامیاں حکومت کے سامنے آئی ہیں لیکن یہ بذات خود اسکیم میں نہیں بلکہ غلط عمل آوری سے رونما ہوئی ہیں گزشتہ پانچ فصلوں میں یہ اسکیم کچھ اس طرح زیر عمل لائی گئی جس سے عموماً یہ کسانوں میں مقبول نہ رہی۔ جو لوگ ابتدا ہی سے اس کے مخالف تھے وہ اسے جاری رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ بعض مفاد پرستوں نے اسکیم کے خلاف پرچار شروع کردیا۔

قرضوں کی ضرورت

اسکیم کی کامیابی سے عمل آوری کے لئے ریاستی حکومت کو مرکز کی جانب سے قرض کی سہولت کی ضرورت ہے۔ یہ منظوری نہ ملنے پر ریاستی حکومت نے اسے رضاکارانہ اسکیم کے طور پر جاری کیا۔ نئی حکومت نے حالیہ فصل کے دوران اسکیم کی تجدید کا فیصلہ کیا۔ اس نے سخت کوشش کی کہ مرکز سے مالی (کریڈٹ) سہولت مل سکے تاکہ مالی طور سے اسکیم کو مضبوط بنیاد پر چلایا جاسکے۔ بشری این،

کپاس کی حصولی اسکیم پر عمل آوری

تصویروں کی زبانی
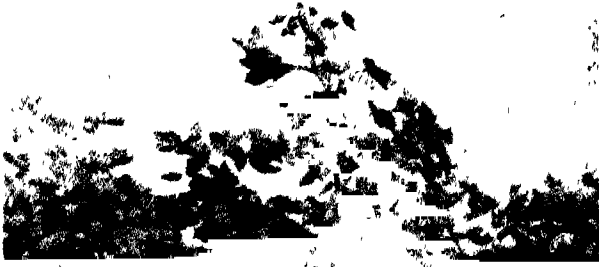
وزیر امداد باہمی شری این ڈی پاٹل ریاستی حکومت کی تجدید شدہ اجارہ داری حصول کپاس اسکیم کی کارروائی کا معائنہ کرتے ہوئے، اکولہ میں ایک خریداری مرکز پر

کپاس کی غیر معمولی فصل

کپاس چنی جا رہی ہے۔

ایک کسان جس کے چہرے سے خوشی عیاں ہے اپنی کپاس ٹریکٹر سے منسلک ٹرالی میں لاد کر لے جا رہا ہے
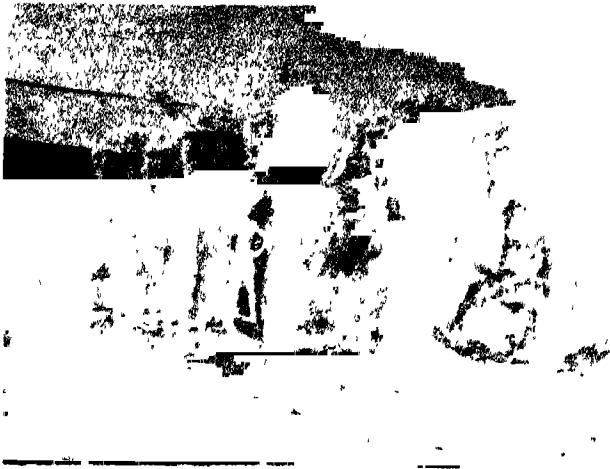
کپاس کی درجہ بندی

صفائی کے لئے کپاس لے جائی جارہی ہے
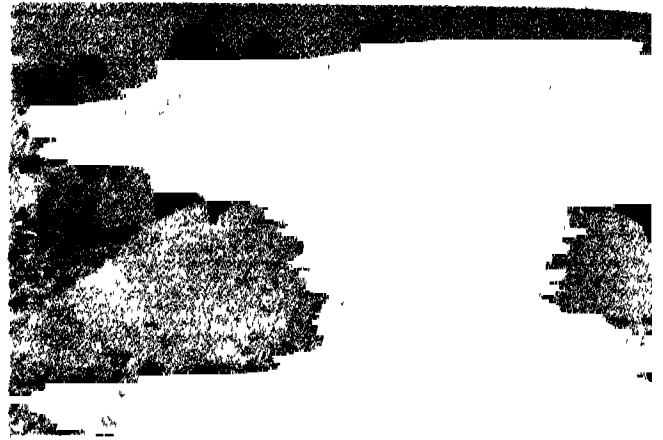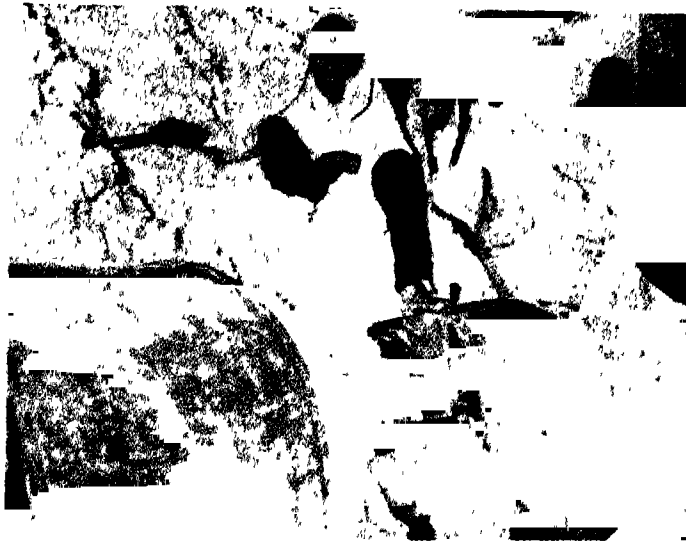
کپاس کی صفائی

درجہ بندی کئے گئے کپاس کا وزن کیا جارہا ہے

صفائی کے بعد کپاس مشین میں دبائی جارہی ہے ۔

کپاس کی گانٹھوں کی فروخت
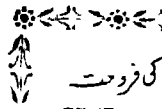
کپاس اسکیم کے تحت حاصل کی گئی۔

نئی حکومت کا اٹل فیصلہ

نئے ترقی پسند جمہوری محاذ کی حکومت حصول کپاس اسکیم کی تجدید کے بارے میں اپنے فیصلے پر جمی رہی۔ اور اس نے لگاتار مرکز کو یہ ترغیب دی کہ وہ اس کے لئے مالی امداد منظور کرے۔ بالآخر یہ کوشش کامیاب ہوگئی۔ اور مرکزی حکومت نے دسمبر ۱۹۷۸ء کے پہلے ہفتہ میں مالی اعانت منظور کرلی۔ مزید برآں مرکزی حکومت نے یہ یقین بھی دلایا کہ اگر ریاستی حکومت نے ایسی شرح پر جو منڈی بھاؤ سے زیادہ مختلف نہ ہو کپاس کی قیمت کی ضمانت دی تو وہ مالی امداد دے گی۔

نظر ثانی شدہ اسکیم کے روبہ عمل آنے سے پہلے یعنی ۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء سے قبل صرف پچیس تیس فیصد کپاس نجی منڈی میں پہنچ چکی تھی۔ اندازہ لگایا گیا کہ تقریباً آٹھ لاکھ گانٹھیں (یعنی ۴۰ لاکھ کوئنٹل) اسکیم کے تحت لائی جا سکیں گی۔ چنانچہ مالی ضروریات کا مفصل جائزہ لیا گیا۔ حکومت کو معلوم تھا کہ گزشتہ سال معمولی ضمانتی قیمتوں پر کسان ناخوش تھے۔ لہٰذا اس مرتبہ ضمانتی قیمت بڑھا دی گئی۔ یہ اندازہ لگایا گیا کہ اس فصل کے دوران اسکیم کے لیے ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ ۸۵ کروڑ روپے کی رقم درکار ہوگی۔ یہ تخمینہ لگانے وقت کھلی کپاس پیداوار اور گانٹھوں دونوں کی فروخت کا خیال رکھا گیا حکومت نے اسکیم کے لئے ۳۰ کروڑ روپے کی رقم صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے (جس میں "بھاؤ اتار چڑھاؤ فنڈ" کے ۲۷،۵ کروڑ روپے اور ۲،۶۲ کروڑ روپے کی رقم جو کپاس کاشت کاروں کی جانب سے قیمت کپاس کی ایک فیصد شرح کے حساب سے جمع شدہ حصہ ہے شامل ہے) بقیہ ۵۵ کروڑ روپے کی رقم ریزرو بنک کی پیشگی اجازت ایکس بنک مہیا کرے گا۔ اگر اسکیم کے تحت اندازہ کے مقابلے میں زیادہ کپاس لائی گئی تو ریزرو بنک اضافی رقم منظور کرے گا۔

مرکزی حکومت نے یہ مشورہ دیا ہے کہ ریاستی حکومت کاٹن کارپوریشن آف انڈیا اور مہاراشٹر اسٹیٹ مارکیٹنگ فیڈریشن سے باہمی صلاح و مشورہ کے بعد ضمانتی قیمتیں مقرر کرے۔

اسکیم کے اصل مخالفین بیوپاری ایجنٹ اور بچولی طبقہ کے افراد ہیں جو صدیوں سے کاشت کاروں کو لوٹ کھسوٹ رہے ہیں۔ انھوں نے اسکیم کی مخالفت میں ہر حربہ اور رویہ استعمال کیا اور کاشت کاروں کی جہالت ناواقفیت اور غربت سے فائدہ اٹھا کر انھیں گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے مخالفانہ پرچار بھی کیا۔ ان کے پرچار کا موضوع یہی تھا کہ (۱) اسکیم کے تحت ادا کی جانے والی قیمت کم ہے۔ (۲) اسکیم جاری ہونے کے بعد سے کپاس کی پیداوار کے تحت رقبہ گھٹ گیا نیز ۷۷-۱۹۷۸ء میں اس میں اضافہ اسی وقت ہوا جبکہ حکومت نے اسکیم معطل کردی تھی۔ (۳) کپاس کی درجہ بندی میں بے ایمانی کی جاتی تھی۔ (۴) کاشتکاروں کو نقد رقم وقت پر نہیں ملتی اور (۵) اسکیم کا مقصد صرف قرض کی وصولی ہی تھا۔

اسکیم کی کاشت کاروں میں مقبولیت

بہرصورت دسمبر ۱۹۷۸ء میں اسکیم کی تجدید کے وقت کاشت کاروں نے جس طرح اس کا خیر مقدم کیا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخالفانہ پرچار کس قدر بے بنیاد تھا۔ بہرحال حکومت کو اس بات کا احساس ہے کہ کاشتکار اصل اسکیم کی عمل آوری پر پوری طرح خوش نہ تھے۔

پہلے ضمانتی قیمتوں کی شرح اگیری کلچرل پرائس کمیشن کی مقررہ شرح سے مربوط ہوتی تھی۔ بہرصورت یہ شرح منڈی بھاؤ کے مقابلہ میں ۲۰ تا ۲۵ فیصد کم تھی۔ لہٰذا کاشت کاروں کی ناراضگی بجا تھی۔ قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب کاشت کار فیڈریشن اور بنک کی کارگذاری سے بھی غیر مطمئن تھے۔

اب نظر ثانی شدہ اسکیم کے تحت حکومت نے اگیری کلچرل پرائس کمیشن کی معاون قیمتوں کے مقابلے میں ضمانتی قیمتیں ۱۰ تا ۲۰ فیصد زیادہ مقرر کی ہیں۔ بعض اقسام کپاس کے معاملے میں ضمانتی قیمتیں منڈی بھاؤ سے بھی زیادہ ہیں۔ نیز دیگر اقسام کے معاملے میں وہ منڈی بھاؤ کے برابر ہیں۔

ماضی میں کپاس کاشت کاروں کو اولاً ادا کی جانے والی قیمتوں کی شرح کم تھی۔ انھیں ادا کی جانے والی آخری قیمت میں سے خاصا بڑا ٹکڑا "قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ" میں ان کے حصے کے طور پر وضع کرلیا جاتا تھا۔ اس طرح آخر میں کاشت کاروں کو آخری قیمت کی ادائیگی کے وقت کچھ زیادہ رقم ان کے ہاتھ میں نہ آتی تھی۔ گزشتہ سال کی اسکیم کے تحت جو رضاکارانہ طور پر جاری کی گئی تھی۔ قیمت اتار چڑھاؤ فنڈ کے لیے وضع کی جانے والی رقم آخری قیمتوں کا ۲۵ فیصد تھی۔ اب یہ فیصد شرح گھٹا کر صرف ۵ فیصد کردی گئی ہے جس کے تحت کاشت کاروں کو آخری قیمت کے طور پر کافی رقم ملے گی۔ اس طرح بالآخر کاشت کاروں کو پورا بھروسہ ہے کہ یہ اسکیم درحقیقت ان کے مفاد کی محافظ ہے۔ ان میں اب اس اسکیم سے اپنائیت پیدا ہونے لگی ہے۔

درجہ بندی کارکن کی تقرری

کپاس کی درجہ بندی کے متعلق حکومت کو متعدد شکایات وصول ہوئیں ۔ اب حکومت نے کپاس کی کاشت کرنے والوں میں سے ہی زراعت میں گریجویٹ اشخاص کا درجہ بندی کاموں کے لئے انتخاب کیا ہے ۔ ہر مرکز پر کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں تاکہ درجہ بندی سے متعلق متنازعہ مسائل فوری طور سے حل کئے جائیں ۔ ایسے ہر مرکز میں مناسب عملہ تعین کیا گیا ہے جس کی یہ کوشش ہوگی کہ درجہ بندی کے متعلق کسی بھی تنازعہ کو اسی روز حل کر دیا جائے ۔ کپاس کے کاشت کاروں کو بھی اس عملہ میں نمائندگی دی جائے گی ۔

فی الحال کپاس کے چار درجات مقرر کئے گئے ہیں "سوپر" اور ایف ۔ ایکس ۔ یو پہلے دو درجات ہیں جس میں کپاس کا فیصد بالترتیب ۶۲ اور ۳۵ ہے "فیر" تیسرے درجے کی اور "ایکس" چوتھے درجہ کی کپاس ہے ۔ جس میں کپاس کا فیصد ۲/۷ اور ۳/۱ ہے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۷ فیصدی کپاس پہلے دو درجوں میں زیادہ حاصل ہوتی ہے اس سے ریاست میں کپاس کی فصل کی موجودہ صورت حال کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اس طرح اعلیٰ قسم کی کپاس کی کاشت سے نہ صرف یہ کہ ریاست کی خوشحالی میں اضافہ ممکن ہوگا بلکہ خود کاشت کاروں کی زندگی بہتر ہوگی ۔

اپنی سوتی ملیں

اس اسکیم میں یہ بھی شامل ہے کہ کاشت کار اپنی فصل حکومت کو دینے کے بجائے خود اپنے سوتی ملوں میں دے سکتے ہیں ۔ البتہ سوتی ملوں پر حکومت نے یہ لازم کر دیا ہے کہ وہ اسکیم کے تحت دی جانے والی قیمتوں سے کم قیمت ادا نہ کریں ۔ اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ کپاس کے کاشت کاروں کو زیادہ منافع حاصل ہوگا بلکہ ان کے مفاد کی حفاظت بھی ہو سکے گی ۔ آج سوتی ملوں کو کپاس کی ایک یا ڈیڑھ لاکھ گانٹھیں درکار ہوتی ہیں ۔

اسکیم کی ایک اہم خصوصیت

اس اسکیم کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ زراعتی پیداوار کو فصلی قرضہ جات کی وصولی سے جوڑا گیا ہے ۔ اس میں اہم بات یہ ہے کہ ریزرو بنک آف انڈیا کے فصلی قرضہ جات جس کی تقسیم امداد باہمی اداروں کے ذریعہ کی جاتی ہے اور وصول شدہ قرضوں کی رقم میں ایک مناسبت رکھی گئی ہے ۔

یعنی جتنی زیادہ وصولی ہوگی ۔ ریزرو بنک سے اتنی زیادہ سہولت حاصل ہوگی ۔ گزشتہ دو تین سالوں میں قرضوں کی وصولی مایوس کن تھی اسی لئے ضلع کوآپریٹیو بنک کسانوں کی مانگوں کو نہ ہی پورا کر سکے اور نہ ہی انہیں کوئی سہولت دے سکے ۔ بہرحال قرضوں کی وصولی اور کپاس کی قیمتوں کو آپس میں جوڑنے سے قرضوں کی وصولی میں زبردست اضافہ ہوا ہے ۔

گزشتہ سال جب یہ اسکیم عمل میں نہیں تھی اس وقت کپاس کی فروخت سے قرضہ جات کی وصولی صرف ۲ کروڑ روپیہ حاصل ہو سکی تھی ۔ حالانکہ اسکیم کے تحت ۱۰ فیصدی کپاس سے قرضوں کی وصولی ۳۰ کروڑ روپیہ ہونا چاہئے تھی ۔ امسال بھی ایسی ہی صورت حال قائم ہے ۔ کاشت کاروں کو دی گئی ۱۰ فیصدی مقررہ قیمتوں میں سے صرف ۳۰ فیصدی قرضہ جات کی رقم وصول ہو سکی ہے ۔

گزشتہ پانچ سالوں سے مہاراشٹرا اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن لمیٹڈ بمبئی ، ریاستی حکومت کے نمائندہ خاص کی حیثیت سے اس اسکیم کو چلا رہی ہے ۔ اس سال نظر ثانی شدہ اسکیم کے تحت کپاس کی خریداری کے ۱۷۶ مرکزوں پر ۳۰۰۰ ملازمین کام کر رہے ہیں ۔ روئی اوٹنے اور صاف کرنے کا کام امداد باہمی اور نجی اداروں کے سپرد ہے ۔

مرکزی حکومت کی منظوری سے ریاستی حکومت کپاس کی دو لاکھ گانٹھیں برآمد کر سکتی ہے ۔ اس سال ملک میں کپاس کی پیداوار ۷۲ لاکھ گانٹھیں ہونے کی توقع ہے جبکہ کل ۶۶ لاکھ گانٹھیں ملک کی ضرورت کے لئے کافی ہیں ۔ لہذا باقی ماندہ کپاس کی برآمد مشکل نہیں ہوگی ۔

مذکورہ اسکیم کے تحت ۸ جنوری ۱۹۷۹ء تک ۱۶ کروڑ روپے کی مالیت کی کپاس یعنی ۸۰,۰۰۰ گانٹھیں فروخت کی جا چکی ہیں ۔ کپاس کے بیج کو بذریعہ نیلام فروخت کیا جاتا ہے ۔ فی الحال ۲۴ لاکھ ٹن کپاس کے بیج کو نیلام کے ذریعہ فروخت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ کارپوریشن کے تحت تیل کی ملیں یومیہ ۱۰۰ ٹن تیل نکالتی ہیں ریاستی حکومت اس میں اضافہ کرنے کی تدبیریں کر رہی ہے ۔

اس سے قبل زیادہ پیسوں کے لالچ میں آکر اکثر کپاس چوری چھپے مہاراشٹرا سے باہر فروخت کر دی جاتی تھی ۔ ایسی کارروائیوں کے سدباب کے لئے حکومت نے سرحدی علاقوں میں چیک پوسٹ قائم کر دیئے ہیں ۔ آج صورت حال کافی بدل چکی ہے ۔ نئی اسکیم کے تحت طے شدہ قیمتوں میں اضافہ کے باعث اب کسانوں کو مناسب منافع حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ طے شدہ قیمتیں ۲۴ گھنٹوں کے اندر ادا کر دی جاتی

ہیں۔ اسی خوشگوار تبدیلی کے باعث آج ریاست میں واقع مراکز پر کپاس سے لدی بیل گاڑیوں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ شاید یہ بھی ممکن ہے کہ پڑوسی ریاستوں کے کسان بھی ہماری اسکیم کو پسند کریں۔

ملکی سطح پر کمی :

کچھ لوگوں میں غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اسکیم کا نفاذ ہوتے ہی کپاس کی کاشت والے علاقوں میں کمی ہو گئی۔ اور ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اس اسکیم کے معطل ہوتے ہی ایسے علاقوں میں پھر سے اضافہ ہو گیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کپاس کی کاشت والے علاقوں کا اس اسکیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آندھرا پردیش، گجرات، تاملناڈو جیسی ریاستوں میں بھی جہاں ایسی اسکیم نہیں پائی جاتی، کپاس کی کاشت والے علاقوں میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے۔ دراصل یہ کمی گزشتہ چند سالوں میں ملک بھر میں پائی گئی ہے۔

مہاراشٹر میں کپاس کی کاشت والے علاقوں کا دارومدار موسم برسات میں اتار چڑھاؤ پر ہے۔ اگر بارش وقت پر ہو تو ہی کپاس کی فصل اگائی جاتی ہے ورنہ جوار بویا جاتا ہے۔

اس سال مہاراشٹر میں ۲۴ لاکھ ہیکٹر زمین کپاس کی کاشت کے لئے وقف ہے۔ اس دفعہ کپاس کی کاشت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ جو کہ کپاس کی حصولی اسکیم کے لئے مفید سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر یہ اسکیم آئندہ بھی کامیاب رہی تو مزید علاقوں کو کپاس کی کاشت والے علاقوں میں شامل کیا جا سکے گا۔

جیسا کہ شروع میں کہا گیا ہے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو فیڈریشن کو کپاس جمع کرنے کا کام دیا گیا ہے اور امداد باہمی اداروں کو روئی اوٹنے اور صاف کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے اب کپاس کی گانٹھوں کو ہینڈلوم کوآپریٹیو اداروں کے حوالے کیا جائے گا اور وہاں سے تیار کپڑے صارفین کے امداد باہمی اداروں کو روانہ کئے جائیں گے۔ یعنی ہر قدم پر باہمی اداروں سے ہی رابطہ قائم رکھا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تمام کارروائی میں کپاس کے کاشت کاروں کا دخل رہے گا اور ان کا یہ خواب کہ وہ مل مالک بنیں شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی زندگی خوشحال بن جائے گی۔

جوں ہی کسانوں کو وقت پر اور زیادہ نرخ پر طے شدہ رقم ملا کرے گی ان کے دلوں سے اس اسکیم کے متعلق بے اطمینانی دور ہو جائے گی۔ اس اسکیم کے نتیجہ میں ان کی آمدنی میں اضافہ ہو گا اور ہو سکتا ہے وہ اپنی زائد آمدنی سے زیادہ سے زیادہ علاقوں میں کپاس کی کاشت کریں۔ وہ اپنے تمام قرضہ جات ادا کر کے بنکوں سے فصلی قرضہ جات لے سکیں گے اور اس طرح انھیں مفاد پرست لوگوں سے چھٹکارہ حاصل ہو سکے گا۔

علاوہ ازیں جس طرح سے شکر کی امداد باہمی اداروں کے قیام سے دیہی معیشت میں بہتری پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح سے اس اسکیم کی کامیابی سے کپاس کے کاشت کاروں کی معیشت میں بہتری پیدا ہو سکے گی۔ اب تو کپاس پیدا کرنے والی ریاستیں مثلاً پنجاب، ہریانہ، راجستھان وغیرہ بھی مہاراشٹر کی اس اسکیم کے سطور پر کپاس کی حصولی کی اسکیم جاری کرنے کے امکانات پر غور کر رہی ہیں۔ کیا یہ بڑی کامیابی نہیں ہے؟

اعداد و شمار :

۷۹-۱۹۷۸ء موسم کے لئے ۱۶ دسمبر سے کپاس کی اجارہ داری حصولی اسکیم کا نفاذ ہوا۔ اس سے قبل یہ اسکیم رضاکارانہ طور پر روبہ عمل تھی۔ مندرجہ ذیل خاکہ میں ۸ جنوری ۱۹۷۹ء تک مختلف حصوں میں دونوں اسکیم کے تحت کپاس کی خریداری سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں :-

حلقہ کا نام	نئی اسکیم کے تحت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء تک خریداری کپاس (کوئنٹل میں)	حکومت کی اسکیم کے تحت ۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء تک خریدی گئی کپاس (کوئنٹل میں)	دبائی گئی گانٹھوں کی تعداد
ناگپور	۴,۴۲۷.۶۶	۱,۵۲,۵۶۳	۵۶۸۰۰
ایوت محل	۹,۵۹۴.۲۲	۲,۲۰,۵۰۳	۷,۲۵۰
اکولہ	۴,۱۵۰.۰۴	۱,۵۳,۳۲۵	۶,۶۵۰
امراوتی	۱,۹۳۶.۰۵	۱,۴۹,۱۲۶	۴۷۵۰
کھامگاؤں	۷,۸۲۳.۸۰	۱,۲۵,۴۶۳	۴۷۹۵
اورنگ آباد	۱۱,۸۳۵.۷۶	۹۳,۸۴۸	۲۹۰۷
پربھنی	۱۹,۳۹۷.۶۴	۱,۵۱,۷۱۵	۲۹۵۹
ناندیڑ	۲۳,۲۸۶.۰۰	۹۱,۲۰۰	۱۴۰۰
جلگاؤں	۷۴.۱۱	۷۳,۷۵۰	۹۰۰
دھولے	۱۴.۰۷	۴۱,۵۰۶	۸۵۰
بھلنان	۱۷,۶۸۰.۶۰	۳,۵۸۸	۳۶۴۲
احمد نگر	۵,۱۷۵.۶۶	۱۵,۲۸۵	۱۲۶۵
کل میزان	۱۰۵۳۹۵.۶۷	۱۲۷۱۸۷۳	۴۲۵۶۸

کل ۱۳,۷۷,۲۶۸ کوئنٹل کپاس خریدی گئی اور دبائی گئی گانٹھوں کی تعداد ۴۲۵۶۸۔

"عوام کے لئے، عوام کا اور عوام کے ذریعے" کا زرّین اُصول اتنی مناسبت سے عمل میں کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا جیسا کوکن میں واقع کرول کے مقام پر گلاس فیکٹری میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کوکن جو اب تک ایک پسماندہ علاقہ تھا، اب اپنی معاشی ترقی و خوشحالی کے لئے تیزی سے جدوجہد میں مصروف ہے۔
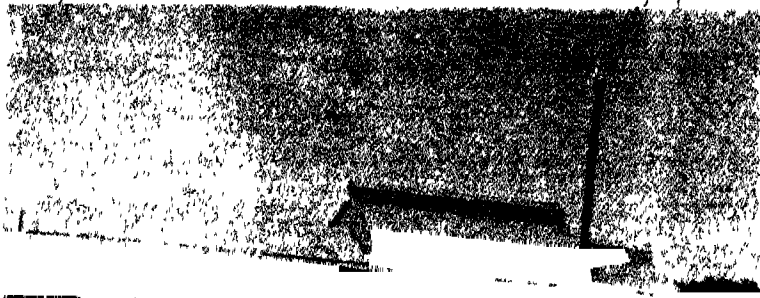
سرزمینِ کوکن ۔ کرول میں گلاس فیکٹری

— ایل. کے مٹا شکریہ - ایکونومکس ٹائمز، ممبئی

سہیادری کی کھُلی باہوں میں سمائے ہوئے، ضلع رتناگیری کی کنکاوی تحصیل میں کرول گاؤں اپنے پورے خوشنما مناظر کے ساتھ ممبئی ۔ کوکن ۔ گوا ہائی وے کی چار کلومیٹر زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ کوٹھاپور کرول سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ علاوہ ازیں کرول سے گوا، بیلگام، رتناگیری، مالوا، وجے درگ اور دیوگڑھ بآسانی پہنچا جاسکتا ہے۔

کرول کے مقام پر سہیادری سلیکون گلاس ورکس کا انتظامیہ مرکز قائم ہے اور فیکٹری اسی گاؤں کی سرحد میں ۲۲ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ جدید طرز پر بنی ہوئی فیکٹری کی ۳۰۰ فٹ × ۷۵ فٹ عمارت میں ۲۵ء۳۷ لاکھ روپے کی مالیت کی مشینیں لگی ہوئی ہیں، جن کی مدد سے روزانہ ۴۵ میٹرک ٹن خام مال سے مختلف سائز اور ڈیزائن کی بوتلیں تیار کی جاتی ہیں۔

اس فیکٹری کا جائے وقوع فیکٹری کے لئے دیگر ضروری اشیا، مثلاً پانی، بجلی، سلیکا سینڈ اور کانچ کی خام اشیا وغیرہ کی حصولی کے لحاظ سے بہت ہی مناسب ہے۔ سلیکا سینڈ اس فیکٹری کے اطراف ۲۰ کلومیٹر کے احاطے میں کافی مقدار میں دستیاب ہوتا ہے۔ ابھی فیکٹری مینجمنٹ نے صرف ایک شعبہ شروع کیا ہے جس میں ۳۵۰ افراد میں خود رتناگیری کے ۲۹۲ افراد ہیں' ملازمت کرتے ہیں۔ تمام شعبوں کے جاری ہونے پر سہیادری سلیکون گلاس ورکس کو توقع ہے کہ یہاں ۱۰۰۵ افراد کو روزگار حاصل ہوسکے گا۔ مہاراشٹر کے اس پسماندہ علاقہ میں واقع کئی ترقی پذیر صنعتی اداروں میں کرول کا گلاس پلانٹ اس لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ یہ فیکٹری ایسی جدوجہد میں مصروف ہے جس کے نتیجہ میں کوکن کے عوام کی صنعتی شہر ممبئی میں روزگار حاصل کرنے کی خواہش میں تبدیلی لائی جاسکے گی۔ اس فیکٹری کی یہ جدوجہد کوکن کے عوام کے لئے ایک مثال ہے کہ وہ کوکن میں واقع اپنے خانداں کی کفالت کے لئے ممبئی ہجرت کرنے کے بجائے یہیں اپنی قابلیت استعمال کریں۔

سہیادری سلیکون گلاس ورکس ایک ایسا پروجیکٹ ہے جسے عوام کے ہی ایک گروپ نے عام استحصال کے لئے شروع کیا ہے۔ کوٹھاپور کے درمیانی تاجر طبقہ کے چند افراد کے دماغ میں سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ دودھ کی تجارت، دواؤں کی کمپنیاں اور شراب تیار کرنے کی صنعتوں کے فروغ کے پیش نظر کیوں نہ شیشے کی بوتلوں کی بڑھتی ہوئی مانگ پوری کرنے کی کوشش کی جائے — نتیجتاً ممبئی کی صنعتی ترقی کارپوریشن کے چند پرجوش نوجوان افسران کی رہنمائی میں مذکورہ گروپ نے ضلع رتناگیری میں سلیکا سینڈ کی دولت سے مالا مال کرول دیہات کا انتخاب کیا۔ اس طرح سہیادری سلیکون گلاس ورکس کی ابتدا ہوئی۔ یہاں یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ اس فیکٹری کے کسی بھی

حصہ دار کے پاس ۵۰۰۰ ا روپیہ مالیت کے شیئرز سے زائد شیئرز نہیں ہیں اور یہ رقم اتنی ہے جو کہ ایک عام شخص ایسی تجارت کے لئے بچا سکتا ہے۔

جب یہ پروجیکٹ شروع کیا گیا تو اس وقت تمام متعلقہ افراد کے سامنے اس پروجیکٹ کی ترقی سے متعلق مناسب فنڈ اکٹھا کر لینے کا مسئلہ درپیش ہوا۔ ابتدا میں ہی حوصلے پست ہونے نظر آئے۔ اور شاید یہ پروجیکٹ شروع ہونے سے قبل ہی دم توڑ دیتا۔ لیکن خوش قسمتی سے ڈیولپمنٹ کارپوریشن کوکن لمیٹیڈ نے ۲۶۵۰ لاکھ روپیہ اصل سرمایہ اور ۱۷۶۴ الاکھ روپیہ موجود سرمایہ میں لگانے کی پیشکش کی۔ اس کے علاوہ مذکورہ ادارہ نے دیگر معاملات مثلاً ڈائرکٹر جنرل، ٹیکنیکل ڈیولپمنٹ سے اجازت، MSFC ، SICOM اور یونائٹیڈ بنک منٹڈ سے مالی امداد وغیرہ میں بھی تعاون کیا۔

اس طرح سہیادری سلیکون گلاس ورکس کے اراکین اور مذکورہ بالا اداروں کی مشترکہ کوششوں سے اس پروجیکٹ کے مردہ جسم میں روح پھونکی گئی۔ کرول کے اس گلاس پلانٹ کا تسلیم شدہ سرمایہ ایک کروڑ روپیہ ہے جس میں ۷ لاکھ روپیہ منظور کردہ شیئرز کی صورت میں اور ۳۰ لاکھ روپیہ ترجیحی شیئرز کی صورت میں تقسیم کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں پلانٹ کے مالی ذرائع کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

(الف) اصل سرمایہ۔ (۱) منظور کردہ شیئرز ۳۶ لاکھ (۲) ترجیحی شیئرز ۴ لاکھ

(ب) قرضہ جات۔ (۱) SICOM سے ۳۵ لاکھ، (۲) MSFC سے ۳۰ لاکھ اور (۳) مرکزی امداد ۱۳ لاکھ روپیہ۔

اب آیئے ہم سہیادری سلیکون گلاس ورکس کا ذکر کرتے چلیں کہ یہ کرول کے مقام پر کیسے قائم کیا گیا۔ ضلع رتناگیری میں سلیکا کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جو اتنا زیادہ ہے کہ آئندہ سو سال تک ۔ اگلاس کی صنعتوں کے لئے کافی ہوگا۔

فونڈا گھاٹ، کسبرڈا، مڈباؤ، آرے، میورا اور ویٹورا، چند ایسے مقامات ہیں جہاں اعلیٰ قسم کا سلیکا افراط میں دستیاب ہوتا ہے۔ کنکاولی تحصیل برف کی مانند سفید سلیکا کے لئے مشہور ہے۔ سلیکا کے علاوہ جنوبی رتناگیری میں مہاراشٹر معدنی ترقیاتی کارپوریشن نے باکسائیٹ، کرومیٹ، مائیکا اور ریسٹرائیٹ پتھروں کا بھی پتہ چلایا ہے۔

یہ ۱۹۷۳ء۔ ۷۴ء کی بات ہے۔ کوبھالپور کے چند باہمت نوجوانوں نے جو اس سے قبل شکر کی صنعت سے وابستہ تھے۔ اپنی قابلیت و مہارت کو برتن بنانے کی صنعت میں آزمانا چاہا۔ ڈاکٹر ایس۔ ایس گھانگے جو فن سفال گری کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، ان نوجوانوں کی مدد کے لئے آگے آئے۔ اور اس طرح برتن بنانے والی صنعت کے بانیوں نے جن میں ڈاکٹر، انجینئر، تاجر اور زراعت کے ماہر افراد شامل تھے، اس صنعت کو گلاس فیکٹری میں تبدیل کیا۔ انھیں یکجا کرنے میں کوکن کے ہی ایک باشندے شری ایم۔ ایم کارنک نے اہم کردار ادا کیا ہے۔

• ڈیولپمنٹ کارپوریشن، کوکن لمیٹیڈ کے دستِ تعاون سے سلیکا یونٹ پارٹنرشپ فرم کے طور پر ۵۰۰۰۰ روپے کے سرمایہ سے شروع کیا گیا۔ SICOM کے شری ناڈکرنی کی رہنمائی میں کدال کے مقام پر واقع صنعتی فروغ مرکز سے صلاح و مشورے حاصل ہوتے رہے اور جنوبی رتناگیری میں واقع کونا گلاس فیکٹری کے سطور پر گلاس فیکٹری پروجیکٹ کی ساخت تیار کی گئی۔

۱۹۷۴ء میں کرول گلاس پلانٹ کے جسم میں نئی روح پھونکی گئی۔ سرمایہ کی رقم جو کہ ابتدا میں نہایت قلیل تھی، بڑھا کر ۲۵ لاکھ روپے کر دی گئی۔ ۱۹ / نومبر ۱۹۷۴ء کو پروجیکٹ کے چیرمین شری ماما صاحب گلوانے کی موجودگی میں ۲۲ ایکڑ زمین پر تعمیر کردہ کرول گلاس فیکٹری کی بھومی پوجا منعقد کی گئی۔ MSFC اور SICOM سے بالترتیب ۳۰ اور ۳۵ لاکھ روپیہ قرض کی صورت میں حاصل کیا گیا۔ خوش قسمتی سے دسمبر ۱۹۷۴ء میں SICOM کے مینجنگ ڈائرکٹر شری ایس۔ ایم کیلکر اور سینئر مینیجر شری ایس۔ کے کیر نے فیکٹری کا معائنہ کیا اور قرضوں کے حساب کو بیباق کر دیا گیا

کدال کے برعکس جہاں متعدد صنعتیں SICOM ، MSFC اور MIDC جیسے واقع بیرون کوکن کی مخفی سرپرستی اور اہم مالی اعانت کے تحت جاری ہوئے تھے۔ یہ فیکٹری صرف مقامی تاجر۔ مقامی ذرائع، مقامی بازار اور مقامی افراد ہی سے وابستہ رہی۔ بیشک یہ ایک عمدہ مثال ہے اُن لوگوں کے لئے جو کوکن ہی میں ایسی ہی دوسری صنعتیں قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔

کرول کی حدود میں اعلیٰ قسم کے سلیکا سینڈ کی دستیابی کی بدولت سلیکا گلاس ورکس فیکٹری کی شروعات عمدہ رہی۔ پنچ گنگا، دارنا، بھوگاوتی، بدری، کرشنا اور روالوا جیسے شکر کے کارخانوں میں اس فیکٹری کی تیار شدہ بوتلوں کی مانگ بڑھی۔ اس کے علاوہ گوا اور جنوب کے دیگر علاقوں میں اس فیکٹری کے تیار مال کی بہترین کھپت ہوتی ہے۔ یہاں کی تیار شدہ شیشے سے بنی اشیاء کا نرخ بھی معقول ہے۔

۱۹۷۵ء میں ڈیولپمنٹ کارپوریشن، کوکن لمیٹیڈ کی جانب سے ۲۶۵۰ لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ SICOM سے حاصل شدہ رقم سے فیکٹری کی مالی استحکامی پر توجہ دی گئی۔ اس لئے کہ صرف مشینوں اور پروجیکٹ پر ۷۵ لاکھ روپیہ درکار تھا جبکہ کرول فیکٹری کے پاس اس وقت صرف ایک کروڑ روپے کا سرمایہ قرض و دیگر مدوں کی صورت میں ۱ : ۲ کے تناسب سے موجود تھا۔

پروجیکٹ کے لئے میسرز گلاس انجینئرز کے شری پاریکھ کی رہنمائی میں خاص قسم کی مشینیں تیار کی گئیں۔ ایسی مشینیں اندھیری میں واقع گلاس کنٹینرز پرائیویٹ لمیٹیڈ اور سورت کے قریب کوسمبا کے مقام پر گجرات گلاس ورکس نامی کارخانوں میں زیر استعمال ہیں۔ کرول کی مشینیں مکمل طور پر دیسی ہیں اور بہترین ہیں۔ تین چوتھائی مشینیں جزوی خود کار ہیں۔ ان

ام پلانٹ اور مشینوں پر ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔

کرول گلاس فیکٹری اپنے آپ پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے کہ کم سے کم ۵۰ روپے اور زیادہ سے زیادہ ۱۵۰۰ روپے فی کس کے حساب سے حصّہ داروں کی مدد سے پہلے پہل درمیانی طبقہ کے صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کرنے میں کامیاب ہوئی۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ کوئی بھی صنعت جاری کرنا صرف برلا، ٹاٹا، مفت لال اور کرلوسکر جیسے بڑے صنعتکاروں کا درثہ نہیں ہے۔ ایس۔ ایس سی بابی۔ ایس سی کامیاب اشخاص بھی جنھیں تکنیکی کاموں میں دلچسپی ہو صنعت جاری کر سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ چھوٹے پیمانہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ سرمایہ کی فراہمی ایک مشکل معاملہ تھا۔ فیکٹری کے خیرخواہوں نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ صرف ۱۰ لاکھ روپے جمع ہوئے ہیں جبکہ پروجیکٹ کے لئے کل ۴۰ لاکھ روپیہ درکار تھا۔

کوکن کی ترقی کے لئے نہ ہی ڈی۔ سی کے اور نہ ہی آر۔ ڈی سی کے پاس کوئی پختہ منصوبہ تھا لیکن ڈی سی۔ کے، کے مینجنگ ڈائرکٹر شری بو۔ کے دکھو یادھبہ کا احسان ماننا چاہیئے کہ آپ نے پہل کی اور گلاس فیکٹری کے لئے اپنی کارپوریشن کی جانب سے بنیادی سرمایہ فراہم کیا۔

فیکٹری کی حصّہ داری اب ڈی سی۔ کے، سہمادری سلیکول گلاس ورکس کمپنی اور SICOM کے درمیان تقسیم ہے جنھوں نے بالترتیب ۴۹ فیصدی، ۴۹ فیصدی اور ۲ فیصدی بنیادی سرمایہ فراہم کیا ہے۔ چھ ممبران پر مشتمل بورڈ میں ڈی سی۔ کے، سے ۴ ممبران اور عام حصّہ داروں سے دو ممبران شامل ہیں۔ کمپنی کی چیرمین شپ درمیانی طبقہ کے پیشہ ورانہ طور پر ماہر افراد پر مشتمل انتظامیہ کے سپرد ہے۔

۲۶ مئی ۱۹۷۷ء اس کمپنی کا یادگار دن ہے جب اسمبلی لائن سے کمپنی کا پہلا نمائشی مال یعنی بوتلیں تیار ہو کر نکلیں۔ اس کامیابی کا سہرا مدھیہ پردیش میں واقع دیواس کمپنی کے گلاس ٹیکنولوجسٹ ڈاکٹر اروند پابلکر کے سر ہے جنھوں نے اس کام کے لئے پولینڈ میں تربیت حاصل کی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۷ء میں بنگلور۔ گھوڑے ورکس کی جانب سے وہسکی کی بوتلوں کا آرڈر ملا اور اس کے ساتھ ہی کرول فیکٹری میں تیار کی گئی شیشے کی مصنوعات کے لئے بازار میں آنے کا راستہ کھلا۔ آج افغانستان اور ممالک مشرق وسطیٰ سے اس فیکٹری کو آرڈر حاصل ہوتے ہیں۔ آجکل یہ فیکٹری مہاراشٹر ڈیری ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کے آرڈر کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جنوری ۱۹۷۹ء سے بمبئی کے شہریوں کو بمبئی کی آرے اور ورلی ڈیریوں کے لئے خاص طور سے کرول فیکٹری میں بنی ہوئی شیشے کی بوتلوں اور شیشے کے برتنوں میں دودھ تقسیم کیا جائے گا۔

ایک عام مقامی صنعت کو درپیش مشکلات کے باوجود مثلاً بجلی کی سپلائی میں رکاوٹ وغیرہ، کرول فیکٹری ۲۵۰ مزدوروں کی محنت کے بل پر تین شفٹوں میں کام کر رہی ہے۔ فیکٹری میں مال کی یومیہ تیاری ۴۵ میٹرک ٹن ہے جو کہ فی الحال صرف ایک مشین سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری مشین کے چلتے ہی مزدوروں کی تعداد بڑھ کر ۴۵۰ ہو جائے گی۔ ۴۰ء۱ کروڑ روپیہ سرمایہ کے صرفہ سے یہ گلاس فیکٹری ایک مکمل صنعتی ادارہ بننے کے قریب ہے۔

اسٹیٹ بنک آف انڈیا اور یونائیٹیڈ ویسٹرن بنک ستارا نے اس فیکٹری کی دوسری ضروریات پوری کرنے کی ذمّہ داری لی ہے۔ ۸۰ فیصدی مزدور جن میں پیشہ ور اور نیم پیشہ ور ہیں، مقامی علاقہ سے ہی لئے گئے ہیں۔ کرول کے اس چھوٹے سے دیہات میں جس کی آبادی مشکل سے ۶۰۰ ہے، ۶۰ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہاں ملازمت کرتے ہیں، جن کے گھر فیکٹری سے قریب ہی واقع ہیں۔ محنت، لگن اور ذمّہ داری کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہاں کام کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں آسانی سے ۱۲۵ سے ۱۵۰ روپے ماہانہ کما لیتے ہیں اور اپنی تنخواہ باوجود عام مشکلات کے فیکٹری بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے ملازمین کو باقاعدہ تقسیم کرنے کے قابل ہے اور آج تک تقسیم کر رہی ہے۔ شفٹ ڈیوٹی کا ایسا انتظام کیا گیا ہے جس کے باعث شفٹ کی تبدیلیوں سے مزدوروں کو اپنے زراعتی کاموں کی دیکھ بھال کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہوتی۔ کم پڑھے لکھے دیہاتی مزدوروں کو داخلی پلانٹ میں تربیت دیکر مختلف کرافٹ کاموں میں ماہر کر دیا گیا ہے۔ جس کی بدولت انھیں یہاں طویل مدتی ملازمت حاصل ہو گئی ہے۔ عورتیں اور لڑکیاں یہاں پیکنگ کا کام کرتی ہیں اور روزانہ ۵۰ء۴ روپیہ کماتی ہیں۔ یہاں ملازمت کرتے ہوئے بھی انھیں اپنے روزانہ کے گھریلو کام کاج کی دیکھ بھال کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔

کرول فیکٹری کے فروغ سے کدال کے صنعتی علاقہ میں کئی مددگار صنعتیں مثلاً پیکنگ صنعت بھی یہاں قائم ہو گئی ہیں۔ ڈی۔ سی۔ کے، کی مدد سے کنکاولی کے صنعتی مرکز میں یہاں دو تین ایسی صنعتیں قائم ہو گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کانچ کے ٹکڑوں کی صفائی، پیکنگ کی اشیا جیسے گھاس وغیرہ جمع کرنے کے کام سے مقامی افراد کے لئے زائد آمدنی کا ذریعہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اسی فیکٹری کے قرب وجوار میں بعض افراد نے اپنی زائد آمدنی کو سبزی اور مرغی خانہ جیسے کاروبار میں استعمال کرنا شروع کیا۔ اس کا واضح اثر یہ دیکھا گیا کہ کنکاولی تحصیل کی معاشی حالت میں بہتری پیدا ہوئی اور یہاں سے گئے ہوئے بمبئی میں مقیم افراد خاندان کی جانب سے اپنے گھروں کو بھیجے جانے والے منی آرڈروں کی تعداد میں ۵۰ فیصدی کمی ہو گئی۔ کرول پلانٹ دراصل ایک تجربہ ہے، اگرچہ چھوٹے پیمانے کا ہی سہی، جو یہ بتاتا ہے کہ اگر صحیح سمت میں ترقیاتی اقدامات کئے جائیں تو کسی بھی پسماندہ علاقہ کی سماجی و معاشی حالت میں بہتری پیدا کی جا سکتی ہے۔ مقامی صنعت کار، مقامی مزدور، مقامی خام اشیاء اور مقامی مارکیٹ ان چار ستونوں پر قائم روزگار مہیا کرنے والی اس صنعت نے غیرمعمولی طور پر

(بقایا صفحہ ۴۲ پر)

ڈاکٹر نایاب لکھنوی
ساتویں گلی نیاپورہ۔ مالیگاؤں (ناسک)

جشنِ جمہوریت

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ شہر و دیہات میں ہو خوش حالی
ایک دل، اک مزاج، اک مقصد ؛ کوئی مدراسی ہو کہ بنگالی

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ دردِ انسانیت کو عام کریں
تشنہ لب کوئی میکدہ میں نہ ہو ؛ فیضِ ساقی کو جام جام کریں

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ سب کے دل میں ہو جوشِ حبِ وطن
پھول، کانٹے، سب اپنی اپنی جگہ ؛ روح پرور ہو زندگی کا چمن

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ نقشِ بیگانگی مٹا ڈالیں !
دردمندی سے دل نوازی سے ؛ قصرِ جمہور کو سجا ڈالیں

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ اپنا کھویا ہوا وقار ملے
کام روزی، علاج، علم و ہنر ؛ سب کو جینے کا اختیار ملے

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ بابِ تعمیر و ارتقاء کھل جائے
داغ جو رہ گیا ہے دامن پر ؛ اپنے حسنِ سلوک سے دھل جائے

جشنِ جمہوریت کا مطلب ہے ؛ رہنماؤں کے خواب کی تعبیر
ملک آراستہ ہو یوں نایاب ؛ گوشہ گوشہ ہو جنتِ کشمیر
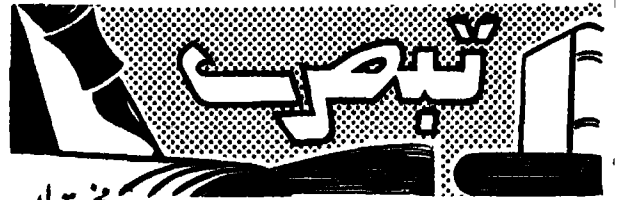
مختار

غزلیات اقبال

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے دور تک اردو کا کوئی شاعر کسی مخصوص مقصد یا نقطۂ نظر کا پابند نہیں ہوا کرتا تھا۔ اور عام خیال یہ تھا کہ غزل کا مزاج کسی مقصد یا نظریہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مگر اقبال کی عظمت کی دلیل یہی ہے کہ ان کا محور و مقصود اسلامی عقائد کی برتری اور اسلامی اعمال کی برگزیدگی ہے۔ اس کے اظہار کے لئے انھوں نے نئے انداز کی زبان وضع کی۔ نیا، اچھوتا لب و لہجہ اختیار کیا۔ انھوں نے نہ فراق و وصال، وفا و جفا، رشک و رقابت کی ترکیبوں کو اپنایا نہ صنائع و بدائع اور زبان و بیان کی نمائش کی پرواہ کی، اپنے موضوع کے لئے انھوں نے ایسا لہجہ اختیار کیا جس کا اگرچہ کہ غزل کے نازک مزاج سے کوئی رشتہ نہ تھا تاہم نہایت شائستہ، پراثر، شیریں اور نغمہ ریز تھا۔ ان کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انھوں نے محفلِ سماع سے غزل کو نکال کر مجاہدوں کی صفوں تک پہنچا دیا۔ اقبال کے اس عظیم تجربے کی کامیابی نے فکر و نظر کے نئے زاوئیے قائم کر دیئے۔ اقبال کے کلام، نظریہ فکر، تعلیم اور فلسفہ پر بہت سا تحقیقی کام ہو چکا ہے پھر بھی ان کے غزلوں کے اچھوتے رنگ اور لب و لہجہ پر کام ہنوز باقی ہے۔

خیابان پبلیکیشنز نے غزلیات اقبال کا ایک الگ مجموعہ نہایت سلیقے کے ساتھ چھاپ کر ایک بڑا کام کیا ہے۔ (م

مرتبہ: سید ظہیر عباس رضوی ★ ۱۱۴ صفحات کا یہ مجموعہ ۶ روپئے ۵۰ پیسے میں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسیز بلڈنگ نزد جے جے اسپتال بمبئی ۳ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ناشر: خیابان پبلیکیشنز، ۱۰۵ نشان پاڑہ روڈ، دوسرا منزلہ بمبئی ۹

ڈاکٹر اقبال سے ' ادب کے ساتھ!

ریاستی حکومتوں کی ہمت افزائیوں اور مالی امداد کے باوجود اردو دانوں پر ایک جمود سا طاری ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اردو والے مایوسی کا شکار ہو چکے ہیں اور ان میں جدوجہد کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ ہر طرف ایک گہرا سناٹا طاری ہے، ان سناٹوں میں جب کوئی آواز ابھرتی ہے تو دل خوشی سے اچھل پڑتا ہے کہ کہیں زندگی تو موجود ہے۔ کہیں سے اردو کا کوئی نیا رسالہ یا نئی کتاب آتی ہے تو بے پناہ مسرت ہوتی ہے۔

"ڈاکٹر اقبال سے ادب کے ساتھ" — ڈاکٹر نوری کی نئی کاوش ہے۔ ڈاکٹر نوری ۱۹۲۹ میں رسالہ مشاعرہ نکالا کرتے تھے۔ پھر انتخاب کلام غالب معہ شرح شائع کیا۔ نظم طباطبائی اور جلیل مانک پوری پر اعلیٰ مضامین لکھے۔ داغ پر ان کی کتاب دانشور حلقوں میں کافی پسند کی گئی۔ بطور شاعر بھی انھوں نے بیشمار رباعیات، غزلیں اور قصیدے لکھے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں انھوں نے اقبال، غالب، داغ، انیس، دبیر، امجد، امیر خسرو، اکبر الٰہ آبادی اور دوسرے شاعروں کے اشعار کو سامنے رکھ کر شعر کہے ہیں اس صنف کو انھوں نے صنف محکیات کا نام دیا ہے۔ بقول ان کے "اچھائی یا برائی دونوں اضافی حالتیں ہیں ان کو مختلف زاویوں سے دیکھنا چاہئیے۔ "ہ دنیا میں کوئی شئے خیر محض ہے نہ شرّ محض" اور صرف نقاد حضرات ہی اس صنف کے تعمیری پہلو کا فیصلہ کر سکتے ہیں، سب سے فکر انگیز صفحہ انتساب کا ہے جس میں انھوں نے اپنے اہل خاندان کے نام اس کتاب کو معنون کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "...... کے نام، تاکہ ان کو اردو سے کبھی دلچسپی پیدا ہو اور وہ یہ یاد رکھیں کہ یہ ان کے باپ دادا اور نانا کی زبان تھی"۔

مصنفہ: ڈاکٹر نوری

صفحات: ۸۰ قیمت: ۴ روپے

ناشر: سرکوتھرانی سنٹر، اشوک مارکٹ، سدی عنبر بیٹھ، حیدرآباد ۱۲

نگاہِ سرور

سید محمد سرور شاہ تاجی ناگپور کے مشہور بزرگ حضرت بابا تاج الدین قبلہ کے مرید و جانشین تھے اور سمجھا جاتا ہے کہ حضرت سرور شاہ نے لگ بھگ ۱۵۰ سال کی عمر پائی۔ ۱۹ بار فریضہ حج ادا کیا اور ۲۵ جنوری ۷۴ء کو رحلت پائی اور حضرت تاج الاولیاء کے قریب ہی مدفن ہیں۔ چونکہ آپ کا رہن سہن بالکل ہی صوفیانہ تھا اس لئے ان کی شاعری میں تصوف کا رنگ غالب ہے ذات باری تعالیٰ اور سرور کائنات صلعم کی ذات بابرکات ہی کو انھوں نے اپنی شاعری کا محور بنایا۔ خود فرماتے ہیں ؎

باوضو پی کے مئے حبِ رسول عربیؐ
قبلہ رُو بیٹھ کے میں نعت لکھا کرتا ہوں

آنحضور صلعم سے والہانہ عقیدتوں کے باوجود انھوں نے حدود ادب سے کہیں تجاوز نہیں کیا۔ نہایت شائستہ اور دلپذیر انداز میں نعتیں لکھیں غزلوں میں حضرت سرور نے فن شعر گوئی کی لوازمات کا پورا خیال رکھا ہے۔ اور ان کے بیشتر اشعار ذہن و دل پر اپنا گہرا تاثر بھی چھوڑتے ہیں۔

شہاب الٰہ آبادی کی تزئین کاری نے صفحات کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ پھر بھی کاغذ ذرا دبیز اور عمدہ ہوتا تو آرٹ کا حسن اور ابھر جاتا!

مرتبہ: غلام حسین

صفحات: ۱۲۸ ہدیہ: پانچ روپے

ناشر: انیس آرٹ اسٹوڈیو۔ ۱۲۹۔ مودی اسٹریٹ، بمبئی ۱

• نذیر بنارسی
پانڈے حویلی، وارانسی

اس طرح وقت کے بدلے ہوئے تیور میں رہے
جیسے شب بھر کی شکن صبح کے بستر میں رہے

ایسے کچھ دن بھی محبت میں گذارے میں نے
جس طرح کوئی نظر بند کسی گھر میں رہے

ساتھ دیتی نہیں تقدیر بغیرِ تدبیر
کچھ نہ کر پائے جو تقدیر کے چکّر میں رہے

سر تو میں بھی تجھے دوں گا مگر اس شرط کے ساتھ
تیرے ابرو میں جو خم ہے وہی خنجر میں رہے

میں تھا جس عارض و گیسو کے لئے دیوانہ
کتنے دن رات اسی دن رات کے چکّر میں رہے

کیا بتائیں کہ سفر کتنے کئے ہیں ہم نے
مختصر یہ کہ مسافر کی طرح گھر میں رہے

پتھروں کی تو ہوئی مجھ پہ بھی بارش لیکن
وہ مرے سر پہ لگے جو مری ٹھوکر میں رہے

رات بھر غرق رہا اُن کے تصوّر میں نذیر
صبح تک وہ بھی مرے ساتھ سمندر میں رہے

★

• احساس گونڈوی
(کلکتہ)

بادِ صبا میں اور نہ پُروائیوں میں ہے
جو کیف ہے وہ کرب کی انگڑائیوں میں ہے

ساگر کا جوش، جھیل کا ٹھہراؤ، زورِ موج
کیا کیا نہ تیری آنکھ کی گہرائیوں میں ہے

پڑتے ہی سایہ رُوح کا عالم نکھر گیا
تاثیر کیسی کرب کی پرچھائیوں میں ہے

اک بار اس کو دیکھیں تو دُھن لیں سر محفلیں
عالم جو بزم کا مری تنہائیوں میں ہے

آواز میں جو گم ہیں ذرا ڈوب کر سنیں
اک چیخ بھی دبی ہوئی شہنائیوں میں ہے

سٹتے ہوئے قدم تجھے دیتے ہیں آہٹیں
اک حوصلہ چھپا ہوا پسپائیوں میں ہے

پیشِ جگر یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی
احساس بھی جناب کے شیدائیوں میں ہے

★

• ریاض احمد ریاض
(مالیگاؤں)

بیٹھ کر لبِ دریا ظرفِ تشنگی رکھو
روشنی کی چوکھٹ پر یوں نہ تیرگی رکھو

اب تو ذوقِ نظّارہ تک نمائشی رکھو
آگ کا چمن رکھو، پھول کا غذی رکھو

ٹوٹتے حبابوں کی یہ صدا مسلسل تھی
زندگی سے تم اپنا رشتہ عارضی رکھو

تم کھلا کے آنگن میں دھوپ کی نئی کلیاں
زخم کی صلیبوں پر نقدِ زندگی رکھو

زندگی مزہ دے گی یاد کے جزیروں کی
روح ہر نفس تشنہ آنکھ شبنمی رکھو!

اِن پگھلتے خوابوں کی کربناکیاں تو یہ
کھڑکیاں تخیل کی پھر بھی تم کھُلی رکھو

اتنی دُور اندیشی مصلحت کی دنیا میں
برف کی چٹانوں پر آگ تک جلی رکھو

وقت کا تقاضہ ہے اے ریاض شدت سے
سنگلاخ راہوں میں فکر ریشمی رکھو

★

خبریں - تصویروں میں

۱۰ر جنوری کو

سنٹرل کمیٹی آف سوشلسٹ یونیٹی آف جرمنی کے جنرل سکریٹری اور جی۔ ڈی۔ آر کی ریاستی کونسل کے چیرمین شری ایرچ ہونیکار بمبئی تشریف لائے سانتا کروز ہوائی اڈے پر گورنر مہاراشٹر شری صادق علی (بائیں طرف آخر میں) اور وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شرد پوار نے آپ کا استقبال کیا۔

۵ جنوری ۷۹ء کو بھیونڈی میں نائب صدر ہند شری بی۔ ڈی۔ جتی نے ہریجن، گریجن سماج اُنتی منڈل کے ایک انگریزی اسکول کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا آپکے بائیں طرف ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا اور منڈل کے چیرمین شری جشو بھائی ترویدی اور شری پی۔ ڈی۔ جادھو (ایم۔ پی) دیکھے جاسکتے ہیں۔

مرکزی وزیر داخلہ شری ایچ۔ ایم پٹیل کی قیادت میں کونسل ہال پونے میں ترسیاستی سکیوں کی علاقائی کونسل کی ایک میٹنگ ہوئی۔ زیر نظر تصویر میں (بائیں سے دائیں) گجرات کے وزیر صنعت شری بھائی لال بھائی کنٹراکٹر، شری دنیش بھائی شاہ گوا کی وزیر اعلیٰ شریمتی ششی کلا کاکوڈکر مہاراشٹر کے وزیر مالیات شری دانیس، گجرات مہاراشٹر کے وزیر امداد باہمی شری ایس۔ ڈی۔ پاٹل اور وزیر روینیو کے گورنر ... ڈی پٹیل دائیں سے دوسرے بیٹھے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ضلع سانگلی میں خانہ پور اور ضلع ستارا میں کھٹاؤ کے علاقوں میں آباد لوگوں کے لئے "یرلوا ڈی بند" (بائیں سمت) بہت مفید ثابت ہوگا حال ہی میں شری لیشونت راؤ چوان نے اس بند کا افتتاح فرمایا تصویر میں شری شرد پوار وزیر اعلیٰ اور شری گووند راؤ آدک وزیر آبپاشی نظر آ رہے ہیں

ستارہ میں شہری لائبریری کا ۱۲۵ سالہ جشن منایا گیا تصویر میں (دائیں سے تیسرے) چیف جسٹس آف انڈیا شری جسٹس وائی وی. چندرا چوڑ جو کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے نظر آ رہے ہیں۔

۱۴ جنوری ۱۹۷۹ء کو بمبئی میں مہاراشٹر سنگیت کا ۲۲ سالہ جشن منایا گیا۔ زیر نظر تصویر میں شری سدا نند ورد ے وزیر تعلیم تقریر کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔
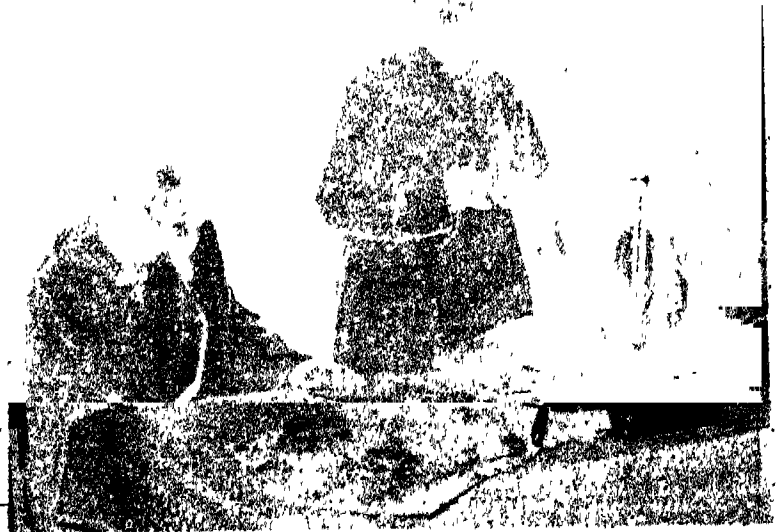
۵ر جنوری کو بین الاقوامی کونسل برائے سیاحت کی جانب سے سی۔ جے۔ ہال بمبئی میں سیاحت پر ایک نمائش منعقد ہوئی جس کا افتتاح شری سوشیل کمار شندے وزیر محنت و سیاحت نے فرمایا۔ مذکورہ کونسل کے بانی و صدر شری ہومی، جے ایچ طالح یار خاں دبائیں سرے پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف محکمے نے خوشی اخلاقی ہفتہ" منایا اس سلسلے میں نئی اسکیم کے تحت پوسٹ آفس کے بچت بنک میں رقم جمع کرنے والوں کو شناختی کارڈ کارڈ تقسیم کیے گئے۔
، جنوری کو سانگلی میں اس پروگرام کی اختتامیہ تقریب کے موقعہ پر لی گئی تصویر میں مرکزی وزیر برائے رسل و رسائل شری برج لال ورما، ایک بچت کرنے والے کو شناختی کارڈ دیتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ضلع بھنڈارہ کے ساکولی تعلقہ میں سیلاب زدہ خاندان کے افراد کو نقد اور جنس کی صورت میں امداد دی جارہی ہے۔ امداد حاصل ہونے پر متاثرہ افراد نے اپنے مکانات بنانا شروع کر دیئے ہیں۔
تصویر میں مذکورہ تعلقہ کے جیت پور مقام پر زیر تعمیر مکانات دیکھے جاسکتے ہیں۔
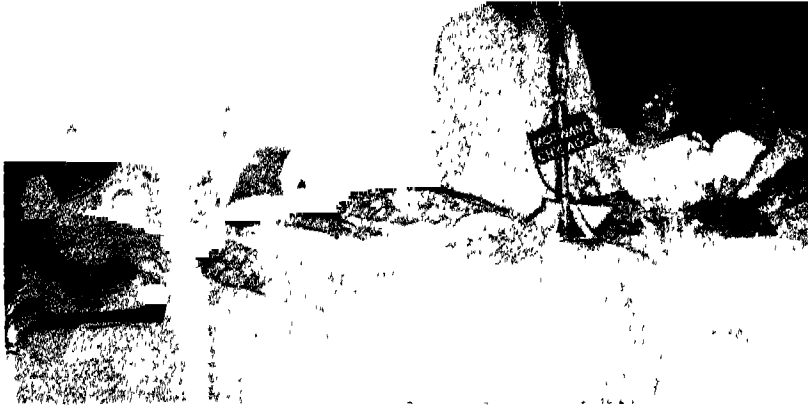
"خواتین کے مسائل اور ان کی ترقی" کے موضوع پر ۹ جنوری ۱۹۷۹ء کو بمبئی میں دو روزہ سیمینار ریاستی حکومت کے محکمۂ فلاح و بہبود کی جانب سے منعقد کیا گیا تھا۔ تصویر میں شری ارجن راؤ کستورے، وزیر برائے سماجی فلاح و بہبود تقریر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بائیں سے دائیں ڈاکٹر بیرمیلا ٹوپے، وزیر صحت عامہ شریمتی مرنال گورے (ایم پی) مرکزی وزیر مملکت برائے سماجی فلاح و بہبود شریمتی ریتو کا سرکتے اور وزیر مملکت برائے سماجی بہبود شریمتی شانتی نائیک بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

۰۰۰۰۰۰

۱ جنوری ۱۹۷۹ء کو ناشک میں "کلا نیتن" کی جانب سے شریمتی شہرالیوت کے فن دستکاری کے نمونوں کی نمائش ہوئی جس کا افتتاح شری شنکر راؤ کالے، وزیر مملکت برائے تعلیم نے کیا۔

۵ جنوری ۱۹۷۹ء کو چندرپور میں ۵۳ ویں مراٹھی ادبی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس موقعہ پر کانفرنس کے صدر شری وامن راؤ چورگھڑے نے ریاستی حکومت کے پندرہ روزہ رسالے لوک راجیہ کے مراٹھی ادب پر خصوصی شمارہ کا افتتاح کیا ـــــ تصویر میں موصوف کے بائیں طرف ڈپٹی ڈائریکٹر آف انفارمیشن (ایکزیبیشن) شری ایم کے دیش پانڈے اور دائیں طرف مشہور صنعت کار شری بی. ایم گوگٹے دیکھے جاسکتے ہیں۔

شریمتی ٹوپلے نے طبیہ کالج اور اسپتال کی عمارت کا افتتاح کیا

وزیر صحت عامہ شریمتی پرمیلا تائی ٹوپلے نے "بیت المال" انجمن خیر الاسلام بورڈ کے زیر اہتمام منعقدہ ایک تقریب میں طبیہ کالج اور اسپتال کی عمارت کا ۲۳ر جنوری کو افتتاح کیا.

اس موقعے پر صدارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے شریمتی ٹوپلے نے بورڈ کے اراکین کی ستائش کی جن کی انتھک کوششوں سے یونانی طب کی بنیادوں پر یہ کالج اور اسپتال قائم کیا گیا ہے. انھوں نے اس بات کی بھی امید ظاہر کی کہ آئندہ ریاست میں اس قسم کے مزید کالج اور اسپتال کھلے جائیں گے. کیونکہ یونانی طریقہ علاج نہ صرف سادہ ہے بلکہ بہترین بھی ہے. انھوں نے بورڈ کو اس بات کا بھی یقین دلایا کہ وہ مستقبل میں خالی اراضی کے لاٹمنٹ کے لئے ان کی پوری امداد کریں گی. تاکہ ان کے ۲۵۰ بستروں کے مجوزہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جاسکے. فی الحال اسپتال میں صرف ۵۰ بستر ہیں.

مہانوں کا استقبال کرتے ہوئے ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نے اس کالج اور اسپتال کو کامیاب بنانے کے لئے درپیش مشکلات کا ذکر کیا اور کہا کہ اب اس کالج میں پڑھایا جانے والا ڈگری کورس کئی یونیورسٹیوں نے تسلیم کر لیا ہے.

اس وقت جبکہ یہ ادارہ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں دم توڑ رہا تھا' شری اسحٰق جمخانہ والا کی سرپرستی میں اسے دوبارہ زندگی ملی (یہ تذکرہ سپاس نامہ میں کیا گیا ہے جو کہ بعد میں وزیر موصوف کو پیش کیا گیا) ڈاکٹر رفیق زکریا نیز کئی دیگر مقررین نے اس بات پر ڈاکٹر جمخانہ والا کو داد تحسین پیش کی.

شری علی محمد ناز میونسپل کونسلر نیز ڈاکٹر حسن پاپا پرنسپل طبیہ کالج نے بالترتیب ڈاکٹر جمخانہ والا اور شری محمد علی مٹھا وائس پریذیڈنٹ انجمن خیر الاسلام کو سپاسنامے پیش کئے.

شری شیخ عبدالستار سیکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، شری زین جی زگون والا، شری غلام احمد (پرنسپل برہانی کالج) شری مصطفےٰ فقیہہ سابق وزیر مہاراشٹر شری اے منشی (پرنسپل مہاراشٹر کالج) شری ضیاء الدین بخاری اور دیگر کئی ممتاز ہستیاں اس موقعہ پر موجود تھیں. شری الیف ڈی بڈھاریہ ڈین آف کالج نے شکریہ ادا کیا

قبائل کیلئے کنوؤں کی شرح پر سبسڈی پر نظر ثانی

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ قبائلی ضمنی منصوبہ علاقوں میں قبائلیوں کو فائدہ پہونچانے والے نئے کنوؤں کی تعمیر کی کل لاگت کا ۵۰ فیصدی سبسڈی دیجائیگی جو کہ زیادہ سے زیادہ ۴۰۰۰ روپے ہوگی.

قرض اور سبسڈی کی منظوری کی اسکیم کے تحت نئے کنوؤں کی تعمیر کے لئے زیادہ سے زیادہ ۴ ہزار روپے قرض اور تعمیر کی لاگت کا ۲۵ فیصدی سبسڈی کے طور پر ہوگا جو کہ زیادہ سے زیادہ ۶۰۰ روپے ہوگی' دی جائے گی.

نئے وزیر اطلاعات شری آر. اے پاٹل

شری آر. اے پاٹل اب وزیر برائے دیہی ترقیات، قانون وعدلیہ اور اطلاعات مقرر ہوئے ہیں. آپ نے ۹ر جنوری کو وزیر کی حیثیت سے حلف لیا تھا.

دیہی ترقی کا قلمدان شری جی. اے دیشمکھ کے پاس تھا. اب ان کے پاس صرف زراعت کا محکمہ ہے.

قانون وعدلیہ کا قلمدان شری گووندراؤ اڈک کے پاس تھا. اب آپ وزیر برائے آبپاشی (بشمول سی اے ڈی اے) اور کھار اراضی ہیں. پہلے بھی یہی قلمدانِ وزارت آپ کے پاس تھے.

ابھی تک اطلاعات کا شعبہ بھی وزیر اعلیٰ نے سنبھال رکھا تھا' لیکن اب یہ عہدہ نئے وزیر' شری آر. اے پاٹل کے حوالے کر دیا گیا ہے

ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا اب وزیر مملکت برائے محنت، ہاؤسنگ، اوقاف اور پروٹوکول ہیں. اب تک مالیات کا شعبہ بھی آپ کے پاس تھا.

ہاؤسنگ کا شعبہ شریمتی شانتی نائک' وزیر مملکت کے پاس تھا. لیکن اب مالیات کا شعبہ انھوں نے سنبھال لیا ہے اور سماجی فلاح و بہبود کا شعبہ بدسنوران کے پاس ہے.

ورلڈ بنک ٹیم کی وزیر اعلیٰ سے ملاقات

ورلڈ بنک ٹیم نے مسٹر مورسی ڈی مولڈ کی سربراہی میں ۳۱ر جنوری کو وزیر اعلیٰ شری شرد پوار سے منترالیہ میں ملاقات کی ٹیم کے ممبران نے بمبئی میں ہاؤسنگ سے متعلقہ معاملات پر نیز بی. ایم. آر. ڈی. اے پر تبادلۂ خیال کیا.

اس موقع پر شری ایس' بی چوان وزیر مالیات' شری اتم راؤ پاٹل' وزیر محصول شری ہاشو اڈوانی وزیر شہری ترقی '' شری ایل' ایس ٹلا چیف سکریٹری حکومت مہاراشٹر اور شری مادھو پالنکر سکریٹری شہری ترقیات موجود تھے.

سمنٹ کا ذخیرہ ضبط

ڈویژن راشننگ کمیٹی اندھیری کے اڑن دستے نے پولس کے محکمہ خفیہ کی مدد سے ۱۹ر جنوری کو چھاپہ مار کر ۱۲۵۰ بوری سمنٹ پکڑی جس کی مالیت ۲۹۰۰۰ روپے ہوتی ہے. یہ ذخیرہ غیر قانونی طور پر ونئے انڈسٹریل اسٹیٹ' چنج بندر روڈ ملاڈ (مغرب) میں رکھا ملا. وہاں پر موجود شری اجئے چیک لال مہتہ سے پوچھنے پر وہ متذکرہ ذخیرہ سے متعلق کوئی دستاویز یا اعلان نامہ پیش نہ کر سکے. اس معاملے کی پولس مزید چھان بین کر رہی ہے.

بیمار یونٹوں کیلئے امداد، ریاستی سطح کمیٹی کی بیٹھک

حکومت مہاراشٹر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بیمار یونٹوں سے بکری ٹیکس بقایاجات کی وصولی کو قرضہ جات میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہ اقدام سرکار کی جانب سے اس دشوار گذار مدت کے دوران امداد کے طور پر کیا جائے گا۔

یہ اطلاع ریاستی سطحی امداد باہمی کمیٹی برائے بیمار یونٹوں کی متعلقہ ۱۱ ویں بیٹھک میں ۲۰ جنوری کو منترالیہ میں دی گئی۔ شری پی ڈی کسبیکر، سکریٹری انسٹی ٹیوٹ انرجی دلیبر ڈیپارٹمنٹ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

محکمہ صنعت کے افسران قومیائے گئے بنکوں کے نمائندگان اور ریجنل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے مینیجنگ ڈائرکٹران بھی اس موقع پر موجود تھے۔

ریاستی مجلس قانون ساز کا اجلاس

مہاراشٹر کے گورنر نے مہاراشٹر مجلس قانون ساز اور کاونسل کا اجلاس ۵ مارچ ۷۹ء کو دن کے ایک بجے کاونسل ہال بمبئی میں طلب کیا ہے۔

(صفحہ ۲۳ سے آگے)

شروعات کی اور اب یہ کوکن میں جاری دیگر ترقیاتی اقدامات کے لئے ایک مشعلِ راہ ہے، اس طرح کی دیہی صنعتیں حکومت مہاراشٹر کے اس خیال کی ترجمانی کرتی ہیں کہ ریاست مہاراشٹر کے ترقی پذیر علاقوں کی ترقی کے لئے عملی مثالیں قائم کی۔

کرول گلاس ورکس کا قیام اور اس کی ترقی کی کہانی میں ایک سبق پوشیدہ ہے کہ کس طرح ایک خوابیدہ دیہات ایک ایسی صنعت کے قیام سے بیدار ہوتا ہے جو مکمل طور سے دیہی سطح پر جاری کی گئی جس میں دیہی افراد کی پیشہ ورانہ صلاحیت اور محنت کا صحیح استعمال کر کے دیہی طبقے کی زندگی میں بہتری پیدا کرنا ممکن ہو سکا۔

کرول کے بزرگ گلاس فیکٹری کی بدولت اپنے اطراف یہ زبردست تبدیلی دیکھ کر حیران ہیں۔ انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا کہ سیلکا پتھر کے ذرات (شرگولا) اور مقامی ریت جسے عام طور پر سجاوٹ یا تہواروں پر "رنگولی" بنانے کے کام میں لایا جاتا تھا، اس قابل ہے کہ اس سے بوتلیں اور شیشے کی دیگر خوبصورت مصنوعات تیار کی جا سکیں۔

— ترجمہ: ایم۔ اقبال

اورنگ آباد سے ...

انڈین ہسٹاریکل ریکارڈس کا اجلاس

مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی کے ہاتھوں انڈین ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن کے ۴۶ ویں سیشن کا افتتاح ۱۲ جنوری کو بمقام نہرو بھون عمل میں آیا۔ موصوف نے اس موقعہ پر فرمایا کہ جدید تاریخی سرمایہ ہی میں ہماری سماجی اور ثقافتی ترقی مضمر ہے۔ کمیشن کے اس تعلق سے بہ حفاظت رکھے گئے ریکارڈس دیرینہ دستاویزات سے ہمیں برطانوی عہد کی جدید تاریخ لکھنے میں مدد ملے گی۔ لیکن اس کے لئے ضرورت ہے صاف ستھرے جذبہ اور غیر جانبداری کی۔ کیونکہ یہ تاریخ ہماری آنے والی نسلوں کی رہبری کریگی۔

اس سیشن میں ملک کے مختلف حصوں سے تقریباً ۱۲۵ اسکالرز نے شرکت کی۔

فراہمی روزگار اسکیم کے لئے خصوصی دفتر

ضلع اورنگ آباد میں فراہمی روزگار اسکیم کے تحت تمام چھوٹی آبپاشی اسکیموں کا کام مکمل کرنے کے لئے اورنگ آباد کے متعلقہ محکمہ کا نیا دفتر قائم کیا گیا ہے۔ یہ دفتر ایگزیکیٹو انجینئر، اورنگ آباد آبپاشی محکمہ کے زیرنگرانی کام کرے گا۔

محکمہ ٹرانسپورٹ کی کارکردگی

ایکماہ میں ۹۵ ہزار روپیوں کی وصولی

مراٹھواڑہ ڈویژن تعلیمی و تفریحی مقامات کا مخزن ہے۔ آئے دن یہاں پر بیرون ملک اور ملک کے مختلف حصوں سے سیاحت کرنے والوں کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔ حال ہی میں اورنگ آباد ڈیویژن کے ٹرانسپورٹ افسر شری اے بی شیخ نے ڈویژن کی تمام حدود پر افسران کو مقرر کر کے دوسرے علاقوں سے آنے والی بسوں کی چیکنگ کروائی۔ نتیجتاً معلوم ہوا کہ کئی بسیں ریاستی ٹیکس ادا کئے بغیر ہی اپنی منزل پر پہونچ جاتی ہیں۔ لہٰذا اب صورت حال کے جائزہ کے بعد نگرانی سخت کر دی گئی ہے۔ نتیجتاً صرف ایکماہ کے دوران ہی ۹۵ ہزار روپے کی خطیر رقم وصول کی گئی ہے۔

دستکاری نمائش میں پیٹھنی کو پہلا انعام

بمبئی میں منعقدہ آل انڈیا دستکاری ہفتہ کے ضمن میں دستکاری کی نمائش میں اورنگ آباد ضلع کی پیٹھنی ساڑی کو پہلا انعام دیا گیا۔
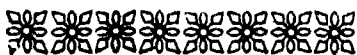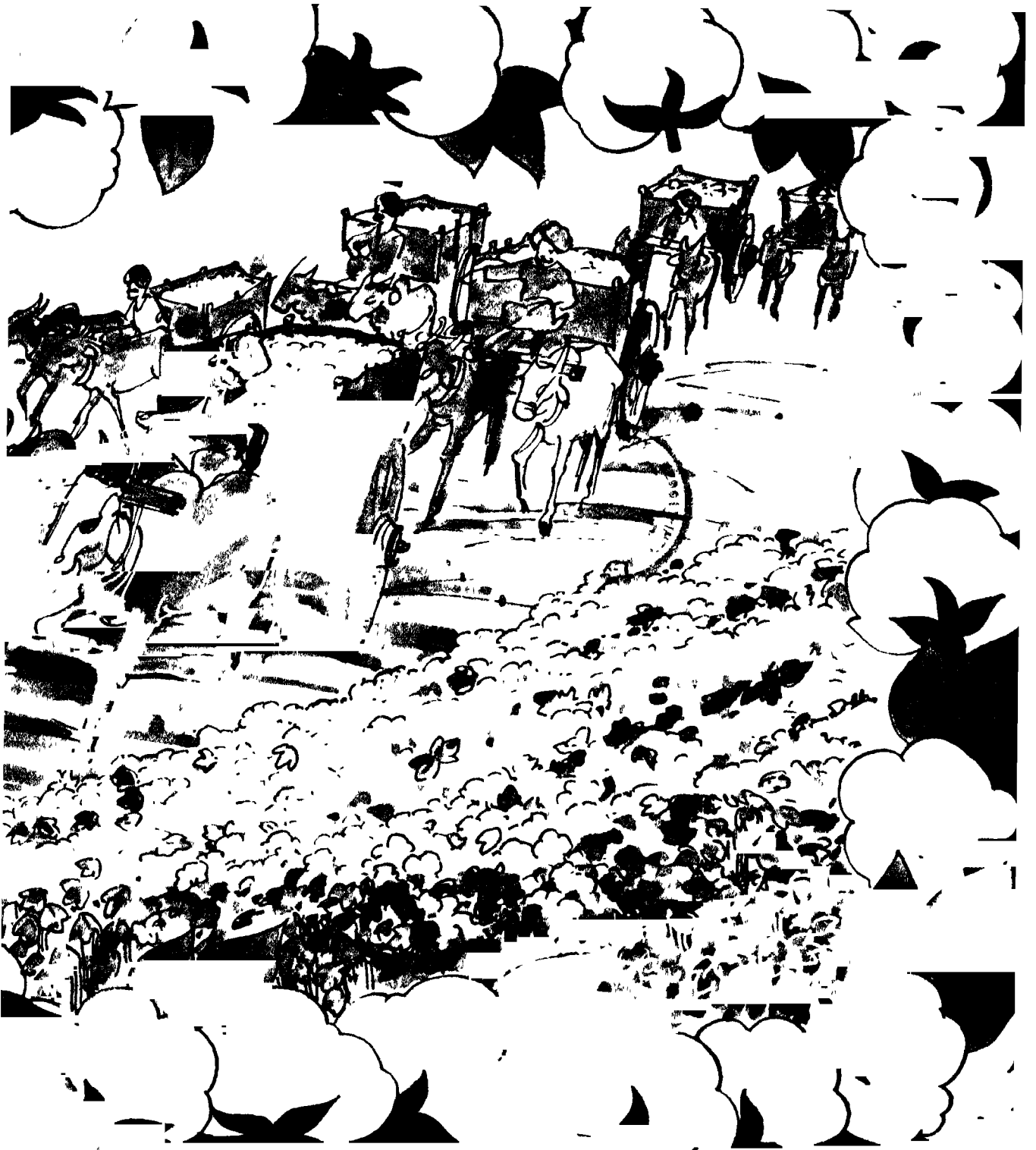
قومی راج

۲۵ فروری ۱۹۷۹ء

قیمت : ۵۰ پیسے

اوپر 'سڈا' ہمارا سیز کی زیر امداد ایک منصوبہ کے تحت جاری
اُٹھاؤ سینچائی کام کا منظر۔
بال کا آدیباسی کسان 'سڈا' کی اعانت سے گرام سبھائت کا
ممبر بن گیا۔ زیر لط تصویر میں یہ کسان اپنے ساتھیوں کو
ترقیاتی منصوبہ جات کے بارے میں سنا رہا ہے۔

۲۵ر فروری ۱۹۷۹ء

قومی راج

جلد نمبر ۶
شمارہ نمبر ۴

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے
زرِ سالانہ: دس روپیے فی پرچہ: پچاس پیسے
نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب

چیف ایڈیٹر:
ایم۔ ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر
ریاض احمد خاں
سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

سخنہائے گفتنی

قومی راج کے یکے بعد دیگرے 'جنگلی جانور' خصوصی نمبر' 'مراٹھی ادب' خصوصی نمبر اور 'سورداس' خصوصی نمبر شائع کئے گئے ہیں۔ قارئین نے جس فراخ دلی سے ان خصوصی نمبروں کا استقبال کیا ہے اور جس طرح خطوط کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار کر کے حکومت کے ان اقدام کو سراہا ہے اس کے لئے ادارہ ممنون ہے۔

زیر نظر شمارہ بھی ایک طرح سے خاص نمبر کی ہی حیثیت رکھتا ہے جس میں "عوامی اقدام برائے ترقی" پر مختلف مضامین شائع کئے جا رہے ہیں۔ شری بنود راؤ اور شری ایل۔ کے مٹاٹکر نے اس سمت خاص توجہ دی اور اپنے مضامین کے ذریعہ عوام کی اس جدوجہد پر روشنی ڈالی جس کی بدولت ان کے گاؤں ترقی کی راہوں پر گامزن ہو گئے ہیں۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکاڈیمی نے اپنے ادبی پروگراموں پر عمل آوری کرتے ہوئے سب سے پہلے مالیگاؤں میں ۳ر فروری کی شب میں ایک سیمنار بعنوان 'مہاراشٹر میں آزادی کے بعد اردو ادب کی ترقی' اور مشاعرے کا انعقاد کیا جس میں شہر مالیگاؤں اور بمبئی کی اہم شخصیتوں نے شرکت کی۔ پروگرام ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔

[illegible]

سرورق: (دائرے کی ترتیب میں)
* ضلع عثمان آباد میں لاتور کا ایک منظر، جو اپنی کہانی آپ بیان کر رہا ہے
* مکمل تیار شدہ اٹھاؤ۔ سینچائی
* اپنے کھیت میں جاتے ہوئے ایک ادیباسی جوڑا، پھلوں کی قلمیں ساتھ لئے ہوئے۔

آخر سرورق: (دائرے کی ترتیب میں)
* ایک ادیباسی عورت جو کبھی اپنے مالک کے کھیت میں کام کیا کرتی تھی، اب اپنے کھیت میں، اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے اور کنوئیں سے پانی لے جا رہی ہے۔
* مخلوط نسل کی جرسی گائے جو زیادہ دودھ دیتی ہے۔ بچوں اور حاملہ عورتوں کے لئے اس کا دودھ غذائیت بخش ہے۔ اس کے علاوہ کسانوں کو ایسی نسل کی گایوں سے معاون روزگار حاصل ہوتا ہے۔

قارئین کی رائے

• خواجہ حسن ثانی نظامی [illegible] درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

'قومی راج'، [illegible] شمارہ "جنگلی جانور نمبر" دیکھا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو بھی داد دوں اور آپ کے ساتھیوں کو بھی۔ غالبًا اردو کے سوا ہندوستان کی اور کسی زبان میں اس طرح کے نمبر شائع نہیں ہوئے۔ پہل کرنے کا سہرا آپ کے سر رہے گا کیونکہ کچھ عرصہ قبل بھی آپ نے ایک شمارہ اس موضوع کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اور اسے دیکھنے کے بعد ہی مجھے خیال آیا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے پبلیکیشنز ڈیپارٹمنٹ کو توجہ دلاؤں اور رسالہ 'آجکل' کا بھی ایک 'وائلڈ لائف نمبر' شائع ہو۔ میں بہت ممنون ہوں کہ رسالہ 'آجکل' کے ایڈیٹر نے میری درخواست کو قبول فرمایا اور اکتوبر ۱۹۷۸ء میں بہت اچھا 'وائلڈ لائف نمبر' شائع کیا۔

'قومی راج' اور 'آجکل' کے وائلڈ لائف نمبر مکمل تو نہیں کہے جا سکتے لیکن بڑی محنت سے مرتب کئے گئے ہیں اور بہت مفید اور دلچسپ ہیں آپ لوگوں نے پہل کر کے اس اہم موضوع کی طرف سب کو متوجہ کیا۔ یہ بہت بڑا اور تاریخی کام ہے۔ عجب ستم ظریفی ہے کہ قدرت نے اس دولت سے ہمارے ملک کو جتنا زیادہ مالا مال کیا ہے، اتنا ہی ہم اس سے ناواقف ہیں اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی طرف سے لاپروا ہیں۔ اس ناواقفیت ہی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ابھی تک ہر صوبے میں وائلڈ لائف کی حفاظت کے لئے یکساں اور مفید پالیسیاں مرتب نہیں ہو سکی ہیں۔

عوام کو جانے دیجئے اخبار نویسوں تک کی ناواقفیت کا یہ عالم ہے کہ وہ روزمرہ کی رپورٹنگ میں "شیر" کو "تیندوا" اور "تیندوے" کو "شیر" بے جھجک لکھتے ہیں۔ "تیندوے" اور "چیتے" کے فرق کو تو بھلا کیا پہچانیں گے!

وائلڈ لائف کی حفاظت کے صرف ایک پہلو کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ تاہم آپ کا شمارہ چونکہ مہاراشٹر سرکار کا پرچہ ہے اور مہاراشٹر کو قدرت نے جنگلی جانوروں کی بہت بڑی دولت سے نوازا ہے، اس لئے میں آپ کے رسالے کے ذریعہ ارباب اختیار سے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ایک چھوٹا سا تحقیقاتی کمیشن مقرر کریں جو فنی اعتبار سے اور اعداد و شمار کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لے اور کمیشن کی رپورٹ کو سامنے رکھ کر ہی جنگلات اور وائلڈ لائف کی حفاظت کی پالیسی مرتب کی جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے محترم وزیر جنگلات کی خدمت میں 'قومی راج' کے ذریعہ یہ گذارش آسانی سے پہنچ جائے گی۔

• احمد صدیقی (بی۔اے)
۔ ۱۶۳، منہاج پور، الٰہ آباد نمبر ۳ ۲۱۱۰۰۳

'قومی راج' کا "جنگلی جانور نمبر" موصول ہوا۔ احمد نوازی کا شکریہ ادا کرنا تو خیر میرا اخلاقی فرض ہے لیکن اس خصوصی شمارہ کی تعریف نہ کرنا، ناقدر شناسی و بدذوقی کی دلیل ہوگی۔

اختصار کے ساتھ جامعیت کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے صوری و معنوی اعتبار سے اتنا شاندار نمبر نکالنا جس سے ہر صاحب ذوق بے ساختہ "واہ واہ" کہہ اٹھے، آپ ہی کا حصہ ہے۔ یقینًا آپ نے اپنے اِردگرد اُردو زبان کے 'پروانے' جمع کر رکھے ہیں جو اس دور میں بھی جبکہ یہ بین الاقوامی زبان اپنے گہوارے ہی میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلائے غم ہے، اس کی بے لوث خدمت انجام دینے کے لئے کمربستہ ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ 'جنگلی جانور نمبر' کے مضامین کی تعریف کی جائے یا اُس کے آرٹ اور حسنِ طباعت کی۔ سب ہی قلم کاروں نے اپنے اپنے مضامین میں محنت کی ہے۔ مضامین جامع اور دلچسپ ہیں اور قارئین کی معلومات کے لئے "مخزن" کی حیثیت کے حامل ہیں۔ ناچیز کی طرف سے بھی دلی مبارکباد قبول فرمائیے۔

حفیظہ شبنم۔ امراؤتی۔ (مہاراشٹر)

"قومی راج" کا 'جنگلی جانور نمبر' دیکھا۔ اس کی مانگ کو آپ نے ستاروں سے نہیں کہکشاؤں سے آراستہ کیا ہے۔

سورج کے سامنے چراغوں کی کیا حقیقت "قومی راج" عجیب ہی طمطراق کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے۔ دل مسرت سے بھر گیا۔ خداوند کریم اسکو بلندیوں کی طرف مائلِ پرواز رکھے (آمین)، اس کے ذریعہ آپ نے اُردو کو چار چاند لگائے ہیں۔ تصاویر کی دلکشی اور مضامین کے بانکپن نے اسے ایک نیا اور نادر حسن عطا کیا ہے۔

• غنی غازی
۔ ڈاکٹر ذاکر حسین اُردو ہائی اسکول، پلگاؤں

'قومی راج' کا ۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ واقعی قومی راج ہر ماہ ایک نئی بات اور دلچسپیوں کا سامان لے کر آتا ہے۔ اسی لئے قارئین بڑی بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ بلراج حیرت اور ظفر گورکھپوری کی غزلوں کے علاوہ کامل چاندپوری کی نظم "ممبئی" نے خوب متاثر کیا۔ لہٰذا ان حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور پھر اگر آپ کے انتخاب کو تحسین نہ کہوں تو واقعی بڑی ناحق شناسی ہوگی۔

— • —

عوامی اقدام برائے ترقی

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کی اپیل

عام آدمی ہی کسی بھی ترقیاتی تحریک کی جان ہوتا ہے۔ ایسا ترقیاتی پروگرام ہی جس میں لوگوں کی زندگی، ضروریات اور اُن کے جذبات کا خیال رکھا گیا ہو، کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور لوگ زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ دل و جان سے اس کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زراعت، آبپاشی اور دیہی صنعت کو ہماری منصوبہ بندی میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ وقت کا تقاضہ یہی ہے کہ مقامی ذرائع کو مناسب طریقے پر زیادہ سے زیادہ کام میں لاکر دیہی علاقوں میں پیداوار بڑھائی جائے۔ حکومت کی پوری طرح یہی کوشش ہے کہ ایک متوازن سماجی و اقتصادی نظام قائم کیا جائے۔

بہر صورت یہ بڑا زبردست کام ہے اور یہ پوری قوت اور زور و شور سے اس وقت تک انجام نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ رضاکارانہ جماعتیں اس میں شریک نہ ہوں۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ موجودہ رضاکارانہ تنظیموں کو قومی بنایا جائے اور جہاں ایسی جماعتیں نہیں ہیں وہاں ان کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اس طرح مقامی دلچسپی اور تحریک کو بڑھانے میں مدد ملے گی۔

مہاراشٹر میں پیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ یعنی عوامی اقدام برائے ترقیاتی پروگرام کے تحت کوشش یہی ہے کہ ہمہ جہتی دیہی ترقی کے معاملے میں مقامی رضاکارانہ جماعتوں کا تعاون عمل حاصل کیا جائے۔

مہاراشٹر میں عوامی اقدام برائے ترقیاتی پروگرام کا مقصد ایسی رضاکارانہ جماعتوں کی امداد کرنا ہے۔ اس مقصد کے تحت ایک 'ریاستی فنڈ' جاری کیا گیا ہے۔ ریاست میں اس پروگرام کے تحت کئی منصوبے فی الحال زیرِ عمل ہیں۔ بہر حال مزید سرمایہ کی ضرورت ہے تاکہ اس کے میدانِ عمل کو اور بڑھایا جا سکے۔ ریاستی کمیٹی اس کے فنڈ کو بڑھانے کے لئے لگاتار کوشش کرتی ہے۔ اس مقصد سے ثقافتی پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔ ریاستی کمیٹی کی جانب سے جاری کردہ 'روپیہ فنڈ' بہم ایک کارآمد طریقہ ہے اور بڑی گنجائش رکھتا ہے۔ ایک روپیہ فی کس سالانہ جیسے معمولی عطیہ کے ذریعہ بھی کروڑوں روپے کی رقم جمع ہو سکتی ہے۔ اس سے پروگرام کو بڑھانے میں مدد ملے گی اور بعد ازاں سیکڑوں منصوبے شروع کئے جا سکیں گے۔ اپنی ترقی میں لوگوں کی شرکت بڑا اہم پہلو ہے۔

لہٰذا میں سماج کے تمام طبقات، صنعتکاروں، صنعتی کارکنوں، پیشہ ور اشخاص، دانشوروں، تاجروں، کاشتکاروں، زراعتی مزدوروں، غرض کہ سب ہی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہماری ریاست میں عوامی اقدام برائے ترقیاتی پروگرام کے لئے ہر طرح فراخدلی سے امداد دیں۔

ایس۔ جی۔ پوار، وزیر اعلیٰ

کامیابی کا روشن مظہر

★ آر ایس واب گاؤنکر

"آنند وَن" میں دہان کا مثالی فارم

پیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (پیڈ) یعنی عوامی اقدام برائے ترقی کے تحت منصوبوں میں محروم لوگوں مثلاً جسمانی طور سے معذور اور جذامیوں وغیرہ پر خاص طور سے توجہ مرکوز کی گئی ہے جن سے سوسائٹی احتراز کرتی رہی ہے۔ اب تک 'پیڈ' (مہاراشٹر) کے تحت ایسے حسب ذیل تین منصوبہ جات کو امداد دی گئی ہے۔ اول آنند ون' ورورا، چندر پور میں دوسرا دتاپور، وردھا میں جو جذام کے مریضوں کی بھلائی کے لئے ہے اور تیسرا کنوٹ (ضلع ناندیڑ) میں نابینا اشخاص کے لئے ہے۔ پہلے پروگرام کے تحت جذام کے مریضوں کی حوصلہ افزائی اور امداد کی گئی تاکہ وہ مثالی دہان فارم کو ترقی دیں۔ دوسرے دتاپور منصوبہ کے تحت جذام کے مریضوں کو زراعت اور متعلقہ معاون پیشوں کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ صحت یابی کے بعد اس کے ذریعہ اپنی روزی حاصل کر سکیں اور زندگی گذار سکیں۔ کنوٹ سینی ٹوریم میں نابینا اشخاص کو زراعت کی تربیت دینے کے لئے ایک منصوبہ پہلا نمونہ پروجیکٹ کے طور پر شروع کیا گیا ہے جو گجرات میں ٹاٹا ایگریکلچرل

قومی راج

شری بابا آمٹے اپنی رفیق حیات شریمتی سادھنا آمٹے کے ساتھ

بابا آمٹے - ایک مجاہد

چونسٹھ ۶۴ سالہ شری مُرلی دھر دیوداس آمٹے جو عرف عام میں بابا آمٹے کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا گھرانہ بشمول دو بیٹے اور ایک بہو سب ہی ڈاکٹر ہیں۔ یہ ورورا (ضلع چندر پور) میں جذام میں مبتلا سینکڑوں اشخاص کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بابا آمٹے نے پُر منفعت پیشہ چھوڑ کر ۱۹۵۱ء میں کلکتہ میں واقع گرم امراض کے ایک ادارہ میں جذام سے متعلق کورس لیا۔ ایک دن انھوں نے ورورا میں ایک نالی میں پڑے جذام میں مبتلا ایک مریض کو دیکھا جس کے زخم کیڑوں سے بھر ہوئے تھے۔ انھوں نے اسے کپڑے سے ڈھک دیا اور بڑے بے چین اور دل شکستہ گھر آئے۔ اسی رات انھوں نے یہ تہیہ کر لیا کہ جذام سے متاثر اشخاص کی بھلائی کی خاطر جان توڑ کوشش کریں گے۔ ان کی اہلیہ سادھنا نے دل و جان سے تعاون کی پیشکش کی۔ بابا آمٹے، آنند وَن شفا خانہ و بحالی مرکز چلاتے ہیں جہاں نہ صرف جذامیوں کا علاج کیا جاتا ہے بلکہ ان کی بازآبادکاری کے خیال سے انھیں کھیتی باڑی کے مختلف کام سکھائے جاتے ہیں۔ 'پیڈ' کی امداد سے اب آنند دن داسی' آنند دن فارم میں سبزی ترکاری اور اناج پیدا کرتے ہیں جو یہاں استعمال کرنے کے علاوہ فروخت بھی کیا جاتا ہے۔

بھرپور فصل جو صحت یاب
جذامی روگی نے اگائی ہے۔
اس کے ہاتھوں میں
جو کبھی مرض کے اثر سے بے سکت
ہو گئے تھے اب نئی قوت آگئی ہے
اور وہ خوب اناج اگا سکتا ہے۔

اینڈ رورل ٹریننگ سینٹر فار دی بلائنڈ کے
کے زیر اہتمام چلایا جا رہا ہے۔ اس مضمون میں آنند
ون وہورا کے مثالی دھان فارم (پیڈی ماڈل فارم) پر روشنی
ڈالی گئی ہے جس نے شری بابا آمٹے کی رہنمائی میں بڑی
کامیابی حاصل کی ہے۔

مہاراشٹر کی سرزمین عموماً سنگلاخ ہے، جس پر جہاں تہاں
پھیلے ہوئے ڈھلوان پہاڑ، پر پیچ پہاڑی راستے ہیں اور پھر سیاہ کپاس
مٹی دار زرخیز میدان۔ اسی طرح یہاں کے باشندے مختلف سماجی
اور معاشی زمروں میں تقسیم ہیں۔ بہرحال ان کی عام فطرت ایک
ہی ہے۔ یہ بڑے حساس اور تیز نظر ہیں۔ نئے اور ترقی پسندانہ خیالات
کو جلد قبول کرنے میں نہیں ہچکچاتے۔ خواہ زراعت میں نئی اور جدید
تکنیک اختیار کرنے کا معاملہ ہو یا غریب مظلوم لوگوں کی فلاح کے لئے
انقلابی اصلاح، یا نئی تعلیم رائج کرنے اور فروغ دینے کے لئے ترقی

پسندانہ اقدامات، مہاراشٹر کے باشندوں نے ہمیشہ بڑی دلچسپی
کا اظہار کیا اور ان میں سرگرم حصہ لیا۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات
نہیں کہ "بینے ہی دم قدم سے اپنی ترقی" کا یہ خیال ریاست میں جلد ہی مقبول
ہوا اور یہ تحریک زوروں سے چل پڑی۔

۳۳ منصوبے زیر عمل :

عوامی اقدام برائے ترقی پروگرام کے تحت فی الحال ریاست
کے ریاست کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کے ۳۳ منصوبے
زیر عمل ہیں۔

بھوک سے نجات مہم :

اولاً بھوک سے نجات مہم کے طور پر یہ پروگرام ادارہ اقوام
متحدہ کی غذا اور زراعت تنظیم کے ایما پر شروع کیا گیا تھا جس کا
مقصد یہ تھا کہ خود لوگوں کو اپنی ترقی کے کام میں شریک کیا جائے۔ مہاراشٹر
میں ۱۹۷۳ء سے اپنی موجودہ شکل میں یہ پروگرام عوامی اقدام برائے ترقی
(ہند) ریاست مہاراشٹر، جاری ہوا۔ اس وقت سے ان سالوں کے

ایک جذامی مریض صحتیابی کے بعد
آنند ون فارم پر برسر کار ہے

آنندون فارم میں اگائی گئی سبزی ترکاری گھریلو طور سے استعمال کرنے کے علاوہ فروخت بھی کی جاتی ہے۔

دھان اس پروگرام نے بڑی ترقی کی اور مختلف حلقوں کی جانب سے اسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

اس موقع پر اس مضمون میں ارادہ یہ نہیں ہے کہ اس پروگرام کی اب تک پیش قدمی کا حال تفصیل سے بیان کیا جائے حالانکہ ریاست میں اس پروگرام کی کامیابی ملک کی کسی بھی ریاست کے مقابلے میں ہر طرح قابل تعریف ہے۔ بہر صورت اس مضمون کا منشا یہی ہے کہ عوامی اقدام برائے ترقی پروگرام کی ریاستی کمیٹی نے جن متعدد منصوبوں کے لئے امداد دی ہے۔ ان میں سے ایک پر مختصراً روشنی ڈالی جائے۔ یہ ہے مہاروگی سیوا سمیتی آنندون' وردرا (ضلع چندرپور) کے آنندون رورل سینٹر کی دھان مثالی فارم اسکیم۔

دھان مثالی فارم

آنندون جذام سے متاثر اشخاص کے لئے شفاخانہ و بحالی مرکز ہے یہ مہاراشٹر کے ضلع چندرپور میں وردرا میں واقع ہے۔ دیس بھر کے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ جذام میں مبتلا مریض اس چھوٹے سے مرکز میں رہتے ہیں اور یہاں مختلف قسم کے تعمیری کاموں میں مصروف ہیں جو اب تک حقیر اور بے یار و مددگار تھے۔ اس مرکز کے روح رواں مخلص سماجی کارکن بابا آمٹے ہیں۔ عوامی اقدام برائے ترقی (ہند) ریاست مہاراشٹر کمیٹی کی زیر اعانت دھان مثالی فارم ان متعدد سرگرمیوں کا حصہ ہے جو مہاروگی سیوا سمیتی کی زیر سرپرستی آنندون مرکز پر جاری ہیں۔ یہ سمیتی ایک زراعتی کالج بھی چلاتی ہے۔ جو عین مرکز کے احاطہ ہی میں قائم کیا گیا ہے۔ یہ ایک اضافی سہولت ہے کیوں کہ زراعتی کالج سینٹر کی مدد کرتا ہے اور دھان پیداوار پروگرام کو فروغ دینے میں اس کی تجرباتی اور ریسرچ کارروائیوں میں حصہ لیتا ہے۔

مقاصد:

اس مثالی دھان فارم کے مقاصد حسب ذیل ہیں:-

(۱) جذامی مریضوں، زراعتی کالج کے طلبہ، نیز آس پاس کے چھوٹے

عوامی تحریک برائے ترقی

میں ۱۹۶۷ء سے 'بھوک سے نجات مہم' (فی الحال عوامی اقدام برائے ترقی) سے وابستہ ہوں۔ بلجیم میں واقع اینٹورپ کے ورکروں نے ایک دن کا برت رکھا اور اس طرح رقم بچا کر ۱۰,۰۰۰ روپے کی مالیت کا ٹریکٹر مجھے بھیجا۔ اخبارات میں یہ بیان پڑھنے کے بعد میں نے ایک درخواست بھیج دی تھی۔ ۵ جنوری ۱۹۷۶ء کو مجھے اپنی دھان مثالی فارم کے لئے ۲۵,۵۰۰ روپے کی امداد موصول ہوئی۔

غیر مزروعہ اراضی کا ۴ ہیکٹر قطعہ چنا گیا۔ اُسے ہموار کر کے مینڈھ باندھ دی گئی۔ ایک کنواں کھودا گیا جس میں فوراً ہی پانی اُبل پڑا۔ ہم نے سبزی ترکاری کی کاشت شروع کی اور ۵ جنوری ۱۹۷۶ء سے ۵ جنوری ۱۹۷۸ء تک دو سال کے عرصہ میں اس دھان مثالی فارم 'پیڈ' کی امداد سے ۶۴۰,۴۸ روپے مالیت کی سبزی ترکاری اگائی گئی۔ اس تجربہ سے مجھے یہ احساس ہوا کہ 'پیڈ' عوامی تحریک بن سکتا ہے بشرطیکہ اُسے کھادی کمیشن کی طرح ایک خود مختار ادارہ بنا دیا جائے۔ اس طرح 'پیڈ' کو شہروں کے منظم مزدوروں سے امداد مل سکے گی۔ یہ مزدور اور ان کی انجمنیں ایک دن یا نصف دن کی اُجرت کی شکل میں یا بلجیم کے مزدوروں کی مانند ایک دن فاقہ کر کے امداد دیں گے۔ وہ اپنے غیر منظم بھائیوں کے لئے ایک پٹرول پمپ یا ڈیزل پمپ دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ نیز وہ سینچائی پمپ بھی دے سکیں گے یا فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کارپوریشن کے ورکر ٹریکٹر دے سکیں گے۔ شہروں کے منظم مزدور دیہاتوں میں بے زمین مزدوروں اور چھوٹے موٹے زمینداروں جیسے غیر منظم بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ وہ دیہاتوں کے ان مزدوروں کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ 'پیڈ' کی اسکیم کی عمل آوری سے مجھے یہی تجربہ ہوا ہے کہ یہ سب کچھ یقیناً ممکن ہے۔

— بابا آمٹے۔ آنندون' وردرا

کسانوں کو دھان پیداوار کے جدید طریقوں، باندھ بندی اور کھاد اور کیڑا مار ادویہ کے استعمال سے متعلق تربیت دینا۔

(۲) اس علاقہ کی خاص بڑی فصلوں کی کاشت کاری میں مہارت بڑھانا، نیز دھان مثالی فارم کی ترقی پر خاص زور دینا۔

(۳) مذکورہ بالا فصلوں کے بارے میں اقتصادی اور مالی پہلوؤں سے روشناس کرنا نیز یہ بتانا کہ کہاں سے کس طرح سرمایہ مل سکتا ہے۔

(۴) سبزی باغ اور چھوٹے کھیتوں کے بارے میں باغبانی مہارت بڑھانا۔

(۵) اس علاقہ میں قرض کی درخواستوں اور بیج، کھاد، کیڑا مار ادویات اور اسپریئر وغیرہ کی خریداری کے معاملے میں اعانت کرنا۔

اضافہ پیداوار

عوامی اقدام برائے ترقی (ہند) ریاست مہاراشٹر کی ریاستی سطح کمیٹی کی پروجیکٹ سب کمیٹی کو اسکیم پیش کرتے وقت "آنندون" ورورا کی مہاروگی سیوا سمیتی نے یہ واضح کیا تھا کہ وہ اس دھان مثالی فارم کے ذریعہ تین سال کے عرصہ میں دھان اور اجناس کی پیداوار میں ۲۰۰ کوئنٹل کا اضافہ کرے گی۔ ان سے دوسری فصل کے طور پر سبزیاں اگانے کی بھی توقع تھی۔ قدرتی طور سے اس سے فیضیاب ہونے والے اشخاص جذام کے مریض ہی ہیں جو مرکز میں آباد ہیں۔

قبل ازیں اس ادارہ نے مرکزی کمیٹی کی امداد سے ایسی ہی پیڈ اسکیم کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ دھان مثالی فارم کے لئے انھیں ۲۵,۵۰۰ روپے کی امداد کی توقع تھی۔

پیڈ کی منظوری :

عوامی اقدام برائے ترقی (ہند) ریاست مہاراشٹر کی ریاستی سطح کمیٹی نے ۱۹۷۵ء میں امداد کے لیئے یہ اسکیم منظور کر لی اور اسے زیر عمل لانے کے لیئے پروجیکٹ سب کمیٹی نے ۲۵,۵۰۰ روپے کی رقم کا بلا سود قرض اس ادارے کو دینے کی سفارش کی۔ دو سال بعد اس قرض کو براہ راست امداد قرار دے دیا جائے گا بشرطیکہ اسکیم قابل اطمینان طریقے سے روبہ عمل لائی جائے۔

نمایاں کامیابی :

بعد ازاں پیڈ کمیٹی کی زیر نگرانی یہ اسکیم شروع کی گئی۔ ادارہ کی جانب سے پیش کردہ سہ ماہی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سی رکاوٹوں اور دقتوں کے باوجود عمل آوری توقع سے کہیں زیادہ قابل اطمینان رہی۔ جنوری ۱۹۷۷ء میں ادارہ کی جانب سے پیش کردہ سالانہ رپورٹ میں بڑے وثوق سے یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ ان فصلوں کی پیداوار کے معاملے میں فارم کی تیز رفتاری کے مدنظر توقع یہی ہے کہ دھان اور اجناس کی پیداوار میں تین سال کے بعد ۲۰۰ کوئنٹل کے اضافہ کا مقررہ نشانہ اسکیم کی عمل آوری کے پہلے سال ہی میں پورا ہو جائے گا۔

فی الحال دھان مثالی فارم "آنندون" ہر طرح سے ایک مکمل مرکز بن گیا ہے۔ اور گرد و نواح کے علاقوں کی ضروریات پوری کر رہا ہے اس کی کامیابی بے مثال اور دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری سب ہی حلقوں کی جانب سے اس کی کامیابی کو سراہا گیا ہے۔ شری بابا آمٹے کو جنھوں نے اس اسکیم کے سلسلے میں بڑی اعانت اور رہنمائی کی ہے ریاستی حکومت نے بجا طور سے عوامی اقدام برائے ترقی (ہند) ریاست مہاراشٹر کی ریاستی سطح کمیٹی کا رکن مقرر کر کے اعزاز بخشا ہے۔

بلاشبہ پیڈ کے دھان مثالی فارم "آنندون" کی کہانی مقررہ وقت کے اندر بے مثال کامیابی کا روشن مظہر ہے۔

صحت یاب جذام روگی فروخت کے لئے ...

زراعتی ترقیاتی پرتشٹھان' بارامتی میں دودھ کا ہنڈا بھرا جارہا ہے۔

• جی۔ بی۔ گوجر (ایڈیٹر 'لوک راجیہ' انگلش)

سفید انقلاب کی جانب پیش قدمی

ریاست مہاراشٹر کی ۷۰ فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں ۹۰ فیصد قابلِ کاشت اراضی خشک حصّوں میں واقع ہے۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہماری ریاست کی ۶۰ فیصد آبادی حدِ افلاس سے بھی زیریں ہے۔
پیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ یعنی (پی۔ اے۔ ڈی) متاثرہ کسانوں کو خوشحالی سے ہمکنار کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے اور اس مقصد کے لئے زراعت میں ترقی یافتہ اقدامات کے ساتھ ساتھ ڈیری، ماہی گیری، مرغی خانہ وغیرہ جیسے معاون روزگار کی ترغیب دیتی ہے۔

شری ادھوراؤ لکشمن راؤ انگولے' ایک مجاہدِ آزادی ہیں۔ آپ بارامتی میں ۳۰ ہیکٹر زراعتی زمین کے مالک ہیں اور اب تین مخلوط نسل کی گایوں کے مالک ہیں جن سے وہ ماہانہ ۵۰۰ روپیہ کماتے ہیں۔ پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والی شریمتی رتن بائی کامبلے کو بھی دو گائیں دی گئی ہیں۔ بارامتی پنچایت سمیتی کے چیرمین شری کاملکر بھی فیضیاب ہونے والوں میں شامل ہیں۔ ان سب کا یہی کہنا ہے کہ ایسی گایوں کی افزائشِ نسل بڑے پیمانے پر ہونی چاہئے۔ تاکہ دیہی معیشت بہتر ہو سکے۔ اس قسم کی ایک گائے سے ۱۲ لیٹر دودھ حاصل ہوتا ہے۔ جس سے اچھی آمدنی ہو سکتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ پرتشٹھان چونکہ مناسب تعداد میں گائیں تقسیم کرنے سے مجبور ہے اس لئے حکومت کو اس سلسلہ میں اعانت کرنی چاہیئے۔ ڈیری کے کاموں کے لئے آب رسانی، طویلہ کی تعمیر، گایوں کی مشہور نسل مثلاً جرسی اور ہولسٹن کی افزائش اور کسانوں میں ان کی تقسیم پرتشٹھان کے کاموں میں شامل چند کام ہیں۔ بارامتی خشکی سے متاثرہ علاقہ ہے لیکن پرتشٹھان کے ذریعے پانی کے ہر قطرہ کا مناسب ڈھنگ سے استعمال کیا جاتا ہے۔
پرتشٹھان کئی اہم کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہے۔ کاشتکاری کی تربیت، گایوں کی افزائش نسل کی تعلیم، کسانوں کے بچوں کو تعلیم اور طبی

گائے۔ بھینس پالنا کسانوں کا آبائی پیشہ رہا ہے' جسے معاون روزگار میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کام بھی آسان نہیں ہے۔ ناکافی چارہ' جانوروں کی بیماریاں ایسی مشکلات ہیں جو اس کام میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اور آمدنی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ایسے مشکل حالات کے دور میں حکومت تو اعانت کرتی ہی ہے علاوہ ازیں چند ایسے ادارے بھی ہیں جو امداد کی پیشکش کرتے ہیں، انھیں پی اے ڈی مالی امداد فراہم کرتی ہے۔ شری منی بھائی ڈیسائی کی رہنمائی میں بھارتیہ ایگرو انڈسٹریز فاؤنڈیشن کے اقدامات قابلِ ذکر ہیں خصوصاً بھاکڑ نسل کی گایوں کو دودھ دینے کے قابل کرنے کا سہرا موصوف ہی کے سر ہے۔

بارامتی پرتشٹھان

پونے میں بارامتی کے مقام پر ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ پرتشٹھان نے ایک پروجیکٹ قائم کیا ہے جس میں مخلوط النسل گایوں کی افزائش کی جاتی ہے اور انھیں چھوٹے اور میانہ درجے کے کسانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ وہ معاون روزگار شروع کر سکیں۔
اس پروجیکٹ کے لئے پی اے ڈی نے ایک لاکھ روپیہ بطور مالی امداد فراہم کیا ہے۔ تین ماہ کی حاملہ گائیں کسانوں کو فی گائے ۲۵۰۰ روپے کے حساب سے فروخت کی جاتی ہیں۔

قومی راج

معلومات سے مقامی کسانوں کو پرتشتھان فیضیاب کرتا ہے۔

اب تک ضلع پونے میں پورندر، ڈونڈ، حویلی، ماول تعلقوں اور ضلع ستارا کے سولاپور، سانگلی، احمدنگر اور عثمان آباد میں رہائش پذیر ۳۵۸ کسانوں کو ڈیری سے متعلق جدید طور طریقوں کی تربیت دی گئی ہے۔ اینمل ہسبنڈری، ڈیری ڈیولپمنٹ محکمہ اور ویسٹرن مہاراشٹر ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے افسران قابل ستائش ہیں کہ انھوں نے اس پروگرام کو آگے بڑھانے میں دل و جان سے کوششیں کیں۔ اب پانی کی دستیابی کی بدولت قلیل بارش والے علاقے گلزار اور سبزہ زار نظر آتے ہیں۔ بارامتی تعلقہ میں اب پانی کا کافی ذخیرہ ہے اور ۱۵۰ سپر کولیشن ٹینک موجود ہیں جو مقامی کسانوں کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کی قابل فخر رہنمائی اور ڈیری و زراعتی کاموں میں شری اپا صاحب عرف شری دنکر راؤ پوار کی قابل قدر مہارت کی بدولت آج یہ کام بہت باقاعدگی سے ہو رہا ہے۔

اشوک نگر پروجیکٹ : زیادہ دودھ دینے والی گایوں کی مخلوط طریقوں سے افزائش کے متعلق اشوک ایجوکیشن سوسائٹی، اشوک نگر، احمدنگر نے کیٹل امپرومنٹ نامی پروجیکٹ قائم کیا ہے۔ اس پروجیکٹ کے لئے

یشونت مہادو بالیہ، ناندیڑ کی "ڈیری و زراعت اسکیم" کا اندرونی منظر

بارامتی کا یہ کسان اور اس کی پتنی، مخلوط النسل گائے پاکر بہت خوش ہیں

پی اے ڈی نے ایک لاکھ روپے کی مالی امداد دی ہے۔ اس پروجیکٹ میں ۲۰ جرسی، ہولسٹن اور دیگر نسل کی گائیں ہیں۔ اس کے علاوہ پانچ گائیں اور بیل، کے بچھڑے ہیں۔

اس پروجیکٹ کا بنیادی مقصد مفصل علاقوں میں آباد کمزور طبقات کے لوگوں کو معاون یا مکمل روزگار فراہم کرنا ہے۔ اس پروجیکٹ سے دیہی بے روزگاری کے خاتمے میں بڑی مدد مل سکتی ہے پونے میں اریکنچن کی بھارتیہ ایگرو-انڈسٹریز فاؤنڈیشن کے سطور پر جانوروں کی مصنوعی طریقے سے حمل آوری کا پروگرام اس پروجیکٹ میں شامل ہے۔ مذکورہ فاؤنڈیشن نے اس کام میں عملی تعاون کا یقین دلایا ہے۔

ایک ایسے ڈیری فارم کا قیام جس کی مدد سے چھوٹے کسان اور بے زمین مزدوروں کو منافع بخش طریقے سے ڈیری چلانے کا تجربہ ہو سکے اس پروجیکٹ میں خاص طور سے شامل ہے۔ جرسی اور ہولسٹن نسل کی ۲۰ گائیں اور بیل خرید کر انھیں افزائش نسل کے لئے اشوک نگر میں رکھا جائےگا اضافہ شدہ جانوروں میں سے ۷۵ فیصد چھوٹے کسانوں کو فروخت کئے جائیں گے تاکہ انھیں کوئی مالی ذریعہ حاصل ہو سکے۔ بے روزگار تعلیمیافتہ افراد کو بھی ڈیری مینجمنٹ، مصنوعی حمل آوری اور جانوروں کے علاج سے متعلق تربیت دی جائے گی۔

بھور پروجیکٹ : پونے ضلع میں ویل ہے اور بھور ایگرو-انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے چھوٹی زمین کے مالکان اور زراعت پیشہ مزدور افراد کو فائدہ پہنچانے کے لئے دودھ کی پیداوار میں اضافہ کی اسکیم مرتب کی ہے۔ جس کے لئے پی اے ڈی نے ۵۰,۰۰۰ روپیہ دیا ہے۔ مصنوعی حمل

ہو سکے۔ اس علاقے کے باشندے اشوک وٹھل راؤ تھوپٹے، دتاتریہ سامبئے، دھونڈیبا ماروتی گوڑنے جیسے افراد اس اسکیم سے بے انتہا خوش ہیں۔ انھیں اعتراف ہے کہ اس اسکیم کی بدولت ناکارہ گائیں دودھ دینے کے قابل ہو گئی ہیں۔ انھیں یہ بھی یقین ہے کہ ایک وقت ایسا آئیگا جب بھور علاقے کا ہر کسان ڈیری کے کام سے ماہانہ ۵۰۰۔۶۰۰ روپئے کمانے کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ پروجیکٹ سے فائدہ اُٹھانے والے عوام اس کام میں کارپوریشن کی مدد کریں۔

ناندیڑ پروجیکٹ: یشونت مہاودیالیہ ناندیڑ کو پی اے ڈی نے زراعت دودھ کی پیداوار سے متعلق ڈیری و زراعت اسکیم کے لئے ۵۰،۰۰۰ روپے دینا منظور کیا ہے۔ اس اسکیم کا خاص مقصد اس کالج کے طلبہ کو جن کی تعداد دو ہزار ہے اور کسانوں کو مخلوط النسل جانوروں کی افزائشِ نسل کے فوائد کا عملی مظاہرہ کروانا ہے۔ اس کے علاوہ افزائشِ نسل سے حاصل کردہ جانوروں کو پڑوس کے کسانوں کو واجب قیمتوں پر فروخت کرنا بھی اس اسکیم میں شامل ہے۔ اس اسکیم سے طلبہ زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ انھیں پڑھائی کے ساتھ 'کمائی' کا موقع بھی حاصل ہوگا۔

۲۴ گایوں کے لئے ایک مویشی باڑہ موجود ہے۔ فی الحال اس ڈیری کی ۱۰ گایوں سے ۲۵ لیٹر دودھ ملتا ہے۔ سبز چارے کے لئے گجراج اور مٹر بوئے گئے ہیں۔ ۲۵ مکعب فٹ کا ایک گوبر گیس پلانٹ بنایا گیا ہے گیس مذکورہ کالج کے مہاتما گاندھی فری ہوسٹل میں کھانا پکانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

تین یا چار سال بعد اُمید ہے کہ مخلوط نسل کی ۲۵ گائیں حاصل ہونگی جن سے یومیہ ۲۰۰ لیٹر دودھ اور سالانہ ۵۰،۰۰۰ روپیہ منافع حاصل ہو سکے گا پی اے ڈی کی مدد سے اگر ایسے پروجیکٹ ریاست کے ہر حصّے میں قائم کئے جائیں تو نہ صرف یہ کہ خشک علاقوں کے کسان، بے زمین مزدور اور کمزور طبقات کی سماجی و معاشی زندگی بہتر ہوگی بلکہ ایک ایسا "سفید انقلاب" وجود میں آئے گا جس سے ریاست بھر میں خوش حالی کا دور دورہ ہوگا۔

بھور پروجیکٹ میں مصنوعی طریقہ پر مویشی کی افزائشِ نسل۔
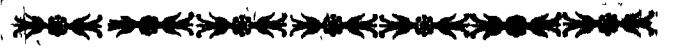
آوری کے ذریعہ دودھ کی پیداوار میں اضافہ سے متعلق اس اسکیم کے لئے ۲۴ گایوں کے لئے کافی ایک جدید اصطبل تعمیر کیا گیا ہے اور گایوں کی مصنوعی حمل آوری کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں مختلف قسم کی گھاس کی دستیابی سے کچھ حد تک چارہ کی فراہمی کا مسئلہ بھی حل ہو چکا ہے۔

پڑوس کے زراعت پیشہ افراد نے بھی جانوروں کی مصنوعی حمل آوری کے طریقے کو آزمانا شروع کر دیا ہے۔ ان کا مشاہدہ ہے کہ اس اسکیم کو مزید توسیع دی جانی چاہیئے تاکہ پورا تعلقہ 'سفید انقلاب' سے ہمکنار
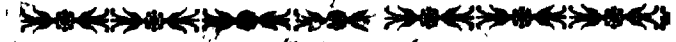
ایک چارہ کٹائی مشین

عوامی ترقی عوام کے ذریعہ

بنود راؤ

"پیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (پی اے ڈی) یعنی عوامی اقدام برائے ترقی کیا ہے؟ کم نہ زیادہ اس کا ٹھیک یہی مطلب ہے کہ خود اپنی ترقی کی خاطر عام لوگوں کا اقدام۔ اپنے بل پر اوپر اٹھنے کے لئے پوری تندھی، شوق اور جوش و ولولہ کے ساتھ مساعی۔

مختصراً 'پیڈ' کا مقصد یہی ہے کہ ترقی کی رفتار تیز تر ہو اور عام لوگوں کی قوت تخلیق سے آزادی بروئے کار آئے۔

'پیڈ' دراصل 'بھوک سے نجات مہم' ہی کا حصہ ہے جو ادارہ اقوام متحدہ کی فوڈ اینڈ ایگری کلچرل آرگنائزیشن (ایف اے او) یعنی غذائی اور زراعتی تنظیم نے جولائی ۱۹۶۰ء میں شروع کی تھی تاکہ بنی نوع انسان کو بھوک اور کمیت غذا سے نجات ملے۔ مہم کا مقصد یہی تھا کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ غذائی جدوجہد میں حکومت کے ساتھ ساتھ عام لوگ بھی شریک ہوں اور بالآخر خود سرگرم عمل ہوں۔

حکومت ہند نے اس پر دھیان دیتے ہوئے اعلیٰ سطح پر قومی مہم کمیٹی قائم کی اور اس نے ریاستوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے ادارے قائم کریں اور عام لوگوں کو اس میں شامل کر کے مہم کو بڑھائیں۔ اس کارروائی میں دستور میں درج ریاستی پالیسی کے رہنما اصول بھی حکومت کے مدنظر رہے۔

مہاراشٹر کی تحریک

چنانچہ مہاراشٹر میں وزیر زراعت کی زیر صدارت ریاستی کمیٹی قائم کی گئی۔ کمیٹی کام میں منہمک ہو گئی، اس نے پروجیکٹوں کی جانچ پڑتال کی اور قومی کمیٹی کو سفارشات پیش کیں۔

۱۹۷۲ء میں اصل تحریک کے نام میں ترمیم کے بعد ہندوستانی

ایک 'پیڈ' پروجیکٹ کے تحت باجرہ کی بھرپور فصل

گاؤں واسی کنواں کھود رہے ہیں۔ مقامی لوگوں کی شرکت ہر 'پیڈ' منصوبے کی جان ہے۔
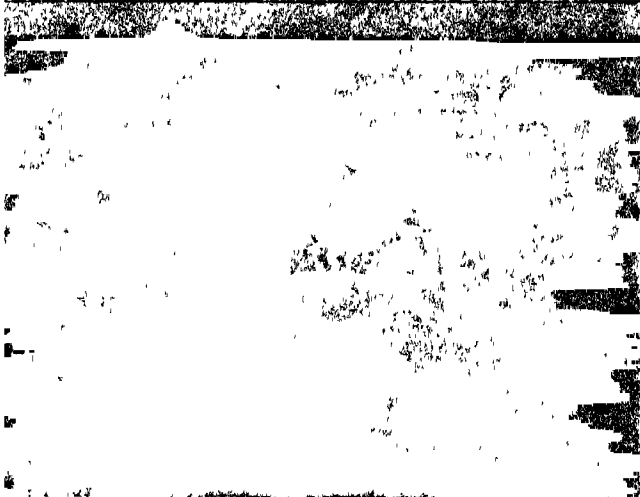
میں بھی ۱۹۷۳ء میں نام بدل کر ڈپیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (انڈیا) رکھا گیا اور اس کے مطابق اسی سال مہاراشٹر میں یہ کمیٹی ڈپیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (انڈیا) مہاراشٹر اسٹیٹ نام کے تحت دوبارہ تشکیل دی گئی۔

ریاستی کمیٹی نے مہم کے مقاصد کی وضاحت اور اس کی باضابطگی کے لئے آگے قدم اٹھایا۔ اپنی مدد آپ کے اصول پر اس سرے کو لے کر جہاں 'ایف اے او' نے اسے چھوڑا تھا 'پیڈ' (مہاراشٹر) نے پروجیکٹوں کی اعانت کے لئے خود اپنا فنڈ قائم کیا نیز ان کی جانچ کے لئے اپنا عملہ مقرر کیا۔
ثقافت کو زراعت کے کام میں لاکر اس نے جلد ہی 'کلچرل شو' کے ذریعہ ۲۵ لاکھ روپے کی رقم اکٹھا کر لی۔ ہر ایک فرد کو شامل کرنے کے لئے 'ایک روپیہ فنڈ' کھولا گیا اور اس سے یہ توقع رکھی گئی کہ وہ سال میں ایک مرتبہ کم سے کم ایک روپیہ ضرور دے۔

زبردست کام

دنیا بھر میں دیہی تعمیر نو کے کام میں مصروف تنظیموں کے تجربہ سے یہی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ زراعت بہتر کاروبار اور بہتر زندگی کے مدنظر جامع طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ یہ زبردست کام ہے اور یہ توقع کرنا حقیقت کے خلاف ہوگا کہ محض حکومت کتنی ہی کارگذار ہو خود ہی اسے پایۂ تکمیل کو پہنچا سکتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں یہ جماعت 'پیڈ' محرک و منتظم کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے۔ یہ جماعت رضاکاروں منیجروں اور ٹیکنیشنوں کو جمع کرتی ہے تاکہ پیداوار میں تیزی پیدا ہو، صنعت کاروں، بیوپاریوں اور امیروں کو ترغیب دیتی ہے کہ سرمایہ لائیں، سماجی کارکنوں کو آمادہ کرتی ہے کہ خود فنڈ جمع کر کے اسے بڑھائیں مقامی اداروں اور حکومت کو تیار کرتی ہے کہ وہ مدد دیں اور سب سے اہم بڑھ کر خود عوام کمربستہ ہوں اور اپنی حالت خود سدھارنے کی مہم میں حصہ لیں۔
اس طرح شہری علاقے کے منتظم شعبوں کو آمادہ کیا جاتا ہے کہ دیہی علاقوں کے غیر منظم شعبہ جات کی مدد کریں۔

زراعت کی برتری

فوجی ہو یا شہری پیٹ ہی کی خاطر دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ کسان بھی اس میں شامل ہے۔ کسی بھی سماجی و اقتصادی منصوبہ کا آغاز سرے ہی سے ہونا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا سارا زور غذا پر ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کافی اچھی اور متنوع ہونا چاہیئے تاکہ صحت و تندرستی بنانے کے لئے ضروری قوت حاصل ہوتی رہے۔

قومی راج

مختصراً یہ کہ زراعتی پیداوار زیادہ سے زیادہ حد تک بڑھانا ہے۔ یہی اولین اور بنیادی ضرورت ہے اور اسی پر دیہی سدھار اور تعمیر و ترقی منحصر ہے۔

مرکزی کمیٹی کی جانب سے اعانت شدہ 'پیڈ' اسکیمات

نمبر شمار	پروجیکٹ	(رقم لاکھ روپے میں)
۱	اُرالی کنچن (ضلع پونے) میں مخلوط افزائش نسل پروگرام	۰٫۶۷
۲	مہاراشٹر کے منتخب علاقوں میں دودھ کی پیداوار میں بہتری، اُرالی کنچن، ضلع پونے	۱٫۵۴
۳	〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۳۷٫۱۶
۴	ترقیات آنندون لپریسی سینٹر فارم 'آنندون'، ضلع چندرپور	۰٫۱۰
۵	بہتر ذخیرۂ اناج پروجیکٹ 'تھانے'	۹٫۶۹
۶	کسانوں کے لئے تعلیمی و تربیتی پروگرام، کولہاپور	۱٫۰۴
۷	رتناگیری کے گاؤں میں آب رسانی ...	۹٫۳۰
۸	ایف اے او / ایف ایف ایچ سی فرٹیلائزر پروجیکٹ، ضلع کولابہ	۶٫۰۰
۹	ہوٹل منیجمنٹ، کیٹرنگ، نیوٹریشن ادارہ بمبئی کی سرپرستی	۲۵٫۰۴
۱۰	مُردہ جانوروں کی ہڈیوں وغیرہ کا استعمال 'بوریولی، بمبئی'	۵٫۳۷
۱۱	پرواره نگر (ضلع احمد نگر) میں کسان عورتوں کی تعلیم و تربیت	۱٫۰۲
۱۲	کنوٹ، ضلع ناندیڑ میں زراعتی ترقیاتی پروگرام ...	۰٫۲۰
۱۳	ضلع تھانے کے قبائلی طبقات کے لئے ترکاریوں کے بیج کا فارم	۰٫۶۳
۱۴	تالا آب رسانی اسکیم، ضلع قلابہ	۰٫۱۵
۱۵	کسٹم سروس و یینگ فارمس گائیڈنگ سینٹر، بیرلا، ضلع ناگپور	۰٫۹۲
۱۶	تربیت برائے اساتذہ، کیٹرنگ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی ...	۴٫۴۷
۱۷	پیر اور منہ کی بیماریوں کے لئے ٹیکہ سینٹر، اُرالی کنچن (ضلع پونے) ..	۱٫۷۶
۱۸	ادارہ برائے تربیت و کفایتی دودھ پیداوار 〃 〃 〃	۸۱٫۰۰
۱۹	نگینہ باغ (ضلع چندرپور) میں مظاہراتی فارم	۱٫۴۸
۲۰	مویشی سدھار پروجیکٹ، اُرالی کنچن ضلع پونے ..	۱٫۵۲
۲۱	دیہی کمزور طبقات کی ترقی و تنظیم کے لئے اقدامی پروگرام مرکز، ضلع وردھا	۳٫۰۹
۲۲	میور پولٹری پروجیکٹ، کلیان، ضلع تھانے	۰٫۶۸
۲۳	قبائلی علاقوں کے لئے زراعتی ترقیات، پال، ضلع جلگاؤں	۶٫۱۲
۲۴	زراعت و دستکاری میں فروغ و تربیت پروگرام، سیواگرام، ضلع وردھا	

ریاستی فنڈ سے منظور کردہ پروجیکٹ

نمبر شمار	اسکیم کا نام	منظور کردہ رقم روپے
۱	ڈیری وزراعتی اسکیم، ناندیڑ	۵۰،۰۰۰
۲	ایگریکلچر ڈیولپمنٹ اینڈ ڈیمونسٹریشن پروجیکٹ، شری رام پور، احمد نگر	۱،۰۰،۰۰۰
۳	پیڈی موڈل فارم، چندر پور، آنند وَن، ضلع چندر پور	۲۵،۵۰۰
۴	گایوں کی افزائش نسل، بارامتی، ضلع پونے	۱،۰۰،۰۰۰
۵	کوسباد پل (ضلع تھانے) پر سبزی ترکاریوں کے بیج کی پیداوار کا قیام	۳۰،۰۰۰
۶	قبائلی علاقوں کی زراعتی ترقیات، پال، ضلع جلگاؤں	۱،۰۰،۰۰۰
۷	بھور اور ویل ہے (ضلع پونے) میں مویشی سدھار پروجیکٹ	۵۰،۰۰۰
۸	ڈیمونسٹریشن اینڈ ٹریننگ فارم، راجورا، ضلع چندر پور	۴۵،۰۰۰
۹	سبزیوں اور پھلوں کے بیج کی پیداوار، پال گھر، ضلع تھانے	۴۰،۰۰۰
۱۰	ضلع تھانے میں قبائلیوں کے لئے چاول کی کمیونٹی نرسری	۲۷،۵۰۰
۱۱	فاضل اشیاء سے کیمیاوی کھاد کی تیاری، ضلع امراوتی	۱،۰۰،۰۰۰
۱۲	گاگوڑے اسکیم، گاگوڑے، ضلع قلابہ	۳۲،۰۰۰
۱۳	مربوط ترقیاتی پروجیکٹ، چاسلی، تعلقہ پورندھر (پونے)	۱،۰۰،۰۰۰
۱۴	دیہی ترقی پروجیکٹ، آم گاؤں، ضلع وردھا ...	۹۴،۰۰۰
۱۵	چھوٹے کسانوں کی ترقی کے لئے پروجیکٹ، کان گاؤں، وردھا	۵۰،۰۰۰
۱۶	مویشی سدھار پروجیکٹ، اشوک نگر، ضلع احمد نگر	۱،۰۰،۰۰۰
۱۷	زراعت سدھار، پروجیکٹ، امباد، ضلع اورنگ آباد	۱،۰۰،۰۰۰
۱۸	" " " تراڈ گاؤں، ضلع ستارا ...	۵۰،۰۰۰
۱۹	ایگریکلچرل ٹریننگ سروس سینٹر، دتا پور، ضلع وردھا	۵۰،۰۰۰
۲۰	جہات پور دیہات کی منصوبہ بند ترقیات، ضلع سولاپور	۱،۰۰،۰۰۰
۲۱	گُروکل پروجیکٹ، کاسل، ضلع رتنا گیری	۲۵،۰۰۰
۲۲	گرام گورو پرتشٹھان پروجیکٹ، نائیگاؤں، پونے	۱،۰۰،۰۰۰
۲۳	ترقیاتی پروجیکٹ برائے کسان، چندر پور	۲۵،۰۰۰
۲۴	کھانپور دیہات کے لئے منصوبہ بند ترقیاتی پروجیکٹ، پونے	۱،۰۰،۰۰۰
۲۵	دیہی ترقیاتی پروجیکٹ، سالوی، ضلع ناگپور	۱،۰۰،۰۰۰
۲۶	ادیباسی دیہی ترقیاتی اسکیم، روہانہ، ضلع اکولہ	۱،۰۰،۰۰۰
۲۷	مثالی زراعتی مظاہراتی فارم، پوسد، ضلع ایوت محل	۷۲،۰۰۰
۲۸	ضلع ناشک کے قبائلی لوگوں کے لئے سبزیوں اور پھل وغیرہ کی کمیونٹی نرسری	۸۴،۰۰۰
۲۹	دیہی ترقیاتی مرکز، پال گھر، ضلع تھانے	۱،۰۰،۰۰۰
۳۰	کمیونٹی نرسری برائے قبائلی طبقات، تلسری، ضلع تھانے	۵۰،۰۰۰
۳۱	زراعتی ترقیاتی اسکیم، مرزادی، ضلع ایوت محل	۵۰،۰۰۰
۳۲	زراعتی ترقیاتی پروجیکٹ، لاتور، ضلع عثمان آباد	۱،۰۰،۰۰۰
۳۳	نابیناؤں کے لئے مظاہراتی وتربیتی مرکز، کنواٹ، ناندیڑ	۵۰،۰۰۰

بہر صورت زراعتی پیداوار کے مسئلے کو الگ تھلگ کرکے حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے تو کثیر رخ پر مربوط جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اوّلاً یہ توقع رکھنا محال ہے کہ موجودہ حالات میں ایک دیہاتی محض اپنے بل بوتے پر ہی آگے بڑھ سکتا ہے اسے ایک ایسے اجتماعی مرکز کی ضرورت ہے جہاں سے کہ وہ درپیش مسائل سے نپٹتے وقت اعتماد، قوت و امداد حاصل کرسکے۔ اسی طرح مستقل سہارا دینا بھی نقصان دہ ہے۔

محرک طاقت

دیہی ترقی کی کنجی یہی ہے کہ گاؤں واسی کو محرک طاقت بہم پہنچائی جائے جس سے اس میں اپنی حالت کو بہتر بنانے کا حوصلہ پیدا ہو۔ "خود اپنی مدد آپ" اصول کا لازمی مطلب یہی ہے کہ جوش و خروش سے مل جل کر کام کیا جائے اور محنت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ مستقبل کو خوشحال بنایا جائے۔ اسی جدوجہد سے نئی دنیا ابھرے گی جس میں ذاتی اور باہمی قدر و منزلت ہوگی اور پڑوسی، سماج اور دیس کے تئیں نیا تصور بیدار ہوگا۔

مہاراشٹر کے زراعتی منظر میں بیدار کسان ہیں جنھیں ایسے اشخاص کی تلاش ہے جو سرمایہ اور جانکاری رکھتے ہوں۔ پھر جن کے پاس سرمایہ اور جانکاری ہے انھیں پیداواری منصوبہ جات کی کھوج ہے۔ ان دونوں کو یکجا لانے کی ضرورت ہے تاکہ انسانی اور مادی ذرائع کو اکٹھا کرکے ان میں سے ہر ایک سے بہتر فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ کام عوامی تنظیمیں ہی انجام دے سکتی ہیں۔ یہ مقامی قیادت پیدا کرکے لوگوں کو باقاعدہ کام میں لگائیں گی اور ضروری تحریک بہم پہنچائیں گی۔

رضاکارانہ جماعتوں اور افراد کی نشان دہی اور اتحاد، حصولِ مہارات میں ان کی اعانت، ذرائع جمع کرنا، زیادہ سے زیادہ طبقات کو مہم میں لگانا اور اس طرح خود اپنی ترقی کے لئے خود عوام کی اور عوام ہی کے ذریعہ زبردست تحریک — یہی سب کچھ 'پیڈ' کا نصب العین ہے۔ پیڈ مین مقام پر مشعل جلا کر ماحول کو گرم اور روشن کر دیتا ہے۔

منصوبہ جات کی نوعیت

کوئی بھی مندرجہ ادارہ، نیز امداد باہمی جماعت یا ٹرسٹ ایسا منصوبہ یا پروجیکٹ شروع کرسکتا ہے جس کا مقصد غذائی پیداوار

بڑھاتا ہو۔ یہ زراعت، باغبانی، سبزی، ماہی گیری، پولٹری اور ایسے ہی کاموں سے متعلق ہونا چاہئے۔ ایسے منصوبوں کو فوقیت حاصل ہوتی ہے جن سے پچھڑی جاتیوں اور پچھڑے علاقے کی حالت بہتر ہو۔ دیہی برادری کے کمزور طبقات کو معاشی فائدہ پہنچے اور ان سے گاؤں کے باشندوں میں خود اعتمادی پیدا ہو۔

مقامی آبادی کی شرکت اور انسانی اور مادی ذرائع کا استعمال ہی ہر پیڈ منصوبہ کی جان ہے۔ اسکیم کا محور مقامی لوگ ہی ہوں، وقت پر کارکن اور مقام پر رہنما تیار ہوں۔ پاس ہی کی زراعتی یونیورسٹی سے ماہرین آئیں، نیز قریب ہی کے قصبے یا شہر سے صنعتی کپتان ملے جسے کمزوروں کی بھلائی کی فکر ہو؟

بلاشبہ عطیات افراد کو نہیں بلکہ تنظیم یا جماعت ہی کے پاس جائیں گے لیکن اس کا فائدہ سودمند روزگار، اجرت اور بچت کی شکل میں انھیں ہی پہنچے گا۔ اس میں سے موخر الذکر نیز کھیت پیداوار سے حاصل ہونے والی مجموعی رقم بنک میں جمع ہوگی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رقم لگانے سے روزگار ملتا ہے پیداوار بڑھتی ہے اور ایک شخص باعزت طریقے سے روزی کمانے اور زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہ بچت کرنے کے قابل بھی ہوتا ہے اور بالآخر یہ بچت کی رقم آگے سرمایہ کاری کے کام آتی ہے۔

جنم، موت اور پھر جنم، یہی زندگی کا دورہ ہے۔ خود معیشت کا سلسلہ بھی اسی طرح چلتا رہے گا ایک مرتبہ پیداواری قوت وصلاحیت پر قابو پانے کے بعد جماعت اپنے اجزاء کی صحت اور تعلیمی، ثقافتی، سماجی اور دیگر ضروریات پر توجہ دینے کے قابل ہو جائے گی۔ اس طرح بالآخر سماج اور دیس فلاحی ریاست کی راہ کو پالے گا۔

پیڈ کے دستِ رہنمائی سے یہ سب کچھ ممکن ہوا ہے 'پیڈ' کی دوستانہ اور تعمیری اعانت سے حوصلہ پاکر ادارہ غذائی پیداواری منڈ میں رقم لگاتا ہے جو وہ بصورت دیگر کسی دوسرے غیر متعلقہ میدان میں لگاتا۔ فرد سے کم ترین مطالبہ کی بنیاد پر وہ فوری دلچسپی لیتا ہے اور یہ خوشی شرکت کرتا ہے۔

فرد بڑی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ آخر کار اسی سے نسل انسانی بنتی ہے اور وہی اس کا رجحان اور راہ معین کرتا ہے۔ قومی نقطۂ نظر سے ہر تندرست مرد اور عورت اس صورت میں ایک کارآمد ذریعہ ہے جبکہ وہ برسرکار ہو یا کام کی خواہش رکھتا ہو۔ بے کاری کی صورت میں وہ ایک بار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ نہایت ضروری ہے کہ اسے سودمند کام میں لگایا

'پیڈ' منصوبوں میں سرمایہ کاری کا مقصد یہی ہے کہ روزگار مہیا ہو، پیداوار بڑھے اور افراد عزت سے روزی کمانے کے قابل ہوں۔ "آنند دن" ضلع چندرپور کے چند جذامی مریض، جواب تندرست ہو چکے ہیں، منصوبے کے تحت سودمند طریقے پر برسرکار ہیں۔ زیرِ نظر تصویر میں (اوپر) ایسا ہی ایک صحتیاب جذامی، فروخت کے لئے اچھے قسم کے ٹماٹر چھانٹ رہا ہے اور (نیچے) ایسے ہی صحت یاب جذامی "اناج اڑاونی" میں مصروف ہیں۔

جائے۔ بہرصورت اولین ضرورت یہی ہے کہ اس کے پاس کافی کھانے کو ہو تب ہی وہ زندہ رہ سکتا ہے اور کام کر سکتا ہے۔

ایک کنبہ یا گروہ کو لیجئے جسے ضروریات زندگی کی فکر لاحق ہو۔ وہ اپنے جھونپڑوں کو چھوڑ کر ہمیں درختوں کے نیچے رہتے ہیں، سخت محنت مشقت کے کام انجام دیتے ہیں، سڑکوں کی تعمیر کے لئے پتھر پھوڑتے ہیں، درخت کاٹتے ہیں تاکہ کچھ کما کر پیٹ بھر سکیں۔ انھیں سبزی بھاجی

زراعت کی جدید ترقی میں پیڈ کا اہم حصہ
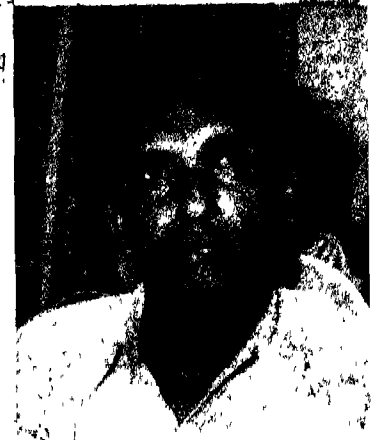
ہم سب ہی جانتے ہیں کہ زراعت پر ہی ہماری معیشت کا دارومدار ہے۔ لیکن زراعت کا انحصار قدرت کے رحم وکرم پر ہے۔ اگر بارش برابر وقت پر ہو جائے تو کسان بھرپور فصل اُٹھاتا ہے، لیکن اگر قدرت منہ موڑلے تو پھر کسان کے بال بچے، مویشی اور گاؤں سب ہی دُکھ اُٹھاتے ہیں۔ مزید برآں کسان کو نہ تو پوری جانکاری حاصل ہے اور نہ ہی تکنیک جس سے وہ اپنی زندگی کو بہتر بنا سکے۔ اگر اُسے جانکاری یا تکنیک حاصل ہو بھی جائے تو امداد یا سہولت نہیں ملتی تاکہ وہ اسے زیرِ عمل لا سکے۔

اس کا واحد حل یہی ہے کہ کھیتی باڑی میں جدید ترین طریقہ اپنایا جائے اور کسان کو اس سے روشناس کیا جائے۔ اُسے یہ بھی یقین دلایا جائے کہ اُسے برابر پانی ملتا رہے گا نیز وہ سال بھر ڈیری جیسے سود مند معاون پیشے سے بھی فائدہ اُٹھا سکے گا۔ اس کیلئے منظم کوشش اور مالی امداد کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں پیڈ پروگرام بہت اہم اور معاون ہے۔ مہاراشٹر میں ہمارے عزیز وزیر اعلیٰ کی رہنمائی میں زبردست کوشش جاری ہے۔ اس ترقیاتی کوشش کو آگے بڑھانے میں سب ہی کے سرگرم تعاون کا خواہاں ہوں۔

— گنپت راؤ دیش مُکھ
وزیر برائے زراعت اور نائب صدر 'پیڈ' (مہاراشٹر)

کہاں میسر نمک چھڑک کر ہی روٹی کھا لیتے ہیں۔ حقیقت میں دو تین مہینے خصوصاً برسات کے زمانے میں یہ روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی وہ پتوں اور جڑی بوٹیوں پر ہی گذر کرتے ہیں۔ ستر پوشی کے لئے ان کے پاس کافی کپڑے لتے بھی نہیں ہوتے۔

اس صورت حال میں ان کے باعث قوم ہی نقصان میں رہتی ہے اور نیچے گرتی ہے انھیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ خود اوپر اٹھیں تاکہ قوم بھی اٹھ سکے۔

روپیہ فنڈ

'پیڈ' (مہاراشٹر) فی الحال ۳۳ رضاکارانہ جماعتوں کو ۱۰۱۳۲

جی راج

لاکھ روپے کی رقم بطور امداد دے چکا ہے۔ یہ رقم ۵۰ لاکھ روپے میں سے نکالی گئی ہے جو اس نے خود اپنی کوشش سے جمع کی تھی۔ ثقافتی اداروں کی جانب سے 'پیڈ' کی امداد کے لئے منعقدہ 'شو' کی آمدنی نیز 'روپیہ فنڈ' میں جمع کردہ رقم اس میں شامل ہے۔ اس فنڈ میں ایک ایک روپیہ دیکر کروڑوں روپے کی رقم اکٹھا ہو سکتی ہے جو اناج کی پیداوار میں لگائی جا سکتی ہے نیز اس طرح چندہ دینے والے پر کوئی بار بھی نہیں پڑتا۔

اس طریقے پر فنڈ جمع کرنے سے اولاً زیادہ سے زیادہ رقم پیش نظر کام کے لئے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اور دوسرے بڑی تعداد

'پیڈ' (مہاراشٹر) کی جھلکیاں

دیہی ترقی کے معاملے میں در پیش مسائل یہی ہیں کہ قبائلی افراد کی حالت سدھاری جائے، جنھیں بری طرح نظر انداز کیا گیا ہے اور جن کا ناجائز طریقے سے استحصال کیا جاتا رہا ہے، سوکھے علاقوں کے باشندوں کی زندگی کو بہتر بنایا جائے اور محروم لوگوں مثلاً جسمانی طور سے معذوروں اور جذامیوں وغیرہ کی مدد کی جائے، جنھیں سماج میں حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مزارعین کے لئے ڈیری، سور پالن، بھیڑ بکری کی افزائش نسل اور باغبانی جیسے معاون پیشے فراہم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کے اہل و عیال کو خوشحالی نصیب ہو۔ 'پیپلس ایکشن فار ڈیولپمنٹ (مہاراشٹر) یعنی عوامی اقدام برائے ترقی' کے ذریعے گاؤں کے باشندوں کو 'اپنی مدد آپ' کی راہ دکھائی گئی ہے اور انھیں عوام سے فنڈ جمع کر کے ایسے منصوبے جات کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ (اگلے صفحات پر تصاویر کے عنوانات گھڑی کے مانند بائیں سے دائیں)

عمدہ پھلوں سے لدا پپیتا درخت

آسٹریلیا کی 'اسٹائیلو' گھاس، جس میں پروٹین کافی مقدار میں ہوتی ہے اور یہ مویشیوں کے لئے بڑی قوت بخش غذا ہے۔ اس سے دودھ کی مقدار بڑھتی ہے اور اس میں چربی کا جز بھی خوب ہوتا ہے۔ یہاں ایک ادیباسی جوڑا مویشی باڑہ میں ڈالنے کے لئے یہ گھاس کاٹ رہا ہے۔

'ورم مشین'۔ اس انوکھی مشین کے ذریعے تھوڑے ہی سے وقفے میں کچرے وغیرہ سے کھاد تیار کی جاتی ہے۔ اس سے بے زمین مزدوروں کو سود مند کام ملتا ہے نیز کسانوں کے لئے سستی کھاد مہیا ہوتی ہے۔

- ایک کسان مخلوط نسل کا بیل لے جا رہا ہے
- ڈیری کسانوں کے لئے معاون پیشہ ہے، اور ان کی عورتیں دودھ دوہنے کا کام انجام دیتی ہیں۔
- ایک عورت مخلوط نسل کی گائے کا دودھ دوہ رہی ہے جو بارہ لیٹر دودھ دیتی ہے۔
- 'بھیڑ بکری پالن' خصوصاً سوکھے علاقوں میں بے زمین کنبوں کے لئے سود مند پیشہ ہے۔ اس تصویر میں ایک ادیباسی عورت بھیڑوں کو چارہ کھلا رہی ہے۔

- اچھی اقسام کے بیج ادیباسیوں کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔
- ادیباسی عورت فصل کی کٹائی میں مصروف
- ایک ادیباسی کسان جو پھلوں کی قلم کاری میں ماہر ہے

- ایک سوکھے گاؤں کا کسان، پودوں کو پانی دے رہا ہے۔
- ایک کسان کی بیٹی اپنے چھوٹے سے لہلہاتے کھیت میں۔
- ادیباسی مزدور کنواں کھود رہے ہیں۔

معاون پیشے

'پیڈ' منصوبہ جات میں آبادی کے تین درجات پر خاص توجہ دی گئی ہے جو کمزور طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں: (۱) قبائل جنھیں بری طرح نظر انداز کیا گیا اور لوٹا کھسوٹا گیا (۲) سوکھے کے مارے علاقے کے لوگ جو ہمیشہ دوسر عناصر کے رحم و کرم پر رہتے ہیں (۳) معذور طبقات کے لوگ مثلاً اپاہج اور کوڑھی وغیرہ جن سے سوسائٹی بچتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ کیجئے)

اس میں شریک کار ہو جاتی ہے۔ روپیہ فنڈ پیداوار اور ترقی کی ساجی کے لئے ایک بڑا ذریعہ سرمایہ ہے لہٰذا ہر طرح سے اس کی اعانت کرنا چاہیئے۔

اسی کے ساتھ ایسی رضاکارانہ جماعتیں جو کمزور ترین طبقات کی خدمت کرتی ہیں کم ترین شرح سود کی سہولتیں پانے کی مستحق ہیں تاکہ انفرادی چھوٹے کسانوں اور بے زمین مزدوروں کو فائدہ پہنچ سکے۔

मेंढी पालन
विभाग
REARING

ایل۔ کے مٹانکر (اکنومکس ٹائمز)
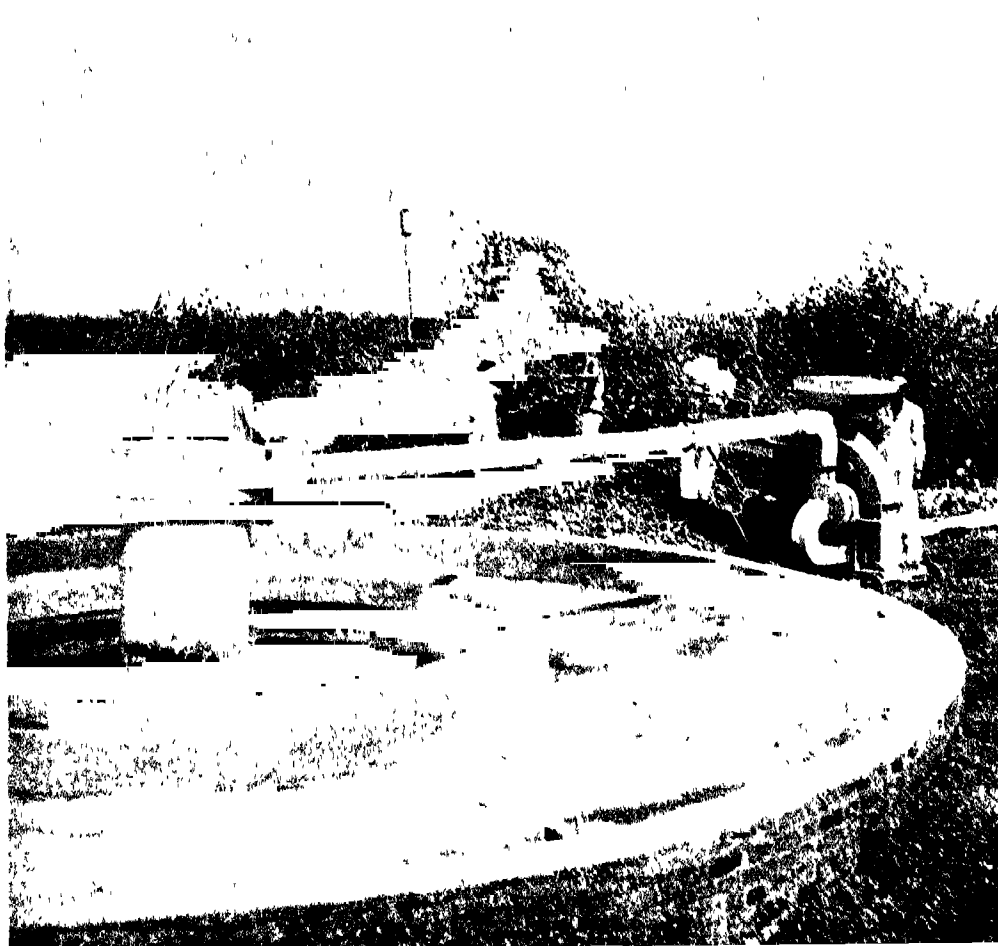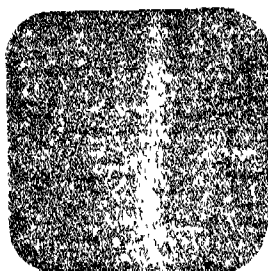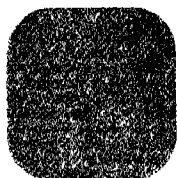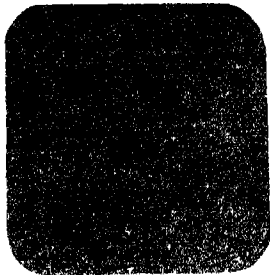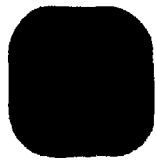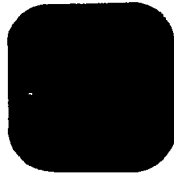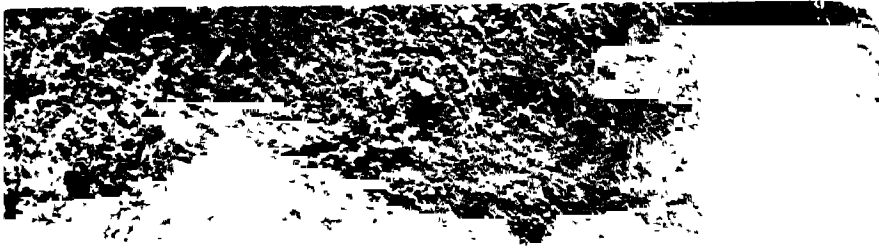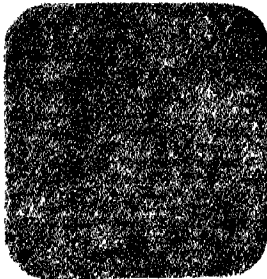
نایگاؤں پروجیکٹ

تکنیکی کاشتکاری سے خشک زمین سرسبز

پونے میں ہڈپسر کے قریب گرام گورو پرتشٹھان پروجیکٹ دراصل خشک زمین پر کاشتکاری کا تکنیکی مظاہرہ ہے۔ عوامی ترقیاتی اقدامات (مہاراشٹر) کی جانب سے ایک لاکھ روپے کی گرانقدر امداد سے ۱۹۷۷ء میں اس پروجیکٹ کا آغاز ہوا۔ یہ پروجیکٹ نایگاؤں کے کسان اور پرتشٹھان کے مینجنگ ٹرسٹی شری وی۔ بی سالونکے کی کاوشوں کا صلہ ہے۔

اس پروجیکٹ کی خوبی یہ ہے کہ یہ خشکی کے آثار رکھنے والے علاقے میں واقع ہے اس پرطرۂ امتیاز یہ کہ حکومت مہاراشٹر نے ریاست کے ہر ضلع میں نایگاؤں پروجیکٹ کے سطور پر فاضل آب اسکیم رائج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس اسکیم کو پائیلیٹ اسکیم کے طور پر شروع کیا جائے گا۔ جس کے تحت پانی کی حصولی کے لئے تمام ذرائع کو کام میں لاکر کسی ایک منتخب علاقے میں تقطیر آب ٹانکیاں، نالہ بندی وغیرہ جیسے کام منظم طریقے پر کئے جائیں گے۔ اسکیم مکمل ہونے پر اس پر عمل آوری کے لئے امداد باہمی سوسائیٹیاں بنائی جائیں گی۔

ریاست مہاراشٹر میں خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں اس اسکیم کے ذریعے پانی کی تقسیم میں کامیابی، گرام گورو پرتشٹھان پروجیکٹ واقع پونے، کے ذمہ داران کے لئے فخر کی بات ہے۔ سولہ ہیکٹر زمین پر اس پروجیکٹ کی آزمائش نہ صرف یہ کہ خشک زمین کو فاضل آب اسکیم کے ذریعے قابلِ کاشت بنانے کا تکنیکی مظاہرہ ہے بلکہ زراعت میں اضافہ کا ایک ممکن ذریعہ ہے۔ پروجیکٹ کی کاغذی تیاریاں پھولے کرشی ودیا پیٹھ نے کی ہیں۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۲۸ء۲ لاکھ روپیہ ہے۔ جس میں سے نصف لاگت پروجیکٹ کے ذمہ داران فراہم کریں گے۔ ریاست کے خشک علاقوں کے لئے فائدہ مند اس پروجیکٹ کو تمام ضروری امداد اور سہولتیں دینے کے لئے حکومت مہاراشٹر نے اولیت دی ہے۔

شری پی۔ آر گاندھی، چیف انجنیئر اور جوائنٹ سکریٹری، محکمۂ آبپاشی کے اندازے کے مطابق آب رسانی اسکیم پر فی دیہات ۱۵ سے ۲۵ لاکھ روپیہ خرچ آئیگا۔ ہو سکتا ہے ہر معاملے میں یہ اسکیم کارگر نہ ہو، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ فائدہ اور اخراجات کا تناسب قابلِ قبول ہے بشرطیکہ پانی کی تقسیم کاری ٹھیک طرح سے عمل میں آئے۔

ایسی ہی ایک اسکیم ایک ماہر انجنیئر شری وی۔ بی سالونکے نے خشکی کے آثار رکھنے والے ضلع پونے میں پورندر تعلقہ کے نایگاؤں میں شروع کر رکھی ہے۔ شری سالونکے کی ذاتی عطیات، لگن و محنت کے علاوہ نیدرلینڈ سے اور مشہور صنعتکاروں سے اس اسکیم کے لئے مالی امداد فراہم کی گئی۔ ۲۸۰ ہیکٹر زراعتی زمین پر آب رسانی کے مکمل انتظام کی تفصیل کے ساتھ نایگاؤں آب رسانی اسکیم پروجیکٹ کا خاکہ تیار کیا گیا۔ نایگاؤں میں آب رسانی کے لئے ۱۸ ایم سی۔ ایف۔ ٹی تقطیر آب ٹانکی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آبادی کے لحاظ سے نایگاؤں میں ۲۵۰ خاندان پر مشتمل ۱۵۰۰ افراد ۱۴۰ ہیکٹر زمین پر آباد ہیں۔ ۴۴۰ ہیکٹر زمین نجی زراعتی زمین ہے اور تقریباً ۱۰۰ ہیکٹر زراعتی زمین زیر بارش علاقوں میں شمار ہوتی ہے۔ ۱۹۷۵ء تک یہاں چھوٹے بڑے کنوؤں کی تعداد ۹۰ تھی اور ڈیزل انجن ۳۰ تھے۔ نایگاؤں کی مشرقی سمت ۵ ایم سی۔ ایف۔ ٹی کی ایک تقطیر آب ٹانکی موجود تھی۔

نائیگاؤں پروجیکٹ کے تحت مقامی مزدور ایک کھائی کھود رہے ہیں۔ اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ریاست کے خشک علاقوں میں آبی ذرائع کو ٹھیک کر کے پانی جمع کیا جائے اور تقسیم کیا جائے۔ دستیاب آبی ذرائع کا استعمال اس طرح کیا جاتا ہے جس سے کسانوں کو مساوی طور پر زیادہ سے زیادہ پانی پہنچے۔

پانی کے ذرائع : ریاست مہاراشٹر میں پانی مختلف ذریعوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایسے ذریعوں کی تعداد اندازاً ۱۶٫۱۰۰ ملین ایم ۳ ہے جس میں سے ۴۰ فیصد کوکن علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ ریاست کے آبپاشی کمیشن کے مطابق جس کا تقرر ۱۹۶۰ء میں ہوا تھا، مذکورہ بالا کل تعداد میں سے صرف ۶۰ فیصد ذرائع کو کام میں لاکر ریاست بھر کے ۲۶ فیصد قابل کاشت زمینوں کی آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ باقی ماندہ ۷۴ فیصد اراضی کو بارش کے رحم و کرم پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ پانی کے اگر تمام ذریعوں کو کام میں لایا جائے تب بھی ۶۱،۰۷ لاکھ ہیکٹر اراضی کی آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ جون ۱۹۷۷ء تک ۱۴٫۷۵ ہیکٹر زمین کو قابل کاشت بنایا جا سکا۔ مہاراشٹر میں صرف ۳۸٫۸ فیصد علاقے آبپاشی کے قابل ہیں۔ مزید ۲۷٫۸۶ لاکھ ہیکٹر زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے کم از کم ۳٫۵۰۰ یا ۴۰۰۰ کروڑ روپے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ریاستی آبپاشی کمیشن نے ۱۹۸۰ء تک پانی کے تمام ذرائع استعمال کرنے کی سفارش کی تھی لیکن مالی ذرائع میں کمی کے باعث اس پر عمل نہ ہو سکا۔

مہاراشٹر کے آبپاشی نقشہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ آبپاشی پروجیکٹوں کے نتیجہ میں قابل کاشت حصے متعلقہ علاقوں کے ایک خاص حصے میں واقع ہیں۔ مراٹھواڑہ میں یہ مرکزی حصہ کی سمت سے شروع ہوتے ہیں۔ ودربھا میں یہ مشرق کی سمت واقع ہیں۔ مغربی مہاراشٹر میں شمال مشرقی حصہ ان علاقوں پر مشتمل ہے۔ اور بمبئی میں یہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ کوکن کا ساحلی علاقہ ایسے علاقوں سے خالی ہے۔ مہاراشٹر میں آبپاشی اسکیم ۲۰ ویں صدی میں شروع ہوئی۔ اس اسکیم کو پہلے پہل ناشک، احمد نگر، پونے، ستارا اور سولاپور کے خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں آزمایا گیا اور اس مقصد کے لئے درنا، بھنڈار۔ دارا اور بھٹ گھر، بند تعمیر کئے گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان اسکیموں میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہیں جس کے نتیجہ میں چند علاقوں میں آبپاشی کے امکانات روشن ہوئے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ حاصل پانی سے، بلندی پر واقع خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں آب رسانی، پستی میں واقع علاقوں کی آب رسانی میں بغیر کسی رکاوٹ کے کیسے کی جائے؟

آبپاشی میں اصلاح : ایسی زمینوں پر جن سے کسی خاندان کو آمدنی کا ذریعہ حاصل ہے، ضروری ہے کہ آبپاشی کے ترقی یافتہ اقدامات آزمائے جائیں۔ نہروں یا کنوؤں کی تعمیر کا کام صرف ٹکنیکل ماہرین کے سپرد کیا جانا ٹھیک نہیں۔ درحقیقت یہ ایک سماجی اہمیت کی اسکیم ہے اس لئے خود حکومت کو یہ اختیار ملنا چاہئے کہ وہ اس سلسلے میں اپنے اقدامات طے کرے۔ چاہے آبپاشی کی نئی اسکیم ہو یا کسی پرانی اسکیم کا اعادہ ہو، دونوں صورتوں میں زراعتی، انجینئرنگ اور سماجی توازن برقرار رہنا چاہیئے۔ آبپاشی کی نئی اسکیم کے لئے ضروری ہے کہ شروع میں ہی آب رسانی کا مکمل انتظام کر لیا جانا چاہیئے کیونکہ اسکیم کے ابتدائی مرحلوں میں کسان اکثر آبپاشی کے طور طریقوں سے ناواقف رہتے ہیں۔

آب رسانی کے لئے اگر نہروں کی کھدائی کا انتظام کسانوں کے سپرد کیا جائے تو یہ دیکھا گیا ہے کہ ناقص کھدائی کے سبب آب رسانی اطمینان بخش نہیں ہوتی۔ بہتر ہوگا اگر مقامی سطح پر ایسا انتظام کیا جائے جس سے آب رسانی کے تمام کام مثلاً نہروں کی کھدائی، آب رسانی کا ٹھیک انتظام اور پانی کے ٹیکس کی بروقت ادائیگی کی دیکھ بھال ہو سکے۔ اس کام کے لئے مقامی لوگوں پر مشتمل ایک گروپ تیار کیا جانا چاہیئے۔

آب رسانی میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیر ضروری پانی کے استعمال پر پابندی عائد کرے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دے۔

خشکی کے آثار رکھنے والے علاقے : مہاراشٹر میں ۷۰ لاکھ ہیکٹر اراضی یا ۳۳ فیصد زمین خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں واقع ہے۔ اس اراضی پر ۱۵۸ لاکھ دیہی علاقے شامل ہیں یعنی ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے

مطابق ریاست کی ایک تہائی آبادی اس اراضی پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان دیہاتوں کی زمین قابل کاشت ہے بشرطیکہ ان علاقوں میں بارش مناسب مقدار میں ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان علاقوں میں بارش یا تو طویل وقفے سے ہوتی ہے یا پھر اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ سیلابی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ان علاقوں کے باشندوں کو اگر مسلسل نہیں تو ہر تیسرے سال قحط سالی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خشک سالی کے دوران ۸ ہیکٹر اراضی کا مالک کوئی کسان اپنے افراد خاندان کے ساتھ امدادی اسکیم کے تحت مزدوری کرتے ہوئے پایا جائے، یہ ایک عام بات ہے۔ نائیگاؤں اسکیم مذکورہ بالا صورت حال سے وابستہ علاقوں میں عمل آوری کے لئے پیش کی گئی ہے۔

پرتشٹھان آبپاشی اسکیم

نائیگاؤں کی گرام گورو پرتشٹھان کی ۱۶ ہیکٹر اراضی میں سے ۱۰٫۸ ہیکٹر اراضی فی الحال زیر آبپاشی ہے۔ دو دو ہیکٹر زمین جنگلاتی پیداوار اور کھاد کی تیاری کے لئے وقف ہے۔ باقی ماندہ زمین میں خریف کی فصلیں جوار، سویابین، باجرہ، مونگ پھلی اور جوٹ بویا جاتا ہے اور ربیع فصل کے دوران جوار، گیہوں اور چنے کی کاشت کی جاتی ہے۔ کچھ اراضی پر گرمی کے موسم میں کپاس بھی اُگائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دودھ دینے والے جانوروں کی پرورش اور ایک گوبر گیس پلانٹ بھی پرتشٹھان اسکیم میں شامل ہیں۔

مذکورہ اسکیم کے تحت آبپاشی کے طریقۂ کار کے اُمید افزا نتائج سامنے آئے۔ لہٰذا خشکی کے آثار رکھنے والے دوسرے علاقوں میں بھی اس اسکیم کی توسیع ضروری سمجھی گئی۔ اس طرح اپریل ۱۹۷۸ء میں ماہوڈی اور اکتوبر ۱۹۷۸ء میں کوٹھالے دیہاتوں میں آبپاشی اسکیمیں جاری کی گئیں۔ اسی ماہ میں مہاسوبا آبپاشی اسکیم نائیگاؤں کے لئے شروع کی گئی۔ ماہوڈی اسکیم کیلئے پرتشٹھان نے ایک لاکھ روپیہ فراہم کیا۔ مزید دو لاکھ روپیہ درکار سرمایہ میں سے قرض کے طور پر بینک آف مہاراشٹر نے ۱٫۸۰ لاکھ روپیہ عطا کیا۔ جس میں سے ۲۰٫۰۰۰ روپیوں کے فراہمی کی ذمہ داری ۱۲۰ خاندانوں کے درمیان تقسیم کی گئی۔ مہاسوبا آبپاشی اسکیم کے لئے درکار ۱٫۲۰ لاکھ روپے کی رقم میں سے بینک آف مہاراشٹر نے ۱٫۱۰ لاکھ روپے ۳۲ کسانوں میں تقسیم کے لئے منظور کئے۔ باقی ماندہ رقم کی فراہمی کسانوں کے سپرد کی گئی۔

بنیادی مقصد ـ سماجی و معاشی بہتری

نائیگاؤں اسکیم کا بنیادی مقصد خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں واقع دیہاتوں میں ذخیرۂ آب، پانی کی تقسیم اور آب رسانی کا مکمل انتظام کرنا ہے تاکہ دیہی آبادی کی سماجی و معاشی

ذرائع کا صحیح استعمال

۵۶ سالہ شری لکشمن گنپتی ہولے، ساکن نائیگاؤں ۸٫۸ ہیکٹر قابل کاشت اراضی کا مالک ہے اس کے باوجود وہ اور اس کے تین جوان بیٹے حکومت کے زیر نگرانی رفاہ عامہ کاموں میں مزدوری کرتے ہیں تاکہ اپنی سالانہ آمدنی ۲٫۲۰۰ روپے بنا سکیں۔ لکشمن اور اس کے بیٹے مل کر سالانہ ایک ہزار روپیہ کماتے ہیں۔ لکشمن کے کاشتکاری کے طریقے فرسودہ ہیں، کیونکہ بارش کی کمی کی وجہ سے وہ اپنی زمین میں زیادہ فصل کی امید نہیں رکھتا۔ وہ اپنی زمین میں مختلف موسموں میں جوار، کردی، باجرہ اور چنے کی کاشت کرتا ہے اور اس فصل سے سالانہ ۲٫۲۰۰ روپے کی آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں لینڈ ڈیولپمنٹ بنک کی جانب سے ۴۰۰۰ روپے بطور مالی امداد حاصل کر کے لکشمن نے اپنے کھیت میں ایک کنواں تعمیر کیا۔ اتنی خطیر رقم صرف کرنے کے بعد بھی کنوئیں میں ایک بھی قطرہ پانی جمع نہ ہو سکا جبکہ اسے کھیتی کی آمدنی میں سے قرض کی رقم سالانہ ۶۲۳ روپے قسطوار باقاعدہ ادا کرنا ہوتا تھا۔

شری وٹھوبا سادھو شیند اگے، عمر ۷۰ سال بھی ایک کسان ہے جو ۱۱٫۶ ہیکٹر اراضی کا مالک ہے۔ اس کے ۵ بالغ بیٹے ہیں اور وہ سب مل کر ۲۱ افراد خاندان کی کفالت کرتے ہیں۔ کھیتی سے انھیں سالانہ ۳۰۰۰ روپے کی آمدنی حاصل ہوتی ہے اور اس میں اضافے کی غرض سے وہ اپنے بیٹوں سے روزگار کرواتا ہے۔ پانی کی قلت کے باعث اُسے بالکل بھروسہ نہیں کہ اپنی زمین میں کسی قسم کی اصلاح سے کوئی فائدہ پہنچ سکے گا۔

شری باپو سوپانا تھوال ۳۵ سالہ ایک جوان کاشتکار ہے جو ۱٫۶ ہیکٹر اراضی کا مالک ہے اور چار افراد خاندان کی کفالت کرتا ہے۔ کاشتکاری سے اُسے ۴۰۰ روپے سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ اور وہ ساسواڑ شہر میں واقع ایک فیکٹری میں ملازمت بھی کرتا ہے جس سے اُسے ۱۸۰۰ روپے سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے روزی کی جدوجہد میں مصروف مذکورہ بالا تینوں کسانوں کی زندگی بالکل وہی عکس پیش کرتی ہے جو خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں کسی بھی زراعت پیشہ فرد کی ہو سکتی ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشی بہتری کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ جو بھی ذرائع دستیاب ہوں انھیں کام میں لایا جائے۔ اگر مذکورہ بالا حقائق کو سامنے رکھا جائے تو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ذرائع کا بے حد قلیل استعمال کیا گیا۔ خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں کاشتکاری اور مزدوری زیادہ تر دستیاب ذرائع ہیں، لیکن جیسا کہ ریزرو بنک آف انڈیا نے سمجھایا ہے، ان ذرائع میں مزید استحکام کی غرض سے آب رسانی، انتظامی مہارت، ترقی یافتہ طریقۂ کاشت اور قرض وغیرہ جیسے ذرائع بھی اپنانا نہایت ضروری ہیں۔

حالت بہتر ہو سکے۔ اس اسکیم پر عمل آوری کے لئے مندرجہ ذیل نقطوں پر غور کیا جاتا ہے:

(۱) خشک علاقے کی ترقی کے لئے دستیاب بارش کے پانی کو کس طرح استعمال کیا جائے؟

(۲) کسانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کے لئے پانی کا استعمال کیسا ہو؟

(۳) کسانوں میں پھیلی ہوئی مایوسی کیسے دور کی جائے تاکہ وہ ترقی کے اقدامات میں تعاون کر سکیں۔

(۴) اس پروگرام میں سرکاری انتظامیہ اور سیاسی پارٹیوں کا کیا تعاون ہونا چاہیئے؟

(۵) پروجیکٹ کے لئے درکار سرمایہ کیسے فراہم کیا جائے؟ وغیرہ وغیرہ

نائیگاؤں اسکیم کے تجربے سے یہ بات بھی واضح ہوئی ہے کہ اس اسکیم کے نتیجہ میں مقامی کسان پیشہ افراد کو ان کے ہی دیہاتوں میں روزگار کے مواقع حاصل ہو سکیں گے۔ مہاراشٹر کے خشک علاقوں میں اناج کی پیداوار اوسطاً ۳۰۰ کلوگرام فی ایکڑ ہے۔ اگر مذکورہ بالا انتظام کے تحت پانی کا استعمال کیا گیا تو اناج کی پیداوار ۵۰۰ کلوگرام فی ایکڑ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ نائیگاؤں اسکیم کے لئے ضروری چیزوں مثلاً تقطیر آب ٹانکیوں کی تعمیر، نالہ بندی، ڈھلوان سطح پر احاطہ بندی وغیرہ جیسے کام کے لئے سرمایہ کا جہاں تک تعلق ہے مہاراشٹر کے ۱۲ اضلاع کے ۸۷ تعلقوں میں واقع ... خشکی کے آثار رکھنے والے دیہاتوں میں آبپاشی کے انتظام کے لئے فی دیہات ۲۰ لاکھ روپیہ درکار ہوگا۔

آبپاشی اسکیم کے لئے سرمایہ خاص چھوٹے اور اوسط درجہ کے کسانوں کے تعاون سے حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اس کام کے لئے حکومت بھی اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے اور ہر ممکن اعانت کرتی ہے۔ اسی لئے خشکی سے متاثرہ ان تمام علاقوں میں مذکورہ اسکیم کا اطلاق کیا جا سکتا ہے جہاں چھوٹے اور میانہ درجے کے کسانوں کو ضروری سہولتیں حاصل ہیں۔

حکومت ہند کے حکمنامہ بابت مارچ ۱۹۷۷ء کے مطابق ساڑھے تین ہیکٹر اراضی کے مالک کسان کو چھوٹا کسان اور ۵ ہیکٹر اراضی کے مالک کسان کو اوسط درجہ کا کسان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن نائیگاؤں جیسے چند دیہاتوں میں جہاں کسان کہیں زیادہ زمینوں کے مالک ہیں اس حکمنامہ کی تعریف میں آنے کے باوجود انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ آبپاشی کی سہولت نہ ہونے کی بنا پر ان کی آمدنی نہایت ہی قلیل ہے۔ اس ضمن میں ایگریکلچرل ری فائنانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن (اے آر ڈی سی) نے چھوٹے کسانوں کی بابت جو نظریہ قائم کیا ہے وہ نہایت مناسب اور حقیقی ہے۔ کارپوریشن کے مطابق ہر وہ زراعت پیشہ کسان جس کی سالانہ آمدنی ۱۹۷۲ء کی قیمتوں کی بنا پر ۲۰۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے، چھوٹا کسان سمجھا جائے گا۔ چھوٹے کسان کی بابت اگر کارپوریشن کا نظریہ اپنایا جائے تو مذکورہ اسکیم کے تحت آبپاشی پر ہونے والے ضروری مصارف کا بوجھ کم ہو سکتا ہے۔

نائیگاؤں اسکیم کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد شری بی۔ آر۔ چودھری، ممبر آف فیکلٹی، کالج آف ایگریکلچرل بنکنگ، ریزرو بنک آف انڈیا، پونے، نے بڑے مفید نتائج اخذ کئے ہیں۔ آپ کے مطابق یہ اسکیم ہر اس دیہات کے لئے مفید ہے جہاں مقصد فصلی پیداوار میں اضافے کے ساتھ روزگار کے مواقع فراہم کرنا بھی ہے۔ اس اسکیم کی کامیابی کا دارومدار بڑی حد تک کسانوں، سماجی اور سرکاری اداروں، قرضہ فراہم کرنے والی ایجنسیوں اور سب سے بڑھ کر سماجی خدمتگاروں کے مابین مناسب تعاون پر ہے۔ ذرائع اور مواقع دونوں کافی ہیں، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان دونوں کو اس ڈھنگ سے جوڑا جائے کہ خشکی سے متاثرہ علاقے فیضیاب ہو سکیں۔

مثالی اقدامات: نائیگاؤں تجربے کو مناسب ردوبدل کے ساتھ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ملک کے تمام خشکی کے آثار رکھنے والے علاقوں میں دہرایا جا سکتا ہے۔ ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت اس کام میں مالی اعانت دینے کی کوشش کرتی ہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں، کیونکہ خشک علاقوں میں ضمانت روزگار اسکیم جیسی اسکیموں کے لئے کافی رقم فراہم کی جاتی ہے۔ حکومت مہاراشٹر نے مذکورہ بالا دو اسکیموں کے لئے ۵۰ کروڑ روپیہ وقف کر رکھا ہے۔ بہرحال ایسی اسکیموں پر عمل آوری سے پیشتر کئی ایک ترمیمات ضروری ہیں۔ آر بی آئی، پونے نے اس مقصد کے لئے رہنمایانہ اصول قائم کئے ہیں۔

یوتھ فورم

'یوتھ فورم' کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی، معاشی بہ نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرہواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سری رام تریکانند
ایڈیٹر "فری پریس بلیٹن" بمبئی

راجہ جی

ہندوستانی سیاست کے معمر ترین رہبر

تاریخ اقوام میں ایسے خوش نصیب کم گذرے ہیں جنھیں ایک وقت شہرت حاصل ہوئی ہو یا قومی جدوجہد کے میدان میں آخر کار کسی بلند رتبے سے سرفراز ہوئے ہوں ۔ کچھ دوسرے بھی ہیں جو ویسے ہی باعظمت تھے جنھوں نے اپنا منتخب فرض پسِ پردہ رہ کر انجام دیا اور شہرت کو پسند نہیں فرمایا، وسیع القلب لوگ جنھوں نے قوم کو مضبوط و محفوظ بنانے کے لئے، کندرا جیسے غیر معتبر کاہنوں یا نجومیوں کے مثل عبا قبا زیب تن کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ۔ شری راجگوپال اچاری، جنھیں عوام و خواص "راجہ جی" کے پیارے نام سے پکارتے رہے ہیں، گاندھی جی کے تقریباً ہم عمر تھے لیکن انھوں نے گاندھی جی کا زمانہ اور پھر ان کے بعد پنڈت نہرو کا زمانہ بھی پایا ۔ وہ ان اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہوئے جن سے قوم انھیں نواز سکتی تھی لیکن ان کے نزدیک یہ مناصب کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے کیونکہ انھوں نے جمہوریت کے چراغ کو روشن رکھنے کے لئے سیاست کے بیابان کی راہ لی اور ایک نئی سیاسی جماعت کی بنا ڈالی ۔ جس کے ذریعے انھوں نے جنگِ آزادی کے اپنے بعض ساتھیوں کے خلاف آواز اٹھائی ۔

راجہ جی کی عظمت کے کئی پہلو ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ پُرکشش رُوپ یہ تھا کہ وہ ایک سچے گاندھی وادی تھے ۔ سو فیصد گاندھی وادی ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آقا کے احکامات پر دوسروں سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر عمل کیا، اور اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف طبیعت میں ذرا بھی کدورت نہیں آنے دی حتیٰ کہ ایسے لوگوں کے خلاف بھی جنھوں نے اُن پر کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی ۔

آنے والی نسلیں جب ۲۰ ویں صدی کی تاریخ کی جمع و تدوین کرنے لگیں گی تو وہ بے داغ سفید کُرتا، ایک دھوتی اور کالی عینک والے اس ضعیف و ناتواں شخص کو یقیناً ایک خاص مقام دیں گی جو از اوّل تا آخر ایک معمارِ قوم تھا اور اعلیٰ ترین مرتبہ رکھنے والا سیاستداں بھی ۔

راجہ جی کے ایک مدّاح نے، ان کی سو سالہ تقریب کے ضمن میں نہایت پُر درد و پُر اثر انداز میں فرمایا: "سچ مچ وہ 'انجینیا' تھے ۔ نڈر، نہ مرنے والا راست باز سپاہی ۔ 'بھیشم' تھے ۔ قدیم رزمیہ داستانوں کے بُزرگوں میں سے ایک ۔ 'سقراط' تھے ۔ یعنی ایک لافانی فیلسوف ۔۔۔ مجموعی طور پر ان سب کی قوت دل اور دماغ رکھنے والا ایک واحد فرد ۔ انجنیا کی طرح یہ بھی لافزن نہیں تھے ۔ عظیم الشان کارنامے انجام دینے کے باوجود فخر و مباہات سے دور ۔ خاکساروں کے خاکسار ایک بے مثل بھگت اور اوّل درجے کے تیز فہم ۔ بھیشم کی طرح ان میں نفس کشی اور دستبرداری کی اعلیٰ ترین صفتیں تھیں ۔ اور ساتھ ہی بیباک حوصلہ مندی اور عزم بالجزم بھی ۔ سقراط کی طرح انھوں نے منافقت کو بغیر پس و پیش کے ٹھوکر مار دی اور قوانین اخلاق پر چٹان کی مانند جمے رہے ۔ وہ ایک بلند پایہ محبِ وطن تھے، سادگی، بلند خیالات اور اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے ۔ اس لئے انھیں " ہندوستانی سیاست کا معمر ترین رہبر (نسطور) کہنا بالکل بجا ہے ۔

تین مرحلے : راجہ جی نے جدید ہندوستان کی تعمیر تین مرحلوں میں پوری کی ان کوششوں میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا ۔ اوّلاً آزادی کی جدوجہد میں ایک رہنمائی حیثیت سے انھوں نے گاندھی جی کے ساتھ جیل کی صعوبتیں برداشت کیں ۔ دوم ایک ریاست کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے جبکہ انھوں نے

بقایا ص ۳۲ پر

راجہ جی کی صد سالہ سالگرہ (۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء سے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء) ملک بھر میں منائی جارہی ہے اس موقع پر خاص مضمون شامل اشاعت ہے۔

کھاد تیار کرنے کی نئی مشین

ری اِن فورسٹ آرگینک مینور (آر او ایم) یعنی مقوی کیمیائی کھاد مشین ایک ایسی مشین ہے جو کچرے وغیرہ کو کھاد میں بہت تیزی سے تبدیل کرتی ہے۔ یہ مشین موجودہ رفتار سے اگنا زیادہ تیزی سے کھاد تیار کرتی ہے۔ ایسی حیرت انگیز مشین ایک دن میں نہیں بنی بلکہ اس کی تیاری میں شری شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی، امراوتی کے طلبہ اور پروفیسر صاحبان نے بھی دن رات محنت کی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ان ہی کی محنت کے صلہ میں کسانوں اور بیروزگار تعلیمیافتہ نوجوانوں کو ایک فائدہ مند ذریعہ حاصل ہوا ہے۔

ایک ورکر نئی "روم" مشین میں کچرا ڈال رہا ہے

ری ان فورسٹ آرگینک مینور (آر۔ او۔ ایم) مشین ہمارے ملک کی پہلی مشین ہے جو کچرے کو موجودہ رفتار سے دس گنا زیادہ تیزی سے کھاد میں تبدیل کرتی ہے۔ 'پیڈ' نے شری شیواجی کالج آف ایگریکلچر، امراوتی کو ۱۰۰,۰۰۰ روپیہ کی امداد دے کر اس مشین کی تیاری میں حصہ لیا۔

یہ مشین سب سے پہلے ناکارہ پیڑ پودے مثلاً گوکھرو، گجر اور جنگلی گھاس وغیرہ اکھاڑ پھینکتی ہے اور پھر انھیں کچل دیتی ہے۔ اگر کچھ کسر

شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، "پیڈ" (مہاراشٹر) کی جانب سے منظور کردہ امداد کے لئے چیک، شری گھورپالکر، صدر شری شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی، امراوتی کو پیش کر رہے ہیں۔

آر۔ او۔ ایم کے فوائد

* کوئی بھی ناکارہ پیڑ پودا کیمیائی کھاد بنانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے
* مشین میں جانے کے بعد پودے کے اصل عناصر این۔ پی۔ کے قائم رہتے ہیں بلکہ اور مقوی بنتے ہیں۔
* ربیع اور خریف فصلوں کے بچے کچے حصوں سے بھی اسی موسم کے دوران ہی کھاد تیار کی جا سکتی ہے، اور ان سے ربیع اور خریف فصلیں اگائی جا سکتی ہیں۔
* مویشی اور انسانی پیشاب سے تحلیلی کاموں میں مشین کے ذریعہ تیزی پیدا کی جا سکتی ہے۔
* آر۔ او۔ ایم مٹی کی عملی وطبعی طاقت میں اضافہ کرتی ہے۔
* یہ مقوی کھاد مٹی کی نمی جذب کرنے اور اسے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کی قوت بڑھاتی ہے۔
* زمینی مائیکرو آرگنیزم کی زندگی بحال رکھنے اور ان کی قوت بڑھانے میں آر۔ او۔ ایم مدد دیتی ہے۔
* آر۔ او۔ ایم گوبر کھاد کا ایک بہترین متبادل فراہم کرتی ہے۔
* آر۔ او۔ ایم کوئی بھی بنا سکتا ہے۔
* آر۔ او۔ ایم تعلیمیافتہ بیروزگار افراد کو ایک قلیل سرمایہ کے بدلے ایک منافع بخش کاروبار فراہم کرتی ہے۔
* آر۔ او۔ ایم بے زمین مزدوروں کو روزگار بخشتی ہے۔

رہ جاتی ہے تو کھاد کی گرمی انھیں ختم کر دیتی ہے۔ کھوڑ کیڑے، شناسی وغیرہ جراثیم مکمل طور سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

فصل اپنے ابتدائی مرحلوں میں مٹی کے معدنی اجزاء جذب کرنے کی قوت نہیں رکھتی۔ اگر کھاد میں زیادہ کیمیائی اجزاء ملائے جائیں تو بھی فصل کے ایک بڑے حصے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مقوی کیمیادی کھاد کی یہ ایک بڑی خصوصیت ہے کہ یہ ٹھیک وقت پر معدنی اجزاء فراہم کرتی ہے۔

مقوی کیمیائی کھاد مٹی کی خاصیت اور زرخیزی میں اضافہ کرنے کی بھی قوت رکھتی ہے۔ مٹی میں اگر نمی زیادہ ہو اور زیادہ عرصہ تک قائم رہے تو فصل بڑی تیزی سے اُگتی ہے۔ آر۔او۔ ایم مشین کی رفتار ۵۰۰، ۳ چکر فی منٹ ہے اور اسے ایک الیکٹرک موٹر سے چلایا جاتا ہے۔

مذکورہ کالج نے ۵ ہارس پاور کی ایک چھوٹی الیکٹرک موٹر بھی تیار رکھی ہے جو باآسانی کہیں بھی لے جا سکتی ہے۔ کسان اس مشین کو جہاں بھی بجلی حاصل ہے باآسانی کہیں بھی لے جا سکتے ہیں۔ اس طرح ان کا کچھ وقت بھی بچ جاتا ہے جو پروسس پلانٹ تک کچرا لے جانے میں صرف ہوتا یہ مشین بیروزگار تعلیم یافتہ افراد کے لئے خود روزگاری کا ایک ذریعہ ہے۔ ایسے افراد اس مشین سے کھاد تیار کر کے کسانوں کو فروخت کر سکتے ہیں۔

آر۔او۔ایم مشین کی ایجاد پر وزیر اعلیٰ نے مذکورہ کالج اور کالج کے پرنسپل صاحب کی کوششوں کو سراہا ہے۔ صدر ہند نے بھی ۱۹ر نومبر ۱۹۷۸ء کو امراوتی کے دورے کے دوران اس مشین کے عملی کام کا مشاہدہ کیا تھا۔

صفحہ ۲۵ سے آگے

ایک اچھے حاکم کی حیثیت سے بہت کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔

راجہ جی اور جواہر لال نہرو میں بہت قریبی تعلقات تھے۔ یہ دونوں رہنما بہت دور اندیش اور اعلیٰ اصولوں کے پابند تھے۔ دونوں رہنماؤں میں اخلاقی طاقت بہت زیادہ تھی۔

سوئم اور سب سے اہم مرحلہ وہ تھا جبکہ راجہ جی نے یہ محسوس کیا کہ بنیادی حقوق اور آزادئ تقریر جس کے لئے کہ ملک کے عوام اور کانگریس نے ہمیشہ جنگ کی تھی، رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے ہیں تو وہ میدانِ عمل میں کود پڑے۔ مضبوط کانگریس پارٹی اور پنڈت نہرو کو چیلنج کرتے ہوئے انھوں نے سوتنترا پارٹی کی بنیاد ڈالی تاکہ حکمراں جماعت کی مطلق العنانیت کو ختم کیا جا سکے۔ راجہ جی اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ یہ کام بہت کٹھن ہے۔ لیکن انھوں نے جمہوریت کے اصولوں کو بلند کرنے کے لئے یہ بیڑہ بھی اُٹھا لیا تھا۔

وہ اس بات سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے کہ ان کی قائم کردہ پارٹی کسی بھی حال میں برسر اقتدار نہیں آ سکتی۔ لیکن اب یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس وقت سوتنترا پارٹی کی بنیاد ڈال کر راجہ جی نے 'جنتا' پارٹی کے جنم کے لئے راہیں ہموار کر دی تھیں۔

گاندھی جی، جواہر لال نہرو کو اپنا روحانی اور سیاسی وارث سمجھتے تھے لیکن راجہ جی ان کی نظر میں ضمیر کو بیدار رکھنے والے شخص کی حیثیت رکھتے تھے۔

راجہ جی نے سیاست کے علاوہ دوسرے میدانوں میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ انھوں نے رامائن اور مہا بھارت پر بھی بہت کام کیا ہے۔ انھوں نے سریمد بھگوت گیتا اور اپنشد پر بھی بہت کچھ حاشیہ نویسی کی ہے۔ ان کاموں کی وجہ سے راجہ جی کی شخصیت لوگوں کی نظر میں اور بھی زیادہ محبوب ہو گئی۔ وہ اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ خدا کے نزدیک کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں ہے۔

راجہ جی کی تقریریں، سر ونسٹن چرچل کی طرح بڑی پُر اثر تھیں۔ راجہ جی کی عمر جب اسّی سال تھی تو انھوں نے امریکہ کا بحری سفر کیا اور جے۔ ایف کینڈی، صدر امریکہ سے درخواست کی کہ وہ ایٹمی تجربوں اور دھماکوں کو بند کر دیں۔ ملک میں راجہ جی کسی سرکاری عہدہ پر فائز نہیں تھے، پھر بھی دنیا کے سب سے طاقتور ملک کے صدر نے ان کی باتوں کو ایک گھنٹہ تک سُنا اور ان کی اسی طرح تواضع کی جس طرح کہ کسی ملک کے صدر یا وزیر اعظم کی کی جاتی ہے۔

(ترجمہ۔ عبداللہ)

وقت کی آواز

جرار چھولسی

تفریق مذاہب کو مٹاؤ تو ہے اچھا
انساں کی عظمت کو بڑھاؤ تو ہے اچھا

پسماندگی کو اپنی مٹاؤ تو ہے اچھا
اس وقت سے کچھ فیض اٹھاؤ تو ہے اچھا

اب شکوۂ کوتاہیٔ تقدیر کہاں تک
غفلت کی درازی کو مٹاؤ تو ہے اچھا

یہ وقت تمھیں پھر کبھی ہاتھ آ نہ سکے گا
اے اہلِ وطن ہوش میں آؤ تو ہے اچھا

اب کرنا ہے کیا کیا تمھیں سوچو تو خدارا !
جو ہو چکا وہ بھول بھی جاؤ تو ہے اچھا

نفرت کے کدورت کے محلوں کو اجاڑو
اب شہرِ محبت کو بساؤ تو ہے اچھا

مل جل کے بڑھو ہاتھ حکومت کا بٹاؤ
کام اپنے وطن کے اگر آؤ تو ہے اچھا

تقدیر کو الزام نہ دو ہوش میں آؤ
تدبیر کو مضبوط بناؤ تو ہے اچھا

یہ خود غرضی تم کو کہیں پھونک نہ ڈالے
بھڑکے ہوئے شعلوں کو بجھاؤ تو ہے اچھا

تم صبح کے بھولے ہوئے پھرتے ہو وطن میں
گھر لوٹ کے تا شام جو آؤ تو ہے اچھا

فرق اپنے پرائے کا مٹا ڈالو عمل سے
ہر ایک کو سینے سے لگاؤ تو ہے اچھا

اس وقت ضرورت ہے بہت یک جہتی کی
آپس میں تعاون جو بڑھاؤ تو ہے اچھا

لو تیز کرو مشعلِ ادراک و یقیں کی
اوہام کی ظلمت کو مٹاؤ تو ہے اچھا

کچھ بھی نہیں اک پیڑ ہی آنگن میں لگا دو
یاد اپنی کوئی چھوڑ کے جاؤ تو ہے اچھا

زردار کو مزدور کے دامن کی ہوا دو !
زردار کو اب ہوش میں لاؤ تو ہے اچھا

پہلو میں امیروں کے غریبوں کو بٹھا دو
پستی و بلندی کو مٹاؤ تو ہے اچھا

ٹکراؤ تو ناداری و افلاس سے ٹکراؤ
خوشحالی کو سینے سے لگاؤ تو ہے اچھا

جرار غریبی کی جڑیں کھود کے پھینکو
محنت کو شعار اپنا بناؤ تو ہے اچھا

• محمد غلام رسول اشرف

تکیہ معصوم شاہ، مومن پورہ، ناگپور

★

دیوار و در کا رنگ تو اُڑتا ہوا لگا !
پھر بھی وہ اک مکان مجھے خوشنما لگا

بس اک خیال ذہن میں چبھتا ہے آج بھی
وہ کون تھا جو بھیڑ میں سب سے جُدا لگا

لوگوں سے تنگ آکے ہی اُس نے گنوائی جان
لیکن تماش بینوں کو یہ حادثہ لگا

پہچانتا بھی کیسے کوئی مجھ کو شہر میں
ہر فرد اپنی ذات سے ناآشنا لگا

اُس نے تو ایک بار ہی انگڑائی لی مگر
سو بار مجھ کو اپنا بدن ٹوٹتا لگا !

اس بات پر تو آج بھی حیراں ہیں ناخدا
طوفان میں بھی کیسے میں ساحل سے جا لگا

اللہ رے مزاجِ زمانہ کہ دوستو
اشرفؔ نے سچ کہا تو سبھی کو بُرا لگا

★★★

شبیر آصف

۴۱۸۔ نیاپورہ، مالیگاؤں (ناشک)

★

اپنا وجود خول سے باہر نکال کر
ہم مطمئن ہیں خود کو مصیبت میں ڈال کر

بے چہرگی کا بوجھ کہاں تک اُٹھاؤ گے
بہتر ہے رکھئے جسم پہ سر کو سنبھال کر

اِک مشورہ ہے شہرِ نگاراں کے باسیو!
خود سے بھی مل لیا کرو فرصت نکال کر

ٹکرا نہ جائے آپ سے خود ہی کوئی چٹان
دریا عبور کیجئے بہت دیکھ بھال کر

بھرتے نہیں ہیں دوستو! گھاؤ زبان کے
لوگوں سے بات کیجئے لہجہ سنبھال کر

کرتا ہے تو بھی کاٹ کسر ناپ تول میں
اپنی پرانی ساکھ کا کچھ تو خیال کر

آصفؔ کو موتیوں کی ذرا بھی پرکھ نہیں
کنکر سمیٹ لایا ہے دریا کھنگال کر

★★★

م۔ ن سروش یزدانی

لونار۔ ضلع بلڈانہ

بلندی پہ بھی پستی کا گماں ہوگا تو کیا ہوگا
جسے تم دھوپ سمجھے ہو دھواں ہوگا تو کیا ہوگا

تکلم کی سُبک تابی گراں ہے فہمِ انساں پر
خموشی جب مرا طرزِ بیاں ہوگا تو کیا ہوگا

بائیں ظلم و ستم میرا تبسم ریز ہو جانا
مذاقِ جورِ دوراں پہ گراں ہوگا تو کیا ہوگا

نوازش ہائے گلچیں سے بچا کر برقِ سوزاں سے
شبابِ فصلِ گل نذرِ خزاں ہوگا تو کیا ہوگا

اُجالوں کا یہ عالم ہے! اندھیروں کے تصرف میں
نظامِ عرصۂ کون و مکاں۔ ہوگا تو کیا ہوگا

اگر مصرف بہاروں کا حدِ رنگ و نکہت میں
بعنوانِ متاعِ رائیگاں ہوگا تو کیا ہوگا

سروشؔ اب تک نظامِ نو رہینِ شورِ ماتم ہے
ہمارا حُسنِ ظن وہم و گماں ہوگا تو کیا ہوگا

★★★

ریاض احمد خاں

"لہو پکارتا ہے"

کتابیں وہی اچھی ہوتی ہیں جو قارئین کو براہِ راست مخاطب کر سکیں۔ "پیشِ لفظ"، "عرضِ ناشر" یا پھر "تعارف" سے قارئین کو کچھ خاص دلچسپی ہی نہیں ہوتی۔ کتاب ہاتھ میں لیتے ہی وہ تو شاعر یا مصنّف کے خیالات جاننے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اکثر قارئین انھیں رسمی چیزیں سمجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے اصل مقصد کی طرف بڑھ جاتے ہیں۔

"لہو پکارتا ہے" سردار جعفری کی نظموں کا مجموعہ ہے جو ان تمام رسمی ابواب سے پاک ہوتے ہوئے براہ راست قارئین سے مخاطب ہوتا ہے۔ یہ ایک اچھی پہل ہے اور اس کی اُمید رکھنا کہ یہی ایک رسم بن جائے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ، نئی دِلی نے اس مجموعہ کی اشاعت پر کافی توجہ دی جس کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے آیا۔ بڑی خوبصورت اور سُبک سی کتاب، عمدہ اور سفید کاغذ، خوشنما کتابت اور لبرٹی آرٹ پریس کی عرق ریزی نے اس مجموعے کو ۱۱۶ صفحات پر دلآویز طریقے پر سجانے میں بڑی محنت کی ہے۔ مجموعے کی قیمت ۱۵ روپے ہے جو مناسب معلوم ہوتی ہے۔

سردار جعفری کا حرفِ اوّل ؎

دستورِ حکومت کے بنتے ہیں بگڑتے ہیں
شاعر کا مگر نغمہ ہے نغمۂ لافانی
اس نغمے سے روشن ہے مستقبلِ انسانی
اس نغمے میں پنہاں ہے، جمہور کی سُلطانی

یہ قطعہ شاعر کے نغمے کی عظمت بیان کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یوں تو شاعر اور ادب کے قلم نے تاریخ کے کئی اہم انقلابات برپا کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے لیکن آج کے جمہوری دور میں اہلِ قلم کی ذمّہ داری کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ اس لئے سردار جعفری کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ "اس نغمے میں پنہاں ہے جمہور کی سُلطانی"۔

پہلی نظم ہے "لہو پکارتا ہے" جو کہ اس مجموعے کا عنوان بھی ہے۔ اس نظم میں ولولہ اور جوش کے ساتھ ساتھ اندازِ بیان کا حُسن بھی ہے۔ نظم اتنی روانی سے لیکن گرجتے اور برستے ہوئے بڑھتی ہے کہ قارئین خود بھی اس میں اپنے آپ کو بہتا ہوا محسوس کرتے ہیں ؎

مگر لہو تو ہے بیباک و سرکش و چالاک
یہ شعلہ مے کے پیالے میں جاگ اُٹھتا ہے
لباسِ اطلس و دیبا میں سر سراتا ہے
یہ دامنوں کو پکڑتا ہے شاہراہوں میں
کھڑا ہوا نظر آتا ہے دادگاہوں میں

ہند۔ پاک دوستی کے نام "گفتگو" ہے ؎

گفتگو بند نہ ہو
بات سے بات چلے
صبح تک شامِ ملاقات چلے
ہم پہ ہنستی ہوئی یہ تاروں بھری رات چلے

ان اشعار میں شاعر کے دل کا درد سمٹ کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس کے دل میں پیار و محبت کے نغمے اُسے یہ کہنے پر مجبور کر دیتے ہیں ؎

ہاتھ میں ہاتھ لئے سارا جہاں ساتھ لئے
تحفۂ درد لئے پیار کی سوغات لئے
ریگزاروں سے عداوت کے گذر جائیں گے
خون کے دریاؤں سے ہم پار اُتر جائیں گے

نظموں، غزلوں اور قطعات کے بعد "یارانِ میکدہ" میں ۵۵-۱۹۵۴ء کی وہ نظمیں شامل ہیں جو کسی دوسری کتاب میں آج تک شامل نہ ہو سکیں۔ اسی حصّہ میں سردار جعفری نے فیض احمد فیض کے بارے میں کہا ہے ؎

سوز ہے دل میں نگاہوں میں محبت کا گداز
ایک بجلی ہے جو شعلہ نشاں ساز میں ہے
کاٹ تلوار کی شعروں کو عطا کرتی ہے
وہ کسک درد کی جو فیض کی آواز میں ہے

اور کرشن چندر کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

کبھی للکار کے سانچے میں ڈھلی ہے فریاد
بن کے شعلہ کبھی چمکا ہے غریبوں کا لہو
درد کو دل کے لئے شمع بنایا تو نے
روحِ انساں کو نیا خواب دکھایا تو نے

"لہو پکارتا ہے" جعفری صاحب کے پرستاروں کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے جس میں ان کی شاعری کے مختلف رنگ اور متنوع انداز اپنے پورے جوش و خروش اور بلند آہنگ کے ساتھ دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہ کتاب مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر، نئی دِلّی ۲۵ یا مکتبہ کی دِلّی اور علی گڑھ شاخوں سے، اور بمبئی میں مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال بمبئی ۴....۳ سے خریدی جا سکتی ہے۔

●●
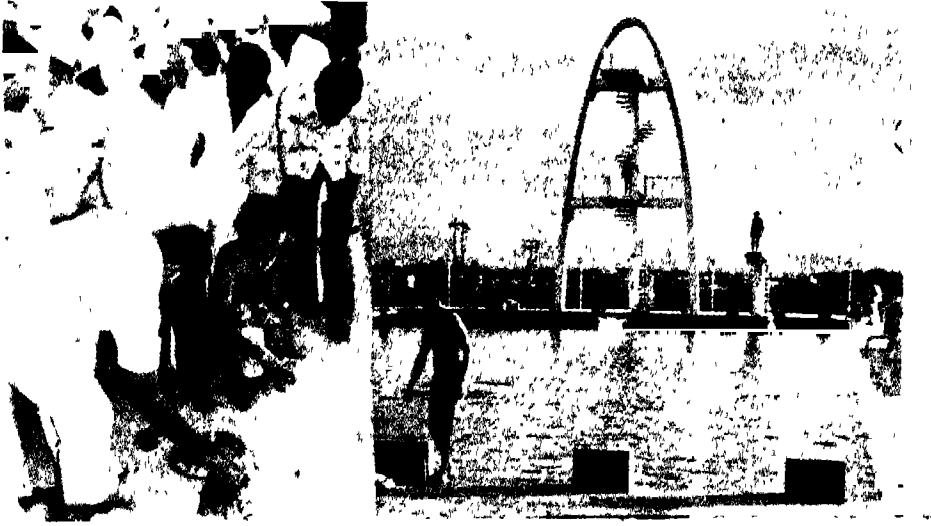
وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے حال
ہی میں پمپری (ضلع پونے) میں
واقع پیر کالونی میں اس تیراکی
تالاب (سوئمنگ پول) کا
افتتاح فرمایا۔

لولہ ضلع پریشد نے چار سو مکانات پر مشتمل
کالونی ضلع کے سیلاب سے متاثرہ کنبوں کے لئے
تعمیر کی ہے جس کی لاگت ۲۵ لاکھ روپے ہے۔

ہوٹی بچت کے ایجنٹ، شری ہلاری برگانزا نے چھوٹی بچت کے لئے
درہ لاکھ روپے سے زیادہ رقم جمع کروا کر اوّل انعام حاصل کیا۔ ۳۱ر
نوری کو بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر مملکت ڈاکٹر حق
نخانہ والا، شری برگانزا کو انعام پیش کر رہے ہیں۔ بمبئی عظمیٰ کے
ستند چھوٹی بچت ایجنٹوں کی ایسوسی ایشن چھوٹی بچت کے لئے تین
روڑ روپے کی رقم جمع کرنے کا مقررہ نشانہ پورا کرنے میں کامیاب رہی ہے
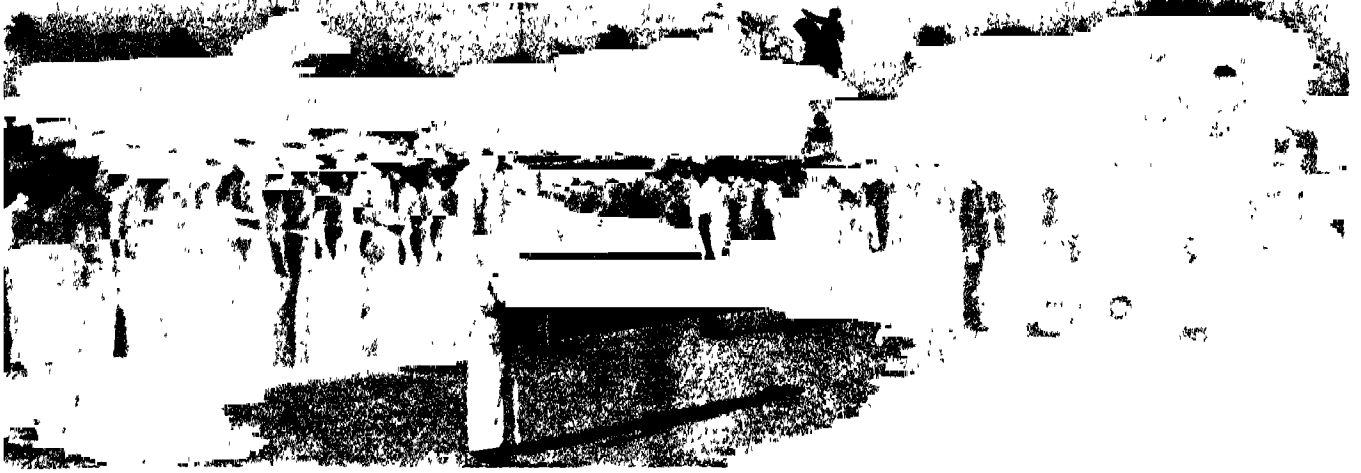
اوپر: گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی، یومِ جمہوریہ پر شیواجی پارک، بمبئی میں ملی جلی پریڈ میں سلامی لیتے ہوئے۔

✿✿✿✿✿

۲۳ر جنوری ۱۹۷۹ء کو

وزیرِ صحت عامہ ڈاکٹر شری بھنی پر میلا لوٹ بلے طبیہ کالج اور اسپتال بمبئی کی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے۔ وزیرِ مملکت برائے پروٹوکول ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا بھی دیکھے جا سکتے ہیں

***

***

۲۵ر جنوری کو ادارہ "شہرِ سخن" بمبئی۔ کانپور کی جانب سے صابو صدیق پالی ٹیکنیک گراؤنڈ، بمبئی میں قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے ملک کے نامور شاعر حضرت کوثر جائسی کا ادبی جشن منایا گیا۔ جناب ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا وزیرِ مملکت برائے ہاؤسنگ، لیبر اور پروٹوکول، جشنِ کوثر اور قومی یکجہتی پر اپنی تقریر پیش کر رہے ہیں

افسرانِ اطلاعات کے کام میں ہر طرح کی سہولت
نئے وزیرِ اطلاعات کی جانب سے یقین دہانی

نئے وزیرِ اطلاعات شری آر۔ اے پاٹل نے ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے افسران کو ان کے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں ہر طرح کی سہولت اور بہتر مواقع کا یقین دلایا۔ آپ نے فرمایا کہ عوام کو ریاستی حکومت کے ترقیاتی اقدامات سے واقف کرنا حقیقتاً میں ڈائرکٹوریٹ کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اور امید ہے کہ اس محکمہ کے اراکین اور عملہ پوری دیانت اور محنت سے اس ذمہ داری کو پورا کریں گے۔

وزیرِ موصوف ڈائرکٹوریٹ کے افسران کے ایک جلسے سے خطاب کر رہے تھے جو کہ یکم فروری کو وزیرِ موصوف کو استقبالیہ دینے کی غرض سے منترالیہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ یہ پہلا موقع ہے جب کہ یہ ڈائرکٹوریٹ ایک کابینی درجہ کے وزیر کے ہاتھوں میں سونپا گیا ہے۔ اس سے قبل یہ جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ کا حصہ تھا۔

شری پاٹل نے مزید فرمایا کہ ڈائرکٹوریٹ کے افسران اپنے فرائض پوری لیاقت، تندہی اور محنت سے انجام دیکر یقیناً محکمہ کا وقار بڑھائیں گے۔ اس کے علاوہ حکومت بھی متاثر ہوگی اور اسے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ ناکافی افراد اور سہولت کے باوجود اس محکمے کے اراکین اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح اپنا ایک مقام پیدا کر کے ہی اراکین اپنی مشکلات کو حل کرانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز شری موہن پاٹل نے وزیرِ موصوف کو خوش آمدید کہتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس محکمہ کی ذمہ داری ایک مکمل درجہ کے وزیر کے ہاتھوں میں آنے سے محکمہ کے تمام مسائل بآسانی حل ہوں گے اور محکمے کی کارکردگی میں بہتری پیدا ہوگی۔

ایڈیشنل چیف ڈائرکٹر شری ایشور راج ماتھر نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا کہ وزیرِ موصوف کی قابلِ قدر رہنمائی سے اس محکمے کو بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔

پریس اکریڈیٹیشن کمیٹی کی دوبارہ تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر اسٹیٹ پریس اکریڈیٹیشن کمیٹی کی تین سال کی مدت کے لئے دوبارہ تشکیل کی ہے۔

کمیٹی کے ممبران یہ ہیں: شری جینتی ایم۔ شکلا، ایڈیٹر 'جنم بھومی'، بمبئی، شری جہان ڈی۔ دارو والا، ایڈیٹر 'بمبئی سماچار'، بمبئی، شری ایف۔ پی ڈاٹس، اسٹاف رپورٹر 'فری پریس جرنل'، بمبئی، شری گوپال راؤ بٹوردھن، سب ایڈیٹر 'وشال سہیادری'، پونے، شری مدھو شیٹے، نمائندۂ خصوصی 'پیٹریاٹ'، بمبئی، شری برج لال پاٹل، ایڈیٹر 'دینک جن شکتی' جلگاؤں، شری نرائن گجانن اٹھاولے، کاریہ ادھیکش، 'اکھل بھارتیہ مراٹھی پتر کار پریشد' بمبئی اور شری رنگا ودیا، ایڈیٹر 'سنچار' سولاپور۔

چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، کمیٹی کی کنٹرولنگ اتھارٹی ہیں۔

منترالیہ اینڈ لیجسلیچر رپورٹرز ایسوسی ایشن کی جانب سے حال ہی میں منترالیہ، بمبئی میں نئے وزیرِ اطلاعات شری آر۔ اے پاٹل کا استقبال کیا گیا۔ زیرِ نظر تصویر میں شری کے۔ پی سامک، صدر ایسوسی ایشن، وزیرِ موصوف کو گلدستہ پیش کر رہے ہیں۔

***

شری بی۔ این دیشمکھ، چیف جسٹس مہاراشٹر نے حال ہی میں کیشنر بھولی (ضلع ستارا) میں شری رام شاستری پربھونے، کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی۔ شری پربھونے، پیشوا راج میں مشہور منصف مزاج جج تھے۔ اس تصویر میں (بائیں سے دائیں) شری پرتاب راؤ بھونسلے، وزیر مملکت برائے دیہی ترقی، شری وائی۔ بی چوان، شری دیشمکھ اور جسٹس شری بڑگوڈکر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

***

بیواؤں کے لئے شادی بھتہ

حکومت مہاراشٹر نے غریب و محروم بیواؤں کو ان کی بیٹیوں کی شادی کے کم از کم اخراجات کے طور پر فی کس ۱۰۰۰ روپے شادی بھتہ دینے کی منظوری دی ہے اس کے علاوہ غریب اور بے سہارا بیواؤں کی دوبارہ شادی کی خاطر ۱۰۰۰ روپے فی کس شادی بھتہ اسکیم بھی ریاستی حکومت کی طرف سے منظور کی جا چکی ہے۔ بیٹی کے لئے شادی بھتہ کے سلسلے میں بیوہ خاتون جس کی سسرال یا والدین کی جانب سے کوئی مدد کرنے والا نہ ہو اور جس کی ماہانہ آمدنی ۴۰۰ روپے سے زائد نہ ہو بھتہ کی مستحق ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی یہ ضروری ہے کہ شادی کرنے والی بیوہ خاتون اور بیٹی اچھے کردار کی حامل ہوں اور کم از کم ۱۵ سال سے مہاراشٹر میں مستقل مقیم ہوں، بیٹی کی عمر ۱۸ سال سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

بیوہ کی دوبارہ شادی کے معاملے میں بیوہ خاتون کے اچھے کردار کے علاوہ کم از کم ۱۵ سال تک مہاراشٹر کا باشندہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی عمر ۱۸ سے ۳۵ سال کے درمیان ہونی چاہئے۔ اگر وہ ملازم یا خود برسرِ کار ہے تو اس کی ماہانہ آمدنی ۲۰۰ روپے سے زائد نہ ہونا چاہئے اگر بیوہ خاتون اپنے والدین کے ساتھ ہے یا اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کے والدین کے ساتھ رہ رہی ہے تو دونوں صورتوں میں متعلقہ خاندان کی آمدنی ۴۰۰ روپے ماہانہ سے زائد نہیں ہونی چاہئے۔ بیوہ خاتون کو زندگی میں صرف ایک مرتبہ اس قسم کی مدد ملیگی

اس معاملہ میں درخواست مقررہ فارم پر ضلع پریشد کے ڈسٹرکٹ سوشیل ویلفیر افسر یا سوشیل ویلفیر افسر، بمبئی کو متعلقہ ضروری کاغذات اور اسناد کے ساتھ بیٹی کی شادی یا بیوہ کی دوبارہ شادی کے بعد ۳۰ دن کے اندر ارسال کر دینی چاہیئے۔

نہرو نگر کے دوکانداروں کی بازآبادکاری
ڈاکٹر جمخانہ والا کی کامیاب ثالثی

نہرو نگر۔ کرلا (مشرقی) بمبئی، کے دوکان داروں کی بازآبادکاری کا مسئلہ ڈاکٹر ایم۔ اسحٰق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ اور لیبر کی کامیاب ثالثی کی بدولت ۹ فروری کو قابلِ اطمینان طریقے سے حل کر لیا گیا۔ یہ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا تھا جب کہ جنوری ۱۹۷۷ء میں ایس جی بروے مارگ کو چوڑا کرنے کے لئے اس علاقہ میں واقع دوکانوں کو توڑا گیا تھا۔ چونکہ دوکان داروں میں اتفاق نہیں تھا اس لئے متاثرہ دوکانداروں کی بازآبادکاری کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔

ڈاکٹر جمخانہ والا جنھوں نے اس سلسلے میں ذاتی دلچسپی لی۔ متاثرہ دوکان داروں کے نمائندوں سے ملاقات کی۔ انھوں نے اس جگہ کا بھی دورہ کیا اور دوکان داروں کے نمائندوں سے زمین کے الاٹمنٹ پر رضامندی حاصل کی اور عہدیداران کو موقع پر ضروری ہدایات دیں۔

مہاراشٹر میں شاندار جشنِ جمہوریہ

پونے میں واقع سینٹرل بلڈنگ، کونسل ہال اور ساسون اسپتال کی عمارتوں پر روشنی کا دلکش منظر

مہاراشٹر میں تیسواں یوم جمہوریہ جشن نہایت جوش و خروش اور شاندار طریقے سے منایا گیا۔ پولس فورس کی شاندار پریڈ، پونے اور بمبئی جیسے بڑے شہروں میں سرکاری اور نجی عمارتوں پر چراغاں، سرکاری اور میونسپل کارپوریشن کی عمارتوں پر قومی پرچم کا لہرانا اور ثقافتی پروگرام کا انعقاد۔ اس سال ریاست میں منائے جانے والے جشنِ جمہوریہ کی قابلِ ذکر جھلکیاں تھیں۔

اس موقع پر گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے شہریوں کے نام اپنے جاری پیغام میں اس امر کی ضرورت جتائی کہ زراعتی اور صنعتی دونوں محاذ پر پیداوار بڑھانے کے لئے جدوجہد تیز تر کی جائے۔ آپ نے شہریوں کے باشعور طبقے سے بھی اپیل کی کہ وہ پُرامن اور جمہوری طریقوں سے سماجی مسائل کا حل تلاش کریں۔

اس جشن کے موقع پر دو بڑے سرکاری منصوبوں کا آغاز قابلِ ذکر ہے۔ ضمانتِ روزگار ایکٹ بابت ۱۹۷۷ء کا نفاذ اور دوسرے پیاز اور بٹاٹے کا سب سے پُرانا ہول سیل مارکیٹ بمبئی سے نئی بمبئی منتقل کر دیا گیا۔ ضمانتِ روزگار قانون دیہی مزدوروں کو غیر ماہری روزگار یا یومیہ ایک روپیہ کے حساب سے بیروزگاری بھتے کی ضمانت دیتا ہے

یوم جمہوریہ پر بمبئی شہر میں شیواجی پارک کے میدان میں شاندار مشترکہ پریڈ منعقد ہوئی جس میں گورنر شری صادق علی نے سلامی لی۔

شہر بمبئی میں منترالیہ، منترالیہ کے مقابل نیوایڈ منسٹریٹو بلڈنگ، کونسل ہال، ہائی کورٹ اور وی۔ ٹی پر میونسپل کارپوریشن کی عمارت اور نجی عمارتوں پر شاندار روشنی کی گئی۔

پونے میں بھی سینٹرل بلڈنگ، کونسل ہال اور ساسون اسپتال کی عمارتوں پر روشنی کی گئی۔

دھولے میں وزیر محصول شری اُتم راؤ پاٹل نے پولس گراؤنڈ پر جھنڈا لہرایا، اور پولس فورس، ہوم گارڈز اور این سی سی کی مشترکہ پریڈ کی سلامی لی۔ اس کے علاوہ اس موقع پر ثقافتی پروگرام پیش کیا گیا جس میں ادیباسیوں کا ناچ اور ایس آر پی کا بینڈ شامل تھا۔

ضلع ناسک کے کلکٹر شری اشوک باسک نے پولس گراؤنڈ ناسک پر جھنڈا لہرایا اور مشترکہ پریڈ کی سلامی لی۔

مالیگاؤں میں وزیر روزگار شری نہال احمد نے قومی پرچم لہرایا۔ اس کے علاوہ آپ نے چھ افراد کو زمین کی ملکیت کی دستاویزات پیش کیں۔

مہاراشٹر اُردو اکادمی کے زیر اہتمام
مالیگاؤں میں سمینار اور مشاعرہ

مہاراشٹر اُردو اکادمی کے زیر اہتمام ۳ر فروری ۱۹۷۹ء کو مالیگاؤں میں سمینار اور مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔

صبح مالیگاؤں کے اُردو اسکول نمبر ۱ کے کمپاؤنڈ میں حکومت مہاراشٹر کے وزیر برائے روزگار ٹکنیکل تعلیم و تربیت، شری نہال احمد نے سمینار کا افتتاح کیا۔ خواجہ عبدالغفور صاحب، سکریٹری مہاراشٹر اُردو اکادمی نے سمینار کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

اس موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے وزیر موصوف نے اُردو زبان کے مسائل پر روشنی ڈالی اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر اُردو زبان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اُسے فروغ دینے میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور عام لوگوں کو اُردو زبان سیکھنے اور سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ اپنے خیال کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اُردو داں طبقہ جو ادبی دنیا میں اپنا مقام رکھتا ہے جس میں شعراء، ادبا اور نقاد بھی شامل ہیں اپنی تخلیق عام فہم زبان استعمال کر کے عوام تک پہنچائیں تاکہ یہ اور پھولے پھلے۔

آپ نے مشورہ دیا کہ اُردو زبان کے مقابلے میں کوئی اور زبان اپنا اثاثہ نہیں رکھتی۔ اُردو زبان عام فہم زبان ہے۔ ہمیں اپنے قومی اثاثہ کو دوسری زبانوں میں منتقل کرنا چاہیئے۔

اس سمینار میں لطیف جعفری صاحب، باقر مہدی صاحب نے اپنا اپنا مقالہ "مہاراشٹر میں آزادی کے بعد اردو ادب کی ترقی" کے عنوان پر پڑھا۔ منشاء الرحمٰن منشاء صاحب نے مختصر سی تقریر کی۔

صدر محترم خواجہ عبدالغفور صاحب نے وزیر روزگار کی تقریر کو سراہتے ہوئے مہاراشٹر اردو اکادمی کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

پروگرام کے تحت دوسری نشست کا انتظام مالیگاؤں اُردو لائبریری کی جانب سے اُردو ہال میں ہوا جس میں ڈاکٹر ظ انصاری صاحب نے اُردو ادب اور شاعری پر مختصر لیکن بہت ہی جامع تقریر کی اور سوال و جواب کا سلسلہ دیر تک چلا۔ آخر میں ہار پھول کی رسم جناب عبدالمجید نازاں صاحب کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

اس کے بعد رات میں ۸ بجے مالیگاؤں میونسپل کونسل کی جانب سے ایک استقبالیہ دیا گیا۔

شب میں دس بجے مالیگاؤں اسکول نمبر ۱ کے جگمگاتے کمپاؤنڈ میں "تاج محل" اسٹیج پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس کی صدارت ڈاکٹر ظ انصاری صاحب نے کی۔

○○

صفحہ ۱۴ سے آگے

"پیڈا" نے ایسے چھوٹے کسانوں کو جن کی خود اپنی کھیتی باڑی برائے نام ہے معاون پیشے فراہم کرنے پر بھی توجہ دی ہے۔ یہ انھیں ذرائع بہم پہنچا کر پولٹری فارمنگ بھیڑ بکریاں پالنے، ماہی گیری اور باغبانی جیسے پیشوں میں لگانے کی کوشش کرتی ہے۔

مستقبل کے امکانات

'پیڈا' کی کوشش کے نتیجہ میں سرمایہ کاری جو فی الحال کثیر خام مال اور محنت کے ساتھ زراعتی شعبہ تک محدود ہے۔ صنعتی شعبہ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ اسی کے ساتھ مضبوط اور منظم شعبہ جات کا یہ فرض اولین ہے کہ کمزور اور غیر منظم حصوں کی مدد کریں۔ خوش حالی ناقابل تقسیم ہے کوئی بھی شخص دوسرے کا حق رکھ کر ہمیشہ پھل پھول نہیں سکتا۔

قدرتی طور سے حوصلہ افزائی اور تحریک کے لئے 'پیڈ' (مہاراشٹر) کی نظر 'پیڈ' (انڈیا) نئی دہلی پر لگی رہتی ہے۔ یہ ریاستی حکومت سے بھی امداد کا طالب ہے جس کی سرگرمیوں میں یہ معاون ہے اور انھیں فروغ دیتا ہے۔ کیوں کہ جمہوریت کے معنی ہی یہ ہیں کہ قوی کمزور کی امداد کرے، لہٰذا حکومت، مقامی اداروں، جماعتوں اور صنعت کاروں کا یہ فرض ہے کہ کمزور طبقات کی خاطر رضاکارانہ جماعتوں اور عام لوگوں کے ساتھ ساتھ پیڈ کی مہم میں شریک کار ہوں۔

By no means a small job.

adulteration of food is the worst crime

This man is the adulterator enemy No 1 of Society,
When in doubt, contact us immediately
We have an Assistant Commissioner at every District Headquarter
to keep vigil on the quality of food and drugs,
manufactured and sold in the State.

help us to catch the criminal

FOOD & DRUG ADMINISTRATION, MAHARASHTRA

Griha Nirman Bhavan, Bandra (East), Bombay 400 051 Tel 542361-65

Issued by Directorate General of Information & Public Relations, Bombay

۱۰ر مارچ ۱۹۷۹ء

قومی راج

جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۵

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے • فی پرچہ ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

سخنہائے گفتنی

حکومت مہاراشٹر جس تیزگامی سے اپنے ترقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا ہے اس کی مثال ملک کی دوسری ریاستوں میں نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ حکومت نے صحت عامہ کی طرف بھی خاص توجہ دی ہے اس سلسلہ میں فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن کی کارکردگی قابل ستائش ہے جو پوری ریاست میں ملاوٹ کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کررہی ہے فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن کا عملہ ایک کمشنر، چھ جوائنٹ کمشنرز، چونتیس اسسٹنٹ کمشنر، ۱۰۷ ڈرگ انسپکٹرز اور دوسو فوڈ انسپکٹرز پر مشتمل ہے۔ بمبئی میں ایک ڈرگ کنٹرول لیبوریٹری بھی قائم کی گئی ہے، اس کے علاوہ ایک "انٹیلیجنس ونگ" بھی قائم کی گئی ہے جو غذا، ادویہ اور دوسری جنس میں ملاوٹ کی روک تھام کے لئے کام کررہی ہے۔ اس سلسلے میں ایک خاص مضمون بعنوان "غذا اور ادویات میں ملاوٹ کی روک تھام" شریکِ اشاعت ہے، اُمید ہے کہ مفید اور معلوماتی ثابت ہوگا۔

'قومی راج' کے خصوصی شماروں پر قارئین کے جو خطوط موصول ہوئے ہیں انھیں بالترتیب شائع بھی کیا جارہا ہے۔ ان خطوط میں دیئے گئے مشورے یقیناً 'قومی راج' کو مزید ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوں گے۔

خ۔ عبدالغفور

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی نمبر ۳۲ ۴۰۰۰۳۲

نوٹ: زرسالانہ بذریعہ منی آرڈر بھجوایئے ۔ 'وی۔ پی۔ پی' نہیں بھجوائی جاتی ہے۔

(ادارہ)

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

• محمد رضی الدین معظم
۸۲۶ - رحیم منزل، شاہ گنج، حیدرآباد نمبر ۲ (اے. پی)
قومی راج کا "جنگلی جانور نمبر" اور پھر مراٹھی ادب نمبر، پاکر دلی مسرت ہوئی، اتنے شاندار شمارے شائع کرنے پر مبارکباد قبول فرمائیے... جسے دیکھتے ہی مرحبا پکار اُٹھا...
"جنگلی جانور نمبر" نکالنے کی دوسروں نے بھی جسارت کی ہے لیکن آپ حضرات سبھوں پر بازی لے گئے۔ سرورق انتہائی دیدہ زیب دلکش.. پھر مضامین میں صفِ اوّل کے ممتاز شخصیتوں کی تخلیقات دیکھ کر یقین آگیا تھا کہ یہ نمبر ضرور یادگار ثابت ہوگا. جب وزیر جنگلات کی اپیل، جناب ریاض احمد خاں صاحب کی تخلیق "ہندوستانی آبی پرندے"، خورشید جہاں ایڈوانی صاحبہ کا مضمون "کیکڑا اور بچھو" شمارہ کی جان ہیں. باقی مضامین بھی جنگلات کی سائنس میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں. خصوصاً جس عرق ریزی سے تصاویر شائع کی گئی ہیں اور دیدہ زیبی اور دلکشی کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے اس دور میں یہ خدمت تاریخ ادب میں زریں حروف سے لکھی جائے گی...
اس گرانقدر شمارے کے بعد مراٹھی ادب پر مبنی شمارہ بھی خوب ہے بلکہ خوب تر ہے. اس شمارہ کو بھی جاذب نظر دیدہ زیبی عطا کرنے میں آپ نے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی. خصوصاً ہر شمارہ میں درمیانی صفحات پر ہمہ رنگی تصاویر ایک نعمتِ عظمیٰ رہتی ہیں. مراٹھی ادب کے تمام شمارہ کو دیکھ کر ہر اہلِ نظر یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس شمارہ میں ممتاز قلمکار کے قابلِ قدر نقوش جلوہ گر ہیں. معلوم ہوتا ہے کہ آپ "نمبر ایکسپرٹ" ہوگئے ہیں۔

———— ○ ————

• مہدی پرناپگڈھی — ابری گیشن ڈویژن - پرتاپگڈھ (یوپی)
اس حقیقت سے انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ قومی راج، ایسے موضوعات پر اپنے خاص نمبر پیش کر رہا ہے جن کی طرف اردو کے رسائل اپنی توجہ بہت کم مبذول کر سکے ہیں۔ ابھی چند دنوں پہلے جنگلی جانور نمبر باصرہ نواز ہوا تھا۔ تازہ شمارہ مراٹھی ادب کا ایک جائزہ پیش کرتا ہے۔ اردو دنیا کو ملک کے دیگر ممتاز زبانوں سے روشناس کرانے کا سہرا بھی 'قومی راج' کے سر ہے۔ امید ہے کہ سور داس نمبر بھی اپنی انفرادیت کے باعث یادگار ثابت ہوگا۔

———— ○ ————

• حفیظ مالیگانوی
۸۴۹/۱۳، نیا پورہ، مالیگاؤں - ضلع ناشک
'قومی راج' کا تازہ شمارہ "جنگلی جانور نمبر" نظر نواز ہوا. تمام مندرجات اثر آفریں اور دل نشینی میں بے مثال ہیں. عظیم ہندوستانی پرندے 'تغدار' کو اس نمبر میں آپ نے جس خوبصورت اور حسین و جمیل روپ میں پیش کیا ہے اسے دیکھ کر تسلیم کرنا پڑا کہ سعودی عربیہ کے شہزادہ نے اس گوہر نایاب کی زیارت کے لئے جس دور دراز کا سفر اور کروڑوں روپے جس شاہانہ کروفر کے ساتھ صرف کئے ہیں، بے معنی نہیں، واقعی یہ بے نظیر پرندہ اسی اہمیت کا مالک ہے۔ اچھا ہوا ہماری حکومت نے اس پر پابندی عائد کردی ورنہ شکاریوں کی یلغار سے اس عظیم پرندے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا.
مزید کیا عرض کروں ع
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا ست
بہرحال ہیں اس شاندار نمبر کی اشاعت پر ارکان ادارہ اور حکومت مہاراشٹر کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

———— ○ ————

• عابد فردی - معرفت فخرالدین فردی، انواری - ناگپور ۴۴۰۰۰۲
آج لائبریری میں 'قومی راج' (جنگلی جانور نمبر) دیکھنے کو ملا. اُردو کا اتنا عظیم نمبر جو کہ حکومت مہاراشٹر کی طرف سے شائع ہوا ہے، بہت خوب ہے. یہ رسالہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پورے بھارت کے لئے فخر کا باعث ہے۔

———— ○ ————

• مفتی رضا انصاری - آزاد نگر، تکیہ، ناگپور
اچانک رسالہ پڑھنے کا شوق پیدا ہوا. آپ کا ۱۰ نومبر ۱۹۷۸ء کا شمارہ نظر سے گذرا. مختلف علاقوں کی تصویروں کے ساتھ شائع کردہ مضامین پڑھ کر طبیعت خوش ہوگئی. واقعی "قومی راج" بہت ہی معلوماتی رسالہ ثابت ہوا۔

———— ○ ————

• بی. کے. ایم علی ماسٹر
گورنمنٹ یوپی اسکول، کنانور سٹی، نیرچل ۶۷۰۰۰۳
'قومی راج' پندرہ روزہ دیکھنے کا اتفاق ہوا. طلبہ اور اساتذہ دونوں ہی کے لئے بے حد مفید اور معلوماتی رسالہ ہے۔
ہماری تجویز ہے کہ 'قومی راج' اپنی لائبریری کے لئے جاری کرائیں۔

———— ○ ————

غذا اور ادویات میں مِلاوٹ کی روک تھام

ایف ڈی اے کی سرگرمیاں

صحیح طور سے یہ کہنا تو مُشکل ہے کہ غذائی مِلاوٹ کا پہلا واقعہ کب پیش آیا، البتہ قیاساً اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جبتک انسان صرف وہی غذائی اشیاء تیار کرتا تھا جن کی خود اُسے ضرورت تھی، اُس وقت تک مِلاوٹ کا کوئی سوال ھی پیدا نہ ھوا۔ غالباً یہ امکان تو اس وقت رُونما ھُوا جب انسان نے سب سے پہلے یہ سوچا کہ آسانی اور تیزی سے روپیہ اور مُنافع کمائے۔ ادویات میں مِلاوٹ غالبًا اُس وقت سے شروع ھوئی جبکہ مِلکیتی ادویات بازار میں مُہیّا ھونے لگیں۔

غذا اور ادویہ میں ملاوٹ کی روک تھام کی کوششوں کی تاریخ بہت پُرانی ہے قدیم دستاویزات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایتھنز اور رومی سلطنتوں نے انگوری شراب میں آمیزش کے خلاف قوانین وضع کئے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ میں شہروں کے بڑھنے سے بعض اقسام کی غذاؤں کی تیاری کا کام گھروں کے بجائے باہر پیشہ ور دکانوں میں انجام پانے لگا۔ نان تیاری، چکّی پسائی، شراب اور بیئر سازی، اور جانوروں کا ذبیحہ، یہ باقاعدہ کاروبار بن گئے۔ لہٰذا حکومت نے اُن کی باضابطگی کے لئے کارروائی شروع کی۔ اس وقت سے غذا، ادویات اور دیگر ضروریاتِ زندگی پر نگرانی کا یہ سلسلہ برابر چلا آرہا ہے۔ آج دنیا کے اکثر ممالک نے قوانین وضع کئے ہیں تاکہ غذا، ادویہ وغیرہ جیسی ضروری اشیاء، صارفین کو اچھی اور معیاری قسم کی دستیاب ہوں۔

ہندوستان میں حصولِ آزادی کے بعد سے مرکزی اور ریاستی حکومتیں صارفین کو ملاوٹی اور نقلی غذا، ادویہ اور کاسمیٹک وغیرہ کے ضرر سے بچانے کی کوشش کررہی ہیں۔ مرکز نے کئی قوانین وضع کئے ہیں۔ غذا اور دیگر اشیاء میں ملاوٹ کے موضوع پر دستور کی رو سے غذا اور ادویہ وغیرہ میں ملاوٹ کے خلاف قانون سازی اور کوالٹی پر نگرانی کی ضمانت دی گئی ہے۔

فی الحال 'ڈرگس اینڈ کاسمیٹک ایکٹ' ادویات اور طلسمی علاج (قابلِ اعتراضات اشتہار) قانون' ادویات (قیمت کنٹرول) حکمنامہ، خطرناک ادویات ایکٹ اور انسدادِ غذائی ملاوٹ قانون کئی ریاستوں نے نافذ کئے ہیں۔ ان قوانین کی نوعیت کے بارے میں جانکاری ضروری ہے۔

ڈرگس اینڈ کاسمیٹک ایکٹ اس سمت میں ایک اہم قدم ہے۔ اس کا مقصد ایلوپیتھک، ایورویدک اور یونانی ادویات اور مانع حمل ادویہ، ازالۂ جراثیم ادویات اور کاسمیٹک کے معیار اور مقدار پر نظر رکھنا ہے۔

ضرورت لائسنس: ایکٹ کے تحت یہ لازمی ہے کہ مذکورہ بالا ادویات کی تیاری اور فروخت کے لئے لائسنس حاصل کیا جائے۔ لائسنس بنا یہ کام جُرم سمجھا جائے گا۔ تیاری ادویات کے لئے قوانین کے تحت تاکید کی گئی ہے کہ ماحول صاف سُتھرا اور صحت مند ہو۔ نیز جگہ اور مشینری کافی ہو۔ تیاری اور جانچ کی نگرانی کے لئے اہلِ فنّی عملہ مقرر کیا جائے۔ ادویات تیار کرنے والا شخص فروخت کیلئے ارسال کرنے سے قبل اس کی تیار کردہ ادویات کے ہر بیچ کی پوری پوری جانچ کرے۔ قوانین کی رو سے ادویات کے ذخیرے اور ڈرگ اسٹوروں میں ادویات رکھنے رکھانے کے سلسلے میں بھی سخت پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔

ایسا ہی دوسرا اقدام ادویہ اور طلسمی علاج (قابلِ اعتراض اشتہار) ایکٹ ہے جس کی رو سے بعض خاص بیماریوں مثلاً اندھے پن، امراضِ قلب، فالج، جذام، جلدی امراض، موٹاپن اور جنسی کمزوری وغیرہ کے معاملہ میں ادویاتی تشہیر کی ممانعت ہے۔ اسی طرح اسقاطِ حمل، مانع حمل، جنسی لذت اور حیض کے سلسلے میں اشتہار ادویات پر قطعی پابندی ہے۔

ایکٹ میں صراحت کردہ کسی بیماری کے ازالہ، تدارک یا علاج کے لئے طلسمی علاج مثلاً جادو ٹونے، تعویذ گنڈے، جھاڑے منتر کی تشہیر قانوناً قطعی ممنوع ہے۔

لازمی اشیاء ایکٹ کے تحت جاری کردہ ادویہ (قیمت کنٹرول) حکمنامہ کے ذریعہ ادویات کی قیمتوں پر کنٹرول کیا گیا ہے۔ کوئی بھی دواساز ادویہ مارکیٹ میں اسی وقت مہیا کرسکتا ہے جب کہ اس کی قیمت مرکزی حکومت

مائس لگا کر لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ غذا اور ادویہ میں ملاوٹ کس طرح کی جاتی ہے۔

کی جانب سے منظور کردی گئی ہو۔ اسی طرح حکومت کی منظوری کے بغیر قیمت میں تبدیلی بھی نہیں کی جا سکتی۔ ادویہ کی زیادہ سے زیادہ خوردہ قیمت بھی لیبل پر درج کرنا ضروری ہے۔ حکمنامہ، بیوپاری پر یہ پابندی بھی لگاتا ہے کہ وہ لیبل پر درج قیمت سے زیادہ قیمت پر دوا فروخت نہیں کر سکتا۔

دوسرے اہم قانون یعنی 'خطرناک ادویات قانون' کے ذریعہ نشہ آور ادویات مثلاً مارفائن، پیتھیڈائن اور افیون وغیرہ کے غلط استعمال پر قابو پایا گیا ہے۔ مابین ریاست اور اندرونِ ریاست نشہ آور ادویات کی نقل و حمل باضابطہ ہے اور مریضوں کو ایسی ادویات کی فراہمی پر سخت نگرانی رکھی جاتی ہے۔

غذا میں ملاوٹ کی روک تھام ایکٹ کا آخری اور اہم ترین مقصد یہی ہے کہ صارفین کو ملاوٹی اور خراب اشیائے خوردنی کے ضرر سے محفوظ رکھا جائے۔ اس ایکٹ کے وضع ہونے سے ریاستی حکومتوں کو علیحدہ

قومی راج

"کیجئے اور مت کیجئے"

غذا اور دوائیوں میں ملاوٹ کی بدولت ہونے والی پریشانیوں سے صارفین اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ اگر چند آسان اصولوں پر عمل کریں۔

۱) خوانچہ فروشوں سے اپنے بچوں کو ٹافی، چاکلیٹ، قلفی، آئسکریم اور دوسری میٹھی اشیاء خریدنے کے لئے منع کیجئے۔ ان اشیاء میں ممنوعہ رنگ اور مٹھاس کی آمیزش ہو سکتی ہے۔

۲) دوا خریدتے وقت اطمینان کر لیجئے کہ دوا کی مدت پائیداری ختم نہ ہو گئی ہو۔

۳) دوا خریدنے کے بعد رسید کا تقاضہ کیجئے۔ اس سے ایف ڈی اے کو تحقیقات میں مدد ملتی ہے۔

۴) "اسپتال کے لئے" "حکومت مہاراشٹر" وغیرہ جیسے اسٹامپ لگی ہوئی دوائیاں مت خریدیئے۔

۵) لیبل پر لکھی ہوئی قیمت مع ٹیکس سے زائد مت دیجئے۔ شک ہونے پر دکاندار کے پاس سے قیمتوں کی فہرست طلب کیجئے اور اطمینان کر لیجئے۔

۶) خوانچہ فروشوں سے آرائشِ حسن کی اشیا نہ خریدیں۔

۷) لیبل نکالے یا کھرچے بغیر خالی بوتلیں فروخت نہ کریں۔ ان میں نقلی دوا بھر کر دوبارہ فروخت کیا جا سکتا ہے۔

۸) غذائی اشیاء جہاں تک ممکن ہو سکے مُہر بند ڈبوں میں خریدیں۔

۹) ہمیشہ 'اگمارک'، آئی ایس آئی کے تصدیق شدہ غذائی اشیاء اور دوسرے سامان خریدیئے۔

۱۰) غذا اور دواؤں کی بابت ذرا بھی شک ہونے پر 'ایف ڈی اے' سے رجوع کریں۔ آپ کا نام صیغۂ راز میں رکھا جائے گا۔

یہ چند آسان سے اصول ہیں۔ ان پر عمل کر کے آپ نہ صرف اپنی بلکہ 'ایف ڈی اے' کی بھی مدد کریں گے۔

قانون کے ذریعہ غذا میں ملاوٹ کی روک تھام کے مسئلہ سے نپٹنا پڑتا تھا۔ لیکن ان میں یکسانیت نہ ہونے کے باعث مرکزی حکومت نے ایک کل ہند قانون یعنی انسداد غذائی آمیزش ایکٹ بابت ۵۴ء وضع کیا۔

اس کے نفاذِ عمل میں حاصل ہونے والے تجربات کی بنیاد پر گذشتہ

چوتھائی صدی کے دوران اس قانون میں بھی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ایکٹ کے تحت جرائم اب قابل سزا قرار دیدیئے گئے ہیں اور آمیزش غذا میں مصروف کمپنیوں اور افراد سے نپٹنے کے لئے دور رس ترمیمات کی گئی ہیں۔

ایکٹ کی رو سے غذا، سے مُراد وہ شئے ہے جو ادویہ اور پانی کے علاوہ کھانے یا پینے کے لئے انسانی مصرف میں آئے نیز کوئی چیز جو عموماً اس میں داخل ہو، یا انسانی غذا کی تیاری وغیرہ میں استعمال ہو، خوشبو ذائقہ پیدا کرنے والی شئے یا مسالہ اور دیگر ایسی کوئی چیز جسے مرکزی حکومت کی جانب سے استعمال، نوعیت، مواد یا خاصیت کے لحاظ سے ایکٹ کے مقصد سے سرکاری گزٹ میں بذریعہ اطلاعنامہ بطور غذا شمار کیا جائے۔

اس طرح حالانکہ پانی جسم کے لئے ضروری ہے اور ادویات' بیماری کے تدارک اور علاج کے لئے درکار ہوتی ہیں انھیں قانون کے تحت غذا نہیں سمجھا جاتا۔ نیز عام اصطلاح کے مطابق مرچ، ہلدی، نمک، اسفوٹیڈا اور اجوائن وغیرہ' غذائی شئے نہیں بلکہ مسالہ قرار دی گئی ہیں۔ بہرحال یہ نہایت ضروری ہے کہ یہ خالص ہوں۔ لہٰذا انھیں غذا کی تعریف میں شامل کیا گیا ہے۔

اسی طرح بیکنگ پوڈر، سوڈا بائی کارب، کھانے کا رنگ اور خوشبو وغیرہ بسکٹ، کیک اور پیسٹری وغیرہ بنانے میں استعمال کی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم کبھی بھی یہ کیمیاوی اشیاء ایسے ہی استعمال نہیں کرتے' بلکہ مذکورہ قسم کی اشیائے خوردنی میں ملاتے ہیں۔ لہٰذا قانون کے مدنظر غذا کے لفظ کو وسیع تر معنی دیئے گئے ہیں۔

ملاوٹی غذا: روزمرہ زبان میں جب غذائی اشیاء میں ملاوٹ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کسی غذائی شئے میں سے کارآمد جُز نکال لیا جائے یا ادنیٰ درجہ کا مواد ڈال دیا جائے جس کے نتیجہ میں غذائی شئے کی قوت میں تخفیف ہوجاتی ہے۔ ہم ہمیشہ یہ شکایت کرتے ہیں کہ دودھ میں پانی، خالص گھی میں ونسپتی اور بٹر (مسکہ) میں اسٹارچ ملایا جاتا ہے۔ یہ روزمرہ پیش آنے والی باتوں کی چند مثالیں ہیں۔

بہرصورت صارفین کی حفاظت کے خیال سے کوئی غذائی شئے دیگر اسباب
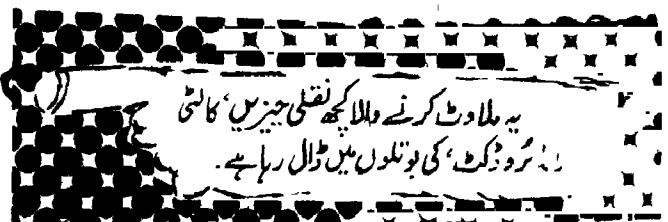
یہ ملاوٹ کرنے والا کچھ نقلی چیزیں' کالٹی
پروڈکٹ' کی بوتلوں میں ڈال رہا ہے۔

کی بناء پر ملاوٹی قرار دی جاسکتی ہے۔ مثلاً کسی غذائی شئے میں ملاوٹ اس صورت میں بھی کی جاسکتی ہے جبکہ خریدار کو اس کی طلب ہو اور یہ سپلائی نہ کی جاسکے یعنی مونگ پھلی کے تیل کے بجائے کوئی دوسرا خوردنی تیل مہیا کیا جائے۔ دو غذائی اشیاء کا میل مہیا کیا جائے جبکہ خالص شئے طلب کی گئی ہو، یعنی خالص مونگ پھلی کے تیل کے بجائے دو خوردنی تیلوں کا مُرکّب مہیا کیا جائے۔ سستا اور ادنیٰ جُز غذائی شئے میں ملا دیا جائے یا اس میں سے اصلی قیمتی جُز نکال لیا جائے، مثلاً پانی ملا دودھ، یا ایسا دودھ جس میں سے چربی یا چکنائی کا جُز نکال لیا گیا ہو۔ اگر گندے ماحول میں تیاری، پیکنگ یا ذخیرہ کے سبب سے غذائی شئے سڑ جائے یا مُضر صحت بن جائے یا پھر غذائی شئے میں کوئی خراب سڑا جُز یا جراثیم، کیڑا وغیرہ مل جائے اور انسانی استعمال کے قابل نہ رہے۔ اس شئے میں ممنوعہ رنگ وغیرہ ملایا گیا ہو اور چیز کی کوالٹی مقررہ معیار کے مطابق نہ ہو۔

اس طرح ملاوٹ کی اصطلاح میں یہ تمام ناجائز کارروائیاں آجاتی ہیں اور یہ قانون جامع اور صارفین کے مفاد کی حفاظت کا حامل بن جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں نفاذ: یہ بجا طور سے فخر کی بات ہے کہ مہاراشٹر ملک بھر میں پہلی اور واحد ریاست ہے جہاں ایک علیحدہ ایجنسی قائم کی گئی ہے تاکہ خاصیت و نوعیت غذا، ادویہ، کاسمیٹک، جراثیم کش ادویہ اور مانع حمل ادویات پر سخت نگرانی رکھی جائے نیز ادویات کی تشہیر اور قیمتوں پر کنٹرول رکھا جائے۔ اس مقصد سے ایک الگ محکمہ بنام فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن' ایف۔ ڈی۔ اے قائم کیا گیا ہے۔

فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن' اعلیٰ تکنیکی طور سے بالیاقت اور تجربہ کار افسران چلاتے ہیں۔ ان میں ایک کمشنر، چھ جائنٹ کمشنران اور چند ڈپٹی اسسٹنٹ کمشنران شامل ہیں۔ میدانی عملہ، ... ڈرگس انسپکٹروں اور ۲۰ فوڈ انسپکٹروں
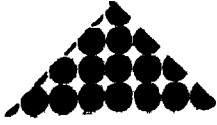
بازار میں فروخت کی غرض سے
بھیجنے سے قبل
ادویات اور کاسمیٹک کی
خاصیت کی جانچ کی
جاتی ہے۔

زیر عمل ہے۔ بازار میں جانے والی غذائی اشیاء اور ادویات کی کوالٹی پر مؤثر نگرانی رکھنے کی غرض سے 'ایف۔ڈی۔اے' نے ہر ضلع میں ایک دفتر قائم کیا ہے۔

اس کے علاوہ بمبئی میں ایک ڈرگس کنٹرول لیبوریٹری ہے جہاں میدانی عملہ کی جانب سے بھیجے ہوئے ادویات کے نمونوں کی جانچ کر کے ان کی کوالٹی دریافت اور طے کی جاتی ہے اور یہ ریاست میں فروخت ہوتی ہیں۔ مزید برآں ریاست میں اہم مقامات پر دس لیبوریٹریاں ہیں جہاں غذائی اشیاء کے نمونوں کی جانچ کی جاتی ہے۔

'ایف۔ڈی۔اے' کے تحت حلقہ واری دفتر میں 'انٹیلیجنس ونگ' یعنی شعبۂ خبر رسانی ہے تاکہ ملاوٹی اور نقلی غذا، ادویات اور کاسمیٹک پر گہری نظر رکھی جائے۔ 'ایف ڈی اے' کی امداد کے لئے خاص پولس عملہ بھی موجود رہتا ہے۔

ملاوٹ... اب قصۂ ماضی: پچاس ساٹھ سال سے 'ایف ڈی اے' ادویہ میں ملاوٹ کرنے والوں کے خلاف پیہم نبرد آزما ہے اور نقلی ادویات کے دھندے میں لگی بہت سی ٹولیوں کو پکڑنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ایسے مشتبہ اشخاص پر چوبیس گھنٹے سخت نگرانی رکھی جاتی ہے جنھیں انسانی دکھ کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور محافظِ زندگی ادویات مثلاً 'پنسلین' اسٹریپٹومائسین، کلورم فنی کول ٹیراسائیکلن، سلفا ڈرگ اور دیگر اہم ادویات کی جگہ نقلی ادویات تیار کرتے ہیں یہ لوگ گھریلو استعمال کی اشیاء مثلاً 'ببن بام'، اور گرائپ واٹر وغیرہ کوئی بھی نہیں چھوڑتے۔

نقلی ادویات تیار کرنے والے، ٹولیوں اور جماعتوں کی شکل میں کام کرتے ہیں اور مختلف مقامات پر پھیلے رہتے ہیں۔ ان جعلسازوں کا طریقہ کار ہے کہ یہ ادویات کی خالی بوتلیں، شیشیاں اور ڈبے وغیرہ جمع کرتے ہیں جو خا[illegible] قیمت رکھتے ہیں اور کمیاب ہوتے ہیں۔ یہ بوتلیں وغیرہ ڈسپنسر یوں، ہسپتالوں یا خالی بوتلیں بیچنے والوں سے خریدی جاتی ہیں۔ ایسی خالی بوتلیں جن کے لیبل ٹھیک ہوں زیادہ قیمت پر خریدی جاتی ہیں اگر لیبل دار خالی بوتلیں دستیاب نہ ہوں تو اصل چھپے لیبل کا بلاک تیار کر کے نقلی ادویات پر لیبل لگانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

نقلی دواؤں میں بھرنے کے لئے سفید سفوف جیسی کسی بھی شئے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً پینسیلین، اسٹریپٹومائسین، کلورام فینیکال کے لئے چاک، سوڈا، بائیکارب بھرا جاتا ہے، ٹیٹرا سائیکلین کے لئے ہلدی یا پیلی مٹی، گرائپ واٹر کے لئے میٹھا پانی، سلفا اور دیگر گولیوں کے لئے چاک یا کسی بھی نا[illegible] پاؤڈر کا استعمال کیا جاتا ہے۔

ایسی مصنوعی دوائیاں ایک جگہ بھری جاتی ہیں تو دوسری جگہ اُن پر لیبل لگایا جاتا ہے اور کسی تیسری جگہ انھیں رکھا جاتا ہے۔ یہ دوائیاں مٹرک چھاپ دکانداروں کو بغیر بل کے کم قیمت پر فروخت کی جاتی ہیں۔

اس ناجائز کام میں ملوث گروہ کا پتہ لگانا آسان کام نہیں۔ اکثر معاملات میں دیکھا گیا ہے کہ ملاوٹ کرنے والے غیر لائسنس یافتہ تھے ۱۹۶۰ء میں سلفا دوائی میں ملاوٹ کے کاروبار کا پتہ چلایا گیا اور مجرموں کو سزائیں دی گئیں۔ اس کاروبار میں بمبئی اور جے پور کی دو کمپنیاں ملوث تھیں اسی طرح ایک اور فیکٹری کا بھی پتہ چلا جو بنا وٹی ٹائیٹیٹ پاؤڈر

قومی راج

نمائش میں لوگوں کو گھٹیا اجزاء دکھائے جاتے ہیں جن کی ملاوٹ کرنے والے اشخاص آمیزش کرتے ہیں۔

بنایا کرتی تھی۔ یہاں سے بڑی تعداد میں بناوٹی پاؤڈر کے خالی اور بھرے ڈبے ضبط کئے گئے۔ اس معاملے میں بھی مجرموں کو سزا دی گئی۔ ۱۹۷۲ء میں مشہور ووڈ ورڈس گرائپ واٹر کی نقل تیار کرنے والوں کا پتہ چلایا گیا۔ لگاتار تین ہفتوں کی نگرانی کے بعد 'ایف ڈی اے' افسران نے عین اس وقت چھاپہ مارا جب مذکورہ بناوٹی گرائپ واٹر تیار کیا جا رہا تھا۔ بناوٹی دوائیاں، بلاک، لیبل، ڈبے اور دیگر اشیاء کا ایک بڑا ذخیرہ چھاپے کے دوران برآمد کیا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں اترپردیش کے ایک غیر لائسنس یافتہ کارخانہ دار کا تیار کردہ سلفا دوائی کا ایک بڑا ذخیرہ بمبئی کے ایک بیوپاری کے ہاں سے ضبط کیا گیا۔ بیوپاری نے بتایا کہ اس نے دوائیوں کا اسٹاک مذکورہ کارخانے دار سے خریدا تھا جو اپنی کمپنی کو پرائیویٹ لمیٹیڈ ظاہر کرتا تھا۔

خوش قسمتی سے یہ تمام واقعات ماضی کے ہیں جنھیں کافی عرصہ گذر چکا ہے۔ 'ایف ڈی اے' پورے وثوق سے کہہ سکتی ہے کہ اس نے ریاست سے دوائیوں میں ملاوٹ کے کاروبار کو ختم کر دیا ہے۔ اخبارات میں اس سلسلہ میں جو اِکا دکّا واقعات کی خبریں شائع ہوتی ہیں ان کا تعلق دوسری ریاست سے ہوتا ہے۔

لائسنس یافتہ فیکٹریوں پر نگرانی: دوائیاں تیار کرنیوالی فیکٹریوں کو لائسنس دینے سے پہلے 'ایف ڈی اے' اچھی طرح جانچ پڑتال کرتی ہے شروع ہی سے متعلقہ ذمہ داروں سے رابطہ قائم رکھا جاتا ہے اور انھیں وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات دی جاتی ہیں۔ فیکٹری کے نقشہ کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے اور فیکٹری میں موجود تمام شعبوں اور آلات کی جانچ کی جاتی ہے۔ نقشہ منظور ہونے کے بعد پلانٹ کا معائنہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ فیکٹری کے لئے تمام ضروری آلات مہیا ہیں، لائسنس جاری کیا جاتا ہے خام مال اور تیار مال کی جانچ کارخانہ دار کے لئے لازمی ہے۔

کسی بھی دوائی کی تیاری سے پہلے اس کے فارمولے کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اطمینان کیا جا سکے کہ مذکورہ دوائی میں کسی قسم کا ناخوشگوار طبی یا تیزابی اثر نہ ہو مزید یہ کہ دوائی کی پائیداری معلوم کی جا سکے کسی قسم کا شک ہونے پر دوائی تیار کرنے والوں کو لازمی ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ لیبل اور دوائی کے ڈبے پر مدت پائیداری ضرور تحریر کرے۔

سرکاری کارکن کی تجزیہ رپورٹ میں کسی دوائی کے ناقص ظاہر ہونے پر دوائی کا تمام اسٹاک ضائع کر دیا جاتا ہے۔

دوائی کی فروخت کے لئے بھی لائسنس کا ہونا ضروری ہے۔ لائسنس دیئے جانے سے پہلے تمام تفصیلات اچھی طرح جانچ لی جاتی ہیں۔ مثلاً درخواست گذار کے بارے میں جانکاری، متعلقہ علاقے میں جاری شدہ لائسنس کی تعداد وغیرہ وغیرہ۔ مکمل اطمینان کر لینے کے بعد کہ درخواست گذار اور اس کے معاون کارکن ضروری قابلیت کے حامل ہیں' لائسنس کو منظور کیا جاتا ہے۔

نمونے کی جانچ مال کی خاصیت کا پتہ لگانے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اس لئے 'ایف ڈی اے' کے افسران ایک مرتب پروگرام کے تحت دوائیوں کے نمونے حاصل کرتے ہیں۔ ناقص مال کا پتہ لگنے پر مناسب

کارروائی کی جاتی ہے ۔

بناوٹی مال تیار کرنے والوں کے خلاف سخت اقدامات اور لائسنس جاری کرنے کے سخت اصولوں کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ بناوٹ کا خاتمہ ہوگیا ہے بلکہ ریاست میں تیار ہونے والی اور فروخت کی جانے والی دواؤں کے معیار میں بھی بہتری پیدا ہوئی ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ دوائیوں کی صنعت ریاست مہاراشٹر میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہے ۔ اس ریاست کے لئے یہ بھی فخر کی بات ہے کہ ملک بھر میں درکار دوائیوں کا ۱/۳ حصہ ریاست مہاراشٹر میں تیار ہوتا ہے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں دوائیاں بیرون ریاست بھیجی جاتی ہیں ۔

آرائش حسن کی اشیاء پر کنٹرول : آرائش حسن کی اشیاء کے معاملے میں بھی کارخانہ دار کو کئی شرائط کا پورا کرنا لازمی ہے ۔ ان اشیاء کی تیاری کے لئے منتخب جگہ مناسب اور صاف ستھری ہونی چاہئے ۔ ذمہ دار افراد ضروری لیاقت کے حامل ہونے چاہئیں ۔ اشیاء تیار کرنے کی جگہ اور خام مال اور تیار مال رکھنے کی جگہ کافی بڑی ہونی چاہئے ۔ بالوں کے خضاب کے لئے خصوصی شرائط رکھی گئی ہیں ۔ خضاب کے استعمال سے پہلے یہ جانچنا ضروری ہے کہ اس میں موجود پیرا فینائل ڈایامائن کی بدولت کوئی خراب ردعمل تو نہیں ہوتا ۔ طریقۂ استعمال لیبل پر لکھا جانا چاہئے وغیرہ ۔

لپ اسٹک ، نیل پالش ، کم کم جیسی رنگ دار اشیاء کے لئے صرف مخصوص تارکول ڈائز استعمال کیا جانا چاہئے ۔ کاجل چونکہ جسم کے بہت ہی نازک حصہ یعنی آنکھ میں لگایا جاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تیاری میں تمام احتیاط برتی جانا چاہئے ۔

لیبل پر فیکٹری کا نام و پتہ ، لائسنس نمبر ، حصہ نمبر اور تعداد ، یہ تمام تفصیلات لکھی ہونی چاہئے ۔

سال میں دو بار فیکٹری کا معائنہ کیا جاتا ہے تاکہ یہ اطمینان ہو سکے کہ آرائش حسن کی اشیاء ضروری ہدایات کے مطابق تیار کی جا رہی ہیں ۔ مزید یہ کہ استعمال سے پہلے ان کی جانچ ہو رہی ہے یا نہیں اور یہ کہ صرف منظور شدہ تارکول ڈائز استعمال کی جا رہی ہے یا نہیں ان باتوں کی بھی معائنہ کے وقت جانچ کی جاتی ہے ۔

'ایف ڈی اے' نے کئی ایسے واقعات کا بھی پتہ چلایا جس میں یہ دیکھا گیا کہ مختلف بیماریوں بشمول خطرناک بیماریوں کے علاج کے لئے بے تکی چیزوں کا اشتہار دیا گیا تھا ۔ حتیٰ کہ ایک مشتہر نے دانت کی تکلیف کے لئے گلے کے ہار کا اشتہار دیا تھا ۔ کسی دوسرے اشتہار میں ماہواری ، جسمی تکالیف اور دوسری بیماریوں کے علاج کے لئے چکنی مٹی کے استعمال کی ترغیب دی گئی تھی ۔ اس کے علاوہ موتیا بند کے لئے اسی مٹی کو آنکھوں میں لگانے کا مشورہ بھی دیا گیا تھا ۔ آنکھوں کی بیماری ، ہسٹریا اور دانتوں کی تکلیف کیلئے ناس کا اشتہار دیا گیا تھا ۔ ایک اشتہار میں ایک یوگی کے دیئے گئے خاص پانی کو تمام بیماریوں کا علاج بتایا گیا تھا ۔ کالرا اور دوسری بیماریوں کے لئے جادو کا اشتہار دیا گیا تھا ایک اشتہار میں رکاوٹ میں اضافہ کے لئے تانترک ڈوری کی سفارش کی گئی تھی ۔

گذشتہ ۲۰ سالوں میں دو ملین اشتہارات ایف ڈی اے نے جانچے ۔ ان میں سے ۱۳،۵۰۰ اشتہارات ادویات و فوری علاج (قابل اعتراض اشتہار) قانون بابت ۱۹۵۴ء کی شرائط کے خلاف پائے گئے ۔ اس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ مذکورہ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے اشتہارات کی تعداد ۱۰ فیصد سے کم ہوکر ۰ر۷ فیصد رہ گئی ۔

ادویات کی قیمتوں پر کنٹرول : ایف ڈی اے کے افسران معائنہ کے دوران قیمتوں کی رسیدوں کی بھی جانچ کرتے ہیں ۔ زائد قیمت وصول کرنے پر مناسب کارروائی کی جاتی ہے ۔

۱۹۷۰ء میں ریاستی حکومت نے غذا میں ملاوٹ کے روک تھام قانون میں کچھ ترمیمات کیں ۔ ایک کمشنر کی تقرری عمل میں آئی اور ایف ڈی اے (انتظامیہ) کو با اختیار عہدیدار برائے غذا مقرر کیا گیا ۔ اس قانون کے نفاذ میں میونسپل حدود سے باہر علاقوں کو بھی شامل کیا گیا اس طرح ۷۰ فیصدی دیہی آبادی کو اس قانون کے دائرۂ عمل میں لایا گیا ۔ اس کے ساتھ ہی ۲۰۰ فوڈ انسپکٹر مقرر کیئے گئے ۔ شاید ریاست مہاراشٹر ہی ملک کی واحد ریاست ہے جہاں اتنی بڑی تعداد میں کل وقتی فوڈ انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں ۔ یہ انسپکٹر کھانے پینے کی اشیاء کے نمونے تمام جگہوں مثلاً تھوک بیوپاری ، کارخانہ دار ، ایس ۔ ٹی کینٹین ، سرکاری اسپتال اور زکوٰۃ ناکہ وغیرہ سے حاصل کرتے ہیں اس کے علاوہ فیکٹریوں اور دکانوں کا بھی وہ وقتاً فوقتاً معائنہ کرتے ہیں اور صاف صفائی سے متعلق ضروری ہدایتیں دیتے ہیں ۔

۱۹۷۰ء میں ایف ڈی اے کو اختیارات ملنے کے بعد چند اہم واقعات کی تحقیقات کی گئی ۔ ایک معاملے میں گائے سے حاصل کئے گئے گھی میں ۹۰ فیصد سبزی کے تیل کی چربی پائی گئی ۔ 'سینڈوچ اسپریڈ' کے نام سے فروخت ہونے والے مال میں نقلی مکھن پایا گیا ۔ ایسے تین واقعات کا پتہ چلایا گیا ۔ ضلع پونے میں گیارہ معاملات میں نقلی دارچینی اور سیاہ زیرہ کا پتہ چلا ۔ مٹھائی اور چاکلیٹ میں ممنوعہ رنگ پایا گیا ۔ سپاری میں مٹھاس کے لئے مضر کیمیات سائیکلامیٹ اور ڈکلس نیز ممنوعہ تارکول ڈائز شامل پائے گئے ۔ مرچ کے سفوف میں مٹی اور

ریت کی ملاوٹ تھی۔ پسے ہوئے مسالے میں مرچ کے سفوف میں لکڑی کے بُرادے اور دھنیا میں چاول کے ذرات کی آمیزش پائی گئی۔

بغیر لائسنس سوڈا واٹر بنانا اور مشہور کمپنیوں کے ٹریڈ مارک کا ناجائز استعمال جیسے متعدد معاملات کا بھی پتہ چلایا گیا۔ بمبئی کا ایک بیوپاری نقلی زعفران' جس میں رنگدار کاغذ کے پُرزے ملے ہوئے تھے امرتسر کے زعفران کے نام سے فروخت کرتا ہوا پایا گیا۔

ملاوٹ کے خلاف روک تھام اور قانونی کارروائیوں کے علاوہ ''تعلیمی پروگرام برائے صارفین'' اور ''تربیتی پروگرام برائے تاجران'' جیسے اقدامات بھی عمل میں لائے گئے تاکہ غذائی ملاوٹ کے مُضر اثرات کے بارے میں عوام کو ہوشیار کیا جاسکے۔

اس سلسلہ میں ریاست کے متعدد مقامات پر اور دیہی علاقوں میں نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان نمائشوں میں عوام کو غذا میں ملائے جانے والے اجزاء، ملاوٹ کے مضر اثرات اور غذا میں ملاوٹ کا پتہ چلانے کے آسان طریقے سمجھائے جاتے ہیں۔ گذشتہ پانچ سالوں میں ریاست کے مختلف مقامات پر ایسی ۱۵۰ نمائشیں منعقد ہوئیں۔ مذکورہ بالا باتوں سے متعلق ایک کتابچہ بھی شائع کیا گیا جس میں صارفین کے لئے ''کیجئے اور مت کیجئے'' کے زیر عنوان ہدایات شامل تھیں۔ یہ کتابچہ نمائشوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاجران اور صارفین کی جماعتوں کی ۲۰۰۰ سے زائد میٹنگیں طلب کی گئیں جن میں مذکورہ قانون اور ملاوٹ کے خلاف کئے جانے والے مختلف اقدامات پر روشنی ڈالی گئی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر خصوصی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ ریاست کے تمام نمایاں اخبارات و رسائل میں مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

ان تمام اقدامات کے نتیجہ میں غذا میں ملاوٹ اور ان کے مُضر اثرات کے خلاف صارفین میں ایک قسم کی بیداری پیدا ہوئی ہے۔ مزید یہ کہ ۱۹۷۲ء میں ملاوٹ کے واقعات ۱۸ فیصدی سے کم ہوکر ۶ فیصد رہ گئے۔

ریاست سے غذا میں ملاوٹ، نقلی دواؤں کا کاروبار جیسے غیر قانونی کاموں کے خاتمہ کا سہرا 'ایف ڈی اے' کے سر ہے۔ اس کے علاوہ زائد قیمتوں کی وصولی کی بھی 'ایف ڈی اے' کے ذریعہ روک تھام ہوسکی ہے۔

ان خوشگوار نتائج کے باوجود 'ایف ڈی اے' اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ غذا میں ملاوٹ کے غیر قانونی کاروبار کا مکمل طور پر خاتمہ ہوسکے۔ لیکن کامیابی کے لئے ایف ڈی اے کی خواہش ہے کہ صارفین عملی تعاون کریں۔

یہ حقیقت ہے کہ جب تک صارفین خود اپنے حقوق اور فرائض کا صحیح استعمال نہیں کریں گے اور غذا میں ملاوٹ کے واقعات سے منتظمین کو آگاہ نہیں کریں گے تب تک کسی بھی قانونی چارہ جوئی سے ''صارفین کو تحفظ'' کا مقصد مکمل طور سے حاصل نہیں ہوسکے گا۔ یہ صحیح ہے کہ پولس اسٹیشن یا عدالت جانے کے خوف سے صارفین اکثر شکایت درج کرانے سے کتراتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ایف ڈی اے کا تعلق ہے' کسی بھی شخص کو عدالت یا پولس اسٹیشن جانے کے لئے نہیں کہا جاتا۔ صارفین کی جانب سے دی گئی اطلاع پر تمام معاملات کی آزادانہ طور پر تحقیقات کی جاتی ہے۔ شکایت کنندہ کا نام کسی بھی حالت میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ شکایت کنندہ کو ایف ڈی اے کے دفتر بھی آنے کے لئے نہیں کہا جاتا۔

بچوں کی غذا میں دودھ کی اہمیت

• محمد رضی الدین معظم
۸۲۶ - رحیم منزل، شاہ گنج، حیدرآباد ۲

آزادی سے قبل ہندوستان میں غذا کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی اور نہ یہ کبھی محسوس کیا گیا کہ ہندوستان جیسا وسیع اور زرعی ملک اپنی غذائی ضروریات میں خودکفیل نہیں ہے۔ آزادی کے بعد شدت سے اس کا احساس ہوا۔ جبکہ ملک کی چند ریاستوں میں ایسا خوفناک قحط پڑا کہ جس میں لاکھوں انسان فاقوں سے تنگ آکر سسک سسک کر مرگئے اور لاکھوں خاندانوں کی زندگی تباہ و تاراج ہوگئی اور غذاکی قلت نے خطرناک شکل اختیار کرلی تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں راشننگ کے طریقے کا آغاز ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی انسانی صحت اور توانائی کو برقرار رکھنے والی کم سے کم مقدار پر زیادہ غور کیا جانے لگا۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے صحت کے معیار کو نہ صرف برقرار رکھنے بلکہ اس کو بلند کرنے کی خاطر بھی مختلف تجاویز پر غور وخوض کیا جانے لگا۔ اگرچہ کام جتنا ہونا چاہیئے تھا وہ نہیں ہوا پھر بھی ہندوستان کے لئے ایک اقل ترین غذائی معیار مقرر کیا گیا جس میں خصوصاً چھوٹے بچوں کو زیادہ سے زیادہ دودھ فراہم کرنے پر زور دیا گیا۔

دودھ کے فوائد سے کوئی ذی ہوش آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ اور ہندوستان کے پڑھے لکھے اور ان پڑھ مرد و عورت سب ہی جانتے ہیں کہ دودھ بہت ہی مکمل غذا ہے۔ عہدِ عتیق میں تو وید اور حکیم دودھ پر اتنا زور دیتے تھے کہ وہ بیماروں، کمزوروں اور بوڑھے آدمیوں تک کو غذا میں دودھ کو لازماً تجویز کیا کرتے تھے۔ لیکن اب سائنس کی تحقیق میں مزید موشگافیاں کی گئی ہیں، اور پتہ چلا کہ دودھ میں نہ صرف پروٹین، وٹامن (حیاتین) کیلشیم اور دوسرے مادّے وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں بلکہ اس میں بعض وہ اجزاء بھی شامل ہیں جو غلّے میں نہیں ہوتے۔ اور صرف اجناس کھانے والوں کو بعض امراض میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے مگر دودھ کے استعمال سے یہ خطرہ پیدا نہیں ہونے پاتا۔ غالباً بہنوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ایک سیر عمدہ اور خالص دودھ میں وہی غذائی قوت ہوتی ہے جو آدھ سیر عمدہ گوشت یا ایک سیر مچھلی یا دس انڈوں یا دس چھٹانک چوزہ کے گوشت میں پائی جاتی ہے۔

پیدا ہونے والے بچوں کی صحت و تندرستی کو برقرار رکھنے کے لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان کے واسطے ابتدا ہی سے اچھی غذا کا انتظام کیا جائے۔ اور اس غذا کا آغاز نہ صرف پیدائش سے شروع ہو بلکہ اس کا اہتمام اسی وقت سے ہونا چاہیئے جبکہ عورت حاملہ ہوجائے۔ بچّہ کی پیدائش سے قبل اور اس کو دودھ پلانے کے زمانے تک ماؤں کو اچھی غذا دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بچّے کو اچھی غذا مل رہی ہے۔ بچّہ کا دودھ چھڑا دینے کے بعد اس کو اچھی غذا کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور کم عمر بچّوں کو اس زمانے میں جو غذا دی جائے اس میں اگر دودھ کا مناسب جزو شامل نہ ہو تو یہ بالکل بے کار ہے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ ہزارہا بچے جن کی جانیں ذرا سی خبرداری اور احتیاط سے بچ سکتی ہیں ہر سال اپنی ماؤں کی جہالت اور لاپرواہی کی بدولت لقمۂ اجل ہوجاتے ہیں۔ کھانے پینے کی خرابی کا شیرخوار بچے کی صحت پر بڑوں سے کہیں زیادہ بُرا اثر پڑتا ہے۔ بچّہ کے پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ اسی دن سے شروع ہوجائے اور کم سے کم نو ماہ تک جاری رہے۔ وقت کی پابندی ضروری ہے۔ بلحاظ عمر شب و روز حسبِ تفصیلِ ذیل دودھ پلایا جائے:

عمر	دن رات میں کتنی مرتبہ دودھ پلایا جائے	کتنے گھنٹے کے بعد	رات کے وقت کتنی مرتبہ
ایک ماہ تک	۱۰	۲ گھنٹے	۴
۲-۳ ماہ	۸	۲½ گھنٹے	۳
۴-۵ ماہ	۷	۳ گھنٹے	۲
۶-۹ ماہ	۶	۴ گھنٹے	۱

اگر ماں بیمار ہے، نہایت کمزور ہے، بخار آرہا ہے، سِل ہے، مرگی کا عارضہ
ہے، چھاتی میں پھوڑا ہے یا حاملہ ہوگئی ہو یا دودھ کم آتا ہو تو ہر صورت میں کوئی
زوں دایہ کو ملازم رکھنا چاہیئے۔ دایہ تندرست موٹی تازی اور صحت مند ہو۔
سم کی بیماری سے پاک ہو، اس کا بچہ تقریباً ہم عمر ہو، دودھ کافی مقدار میں آتا ہو
اپنے بچے کو پلانے کے بعد چند ہی گھنٹے کے اندر کافی مقدار نکل آئے۔ گانجہ،
یون، شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کی عادی نہ ہو۔ اُسے حیض شروع نہ ہوگیا
۔ دایہ کی عمدہ غذا کا خیال رکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اگر یہ باتیں ممکن
یں تو گائے کا خالص دودھ نیم گرم خالص پانی میں ملاکر مندرجہ ذیل تفصیل
ے ساتھ دیا جائے:

عورت اور گائے کے دودھ میں فرق

مرکبات	عورت کے دودھ کا فیصد	گائے کے دودھ کا فیصد
پروٹین	۲	۴
کاربوہائڈریٹ	۶½	۴½
چربی	۴	۴
نمک	۱/۵	½
پانی	۸۸	۸۷

عمر	مقدار خوراک دن رات ۲۴ گھنٹے	مقدار فی خوراک	پانی اور دودھ کی مناسبت	پانی ملے ہوئے دودھ کی کل مقدار ۲۴ گھنٹے	مقدار بالائی فی خوراک	مقدار شکر فی خوراک	کیفیت
۳-۷ دن	۱۰	ایک اونس	ایک حصہ دودھ تین حصہ پانی	۵ تولہ	نصف چاء کا چمچہ	نصف چاء کا چمچہ	اگر ہاضمہ میں دقت ہو تو ایک چاء کا چمچہ چونے کا پانی یا اتنا ہی جَو یا بارلی کا پانی زائد کردیں یا نصف سرخ سوڈیم سٹریٹ ۲ تولہ دودھ میں ملادیں۔ اگر اچھی بالائی نہ ملے تو ۵ قطرے مچھلی کا تیل یا اتنی ہی انڈے کی زردی فی خوراک ملادی جائے۔ دودھ پلانے کی بوتل اور پستان خوراک دینے سے پہلے اور بعد نیم گرم پانی سے سرخ بورک ایسڈ ملاکر دھو رہیں اور دیگر اوقات میں بوتل کو اسی پانی میں چھوڑے رکھیں۔ احتیاط کا خاص خیال رکھیں۔
ایک مہینہ	۱۰	دو اونس	ایک حصہ دودھ دو حصہ پانی	۱۰ تولہ	چاء کا نصف چمچہ	چاء کا نصف چمچہ	
دو مہینے	۹	۳ اونس	ایک حصہ دودھ ۱½ حصہ پانی	۱۳½ تولہ	¾ چاء کا چمچہ	ایک چمچہ	
تین مہینے	۸	۴ اونس	مساوی	۱۶ تولہ	"	"	
۴-۵ مہینے	۷	۵ اونس	ایک حصہ دودھ نصف حصہ پانی	۱۷½ تولہ	چاء کا چمچہ بھر	"	
۶-۷ مہینے	۶	۷ اونس	ایک حصہ دودھ ¼ حصہ پانی	۲۱ تولہ	"	"	
۸-۹ مہینے	۶	۸ اونس	خالص دودھ	۲۰ تولہ	"	"	

مندرجہ بالا تختہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروٹین کی مقدار گائے کے دودھ میں
نی ہوتی ہے۔ کاربوہائیڈریٹ کی مقدار کم اور چربی کی مقدار برابر ہوتی ہے۔ نمک
مقدار گائے کے دودھ میں دُگنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ فرق تو صرف مقدار میں
تا ہے اس کے علاوہ صفات میں بھی بڑا فرق ہے۔ مندرجہ بالا تختہ میں بیان
ئے گئے مرکبات کی توضیح بھی اجمالی طور پر کردینی ضروری ہے جو حسب ذیل ہے:

روٹین: اس کے کئی اقسام ہیں جن کا لازمی عنصر نائٹروجن ہے جسم کے
بافت TISSUE بے شمار چھوٹے چھوٹے خلیوں CELLS سے بنے ہوئے ہیں۔
یہ خلیئے اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کی شکل خوردبین کے بغیر نہیں دکھائی
دیتی۔ خلیوں کی ترکیب میں نائٹروجن ضروری عنصر ہے یہ نائٹروجن ان کو غذا کے
پروٹین سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے بچوں کو جن کی بافتیں تیزی کے ساتھ
بڑھتی رہتی ہیں پروٹین کے کثیر مقدار کے استعمال کی ضرورت ہے۔ گوشت
انڈے بعض پھلیاں جیسے مٹر وغیرہ میں پروٹین کی مقدار بالخصوص زیادہ ہوتی
ہے پنیر میں بھی پروٹین کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔

یہ شکر اور آٹے پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس

کاربوہائیڈریٹ: کی مقدار چاول، گیہوں، آلو، میوہ جات وغیرہ میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ عضلات کے فعل میں مدد دیتی ہے اور چربی کے انجذاب میں سہولت پیدا کرتی ہے اس لئے ان کی موجودگی غذا میں ضروری

چربی: گوشت میں اس کی کافی مقدار ہوتی ہے۔ مسکہ اور گھی اس کی مثالیں ہیں۔ تیل بھی چربی کی قسم ہے۔ چربی جسم میں حرارت پیدا کرتی ہے، اور نازک اعضاء کے اطراف جمع ہو کر ان کو صدمہ سے محفوظ رکھتی ہے۔
اب ان ہی مرکبات کی توضیح کو ماں اور گائے کے دودھ کے ساتھ ملاحظہ فرمالیں۔

پروٹین: اگر دودھ میں ترشہ ACID ملایا جائے تو وہ تھوڑی دیر میں پھٹ جاتا ہے اور ایک ٹھوس مادہ نیچے جمنے لگتا ہے۔ یہ رسوب (نیچے جمع شدہ مادہ) دودھ کا پروٹین ہے اور کیسائنوجن کہلاتا ہے یہ رسوب عورت کے دودھ سے بھی حاصل ہوتا ہے لیکن بہ نسبت گائے کے دودھ سے حاصل شدہ رسوب کے اس کی مقدار کم ہوتی ہے اور بہت باریک ذرّوں پر مشتمل ہوتا ہے بچہ کے معدہ میں بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ معدہ میں ایک ترشہ ہوتا ہے جس کو ہائیڈروکلورک ایسڈ کہتے ہیں جس کے اثر سے دودھ کا پروٹین رسوب کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے۔ دودھ میں ایک اور قسم کا پروٹین ہوتا ہے جس پر ترشہ کا اثر نہیں ہوتا۔ اس کو دودھ کا البومن کہتے ہیں۔ اس کی مقدار عورت کے دودھ میں نسبتاً زیادہ ہوتی ہے اور گائے کے دودھ میں کم۔ جو پروٹین گائے کے دودھ میں بہت سی خرابیوں کا باعث ہوتا ہے۔ وہ قابل تر پروٹین کیسائنوجن ہے دودھ پینے کے نصف گھنٹے کے بعد اگر یہ دودھ معدہ میں سے بذریعہ ربر کی نالی کے باہر نکالا جائے تو اس میں ترسیب شدہ پروٹین کے ڈلے پائے جاتے ہیں۔ گائے کے دودھ کے استعمال ہونے کی صورت میں یہ ڈلے موٹے موٹے ہوتے ہیں جو ظاہر ہے کہ بہت زیادہ دیر سے ہضم ہوتے ہیں۔ یہ ایسا نقص ہے جو دور نہیں کیا جا سکتا۔

کاربوہائیڈریٹ: اس کی قسم گائے کے دودھ اور عورت کے دودھ میں ایک ہی ہے۔ لیکن چونکہ گائے کے دودھ میں اس کی مقدار کم ہے اور پانی ملانے سے اور بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے بچوں کو پلانے سے پہلے اس میں شکر کا اضافہ کرنا چاہئے لیکن معمولی شکر زود ہضم نہیں ہوتی ہے اس لئے یہ استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ LACTOSE استعمال کرنا چاہئے۔

چربی: اگر دودھ کا ایک قطرہ شیشہ کے ٹکڑے پر رکھ کر خوردبین سے دیکھا جائے تو اس میں چھوٹے چھوٹے گول گول خلیئے نظر آئیں گے (درج ذیل نقشہ ملاحظہ فرمائیے) یہ چربی کے خلیئے ہیں۔ گائے کے دودھ میں بہ نسبت

عورت کے دودھ کے یہ خلیئے زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔ اگر دودھ کو تھوڑی دیر رکھ چھوڑیں تو یہ خلیئے ہلکے ہونے کی وجہ سے ملائی کی شکل میں سطح کے اوپر جم جاتے ہیں۔ چونکہ بچے کو پلانے سے پہلے دودھ میں پانی ملایا جاتا ہے اس لئے چربی کی مقدار اس میں کم ہو جاتی ہے اور مزید چربی ملانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے ملک میں یہ عام رواج ہے کہ جو بھی چربی موجود ہوتی ہے وہ بھی نکال لی جاتی ہے عام طور پر یہ خیال ہے کہ ملائی اگر دودھ میں رہنے دیجائے تو اس سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ سائنسدانوں اور طبی تحقیق نے اسے غلط ثابت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ دیگر ممالک میں بچوں کو دودھ پلانے کے دودھ میں سے ملائی نہیں نکالی جاتی۔

نمک: نمک کی مقدار گائے کے دودھ میں زیادہ ہوتی ہے اس لئے پانی ملانے کے بعد مزید نمک کے اضافہ کی ضرورت نہیں لیکن چند امور توجہ طلب ہیں۔
(۱) گائے کے دودھ میں فولاد کی مقدار کم ہوتی ہے جو پانی ملانے سے اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ خون کی پیدائش کے لئے فولاد کا ہونا لازم ہے اس لئے جن بچوں کو زیادہ عمر تک گائے کے دودھ پر رکھا جاتا ہے اُن کو قلتِ خون کی شکایت ہو جاتی ہے۔
(۲) گائے کے دودھ میں کیلشیم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے معدہ میں زیادہ مقدار ہائیڈروکلورک ایسڈ کی پیدا ہوتی ہے اس زیادتی کا مضر اثر بتدریج ہوتا ہے اور بچہ کے بڑے ہونے کے بعد معدہ کے دیگر امراض پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ ان مرکبات کے علاوہ وٹامن اور جراثیم پر بھی غور کر لینا ضروری ہے۔

وٹامن: یہ عجیب وغریب اشیاء غذا میں موجود ہوتی ہیں اور صحت و

تندرستی کے لئے لازمی ہیں اگر یہ موجود نہ ہوں تو اُن کی غیر موجودگی سے بعض امراض پیدا ہوتے ہیں۔ دودھ میں تین قسم کے وٹامن ہوتے ہیں یعنی اے، ڈی اور سی' وٹامن اے اور ڈی چربی میں محلول رہتے ہیں اور وٹامن 'سی' پانی میں۔ اگر وٹامن 'اے' موجود نہ ہو تو بچے کی بالیدگی میں فرق آجاتا ہے' اگر وٹامن 'ڈی' نہ ہو تو ایک مرض رکٹس RICKETS پیدا ہو جاتا ہے اس مرض میں ہڈیاں نرم ہو جاتی ہیں اور پھر جسم کے بوجھ سے ٹیڑھی ہو جاتی ہیں۔ وٹامن 'سی' کی غیر موجودگی سے ایک دوسرا مرض اسکروی SCURVY ہو جاتا ہے جس کے باعث مسوڑھوں سے خون نکلنے لگتا ہے خون کی مقدار جسم میں کم ہو جاتی ہے۔ وٹامن اے اور ڈی ایسے جانوروں کے دودھ میں زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے جن کو ہری گھاس زیادہ میسر آتی ہے اور جن تک روشنی زیادہ پہنچتی ہے۔ جن جانوروں کو تاریک مقامات پر بند رکھا جاتا ہے اور باہر چرنے کا کم موقع دیا جاتا ہے ایسے جانوروں کے دودھ میں وٹامن کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں عام رواج ہے کہ دودھ اُبالا جاتا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیئے لیکن اُبالنے سے وٹامن 'اے' اور 'سی' ضائع ہو جاتے ہیں اس لئے ان کا کسی اور طریقے سے استعمال کرایا جانا ضروری ہے۔ وٹامن 'سی' بہت سی اور چیزوں میں ہوتا ہے جیسے لیمو، ٹماٹر، سنترہ، انگور وغیرہ۔ جن بچوں کی پرورش اوپر کے دودھ پر ہوتی ہے اُن کو ان چیزوں میں سے کسی چیز کا رس روز دینا چاہیئے۔ ایک چائے کے چمچے کے برابر لیمو یا سنترہ کا رس روزانہ دیا جانا کافی ہے۔ وٹامن 'اے' مچھلی کے تیل میں کثیر مقدار میں ہوتا ہے روزانہ نصف چمچہ صبح شام دینا بہت کافی ہے۔

جراثیم: عورت کے دودھ میں جراثیم نہیں ہوتے۔ گائے کے دودھ میں علاوہ اور جراثیم کے بالخصوص میعادی بخار، ہیضہ، پیچش اور دق کے جراثیم ہونے کا احتمال ہے اس لئے دودھ کا اُبالنا ضروری ہے۔ آخر میں اس امر پر بھی توجہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر دودھ فروش دودھ میں پانی ملا کر بیچتے ہیں چونکہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس لئے بہتر ہے کہ خالص دودھ حاصل کرنے کرنے کا انتظام کیا جائے۔

اس ضمن میں یہ وضاحت بھی ضروری ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں یہ رواج پڑ گیا ہے کہ گائے یا بھینس کے دودھ میں اسی مقدار میں پانی ملا دیا جاتا ہے اور اس میں سے ملائی بھی نکال لی جاتی ہے اور شکر کا اضافہ بھی نہیں کیا جاتا۔ یہ درحقیقت ایک عام توہم کی بناء پر ہے کہ شکر کے اضافے سے پیٹ میں کیچوے پڑ جاتے ہیں۔ اس طرح بچے کو دس بارہ ماہ کی عمر تک دودھ دیا جاتا ہے اور بچے کی عمر کی افزونی پر اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جاتا۔ اگر قبض ہو جائے تو اس گمان پر کہ قبض دودھ کے گاڑھے ہونے کی وجہ سے ہے اس میں اور پانی ملا کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کا دودھ دراصل دودھ نہیں ہے اور عورت کے دودھ سے اس میں بہت کم مشابہت ہوتی ہے۔ بچے کو پروٹین کی مقدار تو کافی ملتی ہے لیکن چربی اور شکر کی مقدار میں بہت کمی ہو جاتی ہے بچے کی عمر تو بڑھتی جاتی ہے لیکن دودھ میں شکر اور چربی کا توازن ویسا ہی قائم رہتا ہے۔ اس کی وجہ سے بچے کو قبض ہو جاتا ہے۔ اس قبض کو دور کرنے کی خاطر دودھ کو اور پتلا کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی رہی سہی غذائیت میں اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آٹھ نو ماہ کی عمر کو پہنچنے تک بچہ سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے۔ اور اس کو روزانہ اجابت لانے کی خاطر ملیرین کا حقنہ (اینما) دینا پڑتا ہے ... اس کے بعد جگر اور طحال بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب ایسی حالت میں بچہ کو ڈاکٹر سے رجوع کیا جاتا ہے جہاں اس کی خرابی جگر کی تشخیص ہوتی ہے۔ اور اس کی زندگی سے ناامیدی ظاہر کی جاتی ہے۔ میں یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اکثر و بیشتر ہندوستانی بچے جن کی پرورش گائے یا دوسرے جانوروں کے دودھ پر ہوتی ہے اور جن کو ماں کا دودھ کبھی میسر نہیں ہوتا بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جانوروں کا دودھ کسی حالت میں بھی عورت کے دودھ کی برابری نہیں کر سکتا۔ اس لئے ہر طرح کی احتیاط کے باوجود "سوء ہضمی" کی شکایت بچوں کو ہو جایا کرتی ہے اس کا باعث غذا کے اجزا میں کوئی بھی مرکب ہوتا ہے لہٰذا سوء ہضمی کی وجوہات کی شناخت کر لینا بھی نہایت ضروری ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱) پروٹین کی وجہ سے 'سوء ہضمی': دودھ میں دو قسم کے پروٹین ہوتے ہیں۔ جس میں سے ایک ترسیب پذیر پروٹین ہے، 'سوء ہضمی' اسی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کے موٹے موٹے ڈلے معدہ میں بنتے ہیں جس کو بچہ ہضم نہیں کرنے پاتا۔ پیٹ میں درد ہوتا ہے اور بچہ مسلسل رونے لگتا ہے اور بے چین رہتا ہے۔ دودھ پینے کے بعد قے کر دیتا ہے جس میں ڈلے نکلتے ہیں اکثر قبض کی شکایت رہتی ہے اجابت سخت چکٹ اور سفیدی مائل ہوتی ہے بچے کا وزن بڑھنا موقوف ہو جاتا ہے۔ سوکھنے لگ جاتا ہے جب یہ علامات پائی جائیں تو اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ میں خفیف مقدار میں سوڈیم سائٹریٹ SODIUM CITRATE ڈالیں۔ ایک وقت کے دودھ میں دو گرین سوڈیم سائٹریٹ کافی ہے اگر اس سے بھی فائدہ نہ ہو تو دودھ پھاڑ کر پلانا چاہیئے۔

۲) کاربوہائیڈریٹ کی وجہ سے 'سوء ہضمی': ایسی صورت میں بچہ کے پیٹ میں بہت درد ہوتا ہے۔ بچہ روتا رہتا ہے۔ اجابت میں کف ہوتا ہے۔ پاخانے آنے لگتے ہیں اور پاخانے کے مقام پر خراش ہوتی ہے۔ لہٰذا LACTOSE کا استعمال فوری موقوف کر دینا چاہیئے اس کے بجائے "پروٹین ملک" استعمال کرائیں

۳) چربی کی وجہ سے 'سوء ہضمی' اس میں ابتداء میں قبض ہو جاتا ہے۔

اجابت چکنی اور سفیدی مائل ہوتی ہے اور کپڑے پر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اس کی ترکیب میں صابن زیادہ ہوتا ہے۔ بچہ کا وزن بڑھنا موقوف ہو جاتا ہے۔ جب مرض بڑھتا جاتا ہے تو پیٹ میں مروڑ ہونے لگتی ہے جس کی تکلیف سے بچہ اکثر روتا رہتا ہے۔ دودھ پینے کے ایک آدھ گھنٹے بعد بچہ قے کر دیتا ہے اس سے بچے کو پیچش ہو جاتی ہے۔ اجابت جلد جلد سبزی مائل ہوتی ہے بروقت علاج نہ ہو تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دودھ سے ملائی نکال کر دیں، دودھ پھاڑ کر دیں۔

بکری اور بھینس کا دودھ : بکری اور بھینس کے دودھ میں پروٹین کی مقدار عورت کے دودھ کے بہ نسبت دگنی ہوتی ہے۔ چربی کی مقدار بکری کے دودھ میں کچھ زیادہ ہوتی ہے اور بھینس کے دودھ میں دگنی ہوتی ہے شکر کی مقدار بکری اور بھینس کے دودھ میں کم ہوتی ہے۔ نمک بکری کے دودھ میں تین گنا ہوتا ہے۔ اور بھینس کے دودھ میں چار گنا۔ اگر بجائے گائے کے دودھ کے بکری یا بھینس کا دودھ پلایا جائے تو ان میں بھی اتنا ہی پانی ملانا چاہیئے کہ حتی الامکان عورت کے دودھ کے مماثل ہو جائے۔ دودھ کی خرابی سے کسی بھی مرض کے باعث ڈاکٹر سے فوری مشورہ اور اس کے حسب ہدایت عمل نہایت ضروری ہے۔

غذائی احتیاط : ہاں کسی وجہ سے ماں اپنے بچہ کو ۹ ماہ بعد دودھ نہ پلا سکے یا دودھ چھڑا دے تو اس کے عوض گائے کا خالص دودھ دیا جائے اور ایک دو خوراکوں کے ساتھ تھوڑی سی یخنی یا شوربہ بھی دیا جائے۔ دودھ کے ساتھ ایک انڈے کی زردی پھینٹ کر دینا بھی مفید ہے اور دودھ کی کل مقدار ایک سیر رہے یا پھر بجائے انڈے کے ایک ذرا سا روٹی کا چھلکا ایک دن آڑ سے زائد کر دیا جائے۔ سال بھر کی عمر میں پتلا شوربہ، ہلکی کھیر، خوب گھلے ہوئے آلو یا ایک ہلکا اُبلا ہوا انڈا (یعنی کچا پکا اُبلا ہوا انڈا) روز کھانے کے ساتھ دیا جائے اور خوراک بھی گھٹا کر صرف چار کر دیں۔ لیکن دودھ اب بھی کافی مقدار میں پلایا جائے۔ اس کے بعد بچہ کے دانت جلد جلد نکلنے شروع ہو جاتے ہیں اگر اس کو کبھی کبھی اچھی سوکھی ہوئی روٹی چوسنے کو دی جائے تو مضائقہ نہیں۔ ڈیڑھ برس کی عمر میں مکھن روٹی دلیا اور باریک پسا ہوا گوشت دینا شروع کیا جائے دودھ اب بھی برابر جاری رکھیں۔ دو برس کی عمر میں یہ گوشت سالن کے چمچہ کے برابر کر دیا جائے۔ لیکن دن میں صرف ایک بار۔ دو تین برس کے درمیان یہی غذا کچھ زیادہ کر کے جاری رکھی جائے۔ سبز ترکاریاں چار سال سے پہلے نہ کھلائی جائیں۔ لیکن قبل ازیں خوب پکی ہوئی لوکی، گوبھی کا پھول، گھلے ہوئے آلو دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ غذاؤں کی تبدیلی دفعتہً نہ کی جائے۔ دودھ برابر جاری رکھا جائے۔ اچھی طرح چبانے کی عادت سکھلائی جائے۔ کھانا وقتِ مقررہ پر دیا جائے اور وقفہ کے دوران کسی قسم کی غذا منہ میں نہ جانے پائے۔ پکے اور زود ہضم پھل تین برس کے بعد دے سکتے ہیں لیکن اخروٹ اور بادام وغیرہ سے پرہیز لازمی ہے۔ تین برس کے بعد ذرا ہلکی سی چائے دینے میں حرج نہیں، میٹھی اشیا، اس عمر میں مفید اور مرغوب ہیں۔ لیکن زیادہ ثقیل مٹھائیوں، پڈنگ، کیک وغیرہ سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔

●●

آر جی مایڈیو

کوسباد میں 'پیڈ' کا باغبانی مرکز

ادیباسیوں کیلئے تروتازہ غذا، پھل اور سبزیاں

ناکافی اور ادنیٰ قسم کا چاول، عرصہ سے تھانے ضلع کے ادیباسیوں کی خوراک رہا ہے۔ اب ان کی غذا میں ترکاریاں اور پھل بھی شامل ہو گئے ہیں اور یہ سب کچھ 'پیڈ' کی توجہ کی بدولت ہے جس کی اعانت سے کوسباد میں باغبانی کا ایک مرکز قائم ہو گیا ہے۔ اس طرح کے دوسرے مراکز 'پیڈ' کی امداد کی بدولت ریاست مہاراشٹر کے ادیباسیوں کی آبادی والے اضلاع مثلاً جلگاؤں، ایوت محل، چندرپور اور ناسک میں بھی قائم ہو گئے ہیں۔

ادیباسی ایک بے حد پسماندہ طبقہ ہے جن کی طرف مکمل توجہ نہیں دی گئی ہے اور جو ہمیشہ استحصال کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ ضلع تھانے میں ادیباسیوں کی آبادی چھ لاکھ ہے یہ غریب ناقص غذا کے باعث اکثر بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ حاملہ عورتیں، نئی مائیں اور بچے کوئی نہ کوئی مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اس مسئلہ کا آسان حل یہی نظر آیا کہ ادیباسیوں کی خوراک میں ترکاریاں اور پھل شامل کئے جائیں۔

اس مقصد کے لئے کوسباد میں واقع زراعتی ادارے نے ایک ایسا پروگرام مرتب کیا جس سے بیک وقت دو کام لئے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ادیباسیوں کو فن باغبانی کی تربیت دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بیجوں کی کھیتی اور نرسری کے لئے ترکاریوں اور پھلوں کے بیج حاصل کئے جاتے ہیں اس اسکیم کے لئے پیڈ نے تقریباً ..., ۶ روپیہ بطور امداد دیا ہے۔

کھیت پر تربیت

اس پروگرام میں ۲۰ دیہات شامل ہیں۔ جہاں ادیباسیوں میں سے منتخب افراد کو ادارہ کے کھیتوں میں عملی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کھیتوں کو عملی مظاہرہ کے مراکز کہہ سکتے ہیں۔ جہاں سماجی خدمت گار ادیباسیوں کو ترکاری اور پھلوں کی کاشت کیسے کی جاتی ہے، سکھلاتے ہیں۔ تربیت یافتہ ادیباسی بعد میں خود اپنے کھیتوں میں ان پھلوں کی کاشت کرتے ہیں۔ اس طرح ان کھیتوں میں دراصل باہمی تعاون کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

آج ان علاقوں میں جگہ جگہ شیوگا، آم، جنس پھلوں کے درخت اور دوسرے خوشنما پودے نظر آتے ہیں جنھیں صرف بارش کا پانی کافی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سویا بین اور جوئی بھی یہاں کاشت کی جاتی ہے۔ ادیباسیوں نے پھلوں کے باغ بھی لگائے ہیں جن میں ناریل، پپیتا اور چیکو کے درخت ہیں۔

ضلع تھانے کے
کوسباد میں واقع
ادارۂ زراعت

بہرحال اس محنت کا خاطر خواہ نتیجہ یہ نکلا کہ ناکافی اور گھٹیا قسم کے چاول کی جگہ اب ادیباسیوں کی خوراک میں ضروری سبزی اور پھل بھی شامل ہوگئے۔ اب ادیباسیوں کے لئے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ وہ کھیتی کے بل بوتے پر اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کرسکیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے گوبر گیس پلانٹ بھی تعمیر کئے ہیں۔ ادیباسی اس گیس کو کھانا پکانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں اب سلائی بھی کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہاں آسٹریلیا سے حاصل کی گئی اسٹائیلو اور سیربنیٹو نامی گھاس پر چھ سال تک تجربات اور تحقیقات کی گئیں۔ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ اس گھاس میں پروٹین کی مقدار ۱۸ سے ۲۵ فیصد ہے جبکہ مقامی گھاس میں پروٹین صرف ۲ یا ۳ فیصد پایا جاتا ہے۔ ڈوی دال قسم کی گھاس میں نائٹروجن کی بھی مناسب مقدار ہے جو زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ گھاس نم ڈھلوان سطح پر آسانی سے اگتی ہے اور جانوروں کے لئے توانائی بخش چارہ کا کام دیتی ہے۔

یہ سب ادارہ کے ڈائرکٹر پروفیسر جینت راؤ پاٹل کی رہنمائی اور کوششوں سے ممکن ہوا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے پروجیکٹ قائم کرنا اب مشکل نہیں ہے۔

کارآمد تبدیلیاں

کوسباد زراعتی ادارہ ضلع تھانے کے ادیباسیوں کی زندگی میں کیا تبدیلیاں لایا ہے یہ دیکھنے کے لئے ۱۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ہم یہاں پہنچے ادارہ کا دفتر ایک پہاڑی پر واقع ہے جہاں سے اطراف کا منظر صاف نظر آتا ہے۔ پہلی تبدیلی جو ہمیں محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ اطراف کا ماحول اب ہرا بھرا نظر آتا ہے۔ ادارہ کے ڈائرکٹر شری جینت راؤ پاٹل نے ہمارا استقبال کیا۔

ہمیں ایک ادیباسی کے کھیت میں لے جایا گیا۔ اس کھیت کی ملکیت کے بارے میں شری جینت راؤ پاٹل نے بتایا کہ ۱۹۵۱ء سے پہلے ادیباسی [illegible] دار کی حیثیت سے کاشت کرتے تھے۔ کیوں کہ زمین ایرانیوں اور ساہوکاروں کی ملکیت میں تھی۔ لیکن زمین بنام کاشت کار قانون کے نفاذ کے بعد ادیباسیوں کو زمین کا قبضہ دیا گیا۔ زراعت سود مند ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ صرف دو یا تین فصلیں اگائی جائیں۔ اگر زمینی پیداوار سے ضرورت کے مطابق آمدنی نہ ہو تو اس زمین کی ملکیت کس کام کی۔ شری پاٹل نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ دو یا تین فصلوں کے لئے بھی مناسب مقدار میں آب رسانی کی سخت ضرورت ہے۔ جن ادیباسیوں نے کنوئیں تعمیر کئے ہیں اور ان کے ذریعہ آب پاشی کرنے کے قابل ہیں۔ صرف وہی سال بھر کھا پی سکتے ہیں جنھیں صرف بارش کا پانی میسر ہے ان کے لئے غذا ایک مسئلہ ہے۔ سال میں ۳ یا چار مہینے یہ لوگ صرف ابل نامی غذا کھاتے ہیں جو راگی، جنگلی پیڑ پودوں اور کبھی کبھار جو ہوں سے تیار کی جاتی ہے۔

کنوئیں کے ذریعہ آب رسانی

شری پاٹل ہمیں ایک فارم لے گئے۔ یہاں ایک کنواں تھا اطراف میں آم، چیکو، ناریل اور پپیتہ کے درخت لگے ہوئے تھے کنوئیں کے ساتھ ایک الیکٹرک پمپ لگا ہوا تھا۔ کنواں آدھے سے زیادہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ شری پاٹل نے کہا کہ ادیباسیوں کی یہ ۱½ ہیکٹر زمین ہے۔ لیکن کنوئیں کی بدولت یہ چھوٹی سی اراضی ایک اچھا ذریعہ معاش بن گئی ہے۔ کنواں تعمیر ہونے سے پہلے بارش کے موسم میں یہاں صرف ایک فصل اگائی جا سکتی تھی۔ اب کنوئیں کی وجہ سے جو تبدیلی رونما ہوئی ہے وہ دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم نے دیکھا کنوئیں کے ایک طرف ہی مرچ کی فصل تھی۔ اس کے بعد پیاز کے پودے۔ دھان فصل کے بعد ادیباسیوں نے یہ ربیع فصل اگائی تھی۔ ادیباسیوں نے یہ ربیع فصل اگائی تھی۔ اراضی کے مالک کسان کا ایک گوبر گیس پلانٹ بھی موجود تھا اور گیس کسان کے باورچی خانہ سے جوڑا گیا تھا، جہاں کسان کی بیوی دھرتی گیس کے چولھے پر کھانا پکا رہی تھی۔ دھرتی ادارہ میں مزدور کی حیثیت سے کام کیا کرتی تھی لیکن اب وہ اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ اپنی زمین میں کام کرتی ہے۔ سال میں دو یا تین فصلیں اگاتے ہیں جن میں آم، چیکو، انار اور دوسری سبزیاں شامل ہیں۔

غذا میں تبدیلی

پیڈ کی اعانت کردہ کوسباد میں واقع نرسری نے حقیقتاً ادیباسیوں کی غذا میں زبردست تبدیلی کی ہے۔ اب ان کی خوراک میں ترکاریاں اور پھل شامل ہیں۔

ان کی غذا کیا تھی؟ عام طور سے چاول اور راگی۔ اب وہ ترکاریوں میں بینگن، فرینچ بین، آلو، پیاز، مرچ اور پھلوں میں آم، چیکو، بیر، سیب، پپیتہ وغیرہ بھی اگاتے ہیں ظاہر ہے یہ ترکاریاں اور پھل اب ان کی غذا میں بھی شامل ہیں۔ ان فصلوں کے لئے کوسباد سے انھیں قلمیں دی جاتی ہیں

اس علاقہ میں اب گیہوں کی کاشت بھی ہونے لگی ہے، اور چپاتی بھی ان کے کھانے میں نظر آتی ہے۔ وہ ہری مسور، کالی مسور اور لال مسور کی دالیں بھی اگاتے ہیں۔

ادیباسی لڑکے اور لڑکیاں،
کوسباد کے نرسری
باغ میں پودے جمع کر رہے ہیں۔

**

شری پاٹل نے بتایا کہ یہ ایک مثال ہے کہ کس طرح کنویں کے ذریعہ آب پاشی کی وجہ سے ادیباسیوں کی زندگی میں بہتری پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اب تک صرف چند سو کنویں ہی تعمیر ہوئے ہیں۔ پہلے کنویں کی تعمیر پر ۲۵۰۰ روپیہ خرچ ہوتا تھا اب اخراجات چار گنا بڑھ گئے ہیں۔ اس کے بعد ہم دوسرے ادیباسی کے کھیت میں گئے۔ اس کے بارے میں شری پاٹل نے بتایا کہ اس ادیباسی کو جرمنی کے سفیر گنتھر ڈیل نے کنویں کے لئے ۷۰۰۰ روپیہ کا عطیہ دیا۔ یہ سفیر اپنی بیوی کی شادی کی سالگرہ ایک انوکھے ڈھنگ سے منانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے آپ نے خوش نصیب ہرکیا ہیلگا نامی ادیباسی کے کھیت میں ایک کنواں مع الیکٹرک پمپ لگوایا۔ "جسے ہیلگا برونن" کا نام دیا گیا۔ ہرکیا کے کھیت میں بھی کنویں کی بدولت خوشگوار تبدیلی دیکھی گئی۔

دوائیوں کے کام آنیوالی جڑی بوٹیوں کی نرسری

ایک ادیباسی کسان ہے جسے دوائیوں کے طور پر استعمال ہونے والی جڑی بوٹیوں کا کافی علم ہے۔ آپ اس سے کسی بھی علاج کی بابت دریافت کیجئے۔ وہ ضلع تھانے کے جنگلات میں جا کر جڑی بوٹیاں لے آئے گا۔

شری جینت پاٹل نے بتایا کہ اس شخص کی لائی ہوئی جڑی بوٹیوں کے لئے ایک علیحدہ نرسری قائم کی گئی ہے۔ ان جڑی بوٹیوں کو سائنس کے طریقے سے شناخت کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں دوائیوں کے لئے استعمال ہونے والی جڑی بوٹیوں کا خزانہ ہے۔ بندر جب بیمار ہوتے ہیں تو وہ جنگل میں ادھر ادھر دوڑ کر خاص قسم کی جڑی بوٹیوں کو تلاش کرتے ہیں اور اسے استعمال کرتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی بھی نرسری قائم کی گئی ہے تا کہ قدرت کا یہ عظیم تحفہ ضائع نہ ہو۔

درخت

ادارہ کی طرف لوٹتے وقت شری پاٹل نے ہماری توجہ کھیتوں کے کنارے کنارے لگے درختوں کی طرف دلائی۔ یہاں آم، بیر، انار، چکو، شیوگا، امرود وغیرہ کے درخت نظر آرہے تھے۔ آپ نے گلائی ری سیڈیا قسم کا ایک درخت دکھلایا۔ یہ صرف بارش کے پانی سے تیزی سے بڑھنے والا لیگوم درخت ہے۔ اس درخت پر سال بھر میں ۵۰ کلوگرام پتے لگتے ہیں۔ جو کھاد کے کام آتے ہیں۔ ان میں ایک فیصدی نائٹروجن اور ایک تا ۱½ فیصدی پوٹاشیم ہوتا ہے۔ آپ نے بتایا کہ ادیباسی عورتوں کو ایندھن کے لئے اور فروخت کے لئے لکڑیاں لانے جنگل میں بہت دور تک جانا ہوتا ہے۔ اگر درخت ان کے گھر کے قریب لگائے جائیں اور گوبر گیس سے کھانا پکانے کے لئے گیس فراہم کیا جائے تو انہیں ان تمام تکالیف سے نجات مل سکتی ہے۔

کوسبادی کنویں

اس کے بعد ہم ادارہ کے دوسری جانب واقع کھیت میں گئے یہاں جس چیز نے ہماری توجہ مبذول کرائی وہ "کوسباد ٹائپ کنواں" تھا۔ جس میں ڈھلوان سطح سے بہتا ہوا پانی جمع ہوتا تھا۔ یہ کنواں ۲٫۵ لاکھ لیٹر پانی جمع کرنے کی گنجائش رکھتا ہے۔ اور اس کی مدد سے ۸ ہیکٹر زمین پر آب پاشی کی جا سکتی ہے۔ ایک گھنٹے میں ۲۰۰۰ گیلن پانی پمپ کے ذریعہ کھینچا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال کنویں کی بدولت ۵۰ گاڑیاں بھر کر کیمیات سے پُر کھاد حاصل ہوتی ہے۔ جو پھلوں کی کاشت کے

لئے مفید ہے ۔ ہر سال ماہ مئی میں ۶۰ فٹ قطر اور ۱۶ فٹ گہرا یہ کنواں مکمل طور سے خشک ہو جاتا ہے ۔

تحقیقی تجربہ گاہ

پھر ہم نے ادارہ کی تجربہ گاہ کی سیر کی ۔ یہاں صحن میں ڈاکٹر جارج واشنگٹن کے دور کی ایک بڑی تصویر آویزاں تھی ۔ یہ امریکہ کا ایک نیگرو کسان ہے جسے پولیٹزر انعام دیا گیا ہے ۔ اس کسان نے اپنی تمام زندگی زراعتی تحقیقات میں صرف کر دی تھی ۔ تاکہ دیہی علاقوں میں آباد اپنے ہم وطنوں کے حالات زندگی بہتر بنا سکے ۔ شری پاٹل نے بتایا کہ اب امریکہ میں المیامل کے مقام پر واقع تسکیگی انسٹی ٹیوٹ یہ قابل قدر کام انجام دے رہا ہے ۔

ادیباسی کسانوں کی سرگذشت

چند ادیباسی کسانوں سے گفتگو کرنے پر ہمیں پتہ چلا کہ ادیباسی اب بڑے پیمانے پر درخت لگانے اور سبزیاں اگانے کا کام کرتے ہیں ۔ وہ بیڈ کے اعانت کردہ کوسباد ادارہ سے قلم اور بیج لے جاتے ہیں ایک ادیباسی سولو ادیا دھاک سے ہمارا تعارف کرایا گیا ۔ یہ ادیباسی تقریباً ۱½ ہیکٹر (۳½ ایکڑ) اراضی کا مالک ہے ۔ اس کے پاس مع پمپ کے ایک کنواں ہے ۔ وہ اپنے کھیت میں ہری مرچ ، ٹماٹر ، بینگن ، پیاز اور چیکو بوتا ہے ۔ اس کے علاوہ کچھ ترکاریاں بھی اگاتا ہے جنھیں وہ خود استعمال کرتا ہے اور کچھ بازار میں فروخت کرتا ہے ۔ اس کے کھیت کے کنارے آم ، امرود ، منس ، آملہ ، چیکو اور شیوگا کے درخت تھے ۔ آم کا درخت مقامی قسم کا ہے ۔ لیکن وہ الفانسو آم اگانے کی کوشش کر رہا ہے ۔

دبوجی رشا تاندیل دو ہیکٹر زمین کا مالک ہے ۔ اس کے پاس دو بیل اور ۲۵ بکریاں ہیں ۔ اس کے کھیت میں بھی کنواں اور پمپ ہے ۔ سبزیوں کے علاوہ وہ چیکو ، آم اور ناریل کے درخت بھی لگاتا ہے ۔ اس کے لئے وہ پودوں کے بیج اور قلم کوسباد مرکز سے حاصل کرتا ہے ۔

سین وار روپ جی ناگلیہ کے پاس بھی ۲ ہیکٹر زمین ، کنواں اور پمپ ہے ۔ اس نے چیکو کے ۵۰ ، ناریل کے ۴۰ ، امرود کے ۲۰ ، آم کے پانچ اور کیلے کے ۲۵ درخت بھی لگائے ہیں ۔ وہ بینگن ، ٹماٹر وغیرہ جیسی سبزیاں بھی اگاتا ہے ۔ اس کے علاوہ گیہوں کی کاشت بھی کرتا ہے ۔ اس لئے اب اس کی غذا میں چپاتی بھی شامل ہے ۔ جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ بیڈ نرسری سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا تو اس نے بتایا کہ اس نے پیاز ، مرچ ، چیکو اور آم کی قلمیں یہاں سے حاصل کی ہیں ۔

مرڈ کا پرشورڈ کا وادھن نصف ہیکٹر زمین کا مالک ہے ۔ وہ عام کنوئیں سے پانی حاصل کرتا ہے ۔ رڈ کانے کوسباد کے ادارے میں آم کے قلم لگانے کا کام سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی ۔ گزشتہ سال اس نے ادیباسی کسانوں کے لئے ۷۰۰ آم کی قلمیں لگانے کا کام کیا ۔ وہ اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیتا ۔ بلکہ اپنے ادیباسی بھائیوں کو یہ کام سکھانے میں اسے دلی خوشی محسوس ہوتی ہے ۔ اس کے علاوہ اسے احمد آبادی بیر کی قلمیں لگانا بھی آتا ہے ۔

دیگر اعانت کردہ پروجیکٹ

بیڈ مہاراشٹر نے ایسے کئی دیگر اداروں کو بھی امداد دی ہے ۔ ضلع تھانے میں پال گڈھ میں واقع دیکاس انسٹی ٹیوٹ ادیباسیوں کو ترکاریوں اور پھلوں کی قلمیں فراہم کرتا ہے ۔ دھان بیج جو ۳۰ ایکڑ زمین کے لئے کافی ہوں ۔ اس ادارے سے تقسیم کئے جا چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ ڈیڑھ سو آم کی قلمیں بھی لگائی گئی ہیں ۔ اس ادارے کو بیڈ کی جانب سے ۴۰،۰۰۰ روپیے کی امداد دی گئی ہے ۔

پالگڑھ میں ہی سونایت ڈانڈیکر کالج آف آرٹس اور دی ۔ ایس

(بقایا صفحہ ۳۲ پر)

آم کے درخت

شری جینت پاٹل نے کہا کہ بیڈ کی اعانت کردہ نرسری کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ادیباسی کسانوں کے دماغ میں درخت لگانے کی اہمیت واضح ہو گئی ہے ۔ جب یہ ادیباسی کسان لگان دار کاشت کار تھے تو انھیں ڈر لگا رہتا تھا کہ اگر وہ درخت لگائیں گے تو ان کے مالک تمام پھل چھین لیں گے ۔ اب جب کہ وہ خود زمینوں کے مالک بن گئے ہیں ان کی یہ سمجھ میں آ گیا ہے کہ درختوں سے انھیں کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ انھوں نے کہا کہ ہم انھیں خاص طور سے آم کے درخت لگانے کو کہتے ہیں ۔ ہم ادیباسی لڑکوں سے تھیلا بھر کر آم کی گٹھلیاں لانے کو کہتے ہیں ۔ ایک تھیلا گٹھلیوں کے لئے ہم انھیں ۱ روپیہ دیتے ہیں ۔ جب پودے دو تین سال پرانے ہو جاتے ہیں تو خاص قلمکاری کے ذریعہ یہ معمولی آم کے پودے الفانسو آم کے پودے بن جاتے ہیں ۔ آم کے درختوں کیلئے پانی دینے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ آم کی کاشت کم خرچ ، آسان اور منافع بخش ہے ۔

شری پاٹل نے مزید کہا کہ بیڈ کی تحریک انھیں پسند ہے کیونکہ یہ عملی اقدام کی حامل ہے ۔

• رشید الدین ایم۔اے (عثمانیہ)
حمایت نگر، حیدرآباد ۲۹

قلعۂ انتور ناگاپور۔ مراٹھواڑہ کا قدیم تاریخی قلعہ

دکن کا علاقہ مراٹھواڑہ قدیم زمانے سے ہی مشہور رہا ہے۔ یہاں پر زمانۂ ماقبل تاریخ کے بھی آثار پائے جاتے ہیں۔ اجنتا اور ایلورہ کے شہرۂ آفاق غار، دولت آباد کا مشہور زمانہ قلعۂ پٹن اور خلدآباد کے مقدس مقامات اور اورنگ آباد جیسا تاریخی شہر اسی علاقے میں واقع ہے۔ یہاں قدیم زمانے کی خانقاہیں اور عبادتگاہیں بھی کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں جن کی ابتداء ہندو دور سے ہوتی ہے اور جس کا سلسلہ بدھ مت اور جین مت سے ہوتا ہوا مسلمانوں کے دور تک پہنچتا ہے۔ اس علاقہ میں جو قدیم ہندو عمارتیں تھیں یا ہیں ان کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ آندھروں کی حکومت جب پٹن میں قائم ہوئی تو اس کے بعد سے کچھ تاریخی مواد ملتا ہے لیکن تفصیل پھر بھی دستیاب نہیں ہوتی اور تاریخی شہادتیں مفقود ہیں۔

دکن کا علاقہ مراٹھواڑہ ان دنوں ریاست مہاراشٹر میں شامل ہے صف جاہی دور میں یہ ریاست حیدرآباد میں شامل تھا اور مراٹھی زبان ی مناسبت سے مراٹھواڑہ کہلاتا تھا۔ اس کے پانچ اضلاع اورنگ آباد، ڑ، ناندیڑ، پربھنی اور عثمان آباد ہیں اور یہ ان دنوں ایک ڈویژن ہے جس ا مستقر اورنگ آباد ہے۔ نومبر ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی تنظیم جدید میں مراٹھی بان کی وجہ سے یہ علاقہ مہاراشٹر کے حصہ میں آیا۔ شروع سے یہ علاقہ زبانُ ب اور تاریخ و ثقافت کے لئے مشہور رہا ہے اور آج بھی ہے۔

اُردو کے اولین شعراء دلی و سراج اور مراٹھی کے سنت ایکناتھ کا تعلق اسی سرزمین سے رہا ہے۔ یہ برسوں مغل شہنشاہ اورنگ زیب کا جنوبی ہیڈ کوارٹر رہا ہے اور آصف جاہی سلطنت کی بنیاد اسی علاقہ میں پڑی ــ نظام الملک آصف جاہ اوّل نے اورنگ آباد ہی سے اپنی بادشاہت کا آغاز کیا۔ ان کے جانشین کے دور میں آصف جاہی پایۂ تخت حیدرآباد منتقل ہوا۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے کام کا بھی برسوں تک اورنگ آباد مرکز رہا اور انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق ڈکشنری یہیں مرتب اور شائع کی۔

مراٹھواڑہ میں قدیم تاریخی عمارتوں اور یادگاروں کے علاوہ شمالی انب جو پہاڑی حصے ہیں وہ خاصے اہمیت کے حامل ہیں جن کا سلسلہ مغربی ھاٹ سے ملتا ہے۔ ان ہی پہاڑی راستوں سے شمال کے لوگ دکن میں آتے تھے۔ ان پہاڑی حصوں میں گھنے جنگلات تھے اور بعض جگہ کچھ راستے پائے جاتے تھے یہاں پر قدیم راجاؤں نے پہاڑوں پر قلعے تعمیر کروائے تھے تاکہ باہر سے آنے والوں کو روکا جا سکے۔ چنانچہ دولت آباد کا قلعہ جو جنوبی ہند کا بہت ہی مشہور و معروف اور قدیم قلعہ ہے ان ہی پہاڑی حصوں کو اطراف سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کے اطراف خندق بھی کافی گہرائی تک کھود کر بنائی گئی تھی۔

ان قلعوں کا سلسلہ شمال کے پہاڑوں میں انکائی، دیشال گڑھ، بیتال باڑی اور انتور کے نام سے پھیلا ہوا ہے۔ جب دکن میں بہمنیوں کی پہلی مسلم سلطنت قائم ہوئی تو یہ سارے قلعے اس کے زیرنگیں آگئے اور بہمنی بادشاہو نے انھیں مستحکم کیا۔ بہمنی سلطنت کے خاتمہ پر دکن میں پانچ مسلم ریاستیں قائم ہوگئیں جن میں گولکنڈہ کی قطب شاہی، بیدر کی برید شاہی، احمدنگر کی نظام شاہی، ایلچ پور کی عماد شاہی اور بیجاپور کی عادل شاہی حکومتیں شامل تھیں۔ مراٹھواڑہ کا موجودہ علاقہ اس زمانے میں احمدنگر کے تحت تھا۔ نظام شاہی بادشاہوں نے نہ صرف احمدنگر میں ایک بہترین قلعہ تعمیر کیا بلکہ اپنے حدود سلطنت میں واقع دیگر قلعوں کو بھی مستحکم کیا۔ ان قلعوں پر اس زمانے میں ایک فوجی دستہ ہمیشہ رہا کرتا تھا۔ ان قلعوں کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے میں یہاں صرف قلعۂ انتور کا تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا۔

یہ قلعہ ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ کنڑ سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر مغربی گھاٹ کی ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے جو خاندیش کی طرف اُبھری ہوئی ہے۔ اس کے تین طرف گہری کھائی ہے اور ایک طرف پہاڑ کے توسط سے زمین سے

لا ہوا ہے جو اس کا باب الداخلہ ہے۔ اس کے تین طرف خاندیش واقع ہے اور ایک طرف یہ دکن سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ کے بالکل قریب تک یا اس کے اندر سوائے گھوڑے کے اور کوئی سواری نہیں جا سکتی۔ قلعہ کے قریب باڑی نامی مقام تک بیل گاڑی جا سکتی ہے جس کے بعد عام طور پر پیدل ہی جانا پڑتا ہے۔ ناگاپور نامی موضع سے قلعۂ انتور ڈھائی میل دُور ہے۔

جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے اس قلعہ کو وسط پندرھویں صدی عیسوی میں ایک مراٹھا سَردار نے بنوایا تھا اور اسی کے نام کی مناسبت سے یہ انتور مشہور ہو گیا۔ پہلے قلعہ کے قریب انتور نامی ایک بستی بھی تھی لیکن اب وہ اُجڑ گئی ہے۔ یہ قلعہ اسی خاندان کے پاس ایک عرصہ تک رہا اور بعد میں مُسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس قلعہ پر احمد نگر کا نظام شاہی خاندان بھی قابض رہا جس کے ثبوت میں یہاں کتبات موجود ہیں۔ یہ قلعہ مربع شکل کا بنا ہوا ہے اور اس کا احاطہ ایک میل ہے۔ تین طرف سے اس کی اونچائی .. ۲ فیٹ ہے۔ جنوبی جانب اسے چٹان میں تراشا گیا ہے۔ اس کے اطراف دُہری فصیل یا دیوار ہے اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بُرج تعمیر کئے گئے ہیں ساگوان کی لکڑی کا مضبُوط دروازہ ہے جس میں لوہے کی پٹیاں اور کیلیں ٹھکی ہوئی ہیں۔

انتور کی جنوبی سمت میں ایک پتھر کا ستون نصب ہے جس پر فارسی میں تحریر موجود ہے۔ اس کے مشرقی جانب ناگاپور اور جالنہ، مغربی جانب انتور اور برہان پور، شمالی جانب اورنگ آباد اور دولت آباد اور جنوبی جانب احمد نگر واقع ہیں۔ یہ ہزار صدی ہجری کا کتبہ ہے جس کا عیسوی سن ۱۵۸۳ ہوتا ہے۔ اس کتبہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یہ نظام شاہی دور میں نصب کیا گیا ہے اور اس کا مقصد سمت کی نشاندہی کرنا ہے۔

قلعہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جس میں ایک فارسی کتبہ نصب ہے جسے اسمٰعیل حسین نے ۱۰۲۵ھ (۱۶۰۸ء) میں لگایا تھا۔ قلعہ کے ایک بُرج پر فارسی اور عربی میں ایک اور کتبہ نصب ہے جس سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ یہ بُرہان نظام شاہ کے زمانے میں تعمیر کیا گیا تھا جس کا سپہ سالار ملک عنبر تھا۔ یہ کتبہ ۱۰۰۷ھ (۱۵۹۰ء) کا ہے۔ ایک اور کتبہ دُوسرے دروازہ کی کمان پر موجود ہے جو ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۸ء) میں نصب کیا گیا تھا۔ اس کتبہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ کمان ملک عنبر کے حکم سے تعمیر کی گئی۔

پہلے انتور میں ہمیشہ فوج کا ایک دستہ متعین ہوتا تھا جس کا سردار راجپوت ہوتا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے زمانے میں یہاں سب سے پہلے جو قلعہ دار مقرر کیا تھا اس نے شہنشاہ کو لکھا تھا:

"انتور مثل کوہ طور تجلی حضور بالضرور"

(یعنی انتور، طور پہاڑ کی مانند ہے اور حضور کو ایک بار اسے ضرور دیکھنا چاہیئے۔)

اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آیا اورنگ زیب نے اپنے قلعہ دار کی درخواست قبول کی تھی اور کبھی انتور کا معائنہ کیا تھا۔

قلعہ کے اندر کا احاطہ کافی وسیع ہے۔ اس میں ایک تالاب ہے اس کے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ ایک بارود خانہ ہے جہاں اس زمانہ میں بارود اور گولے وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ ایک بالا حصار ہے جس پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ کا سب سے اونچا مقام ہے۔ اس پر چڑھنے کے بعد ہوا اتنی تیز ہوتی ہے کہ انسان کا کھڑا رہنا مشکل ہوتا ہے قلعہ میں بعض جگہ پتھروں میں تراشی ہوئی پانی کی ٹانکیاں بھی ہیں جن میں گرمی کے موسم میں بھی بے حد ٹھنڈا پانی موجود رہتا ہے۔ لوگ انہی ٹانکیوں سے پانی پیتے ہیں۔ قلعہ کے اندر گھاس اور سیتا پھل کے درخت بکثرت ہیں جن کا ہر سال محکمۂ آثار قدیمہ کی جانب سے ثمرہ نیلام ہوتا ہے۔

اوپر ذکر آیا ہے کہ قلعہ انتور میں ایک بزرگ حضرت بُرہان الدینؒ کی درگاہ ہے۔ آس پاس کے لوگ ان بزرگ کے آج بھی بہت معتقد ہیں جن میں غالب تعداد ہندوؤں کی ہے۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو (خصوصاً موسم گرما اور سرما میں) یہاں معتقدین منّت مانگنے آتے اور پوری ہونے پر کندوری لاتے ہیں اور حضرت کے نام پر بکرے کاٹ کر کھانا پکا کر فاتحہ دیتے ہیں۔ عام طور پر بنگا اور باجرہ کی روٹی پکائی جاتی ہے۔ مجھے بھی یہاں بارہا یہ بنگا (جو ایک قسم کا گوشت کا سالن ہوتا ہے اور جس کا رنگ ہرا ہوتا ہے) اور روٹی کھانے کا اتفاق ہوا ہے۔

حضرت بُرہان الدینؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ اس مُسلمان فوج میں عہدیدار تھے جس نے مراٹھا سردار سے یہ قلعہ فتح کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ قلعہ سے قریب باڑی کے مقام پر لڑتے لڑتے کسی مخالف کے وار سے سر تن سے جُدا ہو گیا تھا، لیکن وہ بغیر سر کے ہی لڑتے رہے اور بالآخر قلعہ فتح کر لیا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد ان کا دھڑ اس جگہ پڑا ہوا ملا جہاں اب درگاہ بنی ہوئی ہے اسی وجہ سے مقامی لوگوں میں وہ آج بھی "غیبن شاہ ولیؒ" (یعنی غیبی خدا کے دوست) کے نام سے مشہور ہیں اور فی الحال مقامی آبادی کے قلعۂ انتور سے دلچسپی کا واحد ذریعہ ان ہی کی ذات ہے۔

●●

ہولی کی شام

• مہدی پرتاپگڈھی
اریگیشن ڈویزن
پرتاپ گڈھ (یو۔پی)

شاہراہوں پہ وہ چھڑکاؤ ہے پچکاری سے
نکہت و رنگ کا دریا ہے رواں آج کی شام

رنگ میں ڈوب کے کچھ اور نکھر آیا ہے
کتنا زرتاب و زرافشاں ہے جہاں آج کی شام

زلفِ مشکیں سے ٹپکتا ہے گلابی پانی!
ہو گئے عارض و لب نورفشاں آج کی شام

اُٹھی پچکاری، چلا رنگ، فضا جھوم اُٹھی
بن گئی عینِ خموشی بھی زباں آج کی شام

رامش و رنگ میں انسان کے غم ڈوب گئے
زیست ہے بے خبرِ سود و زیاں آج کی شام

دیکھ کر کیف میں ڈوبے ہوئے لمحوں کا خرام
جاگ اٹھا سینے میں اِک دردِ نہاں آج کی شام

تو کہاں ہے مرے خوابوں کی حسیں شہزادی
گم ہے کیوں میری محبت کا جہاں آج کی شام

کس قدر کیف سے مخمور ہے عالم مہدیؔ
کاش سو جائے مرا دردِ نہاں آج کی شام

خواب

• پریم چند رجوھری

ایک تصویر کسی خواب میں بھر جاتی ہے
پھر اسی خواب کی تعبیر سمٹ جاتی ہے

کس کا ہے عکسِ حسیں، کیسی صدا آتی ہے
نغمگی سازِ محبت پہ غزل گاتی ہے

جیسے شانوں پہ گھٹا جھوم کے چھا جاتی ہے
گنگناتی ہے، تھرکتی ہے گذر جاتی ہے

خواب تو خواب ہیں، خوابوں کی حقیقت کیا ہے
چند اُڑتے ہوئے لمحوں کی صداقت کیا ہے

پھر بھی یہ خواب تو ہستی سے جڑے رہتے ہیں
وقت کے ماتھے پہ جھومر سے بنے رہتے ہیں

ایکتا کے گیت

• محبوب راہی
نزد گلزاری مسجد باسی گلی ، اکولہ

ہم اپنے دیش کی عظمت کے جب بھی گیت گاتے ہیں
عقیدت سے جبینیں چاند اور سورج جھکاتے ہیں !

دمک اٹھتا ہے ہر ذرہ مسرت کی شعاعوں سے
ہوائیں گنگناتی ہیں ستارے مسکراتے ہیں

ہمیں حالات نے ہر دور میں دیکھا ہے پرکھا ہے
ہر ایک تکلیف کو ہم ہنستے ہنستے جھیل جاتے ہیں

وطن کی آبرو پر جب کبھی کوئی آنچ آتی ہے
ہم اپنی جان دے کر آبرو اس کی بچاتے ہیں

یہاں مندر، وہاں مسجد یہ گرجا وہ گرودوارہ
یہ سارے راستے تو ایک ہی منزل کو جاتے ہیں

الگ صوبے الگ ذاتیں الگ مذہب الگ باتیں
مگر سب ایک لے میں ایکتا کے گیت گاتے ہیں

کہیں سنتے ہیں ہم آواز قرآں کی تلاوت کی
کہیں گیتا بھجن میٹھے سروں میں گائے جاتے ہیں

ہمارے چاند اور سورج جواہر لعل اور گاندھی
ہر ایک منزل پہ ہر ایک رہگزر پر جگمگاتے ہیں

کبھی گوتم، کبھی نانک، کبھی سرمدؒ کبھی چشتیؒ
نجاتِ دائمی کا راستہ ہم کو دکھاتے ہیں

ہمالہ جیسا رکھوالا نہیں کوئی جہاں بھر میں
بلندی دیکھ کر جس کی ستارے سر جھکاتے ہیں

یہ گنگا جس کی ہے پاکیزگی مشہور صدیوں سے
نہا کر پاپ جیون بھر کے جس میں دھوئے جاتے ہیں

یہ دریا اور یہ ندیاں یہ نہریں اور یہ جھرنے
ہمارے کھیت اور میداں جن سے لہلہاتے ہیں

ہوائیں عطر میں لپٹی ہوئی اتراتی پھرتی ہیں
پرندے مدھ بھری آواز میں جادو جگاتے ہیں

اہنسا کے اصولوں سے ہمیں بے حد محبت ہے
جہاں جاتے ہیں ہم سچائی کے موتی لٹاتے ہیں

اگر ہم چلتے چلتے راستے سے اپنے ہٹ جائیں
ہمارے راہبر راہی ہمیں راستہ بتاتے ہیں

پلیٹ فارم

• مرزا پارس ہنگولوی

آدمیت کو جو سمجھے وہی انساں ہوگا
سامنے اہلِ نظر کے وہی ذیشاں ہوگا

اک پلیٹ فارم ہے دنیا سبھی انسانوں کو
ایک جا ہونے کو بہتر یہی میداں ہوگا

عمر بھر پانی پہ لاٹھی کوئی مارے بھی تو کیا
پانی ہوگا نہ جدا خود وہ پشیماں ہوگا

خدمتِ خلق سے وابستہ جو ہے اس کے لیے
جس کو کہتے ہیں گلستاں وہ گلستاں ہوگا

کرۂ ارض پہ پھیلے ہوئے سارے انساں
مل کے ہوں ایک تو یہ رشتۂ رگِ جاں ہوگا

بابا آدمؑ کی تو اولاد سبھی ہیں انساں!
اس سے انکار کرے جو بھی وہ شیطاں ہوگا

شرم کی بات ہے جو لڑتے ہیں انساں ہو کر
ڈوب مر جانے کا ان کے لئے ساماں ہوگا

ایشور، گاڈ، خدا، نام الگ ذات ہے ایک
جو یہ سمجھے گا وہی صاحبِ عرفاں ہوگا

مری اللہ سے بس اتنی دعا ہے پارس
ایک ہو جائیں جو انساں ترا احساں ہوگا

★

۱۰ ؍ مارچ ۱۹۷۹ء

حضور سہسوانی
راز منزل، سہسوان، بدایوں (یوپی)

ہولی آئی

ہولی آئی، ہولی آئی
رنگوں کی اک ٹولی لائی

مستی میں سب جھوم رہے ہیں
ہولی کا مکھ چوم رہے ہیں

میخانوں پر بادل چھائے
میخواروں نے جام اٹھائے

ہر سو ہے رنگوں کی ورشا
رنگ رنگیلی آج ہے برکھا

آج دھنک ہے ذرّہ ذرّہ
جھول رہا ہے پتّہ پتّہ

ہر چہرہ ہے آج شفق گوں
آخر کس کس کو میں چوموں

ہر اک لب پہ پھول کھلے ہیں
دشمن بھی آپس میں ملے ہیں

دکھ سے ہر سینہ ہے خالی
کوئی نہیں ہے آج سوالی

شکوے گلے بھی دور ہوئے ہیں
سب کتنے مسرور ہوئے ہیں

سب نے تھامی ہے پچکاری
نر ہو کوئی یا ہو ناری!

رنگ سے جس کے پاک ہو چولی
ایسا اک اشنان ہے ہولی

غزل

تمکین الرحمٰن

بستی بستی گھوم چکا ہے، اب آگے صحرا ہوگا
دیوانے ان تدبیروں سے درد بھلا کم کیا ہوگا

محرومی کے تند بھنور میں پھنس کر دل ڈوبا ہوگا
جس کو پار نہیں کر پایا، اشکوں کا دریا ہوگا

لیلیٰ مجنوں کے یہ قصے کچھ دلکش تمثیلیں ہیں
لیلیٰ کیا تم جیسی ہوگی، مجنوں کیا مجھ سا ہوگا

رسوائی سے ڈرنے والو یہ بھی کبھی سوچا تم نے
جتنا دل کا بھید چھپاؤ، اتنا ہی چرچا ہوگا

پیار کی بازی ہار کے پچھتانا کیا ہے اے چنچل من!
اور ابھی تو پیار کرے گا، اور ابھی رسوا ہوگا!

دشتِ وفا میں جب بھی چلا ہیں، اٹھ کے بگولے ساتھ ہوئے
راہِ جنوں میں تنہا ساتھی، اپنا ہی سایہ ہوگا

عشق کو نادانی کہتے ہو، یہ تو اک مجبوری ہے
میرا نے کیوں زہر پیا تھا تم نے کہاں سمجھا ہوگا

مرجھائے چہرے پہ لکیریں ہیں یا ہے تحریرِ حیات
شاید وقت کے ظالم ہاتھوں نے اس کو لکھا ہوگا

تم تمکین کا حال نہ پوچھو، تم کیا جانو رسمِ وفا
اپنی بات وہی سمجھے گا، جو ہم سا تنہا ہوگا

آذر بارہ بنکوی

کٹرا امام باڑہ - بارہ بنکی (یوپی)

میری ہستی ایک سورج مجھ سے ہے دنیا کی دھوپ
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے میرے نقشِ پا کی دھوپ

دوسروں کے حق میں خس خانہ سہی یارب مگر
زندگی میرے لئے ہے موسمِ گرما کی دھوپ

ہوش گم ہیں بندہ پرور اس کرم کو کیا کہوں
میں برہنہ پا ہوں اور قسمت میں ہے صحرا کی دھوپ

زندگی وہ قید خانہ ہے کہ جس میں چھت نہیں
جیتے جی مجھ کو نہ بخشے گی کبھی دنیا کی دھوپ

اس امید و بیم میں آذر گھرا ہوں آج کل
اک طرف اپنوں کا سایہ اک طرف اعدا کی دھوپ

شوق ماہری

زیب منزل، موگمٹ روڈ
کھنڈوہ

دیکھنے والو اِدھر کو دیکھو !!!
آؤ اِک خاک بسر کو دیکھو

اب بہاروں میں رکھا ہی کیا ہے
داغِ دل داغِ جگر کو دیکھو !!

زخم خوردہ ہے بہت شامِ نشاط
شب گزیدہ ہے سحر کو دیکھو

فرصتِ دید ملی ہے تو ذرا
فتنۂ راہ گزر کو دیکھو !

لوگ سب دیکھ رہے ہیں تم کو
تم مرے حُسنِ نظر کو دیکھو

تم اندھیروں کو اُجالا نہ کہو
نور دیدہ ہو، سحر کو دیکھو

میں چلا ہوں غمِ جاناں لے کر
میرے سامانِ سفر کو دیکھو

حاصل اتنا تو ہو عرفانِ نظر!
وہ نظر آئیں جدھر کو دیکھو

شوقؔ آوارہ و سرگشتہ سہی
دوستو! اُس کے ہُنر کو دیکھو

رشمی کانت راہیؔ

کٹک (اڑیسہ)

خورشید کے ساغر کو چھلکنا ہی پڑے گا
آکاش کے شیشے کو چٹخنا ہی پڑے گا

لمحوں کی صلیبوں پہ لٹکنا ہی پڑے گا
تقدیر کے لکھے کو بھگتنا ہی پڑے گا

عصیاں کے امنڈتے ہوئے دریا کو سرِ حشر
الطاف کے گوہر کو اگلنا ہی پڑے گا،

خوابوں کے فرشتوں کو حقیقت کی زمیں پر
تھک ہار کے اک روز اترنا ہی پڑے گا

ہر فرد کو اس شہرِ معلق سے نکل کر
اس عالمِ برزخ میں پہنچنا ہی پڑے گا

دوشیزۂ ہستی کو سنورنے کی غرض سے
لگتا ہے پھر اک بار بگڑنا ہی پڑے گا

احساس کی برفیلی چٹانوں کو بھی را
جذبات کے شعلوں سے پگھلنا ہی پڑ

خبریں - تصویروں میں

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے ۲۸ جنوری کو دالے گاؤں - اماڑی روڈ پر گوداوری ندی پر ایک پل کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری ایس۔ بی چوان، وزیر برائے مالیات، ضلع کلکٹر شری کے۔ نلینا کشن اور چیف انجینئر آف پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ، شری وائی۔ اے روہیکر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیراعلیٰ [illegible] پوار [illegible] مہاراشٹر کے [illegible] رجمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے، تصویر میں [illegible] مرکزی وزیر [illegible] بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

مہاراشٹر پولیس کے انٹر- ڈسٹرکٹ اسپورٹس ٹورنامنٹس کی آخری تقریب ۲ فروری کو پولیس پریڈ گراؤنڈ، شیواجی نگر، پونے میں منعقد ہوئی، جس میں وزیراعلیٰ مہاراشٹر، شری شرد پوار، بہ نفسِ نفیس موجود تھے اس تصویر میں وزیراعلیٰ کی بیٹی شریمتی پرتیبھا تائی پوار مقابلے میں جیتنے والے ایک کھلاڑی کو شیلڈ دے رہی ہیں۔ زیرِ نظر تصویر میں وزیراعلیٰ شری شرد پوار اور وزیرِ مملکت برائے داخلہ شری بھائی ویدیہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

بچوں کے بین الاقوامی سال تقریبات کے سلسلے میں ۱۱ فروری کو سمبھاجی اور گھور پڑے ادیان پونے میں بچوں کے لئے مقابلہ مصوری منعقد ہوا۔ سمبھاجی ادیان کے مقابلے میں تقریباً ۱۱۰۰ بچے اور گھور پڑے ادیان مقابلہ میں تقریباً ۱۰۰۰ بچے شریک ہوئے منتظمین نے بچوں کو ڈرائنگ پیپر فراہم کیا۔ نیز بچوں کو بسکٹ اور ٹافیاں بھی تقسیم کی گئیں۔ ضلع کلکٹر شری اجیت نمبالکر نے چکر لگا کر بچوں کی تصاویر دیکھیں اس تصویر میں تین بچے مصوری میں مصروف ہیں۔

شری آر۔ اے پاٹل وزیر برائے دیہی ترقیات، قانون و عدلیہ، اور اطلاعات و تعلقات عامہ نے حال ہی میں شیو نیری، جنّر ضلع پونے میں راج ماتا جیجا ماتا اور بال شیواجی کے مجسمہ کی گل پوشی کی۔

شری سوشیل کمار شنڈے، وزیر برائے محنت نے ۴ فروری کو کل ہند سمندری تیراکی مقابلہ میں جیتنے ہوئے کھلاڑی شری سنجے جیندانہ کو شیلڈ اور سرٹیفکیٹ پیش کر رہے ہیں۔

چیف جسٹس شری بی این دیسائی ۲۸ فروری کو منترالیہ بمبئی میں لا کمیشن کے سودیں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شری آر۔ اے پاٹل وزیر برائے قانون و عدلیہ اور شری ایچ آر گھوکھلے چیئرمین لا کمیشن آف انڈیا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی کی سوانح حیات پر مراٹھی ترجمہ کی دوسری جلد کی رسم اجراء جو شری سونو سنگھ پاٹل مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ نے مرتب کی ہے، شری اے آر پاٹل وزیر برائے دیہی ترقیات قانون و عدلیہ اور اطلاعات و تعلقات عامہ نے ۳۱ جنوری کو بمبئی میں انجام دی۔ اس تصویر میں شری سونو سنگھ پاٹل مرکزی وزیر مملکت برائے داخلہ اور وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی، پروفیسر رام جوشی دیکھے جا سکتے ہیں۔

پارلی دیجناتھ میونسپل کونسل کا تعمیر کردہ تمام جدید سہولتوں سے آراستہ ڈرامہ تھیٹر نٹراج رنگ مندر کا افتتاح حال ہی میں شری سندر راؤ سولنکے وزیر برائے صنعت نے فرمایا اس تصویر میں بائیں جانب شری سولنکے شری بھاؤ صاحب موہک وزیر مملکت برائے دیہی ترقیات اور شری پربھاکر پانشکر مشہور مراٹھی اداکار، پیر ڈیوسر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔
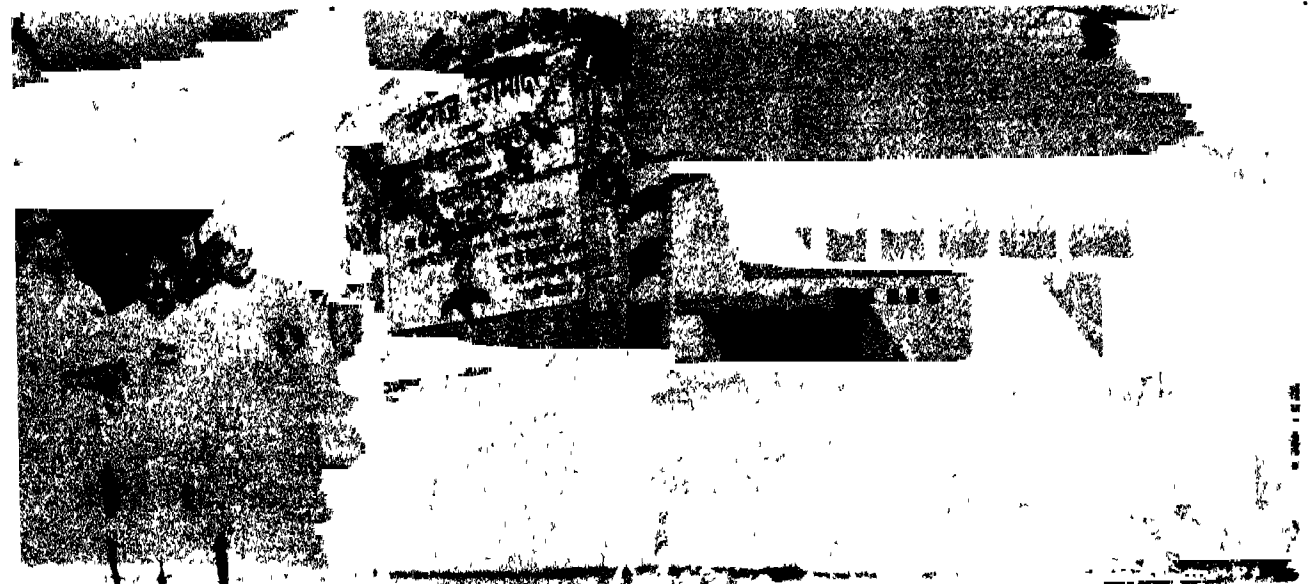
مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے نام کی تبدیلی کے باعث فسادسے متاثرہ افراد کی باز آبادکاری کے لئے ایک ہی بستی سماج مندر تعمیر کی گئی جس کا افتتاح شری شرد پوار، وزیراعلیٰ نے ۱۳ فروری کو کیا۔ یہ بستی بسمت تعلقہ میں آرگائوں میں تعمیر کی گئی ہے۔ زیرنظر تصویر میں وزیراعلیٰ نے تعمیر کردہ مکانوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔ وزیرمملکت برائے ٹرانسپورٹ فوڈ و سول سپلائز شری ایس۔جی۔ کھاٹے اور ضلع کلکٹر شری دینا نے مو میں لال بھی آپ کے ہمراہ ہیں۔

اوپر دائیں طرف ۱- وزیراعلیٰ شری شرد پوار نے ۱۳ فروری کو پربھنی میں واقع مراٹھواڑہ دودھ وکاس مہامنڈل کے کرشی گیہو سمورودھن کیندر کا معائنہ کیا۔ زیرنظر تصویر میں آپ ایک مخلوط النسل بچھڑے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔

→ وزیرجنگلات شری چھیدی لال گپتا نے ۲۲ جنوری ڈاکولہ میں واقع ضلع بھنڈارہ کے پہلے کھانڈساری شوگر یونٹ کا افتتاح کیا۔

← "ایک گاؤں ایک پنوٹھا" اور "سمتا میلاوا" پروگرام کا افتتاح جو ضلع ناشک میں ہڑپیا درگاؤں کے مقام پر واقع ہے۔ وزیرتعلیم شری سدانند ورد ے نے ۲۸ جنوری کو فرمایا۔ اس پروگرام کے تحت ادنیٰ ذات کے ہندوؤں اور دلت افراد نے مل کر ایک عام کنویں سے پانی نکالا۔ زیرنظر تصویر میں (دائیں سے بائیں) وزیرتعلیم شری سدانند ورد ے، پروفیسر وسنت باپٹ، شری جناردھن پاٹل ایم ایل اے، اور مشہور فلمسٹار کماری سمیتا پاٹل بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

دیہی منصوبوں کے لئے ۴ لاکھ روپے
'پیڈ' کمیٹی کا فیصلہ

ین ایکشن فار ڈیولپمنٹ (مہاراشٹر) کی ریاستی سطح کمیٹی کے
ں چار لاکھ روپے کی رقم دیہی ترقیاتی منصوبوں کے لئے منظور کی گئی۔
۲۶ فروری ۱۹۷۹ء کو منترالیہ بمبئی میں وزیر برائے زراعت شری
لیشمکھ کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔
آر۔ اے پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقی اور پبلسٹی، شری دنائک راؤ
مملکت برائے صنعت شری بی۔ ایل پاٹل، وزیر مملکت برائے اپنیل
، شری دی۔ ایس پاگے، منصوبہ بندی میں حکومت مہاراشٹر کے
یر، شری بی۔ ڈی کاسبیکر، سکریٹری برائے صنعت اور زراعتی
ں کے وائس چانسلران اس اجلاس میں موجود تھے۔
پانے والے منصوبہ جات یہ ہیں: بیج اور مظاہراتی پروجیکٹ،
۔ درورا (ضلع چندرپور)، ۵۰۰، ۴۸ روپے
ں اقسام چارہ کی کاشت، کوسبا ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ
انے)، ۰۰۰، ۸۲ روپے
ڈ سینچائی اسکیم ناگالو بے واڑی (ضلع سولاپور) ۰۰۰، ۰۰، ۱ روپے
یکلچرل ڈیولپ منٹ پروجیکٹ، بارشی (" ") ۵۰۰، ۶۸ روپے
ی شیٹی پروجیکٹ، کولہاپور ۸۰۰، ۳۲ روپے
یم اسکول فار ٹرائبل پروجیکٹ، پالی (ضلع قلابہ) ۰۰۰، ۲۰ روپے
ی اور باغبانی پروجیکٹ، سواری (ضلع عثمان آباد) ۵۰۰، ۲۲ اور
یکیننن پروجیکٹ، پامبولی (ضلع رتناگیری) ۹۰۰، ۲۲ روپے
قانے (ضلع قلابہ) میں میٹھا پانی فشری پروجیکٹ کے معاملہ میں
ت سے سفارش کی گئی تاکہ اسے روزگار ضمانت اسکیم میں شامل
یا جائے۔
نک کمیٹی نے ۷،۲ لاکھ روپے کی امداد ۲۴ منصوبوں کے لئے دی
ی کمیٹی کی جانب سے اس سال، منصوبوں کے لئے ۱۳ لاکھ روپے
ر امداد منظور کی گئی ہے۔ اب تک مہاراشٹر میں ۶۸ منصوبوں کی
ی گئی ہے اور اس مہم کے سلسلے میں ۰۰۰، ۲۵۰، ۵ روپے سے زیادہ
گئی ہے۔

دیہی ترقیاتی پروگراموں میں صنعتی اداروں کی شمولیت

جیسا کہ حکومت ہند کی اسکیم میں ظاہر کیا گیا ہے، حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ صنعتی و تجارتی اداروں کو آمدنی ٹیکس ایکٹ بابت ۱۹۶۱ء کے سیکشن ۳۵ سی سی اور ۳۵ سی سی اے کے تحت آمدنی ٹیکس میں چھوٹ دیکر دیہی ترقیاتی پروگراموں میں شامل ہونے کے لئے حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

پروجیکٹ کے محل وقوع کے سلسلے میں ترجیح پسماندہ اضلاع یا قبائلی علاقوں اور یہاں تک کہ علاقے بلاکس جس میں کہ بحیثیت ترقیاتی پروگرام زیر نفاذ ہوگا، دی جائے گی۔

بکھرے ہوئے موضع جات میں انفرادی پروگرام شروع کرنے کی بجائے حاصل شدہ ذرائع کو موضع جات کے ایک گروپ کی ترقی پر خاص دھیان دیا جائے گا جو کہ معمولی پانی کے خطے / ضمنی پانی کے خطے میں واقع ہوں گے اور جس کے لئے ایک معقول ترقیاتی منصوبہ اپنایا جائیگا۔ اسطرح پروگرام کے تحت لائے جانوالے موضع جات کا انتخاب کرنے وقت ایسے موضع جات کو ترجیح دیجائیگی جو کہ گرام دان گاؤں یا غیر سرکاری ایجنسیوں، حکومت کے قائم کردہ ایجنسی اور دیگر کارپوریشن امداد باہمی یا قومیائے بنکوں کے ذریعہ اپنائے گئے یا اپنائے جانے والے موضع جات کے زمرے میں آتے ہوں گے

شروع کئے جانے والے پروگراموں کی قسمیں:

ترقیاتی پروگرام کے تحت منتخبہ موضع جات کے گروپ کے لئے مندرجہ ذیل پروگرام شروع کئے جائیں گے تاکہ دیہی علاقوں کے افراد کا معیار زندگی بلند کیا جا سکے۔

(۱) جامع اراضی ترقیات کے تحت زمین اور پانی ذخائر اسکیمیں اراضی کی نمکیت وغیرہ کو دور کرنے کی اسکیمیں نالیاں، نالہ بندی وغیرہ کی تعمیر کے پروگرام آتے ہیں۔
(۲) عمدہ زرعی پریکٹس کی توسیع (۳) انیمل ہسبنڈری میں چراگاہوں کے استعمال کا پروگرام چارہ ترقیاتی پروگرام سماجی جنگلاتی پروگرام بھارتیہ اگرو۔ انڈسٹریز فاؤنڈیشن کے ذریعہ مصنوعی تخم ریزی پروگرام چھوٹے آبپاشی کے پروگرام (۴) چھوٹے پیمانے کی صنعتیں اور گھریلو صنعتیں اور (۵) ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ماہی گیری سے متعلق ترقیاتی پروگرام۔

اس کے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ ریاستی اور ضلعی سطحی افسران کے ذریعہ ٹھوس امداد سے حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

کے علاوہ جاری پروگراموں سے بھی مالی امداد بہم پہنچائی جائے گی۔ یہ
ہات اس طرح ہوں گی:

(۱) چھوٹا قطعۂ آب یا ضمنی قطعۂ آب انتخابات یا موضع
ت کو یکجا کرنے میں مدد۔ (۲) قطعۂ آب میں ابتدائی سروے
کے لیے پروگرام وضع کرنا نیز قطعہ آب کے انتخابی یکجہت پروگراموں
جاری کرنے کے لیے امدادی کاموں کی حوصلہ افزائی۔

مالی امداد

مالی امداد: جاری پروگراموں (بشمول ضمانت روزگار
سکیم) کو فوقیت کی بنیاد پر جامع ترقیاتی پروگرام سبسڈی اور دیگر
امداد حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ پھر بھی پروگراموں کے ایسے
موں پر جو جاری پروگراموں یا قلت، یا ادارہ جاتی مالیاتی ایجنسیوں سے
م نہ ملنے کی وجہ سے عمل میں نہیں لائے جا سکتے ہیں۔ ایسے بزنس/صنعتی
فر دں کو آمدنی ٹیکس بابت ۱۹۶۱ء کے سیکشن ۳۵ سی سی یا ۳۵ سی
ی اے کے تحت تخفیف کی اجازت مہیا کی جائے گی یا ان کے اپنے ذرائع
یا، جہاں ۳۵ سی سی یا ۳۵ سی سی اے کے تحت تخفیف کا دعویٰ
ہیں ہے حاصل کی جائے گی۔ اس کے علاوہ پروجیکٹ پر عائد دیگر
صوصی انتظامیہ اور مینجمنٹ کے لئے ضروری لاگت پروجیکٹ
منڈ سے حاصل کی جائے گی۔

اسٹیرنگ کمیٹی کی تشکیل

اسٹیرنگ کمیٹی کی تشکیل: حکومت نے منصوبہ بندی مالیات
وزراعت کے سکریٹریز محکمہ منصوبہ بندی کے ڈپٹی سکریٹری بطور کنوینر پر
شتمل ایک اسٹیرنگ کمیٹی تشکیل دی ہے۔

یہ کمیٹی پروجیکٹ کی تیاری، علاقے کا انتخاب، پروگرام کے تحت
سیکٹری ترجیح اور فوری پالیسی کی فراہمی نیز دیگر ضروری انتظامی منظوری
وغیرہ فراہم کرے گی تاکہ پروگرام پر نفاذ بہ سرعت اور آسانی سے کیا جا سکے۔
پروگراموں کی دیکھ بھال اور تجزیہ بھی کمیٹی کا ایک خاص کام ہوگا۔

ایسی ہی دیہی ترقیاتی پروگراموں جو گرام منڈل، بنک (تجارتی یا
امداد باہمی) عوامی اقدام برائے ترقی، مہاراشٹر رجسٹرڈ سوسائٹیاں،
ایسوسی ایشن اور عوامی اوقاف، روٹری کلب، لائنس کلب، کوآپریٹیو
پراسیسنگ یونٹس اور یہاں تک کہ تجارتی صنعتی اداروں (جو کہ آمدنی
ٹیکس ایکٹ بابت ۱۹۶۱ء کے تحت ۳۵ سی سی یا ۳۵ سی سی اے
کی سہولت نہ چاہتے ہوں گے) کو حکومت مالی امداد اور حوصلہ افزائی
کرے گی۔

ژالہ باری سے متاثرہ افراد کو امداد

ناگپور ڈویژن میں حالیہ طوفان اور ژالہ باری سے ہلاک افراد کے
خاندانوں کے لئے ۲۰۰۰ روپے (ہر ایک کے لئے) مالیاتی امداد دی
[illegible] راج

جائے گی۔ اس بات کا اعلان شری اتم راؤ پاٹل وزیر محصول نے ۲۲ فروری
کو بھیوا پور میں کیا۔ وزیر موصوف علاقے کے طوفان اور ژالہ باری سے
متاثرہ افراد کی بیٹھک سے خطاب کر رہے تھے۔

شری پاٹل نے فرمایا کہ ریاستی حکومت ایسے متاثرہ افراد
کی امداد کرے گی جن کے مکانات تباہ ہوئے ہیں۔ نیز ایسے متاثرہ
کسانوں کو راحت پہنچائے گی جن کے کھیتوں کو غیر متوقع بارش، طوفان
اور ژالہ باری سے نقصان پہنچا ہے۔

اس سے قبل وزیر محصول نے شری جی اے دیشمکھ،
وزیر زراعت، شری دتہ میگھے، وزیر مملکت برائے ملازمت شری
شیواجی راؤ پاٹل، وزیر مملکت برائے آب پاشی کے ہمراہ اُمرید تحصیل
میں ژالہ باری سے متاثرہ علاقہ کا دورہ کیا۔ اور اناج کی فصلوں کا جائزہ لیا۔

ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا کا شکستہ بلڈنگ کا دورہ

ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ ولیبر نے
۱۲ فروری کی صبح روبی ہوٹل ڈی این روڈ فورٹ کا دورہ کیا۔ جہاں ایک
بلڈنگ منہدم ہوگئی تھی۔ اس حادثہ میں دو افراد جاں بحق ہوئے اور تین
افراد زخمی۔

ڈاکٹر جمخانہ والا حادثہ کی جگہ تشریف لے گئے اور فائر بریگیڈ اور
اور پولیس کو متاثرہ افراد کی مدد کرنے کو کہا۔ اور متاثرہ افراد کی ایک
میٹنگ منعقد کی۔

وزیر موصوف نے گزشتہ روز صبح عمر جلال طویلہ بلاسس روڈ
کا بھی دورہ کیا جہاں زبردست آگ لگی تھی اور گولڈ مہر پولیشنگ ورکس
پوری طرح سے جل کر تباہ ہوگئی تھی۔

آتشزدگی سے نقصان کا تخمینہ تقریباً ۶۰۰۰۰ روپے کا ہے۔

بہبود اسکیموں کے لئے عملی طریقہ کار کی ضرورت

بہبودی سرگرمیوں کو بڑھاوا دینے اور تعلقات عامہ کو ہموار
کرنے کی خاطر ریاستی حکومت ضلعی سوشیل ویلفیر افسران کو مہاراشٹر
میں کلاس اول کا درجہ دینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس بات کا اظہار
شری اے ایس کنتورے وزیر برائے سماجی بھلائی نے ۲۶ فروری کو
ناگپور ڈویژن کے افسران کی ایک میٹھک میں کیا۔ وزیر موصوف نے
سماجی بھلائی کی اسکیموں میں رابطہ عامہ پیدا کرنے کے لئے عملی طریقہ کار
کو اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ادیباسیوں کو خصوصی
رعایت دینے کی تجویز بھی زیر غور ہے۔

ڈویژنل کمشنر شری ڈی۔ این کاپڑ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

بین الاقوامی سال اطفال اور خاندانی بہبود پروگرام میں رابطہ قائم کیجئے۔

بین الاقوامی سال اطفال پروگراموں پر ملک کے شہری اور دیہی گنجان آبادی والے علاقوں کے مدنظر خاندانی بہبود پروگراموں کے ساتھ ربط باہمی پیدا کر کے عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ اس بات کا اظہار ڈاکٹر شریمتی پرمیلا لوٹپلے، وزیر صحت و خاندانی بہبود نے ۲۶ فروری کو کیا۔

شریمتی لوٹپلے "ڈیموگرافک اینڈ سوشیو اکونومک اسپکٹ آف چائلڈ ان انڈیا" پر سہ روزہ سیمینار کا افتتاح کر رہی تھیں۔ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار پاپولیشن اسٹڈیز نے اس سیمینار کا اہتمام کیا تھا۔ ڈاکٹر ایم ایس گورے، ڈائرکٹر ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائنس نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

ترقی پذیر ممالک میں بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے اخلاقی تعلیمی اور ان کی نشو و نما سے متعلق کئی مسائل پیدا کئے ہیں جن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے مدنظر ہندوستان نے ۱۹۷۴ء میں اطفال سے متعلق ایک قومی پالیسی اپنائی تھی۔ جو کہ بچوں کی پیدائش سے قبل اور بعد میں ان کی افزائش اور بہبود سے متعلق ہے۔ شریمتی لوٹپلے نے مزید فرمایا کہ اطفال صحت پروگرام پر محض بین الاقوامی سال اطفال کے دوران ہی نہیں بلکہ ہمیشہ عمل درآمد کیا جائے گا۔

ملک بھر کے تقریباً ۱۰۰ وفود نے اس سیمینار میں حصہ لیا۔

ڈاکٹر کے سرینواس ڈائرکٹر، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار پاپولیشن اسٹڈیز نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر پی سی سکسینہ نے شکریہ ادا کیا۔

مراٹھواڑہ سے

اورنگ آباد میں ڈپٹی کمشنر آف لیبر آفس کا قیام

حکومت مہاراشٹر نے مراٹھواڑہ ڈویژن کے لئے اورنگ آباد میں ڈپٹی کمشنر آف لیبر آفس قائم کیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر شری ایم سمیع اللہ ہیں۔

کوآپریٹیو شوگر فیکٹری کی عمارت کا سنگ بنیاد

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ضلع پربھنی کے گوداوری دودھنا کوآپریٹیو شوگر فیکٹری عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے فرمایا کہ مہاراشٹر میں پروگریسیو ڈیموکریٹک پارٹی کی نئی حکومت مختلف علاقوں میں واقع علاقائی نا برابری کے فرق کو دور کرنے کے لیئے ان تھک کوششیں کر رہی ہے۔ موصوف نے کاشت کاروں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی پیداوار سہل اور کم خرچ بنائیں اور انھیں حاصل آب پاشی اور بجلی کی سہولتوں کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ تاکہ غذائی اجناس کی پیداوار میں اضافہ ہو۔

جالنہ میں کرشی اتپن بازار سمیتی کی نئی عمارت کا افتتاح

جالنہ میں کرشی اتپن بازار سمیتی کی نئی عمارت کا افتتاح وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کے ہاتھوں ۳ فروری کو انجام پایا۔ اسی موقع پر وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حکومت مہاراشٹر نے تسلیم شدہ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو نوکری اور کاروبار فراہم کرنے کا مثالی منصوبہ بنایا ہے۔ ریاست مہاراشٹر میں زیادہ سے زیادہ ہر سال ۴۵ ہزار آسامیاں مل سکتی ہیں۔ اور اتنے ہی لوگوں کو کارخانوں میں کام مل سکتا ہے۔ جبکہ ہر سال ساڑھے چار لاکھ نوکریوں کی مانگ کی جاتی ہے۔ نئی حکومت نے سفارشات کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے۔ ایسے خاندانوں کے لئے جن کے پاس ایک بھی برسر روزگار فرد نہ ہوگا۔ ۸۰ فیصد جائدادیں محفوظ کر دی گئی ہیں نوجوان صنعت کاروں کو مزید سہولیات بہم پہنچانے کے مدنظر نیا منترالیہ قائم کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ اب تخمینی مالی امداد کے لئے ۲۵ ہزار کی بجائے ۵ ہزار لگانے پر ایک لاکھ روپیوں کی صنعت شروع کی جا سکے گی۔ نوجوانوں کی مزید حوصلہ افزائی کے لئے آخر مارچ تک ڈھائی کروڑ روپیوں کی مزید گنجائش نکالی گئی ہے۔ آئندہ سال اس تعلق سے ۵ سے ۶ کروڑ روپئے مختص کر دیئے جائیں گے۔

جائیکواڑی، بازآبادکاری کاموں پر ۱۰ لاکھ روپے خرچ

ضلع اورنگ آباد کے جائیکواڑی پاٹ بندھارے پروجیکٹ کی وجہ سے متاثرہ گنگا پور تعلقہ کے ۳۰ اور پیٹھن تعلقہ کے ۲۹ ایسے جملہ ۵۹ دیہاتوں

کو شہری سہولتیں مہیا کرنے کے لئے اب تک ۷۰ لاکھ ۵۵ ہزار ۶۴۲ روپے خرچ کئے گئے۔ آئندہ سال کے لئے ۲۱ لاکھ ۵۶ ہزار روپیوں کی مالی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ضلع اورنگ آباد میں چھوٹی بچت کا نشانہ مکمل

ضلع اورنگ آباد کو چھوٹی بچت اسکیم کے لئے ۹۰ لاکھ روپیوں کی بچت کرنے کا نشانہ دیا گیا تھا ضلع کے عوام اور افسران نے اس سلسلے میں زیادہ دلچسپی سے کر ۹۳ لاکھ روپے اکٹھا کئے کہ جس کی وجہ سے ضلع نے چھوٹی بچت کا دیا گیا نشانہ مکمل کر کے پار کر لیا ہے

کمزور طبقات سے متعلق بستیوں کے سدھار کے لئے ۵۰ ہزار روپیہ

امسال حکومت نے کمزور طبقات سے متعلق بستیوں کے سدھار کے لئے ضلع بیڑ کو حکومت کے سوشیل ویلفیر ڈپارٹمنٹ کی جانب سے ۵۰ ہزار روپے دئے ہیں۔

مراسلت و ترسیلِ زر کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتہ با خط کے اُوپر درج ہوتا ہے) پِن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھیئے بلکہ اُردو کے ساتھ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں تحریر فرما دیجئے۔ اس طرح اندراجات میں آسانی ہوتی ہے۔

(ادارہ)

صفحہ ۱۸ سے آگے

آپٹے کامرس کالج کو بیڈ کی جانب سے ۰۰۰ر۱۰ روپیہ دیا گیا ہے۔ ان اداروں نے سات ادیباسی دیہاتوں کی ترقی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اس ادارے کے ۴۰ رضاکار طلبہ کام کرتے ہیں۔

ضلع تھانے میں تلاسری کے مقام پر واقع ٹھکر بابا انسٹی ٹیوٹ آف گوکھلے ایجوکیشن سوسائٹی نے بیج کی فراہمی کی ایک اسکیم جاری کر رکھی ہے۔ اس ادارے کے ذریعہ ادیباسی طلبہ کو اس کام میں عملی تربیت دی جاتی ہے۔ بیڈ نے اس پروجیکٹ کے لئے مذکورہ ادارے کو ۰۰۰ر۵۰ روپیہ دیا ہے۔

ضلع جلگاؤں میں یال کے مقام پر ست پوتا دیکاس منڈل کے ذریعہ ادیباسی کسانوں کو ست پوتا علاقوں میں ہی ڈیری کام اور ترکاریوں کی کاشت کے لئے سہولت دی جاتی ہے۔ بیڈ نے اس ادارے کو ۰۰۰ر۱۰ روپیہ بطور قرض دیا ہے۔ اس تحریک میں تربیتی کلاس اور بیج بونا اور پھلوں کی قلمیں لگانا بھی سکھایا جاتا ہے۔

ضلع ایوت محل میں پوسد کے مقام پر پھول سنگھ نائیک کالج کے کئی تربیتی کھیت ہیں۔ ان کھیتوں میں گنا، پپیتہ، فرنچ بیج، ہری مرچ اور ٹماٹر بوئے جاتے ہیں جنھیں ہوٹلوں کو فروخت کیا جاتا ہے پوس ندی پر ایک پمپ لگایا گیا ہے جس سے فصلوں کی آبپاشی کے لئے پانی حاصل کیا جاتا ہے۔ بیڈ نے اس پروجیکٹ کے لئے ۰۰۰ر۲۷ روپیہ دیا ہے۔

دی رورل کو آپریٹو سکشن پر سارک منڈل، چندرپور نے راجرا کے مقام پر بنجر زمینوں کو قابل کاشت بنا کر انھیں تربیتی مرکز بنا دیا ہے۔ بیڈ نے اپنے فنڈ سے اس پروجیکٹ کے لئے ۰۰۰ر۴۵ روپیہ دیا ہے۔

یہ منڈل کسان ترقیاتی پروجیکٹ کی بھی سرپرستی کرتا ہے جس کے لئے بیڈ نے ۲۵ ہزار روپیہ فراہم کیا ہے۔ اس پروجیکٹ کے تحت چھ ایکڑ زمین کو قابل کاشت بنا کر اس میں ترکاریاں، پیڈی اور جوار کی کاشت کی جاتی ہے۔

ادیباسیوں کے لئے پھلوں اور ترکاریوں کی کاشت کی ایک اسکیم کے لئے ایگرو۔ انڈسٹریز فاؤنڈیشن ناشک کو بیڈ کی جانب سے ضروری امداد دی جائے گی۔ مع پمپ کے ایک کنویں کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا ہے۔ پلانٹ کے ... ہی ایک نرسری قائم کی گئی ہے۔ مذکورہ فاؤنڈیشن کی تیار کردہ قلمیں ناشک کے ادیباسی باشندوں میں تقسیم کی جائیں گی۔ تاکہ وہ اپنی پیداوار میں اضافہ کر سکیں۔

Buy medicines only from reliable dealers
against your doctor's prescriptions.
Spurious drugs can endanger your life.

in case of doubt, contact our Assistant Commissioner at your District Headquarter immediately

FOOD & DRUG ADMINISTRATION, MAHARASHTRA

Griha Nirman Bhavan, Bandra (East), Bombay 400 051, Tel 542361–65

Issued by, Directorate General of Information & Public Relations, Bombay

Victims of lakh or lang dal.

An artificially coloured sample of tea when put in cold water immediately releases the added colour

महाराष्ट्राचा अर्थसंकल्प १९७९-८०

قومی راج

۲۵ مارچ اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء مشترکہ شمارہ

جلد ۶ ❊ شمارہ نمبر ۶ و ۷

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

زرِ سالانہ: دس روپے ❊ فی پرچہ: پچاس پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامی

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر۔ منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

سنبھالنے گفتنی

وزیر مالیات سری ایس۔ بی۔ چوان نے ۷ مارچ ۱۹۷۹ء کو ایوانِ اسمبلی میں ریاستی بجٹ کا خاکہ پیش کرتے ہوئے ان اقدامات کا ذکر کیا جو نئی سرکار نے اپنے اختیارات سنبھالنے کے بعد غریب اور پچھڑے ہوئے طبقہ کے لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے اٹھائے ہیں۔ قومی راج کا یہ شمارہ ریاستی بجٹ کے مختلف پہلوؤں کو عوام سے روشناس کرائے گا۔

قومی راج کا یہ شمارہ ۲۵ مارچ اور ۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء کا مشترکہ شمارہ ہے۔ پچھلے تین چار شماروں سے قومی راج وقت پر شائع نہیں ہو رہا ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ سنٹرل پریس، جہاں پر قومی راج طباعت کے مراحل طے کرکے آپ تک پہنچتا ہے وہاں دیگر ضروری نوعیت کے سرکاری کام ہوتے رہے ہیں بہرحال اب اس بات کی قوی امید ہے کہ ۲۵ اپریل سے اشاعت میں تاخیر نہیں ہوگی۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کی طرف سے ۱۷ مارچ ۱۹۷۹ء کو راج بھون کے دربار ہال میں ایک تقریب تقسیم انعامات منعقد ہوئی تھی، ۱۸ مارچ کو بھولا بھائی دیسائی آڈیٹوریم میں ہی تین سیمینار ہوئے اور ۱۹ مارچ کو دس، یک بابی ڈرامے پیش کئے گئے اسی شب میں نٹراج آرٹس کی طرف سے ایک ڈرامہ "پنجرہ" پیش کیا گیا۔ تمام پروگرام کامیابی سے اختتام تک پہنچے۔

ذ۔ عبدالغفور

قارئین کی رائے

سکندر علی وجد۔ پن چکی روڈ، اورنگ آباد-۴۳۱۰۰۱

بھائی ماتھر! قومی راج کا 'جنگلی جانور نمبر' بہت پسند آیا۔ لیکن میرے گھر کے بچوں میں اکثر اس کی ملکیت پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ براہ کرم دو کاپیاں اور بھیج دیجئے تاکہ مجھے اس "خانہ جنگی" سے نجات ملے۔

پرندوں کی رنگین تصویروں کے سامنے اپنے قومی پرندے "مور" کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اور تصویروں میں جنگل کا راجا بڑا معصوم دکھائی دے رہا ہے۔

ہاں "تغدار" (GREAT INDIAN BUSTARD) کے متعلق جو مضمون ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ پرندہ اورنگ آباد کی تحصیل "ونج پور" میں پایا جاتا ہے لیکن اس نام کی کوئی تحصیل اورنگ آباد میں نہیں ہے یہ نام دراصل ویجاپور (VAIJAPUR) ہے جو میرا وطن ہے۔ "تغدار" میرے بچپن میں، میرے آبائی وطن سرادلہ اور محل گانو، تعلقہ ویجاپور کے جنگلوں میں اکثر نظر آتا تھا اور اب کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے۔ گذشتہ سال ویجاپور سے گنگاپور جاتے ہوئے محل گانو کے قریب، شام کے وقت، سڑک سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر خراماں خراماں جاتا ہوا نظر آیا تو میں نے اپنی کار رکوائی اور اپنے ساتھیوں، شری دلشیم پاین' (ایم۔ پی) اور شری وینکٹ راؤ جادھو (ایم۔ ایل۔ سی) کو اس جنگل کے شہزادے کے دیدار سے مشرف ہونے کا دس منٹ موقع دیا۔"

"تغدار" بے حد خوبصورت پرندہ تو ہے ہی جیسا کہ سرورق کی تصویر سے ظاہر ہے لیکن اس کی شاہانہ چال بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ میں نے اپنے تمام بھتیجوں، بھانجوں اور دوستوں کو اس کے شکار کی سخت ممانعت کر دی ہے اور ویجاپور کے سابق ایم ایل اے میر محمود علی صاحب اڈوکیٹ سے بھی اس نادر پرندے کی جان بچانے کی مہم میں دل چسپی لینے کا وعدہ لے لیا ہے۔ تغدار کے خوش رنگ اور ریشم کی طرح ملائم پروں کی یورپ میں بڑی مانگ ہے۔ سُنا ہے کہ اس کا گوشت بھی بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ انھی خصوصیتوں کی وجہ سے اس کا شکار کیا جاتا ہے اور اس مظلوم پرندے کی تلاش میں دُور دُور سے ظالم شکاری آتے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ پولس والوں کو ان شکاریوں پر سخت نگرانی رکھنے کے احکامات جاری کرے۔ ورنہ ہمارے علاقے سے اس بے مثال پرندے کا نام و نشان مٹ جائے گا۔

- **عاجز ہنگنگھاٹی۔** نزد لکشمی ٹاکیز، ہنگن گھاٹ (ضلع وردھا)

'قومی راج' پہلی بار نظر نواز ہوا۔ 'سور داس نمبر' دیکھ کر واقعی آنکھیں چکاچوند رہ گئیں۔ شمارے کی تزئین و ترتیب دیدہ زیب ہے اور قابلِ تحسین بھی، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ 'قومی راج' کے زرّین صفحہ کا ایک ایک لفظ ہیرے جواہرات کی مانند دمک کر مہاراشٹر کے ہر اُردو داں کو سرمایۂ سخن کی دعوت دے رہا ہے۔ خدا کرے 'قومی راج' تمام ادبی حلقوں پر راج کرے۔

- **سلامت رضوی۔** انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
۹۲۔ ڈی۔ این روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۱

'قومی راج' برابر مل رہا ہے۔ معیار اور ترقی کی طرف دوڑ رہا ہے۔ اب مہاراشٹر کے اُردو والے بھی' دوسری ریاستوں سے نکلنے والے اُردو کے معیاری رسالوں سے آنکھیں بھی ملا سکتے ہیں اور پنجہ بھی لڑا سکتے ہیں۔ 'جانور نمبر' خوب تھا۔ شمس کنول کی سانپوں سے دلچسپی اچھی لگی۔'

'سور داس نمبر' بھی معیاری ہے۔ ڈاکٹر صفدر آہ کا مضمون علمی بھی ہے اور تحقیقی بھی، وہ ماشاءاللہ بڑھاپے میں جوان ہو رہے ہیں۔

'ولی دکنی کا فنِ شاعری' مضمون اگرچہ اچھا ہے لیکن اس شمارے میں وہ 'بے وقت کی شہنائی' معلوم ہوتا ہے۔

- **طرفہ قریشی۔** نزد لال اسکول، مومن پورہ، ناگپور ۱۸

قومی راج کا 'سور داس نمبر' باصرہ نواز ہوا۔ جو تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بلند شخصیت پر آپ نے جو مضامین ترتیب دیئے ہیں، بڑا وزن رکھتے ہیں۔ آئندہ بھی ایسے تاریخی نمبر نکلتے رہیں تو موجودہ نسل کو بہت کچھ انسانی شعور مل سکتا ہے۔

اس مرتبہ شعری حصہ بھی بہت خوب ہے۔ مفتون کوٹوی، پروفیسر نثار، قادر صدیقی اور شاذ تمکنت کی تخلیقات نے کافی متاثر کیا۔ گورنمنٹ مہاراشٹر اپنی نئی نئی اسکیموں کے تحت اپنے صوبے کی جن ضروریات کو پورا کر رہی ہے قابلِ مُبارکباد ہے۔

- **خسرو متین خسرو**
۲۸۲۔ شاہ نتھن، میرٹھ ۲

قومی راج کا 'سور داس نمبر' نظر نواز ہوا۔ پسند آیا۔ اُردو والوں کے لئے 'سور داس' کو سمجھنے کا اچھا موقع ہے۔ اُمید ہے کہ آپ آئندہ بھی اسی قسم کے خاص نمبر شائع فرماتے رہیں گے۔

سالانہ بجٹ بابت ۸۰-۱۹۷۹ء

سماجی ذمہ داری کے جذبہ سے ٹیکس قبول کیجئے

—— وزیر مالیات

وزیر مالیات، شری ایس. بی چوان نے ۷ر مارچ ۱۹۷۹ء کو اسمبلی میں مہاراشٹر بجٹ تجاویز برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء پیش کیں جس کے نتیجہ میں سالانہ آمدنی محصول ۵۷٫۴۱ کروڑ روپے ہوگی بنابریں آئندہ نو ماہ کے دوران ۹۱٫۴۴ کروڑ روپے کی مزید آمدنی ہوگی۔

ٹیکس اقدامات کی خصوصیات یہ ہیں:

چند مخصوص گاڑیوں پر موٹر وھیکل ٹیکس میں اضافہ، بکری ٹیکس ڈھانچہ میں معقولیت، جائداد کی مارکیٹ قیمت کی بنیاد پر اسٹیمپ ڈیوٹی لگانا، شراب پر اکسائز ڈیوٹی میں اضافہ، زراعت سے غیر زراعتی کاموں میں منتقلی اور ایک غیر زراعتی کام سے دوسرے میں منتقلی پر ٹیکس۔

شری ایس بی چوان، وزیر مالیات اور شریمتی شانتی نائک، وزیر مملکت برائے مالیات ریاستی بجٹ بابت ۸۰-۱۹۷۹ء، ۷ مارچ کو ریاستی مجلس قانون ساز کے سامنے پیش کرنے سے قبل اس پر آخری تکمیلی نظر ڈالتے ہوئے.

اس کے علاوہ مختلف معاملوں میں دی گئی رعایات کی رقم ۱۰٫۲۷ کروڑ روپے ہے، ان میں خاص طور سے شکر صنعت کو فائدہ پہنچے گا۔ پاور گھانی، کوآپریٹیو اسپننگ ملوں اور پینشنروں کو رعایت دی گئی ہے، "گنے پر خریداری ٹیکس میں مجوزہ رعایت سے ۵۰٫۱۱ کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ نیز شکر یونٹوں کو ۱۲٫۰۷ کروڑ روپیہ قرض دیا جائے گا.

شری چوان کی بجٹ تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

" بجٹ تخمینہ جات برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء سے 'ریونیو اکاؤنٹ' پر ۱۳٫۹۸ کروڑ روپے کی بچت اور کیپٹل اکاؤنٹ پر ۲۰۰٫۰۳ کروڑ روپے کا گھاٹا دکھایا گیا ہے۔ اس طرح مجموعی گھاٹا ۶۸٫۰۵ کروڑ روپے بیٹھتا ہے۔ ریاست کے سالانہ منصوبہ برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۵٫۶۰ کروڑ روپے کا خرچ اسکیموں کی تفصیلات آخری طور سے طے پانے کے بعد مہیا کیا جائے گا۔ اس طرح مجموعی گھاٹا ۸۳٫۶۵ کروڑ روپے ہو جائے گا.

رعایات کے باعث ۱۰٫۲۷ کروڑ روپے کے اضافی بار نیز وزیر مالیات کی جانب سے مجوزہ مصارف سے خسارہ اور بڑھ کر ۱۰۵٫۰۷ کروڑ روپے ہو جائے گا.

شری چوان کی جانب سے مجوزہ اقدامات کے باعث متوقع ۴۴٫۹۱ کروڑ روپے کی آمدنی سے اس خسارہ میں کمی ہوگی اور یہ ۶۵٫۸۴ کروڑ روپے رہ جائے گا. ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۱۱ ارب روپے کے تخمینی خسارہ کے ساتھ توقع ہے کہ آئندہ سال کے اختتام پر کل خسارہ ۶۶٫۹۵ کروڑ روپے بیٹھے گا۔

وزیر مالیات کو توقع ہے کہ خسارہ میں کچھ جز کی تلافی مرکز کی جانب سے

ریاست کے اس حصہ کی آمدنی سے ہوجائے گی جس کا اعلان نائب وزیر اعظم نے آئندہ سال کا بجٹ پیش کرتے وقت کیا ہے (۵ اکروڑ روپے) بشرطیکہ مجوزہ اقدامات بلا تبدیلی منظور کر دیئے جائیں۔ نیز ورلڈ بنک امدادی پروجیکٹوں کے لئے اضافی مرکزی امداد (۷ اکروڑ روپے) سے بھی کچھ تلافی ہوگی۔

شری چوان نے یہ اُمید ظاہر کی کہ بقیہ تقریباً ۹۵، ۴۲ کروڑ روپے کا خسارہ غیر منصوبہ جاتی اخراجات پر قابو پاکر نیز سرکاری بقایا جات خصوصاً ٹیکس بقایا ٹھیک سے جمع کرکے پورا کیا جاسکے گا۔

ریاستی منصوبہ مصارف برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء کی رقم جو پلاننگ کمیشن نے منظور کی ہے' ۵۰، ۶۲۷ کروڑ روپے ہے۔ اس میں سے ۳۴، ۱۰۷ کروڑ روپے خود مختار ادارہ جات مثلاً مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ اور اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن اپنے ذرائع اور قرض سے جمع کریں گے۔

آئندہ سال کے بجٹ میں جاری اسکیمات نیز آخری طور سے طے شدہ نئی اسکیمات کے لئے ۵۶، ۴۳۹ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ بقیہ منصوبہ مصارف یعنی ۱۵۷، ۶۰ اکروڑ روپے اسکیمات کی تفصیلات طے پانے کے بعد ضمنی مطالبات کے ذریعہ مہیا کئے جائیں گے۔

سماجی ذمّہ داری : اسمبلی میں بجٹ پیش کرتے ہوئے وزیر مالیات نے فرمایا کہ بجٹ میں لوگوں کے مستحق طبقات کے لئے بعض رعائتیں تجویز کی گئی ہیں۔ مجھے پورا احساس ہے کہ سماجی تبدیلی اور کمزور طبقات کی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے جن مسائل کو طے کرنا ہے ان کی نوعیت کے مد نظر یہ رعائتیں بہت محدود ہیں۔

ان تمام مسائل کو نہ تو ایک ہی ہلہ میں حل کیا جاسکتا ہے اور نہ حکومت اکیلے ایسا کر سکتی ہے، بہتری تو بتدریج ہی لائی جاسکے گی۔ یہ مسائل قومی سطح پر حل کرنا ہوں گے۔ ہم نے اپنی جگہ پر ان مراعات کا اعلان کیا ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ اضافی ذرائع کے لئے مجوزہ اقدامات سب ہی کو پسند آئیں۔ بہر حال بہتر سماجی و معاشی نظام کی خاطر سخت محنت اور جدو جہد جاری رکھنا ہوگی۔ مہاراشٹر کو زرعی و صنعتی طور سے مضبوط اور ہموار بنانے کے لئے ذرائع لازمی طور سے بڑھانا ہوں گے۔

وزیر مالیات نے سب سے گذارش کی کہ وہ عام بھلائی کے پس منظر میں ان اقدامات پر نظر ڈالیں اور یہ سمجھ لیں کہ ان کا مقصد ایسا سماجی انقلاب لانا ہے جس سے غریب اور کمزور طبقات کو دائمی فائدہ پہنچے۔ مجھے اُمید ہے کہ مذکورہ بالا اقدامات کو سماجی ذمّہ داری سمجھ کر منظور کیا جائے گا۔

سماجی و معاشی اقدامات : آگے بجٹ تجاویز کا خاکہ پیش کرنے سے
ونی راج

قبل وزیر مالیات نے مختصراً ان اقدامات کا ذکر کیا جو نئی سرکار نے اختیارات سنبھالنے کے بعد اپنے پروگرام کے تحت غریب لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے اٹھائے ہیں

کم سے کم اُجرت : زراعتی مزدوروں (تقریباً ۵۴ لاکھ) کی سابقہ یومیہ ۳ روپے کم سے کم شرح اُجرت یکم نومبر ۱۹۷۸ء سے بڑھا دی گئی ہے اضافی شرح مقام کام کے لحاظ سے ۴ تا ۵۰، ۵ روپے ہے۔

وصولی قرضہ جات : گذشتہ سال اضافی بجٹ پیش کرتے وقت ایک نئی مد رکھی گئی تھی تاکہ باندھ بندی اور ہمواری کے لئے بقایا رقومات کی وصولی منسوخ کر دی جائے، اس کا مقصد مستحق کسانوں کو ایسی اراضی کے معاملے میں راحت پہنچانا تھا جن کا محصول ۵۰ پیسے فی ایکڑ یا اس سے کم ہے۔ اس فیصلے پر نظر ثانی کرکے مزید گنجائش نکالی گئی تاکہ خشک اراضی مالکان بھی ان مراعات سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ یہ طے کیا گیا ہے کہ بند کاری کی بقایا جات' ۸۷ خشک سالی سے متاثر ہونے والے تعلقہ جات کے معاملے میں منسوخ کر دی جائیں۔ ۴ ہیکٹر تک خشک اراضی مالکان کے معاملے میں بھی یہ بقایا رقم چھوڑ دی جائے گی وصول نہ کئے جانے والے ان بقایا جات کی رقم اندازاً کچھ عرصہ میں ۲۷ اکروڑ روپے ہو جائے گی۔

بجلی محصول : کچھ عرصہ سے مسلسل یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ زراعتی کاموں کے لئے مہیا کی جانے والی بجلی پر الیکٹریسٹی ٹیرف یعنی بجلی محصول کم کر دیا جائے تاکہ زراعت میں پیداوار پر لاگت کم بیٹھے۔ زراعتی پمپوں پر لاگو بجلی محصول شرح یکم ستمبر ۱۹۷۸ء سے گھٹا کر یکساں طور پر ۲۰ پیسے فی یونٹ رکھی گئی ہے جبکہ اس سے پہلے یہ شرح ۲۷ پیسے برائے ہائی ٹینشن سپلائی اور ۲۹ پیسے برائے لو ٹینشن سپلائی تھی۔ برقی قوت کی فراہمی پر شرح ایسے معاملات میں جہاں موٹر ہارس پاور کی بنیاد پر یہ شرح شمار کی جاتی ہے ۱۸۵ روپے سے گھٹا کر ۱۲۵ روپے فی ہارس پاور کر دی گئی ہے۔ مزارعین کو سرکار کی جانب سے لگائی جانے والی الیکٹریسٹی ڈیوٹی کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ ان مراعات کے سبب تخمینی لاگت تقریباً ۱۲ کروڑ روپے سالانہ بیٹھتی ہے۔

ادیباسیوں کیلئے ضروری سرمایہ : ادیباسیوں کی ضرورت مدنظر رکھتے ہوئے ادیباسیوں کے لئے خاص ضروری ساماں کی فراہمی اسکیم مہاراشٹرا اسٹیٹ کو آپریٹو ٹرائیبل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے حوالے کی گئی ہے جو ادیباسیوں کی امداد باہمی سوسائیٹیوں کے توسط سے کام کرتی ہے۔ ریاستی حکومت نے اس مقصد کے تحت ۳ کروڑ روپے کا "ضروری سرمایہ تقسیم کاری گشتی فنڈ" قائم کیا ہے۔ اس قسم کا سرمایہ

فیصدی کی حد تک جنس کی شکل میں مہیا کیا جائے گا اور اس کی وصولی کی تجویز
ہے کہ یہ خاص زراعتی نیز معمولی جنگلاتی پیداوار کی فروخت آمدنی میں سے وضع
جائے جو قبائلی ضمنی منصوبہ علاقے میں کارپوریشن خریدے گی۔

چھڑی جاتیوں کیلئے قرض: مہاتما پھلے بیک ورڈ کلاس
ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے کاموں کو تقویت پہنچانے کی غرض سے تو میلئے بنکوں کی
جانب سے ۶ء۷۵ کروڑ روپے کے قرض کے سلسلہ میں واپسی اقساط مع سود کے لئے
ضمانت دی ہے تاکہ سرمایہ امتیازی شرح سود اسکیم کے تحت کارپوریشن کو دستیاب
ہو سکے۔ اُمید ہے کہ یہ رقم پسماندہ طبقات کے لوگوں کی معاشی ترقی کے لئے
دستیاب ہو سکے گی نیز اس سے زراعتی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کی ترقی کے
لئے سرمایہ مہیا کرنے میں سہولت ہوگی۔

غریب شہریوں کیلئے مکانات اسکیم: مہاراشٹر ہاؤسنگ اینڈ
ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی قائم کی گئی ہے تاکہ وہ خصوصاً کم آمدنی رکھنے والے افراد
کے لئے دیگر سہولتوں سمیت تعمیر مکانات کا مربوط ترقیاتی پروگرام شروع کرے۔
بمبئی میں ۱۵۰ مربع فٹ جھونپڑ پٹی واسیوں کے معاملے میں رہائشی جگہ
کے لئے ماہانہ کرایہ گھٹا کر ۱۱ روپے کر دیا گیا ہے جس میں میونسپل سروس چارج
شامل ہے۔ اس رعایت سے بمبئی میں شمار کئے گئے جھونپڑ پٹی واسیوں کے تقریباً
... فیصد حصہ کو فائدہ پہنچے گا۔ ’جھونپڑ پٹی سُدھار اسکیم‘ کے تحت صفائی،
اسٹریٹ لائٹ وغیرہ جیسی بنیادی سہولتیں بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔ اب تک
تقریباً ساری آبادی کے لئے یہ سہولتیں بہم پہنچا دی گئی ہیں جو سرکاری، میونسپل
اور پبلک اراضی پر رہتی ہے۔
بمبئی میں جھونپڑ پٹی میں رہنے والے ۳۰ لاکھ اشخاص میں سے اندازاً ۱۶
لاکھ کو اس سے فائدہ پہنچا ہے۔ آئندہ نجی اراضی پر جو پبلک مقاصد کے لئے
درکار نہیں ہے واقع سلم ایریا میں ان سہولتوں کو بہم پہنچانے کا خرچ بھی حکومت
برداشت کرے گی۔ دیگر ۱۷ شہروں میں گندی بستیوں میں رہنے والی ۱۳ لاکھ
آبادی میں سے تقریباً ۶ لاکھ کے لئے یہ سہولتیں مہیا کی جا چکی ہیں۔
پرانی عمارتوں کی مرمت اور تعمیر کا کام بھی جاری رہے گا۔ حکومت نے فیصلہ
کیا ہے کہ اس مقصد کے لئے ۶ء۱ کروڑ روپے کے دستوری حصہ کے علاوہ پانچ کروڑ
روپے کی رقم مہیا کی جائے۔

سہولت روزگار: دیہی علاقوں اور چھوٹے شہروں میں چھوٹی صنعتوں
کی ترقی و فروغ کو ترجیح دی گئی ہے۔ کئی اضلاع میں بتدریج ضلع صنعتی مراکز،
کے قیام سے صنعت کاروں کو مدد ملے گی۔ فی الحال ایسے ۱۴ مراکز کام کر رہے ہیں۔
آئندہ مہینوں میں بقیہ ۱۱ مراکز قائم کرنے کا ارادہ ہے۔ حکومت نے تعلیم یافتہ
بیروزگاروں کو تخمی مالی امداد اور جز وقتی کام مہیا کرنے کی غرض سے نئی اسکیموں کا
اعلان کیا ہے۔ ریاست کے ایجوکیشن، ایمپلائمنٹ اینڈ یوتھ سروسیز ڈیپارٹمنٹ
کے حصہ کے طور پر ایک الگ شعبہ قائم کیا گیا ہے جو ’ایمپلائمنٹ، مین پاور
ڈیولپمنٹ، ٹکنیکل و وکیشنل ایجوکیشن اینڈ ٹریننگ ڈویژن‘ کہلاتا ہے۔

معمولی کسانوں کیلئے رعایتی شرحِ سود: زراعتی پیداوار
کے واسطے لئے گئے مختصر المدتی قرضہ جات پر چھوٹے اور معمولی درجہ کے کسانوں پر
سود کا بار ہلکا کرنے کی غرض سے امداد باہمی انجمنوں کے ایسے چھوٹے معمولی ادیباسی
کسان ممبروں کے معاملے میں یہ قرض بلا سود کر دیا گیا ہے جن کے مختصر المدت قرض
کی حدِ رقم ۷٫۵۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، جن کی ملکیت اراضی ۲ ہیکٹر خشک
اراضی سے زیادہ نہیں ہے اور جن کی کھیتی سے الگ سالانہ آمدنی ۲٫۴۰۰ روپے سے
زیادہ نہیں ہے۔ خشک سالی سے متاثرہ علاقوں میں ایسے کسانوں کے معاملہ میں
جن کی ملکیت خشک اراضی ۴ ہیکٹر سے زیادہ نہیں ہے، جن کی کھیتی سے
الگ سالانہ آمدنی ۲٫۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے شرح سود گھٹا کر ۴ فیصد
کر دی گئی ہے۔ خشک سالی سے متاثرہ علاقوں کے باہر ایسے کسانوں کے معاملے میں
جن کی خشک ملکیت اراضی دو ہیکٹر سے زیادہ نہیں ہے اور جن کی کھیتی سے
الگ سالانہ آمدنی ۲٫۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے شرح سود گھٹا کر ۴ فیصد کر دی
گئی ہے۔ اس خیال سے کہ امداد باہمی انجمنیں مذکورہ بالا رعائتی شرح پر قرض
فراہم کر سکیں انھیں امداد دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ ان رعائتوں سے
ریاست بھر میں ۱۹۷۸-۷۹ء کے دوران ۷ء۲۲ لاکھ چھوٹے معمولی کسانوں کو فائدہ
پہنچے گا جن میں ادیباسی بھی شامل ہیں اور اس پر سالانہ خرچ اندازاً ۱ء۵۰ کروڑ
روپے ہوگا۔

حصولِ کپاس اسکیم: کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کے مفاد
کی حفاظت کی غرض سے کپاس وصولی اسکیم کی تجدید گذشتہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۸ء
سے کی گئی ہے۔ مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکٹنگ فیڈریشن کے توسط سے یہ
اسکیم زیرِ عمل لائی جا رہی ہے۔ مختلف درجہ کی کپاس کے لئے ضمانتی قیمتیں
اونچے درجے پر مقرر کی گئی ہیں جن کا اوسط ۱۰ اور ۲۰ فیصد کے درمیان ہے،
اور جو حکومت ہند کی جانب سے مقررہ اقل ترین امدادی قیمتوں سے اوپر رکھی
گئی ہیں۔ کسانوں کے حق میں کی گئی ایک اہم ترمیم یہ ہے کہ قاعدے کے تحت
کپاس دینے کے بعد ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر ضمانتی قیمت پوری کی پوری ادا
کر دی جائے۔

پانچواں پنجسالہ منصوبہ: ۱۹۷۶ء کے دوران جب پانچواں

منصوبہ آخری طور سے طے کیا گیا تھا، ریاست کے پانچویں منصوبے (۹ ۔ ۱۹۷۴ء) کے لیئے متوقع مصارف کی رقم ۶۱٫ ۳۴۷ ٫ ۲ کروڑ روپے تھی. اول چار سال مختتمہ ۷۸ ۔ ۱۹۷۷ء کے دوران پلان اسکیموں پر لگائی گئی کل رقم ۶۳٫ ۸۷۷ ٫ ۱ کروڑ روپے تھی جو پانچ سال کی مدت کے لیئے متوقع مصارف کا ۸۰ فیصد ہے۔ سال رواں کے لئے پلاننگ کمیشن کی جانب سے مختص ۳۵ ٫ ۷ کروڑ روپے کے مصارف کے مقابلے میں ۹۴ ٫ ۷ کروڑ روپے کے متوقع خرچ سمیت ریاست منظورہ نشانہ سے تقریباً ۹٫ ۱۱ فیصد آگے بڑھ جائے گی۔ درحقیقت ۶۳٫ ۲۶۲۶ کروڑ روپے کے مصارف بھی متوقع ۲۵۸۷ کروڑ روپے کی رقم کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے جس کی گنجائش مارچ ۱۹۷۸ء کے بجٹ بیان میں رکھی گئی تھی. اس خرچ کی رقم کا ۵۲ فیصد سے اوپر حصّہ یا در پروجیکٹو اور بڑے اور درمیانی آب پاشی کاموں پر صرف ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

	پانچواں منصوبہ منظور شدہ خرچ ۱۹۷۴-۷۹ء	کروڑ روپے میں متوقع ۱۹۷۴-۷۹ء
I • زراعت اور متعلقہ خدمات	۲,۶۵٫۷۸	۲,۶۸٫۸۶
II • امداد باہمی	۲۵٫۶۷	۳۷٫۱۲
III • آبپاشی پروجیکٹ	۴,۴۱٫۹۴	۴,۹۵٫۱۸
IV • بجلی	۷,۷۷٫۵۵	۸,۷۸٫۶۵
V • صنعت ومعدنیات	۹۱٫۹۸	۱,۰۷٫۳۴
VI • نقل وحمل اور مواصلات	۱,۴۰٫۵۳	۲,۰۴٫۹۶
VII • سماجی واجتماعی خدمات	۳,۹۹٫۴۳	۴,۲۵٫۶۲
VIII • ضمانت روزگار اسکیم	۲,۰۳٫۳۴	۲,۰۷٫۲۳
IX • دیگر پروگرام	۱٫۲۹	۱٫۶۷
میزان کل	۲۳۴۷٫۶۱	۲۶,۲۶٫۶۳

نظر ثانی شدہ تخمینہ جات

بابت ۷۹-۱۹۷۸ء:

گذشتہ جون میں اضافی بجٹ برائے سال ۷۹-۱۹۷۸ء پیش کرتے وقت اندازاً خسارہ ۴۸۶٫۰۲ کروڑ روپے تھا. بہرحال توقع ہے کہ سال کے اختتام پر ۱٫۱۱ کروڑ روپے کا معمولی خسارہ رہے گا۔ تخمینہ جات یہ ہیں:

قومی راج

—— کروڑ روپے میں	بجٹ تخمینہ جات ۷۹-۱۹۷۸ء	نظر ثانی شدہ تخمینہ جات ۷۹-۱۹۷۸ء
(الف) محصول کھاتہ۔		
(الف) ۱۔ وصولی۔	۱۴,۴۷٫۶۷	۱۴,۹۴٫۵۵
۲۔ غیر بجٹ وصولی	۸٫۸۴	.... – ..
میزان (الف)	۱۴,۵۶٫۵۱	۱۴,۹۴٫۵۵
(ب) ۱۔ اخراجات	۱۳,۷۲٫۲۲	۱۴,۳۲٫۹۳
۲۔ غیر بجٹ اخراجات	۱۹٫۵۵	.... – ..
میزان (ب)	۱۳,۹۱٫۷۷	۱۴,۳۲٫۹۳
بچت (+)	(+) ۶۴٫۷۴	(+) ۶۱٫۶۲
(ب) اصل کھاتہ		
(الف) ۱۔ وصولی	۵,۲۶٫۷۳	۵,۳۳٫۶۵
۲۔ غیر بجٹ وصولی	۶۹٫۹۱	... – ..
میزان الف)	۵,۹۶٫۶۴	۵,۳۳٫۶۵
(ب) اخراجات	۶,۸۵٫۰۲	۵,۹۶٫۳۸
خسارہ	(–) ۸۸٫۳۸	(–) ۶۲٫۷۳
(ج) کل میزان		
(الف) وصولی	۲۰,۵۳٫۱۵	۲۰,۲۸٫۲۰
(ب) اخراجات	۲۰,۷۶٫۷۹	۲۰,۲۹٫۳۱
خسارہ	(–) ۲۳٫۶۴	(–) ۱٫۱۱
(د) غیر بجٹ منصوبہ خرچ	(–) ۲۴٫۳۸	....
خالص بچت (+) یا خسارہ	(–) ۴۸۶٫۰۲	(–) ۱٫۱۱

دراٰئے میں اضافہ کرنے والی بڑی مد چھوٹی بچت ہے جس میں بہتری ہوئی. اضـ
بجٹ کے وقت اندازہ یہی تھا کہ جمع رقم کی بنیاد پر چھوٹی بچت میں ریاست کا حـ

۵۰ کروڑ روپے ہوگا۔ لوگوں کی توجہ اور چھوٹی بچت مہم کو بڑھاوا دینے کی کوششوں کے نتیجہ میں حکومت ہند کی جانب سے ملنے والا حصہ بڑھ کر ۸۶ کروڑ روپے تک پہنچ جائے گا۔ ٹیکس بقایاجات کی وصولی میں بھی بہتری ہوئی ہے۔ غیر منصوبہ اخراجات پر سخت کنٹرول کی وجہ سے بھی بجٹ کی حالت میں بہتری ہوئی۔

سالانہ منصوبہ بابت ۸۰-۱۹۷۹ء: سالانہ منصوبہ برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے لئے ۷۶۲٫۵۰ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ ۷۹-۱۹۷۸ء کے اختتام پر مکمل منصوبہ اسکیمات جاری رکھنے کا داجبی خرچ جسے غیر منصوبہ جاتی قرار دیا گیا ہے تقریباً ۶۰ کروڑ روپے ہے۔ اسے شمار کر کے ترقیاتی مصارف برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء کی تقابلی گنجائش ۸۲۲٫۵۰ کروڑ روپے ہو جائے گی جو سال رواں کے منظور شدہ ۷۳۵ کروڑ روپے کے خرچ کے مقابلے میں ۱۲ فیصد اوپر ہے۔

مزید برآں مرکزی سیکٹر اور مرکز کی زیر سرپرستی اسکیمات کے باعث تقریباً ۲۲ کروڑ روپے کی رقم جو سال رواں کے بجٹ میں رکھی گئی ہے غیر منصوبہ ترقیاتی خرچ برائے سال ۸۰-۱۹۷۹ء شمار کیا گیا ہے۔ ۷۹-۱۹۷۸ء کے برعکس اس خرچ پر مرکز کی جانب سے مدد نہیں مل سکتی۔

سالانہ منصوبہ ۸۰-۱۹۷۹ء کے تحت شعبہ وار تقسیم یہ ہے:

کروڑ روپے میں

	ریاستی سطح اسکیمات	ضلع سطح اسکیمات	کل خرچ
۱ - زراعت اور متعلقہ خدمات	۷٫۰۸	۴۷٫۴۷	۵۴٫۵۵
۲ - امداد باہمی	۰٫۵۰	۲٫۵۰	۳٫۰۰
۳ - آبپاشی پروجیکٹ	۱۲۰٫۰۰	۲۰٫۰۰	۱۴۰٫۰۰
۴ - برقی ترقی	۲۷۲٫۵۰	۲۷٫۵۰	۳۰۰٫۰۰
۵ - صنعت و معدنیات	۱۴٫۲۸	۱۴٫۰۷	۲۸٫۳۵
۶ - نقل و حمل و مواصلات	۲۳٫۸۶	۲۸٫۳۴	۵۲٫۲۰
۷ - سماجی و اجتماعی خدمات	۲۳٫۲۴	۱۰۳٫۶۱	۱۲۶٫۸۵
۸ - ضمانت روزگار اسکیم	۱۱٫۵۵	۴۴٫۷۸	۵۶٫۳۳
۹ - دیگر پروگرام	۰٫۲۷	...	۰٫۲۷
۱۰ - غیر مختص	...	...	۰٫۹۵
کل میزان	۴۷۳٫۲۸	۲۸۸٫۲۷	۷۶۲٫۵۰

کل مصارف میں سے پاور اور آبپاشی مد پر خرچ ۵۷٫۰۷ فیصد، پاور کے لئے مختص رقم ۳۹٫۲۴ فیصد اور آبپاشی کے ۱۸٫۳۶ فیصد ہے۔

چھٹا منصوبہ: چھٹے پانچ سالہ منصوبے کے اولین مقاصد یہی ہیں کہ بیروزگاری دور کی جائے، آبادی کے غریب ترین طبقات کا معیار زندگی بلند کیا جائے۔ کم آمدنی رکھنے والے اشخاص کے معاملے میں بعض بنیادی ضرورتیں مثلاً پینے کے صاف پانی کی فراہمی، تعلیم بالغان، بنیادی تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، دیہی سڑکیں، دیہاتوں میں بے زمینوں کے لئے مکانات اور شہروں میں جھونپڑ پٹی واسیوں کے لئے اقل ترین آسائشیں بہم پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ان قومی مقاصد کو نظر میں رکھ کر ریاست کا پانچ سالہ منصوبہ (۸۳-۱۹۷۸ء) وضع کیا گیا ہے۔

حکومت ہند کی جانب سے منتقلی ٹیکس: ساتویں مالیاتی کمیشن کو ریاست کی یادداشت اور اس پر حکومت ہند کے فیصلوں کا ذکر کرتے ہوئے وزیر مالیات نے فرمایا کہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ مالیاتی کمیشن نے مہاراشٹر کے بعض مشوروں کو نہیں مانا۔ ہمارے خیال میں منتقلی ٹیکس کو سماجی و اقتصادی ترقی کے میدان میں ریاستوں کے مابین عدم توازن کو دور کرنے میں استعمال نہ کرنا چاہئے خود مالیاتی کمیشن نے ۱۷ ریاستوں کو خاص امداد دینے کی سفارش کی ہے۔ (مہاراشٹر ان میں شامل نہیں ہے) تاکہ پانچ سال کی مدت (۸۴-۱۹۷۹ء) کے دوران نظم و نسق کا معیار بلند کیا جائے۔ ایسی امداد کی رقم ۲۷۴ کروڑ روپے ہے۔ مزید برآں منصوبہ جاتی امداد ریاست کی پسماندگی کو بھی نظر میں رکھتی ہے۔ اس کے باوجود مہاراشٹر کا مشورہ محض مابین ریاست عدم توازن' کم کرنے کی ضرورت کی بنا پر قابل قبول نہ سمجھا گیا۔ حکومت ہند کو چاہئے کہ ریاست مہاراشٹر کے علاقوں کے مسائل کو اور بہتر طریقے سے سمجھے جہاں ابھی تک ترقی کے لئے زمین ہموار کرنا ہے، زراعتی زمین اور غیر یقینی بارش کے مسائل درپیش ہیں۔

کارپوریشن ٹیکس کا ذکر کرتے ہوئے شری چوان نے فرمایا کہ کارپوریشن ٹیکس آمدنی کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے اور بلحاظ رقم انکم ٹیکس سے بھی اوپر نکل گئی ہے۔ انکم ٹیکس پر سرچارج بھی آمدنی پر ایک طرح سے ٹیکس ہی ہے لیکن اسے قابل تقسیم پول سے الگ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ ٹیکس عموماً ہنگامی صورت حال میں ضروریات پوری کرنے کے لئے عارضی مدت کے لئے لگایا جاتا ہے۔ کئی ریاستوں نے مالیاتی کمیشن سے یہ گذارش کی تھی کہ آمدنی کی ان دو مدات میں ریاستوں کو حصہ داری دی جائے۔ مالیاتی کمیشن نے بھی اس پہلو کو سراہا تھا اور یہ سفارش کی تھی کہ حکومت ہند اس مسئلہ پر ریاستوں کے ساتھ بات چیت کرنے پر غور کرے اور کارپوریشن ٹیکس کے بارے میں معاملہ آخری طور سے طے کرے۔

وزیر مالیات نے فرمایا کہ حالانکہ مرکزی اکسائز ڈیوٹی کا ایک حصہ (۲۰ فیصد ا - تک اور ۸۰-۱۹۷۹ء سے ۴۰ فیصد) ریاستوں کو منتقل کیا گیا ہے۔ ریاستوں

کے بکری ٹیکس کے بدلے عائد کردہ اضافی ایکسائز ڈیوٹی سے موصولہ کل رقم ریاستوں کو ادا کی جاتی ہے۔ اس میں مرکز حصہ دار نہیں ہے بجز اس حصہ کے جو مرکزی علاقہ جات سے متعلق ہے۔ بہر حال حکومت ہند خاص طور سے بنیادی ایکسائز کے سلسلے میں ان مدات پر ڈیوٹی لگانے کی گنجائش سے فائدہ اُٹھا رہی ہے جن سے ریاستوں کے مالی مفادات پر ناموافق اثر پڑتا ہے۔ پانچویں مالی کمیشن کی اس سفارش پر کہ ان دو اقسام کے ٹیکس عائد کرنے کا معاملہ طے کیا جائے، حکومت ہند نے ریاستوں سے صلاح مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اضافی ایکسائز کا حلقۂ اثر ویلیو آف کلیئرنس کا ۸ء۱۰ فیصد ہونا چاہیئے، مرکزی ایکسائز اور ایڈیشنل ایکسائز کے درمیان تناسب ۲:۱ نیز صورت حال پر ہر سال نظر ثانی کی جائے۔ حالانکہ ۷۴-۱۹۷۲ء کے درمیان اضافی ایکسائز ڈیوٹی کی شرح بڑھادی گئی تھی، نہ تو حلقۂ اثر اور نہ ہی مرکزی اور اضافی ٹیکس کے درمیان تناسب کسی بھی وقت متفقہ اعداد کے مطابق ہُوا۔ مزید برآں اس معاملہ پر ابھی تک نظر ثانی بھی نہیں کی گئی۔ ساتویں مالیاتی کمیشن نے حکومت ہند اور ریاستی حکومتوں کے درمیان معاہدہ کو زیر عمل لانے میں حکومت ہند کی سُست رفتاری پر سخت نظر ڈالی اور یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ حکومت ہند معاہدہ کو پوری طرح زیر عمل لانے کے لئے ضروری اقدامات جلد کرے گی۔

شری جوان نے بتایا کہ ریل مُسافروں کے کرایہ پر ٹیکس ایسا ٹیکس ہے جو دستور کی دفعہ ۲۶۹ میں شمار کیا گیا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی خالص آمدنی پوری طرح سے ریاستوں کے حوالے کرنی چاہیئے۔ یہ ٹیکس ۱۹۵۷ء میں لگایا گیا تھا لیکن ۱۹۶۱ء میں جب ٹیکس عنصر بنیادی کرایہ میں ضم کر دیا گیا تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ حکومت ہند ریاستوں کو آمدنی میں اس نقصان کے بدلے امداد کی صورت میں بھرپائی دیتی رہی ہے۔ امداد کی رقم جو اولاً تمام ریاستوں کے لئے ۱۲ء۵۰ کروڑ روپے تھی ۶۷-۱۹۶۶ء سے ۱۶ء۲۵ کروڑ روپے کر دی گئی۔ اس کے بعد سے یہ اسی سطح پر ہے، حالانکہ غیر مضافاتی ٹریفک سے ریل مُسافرین آمدنی کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے اور اسی بناء پر ریاستوں کی جانب سے اس میں اضافہ کے لئے مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ مالیاتی کمیشن نے بھی بار بار یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ امداد کی رقم کم ہے اور اس میں کافی اضافہ کرنا چاہیئے۔

وزیر مالیات نے ایوان کو بتایا کہ حال ہی میں نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل کے اجلاس میں کئی ریاستوں نے یہ مسئلہ اُٹھایا تھا۔ حکومتِ ہند نے یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ان مسائل پر غور کرنے اور انھیں طے کرنے کے لئے ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کی میٹنگ جلد ہی بلائی جائے گی۔

پلان اسکیمات کیلئے امداد: شش سالہ منصوبہ مدت کے دوران پلان امداد کی بین الریاستی تقسیم کا سوال گذشتہ ایک سال سے قومی ترقیاتی کونسل کے زیر غور رہا ہے۔ مذکورہ کونسل نے اپنی میٹنگ منعقدہ ۱۸ اور ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء میں ایک کمیٹی مقرر کی تھی جو اپنی رائے پیش کر سکے کہ آیا موجودہ گاڈگل فارمولہ میں کسی قسم کی ترمیم کی ضرورت ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ مرکز کی پیش کردہ اسکیمات کے بارے میں بھی اپنی رپورٹ پیش کر سکے۔ اس کمیٹی نے مرکزی اسکیمات میں کٹوتی اور نتیجہ بچنے والی رقم کی ریاست کو منتقلی کے بارے میں تجاویز کی تائید کی تھی۔ مذکورہ رقم ۲۰۰۰ کروڑ روپے ہے جو شش سالہ منصوبہ کی باقی ماندہ چار سال (۸۳-۱۹۷۹ء) کے لئے ہوگی۔ پھر بھی پلان امداد اور مذکورہ رقم کی ریاستوں میں تقسیم سے متعلق کمیٹی کوئی طریقہ تلاش نہیں کر سکی۔

ریاستی حکومت نے پُرزور سفارش کی کہ شش سالہ منصوبہ کی چار سالہ مدت کے دوران مرکزی امداد کی ۴۲۰۰ کروڑ روپے کی رقم اور مذکورہ ۲۰۰۰ کروڑ روپے کی رقم ترمیم شدہ گاڈگل فارمولہ کے مطابق جو کہ پلاننگ کمیشن کا ہی پیش کردہ دوسرا فارمولہ ہے، ریاستوں کو تقسیم کی جائے۔ کئی ریاستوں نے، خصوصاً کم ترقی یافتہ ریاستوں نے مطالبہ کیا ہے کہ ۲۰۰۰ کروڑ روپیہ صرف کم ترقی یافتہ ریاستوں میں تقسیم کیا جائے۔ اگر یہ مطالبہ منظور کر لیا جاتا تو مہاراشٹر کے حصہ میں کچھ نہ آتا۔ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیرمین نے درمیانی راستہ یہ تجویز کیا کہ ریاستوں کو مذکورہ رقم کی تقسیم پلان کے فی کس مصارف کے برعکس کیفیت کے مطابق کی جائے۔

چند ریاستوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ریاستوں کو ساتویں مالیاتی کمیشن کے تصدیق شدہ اضافی محصولات آمدنی کے تناسب معکوس کی بنیاد پر مذکورہ رقم کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ ریاستی حکومت نے ڈپٹی چیرمین اور دیگر ریاستوں کی مذکورہ تجاویز کی سخت مخالفت کی۔ حکومت نے یہ موقف ظاہر کیا کہ فارمولہ میں کوئی بھی نئی بات، مثلاً عدم غربت، پلان کا فی کس مصارف یا اضافی محصولات آمدنی قابل قبول نہیں ہوگی۔ قومی ترقیاتی کونسل کی مقرر کردہ کمیٹی چونکہ اس سلسلے میں کوئی رائے قائم نہ کر سکی، یہ معاملہ مذکورہ کونسل کی میٹنگ میں (منعقدہ ۲۴ اور ۲۵ فروری ۱۹۷۹ء) جس کی صدارت وزیر اعظم نے فرمائی تھی، پیش کیا گیا۔

اس میٹنگ میں ریاستی حکومت نے اپنے پُرانے موقف پر قائم رہتے ہوئے دلیل پیش کی کہ مہاراشٹر ترقی یافتہ نظر آتے ہوئے بھی کئی مسائل سے دوچار ہے۔ ریاستی حکومت نے اپنے پسماندہ علاقوں سے متعلق اعداد و شمار بھی پیش کئے تھے بالآخر قومی ترقیاتی کونسل نے وزیر اعظم کی رائے سے اتفاق کیا کہ بلاک پلان امداد کے ۴۲۰۰ کروڑ روپے ترمیم شدہ گاڈگل فارمولہ کے مطابق تقسیم کئے جائیں (جو کہ خود ریاستی حکومت یہ چاہتی تھی) اور ۲۰۰۰ کروڑ روپے ریاست کی فی کس آمدنی ضرب تعداد آبادی کے مطابق تقسیم کئے جائیں۔ اس فیصلہ کے مطابق ۲۰۰۰ کروڑ روپے میں سے ۱۲۸ کروڑ روپیہ اور بلاک مرکزی امداد کے ۴۲۰۰ کروڑ روپے میں سے ۴۴۷ کروڑ روپے ریاست کے حصہ میں آئے گا۔ اس طرح کُل ۵۷۵ کروڑ روپے حاصل ہوں گے۔

اس میٹنگ میں رائے شماری دراصل ریاستی حکومتوں کے مختلف مطالبات کو سُلجھانے کے لئے وقتی طور پر کی گئی۔ شری جوان نے اُمید ظاہر کی کہ یہ اقدام چھٹے پنچسالہ

کے بعد جاری نہیں رکھا جائے گا۔

وزیر مالیات نے واضح کیا کہ مذکورہ کونسل کا فیصلہ ریاستی حکومت کی توقعا
ین کر سکے گا اور نہ ہی ۵٫۷۵ کروڑ روپے کی مذکورہ رقم موجودہ منصوبہ مدت
نایا چار سال کے لئے کافی ہوگی۔ اس کے باوجود ریاستی حکومت وزیر اعظم
ئے سے اتفاق کرتی ہے کہ ملک کی کم ترقی یافتہ ریاستوں کے ساتھ
ف کیا جائے تاکہ ریاستوں کے مابین نابرابری دور کی جا سکے۔ آپ
مید ظاہر کی کہ ریاستوں کے خاص مسائل مثلاً خشکی کے آثار رکھنے
علاقوں کے مسائل، شہری ترقیات کے لئے گرانقدر سرمایہ کی ضرورت، وغیرہ
ین نظر پلاننگ کمیشن ایسے مسائل کے لئے موقوف ۶۰۰ کروڑ روپے میں سے جہاراشٹر
کا حصہ ادا کرے گا بجائے اس کے کہ یہ رقم چند ریاستوں کی ناکافی آمدنی کی
کے لئے استعمال کی جائے۔

یت اور مزید مصارف

یت اور مزید مصارف: رعایتیں اور مزید مصارف کے نتیجہ میں
۲ کروڑ روپے کا مزید بار پڑے گا اور اس طرح خسارہ ۸۳٫۶۵ کروڑ روپے
ڑھ کر ۱۰۱٫۵ کروڑ روپے ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات
کئے گئے ہیں:

صول اراضی

صول اراضی: محصول اراضی ۵ روپے تک اور اس پر ٹیکس کی
کی معافی اسکیم ۷۸-۱۹۷۷ء میں شروع کی گئی تھی۔ حکومت اب اس رعایت
رجہ ذیل طریقے سے توسیع دینا چاہتی ہے:
ن) تین ہیکٹر تک زراعتی زمین کے مالکان کیلئے چاہے وہ کچھ بھی ٹیکس ادا کرتے
محصول اراضی معاف، بشرطیکہ اس زمین کا کوئی بھی حصہ قابل آبپاشی نہ ہو۔
) زراعتی زمین کے کھاتہ دار مالکان جو ۵ روپے سے زائد لیکن ۱۰ روپے سے کم
محصول ادا کرتے ہوں کیلئے محصول معاف، بشرطیکہ ان کی تمام زمین خشک ہو۔
) دونوں معاملے میں مقامی ٹیکس بہرحال اسی طرح وصول کیا جائے گا جیسے
محصول اراضی معاف نہ کیا گیا ہو۔
ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کو معاف کئے گئے محصول اراضی (دیہی
پنچایت اور میونسپلٹیوں کو واجب الادا) پر مقامی ٹیکس گرانٹ اور مساوی
امداد کے [illegible] شدہ مقامی ٹیکس کے مساوی وقتی گرانٹ دیا جائے گا۔
۷۸-۱۹۷۷ء میں دی گئی مذکورہ رعایت سے قیاس کیا جاتا ہے کہ ۱۹٫۴۴
لیٹر اراضی سے متعلق ۲۰٫۶۲ لاکھ کاشتکار فیض یاب ہوئے ہوں گے اور
۱۸٫۸۳ لاکھ روپے اور ۸۱٫۹۱ لاکھ روپے تک محصول اراضی اور مقامی
معاف کئے گئے۔ اب تین ہیکٹر تک مالکان اراضی اور وہ جو ۵ روپیہ سے
۱۰ روپے سے کم محصول ادا کرتے ہیں (بغیر آبپاشی کی سہولت کے) کیلئے یہ
اج

سہولت مہیا کرنے پر مزید ۱۲ لاکھ کاشتکار فیضیاب ہوں گے جس کے نتیجہ میں
۷۸٫۳۶ لاکھ روپے محصول اراضی کا نقصان ہوگا۔ اس کے علاوہ ۳۹٫۱ کروڑ روپے
تک مزید ٹیکس گرانٹ کی ادائیگی کی تجویز بھی اس میں شامل ہے۔

بجلی ٹیرف

بجلی ٹیرف: دیہی علاقوں میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لئے استعمال
کی جانے والی بجلی میں کٹوتی تجویز کی گئی ہے۔ ۳۲ پیسہ فی یونٹ کی موجودہ شرح
گھٹا کر ۲ پیسے فی یونٹ کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ کاشتکاروں کی طرح
۱۲۵ روپیہ فی ہارس پاور سالانہ کے حساب سے ہارس پاور کی بنیاد پر بھی ادائیگی کی
رعایت دی جائے گی۔ اس اقدام کے نتیجہ میں ۴۴ لاکھ روپے کا نقصان ہوگا۔

دیہی علاقوں میں پانی پر فیس

دیہی علاقوں میں پانی پر فیس: فی الحال محکمۂ آبپاشی گھریلو
استعمال کے لئے گرام پنچایتوں، میونسپلٹیوں اور میونسپل کارپوریشن سے آبپاشی پروجیکٹوں
اور نشان زدہ ندیوں سے پانی کی فراہمی پر ۵۰ء۵ روپیہ ۱۰۰۰ مکعب فٹ پانی کے
حساب سے فیس وصول کرتا ہے۔ اس فیس کی ادائیگی میں مقامی اداروں کو در پیش مشکلات
کے پیش نظر حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ گرام پنچایتوں اور 'سی' کلاس میونسپلٹیوں کو جن
کی آبادی ۱۵۰۰۰ یا اس سے کم ہے، اس فیس کی ادائیگی سے مکمل طور پر مستثنیٰ کر دیا
جائے۔
اس تجویز کا نفاذ یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے کئے جانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس
سلسلہ میں سالانہ نقصان کا اندازہ ۱۲ لاکھ روپیہ ہے۔

دودھ کی قیمت خرید

دودھ کی قیمت خرید: دودھ کی قیمت خرید آخری دفعہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں
مقرر کئے جانے کے بعد سے اب تک اس پر نظر ثانی نہیں کی گئی۔ اس وقت سے پیداوار
کی لاگت میں کافی اضافہ ہوا ہے اور دودھ فراہم کرنے والوں کی جانب سے مسلسل یہ مطالبہ
کیا جا رہا ہے کہ دودھ کی قیمت خرید میں اضافہ کیا جائے۔ حکومت نے آئندہ سال کے دوران
اوسطاً ۲۰ پیسہ فی لیٹر کے حساب سے گائے اور بھینس کے دودھ کی قیمت خرید میں
اضافہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بار کی کسی حد تک
تلافی کے لئے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ زیادہ چربی والے ہول دودھ کی قیمت فروخت ۲۰ پیسہ
فی لیٹر تک بڑھا دی جائے۔ اس بوجھ میں مزید کمی کے لئے دیگر اقدامات زیر غور ہیں۔
اس اقدام سے حکومت کو تقریباً ۳ کروڑ روپے کا بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔

بچوں کیلئے دودھ کی فراہمی

بچوں کیلئے دودھ کی فراہمی: ۱۹۷۹ء بین الاقوامی سال برائے
اطفال قرار دیا گیا ہے۔ "پوشتک آہار" یعنی قوت بخش غذا پروگرام کے تحت بچوں کو دودھ
فراہم کرنے کی ایک اسکیم تیار کی جا رہی ہے۔ اس اسکیم کے تحت اسکول کے
بچوں کو مقامی پیداوار اور اسٹاک میں سے دودھ مہیا کیا جائے گا۔ توقع

ہے کہ اس اقدام سے ایک طرف تو بچوں کو قوت بخش غذا دستیاب ہوگی اور دوسری طرف دودھ کی پیداوار میں اضافہ کی تحریک میں استحکام پیدا ہوگا۔ ابتدا میں ۲۳ء۲ لاکھ بچوں کو دودھ مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی اور رفتہ رفتہ ریاست کے تمام اسکولی بچوں کو اس اسکیم میں شامل کیا جائے گا۔ اس اسکیم پر ۹۴ء۱ کروڑ روپے کے مصارف کا اندازہ ہے۔ یہ رقم نیوٹریشن اسکیم فنڈ سے مہیا کی جائے گی۔ اگر یہ اسکیم فائدہ مند ثابت ہوئی تو دودھ کی بجائے 'پوشٹک آہار' یعنی قوت بخش غذا مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

شکر کی صنعت کو امداد

شکر کی صنعت کو امداد: مہاراشٹر میں شکر کی صنعت ایک اہم صنعت مانی جاتی ہے۔ فی الحال یہ صنعت بحران سے دوچار ہے۔ ریاستی حکومت نے اس صنعت پر توجہ دینے کے لئے حکومت ہند سے سفارش کی ہے۔ ان سفارشات میں زائد اسٹاک پر شرح سود میں تخفیف، ایکسائز ڈیوٹی میں کٹوتی، برآمدات میں اضافہ، اس کے علاوہ ماہانہ تقسیم کے قاعدے سے قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ حکومت ہند نے اگرچہ ان تمام سفارشات کو منظور نہیں کیا ہے لیکن پانچ لاکھ ٹن اسٹاک حاصل کرنے کی تجویز منظور کی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ قیمتِ خرید پر ٹیکس ریاستی حکومت کے لئے آمدنی کا ذریعہ ہے۔ شکر کے کارخانوں، ان میں کام کرنے والے ملازمین اور ریاست کی زراعتی معیشت اور زراعت پیشہ افراد کے مفاد کی خاطر، ریاستی حکومت نے ۷۹-۱۹۷۸ء میں کرشنگ سیزن کے دوران گنے کی قیمتِ خرید پر ٹیکس میں کمی کرنا منظور کر لیا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں:

۱۔ وہ تمام نئے کارخانے جو تین کرشنگ سیزن میں (بشمول ۷۹-۱۹۷۸ء) مکمل طور پر جاری رہے ہوں، یا وہ جو ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران آزمائشی حالات سے دوچار رہے ہوں، یا وہ کارخانے جنھیں بیمار صنعت تسلیم کیا گیا ہو، ۷۹-۱۹۷۸ء کرشنگ سیزن کے لئے قیمت خرید پر ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔ اس عرصہ میں استعمال کئے جانے والے گنّے کی متوقع مقدار کے پیش نظر ۸۶ء۱۰ کروڑ روپے کی کمی برداشت کرنی ہوگی۔

۲۔ باقی ماندہ شکر کے کارخانوں بشمول جوائنٹ اسٹاک سیکٹر پر واجب الادا خریدی ٹیکس برائے سال ۷۹-۱۹۷۸ء کے بطور حاصل ہونے والی رقم جو کہ اندازاً ۱۰ء۸ کروڑ روپے فی ٹن استعمال شدہ گنّا ہے، معاف کر دی جائے گی۔ بقایا خریدی ٹیکس ۶ فیصدی شرح سود سے دیئے گئے قرض کی صورت میں وصول کیا جائے گا۔ وصولیابی کا طریقہ موجودہ مشکلات پر قابو پالینے کے بعد طے کیا جائے گا۔ اس اقدام کے نتیجہ میں ۵۰ء۱۱ کروڑ روپے کے محصول کا نقصان اور ۰۷ء۱۲ کروڑ روپے کے قرضہ جات کی منظوری برداشت کرنی ہوگی۔

۳۔ کھانڈساری یونٹوں کو حکومت ہند نے ایکسائز ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن اس رعایت سے انھیں کرشنگ کاموں کو ٹھیک طور سے انجام دینے میں کوئی مدد نہیں ملی ہے۔ اس لئے گنے کے کاشتکار اور ان یونٹوں کو گنا فراہم کرنے والے افراد کھانڈساری یونٹوں میں کام کرنیوالے مزدوروں کے مفاد کے پیش نظر ان یونٹوں کے موجودہ بحران پر قابو پانے کی کوششوں میں مزید طاقت پیدا کرنے کی غرض سے ۷۹-۱۹۷۸ء سال کے کرشنگ سیزن کے دوران خریدی ٹیکس کی ادائیگی سے کھانڈساری یونٹوں کو مکمل طور سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا، لیکن یہ لازمی ہے کہ یہ یونٹ کاشتکاروں کو گنے کی فراہمی پر ۸۰ روپے فی ٹن کے حساب سے قیمت ادا کریں۔ اس اقدام کے نتیجہ میں ۵۰ لاکھ روپے کا نقصان ہوگا۔

شکر کی صنعت سے متعلق مذکورہ بالا امدادی اقدامات کے نتیجہ میں تقریباً ۸۶ء۲۲ کروڑ روپے مالیت کے محصولات کا نقصان اور ۰۷ء۱۲ کروڑ روپے کے قرضہ جات کی منظوری متوقع ہوگی۔

گنے پر خریدی ٹیکس سے سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران ۳۵ء۱۳ کروڑ روپے کی آمدنی متوقع تھی لیکن مذکورہ بالا امدادی کاموں کی وجہ سے مذکورہ سال میں یہ رقم حاصل نہیں ہوگی۔

شکر کی صنعت مہاراشٹر کی ایک اہم صنعت ہے اور خاص طور سے دیہی ترقی کی ضامن ہے لیکن بازار کے حالات اور چند دوسری وجوہات کی بنا پر امداد باہمی حلقوں میں بیمار شکر صنعتوں میں اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ان حالات میں ان صنعتوں کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ دیگر سرگرمیوں پر دھیان دیں، مثلاً ضمنی پیداوار کو کام میں لائیں وغیرہ۔ اس صنعت میں بہتری پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ یہ صنعت قیمتوں کے بحران پر قابو پانے کے قابل ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو دیگر اہم معاملات کے علاوہ مناسب پیداوار، خریدی میں باقاعدگی، آلہ جات کی دیکھ بھال اور ٹھیک استعمال اور ضمنی پیداوار مثلاً شیرہ، گنے کا استعمال شدہ حصہ وغیرہ کے استعمال کے سلسلہ میں رہنمائی کر سکے۔

گڑ کی خریدی

گڑ کی خریدی: گڑ کی قیمتوں میں کمی کے باعث متعلقہ افراد اور کاشتکاروں پر بُرا اثر پڑا ہے۔ انھیں صحیح قیمتیں قائم رکھنے میں دشواری پیش آتی ہے اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ مارکیٹنگ فیڈریشن اور نافیڈ (NAFED) کے اشتراک سے گڑ خریدی اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک بازار کا نرخ ایک خاص سطح تک نہیں پہنچ جاتا۔ فی الحال موجودہ فی کوئنٹل بازار نرخ سے پانچ یا دس روپے زیادہ کے حساب سے گڑ خریدنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ۲۵ فیصدی گڑ کی خریداری کا اندازہ کرتے ہوئے ان اقدامات کے نتیجہ میں مذکورہ سال میں ۵۰ لاکھ روپے کا نقصان ہوگا۔ حکومت ہند (نافیڈ)

نے ۵۰ فیصدی نقصان برداشت کرنا منظور کیا ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ فیڈریشن نقصان کا ایک حصہ تقریباً ۲۵ لاکھ روپے اس اسکیم میں بطور امداد شامل کرے گی۔ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ حکومت فیڈریشن کو مالی اداروں سے قرض حاصل کرنے کی اجازت دے گی تاکہ ایک کروڑ روپے کی حد تک ضروری سرمایہ فراہم کیا جاسکے۔

بجلی کی گھانیوں کو رعایت:

بیل گھانیوں کے مالکان کو جن کے پاس دو سے زائد گھانیاں نہیں ہیں تیل کی فروخت پر ۴ فیصد سیلس ٹیکس کی چھوٹ یا تیل کے بیجوں پر ۴ فیصدی یا مکمل خریدی ٹیکس کی واپسی جیسی رعائتیں مہیا ہیں۔ بیل گھانیوں کو بجلی گھانیوں میں تبدیل کرنے کی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کام میں مدد کرنے کی غرض سے تین سال کی مدت کے لئے بجلی گھانی مالکان کو جن کے پاس دو سے زائد گھانیاں نہیں ہیں تیل کے بیجوں پر خریدی ٹیکس میں ۵۰ فیصدی رعایت دینا منظور کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں تین سال کی مدت کے حساب سے ۹۷.۵۰ کروڑ روپے کے محصولات کا نقصان ہوگا، یعنی سالانہ ۳۲.۵۰ لاکھ روپے کا بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔

امداد باہمی کپڑا ملیں:

نو امداد باہمی کپڑا ملوں میں توسیع و جدید اصلاحات کی غرض سے حکومت نے "این سی ڈی سی" کے تعاون سے تین سال کے لئے ۲۸.۴۳ کروڑ روپے تک امداد کرنا تجویز کیا ہے۔ اس کے علاوہ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران رجسٹرڈ شدہ کچھ نئی امداد باہمی ملوں کو بھی سرمایہ کی فراہمی میں مدد دینا تجویز کیا گیا ہے۔ ۲۵,۰۰۰ تکلیوں کی ہر نئی یونٹ پر اخراجات کا تخمینہ ۵.۵۰ کروڑ روپیہ ہے جس میں سے تین سالوں کے لئے ۱.۰۱ کروڑ روپیہ کی فراہمی حکومت کے ذمے ہوگی۔ نئی امداد باہمی کپڑا ملیں ساونت واڑی، مالیگاؤں، جالنہ، پربھنی اُدگیر اور امری میں قائم ہونگی۔

ان ملوں کی معاشی کیفیت کا دارومدار بازار نرخ میں اُتار چڑھاؤ پر ہوگا اس لئے ضروری ہے کہ ان شعبوں کی عملیات، مارکیٹنگ ضروریات، کپاس کی خریدی وغیرہ معاملوں پر صحیح طور سے توجہ دی جائے تاکہ یہ شعبے اپنے ذرائع کا صحیح استعمال کر سکیں۔ ان معاملوں پر غور و خوض کرنے کے لئے اور سفارشات پیش کرنے کے لئے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل زیر غور ہے۔

ناگپور شہر کی ترقیات:

ناگپور کو مہاراشٹر کا دوسرا بڑا شہر مانا گیا ہے لیکن اس کی ترقی سے متعلق ابھی کئی مسائل حل پذیر ہیں۔ اس شہر سے متعلق آب رسانی میں اصلاح، سڑکوں کی مرمت اور دیگر ترقیاتی پروگرام کیلئے آئندہ سال کے واسطے بجٹ میں رکھی گئی گنجائش کے علاوہ اس سال کے لئے مزید ایک کروڑ روپیہ فراہم کرنا تجویز کیا گیا ہے۔

بھگوتی بندرگاہ:

ضلع رتناگیری کے لئے کوکن ریلوے کے علاوہ بھگوتی بندرگاہ کی ترقی بھی نہایت اہم ہے۔ اس بندرگاہ کی مجوزہ ترقیات کے لئے حکومت کی قائم کردہ ٹیکنیکل کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں چند سفارشات پیش کی ہیں قیاس کیا جاتا ہے کہ آئندہ سال اس بندرگاہ کی ترقی کے لئے ایک کروڑ روپیہ درکار ہوگا۔ اس سلسلے میں بجٹ میں ۲۵ لاکھ روپے پہلے ہی وقف کئے گئے ہیں مزید سرمایہ بوقت ضرورت فراہم کیا جائے گا۔

فروغ روزگار:

نئی نسل کے لئے بیروزگاری ایک سنگین مسئلہ ہے۔ بیروزگار افراد سے متعلق اسکیمات کے لئے ۸۰-۱۹۷۹ء سال کے لئے بجٹ میں ۲۸.۵۱ کروڑ روپیہ وقف کیا گیا ہے۔ اس میں نجی مالی امداد اور تربیت کے طور پر ۶۸.۳ کروڑ روپیہ اور تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو جزوقتی کام کے لئے بطور بھتہ ۶۰.۱ کروڑ روپیہ شامل ہیں۔ پسماندہ علاقوں میں روزگار کے مواقع میں اضافہ کی غرض سے جوائنٹ سیکٹر صنعتی شعبوں میں شرکت کی پیشکش کی گئی ہے۔

فروغ روزگار پروگرام میں اہم بات یہ ہے کہ صنعتوں کے قیام کے ساتھ ساتھ خصوصی کاموں میں ماہر لوگوں کے لئے ایسی صنعتوں میں ملازمت کی گنجائش نکالی جائے گی۔ حکومت کی جانب سے مقامی لوگوں کو ایسے کاموں میں تربیت دی جائے گی تاکہ وہ ان صنعتوں میں ملازمت حاصل کرسکیں۔ نیز یہ کہ ریاست کے علاوہ ملک بھر میں اور بیرون ملک بھی روزگار کے مواقع موجود ہیں۔ فروغ روزگار پروگرام کے تحت مہاراشٹر میں زائد مزدور پیشہ لوگوں کو ان ملازمتوں کے قابل بنایا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے آئی ٹی آئی اداروں میں مزید آسامیاں پیدا کرنا ہونگی اور مراٹھواڑہ جیسے علاقوں میں ایسے نئے ادارے جاری کرنے ہوں گے۔ نصاب تعلیم میں نئی اسکیمات شامل کرنی ہوں گی۔ ان تمام کاموں پر مذکورہ بالا مصارف کے علاوہ تین کروڑ روپے درکار ہوں گے۔

میونسپل کونسلوں کو گرانٹ:

فی الحال ریاست میں میونسپل ملازمین کو مہنگائی بھتہ کے طور پر صرف کی جانے والی رقم پر فیصد کے حساب سے میونسپل کونسلوں کو گرانٹ دی جاتی ہے۔ ریاستی ملازمین کی نئی تنخواہ اسکیل میں مہنگائی بھتہ کا کچھ حصہ جسے مہنگائی تنخواہ شمار کیا جاتا ہے، تنخواہ میں ضم کیا گیا ہے۔ اگر اسی طور پر میونسپل کونسل اپنے ملازمین کو تنخواہ نئے اسکیل کے حساب سے دیں تو مہنگائی تنخواہ پر دی جانے والی گرانٹ میں کافی کمی ہوگی۔ اس لئے یہ طے کیا گیا ہے کہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے قبل رائج قاعدہ کے مطابق ملازمین کو دیئے گئے نئی تنخواہ اسکیل کے مہنگائی بھتہ اور ضم شدہ مہنگائی بھتہ

پر گرانٹ دی جائے۔ اس اقدام کا مقصد یہ ہے کہ تنخواہ پر نظرثانی کرتے وقت میونسپلٹیوں کی مالی حالت میں یک وقت بگاڑ پیدا نہ ہو۔ مہنگائی تنخواہ پر مہنگائی بھتہ گرانٹ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے، میونسپلٹیوں کو برداشت کرنا ہوگا اور مستقبل میں رفتہ رفتہ یہ رقم خود انھیں اپنے ذرائع سے حاصل کرنی ہوگی لہذا یہ طے کیا گیا کہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء کے بعد بھرتی ہونے والے تمام ملازمین کو دی جانے والی نئی تنخواہ میں ضم شدہ مہنگائی تنخواہ کو چھوڑ کر صرف مہنگائی بھتہ پر گرانٹ دیا جائے گا۔ بجٹ میں شامل متذکرہ ۲۲،۱۲ کروڑ روپے کے علاوہ اس اقدام کے نتیجہ میں ۶۹،۱ کروڑ روپیہ کا مزید بوجھ پیدا ہوگا۔

پنشن یافتگان کو امداد: پنشن یافتگان کی جانب سے متعدد مطالبات پر غور کرتے ہوئے حکومت نے یکم مارچ ۱۹۷۹ء سے پنشن میں ضمنی عارضی اضافہ منظور کیا ہے۔ پچھلی مرتبہ یکم اپریل ۱۹۷۵ء سے پنشن میں اضافہ کیا گیا تھا۔ وہ تمام سرکاری ملازمین جو ۳۱ رمارچ ۱۹۷۰ء یا اس سے قبل ریٹائر ہوئے ہیں، انھیں عارضی طور پر پنشن میں ۱۵ روپے ماہانہ زیادہ ادا کیا جائے گا۔ یکم اپریل ۱۹۷۰ء اور ۳۱ ردسمبر ۷۴ء کے درمیان ریٹائر ہونے والوں کو ۱۰ روپے ماہانہ زائد دیا جائے گا۔ ضلع پریشد ملازمین، تسلیم شدہ یا حکومت سے امداد پانے والے غیر سرکاری ثانوی مدارس کے تدریسی و غیر تدریسی ملازمین اور مقامی اداروں کے پرائمری اساتذہ (یعنی ضلع پریشد، میونسپل اسکول بورڈ اور میونسپل کونسل) جنھیں یہ اضافہ پہلے ہی منظور کیا جا چکا ہے، بھی اس اضافے کے مستحق ہوں گے۔ اس کے نتیجہ میں سالانہ ایک کروڑ روپے کا مزید بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔

اقدامات برائے محصولات: مذکورہ بالا خسارہ کی تلافی کے لئے ٹیکسوں کے ذریعہ مندرجہ ذیل ذرائع پیدا کئے گئے ہیں:

سیلس ٹیکس: انتخابی کمیٹی نے سیلس ٹیکس قانون مکمل کر لیا ہے جو جلد ہی ایوان کی منظوری کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔ اس قانون میں موجودہ مخلوط طریقہ کار کی بجائے واحد طریقہ ٹیکس اپنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ٹیکسوں میں تمام پیچیدگیوں کو دور کر کے باقاعدگی پیدا کی گئی ہے۔ ان اقدامات سے سال بھر میں ۳۲ کروڑ روپے کی آمدنی اور شروع سال کے ۹ مہینوں میں ۲۴ کروڑ روپے کی آمدنی ہوگی

اسٹامپ ڈیوٹی: فی الحال "قابلِ غور" جائداد کے حساب سے اسٹامپ ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔ لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ دستاویزات میں دکھائی گئی قابلِ غور جائدادی رقم بازار نرخ سے بہت کم ہوتی ہے چونکہ اسٹامپ ڈیوٹی مذکورہ جائدادی رقم سے منسلک ہے، اس لئے اس طریقہ کی بدولت حکومت کو کافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لہذا تجویز کیا گیا ہے کہ بمبئی اسٹامپ ایکٹ میں مناسب تبدیلی کی جائے تاکہ حکومت دستاویزات میں پیش کردہ جائداد کے بازار نرخ کے حساب سے اسٹامپ ڈیوٹی وصول کر سکے۔ ایسی تبدیلیاں مختلف ریاستوں بشمول آندھرا پردیش، تامل ناڈو اور کرناٹک میں کی گئی ہیں۔

ان تبدیلیوں سے ۱۲ کروڑ روپے سالانہ آمدنی ہوگی۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران ان اقدامات کے نتیجہ میں ۸ کروڑ روپے آمدنی کی توقع ہے۔

موٹر وہیکل ٹیکس: منتخبہ گاڑیوں پر موٹر وہیکل ٹیکس میں اضافہ تجویز کیا گیا ہے تاکہ ۲۵،۳ کروڑ روپیہ آمدنی حاصل کی جا سکے

فی الحال موٹر سائیکل پر موٹر وہیکل ٹیکس ۲۰ سے ۳۵ روپے لیا جاتا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل اضافہ تجویز کیا گیا ہے:

موٹر گاڑیاں بلحاظ وزن	رائج سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)	مجوزہ سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)
۱ ۔ ۵۰ کلوگرام تک وزنی بغیر لدی سائیکل	۲۰	۲۴
۲ ۔ ۵۱ سے ۱۰۰ کلوگرام تک وزنی بغیر لدی سائیکل	۴۰	۴۸
۳ ۔ ۱۰۰ کلوگرام سے زائد وزنی بغیر لدی سائیکل	۵۳	۶۶
۴ ۔ تین پہیوں والی سائیکل	۵۳	۶۶

ان اضافوں کے باوجود اس ریاست میں ٹیکسوں کی شرح پڑوسی ریاستوں میں رائج ٹیکسوں کی شرح کے کافی حد تک مماثل ہوں گی۔

موٹر کار پر بھی موٹر وہیکل ٹیکس میں مندرجہ ذیل اضافہ تجویز کیا گیا ہے:

موٹر گاڑیاں بلحاظ وزن	رائج سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)	مجوزہ سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)
۱ ۔ ۷۵۰ کلوگرام وزن تک غیر لدی گاڑیاں	۸۸	۹۶
۲ ۔ ۷۵۱ سے ۱۵۰۰ کلوگرام تک وزنی غیر لدی گاڑیاں ...	۱۳۲	۱۴۴
۳ ۔ ۱،۵۰۱ سے ۲،۲۵۰ کلوگرام تک وزنی غیر لدی گاڑیاں ...	۱۷۶	۱۹۲
۴ ۔ ۲،۲۵۰ کلوگرام سے زائد		

وزنی غیرلدی گاڑیاں جن میں ۱۵ افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔	۳۳۰	۳۵۰
۵۔ ۲٫۲۵۰ کلوگرام سے زائد وزنی غیرلدی گاڑیاں جن میں ۱۵ سے زائد افراد بیٹھ سکتے ہوں۔	۳۰۰ اور ۱۵ سے زائد افراد پر فی کس ۱۰ روپے اور کل میزان کا ۱۰ فیصدی	۳۲۰ اور ۱۵ سے زائد افراد پر فی کس ۱۰ روپیہ اور کل میزان کا ۱۰ فیصد

اس نئی شرح کے نتیجہ میں سالانہ ۵۸ء۰ کروڑ روپے کی آمدنی حاصل ہونے کی توقع ہے جس میں ضمانتِ روزگار اسکیم کے سلسلہ میں موٹر گاڑیوں پر سرچارج میں اضافہ کا محصل بھی شامل ہے۔

چند مخصوص قسم کی سامان لانے لے جانے والی گاڑیوں پر بھی مذکورہ ٹیکس میں مندرجہ ذیل اضافہ تجویز کیا گیا ہے۔

موٹر گاڑیاں بہ لحاظ وزن	رائج سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)	مجوزہ سالانہ ٹیکس (روپیوں میں)
۱۔ ۱٫۵۰۱ کلوگرام اور ۳٫۰۰۰ کلوگرام آر۔ ایل۔ ڈبلیو گاڑیاں ...	۵۰۰	۵۱۰
۲۔ ۴٫۵۰۱ اور ۶٫۰۰۰ کلوگرام آر۔ ایل۔ ڈبلیو گاڑیاں ...	۹۵۰	۹۶۰
۳۔ ۷٫۵۰۰ کلوگرام سے زائد آر۔ ایل۔ ڈبلیو گاڑیاں ...	۱۲٫۲۰۰ اور ۷٫۵۰۰ کلو گرام سے زائد ہونے پر ۷۵ روپے ہر ۲۵۰ کلوگرام کے لئے۔	۱۲٫۳۰۰ اور ۷٫۵۰۰ کلوگرام سے زائد ہونے پر ۸۰ روپے ہر ۲۵۰ کلوگرام کے لئے۔

سامان لانے لے جانے والی گاڑیوں پر ۱۹۶۷ء سے موٹر وھیکل ٹیکس نہیں بڑھایا گیا ہے جب کہ ان گاڑیوں کے کاروبار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ لہٰذا اُمید ہے کہ اس معمولی اضافہ کو بآسانی برداشت کیا جائے گا۔ اس کے نتیجہ میں سالانہ ۷۵ء۰ کروڑ روپیہ حاصل ہونے کی توقع ہے۔

تجارتی گاڑیوں پر اس اضافی ٹیکس کو بطور گرانٹ ان اشخاص کے لئے استعمال کیا جائے گا جو فروغِ روزگار پروگرام کے تحت تعلیمیافتہ بیروزگاروں کے لئے قرض حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ جن اشخاص کے پاس ہیوی ڈرائیونگ لائسنس ہے اور جو اپنی گاڑیاں خود چلاتے ہیں انھیں گاڑی خریدنے کی تاریخ سے ۵ سال کی مدت تک یہ امداد دی جائے گی۔

فی الحال ٹریکٹرس، بشمول وہ تمام جن میں کرین، کمپریسر وغیرہ لگے ہوئے ہیں اور وہ گاڑیاں جو سامان لانے کے لئے نہ ہوں لیکن اس میں اسی قسم کے آلات لگے ہوں، ان پر غیر تجارتی گاڑیوں مثلاً موٹر کار وغیرہ کے مساوی ٹیکس لگایا جاتا ہے۔ اس لئے تجویز کیا گیا ہے کہ بمبئی موٹر وھیکل ٹیکس ایکٹ کی پہلی فہرست میں انھیں علیحدہ خانے میں رکھا جائے اور ان پر ٹیکس کی مندرجہ ذیل شرح نافذ کی جائے:

گاڑیاں بہ لحاظ وزن	زیادہ سے زیادہ شرح ٹیکس (روپیوں میں)	مجوزہ سالانہ شرح ٹیکس (روپیوں میں)
الف۔ ۷۵۰ کلوگرام سے کم وزنی غیرلدی گاڑیاں ...	۱۵۰	۱۲۰
ب۔ ۷۵۰ کلوگرام سے زائد لیکن ۱٫۵۰۰ کلوگرام سے کم وزنی غیرلدی گاڑیاں	۲۲۵	۱۸۰
ج۔ ۱٫۵۰۰ کلوگرام سے زائد لیکن ۲٫۲۵۰ سے کم وزنی غیرلدی گاڑیاں ...	۳۰۰	۲۴۰
د۔ ۲٫۲۵۰ کلوگرام سے زائد وزنی غیرلدی گاڑیاں	(ج) میں بیان کی گئی شرح اور ۲٫۲۵۰ کلوگرام سے زائد ہونے پر ہر ۲۵۰ کلوگرام یا کم کے لئے ۷۵ روپے	(ج) میں بیان کی گئی شرح اور ۲٫۲۵۰ کلوگرام سے زائد ہونے پر ہر ۲۵۰ کلوگرام یا کم کیلئے ۶۰ روپے

اس کے لئے بمبئی موٹر وھیکل ٹیکس ایکٹ میں ترمیم کی ضرورت ہے۔

کاشتکاری میں کام آنے والے ٹریکٹروں کو موٹر وہیکل ٹیکس سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

بمبئی موٹر وہیکل ٹیکس ایکٹ کے تحت ڈیزل گاڑیوں پر ایکٹ کی فہرست (۱) کے مطابق واجب الادا ٹیکس پر ۵۰ فیصدی محصول عائد کیا جاتا ہے جو کہ سالانہ ۸۰۰ روپیہ یا اس سے کم ہو سکتا ہے جو ریاستی حکومت سرکاری گزٹ میں اعلان کرے۔ فی الحال ۵۳۰ روپیہ اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مذکورہ بالا حد میں آنے والی صرف بڑی گاڑیوں کو کچھ زائد ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ اس اقدام سے سالانہ ۳۶ء۰ کروڑ روپیہ آمدنی حاصل ہوگی۔ آٹو رکشا (اسکوٹر) اور ٹیکسیاں مذکورہ بالا اضافوں میں شامل نہیں ہیں۔

فی الحال سامان لانے لے جانے والی گاڑیوں کو بمبئی موٹر وہیکل ٹیکس ایکٹ بابت ۱۹۵۸ء کی شرائط کے مطابق ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے۔ اور سامان کے لئے مہاراشٹر ٹیکس برائے سامان (بذریعہ روڈ) ایکٹ بابت ۱۹۶۲ء کی شرائط کے مطابق سامان پر ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے۔ حکومت سے کہا گیا ہے کہ ٹیکس دہندگان کی سہولت کے لئے ان دونوں ٹیکسوں کو ضم کیا جائے۔ حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کیا ہے اور ۸۰-۱۹۷۹ء کے مالی سال کے دوران اس پر قانونی نقطہ نظر سے غور کیا جائے گا۔

سامان ٹیکس: مہاراشٹر ٹیکس برائے سامان (بذریعہ روڈ) ایکٹ بابت ۱۹۶۲ء کے تحت سامان کے لئے پبلک گڈس وھیکل پر ۵ء۴ فیصدی کے حساب سے اور پرائیویٹ گاڑیوں پر فی کلومیٹر ایک میٹرک ٹن سامان پر ایک پیسہ کا ۱/۲ کے حساب سے ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ مذکورہ ایکٹ میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ متعلقہ افراد چاہیں تو ایک ساتھ پورا ٹیکس ادا کریں۔ کل ادا کی جانے والی رقم حکومت ظاہر کرے گی۔ جس کے لئے ایکٹ کے تحت ماہانہ واجب الادا رقم ۱۲۰ روپیہ برائے پبلک گڈس وھیکل اور ۶۰ روپیہ برائے پرائیویٹ گڈس وھیکل مقرر کی گئی ہے۔

اس کل رقم میں ۱۹۷۴ء سے کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ گو کہ کرایہ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے، لہٰذا تجویز کیا گیا ہے کہ یہ حد بڑھا کر بالترتیب ۱۴۰ روپے اور ۷۰ روپے ماہانہ مقرر کی جائے اور مختلف گاڑیوں پر واجب الادا کل رقم میں بھی اضافہ کیا جائے۔

اس کے لئے مہاراشٹر ٹیکس برائے سامان (بذریعہ روڈ) ایکٹ بابت ۱۹۶۲ء میں ترمیم کی ضرورت ہے۔

شراب پر ایکسائز ڈیوٹی: ایکسائز ڈیوٹی اور لائسنس فیس میں مندرجہ ذیل اضافہ کے ذریعہ ۹ء۱۶ کروڑ روپے حاصل کرنے کی تجویز کی گئی ہے

دیسی شراب: دیسی شراب پر فی لیٹر ۲ء۴۲ روپیہ ایکسائز ڈیوٹی عائد ہے۔ اس شرح ڈیوٹی کے حساب سے ۷۵۰ ملی لیٹر اور ۲۵ یو۔پی قوت والی ایک بوتل کی قیمت (آکٹرائے کے علاوہ) ۵ء۹۷ روپیہ مقرر ہے۔ اس قیمت کی وجہ سے دیسی شراب کی مانگ بہت زیادہ ہے اور لائسنس یافتہ افراد زیادہ قیمت پر اسے فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لہٰذا دیسی شراب کی اسکیم پر بغیر کسی قسم کے نقصان کا اندازہ کرتے ہوئے دیسی شراب پر ایکسائز ڈیوٹی فی لیٹر ۲ء۴۲ روپے سے بڑھا کر ۵٫۰۰ روپے فی لیٹر کی جا سکتی ہے۔ اس اضافہ کی وجہ سے اور سیلس ٹیکس میں اضافہ کے باعث دیسی شراب کی ایک بوتل کی قیمت (آکٹرائے کے علاوہ) ۵ء۹۷ روپے سے بڑھ کر ۶ء۴۶ روپیہ ہو جائے گی۔ اس کے نتیجہ میں ایکسائز ڈیوٹی سے مزید ۲ء۳۴ کروڑ روپیہ سالانہ اور سیلس ٹیکس سے ۰ء۲۳ کروڑ روپے سالانہ حاصل ہوں گے۔

ہندوستانی بدیسی شراب: الکحل آمیز ہندوستانی بدیسی شراب (قومی شراب) پر ایکسائز ڈیوٹی ۲۰ روپے فی لیٹر سے بڑھا کر ۲۵ روپے فی لیٹر مقرر کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

یہ شراب عام طور پر اونچے طبقے میں استعمال کی جاتی ہے اس لئے ۲۵ فیصدی اضافہ ان کے لئے گراں نہیں ہوگا۔ اس کے نتیجہ میں ایکسائز ڈیوٹی سے مزید ۱۵ء۴ کروڑ روپیہ سالانہ اور سیلس ٹیکس سے ۴۹ء۰ کروڑ روپیہ سالانہ حاصل ہونے کی توقع ہے۔

انگوری شراب: انگوری شراب پر ایکسائز ڈیوٹی میں مندرجہ ذیل اضافہ تجویز کیا گیا ہے:

	موجودہ شرح	مجوزہ شرح
الف: شراب میں محلول اسپرٹ ۷ فیصد تک	۲ء۱۰ روپیہ فی لیٹر	۳ روپیہ فی لیٹر
ب: شراب میں محلول اسپرٹ ۷ فیصدی سے زائد	۱۰ روپیہ فی لیٹر	۲۰ روپیہ فی لیٹر

اس اقدام کے نتیجہ میں ایکسائز ڈیوٹی سے ۰۲ء۰ کروڑ روپے اور سیلز ٹیکس سے کچھ رقم حاصل ہوگی۔

بیئر: بیئر پر آجکل ۸ء۵۰ روپیہ فی لیٹر ایکسائز ڈیوٹی عائد ہے۔ اس ریاست میں بیئر کی قیمتیں پڑوسی ریاستوں سے کم ہیں اس لئے ان پر ٹیکس میں اضافہ کی کافی گنجائش ہے۔ اس لئے الکحل کی آمیزش کے حساب سے شرح ٹیکس ۱۲ روپیہ مقرر کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے اس کے نتیجہ میں ایکسائز ڈیوٹی سے ۶۹ء۰ کروڑ روپے سالانہ اور سیلز ٹیکس سے ۲۴ء۰ کروڑ روپے کی مزید آمدنی حاصل ہونے کی توقع ہے۔

غیر زراعتی محصولات: حکومت نے غیر زراعتی محصولات کے تین گنا مساوی منتقلی ٹیکس عائد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ٹیکس زراعت سے غیر زراعتی اور کسی ایک غیر زراعتی کام سے دوسرے غیر زراعتی کام میں منتقلی کے وقت عاید کیا جائیگا۔

اس محصول کا اطلاق 'الف' اور 'ب' حلقوں والے میونسپل علاقوں میں ایک کلومیٹر حدود میں کیا جائے گا۔ کارپوریشن کے علاقوں میں اور پیری فیرل علاقوں میں بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ ممبئی عظمیٰ میں پیری فیرل حد ۸ کلومیٹر، پونے اور سولاپور میں ۵ کلومیٹر اور ناگپور اور کولہاپور میں ایک کلومیٹر ہوگی۔

حکومت غیر زراعتی محصولات کی وصولی کے موجودہ طریقہ کار میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرتی ہے۔ غیر زراعتی پرانی شرح محصول کی جاری معینہ مدت ۱۵ سال ہے جس کی ضمانت مہاراشٹر اراضی محصول ضابطہ بابت ۱۹۶۶ء میں دی گئی ہے اس مدت کو گھٹا کر ۱۰ سال کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔

اسی طرح، کارپوریشن کے علاقوں میں تجارتی طور پر زیر استعمال اراضی پر عائد غیر زراعتی محصول کی موجودہ شرح سے تین گنا زائد معیاری شرح پر وصولی کا اختیار حاصل کرنے کی غرض سے مذکورہ ضابطہ کی دفعہ ۱۱۴ (د) (ج) میں ترمیم کرنے کی بھی سفارش کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں فروخت' انعامات وغیرہ کی بنیاد پر غیر زراعتی محصولات کی معیاری شرح کا حساب گذشتہ ۵ سال کی بجائے ۱۵ سال کے حساب سے کئے جانے کی بھی تجویز پیش کی گئی ہے۔

مذکورہ کوڈ کی شرائط و قوانین میں متعلقہ ترمیمات کرنے کے لئے ضروری اقدامات کی سفارش کی گئی ہے۔

مذکورہ بالا اقدامات کے نتیجہ میں سال بھر میں ایک کروڑ روپے کی مزید آمدنی اور ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران ۵۰ لاکھ روپے حاصل ہونے کی توقع ہے۔

وزیر مالیات نے فرمایا

"بجٹ تخمینہ جات' مہاراشٹر کے عوام کی خدمات کے جذبہ کے تحت وضع کئے گئے ہیں اور اسی جذبہ کے تحت یہ ایوان کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔"

آخر میں آپ نے اراکین اور ریاستی عوام سے اپیل کی کہ وہ ترقی کی سمت پیش قدمی کے لئے تعاون کریں۔

بجٹ پر ایک نظر

بجٹ تخمینہ جات
(کروڑ روپے میں)

الف) محصولات کھاتہ	
وصولی	۱۶,۴۴۶۵۶
اخراجات	۱۵,۱۲۶۵۸
زائد	(+) ۱,۳۱۶۹۸
ب) اصل کھاتہ	
وصولی	۵,۶۳۶۶۹
اخراجات	۷,۶۳۶۷۲
خسارہ	(-) ۲,۰۰۶۰۳
ج) کُل میزان	
آمدنی	۲۲,۰۸۶۲۵
اخراجات	۲۲,۷۶۶۳۰
خسارہ	(-) ۶۸۶۰۵

۴۸-۱۹۴۷ء کا مطبوعہ بجٹ تقریباً ۴۰۰ر ا صفحات پر مشتمل تھا۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کا بجٹ ۸۰۰ر ا سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر تصویر میں ۷ر مارچ ۱۹۷۹ء کو پیش ہونے والے بجٹ کی کاپیاں دیکھی جا سکتی ہیں جو ۶۰۰ر ا سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے

فوری توجہ کیلئے :

ہمیشہ "حوالہ نمبر" (جواب کے پتہ کے اوپری حصہ پر درج ہوتا ہے) ضرور تحریر فرمائیں ۔ اپنا پتہ صاف لکھیں اور اردو کے ساتھ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرمائیں۔

قومی ترقیاتی کونسل کا اجلاس

شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کی تقریر

نیشنل ڈیولپ منٹ کونسل (این. ڈی. سی) یعنی قومی ترقیاتی کونسل کی جانب سے اس مقصد کے تحت ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی تاکہ موجودہ گاڈگل فارمولہ میں ممکنہ ضرورت تبدیلی کی بابت صلاح دے نیز مرکز کی زیر سرپرستی اسکیمات کے بارے میں سفارشات پیش کرے۔ اس کی گذشتہ بیٹھک ۱۹ر اور ۲۰ر جنوری ۱۹۷۹ء کو منعقد ہوئی تھی۔ اس میں اراکین کے مابین کسی بھی مسئلہ پر اتفاق رائے قائم نہ ہوسکا۔ اُمید ہے کہ نیشنل ڈیولپ منٹ کونسل کے موجودہ اجلاس (منعقدہ ۲۴ر اور ۲۵ر فروری ۱۹۷۹ء) کے دوران دونوں مسائل پر اتفاق رائے حاصل ہوسکے گا۔ نیز یہ یقین بھی ہے کہ پردھان منتری اور دیگر مرکزی وزراء کی شرکت کے باعث آسانی سے کوئی ٹھوس رائے قائم کی جاسکے گی۔

میں یہاں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہر ریاست کے اپنے مسائل ہیں۔ ان مسائل پر قومی نقطۂ نظر سے غور کیا جانا چاہئے اور جو کچھ بھی فیصلے کرنے ہیں، پوری قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر کئے جانے چاہئیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مختلف تاریخی اور جغرافیائی وجوہات کے نتیجہ میں چند ریاستوں نے صنعت اور زراعت کے میدان میں کافی ترقی حاصل کی ہے اس کے باوجود پسماندگی اب بھی جہاں موجود ہے اُسے دُور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل (این ڈی سی) کے گذشتہ اجلاس میں ریاستوں کے درمیان ۲,۰۰۰ کروڑ روپے کی تقسیم کے بارے میں کافی بحث ہوئی تھی۔ مذکورہ رقم مرکز کی پیش کردہ چند اسکیمات کی منسوخی یا کاٹ چھانٹ کے نتیجہ میں ریاستوں کو دینا طے کیا گیا تھا۔ نیز اس بات کی بھی سفارش کی گئی تھی کہ چند ریاستوں کے خاص مسائل حل کرنے کی غرض سے مختص کئے گئے ۶۰۰ کروڑ روپے کے علاوہ، ۲,۰۰۰ کروڑ روپے بھی غریب ریاستوں اور ان ریاستوں کی، جن کے پاس ساتویں مالی کمیشن کا دیا گیا بیحد قلیل سرمایہ ہے یا پھر کچھ بھی نہیں بچا ہے، ضرورتیں پوری کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ گذشتہ اجلاس میں ڈپٹی چیرمین، پلاننگ کمیشن نے تجویز پیش کی تھی کہ ۲,۰۰۰ کروڑ روپے ان تمام ریاستوں (جنھیں عرف عام میں گاڈگل فارمولہ ریاستیں کہا جاتا ہے) میں تقسیم کردیا جائے۔ پروفیسر راج کرشنا نے تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ مذکورہ فارمولہ کے تحت ۱,۵۰۰ کروڑ روپیہ پسماندہ ریاستوں اور ۵۰۰ کروڑ روپیہ کچھ حد تک خوشحال ریاستوں کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہاں تک سفارش کی گئی تھی کہ تمام رقم پروفیسر موصوف کی بیان کردہ صرف نسبتاً آٹھ پسماندہ ریاستوں میں تقسیم کردی جائے۔

اس سلسلے میں یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ سکریٹری پلاننگ کمیشن کی جانب سے این ڈی سی کمیٹی کے روبرو پیش کردہ رپورٹ کے مطابق ۱,۰۰۰ کروڑ روپیہ لاگت کی مرکزی اسکیمات یا تو منسوخ کردی جائیں گی یا ان میں کٹوتی کردی جائے گی اور مصارف ریاستوں کو برداشت کرنے ہوں گے بغیر کسی شرط کہ ریاستیں ان مصارف کو اپنے ذاتی منصوبوں پر بطور اخراجات پیش کریں۔ باقی ماندہ، ۱,۶۵۰ کروڑ روپیہ ان اسکیمات میں ریاست کے حصہ کے بطور پیش ہوگا۔ مرکز کی پیش کردہ اسکیمات جنھیں ۵۰ : ۵۰ کے تناسب سے قبول کرنا طے کیا گیا ہے، بیشک قومی مفاد کی اسکیمیں ہیں جنھیں ہر ریاست میں عمل میں لایا جانا چاہئے کیونکہ ان میں سے زیادہ تر اسکیمیں غربت کے خاتمے سے متعلق ہیں۔ لہذا تمام ریاستوں کو ان اسکیمات کے لئے اپنا حصہ ادا کرنا چاہئے تاکہ قومی منصوبہ کے مقاصد حاصل ہوسکیں۔

مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ پروفیسر موصوف کی مجوزہ آٹھ پسماندہ اور چھ خوشحال ریاستوں کے بارے میں بھی این ڈی سی کو واقف کرانا ضروری ہے۔ ان ریاستوں کی درجہ بندی جس بنیاد پر کی گئی تھی، گذشتہ اجلاس میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا تھا۔ غالباً یہ درجہ بندی ساتویں فنانس کمیشن کے پیش کردہ اعداد و شمار کی بنیاد پر کی گئی تھی جو ریاستوں کی پسماندگی ظاہر کرتے تھے۔ این ڈی سی کے گذشتہ اجلاس میں، میں نے اپنی تقریر میں بتایا تھا کہ ان اعداد و شمار پر مزید غور کئے بغیر اہم فیصلے مثلاً منصوبہ جاتی امداد وغیرہ، نہیں کئے جاسکتے۔ میرے نزدیک ریاستوں کی درجہ بندی کی بنیاد کسی بھی ریاست کی اصل آمدنی ہونی چاہئے، جس کا ذکر

موجودہ گاڈگل فارمولہ میں بھی واضح طور سے کیا گیا ہے۔

اب ریاستوں کے مابین ۲۰۰۰ کروڑ روپے کی تقسیم سے متعلق ڈپٹی چیرمین، پلاننگ کمیشن کے مجوزہ فارمولہ پر روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ جب بھی کوئی نیا فارمولہ پیش کیا جاتا ہے تو پرانے فارمولے کے مقابلے میں نئے فارمولے کی پسندیدگی کے لئے اہم جواز پیش کئے جاتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ ایسی ریاستوں کے سلسلے میں جن کی اصل آمدنی قومی اوسط سے کم ہے، گاڈگل فارمولہ انصاف کر سکا ہے یا نہیں۔ پچھلے پانچویں منصوبے کی مدت کے دوران ریاستوں نے کل مرکزی امداد کا ۴۸ء۴۸ فیصد حاصل کیا تھا۔ اب پلاننگ کمیشن کے فارمولہ "الف" کے مطابق مرکزی امداد کا ۷ء۳ فیصد ریاستوں کے کل منصوبہ جات پر دینا تجویز کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے گاڈگل فارمولہ پسماندہ ریاستوں کو بہتر مواقع پیش کرتا ہے، اس لئے کسی نئے فارمولے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پلاننگ کمیشن کے فارمولہ 'الف' کے مطابق پانچویں منصوبہ کی مدت کے دوران ریاستوں کی مرکزی امداد ۴۸ء۴۸ سے بڑھا کر چھٹے منصوبہ میں ۵۳ء۷۴ فیصد کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر چند ریاستوں کے اصل سرمایہ کی بنیاد پر منصوبہ جات ان کی ضرورت کے مطابق کافی نہ ہوئے تو اس کا علاج صرف یہی ہے کہ مالی ذرائع میں اضافہ کیا جائے۔

نیز کوئی بھی فارمولہ جو اصل سرمایہ کی بنیاد پر منصوبہ کے لئے پیش کیا گیا ہو خامیوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے کہ تاریخی اور جغرافیائی وجوہات کی بناء پر چند ریاستوں نے صنعت اور زراعت میں ترقی کی ہے کئی ریاستوں نے اپنے ہی ذرائع میں اضافہ کر کے یہ ترقی کی ہے۔ صنعتی اہمیت والے علاقوں کو ضروری سہولتوں مثلاً بجلی اور آب رسانی جیسے کاموں کے لئے کافی سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسے علاقے مرکزی حکومت کے لئے مالی ذرائع ہیں۔ ایسی ریاستوں میں ضروری کاموں کے لئے درکار سرمایہ کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ ہر منصوبہ بندی کے لئے اصل سرمایہ زیادہ سے زیادہ ہو۔ اگر مرکزی امداد کی تقسیم فی کس منصوبہ مصارف کے برعکس بنیاد پر عمل میں لائی گئی تو درحقیقت یہ اقدام ان ریاستوں کے لئے کسی سزا سے کم نہیں ہوگا جنھوں نے اپنے اصل سرمایہ میں اپنے ذرائع کی بدولت اضافہ کیا ہے۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ بلاک پلان امداد کی تقسیم والے فارمولہ کے مطابق ریاستوں کے مابین ۲۰۰۰ کروڑ روپے کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔

ریاستوں کو بلاک پلان امداد کی تقسیم سے متعلق یہ کہنا چاہوں گا کہ گاڈگل فارمولہ بیشک ان ریاستوں سے انصاف کرتا ہے جن کی فی کس اصل آمدنی قومی اوسط سے کم ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرنی ضروری ہے کہ کسی ریاست کی اصل آمدنی اس کی خوشحالی کی ضمانت نہیں کہی جا سکتی۔

فی کس اصل آمدنی سے مراد وہ رقم ہے جو ریاستوں کے اندرونی ذرائع پر مشتمل ہے۔ ریاست کی آبادی کی آمدنی سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی مثال خصوصاً ترقی یافتہ ریاستوں مثلاً ریاست مہاراشٹر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فی کس آمدنی سے متعلق فنانس کمیشن کے اعداد و شمار اور سنٹرل اسٹیٹسٹیکل آرگنائزیشن، حکومتِ ہند کے اعداد و شمار کے نقطۂ نظر سے ریاست مہاراشٹر تیسرے نمبر پر مانی گئی ہے۔ میں مثال دینا چاہوں گا کہ اس اعداد و شمار کو ریاست کے عوام کی خوشحالی کا ضامن سمجھنا کس طرح صحیح نہیں ہے۔

ریاست مہاراشٹر کی بڑی فی کس آمدنی کی اصل وجہ ریاست کی صنعتی اور تجارتی سرگرمیاں ہیں جو صرف چند اضلاع تک محدود ہیں جنھیں اس وسیع ترین ریاست میں خوشحالی والے علاقے کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ریاست مہاراشٹر کے تین اضلاع، بمبئی عظمیٰ، تھانے اور پونے، جہاں ریاست کی صرف ۲۳ فیصد آبادی پائی جاتی ہے، ۸۵ فیصد آمدنی صنعتی سرگرمیوں سے حاصل کرتے ہیں۔ اگر صرف انھیں ہی شمار کیا جائے تو ریاست مہاراشٹر کی فی کس اصل آمدنی اور دیگر ریاستوں کے اوسط کے درمیان فرق واضح ہو سکے گا۔ دوسرے یہ کہ اس آمدنی کے ایک بڑے حصہ کو ریاست کی آبادی سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے تخمینہ جات کے مطابق صنعتی حلقوں کی ۸۵۰ر۱ کروڑ روپیہ کی آمدنی میں سے ۸۵۰ کروڑ روپے بطور تنخواہ مزدوروں کو دیا گیا۔ باقی ماندہ ۱۰۰۰ کروڑ روپے ریاست کی آبادی سے حاصل کی ہوئی آمدنی نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس طرح ریاست مہاراشٹر کی فی کس اصل آمدنی اور ریاست کی اوسط میں تقریباً ۲۰۰ روپیہ کا فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ اس مثال کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اصل آمدنی کے اعداد و شمار کے وقت احتیاط برتنی چاہئے اور کسی منصوبہ میں استعمال سے پہلے اس کی حدود پر غور کر لینا چاہئے۔

جیسا کہ قبل کہا گیا ہے کہ قومی مفاد کی خاطر یہ ضروری ہے کہ پسماندہ علاقوں پر مناسب توجہ دی جائے۔ جب سے ریاست مہاراشٹر وجود میں آئی ہے۔ اس وقت سے یہ ریاست اپنے پسماندہ علاقوں کے مسائل پر ہمیشہ توجہ دیتی رہی ہے۔ مہاراشٹر وہ پہلی ریاست ہے جس نے پسماندہ علاقوں میں قائم ہونے والی صنعتوں کے فروغ کے لئے اسکیمیں مرتب کیں۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کی منصوبہ بندی کے وقت مہاراشٹر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ علاقائی نابرابری کو دور کرے۔ ضلع منصوبہ بندی، مہاراشٹر میں نافذ کرنے کا خاص مقصد بھی یہی تھا کہ مختلف اضلاع کے لئے منصوبہ بندی اس طرح کی جائے کہ رفتہ رفتہ اضلاع کے مابین نابرابری دور ہو سکے۔ تمام کوششوں کے باوجود اگر آبادی کے ایک بڑے حصہ کی کم سے کم ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو یہ ایک قومی مسئلہ سمجھنا چاہئے۔ محض اس وجہ سے کہ مجموعی طور پر ریاست کی آمدنی قومی اوسط سے زیادہ ہے، مذکورہ مسائل کے حل کے لئے ذرائع میں مناسب اضافہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ریاست کے چھ اضلاع میں تعلیم کا فیصد کل ہند اوسط سے کم ہے۔

ریاست کا تقریباً ½ حصہ موسم باراں میں تبدیلی سے متاثر رہتا ہے۔ ۶۶،۱۸ دیہات اب بھی صاف پینے کے پانی سے قدرے محروم ہیں۔ مہاراشٹر میں اہم اناج فصلوں کے سلسلے میں زراعتی پیداوار کل ہند۔ اوسط سے کافی کم ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ آبپاشی کی ناکافی سہولت ہے۔ پوری ریاست میں صرف ۱۰ فیصد قابل کاشت علاقے زیر آبپاشی ہیں جبکہ کل ہند۔ اوسط ۲۵ فیصدی ہے۔ آبپاشی میں وسعت پیدا کرنے کے امکانات بھی مایوس کن ہیں اس لئے کہ مزید علاقوں کو زیر آبپاشی لانے کا کام مہاراشٹر میں ملک کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت بہت مہنگا ہے صنعتوں کے معاملے میں مہاراشٹر کے سبھی ۲۶ اضلاع ترقی یافتہ نہیں ہیں۔ حکومت ہند کے اندازے کے مطابق ۲۶ میں سے ۲۲ اضلاع صنعتوں کے معاملے میں پسماندہ ہیں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ترقی یافتہ صنعتی مہاراشٹر کی تصویر کے پیچھے مہاراشٹر کے کئی بڑے علاقوں میں صنعتی پسماندگی کی حقیقت چھپی ہوئی ہے۔

مختلف ریاستوں کے معیار زندگی کا موازنہ کرنا بھی ایک اہم نقطہ ہے۔ یہ معیار اکثر ریاست کی فی کس اصل آمدنی سے کوئی میل نہیں رکھتا۔ نیشنل سیمپل سروے کے حالیہ اندازے کے مطابق (اکتوبر ۱۹۷۳ء تا جون ۱۹۷۴ء) مہاراشٹر کے دیہی علاقوں کے لئے ہونے والے فی کس ماہانہ اخراجات (۵۲٫۲۷ روپیہ) اور ملک بھر کے دیہی علاقوں کے لئے فی کس ماہانہ اخراجات (۵۲٫۰۱ روپیہ) کے اوسط میں زیادہ فرق نہیں ہے بلکہ کچھ کم ہی ہے۔ اگر اجناس کی کھپت کو ریاست بھر میں کھپت کی بنیاد مان لیا جائے تو این ایس ایس کے مطابق مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں فی کس ماہانہ کھپت کا اوسط ۱۳٫۴۵ کلوگرام تھا، جبکہ کل ہند سطح پر ملک کے دیہی علاقوں میں اس کھپت کا اوسط ۱۵٫۰۹ کلوگرام تھا۔

مقررہ مدت میں بیروزگاری کا خاتمہ پنج سالہ منصوبہ کے کئی مقاصد میں سے اہم مقصد ہے۔ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے علاقہ واری اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ اس لئے کہ روزگار کی فراہمی کے حربے ریاست بہ ریاست اور ضلع بہ ضلع مختلف ہوتے ہیں۔ علاقہ کا انتخاب کرتے وقت بھی مذکورہ علاقہ کے جغرافیائی اور گرد و پیش کے حالات پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر ریاست مہاراشٹر میں آبپاشی کے ذرائع محدود ہیں اور ان میں توسیع کرنے کے اخراجات بھی فی یونٹ کافی زیادہ ہیں۔ لہٰذا آبپاشی منصوبہ بھی فی یونٹ پانی یا فی یونٹ علاقہ کے لحاظ سے بھی ملک کے دیگر مقامات سے زیادہ مصارف کا متحمل ہوگا۔ دیگر ریاستوں کی بہ نسبت یہاں زراعت میں مزید روزگار کے مواقع ضرور ہیں لیکن یہ ذرائع محدود ہیں۔ اس پس منظر میں روزگار فراہمی کا قومی مقصد حاصل کرنے کی غرض سے ثانوی اور علاقائی حلقوں کی بتدریج وسعت لازمی ہے۔ اس مقصد کے لئے ضروری اخراجات کا تخمینہ بھی قابل غور ہے۔ ریاستوں کو مرکزی امداد تقسیم کرتے وقت این ڈی سی کو متعلقہ علاقے کی مذکورہ بالا ضروریات مدنظر رکھنی چاہئیں۔ اگر مذکورہ بالا باتوں پر دھیان نہیں دیا گیا تو ممکن ہے کہ پنجسالہ منصوبہ کے مرتب شدہ مقاصد حاصل کرنے میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔

اکثر اوقات یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ مہاراشٹر جیسی ریاستیں پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لئے صنعتی طور سے ترقی یافتہ حلقوں کی مدد سے اپنے ذرائع میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ دلیل صرف ایک حد تک درست ہے۔ بمبئی۔ تھانے۔ پونے میٹروپولیٹن کمپلیکس صنعتی و دیہی ترقی یافتہ حلقے ہیں جنھیں ضروری سہولتوں کو قائم رکھنے اور ان میں مزید اصلاح کے واسطے وسیع سرمایہ کی ضرورت رہتی ہے۔ اس کے علاوہ دیہی و صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر منصوبہ بند مصارف مثلاً نظم و ضبط قائم رکھنے کے اخراجات وغیرہ میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ میٹروپولیٹن علاقوں میں دیہی امور کے انتظامات بہتر ہونے چاہئیں، جس کے لئے زیادہ سے زیادہ فی کس اصل سرمایہ کی اشد ضرورت ہے۔ یہ پہلو میں نے اگست ۱۹۷۸ء میں منعقد کی گئی این ڈی سی کمیٹی کے اجلاس میں اپنی تقریر کے دوران اچھی طرح سے واضح کیا تھا۔

بہرحال میں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ کسی ریاست کی بظاہر اصل آمدنی ترقیاتی اقدامات میں حائل مسائل کو کس طرح پس پشت ڈالتی ہے۔ اس کے باوجود صرف یہی ایک قابل اعتبار نقطہ ہے جو کسی ریاست کی پسماندگی کی نشاندہی کرتا ہے، میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ یہ فارمولہ کس طرح ان ریاستوں کے ساتھ انصاف کرتا ہے جن کی فی کس اصل آمدنی قومی اوسط آمدنی سے کم ہے۔ پلاننگ کمیشن کا مجوزہ فارمولہ "الف" جو دراصل گاڈگل فارمولہ کی معمولی سی بدلی ہوئی شکل ہے، ان ریاستوں کے ساتھ انصاف کرنے میں تجاوز کرتا ہے۔ کسی دوسری بنیاد پر ریاستوں کی درجہ بندی یا پسماندگی کی نشاندہی کے لئے کوئی بھی دوسری تجویز مثلاً منصوبہ بندی کے لئے فی کس اصل سرمایہ وغیرہ حسب خواہش نہ ہوں گے۔ دیہی غربت کی بابت فنانس کمیشن کی جانب سے دیئے گئے مبہم اعداد و شمار کی طرف پہلے ہی اشارہ کر چکا ہوں۔ اس لئے میں یہ مشورہ دوں گا کہ منصوبہ جاتی امداد بشمول مرکزی اسکیمات کے لئے موقوف ۰۰۰،۲ کروڑ روپیہ کی امداد کی تقسیم کاری پلاننگ کمیشن کے فارمولہ "الف" کی بنیاد پر کی جائے۔

●●

مراسلت و ترسیلِ زر کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتے یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے)، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھئے، بلکہ اردو کے ساتھ ہندی یا انگریزی میں بھی تحریر فرما دیجئے۔ اس طرح اندراجات میں آسانی ہوتی ہے۔

(ادارہ)

حیات بخش سویا دودھ

ایک جوان ہمت کا بے مثال کارنامہ

• شوبھا مانے

یہ بات شاذونادر ہی دیکھنے میں آتی ہے کہ کوئی شخص روپیہ کمانے سے زیادہ دل و جان سے سماجی بھلائی کے کام کو عزیز رکھے۔ ڈاکٹر ایس۔ ایل کوٹھاری بھی ایسے ہی شخص ہیں جو بڑی آسانی سے دولت کما سکتے تھے، لیکن ان کے دل میں تو صرف ایک ہی جذبہ موجزن ہے، یعنی ہر ہندوستانی بچے کو خوب غذا ملے۔

زیرِ نظر تصویر میں 'سویا دودھ' کے علاج سے پہلے آٹھ سالہ عمر کی لڑکی 'کمور بھائی تانڈے' کی حالت، جس کا پھولا پیٹ، لاغر ٹانگیں، آنکھیں دھندلی جلد خراب ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر کوٹھاری پہلے ہندوستانی ڈاکٹر ہیں جنھوں نے سائنسی طریقے سے سویا بین سے دودھ تیار کرنے کا طریقہ نکالا، جسے وہ 'سویا دودھ' کا نام دیتے ہیں۔ سویا دودھ ناگپور کے گھنے آباد ستا بلدی علاقے میں واقع ڈاکٹر کوٹھاری کی چھوٹے پیمانے کی فیکٹری سے دستیاب ہوتا ہے جس سے ہر روز سینکڑوں بچوں اور بڑوں کو معمولی غذا کے ساتھ اس سے کافی غذائیت بھی مل جاتی ہے۔

سویا دودھ میں قوت بخش اجزاء ہوتے ہیں اور یہ سستا بھی ہوتا ہے۔ اس میں ۴۰ فیصد پروٹین، ۲۰ فیصد روغن، ۵ء۴ فیصد معدنیاتی اجزا، ۵ء۳ فائبر، ۲۰ فیصد کاربوہائیڈریٹ، ۲۵ء۰ فیصد کیلشیم، ۶۵ء۰ فیصد فاسفورس اور گیارہ فیصد لوہا ہوتا ہے۔ میتھیونائن کے سوا، سویا دودھ میں پورے دس لازمی 'امائنو ایسڈ' ہوتے ہیں۔ یہ 'لائسن' سے بھی بھرپور ہوتا ہے۔ جس میں خاص وٹامن اے اور بی ہوتے ہیں نیز اس کی اعلیٰ غذائی قوت ۴۳۲ کلوریز فی ۱۰۰ گرام ہوتی ہے۔

اعلیٰ خوبیاں: سویا دودھ میں دیگر اعلیٰ خوبیاں بھی ہیں۔ یہ آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے۔ ایک اوسط آدمی کو پروٹین ہضم کرنے میں تقریباً ۵ گھنٹے

چھ ہفتے "سویا دودھ" بطور علاج استعمال کرنے کے بعد کھور بھائی تانڈے کی حالت خاصی بہتر ہو گئی، جیسا کہ اس تصویر سے ظاہر ہے۔

گئے ہیں۔ لیکن وہ سویا دودھ پروٹین تقریباً تین گھنٹے ہی میں ہضم کر لیتا ہے سویا دودھ کا نوّے فیصد پروٹین جسم میں جذب ہو جاتا ہے۔ سویا دودھ چائے کافی اور دہی بنانے میں استعمال ہو سکتا ہے اور کافی مدت تک خرابی سے محفوظ رہتا ہے۔

ناگپور میں کئی ہسپتالوں کے تجربات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سویا دودھ صحت بخش غذا ہے۔ گذشتہ سال مو جنرل ہسپتال نے ڈاکٹر کوٹھاری کے ایما سے یہ طے کیا کہ کچھ دق کے مریضوں اور بیمار بالوں جوں کے معاملے میں سویا دودھ آزمایا جائے جس کی [illegible] لے [illegible] رکھی تھے۔ ناقص غذا ان کی علالت کا اصل سبب تھا۔ ایک خاص مدت تک [illegible] ۱۶۰ ایم ایل کی مقدار میں سویا دودھ دیا گیا۔ پہلے چند دن کے اندر ہی بچوں میں کچھ جان آگئی اور چھ ماہ کے اختتام پر ان کی حالت معمول پر آگئی۔ تمام غیر معمولی علامتیں مثلاً پھولا پیٹ، سوکھی ٹانگیں، دھنسی آنکھیں اور جلد کے داغ دھبے سب غائب ہو گئے۔ اس پورے علاج پر فی بچہ ۲۵ روپے سے زیادہ خرچ نہ آیا۔ ناگپور گورنمنٹ مینٹل اسپتال نے اس کے بعد سے مویشی دودھ کی خریداری بند کر دی ہے اور اس کی جگہ پوری طرح سے سویا دودھ کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ یہ روزانہ ۲۰۰ لیٹر خریدتا ہے اور اس سے ۶۶،۰۰۰ روپے کی بچت ہوتی ہے۔ گورنمنٹ میڈیکل کالج اور اسپتال فی الحال ۱۲ وارڈوں میں سویا دودھ استعمال کرتا ہے اور اس طرح ایک لاکھ روپے کی بچت ہوتی ہے۔ یہ دونوں طرح کی [illegible] بے ایمانی کے خاتمے، نیز اونچی لاگت، محنت اور تقسیم کے اخراجات میں کمی کے سبب ہوئی۔

ڈاکٹر کوٹھاری کا راستہ طے کر کے اس منزل پر پہنچے ہیں [illegible] پہلے وہ ایگریکلچرل یونیورسٹی، پنت نگر، ہریانہ کے نیوٹریشن ٹکنالوجی [illegible] فیکلٹی سے وابستہ رہے۔ آپ اس ہندوستانی جماعت سے بھی [illegible] امریکی سائنس دانوں کے تعاون سے سویا [illegible] میں جستجو میں لگی تھی۔ لیکن اس [illegible] خطرہ [illegible] غیر ضروری طور سے پیچیدہ تھا۔ ڈاکٹر کوٹھاری [illegible] اس جماعت کے اعلیٰ اراکین کو پسند نہ آیا۔ لہٰذا آپ [illegible] کی دعوت پر ۱۹۷۴ء میں ناگپور میں اپنا یونٹ [illegible] شروع کیا۔ ابتدا میں آپ نے صرف چار لیٹر دودھ تیار کیا۔ لیکن فی الحال ان کے کارخانے میں دودھ کی مقدار یومیہ ۷۰۰ لیٹر ہے۔ سویا دودھ میں ونیلا، روز، آم اور [illegible] چار قسم کے ذائقہ دار اجزاء شامل ہوتے ہیں جس کی ۲۰۰ (ایم ایل) کی ایک بوتل کی لاگت ۶۰ پیسے بیٹھتی ہے۔ ہائی۔ پرو، قیمت ۸۰ پیسے اور ان فلیورڈ دودھ صرف ۳۰ پیسے کا ہوتا ہے۔ دیگر کھانے کی چیزیں مثلاً سیو، بوندی، [illegible] گاٹھیا اور شیر کھنڈ بھی سویا بین سے تیار کیا جا سکتا ہے۔

قومی راج

ڈاکٹر کوٹھاری محض ایک کارخانہ دار ہی نہیں بلکہ ایک مہم جو بھی ہیں۔ وہ بڑے حساس، مخلص اور ایمان دار ہیں۔ وہ جوڑ توڑ کر کے ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں اور رخنہ اندازی سے بچ سکتے تھے۔ لیکن انھیں اس بات پر فخر ہے کہ انھوں نے سیدھی سچی راہ اختیار کی۔ ان کے معاملے میں ٹیکس سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس ماہ تک وہ ایکسائز ڈیوٹی سے بری تھے۔ بکری ٹیکس سے چھوٹ کی رعایت ۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کو ختم ہو گئی۔

انھوں نے فرمایا میرا شدت سے یہ خیال ہے کہ سویا دودھ جیسی اشیاء پر ٹیکس معاف کر دیا جائے۔ اس طرح اس کی قیمت کم رکھی جا سکے گی، اور غریب سے غریب شخص اسے خرید سکے گا۔ جب ایک مفلس بھی ۳۰ پیسے خرچ کر کے سویا دودھ لے سکتا ہے تو اسے کیوں نہ یہ بنا ٹیکس مہیا کیا جائے۔ لہٰذا میں نے ان تمام بیرونی ممالک کی یہ پیشکش ماننے سے انکار کر دیا کہ میں وہاں اپنا یونٹ قائم کروں، اور غریبوں کی خاطر قیام کروں۔ انھوں نے فرمایا یہ بات میرے لئے عارضی نوعیت رکھتی ہے۔

اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ہندوستان کو ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۸۳ہ۴ کروڑ روپے مالیت کا اسکم دودھ اور بٹر آئل درآمد کرنا ہے، اس کے بدلے سویا دودھ تیار کر کے یہ گراں بیرونی زرمبادلہ بچایا جا سکتا ہے۔ اگر ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو اس طرح نہ صرف ہندوستانی مال کو فروغ حاصل ہو گا بلکہ سب کو فائدہ پہنچے گا اس طرح دیس بھر میں سویا دودھ مراکز بھی کھولے جا سکیں گے۔

●●

یوتھ فورم

یوتھ فورم کا مستقل فیچر کبیر کی رہنمائی مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی و معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:
ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

ہماری زبان

• رفیق جعفر
۱۲/۶۱ ، مالونی کالونی ۶، پوسٹ کھاروڈی ،
ملاڈ (مغربی) بمبئی ۴۰۰۰۹۵

اردو زبان ایک تہہ دار، رنگارنگ اور ہردلعزیز زبان ہے جس کی اہمیت، افادیت اور جاذبیت سے بھلا کس کو انکار ہوسکتا ہے۔ اردو کی تعریف خود اسی زبان میں کرنا خود ستائشی ہوگی، اس لئے میں اس کی زیادہ تعریف و توصیف کئے بغیر ہی اس کے چند مسائل پر روشنی ڈالنا چاہونگا۔ دراصل یہ زبان تعریف اور تعارف دونوں سے مبّرا ہے اور اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ ذات پات اور رنگ و نسل کے تعصّب کے بغیر پلی بڑھی ہے کیا ہندو، کیا مسلمان، کیا سکھ، کیا عیسائی سبھی کو اس نے خوش اور مطمئن کیا ہے اور سبھی ہندوستانیوں نے اس سے ٹوٹ کر پیار کیا ہے۔

*

یہاں پر اس بات کو دہرانا زیادہ مناسب نہیں ہے کہ یہ زبان کب اور کیسے وجود میں آئی، کیوں کہ ہر ادب کا یا زبان کا طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ زبان ہندوستان میں ہی پیدا ہوئی اور یہیں پر پروان چڑھی شاہ و گدا کی یہ مشترکہ طور پر پسندیدہ رہی ہے۔ معمولی سے معمولی گلی کوچوں سے لے کر بڑے بڑے محلوں اور سرکاری درباروں تک اس نے اپنا لوہا منوا لیا ہے۔ بہت ہی کم عرصے میں اس کی جتنی مقبولیت ہوئی ہے اتنی شاید ہی کسی اور زبان کی ہوئی ہو۔

عوام و خواص دونوں کی لاڈلی یہ زبان صوفیوں اور رشیوں منیوں میں بھی پلی ہے۔ ان لوگوں نے اس کی مدد سے اپنی علمیت اور خداداد صلاحیت کو عام کیا اور سماج میں اونچا مقام حاصل کیا ہے اور پھر جس کسی نے بھی اس کا سہارا لیا ہے وہ مرتے دم تک اسی کا دامن تھامے رہا ہے اس زبان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے سرمائے میں ہندوستان کے تقریباً ہر مذہب کا لٹریچر ملے گا اور ہندوستان کے مختلف علوم پر کتابیں بھی ملیں گی۔ اس کا سرمایہ اس قدر گرانقدر ہے کہ جس کی قیمت کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ ہمارے اجداد کے کارناموں پر نہ صرف اردو والوں کو بلکہ سارے ہندوستان کو فخر کرنا چاہیئے۔ لیکن ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا رشتہ اردو سے دن بہ دن ٹوٹتا چلا جا رہا ہے اور ہم اس عظیم زبان کی فیاضی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ ہماری بدنصیبی ہے۔

اب تو یہ زبان ساری دنیا میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ آج اس کا شمار عالمی زبانوں میں ہونے لگا ہے۔ اس کی غیر ممالک میں پھیلنے کی سب سے بڑی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ اس نے امیر خسرو، اقبال، غالب، پریم چند اور کرشن چندر جیسے سپوتوں اور ان سے بھی بلند مرتبہ شخصیتوں کو جنم دیا ہے۔ ان کے فلسفیانہ خیالات اور ان کے طرز اظہار کی خوبیوں کا اور ان کی تخلیقات کا ذکر جب دوسری زبانوں میں آنے لگا اور لوگ ترجمہ شدہ مواد اپنی زبان میں پڑھنے لگے تو اتنے متاثر ہوئے کہ انھیں اشتیاق ہوا کہ کیوں نہ ہم ان قلمکاروں کی اوریجنل تخلیقات پڑھیں کیسی بھی زبان کے لئے اس قسم کی تخلیقات بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اردو کے لائق سپوتوں کے نام اور کام گنوانے بیٹھیں تو لاکھوں صفحات پر الفاظ پھیل جائیں گے پھر بھی بہت ساری باتیں باقی رہ جائیں گی۔

ہمارے ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو خود اس زبان سے بے حد متاثر تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اردو کی حمایت کی ہے اسے بڑھاوا دینے کی کوشش بھی کی ہے۔ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کی قدر کی ہے اور انھیں پورے عزت و احترام کے ساتھ اپنے اردگرد رکھا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ اس زبان میں کتنا دم خم ہے اور مستقبل میں [illegible] یہ زبان ہندوستان سے نکل کر کہاں کہاں پہنچ جائے گی جائے گی ہندوستان کا ہی نام روشن کرے گی۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس زبان نے جدوجہد آزادی میں مجاہدین آزادی کا کتنا ساتھ دیا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے کہ ایسی زبان کے نعروں اور ترانوں نے عوامی رجحانات

مُمتاز صحافی

شری کھاڈیلکر

چل بسے!

شری یسونت راؤ عرف اپّا صاحب کھاڈیلکر، سابق ایڈیٹر 'نواکال' (مراٹھی روزنامہ) ۱۱ر مارچ کو بمبئی میں انتقال فرما گئے۔

آپ ۱۹۶۶ء تک ، ۳۰ سال اس اخبار کے ایڈیٹر رہے تھے اس کے بعد آپ کے صاحبزادے نے ادارت سنبھال لی تھی۔

آپ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۴ء تک بمبئی میونسپل کارپوریشن کے رکن رہے۔ آپ نے ۱۹۴۴ء کو کولھاپور میں مراٹھی پتر کار پریشد کی صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ 'نواکال' کے زمانۂ ادارت میں آپ نے گاندھی جی کے اُصولوں کا پرچار کیا اور تحریک آزادی کی پُرزور حمایت کی۔ آپ سمیکت مہاراشٹر کے زبردست علمبردار تھے۔ آپ نے تین ناولیں 'آج کل' 'سدانند' اور 'ستمارشکت' اور ایک ڈرامہ 'دیوکی' لکھا ہے۔ 'دھرم راج' نامی فلسفیانہ کتاب کے مصنف بھی آپ ہی ہیں۔

آپ کے پسماندگان میں ایک فرزند نیل کنٹھ، بہو اور تین پوتیاں ہیں۔

شری اپّا صاحب کھاڈیلکر کی رحلت پر شری آر اے پاٹل وزیر اطلاعات نے تعزیت نامہ میں فرمایا کہ۔

"شری اپّا صاحب کھاڈیلکر کی رحلت کی خبر سنکر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ مہاراشٹر ایک بیباک اور مخلص صحافی سے محروم ہوگیا۔ آپ نے "نواکال" کے ذریعے کرشنا جی پربھاکر کھاڈیلکر کی شاندار روایات کو فروغ دیا۔ آپ مہاتما گاندھی کے پرستار تھے۔ 'نواکال' میں آپ نے مراٹھی ذہن کی بڑی خوبی سے عکاسی کی۔ تحریک آزادی' اور سمیکت مہاراشٹر تحریک کے زمانے میں آپنے اپنے قلم سے جو سماجی بیداری پیدا کی اُسے مہاراشٹر کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

کو آزادی کی طرف راغب کیا۔ جنگ کے میدانوں سے لے کر عیش و عشرت کی محفلوں تک ہر خوشی و غم کے موقعوں پر اس زبان نے ہندوستانیوں کا ساتھ دیا ہے۔

پنڈت نہرو کے ہی دورِ حکومت میں بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کی ایماء پر انجمن ترقی اردو ہند کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا پہلا اجلاس غالباً اورنگ آباد دکن میں ہوا تھا۔ اور اس انجمن کو اسی زمانے میں سرکاری سرپرستی حاصل ہوگئی اور پھر آہستہ آہستہ اسی انجمن کی شاخیں سارے ہندوستان میں پھیل گئیں۔

جہاں اردو کا بول بالا ہے وہاں یہ دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے کہ دوسری زبانوں کے مقابلے میں ہماری زبان میں علمی کام نہیں کے برابر ہو رہا ہے۔ یہ زبان تو صرف شاعری اور افسانوں کی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ بول چال کی زبان تو صرف بہت ہی گھٹیا ہوگئی ہے۔ محاورتی زبان مفقود ہوتی جارہی ہے۔

اردو والے خوش نصیب ہیں کہ ہماری سرکاری زبان ہندی، اردو کے بہت ہی قریب ہے۔ بلکہ ان دونوں زبانوں میں چند ایک لفظوں اور رسم الخط کا ہی فرق ہے۔ قواعد اور دیگر بنیادی باتیں تو مشترکہ ہیں۔ ہندی کو تو حکومت کی مکمل تائید اور حمایت حاصل ہے اور اب تو اردو زبان کے لئے حکومت نے ہر ریاست میں الگ الگ اردو اکیڈیمیاں قائم کی ہیں جو اردو اور اردو والوں کے ہی خاندان کے لئے بنائی گئی ہیں۔ آج کل اور بھی سہولتیں اس زبان کو حاصل ہیں جیسے اردو اخبارات اور رسائل کو اشتہارات کی شکل میں مدد دی جارہی ہے۔ اردو مصنفوں کو انعامات سے نوازا جارہا ہے۔ اردو کی کتابوں کی اشاعت کے لئے مدد دی جارہی ہے۔ اردو کے غیر سرکاری اداروں اور اردو کی لائبریریوں کو بھی سرکاری مدد حاصل ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو والے ادب میں سائنسی اور ٹیکنیکل مضامین کی طرف توجہ دیں۔ تاکہ ایک طرف اس زبان کی ترویج و اشاعت میں بڑھاوا ملے اور دوسری طرف اردو کے طالب علموں کو اپنے معاشی حالات سنوارنے کے لئے نئے نئے میدان مل سکیں۔

غزلیں

• طرفہ قریشی
نزد لال اسکول، مومن پورہ
ناگپور ۱۸

صُراحی خُلد کی ہاتھوں میں کوثر کے پیالے ہیں
یہ جو بیٹھے ہیں میخانے میں سب اللہ والے ہیں

وہ دن آئے کہ ہم بھی اُن کی پیشانی کو بوسہ دیں
جنھیں تم چاہتے ہو، وہ بڑی تقدیر والے ہیں

رہے ہیں عمر بھر بیگانۂ خواب سکوں بن کر
جنھوں نے پاؤں باہر اپنی چادر سے نکالے ہیں

فریب منزلِ مقصود دے گا کیا ہمیں کوئی !
کہ رستے عاقبت کے سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں

جمالِ کہکشاں، تابانیٔ مہ، تابشِ انجم
مرے ذوقِ تبسم ریز کے مدھم اُجالے ہیں !

قفس کو کیوں نہ دے ترجیح اپنے آشیانے پر
وہ طائر جس کے پر صیاد نے سب نوچ ڈالے ہیں

یہ ترکانہ ادا والے، یہ برفانی خنک پیکر
نہ جاؤ ان کی شکلوں پر بڑے ہی دل کے کالے ہیں

گرفتِ ناخنِ تدبیر سے بھی کھل نہیں سکتے
یہ پانسے گردشوں کے جوہری قسمت نے ڈالے ہیں

تم اپنے شیشۂ دل میں بال آنے دو اے طرفہ
جو تم سے بیر رکھتے ہیں وہ سارے مرنے والے ہیں

• ڈاکٹر نایاب لکھنوی
نیا پورہ، مالیگاؤں (ناسک)

چشمِ ساقی کی حقیقت ہو کہ پیمانے کا راز
بے خودی میں لب پہ آجائے نہ میخانے کا راز

کون سا جذبہ جلاتا ہے پرائی آگ میں
کوئی جگنو کیا سمجھ سکتا ہے پروانے کا راز

اس عطائے خاص کی دانشوروں کو کیا خبر
پوچھئے اہلِ جنوں سے ایک دیوانے کا راز

چاہیئے تسکینِ دل، صورت پرستوں کیلئے
کچھ نہیں اس کے علاوہ اور بتخانے کا راز

ہر خزاں ہوتی ہے انجامِ چمن سے آشنا
لالہ و گل کیا بتا سکتے ہیں ویرانے کا راز

داغِ رسوائی سے خود دامن بچا سکتا نہیں
مشتہر کرتا پھرے جو اپنے بیگانے کا راز

جانے کیوں نایاب ایوانِ مسرت کے مکیں
پوچھتے رہتے ہیں سب سے میرے غم خانے کا راز

• ڈاکٹر ضمیر الحق ضمیر میرٹھی
لساڑی گیٹ۔ بھومیہ کا پل،
پدم پورہ، میرٹھ ۲۵۰۰۰۲ (یو۔پی)

ہزار ہم پہ تباہی کے امتحاں گذرے
غمِ حیات سے ہم تو کشاں کشاں گذرے

حوادثاتِ زمانہ نے کر دیا مجروح
نہ ہے نصیب کہ پھر بھی رواں دواں گذرے

ترے خلوص نے بخشی تھی جن کو تابانی
وہی تو لمحے محبت میں جاوداں گذرے

جھکا ہے سر تو فقط تیرے آستانے پر
ہزاروں یوں تو نگاہوں سے آستاں گذرے

وہیں وہیں سے ملا دردِ لازوال ہمیں
ترے فراق میں ہم تو جہاں جہاں گذرے

تصورات کی دنیا مہک مہک اُٹھی
خیال و خواب کے جب بھی وہ درمیاں گذرے

ضمیر جن سے ملی دل کو اور بے چینی
مری حیات میں ایسے بھی مہرباں گذرے

• ریاض احمد خاں

"تو، تو۔ میں، میں"

"تو، تو۔ میں، میں" پرویز یداللہ مہدی کے ۱۲ طنزیہ ومزاحیہ ڈراموں پر مشتمل کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکی ہے۔ پرویز یداللہ مہدی طنز ومزاح کے میدان میں کبھی گھٹنوں کے بل نہیں چلے بلکہ شروع ہی سے انھوں نے شہسواری کو اپنا شعار بنایا اور اسی تیز رفتاری میں 'بینکٹر یوں' اور" جوڑی کے غلام" کو تخلیق کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ "تو، تو۔ میں، میں" کے بعد بھی ان کے حوصلے جوان اور عزائم بلند نظر آتے ہیں۔

ان بارہ عدد ڈراموں کے ناشران' زندہ دلانِ حیدرآباد ہیں طباعت کی ذمہ داریاں جے راج لیتھو پرنٹرز' حیدرآباد نے ادا کی ہیں اور" شگوفہ" حیدرآباد وادارہ "ہم قلم" بمبئی کے زیرِاہتمام منظرِ عام پر آئی ہے۔ تجریدی آرٹ میں ٹائیٹل کو عمدہ رنگوں کی آمیزش سے بنایا گیا ہے۔ گردِ پوش کے موڑ پر خود مصنف جلوہ افروز ہیں۔ جہاں تک کتابت کا سوال ہے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس طرف خاص خیال رکھا گیا ہے۔ کاغذات جو استعمال کئے گئے ہیں وہ بھی عمدہ ہیں۔ قیمت صرف دس روپے کا دسواں حصہ لکھی گئی ہے۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال' بمبئی ۳، اردو اکادمی بک ڈپو' حیدرآباد اور شالیمار پبلیکیشنز، حیدرآباد' سے خریدی جاسکتی ہے۔

عام روش سے ہٹ کر پرویز یداللہ مہدی نے مقدمہ یا پیش لفظ لکھنے میں ایک نیا تجربہ کیا ہے جو سو فیصدی کامیاب رہا ہے۔ مکالموں ہی میں بے شمار باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جنھیں مصنف صیغۂ راز میں رکھنا چاہتا ہے۔ میرے خیال میں مصنف کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی قلم کار کے تخلیقی افکار اگر پڑھنے والوں کو مسکہ نہ لگایا جائے تو اندھیروں ہی میں گم رہتے ہیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ کسی بھی شہ پارے کے سامنے آتے ہی اس پر بحثیں ہوں، جاندار تنقیدیں ہوں' اس کی اچھائیاں گنوائی جائیں' خامیوں پر اصلاح دی جائے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کی بھی کئی وجوہات ہیں جس میں اوّل نمبر پر یہ کہ کسی بھی ادیب یا شاعر کو قابلِ اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا، اب دیکھنا یہ ہے کہ "تو، تو۔ میں، میں" کا کیا حشر ہوتا ہے۔

"تو، تو۔ میں، میں" کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طنز ومزاح کے پردے میں انسانی کرب کی جو جھلکیاں نظر آتی ہیں وہی ہماری آج کل کی مشینی زندگی کا حاصل ہیں۔ "ڈاکٹر بیدل کا دل" ڈرامہ سماجی کشمکش کو بڑے خوبصورت پیرائے میں ظاہر کرتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سماج کا ہر "دل بردار" اپنے اُمنگوں بھرے دل سے عاجز آچکا ہے اور وہ ہر قیمت پر یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس "دل" سے چھٹکارا پایا جائے، اور اسی لئے دل بدلوانے کے درپے ہے۔ دل بدلوانے کے لئے بڑی لگن سے مریض ڈاکٹر صاحب کے پاس آتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دل سے بیزار ہوچکے ہیں ان کے یہ جذبات ہمیں اپنے احساسات کے قریب لا کھڑا کرتے ہیں۔ مریضوں کی دلی اور ذہنی کشمکش بڑی خوبصورتی سے ظاہر کی گئی ہے۔ یہ کشمکش خاص طور سے آج کے سماج کی دین ہے اور اس کشمکش میں ہم' آپ اور خود مصنف سب ہی مبتلا ہیں۔ کاش ڈاکٹر بیدل کا دل حرکت کرنا بند نہ کرتا؟

اس کتاب میں شامل شدہ تمام ڈرامے ہمارے اردگرد کے ماحول کو پیش کرتے ہیں جس سے ہم مانوس ضرور ہیں مگر اس طرف توجہ نہیں کرتے اور اب ہماری توجہ اس ماحول کی طرف مبذول کرانے کا سہرا پرویز یداللہ مہدی کے سر ہے۔ اس موجودہ دور میں انسان کس طرح عدیم الفرصت ہوچکا ہے۔ اس کا اندازہ ہم سب کو ہے۔ اس دور میں صرف ادبی' سیاسی ومعاشی مضامین پر لکھی ہوئی کتابیں پڑھنے سے لوگ احتراز کرنے لگے ہیں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ مختصر سے وقت میں ایسے ادبی شہپارے پڑھ سکیں جن سے ان کی زندگی کی یکسانیت کا تسلسل ٹوٹے اور وہ کچھ فرحت اور تازگی محسوس کرسکیں۔

طنز ومزاح نگاری' ایک سنگلاخ زمین ہے اس میں ادیب اپنی شخصیت پر جبر کرتا ہے' ظلم کرتا ہے' اپنے احساسات پر پردہ بٹھا دیتا ہے' اپنے دل کو روتا تڑپتا چھوڑ کر ایسے ادب کی تخلیق کرتا ہے جو قارئین کے مسکراہٹ سے ناآشنا ہونٹوں پر تبسم کی ایک گہری لکیر کھینچ دے۔ اس دور میں اُردو ادب' طنز ومزاح کی آمیزش سے ہی زندہ ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ خوبصورت نظمیں اور غزلیں ادب کو تقویت بخشتی تھیں مگر اس دور میں لوگ صرف چند لمحوں کو ہنسی خوشی گذارنے کے لئے طنز ومزاح کا سہارا لیتے ہیں تاکہ زندگی کی تلخیوں کو تھوڑے سے وقفہ کے لئے ہی سہی اپنے آپکو اس سے دور رکھ سکیں۔

پرویز یداللہ مہدی نے ہماری تفریح کے لئے' ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کے لئے "تو، تو۔ میں، میں" تخلیق کی ہے۔ اُمید ہے کہ شرفِ قبولیت حاصل کرے گی۔

●●

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار مغربی بنگال کے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے ۱۱ فروری کو کلکتہ میں ۲۵ لاکھ روپے کا چیک وزیر اعلیٰ مغربی بنگال شری جیوتی باسو کو دے رہے ہیں۔
مہاراشٹر کے عوام کی جانب سے سیلاب زدگان کی امداد کے لئے یہ دوسری قسط تھی۔ پہلی قسط میں بھی ۲۵ لاکھ روپے کا عطیہ دیا جا چکا ہے۔

خبریں - تصویروں میں

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کی اہلیہ شریمتی پرتبھا پوار نے کھیلوں کے آخری مقابلے میں حصہ لینے والی ضلع پونے کی کبڈی ٹیم کو "اشون کمار بھوئیر گولڈن کپ" انعام میں دے رہی ہیں۔ یہ مقابلے ۱۴ مارچ کو منعقد ہوئے۔

شری گووند راؤ آدیک، وزیر آبپاشی نے احمد نگر میں ریاست مہاراشٹر کے ڈائرکٹر کٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن آفس میں ٹیلی پرنٹر سروس کا افتتاح فرمایا۔ زیر نظر تصویر میں شری بن راؤ ڈھکلے، وزیر مملکت برائے پبلک ورکس اور مدھوکر چاورے ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر دیکھے جا سکتے ہیں۔
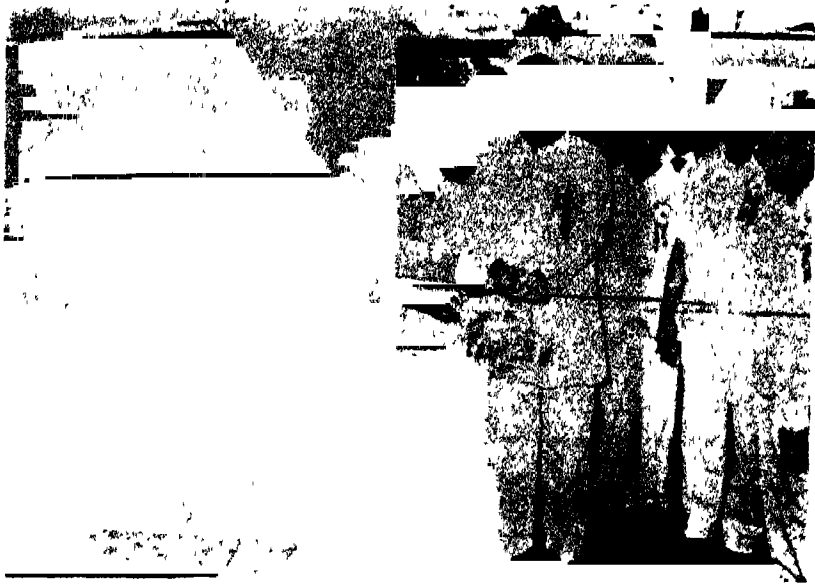
بمبئی ہاؤسنگ دریجنل رہا کنسٹرکشن بورڈ کی اسکیم کے تحت نکری روڈ پر تعمیر کردہ "نزدینی" نامی عمارت کا افتتاح ۲۰ مارچ ۹ کو وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعلیٰ کے ہمراہ وزیر مکانات شری بھاؤ صاحب شروے اور بورڈ کے سربراہ ڈاکٹر ڈی کے، تو راسکر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سریمتی ٹوپلے، وزیر صحت عامہ کے ہاتھوں ۱۰ مارچ کو گورنمنٹ سرونٹس کالونی، باندرہ (مشرقی) بمبئی میں بچوں کے طبی جانچ کے مرکز کا افتتاح عمل میں آیا۔ آپ خود بھی ایک بچے کا طبی معائنہ کر رہی ہیں
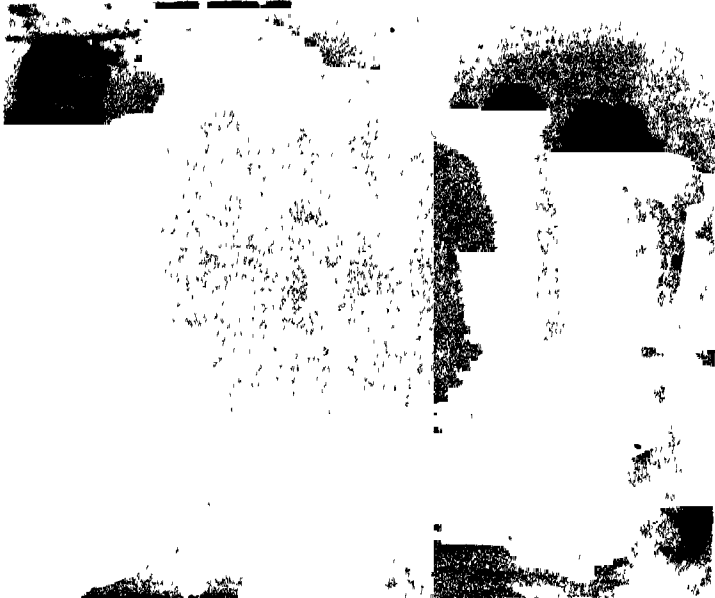
وزیر مملکت برائے صحت عامہ شری نامدیو راؤ گاڈیکر نے پونے میں بچوں کی صحت و بیماریوں سے متعلق ایک نمائش کا افتتاح کیا۔ یہ نمائش لائنز کلب پونے، ساسون اسپتال اور بی جے میڈیکل کالج کے طلبہ کے اشتراک سے منعقد کی گئی تھی۔ زیر نظر تصویر میں شریمتی مردولا پھڈکے پیڈیاٹرک ڈویژن کی سربراہ، شری ایس۔ ایم جوشی، شری نامدیو راؤ گاڈیکر اور پونے کے میئر شری رام بھاؤ واڈکے دیکھے جا سکتے ہیں۔
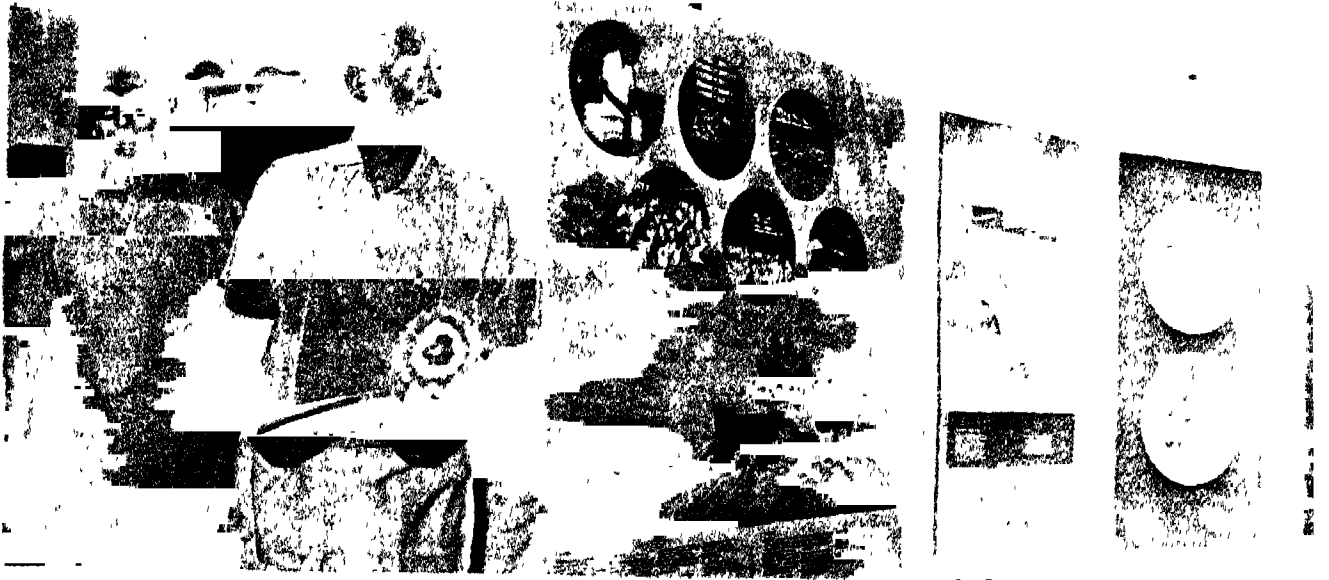
شری ویریندر کمار سک لیچا' وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش نے ۲۴ مارچ کو بھوپال میں منعقدہ " قومی زراعتی میلہ میں " مہاراشٹر پویلین دیکھا اور نمائش میں پیش کی گئی اشیاء میں کافی دلچسپی ظاہر کی۔ شری ایم۔ کے۔ دیشپانڈے، ڈپٹی ڈائرکٹر (نمائش) نے وزیر موصوف کا استقبال کیا۔
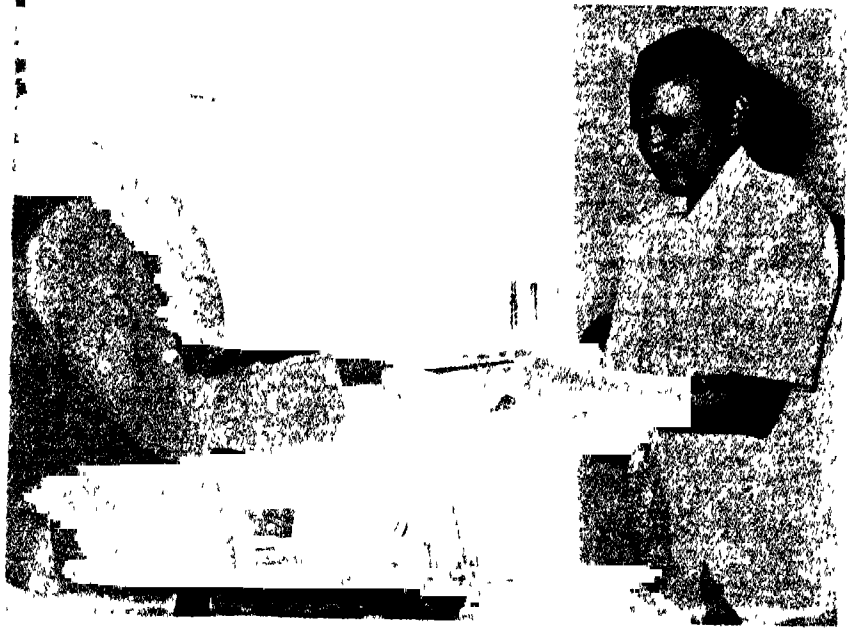
" مہاراشٹر مانس " کے ایڈیٹر شری کاشی پرشاد دبے حال ہی میں لکھنؤ تشریف لے گئے تھے زیر نظر تصویر میں موصوف " سوردا اس پنچشالی نمبر " وزیر مالیات ریاست اتر پردیش شری مدھوکر ڈیگھے کو پیش کر رہے ہیں۔

بنگلہ دیش کبڈی ٹیم ۲۴ مارچ کو سانتا کروز ہوائی اڈے پر پہنچی۔ جہاں کھلاڑیوں کا استقبال کیا گیا۔ زیر نظر تصویر میں ٹیم کے کھلاڑی دیکھے جا سکتے ہیں۔
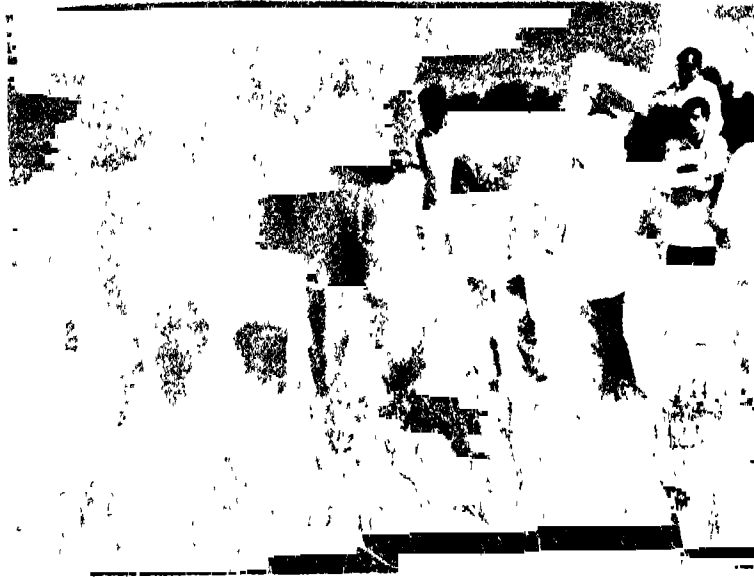
شری اتم راؤ پاٹل' وزیر محصول' شری گنپت راؤ دیشمکھ' وزیر زراعت' شری دتا میگھے وزیر مملکت برائے روزگار' اور شری شیواجی راؤ پاٹل' وزیر مملکت برائے آبپاشی نے ۲۲ر فروری کو ناگپور ڈویژن میں ژالہ باری سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ زیر نظر تصویر میں وزراء کو ضلع ناگپور میں امریڈ تعلقہ کے کاڑھی مقام پر ایک متاثرہ کھیت کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔

سماجی بہبود کے وزیر شری ارجن راؤ کستورے نے بلڈانہ میں سنت چوکھا میلا گورنمنٹ اسٹوڈنٹس ہوسٹل کا سنگ بنیاد رکھا — یہ تقریب ۲۷ر فروری کو منعقد ہوئی تھی۔
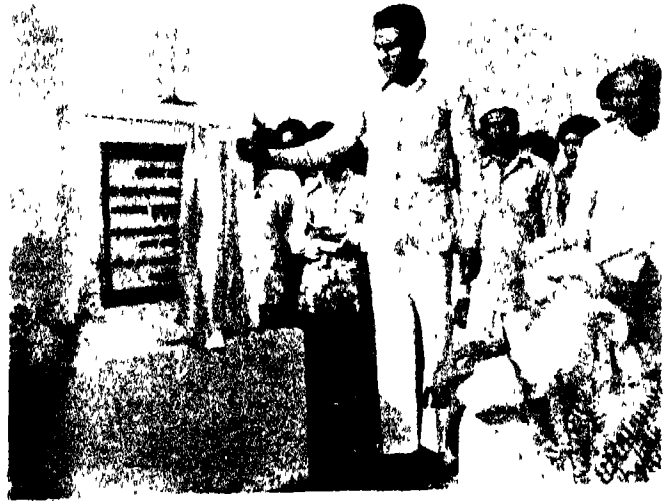
شری سمپت راؤ بوندرے' وزیر مملکت برائے زراعت نے ۲۸ر فروری کو چھترپتی شیواجی کریڈا گھر خاص باغ، کولہاپور میں ۱۸ ویں کل ہند جسمانی تندرستی مقابلوں کا افتتاح فرمایا۔ ان مقابلوں کا اہتمام مرکزی وزارت تعلیم و سماجی بہبود اور ریاست مہاراشٹر کے ڈائرکٹر برائے اسپورٹس و یوتھ سروسیز کے اشتراک سے کیا گیا تھا۔ تین روزہ مقابلوں میں ۷ ریاستوں سے ۱۲۷ کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔ زیر نظر تصاویر میں کھلاڑیوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ بائیں سرے پر شری سمپت راؤ بوندرے افتتاحیہ تقریر فرما رہے ہیں۔ دائیں سرے پر شری سدانند ورد ے' وزیر تعلیم کو سوینئر کا اجراء کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے

خالی سرکاری زمینوں پر غریبوں کے لئے مکانات

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۲۸ مارچ کو بمبئی میں فرمایا کہ ریاستی سرکار کی خالی زمینوں پر غریبوں کے لئے مکانات کی تعمیر کی تجویز پر حکومت غور کر رہی ہے۔

بمبئی ہاؤسنگ اور ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ کی جانب سے کری روڈ پر تعمیر کردہ عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ بمبئی میٹروپالیٹن میں رہائش کے بڑے مسئلے کو حل کرنے میں عالمی بنک اور مرکزی حکومت کی امداد ایک اہم کردار ادا کرے گی۔ شہر کی دیگر خستہ حال عمارتوں کی مرمت اسی وقت ممکن ہو سکے گی جبکہ کرایہ دار حکومت سے اپنا تعاون کریں گے اور کرایہ اور دیگر ٹیکس برابر ادا کرتے رہیں گے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری بھاؤ صاحب سرڈیسے وزیر ہاؤسنگ نے کہا کہ بمبئی میں رہائشی مسئلے کو حل کرنے کے لیے ریاستی حکومت تمام ممکنہ اقدامات کر رہی ہے۔

ڈاکٹر وی۔ کے تورسکر، بورڈ کے چیرمین، نے جلسہ کی صدارت کی شری وسودیبائی ایم ایل اے نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اسقاط حمل کے بعد خاندانی منصوبہ بندی ضروری ڈاکٹر ٹوپلے

ڈاکٹر پرمیلا ٹوپلے وزیر صحت عامہ اور خاندانی منصوبہ بندی نے اسقاطِ حمل کے بعد خواتین کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانے پر زور دیا۔

وزیر موصوف انڈین ایسوسی ایشن آف فرٹیلیٹی کے زیر اہتمام اسقاط حمل کے لئے آمادگی اور رضاکارانہ طور پر نس بندی کے پہلی ایشین کانگریس کا افتتاح کر رہی تھیں جو ۴ مارچ کو بمبئی میں منعقد کی گئی تھی۔ ڈاکٹر بی۔ این۔ پرندرے ایسوسی ایشن کے صدر نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دئے۔

ڈاکٹر ٹوپلے نے فرمایا کہ ۱۰ کروڑ جوڑوں میں سے محض ۲۶٪ خاندانی منصوبہ بندی کے مختلف طریقوں پر عمل کرتے ہیں۔ باقی ماندہ ۷۴٪ افراد کو بھی یہ طریقے اپنانے چاہیئں تاکہ خاندانی منصوبہ بندی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

حکومت نے بعض حالات میں خواتین کی صحت کے پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۹۷۲ء میں اسقاط حمل ایکٹ کو جاری کیا تھا۔ فی الحال ریاست میں ۱۰۵ ایسے ادارے ہیں جو قانونی طور پر اسقاط حمل کر سکتے ہیں۔ اس میں ۱۱۹۳ ڈاکٹر ہیں۔ اس کے علاوہ کافی تعداد میں ابتدائی صحت مراکز بھی کھولے گئے ہیں تاکہ دیہی علاقوں میں اسقاط حمل اور خاندانی منصوبہ بندی آپریشن کی سہولتیں فراہم کی جاسکیں۔

ڈاکٹر بی این، پرندرے نے اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ بار بار اسقاط حمل سے خواتین کمزور ہو جاتی ہیں اور اسقاط حمل خاندانی منصوبہ بندی کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ شرح پیدائش کو کم کرنے کے لئے مفید ذریعہ ہے۔

اس ۶ روزہ کانفرنس میں ایشیائی ممالک، یو۔ ایس۔ اے، مغربی جرمنی سے ۴۰۰ گائناکولوجسٹ نے حصہ لیا اور ۱۷۵ متعلقہ مضامین پر مقالے پڑھے گئے۔

ڈاکٹر ایم۔ این۔ پاریکھ انسٹی ٹیوشن کے سکریٹری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ڈاکٹر ڈی۔ اے ادا پیا نے شکریہ ادا کیا۔

فوج کے لئے میٹرک پاس چاہیئں

فوج میں ۱۷ سے ۲۱ سال کی عمر کے میٹرک پاس امیدواروں کو کلرکیکل اور ٹیکنیکل ٹریڈز ونرسنگ اسسٹنٹ کا بہترین کیریئر فراہم کیا جائے گا۔ کلرکس کے آئندہ امتحان ۲ مئی، ۴ جولائی، ۵ ستمبر کو اور دیگر ٹریڈز کے لئے یکم مئی، ۳ جولائی، اور ۴ ستمبر کو منعقد ہوں گے۔

درجوں اور اس کے لئے ضروری قابلیت یوں ہیں (الف) کلرکس۔ میٹرک۔ انگریزی اور ارتھمیٹک، یا بک کیپنگ اور اکاؤنٹس کے ساتھ (بی) ٹیکنیکل ٹریڈز۔ میٹرک۔ انگریزی اور میتھمیٹک اور سائنس کے ساتھ اور (سی) نرسنگ اسسٹنٹ، میٹرک انگریزی، ڈمیٹک/فزکس/جنرل سائنس کے ساتھ۔ مندرجہ بالا قابلیت رکھنے والے امیدوار امتحان سے دس دن قبل اپنے قریبی بھرتی آفس میں رپورٹ کریں۔

چندرپور میں بدیسی مویشی افزائش نسل فارم

دودھ کی پیداوار میں اضافہ کے مدنظر حکومت ہند نے ضلع چندرپور میں واقع وڈساد (دیسائی گنج) میں ایک بدیسی مویشی افزائش نسل فارم قائم کرنے کی منظوری دی ہے۔ اس فارم پر کل لاگت ۱۳۷ لاکھ روپے ہوگی۔ جس کا ۷۵ فیصدی سبسڈی کے طور پر اور ۲۵ فیصدی ریاستی حکومت کو قرض کی صورت میں ملے گا۔

اس فارم کو جرسی افزائش نسل فارم کے خطوط پر ترقی دی جائے گی جس میں ۳۰۰ گائیوں اور بعد میں آنے والوں کی گنجائش ہوگی۔ محکمہ جنگلات سے کل ۱۵۵ ہیکٹر زمین دی گئی ہے اور ضروری آب پاشی سہولتیں ایتا وڈ پروجیکٹ سے فراہم کی جائیں گی۔ فارم کی عمارت اور مویشی کے سائبان کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔

حکومت آسٹریلیا نے پہلی قسط کے طور پر ۱۰۰ جرسی بچھڑیاں، دو سانڈ اور دو مملول تائٹروجن کنٹینرز کے ساتھ منجمد خوراک برائے حمل بھی بطور تحفہ دیا ہے اس پورے تحفہ کی قیمت تقریباً آٹھ لاکھ روپے ہے۔

غیر قیام پذیر ہندوستانیوں کی جانب سے صنعتیں خصوصی سیل کا قیام،

جو ہندوستانی یہاں قیام پذیر نہیں بلکہ غیر ممالک میں ہیں اگر وہ اس ریاست میں صنعتیں قائم کرنا چاہیں اور سکونت اختیار کرنا چاہیں تو ان کو سہولتیں اور مدد فراہم کرنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز میں ایک چھوٹا کوآرڈینیٹ سیل قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ سیل سیکوم اور دیگر اداروں سے قریبی رابطہ رکھ کر کام کرے گا۔

اس کا اعلان وزیر صنعت شری سندر راؤ سولنکے نے اس وقت کیا۔ جب کہ وہ گزشتہ سوموار کے دن آل انڈیا کرمیرز ایسوسی ایشن کے نمائندوں کی ایک بیٹھک سے خطاب کر رہے تھے۔

مہاراشٹر کے غیر ترقی یافتہ علاقوں میں چھوٹے پیمانوں کی صنعتوں کو جو قائم کریں گے ان کو خصوصی امداد دی جائے گی۔

غیر قیام پذیر ہندوستانیوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متذکرہ سیل جو کہ نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ میں واقع ہے براہ راست یا ایسوسی ایشن یا چیمبر آف انڈسٹریز کے ذریعہ رابطہ قائم کریں۔

کنوت گولی باری: تحقیقاتی کمیشن کا تقرر

حکومت مہاراشٹر نے ۸ نومبر ۱۹۷۸ء کو کنوت میں پولیس گولی باری کی تحقیقات کے لئے شری کے این پاٹل ڈسٹرکٹ اور سیشن جج، پربھنی کے تحت ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کر دیا ہے۔

کمیشن سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی رپورٹ چھ ماہ کے اندر اندر داخل کرے۔

سیلابی متاثرین کے لئے طالب علموں کا عطیہ

بمبئی۔ سیلاب سے متاثرین کی امداد کے لئے بمبئی عظمیٰ کے اسکول اور کالجوں سے ۴,۶۳,۰۰۰ روپے کی رقم جمع کی گئی جو ۱۱ مارچ کو ایک جلسے میں وزیر تعلیم شری سدانند وردے کو پیش کی گئی۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری رجنی پٹیل، چیرمین سٹی زون فلڈ ریلیف کمیٹی نے طالب علموں اور مدرسین کی جانب سے ایسے بہترین کاموں کو سراہا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ اس سے نوجوان طالب علموں کو قومی سطح پر کار ہائے نمایاں انجام دینے کی حوصلہ افزائی ہوگی اور قومی یکجہتی کو استحکام حاصل ہوگا۔

سول ڈیفنس ٹریننگ کورس

سول ڈیفنس اسٹاف کالج، بمبئی ماہ اپریل سے تین ماہ کا تربیتی کورس پروگرام شروع کر رہا ہے جس میں مختلف مضامین جیسے آگ بجھانے، مدد پہنچانے، نیوکلیر بائیولوجیکل، کیمیکل اور اوریئنٹیشن کے ۲۵ کورسز چلائے گا۔

صنعتوں، تجارتی اداروں، سرکاری دفاتر میں موجود سول ڈیفنس یونٹوں اور سول ڈیفنس رضا کاروں کو اس تربیت کی سہولتیں ملیں گی۔

مزید تفصیلات کے لئے کمانڈنٹ آف دی کالج واقع کراس میدان دھوبی تالاب سے کسی کام کے دنوں میں دس سے شام پانچ بجے کے درمیان ملا جا سکتا ہے۔

ڈرامہ نویسوں کو انعامات

ڈائرکٹوریٹ آف کلچرل افیئرز کی جانب سے منعقد کردہ شہری مراٹھی ڈرامہ مقابلے میں شری بھال چندر سولے کو پہلا انعام ان کے تحریر کردہ ڈرامے "انی ایک نرائن تکم" پر ۵۰۰ روپے کا اول انعام اور شری وامن تاوڑے کو ان کے تحریر کردہ ڈرامے "چھنا" پر ۳۰۰ روپے کا دوسرا انعام دیا گیا ہے۔

ہندی ڈرامے کے لئے مصنف کا پہلا انعام شری راجہ کرامے کو "مہاپرش" پر دیا گیا۔ جج صاحبان نے ہندی میں دوسرا اور دیہی مراٹھی اور سنگیت مراٹھی ڈرامہ مقابلے میں کسی انعام کی سفارش نہیں کی۔

مراٹھی ڈرامہ اسکرپٹ کے لئے ججوں کے فرائض شری وسنت سبنس، شری پی این پرلیچے، شری ایس این نورسے اور شری جے ونت دلوی نے ادا کئے جبکہ ہندی کے لئے شری وسنت دیو اور شری پرلودھ جوشی نے یہ فرض ادا کیا۔

مہاراشٹر گوا مشترکہ آب پاشی پروجیکٹ

حکومت مہاراشٹر نے ضلع رتناگیری میں تیلاری آب پاشی پروجیکٹ کو انتظامی منظوری عطا کر دی ہے جس پر لاگت کا تخمینہ ۴۸ء۵۲۰ لاکھ روپے کا ہے۔

حکومت مہاراشٹر اور گوا کے اس مشترکہ پروجیکٹ سے مہاراشٹر میں ۵۳۶۰ ہیکٹر اور گوا میں ۱۶,۹۷۸ ہیکٹر اراضی کی آب پاشی کی جائے گی۔

شہری کریڈٹ سوسائٹیوں کو مالی امداد

حکومت مہاراشٹر نے شہری امداد باہمی کریڈٹ سوسائٹیز کو فی سوسائٹی پانچ ہزار روپے سرکاری حصہ داری پونجی کی ایک اسکیم کو منظور کیا ہے تاکہ سماج کے کمزور طبقات کو جیسے چھوٹے بیوپاری، خوانچہ فروش پھل وسبزی فروش چھوٹے کاریگر وغیرہ، ان کی طرف سے قرض فراہم کرنے کے پروگرام کی تعین

دہانی ہوسکے۔

اب تک ریاستی حکومت کے دائرۂ اختیار میں یہ بات نہیں آتی تھی مگر قرض راحت قانون بن جانے سے یہ ضروری ہوگیا ہے کہ لوگوں کو قرض کی دیگر سہولتیں مل سکیں۔ اس لئے ریاستی حکومت نے اس اسکیم کو منظوری دی۔ تجویز ہے کہ ۷۹-۱۹۷۸ء سال کے دوران ضلع سانگلی میں دس شہری کریڈٹ سوسائیٹیز کو حصہ داری پونجی دی جائے۔

شہری زندگی کی بہتری کے لئے پوری کوشش، شری ایڈوانی

شری بھولا ایڈوانی وزیر شہری ترقی نے بمبئی

پرو ڈکٹیوٹی کانسل کی جانب سے منعقد کردہ "پیداواری اور بہتر شہری زندگی" پر چوتھے سالانہ کنونشن کا ۲۴ مارچ کو افتتاح کیا جس کی صدارت ڈاکٹر وی راجیندرن صدر کونسل نے کی۔ اس موقع پر شری ہوی بے۔ ایچ۔ طالعیار خاں، چیرمین ایم ایس ایف سی بھی موجود تھے۔

شری ایڈوانی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ حکومت شہری علاقوں کے مسائل کو حل کرنے کے لئے پوری کوشش کر رہی ہے اور ساتھ ہی گندی بستیوں میں بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی کوشش بھی جاری ہے۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ موجودہ محدود ذرائع میں ہی ہر میدان میں پیداوار کو بڑھانا چاہئیے تاکہ شہری علاقوں میں رہائشی حالات میں بہتری لائی جاسکے۔

ڈاکٹر وی راجیندرن نے مہمانوں کا استقبال کیا اور شری سی ڈی شرما، کونسل کے سکریٹری نے شکریہ ادا کیا۔

بتاریخ ۷ مارچ ۱۹۷۹ء، بھولا بھائی ڈیسائی آڈیٹوریم میں جناب خواجہ عبدالغفور صاحب کی صدارت میں منعقدہ سیمینار میں مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکیڈیمی اور حاضرین جلسہ کی طرف سے یہ تعزیتی قرارداد پیش کی گئی۔

'ہندوستان اور اُردو زبان و ادب کے دو نامور ادیب اور دانشور ڈاکٹر عابد حسین اور ڈاکٹر یوسف حسین کی ناگہانی موت پر اظہار رنج والم کیا جاتا ہے، ڈاکٹر عابد حسین ایک عظیم مفکر اور ماہر تعلیم، نافد اور بلند پایہ نثر نگار تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر یوسف حسین بھی اُردو علم وادب اور تاریخ کے ممتاز عالم تھے۔ ان کے انتقال سے علم وادب کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ہم ان دونوں کے پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اس کے بعد پاکستان کے مشہور ناول نگار و نقاد عزیز احمد کی رحلت پر بھی تعزیتی قرارداد پیش کی گئی اور حاضرین دو منٹ کے لئے خاموش کھڑے رہے۔

بزم اُردو ادب بل بھیم کالج بیڑ کی جانب سے
محفلِ طنز و مزاح

بزم اُردو ادب، بل بھیم کالج، بیڑ (مہاراشٹر) کے زیر اہتمام مہاراشٹرا اسٹیٹ اُردو اکادیمی کے تعاون سے ۲۴ فروری ۱۹۷۹ء کو مذکورہ کالج کے احاطے میں "محفلِ طنز و مزاح" منعقد ہوئی، جس کی صدارت نامور مزاح نگار جناب یوسف ناظم صاحب نے فرمائی۔ آغاز میں پرنسپل شری بی۔ بی شندے نے اُردو میں خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ اس اجلاس میں کالج کے طلبہ و طالبات نے اُردو شاعری اور نثر نگاری پر طنز و مزاح سے متعلق مقالے پیش کئے۔ صدر جلسہ یوسف ناظم صاحب کا مزاحیہ مضمون۔ "عید کا چاند" بڑی دلچسپی اور شوق سے سُنا گیا۔ بعدازاں صدر جلسہ کے ہاتھوں مضمون نویسی، تقریری اور خوش خطی میں کامیاب طلبہ کو انعامات تقسیم کئے گئے۔ انعامات حاصل کرنے والوں کے نام یہ ہیں: عبدالغنی سلیم، عقیلہ خاتون، واجد علی خاں، عبدالمعز، عبدالرؤف، مجاہد صدیقی، محمد حنیف، محمد عبدالحیٔ اور

ادبی نشست کے بعد شب میں جناب قمر اقبال (اورنگ آباد دکن) کی زیر صدارت مشاعرہ منعقد ہوا، جس میں مقامی شعراء اور دیگر نامور شعراء نے اپنا کلام پیش کیا۔ آخر میں اُردو کے پروفیسر اور بزم اُردو ادب کے نگراں شاہ حسین نہری نے شرکاء جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔

اورنگ آباد میڈیکل کالج میں دل کے آپریشن کا انتظام

اورنگ آباد میڈیکل کالج میں دل کے آپریشن کا معقول انتظام ہو گیا ہے اب تک مرہٹواڑہ کے عوام کو اس تعلق سے بمبئی یا پونے جانا پڑتا تھا لیکن اب جدید مشینری کی بدولت علاج کی سہولت یہیں میسر آگئی ہے۔

اورنگ آباد ضلع کے ۱۱۱۱ تعلیمیافتہ بے روزگار نوجوانوں میں ۵۵۵۵۰ روپے بطور بھتہ تقسیم :-

ضلع اورنگ آباد کے ۱۱۱۱ میٹرک پاس تعلیمیافتہ بے روزگار نوجوانوں میں بطور بے کاری بھتہ ۵۵ ہزار ۵۵۰ روپے فروری کے اخیر تک تقسیم کیے گئے ضلع کے جملہ مستحق ۴۹۲۵ نوجوانوں میں سے صرف ۲۴۷۵ نے اپنے بے روزگار ہونے کی اطلاع تحصیلدار کو دی جس میں سے ۱۱۱۱ تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں نے ہی وہ شرائط پوری کیں جو اس کے لیے ضروری قرار دی گئی تھی۔ اس نے انہیں پہلے چھ ماہ میں نوکری کی تلاش کے لئے تی کس۔ ۵ روپے کے حساب سے بھتہ دیا گیا۔ ۱۷۰ ڈگری ہولڈرس اور ڈپلومہ ہولڈرس میں سے ۷۴ لوگوں کو پارٹ ٹائم کام پر لگایا جا رہا ہے۔ مہینے کے ۱۵ ار دنوں میں انھیں تین تین گھنٹوں کے حساب سے کام کرنا ہوگا۔ بطور بے کاری بھتہ انھیں سو روپے ماہانہ دیئے جائیں گے۔

ضلع اورنگ آباد میں ۳ ہزار خاندانی بہبود آپریشن

خاندانی بہبود پروگرام کے تحت ضلع اورنگ آباد میں اب تک ۳۵۲۶ آپریشن کئے گئے ہیں۔ نشانہ کے حساب سے ۱۲ فیصد کام پورا کیا گیا ہے لوگ اپنی خوشی سے آپریشن کروا رہے ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ جالنہ، کنڑ، ویجاپور اور پٹن تعلقوں میں خاندانی بہبود اسکیم کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا جا رہا ہے۔

شیوگاؤں میں آئی کیمپ

جالنہ روٹری کلب کی جانب سے ضلع احمد نگر کے شیوگاؤں تعلقہ میں مفت آئی کیمپ کا اہتمام کیا گیا۔ اس علاقے میں آج تک کوئی آئی کیمپ منعقد نہیں کیا گیا تھا۔ اس کیمپ کی بدولت اس تعلقہ کے اطراف میں رہنے والے سینکڑوں آنکھوں کے مریضوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس کیمپ میں تقریباً ۱۱سو مریضوں کی آنکھوں کا آپریشن کیا گیا۔

شری مدھوسدن میراشی کو مثالی پروفیسر کا اعزاز

حکومت مہاراشٹر نے گورنمنٹ کالج آف آرٹس اینڈ سائنس اورنگ آباد کے پرنسپل شری مدھوسدن میراشی کو بطور مثالی پروفیسر اس سال کے لئے منتخب کیا ہے [illegible] کو ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفس کی جانب سے استقبالیہ پروگرام منعقد کیا گیا تھا جس کی صدارت وزیر مملکت ڈاکٹر نامدیو راؤ گاڈیکر نے کی۔

*

کل ہند مراٹھی پترکار پریشد کی روایت پر قلابہ، ناشک، بمبئی اور تھانے کے صحافیوں کا تربیتی کیمپ "تھانے ضلع پترکار سنگھ" کے زیر اہتمام امبرناتھ میں منعقد ہوا تھا۔ اس تربیتی اجتماع کا افتتاح معروف صحافی شری بابا راو گاڈگل نے کیا۔ زیر نظر تصویر میں پریشد کے چیرمین نارائن آٹھولے، تھانے ضلع پترکار سنگھ کے نائب صدر شری سلمان ماہمی، صدر شری وجے ویدیہ، امبرناتھ نگر پالیکا کے صدر شری پربھاکر نلاوڑے، ناشک ضلع پترکار سنگھ کے صدر [illegible] دلال شاہ نظر آ رہے ہیں۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے لہذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کے خیال سے "سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

CIVIL BUDGET ESTIMA
अर्थसंकल्पीय अंदाज
1979-80
१९७९-८०
PART III-APPENDICES
भाग तीन-परिशिष्टे

قومی راج

۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء
قیمت : پچاس پیسے

آشرم شالاؤں کے ذریعہ ادیباسیوں میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوا۔

قومی راج

جلد ۶ ؛ ۲۵ر اپریل ۱۹۷۹ء ؛ شمارہ ۸

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ : دس روپے ؛ فی پرچہ : پچاس پیسے

نگراں : خواجہ عبد الغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

سخنہائے گفتنی

ہمارے ملک کی یہ ایک خوش قسمتی رہی ہے کہ یہاں بڑے بڑے صوفی، سنت، شاعر و ادیب جنم لیتے رہے ہیں۔ ان ہی کے ساتھ ساتھ جذبۂ ہمدردی رکھنے والے عظیم رہنما بھی، جنھوں نے ملک کی سیاسی خدمت بھی کی اور غریب پچھڑے ہوئے طبقہ کے لوگوں و ادیباسیوں کے لئے بھی کارہائے گرانمایہ انجام دیئے ہیں۔ ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر انھیں عظیم شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے ملک میں بسنے والے غریب پچھڑے عوام اور ادیباسیوں کی فلاح و بہبود کے لئے بے مثال کام کئے ہیں۔

ہندوستان کا یہ عظیم رہنما ۱۴ر اپریل ۱۸۹۱ء کو پیدا ہوا اور اسی مناسبت سے 'قومی راج' کے اس شمارے میں ڈاکٹر امبیڈکر پر ایک خاص مضمون شامل ہے جو ان کی یاد تازہ کرے گا اور ملک کے نوجوانوں میں خدمت گذاری کا نیا عزم پیدا کرے گا۔

'قومی راج' کا آئندہ شمارہ "یومِ مہاراشٹر" خصوصی نمبر ہوگا۔ جس میں حکومت مہاراشٹر کے ان اقدامات پر روشنی ڈالی جائے گی جس کے تحت عام فلاح و بہبود کے کام ہو رہے ہیں۔ ایک زمانے سے پچھڑے ہوئے طبقے کے لوگوں کی طرف بہت ہی کم توجہ دی گئی ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد حکومت نے سب سے زیادہ توجہ اسی طرف مرکوز کی اور مہاراشٹر کی نئی سرکار نے بڑے عزم کے ساتھ ان کی فلاح و بہبود کے لئے مؤثر اقدامات کئے ہیں اور اس سمت جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں ان کے بارے میں متعدد اہم معلوماتی مضامین اس خصوصی نمبر میں شامل ہوں گے۔

خ۔ عبد الغفور

چیف ایڈیٹر : ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر : ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر : عبد الوحید خاں جامعی

کچھ "عہدِ جوانی کے ساتھی" کے متعلق

• خان غازی کابلی ۔ کوچۂ رحمان، چاندنی چوک دہلی

۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء کے 'قومی راج' کے صفحہ نمبر ۳ پر جگن ناتھ آزاد کا ایک مختصر سا مضمون "عہدِ جوانی کے ساتھی" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جس میں صفحہ ۳۲ پر "مہاشہ کرشن" اور روزنامہ 'پرتاپ' کے تذکرے کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "وقار انبالوی، مضطر اکبرآبادی اور خان غازی کابلی تقسیم ہند کے وقت یعنی اگست ۱۹۴۷ء تک 'پرتاپ لاہور' میں کام کرتے رہے"۔

اس سلسلہ میں 'غازی' عرض پرداز ہیں کہ 'مضطر اکبرآبادی' نام کے کسی شاعر یا صحافی نے "پرتاپ" میں کبھی کام نہیں کیا۔ البتہ سیف اکبرآبادی' جو علامہ سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے ۱۹۳۵ء میں 'پرتاپ' کے شاعرِ خاص تھے اور "گپ شپ" کا کالم لکھا کرتے تھے اور اُس نے ہندو نوجوانوں میں شعر ادب کا شوق اور ذوق بھی پیدا کیا تھا۔ ان کا انتقال بھی غالباً ۱۹۳۷ء میں لاہور ہی میں ہوا۔ یہ بیحد مہمان نواز، دوست نواز اور حُسن پرست تھے اور جب مولانا چراغ حسن حسرت نے ان کے خلاف روزنامہ "احسان" میں لکھنا شروع کیا تھا اس زمانہ میں غازی مجلسِ احرار کے ترجمان "روزنامہ مجاہد" کے ایڈیٹر انچارج تھے اور سیف اکبرآبادی کی "مجاہد" میں حمایت کی تھی۔

اس طرح یہ بھی درست نہیں کہ غازی "اگست ۱۹۴۷ء تک "پرتاپ" میں کام کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غازی تقسیم کے بعد بھی "پرتاپ" سے وابستہ رہے اور یہ وابستگی مہاشہ کرشن کے سورگباش ہونے تک رہی۔ اس کے بعد غازی کا تعلق "آزاد پختونستان جرگۂ ہند" سے قائم ہوا۔

جگن ناتھ آزاد جب لاہور میں آئے تھے تو بقول شاعر ان کے ؎

"کھیل کے دن تھے لڑکپن تھا ابھی صیاد کا"

جن بزرگوں کا تذکرہ انھوں نے اپنے "عہدِ جوانی کے ساتھیوں" میں کیا ہے وہ سب ان کے والد بزرگوار پروفیسر تلوک چند محروم کے عہدِ جوانی کے ساتھی تھے جگن ناتھ آزاد کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے وہ تقسیمِ وطن کے بعد کی بات ہے اور یہ شہرت بھی حضرت جوش خان ملیح آبادی اور برادران اسلام کے فیضِ صحبت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ جگن ناتھ آزاد کے معاصرین میں نریش کمار شاد نکودری اور عبدالکریم شورش کاشمیری مرحوم تھے، اور جو ابھی بقیدِ حیات ہیں ان میں قابلِ ذکر کرشن موہن وغیرہ ہیں۔

یہ چند سطور اس لئے تحریر ہیں کہ شعر و ادب کی تاریخ لکھنے والے غلط فہمیوں کا شکار ہوکر "خردوں" کو "بزرگوں" میں سمجھ کر نہ لکھ دیں۔

(۱۰ رمارچ ۱۹۷۹ء)

• ایم کو ٹھیاوی راہی ۔ قاضی پور خورد، گورکھپور (یوپی)

'قومی راج' کے دو شمارے ملے۔ ایک عام شمارہ ایک خصوصی شمارہ۔ شکرگزار ہوں۔

بڑا پیارا ہے آپ کا یہ جریدہ۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ "سوُرداس نمبر" میں اس سے متعلق آپ نے اتنے سارے مواد اکٹھا کر دیئے کہ جواب نہیں۔ اُردو میں اب تک 'سورداس' کے بارے میں اتنا تفصیلی نمبر نہیں نکلا' باوجود کہ آپ کا جریدہ سرکاری ہے' نِرے خبرناموں کے بجائے ادبی مضامین کو اوّلیت دی جاتی ہے۔ مگر بھائی! ایک کمی بُری طرح کھٹکتی رہی ہے۔ کہانیوں کی کمی؛ کیا اس طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔

بہرحال 'قومی راج'، اُردو کے ہندوستانی جرائد میں منفرد ہے۔ خدا اس کی انفرادیت کو برقرار رکھے۔

• نیاز علی نیاز بالاپوری ۔ چوڑی محل ۔ بالاپور۔ ۴۴۴۳۰۲

'قومی راج' ۲۵ رجنوری ۱۹۷۹ء موصول ہوا۔ بطورِ خاص منظومات میں مہدی پرتاپ گڈھی، شاذ تمکنت اور تسنیم فاروقی بہت پسند آئے۔ نثر کے اعتبار سے جی۔ وی دیویکر، طرفہ قریشی، ہارون رشید اور سید شاہد انیس نے بہت زیادہ متاثر کیا۔ آپ نے 'سورداس نمبر' نکال کر واقعی تمدن میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے جس سے تحقیقی کام کرنیوالوں کو کافی مدد مل سکے گی۔

• ڈاکٹر ایم. یٰسین قدوسی ۔ نیا بازار ۔ کامٹی (ناگپور)

میں' سرکاری دورے پر تھا واپس آیا تو 'قومی راج' کا "سورداس نمبر" نظر نواز ہوا۔ سرورق بڑا رُوح نواز ہے، یادگاری تصاویر بڑی کیفیت و اہمیت کی حامل ہیں۔ مصور نریندر وچارے نے قلمی تصویروں کے ذریعہ سورداس جی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ مضامین دقیع ہیں۔ 'قومی راج' کا حُسن روز بروز نکھرتا جا رہا ہے۔ آپ تمام لوگوں کی محنت اور شعور واقعی 'قومی راج' کے صفحات پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

• جاوید وششٹ

شعبۂ اُردو، ڈاکٹر ذاکر حسین کالج ۔ دہلی ۶

'قومی راج' برابر مل رہا ہے۔

قومی راج کا "سورداس ... ۵ ویں سالگرہ خصوصی نمبر" بہت خوب ہے۔ آپ کی ادارت نے "قومی راج" کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

مظلوموں کے دلیر حامی

مہاراشٹر سنتوں، دانشوروں، فلسفیوں، سیاست دانوں، سماجی مفکرین و مصلحین اور قومی رہنماؤں کی سرزمین ہے۔ جنھوں نے نہ صرف مہاراشٹر کی زندگی کو ہر پہلو سے سنوارا اور مالا مال کیا بلکہ پورے ہندوستان کو پروان چڑھانے اور ترقی دینے میں بھی ان کا حصہ نمایاں ہے۔
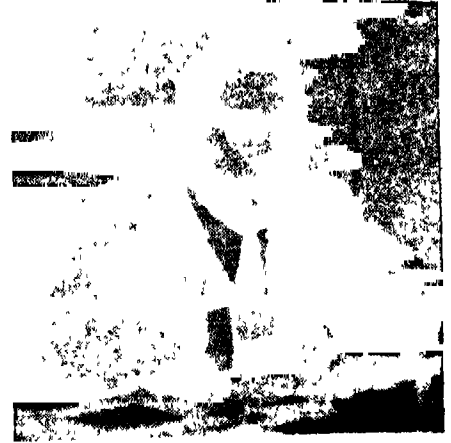
ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر

مہاراشٹر دکن میں قدیم سرزمین ہے جہاں بدھ تعلیم و تہذیب اور سنسکرت علوم خوب پھلے پھولے۔ ہمیں نامدیو، ایکناتھ، چوکھا میلا، ساوتا مہاراج، گورا، گیانیشور اور سینا وغیرہ جیسے بھگت اور سنت ملے۔ شیواجی مہاراج کے روپ میں ہندوستانی قومیت ابھری۔ مہاتما پھلے، کارل مارکس کے ہم عصر تھے اور انہی کی طرح ہندوستانی سماجی انقلاب کے روح رواں اور کسانوں کے اولین رہنما ہوئے ہیں۔ لوکمانیہ تلک بیداریٔ ہند کے نقیب اور راناڈے ہندوستانی سماجی و معاشی تصورات کے خالق تھے۔ گوکھلے عظیم مفکر تھے جنھیں مہاتما گاندھی جیسی شخصیت نے اپنا سیاسی گرو مانا ہے۔ ویر ساورکر زبردست انقلابی تھے۔ شاہو چھترپتی ایسے بے مثال راجہ تھے جنھوں نے سماجی مساوات کے لئے لگاتار جنگ کی۔ مہارشی شنڈے ایک عظیم سماجی مصلح تھے جنھوں نے انقلابی جذبہ اور اعتدال پسندی کو آپس میں سمو دیا۔ یہ عظیم ہستیاں مہاراشٹر کے مختلف میدانوں میں مثل کہکشاں ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آزادیٔ ہند سے قبل ایک زمانہ میں مہاراشٹر دراصل ہمہ قسم کی سرگرمیوں کا، خواہ وہ سماجی ہوں، معاشی ہوں یا سیاسی، مرکز بن گیا تھا۔ مہاتما پھلے سے لیکر امبیڈکر تک کا زمانہ بلاشبہ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ مجموعی طور سے دیس بھر کی تاریخ میں ایسا زمانہ ہے جبکہ سماجی انقلاب رونما ہوا۔

ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر ذات پات کے نظام کے کٹر مخالف اور مظلوموں کے دلیر حامی اور مددگار تھے۔ یہی نہیں بلکہ وہ بزرگ سیاست داں اور عظیم قومی رہنما تھے۔ انھوں نے دستور ہند کی شکل میں جو گرانقدر تحفہ دیا ہے اُسے آنے والی نسلیں سدا عزیز رکھیں گی۔ حقوق انسانی اور دنیا بھر میں غلاموں کی نجات کی خاطر ان کی جدوجہد کے باعث انھیں بین الاقوامی شہرت ملی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے پارلیمنٹ میں تعزیت نامہ پیش کرتے ہوئے ان الفاظ میں انھیں خراجِ عقیدت ادا کیا تھا۔

"ڈاکٹر بابا صاحب، ہندو سماج میں تمام ناانصافیوں اور زیادتیوں کے خلاف بغاوت کے علمبردار تھے۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کے اس عظیم سپوت کے خیالات و تصوّرات کو محفوظ کیا جائے جو انھوں نے اپنی تحریروں اور تقاریر میں ظاہر کئے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض ادارے اور ریسرچ اسکالر کچھ کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ دستیاب مواد یکجا کیا جائے اور سلسلہ وار جلدوں میں شائع کیا جائے۔

حکومت مہاراشٹر نے اپنی مختلف اسکیمات کے تحت اب تک مہاتما پھلے، مہاتما گاندھی اور تکارام، گیانیشور، نامدیو اور ایکناتھ وغیرہ جیسے سنتوں کی تحریریں شائع کی ہیں۔ حکومت نے ۱۹۷۶ء میں ایک مشاورتی کمیٹی قائم کی تھی جس کے صدر نشین وزیر تعلیم تھے۔ اس کے علاوہ یہ کمیٹی ڈاکٹر امبیڈکر کے پیروں، ممتاز اسکالروں اور ادیبوں پر مشتمل تھی۔ اس کے ذمے یہ کام تھا کہ ڈاکٹر امبیڈکر کے متعلق مواد اور ان کی تحریریں جمع کر کے انھیں شائع کرے۔ اس کمیٹی نے حسب ذیل ایڈیٹوریل بورڈ مقرر کیا:

پروفیسر ایم۔ بی چٹنس اس ایڈیٹوریل بورڈ کے صدر ہیں۔ اس کے دیگر اراکین ہیں: پروفیسر اننت کانیکر، ڈاکٹر بی۔ ٹی بورلے، ڈاکٹر دنانک راؤ ای مورے، شری ایس۔ پی بھگوت، شری جی۔ ایم بیلے، ڈائرکٹر آف اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن پونے اور شری وسنت مون، آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی۔

حکومت مہاراشٹر ڈاکٹر امبیڈکر کی تمام دستیاب تحریروں اور تقاریر پر مشتمل سلسلہ وار کتب شائع کرنا چاہتی ہے۔ موجودہ اشاعت مذکورہ مشاورتی کمیٹی خصوصاً ایڈیٹوریل بورڈ کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں ایڈیٹوریل بورڈ کے تمام اراکین، شریمتی سویتا اہلیہ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر، شریمتی میرا بائی یشونت امبیڈکر اور شری پرکاش امبیڈکر کا ان کے دلی تعاون پر شکر گذار ہوں۔ خصوصاً مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ دیرینہ وعدہ اس طرح پورا ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مہاراشٹر نیز سارے ملک کے لوگ عموماً اور نوجوان خصوصاً ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کے زرین خیالات سے اثر اور رہنمائی حاصل کریں گے اور ملک کی تعمیر نو میں آگے بڑھ کر حتی المقدور حصہ لیں گے۔

شرد پوار۔ وزیر اعلیٰ مہاراشٹر

[ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر کی تحریروں اور تقریروں (جلد ۱) کے پیش لفظ سے ماخوذ]

ڈاکٹر امبیڈکر ۔ حالاتِ زندگی اور کارنامے

• آر۔ بی۔ جوشی

ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر

ڈاکٹر بھیم راؤ رام جی عرف بابا صاحب امبیڈکر کی تمام ہندوستانیوں کے نزدیک بڑی قدر و منزلت ہے اور اس میں لوگوں کے سیاسی خیالات اور دوسرے معاملات کو کوئی دخل نہیں۔ اس کے کچھ خاص وجوہ بھی ہیں۔ ان کی پیدائش ہندوؤں کے وَرن آشرم کے لحاظ سے ایک کمتر درجے کے فرقے یعنی مہار قوم میں ہوئی تھی لیکن وہ ہندوستان کے اُفق پر ایک عظیم سپوت کی حیثیت سے ابھرے اور اچھوتوں کی وہ جاتی جسے "درج فہرست جاتی" کہا جاتا ہے، اس کے تقریباً مُسلّم واحد لیڈر تسلیم کئے گئے۔ انھیں برطانوی اور امریکی یونیورسٹیوں کے ایک ممتاز طالب العلم کی حیثیت حاصل تھی۔ اقتصادیات، قانون، سیاسیات اور دستوری توانین میں وہ ایک مستند اُستاد مانے جاتے تھے۔ پیدائشی طور پر مہار ہونے کے باوجود وہ اِن فاضلانہ علوم میں اونچی ذات والوں کے ہمسر ہی نہیں بلکہ ممتاز بھی تھے۔

ان کی پیدائش مدھیہ پردیش کے مقام مہو میں ۱۴ راپریل ۱۸۹۱ء کو ہوئی تھی یہ اپنے والد رام جی صوبیدار اور بھیما بائی کی چودھویں اولاد تھے۔ آبائی طور پر ان کے دادا مالوجی فوج میں ملازم تھے اور ان کے والد ایک فوجی اسکول میں ٹیچر تھے۔ جنھوں نے زندگی کا آغاز بحیثیت ایک فوجی کے کیا تھا اور پھر ترقی کرکے صوبیدار کے عہدے تک پہنچے تھے۔ مذہب سے انھیں گہری وابستگی تھی اور مذہبی اُمور میں اچھا درک رکھتے تھے۔ رام جی علم کی قدر و قیمت سے واقف تھے لہٰذا وہ اپنے لڑکے بھیم راؤ کو بہترین طور پر تعلیم سے آراستہ کرنے کے خواہشمند تھے۔

زمانۂ طالبعلمی سے ہی نوعمر بھیم راؤ کو اُن ناگوار اور اہانت آمیز سلوک سے واسطہ پڑا جو اونچی ذات والے ہندوؤں کی طرف سے اچھوتوں کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا۔ انھیں اسکول میں بیٹھنے کے لئے خود اپنا بوریا گھر سے لے جانا پڑتا تھا۔ اسکول کے طلبہ اور ٹیچر حضرات اُن سے چھو جانے تک کے روادار نہ تھے، پینے کے پانی کے واسطے بھی انھیں دوسروں کے رحم و کرم پر رہنا پڑتا تھا۔ آپ کی والدہ جب بازار جاتیں تو جو چیز وہ خریدنا چاہتیں اُسے ہاتھ لگا کر دیکھ بھی نہ سکتی تھیں بلکہ وہ چیز دُور ہی سے ان کے دامن یا جھولی میں ڈالدی جاتی۔ اس پر طرہ یہ کہ انھیں سنسکرت پڑھنے کی اجازت ہی نہ تھی کیونکہ یہ ذات کے مہار تھے۔ آپ بہت ذہین تھے، جوشیلے اور حساس تھے اور اگرچہ درجے میں اپنے ساتھی طلبہ سے آگے نہیں جاسکے لیکن مختلف موضوع پر کتب بینی کے بہت شائق تھے۔ بھیم راؤ نے پہلے ستارا اور پھر بمبئی میں تعلیم حاصل کی۔ ستارا ہی وہ مقام ہے جہاں پہلے پہل انھیں سماجی حیثیت سے اپنے کمتر درجے کی چبھن محسوس ہوئی۔ لیکن انھیں ایسے دو برہمن ٹیچر بھی یہیں ملے جو طبعاً نرم دل اور وسیع القلب تھے۔ ان میں سے ایک امبیڈکر تھے جنھوں نے بھیم راؤ کے خاندانی نام سکپال امباوڈیکر کو بدل کر امبیڈکر رکھدیا۔ چنانچہ تب سے امبیڈکر ہی ان کا مستقل نام ہو گیا۔

رام جی نے بھیم راؤ کی تعلیم کے سلسلے میں امکان بھر کوشش کی لیکن مالی استطاعت پر بھی تو نظر رکھنا ضروری تھا جو بہت محدود تھی۔ آخر کار بعض بہی خواہوں کی کوششوں کی بدولت انھیں بڑودہ کے مہاراجہ سیاجی راؤ گائیکواڑ سے ایک اسکالرشپ مل گئی۔

انھوں نے بی۔ اے ڈگری کا امتحان ۱۹۱۳ء میں پاس کیا اور بڑودہ میں ایک سرکاری ملازمت سے لگ گئے لیکن بعد میں تقریباً فوراً ہی بمبئی واپس آگئے جہاں ان کے والد بیمار تھے۔ آپ کے والد فروری ۱۹۱۳ء میں انتقال فرما گئے۔

پی۔ ایچ ڈی کے لئے امریکہ میں:

اس کے چند دنوں بعد مہاراجہ بڑودہ کی اسکالرشپ پر بھیم راؤ کولمبیا یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے نیویارک تشریف لے گئے۔ وہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۶ء تک امریکہ میں مقیم رہے۔ اسی دوران انھوں نے کولمبیا یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے پی۔ ایچ ڈی کی تھیسس کا کام بھی مکمل کیا۔ اس کام کو تسلیم کرلیا گیا، اور انھیں ۱۹۱۷ء میں پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔

امریکہ کے بعد وہ لندن روانہ ہوئے اور لندن اسکول آف ایکنامکس اینڈ پالٹیکس میں داخلہ لیا۔ یہاں پر انھوں نے ایم۔ ایس سی ڈگری کے لئے تھیسس تیار کی۔ لیکن ۱۹۱۷ء میں ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنا کام مکمل کئے بغیر ہندوستان واپس آجائیں، اس لئے کہ بڑودہ اسکالرشپ کی میعاد ختم ہوچکی ہے۔ انھیں پھر دوبارہ بڑودہ میں کام سے جُٹ جانا پڑا۔

دردناک تجربہ :

لیکن یہاں انھیں بہت ہی دردناک تجربہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے دوستوں اور سپروائزروں کو یہ پسند نہیں تھا کہ ایک 'مہار' ان کے ساتھ بیٹھے۔ ان کو رہنے کے لئے گھر ملنا دشوار ہو گیا۔ چپراسی دور ہی سے ان کے ٹیبل پر فائل پھینک دیتا تھا۔ ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ پارسی دھرم شالہ چھوڑ دیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ نیچ ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو ایک درخت کے نیچے اپنے سامان کے ساتھ بسیرا کرنا پڑا۔ آخر کار وہ ممبئی لوٹ آئے۔ صرف اپنی ذات کی وجہ سے ان کے ساتھ کتنا خراب سلوک کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ٹانگے والے کو بھی جب یہ معلوم ہوا کہ وہ نیچ ذات کے ہیں تو اس نے بھی ان کو ٹانگے سے باہر کر دیا۔

عوامی کاموں کی شروعات :

۱۹۱۸ء میں انھوں نے ساؤتھ براؤ کمیشن کے سامنے اچھوتوں کو ووٹ دینے کے حق کے سلسلہ میں شہادت دی۔ یہاں سے ان کی عوامی زندگی کا آغاز ہوا۔

اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی انھوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ پست اقوام کے لئے کام کرنا چاہئے۔

۱۹۲۰ء میں انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار "موک نائیک" کا اجرا کیا تاکہ اچھوتوں کے مسائل کو حل کروایا جا سکے۔ اسی سال انھوں نے پست اقوام کی کانفرنس منعقدہ ناگپور میں شرکت کی۔ یہاں ان کی قابلیت بہت ابھر کر لوگوں کے سامنے آئی۔ اب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ پست ماندہ اقوام کی خدمت اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ مالی اعتبار سے خود کفیل نہ ہو جائیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے دوبارہ ۱۹۲۰ء میں لندن اسکول آف اکنامکس اینڈ پالیٹکس میں داخلہ لیا اور بار کے لئے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں ایم۔ ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۳ء میں ڈی۔ ایس سی کی۔ وہ اپریل ۱۹۲۳ء میں ہندوستان لوٹ آئے اور جون سے ممبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کی۔

جولائی ۱۹۲۴ء میں انھوں نے "بہشکرت ہتکارنی سبھا" قائم کی تاکہ پست ماندہ اقوام کو اٹھایا جا سکے۔ اس کے بعد ان کی سرگرمی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

مہاڈ میں ستیہ گرہ :

قلابہ ضلع میں ۲۰ر مارچ ۱۹۲۷ء کو انھوں نے چاودار ٹینک مہاڈ پر ستیہ گرہ کی شروعات کی۔ اس دن انھوں نے مہاروں کی بڑی تعداد کی رہنمائی کی تاکہ تالاب کا پانی پیا جا سکے۔ ۱۹۲۳ء میں ممبئی لیجسلیچر میں پاس شدہ ریزولیوشن کے تحت یہ کام انجام دیا گیا۔ اونچی ذات کے ہندوؤں کو یہ بات بہت خراب لگی اس لئے وہ بپھر گئے۔

انھوں نے کہا کہ تالاب کا پانی ان مہاروں کی وجہ سے گندہ ہو گیا ہے۔ انھوں نے گائے کا پیشاب اور گوبر ڈال کر اس کو پاک کیا۔ انھوں نے معاملہ کورٹ تک پہنچا دیا وہ اس بات کا دعویٰ کر رہے تھے کہ تالاب ذاتی ملکیت ہے اور یہ کہ مہاروں کو اس میں سے پانی لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ مقدمہ دس سال تک چلتا رہا اور بالآخر مہاروں کو فتح ہوئی۔

اس کے بعد ڈاکٹر امبیڈکر بہت جوشیلے ہو گئے۔ انھوں نے اسی سال دسمبر میں مہاڈ میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کروائی اور "منوسمرتی" میں اچھوتوں کے خلاف لکھی گئی باتوں کی وجہ سے اس کو نذر آتش کر دیا۔

انھیں دو واقعات کی وجہ سے ڈاکٹر امبیڈکر ہندوستان کے کونے کونے میں مشہور ہو گئے۔

۱۹۳۰ء میں کالا رام مندر میں داخل ہونے کے لئے انھوں نے ناشک میں ایک ستیہ گرہ کی۔ ہزاروں کی تعداد میں ان کے ہمنواؤں نے اس ستیہ گرہ میں شرکت کی۔

۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۲ء ڈاکٹر امبیڈکر نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں میں حصہ لیا اور پسماندہ اقوام کے مفاد کے لئے پُر زور آواز اٹھائی۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی پرورش مذہبی ماحول میں ہوئی تھی وہ خود بھی ایک مذہبی آدمی تھے۔

۱۹۳۵ء میں ناشک ضلع کے ایولہ مقام پر ایک کانفرنس کے دوران انھوں نے عوام کے سامنے اس بات کا اعلان کر دیا کہ گو کہ وہ ہندو ذات میں پیدا ہوئے ہیں لیکن وہ ہندو بن کر مرنا نہیں چاہتے اور وہ اپنے ہمنواؤں کو اپنے پسند کے مذہب پر چلائیں گے۔ یہ ایک بہت بڑا دھماکہ تھا۔

انھوں نے بدھ مت کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ ان کے خیال میں بدھ مت میں "پراجنا"، "کرونا" اور "سماتا" کی تعلیم دی گئی ہے۔ انسان کو خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے یہی اصول اپنانا چاہئے۔

۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء، وجے دشمی کے دن ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے تین لاکھ ساتھیوں کے ساتھ بدھ مت اختیار کر لیا۔

۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ روشنی اب ہمارے درمیان نہیں رہی۔

وہ ایک عظیم اسکالر، سیاسی فلسفی اور سماجی دانشور تھے۔

ترجمہ : عبداللہ

مہاتما پھلے ترقیاتی کارپوریشن برائے پسماندہ طبقات

اغراض و مقاصد

شری اے۔ ایس کستورے، وزیر سماجی بہبود

•

مہاراشٹر کی نئی حکومت جوکہ جمہوری اور سماجی قدروں کی علمبردار ہے، عوام میں مقبول ہے عوام کی توقعات ایک بار پھر قائم ہوئی ہیں۔ یہ تبدیلی عوام میں بیداری کا جذبہ اور نئی حکومت پر عوام کا مکمل اعتماد ظاہر کرتی ہے۔ اقتدار سنبھالتے ہی وزیراعلیٰ شری شرد پوار نے عوام کو یقین دلایا ہے کہ اُن کی حکومت سماج کے پچھڑے ہوئے اور کمزور طبقات کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری کوشش کریگی۔ ٹھیک اسی سمت حکومت نے کئی اہم اقدامات بھی شروع کر دیئے۔ مہاتما پھلے ترقیاتی کارپوریشن برائے پسماندہ طبقات کا قیام ان اقدامات میں سے ایک ہے۔

•

کمزور طبقات جنھیں دوسرے لفظوں میں پچھڑے ہوئے طبقات کہا جاتا ہے، ملک و ریاست میں بدحال زندگی گذارتے رہے ہیں اور سماج کے دوسرے طبقات کو حاصل ترقیاتی سہولتوں اور ذرائع سے محروم رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں سے نابرابری کا سلوک ہمارے سماجی رسم و رواج اور اونچ نیچ کے فرق کا نتیجہ ہے۔ اس کی تفصیل میں نہ جاتے ہوئے یہ ماننا ہوگا کہ نسل در نسل سے سماجی نابرابری کا شکار طبقات کے ساتھ انصاف کرنے کی ذمہ داری اس آزاد ملک میں سماج اور حکومت دونوں پر برابر عائد ہوتی ہے۔ اپنا قومی فرض سمجھتے ہوئے حکومت نے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی سمت خاطر خواہ توجہ دی ہے۔ لیکن ترقیاتی اقدامات کے ذریعہ ان طبقات میں سالوں سے قائم پسماندگی دور کرنے میں ابھی کافی وقت لگے گا۔ تعلیم اور عوام میں شعور پیدا کر کے ان کے دماغ سے اونچ نیچ اور چھوت اچھوت جیسے غلط اندازِ فکر کو دور کیا جاسکتا ہے۔ پسماندہ طبقات کی ترقی کے لئے بھی تعلیم، معیشت اور دیگر سطحوں پر اقدامات ضروری ہیں۔

مہاراشٹر میں ایسی کوششیں بھی کی گئیں۔ ان کوششوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے اور ان میں سُرعت پیدا کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے پسماندہ طبقات کی ترقیات کی خاطر ایک خود مختار کارپوریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

نیا دور: اس کارپوریشن کے قیام سے مہاراشٹر کی سماجی صورت حال کو بدلنے کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ دلت اور کمزور طبقات مثلاً درج فہرست اقوام و قبائل، نوبدھسٹ، وِمکت جاتی اور نومیڈک کی فلاح و بہبود کی تحریک کے علمبردار مہاتما جیوتی با پھلے کے نام سے اس کارپوریشن کو منسوب کر کے حکومت نے اس عظیم سماجی اصلاح پسند رہنما کو نہ صرف خراج تحسین پیش کیا بلکہ کارپوریشن کے لئے یہ لازم کر دیا کہ وہ مہاتما کی زندگی پیشِ نظر رکھے۔

شری اے۔ ایس کستورے

مہاتما پھلے ترقیاتی کارپوریشن برائے پسماندہ طبقات کے پاس فی الحال موجود سرمایہ ۲٫۵۰ کروڑ روپیہ ہے۔ اس کارپوریشن کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے۔ جس میں پسماندہ طبقات کے کسانوں کو بیجوں اور کھاد کی فراہمی، ان طبقات کے نوجوانوں کو روزگار اور چھوٹے کاروبار کی فراہمی شامل ہے۔ مختصر یہ کہ ان افراد کی خود کفیلی کیلئے حکومت ہر ممکن کوشش کرنا چاہتی ہے۔ مہاراشٹر کے وہ تمام افراد جو "پسماندہ" درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں، اس کارپوریشن سے فیضیاب ہوں گے۔

ان طبقات کی فلاح و بہبود کے وہ تمام پروگرام جو ریاست میں نافذ ہیں۔ ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے بھی کارپوریشن اقدامات کریگی۔ بہر حال اس کارپوریشن کے قیام سے پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کا ایک نیا دور شروع ہوگیا ہے۔

مذکورہ ترقیاتی کارپوریشن برائے پسماندہ طبقات چونکہ عوام کی فلاح و بہبود کے لئے قائم کیا گیا ہے اس لئے عوام کو چاہیئے کہ وہ خود آگے آئیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کارپوریشن کے اقدامات سے یہ ضرور ہے کہ لوگوں کو ترقی کے مواقع حاصل ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ہی خود ان پر بھی ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس کارپوریشن سے حاصل ہونے والی امداد کے لئے دیانتداری کے ساتھ اپنے مستحق ہونے کا ثبوت پیش کریں اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں۔

یہ بات سامنے آئی ہے کہ حکومت کی جانب سے پسماندہ طبقات کو دی جانے والی امداد سے اکثر لوگ محروم رہ گئے۔ پسماندہ طبقات کے طلبہ کے لئے محفوظ ہوسٹل کے بارے میں کئی شکایات موصول ہوئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تمام شکایات صحیح نہ ہوں لیکن بہر حال خود پسماندہ طبقات کے افراد کی یہ ذمہداری ہے کہ وہ مالی امداد، روزگار اور دیگر سہولیات کے لئے اپنے مستحق ہونے کا مناسب ثبوت پیش کریں۔

بیساکھیوں کی ضرورت نہیں : سماجی یا مالی طور پر پسماندہ طبقات شاید پیچھے رہ جائیں۔ لیکن محنت ومشقت، ایمانداری، لگن اور صبر وتحمل جیسے معاملوں میں وہ دوسروں سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ کسی بچہ کو چلنا سکھانے کے لئے ہم اسے کھلونا گاڑی دیتے ہیں۔ لیکن جب تک بچہ خود چلنے کی کوشش نہ کرے، چاہے گاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، اس وقت تک وہ چند قدم بھی نہ چل سکے گا۔ بالکل یہی حالت سرکاری امداد کے استعمال کی ہے۔ کوئی بھی شخص سرکاری امداد کا استعمال بیساکھیوں کی طرح کرے تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اس کے سہارے ترقی کے راستے پر ایک قدم بھی چل سکے۔

اسی طرح پسماندہ طبقہ کے نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی حالتِ زندگی کو بہتر بنانے کے لئے خود محنت و دیانتداری سے جدوجہد کریں۔ صرف یہی جذبہ ان میں اعتماد پیدا کرسکتا ہے۔ کارپوریشن کے دفتروں کے سامنے نوکریوں کے لئے قطار لگانے سے بہتر ہے کہ وہ کارپوریشن سے مالی امداد حاصل کرکے کوئی چھوٹا سا کاروبار یا کوئی زراعتی پیشہ اپناتے ہوئے، خود روزگار کا موقع حاصل کریں۔ کارپوریشن بھی بجائے دفتر روزگار بننے کے، ترقیات کا ذریعہ بنیں جس کے نتیجہ میں تجارتی رجحان پیدا ہوگا اور نئے تجارتی ذرائع قائم ہوسکیں گے۔

اگر پسماندہ طبقہ کے نوجوانوں کے پاس خود۔ روزگار کے لئے کوئی نئی بات یا اسکیم ہے تو کارپوریشن کے سامنے پیش کریں۔ انفرادی فائدہ کی اسکیم کے ساتھ کارپوریشن بھی پورے طبقہ کے لئے فائدہ مند اسکیمات کو عمل میں لائے گی۔ ان اسکیمات کو عمل میں لاتے ہوئے پسماندہ طبقات کو چاہیئے کہ وہ نہایت دیانتداری کے ساتھ کام کریں اور اپنے کام کا معیار بلند رکھیں۔

اچھا نظام : تعلیمی، امداد باہمی یا رہائشی اداروں کے قیام کے بعد اس بات کا خاص دھیان رکھنا چاہیئے کہ ان اداروں کا انتظام خرابیوں سے پاک ہو۔ ذمہ دار افراد کو چاہیئے کہ وہ ایسے کاموں میں صرف اپنے اردگرد کے لوگوں کا مفاد سامنے نہ رکھیں بلکہ پورے سماج کے فائدے کا خیال رکھیں۔ پسماندہ طبقے کے اداروں کا انتظام اگر اچھا ہو تو یہ ان کی دیانتداری کا ثبوت ہوگا۔ چونکہ پسماندہ طبقہ میں مقابلوں کا امکان ہے، لہذا ایسی باتوں کا پایا جانا غیر قدرتی نہیں ہے۔ لیکن ان مقابلوں میں صرف قابل اور مستحق ہونے کے دلائل پر ہی نظر رکھی جانی چاہیئے ورنہ اندیشہ ہے کہ عوام کا اعتماد قائم نہ رہے۔ حکومت نے کارپوریشن قائم کرنے کا اپنا فرض نبھا دیا۔ اب مذکورہ افراد پر منحصر ہے کہ وہ اس سے فیضیاب ہونے کی خاطر اپنے مستحق ہونے کا خاطر خواہ یقین دلائیں۔

مہاراشٹر میں واقع شکر کی صنعت کے امداد باہمی ادارے مذکورہ ترقیاتی کارپوریشن کے کاموں میں تعاون کرسکتے ہیں کیوں کہ ان اداروں کو کام کا تجربہ نیز مالی انتظام کی سوجھ بوجھ اور تکنیکی مہارت حاصل ہے۔ یہ ادارے اپنی مہارت اور تجربے کو پسماندہ طبقہ کی امداد باہمی اداروں کے نظام میں بہتری پیدا کرنے کے لئے کام میں لاسکتے ہیں۔ شکر کی صنعت کے امداد باہمی ادارے اگر چاہیں تو اپنے علاقوں میں واقع پسماندہ طبقہ کے اداروں کو اپنے زیر نگرانی لے سکتے ہیں۔ اسی طرح نجی کمپنیاں اور صنعتیں بھی اس کام میں مدد کرسکتی ہیں۔

پسماندہ طبقات کی بہتری پورے سماج کی بہتری ہے۔ ایک آزاد ترقیاتی کارپوریشن برائے پسماندہ طبقات قائم کرکے ریاستی حکومت نے اپنے ترقی پسند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

آیئے ہم اپنا کردار اور ذمہ داری سچائی اور فرض کے جذبہ سے نبھائیں۔

●●

• ایس۔ آر۔ ٹیکیکر

مہاتما جیوتی باپھلے

ہندوستانی سماج میں جہاں "ذات"، "پیدائش" پر منحصر ہے، درجہ بندی کی مثال زینہ یا سیڑھی سے دی جاسکتی ہے۔ پیشہ بھی پیدائش کے مطابق قائم رہتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ کرسچین سماج میں کوئی بھی تربیت حاصل کرکے "پادری" بن سکتا ہے لیکن ہندو سماج میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں مُبلّغ کیلئے برہمن گھرانے میں پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس سماجی ناانصافی اور نابرابری کے خلاف مہاتما پھلے نے علم بغاوت بلند کیا اور انھوں نے اپنی ساری زندگی اس سماجی برائی کے خلاف جنگ میں گذار دی۔

گوکھلے کا نظریہ تھا کہ سماجی زندگی میں روحانیت کو فروغ دیا جائے جبکہ مہاتما پھلے یہ چاہتے تھے کہ سماج میں انسانیت کی رُوح پھونکی جائے۔ آج اگرچہ مہاتما پھلے کے ماننے والے کئی لوگ ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی سماجی برابری قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مہاتما پھلے کو آج لوگ پوجتے ہیں لیکن ان کی تعلیمات کی کسی کو پرواہ نہیں۔ آج لوگوں کو مہاتما پھلے کی اس بات کی اہمیت کا احساس ہورہا ہے کہ ہر دیہات میں کم از کم ایک انصاف پسند شخص کا ہونا ضروری ہے۔ بہرحال سماجی زندگی میں ایک مختصر عرصے میں یکسر تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔

زمانہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ اپنے طور سے کسی چیز کی آزمائش کرتا ہے۔ وقت کی بدولت لوگوں کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ کچھ لوگ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی لوگوں کو اسی طرح یاد رہتے ہیں جیسے کہ وہ اس فانی دنیا سے گئے ہی نہ ہوں۔ کچھ لوگوں کی اہمیت ان کے مرنے کے کئی عرصہ بعد محسوس ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وقت ہی ہے کہ ایسے لوگوں کی مقبولیت کا احساس ایک زمانہ کے بعد پیدا کراتا ہے۔

قومی راج

جیوتی باپھلے (۱۸۲۸-۹۰ء) جنھیں آج ہم مہاتما کے نام سے یاد کرتے ہیں، ایک ایسے عظیم سماجی خدمت گار تھے جن کی عزت و شہرت کو آزمائش میں وقت خود پیچھے رہ گیا۔

آج بمبئی اور پونے کے دو بڑے بازار مہاتما پھلے کے نام سے منسوب ہیں جو کہ اس عظیم شخص کی عظمت کے اعتراف کا ثبوت ہے۔

اگر موصوف کے کارناموں کی فہرست تیار کی جائے تو اُن کے جذبۂ خدمت کی تعریف کئے بغیر کوئی نہ رہ سکے گا۔ ۲۱ سال کی عمر میں جب مہاتما پھلے کو محسوس ہوا کہ اب ان کی تعلیم مکمل ہوچکی ہے، تو انھوں نے پونے میں لڑکیوں کا اسکول جاری کیا۔ تعلیم جیسے معزز پیشہ میں آپ کی شریکِ حیات نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ لیکن لوگوں نے لڑکیوں کے اسکول کو "غیر سماجی" حرکت تصور کیا اور جب بھی ان کی بیوی اسکول سے آتے جاتے وقت راستے سے گذرتیں تو لوگ ان پر پتھر پھینکتے۔ ۲۷ سال کی عمر میں پھلے جی نے اچھوت لوگوں کیلئے بھی ایک اسکول قائم کیا۔ جب آپ ۳۵ سال کے ہوگئے تو آپ نے خطرہ مول لیتے ہوئے کنواری ماؤں کے نوزائیدہ بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ جاری کیا۔ دوسرے سال سماجی دستور کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک بیوہ

کی دوبارہ شادی کروادی۔

ان اقدامات نے آپ کو شہرت بخشی اور ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ آپ کی سماجی خدمات کی قدر کی جاتی۔ لیکن بدنصیبی اور سماجی رسم ورواج کی بدولت برہمنوں کے اس سماج میں آپ کو صرف نفرت ہی ملی۔ برہمنوں کے اس غلبہ کا کیا اثر ہوا۔ اس کی تفصیل قابل ذکر ہے۔ غیر برہمن مصنفوں کی کتابیں برہمنوں کے کتب خانہ میں کبھی نہیں رکھی جاتی تھیں۔ خود مجھے پھلے کی کتابیں کولہاپور سے منگوانی پڑیں۔

شری بی۔ دی جادھو اور ڈاکٹر امبیڈکر جیسے غیر برہمن رہنماؤں سے میل جول بُرا لگا۔ اس سلسلے میں بمبئی میں مجھے پونے کے کئی پنڈتوں کے ایسے خطوط بھی ملے جنہیں یہ صاف طور سے لکھا ہوا تھا کہ شری جادھو اور ڈاکٹر امبیڈکر جیسے لوگوں کے ساتھ میرے میل جول سے انھیں تشویش ہوئی ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کی تصنیف "شودرا کون تھے" جب مانے ہوئے تبصرہ نگاروں کو بھیجی گئی تو ان سب نے تبصرہ کرنے سے انکار کردیا۔ آخر کار مجھ جیسے نوآموز کے پاس یہ کتاب بھیجی گئی اس وقت جبکہ میں ٹائمز آف انڈیا میں تبصرہ نگار کی حیثیت سے ابھی کام شروع کیا تھا۔ یہ چند واقعات سماج پر برہمنوں کے غلبہ کے اثرات ظاہر کرتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچئیے ان حالات میں مہاتما پھلے کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا جب انھوں نے بے خوف اور علانیہ سماجی اصلاحات کے اقدامات کا آغاز کیا۔

نئی طرز فکر! سماجی بیداری کی سمت مہاتما پھلے کی کارروائیوں نے سماج میں ایک نئی طرز فکر کی بنیاد ڈالی۔ بیشک مہاتما پھلے کی جانب سے سماج کیلئے یہ ایک تحفہ سے کم نہ تھا۔ بادی النظر میں یہ اقدامات فرقہ واری یا ذات پات کے جھگڑوں کے بیج بونے جیسے تھے۔ اور کیوں نہ ہو۔ آخر مہاتما پھولے کی یہ جنگ برہمنوں کے خلاف تھی اور جس انداز میں انھوں نے اپنا موقف ظاہر کیا اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ان کی یہ سماجی بغاوت ہر طرح سے جائز تھی۔ تعلیم پر اصرار، ایک خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے تمام انسان برابر ہیں اور خالق ومخلوق کے درمیان کسی تیسرے مواصلہ کے بغیر راست تعلق، وغیرہ آپ کی چند اہم تعلیمات تھیں۔ لیکن مفاد پرستوں نے اسے غیر برہمن اصول قرار دیتے ہوئے سختی سے ان تعلیمات کی مخالفت کی۔ پیشواؤں کے زمانہ میں برہمنوں کے ایک خاص طبقہ نے اپنے اثر ورسوخ کو اتنا بڑھایا کہ لوگ کوئی گھریلو رسم ورواج میں اُن کی شرکت ضروری سمجھنے لگے۔ لیکن مہاتما پھلے نے اس سارے کھیل میں پوشیدہ سازش کا جلد ہی پتہ لگالیا اور انھوں نے اعلان کردیا کہ چند رسموں کیلئے برہمنوں کی ساجھے داری ناجائز ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے یہ بھی اعلان کردیا کہ وہ چند رسمیں ہی سرے سے غیر ضروری ہیں، اور صرف چالاک برہمنوں کے دماغ کی پیداوار ہیں تاکہ جاہل کسانوں اور دیہاتیوں کو لوٹا جاسکے۔

ان حقائق کے اچھی طرح واضح ہونے کے بعد آپ نے ستیہ شودھک سماج یعنی سچائی کی تلاش کرنے والی سماج کی بنیاد ڈالی۔ اسی موضوع پر اُن کی تصنیف غلام گیری میں اس بات کو مزید واضح کیا گیا کہ کس طرح غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر جاہل عوام کا استحصال کیا جاتا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ تمام لوگ غلامی کی زنجیریں توڑ دیں۔

اس نوعمری کے زمانہ میں جب جوان دل صنف نازک کیلئے دھڑکتا ہے پھلے کا دل مصیبت زدہ لوگوں کی تکالیف پر دھڑکا، آپ نے ساری توجہ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنے پر مبذول کردی۔ پھر ایک قدم آگے بڑھے لوگوں میں علم کی روشنی پھیلانا چاہا۔ دوسرے لفظوں میں انھیں ان کاموں سے کوئی ذاتی غرض نہ تھی بلکہ انھیں فکر تھی تو صرف عام انسانوں کی۔ یہ تھی نوعمر پھلے کی خاصیت جو کہ نہ تو زیادہ پڑھا لکھا تھا اور نہ ہی دلچسپ شخصیت کا مالک۔ جب اُس نے اپنی زندگی کے اس اہم کام کو ہاتھ میں لیا تو اسے کچھ پڑھنے یا سیکھنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ لڑکپن میں تھومس پائن (۱۸۰۹-۱۷۳۷) کی تصنیف رائٹس آف مین (انسانی حقوق) نے پھلے کی زندگی پر کافی اثر کیا۔

نابرابری کیخلاف جنگ! پھلے کی عظیم اور طویل جنگ سماجی نابرابری کے خلاف تھی۔ وہ تمام لوگوں میں مساوات کے حامی تھے۔ فرسودہ سماجی روایتوں سے پیدا شدہ برائیوں۔ پیشہ کی تقسیم، پیشہ کے لحاظ سے فرقہ بندی۔ ان سبھوں نے پھلے کے دماغ میں بغاوت پیدا کردی۔ انھوں نے اس رائج نظام کے خلاف بیباکی سے آواز بلند کی نہ صرف یہ بلکہ اس نظام کو ختم کر کے مساوات قائم کرنے کی جراءت کی۔ اس زمانہ میں روایات سے ہٹ کر سوچنے والے بہت کم تھے۔ یہاں تک کہ اس نظام کے خلاف بغاوت کرنے اور اسے ختم کرنے کی ہمت بھی بہت ہی کم لوگوں میں تھی۔

مہاتما پھلے نے کسانوں کی فلاح وبہبود کیلئے بہترین اقدامات تجویز کئے۔ اپنی تصنیف شیت کاریہ چا اسود میں آپ نے دھرتی ماں کے متوالوں کی جانب توجہ دلاتے ہوئے چند ایسی اصلاحات پیش کیں جو آج کے زمانے میں بھی قبول کی جاسکتی ہیں۔

(۱) گھریلو مویشیوں کی پرورش وافزائش میں بہتری (۲) نالہ بندی اور

(باقی ص ۲۵ پر)

محروم بچّوں کی فلاح و بہبود

• جیٹھالال اے شاہ

بچّوں کی دنیا معصومیت، خوشی و مسرت اور محبت سے بھری دنیا ہے۔ وہ آئندہ تہذیب و تمدن کی بنیاد ہیں اور انھیں کے دم قدم سے جیون میں سدا بہار رہتی ہے۔ انسان انھیں ہی کے بل پر روشن مستقبل کی تعمیر کرسکتا ہے۔ یہ خیال ہمارے وزیراعظم شری مرارجی دیسائی نے بچّوں کے بین الاقوامی سال پر اپنے پیغام میں ظاہر فرمایا تھا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۱۹۷۹ء کو بچّوں کا سال قرار دیتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ یہ سال اس مقصد سے منایا جارہا ہے تاکہ صاحبِ اختیار ہر خاص و عام کے دلوں میں بچوں کے تئیں ان کی خاص ضروریات کا احساس بیدار کیا جائے۔

حکومت ہند نے بھی کچھ عملی منصوبے وضع کیے اور ہند میں اس سال 'محروم بچوں پر توجہ' کو عام مطمحِ نظر بنایا۔ قدرتی طور سے سماج کے کمزور طبقات کا خاص خیال رکھا جائے گا اور بہر صورت چھ سال تک کی عمر کے زمرہ میں بچوں اور حاملہ نیز زچہ ماؤں پر خاص توجہ دی جائے گی۔ اندازہ ہے کہ ہندوستان میں اس زمرہ کے ۱۱۵ ملین بچوں میں سے کم سے کم ۴۶ ملین حد غربت سے بھی گری حالت میں ہیں، ان میں سے ۹٫۲ ملین جھونپڑ پٹیوں میں

۲،۸ ملین قبائلی علاقوں اور ۳۴ ملین دیہی علاقوں میں رہتے ہیں ۔

ریاستی پروگرام : ان ہدایات کی روشنی میں ریاستی حکومت نے ایسے پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کیا جن سے دیہی علاقوں اور جھونپڑپٹی میں رہنے والے بچوں کو فائدہ پہنچے ۔ ان پروگراموں کی موثر عمل آوری اور نگرانی کی غرض سے بچوں کے بین الاقوامی سال سے متعلق ریاستی سطح کمیٹی نیز ضلع کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں ۔

ان تمام کارروائیوں کا مقصد یہ ہے کہ ۵۰۰ سے کم آبادی رکھنے والے منتخبہ دیہاتوں میں بچوں کے لئے اکٹھا سہولتیں اور آسائشیں مہیا کی جائیں جن میں قوت بخش غذا، متعدی امراض سے حفاظت، صحت و تندرستی کی جانچ، بال واڑیاں اور ترک تعلیم کی روک تھام شامل ہیں ۔

اس متنوع پروگرام کا بنیادی جز مقامی طور سے تیار کردہ سستی اور قوت بخش غذا ہے ۔ یہ قوت بخش غذا منتخبہ دیہاتوں میں چھ سال سے کم عمر کے تمام بچوں کو مہیا کی جائے گی ۔ اس کام کے لئے مقامی طور سے عملہ رکھا جائیگا ۔ منتخب دیہاتوں میں متعدی امراض سے بچاؤ کی مہم چلائی جائے گی اسی طرح وسیع پیمانے پر تقسیم وٹامن اے، آئرن اور فولک ایسڈ اور صحت کی جانچ کے پروگرام جاری کئے جائیں گے ۔

ایسے متنوع پروگراموں کو جاری کرنے کے لئے ہر ضلع میں پانچ سو سے کم آبادی رکھنے والے تین یا چار دیہات منتخب کئے جائیں گے ۔ اس مقصد سے ہر ضلع کمیٹی کو پچیس سے تیس ہزار روپے تک کی رقم مہیا کی جائیگی ۔

غیر منظم حلقہ : صرف دیہی علاقوں ہی میں نہیں بلکہ شہری علاقوں میں بھی محروم بچوں پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ایک نسل کے عرصہ میں ہی یہ بچے صحت مند، تعلیم یافتہ اور معزز شہری بن جائیں ۔ مہاراشٹر میں فی الحال "ریمانڈ ہوم" وغیرہ جیسے مستند ادارے ہیں جو چلڈرن ایکٹ کے تحت آنے والے بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں ۔ بہرصورت بدقسمتی سے غیر منظم حلقہ کے بچوں پر مشکل ہی سے توجہ دی جاتی ہے ۔ لہٰذا حکومت نے طے کیا ہے کہ بچوں کے بین الاقوامی سال کے دوران اس سلسلے میں شروعات کی جائے ۔

ایسے بچوں کو ان کے والدین سے جدا کرنے سے کئی مسائل پیدا ہوں گے، جن میں مالی نقصان بھی شامل ہے کیونکہ بہت سے بچے کمانے والے فرد ہیں، لہٰذا ریاستی کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے ہر بچہ کے لئے ۵۰ روپے ماہانہ فی بچہ کے حساب سے مالی امداد دی جائے ۔ یہ پروگرام اولاً ممبئی، پونے، ناگپور، اورنگ آباد، سولاپور اور کولھاپور کے بلدی علاقہ جات میں شروع کیا جائیگا ۔

بچوں کے بین الاقوامی سال کے دوران اس پروگرام کے تحت آنے والے بچوں کی تعداد ابتداً ۱۰۰۰ ہوگی جن پر تقریباً ۶ لاکھ روپے خرچ ہوں گے ۔ ریاستی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ اس خرچ کا ۶۰ فیصد حصہ حکومت برداشت کرے اور بقیہ ۴۰ فیصد چیمبر آف کامرس، پبلک ٹرسٹ، صنعتی اور کاروباری ادارے، ہمدرد افراد اور جماعتیں اٹھائیں ۔

سرپرستانہ پروگرام : بچوں کی ایک خاص قسم ایسی بھی ہے جس پر حکومت نیز رضاکارانہ جماعتوں کی جانب سے زیادہ نہیں تو مساویانہ توجہ دینے کی ضرورت ہے ایسے بچوں میں قطعی معذور بچے، مفلوک الحال خاندانوں کے بچے، یا ایسے بچے شامل ہیں جن کی ماں یا باپ، صرف ایک موجود ہے ۔ بچوں کے بین الاقوامی سال سے متعلق ریاستی کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ کچھ سال کے عرصہ میں بتدریج ایسے تمام بچے سرپرستانہ پروگرام کے تحت لائے جائیں ۔

اس سرپرستانہ پروگرام کے تحت بچہ اپنے خاندان میں یا متبادل خاندان میں رہے گا ۔ ریاستی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ زیر سرپرستی ایسے ہر بچہ کو ۲۵ روپے مالی امداد برائے قوت بخش غذا، تعلیم اور ادویات وغیرہ دی جائے ۔ ریاستی کمیٹی نے طے کیا ہے کہ بچوں کے بین الاقوامی سال کے دوران ایک ہزار بچوں کی سرپرستی کی جائے جن پر ۲۰،۲۴ لاکھ روپے خرچ ہوں گے ۔

ان تمام پروگراموں میں رضاکار جماعتوں کا کام بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ ان پروگراموں کی کامیابی کا انحصار ان جماعتوں کے جوش و خروش، صلاحیت اور کارکردگی نیز عام بیداری پر ہے ۔ یہی نہیں بلکہ یہ پروگرام ہماری قومی زندگی کا مستقل جز ہونا چاہیے ۔ بچوں کے بین الاقوامی سال کے مبارک موقع پر ہم نے اس کا آغاز کیا ہے ۔ گو یہ ایک بڑا زبردست کام ہے لیکن ایسا کٹھن نہیں کہ اسے انجام نہ دیا جاسکے ۔ تمام شہریوں کو اس عظیم کام میں ہاتھ بٹانا چاہیے جس کے باعث انسانوں کو مسرت و خوشحالی نصیب ہوگی ۔

●●

مراسلت و ترسیل زر کے دوران حوالہ نمبر ا جو آپ کے پتہ یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر کریں ۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھئے بلکہ اردو کے علاوہ ہندی یا انگریزی میں بھی تحریر فرمائیے ۔ اس طرح دفتری اندراجات میں آسانی ہوتی ہے ۔

(ادارہ)

سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ، مروڈ

• ریاض احمد خاں

ہر ترقی پذیر ملک کی اہم ضرورت ہے ٹکنیکل تعلیم کا پھیلاؤ۔ ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے یہاں ٹکنیکل تعلیم کے لامحدود ادارے ہیں مگر اس بڑھتی ہوئی آبادی میں یہ ادارے ضرورت کو پورا نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے ہمارے نوجوان ٹکنیکل تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ زیادہ تر ٹکنیکل تعلیمی ادارے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں قائم ہیں جہاں پر شہروں میں رہنے والے طلبہ کو ہی داخلہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں وہاں دیہی علاقوں کے طلبہ کے لئے ان اداروں میں داخلہ حاصل کرنا ایک خواب تو ہوسکتا ہے حقیقت ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کی تعداد جو دیہی علاقوں میں بستی ہے ٹکنیکل تعلیم سے محروم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان پر اپنی ترقی کی راہیں مسدود ہوجاتی ہیں۔ وہ ملک اور قوم کے ساتھ ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہوپاتے اور اس دھارے میں شامل نہیں ہوپاتے جو ملک اور قوم کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرتا ہے۔
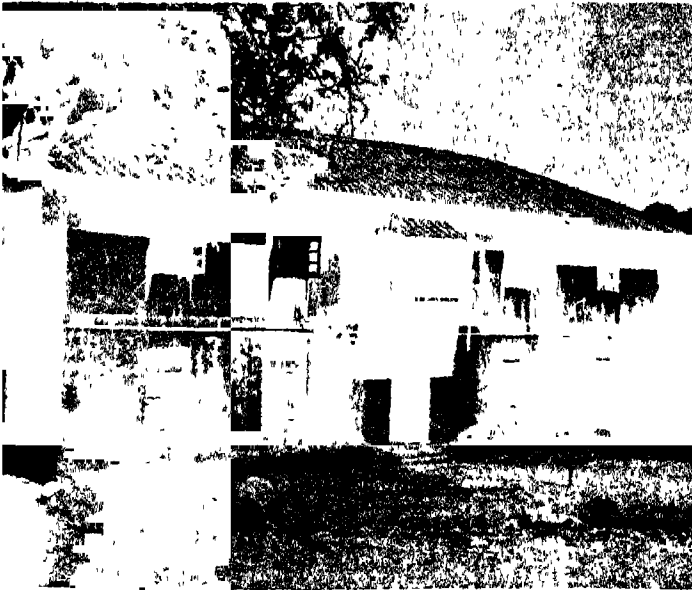
سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ، مروڈ کا ایک منظر۔

کوکن کا علاقہ اور خاص طور سے قلابہ کے علاقے میں انسانی فلاح و بہبود کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ ملک کے کسی اور مقام پر نہیں پایا جاتا۔ یہاں کے لوگ خوب کام کرنا جانتے ہیں۔ خوب محنت کرنا جانتے ہیں خود بھی کامیابی کی طرف سفر کرتے ہیں اور اپنے جلو میں ایک جم غفیر کو بھی لے کر چلتے ہیں۔ ان کے اسی جذبۂ انسانی ہمدردی کی وجہ سے وہ اپنے پروگراموں، اپنے منصوبوں میں کامیاب ہوتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف وہ بذات خود بلکہ عوام الناس بھی مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ انھوں نے تعلیم کو شعار زندگی بنالیا ہے۔ خود بھی تعلیم کی طرف توجہ دیتے ہیں اور اپنی کوششوں سے تعلیم کی روشنی ان اندھیرے گھروں میں بھی پھیلانا چاہتے ہیں جہاں اس دور میں بھی اندھیرا ہی اندھیرا ہے تاکہ نئی نسل کے جوان باہمت ہوں اور زمانے کا مقابلہ کرنے کی ان کے بازوؤں میں صلاحیت ہو۔

فی زمانہ وہی نوجوان اچھی ملازمت پاسکتا ہے یا اپنا چھوٹا موٹا ذاتی کارخانہ قائم کرسکتا ہے جو ٹکنیکل تعلیم حاصل کرچکا ہو۔ شہری طلبہ کو تو کسی نہ کسی طرح ٹکنیکل تعلیم کے مواقع میسر ہو ہی جاتے ہیں مگر دیہی علاقوں میں رہنے والے طلبہ

انسٹی ٹیوٹ میں نصب کی گئی مشین پر طلبہ کام کرتے ہوئے

اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ دیہی طلبہ کی اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے انجمن اسلام جنجیرہ نے اکتوبر ۱۹۷۷ء کو مروڈ میں ایک ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا منصوبہ بنایا جسے بروئے کار لانے کے لئے "انجمن اسلام جنجیرہ ٹکنیکل ایجوکیشن بورڈ بمبئی" تشکیل دیا گیا۔ ایک سال کی قلیل سی مدت میں بورڈ نے انجمن کے ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے خواب کو حقیقت کا روپ دے کر انجمن کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

کسی بھی تعلیمی ادارے کو قائم کرنا چہ جائیکہ ٹکنیکل تعلیمی ادارہ کو قائم کرنے کے لئے ایک کثیر رقم درکار ہوتی ہے تاکہ قوائد کے مطابق ضروری عمارت تعمیر ہو سکے، اور اس میں ضرورت کے آلات و مشینیں نصب ہو سکیں حالانکہ یہ حوصلہ پست کر دینے کا مقام ہوتا ہے مگر انجمن کے اراکین نے اپنی بے لوث جد وجہد اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے مناسب رقم کا انتظام کیا اور کچھ عطیات بھی حاصل کئے گئے اور مروڈ میں ایک تعمیر شدہ عمارت خرید لی گئی۔ اس عمارت کو خریدنا اس لئے بھی ضروری سمجھا گیا کہ تعلیمی سال کے شروع ہونے تک نئی عمارت تعمیر نہ ہو سکیگی اور انجمن کا منصوبہ بلا وجہ ایک سال کے لئے بڑھ جائے گا۔ بمبئی کے ماہرین ٹکنیکل تعلیم کی زیر نگرانی اس عمارت میں ضروری مشینیں نصب کی گئیں۔ آلات و کل پرزے جمع کئے گئے اور جولائی ۱۹۷۸ء میں باقاعدہ طور پر یہ ٹکنیکل تعلیمی ادارہ جاری ہو گیا۔

اسی درمیان اس ادارے کو ڈائرکٹر آف ٹکنیکل ایجوکیشن بورڈ کی طرف سے AFFILIATION دینے کے بارے میں مشکلات درپیش آئیں جنھیں حل کرنے میں شری گیڈم جوائنٹ ڈائرکٹر کے تعاون سے AFFILIATION بھی مل گیا۔ اور اب سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ نوجوان طلبہ میں ایک نئی روح پھونک رہا ہے اور انھیں قومی دھارے میں شانہ بشانہ چلنے کی قوت بخش رہا ہے۔

اس ادارے میں موٹر مکینک، فٹر، الیکٹریشن، کارپنٹری، ریفریجریشن اور ایر کنڈیشننگ کے کورسز جاری کئے جانے کے منصوبے پر تیزی سے عمل ہو رہا ہے فی الحال یہاں پر موٹر مکینک کا کورس شروع کر دیا گیا ہے جس میں مروڈ کے علاوہ اطراف کے دیہی علاقوں اور بمبئی سے بھی طلبہ داخلہ لے چکے ہیں۔

سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ ۴۲′ × ۱۰۷′ کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ جو کہ گراؤنڈ فلور پر ہے ایک بڑی اور کشادہ ورکشاپ کا کام دیتا ہے جس کا رقبہ ۴۲′ × ۸۵′ ہے جہاں پر ٹکنیکل تعلیم سے متعلق مشینیں نصب کی گئی ہیں اور اوزار رکھنے کے لئے مناسب الماریاں رکھی گئی ہیں۔ اسی جگہ طلبہ کو مشینیں استعمال کرنے کا طریقہ سمجھایا جاتا ہے۔ اسی ورکشاپ میں وہ پرزوں کو ڈھالنا و درستی کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دینا سیکھتے ہیں۔ دوسرا حصہ جو کہ بالائی منزل ہے ۴۲′ × ۲۲′ کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ کلاس روم کا کام دیتا ہے۔ یہاں پر طلبہ کو ٹکنیکل تعلیم سے متعلق درس دیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ٹکنیکل تعلیم سے متعلق جو نئی نئی کتابیں شائع ہوتی ہیں اور جو بمبئی کے دیگر ٹکنیکل تعلیمی اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں وہی کتابیں

(تا صفحہ ۱۹)

طلبہ موٹر کے انجن کا معائنہ کرتے ہوئے۔

ہندوستان میں تیل کے وسائل

• ڈاکٹر یوسف کمال ۔ جیالوجی ڈپارٹمنٹ، عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد ۔ ۷

پٹرول سطح زمین سے نیچے بعض مخصوص رسوبی حجرات کے اندر سو میٹر سے کچھ ہزار میٹر کی گہرائی پر چشموں کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے پٹرول کی تلاش ایک بڑا پیچیدہ اور وقت طلب کام ہے، مگر سو سال کی مسلسل تلاش اور جستجو نے سائنس دانوں اور بالخصوص ماہرین ارضیات کو اس قابل بنادیا ہے کہ آج زمین کے تقریباً تمام تر خشکی کے علاقوں پر پائے جانے والے تیل کے چشموں کی دریافت مکمل ہوچکی ہے۔ میدانوں، وادیوں، ریگستانوں اور پہاڑوں کے دامن پر پائے جانے والے تیل کے چشمے گزشتہ دو تین دہوں میں معلوم کر لئے گئے ہیں اور ان سے اب تیل حاصل کیا جارہا ہے۔

ہندوستان میں خود تیل کی تلاش کی تاریخ ایک صدی پرانی ہے جبکہ پہلی بار ۱۸۶۶ء میں مشرقی ہندوستان کے صوبۂ آسام کی سورما وادی سے تیل نکالا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہونے کے بعد مشرقی ہندوستان میں تیل کی تلاش جاری رہی۔ چنانچہ صوبۂ آسام میں ۱۹۵۳ء میں نہارکاتیا اور ۱۹۵۶ء میں موران کے تیل کے چشمے دریافت کئے گئے جو برما آئیل کمپنی کی کاوشوں کا نتیجہ تھے۔ برما آئیل کمپنی کے ساتھ ساتھ بعض دوسری بدیسی آئیل کمپنیاں بھی مغربی بنگال کے علاقے میں تیل کی کھوج میں مصروف رہیں لیکن اس علاقہ میں وہ تیل کی تلاش میں مایوس کن نتائج سے دوچار ہوئیں۔

۱۹۵۶ء میں آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن کے قیام کے بعد ہندوستان میں تیل کی تلاش صرف حکومتِ ہند کی اجارہ داری قرار پائی اور کسی بھی بدیسی کمپنی کو یہ حق حاصل نہ رہا کہ وہ جمہوریۂ ہند کے کسی بھی علاقے میں تیل یا گیس کی تلاش کرسکے۔ 'او۔ این۔ جی۔ سی' نے اپنے قیام کے چار سال کے اندر زبردست کامیابی حاصل کی۔ اس نے ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۱ء تک کے چار سالہ عرصہ میں جوالا مکھی (پنجاب)، رودرا ساگر (آسام)، انکلیشور اور کلول (گجرات) میں تیل کے چشمے دریافت کر لئے جو ہندوستان کی تیل کی جملہ پیداوار کا نصف سے زیادہ تیل فراہم کرتے ہیں۔ آسام، پنجاب اور گجرات کے تیل کے چشموں سے جملہ سات ملین ٹن تیل حاصل کیا جاتا رہا جو ملک کی ضرورت کا صرف ایک تہائی حصہ ہے۔ تیل کے یہ چشمے تمام تر ہندوستان کے خشکی کے علاقوں پر واقع ہیں جبکہ تیل کی تلاش میں اب ماہرین ارضیات خشکی کے علاقوں سے ملک کے ساحلی نشیبی علاقوں کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھنے لگے ہیں۔ چنانچہ او۔ این۔ جی۔ سی' نے بھی تیل کی تلاش کے لئے ہندوستان کے ساحلی علاقوں کا رُخ کیا۔

۱۹۶۳ء میں پہلی بار کیمبے کی کھاڑی میں طبعی ارضیاتی سروے کیا گیا اور ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۷ء تک روسی ماہرین کی سرکردگی میں بحیرہ عرب کے اس علاقے کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ جسے اب بمبئی ہائی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس علاقے میں پہلی بار ۱۹۶۹ء میں علی ابیٹ کے مقام پر ایک کھدائی میں تیل نکالا گیا، لیکن علی ابیٹ کو اس لئے ترک کر دیا کہ یہ تجارتی پیمانے پر کوئی نفع بخش چشمہ نہ تھا۔ علی ابیٹ کے چشمہ کی ناکامی سے زیادہ اہم یہ نتیجہ تھا کہ بحیرہ عرب میں تیل یا گیس پائے جانے کے امکانات روشن ہوئے۔ اسی اُمید نے حوصلوں کو اور بھی مہمیز کیا اور ۱۹۶۹ء کے اواخر میں کیمبے کی کھاڑی میں وہ چشمہ دریافت ہوا جسے آج ہم بمبئی ہائی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

'بمبئی ہائی' ہندوستان کے مغربی ساحل پر بمبئی کے قریب بحیرۂ عرب کے ساحل کی گہرائیوں میں اس علاقے کا نام ہے جو دو ہزار کیلو میٹر کے علاقے پر محیط ہے۔ اور جس میں تیل کے چشمے ہزاروں فیٹ کی گہرائی میں دفن ہیں۔ ماہرین کے ایک خیال کے مطابق بمبئی ہائی دراصل کیمبے کی کھاڑی میں' ان حجرات کا سمندر کے علاقے میں تسلسل ہے جو گجرات میں انکلیشور اور کلول میں تیل کے چشموں سے بھری ہیں۔ اپنی ساخت کے اعتبار سے بمبئی ہائی کے وسیع علاقے میں تین اور محوری نشیب یا (SATELLITE BASINS

ہیں جو خاص بمبئی ہائی کے مشرق میں شمالی بسین، جنوبی بسین اور تاراپو کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کی تیل کی کھوج میں بمبئی ہائی بلاشبہ ایک سنگِ میل سے کم نہیں کیونکہ پہلی بار ہندوستان میں تیل چونے کے حجرات میں یعنی لائم اسٹون میں پایا گیا ہے جب کہ اب تک کے خشکی کے علاقے کے سارے چشمے ریت کے حجرات یعنی SAND STONES میں پائے گئے ہیں۔ چونے کے حجرات، ریت کے حجرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ مسام دار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان چشموں میں تیل کی مقدار کہیں زیادہ کثیر اور دیرپا ہوتی ہے۔ چنانچہ مشرق وسطیٰ کے مشہور ترین تیل کے چشمے جن سے دنیا کو روزانہ لاکھوں ٹن تیل فراہم کیا جاتا ہے، سب کے سب چونے کے پتھروں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ جیسے عراق کا کرکک آئیل فیلڈ یا کویت کا بورگان آئیل فیلڈ وغیرہ۔ مشرق وسطیٰ کے ان چونے کے چشموں سے حاصل کئے جانے والے تیل کی مقدار ۲ کروڑ بیرل یومیہ سے ۲۰ کروڑ بیرل یومیہ ہے جبکہ ہندوستان کے انکلیشور کے تیل کے چشمے سے روزانہ صرف ۴۰۰ تا ۵۰۰ بیرل تیل حاصل کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے خشکی کے علاقوں کے تیل کے چشموں کے مقابلے میں صرف بمبئی ہائی سے روزانہ ۸۰ ہزار بیرل پٹرول حاصل کیا جا رہا ہے جس سے خود بمبئی ہائی کے تیل کے کثیر المقدار ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بمبئی ہائی نہ صرف یہ کہ ساخت کے اعتبار سے بہت وسیع اور کثیر المقدار چشمہ ہے بلکہ اس میں پایا جانے والا تیل بھی اپنی کیمیائی ترکیب اور طبیعی خواص کے اعتبار سے بہت اعلیٰ ہے۔ مشرق وسطیٰ کا تیل، بمبئی ہائی کے تیل کے مقابلے میں نسبتاً کثیف ہے۔ بمبئی ہائی کے تیل کی کثافت ۰.۸ ہے جس کی وجہ سے بمبئی ہائی کے تیل سے پٹرول اور کیروسین جیسے اجزاء کی حصولی نہ صرف کثیر مقدار میں ہو سکتی ہے بلکہ ان اجزاء کی کیمیائی کشید کی قیمت بھی بہت کم ہوگی۔ اس کے علاوہ بمبئی ہائی کا تیل گو کہ چونے کے پتھروں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس میں گندھک (سلفر) کی مقدار حیرت ناک طور پر کم ہے۔ جس کی وجہ سے ریفائنری میں بہت سہولت ہو جائے گی۔

بمبئی ہائی ۱۹۶۹ء میں دریافت کیا گیا مگر تیل حاصل کرنے کے لئے کھدائی اکتوبر ۱۹۷۳ء میں ہی شروع کی گئی تھی۔ سمندری علاقوں میں تیل کی کھدائی بجائے خود ایک نہایت دقت طلب اور بہت مہنگا سودا ہے۔ اس سلسلہ میں ساگر سمراٹ جیسے مہنگے کھدائی کے پلیٹ فارم کی مدد سے کھدائی شروع کی گئی جو ۱۹۷۳ء میں (۱۱.۵) کروڑ روپے کی قیمت پر خریدا گیا تھا۔ ساگر سمراٹ کے علاوہ اب او۔ این۔ جی۔ سی کے بحری فلیٹ میں جو تیل کے لئے کھدائی میں نہ صرف بمبئی ہائی بلکہ مشرقی ساحل کے کاویری کے علاقوں میں بھی مصروف ہے۔ کئی اور کھدائی کے پلیٹ فارم اور جہاز موجود ہیں۔ ساگر سمراٹ کی اپنی مہنگی ترین قیمت کے علاوہ، ساحلی علاقوں میں تیل کی کھوج اور پیداوار کی زبردست قیمت اور گرانی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ساگر سمراٹ کی یومیہ کھدائی کی لاگت ۱.۵ لاکھ روپیہ ہے اور بمبئی ہائی کے علاقے میں چشموں سے تیل حاصل کرنے کے لئے صرف ایک کنویں کی کھدائی پر ۱.۵ سے ۲ کروڑ روپے کی لاگت آتی ہے۔ ان ساری دقتوں اور لاگت کے باوجود بمبئی ہائی سے مارچ ۱۹۷۴ء سے تیل حاصل کیا جا رہا ہے جس کی پیداوار کی موجودہ یومیہ شرح ۸۰ ہزار بیرل ہے اور اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اس سال کے ختم تک اس کو بڑھا کر ایک لاکھ بیرل یومیہ کر دیا جائے۔

بمبئی ہائی اور بسین کے چشموں سے حاصل کئے جانے والے تیل اور گیس کو بحیرہ عرب کے ساحل سے یوران کے مقام تک پائپ لائن کے ذریعہ لایا جائے گا جو خود بہت مشکل اور مہنگا منصوبہ ہے۔ اس کے لئے بعض امریکی اور جاپانی کمپنیوں کو ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ اس منصوبے پر گو کہ جزوی طور پر عمل آوری شروع ہو گئی ہے، لیکن یوران تک پائپ لائن بچھانے کیلئے ۱۱۱ کروڑ روپیہ کی لاگت آئے گی۔ بمبئی ہائی سے سالانہ حاصل کئے جانے والے ایک کروڑ بیس لاکھ ٹن تیل سے، ایک چوتھائی تیل، بمبئی ریفائنری کو سپلائی کیا جائے گا جبکہ تیل کی باقی مقدار متھرا، کویالی اور ہالدیا کی ریفائنریوں کو ارسال کی جائے گی۔

شری بی۔ این پرساد، صدر آئیل اینڈ نیچرل گیس کمیشن کے اعلان شدہ منصوبوں کے مطابق بمبئی ہائی سے حاصل ہونے والی گیس کو یوران سے مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ کو توانائی کی پیداوار کے مقاصد کے تحت فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ٹرامبے میں قائم ہونے والے کھاد (FERTILIZER) کے پلانٹ کے لئے بھی بمبئی ہائی کی گیس دستیاب ہو سکے گی۔

لیکن "ہزاروں گردشیں حائل ہیں لب تک جام آنے" کے مصداق، یہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس سارے منصوبے پر عمل آوری کے لئے کروڑوں روپے کے علاوہ ایسی ٹیکنالوجی بھی درکار ہے جو اس وقت ہندوستان میں دستیاب نہیں، لیکن اس منصوبے پر عمل آوری کے لئے بدیسی کمپنیوں کے تعاون سے عمل آوری کو تیز تر کیا جا سکتا ہے تاکہ بمبئی ہائی کے تیل اور گیس سے جلد سے جلد استفادہ کیا جا سکے۔

●●

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ، کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں،

اور

قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر فرمائیں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

(ادارہ)

آئس فیکٹری کی خاتون مالکہ

شریمتی پرمیلا گلاب راؤ مورے، ایک پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والی خاتون ہیں۔ موصوفہ کی کوششیں قابل تعریف ہیں۔ جس کے نتیجہ میں کاروباری رجحان کا ثمرہ ضلع بلڈانہ کے مقام چکھالی پر راجلبش آئس فیکٹری کی صورت میں اس خاتون کو حاصل ہوا۔ شریمتی مورے نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ہے۔

ان کے شوہر گرام سیوک کی حیثیت سے بلڈانہ ضلع پریشد میں کام کرتے ہیں۔ میاں بیوی دونوں نے اپنی کامیابی کے لئے ایڈیشنل کمشنر اورنگ آباد، شری ایس۔ ڈی مہاسکے کا خاص طور سے ذکر کیا ہے شری مہاسکے جب محکمہ صنعت، بجلی اور محنت کے ڈپٹی سکریٹری تھے، تب ہی سے اس صنعت کے قیام سے متعلق وقتاً فوقتاً رہنمائی کیا کرتے تھے۔ ان ہی کی رہنمائی کی بدولت دونوں کو ضلع صنعتی مرکز، بلڈانہ سے تمام ضروری سہولیات حاصل ہوئیں۔

پیداواری کیفیت: یہ آئس فیکٹری یومیہ ۳ میٹرک ٹن برف تیار کرتی ہے۔ اس پورے شعبے کو قائم کرنے کے لئے ۹۸،۷۰۸ روپیہ صرف ہوا۔ جس میں سے ۶۶،۸۰۰ روپیہ اسٹیٹ بنک آف انڈیا کی چکھالی شاخ نے بطور قرض فراہم کیا۔

حکومت مہاراشٹر کی تخمی مالی امداد اسکیم کے تحت، ودربھ ویکاس مہامنڈل نے ۱۴،۹۸۰ روپیہ منظور کیا۔ جبکہ خود خاتون آسامی نے اپنا ۱۷،۰۰۰ روپیہ اس کاروبار میں لگایا۔ فیکٹری ۲۰ ستمبر ۱۹۷۸ء سے باقاعدہ شروع ہوئی۔ برف کی تمام سلیں چکھالی کے سرد پلانٹ کو سپلائی کی جاتی ہیں۔ چونکہ اس فیکٹری کے مال کے لئے گراہک بندھا ہوا ہے اس لئے مال کی مارکٹنگ کے لئے کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اس علاقے میں اس نوعیت کا صرف یہی ایک پروجیکٹ ہے اس لئے برف کی مانگ بکثرت ہے۔ شریمتی مورے، زائد مشینیں لگواکر فیکٹری کی پیداوار میں اضافہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اس فیکٹری میں چار ملازم ہیں۔

شریمتی مورے نے مشکورانہ طور پر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بغیر کسی دشواری کے مذکورہ فیکٹری قائم کرنے میں کامیابی صرف ڈسٹرکٹ انڈسٹریز سینٹر، اسٹیٹ بنک آف انڈیا، ودربھ ویکاس مہامنڈل اور مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹرسٹی بورڈ کے افسران کی امداد اور حوصلہ افزائی کے باعث حاصل ہوسکی ہے۔

صنعتی طور سے پسماندہ علاقہ میں اس صنعت کے قیام میں پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون تاجر کی دلچسپی اور کامیابی سے بلاشبہ یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس علاقے کے دیگر تعلیمیافتہ بیروزگاروں میں خود۔ روزگار کے طور پر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرنے کا شوق پیدا ہوگا۔ ●●

شریمتی پرمیلا۔ جی۔ مورے اور اُن کی "آئس فیکٹری"

اِنٹرویو کی ضرورت اور اہمیت

○ پروفیسر مجید بیدار حیدرآبادی
مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد

ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوموں کی پہچان ان کے ذخیرۂ معلومات سے کی جاتی ہے۔ یعنی جس قوم کے نوجوانوں میں حصولِ تعلیم کے ساتھ ساتھ عام معلومات اور قوتِ اظہار میں ترقی کا مادہ جس قدر زیادہ ہوگا وہ اتنی ہی زیادہ ترقی کرسکے گی۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ہر طالب علم کو مسابقتی کشمکش سے گذرنا پڑتا ہے اور یہی جدوجہد زندگی سنوارنے کا سبب بنتی ہے۔ نوجوانوں اور طالب علموں میں تعلیم سے دلچسپی پیدا کرنے اور معلومات سے شغف برقرار رکھنے کی غرض سے اِنٹرویو کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

کسی انسان کی دلی کیفیات اور ذہنی قابلیت کا ایک نظر میں جائزہ ناممکن ہے۔ لیکن یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کچھ سوالات کے جوابات سن کر انسان کی شخصیت کو پڑھنے، قابلیت کو جانچنے، تخیلات کا اندازہ لگانے، احساسات کو پرکھنے اور نظریات کو جانچنے کا موقع ملتا ہے ان ہی پانچ بنیادی مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے انٹرویو منعقد کیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ صلاحیت اور اہلیت کی واقف کاری ہوتی ہے۔

انٹرویو کا اصل مقصد انسان کی شخصیت کا فیصلہ کرنا ہے جس کے ذریعہ بہترین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ذہنوں تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی انٹرویو کے ذریعہ شخصی ذہنی اور فکری ترقی کو ایک انسان میں تلاش کیا جاتا ہے۔

انسان میں سوئی ہوئی حالت کی نمائندگی کرنے والی صلاحیتوں تک پہنچ بھی انٹرویو کے مقاصد میں داخل ہے۔ یعنی انٹرویو ایک ایسا فن ہے جو انسان کے اندر سوئے ہوئے فن کار کی تلاش کرتا ہے۔

خود اعتمادی، صبر، ایثار، اخلاق، عادات و اطوار، ذہنیت، تہذیب و تمدن، اور رہن سہن کے طریقوں سے واقف کاری بھی انٹرویو کے مقاصد میں داخل ہے۔ مجموعی اعتبار سے انٹرویو ایک ایسا فن ہے جو انسان کے بیرونی، اندرونی، ماحولی، موروثی اور تہذیبی خیالات کو پڑھنے کے لئے منعقد کیا جاتا ہے۔ بعض انٹرویوز کے انعقاد کا مقصد تقریری، تحریری اور ذہنی صلاحیت کا جائزہ لینا ہوتا ہے۔ اور بعض انٹرویو جدت طبع، عام معلومات اور تاریخ و ادب سے دلچسپی کو جانچنے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں۔ قوی اور جسمانی حالات سے واقف کاری کے لئے بھی انٹرویوز کا انعقاد عمل میں آتا ہے۔

انسان کو سمجھنے اور اس کی شخصیت کی جانچ کے لئے بھی انٹرویو لئے جاتے ہیں۔ عام طور پر انٹرویو لینے کے متفرق وجوہات ہوتے ہیں۔ اعلیٰ خدمات کا جائزہ انسان میں "قوت فیصلہ" کی موجودگی اور ذہنی پختگی کو تلاش کرنا بھی انٹرویو کے غرض و غایت ہیں۔ کسی بھی عہدے پر مناسب امیدوار کے تقرر کی غرض سے انٹرویو منعقد کئے جاتے ہیں۔ اعلیٰ اور کارکرد امیدوار کو منتخب کرنا انٹرویو کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ چنانچہ اسی غرض سے آئی، اے، ایس، آئی، پی، ایس۔ آئی، ایف، ایس، انجینئرنگ سروس، آڈٹ و اکاؤنٹ سروس، میڈیکل سروس، فارسٹ سروس، ملٹری ایرفورس، نیوی اور سیکریٹریل سروس کے لئے انٹرویو منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ریلوے، نیکسٹائیل انفارمیشن، نشریات اور پولیس آبکاری کے عہدوں کے لئے بھی انٹرویو منعقد کئے جاتے ہیں۔

انٹرویو اس وجہ سے بھی بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ اس کے ذریعہ نوجوانوں اور طالب علموں کے ذہنوں کی رفتار اور ان کی دلچسپیوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انٹرویو کی ضرورت اور اہمیت امتیازی خصوصیت کو تلاش کرنے کی وجہ سے مزید بڑھ جاتی ہے۔ یعنی انٹرویو کے دوران ایسی خصوصیات کے فرد کی تلاش بھی کی جاتی ہے جو منفرد ذہن اور مختلف معاملات سے دلچسپی رکھتا ہو۔ عموماً انٹرویوز میں ایسے افراد ہی کامیاب ہوتے ہیں جو اپنے مستقبل کے بارے میں لائحۂ عمل اور زندگی گذارنے کا مقصد رکھتے ہوں یعنی باشعور زندگی گذارنے کے طلب گاروں کو

تلاش کرنے میں انٹرویو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

انٹرویو کا لفظ فرانسیسی سے انگریزی زبان میں رائج ہوا جس کے معنی باریابی یا باضابطہ ملاقات کے ہوتے ہیں۔ یہ لفظ اپنے اندر ایک وسیع معنی پوشیدہ رکھتا ہے۔ اردو زبان میں اس لفظ کا رواج انگریزی ہی سے مستعار لینے پر ہوا۔

انگریزی زبان میں لفظ انٹرویو دو الفاظ انٹر اور ویو کا مرکب ہے۔ لغت کے اعتبار سے انٹر کے معنی سابقہ یا مابین کے ہوتے ہیں جبکہ ویو کے معنی ملاحظہ یا مشاہدہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے انٹرویو درمیان مشاہدہ یا مابین ملاحظہ کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے انٹرویو کو باضابطہ ملاقات یا باریابی کے لفظ کو ادا کرنے کے لئے عام طور پر رواج دیا گیا ہے۔ انگریزی زبان میں انٹرویو کی تشریح اشخاص کی دوبدو ملاقات کے معنی میں کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے انٹرویو اصطلاحی اعتبار سے دو افراد کے بیچ خیالات اور سوال وجواب کا تبادلہ ہے۔

لغوی اعتبار سے لفظ انٹرویو صوتی آہنگ کو پیش کرتا ہے۔ جو انگریزی زبان کے اصول پری فیکس یا سابقہ کی نمائندگی کرتا ہے جس میں انٹر کا لفظ سابقہ کو پیش کر کے لفظ ویو کی حیثیت بڑھاتا ہے۔ اس طرح لفظ انٹرویو قواعد کی رو سے ایک سابقہ ہے۔

اصطلاحی اعتبار سے انٹرویو دو متفرق خصوصیات کے حامل افراد کے درمیان گفتگو کا نتیجہ ہے جس میں اعلیٰ ذہنیت والے افراد اپنے مدمقابل کو اپنے اصولوں کی روشنی میں جانچتے ہیں اور تبادلہ خیال کے ذریعہ موزوں اور باصلاحیت فرد کی نمائندگی کرتے ہیں۔

انٹرویو کے اشکال اور اصول میں یکسانیت کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ ہر انٹرویو کنندہ اپنے مطمح نظر سے فرد کو جانچنے کی کوشش کرتا ہے جس میں خیالات کا اختلاف ممکن ہے۔ لیکن رائے کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اعلیٰ ذہنیت رکھنے والے اور باصلاحیت افراد انٹرویو کنندہ کے اصولوں کے مطابق خود کے خیالات کو پیش کرتے ہیں اس لحاظ سے انٹرویو دہندہ اور انٹرویو کنندہ کے درمیان خیالات اور معلومات کا تبادلہ ہوتا ہے، جسے انٹرویو کنندہ سوالات کے روپ میں پیش کرتا ہے۔ جبکہ انٹرویو دہندہ انھیں جوابات کے انداز میں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مجموعی اعتبار سے انٹرویو وسیع انداز میں کارکردہ اور کارآمد فرد کی تلاش کا وسیلہ ہے جو ذہنوں کی تہہ تک پہنچنے کے لئے منعقد کیا جاتا ہے۔

منطقی اور استدلالی اعتبار سے انٹرویو واسطہ یا وسیلہ کا کام انجام دیتا ہے۔ جو فرد کی علمی اور عالمی تغیرات و تبدیلات کی دلچسپی کو پرکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ انٹرویو میں حاضر دماغی اور بذلہ سنجی کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ برمحل اور برمحل معاملات کو حل کرنے اور برجستہ اقدامات کرنے کی صلاحیتوں کو تلاش کرتے ہوئے انٹرویو کنندہ ایک ہی فرد میں متضاد کیفیات کی یکجہتی کو تلاش کرتے ہیں یعنی کسی فرد میں متعدد معاملات میں دلچسپی رکھنے کا ثبوت مل جائے تو ایسا فرد انٹرویو میں منتخبہ تصور کیا جائے گا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انٹرویوز میں شخصیت سے زیادہ کارناموں پر نظر رکھی جاتی ہے۔

اصول اور انداز کے اعتبار سے انٹرویو ہمہ جہتی ترقی کا نمائندہ ہے جس کے ذریعہ سائنس، عام معلومات، فنون لطیفہ، قواعد، اصول معاشیات، جغرافیہ، تاریخ اور سیاسیات جیسے علوم پر گفتگو کا آغاز کیا جاتا ہے۔ یعنی انٹرویو کے ذریعہ انسان کی قوت حافظہ، نظم و نسق چلانے کی صلاحیت، معاملات کو حل کرنے اور قوت اظہار کا جائزہ لے کر انٹرویو کی ہیئت کو جامع کیا جاتا ہے۔

انٹرویو کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی اصول کا پابند رہے۔ بلکہ مختلف الخیال افراد کے مختلف النوع سوالات کے جوابات دینا انٹرویو کی خصوصیت میں داخل ہے۔ اس لحاظ سے انٹرویو ایک ایسی ہیئت کی نمائندگی کرتا ہے جو عالمی تغیرات اور جدید تفکرات کا آئینہ دار ہے۔ یعنی انٹرویو جدید تقاضوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔

○○

(صفحہ ۱۴ سے آگے)

یہاں پڑھائی جاتی ہیں تاکہ یہاں سے فارغ التحصیل طلبہ اپنے آپ کو کسی سے کم نہ پائیں۔

سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسٹی ٹیوٹ کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ اس نے اپنے دیگر مقامات سے تعلیم حاصل کرنے کیلئے آنیوالے طلبہ کی رہائش کا بھی باقاعدہ انتظام کیا ہے۔ یہ طلبہ "انجمن اسلام جنجیرہ اسلامیہ بورڈنگ ہاؤس" میں قیام کر سکتے ہیں جہاں ان کے طعام کا بھی مناسب انتظام ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہوسٹل اور انسٹی ٹیوٹ کے درمیان فاصلہ بہت ہی کم ہے اور طلبہ ۱۰ منٹ میں پیدل چل کر ہوسٹل سے انسٹی ٹیوٹ پہنچ سکتے ہیں۔ ہاسٹل میں کم از کم ۴۰ طلبہ کے قیام اور طعام کا انتظام ہے۔

کھیل کود کے میدانوں کی یہاں کمی نہیں۔ اسکول کا بذاتِ خود میدان ہے اور پھر قریب ہی ساحلِ سمندر ہے جہاں کی فرحت بخش اور تازہ ہوا طلبہ کو ذہنی سکون بخشنے اور صحت مند رکھنے میں معاون ہے۔

●●

تبصرہ

تغزّل

خیاباں پبلیکیشنز، بمبئی کی دوسری پیشکش "تغزل" ہے جس کے مرتب محمد یوسف کھتری ہیں۔ جس وقت اسی ادارے کی پہلی پیش کش "غزلیات اقبال" منظرِ عام پر آئی اُسی وقت یہ خیال دل میں جاگزیں ہو چکا تھا کہ یہ ادارہ بڑی جانفشانی کے ساتھ ادبی شہ پاروں کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کر رہا ہے۔ اس خیال کو "تغزل" کی اشاعت نے یقین میں تبدیل کر دیا جس کے لئے خیاباں پبلی کیشنز کے رُوحِ رواں سید ظہیر عباس رضوی اور اس کے مرتب محمد یوسف کھتری قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان دونوں حضرات نے 'تغزل' پر بڑی محنت اور لگن کے ساتھ کام کیا اور اسے اس لائق بنایا کہ ہر خاص و عام میں مقبول ہو، ہر لائبریری کی زینت بنے۔

"تغزل" ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۳۲۲ صفحات پر منتخب غزلوں کا گلدستہ ہے، اور آخر صفحات (۳۲۳ تا ۳۲۸) پر اشاریہ ہے جو انڈکس کا کام بخوبی انجام دیتا ہے۔ کتابت، طباعت خوب ہے۔ اچھی قسم کا سفید کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت موجودہ دور کو مدِنظر رکھتے ہوئے صرف اکیس روپے ہے جو کسی بھی نقطۂ نظر سے گراں نظر نہیں آتی۔ 'تغزل' خیاباں پبلی کیشنز، ۵۰۱ نشان پاڑہ روڈ، دوسرا منزلہ، بمبئی ۹ یا مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسیس بلڈنگ، نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

"عرضِ مرتب" میں یوسف کھتری نے غزل کیا ہے، پر کچھ نہ کہنے پر بھی بہت کچھ کہا ہے اور قارئین کی اطلاع کے لئے ان شعراء کے اسمائے گرامی لکھ دیئے ہیں، جنھوں نے 'غزل' پر تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ حالانکہ اس کی ضرورت آج محسوس نہیں کی جا رہی ہے مگر اس بات کا یقین ہے کہ آئندہ نسل کے طلبہ ان اشاروں سے مستفیض ہو سکیں گے۔ آگے چل کر مرتب کا یہ کہنا کہ شعراء نے باوجود ان کی یاددہانی کے، باوجود تقاضوں کے کوئی اہمیت نہیں دی قابلِ افسوس بات ہے۔ کاش اس کے برعکس ہوتا!

"تغزل" مرتب کی پانچ سالہ کوشش کا نچوڑ ہے۔ جس میں انھوں نے نہ صرف منتخب غزلیں ہی شامل کی ہیں بلکہ ہر شاعر کا اصلی نام، تخلص، تاریخِ پیدائش اور مرحومین شعراء کی تاریخِ وفات بھی شامل کی ہے اور یہ دس پندرہ شعراء کی نہیں بلکہ ۱۷۲ شعراء کے بارے میں ہے جن کا منتخب کلام "تغزل" میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح کا کام بذاتِ خود ایک تحقیقی کام ہے جس میں جستجو اور شوق کا جذبہ نہ ہو تو ایسا ہونا، ناممکن نظر آتا ہے۔

"تغزّل" ولی گجراتی (دکنی) کی منتخب غزلوں سے شروع ہوتی ہوئی سراج اورنگ آبادی، میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، مرزا اسداللہ خاں غالب، شیخ امام بخش ناسخ، پنڈت برج نارائن چکبست کے ساتھ دورِ حاضر کے شعراء سید حسن کمال جاوید اور افتخار امام صدیقی تک پہنچتی ہے، جس میں قریب قریب ہر دور کے شعراء کا انتخاب بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ "تغزل" میں کچھ شعراء کا نام نہ پاکر تھوڑی سی حیرت ضرور ہوتی ہے مگر پھر مرتب کا کہنا کہ "اس انتخاب میں بعض ایسے غزل گو شعراء شامل نہیں ہیں جن کی شمولیت لازمی تھی اور اُن کی غیر حاضری خود میری نظر میں بھی قابلِ اعتراض ہے"؛ حیرت دور کر دیتا ہے۔

"تغزل" میں جہاں مرتب نے اتنی محنت کی اگر تھوڑی یا بہت اور محنت کر کے ہر شاعر کے حالاتِ زندگی مختصراً ہی سہی شامل کر دیئے جاتے تو اس کی موجودہ اہمیت اور بڑھ جاتی۔ ویسے غنیمت کا مقام ہے کہ ہر شاعر کا اصلی نام، تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات (مرحومین) شامل کی گئی ہے جو شاید کسی اور جگہ ملنا دشوار ہے۔

اردو غزل میں اس قسم کے منتخب مجموعہ کی ضرورت واقعی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جو "تغزل" کی اشاعت کے بعد پوری ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اس بات کا یقین ہے کہ ہر صاحبِ ذوق 'تغزل' سے لطف اندوز ہو سکے گا اور ہر اسکول یا کالج کی لائبریری 'تغزل' کو اپنے پڑھنے والوں کے لئے ضروری محسوس کر کے اس کے کئی نسخے محفوظ کر لے گی۔ (ر۔ا۔خ)

نئی کتابیں

لوحِ محفوظ	... علامہ سیماب اکبر آبادی	... ہدیہ	۲۰ روپے
کربِ خود کلامی	... اعجاز صدیقی	... ہدیہ	۱۲ ″
تغزّل	... مرتبہ: محمد یوسف کھتری	... ″	۲۱ ″
غزلیاتِ اقبال	″ : سید ظہیر عباس رضوی	... ″	۶/۵۰ ″
تنقیدی کشمکش	... باقر مہدی	″	۲۱ ″
شیش ناگ	... ریاض احمد خان	″	۳/۵۰ ″

مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ، پرنسس بلڈنگ، نزد جے۔ جے اسپتال، بمبئی ۴۰۰۰۰۳ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

محمد عثمان ادیبؔ اعظمی
چریاکوٹ، اعظم گڑھ، یوپی

دستک سی لگے ہے کبھی آہٹ سی لگے ہے
ہر وقت درِ ذہن پہ کھٹ کھٹ سی لگے ہے

جذبوں کو جگاتی ہے جواں جسم کی خوشبو
پھر آرزو لیتی ہوئی کروٹ سی لگے ہے

جملوں کی سجاوٹ ہے کہ ہونٹوں کی گھلاوٹ
ہر لفظ میں امرت کی ملاوٹ سی لگے ہے

اخلاص و مروت کے عوض رنج و عداوت
احباب کی باتوں میں بناوٹ سی لگے ہے

تسلیم! کہ ساقی کا کرم عام ہے لیکن
مجھ کو تو مرے جام میں تلچھٹ سی لگے ہے

یہ غم کی چبھن اُف یہ رہِ زیست کی الجھن
ہر سانس میں جینے کی تھکاوٹ سی لگے ہے

زنجیرِ درِ دل جو ہلاتی ہے حسیں یاد
احساس کے کمرے میں سجاوٹ سی لگے ہے

جب ہاتھ میں دیتا ہے کوئی نرم و خنک ہاتھ
دل اور کلیجے میں تراوٹ سی لگے ہے

انگور کی بیٹی کو کوئی منہ نہ لگائے
الھڑ سی لگے ہے بڑی منہ پھٹ سی لگے ہے

یہ آج حقیقت ہے بناوٹ نہ سمجھئے
ماتھے پہ ہر اک شخص کے سلوٹ سی لگے ہے

پھولوں کیلئے ادیبؔ نے دامن نہ پسارا
کانٹوں سے مگر اس کو لگاوٹ سی لگے ہے

• ایم۔ کوٹھیاوی راہیؔ
قاضی پورخورد، گورکھپور (یو۔پی)

گذرے ہوئے لمحوں کا اثر جائے برس لیں
آنکھوں سے کہو جھیل کی گہرائی میں بس لیں

آواز مری سن کے تری آنکھ نہ کھل جائے
چپ ہوں کہ مری یاس کے بازو تجھے کس لیں

چھوڑے ہوئے غاروں میں چلیں، درد کی لذت
بہتی ہوئی صدیوں سے بھی دو چار نفس لیں

یہ زہر بھرے ابر سیاہی کے یہ پیکر!
اے رات سلگتے ہوئے تاروں کو نہ ڈس لیں

گر جاتے ہیں راتوں کی نگاہوں سے بھی راہیؔ
ڈوبے ہوئے تاروں سے سبق اہلِ ہوس لیں

• عاجزؔ ہنگن گھاٹی

وہ ایک شخص جو تنہا سفر میں رہتا ہے
کمال یہ ہے کہ سب کی نظر میں رہتا ہے

تمام شہر سمجھتا ہے جس کو زندہ دل
وہ مردہ بن کے میرے ساتھ گھر میں رہتا ہے

وہ کون ہے جو پُراسرار جلتے خط کی طرح
کئی دنوں سے کھڑا دوپہر میں رہتا ہے

لگا کے جان کی بازی نہ جا تھہ دریا
وہ جوش دیکھ! جو موجوں کے سر میں رہتا ہے

وہ اس طرح میری آنکھوں میں قید ہے عاجزؔ
شکار جیسے شکاری کے گھر میں رہتا ہے

غزلیں

• حفیظ مالیگانوی
۸۴۹/۱۳، نیاپورہ وارڈ، مالیگاؤں (ناشک)

[اردو اکادمی کے زیرِ اہتمام منعقدہ مشاعرۂ عام کی ایک غزل]

خزانہ مہر و وفا کا عداوتوں سے مِلا!
یہ تحفہ مجھ کو کسی کی عنایتوں سے ملا

رہا نہ تنگیٔ داماں کا شکوہ سنج کوئی
وہ رنگ و نور چمن کی لطافتوں سے ملا

بھٹک رہی تھیں جو آوارگی کے صحرا میں
حقیقتوں کا پتہ ان حکایتوں سے مِلا

زمانہ جس کی طلب میں رہا تھا سرگرداں
مجھے وہ راہ گذر کی علامتوں سے مِلا

لہو لہان ہے چہرہ تو زخم زخم بدن
صِلہ نہ جانے یہ کِس کی رقابتوں سے ملا

نظر نواز ابھی اور بھی ہیں ستارے
سُراغ جن کا بھٹکتی شباہتوں سے مِلا

فضائے دہر میں گونجی تھیں جن کی صدیوں سے
جہانِ نو ہمیں ان ہی بشارتوں سے مِلا

وہ چہرہ جس کی تھی بے چہرگی اِک آئینہ
بہت بلند، کتابی عبارتوں سے ملا

حفیظ ملکِ سخن ہو کہ تاج آزادی
مِلا جسے بھی قلم کی بغاوتوں سے مِلا

• رحمان عباسی
تحصیل فتحپور، ضلع بارہ بنکی (یو۔پی)

رکھنا تھا کہاں اس کو اور تو نے کہاں رکھ دی
بازار میں کیوں لاکر اِک جنسِ گراں رکھ دی

جس شہر کا شیوہ ہو لڑ لڑ ہی کے مرجانا
نادان وہاں تو نے تجویزِ اماں رکھدی

اِک دل ہی کہاں کم تھا، پھر اس کی تمنائیں
اِک پھوس کے چھپّر میں کیوں برقِ تپاں رکھدی

قدرت کا عطا کردہ دستور ذرا دیکھو!
ناقوس دیا اک گھر کو اِک گھر میں اذاں رکھدی

یہ شہر ہے پتھّر کا سب لوگ ہیں پتھّر کے
رحمان کہاں تو نے شیشے کی دُکاں رکھدی

• نیاز بجلی نیاز
چوڑی محل، بالاپور

ہم وطن تھا، آشنا تھا، رات دن مِلتا تھا وہ
اُس میں کچھ باتیں تھیں ایسی اجنبی لگتا تھا وہ

لبِ تبسم ریز، آنکھوں میں نمی، دل داغ داغ
باتوں باتوں میں کِسی دن، گر کبھی کھلتا تھا وہ

معترف ہیں محفلیں، وہ محفلوں کی جان تھا
لوگ کیا جانیں کہاں، کِس حال میں رہتا تھا وہ

آج اُس کی خیریت بھی پوچھتا کوئی نہیں
سو طرف سے ہاتھ اُٹھتے، راہ جب چلتا تھا وہ

نیازؔ اس کی شخصیت میں تھی عجب سی اِک کشش
مُنہ سے اس کے پھول جھڑتے بات جب کرتا تھا وہ

وزیر اعظم، شری مرارجی دیسائی، پونے کے
نزدیک واگھولی میں بھارتیہ ایگرو - انڈسٹریز
فاؤنڈیشن کے چار کروڑ روپے کی مالیت کے
بائیو انجینئرنگ کمپلیکس کا معائنہ کر رہے ہیں۔
تقریر میں وزیر اعلیٰ، شری شرد پوار بھی دیکھے
جا سکتے ہیں۔

خبریں - تصویروں میں

وزیر اعظم، شری مرارجی دیسائی نے اُرالی کنچن
میں واقع قدرتی علاج آشرم میں بدیسی مریضوں
کا حال دریافت کیا اور قدرتی طریقۂ علاج
کی تاثیر کے بارے میں ان سے تبادلۂ خیال کیا۔

وزیر مملکت برائے سماجی بہبود، شریمتی
شانتی نائیک، نے حال ہی میں بین الاقوامی
سال برائے اطفال کے موقع پر کالاچوکی، بمبئی
میں واقع شیواجی شیکشنو تیجک منڈل کے
پرائمری اسکول کے طلبہ کی جانب سے منعقد
کی گئی ایک نمائش دیکھی۔ وزیر موصوفہ نے بچوں
کی فن کارانہ صلاحیتوں کی خوب تعریف کی۔
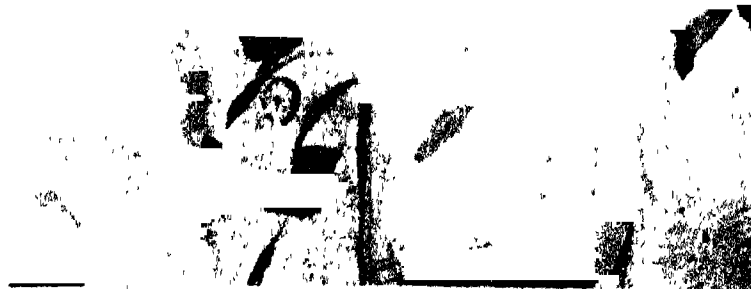
گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے ۲۴ مارچ کو رویندر ناٹیہ مندر، بمبئی میں مختلف میدانوں میں آٹھ مشہور و معروف فن کاروں کو ان کی نمایاں فن کاری پر مبارکباد دی۔ اعزاز پانے والے فن کے نام یہ ہیں:-

پرشوتم سامنت (ڈرامہ) خادم حسین خاں (موسیقی) گرہ دیارو تی کمار (رقص)، اشوک کمار (ہندی فلم) یمنا بائی دائیکر (تماشہ)، پانڈورنگ راؤ کھاڈیکر (شاہیری) سی رام چندر (موسیقی) اور دادا صاحب سالوی (مراٹھی فلم)

ان میں سے ہر فن کار کو ہدیہ تہنیت میں شال و ناریل نیز "مان چنہ" اور ۱۱۱۱ روپے کی رقم نقد پیش کی گئی۔ دادا صاحب سالوی علالت کے سبب تقریب میں شریک نہ ہو سکے جبکہ سی رام چندر بدیس تشریف لے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کی پتنی نے شوہر کی جگہ "مان چنہ" وصول کیا۔ وزیر برائے ثقافتی امور، شری سدانند وردے اور وزیر مملکت برائے ثقافتی امور شری ونائک راؤ پاٹل بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔

زیر نظر تصویر میں گورنر شری صادق علی نامی فلم اسٹار شری اشوک کمار کو ہدیۂ تہنیت پیش کر رہے ہیں۔

نائب وزیر اعظم و وزیر دفاع، شری جگ جیون رام نے ۲۵ مارچ کو ناگپور میں گاندھی گیٹ پر چھترپتی شیواجی مہاراج کے مجسمہ کی نقاب کشائی کی اس موقع پر لی گئی تصویریں شری جگ جیون رام کے ساتھ میئر ناگپور، شری سکھا رام چاہنڈے اور شری آر اے پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقی، قانون و عدلیہ اطلاعات و تعلقات عامہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

ریاستی دفتر لسانیات کی جانب سے "مراٹھی زبان کی ترقی کے مسائل" کے موضوع پر وڈی سلوا ہائی اسکول، دادر بمبئی میں ۲۸ مارچ کو ایک سمپوزیم منعقد ہوا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعلےٰ شری شرد پوار جلسہ سے خطاب کر رہے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کی دائیں طرف شری سدا نند وردے، وزیر تعلیم اور بائیں طرف پروفیسر رام جوشی، وائس چانسلر، بمبئی یونیورسٹی اور شری وائی۔ بی۔ چوان، ایم۔ پی دیکھے جا سکتے ہیں۔

شری سدا نند وردے، وزیر برائے تعلیم و ثقافتی امور کی صدارت میں ۲۵ مارچ کو رنگ بھون میں "۱۸ ویں ریاستی ڈرامہ مقابلوں" کی تقسیم انعامات تقریب منعقد ہوئی۔ شری بھالبا کیلکر، صدر آل انڈیا مراٹھی ڈرامہ کانفرنس نے انعامات تقسیم کئے۔ زیر نظر تصویر میں شری کیلکر، شری وسنت شہنائی کو بہترین ہدایت کاری پر انعام دے رہے ہیں۔ شری سدا نند وردے بھی اس تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

بین الاقوامی سال اطفال کے موقع پر کرلا ویلفیر سوسائٹی اور قطبی ویلفیر سوسائٹی کے اشتراک سے بچوں کے ایک طبی کیمپ کا انعقاد عمل میں آیا جس کا افتتاح ریاستی وزیر مملکت ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نے کیا۔ زیر نظر تصویر میں (بائیں سے دائیں) خورشید احمد (نائب صدر کرلا ویلفیر سوسائٹی) ڈاکٹر ٹنکی والا (جنرل سکریٹری) پروفیسر این۔ ایم۔ اے کوکنی والا (صدر کرلا ویلفیر سوسائٹی، وائس پرنسپل مہاراشٹر کالج) ڈاکٹر بیداریہ (مہمان خصوصی) حاجی ملا فخرالدین (صدر قطبی ویلفیر سوسائٹی) اور ڈاکٹر بھیوجی (چائلڈ اسپیشلسٹ) کو دیکھا جا سکتا ہے۔
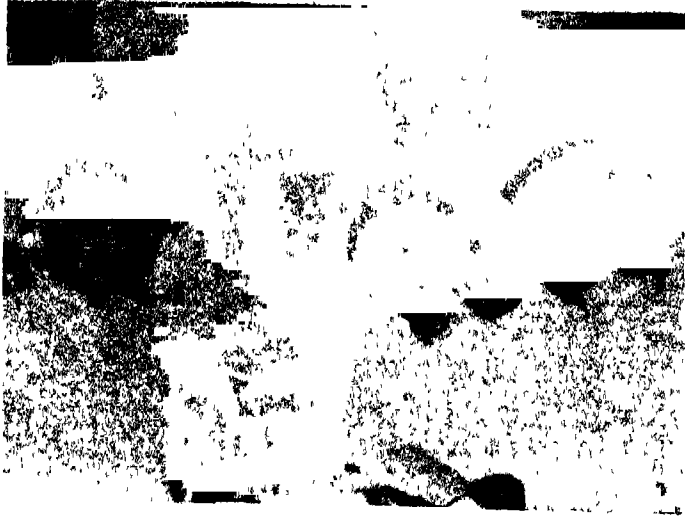
حال ہی میں ضلع احمد نگر میں کوپر گاؤں کے مقام پر ایک زراعتی نمائش ہوئی۔ اسکی افتتاحیہ تقریب میں، شری اتم راؤ پاٹل وزیر محصول نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ زیر نظر تصویر میں آپ سومیہ انڈسٹریز کے اسٹال کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔ آپ کے ہمراہ شری شنکر راؤ کالے، وزیر مملکت برائے امداد باہمی ڈاکٹر ستیش دیتا اور ضلع کلکٹر شری جیتکر بھی جاسکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے تعمیر مکانات و بہبود کول نے ۲۵ر مارچ کو اورنگ آباد میں حلقہ واری نمائش برائے اورنگ آباد کا افتتاح فرمایا۔ حلقہ جات کے صدر مقامات پر حلقہ واری نمائشوں کے انعقاد کی اسکیم کے تحت یہ آخری نمائش تھی جس میں تصویروں وغیرہ کے ذریعہ حلقہ کی ترقی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس تصویر میں وزیر موصوف نمائش دیکھتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ شری جی بی۔ راجپوت سنیئر اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف انفارمیشن، اورنگ آباد بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

(صفحہ 9 سے آگے)

ندیوں پر چھوٹے بند کی تعمیر (۳) امن کے دوران نوجیوں سے کھیتی کا کام اور اس میں مزید بہتری۔ (۴) زراعتی مویشیوں کی فراہمی کی خاطر گاؤکشی پر پابندی۔ (۵) کسانوں کی نوجوان نسلوں کی بری عادتوں سے حفاظت۔ یہ اور ایسی دیگر عملی باتیں ۱۸۸۳ء میں پھلے نے تجویز کیں۔ ہم خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں آج بھی ضروری ہیں یا نہیں۔ ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہئیے کہ ان چیزوں پر آجتک عمل کیوں نہ کیا گیا۔

مہاراشٹر کے دیہی کسانوں کی حالت تو اور بھی غیر تھی۔ وہ بیچارے ہمیشہ نام۔ نہاد رہنماؤں کے ہاتھوں پریشان ہوتے رہے۔ ان کی پریشانیوں کی داستان سنکر آنکھیں اشکبار ہو جائیں گی۔ اور دل میں بے رحم برہمنوں کیخلاف نفرت پیدا ہوگی جو ان کسانوں کی کم علمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ یہ صورت حال صرف مہاراشٹر میں ہی نہیں تھی۔ برہمنوں کے ذریعہ لوگوں کے استحصال کے واقعات دوسری جگہوں پر بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ اس ظالم طبقے کے خلاف پھلے کی بغاوت اسی پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے۔

گوکہ پھلے اعلےٰ تعلیمیافتہ نہ تھے اور اسی وجہ سے کہیں کہیں انھوں نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے لیکن لوگوں کے حالات زندگی کے بارے میں اور خصوصاً اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار طبقہ کی مظلومیت کا جو کچھ ذکر انھوں نے کیا ہے اس کا ایک ایک لفظ سچائی پر مبنی ہے یہ پھلے ہی تھے جنھوں نے لوگوں کی آنکھیں کھولی۔

پھلے نے اپنے طور سے بیحد کوشش کی لیکن ذات پات کی لعنت پھر بھی دور نہ ہوسکی۔ آج لوگ پھلے کی عزت کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ نو بدھسٹوں کا ایک نیا طبقہ وجود میں آیا جو آج بھی سماجی مساوات کے حصول کیلئے جدوجہد میں مصروف ہے۔ پھلے نے اپنے اقدامات کے ذریعہ پہل کی لیکن ان کے مقاصد کی تکمیل آج بھی باقی ہے۔

٭٭

آبپاشی پروجیکٹ

حکومت مہاراشٹر نے ریاست میں ۱۹ چھوٹے آبپاشی پروجیکٹوں کیلئے انتظامی منظوری دیدی ہے جس پر لاگت کا تخمینہ ۹۷۔ ۶۴۳۹ لاکھ روپے ہوگا۔

ضلع وار یہ پروجیکٹ اس طرح ہیں: ۔ ضلع رتناگیری۔ چورگے واڑی گھاس۔ دیول واڑی۔ چنبال، زاپڑے اور دالداد بھور۔

ضلع احمدنگر: ۔ ماتھ پھری، تھاناپور۔ اور کیلاپور۔ ضلع کولھاپور: ۔ پادرے اور ملہالے۔ ضلع پونے: ۔ بھوگلے اور پچھپری بدرک۔ ضلع سولاپور شیرپور، اور کملاپور، ضلع ناگپور: چنچ اور کھرلکی، ضلع دھولے: ۔ لانکلی بھوانی۔ ضلع تھانے: کمارے۔ ضلع بلڈانہ: ۔ دسر بیڑ اور ضلع سانگلی ڈاپلج

اسکے علاوہ احمدنگر میں ۶۹ء۱۱۰ لاکھ روپیہ کی مالیت کا دیل پار موہم آبپاشی پروجیکٹ بھی منظور کیا گیا ہے۔

دنیا اور اڑنا مدتی آبپاشی پروجیکٹ کے سلسلے میں حکومت نے مرکز کی منظوری کیلئے اپنی رپورٹ پیش کردی ہے۔

بڑے پیمانے کی صنعتوں کیلئے سیمنٹ

مہاراشٹر میں واقع حکومت ہند کے تحت رجسٹرڈ بڑے پیمانے کی صنعتوں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ جس ضلع میں قائم ہیں اپنی ضرورت کے مطابق تعمیری کاموں کیلئے سیمنٹ حاصل کرنے کیلئے وہاں کے ضلعی صنعتی مرکز کے جنرل منیجر سے رجوع کریں۔ بمبئی عظمیٰ میں واقع بڑے پیمانے کی صنعتوں کو چاہیئے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی درخواستیں جائنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (پی ایم آر) دھرما دیہ آیکتہ بھون، ڈاکٹر اینی بیسنٹ روڈ بمبئی ۲۵ کے پتہ پر بھیجیں۔

۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء تک درخواستیں مع (۱) ڈی، جی ٹی، ڈی رجسٹریشن نمبر (۲) چارٹرڈ انجینیرس آرکیٹیکٹ سرٹیفکٹ برائے ضرورت کے مطابق سیمنٹ اور (۳) جس کام کیلئے سیمنٹ درکار ہو اس حساب سے پیش کریں۔ ایسی یونٹیں جنہیں ۱۹۷۹ء کے پہلے سہ ماہی میں سیمنٹ الاٹ کیا جاچکا ہے انہیں بھی چاہیئے کہ وہ چارٹرڈ انجینیرس سے استعمال کا سرٹیفکٹ لے کر پیش کریں۔

کھیتی کیلئے قرضہ جات کی شرح میں کمی

حکومت مہاراشٹر نے بعض چھوٹے اور درمیانی کسانوں کو زرعی پیداوار کیلئے یکم جولائی ۱۹۷۸ء کو دیئے گئے کم مدتی قرضہ جات کی سود کی شرح میں کمی کردی ہے۔

مندرجہ ذیل دو درجوں کو دیئے گئے قرضہ جات سود سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کیلئے پرانے سود کی شرح بالترتیب ۴٪ اور ۷٪ تھی۔

قبائلی مضافاتی منصوبہ علاقے میں ادیباسی سیوا سوسائٹیوں کے ادیباسی ممبران جن کے کم مدتی قرضہ جات کی حد ۵۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے اور جو کہ ۵ ایکٹر سے زیادہ خشک اراضی نہیں رکھتے ہیں اور جن کی کھیتوں کے علاوہ سالانہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، اور قبائلی مضافاتی منصوبہ علاقہ کے علاوہ ابتدائی قرضہ جات سوسائیٹیوں کے ادیباسی ممبران جن کی کم مدتی قرضہ جات کی حد ۵۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے اور جن کے قبضے میں ۵ ایکٹر سے زیادہ خشک اراضی نہیں ہے اور جن کی زرعی آمدنی کے علاوہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سالانہ سے زائد نہیں ہے۔

سکھاتنکر کمیٹی کے ذریعے شناخت کردہ قحط سے متاثرہ علاقوں کی ۸۷ تحصیلوں کے کاشتکاروں کیلئے جن کے پاس پانچ ایکٹر سے زیادہ خشک اراضی ہے۔ لیکن ۷½ ایکٹر سے زیادہ نہیں ہے اور جن کی زرعی آمدنی کے علاوہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے زائد نہیں ہے ان کیلئے سود کی شرح ۱۱٪ سے کم کرکے ۴٪ کردی گئی ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ بالا تین درجوں میں نہ آنے والے کاشتکار جن کے پاس ۵ ایکٹر سے زائد خشک اراضی نہیں ہے اور زرعی آمدنی کے علاوہ ان کی دیگر آمدنی ۲۴۰۰ روپے سالانہ سے زائد نہیں ہے ان کیلئے بھی سود کی شرح میں کمی کردی گئی ہے اور قرضہ جات کی رقم پر ۷٪ کے بجائے ۴٪ سود ادا کرنا ہوگا۔

دواؤں کا گھپلا بے نقاب

فوڈ اینڈ ڈرگ اڈمنسٹریشن نے حال ہی میں لائسنس یافتہ ادویہ کے ڈیلروں سے وابستہ ایک انوکھے دواؤں کے گھپلے کو بے نقاب کردیا ہے۔ اس ایکٹ میں ایک ڈاکٹر اور ادویہ ساز فرم کی یونین کے سکریٹری بھی ملوث ہیں۔

اسپتال اور کارخانوں سے دوائیں چرانے کا یہ اپنی طرح کا پہلا واقعہ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ اس چوری میں تعلیم یافتہ لائسنس رکھنے والے ڈیلرز ڈاکٹران اور یونین لیڈر بھی ملوث پائے گئے ہیں۔

کرائم برانچ پولس کی مدد سے انتظامیہ نے بمبئی کے بھٹ بازار کے احاطہ پر چھاپہ مارکر شری اروند کمار لوجی بھائی ٹھکر اور شری بھوپت رائے گروعلا لال سیٹھ کو گرفتار کرلیا اور بڑی مقدار میں ان کے قبضہ سے ...۱۹۵ روپے

کی دواؤں پر قبضہ کر لیا۔

یہ دوائیں "ایم ایس ای، جی، بی سپلائی، ملازمین ریاستی بیمہ اسکیم"۔ حکومت مہاراشٹر، بے گروپ اسپتال، گجرات سرکار سپلائی اور سی جی ایچ ایس کیلئے تھیں۔

کافی مقدار میں کھلی گولیاں بھی ملی ہیں جو کہ دواساز کمپنیوں سے چرائی گئی ہیں۔ گولیوں پر لگے نشانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سی گولیاں ملٹی نیشنل فارماسیوٹیکل کمپنیوں سے چرائی گئی ہیں۔ اور دیگر دوائیں سرکاری اداروں سے چرائی گئی ہیں۔ تقریباً ۱۴۲ مختلف دوائیوں کے آئیٹم جن کی قیمت لگ بھگ ۱۳۶۰۰ روپے ہے، پر قبضہ کر لیا گیا۔

ڈاکٹران کو عام طور پر معیاری ادویہ کم نرخوں پر چاہیئے اور وہ بھی بغیر کسی بل کے۔ لہٰذا یہ چرائی ہوئی ادویات ڈاکٹروں کے پاس پہنچ جاتی تھیں۔

ڈرگ اینڈ کاسمیٹک ایکٹ اور قوانین کے تحت میڈیکل پریکٹیشنرز کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ ضرورت کی دوائیں کسی ڈیلر یا لائسنس یافتہ دواساز سے ڈرگ اینڈ کاسمیٹک ایکٹ قوانین بابت ۱۹۴۵ء کے تحت خریدیں۔

مذکورہ بالا واقعہ کا پتہ چلایا گیا اور یہ چھاپہ شری ایل۔ وی۔ دیکر، چیف انسپکٹر (آئی بی) اور ڈرگ انسپکٹر شری ایس، اے پاٹل، شری وی ڈی کدم، شری کے۔ وی نمبالکر، شری ٹی۔ ایس پاٹل مع شری ایس، اے جوان پولس سب انسپکٹر کرائم برانچ کنٹرول (ڈرگس) سی۔ آئی ڈی بمبئی کی نگرانی میں شری پی۔ این وادھیکر اسسٹنٹ کمشنر (آئی بی) اور شری این سی دنیکت جلیم کمشنر فوڈ اینڈ ڈرگ اڈمنسٹریشن بمبئی کی ہدایت پر مارا گیا۔

چھوت چھات کا قلع قمع پندرہ واڑہ

حکومت مہاراشٹر نے ۱۴ر اپریل سے یکم مئی تک چھوت چھات کے قلع قمع پندرھواڑہ منانے کا فیصلہ کیا ہے اس کیلئے دیہی علاقوں کو خاص طور پر فوقیت دی جائے گی۔ جہاں پر چھوت چھات کا دور زیادہ ہے تاکہ ان علاقوں سے کم سے کم مدت میں چھوت چھات کو ختم کیا جا سکے۔ متعلقہ افسران سے کہا گیا ہے کہ تمام عوامی مقامات مثلاً مندر، کنواں، دھرم شالہ، ہوٹل وغیرہ جو کہ اب تک ہریجنوں کیلئے بند تھے اب ان کے دروازے ان کے لئے کھولے جائیں۔

رضاکار ادارے اس بات کی جد و جہد کریں گے کہ امداد باہمی ہاؤسنگ سوسائٹیز سے پسماندہ طبقات کو مدد مل سکے۔

ان تقریبات میں ہریجنوں کے علاقوں میں سڑکوں کی تعمیر، عوامی جلسے پربھات پھیری، ہریجنوں کے علاقوں کی صفائی، اسپورٹس، نمائش کیرتن وغیرہ کے پروگرام شامل ہیں۔

ایم۔ بی بی۔ ایس کورس میں داخلہ
بارھویں جماعت کے طلبہ کیلئے رعایت

میڈیکل کونسل آف انڈیا کے از سر نو فیصلہ کے مطابق ۱۲ویں جماعت (یا دیگر لیاقتی امتحان) میں کامیاب ہونے والے طلبہ جنھوں نے انگریزی اور لیول پر لی ہے، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کورس برائے ۸۰-۱۹۷۹ء اور اسکے بعد بھی داخلے کے اہل قرار دیئے گئے ہیں۔ البتہ انہیں اپنے فرسٹ ایئر میڈیکل سال میں مقررہ کونسل کے مطابق انگریزی کے معیار تک پہونچنے کیلئے لازمی انگلش کی تربیت لینی پڑے گی۔

اس سے قبل یہ رعایت طلبہ کیلئے محض دو سالوں کیلئے یعنی ۷۸-۱۹۷۷ء اور ۷۹-۱۹۷۸ء کیلئے رکھی گئی تھی۔

میٹھے پانی فشریز اور ہارٹی کلچر پروجیکٹ کا افتتاح

شری وی، ایس پاگے، چیئرمین ضمانت روزگار کونسل نے ۸ر اپریل کو ضلع قلابہ میں ناگوٹھا مقام پر میٹھے پانی فشریز اور ہارٹی کلچر پروجیکٹ کا افتتاح کیا۔

شری پی، ایل پاٹل وزیر مملکت برائے ڈیری فشریز اور کھار اراضی نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ ۲ لاکھ کے اس پروجیکٹ کو گرام وکاس پرتستھان نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔

اس پروجیکٹ کا مقصد میٹھے پانی میں فشریز، پھلوں اور ترکاریوں کی اعلےٰ اقسام کی تیاری ہے عوامی اقدام برائے ترقیات (مہاراشٹر) نے اس پروجیکٹ کی تکنیکی چھان بین کے بعد اسے قبول کیا ہے۔

ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ۸۳۰۰۰ روپے اس اسکیم کیلئے منظور کئے گئے اور باقی کی رقم عوامی اقدام برائے ترقیات کی مدد سے گرام وکاس پرتستھان مکمل کریگا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری پاگے نے مقامی ملازمین کی کوششوں کو سراہا اور اس پروجیکٹ کے مقاصد میں کامیابی کیلئے مکمل تعاون کی اپیل کی۔

وزیر مملکت شری پی۔ ایل پاٹل نے فرمایا کھار اراضی کے تحفظ کیلئے تمام اخراجات ریاستی حکومت برداشت کریگی۔ انہوں نے مزید کہا کہ اس پروجیکٹ سے ضلع کی زرعی ترقی کو کافی امداد ملے گی۔

اس سے قبل شری وائی، دی، آپادھیائے سرپنچ گرام پنچایت نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا شری اے ایس بھیسے، صدر گرامین وکاس پرتستھان نے شکریہ ادا کیا۔

پسماندہ طبقات ہاؤسنگ اسکیم

پسماندہ طبقات ہاؤسنگ اسکیم کے تحت مالی امداد دینے کی غرض سے آمدنی کی حد پر حکومت مہاراشٹر نے نظرثانی کردی ہے یہ اقدام حکومت نے پسماندہ طبقات سوسائٹیوں اور رضاکار انجمنوں کی نمائندگی کے سبب کیا۔

تبدیل شدہ خاندانی آمدنی کی حد جسکے ساتھ پرانی حد قوسین میں ہے ماہانہ اسطرح ہونگی۔ میونسپل کارپوریشن علاقوں میں ۸۰۰ روپے (۵۰۰) میونسپل علاقوں (کارپوریشن علاقوں کے علاوہ) ۵۰۰ روپے (۳۰۰) اور دیہی علاقوں میں ۴۰۰ روپے (۲۵۰) ماہانہ۔

ریاستی حکومت کی جانب سے بانڈز کی ضمانت

مہاراشٹر اسٹیٹ فائنانشیل کارپوریشن کی جانب سے جاری کردہ ۵۰ء۱ کروڑ روپے کے بانڈز سے متعلقہ اصل رقم کی باز ادائیگی اور ۶½% فیصد سود کی ادائیگی کی، انکم ٹیکس سے تخفیف کے شرائط کیساتھ حکومت مہاراشٹر نے ضمانت دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

حکومت نے ۵۰ء۱ کروڑ روپے سے زائد ۱۰ فیصد رقم تک ہر ¼6% سود کی ادائیگی کی ضمانت دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔

اس واجب الادا ضمانت کے ½ حصہ کی ادائیگی میں گوا، دمن اور دیو کی حکومت بھی شریک ہوگی۔

مراٹھواڑہ سے

جالنہ میں خاندانی بہبود کا کامیاب کیمپ

جالنہ میں ۱۶ مارچ تا ۱۸ مارچ خاندانی بہبود سے متعلق ایک کیمپ منعقد ہوا جسمیں ۲۵۱ خواتین کے کامیاب آپریشن کئے گئے۔ بمبئی کے عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر مسٹر پاریکھ نے اس کیمپ میں بہت دلچسپی لی اس دوران خواتین کو حکومت کی جانب سے ساڑیاں اور انعامی رقم تقسیم کی گئی۔

اورنگ آباد میں ہندوستانی پیتھالوجسٹس اور مائیکروبیالوجسٹس کی پہلی ریاستی کانفرنس

ہندوستانی پیتھالوجسٹس اور مائیکروبیالوجسٹس کی پہلی ریاستی کانفرنس اورنگ آباد میڈیکل کالج میں مورخہ ۲۴ مارچ کو منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح مراٹھواڑہ کے وائس چانسلر شری بی۔ آر بھونسلے نے کیا اس کانفرنس میں تقریباً ۱۰۰ ریسرچ اسکالرس نے شرکت کی۔

اورنگ آباد میں بین الاقوامی یوم جنگلات کے موقع پر محکمہ جنگلات کی جانب سے مختلف تقاریب

ضلع اورنگ آباد میں ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ء کو انٹرنیشنل فاریسٹ ڈے بہت ہی اہتمام کے ساتھ منایا گیا۔ انٹرنیشنل ڈے کے زیر اہتمام اورنگ آباد میں "فرینڈس آف دی ٹری" بورڈ قائم کیا گیا۔ بورڈ کے صدر مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے باٹنی ڈیپارٹمنٹ کے صدر ڈاکٹر او۔ ایم۔ پائی مقرر کئے گئے۔ اس بورڈ کے فرائض ہیں کہ وہ مختلف طریقوں سے عوامی حلقوں میں درختوں سے محبت کے جذبے کو ابھاریں اور عوام کو تلقین کریں کہ وہ ہر اہم موقع پر بطور یادگار ایک درخت لگائیں اور اسکی پرداخت کریں۔

دیہی وسعتی جنگلات پروگرام کے تحت جالنہ کے رام مورتی، دیو مورتی گاؤں میں گائیران ۵۰ ہیکٹر زمین پر شیشم، سرس، نیم، بیر وغیرہ کے ۲۹ ہزار درخت لگائے گئے ساتھ ہی ساتھ گھاس کے ۵۰ ہزار چھوٹے روپ بھی لگائے گئے۔

قارئین کے لئے ضروری اعلان:

ہماری یہ خواہش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافہ کے خیال سے "سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلہ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵واں منزلہ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

لذشتہ جولائی میں شری شرد پوار کی قیادت
میں ترقی پسند جمہوری محاذ کی نئی حکومت
ریاست مہاراشٹر میں قائم ہوئی۔ ادیباسیوں
اور پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کی
ماطر اس نئی حکومت نے کئی اہم اور
مؤثر اقدامات کئے ہیں۔

ادیباسیوں کیلئے تعمیر کردہ جھونپڑے۔

"ایک گاؤں ایک پنگھٹا" تحریک
نے چھوت چھات کا کافی حد تک
خاتمہ کردیا ہے
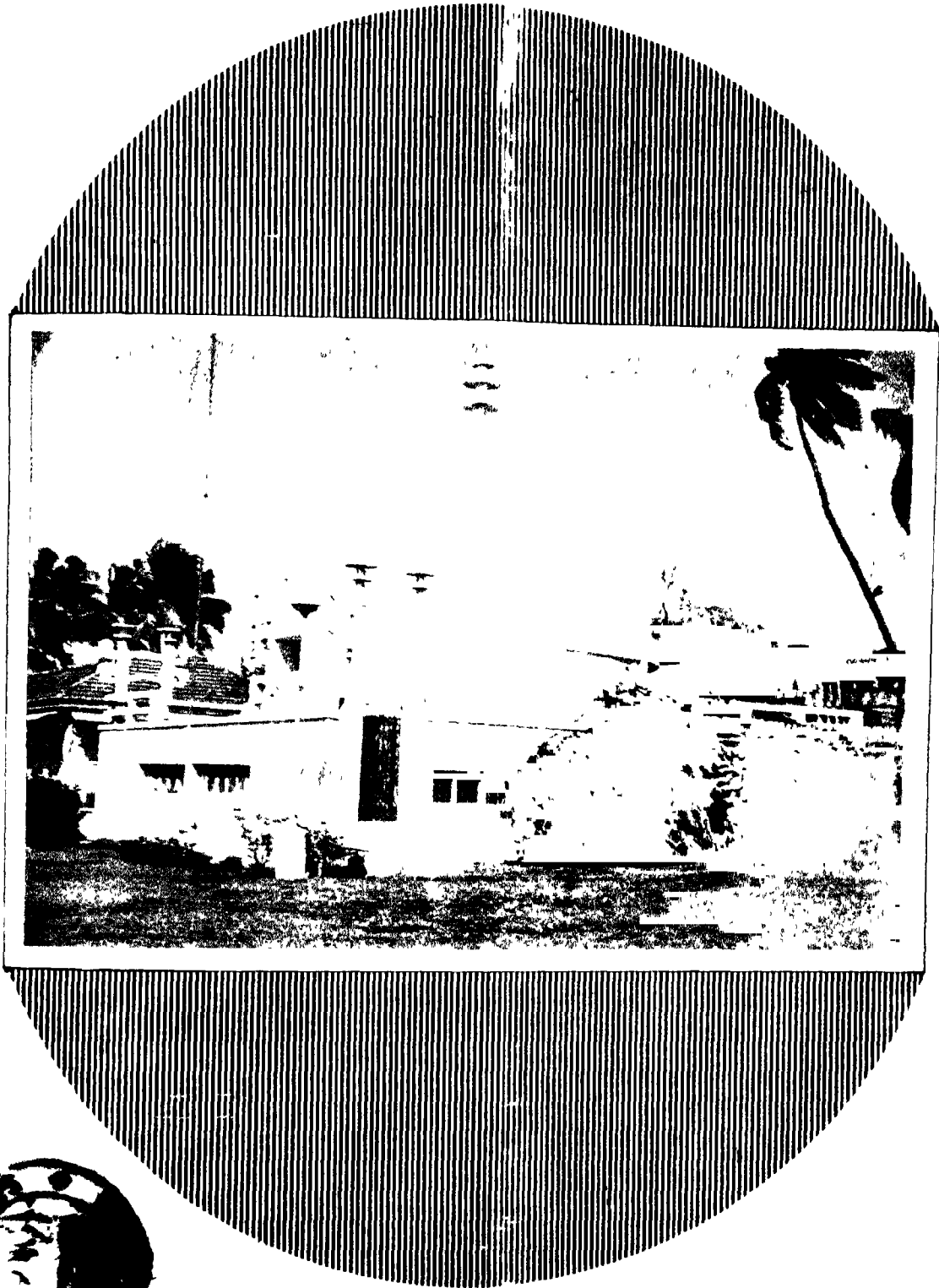
قومی راج

دوم مہاراشٹرا خصوصی نمبر مئی ۱۹۷۹ء

قیمت [illegible] پیسے

پنڈھرپور (ضلع سولاپور) میں چندربھاگ ندی پر حال ہی میں تعمیر شدہ پُل جو "وِٹھوبا" کے درشن کے لئے آنے والے یاتریوں کے لئے ایک نعمت ہے۔
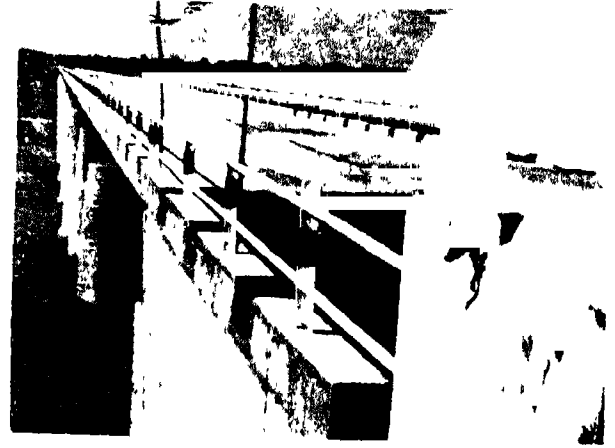
ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت، دیہی علاقوں ۔ رسائی، تالاب، چھوٹی آبپاشی، تحفظِ اراضی، نالہ بندی اور درخت کاری وغیرہ جیسے کاموں کے ذریعے بیروزگاروں کو روزی مہیا کی جاتی ہے۔ زیرِ نظر تصویر میں اس قسم کا ایک چھوٹی آبپاشی کا کام جاری ہے

ممبئی ہاؤسنگ، ریپیرس اینڈ ری کنسٹرکشن بورڈ نے ممبئی میں پُرانی عمارتوں کی مرمّت اور تعمیرِ نو کے لئے ایک زبردست پروگرام شروع کیا ہے۔ زیرِ نظر تصویر میں 'کری روڈ' پر ایک نئی تعمیر شدہ بلڈنگ "تریوینی سدن" دیکھی جا سکتی ہے۔

ایرلا واڑی درمیانی سینچائی پروجیکٹ کے ذریعہ نہ صرف ضلع ستارا میں زمین سینچی جاتی ہے بلکہ یہ ماہی گیری کی ترقی میں بھی بڑا معاون ہے۔ زیرِ نظر تصویر میں منصوبہ کے تحت حاصل ہونیوالی مچھلیاں ٹرک پر لاد کر فروخت کیلئے بھیجی جا رہی ہیں۔

یوم مہاراشٹر ۱۹۷۹ء خصوصی نمبر

قومی راج

جلد نمبر ۶ ٭ شمارہ نمبر ۹

۱۰ مئی ۱۹۷۹ء

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ٭ فی کاپی: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبد الغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

چیف ایڈیٹر: ایم - ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر: ریاض احمد خاں
سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

قارئین نوٹ فرمالیں:
• قومی راج کا اگلا شمارہ ۲۵ مئی اور ۱۰ جون کا مشترکہ شمارہ ہوگا

• محمد رضی الدین معظم

۸۶۴ - رحیم منزل، شاہ گنج، حیدرآباد ۲

"قومی راج" کا تازہ شمارہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء "سُورداس نمبر" پاکر دلی مسرت ہوئی۔ بھائی جان! کیا آپ کے ہاتھ میں ید بیضیٰ ہے جو اس قدر شاندار نمبر نکال سکنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں؟ اس سے قبل "جنگلی جانور نمبر" دیکھ کر دل سے دعا نکلی تھی۔ ہر نمبر پہلے سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ ہر شمارہ کو اس عمدگی و نفاست سے پیش کرتے ہیں کہ دشمن بھی ہو تو 'واہ، واہ!' کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ زندگی میں زندگی چاہیئے تو محنت کرنا سیکھو۔ اس دور میں آپ کی یہ بے لوث خدمات تاریخ اُردو ادب میں زرّیں حروف میں لکھی جائیں گی .... زیرِ نظر شمارہ میں ان گرانقدر قلمکاروں کے قابل قدر نقوش جلوہ گر ہیں جس پر اُردو زبان ناز کرتی ہے۔ سور ساگر، سور داس کا رنگ و درشن، سور داس اور اکبر، بھگتی اور سور داس، خوب ہیں۔

اُمید ہے، میرا محبوب "قومی راج" ہر منزل میں ایسی ہی یادگار قائم کرتا جائے گا۔

• محبوب راہی - نزد گلزاری مسجد، بارسی ٹاکلی، (ضلع اکولہ)

'قومی راج' کا "مراٹھی ادب نمبر" اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے ایک دستاویزی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ مہاراشٹر میں مراٹھی زبان کی اہمیت کے پیشِ نظر مراٹھی ادب پروری۔ ڈی کالکرنی، آر۔بی جوشی اور اشفاق احمد کے مضامین خاصے کی چیزیں ہیں۔ گوندا گرج کی مراٹھی نظم کا ترجمہ بدیع الزماں خاور نے ایسی فنکارانہ چابکدستی سے کیا ہے کہ اُردو ہی کی تخلیق لگتی ہے۔ کامل چاندپوری کی نظم "ممبئی" بے حد کامیاب، اچھوتی، سبق آموز اور اثر انگیز ہے۔ سیکھنے والوں کے لیئے اس میں عبرت کے بھی سامان ہیں۔ "بھگوت گیتا" کی مقدس تصاویر نے اس شمارے کی افادیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ درمیانی صفحہ کی تصویر ہندو بھائی فریم کروا کر اپنے گھروں میں لگا سکتے ہیں۔

جگن ناتھ آزاد صاحب نے اپنے عہدِ جوانی کے ساتھیوں کا تذکرہ کر کے نہ جانے کتنوں کو ماضی کی طرف جھانکنے پر مجبور کیا ہو گا۔ سردار عرفان صاحب نے مخطوطات کی ادب میں اہمیت کو کامیابی سے واضح کیا ہے۔ 'سلیمان خطیب' پر ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کا مقالہ مختصر لیکن اثر آفریں ہے۔ 'اسرارِ زمین' سائنس کے نئے اور دلچسپ گوشے قارئین کے سامنے اُجاگر کرتا ہے

اس مرتبہ غزلوں کی تعداد نسبتاً کم ہے لیکن ان کے معیار نے اس کمی کا ازالہ کر دیا ہے۔ ظفر گورکھپوری، بلراج حیرت اور قاضی حسن رضا کی جدیدیت اور عصری تقاضوں کی ترجمان تینوں غزلیں شاہکار کہلانے کی مستحق ہیں۔

ایسا کامیاب اور متنوع شمارہ پیش کرنے پر مُبارکباد قبول فرمایئے۔

• اختر الاسلام - ہفت روزہ 'میرٹھ میلہ'

۱۵۸ - شاہ پیتھن، میرٹھ ۲ (یوپی)

۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء، ۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء اور ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء کے تین خاص نمبر۔ مراٹھی زبان و ادب، جنگلی جانور، اور سور داس۔ آپ کی ادبی خدمات کی عکاسی کرتے ہیں اور تینوں ہی حرزِ جاں کیے جا سکتے ہیں۔

مراٹھی ادب نمبر کے ذریعہ آپ نے مراٹھی زبان و ادب سے اُردو کا دامن بھرا۔ جنگلی جانور نمبر شائع کر کے آپ نے ملک کے طول و عرض میں پائے جانے والے چرند، پرند اور درندوں و رینگنے والے جانوروں کے بارے میں نئی نئی معلومات فراہم کی۔ اور "سُورداس نمبر" کے ذریعہ آپ نے موجودہ اخلاقی قدروں کے تحفظ کی جہت میں ایک حوصلہ افزا قدم اُٹھایا۔

آپ کی اس طرح کی مساعی آپ کی وسیع القلبی، وسعت نظری، قومی یکجہتی، لسانی اور مذہبی رواداری کو ایک نئی سمت بخشتی ہیں اور اسی سے پوری ہندوستانی قوم کی نمائندگی ہوتی ہے جس میں مختلف فرقوں، مذہبوں، آئیڈیالوجیوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شانہ بشانہ مل کر ترقی کی طرف گامزن ہیں۔

ہر نمبر اپنی جگہ انفرادی پذیرائی کا مستحق ہے۔ کتابت، طباعت، تزئین اور قیمت کے لحاظ سے ہر نمبر لاجواب ہے۔ میری طرف سے مُبارکباد قبول فرمائیں۔

عبدالجبار پٹیل - ۱۶۷ - ۱۶۵، سموئیل اسٹریٹ، مسجد، ممبئی ۹

'قومی راج' کے ۱۰ جنوری ۱۹۷۹ء کے شمارے میں سلمان ہاشمی صاحب کے شمس کنول صاحب کے مضمون پر کیئے گئے اعتراضات حلق سے نہیں اُترے اگرچہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ شمس صاحب اپنے مضامین کو دلچسپ بنانے کیلئے نیم علمی اور نیم روایتی یا اساطیری مواد کا استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کا یہی آرٹ ٹھوس علمی یا خشک مضامین کی بہ نسبت ان کے مضامین کا شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ شمس صاحب کا سانپوں سے متعلق مضمون قارئین کے لئے غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے۔

فخرِ قوم و وطن چھترپتی شیواجی مہاراج

• قاضی تاج الدین تاج اورنگ آبادی
۱۔اے، جامع مسجد، ایس۔ وی روڈ
باندرہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۵۰

مرہٹہ قوم کی بیدار قسمت
عظیم الشان شیواجی کی عظمت
وطن پرور غریبوں کا معاون
شریروں کی تھی توڑی جس نے قوت

سمجھتا تھا وہ سب کو بھائی بھائی
تعصب سے تھی اُس کو دل سے نفرت

مُسلماں بھی تھے اس کے معتمد خاص
مسلماں سے تھی اُسکو خاص الفت

مساجد کی حفاظت کی ہے اُس نے
تھی درگاہوں سے بھی کامل عقیدت

وہ انساں کی خدائی کا تھا دشمن
اُسے تھی خاص آقائی سے نفرت

مرہٹہ قوم ہے خود دار بے حد
یہ شیواجی نے پیدا کی حمیت
مرہٹوں کو نہیں نفرت کسی سے
مرہٹوں کی مثالی ہے محبت

پرستارِ وطن سچا مرہٹہ
اُسے جھوٹی بناوٹ سے ہے نفرت

زمانہ جس قدر آگے بڑھے گا
شیواجی کی بڑھے گی اور عظمت

وطن گہوارۂ امن و اماں ہے
شیواجی کا یہی روشن نشاں ہے

تصویرِ اتحاد

• ڈاکٹر نایاب لکھنوی
مالیگاؤں

آپس کا میل جول بڑھاتے رہیں گے ہم
تصویرِ اتحاد دکھاتے رہیں گے ہم

جس سے دلوں میں پیدا ہو ہمت بھی جوش بھی
وہ نغمۂ زندگی کا سناتے رہیں گے ہم

مل کر رہیں گے خوشۂ انگور کی طرح
ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملاتے رہیں گے ہم

غفلت برت رہے ہیں جو فرضِ وطن کے ساتھ
یاد اُن کو اپنا فرض دلاتے رہیں گے ہم

روشن ہے یوں تو برسوں سے ہندوستاں کا نام
اور اس میں چار چاند لگاتے رہیں گے ہم

سب کے لئے کھلا ہے، ترقی کا راستہ
اس راستے پہ چلتے چلاتے رہیں گے ہم

اپنی نوائے گرم سے زندہ دلی کے ساتھ
ہر انجمن میں رنگ جماتے رہیں گے ہم

باقی رہے گا غم کا اندھیرا کہاں تلک
مہر و وفا کی شمع جلاتے رہیں گے ہم

غربت بھی پل رہی ہے جہالت کے ساتھ ساتھ
دونوں کو جس طرح ہو مٹاتے رہیں گے ہم

کل سے زیادہ آج ضروری ہے ایکتا
یہ نعرہ ہر فضا میں لگاتے رہیں گے ہم

نایاب دوسروں کی مسرت کے واسطے!
اپنی خوشی کے پھول لٹاتے رہیں گے ہم

اصل حکمراں خود عوام

وزیر اعلیٰ کا 'یومِ مہاراشٹر' پر پیغام

شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے 'یوم مہاراشٹر' کے موقع پر اپنے پیغام میں عوام کو اس بات کی یقین دہانی کی کہ ریاست کی تشکیل کے موقع پر جو رہنما اُصول وضع کئے گئے تھے، ریاستی حکومت ان پر معینہ مدت کے اندر عمل درآمد کرے گی اور اس طرح وعدوں کو پورا کرے گی۔ ریاست کے ایسے علاقوں پر جہاں زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے ریاستی حکومت ان کی ترقی کی بدستور سعی کرے گی اور یہ احساس کہ وہ عدم توجہ کا شکار رہیں ختم کر دیا جائے گا۔

شری پوار نے اس بات کی اُمید ظاہر کی کہ ریاستی حکومت عوام کے تعاون سے مستحکم اور خوش حال مہاراشٹر کے خواب کو سچائی میں بدلنے میں کامیاب ہوگی۔

نئی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ۴۰ نکاتی پروگرام پر عمل درآمد کریگی تاکہ مقررہ مدت میں عام لوگوں کے حالاتِ زندگی میں سُدھار پیدا کیا جاسکے۔ اور انھیں اس بات کا احساس دلایا جاسکے کہ اصل حکمراں وہ خود ہیں اور اختیارات کا مقصد یہی ہے کہ وہ صرف ان کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کئے جائیں۔

وزیر اعلیٰ کے پیغام کا متن حسبِ ذیل ہے:

"میں مہاراشٹر کے عوام کو تشکیلِ مہاراشٹر کی ۱۹ ویں سالگرہ کے موقع پر دلی مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آج سے ۱۹ سال قبل اسی دن پنڈت جواہر لال نہرو کی موجودگی میں مہاراشٹر ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت اس بات کی یقین دہانی کی گئی تھی کہ ریاست کے تمام علاقوں کے لوگ ذرائع خوشحالی میں برابر کے شریک ہوں گے اور انھیں ترقی کے یکساں مواقع فراہم ہونگے۔ اس وقت فطرتاً عوام کے دلوں میں فخر، اپنائیت اور خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہوا تھا اور انھوں نے بہت کچھ اُمیدیں وابستہ کی تھیں، اس وقت یہی رہنما اصول بنائے گئے تھے تاکہ مختلف علاقوں کی توسیع و ترقی کے میدان میں عدم توازن کو دور کرکے خوشحالی کے لئے تمام لوگوں کو یکساں مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ چنانچہ کئی پروگرام وضع کئے گئے اور سرکار نے ان پر عمل درآمد کرنا شروع کیا۔ لیکن اسی وقت مہاراشٹر کے سربراہ کو ملک و قوم کے تحفظ کی خاطر مرکز میں بڑی کٹھن اور بھاری ذمہ داری اٹھانے کے لئے بلا لیا گیا۔

اس طرح اس وقت قیام ریاست پر کئے گئے دیرینہ وعدے وفا نہ ہوسکے۔ بہر حال مہاراشٹر کے خود دار عوام نے ایسے حالات میں روایات کے مطابق بیداری اور اتحاد کا ثبوت دیا اور ریاست کے نام و وقار کو برقرار رکھا۔ جمہوری قدروں میں ان کا ایمان ہمیشہ اٹل رہا۔ ایسے وقت میں جب ہمارے ملک میں جمہوریت کو خطرہ لاحق تھا۔ مہاراشٹر کے لوگوں نے آمرانہ رجحانات کی سخت مزاحمت کرکے ایک مرتبہ پھر اپنا لوہا منوالیا۔ اسی عزم و استقامت کے ساتھ پروگریسیو ڈیموکریٹک فرنٹ نے دس ماہ قبل حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔

نئی حکومت کا واحد مقصد عوام کی فلاح و بہبود نیز مذکورہ رہنما اصولوں کی پیروی کرنا اور ان کو عملی جامہ پہنانا ہے جو ریاست کی تشکیل کے وقت بنائے گئے تھے، نئی حکومت ان وعدوں کو پورا کرنے کی یقین دہانی کرتی ہے۔

عنانِ حکومت سنبھالتے وقت نئی حکومت نے اس بات کا مصمم ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے منصوبوں پر عمل پیرا ہوکر لوگوں کے دلوں سے مایوسی اور بے توجہی کے احساس کو ختم کردے گی۔ اور اسی لئے نئی حکومت اپنے ۴۰ نکاتی پروگرام پر عمل پیرا ہے جس سے اُمید کی جاتی ہے کہ مقررہ عرصہ میں عام آدمی کے رہن سہن میں خاطر خواہ ترقی ہوگی۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ بہت کم عرصے میں فلاح و بہبود کے مختلف پروگراموں پر عمل درآمد کیا گیا جس کا عوام پر خاطر خواہ اثر بھی پڑا ہے آج ۳۵ لاکھ ادیباسی سود سے مُبرا قرضہ جات حاصل کر رہے ہیں۔

مہاراشٹر میں زیادہ تر لوگ زراعت پیشہ ہیں جو مسلسل مقروض رہنے و زرعی پیداوار کی غیر منافع بخش قیمتوں کی وجہ سے اکثر پریشان رہتے تھے حکومت نے ان

کے مالی تعاون کیلئے اقدام اٹھائے اور قرضہ جات کی منظوری کے سلسلے میں چھوٹے زمین کے مالکان کو سُود کے سلسلہ میں رعایت دی ہے۔ اس کے علاوہ قحط سے متاثرہ علاقوں کے کسانوں کو بھی یہ رعایت حاصل ہے۔

بجلی کی قیمتوں کی شرح میں کمی کر دینے کی وجہ سے ۵ لاکھ کسانوں کو فائدہ ہوا ہے۔ مختصراً گذشتہ دس ماہ کے دَوران کسانوں کیلئے ۱۶۸ کروڑ روپے کی رقم راحت کے مختلف کاموں اور رعایتوں پر صرف کی گئی۔

قرضہ جات، کی رعایت سے ۹،۵۰ لاکھ چھوٹے کسانوں میں سے ۲۵،۷ لاکھ کسانوں کو فائدہ ہوا جنھوں نے امداد باہمی سوسائیٹیوں سے قرضہ جات حاصل کئے تھے۔ مہاراشٹر نے نہ صرف قومی سطح پر جدوجہد کی ہے بلکہ دیگر ریاستوں کے مقابلے میں زرعی پیداوار کی قیمتوں کو استحکام اور کسانوں کو اپنے بقایاجات دینے کی مدت میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر قرضہ جات کے سود کے معاملے میں رعایت بخشی ہے۔ نئے قرضہ جات کی منظوری میں بھی رعایت رکھی گئی ہے۔

مختلف ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ کی میٹنگ بُلائی گئی تھی جس میں اتفاق رائے سے مختلف نکات کو حل کیا گیا۔ مجھے یقین ہے کہ مہاراشٹر میں زراعت کاشتکاروں کی بھلائی کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں ان کا نتیجہ اچھا برآمد ہوگا جس سے نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پُورے ملک کو فائدہ ہوگا۔

حکومت نے اس بات میں بھی پہل کی ہے کہ زرعی پیداوار پر منافع بخش قیمت مقرر کرے۔ ساتھ ہی ساتھ کپاس پیدا کرنے والے کسانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، اور ان کے لئے ایگریکلچرل پرائز کمیشن کے ذریعے مقرر کردہ قیمتوں سے کہیں زیادہ قیمتیں مقرر ہوئی ہیں۔

ریاست میں اجارہ داری کپاس حصولیابی اسکیم کی کامیابی کی وجہ سے دیگر ریاستوں کے کپاس پیدا کرنے والے کاشتکاروں نے بھی اس قسم کی اسکیم جاری کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ وہاں کی حکومتوں نے بھی اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ ۵ ماہ کی قلیل مدّت کے دوران ۷،۴ لاکھ کوئنٹل کپاس کی خریداری کی گئی اور حال ہی میں برآمد بھی شروع کر دی گئی ہے۔

حکومت نے بے زمین مزدوروں کی اقل ترین شرح اُجرت میں بھی اضافہ کر دیا ہے جو کہ صرف کاشتکاری کرتے ہیں۔ اس طرح ان کے پیشہ کا وقار بڑھا ہے۔ ایک خصوصی معائنہ مشنری وضع کی گئی ہے جو کہ ان مزدوروں کی اُجرت کا جائزہ لیتی ہے کہ انھیں ٹھیک طور پر معاوضہ دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم نے سب سے زیادہ اہمیت ضمانتِ روزگار اسکیم (ای جی ایس) (ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم) کو دی ہے۔

ملازمت کی ضمانت کے لئے قانون وضع کر کے مہاراشٹر دُنیا میں پیش رفت حاصل کر چکا ہے۔ ہر ضلع کے لئے ایسی اسکیمیں ضمانت روزگار اسکیم کے تحت وضع کی گئی ہیں تاکہ پیداواری استعداد بڑھا کر قومی دو[لت] میں اضافہ کیا جا سکے۔ یومیہ اُجرت میں بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ فی الحال [...] لاکھ زرعی مزدور اس اسکیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

زرعی معیشت کو خود کفیل بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا تعلق [...] سے بھی ہو، چنانچہ حکومت کسانوں میں مخلوط نسل کی گائیں تقسیم کرنے کے منصوبے کو مزید وسیع پیمانے پر عمل میں لانے کا ارادہ رکھتی ہے اور ہر کسا[ن] کو ایک مخلوط گائے کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے کسانوں کا ہر ممکن طور پر تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

دودھ کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ کے پیشِ نظر حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ خوراک پلان کے تحت تقسیم کی جانے والی "سکھڑی" [...] کے بجائے ریاست بھر میں ۲۲ لاکھ اسکولی بچوں کو غذائیت سے بھر[پور] دودھ تقسیم کیا جائے۔ یہ منصوبہ اسی سال ۲ ر اکتوبر سے عمل میں لایا جا[ئے] جس کے تحت شروع میں ۵،۴ لاکھ بچے فیضیاب ہو سکیں گے۔

حکومت اس بات سے اچھی طرح واقف ہے کہ ریاست کا نوجوا[ن] طبقہ جب تک اخلاقی و نفسیاتی اعتبار سے ان سارے کاموں میں حکومت کے ساتھ تعاون نہ کرے گا تب تک ترقی کی رفتار تیز تر نہیں ہو[گی]۔ ملک بھر میں مہاراشٹر ہی وہ پہلی اور واحد ریاست ہے جس نے نوجوانو[ں] کو روزگار فراہم کرنے کے لئے کابینہ میں ایک وزیر کے تحت وزارت روزگا[ر] کی تشکیل کی ہے تاکہ نوجوانوں کی صلاحیتوں کا بھرپور فائدہ اُٹھایا جا سک[ے]۔ اس وزارت کے ذمّہ یہ کام سونپا گیا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوا[نوں] کے لئے روزگار کے مواقع فراہم کرنے نیز ذاتی دھندے کی غرض سے صنعت[یں] قائم کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس قسم کی کوششوں کے [لئے] حکومت انھیں ۲۰ فیصدی تخمی سرمایہ اپنی جانب سے دے گی۔

ادیباسی و دیگر پسماندہ طبقات کے نوجوانوں کو یہ امداد ۲۲،۵ ف[یصدی] تک دی جائے گی۔ جن افراد کے کنبوں میں ایک بھی کماؤ شخص نہیں [ہے] ان کے لئے سرکاری ملازمتوں میں ۸۰ فیصدی جگہیں مخصوص کرنے کی ہد[ایت] کی گئی ہے۔ اس پالیسی کو مزید مؤثر طریقے پر عمل میں لانے کے لئے حکومت باقاعدہ ایک قانون وضع کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ ایک اور اسکی[م] کے تحت تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو پارٹ ٹائم ملازمتیں ملیں گی۔ ا[ن] اقدامات سے بے روزگار و دل برداشتہ نوجوانوں کی ہمّت افزائی ہو[گی] اور ان میں ریاست کی ترقی کے لئے تعمیری کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

ایسے پروگراموں کو خاص طور پر فوقیت دی گئی ہے جو پسماندہ و غریب طبقات کے لوگوں جو آج تک نظرانداز کئے گئے تھے ان کا اعتماد بحال کر[یں]۔ ایسے ہی ایک منصوبے کے تحت دیہی علاقوں کے بے گھر کنبوں کے لئے..

روپے کی لاگت سے پکّی جھونپڑیاں یا چھوٹے مکانات تعمیر کئے جائیں گے ۔ جھونپڑپٹیوں میں بُنیادی ضرورتوں (مثلاً بجلی وصفائی وغیرہ) کی فراہمی نیز چھوٹے بڑے شہروں میں جھونپڑپٹیوں میں رہنے والوں کے لئے مکانات کی تعمیر کے منصوبوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ۔

ترقی کی رفتار متوازن ویکساں کرنے کی غرض سے ریاست کے پسماندہ علاقوں کو خاص طور پر ترجیح دی جائے گی جواب تک عدم توجہی کا شکار رہے ہیں ۔ اس سے ریاست کے وسائل میں بھی اضافہ ہوگا نیز ان پسماندہ علاقوں میں رہنے والے لوگوں میں جو عدم توجہی کا احساس جاگزیں ہوگیا ہے وہ بھی دور ہوگا ۔

صنعتی طور پر ترقی کئے بنا کوئی بھی ملک خوشحال نہیں ہو سکتا مہاراشٹر اس اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہے مگر صنعتی ترقی ریاست میں صرف بمبئی تھانہ ، بیلاپور اور پونہ کے علاقوں تک ہی محدود ہوکر رہ گئی ہے ۔ ریاست کے پسماندہ علاقوں میں بھی صنعتوں کو ترقی وفروغ دینا ضروری ہے تاکہ ترقی کا توازن بگڑنے نہ پائے ۔ اس کے لئے ودربھ ، مراٹھواڑہ اور کوکن نیز مغربی مہاراشٹر کے بعض اضلاع میں صنعتوں کے قیام وفروغ کے لئے کئی منصوبے درکار ہیں ۔ مگر یہ کام صنعت کاروں ، صنعتی مزدوروں اور حکومت کی مشترکہ کوششوں سے ہی ہو سکتا ہے تاکہ پسماندہ علاقوں میں بھی صنعتی ترقی کے لئے سازگار ماحول پیدا ہو سکے ۔

بمبئی کے ساحل پر حال ہی میں دریافت کئے گئے تیل وگیس سے کوکن میں ایک پیٹروکیمیکل کارخانہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے ۔ مرکزی حکومت نے بھی اس منصوبے کو امداد دینے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے ۔

قومی وسائل زرعی خوشحالی کے ساتھ صنعتی ترقی بھی ضروری ہے لہٰذا آبپاشی اور بجلی پروجیکٹ کو فوقیت دی گئی ہے ۔ ایسے منصوبوں پر اس سال ۴۴۰ کروڑ روپے خرچ کئے جائیں گے ۔ سالانہ منصوبہ میں جو ۷۶۲ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے یہ اس کا ۶۰ فیصد حصّہ ہے ۔

پلاننگ کمیشن کے مشورہ سے حال ہی میں ہم نے چھٹا پنجسالہ منصوبہ تیار کیا ہے ۔ ریاستی حکومت ۷۰۰۰ کروڑ روپے اس منصوبے پر ۵ سال کی مدّت کے دوران خرچ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے اور پلاننگ کمیشن نے اخراجات کے تخمینہ پر منظوری کے لئے رضامندی ظاہر کر دی ہے ۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اس کا ۶۹ فیصد حصّہ آبپاشی پروجیکٹوں اور بجلی کی پیداوار پر خرچ کیا جائے گا تاکہ زراعت کو ترقی مل سکے اور صنعتوں کو بڑھاوا دیا جا سکے ۔

جامع دیہی ترقی منصوبہ کی عمل آوری کے لئے ریاست میں ۱۲۷ ترقیاتی بلاک منتخب کئے گئے ہیں ۔ ان بلاکوں میں تقریباً ۲۰۰۰۰۳ کنبے فیضیاب ہوں گے جن میں زرعی مزدور ، ادیباسی ، مُندرج جاتیوں اور پسماندہ طبقات کے لوگ شامل ہیں ۔

نئی حکومت کو سیلاب ، قحط اور قدرتی آفتوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑا چنانچہ سیلاب سے متاثرہ افراد کی بحالی اور مدد کے لئے کئے گئے اقدام سے ۲۰۰۰۰ متاثرہ خاندانوں کو فائدہ پہنچا اور ۷۰۰۰ سیلاب سے متاثرہ خاندانوں کو نئے اور پکّے مکانات ملے ۔ مراٹھواڑہ میں تقریباً ۲۰۰۰ فساد سے متاثرہ خاندانوں کی بازآبادکاری کی گئی اور ۱۰۰۰ نئے مکانات ان کے لئے بنائے گئے ۔

حکومت اچھی طرح جانتی ہے کہ جمہُوریت میں اصلی حکمراں عوام ہی ہوتے ہیں اور اقتدار عوام کی خواہشوں اور خوابوں کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے ۔ 'یوم مہاراشٹر' کے مُبارک موقع پر میں مہاراشٹر کے عوام کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ نئی حکومت عوام کی خودداری کو کسی طرح بھی مجروح نہیں ہونے دے گی کہ اور ان میں سے اس احساس کو دُور کرنے کی کوشش کرے گی کہ انھیں نظرانداز کیا جا رہا تھا ۔ مجھے اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ ان بہبُودی اقدامات کے لئے نیز خوشحال مہاراشٹر کے خواب کو حقیقت میں بدلنے کے لئے عوام ہمیں تعاون عطا کریں گے اسی تعاون سے مہاراشٹر ملک بھر میں نمایاں مقام پیدا کر سکے گا ۔

●●

• شری بنیاد احمد ۔ وزیر برائے روزگار، مین پاور ڈیولپمنٹ، ٹکنیکل تعلیم اور تربیت

روزگار کے متلاشی دیہی باشندوں کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ضمانتِ روزگار نامی ایک اہم اسکیم کا نفاذ کیا ہے. اس اسکیم کے تحت دیہی علاقوں میں وہ تمام غیرماہر بالغ افراد جنھیں روزگار کی اشد ضرورت ہے اور جو کوئی بھی مشقت کا کام کرنا چاہتے ہیں لیکن خود کام حاصل کرنے سے قاصر ہیں، انھیں سودمند کام مہیا کیا جائے گا. نیز حکومت نے اس اسکیم کے تحت درج شدہ ہر ایسے بالغ فرد کو جو کام کا طلبگار ہو اور جسے ۱۵ دنوں کے اندر کام مہیا نہ کیا جاسکا ہو اسے بیکاری بھتہ کی صورت میں ایک روپیہ یومیہ دینے کی ضمانت دی ہے. بیشک یہ اسکیم روزگار کے دستوری حق کو عملی شکل دینے میں بڑی کارآمد ہے ۔ توقع ہے کہ اس اسکیم سے نہ صرف یہ کہ دیہاتوں کے غریب باشندوں کو سماج میں باعزت مقام حاصل ہوگا بلکہ دیہی ترقیاتی کام بھی بہتر طور سے انجام پذیر ہوں گے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم — دیہی ترقی کا ذریعہ

ہمارے ملک میں آجکل بیروزگاروں کو منصوبہ بند طریقوں سے روزگار مہیا کرنے پر کافی زور دیا جارہا ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرکزی حکومت نے دیہی بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے متعدد اسکیمات وضع کی ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے بھی ۱۹۷۲ء سے دیہی آبادی کے لئے ضمانت روزگار اسکیم پر عمل آوری کا فیصلہ کیا۔

دن بدن حاصل ہونے والے تجربے کی روشنی میں اصل اسکیم میں ترمیمات کی گئیں۔ ۳۱ر مارچ ۱۹۷۸ء تک اس اسکیم کے تحت ۴ لاکھ افراد برسرروزگار تھے جبکہ ۳۱ر مارچ ۱۹۷۹ء کو یہ تعداد ۹ لاکھ تک پہنچ گئی۔ مذکورہ اسکیم کے تحت ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۸ء تک فی مزدور یومیہ تین روپے اجرت تھی لیکن اب شرح اجرت میں اضافہ کردیا گیا ہے مرکزی حکومت کی مدد سے اس روزانہ ۳ روپے اجرت میں ۹۰ فیصد نقد مزید برآں اس کے ساتھ ایک کلو گیہوں بھی دیا جاتا ہے۔ اس طرح اوسطاً اجرت ۴ روپے یومیہ ہوجاتی ہے۔

مستقل روزگار: اس اسکیم کے تحت زراعتی فائدے کے کام کئے جاتے ہیں جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ دیہی باشندوں کو ان ہی کی مقامی جگہ پر مستقل روزگار حاصل ہوسکے۔ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۹۰۰۰ کام شروع کئے گئے اور اب تک ایسے کاموں کی تعداد ۴۰،۰۰۰ ہوگئی ہے جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ لوگوں کو ان کے گاؤں ہی میں روزگار حاصل ہوسکے۔ لوگوں کو بیکاری بھتہ دینے کی بجائے پنچایت سمیتی علاقوں میں ہی روزگار مہیا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ کسی دیہی بیروزگار کو ضلع کی کسی بھی پنچایت سمیتی میں کام دیا جائے۔ اس سے قبل کم از کم ۵۰ بیروزگار افراد اگر کام مانگیں تو کام دیا جاتا تھا لیکن اب حکومت نے ہدایت کی ہے کہ ایک فرد کے کام مانگنے پر بھی کام دیا جائے۔

علاوہ ازیں یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے ایک نیا اصول اپنایا گیا ہے وہ یہ کہ

ضلع تھانہ میں ناگوٹھانہ کے مقام پر میٹھے پانی کی مچھلیوں اور ماہی گیری کے ۲ لاکھ روپے کی مالیت کے ایک پروجیکٹ کا افتتاح ۸ر اپریل کو شری وی ایس پاگے، جیرمین ضمانتِ روزگار کونسل نے فرمایا۔ اس موقع پر موصوف دعوتِ جوش کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔ شری بی۔ایل پاٹل، ڈپٹی منسٹر برائے ڈیری، فشریز و کھار زمین نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دئے۔ اس پروجیکٹ کی تکمیل کا کام گرامین وکاس پرتسٹھان، ناگوٹھانہ نے لیا ہے۔ اس پروجیکٹ کا مقصد میٹھے پانی کی مچھلیوں کی پرورش نرسری اور پھلوں و ترکاریوں کی نرسری تیار کرنا ہے۔ عوامی اقدامات برائے ترقیات (مہاراشٹر) نے اس پروجیکٹ کی سفارش کی ہے ضمانت روزگار اسکیم کے تحت اس پروجیکٹ کیلئے گہرائی کھدائی جیسے ۸۱۰۰۰ روپے مالیت کے کام منظور کئے جاچکے ہیں۔ باقی ماندہ کام مذکورہ پرتسٹھان 'بیڈ' (مہاراشٹر) کے تعاون سے مکمل کرے گا۔

چاول کی پیداوار والے علاقے یعنی تھالنے، قلابہ، رتناگیری، بھنڈارہ اور چندر پور کے کامگاروں کو مناسب مقدار میں چاول مہیا کیا جائے گا۔

ضمانت روزگار اسکیم پر عمل آوری کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس سے زراعتی اور منصوبہ یا غیر منصوبہ بند دیگر کاموں پر کوئی خراب اثر نہ پڑے۔ جہاں تک اجرت کا تعلق ہے مذکورہ اسکیم کے تحت سات گھنٹے کے کام کی اُجرت کسی زراعتی مزدور کو دی جانے والی اُجرت کے کم و بیش مساوی ہوتی ہے۔ یہ اُجرت منصوبہ اور غیر منصوبہ بند کام کرنے والوں کی اُجرت سے کچھ ہی کم ہوتی ہے۔ ضمانتِ روزگار قانون میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جن علاقوں میں زراعتی مزدوروں کو کم از کم اُجرت سے بھی کم اُجرت دی جاتی ہے وہاں انھیں مستقل روزگار فراہم کیا جائے۔

بھوک اور استحصال کا خاتمہ:

مہاراشٹر میں زراعتی زمینوں میں سے صرف ۱۰ فیصد زمین پر آب پاشی کی جاتی ہے۔ نتیجتاً کاشت کے موسم کے دوران صرف ۴ مہینوں کے لئے دیہی باشندے برسرکار رہتے ہیں اور باقی ماندہ مہینوں میں یا تو بے روزگاری یا کم روزگاری کا شکار رہتے ہیں۔ اس عرصے میں زراعتی مزدور، مفلس کسان اور ادیباسی فاقہ کشی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ اب اس اسکیم سے فاقہ کشی پر قابو پایا جا سکا ہے۔ اب گھریلو عورتیں باعزّت زندگی گذار رہی ہیں۔ زراعتی مزدوروں اور چھوٹے زمینداروں کے استحصال کا خاتمہ ہو چکا ہے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم کا مقصد اور کچھ نہیں بلکہ یہی ہے کہ سرکاری اخراجات

ضمانت روزگار اسکیم کی عمل آوری پر ایک نظر

مذکورہ اسکیم کے آغاز سے اسکیم پر ہونے والے اخراجات اور فراہم شدہ روزگار کے ایّام کار اس طرح ہیں:

سال	اخراجات (کروڑ روپے میں)	فراہم شدہ روزگار کے "ایام کار" (کروڑ میں)
۱۹۷۲-۷۳ء	۱٫۸۸	۰٫۴۵
۱۹۷۳-۷۴ء	۱٫۸۹	۰٫۵۱
۱۹۷۴-۷۵ء	۱۳٫۷۲	۴٫۸۱
۱۹۷۵-۷۶ء	۳۴٫۴۳	۱۰٫۹۵
۱۹۷۶-۷۷ء	۴۹٫۸۸	۱۳٫۳۲
۱۹۷۷-۷۸ء	۴۹٫۲۰	۱۱٫۴۳
۱۹۷۸-۷۹ء (جنوری ۱۹۷۹ء)	۴۲٫۳۹	۱۲٫۴۸
۱۹۷۹-۸۰ء	۷۲٫۸۳ (اندازاً)	۱۵٫۰۰ (اندازاً)

ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت پونے میں پرگاؤں کے مقام پر نالہ بندی کا کام تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے جو کہ ایک سود مند اور نفع بخش روزگار کا حامل ہے۔ سود مند کام کرنے والے کے لئے اور نفع بخش معیشت کیلئے

سے دیہی باشندے خود اپنے کام انجام دیں. متعلقہ دیہات کے باشندوں اور سماجی کارکنوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ اسکیم تیار کی جاتی ہے. آئندہ دو سالوں کے اندر کئے جانے والے کاموں کے پروگرام کا ایک خاکہ ہر پنچایت سمیتی علاقے کے لئے پہلے ہی تیار رکھا جاتا ہے۔ عام طور پر ضلع کمیٹیاں اخراجات کا حساب کتاب رکھتی ہیں۔ مذکورہ اسکیم کے تحت لئے جانے والے کام کسی بھی حالت میں، حتیٰ کہ کسی ضلع میں فنڈ کی کمی ہو تو بھی بند نہیں کئے جاتے۔

بارش کے موسم میں جنگلات کے کام بھی مذکورہ اسکیم کے تحت کئے جاتے ہیں. اور اس سلسلہ میں زراعت کے لئے سودمند کاموں کو پہلے ترجیح دی جاتی ہے۔

شروعات: مہاراشٹر میں ۱۹۶۵ء میں ضلع سانگلی کے تس گاؤں بلاک میں ایک پائلٹ اسکیم نافذ کی گئی. پھر ۱۹۶۹ء میں یہ اسکیم منتخبہ علاقوں میں عمل میں لائی گئی۔ ان دونوں پائلٹ اسکیمات کے نتائج کی روشنی میں ۷ رمئی ۱۹۷۲ء سے ضمانتِ روزگار اسکیم کا ریاست بھر میں نفاذ کیا گیا۔

عالمی بنک کے صدر جناب رابرٹ میکنمارا، انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن اور دیگر ماہرین نے اس اسکیم کو کافی سراہا ہے۔ یہ اسکیم ہمارے دستور میں درج "حق روزگار" کے اصول کو حقیقت میں بدلنے کی سمت عملی قدم کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھوت لنگم کمیٹی کی سفارش کی منظوری کے بعد اب مہاراشٹر میں آباد حدِ غربت سے زیریں طبقہ کے افراد کو کم از کم اُجرت چار روپے یومیہ حاصل ہوتی ہے. مہاراشٹر کے ترقی پسند جمہوری محاذ کی حکومت نے لگاتار جدوجہد کے بعد ۲۶ رجنوری ۱۹۷۹ء سے ضمانتِ روزگار قانون کا باضابطہ نفاذ کیا.

بیروزگاری بھتہ: ضمانتِ روزگار قانون کے تحت ہر اس بالغ شخص کو ایک روپیہ یومیہ بیروزگاری بھتہ دیا جائے گا جسے کام مانگنے کے بعد ۱۵ دنوں کے اندر کام مہیا نہ کیا جا سکا ہو۔ کسی مزدور کی ناگہانی موت یا اپاہج ہونے کی صورت میں ۵۰۰۰ روپے تک امدادی وظیفہ دیا جائے گا۔ اگر ریاستی حکومت کے پاس روزگار کی فراہمی کی کوئی فوری صورت نہیں ہے تو کلکٹران کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ گرام پنچایت کو دیہی روزگار فنڈ سے کوئی کام شروع کرنے کی ہدایت دیں۔

چونکہ 'سی' کلاس میونسپل علاقے دیہی علاقوں سے علیحدہ نہیں ہیں اس لئے اول الذکر علاقوں کے باشندوں کو بھی ضمانت روزگار اسکیم میں شامل کیا گیا ہے.

مذکورہ اسکیم کے تحت بیروزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کے مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غیر پیشہ ورانہ کاموں پر ۶۰ فیصد اور پیشہ ورانہ کاموں پر ۴۰ فیصد اخراجات کی اجازت دی گئی ہے۔

ضمانتِ روزگار اسکیم مقاصد کے حصول اور اس سے ٹھیک ٹھیک فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے • قانون ساز اراکین پر مشتمل ضمانتِ روزگار کمیٹی کا تقرر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شری وی۔ ایس پاگے کی زیر صدارت ریاستی سطح کی ایک ۲۶ رکنی 'اپیکس کونسل' بھی قائم کی گئی ہے جو ماہرین اور سماجی کارکنوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے اور مزدوروں کے مسائل کا مطالعہ کرتی ہے. اُمید ہے کہ اس کمیٹی نیز کونسل کی سفارشات حکومت کے لئے سودمند ہوں گی۔

ذرائع: مذکورہ اسکیم پر عمل آوری کی خاطر حکومت نے خصوصی ٹیکس اور محصول عائد کئے ہیں۔ ریاستی حکومت ان وصول شدہ ٹیکسوں اور محصولات کی رقم کے مساوی حصہ ادا کرتی ہے۔ ۱۹۷۸-۷۹ء کے بجٹ میں اس اسکیم کے لئے ۶۰ کروڑ روپیہ وقف کیا گیا تھا لیکن اس اسکیم کے فائدہ مند ثابت ہونے پر حکومت نے مزید ۵ کروڑ روپیہ صرف کیا۔

ضلع کلکٹر کو اس اسکیم پر عمل آوری کا مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ پنچایت سمیتی سطح پر بھی ایک منتظم رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ڈپٹی کلکٹر کو ہر ضلع میں کام کی نگرانی سونپی گئی ہے۔ تقریباً تمام تحصیلداروں کو اس کام میں مدد دینے کے لئے نائب تحصیلدار مقرر کئے گئے ہیں۔ بعض جگہ کام کی نوعیت دیکھتے ہوئے تکنیکی عملہ مقرر کیا گیا ہے اور ان کے تعاون کے لئے کلرک مقرر کئے گئے ہیں۔

اس سلسلے میں سرکاری عملہ کے علاوہ سماجی کارکنوں کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے ضلع اور پنچایت سطح پر کمیٹیاں تشکیل کرنے کی ایک تجویز بھی حکومت کے زیر غور ہے۔ اس کا مقصد ایسے کام انجام دینا ہے جس سے زراعت کو فائدہ پہنچے، پختہ سڑکوں کی تعمیر ہو اور بدعنوانی وغیرہ کا خاتمہ ہو۔ حکومت یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ ضمانتِ روزگار اسکیم میں کہیں بھی بدعنوانی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ مذکورہ اسکیم کے تحت لئے جانے والے ۲۸۰۰۰ دیہاتوں کی ترقی کے کاموں میں بہت کم بدعنوانی ہوتی ہے اور اگر بدعنوانی کے کسی معاملہ کا پتہ چلے تو فوراً کارروائی کی جاتی ہے.

ایسے معاملے کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی جاتی ہے تاکہ عوام کے تعاون

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

• شری جی۔ اے دیشمکھ، وزیرِ زراعت

پہلے پانچسالہ منصوبہ کے آغاز پر کُل اکٹھا فصلی علاقہ جو فی الحال مہاراشٹر میں شامل ہے ۱۷۳ لاکھ ہیکٹر تھا اور اناج فصل کے تحت علاقہ ۱۱۹ لاکھ ہیکٹر تھا۔ سال ۷۹-۱۹۷۸ء میں کُل اکٹھا علاقہ بڑھ کر تقریباً ۲۰۰ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ گیا ہے جس میں سے تقریباً ۱۴۰ لاکھ ہیکٹر اناج کے لئے زیرِکاشت ہے۔ مجموعی طور سے فصلی علاقہ میں اضافہ کا اصل سبب آبپاشی سہولتوں میں اضافہ ہے، آبپاشی کی سہولتیں ۵۲-۱۹۵۱ء میں مجموعی علاقۂ فصل کے ۵ء۵ فیصد حصے سے بڑھ کر ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۱۱ فیصد تک پہنچ گئیں۔ ۵۲-۱۹۵۱ء میں کُل اناج پیداوار ۵۰ء۶۳ لاکھ ٹن تھی اور ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۱۰۴ء۵۶ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی ۷۴-۱۹۷۳ء کے بعد سے خصوصاً رفتارِ ترقی تیزتر اور نمایاں رہی۔ ریاست اب اناج کی پیداوار کے معاملے میں دس لاکھ ٹن کے نشانے سے آگے بڑھ جانے کا دعویٰ کرسکتی ہے۔

سنہ ۲۰۰۰ء میں مہاراشٹر میں فاضل اناج پیداوار

گذشتہ ۳۰ سال کے دوران ریاست کی زراعتی معیشت میں انتظامی، فنی، سماجی اور ساخت کے لحاظ سے دور رس تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ساخت کے لحاظ سے زمینداری نظام کو ختم کرنے اور لگان دار کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق دینے کے سلسلہ میں ریاست مہاراشٹر ہمیشہ پیش پیش رہی۔ سماجی طور سے بھی ریاست نے زراعتی ملکیت اراضی پر حد بندی نیز فاضل اراضی تا حال بے زمین کسانوں اور مزدوروں میں تقسیم کرنے سے متعلق قوانین کو سنجیدگی سے با مقصد طریقے پر نافذ کرنے میں رہنمائی کی ہے۔ فنی طور سے ریاست نے خصوصاً بیج ٹکنالوجی، اور کیمیادی کھاد کے استعمال سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پیداوار میں اضافہ کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اچھے اور مخلوط اقسام کے بیج استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس تمام ترقی کے باوجود ریاست میں زراعتی صورت حال بعض مجبوریوں کے سبب مایوس کن ہی رہی۔ ریاست میں ۲۰۰ لاکھ ہیکٹر یا اس سے زیادہ کل علاقہ فصل میں سے تا حال صرف ۱۱ فیصد حصہ زیر آب پاشی ہے۔ ۹،۵ فیصد حصہ یقینی اور وافر بارش علاقہ میں آتا ہے اور ۵ء۳۲ فیصد قلیل اور غیر یقینی بارش والے علاقے میں ہے۔ ریاست میں ستاسی تحصیلیں سوکھی قرار دی گئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں خشک سالی اور قحط کا خطرہ برابر لاحق رہتا ہے۔ ریاست میں ایسا علاقہ زیر کاشت علاقہ کا تقریباً ایک تہائی ہے۔

ریاست میں ملکیتِ اراضی کے معاملے میں صورت حال یہ ہے کہ کل تقریباً ۵ء۴۹ لاکھ کار آمد ملکیت اراضی میں سے تقریباً ۲ء۲۱ لاکھ ملکیت اراضی یا ۴۳ فیصد چھوٹی چھوٹی ملکیت اراضی ہیں یعنی ایسی ملکیت اراضی جس کا کل رقبہ دو ہیکٹر سے بھی کم ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کسان برادری کی خاصی بڑی تعداد حدِ غربت کے قریب ہے اور ان کی مصیبتیں اس صورت میں اور بھی بڑھ جاتی ہیں جبکہ ان کی زمین سوکھے علاقوں میں ہو اور بارش ناکافی ہو یا قطعی نہ ہو۔ ایسی زمین کی قوتِ پیداوار بھی نسبتاً کم ہوتی ہے، اس کے ایک قطعہ پر لاگت زیادہ آتی ہے اور آمدنی کم رہتی ہے۔

کم صلاحیت پیداوار، کم آمدنی اور پھر کم سکت سرمایہ کاری یہی بحران کن چکر ہے جس میں مہاراشٹر کے کسانوں کی کثیر تعداد گھری ہوئی ہے۔ ریاست میں اس کا خاص طور سے اظہار کھاد کی کھپت سے ہوتا ہے۔ حالانکہ توقع یہی ہے کہ مہاراشٹر میں ۷۹-۱۹۷۸ء میں کھاد کی کھپت ۸ء۳ لاکھ ٹن کی حد تک پہنچ جائے گی جس سے آخری چند سالوں میں کھپت میں خاصا اضافہ ظاہر ہوتا ہے تاہم یہ ریاست میں محکمۂ زراعت کی سفارش کے مطابق جتنی مقدار میں کھپت ضروری ہے اس کا ایک حقیر حصہ ہے۔ سب ہی کسان حقیقت میں یہ کھاد استعمال نہیں کرتے۔ کھاد کی تقسیم و کھپت غیر متوازن ہے اور اس کا چھوٹے اور خشک علاقے کے کسانوں پر بھاری اثر پڑتا ہے۔

رجحان میں بڑی تبدیلی:

ریاست میں زراعتی منظر پر خوشگوار ترین پہلو یہ ہے کہ کسانوں کے رجحان میں زبردست انقلاب رونما ہو رہا ہے وہ اب تکنیکی تبدیلیوں، نئی تکنیک اپنانے اور اہم ترین معاملہ یعنی قیمتوں کے اشارات پر کہیں زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ کسان نے یہ حقیقت جان لی ہے کہ خواہ اس کی قابلِ فروخت فاضل پیداوار محدود ہی کیوں نہ ہو، اس کا یہ حق ہے کہ اسے اپنی پیداوار پر منافع بخش معاوضہ ملے لہٰذا جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے وہ واجب شرائطِ تجارت کے لئے زور لگاتا ہے۔ زیادہ تر خشک کھیتی، چھوٹی ملکیتِ اراضی اور نتیجتاً کم صلاحیتِ پیداوار کے سبب مہاراشٹر کی زراعت بہ اعتبارِ لاگت پنجاب، ہریانہ، تاملناڈو اور آندھرا پردیش جیسی ریاستوں کے مقابلے میں گراں بیٹھتی ہے جہاں زیادہ سہولت اور تر کھیتی کے فائدے حاصل ہیں۔

ریاستی حکومت نے بار بار اگریکلچرل پرائس کمیشن (اے پی سی) کے سامنے یہ بات رکھی ہے کہ وہ قومی سطح پر امدادی قیمتیں طے کرتے وقت مہاراشٹر کی زراعت کی جداگانہ خصوصیت کا لحاظ رکھے جس سے مہاراشٹر کے خشک علاقوں کے کسانوں کے حق میں انصاف ہو سکے۔ بصورت دیگر اے پی سی نیز حکومت ہند کے سامنے علاقائی قیمتوں کا معاملہ بھی رکھا گیا تاکہ مہاراشٹر کے کسانوں کو ان کی محنت کا مناسب صلہ ملے اور اناج فصلیں بڑھانے میں ان کی دلچسپی قائم رہے۔

ربیع جوار، دال اور تلہن کی پیداوار:

ریاست مہاراشٹر یقیناً قلت والی ریاست ہے۔ فی الحال ہم مرکزی ذخیرہ سے گیہوں اور چاول حاصل کرتے ہیں۔ ہم ریاست میں ضرورت بھر دالوں کا صرف ۵۰ فیصد حصہ پورا کر سکتے ہیں جن کی سالانہ پیداوار تقریباً ۱۰ لاکھ ٹن ہے۔ ہمیں خصوصاً دالوں اور تلہن کی پیداوار اور پیداواری صلاحیت بڑھانے کی فکر ہے جس کی نہ صرف ریاست بلکہ مجموعی طور سے پورے دیس کو ضرورت ہے۔

ریاست میں زراعتی پیداوار کے معاملے میں جو بڑی دقتیں درپیش ہیں وہ ربیع جوار، دال اور تلہن سے متعلق ہیں۔ جوار کے سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ کوئی ایسی مخلوط اچھی قسم نکالی جائے جو ضرورت مندوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ زیادہ تر ربیع پیداوار بدستور مقامی ربیع قسم کی ہے جسے 'مالڈنڈی' کہا جاتا ہے۔ ربیع جوار کی پیداوار اوسطاً ۵ کوئنٹل فی ہیکٹر

ہے جو ہمیں حاصل ہونے والی خریف جوار کا نصف حصہ ہے۔ اگر ہم بڑے پیمانے پر اچھی ربیع قسم کو پیدا کرنے اور بڑھانے میں کامیاب ہو جائیں تو بلاشبہ پیداواری صلاحیت کم سے کم دوگنا ہو جائے گی۔ فی الحال اس معاملے میں ریسرچ کا کام جاری ہے، لیکن اس میدان میں جلد نتائج برآمد ہونے کی ضرورت ہے۔

دالوں کے معاملے میں خشکی سے محفوظ ایسی قسم کی کمی ہے جو ریاست میں موجود دیہی طریقۂ معیشت کے حسب حال ہو۔ موجودہ اقسام کی پیداوار کافی نہیں ہے اور رہبر دبیسم کلچر کو بڑے پیمانے پر اپنا کر حالت بہتر ہو سکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں ریسرچ کی رفتار تیز کرنے اور جلد حل نکالنے کی شدید ضرورت ہے۔

تلہن خصوصاً مونگ پھلی کے معاملے میں سطح پیداوار بڑھانے میں قدرے مشکلات درپیش ہیں، بہر حال خوردنی تیل کے ذرائع کو بڑھانے کے لئے ہر صورت میں سخت کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ ۲۰۰۰ء تک اناج کے تحت علاقہ آبپاشی تقریباً ۳۵ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ جائے گا جو فی الحال ۱۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔ اگر دیگر کام بھی برابر ہوئے تو مجموعی پیداوار ۱۷۵ لاکھ ٹن تک ہو جانے کی توقع ہے۔ اس میں اور بھی اضافہ ہو سکتا ہے، بشرطیکہ تکنیکی طریقہ سے اور فائدہ اُٹھایا جائے۔

قابلِ اطمینان غذائی صورتِ حال :

گذشتہ دو تین سال سے مہاراشٹر میں غذائی صورت حال اطمینان بخش ہے۔ دیس میں ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۶ء۱۲۵ ملین ٹن کی ریکارڈ پیداوار ہوئی۔ مجموعی طور سے صورتِ حال اطمینان بخش ہے نیز ۱۹۷۷ء سے اناج کے نقل و حمل پر ریاستوں کے مابین پابندیاں اُٹھا لینے کے باعث کھلی منڈی میں اناج افراط سے دستیاب ہو رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں عام نظام تقسیم کے ذریعے کھپت گھٹ گئی ہے۔ عام نظام تقسیم کے ذریعہ اجناس کی مقدار فی بالغ ۱۵ کلو ماہانہ رکھی گئی ہے۔ ریاستی حکومت نے مختلف اناج یعنی چاول، گیہوں اور جوار کا بفر ذخیرہ جمع رکھا ہے جس کی مقدار تقریباً دو لاکھ ٹن ہے۔

۲۰۰۰ء میں نشانہ :

پلاننگ کمیشن نے ۸۳-۱۹۸۲ء کے اختتام تک اناج کی پیداوار کے لئے ۱۱۸ لاکھ ٹن کا نشانہ تجویز کیا ہے۔ اگر ۸۳-۱۹۸۲ء میں کل آبادی ۶ء۱۱ کروڑ شمار کی جائے تو اس کی بنیاد پر کھپت کی موجودہ سطح کے لحاظ سے ۱۲۸ لاکھ ٹن تک کی مقدار کی ضرورت پڑے گی اور اس طرح تقریباً ۱۰ لاکھ ٹن کی کمی بیرونی ذرائع سے پوری کرنا ہوگی۔ ۲۰۰۰ء میں ریاست کی آبادی اندازاً ۰۵ء۹ کروڑ ہو جائے گی۔ کھپت کی موجودہ سطح کی بنیاد پر اُس سال تقریباً ۱۷۵ لاکھ ٹن اناج کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے مقابلے میں پیداوار میں دو فیصد شرح سے کمترین درجہ پر اضافہ کے باعث پیداوار کی سطح ۱۷۵ لاکھ ٹن رہے گی۔ جس کا مطلب ہے کہ بس ضرورت ہی پوری ہو سکے گی مزید برآں اگر مجوزہ چھٹے پانچ سالہ منصوبہ کے تحت حسب توقع ۲ء۷ فیصد شرح اضافہ مسلسل جاری رہے تو ۲۰۰۰ء تک پیداوار تقریباً ۲۰۰ لاکھ ٹن ہو جائے گی اور اس طرح فروخت کے قابل کافی فاضل مقدار رہے گی۔

بھرپور غذا کے معاملے میں ماہرینِ اغذیہ نے روزانہ ۲۴۰۰ کیلوریز کے حساب سے ضروری قوت بخش غذا کی مقدار رکھی ہے جس میں ۴۰۰ گرام اجناس، ۸۵ گرام دال، گری دار میوہ اور روغنی تخم شامل ہیں، نیز بقیہ حصہ میں سبزی، دودھ، شکر اور پھل وغیرہ ہوتے ہیں۔ فی الحال اجناس کے معاملہ میں استعمال کا درجہ مقررہ غذائی سطح سے اوپر ہے جبکہ دالوں کے معاملہ میں اسے ابھی قوت بخش اغذیہ کے معیار پر لانا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ فرق ۲۰۰۰ء تک دور ہو جائے گا۔

آبادی کا کثیر حصہ جوار کھاتا ہے اور گیہوں و چاول مقررہ علاقہ جات یا مقررہ زمروں کے لئے مخصوص ہے۔ لہٰذا ۲۰۰۰ء تک کسی خاص اناج کی ضرورت کا انحصار علاقے اور دستیاب کل پیداوار کے علاوہ بڑی حد تک سماجی و اقتصادی عناصر پر ہوگا جس میں فروغِ شہریت، پیشہ، انفرادی ذوق اور پسند نیز آبادی کی تقسیم آمدنی پر ہے۔ الگ الگ ذوق و پسند کی بنا پر آبادی کے لئے یہ مشکل ہوگا کہ کوئی اوسطاً تکنیکی غذائی اصول اپنایا جا سکے۔ اُمید ہے ۲۰۰۰ء تک آبادی کی غذا کے معاملے میں بھی خاص تبدیلی رونما ہوگی۔

●●

مہاراشٹر میں سرکاری زبان کا نفاذ

• وائی۔ ایس کانیٹکر

یکم مئی ۱۹۶۰ء کو مراٹھی بولنے والے لوگوں کے مطالبے کے نتیجہ میں ریاست مہاراشٹر کی تشکیل عمل میں آئی۔ لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیلِ جدید کا مقصد یہی تھا کہ انتظامیہ میں علاقائی زبانوں کے استعمال کو بڑھاوا دیا جائے تاکہ اس طرح ریاست کے معاملات میں عوام کا اشتراک حاصل کیا جاسکے۔ حکومت جمہوری طریقوں پر اسی وقت عمل پیرا ہوسکتی ہے جبکہ مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے جملہ کاروبار عوام کی زبان میں انجام پاتے ہوں۔

حکومت کے کاروبار کو انگریزی سے مراٹھی میں بدلنے میں سہولت کی خاطر حکومت نے نظامتِ لسانیات یا ڈائرکٹوریٹ آف لینگویجز قائم کیا اور مناسب لغات، محکمہ جاتی مصطلحات کے رسالے اور رہنما کتابوں کی تیاری کا کام اس کے سپرد کیا۔ حکومت کو اس عظیم کام کے تعلق سے مشورہ دینے اور مدد کرنے کے لئے ایک مجلسِ لسانی مشاورت یا لینگویج ایڈوائزری بورڈ قائم کیا۔ تاہم ایسی تبدیلی کا درجہ بدرجہ اور موافق حالات میں ظہور پذیر ہونا ضروری تھا تاکہ حکومت کے کاروبار اور انتظامیہ کے چلانے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

لہذا ابتداءً ایک دُہرا پروگرام ہاتھ میں لے لیا گیا (۱) مصطلحات کی تیاری اور (۲) عملہ کی تربیت۔ ایک عہدوں یا مناصب کی لُغات (پدنام کوش) ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی۔ جن سرکاری ملازمین کی مادری زبان مراٹھی کے علاوہ کوئی دوسری زبان تھی انھیں مراٹھی سکھانے کے پروگرام پر عمل کیا جانے لگا، اور اس کے ساتھ ہی مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائٹنگ کی تربیت کے لئے انتظامات کئے گئے

اسی دوران آئینی ضروریات بھی پوری کرلی گئیں یعنی قانون سرکاری زبان، مہاراشٹر بابت ۱۹۶۵ء پاس کیا گیا اور مراٹھی کو یکم مئی ۱۹۶۶ء (یوم مہاراشٹر) سے بجز اُن اغراض کے جن کا ذکر قانون میں کردیا گیا ہے ریاست کی سرکاری زبان ہونے کا اعلان کردیا گیا۔ اب ڈائرکٹوریٹ اپنے کام کو سُرعت سے انجام دینے میں جُٹ گیا۔ اسے مختلف پروجیکٹوں کو عملی جامہ پہنانا تھا اور یہ وہ کام تھا جو دراصل موافق حالات میں مراٹھی کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کے لئے مضبوط بنیاد کی حیثیت رکھتا تھا۔

سرکاری انتظامیہ کے مختلف شعبوں کے تعلق سے ۱۲ سے زیادہ کتابوں کی اشاعت کا سہرا ڈائرکٹوریٹ کے سر ہے۔ ان کتابوں میں مندرجہ ذیل خاص طور پر اہمیت کی حامل کہی جاسکتی ہیں:

'شاسن ویوہار کوش (وہ لغت جس میں سرکاری مصطلحات کے ۳۰ ہزار سے زائد مترادفات درج ہیں)' پرشاسنک واک پرلوک (انتظامیہ سے متعلق روزمرّہ کی لغت)' پرشاسنِک لیکھن (نوٹنگ اور ڈرافٹنگ سے متعلق ایک ذولسانی رہنما کتاب)' راج بھاشا پریچے (انگریزی کے توسط سے مراٹھی سیکھنے کے لئے مفید کتاب)' پدنام کوش (عہدوں کی لُغات)' لگھو لیکھن مارگ درشیکا (مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائٹنگ پر کتابیں) اور نیا ئے ویوہار کوش (دس ہزار سے زیادہ قانونی اصطلاحات کی ڈکشنری)۔

۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۰ء کے عرصہ میں ۴۵۰۰ انگریزی اسٹینوگرافروں اور ٹائپسٹوں کو مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائیٹنگ کی تربیت دی گئی۔ اور ۳۰۰۰ غیر مراٹھی بولنے والے سرکاری ملازمین کو مراٹھی زبان کی تربیت دی گئی۔ ڈائرکٹوریٹ نے مرکزی حکومت سے مشورہ کرنے کے بعد ایک نیا دیوناگری 'کی' بورڈ بھی تیار کرلیا ہے، متعدد دستی کتابچوں اور ۲۰۰۰ سے زائد عام اور مخصوص ایسے فارموں کا بھی مراٹھی میں ترجمہ کیا گیا ہے جو سرکاری دفتروں میں مستعمل ہیں۔

چونکہ مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائٹنگ کے لئے نیز اُستاد کے بغیر مراٹھی سیکھنے کے لئے ضروری کتابیں تیار کرکے شائع کی جاچکی تھیں' لہذا ۱۹۷۰ء سے تربیتی اسکیموں کو ختم کردیا گیا، تاہم مختلف حلقوں سے مطالبات کے پیشِ نظر مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائٹنگ کی ٹریننگ اسکیم کو یکم مئی ۱۹۷۹ء سے دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔

ان کئی سالوں کے دوران ڈائرکٹوریٹ کے کاموں میں تنوع آگیا ہے — مندرجہ بالا کاموں کے علاوہ ڈائرکٹوریٹ کو مندرجہ ذیل کام بھی سپرد کئے گئے ہیں:

۱) لیجسلیٹو اسمبلی اور لیجسلیٹو کونسل کے مسودات قوانین، ریاستی قوانین قواعد مرتبہ تحت قوانین اور آئینی اطلاعناموں وغیرہ کا ترجمہ۔
۲) جملہ بجٹ پبلیکیشنز کا ترجمہ۔
۳) مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں کے پیش کردہ رپورٹوں کا ترجمہ۔
۴) ماہرین کی کمیٹی کی رہنمائی میں مکمل "انڈیا کوڈ" کا مراٹھی ترجمہ
۵) مہاراشٹر کی یونیورسٹیوں کی مدد سے یونیورسٹی سطح پر سکھائے جانیوالے

قومی راج

مضامین کے لئے یکساں ٹیکنیکل اصطلاحات تیار کرنا۔

۶) اقلیتی زبانوں یعنی اُردو، ہندی، گجراتی، سندھی، کنڑ اور تیلگو میں حکومت کے اہم احکام اور فیصلوں کا ترجمہ۔

۷) سرکاری ملازمین کے لئے ہندی اور مراٹھی زبان کے امتحانات لینا۔

۸) مراٹھی شارٹ ہینڈ اور ٹائپ رائیٹنگ کے لئے ٹریننگ اسکیم چلانا۔

۹) ٹائپ رائیٹنگ اور شارٹ ہینڈ کے امتحانات لینا۔

مراٹھی کو انتظامیہ کے میڈیم کے طور پر نافذ کرنے کے سلسلہ میں اس قدر راہ ہموار کئے جانے کے باوجود بھی مراٹھی میں کام کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ صدر مقام سے باہر اس کا تناسب ۵۰ سے ۷۰ فیصد ہے لیکن منترالیہ میں صرف ۲۰ سے ۲۵ فیصد ہی ہے۔

ابتدائی سالوں میں کچھ اچھا کام ہوا لیکن اس کے بعد یہ کہ نہ صرف آگے ترقی نہ ہوئی بلکہ جو کچھ بھی کیا گیا تھا، اس پر پانی پھر نا گیا۔ شاید یہ اس لئے ہوا کہ انتہائی اونچی سطح پر دلچسپی نہیں دکھائی گئی یا شاید اس لئے کہ حکومت کے کاروبار میں سرکاری زبان کے استعمال پر نظر رکھنے کے لئے کوئی مؤثر مشینری نہیں تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مذکورہ تناسب میں گورنمنٹ رزولیوشن، سرکیولر، نوٹس اور مراسلات کے وہ مراٹھی ترجمے بھی شامل ہیں جن کے اصل مسودے انگریزی میں تیار کئے گئے تھے۔ اگر ان کو الگ نکالا جائے تو تناسب اور بھی گر جاتا ہے۔ اس طرح حالات کچھ زیادہ ہی غیر تسلی بخش ہیں۔ اس صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے متعلقہ حلقے تیکنیکی ساز و سامان جیسے اسٹینوز، ٹائپسٹ، ٹائپ رائٹرس کے فقدان کا نیز مندرجہ ذیل امور کا ذکر کرتے ہیں:

(ایک) ڈائرکٹوریٹ کی وضع کردہ اصطلاحات مغلق، فاموسی اور سنسکرت آمیز ہیں۔

(دو) ڈائرکٹوریٹ کے تیار کردہ کتابچوں میں ان الفاظ کو جگہ نہیں ملی ہے جو روزانہ استعمال میں آتے ہیں۔

(تین) ڈائرکٹوریٹ کی وضع کردہ اصطلاحات استعمال کر کے جو نوٹس تیار کئے جاتے ہیں وہ اس قدر بے ڈھب اور پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ جب تک اصل انگریزی مسودہ سامنے نہیں رکھا جاتا مراٹھی متن سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔

ان وجوہات میں مزید دو کا اضافہ کیا جا سکتا ہے: (۱) سرکاری ملازمین کی ذہنی ساخت (۲) حاکموں میں قوت ارادی کا فقدان۔

ٹیکنیکل ساز و سامان کی کمی کے تعلق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سرکاری دفتروں کو نئے 'کی' بورڈ کے ساتھ تیار کئے گئے ٹائپ رائٹر کافی تعداد میں مہیا کئے گئے تھے، لیکن ان میں کچھ خامیاں پائی گئیں۔ ان ٹیکنیکل خامیوں کی وجہ سے وہ بار بار بگڑ جاتے تھے اور ان کی سطح کھُردری ہونے کی وجہ سے اسٹینسل ٹھیک سے کٹ نہیں پاتے تھے جس کی وجہ سے کاپیاں پڑھی نہیں جاتی تھیں، اب ان خامیوں کو دُور کر دیا گیا ہے۔ بہتر مشینیں جلد ہی میسر ہو سکیں گی۔ بازار میں مراٹھی ٹائپسٹوں کی کمی نہیں ہے نیز انگریزی ٹائپسٹ جو فی الحال برسر ملازمت ہیں انھیں مراٹھی ٹائپ رائٹنگ کی ٹریننگ دیئے جانے کے لئے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ تاہم زود رفتار اسٹینوز تیار کرنا ضروری ہے، لہٰذا انھیں مراٹھی شارٹ ہینڈ کی تربیت دینے کے لئے ایک اسکیم یکم مئی ۱۹۷۹ء سے نافذ کی گئی ہے۔

۱۹۶۲ء میں پد نام کوش کی اشاعت کے بعد سے ڈائرکٹوریٹ کی وضع کردہ اصطلاحات پر پریس اور تعلیمی حلقوں نے کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ ان تنقید نگاروں کی خاص شکایت یہ ہے کہ ان مروّجہ الفاظ کو جو آسانی سے عام آدمی سمجھ سکتا ہے، مسترد کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ مغلق سنسکرت آمیز الفاظ گھڑ لئے گئے ہیں۔ اس میں کچھ سچائی ہو سکتی ہے کہ دقیق سنسکرت آمیز الفاظ جو تعلیم یافتہ لوگوں کی سمجھ سے بھی بالاتر ہیں وضع کر لئے گئے ہیں لیکن یہ الزام غلط ہے کہ مروجہ الفاظ کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ ایسے نکتہ چیں جن الفاظ کو مثال میں پیش کرتے ہیں وہ یا تو ایسے ہیں جو ہم نے استعمال ہی نہیں کئے (یہ الفاظ ڈاکٹر رگھو ویر سے چُن لئے جاتے ہیں) یا ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں جو مرکب الفاظ میں استعمال کئے گئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ آسان الفاظ کو جیسے ہوا، پانی، زمین، جمع خرچ وغیرہ کو سرکاری ڈرافٹنگ اور نوٹنگ سے نکال باہر کر دیا گیا ہے اور ان کی جگہ بھاری الفاظ جیسے والُو، وات، جَل اور بھُو کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بات جزوی طور پر صحیح ہے۔ ہوا، پانی اور زمین جیسے الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے جبکہ وہ مفرد استعمال میں آتے ہوں بلکہ ہوا مان (آب وہوا)، ہوابند، پانی بڑ وٹھا (آب رسانی)، پانی پوجنا، زمین محصول اور کمال زمین دھارنا جیسے مرکب الفاظ میں بھی ان سلیس الفاظ کے استعمال سے گریز نہیں کیا جاتا۔ لیکن مرکب الفاظ جب سنسکرت الفاظ کی مدد سے بنائے جاتے ہیں تو 'وَالو، وات، بھو اور جَل کو ترجیح دی جاتی ہے جیسے' والوسینا، واتا ورن، واتانوکلت، جَل وِدیت جل سِنچن، بھوگول، بھوشاستر، ابھیوُدھارک، یہ طریقہ مراٹھی زبان کے مزاج کے مطابق ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں الفاظ گذشتہ سو سال کے دوران مختلف مصنفوں نے وضع کئے ہیں اور اب وہ مراٹھی زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہ نکتہ چینی کہ مُروجہ الفاظ کے بدلے سنسکرت الفاظ کو جگہ دی گئی ہے جانچ کی کسوٹی پر صحیح نہیں اُترتی۔

نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ ہماری زبانوں کا استعمال انتظامیہ، عدلیہ، اعلیٰ تعلیم، سائنٹفک تحریروں اور تحقیق کے میدانوں میں کبھی نہیں ہوا۔ لہٰذا

کاروبارِ زندگی کے ترقی یافتہ شعبوں میں خیال آفرینی و اظہارِ بیان کے لئے ہماری زبانوں کے الفاظ کے ذخیرے ناکافی ہیں، کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ مندرجۂ ذیل طریقوں سے ہوتا ہے :

(ایک) مروّجہ الفاظ سے نئے الفاظ بنانا ۔
(دو) نئی اصطلاحات وضع کرنا ۔
(تین) خارجی ذرائع سے اصطلاحات لینا ۔

ترقی یافتہ زبانوں میں ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ قریب قریب از خود ہی ہوتا رہتا ہے۔ مختلف مضامین پر لکھنے والے اپنے خیالات و تصورات کی وضاحت کے لئے نئے الفاظ اور محاورات ایجاد کرتے ہیں اور اس طرح گھڑے ہوئے الفاظ کو بعد میں ڈکشنریوں میں جگہ مل جاتی ہے۔ ہندوستانی زبانوں میں اس کے برعکس عمل ہوتا ہے۔ ایسے متعدد شعبے ہیں جن میں ہماری زبانوں کا استعمال نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ ان شعبوں کے تعلق سے ذخیرۂ الفاظ کا فقدان ہے۔ لہٰذا ہمیں وضع اصطلاحات کا مصنوعی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

ہماری زبانوں میں انتظامیہ میں عام طور پر استعمال کئے جانے والے الفاظ جیسے سیکریٹری، ڈپٹی سکریٹری، کمشنر، کلکٹر، سول سرجن، ڈائرکٹر، انجینئر مجسٹریٹ، انسپکٹر، سپروائزر، سپرنٹنڈنٹ وغیرہ کے لئے کوئی مترادفات نہیں تھے۔ ہمارے لئے دو ہی راستے تھے :

سنسکرت کو بنیاد بناکر نئے الفاظ بناتے یا پھر ان الفاظ کو جیسے بھی وہ ہیں انگریزی سے لے لیتے۔ ظاہر ہے کہ نئے الفاظ بنانا بہتر ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سنسکرت سے مدد لیں کیونکہ یہ زبان تمام ہندوستانی زبانوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ زبان مادّوں، سابقوں، لاحقوں اور مشتقات سے بھرپور ہونے کی وجہ سے وضع اصطلاحات کے لئے بہترین ہے۔ سنسکرت کے حق میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس میں مادّے سے نئے الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور سے لفظ "ودھی" سے متعدد الفاظ بنائے جاسکتے ہیں، جیسے : 'ویدھی، اودیدھی، ودھی بیکت، ودھی سمنت، ودھی ورُدھ، ودھیک وغیرہ۔

سنسکرت سے بنائے ہوئے الفاظ ہماری زبان میں آسانی سے ضم ہو جاتے ہیں نیز وہ ہندوستان بھر میں سمجھے جا سکتے ہیں اور اس طرح دیگر زبانوں کو ایک دوسرے سے قریب لاتے ہیں۔ اسی طریقے سے ہندوستان کی جملہ زبانوں میں سائنٹیفک اور ٹیکنیکل اصطلاحات کو یکساں رکھنے کا مقصد بھی حاصل ہو سکتا ہے، ہم اپنی روزانہ بات چیت میں متعدد انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اگر یہ سمجھ کر کہ لوگوں کی اکثریت ان الفاظ کو استعمال کرتی اور سمجھتی ہے، ہم انھیں اختیار کرلیں تو مجھے ڈر ہے کہ اس سے ہماری زبانوں کی ترقی معکوس ہوگی اور وہ بھی اس حد تک کہ ہماری زبانیں صرف خبر کے اظہار کے لئے استعمال ہونے لگیں گی۔ ماہرین کا خیال ہے کہ "غیر زبان کے مصطلحات کے استعمال سے جہاں تک ہوسکے احتراز ضروری ہے کیونکہ ان کے استعمال سے زبان کا لسانی توازن بگڑ جاتا ہے۔ اس سے زبان کی داخلی ساخت اور دلآویزی بھی متاثر ہوتی ہے۔

اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ اس سلسلہ میں کوئی خاص تنگ نظری برتی جائے۔ کوئی زبان دوسری زبانوں کے الفاظ کو اخذ کئے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔ ہر زبان میں ہم سینکڑوں الفاظ ایسے پاتے ہیں جن کی اصل کسی دوسری زبان میں پائی جاتی ہے۔ اگر ایسے الفاظ صرفی و صوتی اعتبار سے اپنی زبان کا حصّہ بن چکے ہیں تو انھیں نکالا نہیں جاسکتا اور نہ ہی نکالنا چاہئے۔ ہم نے فارسی، عربی اور انگریزی اصل کے متعدد الفاظ کو اپنی زبان میں جگہ دی ہے، ایسے چند الفاظ ملاحظہ ہوں :

محسول، وصول، دیوانی دعویٰ، سمنس، پولیس، اپیل، داخل، خارج، معافی وغیرہ۔ صرف اتنے ہی نہیں بلکہ ایسے متعدد اور اَن گنت الفاظ ہیں۔ علاوہ ازیں ہماری زبانیں ایک عظیم ورثہ کی حامل ہیں۔ متعدد اولیائے کرام، شعراء اور مصنفوں وغیرہ نے ان کی امکانی وسعتوں کو ثابت کیا ہے جن کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ غیر زبانوں کے مستعار الفاظ کی ایک حد ہونی چاہئے۔

یہ عام طور پر مسلّمہ اصول ہے کہ جہاں تک ہوسکے ٹیکنیکی اصطلاحات عام الفاظ سے مختلف رہیں۔ انگریزی میں THERMO-GEO, ACQUA-HYDRO وغیرہ یونانی و لاطینی سابقوں سے بنائے ہوئے متعدد مرکب الفاظ پائے جاتے ہیں۔ ان سابقوں کی وجہ سے ٹکنیکی اصطلاحات عام الفاظ سے الگ پہچانی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ ہر ٹکنیکی اصطلاح کے لئے صرف ایک ہی مترادف لفظ ہونا چاہئے اور اس مخصوص موضوع کے تعلق سے اس کا استعمال متعینہ معنوں میں ہونا چاہئے۔

اصطلاحات مغلق اور دور از فہم نظر آتے ہیں کیونکہ ٹکنیکل موضوع میں کسی ایک ہی تصوّر کے مختلف معنوی پہلوؤں کو الفاظ کا جامہ پہنانے کیلئے مختلف الفاظ کا تعین ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہم اصل یا متجانس تصورات پر ایک ساتھ غور و خوض کرکے ان کے معنوں میں نازک فرق کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے لئے مناسب مترادف متعین کرنا ہی بہتر ہوتا ہے، انگریزی میں ہم کئی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے کم و بیش وہی معنی ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک نازک سا فرق بھی پایا جاتا ہے، مثلاً REPEAL, CANCEL

TRESSPASS, ENCROACH, ABROGATE, ANNUL, REVOKE

MARK, SIGN, INTRUDE, CONTRAVENE, IMPINGE

SYMBOL, SIGNAL, TOKEN

ایسے متعدد سلسلہ وار الفاظ کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ مثالوں میں CANCEL سلسلہ کے جملہ الفاظ کے لئے ہم صرف रद्द करणे استعمال نہیں کر سکتے اور نہ ہی ENCROACH سلسلہ کے الفاظ کے لئے अतिक्रमण करणे یا SIGN سلسلہ کے جملہ الفاظ کے لئے سही لفظ کا استعمال کر سکتے ہیں۔ عام استعمال میں ان مترادفات کو ایسے ہی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اہم دستاویزات میں نہیں۔ ان اصطلاحات کے لئے مختلف مترادفات کا تعین ضروری ہے ایک طویل عرصے تک مستعمل ہونے کے بعد ایسے الفاظ مروّجہ معلوم ہوتے ہیں۔

انسان نے جن علوم کو حاصل کیا ہے اُن کا ہر شعبہ اپنا ایک الگ ذخیرۂ الفاظ رکھتا ہے اور اُس کے لئے اظہارِ بیان کا طریقہ بھی الگ ہوتا ہے، ذخیرۂ الفاظ کے ساتھ ہی طرزِ بیان، محاورات اور اسالیبِ بیان کو بھی ترقی دینا ضروری ہوتا ہے۔

سرکاری ملازمین کو یہ سب کچھ انگریزی میں ڈھلے ڈھلائے مِل جاتے ہیں، جہاں تک مراٹھی کا تعلق ہے منترالیہ سطح پر سرکاری کام کاج چلانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اختراع سے کام لیں۔ اگر ان سطحوں پر اصل کام مراٹھی میں کیا جائے تو سرکاری کام کاج کی تحریروں میں بندھے ٹکے محاورات کا معیاری حیثیت اختیار کر لینا ممکن ہو سکتا ہے اور پھر اس زبان میں کام چلانے میں کوئی دقت باقی نہیں رہے گی۔

ایک اور بات جو قابلِ غور ہے وہ یہ کہ آج سرکاری کام کاج سے متعلق جو کچھ بھی مسالہ ہمیں میسّر ہے وہ ترجمہ کی شکل میں ہے۔ ترجمہ بہرحال ترجمہ ہے اس میں اصل زبان کے صحیح رنگ اور اس کی روانی کی مکمل عکاسی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ترجمہ میں کچھ تصنع اور پیچیدگی کا ہونا لازمی ہے۔ نیز ترجمے کی خوبی اس پر بھی منحصر ہوتی ہے کہ ترجمہ کیسے کیا جاتا ہے، کون کرتا ہے اور موضوع کیا ہے؟ اس کے لئے کافی دقت اور تجربہ کی ضرورت ہے جو آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے بہترین طریقہ یہی ہے کہ براہ راست مراٹھی میں سوچنا اور لکھنا شروع کیا جائے۔ تاہم ایک عرصہ کے لئے ہمیں ترجمہ پر بھروسہ کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ ہمارے قوانین و ضوابط کی جملہ کتابیں انگریزی میں ہیں اور انھیں مراٹھی میں منتقل کرنا ضروری ہے۔

انسانی فطرت کا جھکاؤ ہمیشہ روایات کی طرف رہا ہے۔ قلبِ ماہیت کے لئے ذہنیت کی تبدیلی، جہدِ مسلسل اور ترغیب کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اُن لوگوں کو بھی دلچسپی دکھانا چاہیئے جو حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں، اور اُن لوگوں کو بھی جو عوام کے مقبول نمائندے ہیں۔

ترجمہ: علاء الدین جینابڑے

قارئین کیلئے ضروری اعلان:

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پُوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر، قومی راج، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، پندرہواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲

ڈسٹرکٹ انڈسٹریل سنٹرس (ڈی آئی سی ایس)

پسماندہ علاقوں کی ترقیات میں معاون

• ڈاکٹر ایس. بی. ساکھلیکر
ایگزیکیٹیو ڈائرکٹر، مہاراشٹر ایکونومک ڈیولپمنٹ کونسل،

مہاراشٹر ہندوستان کی ایک اہم صنعتی ریاست ہے۔ اس ریاست کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر صنعتیں بمبئی اور پونے جیسے چھوٹے علاقوں میں واقع ہیں، جبکہ دیگر علاقوں میں صنعتوں کی قلت ہے۔ بمبئی عظمیٰ میں ہی کل ریاست کی نصف رجسٹرڈ شدہ صنعتیں قائم ہیں۔ اس طرح یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مہاراشٹر کی صنعتی خوشحالی کا دارومدار بمبئی اور پونے میں واقع صنعتوں کی ترقی پر ہے۔ بمبئی کی فی کس آمدنی ریاست بھر کی فی کس آمدنی کا اڑھائی گنا ہے۔ بہرحال بمبئی میں گنجان صنعتوں اور آبادی کی وجہ سے مکانات، نقل و حمل، آب رسانی وغیرہ جیسے لاتعداد مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

گوکہ مہاراشٹر کے باقی ماندہ علاقے ابھی ترقی پذیر ہیں لیکن زراعتی اور صنعتی ضروریات پوری کرنے کی کافی استطاعت رکھنے کی وجہ سے صنعتی ترقی میں توازن قائم رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ریاستی معیشت میں بھی توازن قائم کرنے کے لئے ڈسٹرکٹ انڈسٹریل سینٹرس (ڈی آئی سی ایس) یعنی ضلع صنعتی مراکز کی کارکردگی میں بہتری پیدا کی جانی چاہیئے۔

متوازن صنعتی ترقی صرف ایک معاشی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک سماجی وثقافتی مسئلہ بھی ہے۔ "شہری سماج" اور "دیہی سماج" میں معاشی، سماجی اور ثقافتی حالاتِ زندگی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ شہروں کی بہ نسبت دیہاتوں میں خاندانی اور سماجی رشتے زیادہ مضبوط، بے لوث اور صحت مندانہ ہوتے ہیں۔

اسی لئے کسی ضلع میں واقع متعدد دیہی و شہری حلقوں پر مشتمل علاقوں میں ڈی آئی سی ایس جیسی ایجنسیوں کے ذریعے ضروریاتِ زندگی کے کام اس طور سے انجام دیئے جانے چاہئیں کہ اضافی دیہی آبادی اس سے متاثر نہ ہو اور وہ اپنے مقام سے ہٹنے نہ پائے۔ مذکورہ مراکز کی کوششوں کا مقصد دیہی سماج کا استحکام ہونا چاہیئے۔

متوازی ترقی کے حصول کے لئے مذکورہ مراکز کو بے انتہا جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی لاتعداد مسائل کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ پانچویں منصوبہ بندی مسودہ میں اس بات کی صحیح نشاندہی کی گئی ہے کہ مارکیٹ کے اصول کچھ اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ ترقی یافتہ علاقوں میں ہی مزید اضافہ کا امکان رہتا ہے۔ معاشی نظام بھی کچھ اس طرح کا ہے کہ جس سے مختلف علاقوں کے درمیان نابرابری پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں یہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کم ترقی یافتہ علاقوں کی سمت اضافہ کا رجحان موڑا جا سکے اور خصوصی ذرائع پیدا کئے جا سکیں۔ علاوہ ازیں پسماندہ علاقوں میں سرمایہ کا استعمال مشکوک ہوتا ہے۔ سرمایہ لگانے سے پہلے متعدد معاملوں مثلاً مقامی حالات، پیداوار کی صلاحیت، ترقی کے امکانات، ماہر پیشہ ور افراد اور تجارتی سہولیات کی دستیابی وغیرہ پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ضلع صنعتی مراکز:

سرمایہ کاری صنعتی ترقی کی بنیاد ہے۔ لیکن پسماندہ علاقوں میں خصوصاً کسی چھوٹی صنعت کا چلانا بھی ایک مشکل کام ہے۔ مالی مشکلات کے علاوہ ایسے سرمایہ کار کو تکنیکی، مارکٹنگ اور قانونی دشواریوں کا بھی سامنا کرنا ہوتا ہے۔

سب سے مشکل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس وقت کی کمی رہتی ہے
ہ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ مختلف ایجنسیوں اور عہدیداروں کو زیادہ
سے زیادہ وقت دے کر اپنے لئے کچھ رہنمائی حاصل کر سکے۔ ان ہی
شواریوں کی وجہ سے کم ترقی یافتہ علاقوں میں واقع چھوٹی صنعتوں کی ترقیا
ں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اکثر اوقات مرکزی شہروں میں واقع ایجنسیو
ں کے دفتروں کا چکر لگاتے لگاتے کارخانہ دار پریشان ہو جاتا ہے اور مجبور
ہو جاتا ہے کہ لگاتار مالی نقصان اٹھانے کی بجائے کارخانہ ہی بند کر دے۔
چھوٹے صنعت کاروں کی ان دشواریوں پر قابو پانے کے لئے حکومت نے
مختلف اضلاع میں ضلع صنعتی مراکز (ڈی آئی سی ایس) قائم کئے ہیں۔

ڈی آئی سی ایس، متعلقہ ضلع میں قائم چھوٹی صنعتوں، یا دیہی صنعتوں
کے مالکین کو تمام ضروری امداد مہیا کرتے ہیں۔ یہ مرکز چھوٹے کارخانہ داروں
و مختلف معاملات مثلاً پروجیکٹ کی تیاری، کارخانہ کی تعمیر، مشین،
خام مال، مالی ضروریات، بجلی وغیرہ کے سلسلہ میں امداد دیتا ہے۔ امید
ہے کہ آئندہ دو سالوں میں ملک کی تمام ریاستیں مذکورہ ڈی آئی سی
ایس پروگرام کے تحت لائی جائیں گی۔ فی الحال ملک میں ۲۱۵ مراکز
منظور ہوئے ہیں اور تقریباً ۱۲۵ مراکز کام کر رہے ہیں۔ مہاراشٹر میں
یکم مئی ۱۹۷۸ء سے مندرجہ ذیل اضلاع میں ۱۴ مراکز قائم کئے گئے ہیں:
احمد نگر، اورنگ آباد، بیڑ، بھنڈارہ، بلڈانہ، چندرپور، دھولے،
جلگاؤں، ناندیڑ، قلابہ، پربھنی، رتناگیری، واردھا اور ایوت محل۔
ب ۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء سے باقی ماندہ ۱۱ اضلاع میں بھی مذکورہ مراکز
قائم کئے گئے ہیں۔

انتظامی امور: سب سے اوپر مرکزی وزیر صنعت کے زیر قیادت مرکزی
رابطہ کمیٹی اور ریاستی سطح پر وزیر اعلیٰ یا ریاستی وزیر صنعت کے زیر قیادت
ریاستی رابطہ کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈی آئی سی ایس کی بنائی
اور پروجیکٹوں پر غور و خوض کے لئے متعلقہ ضلع کلکٹر اور ڈپٹی انڈسٹریز کمشنران
کے زیر قیادت ضلع مشاورتی کمیٹیاں بھی تشکیل دی گئی ہیں۔

ان کمیٹیوں کا خاص کام یہ ہے کہ یہ کمیٹیاں مرکزی اور ریاستی حکومت
کی قائم کردہ مختلف ایجنسیوں مثلاً ایس آئی ایس آئی، ایم آئی ڈی سی،
ایم ایس ایس آئی ڈی سی، ایس آئی سی او ایم، ایم ایس ای بی، ایم ایس ایف
سی، کے وی آئی بورڈ، ضلع پریشد، ضلع امداد باہمی سوسائٹی وغیرہ کے کاموں
میں ربط پیدا کرتی ہیں اور مراکز کے کاموں میں تعاون دیتی ہیں۔ اس لئے یہ ضروری
ہو جاتا ہے کہ ان کمیٹیوں کے ذریعے تمام اداروں کی نمائندگی ہو سکے۔

ڈی آئی سی کا سربراہ جنرل منیجر ہوتا ہے جو متعلقہ ضلع میں قائم صنعتوں
کی ترقی اور ربط و ضبط کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے ماتحت سات معاون منیجر
ہوتے ہیں جو (۱) معاشی معاملات (۲) مشین اور آلات (۳) ریسرچ اور تربیت
(۴) خام مال (۵) قرضہ جات (۶) مارکیٹنگ (۷) گھریلو صنعت وغیرہ جیسے
معاملات میں اقدامات کرتے ہیں۔ اس اسٹاف کی کارروائیوں میں دیگر
محکمہ جات اور ادارے تعاون دیتے ہیں۔

۱۔ منیجر (معاشی معلومات):

ا) ضلع میں واقع مختلف نوع کی صنعتوں کی صلاحیت کا معائنہ
ب) خام مال اور کاریگروں کا معائنہ
ج) پیداواری طریقوں، تکنیکی۔ معاشی نمونوں کی تیاری
د) قابل دستیاب مواد
ہ) تاجروں کو سرمایہ کاری کے بارے میں مشورے

۲۔ منیجر (مشین و آلات):

ا) مختلف قسم کی چھوٹی صنعت و دیہی صنعت کے لئے درکار مشینوں اور
آلات کی ضرورت کا اندازہ لگانا
ب) ملک میں مشینوں اور آلات کے ذریعوں کا اندازہ
ج) تاجروں کی سہولت کے لئے فراہم کرنے والوں اور قیمتوں کی فہرست
د) اشیا کی طلبی میں مدد
ہ) مشینوں اور آلات کی دیکھ بھال متعلقہ اداروں کے ذریعہ
ی) دیہی علاقوں میں سادہ مشینوں کی ضروریات کا اندازہ

۳۔ منیجر (تحقیقات، توسیع و تربیت):

ا) آر اینڈ ڈی کی سطح پر منتخبہ پیداواری طریقوں اور مال کی خاصیت میں
برقراری کے طریقے
ب) خام مال اور پیداواری طریقوں سے متعلق تاجروں کو درپیش مسائل پر غور
ج) چھوٹے اور مختصر شعبوں میں پیداواری نظام سے متعلق تربیت کا انتظام

۴۔ منیجر (خام مال):

ا) مختلف شعبوں کو درکار خام مال، اُن کے ذرائع اور قیمتوں پر غور
ب) خام مال کی امدادِ باہمی یا مکمل طریقے سے خریداری کا انتظام

۵۔ منیجر (قرضہ جات):

ا) تاجروں کو قرضہ جات کی مختلف اسکیمات میں رائے مشورے
ب) مالی اداروں کو درخواست فارموں کی تیاری میں مدد
ج) بڑے بنکوں اور دیگر اداروں سے ربط
د) درخواستوں کی سفارش
ہ) ضلع میں صنعتی قرضہ جات کی دیکھ بھال

۶۔ مینجر (مارکٹنگ):

ا) مارکیٹ سروے اور مارکیٹ ترقیاتی پروگراموں کا اہتمام

ب) مارکٹنگ ضروریات کا انتظام

ج) تاجروں کو مارکٹنگ سے متعلق اہم اطلاعات کی فراہمی

۷۔ مینجر (گھریلو صنعت):

ا) گھریلو صنعتوں خصوصاً کھادی اور دیہی صنعت، ہینڈلوم اور دستکاری کی ترقی پر خصوصی توجہ۔

ب) ریاستی کھادی بورڈ اور دیگر متعلقہ سرکاری ایجنسیوں سے ربط

ج) دیہی پیشوں میں تربیت کا انتظام

ترقیات کے لئے طویل المدتی اقدامات:

چونکہ ڈی آئی سی ایس کے ذمہ متعدد صنعتوں سے متعلق مختلف اقسام کے انتظامات ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان مراکز کا عملہ تربیت یافتہ، تجربہ کار اور مناسب اختیارات کا حامل ہو۔ اس سلسلہ میں حکومت کے متعلقہ محکموں سے عملہ مستعار لیا جا سکتا ہے، مثلاً مارکٹنگ، قرضہ جات اور گھریلو صنعتوں کے لئے متعلقہ منیجران کے لئے مہاراشٹر، اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن، مہاراشٹر اسٹیٹ فائنانشیل کارپوریشن (یا ضلع کی کوئی اہم بنک) اور کھادی و دیہی انڈسٹریز بورڈ کے افسران کا تقرر کیا جا سکتا ہے۔ جنرل منیجر اور معاون منیجروں کی مستعدی و قابلیت پر ہی ڈی آئی سی ایس کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ جنرل منیجر ڈپٹی ڈائرکٹر آف انڈسٹریز کی سطح کا فرسٹ کلاس افسر ہونا چاہیئے۔

مارکٹنگ خدمات:

ڈی آئی سی کے مارکٹنگ شعبہ کے لئے مذکورہ بالا قابلیت خاص طور پر اہم ہے۔ مارکٹنگ کے لئے اگر مشہور نجی اداروں کا عملہ بھی مستعار لیا جائے تو مناسب ہوگا۔ ڈی آئی سی ایس ضلع میں واقع صنعتی شعبوں کی فروخت کی صلاحیت کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں

ابتدا میں ڈی آئی سی ایس سرکاری اور حکومت سے منسلک معاون اداروں کے لئے مارکٹنگ پر توجہ دیں اور پھر رفتہ رفتہ عام مارکٹنگ تک ایسے انتظام کو توسیع دیں۔ حکومت مہاراشٹر چھوٹی صنعتوں کو ۱۵ فیصد قیمت منظور کرتی ہے اور ان صنعتوں سے ۱۳۵ قسم کی اشیا کی خریداری حکومت نے اپنے ذمہ لی ہے۔ مرکزی حکومت چھوٹی صنعتوں کو ۸۰۵ قسم کی اشیا کی تیاری میں مدد دیتی ہے لیکن ان اشیا میں سے کچھ کی بھی خریداری قبول نہیں کی ہے۔ اُمید ہے کہ اس طرف توجہ دیتے ہوئے مرکزی حکومت اشیا کا

قومی راج

حصہ خریدے گی اور ڈی آئی سی ایس کے تعاون سے خریداری کے طریقے کو مزید آسان بنائے گی۔

معاون صنعتی شعبوں کی ترقیات:

معاون صنعتی شعبوں کی ترقیات بھی اہم ہے جس میں مرکز کا تعاون ضروری ہے۔ مہاراشٹر میں ۱۳۲۱ بڑی صنعتیں، ۲۶۱ درمیانی صنعتیں اور ۱۲ پبلک سیکٹرس ہیں اس لئے معاون شعبوں کے فروغ کے کافی امکانات ہیں۔

فی الحال معاون صنعتوں کی اکثریت بمبئی، پونے اور کولہاپور میں واقع ہے یہ صنعتیں آٹوموبائل، مشینوں کی تیاری، بجلی کے سامان، آئیل انجن اور زرعی سامان کی صنعت پر مشتمل ۲۰۰ بڑی صنعتوں کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ ان صنعتوں کی پیداوار کی مالیت سالانہ ۳ کروڑ روپے ہے۔ اور ۲۰۰۰ افراد کے روزگار کی گنجائش رکھتی ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں بمبئی میں واقع اسمال اسکیل انڈسٹریز سروس انسٹی ٹیوٹ میں ضمنی۔ ٹھیکہ داری دفتر قائم کیا گیا جو معاون اور اصلی صنعتوں کے مابین رابطہ کا کام انجام دیتا ہے۔ ڈی آئی سی ایس بھی اس سلسلہ میں فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

صنعتی حلقوں کی ترقیات:

صنعتی ترقیات کے لئے صنعتی حلقے اہم خدمات انجام دے سکتے ہیں لیکن یہ اس وقت ممکن ہے جب ضروری سہولیات مثلاً آب رسانی، بجلی، ڈاکخانے بنک، کینٹین، ٹیلیفون وغیرہ سے متعلق رکاوٹیں دور کی جا سکیں۔

دوسری ریاستوں میں شیشہ، چمڑا، کاغذ، تیار کپڑے اور خام اون سے متعلق صنعتوں نے قابل ذکر ترقی کی ہے۔ اگر ایسے صنعتی حلقوں کو مہاراشٹر میں فروغ حاصل ہو تو کم ترقی یافتہ علاقوں میں صنعتوں کو ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح اوکھلہ، راج کوٹ اور ہوڑہ میں مغربی جرمنی، امریکہ اور جاپان کے اشتراک سے تربیتی مرکز قائم کیا گیا ہے۔ اسی طرح کا ایک مرکز ریاستی حکومت یہاں بھی قائم کرے۔

زراعتی صنعتوں کی ترقی:

مہاراشٹر میں متوازی معاشی اور صنعتی خوشحالی کے لئے زراعتی صنعتیں نہایت اہم ہیں۔ مہاراشٹر کا ایک بڑا حصہ زراعتی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اناج پھل اور ترکاریاں، پولٹری اور ڈیری پیداوار یہاں سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس زراعتی پیداوار میں بھی ڈی آئی سی ایس مدد دے سکتی ہے۔ دھان کی صفائی، مونگ پھلی کی پسائی، پھلوں اور ترکاریوں کی سیل بندی تاکہ طویل

(باقی صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیے)

عالمی بنک کے امداد کردہ
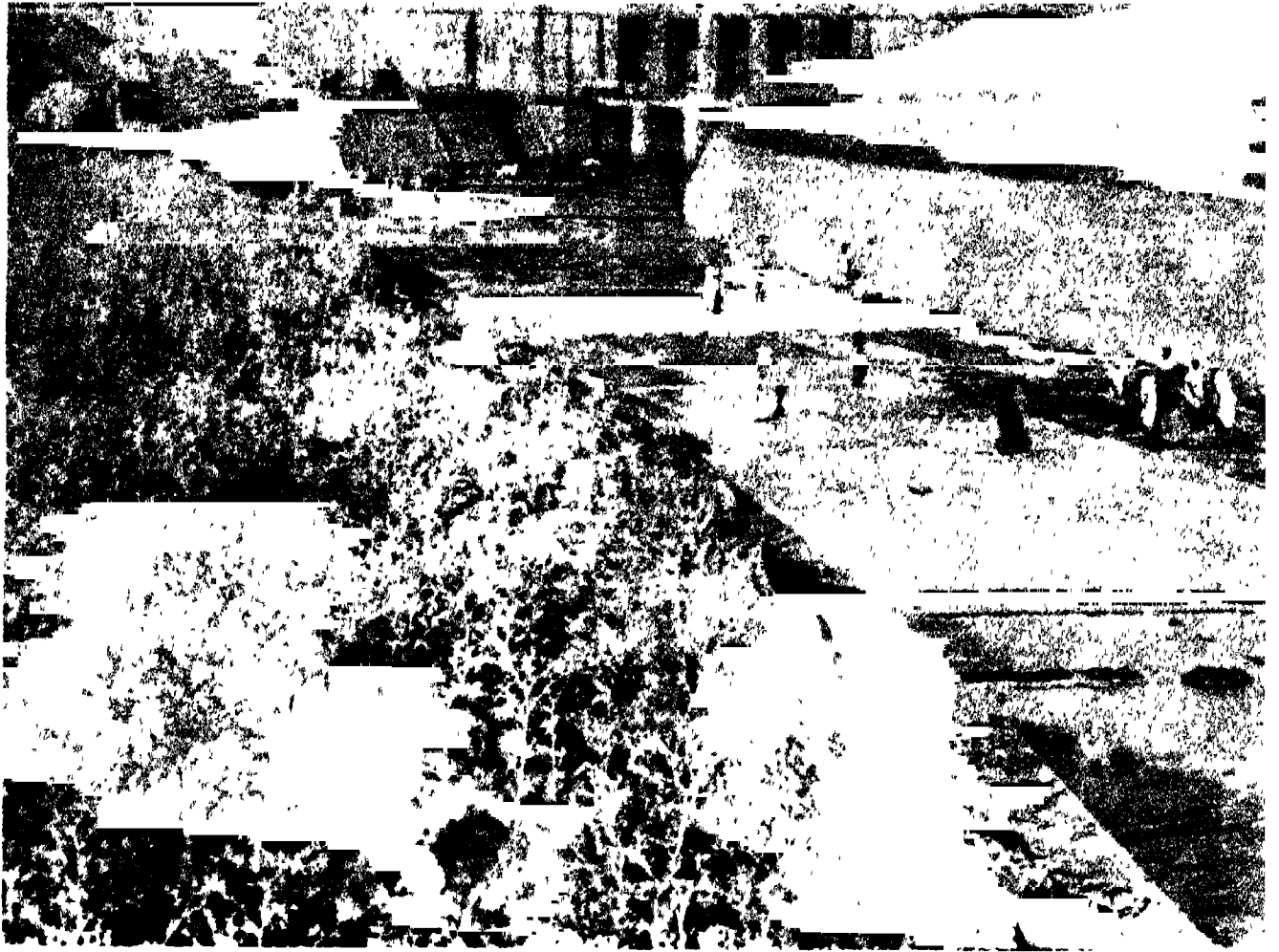
مہاراشٹر کے اہم آبپاشی پروجیکٹ

• ایس سی ساکھلکر،
ڈپٹی سیکریٹری، محکمۂ آبپاشی

بھیمہ، کرشنا، کُکڑی، وارنا، بالائی وردھا اور بالائی پین گنگا، مہاراشٹر کے وہ چھ اہم بڑے آبپاشی پروجیکٹ ہیں جن پر لاگت کا تخمینہ تقریباً ۷۵۰ کروڑ روپیہ ہے، اور جنھیں حکومتِ مہاراشٹر نے بغرضِ امداد عالمی بنک کے روبرو پیش کیا ہے۔ خوش قسمتی سے اس معاملے پر غور کے دوران عالمی بنک نے کرشنا اور مولا طریقوں کی تجدید بھی منظور کی ہے اور انھیں بھی مہاراشٹر کے آبپاشی پروجیکٹوں میں شامل کرلیا ہے۔ مزید برآں ریاست کے پسماندہ علاقوں میں آبپاشی کی بہتری کے لئے سودمند پروجیکٹوں کو بھی حکومتِ ہند کے سامنے پیش کردیا گیا ہے تاکہ اس سلسلے میں بھی عالمی بنک اور دیگر مالی اداروں سے امداد حاصل کی جاسکے۔

ریاست مہاراشٹر میں واقع کُل اراضی ۳۰٫۷۷ ملین ہیکٹر ہے۔ اس میں سے ۱۸٫۳۵ ہیکٹر اراضی قابلِ کاشت ہے اور ۱۹٫۴۸ ہیکٹر اراضی پر فصل اُگائی جاتی ہے۔ آبپاشی کے لحاظ سے ۷۸-۱۹۷۷ء میں کئے گئے ایک اندازے کے مطابق ۲٫۲۷۵ ملین ہیکٹر اراضی پر آبپاشی کی جاتی ہے یعنی قابلِ فصل علاقہ کا یہ صرف ۱۱٫۵ فیصد ہے۔
ہندوستان میں آب پاشی میں پسماندہ

علاقوں میں مہاراشٹر دوسرے نمبر پر ہے۔ اِتنا ضرور ہے کہ گذشتہ ۱۷ سالوں میں قابلِ آبپاشی اراضی میں ۰.۵۵ ۱۶ ملین اراضی کا اضافہ ہوا ہے۔

آبپاشی کی استطاعت :

حالیہ اندازے کے مطابق سطحی اور زیرِ زمین ذخیرۂ آب کی تعداد ۷۶۰.۶۱ ملین ہیکٹر ہے سال ۸۳-۱۹۷۸ء کے پنجسالہ منصوبہ کے دوران بڑے اور درمیانی آب پاشی پرُوجیکٹ کے اخراجات میں مزید اضافہ تجویز کیا گیا ہے تاکہ ۲۰۰۰ء تک سطحی ذخیرۂ آب کے ذریعہ ریاست کی آبپاشی استطاعت میں اضافہ ہو سکے۔ اِس سلسلے میں ایک اندازے کے مطابق سال ۷۹-۱۹۷۸ء سے ۳۰۵۰۰ کروڑ روپیہ کا سرمایہ درکار ہوگا۔ پنج سالہ منصوبہ میں ریاست نے آبپاشی کے مسئلہ کو اولیت دی ہے اور سرمایہ کا ایک بڑا حصہ بھی مہیا کیا ہے۔ لیکن ریاست کی آبپاشی استطاعت میں مزید بہتری پیدا ہو سکتی ہے اگر عالمی بنک کی مدد سے زائد ذرائع آبپاشی پیدا کئے جائیں۔

عالمی بنک کے پرُوجیکٹ :

جائیکواڑی اسٹیج اوّل اور دوئم کے نہروں کی تکمیل اور جائیکواڑی۔ پورنا پروجیکٹ کے کمانڈ ایریا کے ترقیات کے لئے عالمی بنک نے ۷۰ ملین امریکن ڈالر بطورِ قرض منظور کئے ہیں۔ اور اکتوبر ۱۹۷۷ء کو حکومتِ ہند، حکومتِ مہاراشٹر اور بین الاقوامی ترقیاتی ادارے کے مابین ایک معاہدے پر دستخط بھی ہوگئے ہیں۔ یہ معاہدہ ۱۳ جنوری ۱۹۷۸ء سے چار سال کی مدّت کے لئے روبہ عمل رہے گا۔

جائیکواڑی پرُوجیکٹ اسٹیج۔ اول دریائے گوداوری کے بائیں کنارے ۲۰۸ کلومیٹر کے رقبہ میں پیتھان کے مقام پر ایک ذخیرۂ آب

بھیمہ پرُوجیکٹ : اُجانی بایاں نہری کنارا۔ اس کے ذریعہ جون ۱۹۷۸ء تک ۱۰۸۰۵۰ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی ممکن ہو سکی ہے۔ تصویر میں نہر پاٹنے کا کام دیکھا جا سکتا ہے۔

بھیمہ پرُوجیکٹ

بھیمہ پرُوجیکٹ میں اُجانی کے مقام پر دریائے بھیمہ پر ۱۴۴۰ ام ایم کیو ذخیرۂ آب کی گنجائش کے حامل ایک بندھ کی تعمیر، بائیں کنارے ۲۵۰ کلومیٹر لمبی اور دائیں کنارے ۱۲۱ کلومیٹر لمبی نہر کی تعمیر شامل ہے۔ اس پرُوجیکٹ سے پونے اور سولاپور اضلاع کی ۲۴۵۰۰۰ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا جس میں خسکی کے آثار رکھنے والا ایک وسیع علاقہ بھی شامل ہے۔

اس پرُوجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۱۳۱،۸۸ کروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۶۳،۲۵ کروڑ روپے صرف کئے جا چکے ہیں۔

اُجانی بندھ کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے اور جون ۱۹۸۱ تک پورا ہو جائے گا۔ بائیں نہری کنارے کی تعمیر سے جون ۱۹۷۸ء تک ۱۸۰۵۰ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی ممکن ہو سکی ہے اور جون ۱۹۷۹ء تک مزید ۱۰،۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر بھی آبپاشی ہو سکے گی۔

اس پرُوجیکٹ کے لئے عالمی بنک کے فصلی استعمال کے ۹ فیصد دوامی فصل، ۶۶ فیصد خریف (مونگ پھلی اور دیگر تیل بیج، جوار اور کپاس) اور ۴۹ فیصد ربیع (گیہوں، گورکھم، چنا، وغیرہ) فصلیں اُگائی جائیں گی۔

ککڑی پروجیکٹ
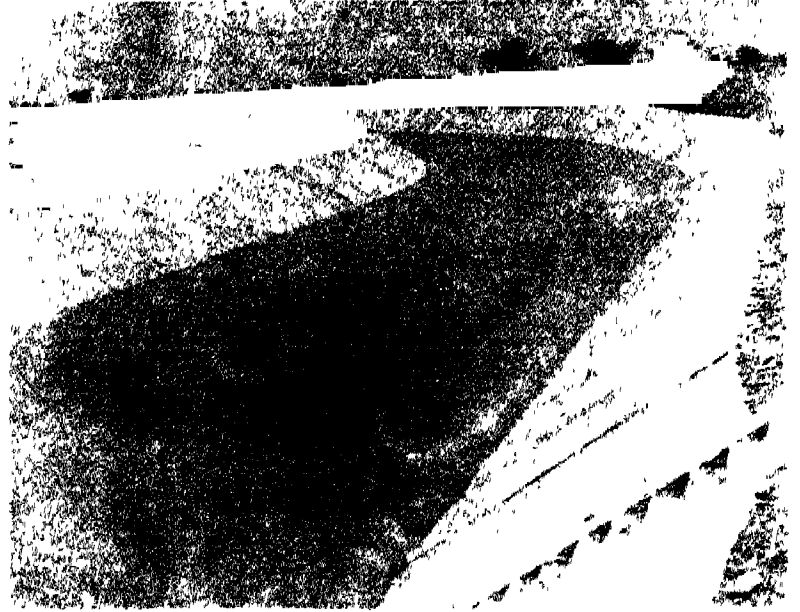
ککڑی پروجیکٹ ضلع پونے میں واقع ہے جس میں ۴۱۶۱ کلومیٹر رقبہ میں پانچ بندھ اور نہروں کی تعمیر شامل ہے۔ اس پروجیکٹ سے پونے، احمد نگر اور سولاپور اضلاع کی کل ۱۰۹۷۵۰ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۱۳۲٫۱۲ کروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۲۹٫۵۷ کروڑ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔

یدگاؤں بندھ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ مانیکدوہ، ڈمبھے اور وڈاج بندھ کا کام تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ ۴۴ کلومیٹر لمبی ککڑی بائیں نہر کا کام ختم ہو چکا ہے اور مزید ۱۱۴ کلومیٹر کام ابھی جاری ہے۔ ۴۰ کلومیٹر لمبی ڈمبھے بائیں نہر کا کام بھی چل رہا ہے جون ۱۹۷۸ء تک ۶۵۰۰ ہیکٹر اراضی قابلِ آبپاشی بن سکی اور جون ۱۹۷۹ء تک مزید ۵۰۰۰ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی ہو سکے گی۔

اس پروجیکٹ کے لئے عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق ۲۲ فیصد خریف اور ۶۲ فیصد ربیع فصل اُگائی جائے گی۔

بند پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعہ اورنگ آباد اور پربھنی اضلاع میں ۱۴۱۶۳۷ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی کی جا سکے گی۔ پیٹھان بند کا کام ۱۹۷۶ء میں مکمل ہو چکا ہے اور بائیں کنارے پر جاری کام ۱۹۸۱ء تک مکمل ہونے کا اندازہ ہے اس کام پر لاگت کا تخمینہ ۱۱۳٫۵۸ کروڑ روپے ہے۔

اسٹیج - دوم پروجیکٹ میں (۱) ۱۳۲ کلومیٹر طویل پیٹھان کا دایاں کنارہ ہے، جو پیٹھان بند سے شروع ہوتا ہے اور جس کے ذریعے اورنگ آباد، احمد نگر اور بیڑ اضلاع کی ۱۲۶۸۲ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی کی جا سکتی ہے۔ (۲) مجل گاؤں کے مقام پر دریائے سندپھنا پر ذخیرۂ آب بند کی تعمیر ہے جس کے ذریعہ بیڑ، پربھنی اور ناندیڑ کی ۹۳۸۵۵ ہیکٹر پر آبپاشی کی جا سکے گی، شامل ہیں۔ ان تمام کاموں پر لاگت کا تخمینہ ۸۸٫۹۰ کروڑ روپیہ ہے۔ اور یہ کام ۱۹۸۷ء تک مکمل ہونے کی توقع ہے۔

پورنا آبپاشی پروجیکٹ مکمل ہو چکا ہے لیکن پورنا نہر کی تجدید اور کمانڈ ایریا کے سدھار کے کام عالمی بنک پروجیکٹ کے تحت جاری ہیں۔

کام تحت عالمی بنک معاہدہ:

عالمی بنک قرضہ جات معاہدہ میں شامل کام مندرجۂ ذیل ہیں:

الف) پیٹھان بایاں کنارا نہری کام — ۲۰۸ — ۱۰۰ کلومیٹر کے درمیان اور پیٹھان دایاں کنارا نہری کام ۱۳۲ — ۲۰ کلومیٹر۔

ب) بائیں کنارے پر ۵۷۰۰۰ ہیکٹر اراضی اور دائیں کنارے ۲۸۰۰۰ ہیکٹر اراضی کے لئے نہروں کی تقسیم۔ تمام نہروں کو ایک دوسرے سے جوڑنا۔

ج) جیکے واڑی اور پورنا پروجیکٹ میں شامل کمانڈ ایریا کی ترقیات جس میں باز آبادکاری ضلع اور موضع جات میں سڑکوں کی تعمیر ودرستگی اور گٹر و نالے وغیرہ کے کام۔

ان کاموں کے لئے عالمی بنک قرضہ جاتی مالی امداد جاری مالی سال ۷۹-۱۹۷۸ء سے شروع ہو گئی ہے۔

اس کے علاوہ بھیمہ، ککڑی، کرشنا، بالائی وردھا اور بالائی پین گنگا مہاراشٹر میں واقع وہ چھ اہم آبپاشی پروجیکٹ ہیں جنھیں جون ۱۹۷۷ء میں عالمی بنک کے روبرو امداد کی غرض سے پیش کر دیا گیا ہے، اول الذکر چار پروجیکٹ مغربی مہاراشٹر میں واقع ہیں۔ بالائی وردھا وودربھ کے علاقہ میں اور بالائی

حوالہ جات

ضلع مقامات

ضلع حدود

ترقی پذیر ورلڈ بنک پروجیکٹ

۱) جائیک واڑی پروجیکٹ اسٹیج - ۱

۲) جائیک واڑی پروجیکٹ اسٹیج - ۲

۳) پورنا پروجیکٹ

ورلڈ بنک کے سامنے پیش کئے جانیوالے پروجیکٹ

۴) بھیما پروجیکٹ

۵) ککڑی پروجیکٹ

۶) کرشنا پروجیکٹ

۷) بالائی وردھا پروجیکٹ

۸) بالائی پین گنگا پروجیکٹ

۹) وارنا پروجیکٹ

جزوی نہری نظام میں جدت

۱۰) مُلا

۱۱) گیرنا

تاپی ندی
دھولے
جلگاؤں
گرنا ندی
بلڈانہ
ناشک
اورنگ آباد
دریائے گوداوری
پراورا ندی
مُلا ندی
تھانے
احمدنگر
بیڑ
بمبئی
علی باغ
قلابہ
بھیما ندی
پونے
عثمان آباد
ستارہ
سولاپور
بھیما ندی
رتناگیری
سانگلی
کولھاپور
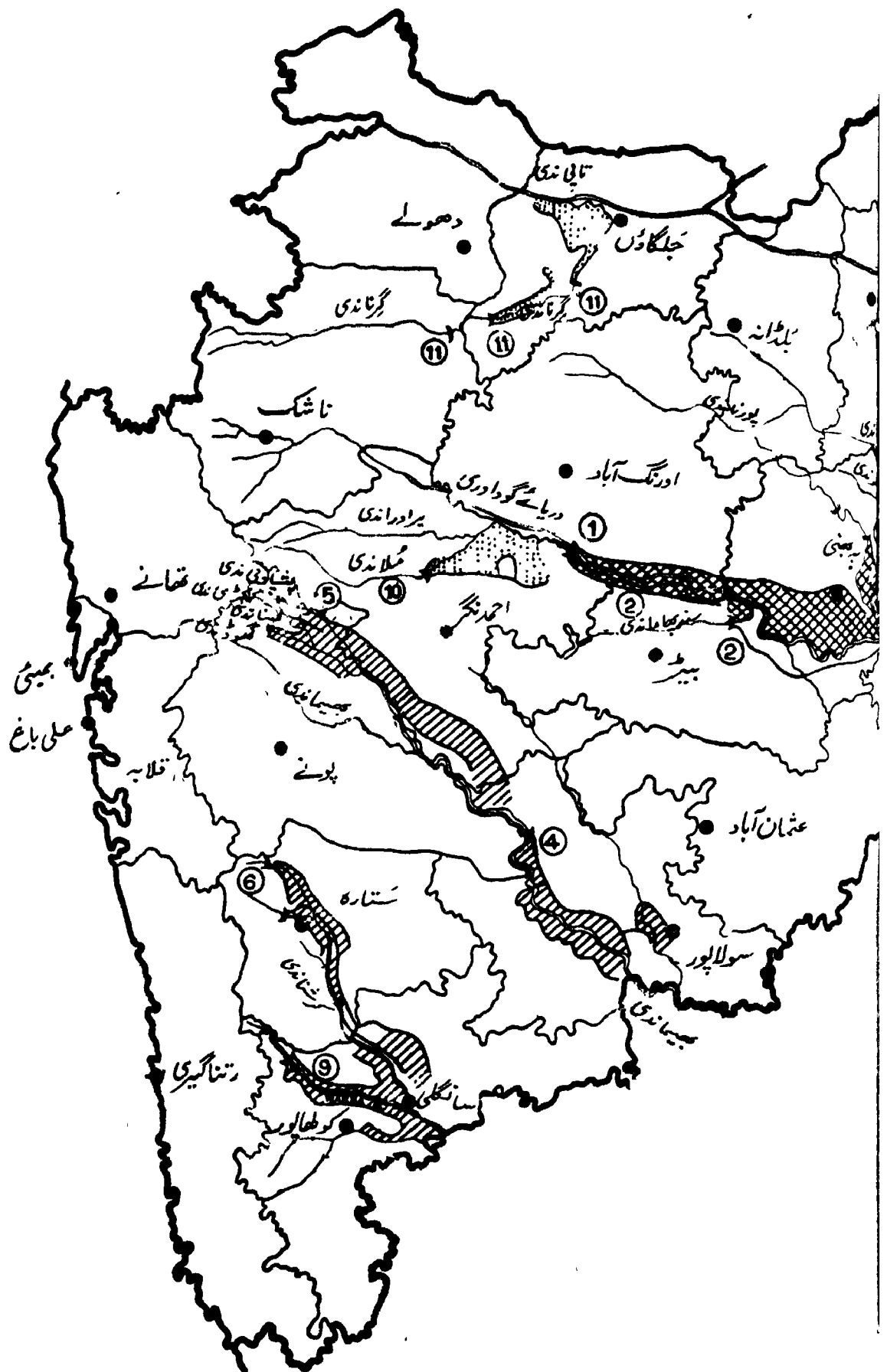
ہیں گنگا، مراٹھواڑہ اور ودربھ کے کچھ علاقہ کو فیضیاب کرنے کی گنجائش رکھتا ہے۔

فی الحال بھیمہ، ککڑی اور کرشنا پروجیکٹ سرعت سے تکمیل کے مراحل طے کر رہے ہیں۔ جبکہ باقی ماندہ پروجیکٹ ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہیں۔

مذکورہ بالا آبپاشی پروجیکٹوں پر مارچ کے اواخر تک ۱۴۸ کروڑ روپیہ صرف کیا جاچکا ہے۔ ان آبپاشی پروجیکٹوں کے لئے عالمی بنک کی قرضہ جاتی مدت ۱۹۷۹-۸۰ء سے ۱۹۸۳-۸۴ء ہے اور اس دوران میں ۵ سال کی مدت میں مزید ۴۵۰ کروڑ روپے کے اخراجات کا اندازہ ہے۔ عالمی بنک نے اپنی تجویز میں ۴۸۰ کروڑ روپے کے اخراجات کا اندازہ لگایا ہے۔

ان پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد ۵٫۱۴ لاکھ ہیکٹر اراضی کو سیراب کیا جاسکے گا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ فصلوں کے لئے ایسے طریقے اپنائے گئے ہیں جن کی بدولت ان پروجیکٹوں سے حاصل ہونے والا ۵۰ فیصد پانی اناج کی فصل کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔ ان پروجیکٹوں کے تحت کمانڈ ایریا میں کئے گئے ایک سروے کے مطابق یہاں کی زمین کافی زرخیز پائی گئی ہے۔ پروجیکٹوں کے لئے کمانڈ ایریا ڈیولپ منٹ اتھارٹی مقرر کرنے پر غور کیا جارہا ہے۔ بھیمہ اور کرشنا پروجیکٹوں کے لئے ایسے عہدیداروں کا تقرر کیا جاچکا ہے۔

یہ مشترکہ آبپاشی پروجیکٹ نہ صرف یہ کہ انجینئرنگ خصوصیت مثلاً بندھ، نہروں کی تعمیر اور تقسیم جیسے کام وغیرہ کا حامل ہے بلکہ اس میں ایک وسیع علاقے کی ترقیات بھی شامل ہے، مثلاً سڑکوں کی تعمیر، زراعت کے توسیعی کام وغیرہ۔ زمینی ترقیات اور بازار کی تعمیر کے لئے درکار سرمایہ، مالی اداروں (جیسے آئی ڈی اے مالی ادارہ) سے اور قرضہ جات

کرشنا پروجیکٹ

۹۹ کروڑ روپے کی مالیت کا کرشنا پروجیکٹ ستارہ ضلع میں واقع ہے جس میں دریائے کرشنا پر دھوم کے مقام پر (دھوم بندھ کا کام مکمل ہوچکا ہے) اور دریائے وینا پر کنہر کے مقام پر دو ذخیرۂ آب کی تعمیر شامل ہے۔

کرشنا پروجیکٹ ستارا ضلع میں واقع ہے جس میں دریائے کرشنا پر دھوم کے مقام پر اور دریائے وینا پر کنہر کے مقام پر ذخیرۂ آب کی تعمیر شامل ہے۔ اس کے علاوہ ۱۶۵ کلومیٹر دھوم نہر، ۷۹ کلومیٹر کنہر نہر اور ۲۱۵ کلومیٹر ارفال نہر کی تعمیر کا کام شامل ہے۔ مکمل ہونے پر اس پروجیکٹ سے ستارا اور سانگلی اضلاع کی کل ۶۷۴۶۱ ہیکٹر اراضی جس میں ضلع سانگلی کے چند خشکی کے آثار رکھنے والے علاقے بھی شامل ہیں، کو فائدہ پہنچے گا۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۹۹٫۷۷ کروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۶۲٫۲۸ کروڑ روپیہ خرچ کیا جاچکا ہے۔ دھوم بند کا کام مکمل ہوچکا ہے۔ دھوم بائیں اور دائیں نہری کناروں کا کام بالترتیب ۴۰ اور ۴۴ کلومیٹر تک ہوچکا ہے۔ کنہر پر بندھ کا کام زیر تکمیل ہے۔ کنہر کا بایاں نہری کنارا ۱۷ کلومیٹر تک اور دایاں نہری کنارا ۲۰ کلومیٹر تک کا کام چل رہا ہے۔ اس پروجیکٹ سے جون ۱۹۷۸ء تک ۱۸۹۹۰ ہیکٹر تک اراضی زیر آبپاشی لائی جاسکی ہے اور جون ۱۹۷۹ء تک اس میں مزید اضافہ کی توقع ہے۔

عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق دھوم اور کنہر کے نہری علاقوں میں ۱۲ فیصد دوامی فصل ۶۵ فیصد خریف، ۵۳ فیصد ربیع اور ۹ فیصد گیہوں کی پیداوار کی جائے گی اور ارفال کے علاقے میں ۱۰ فیصد دوامی فصل، ۶۸ فیصد خریف اور ۴۷ فیصد ربیع فصل اگائی جائے گی۔

ایگریکلچرل ری فنانس اینڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن سے حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۲۵۰ ملین ڈالر قرض :

مہاراشٹر کے مذکورہ آب پاشی پروجیکٹوں سے متعلق ریاستی حکومت نے پلاننگ ڈپارٹمنٹ میں ایک خصوصی سیل قائم کیا ہے جو عالمی بنک کے مختلف شعبوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے ہے اور اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً ضروری معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ عالمی بنک کے مختلف شعبوں کے نمائندوں نے مقامِ پروجیکٹ کا معائنہ بھی کیا ہے اور ریاستی عہدیداروں سے گفت و شنید بھی کی ہے۔ واٹر اینڈ پاور ڈیولپمنٹ کنسلٹنسی سروس (انڈیا) لمیٹیڈ کے سپرد کاموں سے متعلق رپورٹ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ دسمبر ۱۹۷۸ء میں عالمی بنک کے معائنہ کے لئے مسودہ رپورٹ پیش کردی گئی ہے۔ اور جون ۱۹۷۹ء میں عالمی بنک سے آخری گفتگو ہونے کی توقع ہے۔

ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۹ء سے پانچ سال کی مدت کے لئے ان آبپاشی پروجیکٹوں کے واسطے عالمی بنک کی جانب سے ۲۵۰ ملین ڈالر قرض کی منظوری حاصل ہوگی۔

وارنا پروجیکٹ

وارنا پروجیکٹ میں چاندولی کے نزدیک دریائے وارنا پر ایک ذخیرۂ آب بندھ، ۱۹۴ کلومیٹر بائیں نہر اور ۱۵۴ کلومیٹر دائیں نہر کی تعمیر شامل ہے۔ مکمل ہونے پر اس پروجیکٹ سے کولہاپور اور سانگلی اضلاع کی کل ۸۵۴۲۵ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا جس میں سانگلی ضلع کے خشکی کے آثار رکھنے والے علاقے بھی شامل ہیں۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۲۶۹۳ اکروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۷۸ء تک ۱۱٫۵۷ کروڑ روپیہ خرچ کیا جاچکا ہے۔ چاندولی میں زمینی بندھ کا کام بھاری مشینوں کے ذریعہ تیزی سے مکمل کیا جارہا ہے۔ بائیں نہر پر ۲۵ کلومیٹر اور دائیں نہر پر ۳۱ کلومیٹر تک کام جاری ہے اب تک آبپاشی کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکا ہے۔

عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق یہاں ۲۲ فیصد دوامی فصل، ۶۴ فیصد خریف اور ۳۷ فیصد ربیع فصل ہوگی۔

بالائی پین گنگا پروجیکٹ

بالائی پین گنگا پروجیکٹ میں دو ذخیرۂ آب، ایک عیسٰی پور، ضلع ایوت محل میں دریائے پین گنگا پر اور دوسرا سایلی ضلع پربھنی میں دریائے کیادھو پر تعمیر کئے جائیں گے۔ اس پروجیکٹ کا نہری علاقہ ۲۶۶ کلومیٹر تک لمبا ہوگا۔ اس پروجیکٹ کے مکمل ہونے پر ایوت محل، پربھنی اور ناندیڑ اضلاع کی کل ۱۰۴۲۰۷ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۱۶۸٫۵۷ کروڑ روپے ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۱۳٫۶۹ کروڑ روپیہ صرف کیا جاچکا ہے۔

عیسٰی پور میں دریائے پین گنگا پر بندھ کی تعمیر کا کام سُرعت سے مکمل ہو رہا ہے۔ پہلی ۳۲ کلومیٹر لمبی عیسٰی پور کی بائیں نہر اور ۲۳ کلومیٹر لمبی دائیں نہر کا کام بھی چل رہا ہے۔ ابتک آبپاشی کا فائدہ حاصل نہیں ہوسکا ہے۔

عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق یہاں ۷۴ فیصد خریف اور ۳۲ فیصد ربیع کی فصل اُگائی جائے گی۔

بالائی وردھا پروجیکٹ

بالائی وردھا پروجیکٹ امراؤتی میں واقع ہے جس میں دریائے وردھا پر ایک ذخیرۂ آب بندھ کی تعمیر اور ۶۱ کلومیٹر بائیں اور ۱۳۲ کلومیٹر دائیں نہر کی تعمیر کا کام شامل ہے۔ مکمل ہونے پر اس پروجیکٹ سے امراؤتی اور وردھا اضلاع کی کل ۴۹۸۰۰ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۹۳٫۶۷ کروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۲۷٫۱ کروڑ روپے خرچ کئے جاچکے ہیں۔

سمبھورا گاؤں کے نزدیک دریائے وردھا پر زمینی بندھ کا کام زیرِ تکمیل ہے۔ نہروں کو جوڑنے کے لئے سروے کا کام بھی تیزی سے چل رہا ہے۔

عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق یہاں ۵۲ فیصد خریف اور ۲۲ فیصد ربیع کی فصل اُگائی جاسکتی ہے۔

آبپاشی پروجیکٹ کے مقام کا عالمی بنک کے کئی نمائندہ اداروں کے نمائندوں نے معائنہ کیا اور ریاستی زراعتی یونیورسٹیاں، ادارے اور محکمہ جات کے افسران سے اس سلسلہ میں گفتگو کی۔ بائیں طرف عالمی بنک کے نمائندے مسٹر البرٹ بلومر کرشنا پروجیکٹ کے مقام کا معائنہ کر رہے ہیں۔ اور دائیں طرف دوسرے نمائندے مسٹر البرٹ گیبس گھٹکوڑی پروجیکٹ کے مقام کا معائنہ فرما رہے ہیں۔

OO

(صفحہ ۲۰ سے آگے)

فاصلوں پر ان اشیاء کی نقل و حمل درست حالت میں کی جا سکے وغیرہ ایسے کام ہیں جو ڈی آئی سی ایس نہایت آسانی سے انجام دے سکتی ہے

تجارتی صلاحیت کا ادارۂ تربیت :

شروع میں ڈی آئی سی ایس کو موجودہ صنعتوں کو درپیش مالی مسائل، خام اشیاء کی دستیابی، مارکٹنگ وغیرہ معاملوں میں مشکلات حل کرنے میں مدد دینی چاہیئے۔ اس کے بعد نئے شعبوں کے قیام پر توجہ دینی چاہیئے جو سرمایہ لگانے کے لئے تیار ہیں انھیں یہ مراکز تمام ضروری امداد دے۔

ڈی آئی سی ایس کا سب سے اہم کام تاجروں کو تیار کرنا ہے۔ تجارتی رجحان رکھنے والوں کی تلاش اور ان کے کام میں مدد کرنا مذکورہ ادارہ کا اہم فرض ہونا چاہیئے۔ یہ مراکز ایسے تاجروں کو اشیاء کی تیاری اور صنعت کے فروغ سے متعلق اُمید افزا معلومات فراہم کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ کامیاب صنعت کاروں کی مکمل تفصیلات کا خاکہ تیار کیا جائے تاکہ دیگر پُر اُمید تاجروں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ دوسرے معنوں میں ان مراکز کو تجارتی صلاحیت کا ادارہ بننا چاہیئے۔

OO

(صفحہ ۱ سے آگے)

سے ہر جگہ رشوت خوری کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ایسے معاملوں میں سخت اقدامات لئے جاتے ہیں اور ملوث افراد کو فوراً معطل کر دیا جاتا ہے۔ مجرمانہ واقعات پولس کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں۔ حکومت اب اس بات پر بھی غور کر رہی ہے کہ رشوت خوری کا جرم ثابت ہونے پر متعلقہ افراد کی جائداد بھی ضبط کر لی جائے۔

'ترقی پسند جمہوری محاذ' حکومت کے نزدیک ضمانتِ روزگار اسکیم سیاست سے بالا ہے۔ ریاستی سطح کمیٹی میں تمام سیاسی جماعتوں کو نمائندگی دی گئی ہے اور اس میں لوگوں کا تعاون بھی حاصل کرنے کی ہمیشہ کوشش کی جاتی ہے۔ اس اسکیم پر عمل آوری میں کبھی بھی جانبداری سے کام نہیں لیا جاتا۔ عوام کی شرکت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی یہ اسکیم عوام کے لئے فائدہ مند اور بدعنوانی و رشوت کی لعنت سے پاک بنے گی۔

OO

نجی کاروبار کے لئے تخمی امدادی رقم

**

بیروزگاری کے مسئلہ سے آج ہمارا ملک اور ہماری ریاست دوچار ہے، اس کے حل کیلئے زیادہ دیر لگانا اب مناسب نہیں ہے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اسکولوں اور کالجوں سے تابناک مستقبل کے خواب لئے نکلتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ ملازمت کے لئے کوشش کرتے ہیں، انہیں مایوسی کا شکار ہونا پڑتا ہے کیونکہ نوکری حاصل کرنا ایک بے حد مشکل کام ہوگیا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ہر بیروزگار شخص کیلئے مستقبل قریب میں روزگار مہیا کرنا، ناممکن ہے۔

خود کفالتی وقت کی پکار

ایسے حالات میں تعلیم یافتہ افراد کو کیا کرنا چاہیئے؟

بجائے دفتروں کی نوکریوں کی تلاش میں قیمتی وقت ضائع کرنے کے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو چاہیئے کہ وہ خود اپنا کوئی ذاتی پیشہ یا نجی کاروبار اختیار کریں۔ کوئی کارخانہ یا کوئی بزنس کھول کر اپنا کام شروع کریں۔ اگر ان خطوط پر وہ سوچیں تو نہ صرف وہ اپنا نجی کاروبار کھول کر فائدہ اٹھا سکتے بلکہ دوسروں کو بھی ملازمت دینے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

امداد

ایسے جوکھم اٹھانے والے نوجوانوں کیلئے ریاستی حکومت نے تخمی رقم کی امدادی اسکیم وضع کی ہے۔ مالی مسئلہ کسی بھی جوکھم اٹھانے والے کیلئے ابتدائی مسئلہ ہے مالی اداے اور بنک عام طور سے ضرورت کی رقم کا ۷۵٪ مجوزہ پروجیکٹ پر دیتے ہیں۔ جوکھم اٹھانے والے صنعت کاروں کو شروع میں رقم لگانا اپنی استعداد سے پرے کی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ تخمی رقم کی امدادی اسکیم ایسے ہی نوجوانوں کیلئے شروع کی گئی ہے۔

تخمی رقم پروجیکٹ کے کل اخراجات کا ۲۰٪ سے ۲۲½٪ تک مندرج جاتیوں سے تعلق نہ رکھنے والے جوکھم اٹھانے والوں کو دی جائیگی

یہ شرح ایک لاکھ سے کم خرچ کے پروجیکٹوں پر لاگو ہوتی ہے ایسے پروجیکٹ جن پر ایک لاکھ سے زیادہ خرچ بیٹھتا ہے ان پر ۱۰٪ امداد دی جائے گی جو کہ ابتدائی اسکیم کے تحت ہوگی۔

چھوٹے صنعت کاروں کیلئے وظیفہ

ایسے نئے صنعت کار یا جوکھم اٹھانے والے جن کے پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ سے زائد ہے انہیں چھ ماہ کی مدت تک ۱۰۰ روپے ماہانہ وظیفہ تخمی امدادی رقم کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا۔ یہ نئے صنعت کاروں کیلئے ان کی دیکھ بھال کی ضروریات کے مدنظر دی جائے گی جو کہ پروجیکٹ کے اولین مدت میں ضروری ہے۔

امداد کی شرح

تبدیل شدہ اسکیم کے تحت کسی بھی پروجیکٹ جس پر ایک لاکھ سے کم خرچ آتا ہو اس کیلئے بڑی مدت کا قرض جو کہ پروجیکٹ مکمل اخراجات کا ۱۵٪ ہوتا ہے مندرج جاتیوں سے تعلق نہ رکھنے والوں کو دیئے جانے کی منظوری دیدی گئی ہے۔ ایسے واقعات میں جو جوکھم اٹھانے والے پسماندہ جاتیوں یا مندرج جاتیوں، قبیلوں، خانہ بدوش قبیلوں اور پسماندہ جاتیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کیلئے تخمی امداد کی شرح زیادہ ہے یعنی پروجیکٹ کے کل اخراجات کا ۲۰٪ ہے۔

اگر نئے صنعت کار کے خاندان کی کل آمدنی ۸۰۰ سالانہ ہے تو صورت میں۔ وہ جو ایس ایس سی یا اس کے مساوی تیاری کورس میں کامیابی حاصل کرچکے ہیں، ایسے افراد اس اسکیم کے تحت امداد کے مستحق مانے جائیں گے۔

عمل درآمد کرنیوالی ایجنسیاں

ابتک اس اسکیم پر چار علاقائی ترقیاتی کارپوریشن اپنے متعلقہ علاقوں میں یعنی مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن بمبئی ضلع میں اور مہاراشٹر اسٹیٹ کھادی اینڈ ویلیج انڈسٹریز بورڈ پوری ریاست میں جہاں تک کھادی اور دیہی منصوبوں کا تعلق ہے، عمل درآمد کر رہی تھیں۔

حکومت نے البتہ اب اس اسکیم کو ختم کر کے ضلعی صنعتی مراکز کے سپرد یہ کام کر دیا ہے۔ مندرجہ ذیل ۱۴ ضلعوں میں کریڈٹ منیجر مقرر کئے گئے ہیں تاکہ یہ منتقل کردہ کام باقاعدگی سے چل سکے۔

سطحی اسکیم متعلقہ ڈی۔ آئی۔ سی کو منتقل کر دی گئی ہے اور اس کا نفاذ یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے مانا جائے گا۔

(۱) کولابہ (۲) رتناگیری (۳) دھولے (۴) جلگاؤں (۵) احمد نگر (۶) ناندیڑ (۷) بیڑ (۸) پربھنی (۹) اورنگ آباد (۱۰) بلڈانہ (۱۱) اکولہ (۱۲) وردھا (۱۳) چندرپور (۱۴) بھنڈارہ۔

باقی ماندہ اضلاع میں ریجنل ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور مہاراشٹر کھادی اینڈ ویلیج انڈسٹریز بورڈ عمل آوری کا کام ایجنسی کی بنیادوں پر اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک کہ ڈی۔ آئی۔ سی کیلئے کریڈٹ منیجر مقرر نہیں کئے جائیں۔ بمبئی ضلع میں جائنٹ ڈائریکٹر آف انڈسٹریز، بمبئی میٹروپولیٹن ریجن اس اسکیم پر عمل درآمد کریں گے۔

اسکیم کی ترقی

۷۳-۱۹۷۲ء سے ہی اس اسکیم کے نفاذ کے ساتھ ساتھ یہ اسکیم بڑھتی رہی ۷۳-۱۹۷۲ء سے ۷۸-۱۹۷۷ء تک ۲۵۳۰۸۴ یونٹوں کو امداد بہم پہنچائی گئی۔

ان یونٹوں کو تخمینی امدادی رقم کے طور پر ۱۷۱٫۸۴ لاکھ روپئے دیئے گئے اس بات کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ ان یونٹوں میں اس اسکیم کے تحت ....۶ افراد کو روزگار ملا ہے۔

۷۹-۱۹۷۸ء (مارچ ۱۹۷۹ء تک) اس اسکیم کی ترقی ذیل میں دکھائی گئی ہے۔

منظور شدہ امداد یونٹوں کی تعداد	(رقم لاکھ میں)
۶۱۲۴	۲۸۶٫۸۹

سال رواں کیلئے گنجائش

۸۰-۱۹۷۹ء کے لئے اس اسکیم کے تحت ۲۹۴٫۴۰ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

دیگر ضروری ذرائع

اس اسکیم کا مقصد یہی ہے کہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ نئے صنعت کاروں کو اپنی ضرورت کی رقم بینکوں یا دیگر مالیاتی ایجنسیوں سے مل سکے۔ لیکن محض اتنا کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ نئے صنعت کاروں کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔

مثلاً اراضی، شیڈ بنانا، پانی، بجلی، خام مال، مشینری، ٹیکنیکل مدد مارکیٹنگ میں مدد، وغیرہ اگر یہ امداد بہم نہ پہنچائی گئی تو دی گئی تخمینی رقم کا صحیح فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔

پروجیکٹوں کا انتخاب

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کیلئے پروجیکٹوں کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ پچھلے چند سالوں سے یہ بات نوٹ کی گئی ہے کہ نئے صنعت کار زیادہ تر سروس کی قسم کے چھوٹے بزنس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں بجائے مینوفیکچرنگ سرگرمیوں کے، ان میں سب سے زیادہ عام پروجیکٹ ٹرانسپورٹ آپریشن ہے نیز چھوٹی دکانیں آٹے کی چکیاں وغیرہ ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ چھوٹے موضع جات میں اس قسم کے پروجیکٹوں کیلئے زیادہ مواقع نہیں رہ گئے ہوں۔ اسلئے ان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پروجیکٹ کے انتخاب پر ہوشیاری سے غور و خوض کریں۔ یہ بھی سرکار کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے نوجوانوں کو اس ضمن میں مشورہ دے۔

حکومت نے حال ہی میں اس کام کے لئے ایک خصوصی محکمہ تشکیل دیا ہے جو کہ خاص طور سے اسی مسئلہ سے جڑا ہوا ہے۔

یہ تجویز بھی رکھی گئی ہے کہ اس محکمہ کی رہنمائی میں سروے لیا جائے تاکہ افسران ضلع کو صنعتوں بزنس وغیرہ کے بارے میں پوری جانکاری مل سکے اور صنعتوں کیلئے کتنی گنجائش ہے اس کا اندازہ ہو سکے۔

ضلعی صنعتی مراکز کے کام

خوش قسمتی سے مہاراشٹر کے ہر ضلع میں ایک ضلعی صنعتی مرکز کام کر رہا ہے۔ چنانچہ ڈی۔ آئی۔ سی کے تحت نئے صنعت کاروں کو نئی یونٹیں قائم کرنے کیلئے مناسب معلومات اور امداد کے مواقع

(بقایا صفحہ ۴۲ پر)
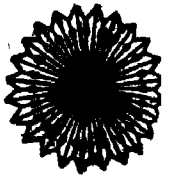
سائنس اور ٹیکنالوجی میں رابطہ

مہاراشٹر میں سرگرمیاں

این سی ایس ٹی کی کوششوں سے قومی سطح پر حکومت مہاراشٹر نے سائنس اور ٹیکنولوجیکل ریسرچ اور اس کے استعمال کے لئے اکتوبر ۱۹۷۲ء میں ریاستی اعلیٰ سطحی رابطہ کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں یہ کمیٹی ریاست کی سائنس اور ٹیکنالوجی پالیسیوں سے متعلق ذخیرۂ خیالات کا کام انجام دے گی۔ وزیر تعلیم اس کے نائب صدر ہوں گے۔ اس کمیٹی کے اہم مقاصد ذیل میں درج ہیں:

۱) یونیورسٹیوں، مرکزی رسدگاہوں اور سائنس ٹیکنالوجی کی بنیادوں پر قائم ریاستی حکومت کے محکمہ جات مثلاً زرعی، صحت عامہ، صنعت، آبپاشی، عمارات اور مواصلات کے درمیان تعاون پیدا کرنا۔

۲) ریاست میں معاشی ترقیات کے مدنظر پیشہ ور افراد مثلاً ڈاکٹرز، سائنسداں، انجینئر اور زرعی بڑھاوے سے متعلقہ ملازمین میں رابطہ پیدا کرنا۔

۳) ریاست کے ٹیکنالوجیکل اور سائنس ادارہ جات میں مساوی سہولتوں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے رابطہ پیدا کروانا۔

۴) یونیورسٹیوں، ٹیکنالوجیکل اور ریسرچ اداروں، سرکاری محکموں اور فیلڈ ورکرس میں جدید ترین اور مفید معلومات بہم پہنچانے کے لئے رابطہ اور مواصلات کو بڑھاوا دینا۔

ریاست کے اہم پروجیکٹوں کی ترقی و ریسرچ کے لئے مندرجہ ذیل مطالعاتی گروپ تشکیل کئے گئے ہیں:

۱) مطالعاتی گروپ برائے زراعت، صنعت، ماہی گیری و گھریلو صنعت وغیرہ۔

۲) مطالعاتی گروپ برائے کیمیکلز اور کیمیکل انجینئرنگ

۳) مطالعاتی گروپ برائے انجینئرنگ

۴) الیکٹرونکس پر مطالعاتی گروپ

۵) آبی تحفظ کے لئے عملی دستہ

۶) پیسٹی سائڈ ریسیڈیو مینجمنٹ کے لئے عملی دستہ۔

۷) اناج کا تحفظ اور تغذیہ کے لئے عملی دستہ۔

محکمۂ تعلیم اور نوجوانوں کی خدمات میں ان گروپوں کی سفارشات کی بنیاد پر سائنس اور ٹیکنالوجی سیل ستمبر ۱۹۷۴ء میں تشکیل دیا گیا ہے جس کے تحت ریاست کے مختلف اداروں کے ریسرچ اور ترقیاتی پروجیکٹس آتے ہیں۔ ان پروجیکٹوں کو اعلیٰ سطحی کمیٹی کے سامنے غور و خوض اور منظوری کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

ریاست میں اس سیل کے ذریعے اب تک ۲۰ اہم پروجیکٹوں کو مالی امداد پہنچائی گئی ہے۔

ان پروجیکٹوں سے حاصل کردہ معلومات ملک و ریاست کے مفاد کے لئے استعمال کی جائیں گی۔

اس سیل کے ذریعے پروجیکٹوں کے تحت توسیع کے کام جاری کئے جائیں گے

۱) ساؤنڈ لیول میٹر کی بناوٹ (۲) بیل گاڑیوں میں جدت پیدا کرنا۔

۳) غیر معیاری مچھلیوں کی بہتری اور استعمال (۴) کم خرچ پر بننے والے مکانات کا وکاس یا ترقی۔

ایک پروجیکٹ کے تحت ساؤنڈ لیول میٹر تیار کیا گیا ہے۔ اس کے مختلف پرزے اب ملک میں آسانی سے تیار کئے جا سکتے ہیں یہ آواز کو ناپنے کا آلہ ہے جسے مختلف عوامی مقامات اور صنعتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ بیل گاڑیوں میں جدت پیدا کرنے سے زیادہ سامان لادا جا سکتا ہے۔ غیر معیاری مچھلیوں سے اب قیمہ اور ویفر تیار کر کے صارفین میں اسے مقبول بنایا گیا ہے۔

جدید تکنیک کا استعمال کر کے مکانوں کی تعمیرات کے اخراجات کو کسی حد تک کم کر دیا گیا ہے۔ اور جدید تکنیک کے استعمال سے جہاں صرفے میں کمی آتی ہے وہیں مکان کی عمر پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

ریاست میں یونیورسٹیوں، انجینئرنگ کالجوں اور دیگر ریسرچ رصد گاہوں میں کئی پروجیکٹوں پر عمل کیا جا رہا ہے اور کئی انسٹرومنٹ تیار کئے جا رہے ہیں۔

یہ سیل ریاست کے مستقبل کے لیۓ ریسرچ کا کام انجام دے رہا ہے - یہ مطالعاتی کام بیسویں صدی کے پروجیکٹوں میں کام آئیں گے اور سائنٹفک اور ٹیکنا لوجیکل ضروریات کو پورا کرنے میں مدد کریں گے۔ ریاستی حکومت نے ایک پینل بھی تیار کیا ہے جس کے چیرمین وزیر تعلیم ہیں۔ جس میں اس مقصد کی تکمیل کے لیۓ مختلف میدانوں کے ماہرین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس پینل کا تعلق خوراک، پانی، انرجی، صنعت، تعلیم نیز شہری ترقی سے ہے.

اس سیل نے اب تک تعلیم، صنعت، انرجی اور خوراک پر کئی سیمینارو ں کا انعقاد بھی کیا ہے اور ان سیمناروں میں تعلیمی ادارہ جات، سرکاری محکمہ جات، صنعت وغیرہ کے ماہرین نے حصہ لیا ہے۔

ضمنی کمیٹیاں جو کہ ان سیمناروں کے دوران مقرر کی گئی تھیں انھوں نے سرکار کے غور و خوض کے لیۓ کئی تفصیلات بھی اکٹھا کی ہیں۔ اس ضمن میں زور شور سے کام کاج شروع کئے جانے کے لیۓ سائنس اور ٹیکنالوجی سیل نے ریاست کے لیۓ ایک انفارمیشن اور ڈاکیومینٹشن مرکز بھی قائم کیا ہے یہ مرکز مفید معلومات جمع کرے گا اور ان کا صحیح فائدہ منصوبہ بندی، انتظامیہ، صنعت زراعت، تجارت اور ریسرچ پروگراموں میں اُٹھائیگا۔ یہ مرکز معلوماتی بنک کے طور پر آر اور ڈی انفارمیشن کا کام انجام دے گا نیز صنعتوں اور استعمال کرنے والوں کے سوالوں کے جوابات بھی مہیا کرے گا

●●

(صفحہ ۳۰ سے آگے)

مل گئے ہیں۔ اس سے اس اسکیم کے مستقبل میں ترقی کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔

یہ امید کی جارہی ہے کہ اس اسکیم سے دیہی علاقوں میں بڑی تعداد میں تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے ذریعے نئی صنعتیں قائم کرکے بے روزگاری کو کم کیا جاسکے گا.

اس بات کی بھی امید کی جاتی ہے کہ متعلقہ علاقے کے نوجوان اس اسکیم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے جو کہ مرکز اور ریاستی حکومت کی جانب سے تخمی امدادی رقم کے طور پر جاری کی گئی ہے۔ ایسا کرنے سے نہ صرف یہ لوگ اپنا کیریئر بنالیں گے، اپنا نجی کاروبار کھول لیں گے بلکہ ایسا کرنے سے یہ نوجوان قوم اور دیہی علاقوں کی ترقی میں بھی ہاتھ بٹائیں گے.

○○

پسماندہ طبقات کی بھلائی

وزیر اعلیٰ شری شردپوار نے بار بار یہ بات دہرائی ہے کہ حکومت کی جانب سے جو بھی فلاحی اقدام اور ترقیاتی پروگرام شروع کیا گیا ہے اس کا بنیادی اصول صرف یہ ہے کہ سماج کے کمزور طبقے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مندرج جاتیاں اور مندرج قبائل ان پروگراموں میں ترجیح پاتے ہیں کیونکہ برسہا برس سے وہ انصاف اور ترقی سے محروم رہے ہیں اور اسی لئے ریاستی حکومت نے ان کی ترقی کے لئے کئی اقدام کئے ہیں۔ ان پروگراموں کا مقصد متذکرہ طبقات کو تعلیمی رعایت، معاشی ترقی، صحت، ہاؤسنگ اور دیگر اسکیموں نیز چھوت چھات کے خاتمے کے ذریعہ سماج کے دیگر افراد کے مساوی لانا ہے۔

تعلیمی رعایت

پسماندہ طبقات کو تعلیمی میدان میں جو رعایت دی جاتی ہے اسمیں ٹیوشن فیس اور امتحانی فیس سے چھوٹ اور تعلیمی وظائف عطا کرنا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کھولنا اور پسماندہ طبقات کے طالب علموں کے لئے ہاسٹل چلانے پر رضاکار اداروں کو مالی امداد دینا شامل ہے۔ مندرج جاتیاں اور مندرج قبائل، پسماندہ اور خانہ بدوش طبقات سے تعلق رکھنے والے طالب علموں کو تعلیم کی ہر سطح پر ٹیوشن فیس امتحانی فیس اور دیگر لازمی فیس سے چھوٹ دی جاتی ہے۔ چاہے وہ کسی بھی عمر اور آمدنی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی فیس تعلیمی اداروں کو محکمہ سوشل ویلفیر ادا کرتا ہے۔ سال ۷۷-۷۸ء کے دوران اس اسکیم سے ۴۳۰۰۰ سے زائد طالب علموں نے فائدہ اٹھایا۔

پری ایس ایس سی طالب علموں کو بھی وظائف دیئے جاتے ہیں۔ پوسٹ ایس ایس سی تعلیم کے لئے حکومت ہند نے ایک خصوصی اسکیم جاری کی ہے یہ عام "مندرج جاتیاں اور مندرج قبائل طالب علموں کو پوسٹ ایس ایس سی وظائف" اس اسکیم کا مقصد متذکرہ طالب علموں کے تمام تعلیمی مصارف کو برداشت کرنا ہے۔

حکومت ہند نے یکساں طریقہ تعلیم (۱۰ + ۲ + ۳) کے تحت اس اسکیم کو درجہ گیارہ اور بارہ کے طالب علموں پر بھی ۱۹۷۵-۷۶ء سال سے لاگو کر دیا ہے اس پر ریاستی حکومت بھی عمل پیرا ہے۔

ہاسٹل کی سہولتیں

متذکرہ طبقے کے طالب علم تعلیمی رعایت حاصل کر سکیں اسلئے حکومت انہیں ہاسٹل کی سہولت فراہم کرتی ہے سرکاری ہاسٹلوں میں تمام سہولتیں یعنی مفت قیام و طعام، نصابی کتابیں، اسٹیشنری، یونیفارم اور بستر اور مفت طبی امداد، سفر خرچ اور کوچنگ کی سہولت دی جاتی ہے۔ اس وقت ریاستی حکومت ایسے ۹۹ ہاسٹل چلا رہی ہے (۴۵ لڑکوں کے اور ۴۵ لڑکیوں کے) جہاں ۵۰۰۰ سے زائد طالب علم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

اسکے علاوہ ایک بال واڑی کا پروگرام بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ پسماندہ طبقات کے بچوں میں صفائی اور ستھرائی کی عادت ڈالی جا سکے۔ فی الحال ۲۰۵ بال واڑی موجود ہیں اور جلد ہی ۴۵ مزید بال واڑی قائم کی جائیں گی۔ ڈینگت جاتیوں اور نومیڈک قبائل کے لئے جو رضاکار ادارے آشرم شالے چلا رہے ہیں ان کو بھی یہ تعلیمی پروگرام مالی امداد فراہم کرتا ہے۔

معاشی ترقی

پسماندہ طبقات کی معاشی ترقی کے لئے ایسی اسکیمیں تیار کی گئی ہیں تاکہ اس طبقے کے کاشت کاروں اور ان کو جو کہ گھریلو صنعتوں میں لگے ہیں فائدہ ملے۔ ان میں سے (الف) گھریلو صنعت اور پیشوں کو قرض سبسڈی دینے کی اسکیم (ب) ترقی یافتہ کاشتکاری آلات کے پروپیگنڈے کے لئے قرض اور سبسڈی دینے کی اسکیم (ج) آبپاشی کنوؤں، اس زمین کی ترقی جو کہ پسماندہ طبقات کی ہے یا وہ اس پر کھیتی باڑی کرتا ہے قرض اور سبسڈی دینے کی اسکیم (د) صنعتی امداد باہمی سوسائٹیوں کو مالی امداد اور (ہ) پمپنگ سیٹ وغیرہ لگانا۔

ہریجن بستیوں کا سدھار

دیہی علاقوں میں واقع ہریجنوں کی بستیوں میں بہت سی بنیادی ضرورتوں کی کمی ہے۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا کہ ہریجن بستیوں کو سدھارا جائے اور وہاں سنڈاس کی سہولتیں، نلوں سے پانی فراہمی اور بجلی وغیرہ فراہم

کی جائے۔ ایسے کام کے مقام جو کہ غیر صاف پیشوں میں ملوث ہوں ان کو علاقے کے باہر لایا جائے۔ مقامی باڈیز کی مدد سے ۲۳ بستیوں کی ترقی کا کام شروع کیا گیا اور ابتک آٹھ بستیوں میں یہ کام مکمل ہو چکا ہے۔

اس اسکیم کے تحت مختلف پسماندہ طبقات کی امداد باہمی ہاؤسنگ اسکیموں کو بلا سودی قرض اور سبسڈی دی جاتی ہے۔

حکومت ہند کا انسداد چھوت چھات ایکٹ بابت ۱۹۵۴ء کے نفاذ کا کام محکمہ داخلہ کے ذمہ ہے اور یہ محکمہ ضلع ویجلینس کمیٹیوں کے ذریعہ چھوت چھات کو ختم کرنے کیلئے رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے مدد لیتا ہے اور اس سے متعلق رضاکار انجمنوں اور سرکاری ایجنسیوں کا تعاون حاصل کرتا ہے ضلع ویجلینس کمیٹیاں اس سمت میں اچھا کام کر رہی ہیں۔

پوری ریاست میں ایک "ہریجن پندھر واڑہ" منایا جاتا ہے جس میں برادری بھوج، پروپیگنڈہ، جلسے وغیرہ حکومت منعقد کرتی ہے۔

دلت متر انعام

سماج سدھار کے میدان میں سماجی کارکنوں کی گئی خدمات کو سراہنے کی غرض سے حکومت ایسے سوشل ورکروں کو "دلت متر" کا انعام عطا کرتی ہے جن کا کام اس میدان میں سب سے بہتر اور کارآمد ہوتا ہے۔ ابتک ایسے انعامات ۱۷۷ افراد کو دیئے جا چکے ہیں۔

مہاراشٹر میں مندرج جاتیاں اور مندرج قبائل، نو بدھ، ویمکت جاتی اور نومیڈک ٹرائبس کی چہار طرفہ ترقی کی غرض سے مہاتما پھلے بیکورڈ کلاس ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کی گئی ہے۔ یہ کارپوریشن ان ذاتوں سے متعلق افراد کو مختلف میدانوں میں مدد کرتی ہے جیسے زراعتی ترقی، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کو بڑھاوا، امداد باہمی سوسائٹیز وغیرہ۔

"امبیڈکر سمتا دیاپیٹھ" کا قیام بھی صحیح سمت ہوا ہے کیونکہ اس سے سماج میں مساوات کے قیام میں مدد ملے گی۔

قبائیلیوں کی بہبود

جہاں تک قبائلی آبادی کا تعلق ہے ریاست مہاراشٹر کا نمبر چھوٹا ہے اور ملک کی قبائلی آبادی کا ۳۰ء۷ فی صد حصہ یہاں بستا ہے۔

درج قبائل تین اضلاعی علاقوں میں بستے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) مغربی علاقہ بشمول تھانے کا کچھ حصہ، ناشک، دھولے، جلگاؤں، پونے، احمد نگر، اور کلابہ اضلاع (۲) شمالی علاقے میں میل گھاٹ تحصیل

ضلع امراؤتی اور (۳) مشرقی علاقے میں بشمول چندرپور اور ناگپور کا کچھ حصہ، بھنڈارہ، ایوت محل اور ناندیڑ اضلاع۔

مہاراشٹر کے تیرہ اضلاع میں جہاں ۵۹ء۲۱ لاکھ قبائلی بستے ہیں جب کہ پوری ریاست کی کل قبائلی آبادی ۲۹ء۵۴ لاکھ ہے، ایک ۱۳۰ کروڑ روپے پر منحصر قبائلی ضمنی منصوبہ ریاستی حکومت نے تیار کر کے قبائلی ترقی کی رفتار میں کافی تیزی پیدا کر دی ہے۔ استحصال کے موجودہ طریقے یعنی رقم قرض دینا اور مارکٹنگ کو ختم کرنے کیلئے حکومت نے مہاراشٹر قبائل معاشی حالات سدھار ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء نافذ کیا ہے۔ اس ایکٹ کا مقصد قبائلیوں کو رقم قرض دینے اور ان کی پیدا کردہ منتخب اشیاء کی خرید و فروخت نجی بیوپاریوں کے ذریعہ، پر پابندی لگانا ہے۔

امداد باہمی سوسائٹیاں :

اس کی وجہ سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اسکو حکومت نے ملٹی۔ پرپز امداد باہمی سوسائٹیوں کو قائم کر کے پر کیا ہے۔ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پانچ سالہ پانچویں منصوبے کے دوران ایسی ۲۶۱ قبائلی امداد باہمی سوسائٹیاں قائم کی جائیں۔ ابتک ۲۵۹ قائم کی جا چکی ہیں جو ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۸ء سے ۴۸ میں سے ۴۰ قبائلی تعلقہ جات میں ان کی زرعی اور جنگلاتی پیداوار کی خرید و فروخت کر رہی ہیں۔

اسی طرح اور بھی بہت سی اسکیمیں حکومت نے شروع کر رکھی ہیں جن سے قبائلی آبادی کو سماج کے دیگر طبقات کی سطح پر لانے میں مدد ملے گی اور وہ دن دور نہیں جب مہاراشٹر میں ایک ہی سماجی طبقہ ہوگا اور مساوات کا بول بالا ہوگا۔

حکومت اس کے لئے عوامی اور تمام رضاکارا داروں سے بھرپور تعاون کی خواہش رکھتے ہوئے اس سمت ثابت قدمی سے آگے بڑھ رہی ہے اور نتائج کافی حوصلہ افزا ہیں۔

عوام میں بڑھتی ہوئی بیداری کو دیکھتے ہوئے حکومت محسوس کرتی ہے کہ اسے ان اقدام اور دیگر اقدام میں جلد ہی بھرپور کامیابی حاصل ہوگی۔

چھوٹی بچت - کسانوں کیلئے نعمت

مہاراشٹر میں زراعت کا انحصار زیادہ تر برسات کی نوعیت پر ہے. ریاست کے کئی حصوں میں ہر پانچ یا چھ سال کے دوران ایک یا دوبار سوکھا پڑتا ہے۔ ہمارے کسان بڑی کٹھن زندگی گذارتے ہیں. ان کی مشکلات کو نظر میں رکھ کر ریاستی حکومت نے کئی اسکیمات وضع کیں تاکہ کسانوں کو درپیش دشواریوں کو دور کیا جاسکے۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کی زیر قیادت ترقی پسند جمہوری محاذ حکومت پچھلے سال ماہ جولائی میں برسر اقتدار آئی تھی۔ اس نے کئی جرأت مندانہ فیصلہ کئے تاکہ خوشگوار اور اُمید افزا ماحول پیدا ہو اور کسان داد بیاسی بھرپور ترقی کرسکیں' اس کا یکسر مقصد عام لوگوں میں سماجی واقتصادی مساوات قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں سماج کے کمزور ترین طبقے یعنی چھوٹے کسانوں، زراعتی مزدوروں اور ادیباسیوں سے شروعات کرنا ہوگی۔ ریاستی حکومت نے سب سے اول سماج کے انہی طبقات کی سماجی ومعاشی ترقی کی خاطر خاص پروگرام بنایا ہے۔

کھیتی مزدوروں کے لئے کم سے کم شرح اُجرت میں اضافہ، کسانوں کیلئے خاص مراعات مثلاً سستی بجلی کی فراہمی اور تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے جزوقتی ملازمت وغیرہ کی اسکیمات اس وسیع سماجی واقتصادی پروگرام میں خاص طور سے اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔

قدرتی طور سے اس کے لئے کثیر رقم کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا چھوٹی بچت کے ذریعے ذرائع کو بڑھانے کی بڑی گنجائش ہے۔

چھوٹے، بڑے، امیر غریب سب ہی لوگ آسانی سے چھوٹی بچت میں اپنا رُوپیہ لگا سکتے ہیں. لہٰذا حکومت نے چھوٹی بچت میں روپیہ لگانے پر خاص زور دیا ہے۔ یہ پروگرام اس لحاظ سے دُگنی اہمیت کا حامل ہے کہ اولاً حکومت مالی اعتبار سے مضبوط بنیاد پر یہ عام سماجی واقتصادی پروگرام شروع کرنے کے قابل ہوجاتی ہے، دوسرے چھوٹی بچت میں رقم لگانے کا مطلب یہی ہے کہ کچھ عرصہ بعد بچت داروں کو مستقبل اور بڑھاپے میں مالی تقویت اور استقامت حاصل رہے گی۔

بچت کی عادت نہ صرف بچت کرنے والے شخص اور اس کے خاندان بلکہ پوری قوم کے حق میں بڑی سُودمند ہے۔ یہ افراطِ زر کو روکتی ہے اور عیش وعشرت نیز فضول خرچی سے بچاتی ہے. اس کے باعث خود بخود قیمتیں گرتی ہیں اور دوسرے الفاظ میں اس طرح افراد اور مجموعی طور سے قوم کی زندگی میں خوشحالی آتی ہے.

کاشتکاری اور کاشتکار کے تعلق سے قرض داری، قرض کی ادائیگی اور محصول اراضی کی وصولی غور طلب اور بار بار پیش آنے والے مسائل ہیں. کسان برادری میں چھوٹی بچت کا رجحان پیدا ہونے سے محصول اراضی کی ادائیگی کے معاملے میں ایک بڑی دقت دور ہو جاتی ہے. کیونکہ کسانوں کو محصول ادا کرنے میں سہولت رہتی ہے. اگر کسان اپنے محصول اراضی سے دس گنا رقم چھوٹی بچت میں لگا سکیں تو وہ اس پر سُود کی رقم ہی سے اپنا کل محصول اراضی ادا کرسکتے ہیں جو چھوٹی بچت میں جمع کی ہوئی رقم پر انھیں حاصل ہوگا. اس طرح سے انھیں مالی اور نفسیاتی طور پر بڑا اطمینان حاصل ہوگا اور ان کی زندگی میں استحکام پیدا ہوگا.

مثال کے طور پر اگر ایک کسان (جسے فرض کیا ہر سال ۱۰ روپے محصولِ اراضی ادا کرنا پڑتا ہے) محصول سے دس گنا رقم (یعنی ۱۰۰ روپے) ۷ سالہ قومی بچت سرٹیفکیٹ (سلسلہ چہارم) میں لگاتا ہے تو وہ اس رقم پر حاصل ہونے والے سُود سے بہ آسانی محصول چُکا سکتا ہے۔ سات سالہ قومی بچت سرٹیفکیٹ ۵۰ روپے، ۱۰۰ روپے، ۵۰۰ روپے، ۱۰۰۰ روپے اور ۵۰۰۰ روپے کی رقم کے ملتے ہیں جن پر ۱۰٫۲۵ فیصد سالانہ سود دیا جاتا ہے۔ یہ کسی بھی پوسٹ آفس سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

کسان کسی بھی قریب ترین پوسٹ آفس سے یہ سرٹیفکیٹ حاصل کرکے خود اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ وہ ہر سال اپنی جمع رقم پر ملنے والے سود سے بذریعہ چیک محصول ادا کرسکتے ہیں۔ اس مقصد سے انھیں اسی پوسٹ آفس میں واقع اس کے پوسٹ آفس سیونگ بنک میں 'سیونگ اکاؤنٹ' کھولنا ہوگا۔ ایسے کسان جو مقررہ مدت کے دوران اپنے اسمال سیونگ اکاؤنٹ میں کم سے کم ۱۰۰ روپے رکھتے ہیں 'لاٹری' سے بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو سیونگ بنکوں نے اپنی 'انعامی اسکیم' کے تحت جاری کی ہے۔

میں گلاب ہوں

• ریاض آفندی
بی/۸، پرتاب نگر
۲۲۵۔ لال بہادر شاستری مارگ
بھرلا (ویسٹ) بمبئی۔ ۷۰۰۰۴

میں گلاب ہوں ۔!
لال گلاب ۔ !!

میں کئی برسوں سے روز صبح کھلتا ہوں اور شام کو مرجھا جاتا ہوں
لوگ میری خوبصورتی کو دیکھتے ہیں اور میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہیں.
مجھے توڑتے ہیں، مجھے میری ماں کی گود سے جدا کرتے ہیں.
پھر کوئی مجھے اپنے بالوں کے جوڑے میں لگاتا ہے،
کوئی کوٹ کے بٹن میں ٹانکتا ہے،
کوئی ہاتھ میں رکھ کر سونگھتا ہے،
کوئی شردھا سے بھگوان کے چرنوں میں رکھتا ہے.
کبھی کسی کے ڈرائنگ روم کی شوبھا بنتا ہوں،
کبھی کسی کی سیج کو مہکاتا ہوں،
کبھی کسی کے سہرے کے پھول بن کر کھلتا ہوں،
اور کبھی کسی کے جنازے یا کسی کی ارتھی پر چڑھتا ہوں۔
یہی میری زندگی ہے اور یہی میرے کھلنے کا اصل مقصد ہے.
دنیا والوں نے مجھ کو اسی حد تک سمجھا، شاید وہ اس سے
آگے سمجھنا بھی نہیں چاہتے ہیں.
مگر میری زندگی میں ایک دن ایسا آیا کہ میری کایا ہی پلٹ گئی
۔ ایک سہانی صبح کو جب سورج کی کرنوں نے مجھے گدگدایا
تو میں نے آنکھیں کھولیں اور ایک انگڑائی لی.
انگڑائی لینے کی ادا شبنم کی بوندوں کو اتنی بھائی کہ
وہ والہانہ طور پر مجھ کو چومنے لگیں۔
نسیم سحر نے میری بلائیں لیں،
اس وقت ۔ اس وقت ایک خوبصورت ہاتھ میری جانب بڑھا
اس نے مجھے توڑا،
اس کے بعد اس کی چمکیلی اور گہری آنکھوں نے مجھے گھورنا شروع کیا
وہ نظریں مجھے ایک ساجس طرح تک رہی تھیں، دیکھنے
کے اس انداز کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ نظریں مجھے آج بھی
یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گی۔
اس کے بعد اس خوبصورت ہاتھ کے مالک نے مجھے سونگھا اور
اور اس نے فرط مسرت سے ایک گہرا سانس لیا.
اس طرح وہ دیر تک میری بھینی بھینی خوشبو سے محظوظ ہوتا رہا
پھر وہ میری خوبصورت اور نازک پنکھڑیوں کو دیکھتا رہا، جیسے قدرت
کی صناعی کی داد دے رہا ہو۔
آخر میں، اس نے مجھے اپنی شیروانی کے کاج میں ٹانک دیا، بالکل
اپنے سینے کے پاس، جہاں سے میں اس کے دل کی دھڑکنوں کو
بہ آسانی سن سکتا تھا۔
میں صبح سے شام تک اس کی شیروانی میں لگا ہنستا اور مسکراتا رہا
یوں تو روز میری جانب کئی ہاتھ بڑھتے، مجھے توڑتے،
مجھے چھوتے، مجھے سونگھتے اور
میرے حسن، میری تازگی اور میری خوشبو سے لطف اندوز ہوتے،
مگر ان ہاتھوں میں اس ہاتھ جیسا لمس نہیں تھا۔ اس لمس کو
میں کبھی نہیں بھول سکتا۔
کیونکہ وہ ہاتھ بڑا عظیم تھا۔
اس ہاتھ نے تاریخ کے اہم فیصلوں پر دستخط کئے تھے۔
اس ہاتھ نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹا تھا۔
اس ہاتھ نے ملک اور قوم کی قسمت کو بدلا تھا۔
اس ہاتھ نے دنیا کی عظیم تاریخ ساز ہستیوں سے ہاتھ ملایا تھا،
اسی ہاتھ نے مجھے سینے سے لگایا ۔!
جانتے ہو کیوں؟
اس لئے نہیں کہ میں خوبصورت ہوں،
اس لئے نہیں کہ میں نرم اور نازک ہوں،
اس لئے نہیں کہ میں خوشبودار ہوں،
بلکہ اس لئے کہ ان کی دو گہری چمکیلی اور خوبصورت
آنکھوں نے میری نازک اور کومل پنکھڑیوں میں ان چھوٹے
چھوٹے معصوم بچوں کے ہلتے ہوئے "لب لعلیں" دیکھے تھے جن
کو دنیا ملک و قوم کا مستقبل کہتی ہے۔
میری کھلتی ہوئی کلی کو دیکھ کر اسے ننھے منے بچوں کی مسکان
یاد آتی۔

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

آلودگی کا مسئلہ

• ہارون رشید (علیگ)

ہاؤس نمبر ا
۲۸۵ اے، ٹھاکر دوار روڈ
بمبئی ۔ ۴۰۰۰۰۲

"...ہم چیچک جیسی مہلک بیماری پر قابو پا چکے ہیں۔ انسان طاعون کے خلاف بھی جنگ قریب قریب جیت چکا ہے۔ لیکن اس دور میں ہم ایک خطرناک ــــ عفریت کے سامنے بےبس ہیں۔ وہ عفریت جسے ہم لوگوں ہی نے جنم دیا ہے۔ جو ہمارے پانی میں، کھانوں میں، فضاؤں میں اور حد تو یہ ہے کہ ہمارے گرد و پیش کی اشیاء میں بھی موجود ہے ــــ اس عفریت کا نام ہے ۔ آلودگی ۔"

ایک مغربی سائنسداں کا یہ بیان، عکاس ہے اُس خطرے کا جو بنی نوع انسان کو آلودگی کے ہاتھوں لاحق ہے۔ ایسا خطرہ جو دن بدن بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت انسان دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے ستاروں کی گذرگاہیں ڈھونڈھ رہا ہے، آفتاب و ماہتاب سے دست و گریباں ہے، جن مسائل کا حل کل تک قطعی ناممکن تھا وہ آج سہل ترین ہو گئے ہیں۔

لیکن ترقی کے جلو میں تخریب بھی ہولے ہولے ساتھ چل رہی ہے۔ سرسبز و شاداب زمین کے سینے پر کھڑے ہوئے اَن گنت کارخانے اپنی چمنیوں سے زہریلا دھواں فضاؤں میں اُگل رہے ہیں۔ فضا مکدّر ہو رہی ہے۔ ہوا کی پاکیزگی میں ان زہریلے ذرّات کی وجہ سے آلودگی پیدا ہو رہی ہے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد کسی بھی ملک کے لئے کارخانے اور فیکٹریوں کی بہتات خوشحالی کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آج انھیں دیکھ کر ایک عام آدمی تا سہی، لیکن سائنس سے تھوڑی بہت دلچسپی رکھنے والا ایک انجانے خوف سے سہم جاتا ہے۔

انسان نے نباتات کو مختلف بیماریوں سے محفوظ رکھنے اور اپنی فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے بچانے کے لئے جراثیم کش دوائیں ایجاد کیں۔ ابتدائی مراحل میں نتائج بڑے حوصلہ افزا اور سود مند رہے۔ لیکن بعد ازاں ان ہی دواؤں نے سائنسدانوں کے لئے ایک پیچیدہ مسئلہ کھڑا کر دیا۔ دوائیں جراثیم کش تو ثابت ہوئیں لیکن ان کا زہریلا اثر ماحول میں پھیلتا چلا گیا۔ زرخیز زمین کے سینے میں ان مہلک ذرات نے بسیرا کر لیا۔ آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی صنعت کی پیدا کردہ گندگیوں کو نگلتے نگلتے تھک گیا ہے۔ آبی اور ہوائی آلودگی ترقی پذیر ممالک میں ایسی جن کی صورت اختیار کر چکی ہے جو بوتل سے باہر آ گیا ہو اور اس کا دوبارہ اندر جانا ممکن نہ ہو۔ آج سے چند سال پیشتر ہمارے ملک کے وزیر اعظم نے وزرائے اعلیٰ اور صنعت و حرفت کے اعلیٰ نمائندوں کی ایک میٹنگ میں آلودگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"... اگرچہ آلودگی کا مسئلہ ہمارے مُلک میں مغربی ترقی یافتہ ممالک کی طرح خطرناک نہیں ہے پھر بھی احتیاطی کارروائیاں عمل میں لانا ہی دانشمندی ہے۔ ہندوستان کے صنعتی شہر آہستہ آہستہ فضائی آلودگی کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور معاملہ دن بدن نازک ہوتا جا رہا ہے۔"

مغربی ممالک خصوصاً امریکہ، برطانیہ، فرانس اور ایشیا میں جاپان آلودگی کے ہاتھوں حد درجہ پریشان ہیں۔ وہاں فضا اس قدر آلودہ ہو چکی ہے کہ ۲۵ سال بعد کئی علاقوں میں آکسیجن ماسک کے بغیر باہر نکلنا محال ہو جائے گا۔ جاپان کے شہر ٹوکیو میں تو ایسے صنعتی علاقے ہیں کہ جہاں بچے آکسیجن ماسک کا سہارا لیئے بغیر نہیں جا سکتے۔

ڈی ڈی ٹی کی ایجاد نے سائنس کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ بنی نوع انسان کے لئے یہ دوا بہت بڑی نعمت ثابت ہوئی تھی۔ ملیریا، طاعون، اور دوسری جان لیوا بیماریوں پر قابو پا لیا گیا۔ بہت سارے مہلک اور مُضر کیڑوں کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن چند برسوں بعد ڈی ڈی ٹی کے مسلسل استعمال نے ماحول میں زہریلے اثرات پیدا کر دیئے اور مچھروں میں قدرتی طور پر اس کیمیکل کے خلاف قوت دفاع پیدا ہو گئی۔ لہٰذا سائنس کی ایک تحقیق کے مطابق کرۂ ارض پر ملیریا پھیلانے والے

۲۳ قسم کے مچھر اور ۲۰۰ حشرات ایسے ہو چکے ہیں جن پر ڈی ڈی ٹی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شاید اسی کا اثر ہے کہ ہمارے ملک میں ملیریا کا مرض پھر سر اٹھانے لگا ہے۔ ڈی ڈی ٹی کے استعمال سے پرندے اور چوپائے نقصان اٹھا رہے ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ میں ہزاروں پرندے اور دوسرے جاندار اس کے مہلک اثرات سے موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ بارش کے قطروں میں بھی ڈی ڈی ٹی اپنا اثر چھوڑ رہی ہے۔ انسانی جسم کے خلیوں میں بھی اس کا زہر سرایت کر رہا ہے۔ اس دوا کے اثرات استعمال کے دس سال بعد تک ختم نہیں ہوتے۔ اگر پانی کے ایک کروڑ قطروں میں ایک بوند ڈی ڈی ٹی کی ملا دی جائے تو وہ مچھلیوں کے لئے زہر ہلاہل بن سکتا ہے۔

پال ملر کو ڈی ڈی ٹی ایجاد کرنے پر سوئیڈن میں نوبل انعام دیا گیا تھا۔ اس دوا کے مہلک اثرات کو دیکھتے ہوئے خود حکومت سوئیڈن نے یکم جون ۱۹۷۰ء سے ڈی ڈی ٹی کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اور اب تو امریکہ اور کئی دوسرے یورپی ممالک میں بھی اس کیمیکل کا استعمال غیر قانونی قرار دیا جا چکا ہے۔

آیئے اب یہ دیکھا جائے کہ ہمارے ملک میں ہوائی اور آبی آلودگی کا کیا عالم ہے۔ دلی اور آگرہ کے درمیان دریائے جمنا کے ساحل پر ڈی ڈی ٹی تیار کرنے کے کئی کارخانے اپنی گندگی اور فاسد مادے جمنا کے پانی میں انڈیلتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دلی شہر کی گندگی بھی جمنا میں بہائی جاتی ہے۔ نتیجتاً جمنا کے پانی میں ڈی ڈی ٹی اور دوسرے زہریلے مادوں کا اثر تشویشناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ اور اسی لئے نجف گڈھ کے علاقے میں اکثر بیشتر ہزاروں مچھلیاں اور آبی جاندار مردہ پائے جاتے ہیں۔ اسی قسم کے مہلک اثرات چند سال قبل لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے بھی رونما ہوئے تھے جب ایک صبح لاکھوں مردہ مچھلیاں سطح آب پر ابھر آئی تھیں۔ تحقیق پر معلوم ہوا تھا کہ یہ ان زہر اور فاسد مادوں کا اثر تھا جنھیں سیتاپور میں ایک شکر تیار کرنے والے کارخانے نے گومتی میں بہایا تھا۔ کلکتہ، درگاپور اور آسنسول کے صنعتی علاقے بھی آبی آلودگی کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ دریائے ہگلی کے کنارے کم و بیش ۱۶۰ صنعتی کارخانے اور فیکٹریاں واقع ہیں۔ ان میں سے گندا اور زہریلا پانی ہگلی میں گرایا جاتا ہے۔ وہ ہزاروں اشخاص جو دریائے ہگلی کے کنارے بنے ہوئے گھاٹوں پر نہاتے ہیں آج ایک خطرناک مستقبل کا سامنا کر رہے ہیں۔

حالیہ اطلاعات کے مطابق بنارس شہر کی گندگی کی وجہ سے گنگا جیسی فیاض ندی بھی پناہ مانگ رہی ہے۔ کان پور کے رہنے والے ۲۰ لاکھ لوگوں کے لئے وہاں کی آب و ہوا مضر ہوتی جا رہی ہے۔ ۷۰ سے زائد کارخانے وہاں شب و روز زہریلے ذرات دھوئیں کی شکل میں ہوا میں تحلیل کر رہے ہیں۔

ہمارا صوبہ مہاراشٹر اور صوبوں کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ یہاں کارخانوں اور فیکٹریوں کی بہتات ہے۔ شہر بمبئی اور کلیان کے بیچ سو سے زیادہ صنعتی کارخانے اپنی گندگی جس میں مختلف قسم کے کیمیائی اجزاء اور زہریلے ذرات شامل ہیں۔ نالوں، ندیوں اور سمندر میں بہاتے رہتے ہیں۔ کلیان میں کلوا ندی کا پانی آلودگی کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ تیزابی اثرات کی وجہ سے مچھلیوں کی پیداوار میں یکایک کمی واقع ہو گئی تھی لیکن مہاراشٹر سرکار کے بروقت حفاظتی اقدامات نے حالات قدرے بہتر بنا دیئے ہیں۔ ندیوں کی طرح سمندر بھی ان اثرات سے بری نہیں۔ ماہی گیروں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ٹرامبے کے اطراف مچھلیوں کی تعداد پہلے سے کم ہو گئی ہے اور اکثر ایسی مچھلیاں ملتی ہیں جن میں پٹرول اور تیل کی بو آتی ہے۔

۲۸ جنوری ۱۹۷۲ء کا واقعہ تو بمبئی کے ہر شہری کو یاد ہوگا۔ یہ دن حاجی علی کے قریب رہنے والوں کے لئے خاصا پریشان کن ثابت ہوا تھا۔ سمندر سے اٹھنے والی ناقابل برداشت بدبو سے ساری فضا مکدر ہو چکی تھی۔ یہ بو ان مچھلیوں کی سڑاند سے اٹھ رہی تھی جو ہزاروں کی تعداد میں سمندر کے کنارے مردہ پائی گئی تھیں۔ ہارنبی ولارڈ کا سارا ساحلی علاقہ مردہ مچھلیوں سے اٹا پٹا تھا۔ مہاراشٹر سرکار کی سفارش پر کیرالا سے علم ماہیات کے ماہر ڈاکٹر ایم۔ الف۔ جھا بیگر کو فوراً بغرض تحقیق بلایا گیا۔ انھوں نے تحقیق کے بعد جو رپورٹ پیش کی وہ عام فرد کے لئے ممکن ہے کوئی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو لیکن سائنسدانوں کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ رپورٹ کے مطابق وہ گندگی جو ہارنبی ولارڈ کے قریب بذریعہ پائپ سمندر میں گرائی جاتی ہے، پانی کو حد درجہ گدلا بنا دیتی ہے فاسد مادوں کی مسلسل شمولیت نے پانی کو زہریلا بنا دیا اور نتیجے میں مچھلیوں کیلئے جان لیوا ثابت ہوا۔

آبی آلودگی کے متعلق تازہ ترین انکشافات ڈاکٹر بی۔ سی ہلدار، جو انسٹی ٹیوٹ آف سائنس بمبئی کے ڈائرکٹر ہیں اور شری بی۔ ایم تیجام نے کئے ہیں۔ ان کے کئے ہوئے سروے کی مکمل رپورٹ ۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء کو اخبارات میں آ چکی ہے۔ رپورٹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ بمبئی کی کھاڑیوں اور کلوا ندی کے پانی میں دھات خصوصاً پارہ (MERCURY) کے زہریلے اثرات خطرناک حد تک بڑھ چکے ہیں اور یہ زہر سبزی ترکاری اور دودھ کے ذریعے انسانی جسم میں داخل ہو رہا ہے۔ وہ بھینس اور گائیں جو کلوا ندی کے کنارے گھاس چرتی ہیں ان کے دودھ میں پارے کے اثرات پائے گئے ہیں۔ اسی طرح ندی کے کنارے "گوار کی پھلی" کی کھیتی ہوتی ہے۔ اس سبزی میں بھی پارے کی موجودگی کا پتہ چلا ہے۔ اسی سروے سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تھانہ اور ممبرا کی کھاڑیوں میں مچھلیوں کی سات قسمیں ایسی موجود ہیں جن میں پارے کے زہریلے اثرات تشویشناک حد تک بڑھ چکے ہیں۔ ان میں کھجوری، بوئم، شارک اور جتادی مچھلیاں شامل ہیں۔

جہاں تک پارے کے زہریلے اثر کا تعلق ہے وہ انسان کے اعصابی
نظام پر ہوتا ہے۔ ایک شیر خوار بچہ جس کا وزن دس کلوگرام ہو اگر ان
مویشیوں کا دودھ پیئے جن میں پارے کے زہریلے اثرات موجود ہوں تو وہ
ایک ہفتہ میں ۰.۷ ملی گرام زہر اپنے جسم میں داخل کرلے گا جبکہ ۰.۵ ملی
گرام زہر کی موجودگی خطرے کی دلیل ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے
مذکورہ سائنسدانوں نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ تھانہ اور ممبرا کے علاقوں
کی مچھلیاں اور گوار کی پھلی استعمال میں نہ لائیں۔ اسی طرح اس دودھ کا بھی
استعمال بند کردیں جو وہاں کے مویشیوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

آبی آلودگی کے لئے بڑی حد تک عوام بھی ذمہ دار ہیں۔ آجکل سیکڑوں
افراد جو بھانڈوپ کے علاقے میں جھونپڑ پٹیوں میں رہتے ہیں وہار جھیل کا پانی
گندہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اس چشمہ کے کنارے نہاتے ہیں اور اپنے کپڑے
دھوتے ہیں جو وہار اور تانسہ کو ملاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے افراد بڑے
بڑے پائپوں میں سوراخ کرکے یا کسی اور طریقے سے پانی حاصل کرتے ہیں۔
یہ مناظر ماہم کی کھاڑی میں اکثر و بیشتر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اس طریقے سے
نہ صرف پانی آلودہ ہوتا ہے، بلکہ وہ شہریوں کے صحت کے لئے نقصان دہ بھی
ثابت ہوسکتا ہے۔

آبی آلودگی کے ساتھ ہمارے شہر بمبئی میں فضائی آلودگی کے بھی آثار پائے
جانے لگے ہیں خصوصاً صنعتی علاقے کثافت کا زیادہ اثر قبول کر رہے ہیں۔
چمبور میں تپ دق اور سانس کی دوسری بیماریوں سے متاثر ہونے والے افراد کی
تعداد پہلے سے ۱۸ فیصد زیادہ ہوگئی ہے۔

مرکزی حکومت نے آلودگی کے متعلق بل پاس کردیا ہے۔ اور صوبائی حکومتوں
کو اختیار دیدیا ہے کہ وہ آلودگی کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ اس
سلسلہ میں آلودگی پھیلانے والے شخص یا کارخانے کو سزا بھی دی جاسکتی ہے۔
ہماری مہاراشٹر سرکار آلودگی کو ختم کرنے کے لئے قابل تعریف اقدامات کر رہی
ہے۔ خصوصاً کارخانوں اور فیکٹریوں کو متنبہ کیا جاچکا ہے کہ وہ زہریلے اور فاسد
مادے دریاؤں یا سمندر میں نہ بہائیں۔ اس کار خیر میں خود عوام کو بھی انفرادی
طور پر حکومت کا ساتھ دینا چاہئے۔ یہی اس مسئلے کا حل ہے۔

●●

بقیہ "میں گلاب ہوں" (ص۳۶ سے آگے)

اس طرح صرف اپنے دیش ہی کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے بچوں کی
محبت کو اس نے میری ایک تنہا ذات میں سمو دیا تھا۔
وہ بچوں کی اس یاد کو میرے روپ میں صبح سے شام تک
اپنے سینے سے لگائے رکھتا اور خوش ہوتا۔
آج یہ تاریخی ہاتھ اس دنیا میں نہیں ہیں ـــ!
مگر اس ہاتھ نے جو تاریخ بنائی ہے، وہ تاریخ اس کو
زندہ رکھے ہوئے ہے۔
آج جب کہ پوری دنیا میں بچوں کا سال منایا جارہا ہے،
تو اس جشن میں اس کی یاد شامل ہے،
اور پھر میں جب تک کھلتا رہوں گا،
اس وقت تک وہ بھی زندہ رہے گا،
میرے ساتھ اس کی زندگی وابستہ ہوگئی ہے
میں ایک گلاب ہوں ـــ!
سرخ گلاب!!

مہاراشٹر کی شان!

• حکیم عزیز مقدسی
نیا باڑہ کامٹی

یہ رشیوں کا سنتوں کا دیوتوں کا مسکن
ہے کتنے ہی پھولوں کا رنگین گلشن
حسیں اس کا آنچل حسیں اس کا دامن
مناظر سے ہوتے ہیں قدرت کے درشن

ثنا خواں نہ کیوں ہوں ادیب و سخنور
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

ایلورا، اجنتا کا فن بھی ہے اس میں
چمن ہے جو اس میں تو بن بھی ہے اس میں
پہاڑ اور ندیوں کا دھن بھی ہے اس میں
حسینوں کا سا بانکپن بھی ہے اس میں

پئے دید آتے ہیں سیاح اکثر
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

نرالی ہی کچھ بات ہے بمبئی کی
نظر آتی ہے ہر جھلک زندگی کی
کہاں ہے مثال اس کی جلوہ گری کی
کوئی انتہا ہی نہیں دلکشی کی

قدم شب و روز چومتا ہے سمندر
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

یہاں ہندو مسلم ہیں سکھ، پارسی بھی
خوشی اور غم میں برابر کے ساتھی
زبانیں بھی ہیں اردو، ہندی، مراٹھی
مگر ہے فضا باہمی ایکتا کی!

محبت کا ہوتا ہے پرچار گھر گھر
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

یہیں ہے ودربھا کی زرخیز مٹی
کپاس و جواری کی لگتی ہے منڈی
جو مشہور ہیں سنترے ناگپوری
تو بھنڈارہ، تمسر ہے چاول کی دھرتی

کسان اور مزدور ہیں قوم پرور
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

یہاں قلعۂ دولت آباد بھی ہے
فضا جانفزا خلد آباد کی ہے
جہاں ذرے ذرے میں اک زندگی ہے
جسے زیب و زینت بزرگوں نے دی ہے

بیاں کرتے ہیں اپنی تاریخ پتھر
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

پنڈھرپور، ناسک کی عظمت نہ پوچھو
جو پونہ کو حاصل ہے رفعت نہ پوچھو
وہ لونا ولہ کی لطافت نہ پوچھو
ہے کس درجہ فیاض قدرت نہ پوچھو

دل آویز و جنت نظر اس کے منظر
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

بہادر شیواجی کی یہ سرزمیں ہے
تلک، گوکھلے کا وطن بھی یہیں ہے
حقیقت ہے کوئی فسانہ نہیں ہے
یہ ہندوستاں کا درخشاں نگیں ہے

بجا ہے جو ہم ناز کرتے ہیں اس
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

حقیقت میں گہوارۂ علم و فن ہے
ترقی کی راہوں پہ گامزن ہے
سبھی کے دلوں میں وطن کی لگن ہے
جو دھرتی ہے سونا تو چاندی گگن ہے

خوشی رقص کرتی ہے اس کے آنگ
مہاراشٹ کی شان اللہ اکبر

★

کچھ اب اور دیہات کی زندگی ہے
جہاں تھا اندھیرا وہاں روشنی ہے
بہت کچھ نمایاں ترقی ہوئی ہے
حکومت برابر مدد کر رہی ہے

کہ لوگوں کی حالت ہو بہتر سے
مہاراشٹ کی شان اللہ اک

★

نئی منزلیں ہیں، نئے راستے ہیں
بہت سے مسائل ابھی سامنے ہیں
لئے دل میں عزمِ جواں ہم چلے ہیں
پہنچنا ہے منزل پہ، طے کر چکے ہیں

عزیز ایک نغمہ ہے سب کی زبا
مہاراشٹ کی شان اللہ اک

سنتوں کی سرزمین (مہاراشٹر)

• ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشاء ۔ ۱۱، اسٹار کی ٹاؤن، ناگپور ۔ ۴۴۰۰۰۱

شان اور دھج میں سب سے نرالا ہے مہاراشٹر
صوبہ ہر اعتبار سے اعلا ہے مہاراشٹر
جذب و عمل کی گود کا پالا ہے مہاراشٹر
شایانِ شانِ رتبہ والا ہے مہاراشٹر

جانباز و سرفروش جیالوں کا دیش ہے
یہ جان پر بھی کھیلنے والوں کا دیش ہے

دشت و جبل میں اس کے انوکھا ہے بانکپن
رنگین وادیوں کی ہے کچھ اور ہی پھبن
ذرے ہیں اس کے چاند ستاروں پہ خندہ زن
اس کی زمیں کے آگے خجل کیوں نہ ہو گگن

ہر قصبہ اس کا فطرتاً معصوم و سادہ ہے
اس کے ہر ایک شہر کا دامن کشادہ ہے

یہ اس کے کارخانوں سے اٹھتا ہوا دھواں !
اس کے کمالِ صنعت و حرفت کا ہے نشاں
سرسبز لہلہاتی ہوئی اس کی کھیتیاں !
آنچل میں ہیں چھپائے ہوئے حسنِ جاوداں

اس کا ہر ایک خطہ جمیل و حسین ہے
سنتوں کی اور ویروں کی یہ سرزمین ہے

ہے ایلورا اور اجنتا کا فن مہاراشٹر میں
ہوتے ہیں کام رشکِ زمن مہاراشٹر میں
محنت کا آج بھی ہے چلن مہاراشٹر میں
ہر سو ہیں مسکراتے چمن مہاراشٹر میں

قدرت کے فیض سے یہ بہت مالا مال ہے
ہر چیز اس کی اپنی جگہ بے مثال ہے

علم و ہنر کی گرمیٔ بازار ہے یہاں
عزم و یقیں کی دولتِ بیدار ہے یہاں
ہر فرد آگے بڑھنے کو تیار ہے یہاں
ہر شخص دورِ نو کا طلبگار ہے یہاں

اس گلستاں پہ چھائی رہے یونہی تازگی
یونہی بہار لائے ہمیشہ یکم مئی !

حسین سرزمیں ہے مہاراشٹرا

• ریاض احمد ریاضؔ ۴۰۷، رسولپورہ، مالیگاؤں ۔

ہر اک کو یقیں ہے مہاراشٹرا
خموش اور متیں ہے مہاراشٹرا
حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا
ہیں اس کی فضاؤں میں رعنائیاں
مسرت کی بجتی ہیں شہنائیاں
ستارہ جبیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

جنم شیواجی کا ہوا ہے یہیں
فراست میں ثانی ہی جس کا نہیں
یقیں ہے یقیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

تری انجمن میں ہیں لاکھوں رتن
بہاریں ہیں رقصاں چمن در چمن
تو خلدِ بریں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

ہر اک شئے میں جھلکے ہے تیرا شباب
تری خاک میں ان گنت آفتاب
جمیل و حسیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

نفس در نفس تیرے جلوے بسے
ترا ذکر ہر انجمن میں چلے !
دلوں میں مکیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

ملوں میں تری زندگانی کا شور
تری ندیوں میں قیامت کا زور
یہ جادو کہیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

اجنتا ایلورا کی فنکاریاں
ہیں تہذیبِ ماضی کی پرچھائیاں
ریاضؔ اک نگیں ہے مہاراشٹرا ۔ حسیں سرزمیں ہے مہاراشٹرا

کھلتا کنول

• عبدالمجید سروہر

اجنبی دیس سے آئے ہو تو شب بھر رک جاؤ

رقص کرتے ہوئے لمحوں کو نہ زنجیر پہناؤ
کرمکِ شب کو اُجالوں کی گپھاؤں میں نہ لاؤ
تتلیاں، نرم پروں سے جو ادھر آئی ہیں
اُن کے خوش رنگ پروں کو تو نہ چٹکی میں اڑاؤ
شعلۂ جام سے روشن ہے فضائے غمناک
دوستو! دیر تلک شیشہ و ساغر کھنکاؤ

اجنبی دیس سے آئے ہو تو شب بھر رک جاؤ

پیکرِ نور میں ڈھلتے ہوئے تاریک اجسام!
جن کی رُوحوں میں ہے صدیوں کے تمدن کا سبھاؤ
اپنے غم خانوں کے تاریک کھنڈر سے باہر
آ رہے ہیں، نئی تعمیر کا دلکش پھیلاؤ

اجنبی دیس سے آئے ہو تو شب بھر رک جاؤ

سبز ہوتی ہوئی دھرتی کا جواں سال نکھار
سایۂ ابرِ کثافت سے طربناک بچاؤ
اب کے ساون کی ہر اک بوند میں موتی برسے
وادیٔ خواب کی جانب ہو اندیوں کا بہاؤ

اجنبی دیس سے آئے ہو تو شب بھر رک جاؤ

آج پھر تیس برس بعد یہ ٹھنڈک کا خیال
جیسے سورج کے جزیروں میں ہو شبنم کا بہاؤ
دیر تک منتظرِ دستِ کرم مت رکھو!
ہو عطا کیش تو کیوں نارِ نظر بھی اُلجھاؤ
صاف و شفاف اُجالوں کی فضاؤں میں جیو
بانٹ دو نور، دھندلکوں میں پھنس کر رہ جاؤ

اجنبی دیس سے آئے ہو تو، شب بھر رک جاؤ

اپنے پُرنور، ضیا خانوں کے اندر جھانکو
کسی آسیب کے عفریت کے سائے میں نہ جاؤ
اپنی تہذیب کی تنظیم، اثاثہ اپنا
اس اثاثے کو بہر رنگ، بہر طور بچاؤ

اپنے گل، اپنا چمن، خارِ مغیلاں اپنے
خون سے اپنے کھلائیں گے، بیاباں اپنے

• امین تابش

یہ زر پرستوں کی اور خود سروں کی دنیا ہے!
یہ اہلِ دل کی نہیں پتھروں کی بستی ہے

کہیں نشانِ قدم ہیں نہ سنگِ میل کہیں
عجب تماشہ ہے یہ رہبروں کی بستی ہے

بنائے بیٹھے ہیں سب ڈیڑھ اینٹ کی مسجد
یہ اور بستی نہیں بُت گروں کی بستی ہے

صدا بصحرا صدائے اذان ہے یارو!
گجر کی گونج سنو مندروں کی بستی ہے

یہاں کہاں چلے آئے ہو آئینہ لے کر
یہ شہر شہر نہیں پتھروں کی بستی ہے

یہاں نہ شور نہ غوغا، نہ کوئی چیخ و پکار
یہ زندہ لاشوں کی اور مقبروں کی بستی ہے

یہاں تو لٹتے ہیں باشندے دن دہاڑے بھی
یہ لوٹ مار کے کاریگروں کی بستی ہے

یہاں سنبھل کے بڑی احتیاط سے رہیئے
یہ اپنی بستی نہیں دوسروں کی بستی ہے

یہاں ہیں رونقیں آرائشیں دکھاوے کی
نمائشوں کے حسیں منظروں کی بستی ہے

شگفتہ پھولوں سے چہروں کو دیکھتے رہیئے
یہ گل رخوں کا نگر دلبروں کی بستی ہے

یہاں جو آتا ہے جاتا نہیں پلٹ کے کبھی
یہ اک طلسم ہے جادوگروں کی بستی ہے

یہاں کی سڑکیں ہیں آباد اس قدر تابش
لگے ہے جیسے کہ یہ بے گھروں کی بستی ہے

۱۰ر مئی ۱۹۷۹ء

• حضور سہسوانی
راز منزل سہسوان (بدایوں) یو۔پی

یاد آتا ہے رہ رہ کے پیمانِ وفا کوئی!
کیا اس سے بھی بڑھ کر ہے چاہت کی سزا کوئی

تم نے تو جفاؤں سے کچھ نام کمایا بھی!
ہم نے تو وفاؤں کا پایا نہ صلا کوئی!

آئینہ بھی حیرت سے کیا تکنے لگا جانے
جب اس کے قریب آکر دم بھر کو رکا کوئی

حاصل ہے خوشی جس کو وہ شخص ادھورا ہے
کامل وہی کہلایا غم جس کو ملا کوئی!

یوں کہئے نظر ہی کی ہے صرف کمی ورنہ!
ہر سمت ہی جلوے ہیں دیکھے تو ذرا کوئی

محرومیٔ منزل ہی بس اس کا مقدر ہے
جس شخص کو بھٹکا دے خود راہ نما کوئی

مدت سے ہمیں اب تو ہچکی بھی نہیں آئی
پھر کیوں نہ سمجھ لیں ہم اب بھول گیا کوئی

یہ جذبۂ الفت بھی کیا شے ہے خدا رکھے
دل سے نہ رہا اب تک پل بھر بھی جدا کوئی!

اپنوں کے تغافل کو بھولا نہ حضور آخر!
دشمن مجھے یاد آئے جب دوست بلا کوئی!

• سرور حسن خاں سرور
ہولی دروازہ۔ ایٹہ (یو۔پی)

ہر خواب ان آنکھوں کو دیکھا سا لگے ہے
دشمن کو بھی دیکھوں تو اپنا سا لگے ہے

للہ کوئی کہہ دے اس راہروِ منزل سے
ہر موج کے چہرے پہ غصہ سا لگے ہے

بھیگی ہوئی آنکھوں میں بہتا ہوا اک سایہ
ٹوٹی ہوئی کشتی کا تختہ سا لگے ہے

سینے سے جو لپٹا تھا اس شخص کے ہاتھوں میں
ٹوٹے ہوئے خنجر کا دستہ سا لگے ہے

شاید کہیں چھلکا ہو پیمانۂ خودداری
کیوں مجھ کو مرا دامن بھیگا سا لگے ہے

جب رنج و مسرت کا سرور پہ کھلا عقدہ
ہنستا ہوا ہر چہرہ روتا سا لگے ہے

قاضی حسن رضاؔ
قاضی پورہ کھنڈوہ (ایم پی)

★

ہم بحرِ غم کی تہہ میں گہر رولتے رہے
کم حوصلہ تو سطح پہ ہی ڈولتے رہے

تعمیرِ نو خموش ہے میرے سوال پر
دیوار کے شگاف مگر بولتے رہے

تا عمر کیمرے کی طرح چپ رہا ہوں میں
اور لوگ ریڈیو کی طرح بولتے رہے

تم پھنس گئے روایتِ کہنہ کی قید میں
ہم راستے ادب کے نئے کھولتے رہے

شعروں میں رنگ و روپ کی خاطر حسن رضاؔ
قوسِ قزح خیال کی ہم گھولتے رہے

جسٹس شری آر۔ آر بھولے، نے امبیڈکر جینتی کے دن ۱۴ ر اپریل کو بمبئی میں "ڈاکٹر امبیڈکر سمشودھن ویا شکشن سنستھا" کا افتتاح فرمایا۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں شری ارجن راؤ کستورے، وزیر برائے سماجی بہبود بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

آل انڈیا مینوفیکچررس آرگنائزیشن کے زیر اہتمام "آئی۔ این۔ ایم۔ اے۔ الف ۷۹" نامی نمائش، باندرہ، بمبئی میں منعقد کی گئی۔ ۱۳ ر اپریل کو وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی نے "دیا" جلا کر اس نمائش کا افتتاح فرمایا۔ یہ نمائش شہر بمبئی میں اپنی نوعیت کی سب سے بڑی نمائش ہے جسے دیکھ کر ملک میں ہماری صنعتی ترقی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
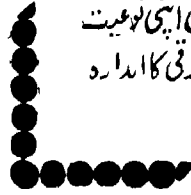
خبریں ۔ تصویروں میں

حکومت مہاراشٹر کی "مفت قانونی امداد و مشورہ اسکیم" کا افتتاح سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شری وائی۔ وی چندر چوڑ کے ہاتھوں ۱۴ ر اپریل کو بمبئی کے، کے۔ سی کالج ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں عمل میں آیا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، شری آر۔ اے پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقی، قانون و عدلیہ اور اطلاعات و رابطۂ عامہ، شری بی۔ این دیشمکھ، چیف جسٹس بمبئی ہائی کورٹ اور بیرسٹر شری رجنی پٹیل دیکھے جا سکتے ہیں۔

شاہو مہاراج کی یاد میں کولہاپور میں یکم مئی ۱۹۷۹ء کو ایک یادگار جلوس
موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، وزیر محصول شری
اور وزیر مملکت شری شری پت راؤ بوندر رے جلوس کو گذرتے
رہے ہیں۔

شری اے. ایس کستورے، وزیر برائے سماجی بہبود نے ضلع ناگپور کے مقام ناگ بھڈ میں ادیباسی عورتوں کی تیار کردہ لکڑی کی ٹوکریوں کا معائنہ کیا اور ان کے کام کی تعریف کی. مہاراشٹر مہیلا آرتھک ویکاس مہا منڈل نادار اور معاشی طور پر کمزور عورتوں کی مدد کرتا ہے۔ انھیں سود مند روزگار فراہم کرتے ہوئے ان کی بنائی ہوئی اشیاء کے فروخت کا بھی انتظام کرتا ہے. ایسی ہی عورتوں کی ایک ریلی حال ہی میں ناگ بھڈ میں منعقد ہوئی جس میں وزیر موصوف نے کارپوریشن کی کارگزاریوں پر روشنی ڈالی اور امید ظاہر کی کہ ضرورت مند خواتین کارپوریشن سے امداد حاصل کر کے اپنی معاشی حالت بہتر بنانے کی کوشش کریں گی۔ زیر نظر تصویر میں مذکورہ منڈل کی مینجنگ ڈائرکٹر شریمتی نیلا ستیہ نارائن بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

کمزور طبقات کے لئے قانونی امداد
مہاراشٹر اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے کمزور طبقے کے لئے جس کی سالانہ آمدنی ۳٫۶۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے مفت قانونی امداد دینے کی غرض سے مہاراشٹر قانونی امداد و مشورہ اسکیم بابت ۱۹۷۹ وضع کی ہے۔ اس اسکیم کا نفاذ ۱۴ اپریل سے کیا گیا ہے۔

آمدنی کی حدود کا اطلاق مندرج ذاتیوں، مندرج قبیلوں، و ہمکت جاتیوں خانہ بدوش قبیلوں نیز خواتین و بچوں سے متعلقہ گھریلو جھگڑوں پر نہیں ہوگا۔

یہ قانونی امداد عوام کی بہبودی کے لئے مرکزی یا ریاستی حکومت کی زیر سرپرستی اسکیم کے تحت مذکورہ آمدنی والے گروپ کے افراد کو دی جائے گی۔

یہ امداد کورٹ فیس، گواہوں کے اخراجات یا دیگر قانونی کارروائی کیلئے اخراجات پر مثلاً اپیل پیپر بک یا مسودوں کی پرنٹنگ، ترجمے یا ڈرافٹنگ وغیرہ کے اخراجات سے متعلق ہوگی۔

البتہ یہ امداد ہتک عزت، الیکشن کے سلسلہ میں دشمنی کی نیت سے کی گئی قانونی چارہ جوئی یا ایسے جرائم جن کے لئے صرف جرمانہ عائد کیا گیا ہو اور سماجی قانون کے خلاف معاشی جرائم کے سلسلے میں نہیں دی جائے گی۔

اس پروگرام کے نفاذ کے لئے وزیر قانون و عدلیہ کی سربراہی میں مہاراشٹر اسٹیٹ قانونی امداد و مشورہ بورڈ تشکیل دیا گیا۔ اس بورڈ کے ۱۹ ممبران ہیں۔ بمبئی ضلعی اور ناگپور نیز ضلعی اور تعلقہ جاتی سطح پر قانونی امدادی کمیٹیاں تشکیل کی جائیں گی۔ ہر کمیٹی میں ثالثی شعبہ ہوگا۔

خواہشمند افراد کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ مقررہ فارم کے ذریعہ متعلقہ کمیٹی کے ممبر سیکریٹری کے پتہ پر درخواستیں بھیجیں۔ اگر درخواست کنندہ پڑھا لکھا نہیں ہے تو ممبر سیکریٹری اس کے لئے فارم بھرنے کے فرائض انجام دے گا۔

بہترین ورکروں کو گورنر کے ہاتھوں انعام

گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی نے بمبئی میں ۲ مئی کو فرمایا کہ ریاستی حکومت انتظامیہ اور محنت کشوں کے رابطۂ عامہ سے ملازمین کے معاشی و سماجی حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

گورنر مہاراشٹر ویلفیئر بورڈ کے ذریعہ امسال جاری کردہ "بہترین ورکرز بہبودی انعام" اسکیم کے تحت بہترین ورکروں میں انعامات تقسیم کر رہے تھے۔ شری موشیل کمار شندے، وزیر محنت نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

قومی راج

مہاراشٹر کے نئے چیف سکریٹری
شری پی۔ ڈی کسبیکر

۱۹ اپریل ۱۹۷۹ء کو شری پی۔ ڈی کسبیکر حکومت مہاراشٹر کے نئے چیف سکریٹری مقرر ہوئے ہیں۔ آپ نے اسی دن شری ایل ایس للا سے اس عہدے کا چارج لیا۔

۲۰ اپریل کو شری للا کا تقرر بحیثیت پانڈیچری کے لفٹیننٹ گورنر ہوا۔ آپ شری بیدیش کلکرنی کی جگہ مقرر ہوئے ہیں جو اسی دن سے رخصت پر ہیں۔

شری کسبیکر ۳۰ سال سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس عرصہ میں آپ مرکزی وزیر برائے مالیات کے پرائیویٹ سکریٹری، جوائنٹ رجسٹرار آف کوآپریٹو سوسائیٹیز، صوبائی حکومت کے محکمہ مالیات کے ڈپٹی سکریٹری، ریزرو بنک کے ایگریکلچرل کریڈٹ ڈپارٹمنٹ کے چیف آفیسر، حکومت ہند کے امپورٹ ایکسپورٹ کے چیف کنٹرولر، حکومت ہند کے ڈپارٹمنٹ آف اکنومک آفیرز کے جوائنٹ سکریٹری، کنٹرولر آف کیپٹل ایشوز، صوبائی حکومت کے فنانس سکریٹری کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں۔ چیف سکریٹری کا عہدہ سنبھالنے سے قبل آپ انڈسٹریز اینڈ لیبر ڈپارٹمنٹ کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔

حکومت مہاراشٹر نے آپ کو دوسرے تنخواہ کمیشن (BHOLE COMMISSION) کا ممبر بھی منتخب کیا تھا۔

گورنر نے مزید فرمایا کہ ملک کو مضبوط و خوشحال بنانے میں محنت کشوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے اس لئے سماج میں ان کو خاطر خواہ مقام بھی ملنا چاہیئے شری علی نے اس موقع پر بورڈ کے سہ ماہی رسالے اور سلور جوبلی سوینیئر کا بھی اجراء کیا۔

اپنے صدارتی خطبے میں شری شندے نے فرمایا کہ ودربھ، خاندیش اور مراٹھواڑہ کے علاقوں کے ملازمین کی تنخواہوں میں اس سال سے اضافہ کیا جائے گا کیونکہ حکومت اس بات پر مصر ہے کہ ملازمین کے معیار زندگی کو بہتر بنایا جائے۔

ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے پروٹوکول نے فرمایا کہ بہبودی اسکیم ملازمین کی حوصلہ افزائی میں معاون ثابت ہوگی اور ان سے بہترین کام کروایا جا سکے گا جس سے نہ صرف صنعت ، ان کے خاندان، سماج بلکہ پوری قوم کو فائدہ ہوگا۔

شری بھائی بھوسلے بورڈ کے ممبران نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

صنعتوں کے حساب سے انعامات کی تقسیم درج ذیل ہے جس میں چاندی کے شیلڈ اور نقد رقم بھی شامل ہے۔

کاٹن، سلک اور وولن ملز ۴۵، انجینئرنگ ۱۸، کیمیکل اور فارما۔ سیوٹیکل ۹، امداد باہمی شکر ۱۳، بینک ۶، سرکاری صنعت مرکزی اور ریاستی ، پبلک سیکٹر کارپوریشن ۱۲، اور دیگر صنعتیں، کمرشیل اسٹیبلشمنٹ ۷۔

کئی ممتاز مزدور لیڈران بھی اس موقع پر موجود تھے۔ شکریہ کی رسم شریمتی دی۔ رانگنیکر نے ادا کی۔

صاف کیا ہوا سرسوں کا تیل برائے فروخت

مہاراشٹر ویر ہاؤسنگ کارپوریشن کے اسپرنگ مل گودام، نائیگام وادر، بمبئی میں صاف کیا ہوا سرسوں کا ۴۹۵ ٹن یعنی تقریباً ۴۴ کوئنٹل تیل برائے فروخت موجود ہے۔ اس سلسلہ میں 'جیسا جہاں پر ہے' کی بنیاد پر کوٹیشن مطلوب ہیں۔

دلچسپی رکھنے والے حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے کوٹیشن مقررہ فارم کے ذریعہ مہر بند لفافوں میں ۲۵ مئی ۱۹۷۹ء کی صبح ۱۱ بجے تک ڈائرکٹر سول سپلائیز کو رجسٹرڈ پوسٹ یا ہینڈ ڈیلیوری کے ذریعہ پہنچا دیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ارنیسٹ منی کے طور پر ۱۰۰۰ روپے کا ڈیمانڈ ڈرافٹ بھی جو کسی بھی مندرجہ بینک کا ہو، فائنانشیل ایڈوائزر اور ڈپٹی سیکریٹری فوڈ اینڈ سول سپلائیز ڈپارٹمنٹ، حکومت مہاراشٹر، ۴۲، نیو میرین لائنز بمبئی کو بھیجیں۔

کوٹیشن اسی روز ۱۱½ بجے خریدنے والوں یا انکے نمائندوں کے سامنے کھولے جائیں گے۔

فلم سنسر کے لئے ہدایت نامہ

حکومت ہند نے فلم سنسر بورڈ کو فلموں کی عوامی نمائش کے لئے منظوری دینے کی خاطر مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔

فلم سنسر شپ کے مقاصد میں اس بات کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے کہ فلمیں سماج کے معیار اور قدروں کے لئے ایک حساس اور ذمہ دارانہ ذریعہ ہیں۔ سنسر شپ بورڈ فن کارانہ اظہار اور تخلیقی آزادی کو کسی طرح بھی دباتا نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بھی سنسر شپ سماجی تبدیلیوں کے لئے جوابدہ ہے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے فلم سنسر شپ بورڈ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ غیر سماجی سرگرمیاں مثلاً جرائم اور تشدد کو نہیں بتایا جائے۔ بے معنی اور غیر ضروری تشدد کو بتانے سے روکا جا سکتا ہے

انسانی احساسات کو بدذوقی یا فحش طریقوں سے نہ دکھایا جائے، زبانی یا اداکاری کے ذریعے کسی بھی فلم میں نسلی، مذہبی یا کسی بھی فرقہ کی ہتک نہ ہو۔ ہندوستان کی سالمیت یا یکجہتی پر کوئی سوال نہ اُٹھایا گیا ہو۔ ریاستوں کی سلامتی پر بھی کسی قسم کی آنچ نہ آئی ہو۔ غیر ملکی تعلقات کسی قسم کے خطرے میں نہ آئیں۔ پبلک آرڈر زبانی یا اداکاری کے ذریعہ خطرے میں نہ پڑ گئے ہوں توہین عدالت نہ ہو۔

بورڈ اس بات کا بھی خیال رکھے کہ فلم کی جانچ اس کے مکمل تأثر کی بنیاد پر ملک کے عصری معیار اور فلم سے متعلقہ افراد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوگی۔

مذکورہ معیار پر نہ اُترنے والی فلمیں جو کہ سبھوں کے لئے نہیں، بلکہ صرف بالغوں کے لئے ہوں انھیں بالغوں کے لئے نمائش کی اجازت دینی ہوگی۔

ضروری گذارش

رقم خریداری روانہ فرمانے والے حضرات سے: منی آرڈر کوپن پر اپنا نام پتہ، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ نام، پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کیا جانا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر پتہ لکھا ہو تو فوراً 'قومی راج' جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

بمبئی مراٹھی پتر کار سنگھ کے زیر اہتمام آنجہانی شری ڈی۔جی ٹینڈولکر سمرتی مندر کی تیسری سالگرہ ۱۱ر اپریل کولوناولہ میں منعقد ہوئی۔ زیر نظر تصویر میں شری شیوراج پاٹل، چیرمین، ریاستی مجلس قانون ساز، تقریر کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ شری کرشن راؤ بھیگڑے، ایم۔ایل۔اے، شری راجہ کیلکر، چیرمین پتر کار سنگھ، شری اگروال، چیرمین لوناولہ میونسپل کونسل اور شری موہن پاٹل، چیف ڈائرکٹر، اطلاعات و رابطۂ عامہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

کھانے کے تیل احکامات کے تحت — بیوپاری مستثنیٰ

حکومت مہاراشٹر نے بعض شرائط کی بناء پر دال، کھانے کے تیل کے بیج اور کھانے کا تیل (ذخیرہ کنٹرول) آرڈر بابت ۱۹۷۷ء کی دفعہ (۲) کی ضمنی دفعہ (۱) کی عمل آوری کے تحت مندرجہ ذیل بیوپاریوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

میسرز پریم جی بھاگجی اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز رتی لال نگرداس اینڈ کمپنی، بمبئی ۲۳، میسرز شاہ ہنس مکھ لال دام جی اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز اے۔ ایچ بھیونڈی والا اینڈ کمپنی، بمبئی ۳، میسرز ایس۔ کے۔ آئل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹیڈ، بمبئی، میسرز تو کرشی لال جی اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز شاہ ہرکشن ہیرجی اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز شاہ پریم چند دام جی اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز سنیجے کمار شنکر لال اینڈ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز وی۔ جادو جی اینڈ کمپنی، بمبئی ۳، میسرز جمنا داس اینڈ سنز، بمبئی ۲۶، میسرز کپاڈیہ ٹریڈنگ کمپنی، بمبئی ۹، میسرز جمنا داس مادھو جی اینڈ کمپنی، بمبئی ۲۹ اور میسرز ہند ایکسپورٹ کارپوریشن، بمبئی ۲۳

مراسلت و ترسیلِ زر

کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتہ یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے)، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھئے بلکہ اردو کے ساتھ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں تحریر فرما دیجئے۔ اس طرح اندراجات میں آسانی ہوتی ہے۔

(ادارہ)

دو "اول انعامات" حاصل کئے

مہاراشٹر پویلین کو بھوپال میں ۲۳ مارچ سے ۹ اپریل ۱۹۷۹ء تک منعقدہ "قومی زراعتی میلہ" (نیشنل اگری کلچر فیئر) میں بیرونی آرائش اور اندرونی آرائش پر دو اول انعامات دیئے گئے۔ شری ایم۔ آر۔ باٹل، چیف ڈائرکٹر، اسٹیٹ ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز (بائیں جانب) ۹ اپریل کو مدھیہ پردیش کے وزیر صنعت شری کیلاش جوشی کے دستِ مبارک سے ایک اول انعام وصول فرما رہے ہیں۔ دوسرا انعام شری ایم۔ کے دیشپانڈے، ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایگزی بیشن نے وصول کیا

ورلڈ بنک وفد کے ایک نمائندہ شری ایم۔ کے دیشپانڈے، ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفارمیشن (ایگزی بیشن) کے ساتھ، جنھوں نے وفد کو نمائش دکھائی۔

مہاراشٹر پویلین بڑا دلکش رہا جسے چار لاکھ سے زیادہ نمائش بینوں نے دیکھا، جن میں سے کم از کم نصف تعداد کسانوں کی تھی۔ پویلین کا ماحول یکسر دیہاتی تھا اور اس کے سامنے ایک زبردست "چکر" ریاست کی زراعتی ترقی کو اجاگر کر رہا تھا۔ مہاراشٹر کے فن و ثقافت سے متعلق رنگا رنگ، جاذب نظر اور متحرک تصاویر کو دیکھنے میں لوگ دیر تک محو رہتے اسی طرح زراعتی ترقی پر روشنی ڈالنے والی دیگر بڑی بڑی تصاویر پر بھی دیکھنے والوں کا ہجوم رہتا۔ بہت سے ممتاز اصحاب نے جن میں مرکزی وزراء، مختلف ریاستوں کے وزراء، انڈونیشیا اور ورلڈ بنک کے وفد شامل ہیں، مہاراشٹر پویلین بڑی دلچسپی سے

انڈونیشین وفد کے ایک نمائندہ مہاراشٹر پویلین میں ملاقاتوں کے رجسٹر پر دستخط کر رہے ہیں

(موھن پاٹل ، چیف ڈائرکٹر آف انفارمیس اینڈ پبلک ریلیشنز گورمنٹ آف مہاراشٹر ، منترالیہ ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ نے
گورمنٹ سنٹرل پریس ، بمبئی ۴۰۰۰۰۴ میں چھپوا کر شائع کیا)
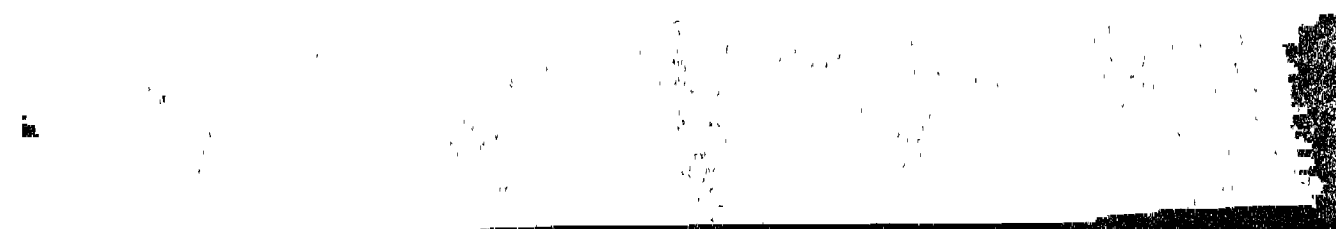
مہاراشٹر میں ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کے چوتھے انتخابات ۲۰ اور ۲۲ مئی ۱۹۷۹ء کو منعقد ہوئے۔ تھانے، قلابہ اور رتناگری اضلاع میں انتخابات ۲۰ مئی کو اور بقیہ اضلاع میں ۲۲ مئی کو ہوئے۔ ریاست بھر میں انتخابات نے بڑا جوش و خروش پیدا کر دیا، اور ۵ فیصد سے زیادہ ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ مرد، خواتین، دیہاتی اور جوان، بوڑھے اور معذور سب ہی بڑی تعداد میں ووٹ ڈالنے کے لئے مختلف مراکز پر آئے۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

سخنہائے گفتنی

قومی راج کا یہ مشترکہ شمارہ ہے۔ جس میں راجرشی شاہو چھترپتی مہاراج کی یاد میں جاری کئے گئے ڈاک ٹکٹ کے رسم اجراء کے موقع پر جو دلی، بمبئی اور کولہاپور میں بیک وقت یکم مئی ۱۹۷۹ء کی شام کو عمل میں آئی۔ اس کی روداد کے ساتھ ہی ساتھ راجرشی شاہو مہاراج پر شری دلودراؤ کا ایک خصوصی مضمون بھی ہے۔ راج رشی شاہو مہاراج نہ صرف مہاراشٹر کے بلکہ دیس بھر میں مانے ہوئے مصلحین میں سے ایک تھے۔ جنھوں نے راجہ ہوتے ہوئے بھی پچھڑے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا برا نہیں سمجھا بلکہ خود اس پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

مئی ۱۹۷۹ء میں مہاراشٹر میں ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کے انتخابات ہوئے، قارئین کی معلومات کے لئے الیکشن کی جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں۔

نئے بکری ٹیکس قانون کے سلسلے میں بعض حلقوں میں کچھ بے اطمینانی پیدا ہوئی، جس کا اثر بمبئی کے تاجروں پر بھی ہوا اور انھوں نے بھی یکم جون کو علامتی ہڑتال کی، شری ایل کے. مٹاٹکر نے نئے بکری ٹیکس قانون برائے ۱۹۷۹ء پر معلوماتی مضمون لکھا ہے جو اسی شمارہ میں شائع کیا جارہا ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں یہ سال بین الاقوامی سال برائے اطفال کے طور پر منایا جارہا ہے۔ اس سالِ اطفال میں والدین، اساتذہ اور بڑوسیوں پر کیا فرائض عاید ہوتے ہیں، اسے مسز ذکیہ خطیب نے اپنے مضمون میں بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ نظموں اور غزلوں کے بارے میں آپ کی رائے مستند ہوگی۔

خواجہ عبدالغفور
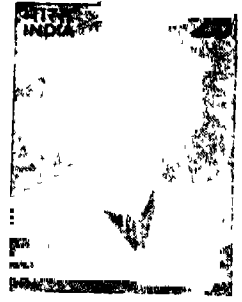
۱۰ر جون ۱۹۷۹ء

راجرشی شاہو مہاراج چھترپتی ڈاک ٹکٹ کا عکس

قومی راج

جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۱۰ و ۱۱

۲۵ر مئی اور ۱۰ر جون ۱۹۷۹ء مشترکہ شمارہ

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ۔ فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

چیف ایڈیٹر: ایم ۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

اشفاق انجم۔ ۴۹ ، نیا پورہ ، مالیگاؤں (ناسک)

"قومی راج" کے خصوصی نمبر تو سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آرہے ہیں۔ ابھی 'جنگلی جانوروں کے سحر سے آزاد بھی نہیں ہو پایا تھا کہ 'سُور داس' کی مدھر بانی نے بیخود کر دیا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو مُبارکباد دوں یا شکریہ ادا کروں کہ آپ ایسے ایسے گوشے سامنے لا رہے ہیں جن پر پہلے (شاید) اس پیمانے پر اور اس زاویے سے بہت کم کام ہوا ہے۔ آپ چاہے کچھ بھی سوچیں، کچھ بھی کہیں!! اتنا ضرور کہوں گا کہ ع

نظر لگے نہ کہیں تیرے دست و بازو کو

نمبر کے تمام شمولات 'حُسنِ انتخاب' کا بہترین نمونہ ہیں' چند ایک مضامین اگرچہ بہت اچھے ہیں لیکن نمبر کے موضوع سے ہٹے ہوئے ہیں، ان مضامین کو دوسری اشاعتوں میں شامل کیا جاتا تو بہتر تھا۔

— o —

تاجدار جونپوری۔ جونپور ، (یو۔پی) ۲۲۲۰۰۱

'قومی راج' زبان اور ادب کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ ایسا پرچہ موجودہ دور میں بھارت سے غنقا ہے۔ بار بار پڑھنے پر بھی طبیعت سیر نہیں۔ پورا پرچہ ادب اور مضامین کے لحاظ سے بہت عمدہ اور دلچسپ ہے۔ یہ آپ حضرات کی اردو نوازی کی زندہ مثال ہے اور حکومتِ مہاراشٹر قابلِ مُبارکباد ہے کہ اُردو میں ایسا پرچہ اور اتنا کم قیمت ہر خاص و عام کے لئے شائع کر کے اُردو کی بے مثال خدمت کر رہی ہے۔ حکومتِ مہاراشٹر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

— o —

ہاشم قنوجی۔ شیخانہ ، قنوج (یو۔پی) ۲۰۹۷۲۵

'قومی راج' کے دو شمارے "جنگلی جانور نمبر" اور "سُور داس نمبر" مطالعہ میں رہے۔ واقعی یہ آپ کی غیر معمولی جد و جہد اور کاوشوں کا ثمرہ ہے 'قومی راج' اپنے اندر بے مثال جلوہ سامانیاں چھپائے ہوئے ہے جسے بلا تکلف ادبی سرمایہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دراصل اچھی ترتیب اور اچھی کتابت سے ہی معیاری حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔ اچھے مضامین اور اچھی تخلیقات سے متاثر ہونے سے پہلے حُسنِ ظاہری پر نگاہ پڑتی ہے جسے میں خاصی اہمیت دیتا ہوں۔ قابلِ صد مبارکباد ہیں آپ اور لائقِ تحسین و ستائش ہے آپ کا سنوارا اور نکھارا ہوا 'قومی راج'۔ یوں تو ہر قلم کار نے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق مواد فراہم کیا ہے۔ پھر بھی 'جنگلی جانور نمبر' میں "شہد اور شہد کی مکھی" مضمون پسند آیا۔ ایس۔ ایم سلیم صاحب نے مختصر اور جامع انداز میں عنوان کا حق ادا کیا ہے۔

دیگر "سور داس نمبر" میں ڈاکٹر نایاب صاحب لکھنوی کی تخلیق "سُور داس" بہت پسند آئی' بلا جھجک یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو زبان کے شعراء و اُدباء نے ہر ایک کو سراہا ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت اُردو ادب کے خد و خال کو سجایا بنایا ہے جس کی وجہ سے ہر ہر قدم پر زبانِ اُردو ہندوستان کی لازوال پونجی ثابت ہوئی ہے۔

خدا کرے ہماری زبان پائندہ و تابندہ رہے اور قومی راج دن دُونی رات چوگنی کامیابی حاصل کرے اور یہ سلسلہ لامتناہی ثابت ہو۔

— o —

ایم۔ اے نعیم زاہد۔

۲۹۴۔ بشیر گنج ۔ بیڑ (مہاراشٹر) ۴۳۱۱۲۲

'قومی راج' کافی دیر سے چھپتا ہے اور قارئین کو بھی دیر سے بھجوایا جاتا ہے۔ مثلاً ۱۰ ردسمبر کا شمارہ جنوری میں ملتا ہے اور ۱۰ رجنوری کا شمارہ ۲۵ رجنوری تک' یہ بات کھٹکتی ہے۔

'قومی راج' آپ کی نگرانی میں دن بدن نکھرتا جا رہا ہے براہ کرم اسے اسی معیار پر قائم رکھیئے گا۔

— o —

ایم ۔ اے ۔ ساجد (ریسرچ اسکالر) نزد کچی مسجد ، کھام گاؤں (بلڈانہ)

'قومی راج' میں روز بروز ادبی مضامین کی اشاعت اہلِ مہاراشٹر (اُردو داں) کے لئے مژدۂ جانفزا ہے۔ میں مستقل اس کا مطالعہ کرتا ہوں۔

— o —

جوش محمد آبادی۔ دیگلور ، ضلع ناندیڑ (مہاراشٹر)

قومی راج کے دو شمارے نظر نواز ہوئے ، شکریہ ، محترم خواجہ عبدالغفور صاحب اور آپ کی انتھک مساعی جمیلہ سے 'قومی راج' ہر لحاظ سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ معنوی و صوری طور پر یہ رسالہ دیگر ریاستوں کے اُردو رسالوں سے دو قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ میرا جہاں تک خیال ہے مہاراشٹر کے اُردو عوام 'حکومت مہاراشٹر کی اُردو دوستی کے یقیناً معترف رہیں گے۔

راجرشی شاہو مہاراج —

— ڈاک ٹکٹ کا اجراء

صدر ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی نے یکم مئی کے دن راشٹرپتی بھون میں راجرشی شاہو چھترپتی مہاراج کی یاد میں ڈاک ٹکٹ کا اجراء کیا۔ بمبئی میں بھی ڈاک ٹکٹوں کا اجراء گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے فرمایا۔ کولہاپور میں اسی طرح کی ایک عوامی تقریب میں وزیر اعلیٰ شری شردپوار نے ڈاک ٹکٹ کا اجراء فرمایا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے صدر جمہوریہ ہند نے فرمایا کہ شاہو مہاراج مہاراشٹر میں سماجی اصلاحی
ریک کے علمبردار تھے۔ انھوں نے اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ صرف تعلیم ہی لوگوں کو توہم پرستی اور
اجی استحصال سے بچا سکتی ہے۔ اس لئے آپ نے ریاست میں مفت ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا۔
ب کا ایک دانشمندانہ قدم تھا۔ صدر ہند نے مزید فرمایا کہ شاہو مہاراج نے نہ صرف یہ کہ چھوت
ات کا خاتمہ کیا بلکہ خود عوامی مقامات پر ہریجنوں کے ساتھ رہے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور
طرح عوام کے سامنے ایک نادر مثال قائم کی۔

صنعتوں کے فروغ اور زراعت میں جدید طریقۂ کار کی سمت شاہو مہاراج کی خصوصی دلچسپی کا
ر تے ہوئے صدر ہند نے خوشی کا اظہار کیا کہ وہ آج اس تقریب میں "بھارت کے ایک عظیم سپوت
یادگار" منا رہے ہیں۔

صدر جمہوریہ ہند اور دیگر معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے شری این۔ ڈی پاٹل، وزیر
دباہمی نے کہا کہ شاہو مہاراج نے اپنی زندگی عوام کے درمیان رہ کر گذاری۔ مہاراشٹر میں
ست کولہاپور پر آپ کی تاریخی حکمرانی کا دور دراصل پسماندہ اور کمزور طبقات کی فلاح و بہبودی
لئے سخت اور اثر انگیز جدوجہد کا دور ہے۔

آپ نے مزید کہا کہ شاہو مہاراج ایک محنتی اور دیانتدار سماجی مصلح تھے۔ خود بابا صاحب امبیڈکر
بھی لندن میں اعلیٰ تعلیم کے اخراجات کے لئے شاہو مہاراج سے مالی امداد طلب کی تھی۔

شاہو مہاراج نے اپنی خود کی نگرانی میں مندرج جاتیوں سے تعلق رکھنے والے کئی افراد ملازم رکھے تھے
موصوف نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ شاہو مہاراج ہی تھے جنھوں نے سب سے
ے دیہی علاقوں کے غریب طلبہ کے لئے ہوسٹل تعمیر کئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تعلیم ہی عوام کے
یار زندگی کو بلند کر سکتی ہے۔

آپ نے مزید کہا کہ شاہو مہاراج مہاتما پھلے کے ایک مثالی پیرو کار تھے جنھوں نے سماجی
نامساوات ذات پات کی تفریق اور چھوت چھات کی لعنت کے خلاف جنگجویانہ جدوجہد کی تھی۔ شاہو مہاراج نے اپنے استاد کی تعلیمات کو بر سرِ عمل لانے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ علاوہ ازیں شاہو مہاراج نے پہلی دفعہ زراعت کے لئے دریائے بھوگوتی کے استعمال پر توجہ دیکر کولہاپور میں "سبز انقلاب" کا آغاز کیا۔

رکن پارلیمنٹ شری وائی۔ بی چوان نے کہا کہ شاہو مہاراج عوام میں سب سے اعلیٰ شخصیت رکھتے تھے نیز سماجی اصلاح، تعلیم اور سماجی مساوات کے معاملات میں آپ کی خدمات قابلِ تعریف ہیں۔ شری چوان نے کہا کہ شاہو مہاراج صرف ایک حکمراں ہی نہیں بلکہ عوامی رہنما بھی تھے۔

آپ نے مزید کہا کہ شاہو مہاراج نے کمزور طبقات کی بہبودی کے لئے اپنی جاری کردہ سماجی اصلاح تحریک کو ریاست بھر میں عام کرنے کی کوشش کی۔ ہمارے ملک میں سماجی اصلاح کی تاریخ میں آپ کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔

شری نرہری پرشاد سکھدیو سائی، مرکزی وزیر مملکت برائے رابطہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ واقعی قابلِ تعریف بات ہے کہ عظیم شخصیت راجرشی شاہو مہاراج

گورنر شری صادق علی، بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں تقریر کر رہے ہیں جو یکم مئی ۷۹ ۱۹ء کو 'شاہو مہاراج یادگاری ٹکٹ' کے اجراء کے سلسلہ میں منعقد کی گئی تھی۔

ں یاد ہندوستان بھر میں منائی جارہی ہے۔ ہندوستان ایسا ملک ہے
سماجی و معاشی بہتری کے لئے ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہے۔ اس سلسلے
ں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ شاہو مہاراج نے جو راہ دکھائی تھی اور سماجی
دمت کا جو نظریہ پیش کیا تھا اس کا اثر آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ وزیر
سوف نے فرمایا۔

جرشی شاہو، مثالی شخصیت :

یکم مئی کو بمبئی میں گورنر شری صادق علی نے ایک یادگاری ڈاک ٹکٹ
اجراء کیا۔ بمبئی کے میئر شری راجہ بھاؤ چمبلکر نے پوسٹ ماسٹر جنرل شری
دھانی کے ہاتھوں پہلا ڈاک ٹکٹ خریدا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری برج لال ورما، مرکزی وزیر برائے
بطہ نے کہا کہ آزادی حاصل ہونے کے ۳۲ سالوں بعد بھی ہمارے ملک
ں سماجی و معاشی نابرابری پائی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم شاہو مہاراج سے سبق
اصل کریں اور اس نابرابری کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔

آپ نے کہا کہ محکمۂ ڈاک و تار کے لئے یہ خوشی کی بات ہے کہ راجرشی
ا ہو مہاراج جن کی شخصیت ملک و ریاست کے لئے باعث فخر ہے،
ں یاد میں مذکورہ محکمہ نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔ شاہو مہاراج ایک
ثالی حکمراں تھے۔ آپ نے غریبوں اور پسماندہ لوگوں کی خدمت کی۔
تعدد سماجی اصلاحات کیں اور "ہریجن" طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے
دامات کئے۔ ریاست مہاراشٹر واقعی قابل تعریف ہے کہ اس نے ملک
ی راج

کو شیواجی، لوکمانیہ تلک، ڈاکٹر امبیڈکر اور راج رشی شاہو مہاراج
جیسی عظیم شخصیتیں دیں۔ ہمیں ان عظیم رہنماؤں کے نقش قدم پر چلنا
چاہیئے۔ وزیر موصوف نے فرمایا۔

صدر جلسہ گورنر مہاراشٹر نے کہا کہ انھیں فخر ہے کہ شاہو مہاراج
کے یادگاری ٹکٹ کا اجراء ان کے ہاتھوں ہوا۔ شاہو مہاراج حکمراں
کے ساتھ ساتھ عوام کے سچے خادم تھے۔ تعلیمی اور سماجی میدان میں
آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نہ صرف مہاراشٹر بلکہ پوری
قوم کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

شری راجہ بھاؤ چمبلکر نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات پیش کئے۔
وزیر تعلیم شری سدانند وردے نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اور شری گووند
راؤ اڈک، وزیر آبپاشی نے شکریہ ادا کیا۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ورون تیرتھ میدان کولہاپور کے مقام پر
یکم مئی کو راجرشی شاہو مہاراج کی یاد میں جاری کئے گئے ایک ڈاک ٹکٹ
کا اجراء کیا۔

اس موقع پر اظہارِ خیالات کرتے ہوئے شری شرد پوار نے عوام سے اپیل
کی کہ وہ شاہو مہاراج کے باضابطہ سماجی نظام کے خواب کی عملی تعبیر پیش
کریں۔ ملک میں اس سلسلے میں ستیہ شودھک تحریک چلائی گئی جسے
اب ایک صدی بیت چکی ہے۔ مہاراشٹر میں مہاتما پھلے، راجرشی شاہو
مہاراج، ڈاکٹر امبیڈکر، مہارشی شندے اور پنجاب راؤ دیشمکھ جیسے

شاہو دور کے دھانگر طبقہ سے تعلق رکھنے والے شاہو مہاراج کے دو ضعیف خادم شری دھو لواد لکر، عمر ۱۲۴ سال اور اُن کے بیٹے ناگو، عمر ۹۰ سال کو وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے یکم مئی ۷۹ء کو کولہاپور میں منعقدہ ایک تقریب میں ہار پھول پیش کئے۔ مذکورہ دونوں اشخاص ضلع کولہاپور پنہالہ تعلقہ میں واقع ایک دیہات کے باشندے ہیں۔

نامور سماجی خادم اور مصلحین نے پسماندہ لوگوں کی بہتری کے لئے جدوجہد کی تھی۔ آج یوم مہاراشٹر کے موقع پر آیئے ہم سب عہد کریں کہ ہم ہر قسم کی سماجی نابرابری ختم کریں گے تاکہ پسماندہ اور مصیبت زدہ افرادِ سوسائٹی بھی انصاف حاصل کرسکیں۔

اس تاریخی تقریب کے منانے میں کولہاپور کے عوام کا جوش و خروش دیکھ کر خود وزیر اعلیٰ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ہزاروں کی تعداد میں عوام نے کڑکتی دھوپ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، شہر میں نکالے جانے والے ایک جلوس میں شرکت کی۔ جلوس کا ذکر کرتے ہوئے، وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ پنچ گنگا میں سیلاب آتے رہتے ہیں، لیکن آج انسانوں کا سیلاب ایک عجیب منظر پیش کررہا ہے جو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔"

نوجوانوں کی ذمّے داری :

نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا کہ جنگِ آزادی کے مجاہد روز بروز کم ہوتے جارہے ہیں۔ ان حالات میں ملک و قوم کی خدمت کی ذمّہ داری نوجوان نسل پر عائد ہوگی۔ نوجوانوں کو اب آگے آنا چاہیئے تاکہ شاہو مہاراج کے بتائے ہوئے مساوات پر مبنی سماج کا قیام کیا جاسکے۔

اس موقع پر شری شرد پوار نے میونسپل کارپوریشن کو خاص باغ میدان اور کیشو راؤ بھوسلے ناٹیہ گرہ سونپا۔ یہ دونوں جگہیں بالترتیب کشتیوں اور کھیلوں کے مقابلے اور دیگر ثقافتی تقریبات کے اہتمام کے لئے شاہو مہاراج نے تعمیر کی تھیں۔

صدر جلسہ شری موہن دھاریہ، مرکزی وزیر تجارت نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم سب کو مل جل کر سماجی نابرابری جلد سے جلد دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ وہ اس لئے کہ اگر آزادی کے ۳۰ سالوں بعد بھی کمزور طبقات کو انصاف نہ مل سکے تو ہم اپنے آپ کو راجرشی شاہو مہاراج کے سچّے پیروکار کہلانے کے لائق نہیں ہیں نیز ہم شاہو مہاراج کو حقیقی معنوں میں خراجِ عقیدت پیش نہیں کرسکیں گے۔ آج جب ہم اس عظیم رہنما کو خراجِ عقیدت پیش کررہے ہیں ہمیں ان اصولوں سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے جن پر شاہو مہاراج ثابت قدمی سے عمل پیرا رہے۔

شری اُتم راؤ پاٹل، وزیر محصول نے کہا کہ راجرشی نے لوگوں کے دلوں پر ہی حکمرانی نہیں کی بلکہ علم و فن پر بھی انھیں قدرت حاصل تھی اگر وہ تعلیم کو عام کرنے کی کوشش نہ کرتے تو شاید آنے والے سالوں میں کئی سماجی خدمت گار وجود میں نہ آتے۔

شری شریپت راؤ بوندرے، وزیر مملکت برائے زراعت نے راج رشی شاہو مہاراج کے خوابوں کو حقیقت میں بدلنے کی سمت کئے گئے اقدامات کے لئے وزیر اعلیٰ کو مبارکباد پیش کی۔

شری آر۔ ایم پریم کمار، ضلع کلکٹر اور صدر استقبالیہ کمیٹی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

میئر شری باباصاحب بیکر اور ضلع پریشد کے صدر شری دینکر راؤ مدرالے نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

راجرشی شاہو مہاراج

ایک عظیم شخصیت

• شری نوُدُراؤ

راجرشی چھترپتی شاہو مہاراج، جن کا اصلی نام شری یشونت راؤ تھا، ایک ایسی عظیم شخصیت ہے جس نے ۱۸۹۴ء سے ۱۹۲۲ء یعنی تقریباً ۲۸ سالوں تک کولہاپور پر حکومت کی۔ ویسے آپ کسی حکمراں خاندان میں نہیں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد شری جے سنگھ راؤ آبا صاحب گھاٹگے، اس وقت ریاست کولہاپور کے اعلیٰ عہدہ دار تھے۔ شری شاہو مہاراج کا جنم ۲۶ جولائی ۱۸۷۴ء کو ہوا۔ شیواجی چہارم کی موت کے بعد مارچ ۱۸۸۴ء میں آپ کو لہاپور کے تخت کے لئے چُنا گیا اس وقت آپ کا خاندانی نام شاہو رکھا گیا۔ اس طرح آپ شاہو مہاراج کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپریل ۱۸۹۴ء میں آپ بیس سال کے ہوئے تب آپ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔

گوکہ شاہو مہاراج ایک سردار خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن آپ نے اپنی ابتدائی زندگی کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھا اور اپنے آپ کو ہمیشہ عام لوگوں کے درمیان شمار کیا۔ آپ زیادہ تر کسان طبقہ کی تکالیف دور کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف رہے۔ اپنی حکومت میں آپ نے ہمیشہ پسماندہ اور کمزور طبقات کی بہتری کی جانب توجہ دی اور یہی آپ کی زندگی کا نصب العین رہا۔

سماجی و معاشی مسائل: شاہو مہاراج نے سماجی، معاشی اد
مذہبی معاملوں میں پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے کئی اہم اقدامات
کئے۔ آپ نے چھوت چھات کا خاتمہ کیا۔ خود اچھوت کے ساتھ ان کے جھو
میں رہے اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو کر ایک زندہ مثال قائم
آپ نے محسوس کیا کہ مذہب کی صحیح پیروی عوام کی خدمت ہے اور یہ کہ بھگوا
عوام کے نچلے طبقہ میں ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ آپ تادم حیات اسی اصو

پر کار بند رہے۔

آپ نے مندرج جاتیوں کے لوگوں کو مختلف آسامیوں مثلاً گاڑی بان، پہرہ دار، موٹا مار وغیرہ پر مقرر کیا۔

پسماندہ طبقات کے لوگوں کو ریاستی انتظامیہ کی ہر شاخ میں نمائندگی دی ملکہ ان کی قابلیت کی بنیاد پر ایسے معاملوں میں ترجیح دی۔ ان طبقات کی مفت تعلیم کا انتظام کیا، متعدد ہوسٹل تعمیر کیئے۔ ان اقدامات کے نتیجہ میں پسماندہ طبقات کی اعلیٰ تعلیم کی ایک ملک گیر تحریک شروع ہوئی جس میں کئی فراخ دل حضرات نے حصہ لیا اور لوگوں کی پسماندگی دور کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

آپ کے دورِ حکومت میں مہاروں کو جبری مزدوری سے آزاد کیا گیا۔ "مجرم افراد" کی حاضری کا طریقہ ختم کیا گیا اور برہمن فرقہ کے کلکرنی طبقہ (دیہی منشی) کے لوگوں کی وراثتی "واتن" کا خاتمہ کیا گیا۔

صنعتی ترقی: مذکورہ بالا اقدامات کے ساتھ ساتھ، چھترپتی شاہو مہاراج نے معاشی اور صنعتی ترقی کا بھی برابر خیال رکھا۔ محدود ذرائع کا پوری طرح فائدہ اٹھا اور مالدار صنعت کاروں کے ذریعہ استحصال سے بچنے کے لئے آپ نے صنعتوں کو فروغ دیا، مشترکہ شعبے، امداد باہمی شعبے اور چھوٹی صنعتیں قائم کیں۔ اسی طرح دیگر ترقیاتی کاموں میں بھی دور اندیشی کا مظاہرہ کیا۔ اتفاق سے ۱۹۰۵ء میں جب آپ راجی پور کے جنگلوں میں شکار کھیلنے گئے، تب ہی آپ کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ دریائے بھگوتی کو بجلی اور آبپاشی کے لئے استعمال کیا جائے۔ اس طرح آپ نے سبز انقلاب کا آغاز کیا۔

جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، شاہو مہاراج کو بھی لوگوں کو سماجی انصاف دلانے کے اپنے مشن میں مفاد پرستوں خصوصاً برہمنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے شاہو مہاراج اس مشکل دور میں بھی ثابت قدم رہے۔

کولہاپور ایک چھوٹی ریاست ہے لیکن اس ریاست کے لئے یہ باعثِ فخر ہے کہ یہاں پر شیواجی مہاراج کی نسلوں نے حکومت کی۔

شاہو مہاراج کے فلاح و بہبود کے کام کا دائرہ نہ صرف مراٹھا لوگوں بلکہ بلا امتیاز ذات پات کے تمام لوگوں کو حاصل ہوا۔ ان اقدامات کا اثر بیرون ریاست بھی محسوس کیا گیا اور پورے مہاراشٹر میں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

سیکولر ہندوستان کا نظریہ: سماجی مساوات، آزادی اور بھائی چارہ جیسی اعلیٰ قدروں کا حامل سیکولر ہندوستان کا قیام، یہی شاہو مہاراج کا نظریہ تھا، جس کا عکس آج بھی ہم اپنے ملک کے دستور میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ نظریہ شاہو مہاراج کی آزاد طبیعت، ترقی پسند مزاج اور بصیرت بینی کی دلالت کرتا ہے۔

شاہو مہاراج بیک وقت سماجی انقلاب کے علمبردار، سچے جمہور نواز، بہترین حاکم، دور اندیش، انسانیت نواز اور علوم و فنون کے دلدادہ تھے۔ آپ ایک ایسی عظیم شخصیت ہیں جو ہمیشہ زمانے سے آگے رہی۔

۶ مئی ۱۹۲۲ء کو ۴۸ سال کی عمر میں آپ کا انتقال بمبئی میں ہوا اور اس طرح یہ عظیم شخصیت ہمارے درمیان سے چلی گئی۔

●●

ضلع پریشد انتخابات

ترقی پسند جمہوری محاذ اکثریت میں

مہاراشٹر میں ضلع پریشد اور پنچایت سمیتیوں کے جوتھے انتخابات ۲۰ر اور ۲۲رمئی کو منعقد ہوئے۔
۲۴ر مئی کو ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی اور ۲۶رمئی کو آخری نتائج کا اعلان کردیا گیا۔

کُل ۱۲۱۱ سیٹوں میں سے پروگریسو ڈیموکریٹک فرنٹ (پی ڈی ایف) یعنی ترقی پسند جمہوری محاذ نے ۴۴۰، اندرا کانگریس نے ۳۴۷، کانگریس نے ۱۹۳ اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے ۹ سیٹیں جیتیں۔ آزاد اور دیگر چھوٹی پارٹیوں کے اُمیدواروں نے بقیہ سیٹیں حاصل کیں۔

رتناگیری ضلع پریشد کے تین حلقوں میں انتخاب روک دیا گیا اور ضلع بلڈانہ کے ایک حلقہ میں ایک اُمیدوار کی موت کے بعد انتخاب منسوخ کردیا گیا۔

انتخاب میں جوش و خروش: کوکن کے تین اضلاع یعنی رتناگیری، قلابہ اور تھانے میں انتخاب ۲۰ رمئی کو اور بقیہ ۲۰ اضلاع میں ۲۲ رمئی کو ہُوا۔ حکومت کی جانب سے متعلقہ اضلاع میں انتخاب کے دن عام تعطیل کا اعلان کردیا گیا تھا۔

انتخاب میں ۵۵ تا ۶۰ فیصد ووٹنگ ہوئی جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انتخابات نے لوگوں میں زبردست جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ بوڑھے، جوان قبائلی مرد اور عورتیں سب ہی بڑی تعداد میں ووٹ ڈالنے کے لئے 'پولنگ سینٹروں' پر آئے۔

ضلع کولہاپور میں فیصد ووٹنگ سب سے زیادہ (۷۳) رہی جبکہ صرف رادھانگری تعلقہ میں یہ ۷۹ فیصد اور کاگل اور بھدرگڈھ میں ۷۷ فیصد رہی۔

دیہات وار سب سے زیادہ ووٹنگ دیوراشٹر گاؤں، تعلقہ ویٹا (ضلع سانگلی) میں ہوئی، جہاں ۹۹ فیصد رائے دہندگان نے اپنا حقِ رائے دہی استعمال کیا۔ اس سلسلے میں شاہدا پنچایت سمیتی (ضلع دھولیے) میں واقع ہول - مبارکپور دوسرے درجہ پر رہا، جہاں ۹۸ فیصد ووٹ پڑے۔

'پی ڈی ایف' نے دس اضلاع میں اکثریت حاصل کی، جو یہ ہیں: تھانے، قلابہ، رتناگیری، پونے، ستارا، سولاپور، بیڑ، اورنگ آباد،

ضلع پریشد انتخابات کے نتائج

ضلع	کُل سیٹیں	جنتا	کانگریس (آئی)	کانگریس (سورن سنگھ)	کانگریس (ردیا دتے)	پی.ڈبلیو. پی.	کمیونسٹ پارٹی	کمیونسٹ پارٹی (مارکسٹ)	آزاد اور دیگر
۱۔ اورنگ آباد	۵۷	۱۰	۲۰	۳	۱۹	۱	۱	...	۳
۲۔ ناندیڑ	۴۹	۳	۳	۱۸	۸	۳	...	...	۱۴
۳۔ بیڑ	۴۹	۵	۲	۵	۲۸	۱	۱	...	۷
۴۔ سولاپور	۵۷	۷	۶	۷	۲۶	۱۰	...	...	۱
۵۔ سانگلی	۵۱	۸	۱	۶	۷	۳	...	...	۴
۶۔ پُونے	۵۹	۱۲	۴	۱۶	۳۳	...	...	...	۴
۷۔ احمد نگر	۶۰	۵	۳	۱۵	۲۳	...	۳	...	۱۱
۸۔ کولہاپور	۵۷	۲	۳	۲۲	۲۲	۱	...	...	۷
۹۔ ستارا	۵۵	۱	۵	۱۵	۳۱	...	...	...	۳
۱۰۔ ناگپور	۴۵	۴	۲۲	۱۰	۱	...	...	...	۸
۱۱۔ چندرپور	۵۵	۶	۲۶	۱	۸	...	...	...	۱۴
۱۲۔ وردھا	۴۰	...	۲۱	۴	۶	...	...	...	۹
۱۳۔ اکولہ	۴۸	۲	۲۷	۲	۹	۴	...	...	۲
۱۴۔ امراؤتی	۴۹	۱	۲۶	...	۱۰	...	۴	...	۸
۱۵۔ بھنڈارہ	۵۳	۲۳	۱۷	۲	۸	...	...	...	۳
۱۶۔ بلڈانہ	۴۷	۵	۲۸	۱	۵	۴	...	...	۴
۱۷۔ ایوت محل	۵۰	...	۳۵	۶	...	...	...	...	۹
۱۸۔ دھولے	۵۳	۹	۳۷	...	۶	...	...	...	۱
۱۹۔ جلگاؤں	۵۷	۱۲	۱۹	۲۲	۲	...	...	...	۱
۲۰۔ ناشک	۵۸	۸	۱۸	۱۱	۱۴	۲	...	...	۵
۲۱۔ قلابہ	۴۹	۱۲	۵	۴	۱۰	۱۷	...	...	۱
۲۲۔ رتناگیری	۵۷	۴۳	۱	۶	۴	...	...	...	۳
۲۳۔ تھانے	۵۷	۱۹	۱۸	۳	۸	۳	...	۵	۱

بھنڈارہ اور احمد نگر۔

اندرا کانگریس نے اکولہ، امراؤتی، ایوت محل، وردھا، بلڈانہ اور دھولے ضلع میں اکثریت حاصل کی۔

ضلع پریشدوں کی کل ۱۲۱۶ سیٹوں کے لئے ۴,۸۲۳ اُمیدوار اور پنچایت سمیتیوں کی ۲,۴۳۲ سیٹوں کے لئے ۸,۵۳۹ اُمیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ پارٹی وار اُمیدواروں کی تقسیم (برائے ضلع پریشد اور پنچایت سمیتی) یوں ہے:

جنتا: ۸۱۳ (ضلع پریشد) اور ۱,۵۳۳ (پنچایت سمیتی)

سورن سنگھ کانگریس: ۵۳۳ اور ۱,۰۴۰

اِندرا کانگریس: ۸۳۷ اور ۱,۵۲۴

پنچائت سمیتی نتائج ۔ پارٹی وار تعداد

اضلاع	کل سیٹیں	جنتا	اندرا کانگریس	سورن کانگریس	رڈیا وتے کانگریس	پی۔ڈبلیو پی۔	کمیونسٹ پارٹی	کمیونسٹ پارٹی (مارکسٹ)	آزاد اور دیگر
۱ ۔ اورنگ آباد	۱۱۴	۱۹	۳۸	۵	۴۰	۳	۱	..	۸
۲ ۔ ناندیڑ	۹۸	۱۴	۵	۳۲	۱۵	۱۲	...	...	۲۰
۳ ۔ بیڑ	۹۸	۱	۶	۹	۵۳	۳	۳	۱	۱۷
۴ ۔ سولاپور	۱۱۴	۲۲	۱۵	۱۷	۴۴	۱۵	...	...	۱
۵ ۔ سانگلی	۱۰۲	۱۷	۱	۴۹	۲۰	۷	...	...	۸
۶ ۔ پونے	۱۱۸	۲۸	۹	۱۰	۶۷	...	...	...	۴
۷ ۔ احمد نگر	۱۲۰	۱۴	۶	۳۰	۴۲	...	۵	...	۲۳
۸ ۔ کولہاپور	۱۱۴	۶	۶	۴۱	۳۷	۶	...	..	۱۸
۹ ۔ ستارا	۱۱۰	۴	۸	۲۸	۶۲	...	...	...	۸
۱۰ ۔ ناگپور	۹۰	۷	۳۸	۲۲	۳	۱	۱	...	۱۸
۱۱ ۔ چندرپور	۱۱۰	۲۵	۴۰	۵	۱۴	..	...	...	۲۶
۱۲ ۔ وردھا	۸۰	۱	۴۵	۵	۹	...	...	۲	۱۸
۱۳ ۔ اکولہ	۹۸	۱۲	۵۵	۱	۱۷	۸	..	...	۵
۱۴ ۔ امراوتی	۹۸	۷	۴۶	۸	۱۶	۱	۲	...	۱۸
۱۵ ۔ بھنڈارہ	۱۰۶	۴۱	۴۴	..	۱۱	.	۱	...	۹
۱۶ ۔ بلڈانہ	۹۴	۸	۵۶	۳	۱۴	۴	...	...	۹
۱۷ ۔ ایوت محل	۱۰۰	...	۵۸	۱۴	...	...	...	...	۲۸
۱۸ ۔ دھولے	۱۰۶	۲۲	۶۳	۱	۱۲	۱	...	...	۷
۱۹ ۔ جلگاؤں	۱۱۴	۲۴	۳۷	۴۲	۱۰	...	..	...	۱
۲۰ ۔ ناسک	۱۱۶	۱۶	۴۱	۱۹	۲۴	۴	۱	۲	۹
۲۱ ۔ قلابہ	۹۸	۲۲	۱۱	۸	۲۰	۳۳	...	...	۴
۲۲ ۔ رتناگیری	۱۱۴	۸۱	۳	۱۴	۹	۱	...	...	۶
۲۳ ۔ تھانے	۱۱۴	۳۲	۳۹	۶	۱۰	۹	...	۱۰	۸

رُدیا وتے کانگریس: ۶۵۱ اور ۲۴۵را
پی.ڈبلیو.پی : ۱۸۳ اور ۳۲۶
سی.پی.آئی : ۸۳ اور ۱۳۱
سی.پی.آئی (مارکسٹ) ۵۴ اور ۸۵

تمام ضلع پریشدوں میں سے صرف ایک جگہ ایک امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہوا جب کہ پنچایت سمیتیوں میں ۱۵ ممبران مقابلے کے بغیر چنے گئے۔

ریاست مہاراشٹر کا نیا بکری (SALES TEX) ٹیکس

قانون بابت ۱۹۷۹ء

• شری ایل۔ کے مناٹکر (اکونومک ٹائمز)

ریاستی حکومت کے لئے بکری ٹیکس ایک اہم ذریعۂ آمدنی ہے۔ ریاستی حکومت کے ٹیکس ذرائع میں سے ۳/۲ حصہ بکری ٹیکس سے وصول ہوتا ہے۔ تقریباً ۲،۲۵۰۰۰ بیوپاری بکری ٹیکس قانون کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔ گذشتہ سال بکری ٹیکس کے ذریعہ ریاست مہاراشٹر کو ۵۰۰ کروڑ روپے سے زائد آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ اب حال ہی میں ریاست مہاراشٹر بکری ٹیکس قانون بابت ۱۹۷۹ء ریاستی مجلس قانون ساز نے منظور کیا ہے۔ صدر ہند کی منظوری کے بعد یہ مسودہ قانون قانونی شکل اختیار کر لیگا۔

اس مسودہ قانون پر ردِعمل مختلف ہوا ہے۔ حکومت اِسے موجودہ اصلاح کے لئے معاون سمجھتی ہے۔ مزید برآں حکومت کا خیال ہے کہ یہ قانون خامیوں کو دُور کرے گا۔ اور صنعت و حرفت میں آسانیاں پیدا کریگا۔ اس کے برعکس تاجر طبقہ کا یہ خیال ہے کہ مجوزہ قانون کی بعض شرائط ظالمانہ ہیں اور یہ کہ اس مجوزہ قانون سے کسی قسم کی آسانی پیدا ہونا ممکن نہیں، نیز یہ کہ اس قانون کے تحت وہ تمام افراد اور ادارے بھی آجاتے ہیں جو بکری ٹیکس کی ادائیگی سے بعید ہیں۔

اس سے قبل تاجر طبقہ نے کسی قانون کی اتنی سختی سے مخالفت نہیں کی تھی جتنی وہ آج مہاراشٹر کے نئے بکری ٹیکس کے سلسلے میں کر رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں ترمیم شدہ بکری ٹیکس زیرِ بحث لایا گیا اور ۱۹۷۹ء میں ریاستی مجلس قانون ساز نے اسے بجٹ اجلاس میں شامل کیا۔ اب جبکہ تقریباً چار سال تک اس قانون کے ہر پہلو پر غور و خوض کیا گیا ہے، تاجر طبقہ نے اس قانون کی مخالفت شروع کر دی ہے اس بنیاد پر کہ یہ قانون جیسے جلد ہی صدر ہند کی منظوری بھی حاصل ہونے والی ہے (مرکز نے پہلے ہی اس کی تائید کی ہے) تعزیری اور مضر ہے۔ اور بقول تاجر طبقے کے "سیاہ قانون" ہے، حتیٰ کہ تاجر اداروں کی چند نمائندہ جماعتوں نے مذکورہ قانون کو شہری آزادی میں مداخلت تصور کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ مذکورہ قانون آزادیٔ تجارت پر ایک ضرب ہے۔

مذکورہ طبقہ کے لیڈروں نے اس قانون کو بے مقصد، غیر منطقی، بے سمت تصور کرتے ہوئے اپنی "معاشی بحالی" کے لئے ذمہ داران کے خلاف اپنی جد وجہد کو جائز قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ محکمۂ بکری ٹیکس کے عہدہ داروں کو وسیع اختیارات دیئے جانے سے تاجر طبقے کی معاشی موت ہو سکتی ہے بشرطیکہ مبینہ اختیارات کے حامل دفعات بکری ٹیکس اسکیم سے یکلخت منسوخ کر دیئے جائیں ورنہ یہ قانون ایک تاریخی غلطی ہوگی۔ اور جدید ٹیکس قوانین کی خلاف ورزی ہوگی۔

چونکہ مجوزہ قانون کے خلاف کئی اعتراضات کئے جا رہے ہیں اس لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا یہ قانون مناسب طور سے غور کئے بغیر اور متعلقہ افراد سے مشورہ کئے بغیر کسی جلد بازی کا نتیجہ تو نہیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حکومت نے جولائی ۱۹۷۵ء میں ایک بکری ٹیکس تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی جس میں بکری ٹیکس سے واقفیت رکھنے والے چند ایم ایل اے اور صنعتی و تجارتی نمائندے شامل تھے۔ اس کمیٹی نے متعدد تاجر پیشہ افراد و تجارتی اداروں اور بکری ٹیکس کے ماہرین سے انٹرویو لے کر ایک تفصیلی رپورٹ مرتب کی تھی۔ ظاہر ہے کہ کمیٹی کے رُو برو پیش کئے گئے مختلف نقاط پر غور کرنے کے بعد ہی یہ رپورٹ مرتب کی گئی

ہوگی۔ اس رپورٹ کی باقاعدہ تشہیر بھی کی گئی تاکہ حکومت کے فیصلے سے قبل عوام کا تاثر معلوم کیا جاسکے۔

اس کے بعد مذکورہ رپورٹ منتخبہ کمیٹی کو پیش کی گئی۔ منتخبہ کمیٹی نے مسودہ قانون کے سلسلہ میں اعتراضات و مشورے طلب کئے اور ان اعتراضات و مشوروں کی روشنی میں ضروری ردو بدل کے بعد ہی یہ مسودہ قانون ایوان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس وقت تک ۳۰۰ سے زیادہ ترمیمات تجویز کی گئی تھیں جن میں سے کئی ایک سے حکومت نے اتفاق کیا۔ یہ تمام تفصیلات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ یہ واضح ہوسکے کہ مسودہ قانون کو موجودہ آخری شکل دینے سے قبل تمام متعلقہ اداروں اور اشخاص کی رائے جاننے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا۔

اگر ہم نئے بکری ٹیکس قانون کا بغور مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ یہ دراصل مخلوط طریقۂ کار سے واحد ابتدائی مرحلہ ٹیکس کی سمت پیش قدمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مینوفیکچررس اور امپورٹرس، جو بیوپاری طبقہ کے ایک چھوٹے حصہ پر مشتمل ہیں، کو چھوڑ کر باقی ماندہ پر بکری ٹیکس کا اطلاق یا تو مطلق نہ ہوگا یا بہت قلیل ہوگا۔ انھیں تفصیلی حساب کتاب بھی رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بکری ٹیکس کے تحت رجسٹریشن کی حد بھی دوگنی کر دی گئی ہے۔ تقریباً ۴۰,۵۰۰ چھوٹے بیوپاری جو آج رجسٹر شدہ ہیں، نئے قانون کے عمل میں آنے کے بعد انھیں رجسٹریشن کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دیگر بیوپاری کے معاملے میں بھی جنھیں رجسٹر ہونا لازمی ہے، اگر ان کا سالانہ بیوپار تین لاکھ سے کم ہے اور انھیں ۵۰۰ روپے سے کم بکری ٹیکس ادا کرنا ہو تو ان کے لئے صرف ایک ریٹرن کافی ہے بشرطیکہ انھوں نے سال قبل کی آمدنی کی بنیاد پر واجب الادا ٹیکس کی پیشگی ادائیگی کر دی ہو۔ اس سہولت سے تقریباً ۹۰,۰۰۰ بیوپاری فیضیاب ہوسکیں گے۔

پہلی دفعہ ان بیوپاریوں کے لئے جو باقاعدہ ریٹرن بھرتے ہوں، اسسمنٹ کی تکمیل کی مدت تین سال مقرر کی گئی ہے۔ اس طریقۂ کار سے ٹیکس کے اطلاق سے متعلق غیر یقینی صورتِ حال اور اسسمنٹ میں تاخیر سے بچا جاسکے گا۔ اشیاء کی تیاری کے لئے درکار مال پر رعایتی شرح ٹیکس تین فیصد سے بڑھا کر چار فیصد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ متعلقہ افراد اس سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہوسکیں۔

وہ کارخانہ دار جو مقررہ اعلان نامہ کے ذریعہ مال خریدتے ہیں اب وہ بنا ٹیکس کے مال خرید سکتے ہیں۔ انھیں صرف ۴ فیصد خریدی ٹیکس حکومت کو ادا کرنا ہوگا۔ ایسے کارخانہ دار جو تیار مال بیرونِ ریاست اپنی ہی شاخوں کو بھیجتے ہیں تو انھیں ایسے مال کی تیاری میں درکار مقامی اشیاء پر ایک فیصد زائد خریدی ٹیکس دینا ہوگا۔ اس اصول کا عین مقصد کارخانہ داروں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی طرف راغب کرنا ہے کہ وہ درکار مال و اشیاء اندرونِ ریاست ہی حاصل کریں۔ لہٰذا نئے بکری ٹیکس قانون کے بارے میں یہ اندیشہ کہ اس قانون کے برسرِ عمل آنے کے نتیجہ میں صنعت و حرفت بیرونِ علاقہ منتقل ہوسکتی ہے، بے بنیاد ہے۔

شری شنکر راؤ چوان، وزیر مملکت برائے مالیات اور نئے بکری ٹیکس کے محرک نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں اعلان کیا ہے کہ قابلِ واپسی رقم کی ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں حکومت سالانہ ۲۴ فیصد سود ادا کرے گی۔ سود کی اتنی زیادہ شرح ملک بھر میں کوئی ریاستی حکومت بلکہ خود مرکزی حکومت بھی ادا نہیں کرتی۔ ویسے کوشش یہی رہے گی کہ بکری ٹیکس محکمہ کا عملہ قابلِ واپسی رقم کی ادائیگی میں زیادہ سے زیادہ مستعدی کا مظاہرہ کرے۔ اسی طرح کے کئی نکات ہیں جو ٹیکس انتظامیہ میں ضابطگی پیدا کرنے اور ٹیکس چوری کے رجحانات میں کمی کرنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔

نئے قانون کے بارے میں یہ تاثر کہ اس میں "کاروبار" "اشیاء کی تیاری" اور "بیوپاری" جیسے اصطلاحات کی اتنی وسیع تشریح کی گئی ہے کہ اس کے تحت نرسنگ ہوم، لائبریریاں اور بینک جیسے اداروں پر بھی یہ لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس قانون کی رُو سے اپنے آپ کو رجسٹر کروالیں اور ریٹرن سے متعلق شرائط کی پابندی کریں، بالکل غلط ہے۔ اشیاء کی تیاری کے سلسلے میں جو تعریف بیان کی گئی ہے اس میں صرف تین الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے یعنی ری۔ کنڈیشننگ، ری ٹریڈنگ اور بلنڈنگ۔ اس طرح صاف ظاہر ہے کہ اشیاء کی تیاری پر ٹیکس نہیں ہے، وہ شخص جو صرف مشین کو درست کرتا ہے، اس پر لازم نہیں ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرے۔ ہاں اگر وہ مال تیار کر کے فروخت کرے اور وہ بھی اس وقت جب اس کا بیوپار مقررہ حد سے تجاوز کرے۔ "بیوپاری" کے معنی وہ شخص جو اپنے کاروبار کے لئے یا کاروبار کے سلسلے میں یا کاروبار کے حوالے سے ریاست میں کوئی بھی مال خریدتا یا فروخت کرتا ہے۔ کاروبار کی یوں تعریف کی گئی ہے، جس کی رُو سے محض کام یا روزگار جو تجارت یا اشیاء کی تیاری کی نوعیت کے نہ ہوں، انھیں علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ عجیب بات ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ نئے قانون کے تحت نرسنگ ہوم اور بینکوں کو بھی رجسٹر ہونا پڑے گا۔

جرمانہ سے متعلق بھی یہ شکایت کی جارہی ہے کہ مذکورہ قانون میں جرمانوں کی شرائط بیحد سخت ہیں۔ متعلقہ ذمہ داران بھی یہ بات مانتے ہیں کہ کچھ شرائط ایسی ہیں جن کی رُو سے چند جرموں کے لئے زیادہ سے زیادہ سزا تین سال قید بامشقت یا کم سے کم ایک مہینہ قید بامشقت رکھی گئی ہے۔ لیکن ذرا سوچئے تو یہ جرائم آخر ہیں کون سے؟ بنا رجسٹر، غیر تسلیم شدہ یا بلا اجازت جھوٹے دستاویزات کی بنیاد پر غلط ریٹرن داخل کرنا، غلط اعلان نامہ یا تصدیق نامہ پیش کرنا،

جھوٹی نقد رسید دکھانا، غلط حساب کتاب، رجسٹر یا دستاویزات پیش کرنا کوئی سرکاری عہدیدار اگر معائنہ، تلاشی یا ضبطی کے لئے آیا ہو تو اس کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنا۔ یہ تمام سنگین جرائم ہیں اور اگر ان کے خلاف سخت اقدامات نہیں کئے گئے تو ٹیکس چوری کا خاتمہ ممکن نہیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ محکمہ کے ذمہ دار خواہ مخواہ بیوپاریوں کو پریشان نہ کرنے پائیں۔ مذکورہ بالا تمام سزائیں دینے کا اختیار عدالت کو ہے نہ کہ محکمہ کو۔ عدالتی کارروائی کے معاملے میں بھی ایسی شرائط موجود ہیں جن کے نتیجہ میں یہ ممکن نہیں کہ ان کا استعمال غلط ہو۔ پھر معلوم نہیں کیوں ایماندار ٹیکس دہندگان مذکورہ قانون کی شرائط کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ایسا بھی کہا جاتا ہے کہ "فیئر مارکیٹ پرائز" سے متعلق شرائط کے نتیجہ میں جونیئر افسران کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ تاجروں کو پریشان کر سکتے ہیں۔ اس لئے مذکورہ دفعات منسوخ ہونی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہیے کہ یک نکاتی پہلے مرحلے کے ٹیکس کے طریقہ کار میں اس بات کا امکان ہے کہ درمیان میں ہی قیمتوں کے تعین کے وقت قیمتیں کم کر دی جاتی ہیں۔ اس طرح محصول کی وصولی کا نقصان ہو سکتا ہے۔ اسی لئے یہ ضروری ہے کہ ٹیکس چوری کی روک تھام کے لئے کچھ دفعات رکھی جائیں۔ اس کے علاوہ قانون میں اس بات کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ بازاری نرخ کے تعین کا سوال صرف اس وقت اٹھایا جائے گا جب کہ لین دین متعلقہ افراد کے درمیان ہے اور وہ بھی اس وقت جب قیمتِ فروخت بازاری نرخ سے کم پائی جائے کم از کم ۱۵ فیصد یا زیادہ۔ ایسے معاملوں میں متعلقہ عہدیداروں کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اعلیٰ عہدیداروں کے علم میں یہ بات لائیں۔ تب بھی اعلیٰ عہدیدار کے فیصلہ کے خلاف بکری ٹیکس عدالت میں اپیل کی جا سکتی ہے۔

عام تجارتی رعایت کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ اس سے کیا مطلب لیتے ہیں۔ اگر مخصوص رعایت کسی خاص شئے کے بارے میں وسیع پیمانے پر دی جا رہی ہو تو اس کو نوٹ کیا جائے گا اور اس سلسلے میں بازاری نرخ کی دفعات کا بیجا استعمال نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ ایک ہی شئے مختلف مقامات پر مختلف نرخ پر فروخت کی جاتی ہو۔

"فیئر مارکیٹ پرائز" کی تعریف میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ یہ وہ قیمت ہو گی جس پر کوئی مال یا ان سے ملتا جلتا مال خاص عرصہ میں اور خاص مقام پر فروخت ہوتا ہو نیز یہ کاروبار قلیل حدود میں ہو۔

مذکورہ قانون میں ان شبہات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں منتقلی کی منسوخی اور جائداد کی ضبطی سے متعلق قوانین نہایت سخت ہیں۔ لیکن موجودہ قانون میں بھی ناجائز منتقلی کی منسوخی کی شرائط موجود ہیں۔ اس کے باوجود اس کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ قابلِ گرفت چالاکی سے اپنی جائداد سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور رقم کی وصولی کے اقدامات کے وقت دیوالیہ ظاہر کرتے ہیں۔ ایسے کئی معاملوں میں بکری ٹیکس کی وصولی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ بکری ٹیکس کے بقایاجات بڑھتے جاتے ہیں اور وصولی کم سے کم ہوتی ہے۔ حکومت اس طرح ریاست کو ہونے والے محصول کا نقصان برداشت نہیں کر سکتی۔ انکم ٹیکس قانون میں بھی اسی طرح کی دفعات ہیں لیکن ساتھ ساتھ متعدد حفاظتی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں تاکہ اختیارات کا ناجائز استعمال نہ ہونے پائے۔

اس قانون میں تاخیر سے ادا کئے جانے والے ٹیکس پر ۲۴ فیصد سالانہ سود خود بخود عائد ہو گا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ زیادتی ہے حالانکہ چھوٹے بیوپاریوں کو ڈھائی مہینے اور بڑے بیوپاریوں کو ڈیڑھ مہینے کی مدت دی جاتی ہے کہ وہ اس عرصہ میں ٹیکس کی رقم حکومت کو ادا کر دیں مذکورہ مدت گذرنے کے بعد ہی شرح سود عائد کیا جاتا ہے۔ ایسے اقدام کے بغیر بکری ٹیکس کے نام پر جمع شدہ رقم دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کا رجحان پروان چڑھ سکتا ہے۔ کافی غور و خوض کے بعد ہی یہ اقدام طے کیا گیا ہے تاکہ مقررہ مدت میں ہی ٹیکس کی ادائیگی ہو سکے۔ مزید برآں محکمہ سے "امتیازی سلوک" کے رجحانات کو دور کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کے نتیجہ میں اختیارات کے ناجائز استعمال کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ اس لئے باشعور طبقوں کو ان اقدامات کا خیر مقدم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

چند لوگوں کی جانب سے اس بات کی پرزور تائید کی جا رہی ہے کہ بکری ٹیکس عدالت میں صرف ماہر قانون افراد کو ہی شامل کیا جانا چاہیے تاکہ عدالتی کارروائی بہتر اور غیر جانبدارانہ طور سے انجام دی جا سکے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بکری ٹیکس عدالت دراصل تحقیقاتی جماعت ہے۔ اس لئے بکری ٹیکس کے قانون، حساب کتاب، کارروائی اور انتظامیہ سے واقفیت رکھنے والے محکمہ کے اراکین اور ماہرین قانون دونوں کے تعاون سے ہی عدالتی کارروائیاں بہتر طور سے انجام دی جا سکتی ہیں۔ انکم ٹیکس اپیلیٹ ٹربیونل بھی اسی سطور پر قائم کیا گیا ہے۔

●●

مہاراشٹر میں

دیہی سڑک پروگرام

دیہی علاقوں کی ترقی کیلئے مناسب مواصلاتی سہولتوں کا فراہم ہونا بہی ضروری ہے۔ تیز رفتار نقل وحمل کے ذرائع کے بنا منڈیوں میں زرعی پیداوار کا لے جانا ناممکن ہے اور اس قسم کی مراعات کی عدم موجودگی کی بنا پر کاشتکار اپنا اناج اونے پونے داموں میں بیچ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اُن کی معاشی حالت میں سدھار کے امکانات بھی معدوم ہوتے جاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیہی علاقوں کی مکمل مواصلات کا دارومدار منڈیوں کے انتظامات پہ ہے جو کہ سڑکوں کے بنا ناممکن ہے مہاراشٹر میں ۵۰.۴ لاکھ افراد میں سے ۳۴.۷ لاکھ دیہاتوں میں بستے ہیں چنانچہ دیہی علاقوں میں سڑکوں کے ترقیاتی پروگرام وقت کی اہم ترین ضروریات میں شامل ہیں۔

سڑک ترقیاتی منصوبہ

۸۱ - ۱۹۶۱ء سڑک ترقیاتی منصوبہ کے تحت جو ہر ضلع کیلئے سرکار کی جانب سے منظور کئے گئے تھے۔ حکومت نے سڑکوں کے تعمیری اور سدھار کے کام اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔ سڑک ترقیاتی سرگرمیاں پنج سالہ منصوبہ کے تحت نہیں شامل تھیں جن کی وجہ سے سڑکوں کی تعمیر کا کام ٹھپ ہو گیا تھا۔ سڑکوں کی تعمیرات پر ۶۲ - ۱۹۶۱ء سے ۷۹ - ۷۸ء تک خرچ ۲۶ ء ۲۱۷ کروڑ روپے آتا ہے۔

بڑے راستوں کے ترقیاتی کام مثلاً ریاستی شاہراہ اور بعض ایم۔ ڈی آر کے کام میں دیہی سڑکوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی کیونکہ جب تک بڑی شاہراہیں تیار نہ ہو جائیں ان سے جڑنے والی چھوٹی شاہراہوں کے جال کے ترقیاتی کاموں کو اہمیت دینا چاہئے تھا۔ ۸ - ۱۹۶۱ء کے نشانوں سے اصل ترقیاتی کاموں کا پتہ چلے گا۔

سڑک درجہ بندی	۱۹۶۸ء ۔ ۸۱ ۱۹ء نشانہ	۳۱ر مارچ ۷۷ء تک کئے گئے کام
قومی شاہراہ	۶۳۶۵	۲،۹۴۴
ریاستی شاہراہ	۱۵۹۰۶	۱۷،۳۸۰
بڑی ضلعی سڑکیں	۲۹۷۸۹	۲۴،۵۷۲
دیگر ضلعی سڑکیں	۳۵۷۱۸	۲۳،۱۷۴
دیہی سڑکیں	۴۴۱۷۲	۳۳،۳۳۳

زبردست پروگرام

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سڑک کے تعمیراتی سرگرمیوں پر زیادہ کام نہیں ہوا ہے اور خاص طور سے دیہاتوں کے ضمن میں یہ کام اور بھی کم ہوا ہے۔

چنانچہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ دیہی معاملاتی طریقۂ کار کو جس کی دیہی معاشیات میں بیحد اہمیت ہے فوقیت دی جائے۔ نئی ایس، ٹی، بس کی روٹ جاری کرنے کے مطالبات ہیں اسی طرح زراعت آبپاشی، اور گھریلو گرام صنعت پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں اس وقت صحیح معنوں میں کارآمد ہونگیں جب دیہاتوں میں موٹر ٹرانسپورٹ طریقۂ کار ہوگا۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت مہاراشٹر نے بڑے پیمانے پر زبردست پروگرام جو کہ اپنی نوعیت کا واحد پروگرام ہے پختہ دیہی سڑک کی تعمیرات کا پروگرام ۷۸ - ۱۹۷۷ء میں شروع کیا۔ اس میں ۸ کروڑ روپے کی منظوری ریاستی سیکٹر میں دی گئی تھی جبکہ ضلع پریشدوں سے یہ امید کی جارہی تھی کہ وہ اپنے ذاتی ذرائع سے ۸ کروڑ روپے کا پروگرام جاری کریں گے۔

(بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

بین الاقوامی سالِ اطفال اور ہمارے فرائض

• مسز ذکیہ خطیب
صدر بزمِ نسواں، مہاراشٹر، بمبئی۔

بین الاقوامی سالِ اطفال کے سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے بچوں کی ضروریات کیا ہیں اور انھیں کس حد تک پورا کیا جاسکتا ہے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے میں کون کونسے ادارے معاون ثابت ہوسکتے ہیں، نیز بچوں کی زندگی منور کرنے میں کون کونسی رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں، جنھیں دور کرنے میں طلبا اساتذہ اور خواتین کیا کردار ادا کرسکتی ہیں ؟

بچوں کی کئی ضروریات اور کئی حقوق ہیں۔ چونکہ بچہ بذاتِ خود اس قابل نہیں ہے کہ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل پر کسی کو مجبور کرسکے یا کسی سے اپنے حقوق منوالنے کی سعی کرسکے۔ اسی لئے یہ فرائض دوسروں (بڑوں) کو ادا کرنا پڑتے ہیں۔ بچوں کی بنیادی ضرورتوں میں سے صحت، غذا، تعلیم، حفاظت اور محبت و شفقت سب سے اہم ہیں۔ ہم ہندوستان میں جب تک ان ضرورتوں کو پوری طرح نہ سمجھ سکیں گے، کچھ نہ کرپائیں گے۔

یہاں بچوں سے مراد وہ بچے ہیں جو صفر سے ۱۴ سال کے ہیں۔ ہماری آبادی کا تقریباً نصف حصہ بچوں پر مشتمل ہے یعنی (۴۲٪) لیکن افسوس کہ صحت کی سہولتیں کم ہونے کے باعث ہر سَو میں سے بارہ بچے اپنی پہلی سالگرہ منانے سے پہلے ہی فوت ہوجاتے ہیں۔ یعنی ہر ہزار بچوں میں سے ایک سو بائیس ۱۲۲ بچے مرجاتے ہیں۔ اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ ایامِ حمل میں ہی کچھ کمی اور کچھ ایسی کوتاہیاں رہ جاتی ہیں جن کی وجہ سے بچے فطری طور پر پروان نہیں چڑھ پاتے اگر ہم سالِ اطفال میں اس شرحِ اموات کو کم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو دانشی یہ ایک بڑا کارنامہ ہوگا۔ اس کمی کو ٹیکے لگواکر پورا کیا جاسکے گا۔ آجکل حالانکہ اکثر مقامات

۲۷ اپریل کو بمبئی میں بزمِ نسواں، مہاراشٹر کی جانب سے بین الاقوامی سالِ اطفال منایا گیا۔ جس میں جوائے لینڈ نرسری، اسٹار نرسری اور لکی نرسری کے بچوں نے حصہ لیا۔ اس تقریب کی اہمیت یوں اور بڑھ جاتی ہے کہ انہیں بچوں کے ساتھ ماؤں نے بھی شرکت کی۔ زیرِ نظر تصویر میں مسز ذکیہ خطیب صدر بزمِ نسواں مہاراشٹر، اجتماع سے خطاب کررہی ہیں۔

پر ٹیکے لگوانے کا انتظام کیا گیا ہے پھر بھی ماؤں میں ابھی اتنا شعور پیدا نہیں ہو سکا ہے کہ وہ اس کا فائدہ اٹھا سکیں۔

غذا کی کمی کو بھی ہمیں کسی نہ کسی طرح پورا کرنا ہوگا۔ اکثر چھ سال سے چھوٹے بچے اس کمی کا شکار رہوتے ہیں۔ ہماری ماؤں کو ابھی اس بارے میں بہت کچھ سیکھنا ہوگا۔ کئی مائیں یہ نہیں جانتیں کہ بچے کو چوتھے مہینے سے ہی ٹھوس غذا دینی چاہیئے۔ ماؤں کو یہ بھی چاہیئے کہ ایسی کونسی غذائیں تیار کی جا سکتی ہیں جو سستی بھی ہوں اور صحت مند بھی۔ مثلاً مونگ پھلی، کھجور، گاجر اور دوسری ایسی غذائیں جو آسانی سے فراہم کی جا سکتی ہیں بچوں کو دینا چاہیئے۔ اکثر بچوں کو غربت کی وجہ سے دودھ بھی میسّر نہیں ہوتا۔ دودھ کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی اگر بچوں کو مونگ پھلی کے دانے، کھجور، گاجر وغیرہ سستی اور آسانی سے فراہم ہونے والی اشیاء استعمال کرائی جائیں تو وہ صحت مند ہو سکتے ہیں۔

تیسری بنیادی ضرورت ہے تعلیم! اور خصوصاً ابتدائی تعلیم۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی تعلیمی مہارت جو آگے چل کر آمدنی کا ذریعہ بن سکے اور ہر بچہ بڑا ہو کر ایک اچھے اور باعزت شہری کی طرح زندگی گذار سکے۔ ہمارے کئی بچے چوتھی جماعت تک بھی نہیں پڑھ پاتے ہیں۔ تعلیمی سلسلہ کا یہ عدم تسلسل شہروں سے زیادہ دیہاتوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکوں سے زیادہ لڑکیاں اسکول چھوڑنے پر مجبور رہو جاتی ہیں۔

اس کی چوتھی اور اہم ضرورت ہے محبت اور شفقت! بچہ چاہتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ اس کی حفاظت کی جائے۔ یہ اہم کام، گوکہ ایک عام بچے کے لیئے ماں کرتی ہے۔ ماں ہی پیدائش سے اس کی ساتھی ہے۔ اس کی عادتوں کو ڈھالتی ہے۔ ہاتھوں میں سنبھالتی ہے، بھلے بُرے کی تمیز سکھاتی ہے، خوبصورت اشیاء کو پسند کرنا اور مکروہ چیزوں سے پرہیز کرنے کے آداب سکھاتی ہے۔ ابتدائی تعلیمی مراحل سے بالغ ہونے تک ہر قدم پر اس کی رہنمائی کرتی ہے اس لحاظ سے ماں نہ صرف بچے کی جسمانی نشو نما کی ذمہ دار ہے بلکہ ذہنی تعلیم و تربیت کی بھی وہی معلمہ ہے، اسی لیئے کہا جاتا ہے کہ ماں کی آغوش بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔

ہم سب اچھی طرح سے واقف ہیں کہ کوئی بچہ پیدائشی مجرم یا بُرا نہیں ہوتا۔ اگر بُرے اوقات و حالات میں اُسے شفقت سے محروم رکھا گیا تو وہ مجرم، باغی اور تشدد پسند بن جاتا ہے ؎

بُرے اوقات بنا دیتے ہیں انساں کو بُرا
کون کہتا ہے کہ انسان بُرا ہوتا ہے

جب بچے گھر اور ماں جیسی نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور یتیم خانوں، آشرموں اور بیت الاطفال میں پرورش پاتے ہیں انھیں بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈاکٹر ایس۔ کے مکرجی نے ممبئی کے ایسے گھروں کا جائزہ لے کر بتایا ہے کہ ان گھروں کی ذمہ داری اور انتظام نہایت ہی نااہل، غیر تعلیم یافتہ اور سخت مزاج افراد کو سونپ دیا گیا ہے۔ ایسے گھروں میں عموماً بچوں کو سنگین مار پیٹ سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس سے بچے بہت سے نفسیاتی مسائل کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ان اخلاقی گراوٹوں کا شکار بچے سب سے زیادہ ہماری ہمدردی کے مستحق ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ناجائز بچوں کا حال تو ان سے بھی اور زیادہ بُرا ہے۔ ممبئی شہر میں ہر سال تیرہ سو (۱۳۰۰) بچے کوڑے کے ڈھیروں، پاخانوں اور نالیوں میں پھینکے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ محتاج اور اپاہج بچے بھی ہیں۔ ہمارے ملک میں تقریباً دو کروڑ محتاج بچے ہیں، جن میں سے صرف ۷ ہزار ایسے خوش نصیب ہیں جن کی خدمت ہوتی ہے۔

ہمارے ملک میں دو تین وجوہات کی بنا پر بچوں کی اتنی حفاظت اور دیکھ ریکھ نہیں ہو سکی جتنی کہ ہونی چاہیئے۔ اس کی ایک اہم وجہ تو یہ ہے کہ آبادی بڑی تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ ہر مہینے تقریباً دس لاکھ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ معاشی مسائل اتنے سنگین ہیں کہ والدین کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی مزدوری کرنی پڑتی ہے اور طالبعلمی کا زمانہ انتھک جسمانی محنت کی نذر ہو جاتا ہے۔ آج دنیا کے مختلف ممالک میں پانچ کروڑ بچے محنت مزدوری کر رہے ہیں جس میں ساٹھ فیصد بچے ہندوستانی ہیں۔ اس سماجی لعنت میں عموماً دس سے چودہ سال کے گروپ کے بچے مبتلا ہیں۔

بچوں کے مسائل سے متعلق ایک سرسری جائزہ پیش کرنے کے بعد اس بات پر غور کرنا ہے کہ ان مصائب سے نجات دلانے میں کون پیش قدمی کر سکتا ہے۔ انفرادی طور پر، رضاکارانہ فلاحی ادارے اور حکومت قانون بنا کر مزید سہولتیں مہیا کر سکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ تینوں مل جُل کر یہ کام بانٹ لیں تاکہ دوہری کوشش ایک ہی جگہ نہ ہو اور دوسرا حصہ بالکل ہی محدود نہ رہے۔

اگر ہمیں سالِ اطفال کو کامیاب بنانا ہے تو بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ طالبات N.C.C. اور N.S.S. اور جونیئر ریڈ کراس کی دیگر مہموں کے ساتھ ساتھ امسال خواتین بچوں کے لیئے زیادہ کام کریں۔ وہ عورتیں جو ملازمت نہیں کرتیں اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بچوں کا کھانا تیار کرتی ہیں۔ صفائی، تعلیمی و تفریحی پروگرام کا اہتمام کرتی ہیں وہ اپنے بچوں کے علاوہ دوسروں کے معصوم اور مصیبت زدہ بچوں کے لیئے بھی وقت دیں جو نزدیک ہی بلڈنگ میں، گلی میں یا محلہ میں مقیم ہوں۔ بچے کی بہبودی میں خاندان کے مرد سے زیادہ عورت کو ہی کردار ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ خدا نے عورت کو رحمدل بنایا ہے۔ وہ اپنے گھر، پڑوس اور محلہ میں بچوں کے لیئے ہمدردی کا ماحول پیدا کر سکتی ہے۔ ہمیں سماج کو منوانا ہوگا کہ وہ

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۰ پر)

جلیس سہسوانی
سہسوان، بدایوں (یوپی)

سائنس

عہدِ قدیم اور دورِ جدید میں

جس طرح انسانی زندگی میں کھانا، پینا، بیٹھنا، اُٹھنا، چلنا، پھرنا، لکھنا، پڑھنا اور دوسرے لوازم انتہائی ضروری ہیں۔ اسی طرح سائنس بھی ایک اہم جُز ہے۔ دنیا کا کونسا کام ہے جس میں سائنس کا عُنصر نہ ہو۔ ہم گہرائی اور گیرائی میں ضم ہونیوالی نظروں سے دیکھیں تو حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں سائنس ضرور نظر آئے گی اور جہاں اُسے فراموش کیا جائے گا وہاں زندگی ایک خشک نہال کی طرح پھیکی پھیکی نظر آئے گی۔ کیونکہ جو کام سائنس یعنی حکمتِ عملی سے بےنیاز رہ کر کیا جائے تو وہ عجیب اور بے ڈھنگا سا دکھائی دیتا ہے، اور یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی خامی یا نقص رہ کر یا تو پریشانی کا باعث بنتا ہے یا پھر حزن انگیز ثابت ہوکر ہمارا تمسخر اُڑاتا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر ہم یاس و الم اور درد و کرب میں مُبتلا ہونے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور اگر کچھ کرنا چاہیں تو سائنسی نظریہ سے سوچنا ہوگا اور یہی ہمارا بگڑا ہوا کام بنانے میں معاون ثابت ہوگی۔ یہی نہیں، شعر و ادب، گفتار و کردار اور شعر و سخن پر بھی آپ کو سائنس کی گہری چھاپ نظر آئے گی۔

علامہ اقبالؔ نے تو بہت سے ایسے شعر کہے ہیں جن میں سائنس قوسِ قزح کے دلکش رنگوں کی طرح بکھری ہوئی معلوم ہوتی ہے ؎

پریشاں ہوں میں مُشتِ خاک، لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گردِ کدورت ہوں

اگر سکندرِ اعظم نے شیشے کی دریافت نہ کی ہوتی تو آئینہ کا وجود مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ جب آئینہ نہ ہوتا تو پھر شعر و سخن میں آئینے کا وجود بھی ناممکن ہوتا۔ اور علامہ اقبالؔ آئینے کی مثال دے کر دنیا کو اس کی حقیقت سمجھانے سے قاصر رہتے۔ جیسا کہ انھوں نے اپنے اس شعر میں کہا ہے کہ انسان مُشتِ غبار کی طرح دنیا کو زندگی کا راز میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان زمانے کو سکندر کی طرح فتح کرنے آیا ہے یا آئینہ کی طرح دنیا کو زندگی کی حقیقت سمجھانے کے لئے! یا صرف گرد و غبار کی طرح ذلیل و خوار اور پریشان رہنے کے لئے!

ضرورت ہمیشہ ایجاد کی ماں رہی ہے اور جہاں ضرورت رہی ہے، وہاں سائنس بھی عمل پیرا رہی ہے۔ علامہ اقبالؔ نے کہا ہے ؎

پھرا کرتے ہیں مجروحِ اُلفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

جب درد اُٹھتا ہے، ٹیسوں کا احساس ہوتا ہے اور جب ٹیسیں ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہیں تو جُستجو بیدار ہوتی ہے۔ جب جُستجو بیدار ہو گئی تو پھر علاج، تسکین اور تشفی کی ضرورت محسوس ہوئی اور آخر اس فکر و تلاش کے بعد ہم نے کیا پایا؟ "مرہم" درد کا درماں! کیا اس تلاش میں سائنس کو برابر کا دخل نہ تھا؟ کیا یہ شعر حکمت و دانائی سے خالی ہے؟ ہرگز نہیں! حالانکہ شاعر نے بھی اپنی زبان میں یہی کہا ہے کہ محبت کے زخمی، علاج کی فکر میں مارے مارے نہیں پھرتے بلکہ اپنے درد کا درماں خود پیدا کرتے ہیں۔ "پیدا" کہا ہے؟ ایجاد! ؎

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
ذرا سے بیج سے پیدا ریاضِ طور ہوتا ہے

علامہ کے اس شعر میں فکر و فن کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ کی کتنی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ ذرا سی فکر سے انسان کہاں سے کہاں پہنچ

جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس کی لگن، کاوش اور کوشش کو زبردست دخل ہے۔ جس طرح انسان نے ۱۹۰۳ء میں سب سے پہلے ہوائی جہاز کی ایجاد کر کے ہوا پر پرواز کی لیکن قدرے رفتار کے ساتھ۔ اس کے بعد رفتار بڑھنے بڑھتے ہزاروں میل فی گھنٹہ اور پھر منٹ کے اوسط کو تجاوز کر گئی۔ آج ہم پرواز فتحمندی کے اُس عروج پر گامزن ہو چکے ہیں کہ کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ انسان کبھی چاند کی دنیا میں بھی قدم رکھے گا! حالانکہ سائنس کے اس حیرت انگیز ارتقاء کو دیکھنے کے بعد بھی بیشتر ذہنیتیں ایسی ہیں جو یہ تسلیم کرنے سے منکر ہیں کہ دورِ حاضر کا انسان چاند کی دنیا سے واپس لوٹ آیا ہے۔ حالانکہ اس کے جوار میں سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ عنقریب کرۂ ارض کے دوسرے سیاروں پر جست لگا کر دنیا کو ایک بار پھر حیران کر دیں گے۔ ٹھیک ہے بقول ع

ذوقِ سجدہ ہو تو سنگِ آستاں کی کیا کمی

یہی بات علامہ اقبال نے مندرجہ بالا شعر میں کہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے دل میں خدا کی محبت کی ذرا سی چنگاری نے سر اُبھارا تھا کہ اس نے ان کے دل میں تلاش و جستجو اور لگن کا ایسا جذبہ شدید بیدار کیا جس سے نہ صرف دیدارِ خداوندی ہوا بلکہ طور کی وادی کو بھی منور کر دیا۔ اسے کہتے ہیں تلاش ... لگن ... اور جستجو! اقبال نے ہمیں اس شعر میں حوصلے کا کتنا حکیمانہ عزم و درس دیا ہے ؎

یہ خاموشی کہاں تک؟ لذّتِ فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

یہ سچ ہے ہمیں سوچنا چاہیئے، سمجھنا چاہیئے اور عزم تو لے کر آگے بڑھنا چاہیئے بالکل اس انقلابی شعر کی تفسیر کی طرح! فلاسفر جان تکفر ایسے شعروں کا بے حد قدردان تھا۔ انھیں شعروں کے حوصلے کے توسط سے اُس نے ایک قیمتی اور گرانقدر دریافت کو بہم کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "رات کے اوقات میں انسانی آنکھ ایک بہترین آلہ ثابت ہوتی ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف اُلّو ہی کی آنکھ بہت تیز ہوتی ہے۔ ہمارے پردۂ بصارت کے ایک حصہ پر ہلکے پیلے رنگ کا مخروطی خلیوں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ مجموعہ حیاتین "الف" (وٹامن 'اے') سے نشو و نما پاتا ہے اور یہ سبز رنگ کی پتیوں میں بھی پایا جاتا ہے، اسے "فودا" کہتے ہیں۔ باریک تحریریں، خوردبین سے چیزوں کا مشاہدہ، کلائی کی گھڑی کے ننھے ننھے پرزے لگانا، یہ سب ایسے کام ہیں جن میں 'فودا' ہماری مدد کرتا ہے۔ اور اُن اجسام کا عکس محفوظ کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔"

زمانۂ آفرینش ہی سے سائنس اور انسان کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے قدیم حکماء اور دانشمندوں نے مختلف عناصر کی ماہیت و خصوصیات دریافت کر کے ایسے ایسے عجیب کارنامے انجام دیئے ہیں جنھیں تصور کر کے عقل حیراں اور ذہن پریشان ہو جاتا ہے لیکن جدید سائنسدانوں کی ایجادات نے تو انتہائی متحیر کر دیا ہے جن پر الف لیلوی جادو کا گمان ہوتا ہے۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ زمانۂ قدیم میں بھی سائنس نے ناقابلِ کارنامے انجام دیئے ہیں۔ نامور حکیم اور سائنٹسٹ رسیوا ابن قطاؤ نے ملک مدائن کے شہر رومیۃ کبریٰ میں حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے ایک سو ستر سال پہلے بادشاہ فلسطانوس کے دورِ حکومت میں علم (سائنس) کے ذریعہ ایک ایسا طلسم خانہ ایجاد کیا تھا جس سے د کا حال معلوم کر لیا کرتا تھا۔ حکیم نے اس طلسم خانہ کا نام 'ابوصرفیہ' تھا۔ اس نے تانبہ کی ایک تصویر بنائی تھی جس کے اوپر سونے کا پا ہوا تھا طلسم خانہ کے سات دروازے تھے اور ہر دروازے پر سونے کا گنبد تھا۔ ہر گنبد پر آدمی کی طرح ایک تصویر تھی، اور تصویر کے گلے میں منتخب ملکوں کے ناموں کی سونے کی سات سات تختیاں پڑی تھیں۔

حکیم مذکور کو جب ان سات ملکوں میں سے کسی ملک کے حالات کی خواہش ہوتی تو وہ ایک تصویر کے گلے میں سے اس ملک کے نام کی اُتار کر تانبے کی بڑی تصویر کے گلے میں سورج کی طرف رُخ کر کے ڈال د اور سورج کی کرنوں کے ٹکراؤ سے تصویر کے چہرے پر جو تاثرات رُونما تھے ان سے وہ اس ملک کے حالات جان لیتا تھا!

حکیم موصوف نے اس تصویر میں اپنی فہم و دانش کے مطابق مخ آلات اور آنکڑے نصب کئے تھے۔ بہرکیف اس کی یہ ایجاد ریڈیائی لہ وائرلیس، ٹیلی ویژن اور راڈر کی طرف بھرپور اشارہ کرتی ہے۔ ا پتہ چلتا ہے کہ سائنس کو ہر دور میں فوقیت و اولیت حاصل رہی ہے دورِ حاضر میں تو ایٹم بم اور خلائی سفر نے ایک تہلکہ مچا دیا ہے۔ اس علاوہ بھی انسانی فلاح و بہبود کے لئے سائنسدانوں نے وہ عظیم فراہم کئے ہیں کہ انسان کا وجود خود بخود سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ حال ہی دل کا آپریشن بغیر نشتر کے وجود میں آگیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے خون کا ا ہو جائے تو ایسی صورتِ حال میں ڈاکٹر دو ہی طریقے اپناتے ہیں، پہلا یہ کہ سرجن فوری طور پر دل کا آپریشن کر کے انجمادِ خون دور کر دیتا ہے بلک کے حصہ میں جو انجماد ہوتا ہے اُسے بھی نکال دیتا ہے۔ یہ خطرناک آ ہے اور بیشتر مریض اسے برداشت نہیں کر پاتے۔ دوسرا طریقہ انجک لگا کر یا بذریعہ ٹرانسفیوژن سیٹ (TRANSFUSION SET) سیلائن داخل کر کے انجمادِ خون کو تحلیل کرنے کا ہے، لیکن اس میں د درکار ہے۔ اب سائنسدانوں نے ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جہاں انجم خون عمل میں آئے وہاں ایک باریک ٹیوب کیتھیٹر کی طرح جسم میں کیا جاتا ہے جو دورانِ خون کے ساتھ دل تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر فبرینولید ٹیوب کے ذریعہ دل تک پہنچائی جاتی ہے اور انجمادِ خون تیزی کے سا تحلیل ہونے لگتا ہے۔ دل میں دورانِ خون شروع ہو جاتا ہے اور ڈ

گھنٹے کے اندر وہ نتیجہ حاصل کرلیا جاتا ہے جس کے حصول کے لئے پہلے کئی دن لگا کرتے تھے۔ یہ ہے انسانی زندگی کے لئے سائنس کا بیش بہا عطیہ! یہی نہیں روسی سائنسدانوں نے حال ہی میں موتیا بند کے مریضوں کیلئے ایسا مصنوعی عدسۂ چشم ایجاد کیا ہے جو دھندلے عدسہ کو نکال کر فِٹ کردیا جاتا ہے۔

سائنسدانوں کی کن کن ایجادات کی توصیف کی جائے۔ سوویٹ یونین کے مرکزی بوٹانیکل گارڈن کے ریسرچ کارکنان اور دوسرے لوگوں کے ایک گروپ نے بوٹانیکل گارڈن کے ڈائرکٹر اکادمیشین ابن تسنسین کی قیادت میں ایک انوکھی اور عجیب وغریب شیشے کی عمارت تعمیر کی ہے اس عمارت کے تین حصے ہیں اور ہر حصے کا الگ الگ موسم ہے۔ نم اور گرم ـ نم اور کم گرم ــ اور ریگستانی وغیرہ۔ جدید اور آراستہ تنصیبات کے ذریعے اس عمارت کے اندر مصنوعی کہر، بارش یا کوئی بھی دوسرا مطلوبہ موسم پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اس مکان میں وہ پودے اور بوٹیاں اُگائی جاتی ہیں جو اپنے موسم کے سوا تازہ اور سبز دستیاب نہیں ہوتیں۔ مثلاً برسات میں پیدا ہونے والی بوٹیاں گرمی اور جاڑوں کے موسم میں حسب منشاء اُگائی جاسکیں گی اسی طرح گرمی اور جاڑوں میں پیدا ہونے والی بوٹیاں برسات میں اُگائی جاسکیں گی اور انسانی حیات وسلامتی کے کام آسکیں گی۔

انسان کی ان تخلیقات پر سرسری روشنی ڈالنے سے مُراد یہ ہے کہ سائنس ہر دور میں کچھ نہ کچھ بن کر ہمارے سامنے اُبھرتی رہی ہے اور ترقی کی منزلوں پر پَر لگا کر گامزن رہی ہے۔ اِسی وجہ کے تحت انسانی شعور میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے بغیر بے معنی نظر آتی ہیں۔ جُوں جُوں شعور میں وسعت آتی گئی، سائنس ارتقائی منازل طے کرتی گئی۔ اور آج اِسی ارتقائی سفر نے بہت سی راہوں سے گذرنے کے بعد راہ سے راہ نکال کر چاند کی دنیا پر فتح ونصرت کا پرچم نصب کردیا ہے ؎

جذب وکشش کو دُوریٔ منزل کا کیا گِلہ
ہر گام کو مرے لیئے منزل بنا دیا

اگر ہمارے اندازِ فکر، جذباتِ تخیّل اور توسیع ذہانت کا یہی عالم رہا تو وہ دن دُور نہیں جب ایک دن ہم چاند کے ساتھ ساتھ دوسرے ستّاروں پر ہل چلا کر انسانی زیست کے لئے سبزیاں، اناج، مختلف معدنیات اور دوسرے اجزاء مہیا کرسکیں گے۔ بقول گلزار زتشی ؎

کیا نئی سائنس کی دنیا، سنواری مرحبا
اب خلاؤں پر چلی اپنی سواری مرحبا

یُوتھ فورم:

"یُوتھ فورم" کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مُہم، چھُوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سَراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، بندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی نمبر ۳۲-۴۰۰۰

(باقی صفحہ ۲۴ سے آگے)

سڑکوں کا جال

اس پروگرام کے تحت موضع جات سڑکوں سے، دالڑی کو موضع جات سے خاص سڑک سے ملاکر سڑکوں کا ایک جال سا بچھانے کا پروگرام کی تجویز تھی انفرادی طور پر اس کام کیلئے ۵ لاکھ روپے چاہیئے تھے اور وہ بھی اراضی کی وصولی کے بغیر۔ متعلقہ ضلع کے صدر کی سربراہی میں خصوصی کمیٹی کو یہ کام سونپا گیا تو قوانین میں گنجائش نکالی گئیں اور اختیارات ضلعی افسران کو سونپے گئے تاکہ ضلعی سطح پر یہ کام اسی مالی سال کے دوران بخوبی انجام پائے۔ شروع میں یہ کام غیر منصوبہ جاتی طور پر شروع کئے گئے لیکن مالیاتی سال کے آخر میں اس کو منصوبہ اسکیم، بنا دیا گیا۔ مارچ ۱۹۷۸ء کے اختتام پر ۲۰۶۲ کلومیٹر نئی سڑکیں تعمیر کی گئیں اور ۶۳۴۴ کلومیٹر سڑکوں میں بہتری پیدا کی گئی اس کے علاوہ ۱۵۵۴۵ سی ڈی کام بھی اس پروگرام کے تحت مکمل کئے گئے۔

قبائلی ضمنی منصوبہ اور غیر قبائیلی علاقے کے تحت ۲۰ کروڑ روپے کے صرفہ کا شروع کیا گیا تھا۔

اس پروگرام کے ۱۳٫۵ کروڑ روپئے کریش پروگرام کے تحت ۷۸-۱۹۷۷ء میں جاری کئے گئے کاموں کیلئے الگ رکھے گئے تھے۔

باقی ماندہ کاموں کو بھی جاری رکھا گیا اور یہ امید ہے کہ یہ کام مکمل کر لیئے جائیں گے۔ نئے کاموں کا انتخاب ڈی۔ پی۔ ڈی سی کی خصوصی اکزیکیوٹو کمیٹیوں ذریعے ہوگا اور کام پی۔ ڈبلیو ڈی ڈیژنوں کے ذریعے ہی کئے جائیں گے اس سلسلہ میں کریش پروگرام کی طرح ہی اس پروگرام کو بھی جاری کیا جائیگا۔

اس نئے طریقۂ کار کی بنا پر پچھلے دو سالوں میں زیادہ کام ہوا ہے ورنہ عام پروگراموں سے سڑک ترقیات اتنی زیادہ ممکن نہ تھی۔

عوام بھی ان ترقیات سے مطمئن ہیں اور اس اسکیم کا خاطر خواہ اثر ڈی پی۔ ڈی سی کے عام جلسوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دیہی سڑکوں کی بہتری کیلئے منصوبہ جات

بہتر ہو اصلاتی طریقہ دیہی علاقوں میں بھی شروع کرنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر موسمی سڑک سے موضع کی سڑک کو جوڑ لیا جائے، اس سلسلہ میں مالیاتی پہلو پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ اس مسئلہ کو بہتر طور پر چلانے کیلئے مندرجہ ذیل تجربہ کیا گیا ہے

ریاست مہاراشٹر میں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کے حساب سے موضع جاتی تقسیم اس طرح ہے۔

آبادی	موضع جات کی تعداد	یکم اپریل ۱۹۷۸ء تک بغیر جڑے ہوئے موضع جات
۲۰۰ سے کم	۵۰۵۳	۱۰۹۵۰
۲۰۰ سے ۴۹۹	۹۰۸۸	۱۰۹۵۰
۵۰۰ سے ۹۹۹	۱۰۵۲۶	۶۷۱۹
۱۰۰۰ سے ۴۹۹۹	۷۴۳۶	- -
۵۰۰۰ سے ۹۹۹۹	۴۹۲	- -
۱۰۰۰۰ سے زائد	۷۵	۴۴۹۵

مختلف درجہ بندی میں آنے والے موضع جات کیلئے پختہ سڑک مہیا کرنے کی خاطر لاگت کا تخمینہ ۶۹۰ کروڑ ہے اور مجموعی طور پر یہ صرف ۱۲۳۰ کروڑ روپے ہے یہ تجویز رکھی گئی ہے کہ اس پروگرام کو تیسرے پنج سالہ منصوبہ کے دوران ۸۳-۱۹۷۸ء تک بڑھایا جائے۔

یہ بھی تجویز ہے کہ اسی طرح کے دیگر پروگرام ہر سال پنج سالہ منصوبہ (۸۳-۱۹۷۸ء) کے دوران شروع کئے جائیں اور یہ بھی امید کی جاتی ہے کہ تمام موضع جات کو ملانے کے نشانہ کو مکمل کیا جا سکے۔

ایم۔ این۔ پی کے پنج سالہ منصوبہ کیلئے (۸۳-۱۹۷۸ء) کے تبدیل شدہ رہنما اصولوں کے تحت تمام موضع جات جن کی آبادی ۱۵۰۰ سے زائد ہے اور ایسے موضع جات جن کی آبادی ۱۰۰۰ سے ۱۵۰۰ کے قریب ہے ان کے ۵۰% کو ہر موسمی سڑکوں سے جوڑا جانے کی تجویز ہے۔ سرکار کے ذریعے دیہی سڑکوں کے پروگرام کو جاری کرنے کے بعد اقل ترین سڑکوں کے تبدیل شدہ قومی پروگرام کو مکمل کرنے کی امیدیں بہت زیادہ روشن ہیں۔ ••

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

بچوں سے محبت کرے اور انھیں سمجھے۔ بچوں کی غذائی، طبی اور لباس کی ضرورت کو پورا کرے۔ اس کی تعلیم کا انتظام کرے۔ اگر محتاج ہو تو اسے ایسے اداروں سے رجوع کرے جو اس کی کفالت کر سکیں۔ اسے سماج کا ذمہ دار شہری بننے کے لئے اخوت، محبت، بھائی چارہ اور امن کی فضا میں تربیت پانے کا موقع دے۔ اور یہ تمام حقوق بلا امتیاز مذہب و ملت اور رنگ و نسل تمام بچوں کو یکساں طور پر حاصل ہوں ■■

• نذیر بنارسی
پانڈے حویلی، وارانسی

جیون بیری

بے موت نہ جانے کتنوں کو اس لال پری نے مارا ہے
مورکھ نہ جلا جیون سمپت، مدرا نہیں اگنی دھارا ہے
جو بوند ہے اِک چنگاری ہے جو گھونٹ ہے اِک انگارا ہے

جو زہر میں خود ہی ڈوبی ہو وہ تجھ کو بچانا کیا جانے
ہر موج ہلاہل ہو جس کی مُردے کو جلانا کیا جانے
جو آگ لگا دے پانی میں وہ آگ بجھانا کیا جانے

بوتل سے نکل کر شیشے تک لہراتی ہوئی بل کھاتی ہے
شیشے سے جو لب تک آتی ہے دُلہن کی طرح شرماتی ہے
پر کنٹھ تلے جب جاتی ہے جاتے ہی چھری بن جاتی ہے

بے کیف جما ہی آتی ہے ہر زخم ہرا ہو جاتا ہے
جب چڑھ کے اُترتی ہے ظالم جی اور بُرا ہو جاتا ہے
غم دُور تو اس سے کیا ہوگا غم اور سوا ہو جاتا ہے

یہ دوست نہیں ہے دشمن ہے جوگن یہ نہیں ہے پاپن ہے
لالی یہ نہیں ہے اوشا کی، شیشے میں گلابی ڈائن ہے
بھاگ اس سے یہ تجھ کو ڈس لے گی جو لہر ہے اس کی ناگن ہے

تو ہاتھ میں لے کر پیمانہ کیا سوچ رہا ہے پھوڑ بھی دے
یہ ہے ترے جیون کا بیری اس بیری سے ناتا توڑ بھی دے
دشمن کے بھروسے کیا جینا کیوں پیتا ہے پینا چھوڑ بھی دے

خوش مست بنانے کی خاطر مست آنکھوں کے ڈورے کیا کم ہیں
ٹھکرا دے نذیر اس مدرا کو وہ سانورے گورے کیا کم ہیں
پیمانہ ہٹا دے پینے کو وہ نین کٹورے کیا کم ہیں

• چندر موہن شفق

غزل

چندر موہن جی کچھ تو بولو ایسا بھی چپ رہنا کیا
رو لو، جی ہلکا ہو جائے ہنس ہنس کے دکھ سہنا کیا

لوگ یوں تکتے ہیں چہرے کو جیسے ہم دیوانے ہوں
اپنے ہی جب ہمیں نہ سمجھے، غیروں سے پھر کہنا کیا

بھوک سے انساں مر جاتا ہے بھیک سے عزت مرتی ہے
جس بستی نے دُھتکارا ہو اس بستی میں رہنا کیا

آنسو ہوں تو پی بھی جاتے آنسو بھی اب پاس نہیں
وہ ندیا جو سوکھ چلی ہو، اُس ندیا کا بہنا کیا

چند ہی لفظوں میں تم نے جو کچھ بیت گئی کہہ ڈالی
لوگ غزل کے ماہر ہوں گے ایسی غزل کا کہنا کیا

گیت غزل

• ڈاکٹر جاوید وششٹ
شعبۂ اردو، ڈاکٹر ذاکر حسین کالج، دہلی

دل میں اُمنڈی درد کی گنگا، آنکھوں نے اشنان کیا
گاگر چھلکی پیار کے پنگھٹ، پردیسی نے مان کیا!

سونا سونا من کا آنگن، اُجڑا اُجڑا دل کا دیس
اِس بستی سے جاکر ان نے بستی کو ویران کیا!

پردیسی کی یاد میں روئے ساون بھادوں مِل مل کر
چھیڑا میگھ ملار کسی نے برہا کا گُن گان کیا!

ندیا گہری سوچ میں ڈوبی، کچا گھڑا تھا ڈوب گیا
پریمی ڈوبے، ڈوب کے اُبھرے، دنیا نے سمّان کیا!

ہم تو جوگی پریم نگر کے مُلکوں مُلکوں گھومے ہیں
ہم نے ٹھنڈی چھاؤں بیٹھ کر رُوپ نگر کا دھیان کیا!

پیاسا پنگھٹ پردیسی بن، پیاسی گاگر پیاسے نین
جانے کیوں اس نِرموہی[1] نے بھُول سا من پاشان[2] کیا!

[1] بے مہر [2] پتھر

گیت بسنتی رُت نے چھیڑے، سرسوں پھُولی آنکھوں میں
رادھا نے مُرلی دُھن سنکر، مُرلی دھر کا دھیان کیا!

پیار کے البیلے موسم میں، میت مِلن کی بیلا میں
برہن کی پیاسی آنکھوں نے رُوپ کا امرت پان[1] کیا

[1] پیا

دل ٹوٹے ہی دل بنتا ہے، ٹوٹے دل کا سوگ بھی کیا
تم نے توڑ دیا دل میرا، اچھا کیا، اِحسان کیا!

اُن کا درد بسائے دل میں بیٹھے ہیں دیوانے سے
سچ یہ ہے جاوید کہ ہم نے جینے کا سامان کیا

• غنی اعجاز کولوی

یہ کرشمہ غمِ عشق ہے کہ دِلوں کو جس نے جِلا دیا
یہی زندگی جو عذاب تھی اُسے سازگار بنا دیا

رہِ زیست میں تھے قدم قدم، کئی امتحاں کئی پیچ و خم
انہی مشکلوں نے تری قسم، مرے حوصلوں کو بڑھا دیا

یہاں موت کیا ہے حیات کیا، یہاں فرد کیا یہاں ذات کیا
کبھی بیخودی نے ہنسا دیا، کبھی آگہی نے رُلا دیا!

کہیں آنسوؤں کے چراغ ہیں، کہیں زخم ہیں کہیں داغ ہیں
غمِ یار ہے کہ بہار ہے کہ روِش روِش کو سجا دیا

یہ تو اپنے ظرف کی بات ہے، ہمیں زہر آبِ حیات ہے
بڑے شوق سے اُسے پی گئے وہ جو ہنس کے تو نے پلا دیا

گو متاعِ جاں بڑی چیز تھی، یہ خوشی بھی تیری عزیز تھی
یہ نہ پوچھ کتنا سرور تھا، سرِ دار سر جو کٹا دیا!

• ایم۔ آئی ساجد
ایم۔ اے بی ایڈ ریسرچ اسکالر
کھامگاؤں

بری آنکھوں سے وفاؤں کو چُرانے والا
ود بھی روئے گا مرے ساتھ رُلانے والا

میرے اندر ہی کہیں لاش کی صورت میں پڑا
لحظہ لحظہ وہ مرے دل میں سمانے والا

ٹ جائے گا کسی روز کھلونے کی طرح
داب شیشے کی نگاہوں سے چُرانے والا

اشک بنتے ہیں گہر درد نکھر جائے اگر
کوئی محسن تو ملے زخم لگانے والا

بری چاہت کو سرِ عام کرے گا نیلام
برا کردار بنائے گا فسانے والا

وقت آیا تو چڑھائے گا مجھے بھی سولی
دار کرنے سے نہ چوکے گا زمانے والا

ی صورت کو ترس جائیگا وہ بھی اِکدن
لمس شیشے کی دکانوں سے چُرانے والا

جانے کیا مانگتا رہتا ہے دُعائیں ساجد
مجھ کو احساس کی سولی پہ چڑھانے والا

• صفدر
ورُود۔ امراؤتی

چاہت کا اسیر ہو گیا ہوں
یعنی بے نظیر ہو گیا ہوں

سوچوں کے حصار میں کھڑا ہوں
ماتھے کی لکیر ہو گیا ہوں

مت اپنائیت جتاؤ بھائی
اب روشن ضمیر ہو گیا ہوں

اپنی کرنیں سمیٹتا ہوں
ہاں وقتِ اخیر ہو گیا ہوں

میں سمجھوں حقیر ہے یہ دنیا
تم سوچو فقیر ہو گیا ہوں

• ن۔ا۔ ناظر
۱۲۷، مولانا آزاد روڈ
بمبئی۔ ۴۰۰۰۰۸

اُمید کی تابندہ کرن ڈھونڈ رہا ہوں
میں زیست کے صحرا میں چمن ڈھونڈ رہا ہوں

ہر لمحہ نئی موت، نئی زندگی لے کر
بکھرے ہوئے خوابوں کا وطن ڈھونڈ رہا ہوں

اِک شہرِ طلسمات کو آنکھوں میں بسا کر
میں خود کو بہ ہر دشت و دمن ڈھونڈ رہا ہوں

اُتری تھی مجھے لے کے جو رنگوں کے جہاں میں
میں آج وہ گُم گشتہ تھکن ڈھونڈ رہا ہوں

اِک خوف کی بجلی مری رگ رگ میں رواں ہے
جو مجھ کو سکوں دے وہ گگن ڈھونڈ رہا ہوں

اِک رقصِ طرب بزمِ تمنا میں ہے اے دوست
میں نغمۂ مستیٔ بدن ڈھونڈ رہا ہوں

جو تیرگیٔ دل کو منور کرے ناظر!
ہر لحظہ وہی گوہرِ فن ڈھونڈ رہا ہوں

• عبدالسمیع بوبیرے

امرت بانی

مہاتما گاندھی ریسرچ سینٹر، تحقیق کے میدان میں آج بھی اپنی انفرادیت کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ملک کے بیشتر علمی و تحقیقی مراکز میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ مذکورہ ادارے کے ریسرچ ڈائرکٹر، ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے اپنے سینٹر کے بنیادی مقصد "ہندوستانی زبان" اور لسانیاتی تجربے پر بڑا کام کیا ہے اور اس ادارہ کے ابلاغ و تبلیغ میں وقیع اہمیت کا تحقیقی مواد محققین کے سامنے لاتے رہتے ہیں۔

"امرت بانی"، مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر کے یادگار سلی کیشنز سیریز کا آٹھواں حصہ ہے۔ جسے ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے محنت سے مرتب کیا ہے۔

ہندوستانی رنگ کی شاعری کے اس انتخاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ غزلیں، دوسرا حصہ نظمیں، گیت اور بھجن، تیسرا حصہ دوہے، رباعیاں، چوپدے، چوتھا حصہ ٹپنیاں، شبداولی اور آخری حصہ تعارف پر مشتمل ہے۔ مرتب کا مقدمہ۔ ہندوستانی زبان کیا ہے؟ گاندھی جی کے ذہن میں ہندوستانی زبان کا نظریہ کیا تھا، ہندی اردو کے لسانی رشتے، دونوں زبانوں کی مشکل ہندی اور ایسے کئی موضوعات پر محیط ہے۔ مقدمہ اس قدر معلوماتی اور دلچسپ ہے کہ ایک عام قاری بھی ان مسائل کے سمجھنے کا شعور پالے گا۔ آسان اور عام فہم زبان میں دلوی صاحب نے پیش کیا ہے۔

مرتب کے مطابق "اردو اور ہندی شاعروں کے یہاں سے ہندوستانی شاعری کا یہ سنکلن تیار کرتے وقت خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں جہاں تک ہو سکے ایسی کویتائیں اور غزلیں ہوں جو ملی جلی ہندی اور اردو کا نمونہ ہوں اور اس گنگا جمنی زبان کا نمونہ پیش کریں جو گاندھی جی کے ہندوستانی کے نظریے کے مطابق ہوں۔"

ان الفاظ کی روشنی میں غزلوں، نظموں، گیت اور بھجن، دوہے، رباعیاں اور چوپدے پڑھنے ملیں گے۔ امیر خسرو سے لیکر آج کے زبیر رضوی تک اور چندر بھان برہمن سے لے کر دھرم ویر بھارتی تک آپ اچھا انتخاب پائیں گے۔ مختلف اصناف، مختلف ادوار میں اس رنگ میں ہندی اور اردو کے شعراء نے جو طبع آزمائی کی ہے، اردو میں اسے غالباً پہلی بار دلوی صاحب نے یکجا کیا ہے۔ اردو ہندی کے جھگڑوں میں پڑھنے والوں کو ہماری ان دو بڑی زبانوں کے متقدمین سے لے کر متاخرین کے کلام و پیام کو پڑھ کر خود بخود جواب مل جاتا ہے کہ شاعر، ادیب اور فنکار کسی ایک زبان، ایک خیال، ایک نظریہ یا ایک ہی خول میں محبوس نہیں رہتا۔ وہ آکاش کے سمان ہوتا ہے اور ہر وہ اچھی بات جو اس کی زبان، اس کے ادب، ماحول اور سماج کے لئے ہو، ریکارڈ کر لیتا ہے۔

مرتب نے ۸۶ شعراء اور ان کے کلام کے انتخاب اور تعارف پر محنت کی ہے۔ عام طور پر ایسے انتخاب میں اس قدر محنت کے باوجود بہت کچھ شامل ہونے سے رہ بھی جائے تو اسے کسی بھی صورت مرتب یا مصنف کی کوتاہی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ انسب ہوتا اگر مندرجہ ذیل شعراء اور ان کے علاوہ بھی اس ضمن میں مذکورہ انتخاب یا تذکرہ میں شامل کئے جاتے۔

شاد عظیم آبادی جنھوں نے "مستزاد" کے ضمن میں بڑا خوبصورت کلام کہا ہے ؎

رت بھری ساری ہری ڈالوں میں پھوٹی کونپل
ہو گئے پھول بھی پھل
... ...
کالی کالی وہ گھٹائیں وہ پپیہوں کی پکار
دھیمی دھیمی وہ پھوہار

انشاء نے بھی اسی رنگ میں کہا ہے ؎

میں پھاند کے دیوار جو کل رات نہ جاتی
(کنڈی نہ ہلاتی، جاگر نہ جگاتی، نیند آنکھوں نہ آتی،
جوبن کی وہ ماتی تیوری نہ ملاتی) ... ...

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں نے بیشتر نعتیں کہی ہیں۔ مذہبی عینک سے قطع نظر، انھوں نے جو نعتیں کہی ہیں وہ اعلیٰ زبان و ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔ اگر امیر خسرو کا فارسی ہندی رنگ اس مجموعہ میں شامل ہے تو حضرت احمد رضا کا عربی، فارسی، ہندوستانی (اردو یا ہندی؟) کا حسین ملا جلا امتزاج شامل

ب ہوتا تو لطف دوبالا ہوتا ؎
لَمْ یَأْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثلِ تو نہ شُد پیدا جانا[1]
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دُوسرا جانا
اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰے، من بیکس و طوفاں ہوشربا[2]
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیّا پار لگا جانا

... ...

بس خامۂ خامِ نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادِ احبّا ناطِق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا!

مقطع میں شاعر نے وضاحت کی ہے اور اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے
ح نعت کہی۔

متاخرین میں اگر زبیرؔ رضوی شامل ہیں تو اس میدان کے ایک اور جانے
نے بیکلؔ اتساہی بھی ہیں۔ بیکلؔ نے اِس طرز میں بہت کچھ لکھا ہے اور
تے رہتے ہیں۔

حضرتِ جوشؔ ملسیانی، عرشؔ ملسیانی، ڈاکٹر صفدر آہؔ، زیب النساء زیبؔ،
در پرشاد منورؔ لکھنوی، ساغرؔ نظامی، نازشؔ پرتاب گڈھی، کالیداس گپتا رضاؔ
ن موہن، سلیمان خطیبؔ، نصرؔ قریشی، شرفؔ کمالی اور بیشتر نام اس
میں آسکتے ہیں اور ان کے کلام کا انتخاب بھی مل سکتا ہے۔ انتخاب کلام
یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ماخذوں کے لئے زیادہ تر کتابوں یا دواوین سے
دہ کیا گیا۔ اگر رسائل و جرائد سے بھی انتخاب کیا جائے تو ایک اور حصہ
مرتب ہوسکتا ہے۔

ہم "اَمرت بانی" کی اشاعت پر اس کے مُرتّب ڈاکٹر عبدالستار دلوی
بارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ اس سیریز میں ایک
تخاب اس قدر ضخیم نہ سہی ضرور پیش کریں گے تاکہ بعد کے آنیوالوں
ی کیا CONTRIBUTION اس ضمن میں رہا ہے، وہ بھی ہمارے
ادب کی دستاویز میں ریکارڈ ہوسکے۔

مرتّب : ڈاکٹر عبدالستار دلوی

ناشِر : مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، ہندوستانی پرچار سبھا، بمبئی ۲

قیمت : بیس۲۰ روپے

---

[1] پیغمبر اسلام حضور محمدؐ کا نظیر کسی کو نظر نہ آیا۔
[2] سمندر اونچا ہوا اور موجیں طغیانی پر ہیں۔

قوتِ یادداشت

اُسے کیسے تیز کیا جائے؟

آپ نے خود بھی اکثر کہا ہوگا اور دوسروں سے بھی سُنا ہوگا کہ 'قوتِ حافظہ خراب ہوگئی ہے۔ کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی'۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کے ساتھ ساتھ قوتِ حافظہ بھی کمزور پڑنے لگتی ہے لیکن کیا ہم جانتے ہیں کہ قوتِ حافظہ یا قوتِ یادداشت ہے کیا؟

قوتِ حافظہ وہ طاقت ہے جس کے ذریعے ہم بہت سے خیالوں، نظریوں اور یادداشتوں کو اپنے دماغ میں روک سکتے ہیں یا ضرورت پڑنے پر انھیں پھر سے یاد کرسکتے ہیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کچھ باتیں فوراً یاد آجاتی ہیں اور کچھ ایک کو یاد کرنے کے لئے دماغ پر بہت زیادہ زور دینا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بات طبّی اعتبار سے ثابت ہوچکی ہے کہ انسان کی زندگی کا ہر واقعہ، ہر تجربہ، دماغ کے کسی نہ کسی کونے میں مستقل طور سے ریکارڈ ہوجاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ بہت سے واقعات، فوری طور سے زندگی میں پیش آتے ہیں اور وہ دماغ میں رُکی ہوئی پہلی یادداشتوں کو دُھندلا کر دیتے ہیں، بلکہ بعض اوقات پوری طرح مٹا ڈالتے ہیں، لیکن یہی بھُولی ہوئی باتیں ماہرِ نفسیات ہمارے دماغوں میں پھر سے ہپناٹائز کرکے زندہ کر دیتے ہیں۔

دماغ کے آپریشن سے قوتِ یادداشت کے بارے میں کچھ باتوں کا پتا چلا ہے۔ مثال کے طور پر جن لوگوں کے دماغ میں کوئی رسولی یا پھوڑا اُبھر رہا ہو تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ تازہ واقعات کو بھی تیزی سے بھولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح بڑھاپے میں رگ پٹھوں میں سختی آنا شروع ہوجاتی ہے جس سے خون کی روانی میں فرق پڑتا ہے اور اس کا آخری اثر قوتِ حافظہ پر پڑتا ہے۔

یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ انسانی زندگی میں ہونے والا ہر تجربہ، بجلی کی ایک چمک کی طرح ہے جو ہمارے دماغ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ایک دوسرے کے اوپر تہہ بہ تہہ جمتی رہتی ہیں اور جب بھی ہمیں ضرورت پڑتی ہے، کوشش کرکے اس کو اوپر لے آتے ہیں اور اسی کا نام ہے قوتِ حافظہ۔ اس قوتِ حافظہ کا ہر فرد کی شخصیت کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کامیاب انسان وہی ہوتا ہے جو آسانی سے اپنی زندگی میں تہہ رکھی ہوئی ان بجلی کے تاروں یعنی زندگی کے تجربوں کو پھر سے اور آسانی سے زندہ کرسکیں۔

●●

۲۰ر اپریل ۱۹۷۹ء کو 'ایوانِ غالب' دہلی کے ایک شاندار جلسہ میں وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی نے اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کو انعامات تقسیم کئے۔ زیرِ نظر تصویر میں آپ، شری سکندر علی وجد کو شاعری کا انعام برائے ۱۹۷۶ء پیش کر رہے ہیں۔ درمیان میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری شری یونس سلیم (ایم۔پی) بھی دیکھے جا سکتے ہیں

"بہترین کامگار بہبود العام" اسکیم کے تحت یکم مئی ۱۹۷۹ء کو بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں گورنر شری صادق علی، ریاست کے بہترین ورکروں میں سے ایک کو انعام دیتے ہوئے۔ تصویر میں ڈاکٹر اشتحق جمخانہ والا، وزیرِ مملکت برائے محنت بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ریاستی حکومت کی جانب سے بھارت کے بہترین اوپننگ کرکٹ کھلاڑی، شری سنیل گاوسکر کو بمبئی کے وانکھیڈے اسٹیڈیم میں ۱۶ر اپریل ۱۹۷۹ء کو منعقدہ ایک تقریب میں 'مان پتر' دیا گیا۔ زیرِ نظر تصویر میں ــــ شری سدانند وردے، وزیرِ تعلیم شری سنیل گاوسکر کو 'مان پتر' پیش کر رہے ہیں۔

مہاتما گوتم بدھ کے ۲۵۲۳ ویں جنم دن
کے موقع پر گورنر مہاراشٹر شری صادق علی، ڈاکٹر
باباصاحب امبیڈکر اور مہاتما بدھ کے مجسموں
کے سامنے موم بتی جلاتے ہوئے۔ یہ تقریب ۱۲؍
مئی کو ڈاکٹر بی۔ آر امبیڈکر کالج آف کامرس اینڈ
ایکونومکس، وڈالا، بمبئی کی جانب سے منعقد کی گئی
تھی۔ زیر نظر تصویر میں جسٹس شری آر۔ آر بھولے
اور پرنسپل شری آر۔ پی نائٹھ بھی دیکھے جاسکتے ہیں
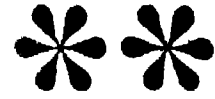
ارانسٹر سکریٹریٹ کلاس فورتھ امپلائز کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹی لمٹیڈ کی
ن جوبلی تقریبات، ۱؍ مئی کو شانمکھانند ہال، کنگ سرکل، بمبئی میں منائی گئیں
تصویر میں شری جگناتھ راؤ جادھو، وزیر برائے پبلک ورکس، اس موقع پر نکالے
ایک سوئنیر کا اجراء فرما رہے ہیں۔ دائیں جانب صدر جلسہ مشہور مراٹھی مصنف
ی ایس۔ این نوارے دیکھے جاسکتے ہیں۔

بھارت کے نامور کرکٹ کھلاڑی شری
چندو بورڈے کی امداد کے لئے کولہاپور میں
۴؍ مئی سے ۶؍ مئی ۱۹۷۹ء تک ایک کرکٹ
میچ کھیلا گیا تھا۔ بائیں جانب کی تصویر
میں شری شریپت راؤ بوندرے، وزیر
مملکت برائے زراعت، میچ کے اختتام
پر ایک سوئنیر کا اجراء کر رہے ہیں۔
وزیر موصوف کے دائیں جانب شری
چندو بورڈے کھڑے ہوئے ہیں۔ دائیں
جانب کی تصویر میں شری بورڈے ۷۵،۰۰۰
روپے کا چیک شری آر۔ ایم پریم کمار، کلکٹر
کولہاپور کے ہاتھوں وصول کر رہے ہیں۔

مراٹھی بھاشا نیائے نرملن پریشد ریاست کے ڈائرکٹوریٹ جنرل برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ کے دادر انفارمیشن سینٹر اور ممبئی مراٹھی گرانتھالیہ کے اشتراک سے یکم مئی کو نائیگام ممبئی میں مراٹھی زبان کی سائنسی کتابوں کی ایک نمائش منعقد کی گئی۔ شری سدانند ورد ے۔ وزیر تعلیم (بائیں سے تیسرے) جنھوں نے نمائش کا افتتاح کیا، کتابوں کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔ بائیں سے پہ شری موہن پاٹل، چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ جنرل اطلاعات و رابطۂ عامہ نظر آ رہے ہیں۔

کے سی کالج کے جشنِ سیمیں کے موقع پر شری بھائی دیدبہ، وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ، پروفیسر کمد نانی کو یادگار پیش کرتے ہوئے، کالج سابق طلبہ کی انجمن کے صدر پروفیسر وی مہادیون مہمانوں کا استقبال کیا اور جناب محمد آفتاب (ا ی۔ ایم) نے کالج کی سلور جوبلی تقریب پر شری دیدبہ اور شری شیواجی راؤ پاٹل کی شرکت پر مسرت کا اظہار کیا۔

شری سوشیل کمار شندے، وزیر برائے محنت حکومت مہاراشٹر نے بھاتما پھلے مارکیٹ (کرافورڈ مارکیٹ) میں "چک ویز کولڈ اسٹوریج" کا افتتاح کیا

زیر نظر تصویر میں شری سوشیل کمار شندے کے ساتھ شری شیواجی راؤ پاٹل اور چک ویز کولڈ اسٹوریج کے شری محمد آفتاب بھی دیکھے جا سکتے ہیں

پچھلے دنوں رنگ بھون، بمبئی میں معین آدیبی صاحب کے مجموعۂ کلام "آواز" کا رسمِ اجراء ہوا۔ اس موقع پر ایک آل انڈیا مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا۔
زیرِ نظر تصویر میں صدرِ مشاعرہ جناب ادیب مالیگانوی اور مہمانِ خصوصی خواجہ عبدالغفور صاحب دیکھے جا سکتے ہیں۔

اپریل ۱۹۷۹ء کو الماطیفی ہال میں "نوائے اُردو" کے رسمِ اجراء کے
ع پر شری ایس ایس ورد ے وزیر تعلیم
مت مہاراشٹر، معروف شریفی صاحب کی خدمت میں ان کی تخلیق
ایک جلد پیش کر رہے ہیں۔

***

گاندھین اسٹیڈی گروپ، نئی دہلی کے زیر اہتمام: پچھلے دنوں ایک آل انڈیا تحریری مقابلہ "گاندھی جی اور جمہوریت" کے عنوان سے تین زبانوں انگریزی، ہندی اور اُردو میں منعقد ہوا۔ گاندھی جینتی کے موقع پر ڈاکٹر پریم این کرپال، ایگزیکیٹو پریسیڈنٹ آف یونیسکو (UNESCO) نیویارک کے ہاتھوں وائی. ایم. سی. اے ہوسٹل کے آڈیٹوریم نئی دہلی میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ انجمن گرلز ہائی اسکول بمبئی کی طالبہ سیدہ مہ جبین فرزند علی کو نقد انعام کے علاوہ گاندھی میڈل اور میرٹ سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ زیرِ نظر تصویر میں ڈاکٹر این. کرپال اور شری پریم چند ملہوترہ (چیرمین گاندھین اسٹیڈی گروپ) دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۱ مئی کو وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی ٹرامبے سانتا کروز ائیرپورٹ پر آمد کے موقع پر لی گئی ایک تصویر۔ گورنر شری صادق علی اور وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے وزیر اعظم کا استقبال کیا۔ دائیں سرے پر حکومت مہاراشٹر کے چیف سکریٹری شری پی۔ ڈی کسبیکر بھی نظر آرہے ہیں۔ وزارت عظمیٰ سنبھالنے کے بعد پہلی دفعہ وزیر اعظم نے بھابھا اٹومک سینٹر کا دورہ کیا اور ادارہ کی خدمات کی تعریف کی۔

بڑھتی ہوئی آبادی جمہوریت کے لئے خطرہ — گورنر

ملک کے جمہوری پس منظر کی روشنی میں بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلہ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ دھماکہ خیز بڑھتی ہوئی آبادی کے تحت ہر ایک کی ضروریات کو پورا کرنا ناممکن ہے۔ اس طرح جمہوریت کی بقا کو بھی نقصان پہنچتا ہے اس بات کا اظہار شری صادق علی، گورنر مہاراشٹر نے خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق غیر سرکاری امدادی ادارہ جات کی کانفرنس کو بمبئی میں ۲۲ مئی کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ شری ربی رے، مرکزی وزیر صحت و خاندانی بہبود نے کانفرنس کا افتتاح کیا تھا۔

گورنر موصوف نے مزید فرمایا کہ پچھلے چند سالوں میں آزادی کے بعد سے خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کی عمل آوری پر سنجیدگی سے عمل درآمد نہیں کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ضلع پریشدوں، پنچایت سمیتیوں اور گرام پنچایتوں کو بھی اس پروگرام کی عمل آوری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔

دفتر کی منتقلی

بی ایم آر ڈی اے کے دفاتر نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ سے گرہا نرمان بھون، باندرہ (مشرقی) بمبئی ۴۰۰۰۵۱ میں منتقل ہو گئے ہیں، نئے ٹیلیفون نمبر یہ ہیں: ۵۳۹۷۷۶، ۵۳۹۷۷۸، ۵۳۹۷۷۰ اور ۵۳۹۷۶۱۔

راحت فنڈ کمیٹی کی از سر نو تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر محصول و آبادکاری کی صدارت میں بمبئی اسٹیٹ پرمننٹ فیمن ریلیف فنڈ کمیٹی کی از سر نو تشکیل کی ہے۔ وزیر مملکت برائے محصول و منصوبہ بندی اس کمیٹی کے نائب صدر ہیں۔

۲۹ فروری ۱۹۸۰ء تک قائم کمیٹی کے دیگر ممبران یہ ہیں:

شری آر۔ ایس گوائی، چیرمین، مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل، شری شیوراج پاٹل، اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی، سکریٹری (1) محکمۂ محصول و جنگلات، سکریٹری محکمۂ زراعت امداد باہمی اور سکریٹری محکمۂ پبلک ورکس و ہاؤسنگ۔

نیا کمرشیل کامپلیکس

باندرہ۔ کرلا کامپلیکس کے گرہا نرمان بھون میں واقع چھ اہم سرکاری دفاتر کے ساتھ بمبئی میٹروپولیٹن ریجن ڈیولپمنٹ اتھارٹی اس کامپلیکس کو بمبئی عظمیٰ کے ایڈیشنل کمرشیل سینٹر کی شکل میں ترقی دینا چاہتی ہے۔

اس علاقے میں واقع دفاتر یہ ہیں:

بمبئی میٹروپولیٹن ریجن ڈیولپمنٹ اتھارٹی، بمبئی ہاؤسنگ اینڈ ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ، ریجنل پراویڈنٹ فنڈ کمشنر، کمشنر فار ڈرگ سینٹرل اینڈ مہاتما پھلے بیک ورڈ کلاس ویلفیئر کارپوریشن، سیلز ٹیکس ڈیپارٹمنٹ بھی اپنا دفتر اسی علاقہ میں تعمیر کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ بی۔ ایم۔ آر۔ ڈی۔ اے نے اپنے منصوبہ میں ٹیکسٹائل مارکیٹ کی جو گنجائش رکھی تھی اس پر بھی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ بی ایم آر ڈی اے اپنا دفتر باندرہ کے گرہا نرمان بھون میں منتقل کر چکا ہے۔

یکم جون کو مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے نئے تشکیل کردہ بورڈ کی میٹنگ سہیادری گیسٹ ہاؤس' ملبار ہل' بمبئی میں منعقد ہوئی۔ زیر نظر تصویر میں ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا' چیرمین اور وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ' محنت، اوقاف اور پروٹوکول' اراکین سے مخاطب ہیں۔ آپ کے بائیں طرف وزیر مملکت برائے ثقافتی امور شری دینانک راؤ پاٹل' شری شبنتو مادھو راؤ پاٹلڈی' شریمتی سلمیٰ صدیقی، شری خالد انصاری، شری [illegible] احمد خاں اور شری سردار عرفان۔ سامنے [illegible] سے ڈاکٹر عبدالستار دلوی، ڈاکٹر ظ انصاری [illegible] ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ، شری بشر نواز، [illegible] شبیر احمد راہی، شری ابراہیم [illegible] [illegible] دیکھے جا سکتے ہیں۔

اُردو اکادمی کی از سر نو تشکیل

حکومت مہاراشٹر نے وزیر مملکت برائے مکانات' محنت' اوقاف اور پروٹوکول ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا کی زیر صدارت اُردو اکادمی کی از سر نو تشکیل کی ہے۔ وزیر مملکت برائے صنعت و ثقافتی امور شری ونائیک راؤ پاٹل' اکادمی کے نائب صدر ہیں۔ بورڈ کے دیگر ممبران حسب ذیل ہیں :

شری علی سردار جعفری، شریمتی سلمیٰ صدیقی، ڈاکٹر ظ انصاری' شری خالد انصاری' شری انجم رومانی، شری حسن کمال، شری ساحر لدھیانوی' ڈاکٹر اے۔ ایم۔ جے دلوی' شری شبنتو مادھو راؤ پاگڈی، شری فضیل جعفری' شری پی۔ ایل دیشپانڈے، شری ودیا دھر گوکھلے۔ (سب بمبئی سے) ڈاکٹر این۔ ایس گورپکر، (تھانے) شری سید عارف (مالیگاؤں' ناسک) شری بشر نواز (اورنگ آباد) ڈاکٹر منشاء الرحمٰن منشاؔ (ناگپور) پروفیسر ایم۔ کے شاذ علی (ناندیڑ) شری شبیر احمد راہی (بھیونڈی) شری ابراہیم بسمل (اکولہ) شری نوراللہ خاں بسم اللہ خاں (ناندیڑ) پروفیسر ایم۔ این دادوان (سولاپور) شری خواجہ عبدالغفور بورڈ کے ممبر سکریٹری مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ بورڈ تین سال تک برسرکار رہے گا۔

اُردو اکادمی کے دفتر کی منتقلی

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کا دفتر منترالیہ سے منتقل ہو کر نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ ۱۸ واں منزلہ' مقابل منترالیہ' بمبئی ۴۰۰۰۳۲ میں آگیا ہے۔

بمبئی یونیورسٹی میں "اُردو چیئر" — ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا

"مہاراشٹر اُردو اکادمی' اُردو زبان کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی، تاکہ عوام کی توقعات کو پورا کیا جا سکے۔ خاص طور پر اُردو جاننے والوں کی توقعات کو جن کے لئے اکادمی کا قیام عمل میں آیا۔" اس بات کا اعلان شری اسحٰق جمخانہ والا' چیرمین ریاستی اُردو اکادمی اور وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ محنت، اوقاف اور پروٹوکول نے از سر نو تشکیل کردہ اُردو اکادمی بورڈ کے افتتاحی جلسہ میں جو کہ یکم جون کو سہیادری گیسٹ ہاؤس (بمبئی) میں منعقد ہوا تھا، کیا۔

اُردو اکادمی کے کام کاج سے متعلق بعض افراد کی شکایتوں کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر جمخانہ والا نے فرمایا کہ تعمیری تنقید کو ہمیشہ سراہا جائے گا جبکہ ذاتی مفادات کو اکادمی میں کوئی جگہ نہیں دی جائے گی۔

وزیر موصوف نے مزید فرمایا کہ شری شرد پوار' وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے ریاست میں اُردو کی ترقی کے لئے مکمل تعاون کی یقین دہانی کی ہے۔ ڈاکٹر جمخانہ والا نے کہا کہ اکادمی کی جانب سے بمبئی یونیورسٹی میں "اُردو چیئر" قائم کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

بورڈ کے ممبران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شری ونائیک راؤ پاٹل' اُردو اکادمی کے وائس چیرمین اور وزیر مملکت برائے ثقافتی امور نے فرمایا کہ اُردو زبان ہماری مشترکہ تہذیب کا ورثہ ہے۔ اُردو کی ترقی کے سلسلہ میں ناگپور یونیورسٹی نے

اور اورنگ آباد کی یونیورسٹیوں میں بھی "اردو چیئر" قائم کرنے کے لئے کوشش کی جائے گی۔

شری خواجہ عبدالغفور، بورڈ کے ممبر سیکریٹری کے علاوہ شری علی سردار جعفری، شریمتی سلمیٰ صدیقی، ڈاکٹر ظ انصاری، شری خالد انصاری، شری انجم رومانی، شری حسن کمال، ڈاکٹر این۔ ایس گوریکر، شری ساحر لدھیانوی، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، شری شیتو مادھو راؤ پاگڑی، شری فضیل جعفری، شری ودیا دھر گوکھلے، شری سید عارف، شری بشر نواز، ڈاکٹر منشا الرحمٰن خاں منشاء، پروفیسر ایم۔ کے شاذلی، شری شبیر احمد راہی، شری ابراہیم بسمل، شری نوراللہ خاں اور شری ایم۔ این ولدمان حاضر تھے۔

غیر قانونی تعمیرات کی روک تھام۔ سٹی کمشنر کو اختیارات

گورنر مہاراشٹر نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ بمبئی میونسپل کارپوریشن ایکٹ کے تلم ۳۵۲ اے کو از سرِ نو جاری کیا ہے تاکہ بمبئی عظمیٰ میں غیر قانونی تعمیرات کی کوششوں کی روک تھام کی جاسکے۔

سیکشن ۳۵۲ اے کی رو سے میونسپل کمشنر کو غیر قانونی تعمیرات کی روک تھام کے لئے مکمل اختیارات دیئے گئے ہیں۔

یہ حکمنامہ مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۵ رمئی کے حصۂ چہارم میں شائع کردیا گیا ہے۔

واپس آئے ہوئے تارکینِ وطن کے لئے کورس

برما، سری لنکا اور یوگنڈا وغیرہ سے پچھلے سالوں میں واپس آئے ہوئے ہندوستانی تارکین وطن میڈیکل / ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس / پری ڈینٹل کورس میں سال ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران داخلے کے لئے درخواستیں دینے کے اہل قرار دیئے گئے ہیں۔

اُمیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ کلکٹر یا ڈیسک افسر (آر-۳) محکمۂ محصول اور جنگلات، منترالیہ، بمبئی ۳۲ کے پتہ پر فوری طور سے درخواستیں بھیجنے کے لئے رجوع کریں۔

شری پھڈنویس سیاحت کے نئے ڈائرکٹر

شری این۔ کے پھڈنویس، آئی۔ اے۔ ایس، بطور ڈائرکٹر برائے ٹورزم (سیاحت) حکومت مہاراشٹر نیز ڈپٹی مینجنگ ڈائرکٹر برائے مہاراشٹر ٹورزم ڈیولپمنٹ کارپوریشن مقرر کئے گئے ہیں۔ اس سے قبل موصوف ڈپٹی کمشنر سیلس ٹیکس (نفاذ) بمبئی کے عہدے پر تھے۔

شری پھڈنویس نے یہ چارج شری ایم۔ بی چوبے سے لیا، جن کا تبادلہ ناگپور میں بطور ڈپٹی ڈائرکٹر آف لینڈ ریکارڈ کے کیا گیا ہے۔

زرعی اراضی مالکان کو مزید رعایت

حکومت مہاراشٹر کی جانب سے جاری کردہ مہاراشٹر اراضی محصول رعایت آرڈر بابت ۱۹۷۹ء کے تحت مندرجہ زرعی اراضی کے مالکان کو واجب الادا اراضی محصول سے متعلق مزید رعایت دی گئی ہے۔

یہ درجات یوں ہیں: (۱) ایسے اراضی مالکان جن کی کُل اراضی کسی بھی علاقہ میں تین ہیکٹر سے زائد نہ ہو، اور جس کا کوئی بھی حصہ زیر آبپاشی (کسی بھی قسم) نہیں آتا ہو (۲) ایسے اراضی مالکان جن کے ذمے زرعی اراضی محصول واجب الادا ہے، اور باقی ماندہ شرائط باقی رکھتے ہوئے سال برائے ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران یا محصول سالوں کے بعد ۵ روپے اور ۱۰ روپے کے درمیان ہوگا۔

یہ رعایت کُل اراضی پر مقررہ پانچ روپے سے زائد محصول نہ دینے کی منظور کردہ رعایت کے علاوہ ہے۔

ایک کروڑ روپے کے وشوگنگا پروجیکٹ کا افتتاح

شری گووند راؤ اڈیک، وزیر آبپاشی نے ۷ رمئی کو ضلع بلڈانہ میں ایک کروڑ روپے کے وشوگنگا پروجیکٹ کا افتتاح کیا۔ اس موقعہ پر شری اڈیک نے فرمایا کہ پروجیکٹ کمانڈ علاقے میں پروجیکٹ سے متاثرہ افراد کے لئے اراضی کی تقسیم کے علاوہ محض ایک فصل میں پانی پر لیوی عائد کی جائے گی۔

شری شیواجی راؤ پاٹل، وزیر مملکت برائے آبپاشی نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے اور پروجیکٹ سے متاثرہ بے زمین افراد کو اس بات کا یقین دلایا کہ ان کی بازآبادکاری میں مدد کی جائے گی۔

منایا گیا۔ زیر نظر تصویر میں گورنر شری صادق علی، شیواجی پارک بمبئی میں پولیس اور ہوم گارڈز کی شاندار مشترکہ پریڈ میں سلامی لیتے ہوئے

پولیس پریڈ گراؤنڈ پونے میں منعقدہ پریڈ کی قابل ذکر خصوصیت پولیس کی نئی وردی تھی۔ اس تصویر میں شری بھائی وید، وزیر مملکت برائے امور داخلہ پریڈ کا معائنہ کر رہے ہیں
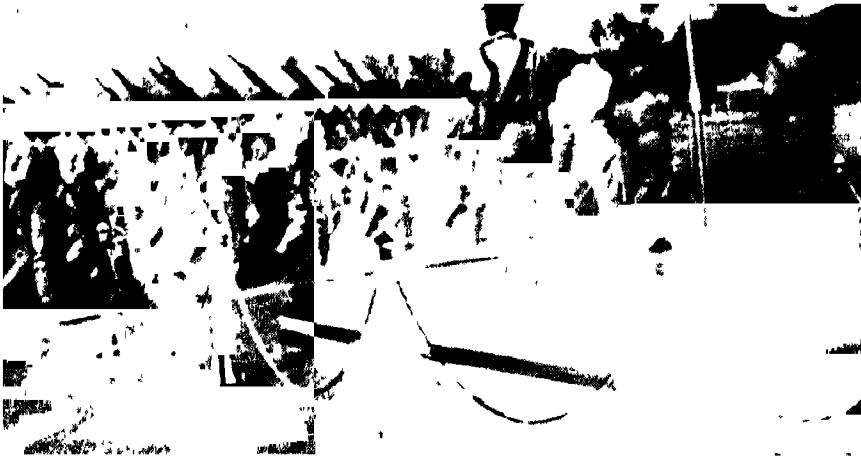
ڈاکٹر رامد بوگاڈیکر، وزیر مملکت برائے صحت عامہ اور رضامدانی پہود نے اورنگ آباد تقریب کے موقع پر قومی پرچم لہرایا۔

ناگپور میں شری دتا میگھے وزیر مملکت برائے اسلامیت و ملی یاور لے کستور چند پارک میدان پر پولیس اور ہوم گارڈس کی مشترکہ پریڈ میں گارڈ آف آنر ملاحظہ فرمایا۔
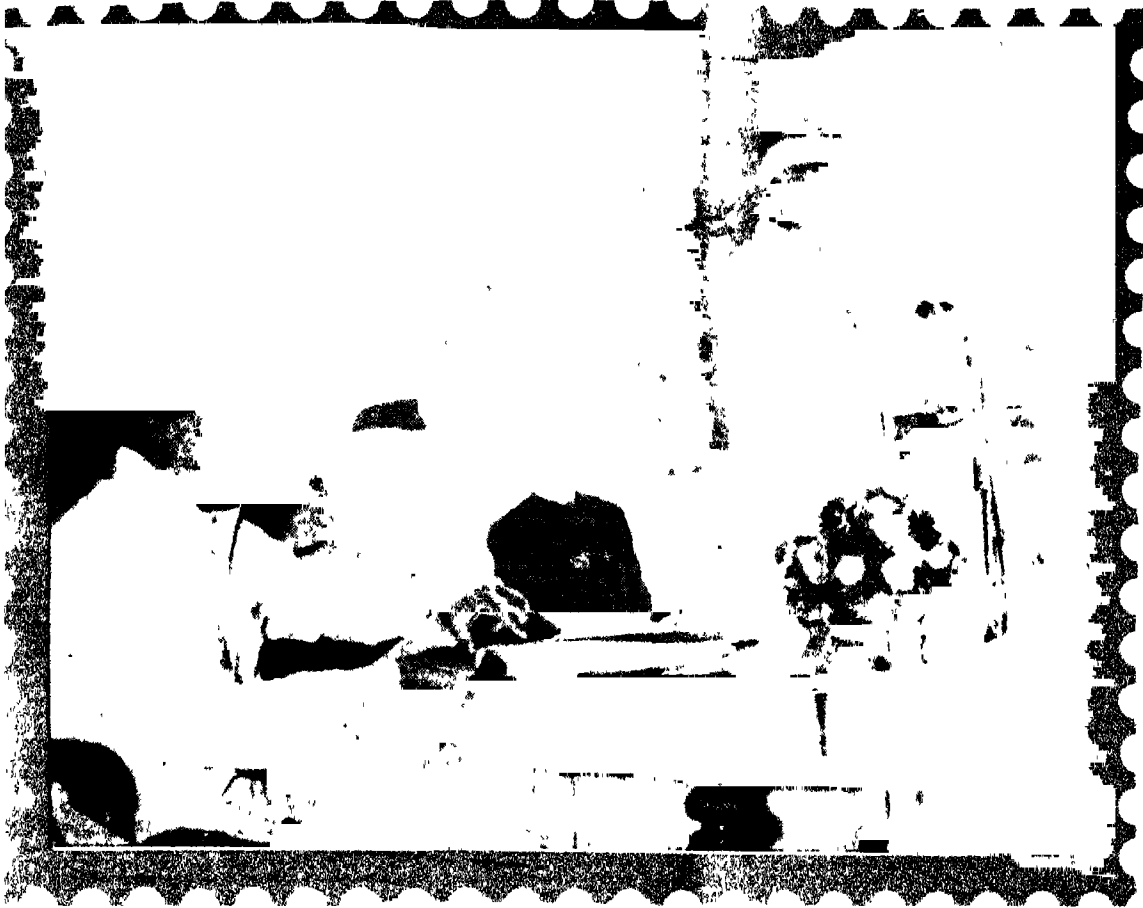
QAUMIRAJ: Regd. No. MH-BY South-544 *Li... e No. 89 for ' without prepayment of postage*

صدر ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی
نے یکم مئی ۱۹۷۹ء کو راشٹرپتی
بھون، نئی دہلی میں راجرسی
شاہو مہاراج کے اعزاز میں
'یادگاری ٹکٹ' کی رسم اجراء
فرمائی. شری وائی بی چوان
... پارلیمنٹ اور شری ایس
ڈی پاٹل وزیر برائے امداد باہمی
مہاراشٹر بھی زیر نظر تصویر میں
دیکھے جا سکتے ہیں ←

اسی دن یہ یادگاری ٹکٹ
ئی میں گورنر شری صادق علی
ر کولہاپور میں وزیر اعلیٰ شری شرد پوار
ے عام تقریبات میں جاری کرائے.
زیر نظر تصویر کولہاپور تقریب کے موقع
لی گئی تھی جس میں مرکزی وزیر زراعت
ری موہن دھاریہ اور وزیر مہاراشٹر
ائے محصول شری اتم راؤ پاٹل بھی
موجود ہے

قومی راج

- ☆ مہاراشٹر میں مویشی کی دیکھ بھال گھوڑوں سے شروعات ۔
- ☆ انسٹی ٹیوٹ آف ویٹرنیری بایولوجیکل پروڈکٹس
- ☆ علم بیطاری Animal Husbandry

Save Income Tax & Wealth Tax yet earn handsome interest

Invest in Public Provident Fund Scheme

Think of Small Savings Schemes when you think of Income-Tax benefits. These attractive Small Savings Schemes bring you a lot of completely tax-free income and many other benefits too. It is an assurance of financial support after retirement for professionals and self-employed people

- Your investment in Public Provident Fund Scheme qualifies for deduction from taxable income along with your savings in other approved forms
- You can invest anything between Rs 100/- and Rs. 20,000/- each year in instalments
- Deduction from taxable income can be availed for deposits made on behalf of wife/husband or minor children
- Interest earned on investment is totally exempt from income tax

This is in addition to the qualified annual limit of deduction of Rs 3000/-

- Amount standing to your credit in the fund is totally exempt from wealth tax over and above the limit of Rs 1·5 lakhs
- The condition that the assets must be held for a period of at least six months before the valuation date does not apply to the Public Provident Fund Scheme
- In the event of death the amount in the fund will be paid to legal nominee or heir
- You can take loan and withdraw upto limited extent
- The balance in your account is not subject to attachment under any order or decree of a Court in respect of any debt or any other liability incurred by you

For details contact
DIRECTOR OF SMALL SAVINGS
New Administrative Building, 8th floor, Opp Mantralaya Bombay 400 032 (TEL 232837)
NEAREST BRANCH OF THE STATE BANK OR
ASSISTANT DIRECTOR OF SMALL SAVINGS c/o District Collector

Issued by Directorate General of Information and Public Relations, Govt of Maharashtra, Mantralaya, Bombay 400 032.

قومی راج

جلد ۶ ؛ ۲۵ جون ۱۹۷۹ء ؛ شمارہ نمبر ۱۲

• ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے فی پرچہ: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

* *

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

سخنہائے گفتنی

مویشی ہماری قومی دولت کا ایک حصہ ہیں۔ ہمارے ملک جیسے ترقی پذیر ممالک بجائے ٹریکٹروں کے اپنے کھیتوں اور کھلیانوں میں مویشیوں سے کام لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری زراعت میں مویشیوں کی بڑی اہمیت ہے۔ مرکزی و صوبائی حکومتوں نے جس طرح انسانی بیماریوں کے انسداد کے لئے ضروری اقدام کئے ہیں جن کے تحت شفاخانے بنائے گئے ہیں، ہیلتھ سینٹر قائم کئے گئے ہیں اسی طرح مویشیوں کے لئے بھی دواخانے قائم کئے گئے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے مویشیوں کی بیماریوں پر تحقیق کا کام بھی مسلسل ہو رہا ہے جن سے مویشیوں کی صحت پر خاصہ اثر پڑتا ہے۔

قومی راج کے اس شمارے میں پرسنا کمار ابھینکر کا مضمون "مہاراشٹر میں مویشی کی دیکھ بھال" اور ڈاکٹر ایس۔پی۔ پھڈکے کا "علم بیطاری" پر ایک مضمون شریک اشاعت ہے۔ اسی کے ساتھ ڈاکٹر ایس۔وی بھاگوت کا مضمون "انسٹی ٹیوٹ آف وٹرنیری بایو لوجیکل پروڈکٹس" بھی قارئین کی معلومات کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

ادبی صفحات میں اس مرتبہ غزلوں کے ساتھ احمد صدیقی کا "نیند" پر ایک مقالہ اور ندا فاضلی کا "سمندر۔گیہوں اور دیواریں" شامل ہے۔ اپنی رائے بطور خاص تحریر فرماتے رہئے۔

ڈاکٹر عبدالغفور

سرورق پر۔

پونے کے قریب سن واڑے فارم پر مصنوعی طریقہ سے افزائش نسل کے لئے استعمال میں آنے والے دو بدیسی بیل۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ ۔ بمبئی ۳۲۔۔۴۰۰

نوٹ: زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر، روانہ فرمایئے، کوپن پر پورا نام پتہ ضرور تحریر فرمایئے ۔ وی۔ پی نہیں بھجوائی جاتی ہے۔

★ **نثار اختر انصاری** ۔ مومن پورہ چوک، ناگپور ۱۸

۱۵ اپریل ۱۹۷۹ء کا قومی راج، ۱۵ مئی کو موصول ہوا۔ شمارہ لاجواب تھا۔ "خبریں تصویروں میں" براہ کرم ناگپور شہر کو بھی جگہ دیا کریں، جو کہ مہاراشٹر کا دوسرا کیپٹل ہے۔ رفیق جعفر اور طرفہ قریشی نے شمارہ کو چار چاند لگا دیئے مہاراشٹر اسمبلی کے نئے ڈپٹی اسپیکر مسٹر سوریہ کانت ڈونگرے کا تعارف اگلے شمارہ میں ضرور کرائیں۔

۔۔۔ ○ ۔۔۔

★ عبدالحلیم [illegible] ۔ ۳۴۲، نیا پورہ، گلی [illegible]، مالیگاؤں

'قومی راج' نے ادھر مسلسل کئی نمبر شائع کئے۔ اقبال نمبر، جنگلی جانور نمبر، شراب بندی نمبر اور سور داس نمبر۔ مہاراشٹر کے اُردو ادب میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان موضوعات پر قومی راج نے اُردو میں بڑا اچھا CONTRIBUTION دیا ہے۔ مبارکباد قبول فرمایئے۔ خاص طور پر 'جنگلی جانور نمبر' تو اس قابل ہے کہ اسے اُردو ہی کے نہیں' دنیا کے مؤقر مصور جریدوں کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ 'جنگلی جانور نمبر' کے لئے خصوصی عرض ہے کہ ہمارے محلہ کی پڑھی لکھی خواتین نے اس حد تک پسند کیا، اور اتنے دن تک ہاتھوں ہاتھ رہا کہ رفتہ رفتہ "آب و تاب" سے محروم ہو گیا ہے۔ اگر دوبارہ ارسال فرما سکیں تو ممنونِ کرم ہوں گا۔

۱۰ اپریل کے شمارے میں مہاراشٹر کا تخمینۂ زر شائع کر کے آپ نے اہم گوشوں سے واقف کر دیا ہے۔ اسی شمارے میں سویا دودھ پر ڈاکٹر کوٹھاری کی کامیاب تحقیق سے متعلق مختصر مگر جامع مضمون پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ہمارے ملک میں بھی کس پائے کے لوگ موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ 'قومی راج' کا موجودہ انداز بڑا پیارا اور معلومات آفریں ہے۔

۔۔۔ ○ ۔۔۔

★ **غنی غازی** ۔ جنرل سکریٹری 'بزمِ اُردو ادب' پلگاؤں (ضلع وردھا)

۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء کا شمارہ ملا۔ اس کی خوشرنگ طباعت' دیدہ زیب کتابت، دلچسپ معلوماتی مضامین، دلکش تصاویر اور سالانہ بجٹ کی تفصیل نے واقعی خوب متاثر کیا۔ غزلیں تو رُوح کی گہرائیوں کو چھو گئیں' گویا رسالہ کو جس زاویئے سے دیکھئے خوب سے خوب تر اور صحافت کی نادر مثال ہے۔

کم صفحات میں سے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر کے سچ مچ آپ نے سمندر کو کوزے میں سمیٹ لیا ہے۔ خدا کرے جریدہ دن بدن ترقی کے مراحل تیزی سے طے کرے۔

۔۔۔ ○ ۔۔۔

★ **طرفہ قریشی**

معرفت عظیم بنگرا سٹورس' نزد لال اسکول' مومن پورہ، ناگپور ۱۸

"قومی راج" اب اپنی نوعیت اور معیار کو پورے ملک کی صحافت سے منوا کر رہے گا۔ ظاہری حسن کی بات نہیں بلکہ باطنی خصوصیات میں بھی وہ بہت کچھ کارآمد تبدیلیاں کر چکا ہے۔

وزیر مالیات شری ایس۔ بی چوان نے ایوانِ اسمبلی میں ریاستی بجٹ کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ مہاراشٹر کے غریب اور پچھڑے ہوئے طبقے کے لوگوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے واقعی مستحسن اقدام ہے۔ ڈاکٹر نایاب لکھنوی اور ڈاکٹر ضمیر مرطھی کی تخلیقات سے استفادہ کیا، قومی ترقیات کے سلسلہ میں وزیر اعلیٰ مہاراشٹر کی انٹرویو کہ ہر گوشہ جاندار اور حالات سامان ہے۔ ڈاکٹر کوٹھاری کے "سویا دودھ" سے پورے ملک کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ رفیق جعفر صاحب کا مضمون "ہماری زبان" نہ صرف اُردو زبان کی گذشتہ تاریخ کا اعادہ ہے بلکہ حال و مستقبل کے کئی خوابیدہ گوشوں کو بیدار کرتا ہے۔ "تو تو، میں میں" کتاب پر جو تبصرہ کیا گیا ہے اس کی [illegible]، اور اندازِ تحریر بہت پسند آئی۔

سالانہ بجٹ ۸۰-۱۹۷۹ء بابتہ صفحہ ۱۲ پر "پنشن یافتگان کو امداد" کے موضوع کے تحت جن مسلمات کو پیش کیا گیا ہے وہ پنشن یافتگان کے لئے واقعی بڑا سہارا ہیں لیکن مہاراشٹر میں کچھ ایسے بھی غیر سرکاری ثانوی مدارس ہیں جہاں کے مدرسین کی پنشن میں اضافہ تو دور کی بات یہاں غریب مدرسین کو ریٹائرڈ ہو جانے کے بعد پنشن ہی نہیں ملتی۔ راقم الحروف خود ایک نیم سرکاری، گرانٹ یافتہ اُردو پرائمری اسکول گانجہ کھیت، ناگپور کا صدر مدرس تھا جو ۴ مارچ ۱۹۷۳ء کو ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ ہے اور تا دمِ تحریر پنشن سے محروم ہے۔

۔۔۔ ○ ۔۔۔

★ اے۔ جی۔ شیخ

پوسٹل کلرک ۔ ایوت محل (مہاراشٹر)

۲۵ اپریل ۱۹۷۹ء کا شمارہ موصول ہوا۔ گذشتہ سال سے آپ کا رسالہ باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں' مگر جدید رنگ میں خاص طور سے اس شمارہ میں منظومات کا انداز ہی الگ پایا۔

اوج اعظمی نیز نیاز علی نیاز کا کلام بے حد پسند آیا۔ قومی راج کی ترقی کے لئے دعاگو ہوں۔

مہاراشٹر میں مویشی کی دیکھ بھال

گھوڑوں کی بدولت شروعات

• پرسنّا کمار ابھینکر

مہاراشٹر میں خاص طور پر غذا میں انواع اقسام کے مرغ مرغی و پرندے، تر و تازہ گوشت اور قوت بخش انڈے جیسی نعمتیں ہمیں 'انیمل ہسبنڈری' یعنی جانوروں کی دیکھ بھال کے شعبے کی باقاعدہ اور منظم کوششوں ہی کی وجہ سے میسّر آتی ہیں۔ اسی طرح اچھی دودھاری گائیں، بھینسیں، اچھی بھیڑ بکریاں، اعلیٰ نسل کے پرندوں اور جانوروں کی دستیابی، ان کے لئے غذا اور چارہ کی یقینی فراہمی نیز بیماریوں پر فوراً قابو پانے کے لئے انتظام بھی انیمل ہسبنڈری کی براہِ راست مساعی ہی کا نتیجہ ہیں۔ ان کاموں پر خاصی بڑی رقم صرف ہوتی ہے۔ ریاست میں ۷۸-۱۹۷۷ء کے صرف ایک سال کے لئے انیمل ہسبنڈری کی ضروریات کے واسطے ایک سو ملین روپیہ سے زائد رقم مختص کی گئی تھی۔ انیمل ہسبنڈری اب اس زمانے سے کافی آگے بڑھ چکی ہے جبکہ اُنیسویں صدی کی آخری دہائی سے کچھ قبل مقامی اداروں کی حوصلہ افزائی شروع کی گئی تھی تاکہ وہ ویٹرنری ڈسپنسریاں یعنی جانوروں کے علاج کے شفاخانے قائم کریں۔ انہیں ۴۰۰ روپئے سالانہ فی ڈسپنسری کے حساب سے رقم پیش کی گئی۔

شروعات: یہ بھی عجیب حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جہاں دنیا بھر کی کُل مویشی آبادی کا تہائی سے زیادہ حصہ ہے، مویشی اور نتیجتاً کسانوں کی حالتِ زار کے باعث نہیں بلکہ گھوڑ سوار فوج کے خیال سے اُس زمانہ کی حکومت نے پہلا قدم اُٹھایا، جس سے آگے چل کر 'انیمل ہسبنڈری' کے تحت موجودہ منصوبہ جات اور پروجیکٹ رونما ہوئے۔ اس طرح گھوڑوں کی بدولت اس کی شروعات ہوئی۔ ہندوستان میں سوار فوج اور سوار پولس دونوں کو ہی اچھے گھوڑے درکار تھے۔ اس طرح فوجی افسران کی براہ راست نگرانی میں گھوڑوں کی افزائشِ نسل کا کام جاری ہوا۔ سِول ویٹرنری ڈپارٹمنٹ قائم ہونے کے بعد بھی بیطاری کے علاوہ گھوڑوں کی افزائشِ نسل کا کام بھی اس کے ذمّے ہی رہا۔ ۱۸۸۶ء میں قائم

اوپر: گورنمنٹ شیپ بریڈنگ فارم [illegible] افزائشِ نسل کے لئے جمنا پاری بکری

درمیان: افزائشِ نسل کے لئے "میرینو" نسل کی بھیڑ۔

نیچے کھیت میں چرتے ہوئے کم عمر مویشی۔ انہیں ٹیکہ لگا کر بیماریوں سے محفوظ کیا جاتا ہے

صحت مند مویشی (درمیانی تصویر)۔ ان کی صحت کی حفاظت کے لئے (بائیں سرے کی تصویر) مویشیوں کے خون، پیشاب اور فضلہ کی جانچ کی جاتی ہے اور پھر انھیں ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ (دائیں سرے کی تصویر) یہ ٹیکہ انسٹی ٹیوٹ آف وٹرنری بایولوجیکل پروڈکٹس، پونے سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ہونے والے بمبئی وٹیرنری کالج کے پہلے پرنسپل بھی ایک فوجی افسر ہی تھے، حالانکہ حکومت ہند نے یہ منظور کرلیا تھا کہ بمبئی سول وٹیرنری ڈپارٹمنٹ گھوڑوں اور خچروں کی افزائش نسل کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوکر مویشیوں کی افزائش نسل اور علاج پر زیادہ توجہ دے سکے گا، پھر بھی ۱۹۲۳ء تک گھوڑوں کی افزائش نسل بیشتر انیمل ہسبنڈری ہی سے وابستہ رہی۔ وٹیرنری یعنی بیطاری شعبہ کو بھی پولس انسپکٹران کو دستوری ذمہ داریوں سے سبکدوش کرانے کے سلسلے میں بڑا انتظار کرنا پڑا جو واضح طور سے بیطاری ہی کے ضمن میں آتی ہیں۔
مہاراشٹر میں فوجی افسران سے منتقلی کے بعد بالآخر ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن اور ڈائرکٹر آف ایگریکلچر، انیمل ہسبنڈری آزادانہ طور پر برسر کار ہوئے۔

گو ابتداء میں یہ مقصد ہی پیش نظر تھا کہ سوار فوج کی ضروریات پوری کی جائیں تاہم اس وقت برطانوی ہند میں صوبہ بمبئی کی حکومت کی توجہ کے باعث بیطاری تعلیم اور مویشیوں کی بیماریوں کے اسباب اور ان کے تدارک کے سلسلے میں ریسرچ کا کام شروع کرنے میں زیادہ تاخیر نہ ہوئی۔

۱۸۸۹ء کے شروع ہی میں امپیریل بیکٹیریولوجیکل لیبوریٹری پونے میں قائم کی گئی۔ بعدازاں یہ ادارہ اترپردیش منتقل کردیا گیا جو فی الحال انڈین وٹیرنری ریسرچ انسٹی ٹیوشن کے نام سے مشہور ہے۔ اس لیبوریٹری کی سنگ مرمر کی تختی گنیش کھنڈ روڈ پر تھیبے پارک کے سامنے کالج آف انجنیئرنگ کے ہوسٹل کے احاطہ کی دیوار پر آج بھی نظر آتی ہے۔

مہاراشٹر میں ۱۹۷۲ء کی مویشی گنتی کے مطابق مویشی کی کل تعداد ۸۹۳، ۵۰، ۸۰، ۱ ہے۔ ان میں سے کھلار، دیونی، ڈانگلی اور گیلاؤ نسل کے مویشی کی تعداد ۰۰۰، ۷۱، ۱۱ ہے جن کی دودھ دینے کی قوت قلیل ہی ہے۔ مہاراشٹر میں گائے سے حاصل ہونے والے دودھ کی اوسطاً مقدار ۶۹۶ء لیٹر یومیہ ہے اور بھینس کے دودھ کی مقدار اوسطاً ۲ء۴۳۹ لیٹر یومیہ ہے۔ یہ مقدار اس سطح سے کافی کم ہے جبکہ دودھ کی مقدار کافی منافع بخش رہتی ہے۔

اصل مقاصد: فی الحال مویشی سدھار پروگرام کا اصل مقصد یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں موثر تبدیلی لائی جائے اور زیادہ تر دیسی قسم کو ڈیری مویشی بنایا جائے۔ اس طرح انیمل ہسبنڈری کا کام مویشی سدھار پروگرام اور مختلف دودھ اسکیمات کے درمیان رابطہ قائم کرنا ہے۔

مویشی سدھار پروگرام: ۱۹۶۵ء سے قبل مویشی سدھار پروگرام کے پیش نظر سرکاری مویشی افزائش نسل فارموں وغیرہ پر منتخب طریقے سے مقامی قسم کی نسل کی بڑھوتری کا کام تھا۔ ۱۹۶۵ء میں وسیع مویشی ترقی منصوبہ جات جاری کئے گئے اور دودھاری اقسام کی بہتری پر زور دیا گیا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں یہ محسوس کیا گیا کہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہونے میں خاصا وقت لگے گا لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ بدیسی ڈیری نسل کے بیلوں کے ذریعہ مخلوط مقامی نسل کی افزائش کا پروگرام جاری کیا جائے تاکہ دودھ کی پیداوار تیزی سے بڑھے۔ ریاست کے ۱۴ مویشی افزائش نسل فارموں میں سے تاتھواڑے (پونے) بر خاص بدیسی نسل کے جانوروں کی تعداد بڑھانے کا کام انجام دیا جاتا ہے اور جونونی (سانگلی)، ہیتی کنڈی (وردھا) میں کھلار اور گیلاؤ جیسے دیسی نسل کے

ریاست مہاراشٹر میں مویشی اور پولٹری

(ہزار میں)

نمبر شمار	سال	کُل مویشی	کُل بھینسیں	کُل بھیڑ بکریاں	دیگر مویشی	کُل تعداد مویشی	بھیڑ بکری، فی ہیکٹر چراگاہی زمین کے حساب سے (تعداد)	مویشی فی ہیکٹر فصلی علاقہ (تعداد)	تعداد مویشی فی لاکھ آبادی کے حساب سے	کُل پولٹری
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)	(۸)	(۹)	(۱۰)	(۱۱)
۱	۱۹۵۶ء	۱,۴۱,۰۹	۲۷,۲۲	۶۵,۷۶	۳,۶۲	۲,۳۷,۶۹	۴	۱	۶۸	۸۸,۸۲
۲	۱۹۶۱ء	۱,۵۳,۲۷	۳۰,۸۷	۷۲,۷۳	۳,۶۰	۲,۶۰,۴۸	۵	۱	۶۶	۱,۰۵,۷۷
۳	۱۹۶۶ء	۱,۴۷,۲۹	۳۰,۴۲	۷۳,۲۶	۳,۵۲	۲,۵۴,۴۹	۵	۱	۵۷	۹۹,۰۲
۴	۱۹۷۲ء	۱,۴۷,۰۵	۳۴,۰۱	۸۰,۳۸	۳,۱۷	۲,۶۳,۶۱	۵	۲	۵۲	۱,۲۲,۱۷

گلوں کی پرورش کی جاتی ہے تاکہ حیاتی مادہ اصل محفوظ رہے۔ بقیہ فارموں پر مخلوط افزائش نسل کا کام زیر عمل لایا جاتا ہے۔ واڈسہ (چندرپور) میں مرکز کی زیر سرپرستی ایک بدیسی مویشی افزائش نسل فارم قائم کیا گیا ہے۔

ریاست کے ۲۶ اضلاع میں سے ۲۳ میں ضلع مصنوعی تخم ریزی مراکز سرگرم عمل ہیں جہاں 'سیمن بنک' بنیادی دیہی مراکز اور ذیلی مراکز کو منی تخم تقسیم کئے جاتے ہیں۔ معمولی کسانوں نے جلد ہی اس کے افادہ کو سمجھ لیا اور فی الحال ان میں سے کچھ منی تخم کی مانگ میں خصوصاً نمایاں ہیں۔ مصنوعی تخم ریزی تربیتی مراکز پونے، اکولہ، دھولے اور اورنگ آباد میں جاری ہیں جہاں سالانہ ۴۰۰ سرکاری افسران اور غیر سرکاری افراد کو تربیت دی جاتی ہے۔

مویشی سُدھار پروگرام کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ قومی آمدنی میں دودھ سے ۴۹۰ ملین روپے اور بیف سے ۱,۲۴۸ ملین روپے حاصل ہوتے ہیں، اس کے علاوہ قحط سالی کا کام ہے جس سے ۲,۰۰۰ ملین روپے ملتے ہیں۔ مہاراشٹر میں آٹھ وسیع مویشی سُدھار پروجیکٹ ہیں جو ۷۷-۱۹۶۵ء کے دوران دھولے، میرج، پونے، چپلون، جالنہ، ناگپور، امراؤتی اور بھنڈارہ میں قائم ہوئے ہیں۔

دیسی مرغیوں کی جدید طریقوں سے افزائش نسل کے نتیجے میں انڈوں کے سائز (درمیانی تصویر) میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ آجکل دیہی اور شہری علاقوں میں مرغی خانہ ایک معاون اور اضافی مشغلہ کی صورت اختیار کرچکا ہے۔ بائیں سرے کی تصویر میں دیسی اور دیگر نسل کی مرغیاں، دانا چگنے میں مصروف نظر آرہی ہیں۔ دائیں سرے پر ایک جوڑے کو "رانی کھیت" بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے 'لاسوٹا' نامی ٹیکہ ناک کے ذریعہ دیا جارہا ہے۔

شیپ بریڈنگ فارم، پونے میں واقع اُون استعمال کئے جانے کے مرکز پر اُون استبار کی جارہی ہیں۔

بھیڑ سدھار : مہاراشٹر میں بھیڑوں کی کل تعداد ۲۱٫۲۸ لاکھ ہے۔ اس میں سے ساٹھ فیصد حصہ پونے اور اورنگ آباد خطوں کے سوکھے علاقہ جات میں ہے۔ بھیڑوں کی افزائش نسل کی اہمیت اس امر سے واضح ہوتی ہے کہ لگ بھگ پینسٹھ ہزار کنبے بھیڑوں کی پرورش کے ذریعے گذر بسر کرتے ہیں۔ بھیڑوں سے سالانہ ۹۱۵ روپے مالیت کا ۹۱٫۵ ہزار ٹن گوشت، ۱۰٫۵ ملین روپے کی مالیت کی ۱٫۵ ملین کھالیں اور ۲ ملین روپے مالیت کی کھاد حاصل ہوتی ہے نیز بھیڑوں سے سالانہ ایک ہزار ٹن سے زیادہ رنگین اور معمولی قسم کا اون بھی دستیاب ہوتا ہے۔

مویشی سدھار پروگرام کے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ گوشت کی پیداوار بڑھائی جائے۔ ریاست میں بھیڑ افزائش نسل فارم توسیعی مراکز کی حیثیت سے کام کرتے ہیں تاکہ افزائش نسل، چارہ کی فراہمی اور اُن کی صحت کی دیکھ بھال کے سلسلے میں اصلاح بہتر ہو۔ دستعمال اون مراکز گھریلو پیمانے پر اون کی تیاری وغیرہ کے سلسلہ میں مطالعہ کرتے ہیں، اُون لیبوریٹریوں میں اچھی اون نکالنے کے لئے تجربات کئے جاتے ہیں نیز خوراک اور چارہ کے نمونوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

مہاراشٹر میں بکرے بکریوں کی کل تعداد ۵۹ لاکھ ہے جو دودھ اور گوشت کی فراہمی میں کارآمد ہیں۔ مہاراشٹر کو سالانہ ۱۵ ملین روپے مالیت کا ایک ہزار ٹن بکریوں کا دودھ، ۳۵ ملین روپے مالیت کا ۵۰۰ر۳ ٹن گوشت حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ۹۰ ملین روپے مالیت کی کھاد اور ۴۰ ملین روپے کی مالیت کی ۴۰ ملین کھالیں حاصل ہوتی ہیں۔

ریاست میں ۵٫۵ لاکھ کنبے بکریاں پالتے ہیں۔ سرکاری بُز افزائش نسل فارم ان کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

مُرغی پالن : مہاراشٹر میں پولٹری پرندوں کی تعداد ۱۲٫۰۵ ملین ہے۔ ان میں سے گیارہ فیصد پرندے اچھی اقسام کے ہیں۔ ۱۹۷۰ء اور اس سے قبل سالوں کے دوران مہاراشٹر میں انڈوں کی پیداوار ۶۸۵ ملین سے بڑھ کر ۸۰۶ ملین ہوگئی۔ جن کی قیمت ۲۴۲ ملین روپے ہوتی ہے۔ پولٹری پرندوں سے سالانہ ۳۵ ملین روپے مالیت کا ۵۰۰ر۳ ٹن گوشت بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ زمین کی زرخیزی بڑھانے والی قیمتی کھاد بھی دستیاب ہوتی ہے۔

مہاراشٹر میں پولٹری [illegible] دو حصوں میں تقسیم ہے۔ [illegible] بمبئی، پونے، ناسک [illegible] درمیان شہری کھپت کے بڑے مقامات کے گرد و نواح نیز ناگپور اور اورنگ آباد کے آس پاس بڑے تجارتی فارم واقع ہیں جہاں جدید ترین طریقے پر اچھی اقسام کے پرندوں کی پرورش کا کام ہوتا ہے۔ بہرحال پرندوں کی خوراک کی گرانی، چوزوں، خوراک اور دوا وغیرہ کی نقل و حمل کے مسائل پولٹری صنعت کی ترقی میں حائل ہیں۔ دوسرا حصہ امداد باہمی طریقے پر مرغی پالن سے متعلق ہے۔

انیمل ہسبنڈری لے انڈے اور چوزے پیدا کرنے کے لئے پانچ مرکزی مرغی خانے قائم کئے ہیں جو پونے، کولہاپور، ناگپور، اورنگ آباد اور دھولے میں واقع ہیں، جہاں سے اعلیٰ قسم کے چوزے پیدا کرنے کے لئے انڈے نیز دیسی نسل کی افزائش کے لئے اصیل مُرغ فراہم کئے جاتے ہیں۔ پونے، ناگپور اور کولہاپور میں ایک خاص پروگرام شروع کیا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مخلوط نسل کے تجارتی پرندے درآمد کرنے کی ضرورت کم سے کم ہو۔ ریاست میں ۱۴ وسیع پولٹری ترقی بلاک جاری ہیں جن کا خاص مقصد یہ ہے کہ پولٹری کیپنگ یعنی مرغی پالن کو ترقی دی جائے۔

مہاراشٹر میں سؤر پالن، سدھار پروگرام کے سلسلہ میں ترقی کے مواقع کم ہیں کیونکہ ان کی غذا انتہائی گراں ہے۔ لہٰذا یہ پروگرام پولی میں بیکن فیکٹری کے [illegible] محدود علاقہ میں زیر عمل لایا گیا ہے۔

چارہ پروگرام کا مقصد یہ ہے کہ بہتر قسم کے چارہ کی پیداوار بڑھانے کی [illegible] اور [illegible] کی کاشت پر زور دیا جائے۔

صحت کی دیکھ بھال : مہاراشٹر میں انیمل ہسبنڈری شعبہ کا سب سے اہم کام مویشی کی صحت کی دیکھ بھال ہے۔ بیطاری یعنی جانوروں کے علاج کی سہولتیں ضلع پریشدوں اور میونسپلٹیوں کے تحت ۱۳۲۳ مراکز، ۳۵۴ ہسپتالو ڈسپنسریوں، برانچ ڈسپنسریوں اور ۱۳ پالی کلینک نیز ۶۲ مصنوعی افزائش نسل کے ذیلی مراکز اور بنیادی دیہی مراکز کے ۲۸۳ یونٹوں کے ذریعے بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

مویشی اور پولٹری کے متعدی اور وبائی امراض کی روک تھام کے ٹیکے مفت لگائے جاتے ہیں۔ چھ گشتی یونٹ ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور کسی خطرناک وباء کی اطلاع ملتے ہی فوراً وہاں پہنچ کر انسدادی تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔

مہاراشٹر میں بیل روگ کی روک تھام کے لئے قومی اسکیم کے تحت اس بیماری پر موثر طریقے سے قابو پالیا گیا ہے۔ مابین ریاست سرحدوں پر تیرہ 'چیک پوسٹ' اور چھ 'ویجیلنس یونٹ' قائم ہیں جو انسداد بیل روگ کے لئے آنیوالے تمام جانوروں کے ٹیکے لگاتے ہیں۔

پونے میں واقع سنٹرل لیبوریٹری مویشی اور پرندوں کی ہمہ اقسام کی بیماریوں کی چھان بین کرتی ہے تاکہ ان پر قابو پایا جا سکے نیز یہ دق اور سِل وغیرہ موذی امراض کے سلسلہ میں گھریلو پالتو جانوروں اور پرندوں کی 'اسکریننگ' کر کے صحت عامہ کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ اورنگ آباد، ناشک، ناگپور اور پونے میں واقع چار علاقائی لیبوریٹریوں کی چھان بین سے آگاہ کرتی ہے نیز تشخیص امراض میں اعانت کرتی ہے جو علاقائی لیبوریٹریاں انجام نہیں دے سکتیں۔ اکولہ اور چپلون (ضلع رتناگیری) میں ذیلی علاقائی لیبوریٹریاں ہیں۔

اس شعبہ کی خاص طور سے قابل ذکر اور نمایاں کارگذاری یہ ہے کہ اس نے ضلع پونے میں ۱۹۵۵ء میں مویشی کے 'پیلیا' کوکن میں ۵۹-۱۹۵۷ء میں 'ہلوا' ۱۹۶۰ء میں افریقی گھوڑا بیماری اور مُسال بیماری' ۱۹۶۲ء میں سور بخار' ۱۹۶۴ء میں سور اور مرغیوں کی کوکڑ اور ۱۹۶۹ء میں بدہضمی اور مخلوط نسل کے مویشی کی تھیلینوسس جیسی بیماریوں کی شناخت کی۔ پیر اور منہ کے زہریلے مادہ کی جانچ اور اقسام زہر کے اندراج کے لئے لیبوریٹری کا قیام بھی ایک اور قابل تعریف کام ہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف ویٹرنری بایولوجیکل پروڈکٹس' آٹھ اقسام کے بیکٹیریل ویکسین اور وائرل ویکسین، دو بایولوجیکل ریجنٹ' ڈِسٹلڈ واٹر' اور عام سلائن وغیرہ تیار کرتا ہے، جو سرد جمے ہوئے ٹیکوں کے لئے درکار ہوتی ہے۔ ایک دن کے چوزوں کو ہر قسم کی متعدی بیماری سے محفوظ رکھنے کے لئے 'لاسوٹا ویکسین' فی الحال صرف مہاراشٹر ہی میں تیار ہوتا ہے۔

مہاراشٹر پیر اور منہ کی بیماریوں کے لئے ویکسین کے سوا انسداد امراض کے عام اقدامات کے لئے درکار بیشتر ٹیکوں کے معاملے میں خود کفالتی ہے۔ نیز ریاست معمول کے مطابق ٹیکے گوا اور گجرات کی پڑوسی ریاستوں اور ہنگامی حالات میں بہار جیسی دور دراز واقع ریاستوں کے لئے بھی یہ ٹیکے فراہم کرتی ہے۔

ریاست میں بیطاری شعبوں نے سالہا سال شوق اور محنت سے کام کر کے مختلف اقسام کے مویشیوں کی صحت کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے کافی تدابیر کیں، ہزاروں کسانوں میں ان کی توہم پرستی اور جہالت کے باوجود جانوروں کی دیکھ بھال کے بہتر طریقوں کو فروغ دیا اور مویشی کی بڑی تعداد کو افزائش اور دیگر کاموں کے لئے منافع بخش طریقہ پر کارآمد بنایا۔ غذا میں بھرے بھرے لذیذ چوزے، روزانہ انڈے اور قوت بخش تازہ دودھ پھر ڈیریوں اور فارموں کے ذریعہ پولیٹری اور بھیڑ بکریوں کی پرورش کے ذریعہ منافع، یہ سب زندگی کو کتنا خوشگوار بناتے ہیں اور آپ کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ یہ بیطاری شعبہ ہی کے طفیل سے حاصل ہوا ہے۔

ایک شاندار انقلاب

ایک شاندار انقلاب : صرف عادات وخصائل ہی میں نہیں بلکہ جانوروں کے بارے میں تصورات میں یہ کتنا شاندار انقلاب آیا ہے۔ ہمارا دیس عجیب ہے جہاں باڑہ کے مرغ مرغیوں اور کھیتی مویشی کے مقابلے میں پنجرہ میں بند طوطے یا پالتو کتے بلی پر کہیں زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ کسی کو یہ پرواہ نہیں کہ مرغیاں اور گائیں کیا کھاتی پیتی ہیں؟ حالانکہ ان سے انسان کو انڈے، گوشت اور دودھ جیسی نعمت میسر آتی ہے، مرغیاں کچرے میں دانہ دنکا چگیں اور گائیں جہاں ان کا جی چاہے چرتی پھریں۔ ان کے لئے اچھی غذا اور چارہ' صحت کی دیکھ بھال' ان کی بہتر افزائش نسل' صاف ستھرا پانی، صاف ستھرے باڑے وغیرہ کا کوئی ذکر ہی نہ تھا۔ لیکن آج یہ سب جانوروں کی دیکھ بھال شعبہ کے کارکنوں کی محنت اور کوشش کی بدولت مہیا ہے۔ گائے جسے ہندوستان میں ہندو بڑی مقدس سمجھتے ہیں' یونہی چھوڑ دی جاتی ہے۔ ہماری زندگی میں یہ بھی کٹھورتا کی ایک عجیب مثال ہے۔ گائے ماتا کے سمان سمجھی جائے، لیکن اس سے یہ بے رخی اور سلوک برتا جائے' کتنی حیرت کی بات ہے؟

اب یہ صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ 'انیمل ہسبنڈری' برابر بڑی سرگرمی سے کسانوں کی اعانت کر رہی ہے تاکہ وہ اپنی حالت بہتر بنا سکیں۔ کسی زمانے میں پولیٹری اور ڈیری وغیرہ کو محض معاون پیشے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اب جلد ہی اس شعبے کے کارکنوں کی مساعی کی بدولت یہ مستقل سود مند پیشے بن جائیں گے۔ اور سائنٹفک طریقہ پر ان کے لئے فیض رساں ہوں گے۔

○○

علمِ بیطاری (ANIMAL HUSBANDRY)

• ڈاکٹر ایس. پی پھڈکے۔ ڈائرکٹر انیمل ہسبنڈری، پونے

مویشیوں کی دیکھ بھال اور افزائشِ نسل سے متعلق سرگرمیاں ہمارے ملک میں شروع سے جاری تھیں۔ لیکن آزادی کے بعد ان میں اضافہ ہوا اور مہاراشٹر میں خصوصًا ان میں مزید تیزی پیدا ہوئی۔ جوں جوں مذکورہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں، علمِ حیوانات اور بیطاری کی تعلیم میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔

تندرست مویشی اور مرغی خانے ہماری قومی دولت ہیں۔ ان میں اضافہ ہماری قومی دولت میں اضافہ ہے وجہ ظاہر ہے کہ ان مویشیوں سے ہمیں دودھ، گوشت، انڈے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے جب ان مویشیوں میں اضافہ ہوگا تب ہی یہ قوت بخش غذا ہماری بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت کے مطابق حاصل ہوسکے گی۔ اس قومی دولت میں اضافے کے تعلق سے علمِ بیطاری محوری کردار کا حامل ہے۔ علاوہ ازیں مویشیوں سے پھیلنے والی بیماریوں کے سلسلے میں بھی علم بیطاری صحتِ انسانی پر اثر انداز ہے۔

سرزمینِ ہند پر مویشیوں سے متعلق کالجوں (ویٹرنری کالج) میں سب سے پہلا کالج لاہور (جو اب پاکستان میں ہے) میں قائم ہوا، جہاں اُردو ذریعہ تعلیم تھی۔ بمبئی ویٹرنری کالج ۲ر اگست ۱۸۸۶ء میں قائم کیا گیا۔ ہندوستان میں انگریزی ذریعۂ تعلیم کا یہ پہلا کالج تھا۔ پہلے پہل یہ کالج جانوروں کے ہسپتال بائی ساکر بائی دِنشا پیٹیٹ ہسپتال کے احاطہ میں شروع کیا گیا۔ جانوروں پر بے رحمی کی روک تھام کے لئے قائم کردہ ایک سوسائٹی کے زیرِ نگرانی سرڈی۔ ایم پیٹیٹ نے مذکورہ کالج کی بنیاد ڈالی۔ آنجہانی پروفیسر ایچ ۔ اسٹیل اس کالج کے پہلے پرنسپل تھے۔ تین ہندوستانی میڈیکل افسران پروفیسر مقرر کئے گئے تھے۔ ۱۸۸۹ء میں اسی کالج سے کامیاب ہونیوالے نوجوان گریجویٹوں کو مذکورہ پروفیسروں کی جگہ مقرر کیا گیا۔

پہلے پہل یہ کالج انتظامیہ کمیٹی کے زیرِ اہتمام چلایا گیا۔ بعد میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن اور اس کے بعد ڈائرکٹر آف ایگریکلچر کے زیرِ انتظام رہا۔ ۱۹۳۲ء سے ڈائرکٹر آف ویٹرنری سروس، بمبئی کے زیرِ نگرانی دیا گیا (مذکورہ ادارہ ۱۹۵۹ء سے اب تبدیل ہوکر ڈائرکٹر آف انیمل ہسبنڈری، مہاراشٹر اسٹیٹ بن گیا ہے) ۱۹۶۸-۶۹ء میں یہ کالج مہاراشٹر کرشی وِدیا پیٹھ کے انتظام رہا اور اب یہ کوکن کرشی ودیا پیٹھ، داپولی کے زیرِ سرپرستی برسرِ عمل ہے۔ ہندوستان میں یہ سب سے نمایاں کالج مانا جاتا ہے۔ ۱۹۳۹ء تک یہاں تین سالہ ڈپلوما کورس (جی. بی. وی. سی) کے لئے میٹرک ہونا لازمی تھا لیکن ۱۹۴۰ء سے مذکورہ کورس میں داخلہ صرف انٹر سائنس (بی گروپ) کے لئے محدود کر دیا گیا ہے۔

۱۹۴۵ء میں انٹر سائنس بی گروپ کے طلبہ کا پہلا جتھا بی۔ ایس سی ڈگری کورس کے لئے آیا۔ ۱۹۵۹ء میں بی. ایس سی ڈگری بدل کر بی. وی. ایس سی کر دی گئی اور اب یہ بی. وی. ایس. سی اینڈ اے. ایچ (بیچلر آف ویٹرنری سائنس اینڈ انیمل ہسبنڈری) کہی جاتی ہے۔ اسی سال بمبئی ویٹرنری کالج میں پوسٹ گریجویٹ کورس (ایم. وی. ایس. سی) کا آغاز ہوا۔

۱۹۵۸ء میں ناگپور میں اسی طرح کا دوسرا کالج جاری کیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں پربھنی میں تیسرا کالج قائم ہوا۔ ہندوستان میں مہاراشٹر ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں تین ویٹرنری کالج ہیں۔ آندھرا پردیش، اترپردیش اور مدھیہ پردیش

میں دو ویٹرنری کالج قائم ہیں اور دیگر ریاستوں میں صرف ایک۔

مہاراشٹر کے تینوں کالجوں میں پوسٹ گریجویٹ ڈگری کورس ایم۔ وی۔ ایس۔ سی اور پی۔ ایچ ڈی تک سکھلائے جاتے ہیں۔

انگریزی، سائنس اور بایولوجی مضامین کے ساتھ بارھویں جماعت کامیاب طلبہ کو بی۔ وی۔ ایس۔ سی، اے۔ ایچ کے ساڑھے چار سالہ کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ ایم۔ وی۔ ایس سی کورس کی مدت دو سال ہے اور اس کے بعد پنجاب راؤ کرشی ودیا پیٹھ' اکولہ میں پی۔ ایچ ڈی بذریعہ ریسرچ کیا جا سکتا ہے۔ ہر کالج میں ۷۵ طلبہ لئے جاتے ہیں۔

جانوروں کی نگہبانی کا تربیتی کورس

جانوروں کی نگہبانی کا تربیتی کورس : یہ تربیتی کورس ۳ جولائی ۱۹۷۸ء سے ضلع تھانے میں کوسباد اور ضلع رتناگیری میں لانجہ میں شروع کیا گیا ہے کوکن کرشی ودیا پیٹھ' داپولی کے زیر اہتمام یہ تربیت دی جاتی ہے۔ اس کورس کا مقصد بیطاری امدادی مراکز پر جانوروں کی نگہبانی کرنے کے لئے تربیت یافتہ افراد مہیا کرنا ہے۔ اس کورس کی مدت ایک سال ہے اور تعلیمی لیاقت انگریزی اور سائنس کے ساتھ ایس ایس سی کامیاب ہونا چاہیئے۔ اس طرز کے کورس مہاتما پھلے کرشی ودیا پیٹھ کے زیر اہتمام پونے، کولہاپور اور دھولے میں بھی شروع کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

بناؤٹی تخم ریزی تربیت

بناؤٹی تخم ریزی تربیت : بناؤٹی تخم ریزی کے طریقے سے پوری طرح واقف اور تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ ہی کامیاب بناؤٹی تخم ریزی کی جا سکتی ہے۔ اس مقصد کے لئے' ایسے چار مراکز جنہیں مخلوط تربیتی مرکز کہا جاتا ہے' ۱۹۷۷ء سے پونے، اکولہ، اورنگ آباد اور دھولے میں جاری کئے گئے ہیں۔ یہاں بناؤٹی طریقۂ تخم ریزی کے علاوہ جانوروں سے متعلق دیگر علوم مثلاً پولٹری، چارہ کی اعلیٰ قسمیں اور جانوروں و مرغیوں کی بیماریوں کے بارے میں بھی تربیت دی جاتی ہے۔

دھولے میں ڈھائی ماہ کی مدت کے ڈیری کوآپریٹو سوسائٹی سے متعلق کورس بھی سکھلائے جاتے ہیں۔

پولٹری میں تربیت

پولٹری میں تربیت : پونے اور کولہاپور میں دو ایسے تربیتی مرکز قائم ہیں جو پولٹری سے متعلق تربیت دیتے ہیں۔ یہ تربیت طلبہ، کسانوں اور دیگر دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو دی جاتی ہے۔ اس کورس کی مدت ایک ماہ ہے۔

عام تربیتی پروگرام

عام تربیتی پروگرام : کسانوں کو دی جانے والی علم بیطاری سے متعلق عام اور تکنیکی تعلیم کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ تعلیم کئی ترقیاتی اسکیموں کی کامیابی میں سودمند ثابت ہوئی ہے۔ جانوروں کی افزائش نسل سے متعلق کسانوں کو خاص طور پر تربیت دی جاتی ہے۔ اس تربیت میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اہم ڈیریوں اور افزائش نسل مرکزوں کی سیر بھی کرائی جاتی ہے تاکہ افزائش نسل پروگرام کا عملی مشاہدہ کیا جا سکے۔

اینمل ہسبنڈری میں یونیورسٹی کورس

ادارہ	یونیورسٹی	ڈگری کورس کی تفصیلات
بمبئی ویٹرنری کالج، پریل، بمبئی ۴۰۰۰۱۲	کوکن کرشی ودیا پیٹھ داپولی	۱) بیچلر آف ویٹرنری سائنس اینڈ اینمل ہسبنڈری ۲) ماسٹر آف ویٹرنری سائنس
ناگپور ویٹرنری کالج، سیمی ناری ہل' ناگپور	پنجاب راؤ کرشی ودیا پیٹھ اکولہ	۱) بیچلر آف ویٹرنری سائنس اینڈ اینمل ہسبنڈری ۲) ماسٹر آف ویٹرنری سائنس ۳) پی۔ ایچ ڈی بذریعہ ریسرچ
کالج آف ویٹرنری اینڈ اینمل ہسبنڈری سائنس، پربھنی	مراٹھواڑہ کرشی ودیا پیٹھ، پربھنی	۱) بیچلر آف ویٹرنری سائنس اینڈ اینمل ہسبنڈری ۲) ماسٹر آف ویٹرنری سائنس

بیطاری مہارت کی بڑھتی ہوئی ضرورت

بیطاری مہارت کی بڑھتی ہوئی ضرورت : آجکل ویٹرنری گریجویٹوں کی زبردست مانگ ہے اور ان کے لئے روزگار کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ درحقیقت ریاست کو آج بھی کم از کم ۵۰۰ ویٹرنری گریجویٹوں کی ضرورت ہے۔ اس شعبہ میں تجربہ کار و تربیت یافتہ لوگوں کی خدمات ویٹرنری کالج' دواخانوں' جانوروں کے شفاخانوں اور جانوروں سے انسانوں میں پھیلنے والی بیماریوں کی روک تھام کے لئے اہم ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جانوروں سے متعلق تمام کاموں مثلاً افزائش نسل، غذا کی تیاری، دوائیوں کی تیاری' زندہ جانوروں کی درآمد و برآمد چڑیا گھر کا انتظام وغیرہ میں بھی ایسے لوگوں کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

ضروری گذارش۔ رقم روانہ کرنیوالے حضرات سے :

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور پنکوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا' ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر نام و پتہ تحریر ہو تو' قومی راج' فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

انسٹی ٹیوٹ آف وٹربری بایولوجیکل پروڈکٹس، پونے کی عمارت جہاں مویشیوں کے لیئے ٹیکہ اور ادویات تیار کی جاتی ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف ویٹرنری بایولوجیکل پروڈکٹس

• ڈاکٹر ایس۔ وی بھاگوت
ڈپٹی ڈائرکٹر انچارج، آئی۔ وی۔ بی۔ پونے

۱۹۴۷ء سے قبل مُلک میں مویشیوں کی وباء پھیلی ہوئی تھی۔ مویشی چار خصوصی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ اس وقت اترپردیش میں واقع انڈین وٹیرنری ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (مکھ تیشور) ہی وہ واحد ادارہ تھا جو مویشیوں کی ان بیماریوں کے لیئے انجکشن تیار کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ادارہ ان دوائیوں کا واحد زریعہ ہونے کی وجہ سے وباء والے علاقوں میں انجکشن کی فراہمی میں تاخیر ہُوا کرتی تھی۔ اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے اس وقت کی حکومت بمبئی نے 'پریل' بمبئی میں واقع 'بمبئی وٹیرنری کالج کے احاطہ میں ہی "سیرم اَنسٹی ٹیوٹ قائم کیا۔ یہاں ایچ ایس اور بی کیو' انجکشن اور گوٹ بلڈ اینڈر بیسٹ' انجکشن تیار کئے جانے لگے۔ کچھ عرصہ بعد پُونے میں بھی ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ جہاں رانی کھیت نامی بیماریوں کے لئے انجکشن تیار کئے جاتے تھے۔ مویشیوں میں بیل روگ اور مرغیوں میں رانی کھیت دو خطرناک بیماریاں اس وقت عام تھیں اور مویشیوں کے حفظانِ صحت کے سِلسلے میں ان پر خاص توجہ مرکوز تھی۔

انجکشن کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر ۱۹۵۹ء میں بمبئی یونٹ اور پُونے کی رانی کھیت ویکسین لیباریٹری کو ۱۲ لاکھ رُوپوں سے تعمیر کردہ موجودہ عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ 'سیرم انسٹی ٹیوٹ' کا نام بھی بدل کر انسٹی ٹیوٹ آف وٹیرنری بایولوجی کل پرَوڈکٹس کر دیا گیا ہے۔

مذکورہ ادارہ ابتدا میں صرف چار حیاتیات تیار کرتا تھا اب ۴۰ لاکھ رُوپیہ کی مالیت کے ۲۰ حیاتیات تیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کے تیار کردہ انجکشن مہاراشٹر، گجرات اور گوا میں درآمد کئے جاتے ہیں نیز ہنگامی حالات میں سیلاب زدہ ریاستوں مثلاً اڑیسہ، بہار اور بنگال میں جانوروں کی زندگی کو خطرہ سے بچانے کے لئے بھی یہ ادارہ بروقت تعاون کرتا ہے۔

اس ادارے کے کام کی دیکھ بھال چھ ڈویژن کے سپرد ہے۔ یہ مختلف شعبے علیحدہ علیحدہ کام کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ایک شعبہ جراثیم کش انجکشن، دوسرا متعدی امراض کے انجکشن، تیسرا سرد خانے میں سیالی انجکشنوں کو

محفوظ رکھنے، چوتھا مال کے معیار کو پرکھنے، پانچواں چھوٹے مویشیوں کی غذا اور چھٹا فروخت و سپلائی کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔

شعبہ، جہاں اشیاء کی جانچ کی جاتی ہے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ ڈرگس اینڈ کاسمیٹکس ایکٹ کی شرائط کے مطابق اشیاء کا معیار پایا جائے۔ چھوٹے مویشیوں کی خوراک کا شعبہ خرگوش، چوہے، انڈے اور پرندے، مختلف جانچ کے لئے فراہم کرتا ہے۔

جہاں تک انجکشن کی تیاری کا تعلق ہے، یہ کام سائنسی تحقیقات کے ذریعے کیا جاتا ہے اور تحقیقات مسلسل جاری رہتی ہے تاکہ نئے اور بہتر طریقے اپنائے جا سکیں۔ زراعتی شعبہ چھوٹے مویشیوں کی غذا فراہم کرتا ہے۔ جس میں سبزی گاجر اور پودے شامل ہیں۔ اس مقصد کے لئے ۴ ہیکٹر زمین وقف ہے جہاں ان سبزیوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

حال ہی میں حکومت ڈنمارک کی امداد سے منفی ۷۰ سینٹی گریڈ درجہ حرارت کی دو تبریدی مشینیں اور دو انجمادی مشینیں حاصل کی گئیں۔ ان کی وجہ سے منجمد انجکشن کی تیاری میں اضافہ ہوا ہے۔

یہ ادارہ نہ صرف یہ کہ انجکشن تیار کرتا ہے بلکہ حالیہ تشخیص کی گئی بیماریوں کے لئے تجرباتی بنیاد پر بھی انجکشن تیار کرتا ہے۔ یہ ادارہ مائیکرو بایولوجی میں پوسٹ گریجویٹ کورس کے لئے پونے یونیورسٹی کا تسلیم شدہ ہے۔

●●

ٹیکہ کی بوتلوں کو مُہر بند کیا جا رہا ہے۔
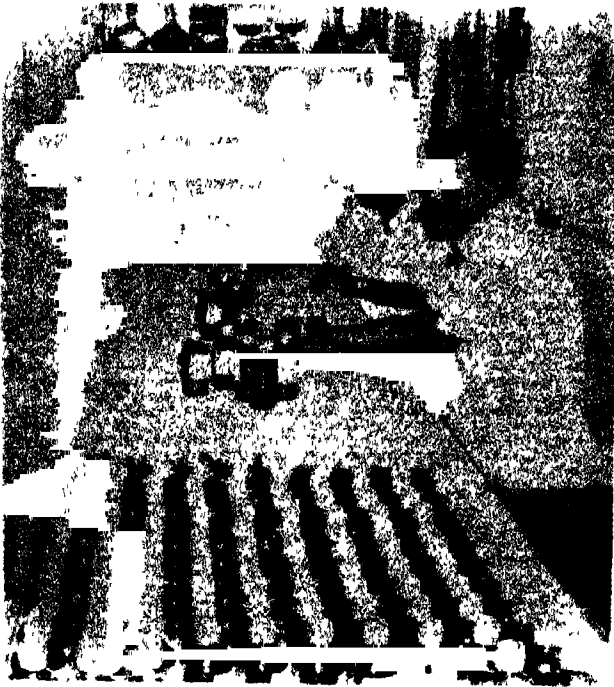
مختلف نسم کے جرثوموں کو سطح پر لانے کے لئے مختلف میڈیا بنا... لئے ... تصویر میں میڈیا ... رکھ کے انھیں فلاسک میں ... کیا جا رہا ہے۔
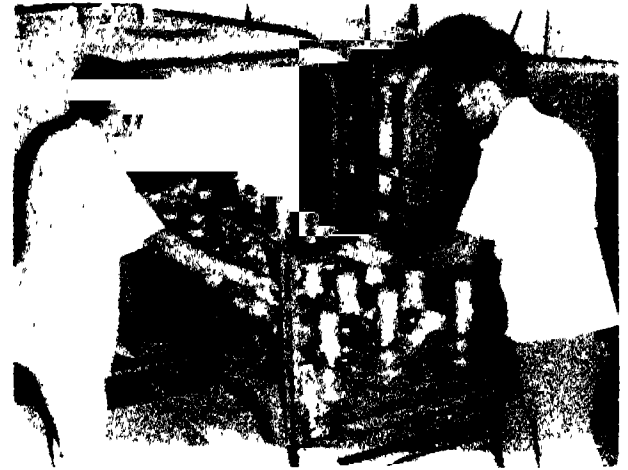
ان فلاسک کو انکوبیٹر روم میں رکھا جا رہا ہے جہاں جرثوموں کو سطح پر لانے کے لئے مخصوص درجۂ حرارت کا ... ہے۔

ٹیکہ کے رد عمل کا مشاہدہ کرنے کے لئے ایک خرگوش کو ٹیکہ لگایا جا رہا ہے

● عابد سہیل

ادبی جرائد کے مسائل

(لکھنؤ سیمینار)

رسائل و مسائل ہم قافیہ ہیں اور شاید اسی سبب دونوں جنم جنم کے ساتھی بن گئے ہیں۔ کسی بھی ادبی جریدے کے دوچار شمارے الٹ پلٹ کر دیکھئے، مسائل کا ذکر کسی نہ کسی نوع سے ضرور مل جائے گا۔ لیکن اب تک ان مسائل پر انفرادی سطحوں سے غور کیا جاتا رہا تھا اور ایسا شاید کبھی نہیں ہوا کہ دو چار مدیر اور سنجیدہ، علمی و ادبی کارکن سر جوڑ کر بیٹھتے اور ان حالات کا جنھیں مقدر سمجھ لیا گیا ہے، غیر جذباتی انداز میں تجزیہ کرتے، اپنی معذوریوں پر غور کرتے، امکانات کا جائزہ لیتے کوئی لائحۂ عمل تیار کرتے اور پھر سب مل کر "خواہش" کو 'ارادہ' اور ارادہ کو "عمل" کی شکل دیتے۔

اتر پردیش اُردو اکادمی نے مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کرکے اپنی سالانہ تقریبات کے دوران منعقد دوسرے سیمیناروں اور کانفرنسوں کے علاوہ ادبی جرائد کے مدیروں کا ایک سیمینار کرنے کا بھی اہتمام کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ادبی جرائد کی اہمیت، ملک میں اُردو کی موجودہ صورت حال کے پس منظر میں ان کے رول اور ان کی راہ کی رکاوٹوں ۔ کتابت سے لیکر قاری کے فقدان تک ۔ پر اجتماعی طور سے غور و خوض کیا جائے۔ مدیروں کو دعوت نامے جاری کرنے کی نوبت آئی تو اس "المناک حقیقت" کا "انکشاف" ہوا کہ اس طویل و عریض ملک میں جہاں اُردو بولنے والوں کی تعداد کئی کروڑوں میں ہے، ادبی جرائد کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور لطف یہ کہ ان میں سرکاری جرائد و رسائل بھی شامل ہیں۔ اکادمی کی دعوت پر مختلف گوشوں سے جس مسرت کا اظہار کیا گیا اور جتنی بڑی تعداد میں مدیروں نے سیمینار میں شرکت کی مقالے پڑھے اور مباحثہ میں حصہ لیا، اس سے اندازہ ہوا کہ ایک صحیح کام صحیح وقت پر کیا گیا ہے۔

اپنے قسم کے اس پہلے سیمینار میں جناب ضیاء الحسن فاروقی (جامعہ دہلی) جناب شفق مظفر پوری (زبان و ادب، پٹنہ) جناب افتخار امام صدیقی (شاعر ۔ بمبئی) جناب شہناز حسین (آجکل ۔ دہلی)، جناب فرخ جعفری (شب خون ۔ الہ آباد) جناب ... مالی (معیار ۔ دہلی)، جناب ایس۔ کے حسن (مغربی بنگال ۔ کلکتہ) جناب سلطان سبحانی (ہم زبان ۔ مالیگاؤں) جناب ابوالکلام قاسمی (الفاظ ۔ علی گڈھ) جناب گوپال متل (تحریک ۔ دہلی) جناب وقار خلیل (سب رس ۔ حیدرآباد) محترمہ روشن آرا (عصری ادب ۔ دہلی) جناب کمار پاشی (سطور ۔ دہلی) جناب عبدالصمد (آہنگ ۔ گیا) جناب مسعود الحسن عثمانی (صبح ادب ۔ لکھنؤ) جناب علی احمد فاطمی (انداز ۔ الہ آباد) اور سیمینار کے کنوینر عابد سہیل نے اپنے مقالے پیش کئے۔ سلطان سبحانی صاحب خود تشریف نہ لاسکے، ان کا مقالہ "ہم زبان" میں ان کے نہ ... کا

عصری ادب کی مدیرہ روشن آرا صاحبہ ادبی جریدوں کے مدیروں کے سیمینار میں اپنا مقالہ پڑھ رہی ہیں۔ زیر نظر تصویر میں سیمینار کے کنوینر جناب عابد سہیل اور جناب گوپال متل بھی دیکھے جاسکتے ہیں

جناب عتیق احمد عتیق نے پڑھا۔ ان حضرات وخواتین کے علاوہ جناب عبید صدیقی (علی گڈھ میگزین علی گڈھ) جناب ذوالفقار حسن فاروقی (پیام تعلیم۔ دہلی)، جناب ولی شاہجہانپوری (کتاب نما۔ دہلی) ڈاکٹر خلیق انجم (اردو ادب۔ نئی دہلی) اور جناب ضیاء الحسن اصلاحی (معارف۔ اعظم گڈھ) نے بھی سیمنار میں شرکت کی۔ مباحثہ میں 'آجکل' کے سابق مدیر جناب مہدی عباس حسینی، جناب انیس اشفاق، جناب محمد مسعود اور جناب ڈاکٹر آسی نے بھی اس میں شرکت کی۔

یہ سیمنار جو دو اجلاسوں پر مشتمل تھا، دس بجے صبح سے شام کے چار بجے تک جاری رہا۔ درمیان میں لنچ کے لئے ایک مختصر سا وقفہ ہوا۔ صبح کے اجلاس کی صدارت جناب نسیم انہونوی نے کی اور شام کے اجلاس کی صدارت کے فرائض ایک چار رکنی مجلس صدارت نے جو ڈاکٹر خلیق انجم، جناب شین مظفر پوری، جناب شہباز حسین اور جناب ضیاء الحسن فاروقی پر مشتمل تھی، انجام دیئے۔ سیمنار کا افتتاح گوپال متل صاحب نے کیا۔ اس سے قبل اکادمی کے چیرمین' ڈاکٹر محمد حسن نے اپنی تقریر اور عابد سہیل نے اپنے مقالے میں اس سیمنار کے غرض وغایت' ادبی جرائد کے مسائل اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

سیمنار میں پیش کئے جانے والے مقالوں میں اٹھائے جانے والے سوالات' مسائل تجاویز اور پھر ان مقالوں پر ہوتے والی بحث میں مسئلہ کے سارے پہلوؤں پر جس طرح غور وخوض ہوا ان کی تفصیلی رپورٹ کے لئے ایک دفتر درکار ہوگا، اس لئے دونوں اجلاسوں میں زیر بحث آنے والے مباحث اور تجاویز کے اہم نکات پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔ یہ نکات حسب ذیل ہیں :

۱۔ اردو اکادمی کو سنجیدہ، علمی اور ادبی جرائد کی جلدیں معقول تعداد میں خرید کران لائبریریوں کو دینی چاہیئے جنھیں وہ مالی امداد دیتی ہے (کمار پاشی، عابد سہیل، افتخار امام صدیقی)۔ یہ کام آندھرا پردیش کی اردو اکادمی کر رہی ہے۔ (وقار خلیل)

۲۔ اردو اکادمیاں ریاستی حکومتوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ان پرچوں کو سرکاری امداد پانے والی اور سرکاری لائبریریوں کے لئے منظور کریں۔ (مسعود الحسن عثمانی، کمار پاشی، افتخار امام صدیقی) ایک عرصہ تک ریاستی حکومتیں اپنی لائبریریوں کے لئے اردو کے ادبی جرائد خریدتی رہیں لیکن اب یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے (گوپال متل)

۳۔ ہر اکادمی ایک ایک ہزار روپے کی سالانہ امداد ملک کے پانچ منتخب ادبی جریدوں کو دے (افتخار امام صدیقی)۔ صوبائی حد بندیوں سے اٹھ کر اکادمیوں کو چاہیئے کہ اپنی مطبوعات کے اشتہارات ادبی جرائد کو دیں (گوپال متل) اردو اکادمیاں قدردانی کے انعاموں اور خدمات کے ایوارڈ سے ادبی صحافت کو بھی نوازیں (شین مظفر پوری)، اردو اکادمیاں کتابوں کی طرح ادبی رسائل پر پبلشر کا ایوارڈ دینے کا سلسلہ شروع کریں (عابد سہیل) اردو اکادمیوں کو ملنے والے لاکھوں روپوں میں اردو کے ادبی رسائل کا بھی حق ہے (عبد الصمد)۔ اردو اکادمیاں معیاری جرائد و رسائل کو سال میں کم از کم چھ بار اشتہارات جاری کریں (عابد سہیل)، جو رسالے تین سال تک پابندئ وقت سے شائع ہوں اور عوامی مقبولیت کی طرف ان کی پیش رفت اطمینان بخش ہو ان کو اکادمی مالی امداد دے (مسعود الحسن عثمانی)۔

۴۔ اشتہارات کے حصول کے لئے منظم طور پر کوششیں کی جائیں اور اس کام کے لئے تربیت یافتہ افراد رکھے جائیں (روشن آرا) مرکزی اور ریاستی حکومتیں ادبی جریدوں کو جن میں دو ماہی، سہ ماہی اور ششماہی رسائل بھی شامل ہیں اشتہارات کے ذریعہ معاونت کریں (وقار خلیل) محکمۂ اطلاعات اور ڈی۔ اے۔ وی۔ پی ادبی ماہناموں کے لئے اشتہارات کا ایک علیحدہ کوٹہ مقرر کریں (مسعود الحسن عثمانی) اکادمیاں مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے درخواست کریں کہ وہ ڈی۔ اے۔ وی۔ پی اور پبلک سیکٹر کے اداروں کی توجہ ادبی جرائد کی جانب مبذول کرائیں اور ان کو ادبی رسائل میں اشتہارات دینے کی افادیت بتائیں۔ اکادمیاں یہ کام خود بھی کریں (عابد سہیل)

۵۔ اردو اکادمیاں کاغذ کی فراہمی میں مدد کر سکتی ہیں (عبد الصمد) ادبی رسائل کو نصابی کتابوں کی طرح رعایتی نرخوں پر کاغذ فراہم کیا جائے (وقار خلیل)

۶۔ اکادمیوں کو چاہیئے کہ کتابت کے فن کو فروغ دینے کے لئے کتابت کے اسکول کھولیں (فرخ جعفری) ہر اکادمی کے پاس اپنا پریس ہونا چاہیئے جہاں ادبی جرائد کی طباعت کو اولیت دی جائے (عبد الصمد) ٹائپ کا رواج میرے خیال میں اردو کے ادبی جرائد کے معیار کو بلند کرنے میں بہت کارگر ثابت ہو سکتا ہے (شاہد ماہلی)

۷۔ ادبی جرائد نکالتے وقت اس کے تجارتی پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (عبد الصمد) کوئی ادبی جریدہ کم سے کم چار کارکنوں کے اسٹاف کے بغیر نہیں چل سکتا (۱) ایڈیٹر (۲) منیجر اشتہارات (۳) سرکولیشن انچارج (۴) محاسب۔ رسالہ کا دفتر قائم کرنے کیلئے بنک سے قرض آسان شرائط پر دیئے جائیں (روشن آرا) ادبی جرائد کی فروخت کا انتظام نہایت ناقص ہے۔ جاذب نظر گٹ اپ اور بہتر مواد کے ذریعہ اردو پرچوں کا سرکولیشن کافی بڑھایا جا سکتا ہے۔ (شاہد ماہلی) اکثر ادبی جرائد بازار کے مزاج اور خریدار کی نفسیات کو خاطر میں لانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ان میں بڑی یکسانیت پائی جاتی ہے (شین مظفر پوری)

۸۔ محکمۂ ڈاک وتار دو ماہی، سہ ماہی اور ششماہی جریدوں کو بھی روزناموں اور ماہناموں کی طرح پوسٹنگ میں رعایت دے (وقار خلیل) ہند اور پاکستان کے درمیان کتابوں اور جرائد کی ترسیل اور فروخت کی سہولتیں پیدا

کی جائیں (وقار خلیل) پاکستان اور عرب ممالک میں اُردو کے اَدبی رسائل بھیجنے کے لئے حکومت آسانیاں فراہم کرے (روشن آرا)

۹۔ ادبی رسالوں کے مدیروں کا اب وہ علمی معیار نہیں رہا جو پہلے کبھی ہوا کرتا تھا۔ مدرسوں اور دانش گاہوں کے اُردو شعبوں کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے کہ علم و دانش کے ایسے چراغ اب مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں روشن ہوں جن کے نور سے ہماری ادبی صحافت روشن ہو جائے (ضیاء الحسن فاروقی) ادبی جرائد کے مدیروں کی تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہیئے (خلیق انجم) ادبی رسائل کو اپنے قاری کی ذہنی تربیت کو بنیادی مقصد بنانا چاہیئے (ابوالکلام قاسمی) ادبی رسائل کو کُل وقتی مدیر میسر نہیں (عابد سہیل)۔

۱۰۔ رسالہ مانگ کر پڑھنے اور مُفت حاصل کرنے کی عادت اُردو والوں کو ترک کرنا چاہیئے (گوپال متل) اُردو کے اساتذہ جن میں پروفیسران بھی شامل ہیں ادبی جرائد تک خریدنا اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہیں (علی احمد فاطمی) یونیورسٹی کے پروفیسر، لیکچرر، یا ادبی درسگاہوں میں تعلیم اور طلباء کی ادبی انجمنوں کے مشیر اور نگراں اس بات کے متمنی رہتے ہیں اور یاد دلاتے رہتے ہیں کہ ان کے نام اعزازی طور پر رسالہ جاری کیا جائے کہ یہ ان کا حق ہے (ضیاء الحسن فاروقی)

۱۱۔ جو مضامین اور افسانے بھیجے جاتے ہیں ان کے پیچھے کوئی محنت، عرق ریزی یا موضوع سے شغف کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مضامین زیادہ تر وہی وصول ہوتے ہیں، جن کے بارے میں مُستند لوگ لکھ گئے ہیں۔ ایسے مضامین کی بہت کمی ہے جو کسی نئے نقطۂ نظر کے حامل ہوں یا جن میں ادب یا فن کے کسی نئے پہلو کو اُجاگر کیا گیا ہو (شہباز حسین) ہر ادبی جریدے میں کچھ صفحات ایسے قاری کے لئے بھی مخصوص رکھے جائیں جو ہوتے تو اوسط درجے کے ہیں، لیکن درحقیقت وہی اُردو زبان و ادب کی بقا کے ضامن ہوتے ہیں (ریحانہ زیدی)۔

۱۲۔ سرکاری اور نیم سرکاری ادبی جرائد سے مقابلے کے سبب دوسرے ادبی رسائل کی فروخت ختم سی ہوتی جارہی ہے (سلطان سُبحان)

متعدد مقالوں اور تقریروں میں اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ ادبی جرائد کو درپیش مسائل انفرادی کاوشوں کے ذریعہ حل نہیں کئے جا سکتے۔ اس کام کے لئے اجتماعی کوشش ضروری ہے جو تنظیم کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے اجلاس کے آخر میں جب رسالہ جامعہ کے مدیر جناب ضیاء الحسن فاروقی نے یہ تجویز باقاعدہ طور پر پیش کی کہ ادبی جرائد کے مدیر اپنی ایک تنظیم بنالیں تو اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ اسی وقت اتفاق رائے سے ضیاء الحسن فاروقی صاحب، گوپال متل صاحب، شہباز حسین صاحب، شاہد ماہلی صاحب، خلیق انجم صاحب، ابوالکلام قاسمی صاحب، شبین مظفر پوری صاحب، افتخار امام صدیقی صاحب، عبدالصمد صاحب، عابد سہیل اور روشن آرا صاحبہ پر ایک گیارہ رکنی ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آگئی جو جلد ہی ادبی جرائد کے مدیروں کی ایک کل ہند کانفرنس بلاکر تنظیم کو باقاعدہ شکل دے گی۔

اس سمینار نے ادبی جرائد کے مدیروں اور دوسرے کارکنوں کو اپنے مسائل حل کرنے کے لئے جدوجہد کرنے کا حوصلہ دیا ہے اور شاید پہلی بار مسئلے کے سارے پہلوؤں پر اس قدر کھل کر بات چیت ہوئی ہے۔ اگر ادبی جرائد کی ایک فعّال تنظیم عمل میں آگئی تو یہ اُمید کرنا بے جا نہ ہو گا کہ ان رسائل کی ترقی کی راہیں کھل جائیں گی۔

●●

یُوتھ فورم

'یُوتھ فورم' کا مستقل فیچر کریر کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کے سماجی، معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، ۱۵واں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

نیند

• احمد صدیقی (بی۔ اے)
۱۶۳۔ منہاج پور۔ الہ آباد نمبر ۲۱۱۰۰۳

عام خیال ہے کہ اعضائے جسمانی کو آرام پہنچانے کے لئے پرسکون نیند کا آنا اشد ضروری ہے اسی خیال کے تحت نیند نہ آنے پر انسان فطری طور پر فکرمند اور پریشان سا ہوجاتا ہے، لیکن معالجات سے متعلق تحقیقات کرنے کے بعد جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ اس خیال سے قطعی مختلف ہیں۔ جسم کے لئے آرام اشد ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خراٹوں بھری نیند آئے، بستر پر سکون کے ساتھ چند گھنٹوں تک لیٹے رہنا آرام کے لئے کافی ہے۔ نیند ذہن کو پرسکون اور متحرک بنائے رکھنے کے لئے ضروری ہے اسی لئے آدمی سوتا ہے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد صبح تازگی کا احساس کرتا ہے اور پھر دن بھر چستی و پھرتی کے ساتھ اپنے روزانہ کے مشاغل میں مصروف ہوجاتا ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر آدمی کو ایک طرح کی نیند آنی چاہیئے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ جسم کی ساخت کے ساتھ نیند کی ضرورت بھی منسلک ہے۔ کچھ لوگوں کے لئے دو گھنٹے کی نیند کافی ہوتی ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں سات آٹھ گھنٹے سونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کس شخص کو کتنے گھنٹے سونا چاہیئے، اس کا تعلق عمر سے ہوتا ہے۔ مثال کے لئے ایک بچے کو ۹ سے ۱۲ گھنٹے کی نیند ضروری ہے۔ نوجوانوں کے لئے ۶ سے ۸ گھنٹے تک سو لینا کافی ہے اور ضعیفوں کے لئے ۴ سے ۵ گھنٹے کی نیند بھی کافی سے زیادہ ہوسکتی ہے۔

تجربات کے تحت یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ نیند کی ضرورت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے نیند آنا یا نہ آنا تشویش کی بات نہیں ہے۔ تشویش تب ہوتی ہے جب آدمی کا ذہن نیند کی طرف مائل ہو اور آنکھیں بند کر لینے کے بعد بھی نیند نہ آئے۔ موجودہ مشینی اور صنعتی دور نے انسان کے ذہن میں تناؤ پیدا کر دیا ہے جس کی وجہ سے اکثر جسم میں ہیجنی، دماغ میں کھنچاؤ اور خیالات میں جذباتیت آجاتی ہے۔ یہ بات باعث تشویش اور کسی حد تک خطرناک ہوتی ہے۔ اسی کے بعد نیند نہ آنے کی بیماری انسومینیا (INSOMANEA) شروع ہوجاتی ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نیند سے متوالا آدمی یا تو نشیلی اشیاء کا عادی ہوجاتا ہے یا نیند کی گولیاں کھانے لگتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد "نیند کی گولیاں" بھی اثر انگیز نہیں رہ جاتیں اور تب وہی لوگ مارفیا کا انجکشن لگوانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ایسی خطرناک صورتحال ہے، جس سے مفر ممکن نہیں۔ آخرکار دماغی توازن بگڑ جانے کے بعد یا خودکشی کی صورت میں ہی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔

نیند کی گولیاں انسانی ذہن اور جسم کے لئے خطرناک، قاتل کی طرح مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی بعض لوگ انھیں کے سہارے بستر پر جاکر نیند کے مزے لینا چاہتے ہیں۔ کبھی تو انھیں آرام کی نیند آجاتی ہے اور کبھی کروٹ بدل بدل کر ناخوشگواری کے انداز میں وقت کاٹنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کی دواؤں کے خطرناک نتائج کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سرکار نے عام طور سے ان پر پابندی عائد کر دی ہے، اور ڈاکٹروں کے مجوزہ نسخے پیش کرنے پر ہی یہ دوائیں مل سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود اس طرح کی دواؤں کی کھپت بہت زیادہ ہے۔

ہمارے ملک میں لوگ نیند لینے کے لئے دوسرے قسم کی نشیلی اشیاء مثلاً چرس، گانجہ، بھانگ، حشیش وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ امریکہ اور روس جیسے بڑے ممالک میں بھی ان نشیلی اشیاء کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کے نتائج ذہنی دماغی حالت کی ابتری اور خودکشی کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ 'گہری نیند' اور 'نیند' میں بہت فرق ہے۔ محض دو گھنٹے کی 'گہری نیند' کے بعد آدمی خود کو اتنا تر و تازہ محسوس کرسکتا ہے کہ اس کے بعد وہ پھر سے جسمانی اور ذہنی طور پر کام کاج کرنے کے لئے آمادہ

ہو جائے۔ گہری نیند سے مُراد یہ ہے کہ دماغ سے منسلک تمام تر عضو مکمل طور پر آرام اور راحت محسوس کر سکیں اور جسم کے تمام اعضاء میں ہلکا پن اور نرم روی محسوس ہو۔ ذہن کا ہلکا پن دھیرے دھیرے انسانی جسم کو متاثر کرتا ہے اور اگر اس کے ذہن و دماغ پر کسی قسم کا بوجھ یا تناؤ نہیں ہے تو جلد ہی اُسے گہری نیند آجاتی ہے۔ اس کے برخلاف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی طرح صرف سو لیتے ہیں۔ دراصل وہ نیند کی نہیں بلکہ نیم غوابی یا نیم بیداری کی کیفیت ہوتی ہے۔ خواب دیکھنا، سوتے میں چلنا یا باتیں کرنا، بچوں کی طرح بستر پر پیشاب کرنا، دانت کٹکٹانا وغیرہ ایسی ہی کیفیات ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص "نیند" میں نہیں ہے بلکہ اس کی یہ صورت حال نیم بیداری کی ہے۔

نیند نہ آنے کی بیماری یا (INSOMANEA) انسومینیا کا مریض متذکرہ بالا امراض یا کسی ایک مرض کا شکار ہوتا ہے۔ اس قسم کے مریض کو ہمیشہ یہ احساس ستاتا رہتا ہے کہ وہ پوری نیند نہیں سو پا رہا ہے۔ وہ ایک مقررہ وقت میں حسبِ خواہش اوقات میں نہیں سو سکتا، رات کو سوتے ہوئے بار بار اُٹھ جاتا ہے یا کبھی اپنی منشاء کے برخلاف وقت سے پہلے ہی جاگ جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ساری رات سونے رہنے کے باوجود بھی ایسا محسوس کرے کہ اس نے قطعی آرام نہیں کیا ہے اور اسے جسمانی طور پر آرام کرنے کی ضرورت ہے، تو یہ تمام آثار، نیند نہ آنے کی بیماری کے ہی آثار ہیں۔

نیند سے متعلق متذکرہ تمام امراض اور پریشانیوں سے بچنے کے لئے ایبانسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر رچرڈ آر۔ بوٹجن نے کچھ مشورے دیئے ہیں۔

بستر پر آرام کرنے اسی وقت جایئے جب آپ کو بہت تکان کا احساس ہو رہا ہو۔ بستر پر جا کر سونے کی کوشش کیجئے اور اپنی زندگی سے متعلق مسائل کے بارے میں قطعی مت سوچئے۔ اگر آپ کو بستر پر جانے کے بعد جلد ہی نیند نہیں آتی تو بستر سے اُٹھ جایئے اور اس وقت تک بستر پر واپس نہ آیئے جب تک آپ یہ نہ محسوس کریں کہ اس بار بستر پر جاتے ہی آپ کو نیند آجائے گی، اس ترکیب کو تب تک آزماتے رہیئے جب تک آپ کو نیند نہ آجائے۔ روزانہ صبح بیدار ہونے کا ایک وقت مقرر کر لیجئے اور روز اسی وقت کے لئے اپنی ٹیبل واچ میں الارم لگا کر سویئے۔

ڈاکٹر بوٹجن کے قول کے مطابق اگر کسی کام میں مکمل طور پر اپنی توجہ مرکوز کر لی جائے تو سونے میں آسانی ہوگی۔ مطالعہ اس کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

نشیلی دواؤں کا استعمال کرنے کے بجائے "مضبوط قوتِ ارادی" کی مدد سے انسان اپنے نیند نہ آنے کے مرض کا علاج کر سکتا ہے۔ انسان خود اپنے آپ یہ سوچے کہ مجھے نیند آرہی ہے — میں گہری نیند میں سو چکا ہوں تو اس کی بے خوابی کا مرض دُور ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ معالج اب لوگ آسن کرنے کی رائے بھی دیتے ہیں۔ اس ترکیب کی اہمیت یوں ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء وقتی طور پر غیر متحرک اور تھک سے جائیں، دماغ کی نسوں کا تناؤ ختم ہو جائے اور غیر ضروری و نیز بیکار قسم کے خیالات دماغ سے یکسر نکال دیئے جائیں تاکہ ذہن کو یکسوئی مل سکے۔ ان ترکیبوں سے انسان اپنی بے خوابی کے مرض پر قابو پا سکتا ہے۔

فطری طور پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسومینیا اور نیند نہ آنے کے کیا وجوہ ہیں؟ عام طور پر خیال ہے کہ ناکامیاب محبت ہی اس طرح کے امراض کی خاص وجہ ہے، لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ مختلف وجوہ کے تحت ذہنی تناؤ ہو جانے کی وجہ سے یہ مرض ہو سکتا ہے۔ گھریلو زندگی پُرسکون نہ ہونا، آپسی من مٹاؤ یا دشمنی، مالی و معاشی پریشانی، فکرِ معاش، تجارت میں نقصان ہو جانا، امتحان میں ناکامیاب ہو جانا یا کسی اپنے عزیز ترین دوست سے بچھڑ جانا یا اس کی موت — اس ذہنی تناؤ کی وجہیں ہیں۔ ہندوستان میں ازدواجی زندگی میں آپسی مَن مٹاؤ یا رشتۂ ازدواج کا بکھر ختم ہو جانا، یہ سب ایسے وجوہ ہیں جو انسومینیا کے مرض کی خاص وجہ ہیں۔ مغربی ممالک میں سماج اور سوسائٹی میں رہتے ہوئے بھی اکثر لوگوں کو شدید طور پر احساسِ تنہائی کا شکار ہونا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

دراصل ذہنی تناؤ کا علاج خود انسان کے ہاتھ میں ہے۔ خود اعتمادی کا جو احساس انسان اپنے حالات سے اثر پذیر ہو کر ختم کر دیتا ہے یا کھو دیتا ہے، اُسی کو دوبارہ حاصل کر کے وہ ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے لئے انسان جلد سے جلد مکمل طور پر خود اعتمادی کا احساس پیدا کر سکے۔

ذہن کے تناؤ کے علاوہ رات کو نیند نہ آنے کی اور بھی کئی وجوہات ہیں۔ دوپہر کو تھوڑی دیر سو جانے سے رات کو نیند نہ آنے میں اکثر دقت کا احساس ہوتا ہے۔ بہت زیادہ سگریٹ نوشی، چائے نوشی یا کافی پینے سے نیند نہ آنے کی شکایت پیدا ہو سکتی ہے۔ مَے نوشی بھی اکثر نیند نہ آنے کا بہت بڑا سبب بن جاتی ہے۔ زیادہ شراب پی کر سونے سے تھوڑے وقفہ کے بعد ہی نیند کھُل جایا کرتی ہے۔ شراب پی لینے سے ایک بار نیند تو آجاتی ہے مگر اس کے بعد نشہ اُتر جانے پر شراب پینے والے کے جسم میں بہت زیادہ تکان اور کمزوری آجاتی ہے۔ شراب، سگریٹ، چائے اور کافی وغیرہ کے عادی لوگوں کو اکثر بے خوابی کی شکایت ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ اوپر تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ نیند کی گولیاں صحت کے لئے ضرر رساں ہوتی ہیں۔ امریکہ کے مشہور و معروف بے خوابی کے مرض کے ماہر اور معالج ڈاکٹر انتھونی کیلس بے خوابی کی دواؤں پر ریسرچ کرنے کے بعد اس نتیجہ

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

سمندر، گیہوں اور دیواریں

ندا فاضلی

ممتاز راشد کی بمبئی میں آمد اور ہند و پاک جنگ کا سال ایک ہی ہے جنگ تو ہار جیت میں بٹ کر کبھی کی برابر ہو گئی۔ لیکن وہ لڑائی جو راشد اور بمبئی کے درمیان ۱۹۶۵ء میں شروع ہوئی تھی، ابھی تک جاری ہے۔

ان سے پہلے اور بعد میں کئی لوگ یہاں آئے لیکن ایک دو سال کی لڑائی کے بعد ہی فیصلہ ہو گیا۔ اور انھوں نے بمبئی کے کسی علاقے میں اپنا چھوٹا سا قلعہ تعمیر کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان بھی کر دیا، مگر یہ ایسا نہیں کر پائے ....

کیوں؟ شیکسپیئر کے کرداروں کی شکست کا راز خود ان کی شخصیت کی کسی نہ کسی بیڑہ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ موصوف بھی جن ہتھیاروں کے ساتھ بمبئی میں حملہ آور ہوئے تھے، وہ پرانے ڈھنگ کے زنگ آلودہ ہتھیار تھے۔ وہ وقت کے ساتھ اپنی روش بدلنے کو تیار نہیں ہوئے اور بمبئی شکست کھانے کو رضامند نہیں ہوئی ؎

شرافت، آدمیت، دردمندی!
بڑے شہروں میں بیماری سے بچیئے

ایسا نہیں ہے کہ انھیں اپنی کمزوریوں کی اطلاع نہ ہو، لیکن صرف اطلاع سے کیا ہوتا ہے۔ ان کا سدھار بھی ضروری ہے۔ جو ان کے بس کا روگ نہیں ہے مجبوری سے شریف بنے رہ گئے ...!!

اب انتقاماً اپنے اِنچ ٹیپ سے ہر آدمی کا قد ناپتے ہیں اور فیصلے صادر فرماتے رہتے ہیں ... آدھے سے زیادہ ہندوستان کو نکار چکے ہیں باقی لوگوں کی شرافتیں مشتبہ ہیں ...!!

راشد سے جب میری جان پہچان ہوئی، ان دنوں ماہم میں مخدوم شاہؒ کی درگاہ کے پیچھے والے سمندر سے ان کی دوستی کافی مشہور تھی۔ یہ دوستی بھی کچھ عجیب قسم کی تھی۔ آدمی اور سمندر کی دوستی، وہ اس دوستی میں کہاں تک مخلص تھے یہ تو وہی جانتے ہیں لیکن سمندر بے چارہ پانی کی طرح اندر باہر ایک سا ہوتا ہے۔ انسانوں کی طرح اس کی لغت میں لفظ و معنی کے رشتہ میں عہد بہ عہد تبدیلی نہیں آتی۔ وہ دوستی کو دوستی سمجھتا تھا۔ راشد کو سر چھپانے کے لئے میلوں تک پھیلی ہوئی بمبئی میں جب کوئی جگہ میسر نہیں ہوئی تو سمندر نے دوستی نبھائی۔ وہ اپنی منڈیر سے کئی بار راشد کی زبانی غزلیں سن چکا تھا۔ سخن شناس تھا دوست کو پریشان دیکھا تو اپنے لمبے چوڑے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر کنارے پر تھوڑی سی جگہ خالی کر دی، جہاں انھوں نے چار بلیاں کھڑی کر کے اپنے لئے ایک آشیانہ تعمیر کر لیا ...!!

آشیانہ تو تعمیر ہو گیا۔ لیکن آشیانے کی تنہائی نے ان کی بائیں پسلی میں میٹھا میٹھا درد جگانا شروع کر دیا۔ اور دیکھتے دیکھتے ماہم کی درگاہ والی گلی پھول، اگربتی اور گانجہ بھری سگریٹوں کے ساتھ راشد کے دھواں دھار عشق کے لئے بھی مشہور ہونے لگی۔

یہ ان کی بے روزگاری کا عشق تھا۔ فرصتیں ہی فرصتیں تھیں۔ وقت سے پہلے عشق جوان ہو گیا۔ میرا شیراز ایک ابھرتی ہوئی گلوکارہ مزاجاً فنکارہ۔ ماہم کی شعری نشستوں میں، شعر پسند آئے تو داد دے بیٹھیں بس الجھتی چلی گئیں شعروں کے ساتھ شاعر کو بھی پسند کرنا پڑ گیا...

نئے نئے عشق میں شاعر فرصتوں کے دن رات تصورِ جاناں کی نذر کرتے رہے اور بے چارہ سمندر ان کی قربت کے دو چار لمحوں کو بھی ترستا رہا۔ اپنے اکیلے پن سے اوب کر بے چارہ دن میں کئی بار (HIGH TIDE کے دوران) بند دروازے پر دستک دیتا، کھڑکی سے اندر جھانکتا، وقت ہوتا تو تھوڑی دیر اسی جھونپڑی میں بیٹھ کر انتظار بھی کر لیتا۔ انتظار دوست کا ہو یا دشمن کا، ہوتا ہے نہایت پریشان کن!

سمندر بھی ان انتظار کی گھڑیوں کو بہلانے کے نئے نئے طریقے نکال لیتا۔ کبھی ٹرنک میں رکھے ہوئے کپڑوں کو پھر سے دھونا شروع کر دیتا... کبھی طاق میں رکھی شاعری کی کتابوں کو اٹھا کر غزلوں کی ورق گردانی کرنے لگتا۔ کھانا پکا ہوتا تو بلا تکلف ہڑپ جاتا...

رات گئے جب راشد واپس آتے تو گھر کو عجیب حالت میں پاتے۔ ہر چیز بھیگی ہوئی۔ برتنوں سے کھانا غائب، کتابوں سے غزلیں فرار، سارے کپڑے گیلے...!

اپنے سے بڑوں کی دوستی کتنی مہنگی پڑتی ہے۔ یہ راشد کو انھیں دنوں محسوس ہوا... راشد مزاج سے شاعر، بھلا سمندر کی روز روز کی ہٹ دھرمی کو کہاں تک برداشت کرتے۔ آپ سے تم۔ تم سے تو ہونے لگی۔ بات بڑھتے بڑھتے محلے میں پھیلی، محلہ سے کارپوریشن کے دفتر تک پہونچی... امین کھنڈوانی نے (ماہم کی ایک با اثر ہستی) جو ان دنوں کارپوریشن کے ممبر تھے، مصالحت کی بہت کوشش کی۔ لیکن رشتہ میں جو دراڑ پڑ چکی تھی وہ بدستور بڑھتی گئی... اور آخرکار سمندر اور شاعر کی برسوں پرانی دوستی قانونی طور پر ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گئی۔ سمندر نے پھر سے اپنے ہاتھ پیر پھیلا دیئے... راشد پھر سے بے گھر ہو گئے...

اس رشتہ کی قانونی موت کا غم راشد کو سمندر سے کچھ کم نہیں تھا... اس دکھ کو جھیلنے کے لئے سمندر کی طرح اب وہ اکیلے نہیں تھے۔ درگاہ والی

گلی کا عشق بھی اُن کے غم میں برابر کا شریک تھا کہتے ہیں دکھ بانٹنے سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ راشد کے ساتھ بھی یہی ہوا ہو گا۔۔!!

ان دنوں راشد اکثر رات کو دیر دیر تک ماہم کے مختلف چائے خانوں میں نظر آتے یار دوست تو ہمیشہ نصیحتیں کرنے کے مواقع تلاش کرتے رہتے ہیں...اُن سے بھی اب ہر آدمی سرپرستانہ انداز میں ملنے جلنے لگا۔۔ ایک چائے اور ڈھیر سارے نیک مشورے ... !! ان مشوروں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے راشد کے پاس صرف ایک ہی حربہ تھا۔ شاعری۔ اپنی یا دوسروں کی۔ خاص طور پر قابل اجمیری کے شعر وہ لہک لہک کر سناتے تھے اور محفل کا رُخ اپنی طرف سے ہٹا کر قابل کی بیماری، اس کی محبت اور شعر گوئی کی طرف موڑ دیتے تھے۔

قابل اجمیری کے بعد جن شاعروں کے شعر وہ اب بھی موقع بے موقع سناتے ہیں ان میں شکیب جلالی اور ناصر کاظمی خاص ہیں۔ ہندوستان کے شاعروں کے شعر شاید انھیں اس لئے یاد نہیں ہیں کہ ان میں سے بیشتر سے وہ مل چکے ہیں۔۔ !! وہ شاعری اچھی بُری قبول کر لیتے ہیں لیکن آدمی جب تک اپنا جیسا نہیں ملتا اُسے اپناتے نہیں۔

راشد کی پسند و ناپسند کے اپنے پیمانے ہیں جو ادبی کم شخصی زیادہ ہیں۔ وہ اچھے شاعر کے لئے پہلے اچھا آدمی ہونے کی شرط رکھتے ہیں۔ اور اچھا آدمی بھی ایسا جو ممتاز راشد جیسا ہو۔۔!!

ممتاز راشد کو ہر جگہ ممتاز راشد کی تلاش ستاتی رہتی ہے۔ تلاش کے اس رویہ نے بمبئی جیسی چہل پہل والی بستی میں گوشہ نشین بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایک دن ملے تو معلوم ہوا، وہ بُری طرح ایک سماجی سیوا میں جُٹے ہوئے ہیں۔ لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دیا ہے اور رات دن دو ناراض دوستوں کو ایک دوسرے سے ملانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔۔!! یہ دونوں دوست جو کئی برسوں سے ساتھ ساتھ رہتے چلے آئے تھے، اچانک کسی بات پر لڑ لئے اور ناراض ہو کر الگ الگ جا کر بس گئے... صبح کے ناشتہ اور رات کے کھانے کی یہ لڑائی کافی عرصہ تک چلتی رہی۔ اور راشد مسلسل اس رشتہ کو ہموار کرنے میں جُٹے رہے۔ اس لڑائی کی وجہ راشد کی غزل ہو یا عشق یا سوتیلے والد کے ساتھ ان کا جذباتی بُعد مگر ہوا یہ کہ ایک بار لڑنے کے بعد یہ دونوں کسی طرح ایک دوسرے سے گلے ملنے کو تیار نہیں ہوئے۔ بے چارے راشد اگر کبھی صبح کے ناشتہ کو سمجھاتے ہوئے پائے جاتے تو رات کا کھانا ان سے بات نہیں کرتا۔۔ اور اگر رات کے کھانے سے کہیں ان کی ملاقات ہو جاتی تو صبح کا ناشتہ یہ خبر سنکر مُنہ پُھلا کر بیٹھ جاتا .... آدمی تھے خوددار... ایسے آدمی کا ہاتھ پریشانی میں لاکھوں من بھاری ہو جاتا ہے۔ کسی کے سامنے اُسے دراز کرنے کی طاقت ان میں کہاں تھی ...

انھیں دنوں ایک دن اسٹیشن پر ملے ... پتہ کرنے پر معلوم ہوا ملاڈ میں کوئی مشاعرہ ہے جس میں دونوں دوستوں کی شرکت متوقع ہے اور یہ وہاں اپنا سماجی فرض نبھانے جا رہے ہیں ... ! گاڑی آئی اور یہ جلدی میں تھرڈ کلاس کے ٹکٹ کے ساتھ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں گھُس گئے سماجی کارکنوں کو سماجی سیوا کے صلہ میں آجکل سات خون معاف ہیں ان دنوں تو تھرڈ کلاس کے ٹکٹ سے فرسٹ کلاس میں سفر کرنا ریلوے حکام کے لئے اوپری آمدنی کا ذریعہ تھا... ٹکٹ کلکٹر کے آتے ہی راشد بوکھلا گئے اور اس کے پوچھنے سے پہلے حالِ دل سُنا بیٹھے .... بکری خود قصائی کے ہاتھ میں چھری دے تو قصائی کاہے کو شکار چھوڑے .... !! جیب میں صبح کے ناشتے اور رات کے کھانے کے میل ملاپ کی جتنی ترکیبیں کھدکھدا رہی تھیں وہ ٹکٹ کلکٹر کی بیوی کے پان زردہ کی نذر ہو گئیں ... !!

مشاعرہ گاہ میں دیر سے پہنچے تو دیکھا وہ دونوں آئے تو تھے مگر اُلٹے سیدھے شاعروں کا کلام سُنا تو بور ہو کر وقت سے پہلے ہی چلے گئے .... مایوسی سی اپنی غزل سُنا کر شاعر اپنے مشن میں پہلے کی طرح ناکام ہو کر واپس آ گئے۔

سمندر سے دوستی ٹوٹتے ہی راشد پھر سے بڑی بڑی عمارتوں کے شہر میں اپنے خط ماہم کے ایک پان والے کی معرفت منگوانے لگے ... بمبئی میں شراب مل جاتی ہے، روٹی بھی جیسے تیسے حاصل ہو جاتی ہے، عورت بھی پلّے پڑ جاتی ہے ... لیکن ان تینوں کے جائز استعمال کی سہولت بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جائز استعمال کا کمپلیکس متوسط طبقے کے معاشر کی دین ہے، جس سے راشد بھی بَری نہیں تھے۔ جائز اور ناجائز کی تفریق میں اپنی زندگی کے دس سال گنوا کر انھیں پتہ لگا کہ بمبئی کی زمین آسانی سے اپنے اوپر دیواریں کھڑی کرنے نہیں دیتی ... !!

راشد خواجہ غریب نوازؒ کی بستی سے جن دیواروں کو اُکھاڑ کر اپنے ساتھ لائے تھے ان پر بھی غزلوں کی زمینوں کے علاوہ ہر زمین تنگ تھی۔ ان دیواروں کے بوجھ سے اُکتا کر کئی بار بمبئی سے بھاگنا بھی چاہا لیکن سمندر نے جس کی دوستی کو انھیں مجبوراً ٹھکرانا پڑ گیا تھا انتقاماً بمبئی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

راشد ابھی تک بمبئی میں ہیں۔ امین سیانی کے ساتھ ہیں۔ ان کی پبلسٹی کے ادارہ میں کام کرتے ہیں۔ بمبئی کے بیرحم سلوک نے اُن کے کبھی نہ لوٹنے والے دس گیارہ سال تو برباد کئے لیکن انھیں اس رومانوی دائرے سے ضرور آزاد کر دیا جو چھوٹی بستی کی محفوظ زندگیوں کی دین ہوتی ہے۔ اس آزادی کی پہچان ان کی پہلے کی کہی ہوئی اور نئی غزلوں کے تقابل سے بھی کی جا سکتی ہے اور دوسروں کے ساتھ ان کے سماجی برتاؤ میں بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ اب

حسن و عشق کی شیفتگی کو حالات کی دھوپ چھاؤں میں پگھلا کر دیکھنے لگے ہیں ؎

رنگیں شام چمکتی سڑکیں ہر سو چہروں کے جمگھٹ
سونی آنکھیں پوچھ رہی ہیں ہر منظر سے تیرا نام

راشد کی اب تک کی زندگی اجمیر سے دیواریں اکھاڑنے اور ممبئی میں بسی گیہوں کی دوکان کے قریب انھیں دوبارہ نصب کرنے کی کہانی ہے، جس کا ایک خوبصورت موڑ ان کا عشق ہے جو اب ازدواجی رشتہ کا روپ دھار چکا ہے۔ گیہوں کی دوکان، دیواریں اور عشق۔ الگ الگ ناموں کا یہ بکون راشد کی شاعری بھی ہے اور شخصیت بھی جنھیں ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

اجمیر کی اکھڑی ہوئی دیواریں دس سال کے بعد درگاہ کے پچھواڑے ایک کمرے کا روپ دھار چکی ہیں، لیکن اب بھی اس کی بنیاد پختہ نہیں کہی جا سکتی۔ ہر گیارہ مہینے کے بعد ممبئی کی موسمی ہوائیں اس کو اس بری طرح ہلا جاتی ہیں کہ پھر سے انھیں مضبوط بنانے کے لئے دنوں کی محنت صرف کرنی پڑتی ہے۔

اس کمرے کی بھی اپنی خصوصیت ہے جو عام کمروں کی تعمیر سے مختلف ہے۔ اس کا نقشہ امین سیانی کے آفس میں تیار کیا گیا جسے ممتاز راشد نے اپنی مسلسل جدوجہد سے ممبئی کے ایک مشہور جلسہ گھر (برلا ماتوشری ہال) میں کئی گلوکاروں اور فلم آرٹسٹوں کی مدد سے تقریباً پندرہ ہزار روپے میں تعمیر کیا تھا۔ جسے درگاہ کے پچھواڑے لا کر جما دیا گیا ہے..!

ماہم کی درگاہ میں گھستے ہی جس سمت سے پاکستانی سنگر مہدی حسن کی آواز آتی ہوئی سنائی دے، آپ اسی طرف مڑ جائیے، دس بارہ قدم اس خوبصورت آواز کا پیچھا کرتے ہوئے آپ جس بنا نام کے دروازہ پر رکیں، بنا جھجک آواز لگا کر دیکھ لیجئے... جواب میں میرا شیراز (راشد کی اہلیہ) کی آواز سنائی دے گی اگر وہ نہیں ہوئیں تو دھوتی باندھے ہوئے کوئی بنا قمیص کا جسم دروازہ سے منہ نکال کر آپ سے مخاطب ہو گا.... اگر ان صاحب کے منہ سے جلدی نکلے ہوئے چار پانچ جملے سن کر بھی آپ کی سمجھ میں کچھ نہ آئے تو سمجھ لیجئے یہی ممتاز راشد ہیں۔ در یہی ان کا کمرہ ہے!

اگر ممتاز راشد مہدی حسن کے موڈ میں اپنے کمرے میں مل جائیں تو خدا کے لئے انھیں شاعر سمجھ کر شعر سنانے کی فرمائش نہ کر دیجئے، وہ فوراً مہدی حسن کا ٹیپ بند کر کے آپ کو موسیقی کی ہتک کرنے کے جرم میں حراست میں لے لیں گے اور کم سے کم آدھا گھنٹہ مہدی حسن کی گائکی پر آپ کا کلاس لے لیں گے۔ یہ اور بات ہے آدھ گھنٹہ کے بعد جب آپ آزاد ہوں گے تو یہ جان کر خوش ہوں گے انھوں نے جو کچھ کہا اس کا ایک لفظ بھی آپ کے ذہن میں نہیں ہے!!

ممتاز راشد اس کمرے میں رہتے ہیں۔ گیہوں کی دوکان، دیواریں اور شاعری کے اس چھوٹے سے پریوار میں دو کھلونوں کا اضافہ اور ہو چکا ہے، جو شاید ازدواجی بوریڈم کو بہلانے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں۔

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

...ہتے ہیں کہ بے خوابی کے مریض اکثر و بیشتر ضروری مقدار سے زیادہ خواب آور گولیوں کا استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کے جسم کو اتنی زیادہ مقدار میں اس قسم کی دواؤں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شکاگو کے ڈاکٹر ریکٹ شیفن کا خیال ہے کہ اگر آپ صرف ۵ گھنٹے سوتے ہیں تو نیند کی گولی کھانے کے بعد آپ کو آٹھ گھنٹے تک نیند آئے گی لیکن جلد ہی نیند کی گولی کھانے کے باوجود آپ پھر سے پانچ گھنٹے ہی سونے والی حالت پر آجائیں گے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد صورت حال یہ ہوگی کہ پانچ گھنٹے سونے کے لئے بھی آپ کو نیند کی گولی کھانی پڑے گی۔ رفتہ رفتہ آپ کو نیند کے لئے ہمیشہ خواب آور گولیوں کا سہارا لینا پڑے گا۔

خواب آور گولیوں کے مسلسل استعمال سے ان گولیوں کا استعمال کرنے والے لوگوں کو دو طرح سے اس کا انجام بھگتنا پڑتا ہے۔ ایک تو یہ کہ خواب آور دواؤں کے استعمال سے کبھی کبھی تو خواب [illegible] اور بھی بدترین صورت حال پیدا کر دیتا ہے۔ خواب آور گولی کھا لینے کے بعد بھی انسان کافی دیر تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہ جاتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کے جسم میں اینٹھن اور مروڑ جیسے دوسرے امراض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان دواؤں کے استعمال سے انسان خواب بہت زیادہ دیکھنے لگتا ہے اور اکثر ان خوابوں کا اس کے دل و دماغ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

اس طرح کے مریضوں کے لئے ڈاکٹر کیلس نے کچھ مشورے دیئے ہیں۔ ان کے مطابق جو مریض روزانہ خواب آور گولیاں اور دوائیں بہت زیادہ مقدار میں استعمال کرتے ہیں، انھیں پہلے پہل ہفتہ میں ایک دن کے لئے ایک گولی کم کرنی چاہیئے، اس کے بعد دو دن کے لئے اور پھر اسی طرح ایک ایک کر کے ان دواؤں کی عادت کو کم کرنا چاہیئے۔ اس طرح مریض کو سونے میں بھی پریشانی نہیں ہوگی اور دھیرے دھیرے ان کے استعمال کی عادت بھی کم ہو جائے گی۔

ان سب کے باوجود اگر آپ کو نیند نہیں آتی تو اسے باعث تشویش مت سمجھئے اور ہائے توبہ مت مچایئے، جاگنا جرم نہیں ہے، جسم کو آرام دینا ضروری ہے اور آرام چین سے لیٹ کر بھی مل سکتا ہے، اس کے لئے خراٹے بھرنے کی مسرت کوئی قطعی ضروری نہیں ہے۔

★ **ساز عثمانی**

کُل ہند انجمنِ خیال، کھیرواڑی،
باندرہ، بمبئی ۵۱ ...۴

*

برتاؤ مجھ سے کرنا تھا جیسا، وہ کر گیا
آنکھیں چُرائیے وقت مِلا تھا، گذر گیا

سُنتا رہے تھے ہم جسے دیوارِ جاں کہ
ٹیلہ وہ ریت کا تھا ہوا سے بکھر گیا

میں مُنہ ہی تکتا رہ گیا بیٹی نے جب کہا
ابّا ہمارے گھر کا اُجالا کِدھر گیا

بے چہرہ لوگ ساتھ ہیں منزل کی راہ میں
دل سے ہمارے پھر بھی نہ شوقِ سفر گیا

کوزے میں اپنے بھر کے وہ اِک باکمال شخص
خود مجھ سے پوچھتا ہے کہ دریا کدھر گیا

کچھ تقویت ملے تو سہی یادِ یار کو
اک تازہ زخم چاہیئے جب زخم بھر گیا

شانے پہ ہاتھ بادِ صبا نے رکھا تھا ساز
ہمزاد ہی کہیں نہ ہو میرا، میں ڈر گیا

*

۰۰ **عبدالحیٔ انجم**

۲۵۳۔ کھٹک محلہ، جبل پور (ایم پی)

*

دیوتا مان کے سب نے جسے پُوجا ہو گا
تیشۂ درد نے اُس بُت کو تراشا ہو گا

صرف یہ سوچ کے میں تشنہ لبی پر خوش ہوں
کتنے صحراؤں پہ بادل نہیں برسا ہو گا

اس صدی میں ترے ہونٹوں پہ تبسّم کی نمود
ہنسنے والے ترا پتھر کا کلیجہ ہو گا

ہم تو قائل نہیں لیکن مرا خوں ہونے پر
اپنے دامن کی طرف تم نے بھی دیکھا ہو گا

دُور تک نقشِ قدم نقشِ جبیں کاسۂ سر!
سوچتا ہوں یہ ترے شہر کا رستہ ہو گا

اُنگلیاں شمع کی مانند جو روشن ہیں مری
پردۂ حُسن کو چھُونے کا نتیجہ ہو گا

شعلہ جاں ہے جو فانوسِ بدن میں روشن
یہ بھی تیری نگہۂ مہر کا صدقہ ہو گا

پہلا سر میں نے دیا مقتلِ شب میں انجم
میرا خوں صبح کے ماتھے کا اُجالا ہو گا

★ **حبیب راحت حباب**

۱۱۔ اِملی پورہ اسٹریٹ ۲
کھنڈوہ (ایم۔ پی)

*

صراطِ کرب سے ہنستا ہوا گذر تنہا
یہ معرکہ تجھے کرنا پڑے گا سَر تنہا

شناخت اپنے خد و خال کی غنیمت ہے
بھٹک نہ آئینہ لے کے تو در بدر تنہا

نہ راس آئی بشارت اُسے صحیفوں کی
صلیبِ صبر پہ لٹکا رہا بشر تنہا

ہوا تھی لے اُڑی سر سے گھٹا کا آنچل بھی
ترستا رہ گیا سائے کو اِک شجر تنہا

وہ جس کے ہونٹوں پہ غم میں بُجھا تبسّم ہے
دھُواں دھُواں سا جلے گا وہ رات بھر تنہا

تو اپنی آبلہ پائی سے بد حواس نہ ہو!
یہ سوچ کیسے کٹے گا مرا سفر تنہا

اُکھڑ رہی ہیں طنابیں حباب سانسوں کی
ہوائے تُند کی زد پر ہے اپنا گھر تنہا

وزیر اعظم شری مرارجی دیسائی ۴ رجون کو بمبئی میں مجوزہ 'دور سنچار بھون' کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے۔ شری برج لال ورما، مرکزی وزیر برائے رسل و رسائل اور گورنر مہاراشٹر شری صادق علی بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

شری جگجیون رام، نائب وزیر اعظم اور وزیر دفاع نے ۲۰ رمئی کو دادر، بمبئی میں ۵۰ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والی سوتنتر ویر ساورکر قومی یادگار کے سنگِ بنیاد کی نقاب کشائی کی۔ موصوف کے دائیں طرف وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نظر آ رہے ہیں جنھوں نے اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

حکومتِ مہاراشٹر کے زیر اہتمام "راج بھاشا سال ۱۹۷۹ء" کے سلسلہ میں شری سدانند وردے، وزیر تعلیم نے "مراٹھی ویکاساچی دِشا" کے موضوع پر سیمینار کے پہلے اجلاس کا افتتاح کیا جو ۲ رجون ۱۹۷۹ء کو تلک سمارک مندر، پونے میں منعقد ہوا تھا۔ زیر نظر تصویر میں شری وردے کے بائیں جانب پروفیسر رام بکاولے، وائس چانسلر، پونے یونیورسٹی اور پروفیسر سر سیکار اور ان کے دائیں جانب ڈاکٹر وی۔ بی کولٹے اور ڈائرکٹر آف لنگویجز شری دائی۔ ایس کانیٹکر دیکھے جا سکتے ہیں۔
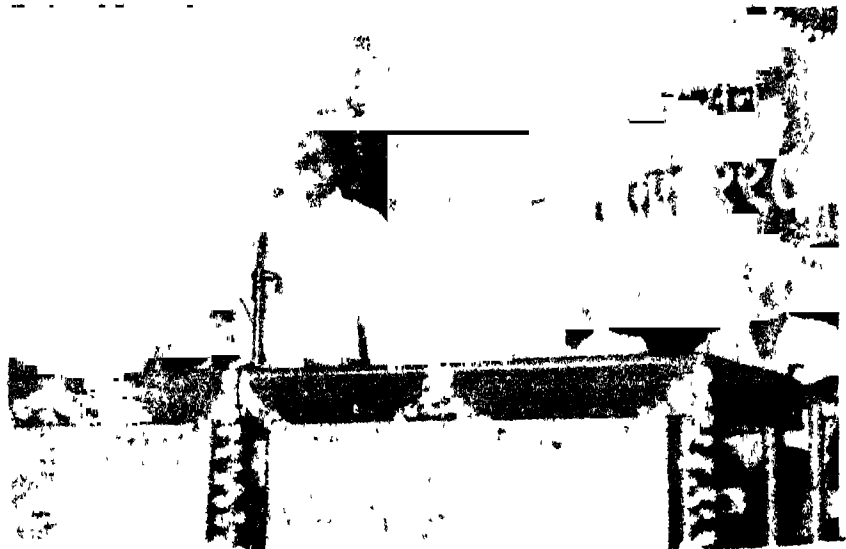
اوورسیز ایمپلائمنٹ پرُوموشن کارپوریشن :

وزیر اعلیٰ شرد پوار نے منترالیہ بمبئی میں ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا کہ مہاراشٹر میں جلد ہی ایک اوورسیز ایمپلائمنٹ پرُوموشن کارپوریشن قائم کیا جائے گا۔ جس کے ذریعہ تربیت یافتہ اور غیر تربیت یافتہ افراد کو عرب ممالک میں ملازمت کے لئے بھرتی کیا جائے گا۔ یہ کارپوریشن تلاشِ معاش میں افراد کی رہنمائی کرے گی اور غیر ملکی مالکان کی خواہش کے مطابق مختلف کاموں کے لئے ان اُمیدواروں کے معیار کی جانچ کرے گی۔ یہ توقع ہے کہ بالآخر مستقبل میں اس کارپوریشن کی سرگرمیوں میں اضافہ کیا جائے گا تاکہ مذکورہ ممالک کو سبزیاں اور گوشت وغیرہ برآمد بھی کیا جا سکے۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار تنزانیہ، کویت اور دیگر دورے سے ۱۱ رجون کو واپس تشریف لائے۔ آپ کروز ائرپورٹ بمبئی پر اپنے کابینی رفقاء کے ساتھ آ رہے ہیں۔

۲۶ ردال اکھیل بھارتیہ نیتر کار پریشد ۹ را د جون ۱۹۷۹ء کو بیلگام میں منعقد کیا گیا۔ شری آر پاٹل وزیر اطلاعات و رابطۂ عامہ نے کانفرنس کا ا کیا۔ زیرِ نظر تصویر میں آپ اور شری رنجیت دیسا چیئرمین استقبالیہ کمیٹی مصروفِ گفتگو ہیں۔ (دا اسی کانفرنس کی ایک اور تصویر)

* * * * * * * * * * * * *

شری آر۔ اے پاٹل، وزیر اطلاعات و رابطۂ عامہ کانفرنس سے خطاب فرما رہے ہیں۔ اسٹیج پر (بائیں سے دائیں) شریمتی شانتی نائیک، وزیر مملکت برائے مالیات، شری نرائن اتھاولے، صدر پریشد، شری رنجیت دیسائی، چیئرمین استقبالیہ کمیٹی، شری وسنت کالے، شری رنگا دیدیہ، سابق صدر اور شری موہن پاٹل، چیف ڈائرکٹر برائے اطلاعات و رابطۂ عامہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

قومی راج

تعلیم میں عملی تحقیقاتی پروجیکٹ کے لئے مالی امداد

تعلیم میں عملی تحقیقاتی پروجیکٹ پر کام کرنے کے لئے تسلیم شدہ اور مستحکم تعلیمی اداروں کے اسٹاف بشمول ٹیچرز ایسوسی ایشنز سے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں تاکہ انھیں ۲۰۰۰ روپے تک کی مالی امداد دی جاسکے۔
اس پروجیکٹ کا عنوان مدرسین کے سامنے آنے والے روزمرّہ کے مسائل کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔ امداد پانے والے کو ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، پونے کے مقرر کردہ ماہر کی قیادت میں کام کرنا ہوگا یا پھر براہ راست اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے تحت اس پراجیکٹ کو جاریہ تعلیمی سال میں ہی پورا کرنا ہوگا۔ بہرحال یہ مدت پروجیکٹ کی قسم پر منحصر ہوگی۔
اسکیم کے تحت جو تحقیقاتی پروجیکٹ موصول ہوگا اسے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن کی زیر صدارت انتخابی کمیٹی کو بھیجا جائے گا، اور جو مضامین کمیٹی منتخب کرےگی وہی مالی امداد کے مستحق ہوں گے۔
درخواست فارم ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کمبھیکر روڈ، سداشیو پیٹھ، پونے نمبر ۴۱۱۰۳۰، سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔
پوری طرح سے پُر کردہ درخواستیں ڈائرکٹر، اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، پونے کو بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۰ر جولائی ۱۹۷۹ء ہے۔

معذور طلبہ کے لئے مرکزی حکومت کے وظائف

حکومت ہند نابینا، بہرے، گونگے اور جسمانی طور سے معذوران طلبہ کو جوکہ تسلیم شدہ اسکولوں، کالجوں، ٹکنیکل اور ووکیشنل اداروں میں درجہ IX اور اس کے اوپر تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ ان کو پوسٹ گریجویشن تک صرف ٹکنیکل یا ووکیشنل اداروں میں ۸۰-۱۹۷۹ء سال کے نئے وظائف عطا کرےگی۔
مقررہ درخواست فارم ڈائرکٹر آف سوشیل ویلفیئر (جسمانی طور پر معذور شعبہ) کے دفتر واقع ۳ چرچ روڈ، پونے نمبر ۴۱۱۰۰۱ سے یکم جولائی سے ۳۰ر ستمبر تک خود جاکر یا سربراہ تعلیم کے ذریعہ ڈاک سے مفت مل سکیں گے۔

گوہاٹی میں بی۔ای کے لئے داخلے

گوہاٹی یونیورسٹی میں میکینکل، الیکٹریکل اور سول انجینئرنگ شاخوں میں سال برائے ۸۰-۱۹۷۹ء میں پانچ سالہ بی۔ای کورس کے دوسرے سال میں داخلے کے لئے اُمیدواروں سے درخواستیں مطلوب ہیں۔
اُمیدواروں کے لئے ۱۰ + ۲ اسکول اسکیم کا امتحان پاس کرنا یا گوہاٹی یونیورسٹی سے پی۔یو (سائنس) کورس میں پاس ہونا یا گوہاٹی یونیورسٹی سے تسلیم شدہ اداروں سے فزیکس، کیمسٹری اور حساب میں مشترکہ طور پر کم از کم ۵۰٪ نمبروں سے اور ۴۵٪ مندرج جاتیوں / مندرج قبیلوں کے اُمیدواروں کے لئے پاس ہونا ضروری ہے۔
اُمیدواروں کی کم از کم عمر ۱۷ سال داخلہ کے وقت یعنی یکم اکتوبر تک ہونی چاہیئے۔ ۵۰٪ سیٹس ریاست آسام کے لئے محفوظ ہیں اور باقی ۵۰٪ کل ہند کے اُمیدواروں کے لئے۔ ان میں سے ۲۰٪ سیٹیں مندرج جاتیوں اور مندرج قبیلوں کے اُمیدواروں کے لئے ہیں۔ پروسپیکٹس اور درخواست فارم پرنسپل انجینئرنگ کالج، سلچر، (آسام) نمبر ۷۸۸۰۱۰ سے ۲۱ر جولائی ۱۹۷۹ء تک ۵ روپے ڈرافٹ یا کراس انڈین پوسٹل آرڈر پرنسپل کے نام اپنا پتہ لکھے ہوئے بغیر ٹکٹ لگائے ہوئے ۲۵ × ۱۵ سی ایم سائز کے لفافے میں بھیج کر منگائے جاسکتے ہیں۔ لفافے پر "ایڈمیشن ۱۹۷۹ء" لکھنا ضروری ہے۔
بھرے ہوئے فارم کے وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۱ر جولائی ۱۹۷۹ء ہے۔

محمود درّانی کی بیوہ کو مالی امداد

وزیر اعلیٰ ریلیف فنڈ سے پانچ ہزار کا عطیہ

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے مرحوم محمود درّانی کی بیوہ کو وزیر اعلیٰ راحت فنڈ سے پانچ ہزار روپے کی مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے۔
وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ شری ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نے آج منترالیہ میں اس بات کا اعلان کیا۔ اس سے قبل وزیر موصوف کی کوششوں سے جناب مظفر شاہجہاں پوری کی بھی مالی امداد کی گئی تھی۔

عمر کی حد میں رعایت۔ انجینئرنگ خدمات

حکومت مہاراشٹر نے ان اُمیدواروں کی عمر کی حدوں میں چار سال کی رعایت دی ہے جو حکومت مہاراشٹر کی ملازمت میں موجود ہیں تاکہ جلد ہی مہاراشٹر سروس آف انجینئرز اور انوائرن منٹل انجینئرنگ سرویسز درجہ اول و دوم کی اسامیوں میں بھرتی کے لئے جو امتحان ہونے والے ہیں، اس میں شرکت کرسکیں۔
اس رعایت کے تحت ملازمت میں موجود مستحق اُمیدوار کی کم سے کم عمر ۱۹ سال اور زیادہ سے زیادہ ۳۰ سال (پسماندہ طبقات کے امیدوار کے لئے ۳۵ سال) یکم ستمبر ۱۹۷۸ء کو ہونی چاہیئے۔

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کا اعلان

مسودات کی طباعت کے لئے امداد :

حسبِ سابق امسال بھی مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی ایسے ادیبوں اور شاعروں سے درخواستیں طلب کرتی ہے جو اپنی تخلیقات کی طباعت اور اشاعت کے لئے اکادمی سے مالی امداد چاہتے ہیں۔

درخواستیں سکریٹری، اُردو اکادمی کو ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ درخواستیں موصول ہونے پر اخراجات کے تخمینہ کا فارم بھیجا جائے گا۔

براہ کرم اُن مسودوں کے لئے امداد کی درخواست نہ کی جائے جو سال گذشتہ اکادمی سے نامنظور ہو چکے ہیں۔ تخمینہ کے فارم کے ساتھ مسودوں کی نقل بھیجنی ہوگی جو واپس نہیں کی جائے گی۔

اُردو لائبریریوں کو امداد :

ریاست مہاراشٹر میں قائم اُردو لائبریریوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کی امدادی اسکیم کے تحت درخواستیں روانہ کر سکتی ہیں۔ درخواستوں میں تمام تفصیلات درج ہونی چاہئیں۔ مثلاً کیسے عرصہ سے قائم ہے، کس علاقے کو مستفید کرتی ہے۔ دیگر کن اداروں سے مدد ملتی ہے، کیا اراکین سے فیس لی جاتی ہے اور کتنی؟ صرف رجسٹرڈ لائبریریاں ہی درخواستیں روانہ کریں۔ واضح رہے کہ جن لائبریریوں کو سالِ گذشتہ امداد ملی ہے انھیں بھی از سرنو درخواست دینا ہوگا۔

درخواستیں سیکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے نام ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک بھیج دی جائیں۔

کالجوں کی اُردو انجمنوں کی امداد :

ریاست کے ایسے تمام کالج جہاں اُردو پڑھائی جاتی ہے اور جہاں اُردو کی انجمنیں قائم ہیں، مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی کو مالی امداد کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ درخواست میں بالتفصیل درج ہو کہ انجمن کیا کیا سرگرمیاں انجام دیتی رہی ہے، اور اس کا آئندہ پروگرام کیا ہے

اس اعلان کے جواب سے درخواستیں، سیکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کو ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک بھیجی جائیں۔

اردو تنظیموں کو امداد :

ریاست مہاراشٹر میں اُردو تعلیم، توسیع اور ترقی کے لئے سرگرم عمل اداروں، انجمنوں اور تنظیموں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ اپنی سرگرمیوں اور طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی سے مالی امداد کی درخواست کر سکتی ہیں۔ درخواستیں سکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے نام ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ صرف رجسٹرڈ اداروں کی درخواستوں پر ہی غور کیا جائے گا۔

اُردو کلاسوں کو امداد :

ریاست مہاراشٹر کے غیر اُردو داں عوام کو اُردو سکھانے کے لئے جاری اُردو کلاسوں کے منتظمین مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی سے مالی امداد کی درخواست کر سکتے ہیں۔ جماعت کے محل وقوع، اساتذہ اور طلبہ کی تعداد اور اخراجات کی تفصیل کے ساتھ درخواستیں سکریٹری، مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے نام ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ نئی کلاسیں جاری کرنے کے خواہشمند ادارے اور افراد بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

کتابت کے مراکز کو امداد :

اُردو خوشنویسی اور کتابت کی تربیت دینے والے اداروں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی سے مالی امداد کے لئے درخواست کر سکتے ہیں۔ مرکز کے محل وقوع، اساتذہ اور طلبہ کی تعداد اور اخراجات کی تفصیل کے ساتھ درخواستیں سیکریٹری، اُردو اکادمی کے نام ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ نئے مراکز کھولنے کے خواہشمند افراد اور ادارے بھی درخواست بھیج سکتے ہیں۔

اُردو ڈرامہ کرنیوالے اداروں کو امداد :

ریاست مہاراشٹر کے مختلف مراکز میں اُردو اسٹیج کے فروغ میں مصروف تھیٹر گروپ اور دیگر اداروں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی بھی سال ماسبق کی طرح اس سال بھی اُردو ڈراموں کے مقابلے منعقد کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ امکان ہے کہ ابتدائی مقابلے ریاست کے مختلف شہروں میں منعقد ہوں گے، اور فائنل مقابلہ بمبئی میں کیا جائے گا۔ غیر پیشہ ورانہ طور پر اردو اسٹیج سے متعلق افراد اور اداروں سے درخواست ہے کہ ان مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۷۹ء تک سکریٹری مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے نام درخواستیں ارسال کریں۔

He who hath not shall receive...

ADIVASIS AND BACKWARD CLASSES –

- Interest-free loan upto Rs 750/- to Adivasis
- Rs 30 crores provided for Khavati' loans
- Free legal aid to everyone having annual income upto Rs. 3600/-
- More seed-money to backward class educated unemployed

SMALL HOLDERS AND AGRICULTURAL LABOURERS –

- Rs 127 crores worth bunding loans liquidated
- Power for agriculture at cheaper rate
- Increased daily wages to agricultural labourers
- Permanent relief works in scarcity-affected areas

Government of Maharashtra

Issued by the Directorate General of Information and Public Relations, Bombay.

مہاراشٹر میں ۲۱،۲۸ لاکھ بھیڑیں ہیں جن میں ۶۰ فیصدی پونے اور اورنگ آباد کے سوکھے علاقوں میں ہیں تقریباً ۶۵ ہزار گنبے بھیڑیں پال کر گذر بسر کرتے ہیں جن سے ۹۱۵ ملین روپے کی مالیت کا ۵ ر۹۱ ہزار ٹن گوشت، ۵ ۱ ملین روپے مالیت کی ۵،۱ ملین کھالیں، ۲۰ ملین روپے کی کھاد ہزار ایک ہزار ٹن اون حاصل ہوتی ہے۔

موہن پاٹل چیف ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ حکومت مہاراشٹر مہرالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی ۴۰۰۰۰۴ میں چھپواکر شائع کیا۔
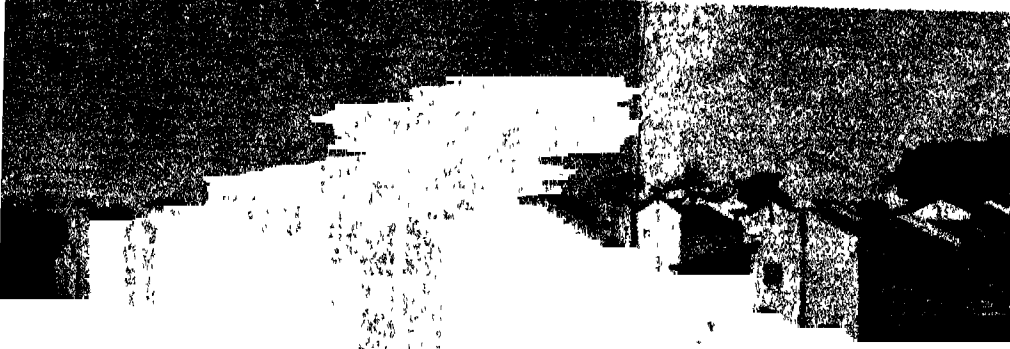
بے زمین مزدوروں کے لئے تعمیر کی گئی جھونپڑی نما بستی۔ ریاست میں اب تک ۲،۹۷،۰۰۰ ایسی جھونپڑیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ حال میں حکومت نے فی گھر کی تعمیر کے لئے درکار رقم ۷۵۰ روپے سے بڑھا کر ۱۵۰۰ روپے کر دی ہے تاکہ بے زمینوں کو بہتر مکانات مل سکیں۔

مراٹھواڑہ میں فساد سے متاثرہ اشخاص کے لئے تعمیر کردہ بستی۔ ایسی بستیاں ۷۹ دیہاتوں میں تعمیر کی گئی ہیں۔ باز آبادکاری کام تیز رفتاری اور لگن سے پورا کیا گیا ہے۔

قومی راج

جلد نمبر ۶

شمارہ نمبر ۱۳، ۱۴

۱۰ رجولائی اور ۲۵ رجولائی ۱۹۷۹ء مشترکہ شمارہ

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
سالانہ: دس روپے فی پرچہ پچاس پیسے
نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر: ریاض احمد خاں
سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر
منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

• **طرفہ قریشی** ۔ عظیم بنکر اسٹورس، نزد لال اسکول، مومن پورہ، ناگپور ۱۸
'قومی راج'، شمارہ ۲۵ مئی۔ ۱۰ جون ۱۹۷۹ء نظر نواز ہوا۔ طبیعت خوش ہوگئی۔
"سائنس عہدِ قدیم اور دورِ جدید میں" جناب جلیس سہسوانی کا بہترین مضمون ہے۔ علامہ اقبال کے اشعار میں سائنس کی تجرباتی آمیزش دکھا کر جلیس صاحب نے اپنی تلاش و تحقیق کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ آئندہ بھی 'قومی راج' کے لئے ایسے تحقیقی مضامین کی ضرورت ہے۔

*

• **محبوب راہی** ۔ نزد گلزاری مسجد، پوسٹ بارسی ٹکلی۔ اکولہ (مہاراشٹر)
راجشری شاہو مہاراج پر لکھے گئے ونود راؤ کے سیر حاصل مضمون کے ساتھ ڈاک ٹکٹ کے رسمِ اجراء کی پُرشکوہ تفصیلات اور بالخصوص شاہو مہاراج کے جلوس کی تصویر سرورق پر کچھ اس قدر واضح اور صاف و خوبصورت چھپی ہے کہ جلوس کا جیتا جاگتا منظر دکھائی دے رہا ہے۔
مہاراشٹر کی تاریخی شخصیتوں کے تعارف کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رکھئے۔ منظومات سبھی قابلِ تعریف ہیں۔ غنی اعجاز کی غزل اپنے اندر سلاست، روانی اور غنائیت لئے ہوئے ہے اس لئے بے حد متاثر کرتی ہے۔ جدید حسیت کی ترجمان صفدر کی غزل بھی لاجواب ہے۔ سائنس قدیم اور جدید پر جلیس سہسوانی نے بے حد دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ بچوں کے سال کی مناسبت سے مسز ذکیہ خطیب کا سبق آموز مضمون حاصلے کی چیز ہے۔

*

• **عبدالستار بیدسری** ۔ بیگم پیٹھ، سولاپور ۔ ۴۱۳۰۰۱
"قومی راج" کا ۱۰ جون ۱۹۷۹ء کا تازہ ترین شمارہ نظر نواز ہوا۔ مطالعہ کے بعد دل باغ باغ ہوا۔ راجرشی مہاراج جیسی عظیم شخصیت کے بارے میں پڑھنے کو ملا۔ اس سے قبل 'یوم مہاراشٹر' کا خصوصی نمبر جو ہماری ریاست مہاراشٹر کی معلومات کا اُمڈتا ہوا سیلاب تھا۔ میں آپ کو دلی مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے آپ قبول فرمائیں گے۔ خدائے تعالیٰ 'قومی راج' کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے۔

*

• **حفیظ مالیگانوی** ۔ ۸۴۹ ۔ نیاپورہ، مالیگاؤں۔ ضلع ناشک
'قومی راج' کے مضامین نظم و نثر کا جہاں تک تعلق ہے معیاری اور قابلِ داد ہیں۔ اب تو ہر شمارہ ہی ایک وقیع نمبر کی حیثیت رکھتا ہے ریاستی سطح پر آنے والے مضامین بھی لب و لہجہ کے اعتبار سے پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ نئے بجٹ کو جو ایک سمندر کی حیثیت رکھتا تھا آپ نے ایک کوزہ میں بند کر کے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے مضامین کا حال ہے کس کس کا ذکر کیا جائے یہاں تک کہ جو چیز جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

*

• **محمد رفیق** (بی۔ اے) معرفت نگر پریشد ۔ کامٹی
'قومی راج' کا 'یوم مہاراشٹر خصوصی نمبر' ۱۹۷۹ء نظر نواز ہوا۔ اپنی روایات کے مطابق بہت خوب ہے۔ مضامین صوبہ کی ترقیاتی کارکردگی اور روشن مستقبل کے ترجمان ہیں۔ منظوم حصہ میں حکیم عزیز قدسی صاحب کی نظم "مہاراشٹر کی شان" اس شمارہ کی ہی نہیں بلکہ حقیقت کی ترجمان ہے، اتنی عمدہ اور جامع نظم "مہاراشٹر کے موضوع" پر میری نظر سے نہیں گزری، نظم اس قابل ہے کہ اسے نصابی کتابوں میں شریک کیا جائے۔

• **نیاز علی نیاز** ۔ چوڑی محل، بالاپور ۔ ۴۴۴۳۰۲
'قومی راج'، شمارہ ۱۰ اپریل ۱۹۷۹ء باصرہ نواز ہوا۔ اس شمارے میں شوبھا مالنے کا مضمون نہایت مفید معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ رفیق جعفر صاحب نے "ہماری زبان" کے تعلق سے جن سہولتوں کا ذکر کیا ہے وہ واقعی قابلِ تحسین ہیں اور سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ ریاست مہاراشٹر اس معاملہ میں بڑا اچھا رول ادا کر رہی ہے۔

• **رحمان عباسی** ۔ محلہ نالا پار، تحصیل فتحپور (ضلع بارہ بنکی، یو۔ پی)
'قومی راج'، کا تازہ شمارہ دیر تک گھما پھرا کر دیکھتا رہا اور آپ کی خوش سلیقگی کو سراہتا رہا۔ دعاگو ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو تا دیر سلامت رکھ کر اُردو زبان کی خدمت کرائے۔ شعری حصہ میں ایم۔ کوٹھیاوی راہی اور نیاز علی نیاز کی تخلیقات نے زیادہ متاثر کیا۔ اوج اعظمی کی غزل دل کو چھو گئی۔ نثری حصہ میں بیدار صاحب کا "انٹرویو کی ضرورت اور اہمیت" اچھا لگا۔ آپ کا مضمون بے حد جامع اور اہمیت کا حامل ہے۔ ہاں افسانوں کی کمی بُری طرح محسوس ہوئی اس جانب توجہ فرمائیں۔

مہاراشٹر میں پروگریسو ڈیموکریٹک فرنٹ گورنمنٹ یعنی ترقی پسند جمہوری محاذ حکومت نے گذشتہ ایک سال کی مدّتِ کار کے دوران غربت زدہ عوام کی حالت سدھارنے کے لئے کئی اہم اور جرأت مندانہ فیصلے کئے۔ اور پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ انھیں عملی جامہ پہنانے کے لئے آگے قدم اٹھایا۔ ہر فرد کو روٹی کپڑا اور مکان مہیا کرنے کے مقصد کے تحت یہ اس خواب کو حقیقت کا روپ دینے کی کوشش میں لگی ہے کہ ہر فرد کو جو طالب ہو کام ملے اور ہر مزدور کم از کم واجبی اجرت پائے۔

مہاراشٹر۔ ترقی کی راہ پر تیز قدم!

ترجیح کے لحاظ سے سماجی اور معاشی طور پر استحصال زدہ لوگوں مثلاً بے ین مزدوروں، چھوٹے کسانوں، مقروض ادیباسیوں نیز دیگر قسم کے ضرورتمندوں نلا بے گھروں، جھونپڑپٹی واسیوں، تعلیم یافتہ بیروزگاروں، طالب علموں اور ...رتی آفات کے ماروں کو مقدم رکھا گیا ہے۔

سرکاری کارروائی میں لال فیتہ کو کاٹ کر جس تیز روی سے مراٹھواڑہ میں ...ماد سے متاثر لوگوں کی بازآبادکاری کا کام پورا کیا گیا وہ اس سمت میں کھلا اشارہ ہے۔ ...ں میں مہاراشٹر شاید پہلی ریاست ہے جس نے مفت قانونی امداد اور صلاح ...یکیم ۱۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو امبیڈکر جینتی کے دن جاری کی ہے جس سے بخوبی ...دازہ ہوتا ہے کہ حکومت کو کمزور طبقات کی کس قدر فکر دامنگیر ہے۔ ریاست کی ...بارہ داری کی اس وصولی اسکیم اور ضمانتِ روزگار اسکیم سے پنجاب، ہریانہ، ...ر دیگر ریاستیں متاثر ہوئیں اور انھیں بھی ایسی ہی اسکیمیں جاری کرنے کا ...یال آیا۔ معمولی کسانوں کے لئے محصول اراضی راحت اور رعایتی شرح سود، ...ر ورتمندوں اور دیگر صارفین کو ضروری اشیاء کی تقسیم اس بات کا مزید ثبوت ...ہے کہ حکومت نے غریب اور پسماندہ لوگوں کو اوپر اٹھانے اور راحت پہنچانے کا ...ڑا اٹھایا ہے۔

عوام کی خاطر حکومت کو اپنے فرض کا احساس ہی نہیں بلکہ وہ اس فرض کو ...نجام بھی دینا چاہتی ہے۔ اس کی پالیسیوں اور فیصلوں میں سماج کے کمزور طبقات ...ی بھلائی ہی کا مقصد اور جذبہ کارفرما ہے۔ اس طرح سازگار فضا پیدا ہونے پر ...ام لوگوں میں بھی یہ جذبہ اور جوش پیدا ہوا ہے کہ وہ مہاراشٹر کو مضبوط اور خوشحال ...نانے میں پوری طرح تعاون کریں۔

...می راج

محصولِ اراضی ادائیگی میں رعایت: بنیادی طور پر مہاراشٹر ایک زرعی ریاست ہے جہاں زراعتی مزدوروں اور معمولی کسانوں کی غالب آبادی ہے اور جن میں بڑی تعداد غربت سے بھی نچلے درجہ پر ہے۔ لہٰذا ترقی پسند جمہوری محاذ حکومت نے انھیں متعدد خاص رعائتیں دینے کا بلاتاخیر اعلان کیا۔

پانچ روپے تک محصول اراضی اور سیس کی ادائیگی معاف کردی گئی کیونکہ بعض چھوٹے مالکانِ اراضی اس اسکیم کے تحت نہ آسکے تھے۔ لہٰذا یہ ایسے تمام کسانوں کے معاملے میں لاگو کردی گئی جن کے پاس ان پر واجب الادا محصول اراضی کا لحاظ کئے بغیر زیرآبپاشی اراضی ہو، جو تین ہیکٹر سے زیادہ نہ ہو، بشرطیکہ اس زمین کے کسی بھی حصہ کے لئے آب پاشی کی سہولت حاصل نہ ہو۔ مقامی اداروں کو حکومت کے اپنے محصولِ اراضی میں سے مقامی محصول بھر دیا جائے گا۔

بعدازاں یہ طے کیا گیا کہ اس رعایت کو حسب ذیل طریقے سے اور بڑھا دیا جائے:

۱) ایسے کھاتے داروں کے معاملے میں محصولِ اراضی کی معافی جو پانچ روپے سے زیادہ لیکن دس روپے سے کم محصول اراضی ادا کرتے ہیں۔ خواہ ان کی زرعی ملکیتِ اراضی کا رقبہ کتنا ہی ہو۔ لیکن اس سارے ملکیتی رقبہ کے لئے آبپاشی سہولت حاصل نہ ہو۔

۲) بہرحال ان دونوں اقسام کے معاملے میں مقامی محصول بدستور لاگو ہوگا اور ایسے وصول کیا جائے گا گویا کہ محصول اراضی میں کوئی چھوٹ نہیں دی گئی ہے۔

۳) جمع کردہ مقامی سیس کے برابر ایڈہاک گرانٹ، یعنی ہنگامی امداد حسب معمول، ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کو پہلے ہی سے مقررہ محصول

۱۹۷۹-۸۰ء سال میں اناج کی پیداوار ۱۰۸ لاکھ ٹن تک پہنچ جانے کی توقع ہے لہٰذا ۱۱۳ لاکھ ٹن۔ یعنی خریف کے لئے ۷۸ لاکھ اور ربیع کے لئے ۳۵ لاکھ ٹن نشانہ رکھا گیا ہے۔

✤ ✤

اراضی (جو گاؤں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کو ادا کیا جاتا ہے)، مقامی سیس امداد اور ایسے ہی حصہ کے علاوہ ادا کیا جاتا ہے۔

اندازہ ہے کہ ۱۹۷۷-۷۸ء میں اس رعایت سے ۲۰ء۶۲ لاکھ کسانوں کو ۲۴ء۱۹ لاکھ ہیکٹر سمیت محصول اراضی اور پہلے سے اندازاً مقامی محصول کے سلسلے میں بالترتیب ۱۸ء۸۴ لاکھ روپے اور ۸۱ء۹۱ لاکھ روپے کا فائدہ پہنچا۔ تین ہیکٹر زمین رکھنے والوں نیز ۵ روپے سے زیادہ لیکن ۱۰ روپے سے کم محصول اراضی ادا کرنے والوں کو (جنھیں کوئی آبپاشی سہولت حاصل نہیں) یہ رعایت دینے سے توقع ہے کہ مزید ۱۲ لاکھ کاشتکاروں کو فائدہ پہنچے گا۔

قومی راج

سرکاری اراضی پر غاصبانہ قبضہ کی باضابطگی: برابر بڑھتی ہوئی آبادی سے زراعتی اراضی پر مسلسل بوجھ پڑ رہا ہے اور یہ دن بدن کمیاب ہوتی جا رہی ہے۔ زراعتی مقصد سے سرکاری اراضی پر غاصبانہ قبضہ کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایک پرانا مسئلہ ہے اور اب حکومت نے یہ طے کیا ہے کہ ایسے تمام ناجائز قبضہ جات کو جائز قرار دیدیا جائے جو سرکاری اراضی 'چراگاہ' اور محکمۂ محصول اور جنگلات کی جنگلاتی اراضی پر کبھی پہلے کئے گئے ہوں اور ۳۱ مارچ ۱۹۷۸ء تک موجود ہوں۔

باضابطگی کے لئے حسب ذیل شرائط رکھی گئی ہیں:

صرف دو ہیکٹر کی حد تک ناجائز قبضہ کو قانوناً جائز قرار دیا جائے گا۔

۲۵ جولائی ۱۹۷۹ء

ناجائز قبضہ دار وہ شخص ہے جو مندرج جاتی، مندرج قبائل، خانہ بدوش قبائل، ویمکت جاتی اور نوبدھ طبقہ کا ہو یا جس کی کل سالانہ آمدنی ۳،۶۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ ناجائز قبضہ دار کا مقام رہائش مقبوضہ اراضی سے ۸ کلومیٹر حلقہ کے اندر ہونا چاہیئے۔ ایسی صورت میں جہاں ناجائز قبضہ دار مالک یا کسی دوسری حیثیت سے کچھ زراعت زمین ہے تو دو ہیکٹر زراعت زمین کی حد تک رقبہ اس کی زیر ملکیت جائز قرار دیا جائیگا۔

اب تک حکومت نے ۲۲،۴۵۰ ہیکٹر اراضی پر ناجائز قبضہ جات کو قانونًا جائز قرار دیدیا جو ۳۰،۰۰۰ اشخاص نے کیا ہے۔ حکومت نے آئندہ ناجائز قبضہ جات کی روک تھام کے لئے سخت اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

باغایت داروں کو فراہمی آب : نمائندگی کے بعد ایسے باغایت داروں کو بھی جن پر ادائیگی باقی ہے۔ آب پاشی پروجیکٹوں سے جہاں فاضل پانی ہے یا اٹھاؤ سینچائی کے ذریعہ موسم گرما کے دوران مونگ پھلی کی فصل کے لئے اس شرط پر پانی مہیا کیا جائے گا کہ وہ ۱۹۷۹ء کی فصل کے لئے پانی محصول ادا کریں۔

اناج پیداوار کا زبردست نشانہ : ۱۹۷۹-۸۰ء زراعتی پیداوار پروگرام میں اناج، دال، تلہن، گنے، کپاس اور باغبانی کے لئے بڑی حوصلہ مندانہ اسکیمیں رکھی گئی ہیں۔ اناج کی پیداوار ۸-۱۰۱ لاکھ ٹن تک پہنچ جانے کی توقع ہے اور اسی کے مدنظر ۱۱۳ لاکھ ٹن نشانہ رکھا گیا ہے جس میں ۸۰ لاکھ خریف فصل اور ۳۵ لاکھ ربیع کے لئے ہے۔ خریف میں نشانہ برائے دال ۹،۵۰ لاکھ ٹن اور تلہن ۹،۳۰ لاکھ ٹن ہے یعنی ۶،۸۰ لاکھ برائے خریف اور ۲،۵۰ لاکھ ٹن برائے ربیع ہے۔

زراعتی یونیورسٹیوں اور محکمۂ زراعت کی جانب سے کئے گئے تجربات سے یہ ثابت ہوا ہے کہ ریز بیڈ کاشت کا طریقہ اختیار کیا جائے تو فصل خوب بڑھتی ہے۔ لہذا آئندہ فصل خریف میں ریز بیڈ کاشت کاری طریقہ بڑے پیمانے پر اختیار کیا جائے گا۔

۱۹۷۹-۸۰ء کے خریف موسم میں حکومت نے اعلیٰ اقسام (سی۔ ایس۔ ایچ-۱' اور سی۔ ایس۔ ایچ-۵) کی ملوان جوار کی پیداوار کے لئے ایک وسیع پروگرام شروع کیا ہے۔ اُمید ہے کہ مزارعین زیادہ سے زیادہ مقدار میں اچھے مستند مخلوط جوار بیج استعمال کریں گے اور اس پروگرام کو کامیاب بنائیں گے۔ ایسے بیجوں کی تقسیم کا کام جو اب تک حکومت اور ضلع پریشد انجام دیتی تھیں اگلی فصل سے زراعتی و صنعتی ترقیاتی کارپوریشن اور ریاست مہاراشٹر بیج کارپوریشن نے سنبھال رکھا ہے۔

کسانوں کے لئے بجلی : مہاراشٹر اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے ۱ستمبر ۱۹۷۸ء سے لو اور ہائی ٹینشن، دونوں قسم کی سپلائی کے نرخ گھٹا کر بیس پیسے فی یونٹ کر دیا ہے تاکہ کھیتی باڑی منافع بخش ہو۔ پہلے لو ٹینشن سپلائی کے لئے نرخ ۲۹ پیسہ اور ہائی ٹینشن کے لئے ۲۷ پیسے تھا۔ جہاں بجلی فراہمی موٹر ہارس پاور کی بنیاد پر ہوتی ہے وہاں یہ نرخ ۱۲۵ روپے فی ہارس پاور ہوگا، جو پہلے ۱۸۰ روپے تھا۔ تمام کسان صارفین کو الیکٹریسٹی ڈیوٹی یعنی بجلی محصول سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

چھوٹے کسانوں کے لئے رعایتی شرح سود : چھوٹے اور معمولی کسانوں کے مفاد کی حفاظت کی خاطر جن کا ریاست کی کل زرعی معیشت میں نصف سے زیادہ حصہ ہے۔ مختصر المدت قرضہ جات پر شرح سود یکم جولائی ۱۹۷۸ء سے گھٹا دی گئی ہے۔ ان میں ادیباسی افراد کو ۷۵۰ روپے کی رقم تک سود سے بری قرض دیا جائیگا

وزیر برائے ہاؤسنگ اور جیل، شری بھاؤ صاحب سردے نے یکم جولائی کو ناگپور میں ضروری اشیاء کی پیداوار و تقسیم اسکیم کی شروعات کی۔ تصویر میں وزیر موصوف کاپیوں کے بنڈل پر بندھے ہوئے فیتہ کو کاٹ کر اسکیم کا افتتاح فرما رہے ہیں۔

دودھاری مویشی خریدنے کے لئے ضلع کوآپریٹو بینک، ادیباسیوں کو مالی امداد دیتے ہیں۔

خشک کھیتی کسانوں کو کھیتی باڑی کے لئے مختصر المدتی قرضہ جات کے سلسلہ میں خاص رعایتیں دی جائیں گی۔ چھوٹے اور معمولی ادیباسی کسان ممبران امداد باہمی سوسائٹی کے معاملے میں قرض، سود سے بری کر دیا گیا ہے۔ جن کی مختصر المدت رقم قرض ۵۰۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو، جن کی سالانہ زراعتی آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے زیادہ نہ ہو اور جن کی ملکیت اراضی دو ہیکٹر خشک اراضی سے زیادہ نہ ہو۔ سوکھے کے خطرہ سے دوچار علاقے کے کسانوں کے معاملے میں جن کی ملکیت خشک اراضی تین ہیکٹر سے زیادہ نہیں ہے اور جن کی غیر زراعتی سالانہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے اور ایسے سوکھے علاقے سے باہر کسانوں کے معاملہ میں جن کی ملکیتِ خشک اراضی دو ہیکٹر سے زیادہ نہیں ہے اور جن کی کھیت سے الگ سالانہ آمدنی ۲۴۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے، شرح سود ۴ فیصد ہوگی۔ امداد باہمی جماعتوں کو امدادی رقم مہیا کی جائے گی تاکہ وہ رعایتی شرح سود پر قرض بہم پہنچا سکیں۔ سالانہ ۵۰ء۱ کروڑ روپے کی رقم کے برابر ان رعائیتوں سے اندازاً ۲۲ء۷ لاکھ چھوٹے اور معمولی کسانوں نیز ادیباسیوں کو فائدہ پہنچے گا۔

قومی راج

اجارہ داری کپاس وصولی: کپاس کاشتکاروں کے مفاد کی خاطر حکومت نے ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو اجارہ دارانہ کپاس وصولی اسکیم پر نظر ثانی کی۔ پرانی اسکیم کے مقابلہ میں دو خاص تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ ایگری کلچر پرائس کمیشن کی جانب سے مقرر کردہ اعانتی قیمتوں کے مقابلے میں مقررہ ضمانتی قیمتیں ۱۰-۲۰ فیصد زیادہ ہیں اور وصولی مراکز پر کپاس پہنچانے کے بعد کاشتکاروں کو فوراً رقم ادا کر دی جاتی ہے ان دو رعائیتوں کی وجہ سے یہ اسکیم کسانوں میں مقبول ہوئی ہے۔

ریزرو بنک نے اسکیم کو زیر عمل لانے کے لئے لگ بھگ ۹۵ کروڑ روپے کی رقم کے برابر سرمایۂ قرض کی منظوری دی ہے۔ اس نے ۳۰ کروڑ روپے کی رقم بھی صرف میں لانے کی اجازت دیدی ہے جو پرائس فلیکچویشن فنڈ اور دیگر ذرائع سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

اس اسکیم کے تحت ۴۸ء۰۳ لاکھ کوئنٹل کپاس وصول ہوئی اور ۹ء۶۲ لاکھ گانٹھیں دبائی گئیں۔ ۴۱۰ وصولی مراکز پر کپاس حاصل کی گئی جن میں سے ۲۷ غیر سہولیاتی مراکز تھے۔ کل ۳۱ لاکھ کوئنٹل بیج اکٹھا ہوا جس میں سے بوائی کی غرض سے بیج کی ضروری مقدار رکھنے کے بعد ۲۸ء۳۰ لاکھ کوئنٹل بیج نیلامی میں فروخت کیا گیا۔ بیج سے اوسط آمدنی ۱۲۹ روپے فی کوئنٹل رہی۔

اسکیم کے تحت اب تک منڈی میں ۵ء۴۲ لاکھ گانٹھیں فروخت ہوئیں۔ جن میں ٹھیکہ پر برآمد کے لئے ۵۹۰۰ گانٹھیں شامل ہیں۔ گانٹھوں کی فروخت سے اوسط آمدنی ۱۵۷۱ روپے فی گانٹھ رہی۔

ضروری اشیاء کی تقسیم: حکومت ہند نے ضروری اشیاء کے لئے ایک مربوط پیداواری و تقسیم کی اسکیم وضع کی ہے جو یکم جولائی ۱۹۷۹ء سے دیگر ریاستوں کے ساتھ مہاراشٹر میں بھی جاری ہو گئی ہے۔ یہ ایک جامع اسکیم ہے جس میں ضروری اشیاء کی پیداوار وصولی، ذخیرہ، نقل و حمل اور تقسیم سے متعلق تمام مراحل مستقلاً شامل ہیں۔ یہ اسکیم قومی معیشت اور انتظامی مشینری کا اٹوٹ حصہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ صارفین کی بڑی تعداد کو منتخب ضروری اشیاء واجب داموں پر باقاعدگی کے ساتھ فراہم کی جائیں۔ درحقیقت اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ ایسے لاکھوں لوگوں خصوصاً سماج کے کمزور طبقات کو سہارا دیا جائے جو قدرتی اور مصنوعی قلت کے زمانہ میں قیمتوں میں اضافہ، افراطِ زر اور غیر سماجی عناصر کی بدعنوانیوں اور بے ایمانی کی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

مہاراشٹر میں ایک عام مربوط نظام تقسیم ہے جس کے تحت تقریباً ۲۸۰۰۰ فیئر پرائس شاپس یعنی واجبی دام کی دکانیں جاری ہیں۔ اس کے علاوہ ریاست میں کنزیومر کوآپریٹو اسٹورس، ادیباسی کوآپریٹو سوسائٹیز اور ان کی ابتدائی جماعتیں ۴۰ تعلقہ جات میں ادیباسی علاقے میں کام کر رہی ہیں۔ مہاراشٹر میں ضروری اشیاء

تقسیم کرتی ہیں۔ اس طرح مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن نے عام لوگوں کے فائدے کے لئے ضروری اشیاء کی کچھ دکانیں جاری کی ہیں جنھیں تعلیم یافتہ بیروزگار چلاتے ہیں۔ پیداوار و تقسیم اسکیم موجودہ تقسیمی اسکیم کے ذریعہ رُو بہ عمل لائی جاسکتی ہے اور روزمرّہ کی اشیاء اور ضروری اشیاء کی تقسیم کے لئے نئی دکانیں کھولی جاسکتی ہیں۔

اس اسکیم کے تحت ابھی ۳۳۰۰۰ دکانیں کھولنا ہیں۔ پہاڑی اور دُور دراز واقع علاقوں میں اس ترتیب سے کھولی جائیں گی کہ ضرورتمندوں کو اپنی روزمرّہ ضروریات خریدنے کے لئے پانچ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ طے نہ کرنا پڑے۔

دوکانوں پر ضروری اشیاء:

مہاراشٹر میں فی الحال گیہوں، چاول اور جوار واجب بھاؤ کی دکانوں پر بیچا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بمبئی کے راشن بندی کے علاقے میں گھاسلیٹ ان دکانوں کے ذریعہ فروخت کیا جاتا ہے۔ کنٹرول کپڑا دیگر لائسنس یافتہ دکانوں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت اب چائے، ماچس اور طلبہ کے لئے کاپیاں بھی مدات میں شامل کی جارہی ہیں۔ نیا صابن 'ربی' خاص طور پر تیار کیا گیا ہے تاکہ اسکیم کے تحت کھولی جانے والی دکانوں کے ذریعہ فروخت کیا جائے۔ مستقبل قریب میں خوردنی تیل اور موٹا کپڑا وغیرہ بھی اس میں شامل کرنے کا خیال ہے۔ پوسٹل اشیاء مثلاً ٹکٹ، لفافے اور دیگر ضروریات ڈاک چیزیں بھی انھیں دکانوں سے مہیا کی جائیں گی۔ آئندہ ونا سپتی، بے بی فوڈ، اور شکر وغیرہ کو ان اشیا کی وصولی اور باقاعدہ فراہمی کو مدنظر رکھ کر تقسیم کی غرض سے شامل کیا جائے گا۔

مہاراشٹر میں ضروری اشیاء کی وصولی اور تقسیم کا کام مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن، مہاراشٹر کوآپریٹیو کنزیومرس فیڈریشن اور مہاراشٹر اسٹیٹ ادیباسی ڈیولپ منٹ کارپوریشن کو سونپا گیا ہے۔

ابتدائی مراحل پر ان منتخب اشیاء کی دستیابی کے مدنظر ارادہ یہ ہے کہ یہ اشیاء ریاست کے ۴۰ تعلقہ جات اور بمبئی کے راشن بندی علاقے میں ۰۰۰۰ را بمشکل بکری خانوں کے ذریعہ تقسیم کی جائیں۔ اسکیم کے تحت ادیباسی علاقہ جات کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور ۸۴ تعلقہ جات میں واقع تمام معینہ ادیباسی علاقے اسکیم کے آغاز کے وقت ہی سے اس میں شامل کرلئے گئے ہیں۔ منتخب اشیاء کی فراہمی میں بڑھوتری اور باقاعدگی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ اسکیم کے تحت گنجائش بھی بڑھائی جائے گی۔

اسٹیٹ کوآپریٹو ٹرائبل ڈیولپ منٹ کارپوریشن سرکار کی جانب سے زرعی اور دیگر پیداوار ادیباسیوں سے خریدتی ہے۔ اس مقصد سے مختلف مقامات پر الگ بھگ ۲۳۰ خریداری مراکز کھولے گئے ہیں۔ یہ اسی قسم کے ایک مرکز کی تصویر ہے۔

مدنظر مرکزی حکومت نے ۱۶ اگست ۱۹۷۸ء سے شکر پر تمام کنٹرول اٹھالئے تاکہ ضرورت مندوں کو واجب بھاؤ پر دستیاب ہوسکے۔ نتیجتاً بھاؤ گر کر اتنی نچلی سطح پر پہنچ گیا جہاں اس سے گنے کی کاشت اور شکر کی تیاری کے مصارف پورا ہونا بھی مشکل ہو گئے۔

نتیجتاً اس صنعت میں معاشی بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کے سامنے کچھ سفارشات پیش کیں تاکہ ریاست میں پانچ لاکھ ٹن شکر 'بفر اسٹاک' میں جمع کرسکے۔ یہ ذخیرہ شکر کارخانے کے ۴۰ کلومیٹر حلقہ میں جمع کیا جائے گا۔

بہرحال مرکز کی جانب سے جو اقدامات کئے گئے وہ صورت حال پر قابو پانے کے لئے ناکافی تھے؛ لہٰذا ریاستی حکومت نے یہ ضروری سمجھا کہ دیہی علاقوں میں اس بڑی منافع بخش صنعت کو مشکلات سے نکالنے کے لئے اقدامات کرے اور مختلف اقسام کی امداد بہم پہنچائے۔ نئے کارخانوں کے معاملے میں یعنی ایسے کارخانے جنھیں تین یا اس سے کم "کرشنگ سیزن" ملتے ہیں (اس میں ۷۹-۱۹۷۸ء کا موسم بھی شامل ہے) نیز وہ کارخانے جنھیں ۷۹-۱۹۷۸ء میں آزمائشی سیزن ملا ہے اور وہ کارخانے جنھیں بیمار مانا گیا ہے، ۷۹-۱۹۷۸ء کے کرشنگ سیزن میں خریداری ٹیکس

امداد باہمی شکر کارخانے:

ہندوستان میں ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۶۵ لاکھ ٹن شکر تیار کی گئی، یہ ایک ریکارڈ پیداوار ہے۔ اس میں سے ۲۰.۶۹ لاکھ ٹن یا تہائی حصہ مقدار مہاراشٹر کے ۷۶ کارخانوں نے تیار کی تھی۔ اس بڑی مقدار پیداوار کے

مالیاتی مدت بابت ۸۰-۱۹۷۸ء کے دوران ۸۰ء۱۵۲ لاکھ روپے کی رقم بے زمینوں کے واسطے ۱۰۷۵۰ مکانات بنانے کے لئے مختص کی گئی۔

بالکل معاف کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک بقیہ کارخانوں کا تعلق ہے، جن میں جائنٹ اسٹاک سکٹر کے کارخانے شامل ہیں، ۷۹-۱۹۷۸ء کے موسم میں ان پر واجب الادا خریداری ٹیکس کا ایک حصہ معاف کیا جائے گا جو گنا دبائی پر ۱۰ء۱ روپے فی ٹن کے حساب سے شمار کیا جائے گا۔ بقایا فوری طور پر وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ اُسے قرض شمار کیا جائے گا جس پر چھ فیصدی سود عائد ہوگا۔ موجودہ صورت حال پر قابو پانے کے بعد اس کے لئے طریقۂ وصولی طے کیا جائے گا۔

یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ۷۹-۱۹۷۸ء کے موسم میں ریاست کے کھانڈ سازی کارخانہ جات کو خریداری ٹیکس سے پوری چھوٹ دی جائے بشرطیکہ وہ مہیا کئے گئے گنے پر مزارعین کو ۸۰ روپے فی ٹن کے حساب سے کم سے کم قیمت ادا کریں۔ اسی طرح مہاراشٹر میں ۲۳ بیمار کارخانوں کو ۵۹۵ء۶۶ لاکھ روپے بلا سودی قرض بطور دیئے گئے ہیں، جنھوں نے ۷۷-۱۹۷۶ء تک خریداری ٹیکس ادا نہیں کیا ہے۔

اس طرح اُمید یہی ہے کہ شکر صنعت نہ صرف خود اپنے بل پر جاری رہے گی بلکہ دیہی ترقی کو فروغ دینے میں بھی معاون ہوگی۔

ادیباسیوں اور پسماندہ طبقات کی بھلائی: حکومت ۲۹ء۵۴ لاکھ ادیباسیوں کی ترقی کے لئے ایک خاص پروگرام زیر عمل لارہی ہے جو ریاست کی آبادی کا چھ فیصد حصہ ہیں۔

روپیہ کے لین دین اور خرید و فروخت میں استحصال کو ختم کرنے کی غرض سے قبائلی ضمنی منصوبہ علاقے میں ساہوکاری پر پابندی لگادی گئی ہے اور کھوتی قرض بہم پہنچانے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اب ادیباسی کوآپریٹو سوسائٹیاں ادیباسی کسانوں، بے زمین مزدوروں اور دوسرے لوگوں کو قرض دیتی ہیں۔

مہاراشٹر قبائلی معاشی حالات سُدھار قانون' کی رو سے بیوپاریوں' اور دلالوں کو ۴۰ تعلقوں میں جہاں ادیباسیوں کی اکثریت ہے' ادیباسیوں کی پیدا کردہ زرعی اور جنگلاتی پیداوار خریدنے کی ممانعت کردی گئی ہے۔ اسٹیٹ کوآپریٹو ادیباسی ڈیولپمنٹ کارپوریشن سرکار کی جانب سے یہ پیداوار ادیباسیوں سے خریدتی ہے اور اس مقصد سے ۳۰۴ خریداری مراکز کھولے گئے ہیں۔ اب تک ۶۲ء۷ لاکھ روپے مالیت کی ۶،۷۵،۸۳۴ کوئنٹل پیداوار خریدی گئی ہے۔ اس طرح تاجر ادیباسی کا استحصال نہ کرسکیں گے۔ انھیں اپنی پیداوار پر واجب قیمت نقد ملے گی اور وزن و کوالٹی وغیرہ کے معاملے میں بے ایمانی نہ ہو سکے گی۔

حکومت نے ایکٹ کے تحت مالی امداد بہم پہنچانے کے لئے کنزمپشن فنانس ڈسٹری بیوشن ریوالونگ فنڈ' قائم کیا ہے۔

قبائلی ضمنی منصوبے کے تحت ۸۰-۱۹۷۹ء سال کے لئے مختلف اسکیموں کے واسطے ۹۵ء۴ کروڑ روپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

مہاتما پھلے پچھڑی جاتی سُدھار کارپوریشن: حکومت نے ریاست میں پچھڑی جاتیوں اور قبائل، نوبُدھوں، ویمکت جاتیوں اور خانہ بدوش قبائل کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے مہاتما پھلے بیک ورڈ کلاسیز ڈیولپمنٹ کارپوریشن نامی ایک کارپوریشن قائم کی ہے۔ اس کارپوریشن نے حال ہی میں اپنا کام شروع کردیا ہے جو آئندہ مالی سال میں پورا زور پکڑے گا۔ حکومت ہند نے کارپوریشن کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے آمادگی ظاہر کی ہے۔

لڈکوم: لیدر انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن آف مہاراشٹر (لڈکوم) لمیٹڈ اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ چمڑا صنعت میں چھوٹے دستکاروں کی مدد کی جائے اور خود روزگار پیدا کرسکیں۔ اسے اب مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے ماتحت کارگزار جماعت کے بجائے ایک خود مختار سرکاری ادارہ کی حیثیت سے ترقی دی جائے گی۔

سمتا وچار پیٹھ: ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر سمتا وچار پیٹھ بمبئی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس وچار پیٹھ میں سماجی مساوات کی تعلیم وتحقیق کا کام انجام دیا جائے گا۔

شادی بیاہ کے لئے مالی اعانت: حکومت نے مُفلس اور بے سہارا خواتین کو شادی ... کے لئے ایک اسکیم منظور کی ہے۔ انھیں ایک ہزار روپے فی کس ... دی جائے گی ... وہ اپنی لڑکیوں کی شادی کا کم سے کم خرچ پورا کر سکیں ... اسکیم کے تحت نادار بیواؤں کو شادی کے لئے ایک ہزار روپے فی کس رقم بطور مالی امداد دی جائے گی۔ ایسی خواتین جو کم از کم پندرہ سال سے مہاراشٹر میں سکونت پذیر ہیں اس امداد کی مستحق ہیں۔

پسماندہ طبقات کے لئے تحفظ ملازمت: حکومت نے اصولاً تسلیم کیا ہے کہ تعلیمی مراعات، سہولتیں اور حکومت میں تحفظ ملازمت کی مراعات ... پسماندہ طبقات کو ... اس مقصد سے ... حصول ...

حکومت نے ابتدائی تعلیم کو عام کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور فی الحال ایسے ... میں اسکول کھولے جا چکے ہیں جہاں کم سے کم ۲۰۰ کی ... ری ہے۔

... بے روزگاروں کے لئے حتمی مالی امداد اسکیم کے تحت ... حوصلہ مند نوجوان ... کر رہے ہیں تاکہ صنعتی کام شروع کر لے خود روزگار حاصل کریں

انم راؤ پاٹل کی سربراہی میں ایک کابینی ضمنی کمیٹی قائم کی گئی ہے تاکہ وہ اس معاملے میں اصول وضابطہ پر تفصیل سے غور کرے۔

بے زمینوں کے لئے مکانات: کم از کم ضرورت پروگرام کے تحت دیہی علاقوں میں بے زمین اور بے گھر زراعتی مزدوروں کو مکان کے لئے جگہ دی جاتی ہے اور ان کے لئے چھوٹے مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ حکومت نے حال ہی میں گھر کی تعمیر پر تعمیری اخراجات کی حد فی گھر ۷۵۰ روپے سے بڑھا کر ۱۵۰۰ روپے کر دی ہے۔ ان مکانات کو بہتر بنانے کے لئے چند اصول اپنائے گئے ہیں اور ضروری ہدایتیں جاری کی گئی ہیں۔ ان ہدایات کے مطابق چھت منگلور ٹائلس کی۔ دیواریں پکی اینٹوں کی جن پر سیمنٹ کی چادر چڑھائی جائے گی اور فرش ... اور گوبر سے تیار کیا جائے گا۔ مکانات کی تعمیر کے وقت تعمیری اشیاء کے سلسلہ میں مکان مالک کی خواہش کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

یہ اسکیم اب تک ۵۰۰ سے کم آبادی والے علاقوں میں ہی زیر عمل تھی۔ اب تمام دیہی علاقوں میں اس اسکیم کا نفاذ عمل میں لایا جائے گا۔ اسکیم کے جاری ہونے سے اب تک ۲۹۷۰۰ مکانات تعمیر کئے جا چکے ہیں۔ ۱۹۷۹-۸۰ء

مالی سال کے دوران ۱۵۲٫۰۸ لاکھ روپیہ اس اسکیم کے لئے مختص کیا گیا ہے جس سے ۵۰٫۰۰۰ مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔ بے زمینوں اور بے گھروں کے لئے تعمیر کئے جانے والے چھوٹے مکانات کے کوٹہ میں ۷ فیصد مکانات مندرج جاتیاں، قبائل، خانہ بدوش قبائل، ویمکت جاتی اور دیگر پسماندہ طبقات کے لوگوں کو مہیا کئے جائیں گے۔

مفت قانونی امداد و مشورے: ۱۴ر اپریل ۱۹۷۹ء کو امبیڈکر جینتی کے موقع پر ریاست بھر میں سماج کے کمزور طبقات کی بہبودی کے لئے مفت قانونی امداد و مشورہ کی اسکیم شروع کی گئی۔ اس سلسلہ میں وزیر برائے قانون و عدلیہ کی قیادت میں ایک ۱۹ رکنی ریاستی قانونی امداد و مشاورتی بورڈ قائم کیا گیا ہے۔

مفت قانونی امداد مہاراشٹر کے ان تمام باشندوں کو دی جائے گی جن کی سالانہ آمدنی تمام ذرائع سے ۲٫۰۰۰ روپے سے زیادہ نہیں ہے۔ خانگی معاملات میں اگر فریقین مندرج جاتیوں، قبائل، ویمکت جاتی اور خانہ بدوش طبقات سے تعلق رکھنے والے ہوں یا خواتین اور بچے ہوں، تو یہ شرط لازمی نہیں ہوگی۔

قانونی امدادی کمیٹیاں جنھیں بمبئی عظمیٰ، ناگپور شہر اور ناگپور ضلع کے لئے تشکیل دیا گیا ہے، ہر ضلع اور تعلقہ میں عوامی اہمیت کے سارے معاملوں، ایسے معاملوں میں جس میں صادر فیصلہ سماج کے کمزور طبقات کے مفاد میں ہو اور ایسے معاملوں میں جو بطور سند محفوظ رکھنے کے قابل ہیں اور واقعی امداد کے مستحق ہیں قانونی اعانت کریں گی۔

تنازعوں کے صلح مندانہ حل کے لئے اور عوامی مفاد کی حامل مرکزی اور ریاستی سرکاری اسکیمات سے فیضیاب ہونے کے لئے قانونی مشورے دیئے جائیں گے۔

قانونی امداد مختلف طریقوں سے دی جائے گی مثلاً (۱) عدالتی چارہ جوئی سے متعلق ضروری فیس کی ادائیگی (۲) وکیل کی خدمات (۳) فیصلوں اور حکمناموں کی تصدیق شدہ نقول (۴) اپیل پیپر بک کی تیاری بشمول اسناد کی طباعت و ترجمہ اور (۵) قانونی دستاویزات کے مسودات وغیرہ۔ لیکن عزت کے دعووں، جھوٹے معاملوں، انتخابات، تعزیری جرائم جس میں محض جُرمانہ کی سزا ہو، کوئی بھی معاشی جُرم اور کوئی بھی غیر سماجی جُرم مثلاً شہری حقوق کی حفاظت کا قانون بابت ۱۹۵۵ء کی خلاف ورزی اور عورتوں و لڑکیوں کی غیر اخلاقی تجارت قانون بابت ۱۹۳۶ء کے تحت جرائم کے سلسلہ میں کوئی قانونی مدد نہیں دی جائے گی۔ اس کے علاوہ مذکورہ بالا معاملوں میں متعلقہ وکلا جن کی خدمات حاصل کی جائیں گی انھیں وظیفہ دیا جائے گا۔ حکومت نے ۱۹۷۹-۸۰ء کے دوران اس اسکیم کی عمل آوری پر ۲۵ لاکھ روپے مختص کئے ہیں۔

قدرتی آلام سے پیدا مسائل: ۱۹۷۸-۷۹ء میں ریاست کے کچھ حصوں میں جہاں چھ آنے سے کم آنہ واری ہے، بارش کی قلت کی وجہ سے ۱۹ اضلاع کے ۱۳٫۰۰۰ دیہاتوں میں قحط جیسی صورت حال پیدا ہوئی۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت نے فوری اقدامات کئے۔ مثلاً کھاد خریدنے کے لئے کسانوں کو ۳٫۰۰۰ روپے تک تقاوی قرضہ جات، کھاد پہنچانے کی سہولت، متاثرہ افراد کو روزگار اور اس سلسلہ میں منتخبہ کاموں مثلاً ضمانت روزگار اسکیم کے تحت پرکولیشن ٹینکوں کی تیاری، چھوٹی آبپاشی، نالہ بندی وغیرہ کی فراہمی۔ علاوہ ازیں تعمیری کاموں کے لئے تکنیکی طور پر منظور کردہ اراضیات کو فوری طور پر حاصل کیا جائے گا۔ عام طور سے بندھ پر نہروں کا کام دیر سے شروع کیا جاتا ہے لیکن قحط سے متاثرہ علاقوں میں ان کاموں کو فوری طور پر شروع کرنے کی حکومت نے ہدایت کی ہے۔ تاخیر کئے بغیر جن کاموں کو سروے کی بنیاد پر مکمل کیا جا سکتا ہے انھیں ماہرین کی مدد سے شروع کر دیا جائے گا۔

اس دوران متاثرہ اضلاع یعنی دھولیہ، ناسک، احمد نگر، پونے، شولاپور، سانگلی، جلگاؤں اور ستارا میں پرکولیشن ٹینک کے کاموں پر اخراجات کا تخمینہ ۵۵٫۰۰۰ روپیہ (ہر ملین مکعب فیٹ کے لئے) سے بڑھا کر ۵٫۰۰۰، روپے کر دیا گیا ہے۔ نالہ بندی کی پیمائش بھی ۸۰ سے گھٹا کر ۴۰ ہیکٹر کر دی گئی ہے۔ وہ تمام کام جنھیں تکنیکی سہولت کے ساتھ آسانی سے کیا جا سکتا ہے، بڑے پیمانے پر جاری کر دیئے گئے ہیں۔ پیداواری کاموں کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے لیکن بوقت ضرورت سڑکوں کی تعمیر کے کام بھی کئے جانے کی تجویز ہے اور اس سلسلہ میں ضمانت روزگار اسکیم کے تحت مقررہ اخراجات کی حد سے ۲۰ فیصدی تک زائد اخراجات بھی برداشت کئے جائیں گے۔

مقررہ تکنیکی معیار کے مطابق دیہی نالابوں کے کام ضمانت روزگار اسکیم کے تحت شروع کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے۔ خشکی سے متاثرہ ہر دیہات سے ضروری معلومات اکٹھا کی جائیگی تاکہ سرکاری، گرام پنچایت یا کوئی بھی غیر استعمال اراضی پر مذکورہ بالا کام کئے جا سکیں۔ متاثرہ علاقوں کے دیہی باشندوں کو اس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے مویشیوں کے لئے جنگلات سے اور متصل اضلاع سے مفت چارہ حاصل کریں۔

جن علاقوں میں پینے کے پانی کی قلت ہے وہاں موجود کنوؤں کی درستگی، ہینڈ پمپ والے زمین دوز کنوؤں کی تعمیر، گاڑیوں اور بیل گاڑیوں کے ذریعہ پانی فراہم کیا جا رہا ہے۔ ناکافی بارش کی وجہ سے دھولیہ، ناسک، احمد نگر، پونے، شولاپور، ستارا، سانگلی، اورنگ آباد، بیڑ اور عثمان آباد اضلاع کے ۴۴ تعلقوں میں بیج کی بوائی نہیں کی جا سکی ہے۔ حکومت اس صورت حال کا سنجیدگی سے معائنہ کر رہی ہے اور ضروری انتظامات میں مصروف ہے۔

متاثرہ دیہاتوں میں جہاں آنہ واری ۶ آنے سے کم ہے، سرکار کو واجب الادا تمام رقم کی وصولیابی منسوخ کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مختصر المدتی امداد یا بھی

ینہ جات کو درمیانی مدت کے قرضہ جات میں تبدیل کیا گیا ہے۔

دھی سے متاثرہ افراد کی امداد: ۱۹۷۸ء دسمبر اور ۱۹۷۹ء جنوری، فروری کے
دران ودربھ کے تمام اضلاع میں اور ریاست کے چند دیگر اضلاع میں شدید
رش اور طوفان کی وجہ سے فصلوں کو بھاری نقصان پہنچا۔ حکومت نے متاثرہ افرا
امداد کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کئے۔

۱) اگر کسی خاندان کے سربراہ کا جانی نقصان ہوا تو اس کے زیر سرپرستی
شتہ داروں کو وزیر اعلیٰ امدادی فنڈ سے ۳۰۰۰ روپے کی مالی امداد دی گئی۔
ہلاک شدہ شخص خاندان کا سربراہ نہیں ہے تو اس کے رشتہ داروں کو
۱۰۰ روپیہ دیا گیا۔ اسی طرح زخمیوں کو جنھیں کم از کم دس دنوں تک
سپتال میں رہنا پڑا، مذکورہ فنڈ میں سے ۵۰۰ روپیہ دیا گیا۔

۲) ۴ ہیکٹر سے کم مالکان اراضی کو جو مویشی، بھیڑ، بکریاں وغیرہ کھو چکے
ں انھیں خشک مویشی کا ایک جوڑا، ایک دودھاری مویشی، ایک بھیڑ یا
ری خریدنے کے لئے مالی امداد دی گئی۔ اس میں ۵۰ فیصدی بصورت تقاوی
رضہ اور باقی ماندہ جو ۵۰۰ روپے سے زائد نہ تھا، بطور امداد دیا گیا۔

۳) متاثرہ اشخاص کو کھاد تقاوی کے طور پر فی مویشی ۲۰۰ روپیہ تک
مداد دی گئی۔

۴) رائج سرکاری حکمناموں کے مطابق مکانات کے لئے امداد اور قرضہ
بات دیئے گئے۔

۵) ۴ ہیکٹر سے کم مالکان اراضی کسانوں کو جن کی ۵۰ فیصدی فصلیں
باہ ہوئیں بیج مفت فراہم کئے جائیں گے تاکہ وہ موجودہ اور آئندہ موسم
بں انھیں بوسکیں۔

۶) ۴ ہیکٹر سے زائد مالکان اراضی کسانوں کو جن کی زمینیں ۵۰ فیصد
سے زائد فصل پیدا کرنے کے قابل ہیں، انھیں بیج اور کھاد بطور تقاوی
رضہ کے فراہم کئے جائیں گے۔ یہ امداد ان کسانوں کو بھی دی جارہی ہے،
جنھوں نے محصول اور دیگر واجب الادا رقم ادا نہیں کی ہے۔

۷) وہ کسان جن کے ہاں عام پیداوار کے مقابلے میں ۲۵ فیصدی کم
صل پیدا ہوئی، انھیں ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران پانی ٹیکس کی ادائیگی سے
ستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح توقع کے خلاف ۵۰ فیصدی سے کم پیداوار
کی صورت میں بھی کسانوں کو پانی ٹیکس کی ادائیگی معاف کر دی گئی ہے۔

۸) رائج سرکاری قوانین کے مطابق محصول اراضی اور دیگر محصولات
کی وصولیابی منسوخ کر دی گئی یا عارضی طور پر بند کر دی گئی۔

۹) امداد باہمی قرضہ جات پر نظر ثانی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ریزرو بنک
کے ساتھ صلاح و مشورہ کیا جارہا ہے۔

مراٹھواڑہ میں فساد زدہ افراد کی بازآبادکاری: جولائی ۱۹۷۸ء میں مراٹھواڑہ
یونیورسٹی کے نام میں تبدیلی کے مسئلہ پر فسادات سے مراٹھواڑہ کا پورا علاقہ متاثر
ہوا۔ کمزور اور غریب طبقات کے افراد کو زیادہ نقصان پہنچا۔ ریاستی حکومت
نے تشدد پر قابو پانے کے لئے سخت اقدامات کئے اور متاثرہ افراد کی بازآبادکاری
کے کام فوری طور سے انجام دیئے۔ حکومت کے یہ اقدامات فساد زدہ، غریب اور
کمزور اشخاص کے لئے اخلاقی خدمات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۷ جولائی سے ۱۰ اگست ۱۹۷۸ء تک مراٹھواڑہ میں ہونے والے ہنگاموں
سے مذکورہ علاقہ کے ۱۷۹ دیہات، ۱،۸۹۴ خاندان اور ۱۰،۵۵۹ افراد متاثر
ہوئے۔ ۱،۰۴۷ مکانات اور جھونپڑے تباہ ہوئے۔ ان ہنگاموں میں ۲۸،۵۰ لاکھ
روپے کے نقصانات کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

حکومت نے ایک نادر فیصلہ کرتے ہوئے اور اسی کے مطابق اقدامات کرتے
ہوئے بازآبادکاری کے کام کو قدرتی آفت تصور کر کے تکمیل تک پہنچایا۔

حکومت نے صرف جانی و مالی نقصانات کی تلافی کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ متاثر
اشخاص کی فوری بازآبادکاری پر خصوصی توجہ دی۔ اس کام کو حکومت نے انسانیت
کے نقطۂ نظر سے اور ایک فریضہ سمجھتے ہوئے انجام دیا تاکہ متاثرہ افراد جان لیں
کہ حکومت ان کے ساتھ ہے۔ بازآبادکاری کا کام نمایاں رفتار سے مکمل
کیا گیا۔

فوری طور پر متاثرہ اشخاص کو دیہاتوں، گاؤں، شہروں اور تعلقوں میں
قائم کردہ ٹرانزٹ کیمپوں میں بسایا گیا۔ بعد ازاں انھیں سمجھا بجھا کر اپنے گھروں
کو واپس بھیجا گیا۔ بازآبادکاری کاموں میں مندرجہ ذیل اقدامات شامل ہیں:

بے گھروں کو امداد: ہر شخص کو پندرہ دنوں کے لئے یومیہ ۱،۵۰ روپیہ اور اناج
کے لئے ۲۲،۵۰ روپیہ تقسیم کیا گیا۔ گھریلو اشیاء مثلاً برتن، کپڑے وغیرہ کی خریداری
کے لئے ۲۷،۵۰ روپیہ دیا گیا۔ گھر کی درستگی اور دوبارہ تعمیر کے لئے فی گھر ۱۵۰۰ روپے
تک امداد دی گئی۔ ۴۰۰۰ روپیہ بطور قرض منظور کیا گیا۔ جہاں دوبارہ تعمیر کے
اخراجات ۱۵۰۰ روپے سے زائد پائے گئے، وہاں متاثرہ اشخاص کو ضمانتِ
روزگار اسکیم کے تحت مزید ۳۰۰ روپیہ ادا کیا گیا۔ اس کے باوجود جہاں اور زیادہ
امداد کی ضرورت پیش آئی، وہاں وزیر اعلیٰ فنڈ سے رقم فراہم کی گئی۔

متاثرہ اشخاص کی خواہش کے مطابق ۱۵۰۰ روپے مالیت کے مکانات
لوگوں کی جائے سکونت یا دیگر مناسب جگہوں پر تعمیر کئے گئے۔ ان مکانوں میں
اینٹوں کی دیوار اور چھت لگائی گئی ہے۔ اور بنگلور ٹائلس کا فرش بنایا گیا ہے
ضلع پریشد کے ذریعہ دیگر سہولیات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

خردہ فروشوں کو ۲۰۰ روپے تک اور دیگر افراد کو ۵۰۰ روپے تک مالی

امداد دی گئی۔ سات فیصد شرح سود کے حساب سے ۵٫۰۰۰ روپے تک ۱۰ اقساط میں قابل واپسی قرضہ جات دیئے گئے۔ صرف چند کو چھوڑ کر تمام تباہ شدہ مکانات نئے سرے سے بنائے گئے ہیں۔

کل امداد: متاثرہ اشخاص کی تعداد ــــ ۱۰٫۵۵۹

(روپے لاکھوں میں)

امداد ــ ۳٫۴۵ روپے

مکانات کی درستگی اور تعمیر کے لئے ــ ۱۹٫۲۳ روپے

کاروبار کی بحالی کے لئے ــ ۰٫۱۳ روپے

دیگر امداد:

محکمۂ سماجی بہبود کی جانب سے ــ ۵٫۹۴ ״

وزیر اعلیٰ فنڈ اور امدادی اداروں سے ــ ۹٫۰۰ ״

دیہی پانی اسکیم: حکومت جون ۱۹۸۰ء تک ۸۰۰۰ دیہاتوں کو پینے کا پانی مہیا کرے گی۔ ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران ۲٫۰۰۰ دیہاتوں میں پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے ۱۷٫۸۷ کروڑ روپیہ بشمول ایل. آئی سی قرضہ منظور کیا گیا تھا۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں اس کام پر ۲۱ کروڑ روپیہ وقف کیا گیا ہے۔

محصول آب کی معافی: دیہی باشندوں اور 'سی' کلاس میونسپلٹوں کی کمزور مالی حالت کے پیش نظر حکومت نے ان میونسپلٹیوں کو پینے کے پانی پر محصول آب کی ادائیگی یکم جولائی ۱۹۷۸ء سے معاف کر دی ہے۔

اونر شپ مکانات: ایک حالیہ فیصلہ کے مطابق ہاؤسنگ بورڈ کے مکانات کرایہ داروں کو اونر شپ کی بنیاد پر فروخت کئے جائیں گے۔ ہاؤسنگ اسکیم کے تحت یہ مکانات بورڈ نے مرکز کے تعاون سے صنعتی مزدوروں اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے تعمیر کئے تھے۔ حالانکہ کرایہ داروں کے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ یہ مکانات خریدیں لیکن جو مکانات خریدنا چاہتے ہوں انھیں ۲۰ فیصد رعایت دی جائے گی۔ اس کے علاوہ غیر قانونی کرایہ دار بھی اب قانونی کرایہ دار بن سکتے ہیں۔ لیکن انھیں مکان کی قیمت کا ۵۰ فیصدی بطور جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ جرمانہ مکان کی فروخت سے پہلے ہی وصول کیا جائیگا ایسے کرایہ دار جو اونر شپ پر مکان خریدنا چاہتے ہیں انھیں مکان کی قیمت کے ساتھ بقایا کرایہ ادا کرنا ہوگا یا پہلے ۳۰ فیصدی رقم ادا کرنی ہوگی اور **باقی ماندہ ۱۵ سالوں کے اندر مع سود کے۔**

مکان خرید لنے کے بعد ۱۰ سال تک مکان فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں کو کوآپریٹو سوسائٹیاں بنانا ہوں گی اور مقامی ٹیکس، محصول آب وغیرہ ادا کرنے ہوں گے۔

بمبئی، پونے اور تھانے میں یک منزلہ عمارتوں یا زمینی مکانات پر اس اسکیم کا اطلاق نہیں ہوگا۔

فنکاروں کے لئے مکانات: مکانات کے کوٹہ میں سے دو فیصد مکانات موجودہ اور سابقہ ایم. پی' اور ریاستی مجلس قانون ساز کے اراکین کے لئے محفوظ رکھے گئے ہیں اور دو فیصد مکانات فلم، اسٹیج، ٹی. وی' اور تماشہ آرٹسٹوں کے لئے محفوظ رکھے گئے ہیں۔

کمزور طبقات کے لئے مکانات: مکانات برائے پسماندہ طبقات اسکیم کے تحت پسماندہ طبقات سوسائٹیاں اور سماجی اداروں کو امداد دینے کی غرض سے ان کی آمدنی کی حد میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ان اداروں کے لئے آمدنی کی نئی حد ماہانہ (توسین میں پرانی حد دکھائی گئی ہے) میونسپل کارپوریشن علاقوں میں ۸۰۰ روپیہ (۵۰۰ روپیہ)۔ میونسپل علاقوں میں (میونسپل کارپوریشن علاقوں کو چھوڑ کر) ۵۰۰ روپے (۳۰۰ روپیہ) اور دیہی علاقوں میں ۴۰۰ روپے (۲۵۰ روپے) رکھی گئی ہے۔

ضلع صنعتی مراکز: ریاست کے تمام اضلاع میں مرکزی حکومت کی صنعتی پالیسی کے مطابق ضلع صنعتی مراکز قائم کئے گئے ہیں جو دیہی علاقوں میں صنعتوں کے فروغ میں مدد دیتے ہیں۔ یہ مراکز چھوٹے تاجروں کو سرمایہ کاری سے قبل، سرمایہ کاری کے وقت اور بعد میں ضروری تعاون دیا کریں گے۔ اُمید ہے کہ ان مراکز کی کارکردگی کے نتیجہ میں پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کو فروغ ہوگا۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو امداد: تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو بے روزگاری سے بچانے کے لئے انقلابی قدم اُٹھایا گیا ہے۔ یکم جنوری ۱۹۷۹ء سے ایک اسکیم جاری کی گئی ہے جس کے تحت گریجویٹ افراد کو جز وقتی روزگار اور ایس. ایس سی کامیاب اُمیدواروں کو نوکری کے حصول میں ضروری امداد دی جاتی ہے۔ اس اسکیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) جز وقتی روزگار کے لئے بے روزگار گریجویٹ یا ایس. ایس سی کے بعد ڈپلوما یافتہ افراد کو اعزازی وظیفہ (۲) ایس. ایس سی کامیاب اُمیدواروں کو تلاش روزگار کے دوران جب تک کہ وہ جز وقتی روزگار اسکیم کے قابل نہیں ہوتے، مالی امداد۔

اس طرح تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو ماہانہ ۱۰۰ روپے کی شرح پر جز وقتی کام دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ کل وقتی روزگار حاصل کرلیں یا تین سال کی مدت پوری ہو جائے۔

بھی جلد ہو۔ تلاش روزگار کے لئے آمد و رفت کے اخراجات کے طور پر انھیں یومیہ پیسہ بھی دیا جائے گا۔ حکومت کی یہ کوشش ہوگی کہ لوگوں کو وہی کام مل سکے جس کے اہل ہوں۔ جہاں تک ممکن ہوگا اس اسکیم میں کوئی دفتری کام نہیں دیا جائے گا چونکہ اسکیم کا مقصد آئندہ کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کرنا ہے۔

ایس۔ ایس سی کامیاب اُمیدواروں کو تین سال تک تلاشِ روزگار کے اخراجات کے طور پر سالانہ ۱۰۰ روپیہ دیا جائے گا۔ یہ رقم ۵۰ روپے کے حساب سے بعد از تصدیق دو قسطوں میں دی جائے گی۔

تخمی مالی امداد: تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو خود روزگار کی فراہمی کی بابت اسکیمات مرتب کرنے کی غرض سے ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کی پہلی وزارت برائے روزگار مہاراشٹر میں قائم کی گئی ہے۔ فروغ روزگار پروگرام کے تحت حکومت نے تخمی مالی امداد کی اسکیم میں مزید گنجائش پیدا کی ہے۔ نئی اسکیم کے تحت جس کا نفاذ ۹ راگست ۱۹۷۸ء سے کیا گیا ہے، ایک لاکھ روپے مالیت کے صنعتی پروجیکٹوں کے لئے حکومت ۱۵ فیصد (پسماندہ طبقات کے لئے ۲۰ فیصد) تخمی مالی امداد دے گی۔ معاشی طور پر کمزور طبقات کے لئے جن کی سالانہ آمدنی ۴٫۸۰ روپے سے زائد نہیں ہے، غیر پسماندہ طبقات کے لوگوں کو ۲۰ فیصد اور پسماندہ طبقات کے لوگوں کو ۲۲½ فیصد امداد دی جائے گی۔

شہر بمبئی اور مضافات میں صنعتی پھیلاؤ کی حد بندی: حکومت خاص طور سے ریاست کے پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کے فروغ کی خواہاں ہے۔ لہٰذا شہر بمبئی میں مزید صنعتوں کے قیام کی بابت پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں گو کہ یہ فیصلہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے لیکن حکومت اب اس فیصلہ کو سنجیدگی سے روبہ عمل لانا چاہتی ہے۔ اب بمبئی کے میٹروپولیٹن علاقے میں اور زون ۲ یعنی بمبئی کے اہم مضافات تھانے اور میرا میں بڑے اور درمیانی سطح کی صنعتوں کے قیام کے لئے کوئی لائسنس نہیں دیا جائے گا۔

صرف چھوٹی صنعتیں یا روزمرہ صنعتوں کو صنعتی آبادی میں قیام کی اجازت ہوگی جس کے لئے ڈائرکٹوریٹ آف انڈسٹریز سے 'نو آبجیکشن سرٹیفکیٹ' یا ضلع کلکٹر تھانے سے غیر زرعتی اجازت نامہ حاصل کرنا لازمی ہوگا۔ اس کے علاوہ چند کو چھوڑ کر چھوٹی صنعتوں کو خالی جگہ میں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مزدور پالیسی: سماج کے کمزور طبقات کو ترقی یافتہ طبقات کے مساوی بنانے کے لئے مزدوروں کے مسائل پر ہمدردی اور سمجھوتے کے نقطۂ نظر سے غور کرنے کی پالیسی کو اپنایا گیا ہے۔

صنعتی محاذ پر امن قائم رکھنے کے لئے اور بغیر کسی رکاوٹ کے پیداوار جاری رکھنے کے لئے جبکہ مزدوروں کو ان کے کام کے مطابق اُجرت مل رہی ہو، حکومت نے کئی اسکیمات مرتب کی ہیں۔ اس سلسلے میں موثر اقدام یہ ہے کہ وزارت محنت نے دو متنازعہ فریقین میں صلح کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔ اس کے نتیجے میں کئی صنعتی تنازعے طے کئے جا چکے ہیں۔ اور ہڑتالوں اور تالہ بندی کے واقعات میں کمی واقع ہوئی ہے۔

ثالث کمیٹیاں: چند پرانے قوانین بدلتے حالات کے موافق نہیں رہے اور مزدور یونینیں شدت سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ ان قوانین میں ترمیم کی جائے۔ ان مطالبات اور ان سے متعلق مسائل پر غور کرنے کے لئے گذشتہ جنوری میں وزیر محنت کی قیادت میں ایک ثالث کمیٹی قائم کی گئی ہے۔ اس کمیٹی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ صرف ٹریڈ یونین اور انتظامیہ کے نمائندے بلکہ عوامی نمائندے اور اہم شعبوں میں تجربہ کار اور ماہر لوگ بھی شامل ہیں۔

زراعتی مزدوروں کے مسائل: دیہی آبادی میں ۵۴ لاکھ زراعتی مزدور پائے جاتے ہیں۔ حکومت ان کے مسائل پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ یکم نومبر ۱۹۷۸ء سے نظر ثانی شدہ کم از کم اُجرت کا نفاذ کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ریاست کو چار زون میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اب زراعتی مزدوروں کو ۴ تا ۵٫۵۰ روپیہ یومیہ کم از کم اُجرت دی جاتی ہے اس کام پر عمل آوری کے لئے ۵۰ انسپکٹر مقرر کئے گئے ہیں۔ ان نگرانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مالک اراضی کے کھاتوں کی بوقت ضرورت جانچ کریں۔ خلاف ورزی کرنے والوں پر مقدمہ دائر کرنے کا بھی انھیں اختیار دیا گیا ہے۔

پرائمری تعلیم: حکومت پرائمری تعلیم کو عام کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے فی الحال جن دیہاتوں کی آبادی ۲۰۰ ہے، وہاں پرائمری مدارس جاری کئے گئے ہیں۔ اب ۲۰۰ سے کم آبادی والے دیہاتوں میں اسکول جاری کئے جائیں گے۔ اس منصوبے پر اس طرح عمل کیا جائے گا۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۰۰ تا ۲۰۰ آبادی والے دیہاتوں میں واحد ٹیچر پر مبنی ۸۳۵ نئے اسکول کھولے جائیں گے۔ ادیباسی ضمنی منصوبہ بند علاقوں میں ۴۷۲ اور غیر منصوبہ بند علاقوں میں ۳۶۳ ایسے نئے اسکول جاری کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ۹ تا ۱۴ سال کی عمر کے غیر اسکولی ۱۷۰۰۰ بچوں کے لئے مقامی اداروں کے زیر اہتمام ۵۶۸ جُزوقتی کلاسیں شروع کی جائیں گی۔

اس پروگرام پر عمل آوری کے نتیجہ میں ۸۳-۱۹۸۲ء تک طلباء کی تعداد ۲۰٫۸۷ لاکھ تک بڑھ جانے کی توقع ہے۔ ادیباسی بچوں کو تعلیم کی طرف راغب

کرنے کی غرض سے اسکول یونیفارم، سلیٹ، نصابی کتابیں مفت تقسیم کئے جائینگے
۷۶-۱۹۷۷ء میں مقامی اداروں کے زیر اہتمام پرائمری اسکولوں کی پہلی تا چہارم جماعت میں پڑھنے والے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے بچوں کے لئے ایک بک بینک اسکیم جاری کی گئی تھی۔ گذشتہ دو سالوں میں اس اسکیم میں تدریج توسیع کی گئی اور آئندہ سال تک دسویں جماعت کے طلباء کو بھی اس اسکیم میں شامل کیا جائے گا، اس طرح مستفیض ہونے والے طلباء کی تعداد ۴۰ء ۱۹ لاکھ تک ہو جانے کی توقع ہے۔ اس کے علاوہ اسکولوں میں دوپہر کا کھانا باصحت بخش غذا کی مفت سپلائی کی اسکیم کو بھی زیادہ سے زیادہ علاقوں تک توسیع دی جارہی ہے۔ جاری سال کے دوران مذکورہ پروگرام کے تحت ۷ لاکھ طلباء کو شامل کئے جانے کی تجویز ہے۔ اس مقصد کے لئے ۷۵ء ۷ کروڑ روپیہ وقف کیا گیا ہے۔

واحد ٹیچر پر مبنی اسکولوں کو دو ٹیچروں پر مبنی اسکولوں کو دو ٹیچروں پر مبنی اسکولوں میں تبدیل کرنے کے لئے ۷۸-۱۹۷۹ء میں ۳۴۴ ر۱ پرائمری ٹیچروں کی زائد آسامیاں پیدا کی گئی ہیں۔ ۱۹۷۹-۸۰ء کے دوران اس پروگرام کے لئے ۳۲ء ۲۰ لاکھ روپیہ وقف رکھا گیا ہے۔

کل وقتی ٹیچروں اور سرکاری امداد پانے والے نجی پرائمری اسکولوں کے عملے کیلئے حکومت نے پنشن اسکیم کے نفاذ کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ملازمین جو یکم اپریل ۱۹۷۹ء کو مقررہ مدت تک خدمات کے بعد ریٹائر ہوئے ہیں، انھیں پنشن اور گریجویٹی دی جائیگی۔

مطالعہ گروپ کی تشکیل: ریاست میں واقع مختلف یونیورسٹیوں کے تحت آرٹس، کامرس اور سائنس کالجوں میں فیس کی یکسانیت قائم کرنے کے مطالعہ پر غور و خوض کے لئے ایک مطالعہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ فی الحال معاشی اور سماجی طور پر کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے طلباء کو فیس میں رعایت کی سہولت دی گئی ہے۔ مذکورہ کمیٹی اس بات پر غور کر رہی ہے کہ کون سے کمزور طبقات ایسی سہولتوں کے مستحق ہیں اور کونسی شرائط پر یہ سہولتیں دی جا سکتی ہیں۔

پیشہ ورانہ تعلیم: ۷۹-۱۹۸۰ء کے تعلیمی سال کے دوران ممبئی عظمیٰ، ناشک، امراؤتی، اورنگ آباد، ناگپور، کولہاپور، تھانے اور رتناگری کے اضلاع میں پائیلیٹ پروجیکٹ کے طور پر ایس۔ ایس۔ سی کامیاب طلباء کے لئے دو سطحوں پر پیشہ ورانہ تعلیم شروع کی گئی ہے۔ مذکورہ تعلیم کے تحت طلباء کو صنعتی انتظام، چھوٹی صنعتیں، خود روزگار، کامرس، بنائی، اسکوٹر اور موٹر سائیکل کی مرمت، فن ماہی گیری، بجلی کی مشینوں کے کام جیسے پیشہ ورانہ کورس سکھائے جاتے ہیں۔

فنی تعلیم کے ادارے: مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ آف سکنڈری و ہائر سکنڈری ایجوکیشن پونے، کے نئے تجویز کردہ نصاب کے تحت ہائر سکنڈری کے جمع ۲ مرحلہ میں کسی زبان کے مضمون اور ایک غیر لازمی مضمون کے بدلے طلباء ۲۰۰ نمبروں کا کوئی بھی ووکیشنل مضمون لے سکیں گے۔ یہ سہولت مہاراشٹر کے ۸۷ منتخبہ جونیئر کالجوں میں فراہم کی گئی ہے۔ اس اسکیم کا خاص مقصد طلباء کو روزگار یا خود روزگار کے قابل بنانا یا ہائر سکنڈری کے بعد مزید اعلیٰ تعلیم کا اہل بنانا ہے۔

بورڈ نے اس سلسلہ میں ایک تفصیلی نصاب بھی تیار کر لیا ہے جس میں ۵ گروپ (ٹیکنیکل، کمرشیل، اگریکلچرل، فوڈ ٹیکنولوجی اور فشریز) میں ۲۱ ووکیشنل مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ اس سال سے ٹکنیکل گروپ میں مزید دو مضامین الیکٹرونکس اور کیمیکل پلانٹ آپریشن کا اضافہ کیا گیا ہے۔

تین سالہ طبی کورس: دیہی علاقوں میں ڈاکٹروں کی کمی کے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ریاست کے چار علاقوں میں دیہی علاقوں کے طلباء کے لئے مختصر مدت کا تین سالہ طبی کورس شروع کیا گیا ہے۔ مذکورہ کورس کو دیہی طبی معاون سند یعنی رورل میڈیکل اسسٹنٹ ڈپلوما کا نام دیا گیا ہے۔ جس میں ایسے طلباء کو جنھوں نے ساتویں درجہ تک دیہی اسکول میں تعلیم پانے کے بعد ۱۲ ویں کامیاب کیا ہے، داخلہ دیا جائے گا۔

شہری ترقیات: بمبئی میں مکانات کا مسئلہ ایک سنگین مسئلہ مانا جاتا ہے مکانات کی قلت اور مکانات کی تعمیر پر بھاری اخراجات کے باعث جھونپڑ پٹی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ بنتیجتاً جھونپڑ پٹی کی حالت میں بہتری پیدا کرنے پر حکومت خاص توجہ دے رہی ہے تاکہ کم سے کم جھونپڑ پٹی میں بسنے والے باشندے بہتر زندگی گذار سکیں۔ پہلے اقدام کے طور پر تمام جھونپڑ پٹیوں کے کرایہ میں کمی کر دی گئی۔ اس طرح یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے ایسے باشندے جو ۱۵۰ مکعب فیٹ یا اس سے کم پیمائش کی جھونپڑیوں میں رہتے ہوں، انھیں حکومت کو بطور کرایہ ماہانہ ایک روپیہ اور ۱۰ روپیہ بطور سروس چارج عام سہولتوں مثلاً نل کا پانی، سنڈاس، بجلی وغیرہ کے لئے ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ سہولت جھونپڑیوں میں رہنے والے شمار کنندہ ستر فیصدی باشندوں کو حاصل ہے۔

پہلے پہل مرکزی حکومت کے شعبوں کے تحت اراضی پر بسنے والے جھونپڑ پٹیوں کے باشندوں کو عام سہولتیں مہیا نہیں کر سکتی تھی۔ اب ریاستی حکومت نے یہ طے کیا ہے کہ اپنے اخراجات پر ان جھونپڑیوں کو عام سہولتیں مہیا کرے گی جو ایسی اراضی پر قائم ہیں جو فوری قبضہ کے لئے درکار نہیں

ہیں۔ گذشتہ سال ریاست کے ۱۵ شہروں میں جھونپڑیوں کو بہتر بنانے پر ۲ کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا جس سے ۲ء۱۱ لاکھ جھونپڑپٹی کے باشندوں نے فیض حاصل کیا۔

اسی طرح ایسی جھونپڑیوں کو سرکاری اخراجات پر عام سہولتیں مہیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو ایسی نجی اراضیات پر قائم ہیں جو کسی عوامی مقصد کے لئے درکار نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں مالک جائداد کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ان سہولتوں کے لئے رقم ادا کریں۔ ممبئی میں اس پروگرام کے پہلے مرحلے میں ۵۰ء۱ لاکھ آبادی پر مشتمل ۴۰ جھونپڑپٹیوں کو فائدہ حاصل ہوگا۔

آب رسانی و اخراج : ممبئی میں آب رسانی اور گندے پانی کے اخراج کے نظام میں بہتری پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ صاف اور کافی پانی دستیاب ہو سکے۔ پروجیکٹ کے دوسرے مرحلے (۸۴-۱۹۷۹ء) کے ذریعہ آئندہ پندرہ سالوں تک بڑھتی ہوئی آبادی کو ضروری پانی حاصل ہو سکے گا اخراج کے نظام کو بہتر بنایا جائے گا جس کی بدولت صنعتوں کو زائد پانی حاصل ہو سکے گا۔ اس پروگرام سے موجودہ ۴۴ کی بجائے ۹۰ فیصد علاقہ فیضیاب ہوگا۔ ۳۵۴ کروڑ روپے مالیت کی اسکیم کے لئے بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی کی جانب سے ۳۴ء۱۶۸ کروڑ روپے کی امداد حاصل ہوگی اور بقیہ رقم ریاستی حکومت اور ممبئی میونسپل کارپوریشن مل کر فراہم کریں گے۔

ممبئی عظمیٰ کے ریکلیمیشن علاقے کی ترقی کے لئے ۸۰-۱۹۷۹ء کے بجٹ میں ۲۵ لاکھ روپے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ بیک بے علاقے میں چند حصوں کو چھوڑ کر جو ماہی گیروں اور بی۔ای۔ایس۔ٹی کے لئے ضروری ہیں، مزید ریکلیمیشن بند کر دیا گیا ہے۔ یہاں صرف ترقیاتی کام کئے جائیں گے۔ پونے، ناگپور، سولاپور اور کولہاپور میونسپل کارپوریشن نے مربوط شہری ترقیاتی پروگرام ۲۴۳ کاموں پر مشتمل چار پروجیکٹ لئے ہیں جن پر لاگت کا تخمینہ ۱۷ء۹ کروڑ روپیہ ہے۔ شہری علاقوں (سوائے ممبئی عظمیٰ) میں آب رسانی و اخراج کی اسکیم کے لئے ۷۹-۱۹۷۸ء کے سالانہ منصوبہ میں ۴۰ء۱۰ کروڑ روپے کی مختص رقم ۸۰-۱۹۷۹ء کے منصوبہ میں بڑھا کر ۲۴ء۱۱ کروڑ روپے کر دی گئی ہے۔ ۸۰-۱۹۷۷ء کے اواخر میں ۲۰۲ شہروں میں جہاں میونسپلٹیاں ہیں، پائپ کے ذریعہ آب رسانی کی اسکیمیں تیار کر لی گئی ہیں اور ۱۷ شہروں میں اسکیم سے متعلق کام تیزی سے جاری ہیں۔

ناگپور شہر کی ترقی : ناگپور شہر کو مہاراشٹر کا دوسرا دارالخلافہ کہا جاتا ہے، اس کے باوجود اس شہر کی ترقی سے متعلق چند مسائل ابھی التوا میں ہیں۔ جاری سال کے دوران مذکورہ شہر میں آب رسانی اسکیم، سڑکوں کی مرمت وغیرہ کاموں کے لئے بجٹ میں ایک کروڑ روپے زائد کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ضمانت روزگار اسکیم : مہاراشٹر میں ۷۳-۱۹۷۲ء میں ضمانت روزگار اسکیم کا نفاذ کیا گیا جس کے تحت سود مند اور ترقیاتی روزگار سود مند فرد ملازم کیلئے

پولس کو نئی سہولت :
حکومت نے پولس کی حالت ملازمت میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے نئی رعایتوں اور سہولتوں کا اعلان کیا ہے۔

ایسوسی ایشن کا قیام : نیشنل پولس کمیشن کے رہنما اصول کی روشنی میں کمترین درجہ کے پولس افراد اب اپنی انجمن تشکیل دے سکتے ہیں۔ یہ انجمن چار قسم کی ہوگی۔ کانسٹبل، ہیڈ کانسٹبل، سب انسپکٹرس، انسپکٹرس اور مساوی درجہ کے افسران، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے مساوی یا بالا افسران اور انڈین پولس سروس سے تعلق رکھنے والے افسران۔

یہ انجمن صرف ملازمت پر قائم پولس والوں کے لئے ہوگی۔ باہر کے کسی بھی فرد کو اس کا رکن بننے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہڑتال یا فرائض کی انجام دہی میں تاخیر پیدا کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ انجمن بالکلیہ غیر سیاسی ہوگی اور کسی بھی سیاسی کارروائیوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک نہیں ہوگی۔

توقع ہے کہ اس انجمن کے باعث پولس کے مسائل کو سمجھنے اور باہمی تعلقات میں اضافہ کرنے میں مدد ملے گی۔ یکم اکتوبر ۱۹۷۹ء سے پولس والوں کا آرڈرلی سسٹم ختم کر دیا جائے گا اور ایک متبادل انتظام اپنایا جائے گا۔

بھتّہ : تمام پولس والوں کو یونیفارم کے لئے ۱۰ روپیہ ماہانہ بھتّہ دیا جائے گا۔ پولس والوں کو چونکہ اکثر اوقات ۸ گھنٹہ سے زیادہ اور چھٹیوں میں بھی کام کرنا پڑتا ہے اس لئے انھیں ۱۵ دنوں کی مزید مع تنخواہ رخصت دی جائے گی۔ اگر یہ رخصت منظور نہ ہو سکی تو ہر کانسٹبل کو سالانہ ۲۳۰ روپے اور حولدار، درجہ اول اور دوم کو بالترتیب ۲۷۰ اور ۲۵۰ روپے سالانہ دیئے جائیں گے۔

پولس والوں کو دی جانے والی ان رعایتوں کے لئے حکومت کو ۵ء۳ کروڑ روپے کے اخراجات کا مزید بوجھ برداشت کرنا پڑے گا۔

اور ترقیاتی معیشت کے لئے ان تمام غیر ماہر لوگوں کو فراہم کیا جاتا ہے جو دیہی علاقوں بشمول 'سی' کلاس میونسپل کونسل علاقوں میں کام کے لئے رضامند ہیں۔ اس اسکیم کا مقصد رفاہِ عامہ کے کاموں میں بہتری پیدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ مزدوروں کو دی جانے والی اُجرت کام کی مقدار اور نوعیت کے لحاظ سے مناسب ہے۔

ریاستی حکومت نے ۲۶ جنوری ۱۹۷۹ء کو ضمانت روزگار قانون منظور کر کے اس اسکیم کو قانونی شکل دیدی ہے۔ اس قانون کے تحت کسی فرد کو جو کام کا طلبگار ہو اور جسے ۱۵ دنوں کے اندر کام مہیا نہ کیا جا سکا ہو، اسے بیکاری بھتے کی صورت میں حکومت نے ایک روپیہ یومیہ ادا کرنے کی ضمانت دی ہے۔ حکومت نے اناج کی صورت میں دی جانے والی اُجرت میں اب اضافہ بھی کر دیا ہے۔ اب تک (۲۳ اکتوبر تک) ضمانت روزگار اسکیم کے تحت ملازمین کو یومیہ صرف ۳ روپے اُجرت دی جاتی تھی، لیکن اب اس اُجرت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب انھیں ۹۰ فیصد نقد اور ۱۰ فیصد گیہوں کی صورت میں اُجرت دی جاتی ہے۔ اب نقد رقم وہی ہوگی لیکن اس کے ساتھ ۴۰ فیصد گیہوں بھی دیا جاتا ہے۔ اس طرح اُجرت ۴ روپے یومیہ ہو جاتی ہے۔ اب مزدور کو اس اسکیم کے تحت فی ہفتہ ۱ کلوگرام گیہوں حاصل ہو جاتا ہے۔ ان اقدامات کی وجہ سے ضمانت روزگار اسکیم دیہی علاقوں میں کافی مقبول ہے۔

۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران اس اسکیم پر ۶۵ کروڑ روپیہ صرف کیا گیا اور اُجرت کے طور پر ۶۱۰۰۰ ٹن گیہوں تقسیم کیا گیا۔ جاری مالی سال میں ۸۳ء۲ کروڑ روپیہ مع ۵۰ء۱۶ کروڑ روپیہ گیہوں کی شکل میں دی جانے والی اُجرت کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، مزدور کو اسی کے گاؤں میں کام دیا جاتا ہے۔ اس سے قبل کم از کم ۵۰ بیروزگار افراد کو کام مانگنے پر ہی کام دیا جاتا تھا۔ لیکن اب حکومت نے ہدایت کی ہے کہ ایک فرد کے کام مانگنے پر بھی کام دیا جائے۔ یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے چاول کی پیداوار والے علاقے یعنی تھانے، قلابہ، رتناگیری، بھنڈارہ اور چندرپور کے کامگاروں کو مناسب مقدار میں چاول بھی دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی مزدور کی ناگہانی موت یا اپاہج ہونے کی صورت میں ۵۰۰۰ روپیہ امدادی وظیفہ دیا جاتا ہے۔

بیرونِ ملک فروغِ روزگار کارپوریشن: جلد ہی ایک نجی ادارہ بنام بیرونِ ملک فروغ روزگار کارپوریشن لمیٹیڈ (OVERSEAS EMPLOYMENT PROMOTION CORPORATION) قائم کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک سرمائی ادارہ ہے جس کا منظور شدہ سرمایہ ۲۰ لاکھ روپے ہے جس میں سے جاری سال میں ۵ لاکھ روپیہ بطور حصہ داری سرمایہ فراہم کیا جائے گا۔

مذکورہ کارپوریشن ہندوستانی مزدوروں کے لئے غیر ممالک میں روزگار کے حصول کے لئے مدد کریگی۔ اس کے علاوہ زراعتی پیداوار، جانوروں وغیرہ کی برآمد کو فروغ دینا بھی کارپوریشن کے فرائض میں داخل ہے۔

مذکورہ بالا اقدامات کے لئے کارپوریشن غیر ملکی مالکان ملازمت سے رابطہ قائم رکھے گی اور ان کی حسب خواہش اُمیدواروں کے معیار کی جانچ کرنے میں مدد دے گی۔ یہ کارپوریشن ڈائرکٹوریٹ آف ایمپلائمنٹ، ڈائرکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن اور دیگر ریاستی اداروں کے ساتھ مل کر فرائض انجام دے گا تاکہ اس سلسلہ میں اخراجات کم سے کم رکھے جا سکیں۔ ہندوستان سے ماہر، نیم ماہر اور غیر ماہر تلاشِ روزگار افراد کو غیر ممالک میں ملازمت کے لئے بھرتی کرنے والی ایجنسی کے بطور یہ کارپوریشن حکومتِ ہند کے تحت رجسٹرڈ ہوگی۔ کارپوریشن کے اہم فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) ملازمت میں بھرتی کے لئے غیر ممالک یا غیر ملکی مالکان ملازمت سے راست یا حکومت ہند کے توسط سے عہدنامہ میں شامل ہونا۔
۲) حکومت ہند کے زیرِ نگرانی اداروں اور ریاست کے نجی اداروں سے رابطہ قائم کرنا جنھیں غیر ممالک میں روزگار کے لئے اُمیدواروں کی ضرورت ہے۔
۳) ہندوستان اور غیر ممالک میں ایجنٹوں کو مقرر کرنا تاکہ وہ خالی آسامیاں تلاش کر سکیں اور غیر ملکی مالکان سے رابطہ قائم کرنے کے لئے غیر ممالک کا دورہ کر سکیں۔
۴) اُمیدواروں کے معیار کی جانچ میں مدد دینا۔
۵) اُمیدواروں کی تربیت کا انتظام کرنا۔

یہ متعدد اقدامات صرف اسی لئے وضع کئے گئے تاکہ ۱۹۶۰ء میں مہاراشٹر کی تشکیل کے وقت بنائے گئے رہنما اُصولوں کو کارگر بنایا جا سکے۔ حکومت اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی جد و جہد نہ صرف جاری رکھے گی بلکہ اس میں توسیع و تیزی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔

ضروری اشیاء کی فراہمی کے لئے تین لاکھ دوکانیں

”کافی عرصہ سے مرکزی حکومت کی توجہ ایک کارآمد پیداواری نیز تقسیمی اسکیم کو قائم کرنے پر مرکوز رہی ہے۔ اسی لئے نئی حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی اس اہم کام پر فوراً توجہ دی۔ ۱۹۷۳ء میں میں پلاننگ کمیشن کی کمیٹی نے اپنی پہلی رپورٹ تیار کی جس میں ٹھوس عوامی تقسیم پالیسی کا خاکہ تیار کیا گیا۔ اس اسکیم پر اب نظر ثانی کر کے اسے بدلے ہوئے حالات کے مناسب بنایا گیا ہے۔ مارچ ۱۹۷۸ء میں نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل نے ایک بنیادی پالیسی پیش کی۔ جنوری ۱۹۷۹ء میں منعقدہ وزراء اعلیٰ کانفرنس میں اس پر سیر حاصل بحث کی گئی اور متفقہ طور پر اس اسکیم کو منظور کیا گیا۔“

۶ جون ۱۹۷۹ء کو مرکزی علاقائی اور ریاستی سول سپلائی وزراء کانفرنس میں اس اسکیم پر عمل آوری کے اقدامات طے کئے گئے۔ اسکے بعد میں نے یکم جولائی سے اسکیم کو نافذ کرنے کے سلسلے میں ابتدائی کارروائی کے ہدایات جاری کیں۔ اس طرح ان تمام کے لئے جو ایسی اسکیم پسند کرتے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ بالآخر اس اسکیم کو ملکی سطح پر شروع کر دیا گیا ہے۔

یہ ایک ایسی اہم اسکیم ہے جو مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے کئے گئے وعدوں کی تکمیل کرتی ہے اس اسکیم کے ذریعے عوام کو ملک بھر میں ضروری اشیاء کی فراہمی مناسب داموں پر کی جائیگی۔ اور ایک مستقل نظام کے تحت یہ کام انجام دیا جائے گا۔

مقصد

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس اسکیم کا بنیادی مقصد ضروری اشیاء کی پیداوار اور دستیابی میں اضافہ کرنا اور ساتھ ہی عوام کو اور خصوصاً سماج کے کمزور اور پسماندہ طبقات کو باقاعدہ واجبی داموں پر ان اشیاء کو مہیا کرنا ہے۔

یقین ہے کہ اگر یہ اسکیم مکمل طور پر بروئے کار لائی گئی تو لوگوں کی بہت پریشانیوں کا علاج ہو جائے گا۔ خاص طور پر ان لوگوں کا جو منظم طبقات میں شامل نہیں ہیں اور جنہیں قدرتی اور انسانی وجوہات سے پیدا شدہ ضروری اشیاء کی قلت سے دو چار رہنا پڑتا ہے۔ ماضی میں کی گئی کارروائیوں کے برعکس یہ اسکیم بہت ہی ٹھوس اور جامع ہے۔ اور اسکے تحت تمام مراحل مثلاً اشیاء کی پیداوار، حصولیابی، ذخیرہ، نقل و حمل اور ان کی تقسیم وغیرہ طے ہو جاتے ہیں۔ محکمہ سول سپلائی اور کوآپریشن میں مرکزی وزیروں مثلاً وزارت صنعت، زراعت، پٹرولیم اور کیمکلس اور ساتھ ہی ساتھ پلاننگ کمیشن ریاستی حکومتوں وغیرہ سے تفصیلی گفت و شنید اور مشوروں کے بعد اس اسکیم کو تیار کیا ہے۔ گھریلو ضروریات کی پیداوار میں اضافہ کی خاطر حکومت نے کئی چیزوں مثلاً گیہوں، دھان، چنا، مونگ پھلی، سویابین، سن فلاور بیج، سرسوں بیج، ارہر، مونگ، اور خام کپاس کے لئے معاون قیمتوں کا اعلان کیا ہے، اور وسیع پیمانے پر پیداوار کو فروغ دینے کیلئے وزارت زراعت کو اسکیمات مرتب کرنے کی ہدایت کی ہے، اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے چھٹے پلان کے تحت ریاستیں اور پلاننگ کمیشن اس اسکیم کو آخری شکل دینے میں مصروف عمل ہیں یہ اسکیمیں اشیاء کی حصولیابی، ذخیرہ اور نقل و حمل کیلئے مفید ثابت ہونگی۔

پبلک تقسیم

جہاں تک تقسیم کار کا تعلق ہے یہ اسکیم دو ہزار (۲۰۰۰) آبادی والے

وزیرِ محصول شری اُتم راؤ پاٹل، یکم جولائی ۱۹۷۹ء کو پُونے میں 'گراہک بھون' پر ایک طالبہ کو ایک کاپی دے رہے ہیں جبکہ آپ نے صارفین کو ضروری سامان واجبی قیمتوں پر مہیا کرنے کے لئے ریاستی حکومت کی سُود مند اسکیم کا افتتاح فرمایا تھا۔

علاقوں، دور افتادہ کم آبادی والے علاقوں کے لیئے بہتر تقسیم کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ دکانوں کی تعداد ۲ء۴۱ لاکھ سے بڑھ کر تین لاکھ سے اوپر ہو جائے گی۔ فی الحال تیس ہزار سے زائد دکانیں کھولی جا چکی ہیں اور باقی ماندہ مستقبل میں کھولی جائیں گی۔ اسکے علاوہ موجودہ دکانوں کی کارکردگی کا بھی معائنہ اور ان میں سدھار پیدا کیا جا رہا ہے۔

یہ نئی دکانیں امداد باہمی اداروں اور بے روزگار نوجوانوں خصوصاً درج فہرست جاتیوں اور قبائل کو دی جائیں گی ــ ریاستوں سے مشورہ کے بعد کئی اشیاء کو اس اسکیم میں شامل کیا گیا ہے تاہم ابتداء کچھ مخصوص چیزوں سے کی جائے گی۔ اس اسکیم کے تحت گیہوں، چاول، موٹا اناج، کیروسین اور کنٹرول کپڑے کی سپلائی پہلے ہی جاری کر دی گئی ہے۔ ایسی دکانوں کے ذریعہ ونا سپتی تیل، سمنٹ، گیہوں، اور دیگر اشیاء کی تقسیم جاری ہے کنٹرول کپڑے کے ساتھ ساتھ، دیا سلائی، نہانے دھونے کا صابن، چائے کاپی کاپیاں اور سستے کپڑوں کی تقسیم بھی رفتہ رفتہ کی جائے گی۔ اسکے علاوہ منفرد ریاستیں کوئی اور شئے کا بھی اضافہ کر سکتی ہے بشرطیکہ ان کی تقسیم کا ترجیح ارج

انھیں مکمل یقین ہو۔ اس اسکیم کے نفاذ میں ریاستوں کا بہت گہرا تعلق ہے اس بات کی خوشی ہے کہ تمام ریاستوں نے اس اسکیم کے نفاذ میں حوصلہ افزا تعاون کیا ہے جن میں ریاستِ مہاراشٹر خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ یقین ہے کہ یہ ریاست نمایاں طور پر اس اسکیم کو کامیاب بنانے میں موثر اقدامات کرے گی۔

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اس اسکیم کا مقصد ہیمکل بیوپار میں نجی کاروبار کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بلکہ اس کا خاص مقصد تقسیم کاری کو وسیع پیمانے پر فروغ دینا اور حکومت کے لئے یہ ممکن بنانا کہ وہ قدرتی اور مصنوعی حالات میں اشیا کی قلت کے وقت عوام کو منافع خور تاجروں کی گرفت سے بچا سکے اور ملک بھر میں ضروری اشیا کو مناسب داموں پر عوام تک پہونچا سکے۔

ملک میں فی الحال ۳۲ لاکھ سے زائد دکانیں اور ادارے ہیں اور عوامی تقسیم کاری مرکزوں میں اضافہ کے بعد عوامی تقسیم دکانوں کی تعداد ۳۲ء۵ لاکھ کے قریب ہو جائے گی۔ ان میں سے ۲۶ء۵ لاکھ فی الحال موجود ہیں جو نجی طور پر یا امدادِ باہمی اداروں کی مدد سے کام کر رہی ہیں۔ ان تقسیمی مراکز کو دوسرے کام کے لیئے یعنی چند اشیاء

کل تقسیم کے لئے بھی استعمال کئے جانے کی تجویز ہے۔ وزارت
رسائل نے ٹاک کی اشیاء کی فروخت کے لیئے اور وزارت
ترو دھ کو کمیشن پر فروخت کرنے کے لئے ان مراکز کو استعمال
طور کیا ہے۔ منفرد ریاستیں دیگر اشیاء مثلاً سبزی ترکاریاں
بیاز وغیرہ، پرو ڈیوسروں اور کوآپریٹیو اداروں سے حاصل
ان دکانوں پر مناسب داموں پر فروخت کر سکتی ہیں۔ اس
صرف صارفین اور پروڈیوسروں کے درمیان خلاء کو پُر کرنے
مدد ملے گی بلکہ مراکز میں بھی استحکام پیدا ہوگا۔

ت کی ضرورت

ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس اسکیم کے نفاذ اور اس کے تحت
مد کی حصولیابی کے نتیجے ایک طویل وقفہ درکار ہے۔ اس سے قبل
یداواری پروگرام کے اثرات بمشکل دکانوں پر ظاہر ہوں اس
م کو واضح طور پر تیار کرنا اور اس پر سختی سے عمل کرنا ہوگا۔
ن کی کانفرنس میں ریاستی حکومتوں نے اس اسکیم کو یکم جولائی
سے شروع کرنے کے اعلان کے ساتھ اس بات کا بھی یقین دلایا
ر ۱۹۶۹ء کے اختتام تک علاقے اور اشیاء پر منحصر تمام لوازمات

کو اس اسکیم میں شامل کیا جائے گا۔ اس اسکیم کا اہم پہلو یہ ہے کہ اسکے
نفاذ میں عوام، ان کے منتخبہ نمائندے اور ساتھ ہی ساتھ مختلف سیاسی
جماعتوں کا عمل دخل ہے۔ نگرانی، جائزہ اور مشاورتی کمیٹیوں
کو قومی، ریاستی اور ضلع سطحوں پر قائم کیا جا رہا ہے۔ امید ہے
کہ جوں جوں دن گذرتے جائیں گے۔ ان کمیٹیوں کا کام
دکانوں کی حد تک بڑھ جائے گا۔

پس یہ اسکیم حقیقی معنوں میں ایک قومی پروگرام ہے جو مرکزی
وزارتوں، ریاستی حکومتوں اور پلاننگ کمیشن کے اشتراک سے بنایا
گیا ہے اور انہی کے ذریعے عوام کے تعاون سے عمل میں لایا جائے گا۔
امید ہے کہ تمام طبقات اس اہم اور قومی مفاد کے پروگرام کو کامیاب
بنانے میں بھرپور تعاون دیتے رہیں گے۔

(ترجمہ: ایم' اظہر خان)

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں
سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس
ہو سکتا ہے لہذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے
"سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اس
تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت
تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق
آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔

پتہ نوٹ فرمالیں: ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرہواں منزلہ،
منابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲
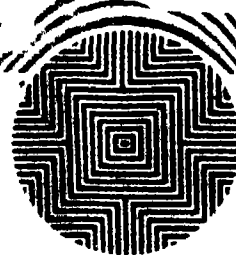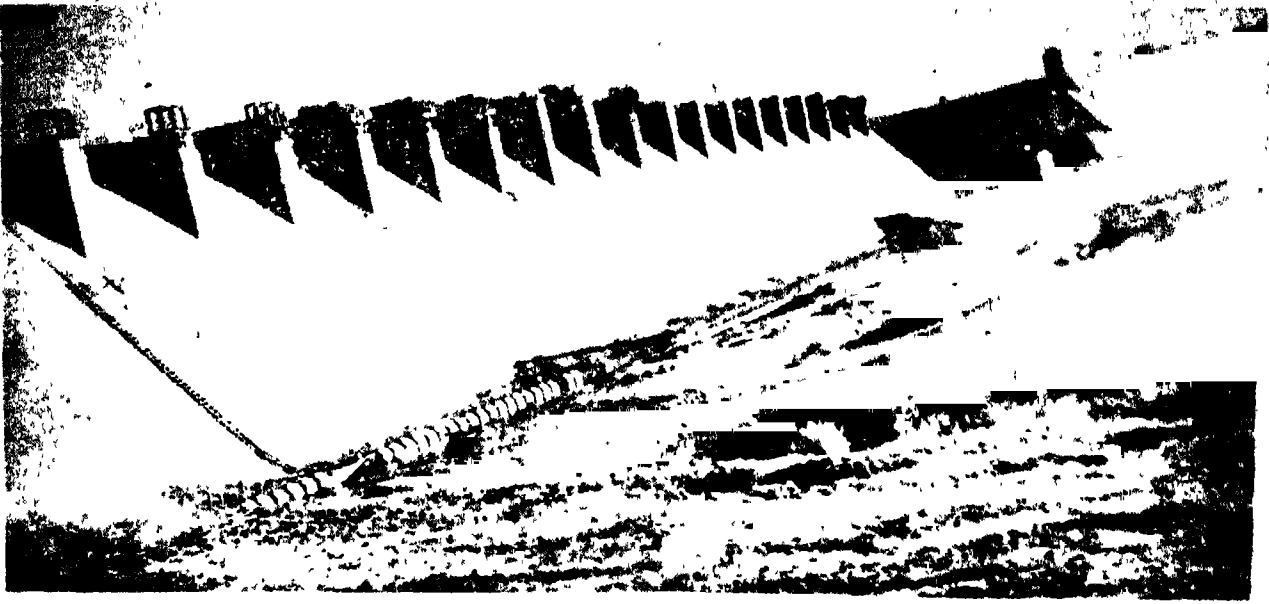
پالیسی برائے آبپاشی

* شری وی۔ آر۔ دیوسکر
سکریٹری، محکمۂ آبپاشی حکومتِ مہاراشٹر

زرعی پیداوار کے استحکام و ترقی میں آبپاشی زبردست اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس سے اچانک خشک سالی میں فصل کے نقصان کا خدشہ دور ہوتا ہے اور دوہری فصل کے امکانات بڑھتے ہیں اور پھر مہاراشٹر جیسی ریاست میں جہاں ۳۵ فیصدی علاقۂ فصل عام طور پر دیرینہ خشک سالی سے متاثر رہتا ہے وہاں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

❖ ❖

آبپاشی حرکات

مہاراشٹر میں تمامتر ذرائع سے آبپاشی کے امکانات کا تفصیلی مطالعہ پہلے پہل شری ایس۔ جی بروے کی چیئرمین شپ میں مہاراشٹر اسٹیٹ اریگیشن کمیشن کے ذریعہ کیا گیا تھا یہ کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ تمامتر بشمول، سطحی و اندرون زمین و دیگر قابل عمل آبی ذرائع کو بروئے کار لاکر تقریباً ۶۱،۹۴ لاکھ ہیکٹر علاقہ کو آبپاشی کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔

فی الحال سطحی و اندرون زمین آبی قوت کا تخمینہ تقریباً ۶۱،۰۷ لاکھ ہیکٹرس ہے جس میں ۵۲،۶۱ لاکھ ہیکٹر زمین کے اوپر و ۱۸ لاکھ ہیکٹر آبی ذرائع اندرون زمین ہیں۔ ۵۲،۶۱ لاکھ ہیکٹر کے سطحی ذرائع میں سے ریاست کے چھوٹے درمیانی اور بڑے درجے کی آبپاشی سے کل ۴۸،۹۵ لاکھ ہیکٹر کا احاطہ ہوا ہے جون ۱۹۷۸ء تک ریاستی سطحی ذرائع سے کل ۱۵،۰۰ لاکھ ہیکٹر تک

قومی راج

آبپاشی قوت پیدا کی گئی جو کہ تمام تر قوت کا بمشکل ۲۸ ہے۔

سیراب علاقے

ریاست میں ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران تمامتر ممکن ذرائع بشمول کنویں سے اندازاً ۲۲،۷۵ لاکھ ہیکٹر زمین کو سیراب کیا گیا جو کہ کل کاشتکاری کے قابل زمین کا ۱۰،۵ فی صد ہے اور کل ہند پیمانے پر اوسطاً ۲۵ فیصد ہے۔

سرمایہ کاری

دیہی معیشت میں آبپاشی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ریاستی حکومت نے کئی سکیموں و تجاویز میں اسے دوسروں پر فوقیت دی ہے اس کا بیّن ثبوت ۴۲۵ کروڑ کے وہ اخراجات ہیں جو کہ پنجسالہ منصوبہ کے چار سال کے عرصے ہی میں (۷۸-۱۹۷۴) صرف ہو گئے جبکہ ۱۹۵۱ تا ۱۹۷۴ء کے تیئس سال کے عرصے میں کل

پینچ ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹ کے تحت یہ "پختہ بند" تیزی سے تعمیر ہو رہا ہے۔ یہ حکومت مہاراشٹر اور حکومت مدھیہ پردیش کا مشترکہ پروجیکٹ ہے جس سے ۹۴٫۵۰۰ ہیکٹر اراضی کی سینچائی ہوسکے گی نیز ۱۶۰ میگاواٹ پاور پیدا کی جائے گی۔

۴۰۰ کروڑ روپے صرف کئے گئے تھے۔ ۷۹-۱۹۷۸ء مالی سال کے بجٹ میں تقریباً ۱۲۷ کروڑ روپے مختص کئے گئے تھے۔ لیکن آبپاشی کو تیز رو بنانے کی غرض سے مزید ۴۰ کروڑ روپے کی رقم کا اضافہ کیا گیا جس کی وجہ سے اندازاً ایک لاکھ ہیکٹر اراضی کو قابلِ آبپاشی بنایا جاسکا۔

موجودہ پنجسالہ منصوبہ (۷۸ - ۱۹۸۳ء) کے دوران ۹۶۰ کروڑ روپے بڑے اور اوسط پروجیکٹوں پر اور تقریباً سو کروڑ روپیہ ریاستی سطح کے چھوٹے آبپاشی کاموں پر خرچ کئے جائینگے جس سے جون ۱۹۸۳ء سے ماقبل مزید ۸ لاکھ ہیکٹر زمینوں کی آبپاشی ممکن ہوسکے گی اس کے علاوہ ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت جو زائد اخراجات ہونگے اسکے لئے بھی فوقیت آبپاشی جیسے پیداواری کاموں کو دی جائیگی اس طرح موجودہ پلان کے آخیر تک کل نشانہ برائے آبپاشی ۲۳٫۷۰ لاکھ ہیکٹر ہوگا جو کہ کل قوت کا تقریباً نصف ہے۔

سہولتوں میں اضافہ

گذشتہ سال کے دوران آبپاشی پروگرام کو دوبارہ نئی قوت و دم خم سے لیس کیا گیا ہے دراصل آبپاشی کی سہولتوں کو بڑے پیمانے پر عام کرنے کے پس پشت صرف قحط سالی سے محافظت ہی کا خیال نہیں ہے بلکہ خود کفیل ہونے کے لئے زراعتی پیداوار میں اضافہ بھی ایک محرک ہے جو کہ نئی حکومت کے چالیس نکاتی پروگرام کے عین مطابق ہے۔ اسکے مدنظر زیادہ سے زیادہ کاشتکاروں کو سال بھر میں آٹھ ماہ تک آبپاشی کی سہولتوں سے بہرہ ور ہونے اور جہاں یہ ممکن نہیں کم از کم ایک فصل کیلئے زیادہ سے زیادہ اراضی کو قابلِ آبپاشی بنانے اور آبادی کے ایک بڑے حصہ کو فیضیاب کرنے کا منصوبہ ہے۔

فی الحال تمام موجودہ قوت جو کہ ۶۱٫۰۷ لاکھ ہیکٹر ہے صرف ۳۵ فی صدی سالانہ فصلی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اور بقیہ ۶۵ فیصد علاقے مانسون کے رحم وکرم پر رہتے ہیں۔ ان حالات میں سدھار پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آبپاشی کی سہولتوں کو صرف موسمی فصلوں تک ہی محدود کرکے اُن فصلوں کو نظرانداز کردیا جائے جن کیلئے زیادہ پانی درکار ہے اور جلد تیار ہوجانے والی غذائی فصلیں جن کے لئے پانی کی ضرورت کم ہوتی ہے صرف انھیں کی کاشت کی جائے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوا کہ خریف کی فصل کیلئے زیادہ سے زیادہ بارش ہی کا پانی اور تھوڑا بہت پانی آبپاشی کے ذرائع سے لیا جائے۔ اسکے علاوہ پانی کے بچاؤ کے دوسرے مختلف طریقۂ کار مثلاً نہروں کے کاٹنے، پانی کی تقسیم اور کھیتوں میں پانی کا کم سے کم اور ضرورت ہی کے اوقات میں استعمال جیسے اقدامات عمل میں لائیں جائیں تاکہ پانی کے استعمال میں کمی واقع ہو۔

ہشت ماہی فصل

۶ جون ۱۹۷۸ء کو آبپاشی کے موجودہ طریقۂ کار

میں کچھ مفید تبدیلیاں لانے کی غرض سے ایک تین نفری کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس میں پروفیسر ڈی ایم ڈی انڈیکر، شری وی ٹی جی دیشمکھ اور بذات خود میں شامل تھا۔ کمیٹی نے ایک آٹھ ماہی آبپاشی طریقہ کار تجویز کرتے ہوئے اور جہاں کہیں اس کا نفاذ نا ممکنات میں سے تھا وہاں صرف خریف کی فصل کو سینچنے تک ہی محدود رکھنے کے معاملے پر غور کرتے ہوئے کچھ نئے پروجیکٹ کی سفارش کی اور اپنی رپورٹ حکومت کو فروری ۱۹۷۹ء میں پیش کر دی۔

حکومت نے اصولی بنیادوں پر کمیٹی کی سفارشات بشمول آٹھ مہینے پانی کی سپلائی اور آبپاشی کے فائدہ کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مہیا کرنے کی تجویز قحط سالی سے بچاؤ کا ذریعہ سمجھتے ہوئے منظور کر لی۔ اس دریا زیادہ دنوں تک قائم رہنے والی فصلوں کی فیصد حد جو کہ ناشک ضلع میں گوداوری پروجیکٹ، ساتھ ہی ککڑی اور ملا میں اور پونے واحد نگر کے بالائی پروارا پروجیکٹ پر ہوتی ہیں کم کر دینے کا فیصلہ اوپر بیان کردہ پالیسی کے تحت کیا جا چکا ہے اس کے علاوہ، آبپاشی کی سہولتوں سے قحط زدہ علاقوں کو سینچنے کیلئے زائد پانی کو نہروں کے ذریعہ بالائی گوداوری پروجیکٹ پر واقع اوزار کھیڈ نہر کے زیر اثر علاقہ میں ٹنکیوں کو بھرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

ایگریکلچرل اریگیشن کمیشن!

اکتیس نفری ایگریکلچرل اریگیشن کمیشن، جو کہ سابق مرکزی وزیر مملکت برائے زراعت شری اے پی شندے کی قیادت میں ریاستی حکومت نے تشکیل دیا تھا اپنے طرز کا پورے ملک میں واحد کمیشن ہے اس کمیشن کو بروے کمیشن کے ذریعہ تعین کردہ آبپاشی کے کل امکانات کا کرشنا، گوداوری ونرمدا ٹریبونل کے دیئے گئے پانی کے ذرائع میں ریاستی حصے کو مدنظر رکھتے ہوئے ازسرنو جائزہ لینے کا کام سونپا گیا اسکے علاوہ ایک مقررہ وقت میں تمامتر آبپاشی کی سہولتوں (بشمول سطحی واندرون زمین) کو استعمال کرنے اور قحط زدہ اور کم آبپاشی والے علاقوں جیسے کوکن، ودربھ اور طبقاتی علاقوں میں ضروری کام شروع کرنے کی بابت ایک قطعی پروگرام طے کرنے کی ذمہ داری بھی مذکورہ کمیشن کو سونپی گئی ہے۔

عالمی بینک کی امداد

عالمی بینک نے ۱۹۷۷ء میں جائیکواڑی پروجیکٹ کے کچھ حصوں کی تعمیر کیلئے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا، بعد ازاں اس کی مدد سے پروجیکٹ پر برق رفتاری سے کام ہونے لگا نیز حال ہی میں تین چھ بڑے پروجیکٹ برائے آبپاشی اور پانی سے متعلق دو پروجیکٹوں کی تجدید کو عالمی بینک کے روبرو برائے امداد پیش کیا گیا ہے اور فی الحال وہ بینک سے منظور ہونے کے آخری مراحل میں ہے۔

ان پروجیکٹوں سے زیادہ سے زیادہ آبپاشی کی سہولتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے ہیں۔

(۱) بندھ سے تقریباً آٹھ ہیکٹر تک نقل وحمل کی حفاظت اور کسانوں میں ان کے کھیتوں تک پانی کے پہنچنے کا تیقن اور پھر وتالم کرنا۔

(۲) شیڈول کے مطابق نمبروار پانی کی تقسیم کاری کا نظام قائم کرنا تاکہ ایک مقررہ وقت ومقررہ شرح پر کسانوں کو پانی کی فراہمی کی جاسکے۔

(۳) خریف کی فصل کیلئے ماقبل مانسون یکم جون ہی سے آبپاشی کی اجازت

(۴) پروجیکٹ کے اہم علاقوں میں کاشتکاری کو وسعت واسعی کام

(۵) ایسی جگہوں پر جہاں کوئی اور تنظیم نہ ہو وہاں کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی آرگنائزیشن کا تقرر، تاکہ آبپاشی کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنانے کیلئے سڑکوں، مارکیٹ کا قیام عمل میں لانا۔

ان نئی اصلاحات کے تئیں امید ہے کہ موجودہ پانی سے زیادہ سے زیادہ علاقوں کو سیراب کیا جاسکے گا اور زراعتی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا۔ اصل منشاء یہ ہے کہ فی یونٹ پانی پر زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو۔

کوکن میں آبپاشی

آبپاشی کے میدان میں کوکن کے علاقوں کا دوسرے علاقوں کی بہ نسبت پچھڑے رہنے کی وجہ اس کا سخت ومشکل جغرافیائی محل وقوع ہے لیکن راجہ نالا اور کال پروجیکٹ کے زیر اثر علاقوں میں سرمائی فصل اگانے کیلئے آبپاشی میں دلچسپی کے مدنظر مستقبل قریب میں کوکن میں آبپاشی کے امکانات کافی حوصلہ افزا ہیں اسی لئے آبپاشی کی ترقی کی رفتار کو تیز تر بنانے کی خاطر مختلف طریقہ کار کو اپنانے کیلئے سرکاری وغیرسرکاری عہدہ داروں پر مشتمل ممبئی حلقہ کے چیف انجنیئر کی چیئرمین شپ میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ نیز مذکورہ علاقہ کی سخت جغرافیائی حالات کے پیش نظر تمام چھوٹے آبپاشی اسکیمات اور پرکولیشن ٹینک کی تعمیر پر درکار سرمایہ کی حد ۵۵۰۰۰ سے بڑھا کر ۷۵۰۰۰ روپے فی ایم۔ مکعب فیٹ کر دی گئی ہے۔

قبائلی وقحط زدہ علاقے

کوکن کے علاقوں کے ساتھ ساتھ، قبائلی وقحط زدہ علاقوں میں بھی سخت جغرافیائی حالات کی بناء پر چھوٹے آبپاشی کے کام کے تخمینے میں رعایت برتی گئی ہے جبکہ قحط زدہ علاقوں کیلئے سستی وآسان قسم کی اسکیمیں تیار کی جا چکی ہیں۔ اسکے علاوہ مزید سخت علاقوں کے لئے تمام ٹنکیوں اور مقامی سطح کی چھوٹی آبپاشی اسکیم کیلئے ۷۵۰۰۰ روپے فی میگا مکعب فیٹ تک رعائت دی گئی ہے۔

سُوریہ دریا پر ”اُٹھاؤ بند“ ۔ یہ کوکن کا ایک بڑا سینچائی پروجیکٹ ہے

علاقہٗ ودربھ

کوکن ودربھ میں دوسروں کے مقابلتاً آبپاشی کی ترقی کی رفتار بہت دھیمی ہے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے نئے کاموں میں آبپاشی پروگرام کو فوقیت دی جا رہی ہے۔ حالیہ پنجسالہ منصوبے (۷۸ ۱۹ء تا ۱۹۸۳ء) کے دوران اکتیس نئے بڑے پروجیکٹ میں سے گیارہ پروجیکٹ ودربھ اور چار کوکن کے تین اضلاع کو سیراب کرینگے۔

مزید سات بڑے پروجیکٹوں کی تفصیلات جو حکومتِ ہند کو مستقبل میں عالمی بینک سے قرض حاصل کرنے کی منظوری کیلئے پیش کرنے کے لیئے بھیجی گئی ہیں۔ انھیں میں سے چار ودربھ کیلئے ہیں۔ ودربھ علاقے میں پانی کی افراط کی وجہ سے فی الحال مزید کئی پروجیکٹوں پر عمل درآمد کیلئے غور و خوض کیا جا رہا ہے اور گوداوری کے پانی کے بارے میں فیصلہ ہو جانے پر مندرجہ بالا پروجیکٹوں کی منظوری کی راہیں ہموار ہو جائیں گی اس لیئے موجودہ ترقی کی رفتار کی بنیاد پر یہ بات علی الاعلان کہی جا سکتی ہے کہ ۲۰۰۰ء تک ریاست میں موجود تمام آبی وسائل کو مکمل طور پر استعمال میں لایا جا سکے گا۔

...باز آبادکاری

آبپاشی پروگرام کی رفتار کو تیز تر بنانے کے ساتھ ہی ساتھ پروجیکٹوں کی وجہ سے متاثر ہونے والے افراد کی باز آبادکاری کا کام بھی بے حد ضروری ہے اس ضمن میں ریاستی مجلس قانون ساز نے زمین کے بدلے زمین اور متاثرین کی دیگر سہولیات کے متعلق ایک قانون پاس کیا ہے۔ متاثرین کی آبادکاری کے علاوہ سرکار نے مزید دیگر سہولتوں جیسے سڑکیں، پاخانے و الیکٹرک پاور پروجیکٹ کی قیمت کے حساب سے مہیا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

متاثرین کو آبپاشی کی تکلیف نہ ہو سکے لئے بھی پانی کے ذخائر اور دیگر سہولتیں دینے کا ارادہ ہے جو لوگ پائٹھن ڈیم کی وجہ سے متاثر ہوئے ہیں اُن کے لیئے دو اسکیمیں تجناپور اور برہمن گاؤں ضلع احمدنگر اور اورنگ آباد میں سرکاری خرچ پر تیار کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں از سرِ نو بسائے گئے لوگوں کی کم سے کم بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کے لئے قیمتوں میں اضافے کے مدنظر پروجیکٹ کی کل قیمت کی حد ۱۵ء۔ فیصد کو بڑھا کر ۵۰ء۔ فیصد کر دیا گیا ہے۔ **

(ترجمہ: اسلم پرویز)
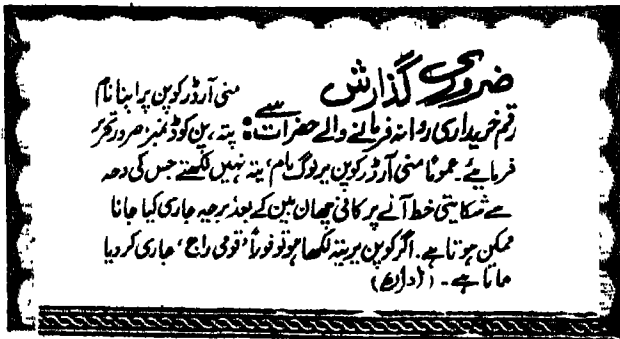
مہاراشٹر میں ۴۰۰ کلوواٹ طاقتور برقی ٹرانسمیشن

* ایس. این. مصرا
چیرمین، مہاراشٹر الیکٹریسٹی بو

اس مضمون کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کرنا مقصود ہے کہ انجینئروں اور ٹیکنیشنوں نے کس طرح کامیابی کے ساتھ ۴۰۰ کلوواٹ کے برقی ترسیل کے منصوبے کے پہلے حصہ کی تکمیل کی، کس طرح پیچیدہ اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے میں اعتماد حاصل کیا۔ اب "ایم. ایس. ای. بی." کو اس ۴۰۰ کلوواٹ کے پروجیکٹ کے سلسلہ میں کاموں کو انجام دینے کے لئے دوسری ایجنسیوں پر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں رہی ہے اور یہ کام خود ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

ریاست مہاراشٹر کی تحویل میں ۶۱ - ۱۹۶۰ء کے دوران جملہ ۷۶۰ میگاواٹ کی منصوبہ بند برقی صلاحیت تھی۔ یہ صلاحیت ۷۸ - ۱۹۷۷ء تک ۳٫۵۵ گنا بڑھ کر ۲٫۶۹۶ میگاواٹ تک جا پہنچی۔ اسی مدت میں برقی تولید کی صلاحیت میں پانچ گنا اضافہ ہوا جو ۳٫۲۶۸ ملین یونٹ سے بڑھتے بڑھتے ۱۵٫۸۲۰ ملین یونٹ ہوگئی۔ ریاست بھر میں برقی قوت کی روزافزوں مانگ کو پورا کرنے کے لئے جملہ ۲٫۳۶۵ میگاواٹ برقی کی تولیدی صلاحیت کی تکمیل و تفویض عمل میں لائی جائیگی جس میں ۸۳ - ۱۹۷۸ء والے پنج سالہ پلان کی مدت کے دوران ۲٫۵۴۰ میگاواٹ ایم ایس ای بی کی طرف سے تھرمل جنریشن کے روپ میں، ۳۲۵ میگاواٹ ریاستی حکومت کی طرف سے ہائیڈرو کے روپ میں اور ۵۰۰ میگاواٹ میسرز ٹاٹا کی طرف سے ہونگے۔ اس انتظام کے رو سے ۲٫۶۹۶ میگاواٹ کی موجودہ سسٹم والی صلاحیت دوگنی سے بھی زیادہ یعنی ۶٫۰۶۱ میگاواٹ ہو جائیگی اس طرح مہاراشٹرا کی برقی قوت کا نظام ملک کے سب سے بڑے نظام میں سے ایک ہوگا۔

مہاراشٹرا میں برقی قوت کی مانگ بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ہر ۵ سے ۶ سال دگنی ہو جاتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ برقی قوت یا بجلی کی پیداوار کفایت کے ساتھ ایسے مقام پر ہو سکے جو جغرافیائی اور ارضی اور دوسرے نقطہ ہائے نظر کے لحاظ سے موزوں بھی ہو۔ مستقبل کے تمام تھرمل پاور جنریشن کے موقع و محل کا، جو اس سسٹم میں ۸۰ فیصد سے بھی زیادہ بجلی کی تولیدی صلاحیت عطا کرنے کے اہل ہوں، معدنی کوئلے کی سرزمین سے قریب تر واقع ہونا ضروری ہوگا کیونکہ ریاستی ہائیڈرو پاور یا برقیائی کے تمام دستیاب وسائل تقریباً کام میں لائے جا چکے ہیں۔

ریاست مہاراشٹرا میں کوئلہ بردار مقامات ریاست کے مشرق میں ہیں الیکٹریسٹی بورڈ ناگپور کے قریب کوراڈی میں ایک سُپر تھرمل پاور اسٹیشن قائم کر چکا ہے جس کی انتہائی صلاحیت ۱۰۸۰ میگاواٹ ہے۔ دوسری طرف چندراپور میں اسی قسم کے ۸۴۰ میگاواٹ والے پاور اسٹیشن کے سلسلے میں کام شروع کیا جا چکا ہے۔ چندراپور میں کوئلے کے ذخائر کی ثابت شدہ مقدار کی مناسبت سے ۲۰۰۰ میگاواٹ کی برقی پیداوار بآسانی ہو سکتی ہے اور اس تھرمل اسٹیشن کی توسیع کی اسکیمیں زیر غور ہیں۔ بورڈ کے جو موجودہ تھرمل پاور اسٹیشن ناسک، بھساول، اور پارلی میں ہیں ان کی صلاحیت میں بھی مجموعی طور پر ۲۶۰ میگاواٹ تک کی تنصیبات کے ذریعے ۸۳-۱۹۸۲ء تک اضافہ کرنا مقصود ہے۔ بمبئی کے قریب بھی ۲۴۰ میگاواٹ کی صلاحیت رکھنے والے گیس ٹربائن اسٹیشن کا قیام عمل میں آنے والا ہے۔

مہاراشٹرا میں ۴۰۰ کلوواٹ کی برقی ترسیل کا منصوبہ

مہاراشٹرا اسٹیٹ الیکٹریسٹی بورڈ نے ۷۵ کیلومیٹر لمبی جڑواں سرکٹ لائنیں، کوراڈی سے کلوا تک، تعمیر کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ ۴۰۰ کلوواٹ لائنوں کے ان ۱۵۱۴ سرکٹ کیلومیٹر (جن کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے) منصوبوں کے ذریعہ مزید اضافہ کیا جائے گا۔

۴۰۰ کلوواٹ کے مذکورہ منصوبوں کو آئندہ ۴ سے ۵ برس کے مختصر عرصے میں پورا کرنا ہے۔ ۴۰۰ کلوواٹ لائنوں میں سے تقریباً ۱۵۱۴ سرکٹ کیلومیٹروں کی اور ساتھ ہی ۴۰۰ کلوواٹ فیز (PHASE S) میں کوراڈی، بھساول اور کلوا کے ٹرمینل سب اسٹیشنوں کی تکمیل و تفویض کے لئے جون ۱۹۸۱ء مقرر ہو چکا ہے۔ کوراڈی اور بھساول کے درمیان ۴۰۰ کلوواٹ لائن کی پہلی سرکٹ کا کام تکمیل پا چکا ہے اور اسے جنوری ۱۹۷۹ء ہی میں ۲۲۰ کلوواٹ کی ابتدائی برقی رَو دوڑا کر بہتر مصرف میں لایا جا چکا ہے۔ یہ سرکٹ فی الحال ۱۸۰ کیلوواٹ تک کی حامل ہے۔ اسے بالآخر جون ۱۹۷۹ء میں ۴۰۰ کلوواٹ پر تفویض کیا جائیگا۔ منصوبہ یہ ہے کہ ۴۰۰ کلوواٹ لائنوں میں سے باقیماندہ کی سپردگی، مع ان کے ساتھ والے سب۔اسٹیشنوں کے، درج ذیل طور پر کر دی جائے۔

(۱) بھساول - کلوا سرکٹ نمبر ۱ اور ۲، جو ۴۰۰ کلوواٹ لائینوں پر مشتمل ہیں، مع ان سے متعلق کارخانوں کے جو کلوا سب۔اسٹیشن کے مقام پر ہیں: مئی ۱۹۸۰ء اور مئی ۱۹۸۱ء۔

(۲) کوراڈی - چندراپور سرکٹ نمبر ۱ اور ۲ جو ۴۰۰ کلوواٹ لائینوں پر مشتمل ہیں، مع ان سے متعلق کارخانوں کے جو کوراڈی اور چندراپور سب۔اسٹیشنوں کے مقامات پر ہیں: اپریل ۱۹۸۲ اور دسمبر ۱۹۸۲

(۳) بمبئی - پونے - کراڈ - پارلی - چندراپور والی ۴۰۰ کلوواٹ لائینیں، مع ان سے متعلق سب۔اسٹیشنوں کے: مارچ ۱۹۸۳ء

ان کاموں کا وقت پر پورا کیا جانا زبردست اہمیت رکھتا ہے تاکہ کوراڈی، چندراپور اور کوربا تھرمل پاور اسٹیشنوں سے بجلی چھوڑی جا سکے۔

کوراڈی ــ کلوا پراجیکٹ

یہ بات طے ہے کہ کوراڈی - کلوا پراجیکٹ، جس پر ۴۰ء۱۲۳ کروڑ روپیہ کی لاگت کا اندازہ ہے، مع ۴۰۰ کلوواٹ کوراڈی سب اسٹیشن کے، جس پر ۱۰ء۱۶ کروڑ روپیہ کی لاگت کا اندازہ ہے، اسے کوراڈی سے کلوا تک بجلی کی بہت بڑی مقدار میں ترسیل و منتقلی کے لئے، ۲ نمبروں پر، ۴۰۰ کلوواٹ ٹرانسمیشن لائنوں پر کوراڈی سے کلوا تک، مع ۱۵۱۴ سرکٹ کیلومیٹر لمبائی کے استعمال کیا جائے گا، اس سکیم کے ذریعے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ کوراڈی اور کلوا کے مقامات پر بطور ٹرمینل ۴۰۰ کلوواٹ سب اسٹیشن قائم کیا جائے اور ساتھ ہی بھساول میں ایک درمیانی سوئچنگ اسٹیشن رکھا جائے۔ بھساول میں اس سوئچنگ اسٹیشن

نمبر شمار	۴۰۰ کلوواٹ اسکیموں کی تفاصیل	منصوبہ کی لاگت (کروڑ میں)	برقی ترسیل لائن کی لمبائی (کیلومیٹر)
۱	۲	۳	۴
۱	کوراڈی - کلوا پراجیکٹ	۱۲۳ء۴۰	۱٫۵۱۴
۲	۴۰۰ کلوواٹ سب اسٹیشن بمقام کوراڈی	۱۶ء۱۰	۰۰۰
۳	کوراڈی - چندراپور سرکٹ نمبر ۱	۲۱ء۱۷	۱۵۰
۴	کوراڈی چندراپور سرکٹ نمبر ۲	۱۴ء۲۹	۱۵۰۰
۵	چندراپور - پارلی - کراڈ - پونے - بمبئی اسکیم	۱۵۱ء۸۱	۹۸۴
	جملہ	۳۲۶ء۷۷	۲٫۷۹۷

کا قیام ۸۰۰ سے ۹۹۰ میگاواٹ تک بجلی کی ترسیل میں مضبوطی کی حد بڑھا دیتا ہے۔ پھر بھساول میں اس ۴۰۰ کلوواٹ والے سب اسٹیشن کے ہونے سے یہ مزید فائدہ ہوگا کہ یہ ریاست مہاراشٹر کے آس پاس کے علاقوں کے ساتھ یا مدھیہ پردیش کے ساتھ بھی، باہم جڑا ہوا ہوگا۔

شنٹ کمپنسیشن، بجلی کی رو بدلنے کا فائدہ

جب 'ایکسٹرا' والٹیج ٹرانسمیشن لائن، ہو تو بے لوڈ، والی حالت میں 'اوور - والٹیج' کا پیش آنا ممکن ہوا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے خود لائن کی 'ری ایکٹیو پاور کی جنریشن' والی صفت ہے، اسی طرح اوور - والٹیج بالفعل یا ڈائنامک طور پر پیش آتا ہے جب 'لوڈ' کے مسترد ہونے کی نوبت آتی ہے۔ ان حالات پر کنٹرول کیلئے 'شنٹ کپاسیٹر' لگائے گئے ہیں اور انہیں کے ایک حصے کے طور پر، تک ٹرری۔ ایکٹرس' اور باقیماندہ حصوں کے طور پر 'شوئچ ڈری - ایکٹرس' رکھے گئے ہیں۔ بہرسب - اسٹیشن میں ٹرمنلس کے لئے ۵۰ ایم - وی - اے - آر کی صلاحیت والے ٹرکٹ ری - ایکٹر لگائے گئے ہیں۔

کرونا اور ریڈیو کی مداخلت

کرونا کے اثرات اور اس کی بناء پر ریڈیو کی مداخلت کو کم کرنے اور ساتھ ہی والٹیج گریڈیئنٹ اور ری - ایکٹنس کو گھٹانے کے لئے..... ۴۰۰ کلوواٹ ٹرانسمیشن لائن کی ٹاور لائن میں کنڈکٹروں کی 'بنڈلینگ' کا انتظام کیا گیا ہے......

اس لحاظ سے ۴۰۰ کلوواٹ پراجیکٹ میں نئی ایجادات اور ٹیکنالوجی سے کام لیا گیا ہے جو اس ملک میں بنڈلنگ کنڈکٹروں کے ساتھ ۴۰۰ کلوواٹ کی بہت اونچی والٹیج لائن کی تعمیر کے طریقے کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی کئی نئی ٹیکنیک استعمال کی گئی ہیں۔ ان سب کاموں کا بیشتر حصہ الیکٹریسیٹی بورڈ کے انجینئروں کی مہارت تامہ کا نتیجہ ہے جنہوں نے مختلف مرحلوں میں بین ریاستی اور قومی سطح پر بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کے ذریعہ اس باب میں نشیب و فراز پر عبور حاصل کیا تاکہ ایم ایس ای بی نے ۱۹۷۹ء کے دوران ۴۰۰ کلوواٹ کے تاریخی دور میں فخر و اعتماد کے ساتھ قدم رکھا۔

کاموں کی توسیع

۴۰۰ کلوواٹ والے کوراڈی - کلوا پراجیکٹ کے کاموں کی ابتداء درحقیقت پلاننگ کمیشن کی طرف سے جولائی ۱۹۷۶ء میں منظوری آنے کے بعد ہوئی اگرچہ بعض دیر سے موصول ہونے والے سامانوں اور درآمد کئے جانے والے اسباب کے لئے آرڈر بہت پہلے یعنی ۷۶-۱۹۷۳ء کے دوران دیئے جا چکے تھے۔ پھر جب اس پراجیکٹ کے مالیات کا انتظام کر دیا گیا تو بورڈ کو، اور ساتھ ہی ریاستی اور مرکزی حکومتوں کو اس منصوبہ کی بروقت تکمیل کی فکر لاحق ہوئی تاکہ کوراڈی اسٹیج سوم والی اسکیم کے تحت ۲۰۰ میگاواٹ کی پہلی یونٹ کی سپردگی کے ساتھ اس کی تکمیل بھی عمل میں آئے۔ وقت کی قلت اور معاملات کی وسعت کے پیش نظر، غور و خوض کے بعد اور سنٹرل الیکٹریسیٹی اتھارٹی کے مشورہ کے مطابق ۴۰۰ کلوواٹ کوراڈی - بھساول سرکٹ نمبرا کی تعمیر کے لئے - جو اس مسئلہ کا سب سے اہم کام تھا۔ ملک کے پرائیویٹ اداروں سے ٹینڈر طلب کئے گئے۔ لیکن ان اداروں کے جوابات نے زیادہ ہمت افزائی کا کام نہیں کیا کیونکہ کام کی وسعت کے پیش نظر انہوں نے ۳۶ مہینے سے پہلے اس کی تکمیل سے معذوری ظاہر کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے جو نرخ روانہ کئے تھے وہ بھی بہت زیادہ تھے۔ لامحالہ ایم ایس ای بی نے خود ہی ایک محکمہ اس خاص امر کے لئے قائم کر کے اپنی طور پر جوش و خروش کے ساتھ کام کی ابتداء کر دی۔

تعمیری کام کا انتظام

بورڈ کے افسران اعلیٰ کو اپنے ملازمین کی کارکردگی پر پورا بھروسہ ہے۔ انہوں نے لال فیتہ شاہی کو بالائے طاق رکھ کر خود ہی اپنے اسٹاف کو اعتماد میں لیا۔ اور ڈی اینڈ پی کے نقل و حمل کے ساز و سامان، کرین، ٹریکٹر وغیرہ کی بہم رسانی کے بارے میں ایک ہی میز کے اردگرد آمنے سامنے بیٹھ کر ساری باتیں طے کر ڈالیں۔ پھر افضلیت کی بنیاد پر افسران کا تقرر عمل میں آیا۔ ماہرین فن کی کمیابی کے سبب قابلیت کے لحاظ سے" کام کے ساتھ ٹریننگ" کا سلسلہ رکھا گیا۔ ۴۰۰ کلوواٹ پراجیکٹ کے لئے ایک خاص چیف انجینئر کا تقرر عمل میں آیا۔ خام مال کی دستیابی و فراہمی اور کام کی رفتار ترقی کے متعلق وقتاً فوقتاً اجلاس کئے گئے۔ ساز و سامان مہیا کرنے والوں سے کام کی نوعیت، وقت کی قلت اور تاریخ ماموریت کو پیش نظر رکھ کر پوری تندہی سے تگ و دو کرنے کی گذارش کی گئی۔ اس طرح پراجیکٹ پر عملدرآمد سب سے اعلیٰ سطح پر بورڈ کے ٹیکنیکل ممبر اور چیئرمین کی رہنمائی میں شروع ہوا اور بڑھتا گیا۔

جیسا کہ وقت کا تقاضہ تھا، کئی طرح کے کام ایک ہی وقت میں شروع کر دیئے گئے۔ ٹرانسمیشن لائن کا سروے، ڈرائنگوں کی تیاری، ٹاور کی تنصیب کے مقامات کی نشان زدگی اور بنیاد کی تعمیر، ٹاوروں کی مضبوطی

کے لیے ٹیک دینے والے ستونوں کی تنصیب، تاروں کا کسنا وغیرہ سارے
کام کئی جگہ لگاتار یکساں رفتار سے کئے جانے لگے۔

۴۰۰ کلو واٹ ٹاوروں کی تعمیر و تنصیب، زمین سے ۱۰۰ تا ۱۲۰ فیٹ بلند
یعنی ۱۰ تا ۱۲ منزلہ اسکائی اسکریپر کے مساوی، ان کو ٹیکا اور سہارا دینے
والے ۴۲ فیٹ چوڑے پہلوئی ہاتھ یا آڑے ترچھے ستون سطح زمین سے ۸۰ -
۱۰۰ فیٹ کی بلندی پر انہیں پائیداری کے ساتھ جوڑنا اور بٹھانا —
سب بڑی سخت کوشش، محنت اور خطرے کے کام تھے جن کا ذکر کرنا مناسب
ہی نہیں ضروری بھی ہے۔ افسروں اور عملہ کے افراد کی توجہ، مناسب ٹریننگ
اور نزدیک سے جانکار لوگوں کی تلاش اور اتنے خطرناک، جان جوکھوں والے
کام کی بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ تربیت نے بتدریج مشکلات میں آسانی
پیدا کی اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ کامیابی کی صورت دکھائی دی۔

تاروں کی کھنچائی (ٹنشن اسٹرنگنگ)

۴۰۰ کلو والٹ لائن کے سلسلے میں 'بنڈل لنڈکٹروں' کے ساتھ تار
کھنچائی ایک خاص نوعیت کا کام ہے جس میں کنڈکٹروں کی 'ٹنشن
اسٹرنگنگ' اس طرح ہوا کرتی ہے کہ کنڈکٹروں کو زمین پر گھسٹنے اور رگڑ
کھانے سے محفوظ رکھا جائے۔ اگر قدیم طریقے پر یہ کام کیا جائے تو کنڈکٹروں
کی اسٹرنگنگ اس سخت معیار پر پوری نہیں اترتی جو ای۔ ایچ۔ وی لائنس
کے ۴۰۰ کلو والٹ اور زیادہ اونچے والٹیج کے لئے ضروری ہے۔

ٹینشن اسٹرنگنگ کے لئے ساز و سامان، جس میں ۶.۰۶ کروڑ روپیہ
کی لاگت آئی، سمندر پار ملک سے درآمد کیا گیا۔ یہ سامان دسمبر ۱۹۷۷ء
فروری ۱۹۷۸ء میں ہندوستان پہنچا۔ پہلے ہی سے سپلائروں کے کارخانے
میں اس کام کو کرنے والے چند کلیدی افراد اور میدانی افسران کو تربیت دلانے
کا انتظام کیا جا چکا تھا تاکہ سامان کے آتے ہی واقف کاروں اور ماہروں کے
ذریعے ان سے فوراً کام لیا جا سکتا۔

اس سامان کو جلدی اور خوبی کے ساتھ تب ہی استعمال کیا جا سکتا ہے
جب کہ دونوں سروں پر پیغام رسانی اور مواصلات کا بہتر سلسلہ ہو اور اس
طرح اس کے لیے وائرلیس سیٹ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ اس سیٹ
کا فوراً ہی انتظام کر دیا گیا۔ ضروری عملے کی تربیت اور ابتدائی دانت
نکلنے کی تکلیفوں پر عبور حاصل کرنے کے بعد ۱۲۰ کیلومیٹر فی ماہ کی رفتار سے
اسٹرنگنگ کی جانے لگی۔ واضح رہے کہ اسٹرنگنگ کی یہ بہت اونچی رفتار ہے۔

کوراڈی سے کلوا تک ۴۰۰ کلو والٹ ٹرانسمیشن لائنوں کے دو عددوں
کے لئے ۴۰۰۰ سے زیادہ بنیادوں کی ضرورت ان ٹاوروں کے لیے پیش آئی جو
۱۵۰ کیلومیٹر کے طویل رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ٹرانسمیشن لائنیں
مغربی گھاٹ کے سلسلۂ کوہ کے آر پار ہیں جو سیدھی چٹانوں
اور دشوار گزار زمین سے پٹا پڑا ہے۔ آگے چل کر یہ لائنیں
ٹھانے۔ بیلاپور۔ کلیان علاقے میں صنعتی کارخانوں میں سے ہو کر گذرتی ہیں
اور اسی طرح ان لائنوں کو ریاست کی نہایت اہم پاور سرکٹوں کے آر
پار لیجانا اور ساتھ ہی سنٹرل ریلوے کی نہایت مشغول ریل پٹریوں کو عبور
کرنا پڑا۔ ان ٹرانسمیشن لائنوں میں تقریباً ۲۵،۰۰۰ ہزار ٹن اسٹیل، ۷۰۰
ٹن سیمنٹ، تقریباً ۴۰،۴۰۰ ڈسک انسولیٹر، ۹،۲۰۰ کیلومیٹر کنڈکٹر
وزناً تقریباً ۲،۷۰۰ ٹن)، ۱،۳۰۰ کیلومیٹر ہائی ٹنشن اسٹیل (ٹینشن وائر)،
لگ بھگ ۲۴۰ ٹن بولٹ اور فٹ لگے ہیں۔

مہاراشٹر الیکٹریسٹی بورڈ ۴۰۰ کلو والٹ کے برقی ترسیل کے منصوبے
کو کامیابی سے ہمکنار کرنے پر معقول طور پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ ★★

(ترجمہ: عبداللہ)

مراسلت و ترسیل زر

کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتہ یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے)
پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف
لکھیئے بلکہ ہندی، مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرما دیجئے۔
اس طرح اندراجات میں آسانی ہو جاتی ہے۔ (ادارہ)

ادھورے خاکے

خلش جعفری

اُس حادثے کے بعد وہ لڑکا پہلی بار آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی افسردگی تھی اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ مسکرایا نہیں تھا اور اس کے چہرے کی ملاحت پر جیسے کسی نے سیاہی پھیر دی تھی۔

میرے اللہ، کیا یہ لڑکا اب کبھی نہیں مسکرائے گا۔ یہ خیال آتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

پڑوس کے دوسرے فلیٹوں کے دروازے بھی کھل چکے تھے، اور اب ہر طرف سے اس کی جانب ترحم آمیز نگاہیں اٹھ رہی تھیں لیکن کسی میں کچھ لو لینے، کچھ کہنے، کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی، اور پھر اس نے اپنی چھوٹی سی تھیلی میں سے دودھ کے کارڈ نکالے اور ایک ایک کر کے ان کے مالکوں کے حوالے کر دیئے اور پھر بغیر کچھ کہے سنے نظریں جھکائے تیسری منزل کی سیڑھیاں اُترنے لگا۔ پھر اس منزل کے چاروں گھروں کی خواتین اپنی اپنی چوکھٹ سے ایک ایک قدم آگے بڑھیں اور سب کی زبان سے بیک وقت ایک ہی لفظ نکلا — "بیچارہ!"

سنجو، بارہ تیرہ برس کا دُبلا پتلا، سانولا سا لڑکا تھا، جو اپنی ماں شانتا بائی اور دو بہنوں کے ساتھ رام نگر کالونی کی پندرہ، بیس بلڈنگوں میں دودھ پہنچانے کا کام کرتا تھا۔ اس کا باپ مکند راؤ ایک بڑی فیکٹری میں فورمین تھا اور ریاستی سرکار کے محکمۂ رہائش کی تعمیر کردہ عمارتوں میں سے ایک بلڈنگ کے چھوٹے سے گھر کا مالک بھی تھا۔ جب ملازمت میں مکند کے پاؤں اچھی طرح جم گئے تو اس کی ماں اسے خطۂ کوکن کے اپنے گاؤں لے گئی جہاں ایک دُبلی پتلی نازک اندام لڑکی، شانتا سے اُس کی شادی کر دی گئی۔

مکند کو اپنی دلہن کا رنگ کچھ زیادہ نہیں بھایا تھا، لیکن جب وہ ہنستی اور اس کے موتیوں جیسے صاف شفاف دانت دمکنے لگتے اور اس کے چہرے پر گاؤں کے جھٹپٹے جیسی ملاحت چھا جاتی تو وہ اُسے بہت اچھی لگتی اور وہ خود اپنے آپ سے کہتا۔ سانولی سلونی صورت بھی تو حسین ہوتی ہے اور پھر خود اس کا رنگ بھی تو اسے گاؤں کی مٹی کی طرح ملگجی ہے۔

مکند راؤ کے ہاں پہلا بچہ ہوا تو وہ زیادہ خوش نہیں تھا، اس لئے کہ وہ لڑکی تھی لیکن جیسے جیسے یہ بڑی ہوتی گئی مکند اسے اتنا ہی چاہنے لگا تھا، اور جب اس کے ہاں دوسرا بچہ ہوا جو لڑکا تھا تو وہ بظاہر بہت خوش تھا اور دوستوں کے اصرار پر اس نے اس بچہ کی پیدائش کا جشن بھی منایا تھا لیکن اس خوشی کی تہہ میں فکر کی ایک ہلکی سی لہر موجود تھی۔

پرائیویٹ زچہ خانے کا خرچ، دوائیں، کھانے پینے کی چیزیں سب مہنگی ہوگئی تھیں، حتیٰ کہ اس مراٹھی اخبار کی قیمت بھی بڑھ گئی تھی جو وہ روزانہ خریدتا تھا اور جسے زیادہ تر اس کے پڑوسی پڑھا کرتے تھے اور یہ دس برس میں پہلی بار مکند مقروض ہو گیا تھا۔

لڑکے کی پیدائش پر مکند راؤ نے جو جشن منایا تھا وہ دراصل دوستوں کی فرمائش کا پروگرام تھا اس میں پہلی بار اس نے 'دارو' پی تھی اور اس کے بعد کسی چھٹی کے دن تنخواہ کے موقع پر، پہلی بارش کی آمد پر یا کسی اور بہانے وہ اور اس کے دوست 'جشن' منا لیتے۔

پھر جب گھر میں خرچ کی اکثر تنگی رہنے لگی اور مکند اور شانتا میں جھگڑے زیادہ ہونے لگے اور ایسے میں جب شانتا تیسری بار زچہ خانے میں داخل کی گئی تو مکند کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے یہ قصہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

شانتا اب کبھی ماں نہیں بن سکے گی، لیکن تین بچے کافی تھے اور ان تین میں دو لڑکیوں کا بوجھ وہ ابھی سے محسوس کرنے لگی تھی۔

بچے جیسے جیسے بڑے ہو رہے تھے خرچ بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک ایک آدمی کی خوراک چاہتے تھے۔ اسکول کی کتابیں، فیس، یونیفارم، تفریح، فلم سب کے لئے پیسے درکار تھے۔ اور پیسہ مہینے میں صرف ایک بار آتا تھا، بندھا، ٹکا۔ اور مکند کو ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ پیسہ ہلکا اور بے وزن ہوتا جا رہا ہے اور اس سے وہ ساری چیزیں نہیں خریدی جا سکتی تھیں جن کی اسے اور اس کے بچوں کو ضرورت تھی۔

ماں کی طویل علالت خود اس کے ساتھ گاؤں کی چھوٹی سی کھیتی کو بھی ہڑپ کر گئی تھی اور جب فورمین مکند راؤ کی بیوی نے اپنے رہائشی علاقہ سے دور متوسط طبقے کے بابوؤں کے گھروں میں جھاڑو برتن کا کام شروع کیا تو اس کے پڑوسیوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اور ایک بار تو مکند کو بھی ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دل میں کانٹا چبھو دیا ہو!

شانتا نے گاؤں کے اسکول میں آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی
اور جب ممبئی میں اس کی شادی طے ہوئی تھی تو وہ بہت خوش تھی.
ی کی چمکتی دمکتی، خوشحال زندگی کے اس نے اَن گنت سپنے دیکھے
لیکن شادی کے چند برس بعد ہی، ایک ایک کر کے اس کا ہر سپنا ٹوٹ
تھا۔ شوہر کی آمدنی اور ہمدردی سے محروم، گھر کا سارا بوجھ اس کے
رکندھوں پر آپڑا تھا اور تیس برس کی عمر ہی میں وہ خود کو بوڑھی
س کرنے لگی تھی۔ بس اندر سے کوئی طاقت اُسے زندگی کی گاڑی
کھینچنے رہنے پر اکساتی رہتی اور جب جھاڑو برتن کے کام سے زیادہ نہ
پایا تو اس نے دودھ پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ اس کام میں اسے
ں سے شرمانے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی اور جلد ہی تینوں بچے
اس کا ہاتھ بٹانے لگے۔

صبح پو پھٹنے سے پہلے وہ اپنے تین سپاہیوں کی فوج کو لے کر دودھ
رکز پر پہنچتی اور کئی درجن بوتل دودھ چھوٹے بڑے جھولوں میں بھر کر
بستی میں ان لوگوں کی چوکھٹ پر پہنچاتی جو دودھ کی بوتلوں کے لئے
کی میٹھی نیند کی قربانی دینے کو تیار نہ تھے۔

اس کام میں اتنی آمدنی ہونے لگی تھی کہ شانتا اور اس کے بچوں کی
دی ضرورتیں پوری ہو جاتیں، اور اب شانتا اپنے 'آدمی' سے بھی آنکھیں
ر کے باتیں کرنے لگی تھی۔

مکند جو پانچ چھ سال پہلے تک جوان، تندرست، کسرتی بدن والا
کش کاریگر تھا، اب پیٹ، بازوؤں اور رانوں پر غیر ضروری گوشت کے
نے کی وجہ سے بھدا، بے ہنگم، سست اور مریل قسم کا ایسا آدمی نظر آنے
جس کے اندر زندگی کی آگ مدھم ہو گئی تھی، نشے کی عادت کے باعث وہ
بچوں کے پیار سے بھی محروم ہو گیا تھا، کیونکہ جب جب اُس کی ضرورت اُسے
نا سے جھگڑا کرنے پر مجبور کرتی تو تینوں بچے سہم کر ماں کے گرد جمع ہو جایا کرتے
اور کبھی کبھی اس جھگڑے میں سنجو اپنی ماں کی طرفداری کرنے کی کوشش کرتا
ند، حرامخور، کہہ کر اُس کی طرف لپکتا، لیکن شانتا اس کی ڈھال بن جایا
تھی....!

کم از کم دس برس دودھ پہنچانے کا کام کر کے شانتا اپنی بڑی لڑکی
۔ اے اور سنجو کو ایس ایس سی سے پرے لے جانا چاہتی تھی کہ اس سرحد
پار ہی مستقبل تھا!

پھر ایک دن ایسا ہوا کہ کوکن کے ایک چھوٹے سے گاؤں کی ایک چھوٹی
عورت کا یہ منصوبہ خود اس کے ساتھ بھسم ہو کر رہ گیا!

ایک رات شانتا اور مکند میں خوب لڑائی ہوئی، اتنی کہ مکند نے شانتا
لی بار ہاتھ اُٹھایا اور اتنی کہ شانتا نے اپنے سارے پڑوسیوں کے سامنے

اُسے 'پینے' کا طعنہ دیا اور بچوں کے ساتھ گھر چھوڑنے کی دھمکی بھی دے ڈالی،
اور پھر اچانک مکند نے روتی بلکتی شانتا کو بازوؤں سے پکڑ کر زہر بھرا تیر
چھوڑا۔ کہاں چلی جائے گی۔ کون ہے تیرا...؟

اس رات بہت دیر گئے تک شانتا اور اس کے بچے دروازے کے باہر
کامن گیلری کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے، جب طوفان تھم گیا تو شانتا
اپنے بچوں کو لے کر اندر گئی۔ وہ سب حسب معمول ایک قطار میں چٹائیوں
کے بستر پر لیٹ گئے.... شانتا کو اس رات نیند نہیں آئی۔ اس کے شوہر نے
اسے وہ سب سے غلیظ گالی دی تھی جو کوئی 'آدمی' ایک عورت کو دے سکتا ہے
شانتا نے سوچا، اس گالی کے جواب میں اُسے رونا نہیں چاہیئے تھا۔ ہنسنا
چاہیئے تھا، خوب زور سے اور پھر سارے پڑوسیوں کے سامنے اپنے شوہر کے
منہ پر تھوک دینا چاہیئے تھا!

اس لڑائی کے دو تین دن بعد ہی وہ حادثہ پیش آیا جسے لوگوں نے حادثہ
تسلیم نہیں کیا۔ اس دن شانتا اور اس کا منصوبہ دونوں ختم ہو گئے۔

کہتے ہیں، اس دن شانتا کھانا پکاتے ہوئے جل گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ جب بھڑکتے اسٹو سے اس کی ساڑی جلی تو مکند نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس
آگ کو بجھانے کی کوشش کی تھی اور آگ سے جھلسے ہوئے اس کے ہاتھ اب بھی
بیکار ہیں اور شاید اس 'نیکی' کی وجہ سے اور شاید اس خیال سے کہ اس
کے بعد وہ بچوں کا خیال کرے گا۔ شانتا نے مکند کو معاف کر دیا ہو۔ لیکن
پڑوسی کچھ اور ہی کہتے ہیں اور شانتا کے بچے تو کچھ بھی نہیں کہتے۔ وہ تو بس
اپنی 'آئی' کو یاد کر کے روتے رہتے تھے...

شانتا کے مرنے کے چند روز بعد اس کے بچوں نے دودھ کے کارڈ ان کے مالکوں
کے حوالے کر دیئے تھے اور اس دن سنجو ہمارا کارڈ واپس کرنے ہی آیا تھا۔

کچھ ہی دنوں میں ہماری بستی کے لوگ اس قصے کو بھول گئے کہ ممبئی جیسی
مہانگری میں ایک معمولی عورت اور اس کے بچوں کی جان، ان کے کام اور ان کے
احوال کی قیمت ہی کیا ہے لیکن پھر کوئی ڈیڑھ دو مہینے بعد جب اسکولوں کی
چھٹیاں ہو گئیں تو ایک اتوار کی صبح ہمارے دروازے کی گھنٹی بجی۔ دروازہ
کھلا تو شانتا کے دونوں بچے کھڑے تھے....

"ہم پھر دودھ پہنچانے کا کام کریں گے" سنجو نے خفیف سی مسکراہٹ
کے ساتھ کہا۔ اور مجھے ایسا لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو..." ہم اپنی 'آئی'
کے منصوبے کو پورا کریں گے...."

اور جب میری بیوی اُسے دودھ کا کارڈ اور ایک مہینے کا پیشگی معاوضہ
دے رہی تھی تو میرا دل اسے دعائیں دے رہا تھا... "خدا کرے تمہاری
مسکراہٹ کی مٹھاس جلد واپس آجائے"

○○

"انتخاب"

سکندر علی وجدؔ کی شاعری کے بارے میں، میں پہلے بھی رائے دے چکا ہوں. (بہ دفعہ اشاعت بیاض مریم) میری رائے بدلی نہیں ہے۔ ایک ہی شاعر کے بارے میں دو چار مرتبہ اظہارِ خیال کرنے میں سہولت رہتی ہے ورنہ بہت پڑھنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔

وجدؔ کی شاعری بجائے خود انتخاب ہے۔ وہ بہت احتیاط سے شعر کہتے ہیں۔ اس پر کئی بار نظرِ ثانی کرتے ہیں (اس معاملے میں ہر نظر کو نظرِ ثانی ہی کہا جاتا ہے۔ گو یہ لغوی اور حسابی نقطۂ نظر سے غلط ہے لیکن محاورہ یہی ہے) کئی مرتبہ نظرِ ثانی کرنے کے بعد جب وہ جی بھر کر مطمئن ہو جاتے ہیں تب وہ اپنا مال باہر لاتے ہیں۔ اِدھر کاتا اور اُدھر لے دوڑے' وجدؔ صاحب کو یہ فن نہیں آتا۔ وجدؔ نے شاعری کو کھیل کے نہیں ایمان کے طور پر اپنایا ہے ــــ کسی بھی شاعر کے لئے اپنی ۵۰ سالہ شعر گوئی کا انتخاب مشکل کام ہے. کیا رکھا جائے اور کیا چھانٹا جائے۔ اسی مخمصے میں شاعر حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور وجدؔ صاحب تو یوں بھی مزاجاً پریشان رہنے کے عادی ہیں خوشی کی بات تو ہے ہی لیکن تعجب بھی ہے کہ وہ اپنی نصف صدی کے جمع کیئے ہوئے خزانے میں سے اتنا مختصر لیکن اتنا چمکدار انتخاب کر سکے۔ ۸۷ صفحوں پر مشتمل یہ مختصر سا انتخاب' صحیح معنوں میں عطر ہے' اُن خوش رنگ اور مہکتے ہوئے پھولوں کا' جن کی وجدؔ صاحب نے خونِ جگر سے پرورش کی ہے۔ شاعر کا شعر سے جب تک خونی رشتہ نہ ہو' اشعار سے دودھ کی بُو آتی ہے۔

وجدؔ کی شہرت اُن کی نظموں کی وجہ سے ہے، ایلورا، اجنتا، تاج محل، رقاصہ اور کاروانِ زندگی' ان کی وہ نظمیں ہیں جو ان کے پسند کرنے والوں کو یاد تو نہیں لیکن ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ (نظموں کا یاد ہونا مشکل ہے ــــ رباعیوں اور غزلوں کی بات اور ہوتی ہے)۔ خاص طور پر ایلورا اور اجنتا تو وہ نظمیں ہیں جن کی بنا پر وجدؔ صاحب چاہیں تو ایلورا اور اجنتا کے غاروں پر بھی حقِ ملکیت جتا سکتے ہیں (اِن غاروں کا قبالہ کسی کے پاس ہے بھی نہیں) لیکن وجدؔ اصل میں غزل کے شاعر ہیں اور غزل ہی شاعری کی سب سے مشکل' دشوار اور رجحان لیوا صنف ہے۔ (غزل کے بارے میں میرے اس بیان سے اگر آپ کی معلومات میں کوئی اضافہ ہوا ہے تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں)۔ نظم میں تو شاعر' مشاہدے، علمی استعداد' قوتِ بیان' قدرتِ کلام اور وغیرہ وغیرہ پر تکیہ کر سکتا ہے (یہ کام بھی آسان نہیں ہے) لیکن غزل میں تو سب کچھ "اندرونیت" پر منحصر ہے۔ غزل' عرفان' الہام' آمد اور وجدان جیسی نادر الوجود نہ سہی' کمیاب اشیاء کی پیداوار ہوتی ہے۔ وجدؔ اتفاق سے ان اشیاء سے محروم نہیں ہیں اور اسی لیئے ان کی غزل' انھیں بتائے بغیر ان کی نظم سے آگے نکل جاتی ہے۔ (اگر آپ اس خیال سے متفق نہیں ہیں تو مجھے بھی اس پر زیادہ اصرار نہیں ہے) ان کی نظموں کے کئی اشعار بلکہ کئی بند' حافظے کی خرابی کے باوجود مجھے اب بھی یاد ہیں۔ اجنتا اور تاج محل ان کی ابتدائی نظموں میں سے ہیں اور ان کی تاریخِ ولادت اور میری تاریخ ولادت میں غالباً زیادہ فاصلہ نہ ہوگا۔

مشکل ہے شباب و حسن میں تخیئلِ انسانی
تقدس کے سہارے جی رہا ہے ذوقِ عُریانی

اس شعر کے مصرعۂ ثانی کے بارے میں' میں نے ایک مرتبہ وجدؔ صاحب سے کچھ پوچھا بھی تھا۔

ملا ہے زندگی کو بانکپن ان کج کلاہوں سے
نظر والوں پہ شمشیریں برستی ہیں نگاہوں سے

*

ہیبت سے تری دلکشی بے پناہ کی
گنبد پہ کانپتی ہے کرن مہر و ماہ کی

*

جادُو نگاہِ عشق کا پتھر پہ چل گیا !
اُلفت کا خواب قالبِ مرمر میں ڈھل گیا

جہاں یہ اشعار اجنتا اور تاج محل کے لازوال حسن اور وقار کی بولتی تصویریں ہیں یہ شعر بھی ہر اس زیر و بم کی عکاسی کرتے ہیں جو کسی رقاصہ کے آرٹ کی جان ہوتے ہیں ؎

بدن زندگی کا چھلکتا پیالہ ! !
چمن کی بہاروں نے پھولوں میں پالا
نگاہوں کی جنت دلوں کا اُجالا
جمالِ اجنتا، جلالِ ہمالا
اٹھی موجِ مے کی طرح انجمن میں
تڑپنے لگیں بجلیاں جان و تن میں
قد دل رُبا، حُسن بے باک چنچل
ہلالی بھنویں رُوئے روشن پہ بے کل

مدبرا بھرے نین مستی سے بوجھل
لطافت مجسّم، جوانی مکمّل!
نظر شعر، رفتار نغمہ مسلسل
چھنکتے ہیں گھنگرو، جھنکتی ہے پائل

عجب رنگ سے رُوٹھ کر مَن رہی ہے
سرِ بزم قوس قزح بن رہی ہے

وحید اپنی نظم کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور اُنہی الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو اس مزاج سے میل کھائیں — غذا میں بھی اس احتیاط کی ضرورت ہے اور شاعری بھی رُوحانی غذا ہی ہے۔ مزاج کا خیال ہر جگہ رکھنا پڑتا ہے وحید اس معاملے میں کبھی نہیں چوکے۔

یہی بات مُزدوروں کا پیغام میں ہے ؎

ہم نے نقش ہی خام نہیں چھوڑا ہے
کام چھوڑا ہے کہیں نام نہیں چھوڑا ہے

کام چھوڑا ہے کہیں نام نہیں چھوڑا ہے۔ یہ کہنے کا حق صرف مزدوروں کو ہے (لیکن صرف ان مزدوروں کو جنھیں واقعی کام سے دلچسپی ہے) ؎

دل کتنی رنگِ پیرہن کی ہے ⁂ گُل میں خوشبو ترے بدن کی ہے

یہ ہوا مطلع۔ صاف سُتھرا، سجل — اسے کریکٹ کی زبان میں رِسٹ وَرک (کلائی کا کرتب) کہتے ہیں۔ یہ قدرتی ہوتا ہے۔ بعض کھلاڑیوں کی کلائی بنتی ہی کچھ اس طرح کی ہے کہ "زورِ بازو" دکھائے بغیر وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو اعلیٰ درجے کی بیٹنگ کے لئے ضروری ہے۔ شعر گوئی میں بھی یہی سادگی سلاست اور سہولت ضروری ہے۔ (سہولت سے مُراد ناستفتی ہے)۔

اور سُنئے ؎

ترا نام سُنتے ہی دل کانپتا ہے ⁂ اگر یہ محبّت نہیں ہے تو کیا ہے

*

اُسی کو لُطف آیا زندگی کا!	جُنوں میں زندگی جس نے بسر کی
پھول پر جب کِرن تھرتھرائی	وہ نشیلی نظر یاد آئی
رات بھر خون روئے ستارے	تب سُہانی سحر مُسکرائی

وحید جو اضافتوں کے استعمال کے معاملے میں کافی فراخ دل ہیں۔ جب اس قسم کے بے اضافت شعر کہتے ہیں تو ان کی اُردو دانی اور قادرالکلامی دونوں کا قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ ان کے ہاں نرم و نازک اور دل کو چھُونے والے تغزل بھرے اشعار کی کمی نہیں بلکہ یہ ان کا سرمایہ ہیں۔ محبُوب کی مدح میں شعر کہنا۔ غزل گو شاعر پر لازم ہے۔ وحید کو ایسے اشعار کہنے میں کمال حاصل ہے — کیا ہر بات کا ثبوت دینا ضروری ہے؟ خیر ایک دو شعر سُن لیجئے ؎

وہ چہرہ منوّر وہ آنکھیں شرابی ⁂ شبِ ماہ میں پھول جیسے کنول کے

تصرّف ہے اے وحید کس گُلبدن کا ⁂ مہکتے ہیں اشعار تیری غزل کے

ایسا نہیں ہے کہ وحید اپنے اشعار کے "ذائقے" سے بے خبر ہیں ؎

کہیں موسمِ بہاراں، کہیں زندگی غزلخواں
ترے حُسن کی بدولت، مرے شعر کے اثر سے

وحید یہ بھی کہتے ہیں ؎

خاکساری کو چھُپانے کے لئے
وحید مغرور نظر آتا ہے!

میں نے ان کی کس بات کی تردید کی ہے جو اس بات کی کروں گا۔

سکندر علی وحید کا یہ انتخاب، کئی منتخب کتابوں سے بہتر ہے (بلا مبالغہ) انجمن ترقی اُردو اس نفیس اور دل پذیر کتاب کی اشاعت کے لئے مُبارکباد کی مستحق ہے۔ (یوں انجمن نے اور بھی بیسیوں کام اس طرح کے کئے ہیں) کتابت، طباعت، گٹ اپ حتیٰ کہ قیمت (دس روپے) بھی معقول ہے۔ حسین کا بنایا ہوا اسکیچ پہلے ہی صفحہ پر ہے جس کے نیچے یہ شعر درج ہے ؎

تب گرم سخن کہنے لگا ہوں کہ میں اک عمر
جوں شمع، سرِ شام سے تا صبح جلا ہوں

اسکیچ میں یہ رنگ نمایاں ہے۔ شاعر کو اتنا ہی متفکر نظر آنا چاہیئے۔

ناشر: انجمن ترقی اُردو۔ دہلی
قیمت: دس روپے

●●

سبیل

(مراٹھی ابھنگوں اور نظموں کا منظوم اردو ترجمہ)

مترجم: بدیع الزماں خاور

ذکی جعفری، ملاڈ، ایسٹ، بمبئی

ہندوستانی زبانوں میں مراٹھی زبان اپنا ایک الگ مقام رکھتی ہے جس کا ادب کسی بھی اور زبان کے ادب سے کم نہیں بلکہ مراٹھی ڈرامہ تو کئی زبانوں کے ڈراموں سے بہت آگے ہے۔ مراٹھی کہانی سماجی سچائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے اسی طرح مراٹھی نظم بھی تخیلی کم اور حقیقی زیادہ ہوتی ہے، بہرحال مراٹھی ادب کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔

ادھر چند برسوں سے اردو والے مراٹھی ادب کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں گو کہ یہ کام بہت سست رفتاری سے ہو رہا ہے لیکن جو لوگ اس سلسلے میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ سنجیدگی سے یہ کام کر رہے ہیں ہمیں ان سے توقع رکھنی چاہئے کہ مستقبل میں یہ لوگ اردو ادب کو مالا مال کریں گے۔

مراٹھی شاعری کے اردو میں ترجموں کی حد تک معروف شاعر بدیع الزماں خاور کافی سرگرم ہیں۔ آئے دن ملک کے معیاری رسائل میں ان کے ترجمے شائع ہوتے رہتے ہیں۔

"سبیل" کی شکل میں مراٹھی نظموں اور ابھنگوں کے ترجمے ہمارے سامنے آئے ہیں۔ "ابھنگ" مراٹھی شاعری کی ایک مقبول ترین صنف ہے۔ جو اردو کے اصنافِ سخن 'حمد' اور 'مناجات' کے قریب تر ہے۔ ابھنگ زیادہ تر سنت شاعروں نے کہے ہیں۔ یہ صنف آج بھی اتنی ہی پسندیدہ ہے جتنی کہ ابتدائی دور میں تھی۔ مترجم نے اس کتاب میں ایک حصہ رکھا ہے "سنت بانی" اس میں انھوں نے سات سنتوں کے ابھنگ شائع کئے ہیں۔ اس میں شامل شعراء اور ان کا کلام بہت اہمیت رکھتا ہے۔

مترجم اور مراٹھی نظموں کے بارے میں ڈاکٹر عنوان چشتی، مخمور سعیدی، حسن الدین احمد اور پروفیسر جوشی کے خیالات اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں اور متفقہ طور پر رائے ظاہر کی ہے کہ اس کتاب میں شامل منظوم ترجمے معیاری اور بڑی حد تک کامیاب ہیں۔

خاور صاحب مراٹھی زبان بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور اردو کے بھی خاصے مشہور شاعر ہیں۔ ان کی اپنی تخلیقی شاعری کے پانچ مجموعے ابھی شائع ہو چکے ہیں اور ان کا کلام ہند و پاک کے مختلف ادبی رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔

جہاں تک "سبیل" میں شامل نظموں کا تعلق ہے ان میں چند ایک کو چھوڑ کر تمام نظموں پر حقیقت کا گماں ہوتا ہے یعنی ایسا لگتا ہے کہ یہ نظمیں کسی اور زبان کی نظموں کا ترجمہ نہیں بلکہ اردو زبان ہی کی طبع زاد نظمیں ہیں۔ مثلاً 'جہاں کا نقشہ'، 'تم ضرور آؤ گی'، 'اے محبت'، 'سبیل' اور 'باؤلی' وغیرہ۔ بہرحال یہ کتاب پڑھتے ہوئے اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ جگہ جگہ اپنائیت جاگ اٹھتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ نظم کئے گئے خیالات ہمارے اپنے ہیں۔ مثلاً نظم 'سبیل' میں یہ شعر

مری سبیل میں جو آب ہے سو ہے سب کا
نہیں ہے فرق یہاں ذات اور مذہب کا

اسی طرح 'بدر کا رشتہ'، 'دنشال برگد'، 'ماگھ کی شبنم'، 'تامال'، 'لے معمول سچ بنا دے' وغیرہ بہت پیاری نظمیں ہیں۔ جنھیں بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے مگر نظمیں بھی اپنا ایک الگ رس اور رنگ رکھتی ہیں۔

اس مجموعے میں کل بیس شعراء کی نظمیں ہیں ... ابھنگ ہیں۔ خاور صاحب کے انتخاب میں ایک جدید انداز ... کی آمیزش ... کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ مثلاً سری کسن لو دبے کی نظم 'چیونٹیوں کی بستی' ایک طویل نظم ہے جو ... بیان کی ہے۔ اس میں چیونٹی کے زندہ رہنے کی جدوجہد کو اور چیونٹیوں کے اتحاد کو ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ نظم انسان کی راہ کھوئے ہوئے اصحاب کے لئے قابلِ عبرت ہے۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے

چیونٹیوں کی بستی میں
کوئی سانپ گھُولے سے
گھُس بھی جائے تو اس پر
چیونٹیوں کی بستی کی
یہ حقیر جانیں سب
مل کے ٹوٹ پڑتی ہیں
اور اس کو ڈستی ہیں

اسی طرح تقریباً تمام نظموں میں کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور ہیں کہ آپ بے ساختہ "واہ واہ" کہہ اٹھیں گے یا پھر کہیں دم بخود ہو کر سوچنے لگیں گے۔ مجموعی طور پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خاور صاحب نے بڑی احتیاط سے نظموں کا انتخاب کیا ہے اور پھر اندازِ پیش کش میں بھی دلکشی پیدا کی ہے اور نظموں کے مواد میں صحت مند خیالات کا خیال رکھا ہے۔

یہ کتاب پریم گوپال متّل کے زیر اہتمام پی. کے پبلیکیشنز دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ سرورق قیصر سرمست نے تیار کیا ہے۔ کتابت رئیس دہلوی نے کی ہے اور اس کی خوبصورت طباعت نعمانی پریس دہلی میں ہوئی ہے اس کتاب کی قیمت صرف دس روپے ہے۔

ذن، آج

• ریاض احمد ریاض مالیگانوی
۴/۷، رسولپورہ۔ مالیگاؤں
ضلع ناسک (مہاراشٹر)

ثمرِ دل کسی کے ہو، کسی کی آنکھ کا تارہ
بجا نورِ نظر بھی ہو، بجا تم ہو جگر پارہ
مزہ تو جب ہے ہو جاؤ بُری باتوں سے صف آرا

بہت ممکن ہے کل تم بُلبلِ ہندوستاں ہو جاؤ
عروج و ارتقاء کے نغمۂ جاوید میں کھو جاؤ!
جو سہواً آ لگے ہیں داغ بدنامی کے دھو جاؤ

تمھارے قدموں سے پھوٹیں گے پھر اخلاق کے چشمے
عروسِ زندگی پہنے گی پھر اخلاق کے گہنے

پکارے گی تمھیں دنیا بصد اکرام و عزّت سے
خدا رکھے تمھیں محفوظ ہر نکبت سے ذلت سے

غلط یہ بھی نہیں کل نازشِ کون و مکاں ہو گے
لڑکپن چھوڑ جائیگا تمھیں اِک دن جواں ہو گے
مقدر ہو گے تم اپنا تمھیں اپنا جہاں ہو گے

نہ رکھنا کچھ غرض تم، لذّتِ آرامِ دنیا سے
مقدر کی چھلک جائے گی خود ہی جامِ دنیا سے
تمھیں صبحِ درخشاں سے نہ مطلب شامِ دنیا سے

تمھیں ہندوستاں کو جنّت الفردوس کرنا ہے
اِسی دھرتی پہ جینا ہے، اسی دھرتی پہ مرنا ہے

مہکنا ہے فضاؤں میں تمھیں گلشن صفت اِک دن
یہ مانا آج بچّے ہو، یہ مانا آج ہو کم سن!

چمکتے خوابِ فطرت ہیں تمھاری ننھی آنکھوں میں
ہے مستقبل کی تابانی تمھاری پیاری باتوں میں
ضمانت امن کی، انصاف کی دھڑکن ہیں، سانسوں میں

کوئی نانک کوئی نہرو، کوئی جوہر کا ثانی ہو!
بھگت سنگھ ہو کوئی، ٹیپو کوئی حیدر کا ثانی ہو
کوئی شاہِ جہاں کا ہو، کوئی اکبر کا ثانی ہو

تبسّم سے تمھارے لب کے، وہ تنویر پھوٹے گی!
ستاروں کی طرح ذرّات کی تقدیر چمکے گی

تم ایسے خدمتِ انسانیت میں غرق ہو جانا
غم و رنج و الم میں غیر کے خود کو سمو جانا

اُخوت کا سبق، درسِ وفاداری، تمھارا شوق
تمھارے ہر عمل سے آشکارا ہو کرم کا ذوق
جہالت کا نہ رہنے پائے اک لمحہ گلے میں طوق

ریاضؔ زندگی پائے بہارِ بے خزاں تم سے
یقیناً رشکِ جنّت ہو گا پھر ہندوستاں تم سے

❁❁❁

• مہدیؔ پرتاپگڈھی
ایریگیشن ڈویژن ۔ پرتاپ گڈھ (یوپی)

جی بہت چاہے ہے غالبؔ کی طرفداری کریں
عقل کہتی ہے کہ کیوں سب کی دلآزاری کریں

کس لئے آجائے ہے احساس کی پلکوں تک
وقت فرصت دے تو ہم اپنی عزاداری کریں

عزم کے آگے شکستوں کے بگولے کچھ نہیں
کس لئے ہم ذہن پہ بے چارگی طاری کریں

کچھ تو اپنے درد کی پہچان کا بھی علم ہو
سوچتے ہیں ایک دن اپنی بھی دلداری کریں

بار اٹھانا ہی مقدر ہے تو پھر کیوں ذہن پر
بے بسی طاری کریں، عذرِ گراں باری کریں

ہم کو اس کے فیصلے سے گو نہیں ہے اتفاق
مصلحت کہتی ہے کیوں اظہارِ بیزاری کریں

اب وہ ایوانِ ثقافت میں ہیں متمکن تو پھر!
کچھ نئے فرمان راہِ شوق میں جاری کریں

دیتے ہیں ہر روز کتنی آتماؤں کو فریب
ایک دن اپنے نواحِ جاں میں عیاری کریں

زندگی ہم کو فریبِ خواب دیتی ہے تو دے
ہم پہ لازم ہے کہ اس کی اور دلداری کریں

روشنی کی بھیک مانگیں کس سے مہدیؔ آیئے
دل جلا کر محفلِ جاں میں ضیا باری کریں

*

• ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاءؔ
۱۱۔ اسٹار کی ٹاؤن،
ناگپور نمبر ۴۴۰۰۰۱

جب بھی میرا خیال آئے گا
شیشۂ دل میں بال آئے گا

چاند جیسی جبیں پہ رہ رہ کر
عرقِ انفعال آئے گا!

آتے آتے ہی راہ پر اک دن
وہ بتِ خوش جمال آئے گا

کس کو معلوم تھا بنامِ حیات
سر پہ اتنا وبال آئے گا

نیکیاں کر کے یہ دلِ سادہ
خود ہی دریا میں ڈال آئے گا

جان پر ہم بھی کھیل جائیں گے
ان کا جب سوال آئے گا

جس کو حاصل ہوا مقامِ عروج
اس کو آخر زوال آئے گا

جتنا خوں ہوگا نذرِ فن منشاءؔ
اتنا رنگِ کمال آئے گا

*

• شانؔ بھارتی
بھجوا۔ دھنباد

کھلی ہے آنکھ پر سویا ہوا ہوں
خود اپنی ذات میں کھویا ہوا ہوں

بساطِ خاک سے آہستہ گذرو
میں دانے کی طرح بویا ہوا ہوں

اچھالو اور بھی کیچڑ اچھالو...
میں نورِ فکر کا دھویا ہوا ہوں

کمندیں ڈالتا ہوں آسماں پر
یہ میں کس چیز کا جویا ہوا ہوں

ازل سے جو ہیں محرومِ سماعت
میں اُن کے سامنے گویا ہوا ہوں!

*

• ڈاکٹر منصور الدین قریشی منصورؔ
۴۴۔ نوتن سوسائٹی، فتح گنج، بڑودہ

لُٹتی ہے جیسے دنیا وہ ہے چڑھتا سورج
ہم مگر دیکھیں گے کب تک یونہی ڈھلتا سورج

اپنے سایہ کی رفاقت سے بھی ہم ہیں محروم
جب سے ڈوبا ہے یہاں مہر و وفا کا سورج

اس کو تھا خوف کہ تم اپنا اٹھا دو گے نقاب
اس لئے رات کہیں جا کے چھپا تھا سورج

حشر سامانی تو یوں عام کہاں تھی ایسی
اب تو آیا ہے سوا نیزے پہ گویا سورج

کاش ہوتا کوئی ایسا بھی نظامِ شمسی
جس میں ناپید اگر تم ہیں ہوتا سورج !

تندخوئی کی سزا اس کو ملی ہے شاید
یوں جو افلاک میں رہتا ہے اکیلا سورج

چاند نسوانی تلوّن کا اگر ہے مظہر !
استقامت کا ہے مردوں کی نمونہ سورج

حشر سقراط و مسیحا و مآلِ منصور !
دیکھے اس نے تو ابھی تک ہے لرزتا سورج

*

• نیاز علی نیازؔ
چوڑی محل، بالاپور۔ ۴۴۴۳۰۲

وہ جہالت کا زمانہ اس قدر جاہل نہ تھا
آدمی کے بھیس میں یوں آدمی قاتل نہ تھا

کیا مآلِ دعوتِ جشنِ بہاراں ہو رقم !
حق تبسم کا کسی بھی پھول کو حاصل نہ تھا

اُس سفر کی منزلِ آخر میں دنیا ساتھ ہے
جس سفر کی سختیوں میں کوئی بھی شامل نہ تھا

آنکھ اُٹھا کر دیکھنا ہے کم نگاہی کا ثبوت
کون کہتا ہے ہمیں حسنِ نظر حاصل نہ تھا

نیازؔ ہم راہِ جنوں میں کھو گئے تو کیا ہوا
جب ہمارے ساتھ کوئی رہبرِ کامل نہ تھا

*

• محبوب راہیؔ
پی۔ او۔ بارسی ٹاکلی، ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

ہر بات کو نہ دیتے اگر رنگ ہم غلط
ہوتے نہ یوں روابطِ دیر و حرم غلط

تھا جام و مے پہ اہلِ توکّل کا اختیار
ہم اشک پی کے کرتے رہے اپنے غم غلط

اپنا ہی عکس ہم کو دکھائے گا آئینہ
سب کچھ غلط لگے گا اگر ہوں گے ہم غلط

دلدل سے گمرہی کی نہ پھر ہم نکل سکے
ایکبار بھول سے جو پڑا تھا قدم غلط !

جب بھی پڑا ہے سنگِ حقائق سے سابقہ
شیشوں کا جھوٹ کے ہوا ثابت بھرم غلط

خیرات اور حق میں بتانا تھا امتیاز
سمجھے ہیں میری بات کو اہلِ کرم غلط

ہم؟ اور متاعِ عیش و مسرت کی لذتیں؟
الزام ہے یہ ہم پہ خدا کی قسم غلط !

راہیؔ ہمارا فرض ہے ہم ٹوک دیں انھیں
پڑتے ہیں رہبروں کے جہاں بھی قدم غلط

*

یکم جولائی کو گورنمنٹ سرونٹس کالونی، باندرہ (بمبئی) میں پیداوار اور تقسیم اسکیم برائے ضروری اشیاء کا افتتاح ہوا۔ بیٹھے ہوئے بائیں سے دائیں - ممبر شری راجہ جیبولکر، وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، وزیر تعلیم شری ۔ دانند ورد ے اور وزیر برائے سول سپلائی شری ہنس مکھ پادھیا۔

خبریں - تصویروں میں

شری آر۔ لے پاٹل، وزیر برائے دیہی ترقیات اور اطلاعات نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ۶ر جولائی کو "اشاڑا ایکادشی" کے موقع پر پنڈھرپور کے مشہور وٹھل مندر میں پوجا کی۔ شری شیواجی راؤ پاٹل، وزیر مملکت برائے آبپاشی (بائیں سے بالکل آخر میں) بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

پچھلے دنوں دھولے میں ایک اُردو ہفت روزہ "معیارِ قوم" کا اجراء عمل میں آیا۔ زیرِ نظر تصویر میں ضلع کلکٹر شری امیتابھ چندر (بائیں طرف) ہفت روزہ کا اجراء کرتے ہوئے اور "معیارِ قوم" کے مدیر شری جمیل اختر دیکھے جا سکتے ہیں۔

لوک نائیک جے پرکاش نرائن موت سے نبرد آزمائی اور صحت یابی کے بعد ۷ر جولائی کو "آئی۔ اے۔ ایف" کے خصوصی طیارہ کے ذریعہ بمبئی سے پٹنہ رخصت ہوئے۔ آپ کو گذشتہ ۱۹ر مارچ کو نازک حالت میں بذریعہ طیارہ پٹنہ سے بمبئی لایا گیا تھا اور یہاں علاج کی غرض سے جسلوک اسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ اس موقع پر سانتا کروز ہوائی اڈے پر گورنر شری صادق علی، وزیرِ اعلیٰ شری شرد پوار اور وزیرِ محصول شری اُتم راؤ پاٹل، ریاستی متوازی کانگریس کے چیف شری ڈی۔ٹی۔ رود پوتے اور دیگر ممتاز شہریوں نے انھیں بڑی محبت اور گرمجوشی سے خدا حافظ کہا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے

تعلیمیافتہ بیروزگاروں کو ۱۳۰۴۴ لاکھ روپے تخمی رقم

مالیاتی سال کے دوران وودربھ کے ترقیاتی کارپوریشن نے ۱۴ لاکھ ۱۳ ہزار روپے کی رقم بطور تخمی رقم کے تعلیم یافتہ بے روزگاروں میں تقسیم کی۔

کارپوریشن کو ۸۰۷ مطالبات موصول ہوئے جن میں سے ۴۲۰ بنکوں کا حوالہ دیا گیا تھا۔ بنکوں کے ذریعہ ۲۹۷ مطالبات کی منظوری دی گئی۔

جولائی ۱۹۷۸ء سے مارچ ۱۹۷۹ء تک ۷۳ لاکھ ۱۱ ہزار روپے بطور تخمی رقم کے تقسیم کئے گئے۔ کارپوریشن کو ۴۰۰۳ مطالبات موصول ہوئے جن میں سے ۲۲۵۴ مطالبات میں بنکوں کا حوالہ دیا گیا اور وہاں سے ۸۲۵ مطالبات کو منظوری دی گئی۔ پسماندہ طبقات کے امیدواروں کو ۴ لاکھ ۳۸ ہزار روپے تقسیم کئے گئے ہیں۔

۵۸،۳۶۰ سے زائد تبدیلیوں کا اندراج

مئی کے آخری ہفتہ کے دوران ناگپور ڈویژن میں محصول مہم کے تحت منعقدہ کیمپوں میں پٹواریوں نے ۵۸،۳۶۰ سے زائد کھاتے پُستیکا میں تبدیلیوں کا اندراج کیا۔ اس کے علاوہ ان کیمپوں میں ۲۸۵۰۱ کھاتے پُستیکا تیار اور تقسیم کئے گئے۔

بوڑھے مفلس افراد کو پنشن

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ یکم اپریل ۱۹۷۹ء سے ان مفلس مردوں کو جن کی عمریں ۶۵ سال یا زائد ہوں گی اور وہ عورتیں جن کی عمریں ۶۰ سال یا زائد ہوں گی بوڑھی عمروں کی پنشن دی جائے۔

پنشن کی شرح یہ ہوگی: ان مقامات پر جہاں کی آبادی ایک لاکھ اور زائد ہوگی ۳۰ روپے ماہانہ ضلع مقام جو کہ مذکرہ مقامات کے علاوہ ہوں گے ۲۵ روپے ماہانہ اور دیگر مقامات کے لئے ۲۰ روپے ماہانہ۔

پنشن دو قسم کی ہوں گی یعنی تا زندگی پنشن اور محدود پنشن، پہلی پنشن جب تک وہ شخص زندہ رہے گا ملے گی اور دوسری پنشن وہ ہوگی جو کہ اس وقت ختم ہو جائیگی جب کہ اس مفلس کا کوئی رشتہ دار ۲۰ سال کا ہو جائے گا یا کوئی رشتہ دار جب اس مفلس آدمی کا خرچ برداشت کرنے لگے گا۔

پنشن کے لئے درخواستیں دو نقول میں مقررہ فارم ڈویژنل سوشل ویلفیئر افسر کو دی جائیں، فارم ۲۵ پیسے ادا کرنے پر ڈویژنل سوشل ویلفیئر افسر کے دفتر سے مل سکیں گے۔ درخواستیں جنوری، فروری نیز جولائی اور اگست کے دوران وصول کی جائیں گی۔

درخواستوں کے ساتھ ضروری کاغذات و اسناد کا ہونا ضروری ہے۔

خالی صنعتی پریمائسیس

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی عظمیٰ میں صنعتی زون یا صنعتی ایسٹیٹ میں واقع صنعتی پریمائسیس کی خالی جگہوں سے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ان کا کل رقبہ ۹۲۹ اسکوائر میٹر سے کم ہے تو اس صورت میں کنٹرولر آف اکوموڈیشن، بمبئی کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس سے قبل ۲۷ دسمبر ۱۹۶۵ء کو سرکار نے یہ اعلان کیا تھا کہ بمبئی عظمیٰ کی غیر رہائشی خالی اراضی کے مالکان کو چاہئے کہ وہ خالی اراضی سے متعلق سرکار کو اطلاع دیں۔

۲۸ دسمبر کے اطلاع نامہ کے مطابق سرکار نے غیر رہائشی پریمائسیس میں ۴۷ اسکوائر میٹر سے کم اراضی کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔

جونیئر کالجوں کیلئے اسکالرشپ

جن طالب علموں نے مارچ / اپریل ۱۹۷۹ء کا ایس ایس سی امتحان ۵۰ فیصد یا زائد سے پاس کیا ہو انھیں نیشنل لون اسکالرشپ دینے کے لئے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔ یہ اسکالرشپ تمام تسلیم شدہ پورے وقتوں کے نصابوں اور ٹریننگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دی جائے گی۔

وہ طالب علم جن کے والدین کی آمدنی ۵۰۰ روپیہ ماہانہ (بنیادی تنخواہ) سے زائد نہ ہوگی وہ اسکالرشپ کے مستحق ہوں گے۔

درخواست فارم متعلقہ تعلیمی اداروں کے سربراہوں سے مل سکتے ہیں۔ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ریاست مہاراشٹر کے دفتر واقع پونے ۱ میں درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء ہے۔

زراعت۔ ماہی گیری میں پیشہ ورانہ کورس

مہاراشٹر اسٹیٹ بورڈ برائے ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیم پونے نے ۱۲ پیشہ ورانہ کورس کے لئے نصاب تیار کیا ہے۔ جن میں سے ۴ زراعت اور ۲ ماہی گیری کورس ہیں۔ یہ کورس (زراعت) انیمل سائنس اور ڈیری، فارم میکنکس، کراپ سائنس اور ہارٹی کلچر نیز (ماہی گیری) فش پروسسنگ ٹیکنولوجی اور تازہ پانی میں مچھلیاں پالنے پر مشتمل ہیں۔

پربھنی، اکولہ اور راہوری کی زرعی یونیورسٹیوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ یہ پیشہ ورانہ کورس پورا کرنے والے طلبہ کو دیگر کورس میں داخلے کے لئے اہل سمجھا جائے گا نیز اکولہ اور راہوری نے داخلے کے لئے ان طلبہ کو فوقیت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس سال 'یوم مہاراشٹر' کے موقع پر مہاراشٹر سرکار کی جانب سے سو صنعتی ملازمین کو 'محنتی' 'ایماندار' اور 'مثالی مزدور' کے خطاب اور انعامات سے نوازا گیا تھا۔ اس تصویر میں گورنمنٹ سنٹرل پریس، بمبئی کے کارگذار شری اسمٰعیل خاں صاحب مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی کے دست مبارک سے خطاب اور سند توصیفی قبول فرما رہے ہیں۔ وزیر مملکت برائے محنت، ہاؤسنگ، اوقاف اور پروٹوکول ڈاکٹر رفیق زکریا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسکول اسٹاف کی تنخواہیں پہلی تاریخ کو!
ریاست کی ہدایت

حکومت مہاراشٹر نے امداد پانے والے غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کو (بشمول ٹکنیکل ہائی اسکولس) ہدایت دی ہے کہ ان کے تدریسی و غیر تدریسی اسٹاف کی تنخواہیں اور بھتے ان کے متعلقہ اکاؤنٹس میں ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو کریڈٹ ہو جانے چاہئیں۔

اس بات کی یقین دہانی کے لئے ڈائریکٹوریٹ نے اس مقصد کے لئے تیار کردہ ٹائم شیڈیول کو بھی آگے بڑھا دیا ہے۔

غیر سرکاری امداد سے چلنے والے ثانوی اسکولوں کے تدریسی و غیر تدریسی اسٹاف کو ان کی تنخواہیں و بھتے امداد باہمی بنکوں کے ذریعہ دینے کی اسکیم کا نفاذ مئی ۱۹۷۳ء میں کیا گیا تھا تاکہ تمام ملازمین ہر ماہ کی ۱ تاریخ تک اپنی اپنی تنخواہیں پا سکیں۔

یوتھ فورم :

'یوتھ فورم' کا مستقل فیچر، کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲

مراٹھواڑہ سے

اورنگ آباد، عثمان آباد اور ناندیڑ میں مراٹھی ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ ٹریننگ

راج بھاشا درشن کے زیر اہتمام حکومتِ مہاراشٹر کے ڈائریکٹوریٹ آف لنگویجس کی جانب سے یکم مئی ۱۹۷۹ء سے اورنگ آباد اور ناندیڑ میں مراٹھی ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ اسکیم شروع کردی گئی ہے۔ اس ٹریننگ اسکیم کے تحت انگریزی ٹائپسٹوں اور انگریزی کا کام کرنے والے کلرکوں کو مراٹھی کی ٹریننگ اور انگریزی شارٹ ہینڈ جاننے والے اسٹینوگرافروں اور مراٹھی ٹائپسٹوں کو مراٹھی شارٹ ہینڈ کی ٹریننگ دی جارہی ہے۔

ضلع ناندیڑ میں فراہمیِ روزگار کے لئے دس کروڑ ۸۵ لاکھ روپے کی منظوری

ضلع ناندیڑ میں فراہمیِ روزگار اسکیم کے تحت ۸۱-۱۹۷۹ء کے دوران کئے جانے والے کاموں پر خرچ کے لئے دس کروڑ ۸۵ لاکھ ۶۰ ہزار روپے منظور کئے گئے ہیں۔

ضلع ناندیڑ میں ایک لاکھ ۷۹۵ مزدوروں کے نام درجِ رجسٹر ہیں اسی کے پیشِ نظر مختلف کام کئے جارہے ہیں جس میں روزانہ ۶۰ ہزار مزدوروں کو دو سال کے لئے روزگار فراہم کیا جائے گا۔ فی الحال ناندیڑ ضلع میں ۲۶۵ کام جاری ہیں اور ۲۸,۰۰۰ مزدور کام کررہے ہیں۔ ۱۹۷۴ء سے اب تک جملہ ۱۳۱۷ کاموں کی منظوری دی گئی ہے۔ جس میں سے ۱۱۷ کام مکمل ہوچکے ہیں۔ نیز ۱۹۷۴ء سے اب تک ۷ کروڑ ۷ لاکھ ۵۶ ہزار روپے خرچ کئے گئے ہیں۔

محکمۂ پولیس کے لئے اورنگ آباد میں نئی عمارت

اورنگ آباد میں ۶ لاکھ ۵۴ ہزار ۱۹۱ روپے کے خرچ سے محکمۂ پولیس کے لئے عمارت تعمیر کی جارہی ہے۔ اس عمارت میں ڈی۔آئی۔جی کا آفس، کرائم ڈویژن، سی آئی۔ڈی۔، فنگر پرنٹس اور اینٹی کرپشن کے شعبہ جات ہوں گے۔

ہنگاموں سے متاثر بے گھروں کے لئے خوبصورت مکان

مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے نام کی تبدیلی میں ہوئے ہنگاموں سے متاثر بے گھر خاندانوں کے لئے ایک لاکھ ۴۴ ہزار ۳ سو روپے کے مصارف سے اورنگ آباد کے قریب ۷۳ خوبصورت مکانات تعمیر کئے گئے ہیں۔ متذکرہ خاندان اکولہ، آپیگاؤں اور سنگیج کے ہیں۔ ان تمام بے گھروں کے عارضی رہائش کا انتظام ہرسول میں کیا گیا تھا، اور اب انھیں مستقل طور پر گھر دیئے جارہے ہیں۔ ہر گھر پر تقریباً ۲,۹۰۰ روپے خرچ آیا ہے جس میں سے حکومت نے ۱۵۰۰ روپے اور بقیہ ۱۴۰۰ روپے چیف منسٹر فنڈ میں سے ادا کئے گئے۔

ان مکانات کی تعمیر کے دوران بے گھر افراد کے خاندان والوں ہی کو کام دیا گیا تھا۔ اب ان کے مستقل روزگار کے لئے دیوگیری ٹیکسٹائل ملز میں کوشش کی جارہی ہے۔ گایوں اور بھینسوں کی خریدی کے لئے مہاتما پھلے دیکاس منڈل قرض فراہم کرنے والا ہے۔

بنڈنگ پروگرام کے تحت ضلع اورنگ آباد میں ایک ارب ۱۱ لاکھ روپے کی تقسیم

ضلع اورنگ آباد میں گذشتہ سال بنڈنگ پروگرام کے تحت ۳۶ لاکھ ۸۵ ہزار مزدوروں کو کام دیا گیا۔ اور ان مزدوروں میں ایک ارب ۱۰ لاکھ ۵۵ ہزار روپے بطور مزدوری تقسیم کئے گئے۔

سالِ رواں میں بھی آخر مئی ۱۹۷۹ء تک سوئل (S.O.I.L) کنزرویشن اسکیم کے تحت جاری خود روزگار اسکیم کے تحت ۲۰ ہزار مزدوروں کو کام دیا گیا اور مزدوری کے طور پر ۶۱ لاکھ ۷۴ ہزار روپے خرچ کئے گئے۔

اشیائے ماتحتاج کے تقسیمی مراکز شروع کردیئے گئے

پیداوار اور تقسیم میں بہتری پیدا کرنے کے لئے یکم جولائی ۱۹۷۹ء سے اشیائے ماتحتاج کے تقسیمی مراکز شروع کر دیئے گئے ہیں۔ تقسیمی مراکز کا افتتاح مہاراشٹر کے وزیر مال شری شنکر راؤ چوان کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

اس اسکیم کے تحت ابتداً ضلع اورنگ آباد میں دس دوکانیں کھولی گئی ہیں جن میں سے ۵ دیہی علاقوں میں شروع کی گئیں۔

شہر اورنگ آباد میں جنتا بازار، لیبر کالونی، سڈکو، کوئلہ کالونی، اور ریلوے اسٹیشن کے علاقے میں یہ تقسیمی مراکز قائم کئے گئے۔

دیہی علاقوں میں پھلمبری، پنپری راجہ، لاڈساؤنگی، چیتے پیپل گاؤں اور کن گاؤں میں یہ مراکز قائم کئے گئے ہیں جہاں پر ماچس، کاپیاں، ڈاک ٹکٹ، نرودھ اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی اشیاء خالص اور واجبی داموں پر فروخت کی جائیں گی۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے کیمپ

ضلع صنعتی مراکز اورنگ آباد کی جانب سے تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے گرام پنچایت شاہ گڈھ، گرام پنچایت بدناپور، ضلع پریشد گیسٹ ہاؤس بھوکردن، گرام پنچائت دفتر جعفرآباد پر کیمپ منعقد کئے گئے جہاں تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو مختلف صنعتوں اور کاروبار سے متعلق معلومات بہم پہنچائی گئیں۔

ہندوستان میں اپنی نوعیت کی پہلی وزارتِ روزگار مہاراشٹر میں تشکیل دی گئی ہے جو تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کی بابت نئی اسکیمات مرتب کرتی ہے۔ زیرِ نظر تصویر میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان، جسے قرض فراہم کیا گیا تھا اپنی سائیکل کی دوکان میں کام میں مصروف نظر آرہا ہے۔

جاری مالی سال میں ضمانت روزگار اسکیم پر عمل آوری کے لئے نوجوانوں کو روزگار کی ضمانت دی جاتی ہے اور ساتھ ہی پیداوار کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت دیہی نوجوانوں کے لئے ۲۷،۸۳ کروڑ روپے مختص کئے گئے ہیں۔ اس تصویر میں بھیما پروجیکٹ پر مزدور کام کر رہے ہیں۔

۱۰ اگست ۱۹۶۹ء
قیمت ۵ پیسے

قومی راج

جلد ۶ ۔ ۱۰ راگست ۱۹۷۹ء ۔ شمارہ نمبر ۱۵

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

زر سالانہ: دس روپے ۔ فی پرچہ: پچاس پیسے

نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب — صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر ریاض احمد خان

سب ایڈیٹر عبدالوحید خان جامعی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،

گورنمنٹ آف مہاراشٹر،

منترالیہ ۔ بمبئی ۳۲ ۔ ۴۰۰۰

پچھلے چند مہینوں سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ "قومی راج" کے اکثر مشترکہ شمارے ہی شائع کئے جارہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ سرکاری پریس، جہاں پر 'قومی راج' طباعتی مرحلے طے کرتا ہے' ضرورت سے زیادہ معروف رہا۔ اب حالات بہتر ہوتے جارہے ہیں اور اس بات کی قوی اُمید ہے کہ 'قومی راج' اپنے مقررہ وقت پر آپ کے ہاتھوں تک پہنچ سکے گا۔

اس شمارے میں متفرق مضامین پیش کئے جارہے ہیں جن میں سے چند کی ضرورت آپ نے یقینی طور پر محسوس کی ہوگی۔ "مراٹھواڑہ کے لوک گیت"، 'مہاراشٹر کے دبستان اردو مالیگاؤں کی شعری تصنیفات' اور 'اردو میں عالمی مذاہب' خاص مضامین ہیں۔ یہ تینوں تحقیقی مضامین ہیں۔ اردو ادب میں ایسے مضامین کی شمولیت یقیناً خوشگوار ثابت ہوگی۔

'قومی راج' کا آئندہ شمارہ "یوم آزادی نمبر" ہوگا، جس میں آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد' رہنماؤں کی قربانیاں اور عوام کے تعاون پر مضامین شامل ہوں گے۔

خواجہ عبدالغفور

ضروری گذارش:

- دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت 'حوالہ نمبر' ضرور تحریر فرمائیں' جو آپ کے خط یا رسالہ کے ریپر کے اوپر درج ہوتا ہے۔
- جواب طلب اُمور کے لئے جوابی خط / لفافہ یا ڈاک ٹکٹ روانہ فرمانے کی زحمت نہ فرمائیں۔
- منی آرڈر کوپن پر (جو منی آرڈر فارم کے آخر میں ہوتا ہے) ہمیشہ اپنا نام و پتہ صاف صاف اُردو، مراٹھی، ہندی یا انگریزی میں ضرور تحریر فرمائیں۔

(ادارہ)

- تسنیم فاروقی، لکھنؤ

'قومی راج' کی روزافزوں ترقی، مقبولیت اور معیاریت پر آپ کے طرزِ صحافت کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ اب تو نا قابل فراموش ادبی پرچوں میں 'قومی راج' کا نام آنے لگا ہے۔ مبارک ہو۔

★

- قیصر عثمانی۔ محبوبی بلڈنگ' اے، پُشپا پارک ملاڈ۔ (ایسٹ) بمبئی ۴۰۰۰۶۴

"قومی راج" کا تازہ شمارہ (۲۵ جولائی ۱۹۷۹ء)
جب میں نے دیکھا اور پڑھا
تو مجھے بے حد خوشی ہوئی
اور
یہ تسلیم کرنا پڑا
کہ
آپ اِس جریدے کو نہ صرف ظاہری حُسن سے مالا مال کر رہے ہیں
بلکہ معنوی طور پر بھی اسے صحت مند بنانے میں کوشاں ہیں۔
اس مرتبہ حصۂ نظم نے کافی متاثر کیا۔
اس کے علاوہ
جناب ندا فاضلی کا مضمون "سمندر۔ گھوں اور دیواریں"
ذوقِ مطالعہ کو یقیناً ایک خاص قسم کی تازگی بخشتا ہے
معلومات افزا مضامین کے لحاظ سے بھی
یہ شمارہ قابلِ تعریف ہے۔
میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کیجئے۔

★

- سرفراز خاں وقار۔ صدر 'بزمِ شمعِ ادب' آزاد وارڈ، پر پیٹھ، ملکاپور (مہاراشٹر)

'قومی راج' کے "جنگلی جانور نمبر' اور 'سُور داس نمبر' کا مطالعہ کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ واقعی آپ کا 'قومی راج' ایک دن مہاراشٹر تو کیا ہندوستان کا سب سے اچھا رسالہ کہلائے گا۔ اُردو زبان کی خدمت آپ ہی کا حق ہے۔

- ڈاکٹر ایم۔ جلیس سہسوانی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ گلکدہ۔ سہسوان، ضلع بدایوں، (یو۔پی)

'قومی راج' ملا۔ یہ شمارہ بے حد معلومات افروز اور وقیع ہے کئی مضمون بڑے پائے کے ہیں۔ 'سائنس عہدِ قدیم اور دَورِ جدید میں' بھی شامل ہے۔ تمام مضامین کی پسندیدگی کے لئے مجھے کئی خطوط ملے ہیں۔ مثلاً طرفہ قریشی، مہروش یزدانی، نذیرہ وغیرہ کے۔ ان خطوط سے 'قومی راج' کے ادبی حلقے کا پتہ چلا۔ اور ظاہر ہوا کہ وہ مقبولیت کی بلندیوں کو پَر لگا کر چھُونے کی کوشش کر رہا ہے۔ اللہ کرے زورِ ارتقا اور زیادہ۔ مضمون کی اشاعت کا شکریہ!

★

- سراج انور مصطفےٰ آبادی (بی۔اے)

کساری محلہ، آملنیر، ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر)

'قومی راج' مہاراشٹر میں اُردو کی ترویج واشاعت کا نیا سنگِ میل ہے۔ ہر شمارہ ایک نئی آب وتاب رکھتا ہے۔

★

- محمد عثمان اوج اعظمی، چریاکوٹ، اعظم گڈھ (یو۔پی)

اس میں کوئی مُبالغہ نہیں کہ 'قومی راج' کا ہر شمارہ اپنے سابقہ شمارے سے دوچند ہوتا ہے تخلیقی معیار کافی نکھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ آپ لوگوں کی فکرِ عمیق اور حُسنِ نظر کا بیّن ثبوت ہے۔ خاص نمبر خصوصی معیار کے حامل ہیں

★

- محمد رضی الدین معظم۔ ۸۶۶، رحیم منزل، شاہ گنج، حیدرآباد ۲

'قومی راج' کا ۱۰ رجون ۱۹۷۹ء کا شمارہ اپنی غیر معمولی تابانیاں لئے نظر نواز ہوا۔ اس شاندار شمارہ کی اشاعت واقعی قابلِ داد وتحسین ہے اتنی شاندار اشاعت پر مُبارکباد قبول فرمایئے اس شمارہ میں مندرج تمام تخلیقات کا مطالعہ کیا تو سبھی ایک سے بڑھ کر ایک معلوم ہوئیں' اُمید ہے کہ 'قومی راج' ہر منزل پر ایسی ہی یادگار قائم کرتا جائے گا۔ خدا اسے نظرِ بد سے بچائے۔

★

- ظہیر احمد ظہیر۔ بالاپور (اکولہ)

خوبصورت اور خوب سیرت رسالہ پندرہ روزہ "قومی راج" باصرہ نواز ہوتا ہے۔ ساتھ ہی دل ودماغ کو سکون وجِلا بخشتا ہے۔ اشاعتی ہر تخلیق معیاری وادبی پائی جاتی ہے۔ اُردو کی اس خدمت کے لئے آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے مُبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ 'قومی راج' دن دُونی' رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔ ★

مہاراشٹر میں اسکولی بچّوں کے لئے کھانا

اسکولی بچوں میں ناقص غذائیت کے مسئلہ کو حل کرنے کی غرض سے مہاراشٹر میں ۶۹-۱۹۶۸ء سے اسکولوں میں کھانا فراہم کرنے کا پروگرام (دوپہر کا کھانا) جاری کیا گیا تھا۔ ریاستی سطح کے اس پروگرام کے سارے اخراجات حکومت ۷۵-۱۹۷۴ء سے برداشت کررہی ہے۔ ایم ایس ایس آئی ڈی سی لمیٹیڈ، بمبئی کے تعاون سے چوتھے پنجسالہ منصوبہ کے خاتمہ تک یہ پروگرام زیر عمل رہا۔ اس دوران منتخبہ چار اضلاع، یعنی تھانے، پونے، ناگپور اور اورنگ آباد کے ۲،۲۵،۰۰۰ پرائمری اسکولی بچے اس پروگرام سے فیضیاب ہوئے۔ پانچویں پنجسالہ منصوبہ میں اس پروگرام کو کم از کم ضرورت پروگرام' میں شامل رکھا گیا اور عثمان آباد، سولاپور اور رتناگیری اضلاع کے مزید ۱۲،۸۰۰۰ بچے اس سے مستفیض ہوئے۔ فی الحال یہ پروگرام ۲۰ نکاتی پروگرام میں شامل ہے۔ اس پروگرام کے اطمینان بخش نتائج کے پیش نظر جاری مالی سال ۷۹-۱۹۷۸ء کے لئے بھی اس پروگرام کو جاری رکھتے ہوئے اس میں مزید توسیع کی گئی ہے جس کے تحت ڈی۔پی۔اے۔پی اور قبائلی ضمنی منصوبے والے علاقوں کے ۱۹ اضلاع کے ۶-۱۱ سال کی عمر کے ۷،۸۵،۰۰۰ بچے فیضیاب ہوں گے۔

کوشش کی جارہی ہے کہ رفتہ رفتہ دیہی علاقوں کے ۶-۱۱ سال کی عمر کے پرائمری اسکولوں میں پڑھنے والے تمام مستحق طلباء بھی اس پروگرام سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران کیئر (CARE) کی غذائی امداد کے ساتھ قبائلی علاقوں کے مزید ۴۰،۰۰۰ پرائمری اسکولی بچے اور دیگر علاقوں کے ۲،۰۰،۰۰۰ بچے اس پروگرام کے تحت لائے جانے کی تجویز ہے۔ ذیل میں مذکورہ سال کے دوران مستفیض ہونے والوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے:

	فیضیاب ہونیوالوں کی تعداد	تجویز کردہ اخراجات (لاکھ روپے میں)
۱۔ ۷۹-۱۹۷۸ء میں زیر عمل پروگرام کے تحت استفادہ کرنیوالوں کی متوقع تعداد	۷،۸۵،۰۰۰	۴۷۱٫۰۰ (غیر منصوبہ جاتی)
۲۔ کیئر (CARE) کے تعاون کے ساتھ تجویز کردہ توسیعی پروگرام	۲،۲۰،۰۰۰	۴۷٫۴۷ (عام منصوبہ جاتی)
۳۔ قبائلی علاقوں میں تجویز کردہ توسیعی پروگرام	۴۰،۰۰۰	۲۵٫۰۷ (قبائلی ضمنی منصوبہ جاتی)
	۱۰،۴۵،۰۰۰	۵۴۳٫۵۴ لاکھ

بچوں کی فلاح بہبود اسکیم

یہ مکمل طور پر ایک مرکزی اسکیم ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۷۵ء سے ضلع امراؤتی میں ٹی۔ڈی۔بی دھارنی میں مذکورہ ضمن کے دو بلاک شروع کئے گئے ہیں۔ مذکورہ اسکیم کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱) نوزائیدہ بچوں سے لیکر ۶ سال کی عمر تک کے بچوں کی غذا اور تندرستی میں بہتری پیدا کرنا۔
۲) بچوں کی نفسیاتی، جسمانی اور سماجی اصلاح۔
۳) بچوں کی اموات، بگاڑ، ناقص پرورش اور ترک تعلیم کے واقعات کی روک تھام۔
۴) بچوں کی اصلاح کے خواہشمند اداروں کے مابین ضابطہ، پالیسی اور موثر کارکردگی کا تیقن۔
۵) ماؤں کو بچوں کی تندرستی اور پرورش کے بارے میں تربیت۔

کسی بھی اقدام کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ مذکورہ اقدام سے تعلق

(بقایا صفحہ ۱۳ پر)

آپ کا بچّہ قوم کی امانت ہے

* محمد رضی الدین معظم
۸۶۶، رحیم منزل، شاہ گنج،
حیدرآباد، ۲ (اے۔ پی)

جب بچّے کی پیدائش پر اس کی پہلی آواز فضا میں گونجتی ہے اور لیڈی ڈاکٹر زچّہ خانے سے باہر آکر ایک نئے مہمان کے آنے کی اطلاع دیتی ہے تو عزیزوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھتے ہیں۔ عموماً نوّے فیصدی بچے ہر لحاظ سے توانا و تندرست پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کا بچّہ بھی ایک نیا شہری ہے اور آگے چل کر وہ کیا بنے گا؟ .... یہ آپ کی تربیت پر منحصر ہے۔ والدین کی تربیت نے جہاں عظیم و لیئق، ممتاز و معظم انسان پیدا کئے ہیں وہاں بدترین اور باعثِ شرم لوگ بھی معرضِ وجود میں آئے ہیں۔

بچّہ، اس میں بالکل شک نہیں کہ والدین کی اُمیدوں کا سہارا ہوتا ہے اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اُسے اپنا جیسا بنائیں، ایک بڑھئی اپنے بچے کو بڑھئی بنانا چاہتا ہے اور ایک کلرک اپنے بچّے کو کلرک، لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے ہر بچّہ اپنے اندر الگ الگ خوبیوں کی صلاحیت رکھتا ہے اور تربیت دیتے وقت اس کی صلاحیت کے مطابق عمل کرنا بہت بہتر ہے۔

— آپ کا بچہ صرف خاندان کا ہی نہیں بلکہ قوم کا بھی جزو ہے۔ اور اسے قوم کے لئے باعثِ فخر بننے میں مدد دیجئے۔ بہت سے والدین اور خاص کر مائیں یہ سمجھتی ہیں کہ نو ماہ انھوں نے بچے کو پیٹ میں پرورش دی ہے اور اس کے بعد بھی اس کے سارے ناز و نخرے اٹھا رہی ہیں۔ اس لئے بچہ صرف ان کی ملکیت ہے اور خواہ کچھ بھی ہو ان کے خیالات اور کردار کا حامل ہونا چاہیئے ۔ذرا سوچئے، آپ کتنی غلطی پر ہیں ۔ بچّہ کی پیدائش میں سب سے بڑا ہاتھ تو قدرت کا ہے، البتہ ماں کا اس میں حصّہ ملنا ضروری ہے۔

والدین کا بچے کو صرف اپنی ملکیت سمجھ بیٹھنا جس پر ان کا پورا پورا اختیار ہو، درست نہیں ہے۔ اسے بے سمجھے بوجھے اپنے خیالات میں ڈھالنا سخت غلطی ہے۔ مثلاً آپ بچّہ کو ایسی تربیت دیتے ہیں جس سے وہ آگے چل کر کلرک بن سکے، لیکن اس میں کلرک بننے کی صلاحیت مفقود ہے ۔ وہ اور اس کا دماغ انجنیئر بننے کے لئے موزوں ہے پھر اسے انجنیئر بننے کا موقع کیوں نہ دیجئے تاکہ وہ ایک کامیاب انسان ثابت ہو سکے ۔ آپ بچے کو اپنی نظروں سے پرکھیئے ۔ اس کی ساری خوبیاں اس میں دن بدن ترقی پاتی رہتی ہیں۔ ان خوبیوں پر نظر رکھئے اور اسے آگے بڑھنے کا موقع دیجئے اسے اطمینان دلایئے کہ آپ اس کے محافظ ہیں اور وہ ہر طرح سے آزاد ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ وہ لوگ جنھیں ظاہرا یا درپردہ کوئی خطرہ لاحق ہے اپنے اندر ایک ڈر سا محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنی جد و جہد کو محدود کر دیتے ہیں۔ ان کی خوبیاں ظاہر ہونا بند ہو جاتی ہیں ۔ اکثر کہتے ہیں ہمارا کیا آج مرے کل دوسرا دن۔ بالکل اسی طرح بچہ بھی ہے اگر والدین اپنے کردار سے اُسے یہ یقین دلا دیں کہ وہ اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر طرح محفوظ اور آزاد ہے تو پھر دیکھیئے کہ اس کی خوبیاں ایک ایک کر کے کس طرح ظاہر ہوتی ہیں۔ ان خوبیوں کو پہچاننا آپ کا فرض ہے۔

لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہر بچّہ شروع ہی سے اپنے ساتھ اچھا یا بُرا کردار لے کر آتا ہے اور جیسے جیسے بڑھتا ہے اس کی یہ اچھائیاں اور بُرائیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں ۔ یہ نظریہ بھی غلط ہے ۔ نہ کوئی پیدائشی فرشتہ ہے اور نہ کوئی پیدائشی شیطان۔ موجودہ نفسیات کے علم نے یہ چیز ثابت کر دی ہے کہ ہر بچہ اپنے اندر ساری صلاحیتیں اچھی اور بُری دونوں کو لے کر پیدا ہوتا ہے اور یہ ماحول پر منحصر ہے کہ اسے جیسا چاہے بنا دے۔ بالکل جانوروں کے بچے کی طرح جو اپنے ماں باپ اور دوسرے جانوروں کو جیسا دیکھتا ہے ویسا ہی بن جاتا ہے ۔ انسان کا بچہ اشرف المخلوقات کا بچہ ہے اور اپنے اندر گرفت کی زیادہ طاقت رکھتا ہے وہ بھی غور سے اپنے بزرگوں کو دیکھتا ہے اور ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ بچہ ماحول ہی کا اثر لیتا ہے اس مثال سے کر سکتے ہیں .....!

الہ آباد میں ایک شخص کو بھیڑیوں کے غار سے نکالا گیا، غالباً جب

وہ بچہ تھا اسے کوئی بھیڑیا اُٹھالے گیا اور جیسا کہ مشہور ہے کہ بھیڑیئے اکثر انسان کے بچوں کو اُٹھالے جاتے ہیں اور پال لیتے ہیں — یہ بچہ بھی پال لیا گیا۔ اور بڑھتے بڑھتے جوان ہوگیا، اتفاق سے کچھ شکاری اس جنگل میں پہنچے اور انھوں نے اس شخص کو بھیڑیوں کی طرح غار کے پاس چلتے پھرتے دیکھا۔ بڑی جدوجہد اور کئی بھیڑیوں کو مارنے کے بعد وہ اس آدمی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ لیکن اس شخص کو انسانی دنیا میں لانا بے کار ثابت ہوا، اس لئے کہ اس نے بھیڑیوں کی ساری حرکات وسکنات اپنالی تھیں، وہ جانوروں کی طرح چلتا تھا اور منہ سے انسان کی بولی بولنے کے بجائے صرف "ہاہُو" کرتا رہتا تھا۔ بڑی کوشش کے باوجود وہ انسانی اشاروں کو سمجھنے کے ناقابل تھا۔ چنانچہ کوئی شخص اسے سہارا نہ دے سکا — وہ بازاروں اور گلیوں میں مارا مارا پھرتا اور ہاتھ کو استعمال کئے بغیر منہ سے ہی کھانا کھانے کی کوشش کرتا تھا۔

اس مثال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ ایک عمدہ دماغ اور ہر قسم کی صلاحیت کا مالک بن کر آتا ہے اور جلدی جلدی اپنے ماحول سے نئی نئی باتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اچھا ماحول اسے اچھا بنا دیتا ہے، اور بُرا ماحول بُرا — میں نے ابھی ابھی اوپر کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ بچہ اچھا ہے یا بُرا، کیریکٹر اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر آتا ہے، مرجا غلط ہے، آپ کسی شریف آدمی کے بچے کو خراب ماحول میں پلنے کے لئے چھوڑ دیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح اپنے ماں باپ کی طرح شریف النفس اور نیک رہتا ہے، وہ یقیناً خراب ہو جائے گا — ایک بچے کو چھوٹی پیالی میں تھوک کر قمیض کے دامن سے صاف کرتے دیکھا گیا اور جب اسے منع کیا گیا تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ "آپا بھی تو ایسا ہی کرتی ہے" — اور واقعی اس نے یہ فعل آپا ہی سے سیکھا تھا۔

ماحول کا لفظ بہت واضح ہے اس لفظ کے استعمال سے میری مُراد صرف گھر کے لوگوں سے ہی نہیں ہے بلکہ ماحول میں وہ سب لوگ شامل ہیں، بچہ جن میں پرورش پاتا، جن کے درمیان اٹھتا بیٹھتا ہے اور اس طرح اس کے ماحول میں ماں باپ، بھائی بہن، نوکر، اُستاد، ساتھی بچے، کھلونے اور پالتو جانور سبھی شامل ہیں۔ آگے چلئے تو ملک اور قوم کے لوگ بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کا حصہ کم ہے — اب دیکھئے کہ تربیت اور ماحول کا اثر بچہ پر کس طرح پڑتا ہے، ایک بچہ جتنا اپنے آپ کو محفوظ اور آزاد محسوس کرے گا اتنا ہی وہ تیز ذہن ہوگا اور اچھی تربیت کو جلدی اپنے اندر مدغم کریگا۔ اگر بچہ کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ غیر محفوظ ہے اور اس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا تو وہ کُند ذہن اور سُست ہو جاتا ہے۔ بات بات پر رونا مچلنا شروع کرے گا اور اُسے آپ ماریں گے بھی تو ضد سے باز نہیں آئے گا۔ برخلاف اس کے جس بچے کو یہ احساس دلایا گیا کہ وہ خاندان کا چشم وچراغ ہے اور اس کی جان ہر طرح محفوظ ہے، تو وہ جلدی جلدی اپنی صلاحیتوں کو اُجاگر کرے گا اور بڑا ہو کر دُنیا میں کچھ کرنا ہی اپنا اصول بنائیگا — آپ نے برگد کا پیڑ دیکھا ہے۔ برابر کے بیج سے دو درخت اُگتے ہیں۔ ایک میدان میں اور دوسرا پہاڑی پر۔ میدان میں اُگا ہوا درخت دن بدن بڑھتا جاتا ہے ڈالیوں سے لٹکتی ہوئی سُونڈ کی طرح جڑیں بھی مٹی میں گھُس کر خوراک حاصل کرتی ہیں اور درخت کو زیادہ بڑا اور سرسبز بناتی ہیں۔ برخلاف اس کے پہاڑی پر لگا ہوا برگد ڈال سے نکلی ہوئی جڑوں کو پتھریلی زمین ہونے کی وجہ سے زمین میں پیوست نہیں کر سکے گا اور نہ زیادہ بڑا ہوگا نہ زیادہ مضبوط وسرسبز رہے گا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے جبکہ قدرت دونوں کو پیدا کرتی ہے، بیج بھی برابر کے ہوتے ہیں، ہوا اور بارش دونوں کو برابر ملتی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ دونوں کے ماحول میں فرق ہے۔ ایک درخت کے ماحول میں اچھی زمین ہے جڑ پکڑنے اور خوراک حاصل کرنے کی سہولتیں ہیں چنانچہ درخت اپنے کو محفوظ اور آزاد سمجھ کر اپنی صلاحیتیں استعمال کرتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے، دوسرے درخت کو ماحول اچھا نہیں ملا۔ پتھریلی زمین نے اس کی جڑوں کو جمنے نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ اپنے کو کمزور اور غیر محفوظ سمجھتا رہا نتیجتاً وہ زیادہ نہ پھیل سکا اور نہ ہی سرسبز ہو سکا۔

شروع کے پانچ سالوں میں جو بچہ خاص خاص عادتیں سیکھتا ہے اس کا اثر ساری زندگی قائم رہتا ہے اور اسے دوسری طرح یوں کہا جا سکتا ہے کہ بچہ اپنی تعلیم اسکول میں داخلہ سے پہلے ہی پوری کر چکا ہوتا ہے۔ پانچ سال میں ہر قسم کے کیریکٹر کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور آگے چل کر انھیں بنیادوں پر کیریکٹر کی عمارت تعمیر ہوتی ہے — اگر آپ نے بچے میں ایک عمدہ کیریکٹر کی بنیاد ڈال دی تو نہ صرف اپنے اور اپنے بچے کے لئے بہتر کیا بلکہ ملک وقوم پر احسان کیا۔ آپ کا بچہ بڑا ہو کر ملک اور قوم کا زندہ فرد ہوگا۔ اور خود اپنی زندگی بہتر سے بہتر کر سکے گا۔

شروع شروع میں بچے کی ضروریات بہت محدود اور سادی ہوتی ہیں، وہ تین چیزیں چاہتا ہے، گرمی، حفاظت اور خوراک، پیدائش سے پہلے یہ چیزیں اسے ماں کے پیٹ میں بغیر کوشش کے ملتی رہتی ہیں لیکن پیدائش کے بعد اسے ان چیزوں کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔

جدوجہد کو ترک کر دینا مر جانے کے برابر ہے۔ کسی جائز چیز کے حصول کیلئے ایک خاص حد تک جدوجہد خوشی کا باعث بنتی ہے۔ انسان دو طرح سے خوش ہوتا ہے، ایک تو خوش فہمی ہے جس میں وہ خیالات کی دنیا سے تسکین حاصل کرتا ہے اور دوسری خوشی اسے جدوجہد کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان جب جدوجہد کر کے تھک جاتا ہے اور مقصد حاصل نہیں ہوتا تو وہ خیالی دنیا

کی طرف لوٹ آتا ہے اور دوسروں کا دستِ نگر ہو جاتا ہے۔ ایک نوزائیدہ بچہ جدوجہد انسانی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا اس لئے اس کی تعلیم اسی وقت سے شروع ہو سکتی ہے اور اس میں جدوجہد سے حصول کی عادت ڈالی جا سکتی ہے۔ اگر اسے شروع ہی سے چھوڑ دیا گیا تو ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو جائے گا — آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکثر مائیں اپنے بچوں کو چار یا پانچ برس تک اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جو بچہ خود کھا سکتا ہے اسے خود اپنے ہاتھ سے کھانے دیجئے۔

دو چیزیں ہیں جو بچے کے قدرتی وقار اور صحت کو ٹھیس پہنچاتی ہیں ایک تو اسے یکایک اس بات کا احساس ہو جانا کہ وہ محفوظ نہیں ہے اور اس کا کوئی ہمدرد نہیں — دوسرے یہ کہ اچانک کسی آواز سے اس کا ڈر جانا — کچھ بچے بڑے تیز ہوتے ہیں ہر کام میں دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی کچھ بچے ایسے بھی ہوتے ہیں جو سہمے سے رہتے ہیں۔ کیا اس کی وجہ ان کی قدرتی پیدائش یا امیری وغریبی ہے — نفسیاتی جواب نفی میں ہے۔ جو بچے ذرا ذرا سی بات سے ڈرتے ہیں یا ذرا ذرا سی آواز سے سہم جاتے ہیں ان میں یہ عادتیں ڈالی گئی ہیں — ہرگز قدرتی نہیں ہیں۔ ایک کم ہمت ماں اپنی حرکات سے بچے کو کم ہمت بنا دیتی ہے اور ایک باہمت ماں اپنے بچہ کو باہمت و بلند حوصلہ۔ اسی طرح بے صبر آیا بچے کو اپنی حرکتوں سے بے صبر بنا دیتی ہے — اچانک زور زور کی آوازیں تو اس میں شک نہیں کہ بُری ہیں لیکن عام طور پر بچوں میں ایسی عادت ڈالنی چاہئے کہ وہ روزمرّہ کی بول چال، چلنے پھرنے کی آواز یا ریڈیو کی آواز سے خوف نہ کھائیں اور آرام سے سوتے رہیں۔ جو بچے ذرا سی آواز پر جاگ اُٹھتے ہیں وہ غلط تربیت کا نتیجہ ہیں۔ آپ نے اکثر ماؤں کو دیکھا ہو گا کہ جہاں کسی کو بولتے یا آتے جاتے دیکھا فوراً کہہ دیتی ہیں "ہش، چپ رہو بچہ جاگ اُٹھے گا" بچے کو جس ماحول میں زندگی گزارنی ہے اس ماحول سے اُسے آشنا ہونے دیجئے۔ جو بچہ اپنی کم عمر میں بولنے کی آواز سے جاگ اُٹھتا ہے یا ذرا سی کھٹ پٹ سے سہم جاتا ہے وہ بڑا ہو کر زندگی کی جدوجہد میں ناکام رہ جاتا ہے۔

اچھی باتوں کی عادت شروع ہی سے ڈالنا بڑی اہم چیز ہے آگے چل کر یہ عادتیں بہت سا وقت بچا دیتی ہیں اور آدمی کو با اصول بنا دیتی ہیں۔ جس شخص کو باقاعدگی سے ہر کام کرنے کی عادت بچپن سے نہ ڈالی گئی ہو تو وہ فیصلہ کرنے ہی میں کافی وقت ضائع کر دیتا ہے۔ پھر زندگی بے اصول سی بن کر رہ جاتی ہے۔

بچے کو شروع ہی سے خود وقت پر سو جانے کی عادت پڑ جانی چاہئے یہ آزادی کے احساس کی دلیل ہے۔ کھانا کھانے، سونے اور کھیلنے کی عادت کا تعلق بھی بچے کی ذات سے ہے اور یہ عادتیں مقررہ وقت پر جلد از جلد اسمیں آجانی چاہئیں۔ بچہ کا مجوزہ وقت ہر کام کے لئے بہتر ہے۔ لیکن ماں تھوڑا بہت دخل اپنی سہولت کے مطابق دے سکتی ہے۔ آپ چند روز تک اگر بچے کی حرکتوں پر نظر رکھیں تو آپ کو کم و بیش اس بات کا اندازہ ہونے لگے گا کہ بچہ کس وقت کس کام کو پسند کرتا ہے۔ کتنا کھانا چاہتا ہے اور کتنا سونا۔ سب سے ضروری بات ... اس ضمن میں یہ ہے کہ ان عادتوں کو بچے میں ڈالتے وقت کتابی باتوں پر ہرگز عمل نہ کیجئے۔ آپ کے بچے نے کتابیں نہیں پڑھی ہیں اور وہ ان پر عمل کرنے پر ہرگز تیار نہ ہوگا۔ ممکن ہے کتاب کہتی ہو کہ بچہ کو تین تین گھنٹہ بعد دودھ ملنا چاہئے لیکن بچہ چار چار یا دو دو گھنٹہ سے دودھ پینا چاہتا ہو۔ ہر ایک کی خواہش الگ الگ ہوتی ہے۔ ممکن ہے خواہش کے بغیر بچے کو دودھ دینا اس کے معدے کے فعل کو خراب کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ باتیں بچے کے مشورہ سے طے ہوتی بہتر ہیں۔ اکثر بچے رونے کے عادی ہو جاتے ہیں اور ناسمجھ مائیں انھیں چپ کرنے کے لئے فوراً دودھ دیتی ہیں یا پھر رونے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں، یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ بچہ ہمیشہ دودھ ہی کے لئے نہیں روتا۔ اس کی اور بھی خواہشات ہوتی ہیں، دیکھئے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ممکن ہو تو ضرور پوری کیجئے اور نہ ہو سکے تو اُسے دوسری طرح بہلایئے مگر روتا مت چھوڑیئے۔ بڑا بچہ ہے تو اسے سمجھایا بھی جا سکتا ہے لیکن روتا ہی چھوڑ دینا بہتر نہیں۔ اس لئے کہ بچہ میں یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ بے سہارا ہے۔

بعض لوگ بچوں پر نئی نئی عادتیں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ کسی عادت کو ڈالنے سے پہلے یہ ضرور دیکھئے کہ بچہ اس کا متحمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ڈاکٹروں اور ماہرین نفسیات کی رائے ہے کہ ماں کا دودھ بچے کے لئے بہت ضروری ہے، بچے کے لئے اس قدرتی خوراک سے بہتر کوئی خوراک نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے پہل بچہ ماں کی چھاتی سے دودھ پینے پر راضی نہ ہو لیکن اس کے معنی یہ ہرگز نہیں کہ وہ دودھ نہ پی سکے گا۔ ایسے وقت پر ماں کو چاہئے کہ صبر سے کام لے اور خود آرام سے بیٹھ کر بچے کو آرام سے بٹھائے یا لٹائے، جس میں بچہ خود کو محفوظ اور آزاد محسوس کرے پھر دیکھئے وہ کس طرح خود دودھ پینے کی جگہ تلاش کر لیتا ہے۔ بچے کو ماں کی چھاتی سے دودھ حاصل کرنے میں جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور یہ عادت آگے چل کر فائدہ پہنچاتی ہے اپنے پیروں پر جلد کھڑا ہونا سکھلاتی ہے اور پھر جدوجہد قانونِ قدرت کا ایک اہم فریضہ ہے۔ بچے کو دودھ حاصل کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ اس میں مستقل مزاجی کی عادت ڈالتی ہیں۔ ڈاکٹروں اور ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ بچہ چھاتی سے دودھ پی کر اپنے منہ کی حرکت سے (باقی صفحہ ۸ پر)

علامہ اقبال جدید شاعری کے نمائندہ

• انور پانی پتی
وزیر گنج ۸۰۵۱۳۱، گیا، بہار

*

علامہ اقبال کو شاعرِ مشرق، حکیم الامّت، روم و تبریز اور ملت اسلامیہ کا مرت دیدہ ور رہنما کہنا، ناانصافی ہے کیونکہ اس طرح سے علاّمہ کو ایک حلقہ، فرقہ، طبقہ، علاقہ اور عقیدہ کا فنکار مخصوص کر دیا جاتا ہے علامہ اقبال کی شاعری کا مسلک، فلسفۂ حیات و کائنات آفاقی اور جاودانی ہے بقول رابندر ناتھ ٹیگور "اقبال کی شاعری عالمگیر آفاقی شہرت کی حامل ہے"۔ کسی فن کار کی یہ بات دل کو لگتی نظر آتی ہے کہ اُردو کے تین فن کار ہوئے ہیں۔ سوز و گداز میر تقی میر کے یہاں، فلسفہ اسداللہ خاں غالب کے یہاں، اور سوز و گداز و فلسفہ کا مجموعہ علامہ اقبال کی شاعری میں ملتا ہے۔

شیخ عبدالقادر "بانگِ درا" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ـــ

"اگر میں تناسخ کا قائل ہوتا تو ضرور کہتا کہ مرزا اسداللہ خاں غالب کو اُردو و فارسی شاعری سے جو والہانہ عشق تھا اس نے اُن کی روح کو عدم میں بھی چین نہ لینے دیا۔ اور مجبور کیا کہ وہ پھر جسدِ خاکی میں جلوہ افروز ہو کر شاعری کے چمن کی آبیاری کرے، چنانچہ انھوں نے پنجاب کے ایک گوشے سیالکوٹ میں جنم لیا اقبال نام پایا۔"

جدید اُردو شاعری کا آغاز ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد سے رونما ہوا۔ مولانا حالی پانی پتی، مولانا شبلی نعمانی، آزاد اور ان کے ہمعصروں کو اُردو زبان کی بے بضاعتی کا احساس ہوا۔ لیکن مولانا حالی، مولانا شبلی، آزاد اور ان کے ہمعصروں نے اصلاحی، قومی، ملی اور وطنی شاعری کو اپنا مسلک اور نصب العین قرار دے دیا۔ مولانا حالی و شبلی نعمانی کے یہاں جو شعری ہنگ وکٹورین اصلاح پسندی کی راہ سے آیا تھا وہ علامہ کے دور تک پہنچتے پہنچتے رومانی، سرمستی اور انانیت کی سرخوشی سے ہو کر گذر چکا تھا۔ علامہ کی شاعری کی ابتدا ۱۸۹۸ء سے ہوئی۔ علامہ کی دُوربین نظروں نے دیکھ لیا کہ یہ صدی تغیّر و انقلاب کی صدی ہے، بقول مولانا ابوالکلام آزاد "جدید ہندوستان اُردو کا ان سے بڑا شاعر پیدا نہ کر سکے گا، ان کی شاعری جدید فارسی ادب میں ایک خاص مقام رکھتی ہے۔"

مشرق و مغرب کا وہ بلند پایہ عظیم المرتبت فن کار جس کی شہرت سے مشرق و مغرب گونج رہا ہے، جس کے فلسفۂ حیات و کائنات، شخصیت، شاعرانہ کمالات کے ہر پہلو پر توضیح و تشریح اختصار سے بھی کی جائے تو صفحے کے صفحے بھی ناکافی ہوں گے، یہ مختصر مطالعہ علامہ کی شاعری پر کوئی تفصیلی مقالہ نہیں بلکہ اس سے بنیادی اُصول، مسائل اور حقائق جس سے علامہ اقبال جدید شاعری کے نمائندہ اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ واضح ہو جاتے ہیں۔ انیسویں صدی میں فن کاروں نے اپنے اپنے فن پاروں کو شخصی اور صنعتی دائروں سے نکال کر زندگی کے وسیع میدان اور زندگی کے حقائق سے آشنا ہی نہیں بلکہ قریب تر کر دیا۔ اس وقت علامہ کے شاعرانہ اجتہادِ سفرِ عالمِ انسانیت کے تیسرے دور کا سُراغ ملتا ہے علامہ نے اپنے فن پاروں کے ذریعہ بنی نوعِ انسان کو روحانی انقلاب، مسلسل مربوط نظامِ فکر، خیالات و افکار میں اخلاص، یقینِ پختہ، جوش، ربط و ضبط، متعین رجحان یک جہتی اور باہمی رشتے کے علاوہ شاعری اور زندگی کو لازم و ملزوم قرار دیدیا۔ علامہ کے فن پارو میں زندگی کا بلند تصور، بلند خیال، بلند حصول و جذبہ، بلند پند و نصائح، ذوقِ یقینِ محکم، دقیق فلسفیانہ مسائل کا گراں قدر سرمایہ ملتا ہے۔

علامہ نے اپنے فن پاروں کے پیکر میں ذہن و وجدان سے نئے مفاہیم، تراکیب میں ندرت، اضافتوں میں لطافت، غنائیت، وجدانیت، گہرائی، گیرائی، سوز و ساز، دل کی دھڑکن، سماجی زندگی کے حالات کی ترجمانی، صبح نو کا مژدہ، تعبیر و تعمیر کا حوصلہ، انفرادی، ذاتی، جذباتی کشمکش کے علاوہ اجتماعی کار فرمائی کی رُوح پھونک دی۔ علامہ کا انداز، رنگ و آہنگ، باوقار لہجہ، خیال کی پختگی، وقت کے تجربات، دلی جذبات کی آگہی اسلوب، حسن و ادا، رمز و ایما کی پُرانی علامتوں اور تلمیحوں میں بصیرت کی چمک، اسلوبیاتی تازہ کاری، معنیاتی نادرہ کاری، لہجہ کی انفرادیت،

پیرایۂ اظہار کی لطافت نے علامات اور شعری روایات کے مفاہیم کو بدل دیا ہے ساتھ ہی ساتھ علامہ کے فن پاروں سے عالمی اُخوت، ہمہ گیر تعلق، احساس، ادراک، تموج، تخلیقی تجسّس اور تحرک کے علاوہ ذات کو آفاق اور آفاق کو ذات سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ادب کا قلم زندگی کی حرکت کے ساتھ ساتھ آشنا چاہئے۔ جو ادب حرکت کا ساتھ نہیں دیتا ہے وہ مِٹ جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر تاثیر مرحوم:

"اقبال کی شاعری ہنگامی نہیں وہ وقت کے ساتھ وابستہ ہے اسی کے ساتھ چلتی ہے وہ آج زندہ ہے اور کل بھی زندہ رہے گی" ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اور بقول کانگریس کے سابق صدر سُبھاش چندر بوس:

"اقبال صفِ اول کے شاعر اور نقاد ہونے کے علاوہ ایک منفرد کردار اور آواز کے مالک تھے۔"

علامہ کو قدرت کی طرف سے خدا شناسی، انسان دوستی، حُب الوطنی ودیعت کی گئی تھی وہ مزاج داں، جذبات آشنا، نیکی، ہمدردی اور شرافت جیسی خصوصیات سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ جس کا رنگ و رُوپ علامہ کے فن پاروں سے ہویدا ہے ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں!
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

علامہ کے فن پاروں میں شاہین، خودی، کوہکن، پرویزی، کلیمی، عصا، فرعون، ید بیضا، کفر و ایمان کا شاعرانہ تصور نئی معنویت اور کلیدی خصوصیت کے حامل ہیں ؎

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہے تو کیا
طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

؎ رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد!

؎ رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا!

بقول ایم۔ ایس آگوانی سابق رکٹر جواہر لال نہرو یونیورسٹی:

"اقبال کے خیالات کا ایک گہرا تجزیہ کئے جانے کی ضرورت ہے" مگر

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

●●

بقیہ "آپ کا بچہ قوم کی امانت ہے"

چہرے کی بناوٹ اچھی بنالیتا ہے۔ ماں کا دودھ بہترین غذا ہے۔ آپ کا بچہ قوم کی امانت ہے اور اس امانت کی حفاظت آپ کا فرض ہے۔

**

قارئین کیلئے ضروری اعلان

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند کرتے ہیں اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اگر اس سلسلہ میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتہ پر روانہ فرمائیے:

مدیر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، ممبئی ۴۰۰۰۳۲

• پروفیسر م-خ- شاذلی
شری شیواجی کالج - قندھار

اُردو میں عالمی مذاہب

دراصل ہندوستان اور عرب کے تعلقات دوسری صدی ہجری سے ہی شروع ہوچکے تھے۔ مُسلمان حکمرانوں، صوفیائے کرام اور تجار کی مُسلسل آمد نے ہندوستان میں ایک مُشترکہ تہذیب کی بُنیاد ڈالی اور اسی مُشترکہ تہذیب کے نتیجہ میں اُردو جیسی مقبولِ عام زبان کا جنم ہوا۔ اور ہندوستان کے ہر مذہب، فرقہ اور تحریک نے اُردو کو ہندوستان کی واحد زبان کی حیثیت میں استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو ادب گوناگوں رنگینیوں کا ایک گُلدستہ ہے۔ اس زبان نے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب اور فرقہ‌جات کی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔

اُردو میں ہندو مذہب پر سب سے اچھی کتاب پنڈت منوہر لال زُتشی برصاحب' ہے۔ اس کے علاوہ ویدوں کے بھی متعدد ترجمے ہوئے ہیں۔ ین "رگ وید" کا ترجمہ' الکھ پرکاش' کے نام سے ملتا ہے جس کی منشی کنہیالال نے "صحیفۂ شریفہ الکھ پرکاش" لکھی ہے۔ ۵۲ دوں کا ترجمہ داراشکوہ نے "سرِّ اکبر" کے نام سے کیا ہے۔ نمونۂ تحریر ہو:

"اے منتری! یعنی محبّت کے دیوتا..... اے برہما! پیدا کرنے والے خلق کے، اے وشنو! پالنے والے عالم کے، تم کو نمسکار ہے۔ ور جو کچھ میں بیان کرتا ہوں اس کا پھل مجھے اور میرے گرُو اور سُننے اور پڑھنے اور لکھنے اور سوچنے والوں کو بخشو۔"

یدوں کے تعلق سے دوسری مشہور کتاب دیانند سرسوتی کی "رگ ں بھاشا بھومیکا" کا ترجمہ منشی رام جگنیا سولنے ۱۸۹۸ء میں کیا۔ ں لکھی یجروید کی تفسیر کا ترجمہ دھرم پال نے اُردو میں کیا۔ منشی سورج ں مہر دہلوی نے اپنیشد کا ترجمہ پانچ جلدوں میں کیا۔ بابو پیارے لال ہ اپنیشدوں کا ترجمہ "مجموعۂ اپنیشد" کے نام سے ۱۹۰۰ء میں علیگڑھ ع کرایا۔ اپنیشد کے پہلے آٹھ منتروں کا ترجمہ بھاگ مل ساہنی نے راحت" کے نام سے کیا۔ جس کا دیباچہ نواب سرامین جنگ نے ہے۔ بارہ نگینہ سنگھ بیدی نے "چھاندرک" اپنیشد کا ترجمہ ۔ رالمکاشفہ" کے نام سے کیا ہے۔

فلسفۂ ویدانت پر اُردو میں لاتعداد کتب دستیاب ہیں۔ مثلاً "ویدانت فلاسفی" از بابو شیوبرت لال، سوامی دیویکانندؔ کی تصنیف 'بھکتی اور ویدانت' کا شانتی نارائن کا کیا ہوا اُردو ترجمہ' درّۃ التاج عرفان' کے نام سے 'دویک چوڑامنی' کا منشی سورج نارائن مہر دہلوی کا ترجمہ' وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۰۶ء میں منشی سورج نارائن مہر کے مضامین کا مجموعہ 'ویدانت کے رتن' کے نام سے شائع ہوا۔ جو ان کے رسالہ "سادھو" میں شائع ہوتے رہے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے سوامی نسچل داس کی کتاب کا ترجمہ مع تشریحات "اُردو وچار ساگر" کے نام سے کیا۔ منشی جی نے ۱۹۱۰ء میں سوامی دیویکانند کی تقاریر کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں انھوں نے ودیارتنیہ سوامی کی تصنیف "جیون مکتی" کا ترجمہ کیا۔ ۱۹۱۷ء میں ودیارتنیہ سوامی کی مشہور کتاب کو "اُردو پنچ دشی" کے نام سے اُردو میں منتقل کیا۔ ۱۹۲۷ء میں منشی جی نے "چہل درویش" کے نام سے علمی کہانیوں کا مجموعہ شائع کیا۔ "ویدانت" کے نام سے ایک کتاب رام موہن رشی کیش کی لکھی ہوئی دستیاب ہے لیکن عام فہم نہیں ہے۔ فلسفۂ یوگ کا یہ متعدد کتابیں اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ جن میں "یوگ ساگر" یوگ سار اُردو، اشٹانگ یوگ، گیان یوگ، یوگ درشن، راج یوگ وغیرہ منشی سورج نارائن مہر دہلوی کی لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

"الکھ امواج" کنہیالال الکھ دھاری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس میں راجہ دشرتھ کے وزیر پروہت وششٹ نے رام چندر جی کو پند نصائح کی تھیں درج ہیں۔ بھکتی کے موضوع پر "دویک مالا"، "بھکتی رمیّہ" وغیرہ شانتی نارائن

کے ترجمے ہیں، جو سوامی دیویکا نند کی تصانیف ہیں۔ شیو برت لال نے "نابھکت مال" میں بھکتوں کے دلچسپ حالات بیان کئے ہیں۔ جس میں شیو برت لال کے رسالے "سنت سماگم" کے مضامین بھی شامل ہیں۔ "نابھکت مال" دراصل ایک نہایت قدیم مصنف نابھاجی کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔ جس کے متعدد ترجمے لالہ تلسی رام اگروال اور منشی تلسی رام نے ۱۸۸۰ء میں اُردو میں کئے ہیں۔

گیتا کے قدیم ترین نسخہ "بھگوت گیتا" کا ترجمہ مسلمانوں نے بھی کیا ہے خواجہ دل محمد کی "دل کی گیتا" اور ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا منظوم ترجمہ مشہور ہیں۔ گیتا کا سب سے پہلا ترجمہ اُردو میں منشی کنہیا لال عرف الکھ دھاری نے "گیان پرکاش" کے نام سے ۱۸۶۳ء میں کیا۔ ۱۸۸۴ء میں منشی شیام سندر لال نے ۴۱۲ صفحات پر مشتمل ترجمہ کیا ہے۔ ۱۹۱۳ء کا منشی دیبی پرشاد کا ترجمہ اور پنڈت جانکی ناتھ مدنی دہلوی کا ترجمہ "فلسفۂ الوہیت" بے حد مشہور ہیں۔ منشی جگناتھ پرشاد عارف نے گیتا کا ترجمہ "سرچشمۂ عرفان" کے نام سے کیا۔ شانتی نارائن نے ۱۹۲۵ء میں بال گنگادھر تلک کی 'گیتا رہسیہ' کا ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ چودھری روشن لال ایم۔اے کے مضامین کے مجموعے "گیان پرکاش" "گیتا گیان عرف رُوحِ معرفت" اور 'نورِ ہدایت' شائع ہوئے ہیں۔ جو رسالہ "دیش بھکت" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ پنڈت دینا ناتھ مدن کا منظوم ترجمہ "مخزنِ اسرار" اور پنڈت جانکی ناتھ کا 'فلسفۂ الوہیت' مشہور ہیں۔ اشعار اس انداز کے ہیں ؎

جس نے مجھ سے دل لگایا ایسے طالب کو سدا
شغل میں جیسا نظر آتا ہے جلوہ ذات کا
اس کو بالتشریح سن، ارجن یہ ہے علمِ صفات
اس کے محرم کو میسّر ہے علائق سے نجات

پربھو دیال مسرا عاشق کا ترجمہ بعنوان "غذائے رُوح" اور منشی بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی کا ترجمہ "نسیمِ عرفان" مشہور ہیں۔ نمونہ ملاحظہ فرمایئے ؎

خواہشیں دل سے ہٹا کر جو ہوا خود آشنا
عارفِ کامل جہاں میں اس کو کہنا ہے رَوا
بھگوان ہیں محوِ خوش بیانی ؎ فرماتے ہیں آپ گل فشانی
اے پارتھ دل اپنا مجھ کو دیکر ؎ زیرِ دامن پناہ لے کر
شغلِ پیہم سے یوگ کے پاک
تم جیسا کروگے مجھ کو ادراک

منشی سورج نارائن مہر دہلوی نے 'فلسفۂ گیتا' میں 'گیتا' میں بیان کردہ فلسفہ سے بحث کی ہے۔

رامائن کے سب سے پہلے ترجمہ کا ذکر گارساں دی تاسی نے کیا ہے۔ پرمیشور دیال نے "رامائن والمیکی اُردو بھاشا ساتواں کانڈ" ۱۹۱۵ء میں شائع کیا۔ دوارکا پرشاد اُفق کا ترجمہ "مکمل رامائن والمیکی" بہت مشہور ہے۔ منشی شنکر دیال فرحت نے ۱۸۸۶ء میں رامائن کا منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ بانکے بہاری لال بہار کا ترجمہ "رامائن بہار"، منشی سورج نارائن مہر دہلوی کا ترجمہ "رامائن مہر"، منشی جگناتھ خوشتر کا "رامائن خوشتر" وغیرہ مشہور ترجمے ہیں۔

پران، ہندو مذہب میں ویدوں کے بعد اہم کتابیں ہیں۔ جن کی تعداد ۱۸ بتائی جاتی ہے۔ منشی منوہر سُروپ کا ترجمہ "کلکی پران" (۱۸۹۷ء) اور پنڈت ہردیال شرما کا ترجمہ "کلکی پران" نہایت صاف اُردو میں ہیں۔ پنڈت امرناتھ مدن ساحر کا ترجمہ "وشنو پران" ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔ 'وشنو پران' کے باب دوم سے باب ششم تک کا ترجمہ "فسانۂ توحید" کے نام سے شائع ہوا منشی شنکر دیال فرحت نے پران کا منظوم ترجمہ "گنیش پران" کے نام سے کیا۔ نمونہ ملاحظہ فرمایئے ؎

جب چھپ گیا وشنو پرانِ اُردو ؎ مطبوع ہوئی زبانِ اُردو
نسخے کئے جب یہ میں نے تحریر ؎ مطبع میں چھپے وہ بالتصویر
اک دوست نے کیا اشارہ ؎ کیوں بحرِ سخن سے ہے کنارہ
منظوم گنیش کی کتھا کر ؎ حاصل ابھی نقدِ مدعا کر

مہابھارت کے تین مشہور ترجمے دستیاب ہیں۔ جیسے بابو جوالا پرشاد بھارگو کا ترجمہ "مخزن مہابھارت"، منشی شری رام کالستھ ماتھر کا "سری رام کرت مہابھارت" (۱۸۹۵ء) اور منشی طوطا رام شایاں کا منظوم ترجمہ وغیرہ شایاں کی نظم "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع ہوتی ہے۔

'منوسمرتی' ہندو مذہب کا مستند دھرم شاستر ہے۔ یہ تصنیف پانچویں صدی عیسوی کی بتائی جاتی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں سوامی دیال نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ "جگت سمرتی" کے نام سے ایک اُردو ترجمہ دستیاب ہے۔ لیکن زبان نہایت مولویانہ ہے۔

"جو اشلوک کسی خاص فرقہ کے متعلق تھے وہ بلحاظ رفع خصوصیت اس انتخاب میں داخل و شامل نہیں کئے گئے، تاکہ تمام کافہ اعظم اہلِ ہنود کے جمیع فرقے اور ہر ایک شعبہ و شاخ پیروانِ مذہب ہنود کے ممبر اس دریائے فیض سے یکساں فیض یاب ہو سکیں۔"

* واسطے حصولِ معاش کے دروغ گوئی و شیریں زبانی و مضحکہ اختیار نہ کرے۔ دروغ و فریب والی معاش کو ترک کر کے برہمنوں کی نیک معاش سے اپنی بسر اوقات کرے۔"

ان کے علاوہ کرپا رام شرما اور ماسٹر آتما رام کے ترجمے مشہور ہوئے۔

ہندو مذہب کے فلسفہ پہ "ششٹ درشن" کے نام سے چھ مستند کتب

ہیں۔ سوامی درشنا آنند کا ترجمہ "نیائے درشن" سوال وجواب کے پیرائے میں ہے۔

ان تراجم کے علاوہ ہندو مذہب کی متفرق کتب اُردو میں شائع ہوئی ہیں۔ جیسے "شری مد بھاگوت"، "ٹیکا شری مد بھاگوت"، "وشنو اسکندھ"، "بھگوتی اتہاس"، "وشنو سہسر نام سٹیک"، "وید ستہ، گیتا مہاتم"، "شری دگنیان کرشنائن"، "پورن دھرم"، "پوتھی گیان پرکاش"، "مہاراجہ شری کرشن اور ان کی تعلیم" وغیرہ۔ جیسی کتب نہایت صاف، سادہ اور با محاورہ اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ البتہ عنوانات سنسکرت ہی رکھے گئے ہیں پنڈت نرمل چندر کی تصنیف "پورن دھرم" کی عبارت اس طرح ہے:

> "جگیاسو نے مان لیا ہے کہ وہ خود جسم، طاقت یا خیال نہیں بلکہ آتما ہے۔ اس کا اپنا آپ عین ہستی، عین علم اور عین سرور ہے اس کا ہونا ہی اور کچھ ہونے کی شرط ہے۔ اور اس کا جاننا ہی سب کچھ جاننے کی شرط ہے۔"

اسی طرح اُردو میں سیکڑوں اخلاقی کتب ہیں، جو مذہبی کہانیوں اور تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ جیسے بابو جگ سنس رائے کی "بھرتری شتک" یا بابو راجیشور ناتھ زیبا کی "بھرتری ہری شتک" وغیرہ۔ ان کے علاوہ گلدستۂ تہذیب، طلسم اخلاق، معدن اخلاق، سادھو کی صدا، گلدستۂ ہدایت، اخلاق برج باشی، مثنوی اخلاق ہندی وغیرہ۔ اس مثنوی کی ابتدا بھی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے کی گئی ہے۔ شاعری کا انداز ملاحظہ فرمایئے ؎

بنامِ خداوندِ ملکِ جہاں ۔۔۔ خبرگیرِ احوال خورد و کلاں

"گلدستۂ مسرت"، "ذخیرۂ سعادت"، "گیان گیتا" المعروف بہ راہِ نجات، سادھارن دھرم وغیرہ مشہور کتب ہیں۔

کبیر پنتھی کے تعلق سے سب سے عظیم اور مستند تصنیف پنڈت منوہر لال زتشی کی تصنیف "کبیر صاحب" ہے۔ جس میں سنت کبیر داس کی سوانح حیات کے علاوہ اس فرقہ کی مکمل تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔ "برہمو سماج" راجہ رام موہن رائے نے ۲۳ جنوری ۱۸۳۰ء کو قائم کیا۔ اس فرقہ کا اصل مقصد ہندو مذہب کی اصلاح تھا۔ رام موہن رائے کی برسٹل میں وفات کے بعد دیوندر ناتھ ٹیگور نے اسی تحریک کو آگے بڑھایا۔ اسی تحریک کو بعد میں کیشب چندر سین نے علیحدہ نام سے چلایا، پھر اس میں چند تبدیلیوں کے بعد آنند موہن داس اس کے صدر ہوئے۔ اس تحریک کی مشہور اُردو تصانیف "بنیاد الایمان" مصنفہ ستیا آنند اگنی ہوتری، "کتاب طریقت"، "کلمات الدین"، "مراۃ الدین"، "ہندو دھرم کی پرتشٹھا"، "میری زندگی کا مشن" وغیرہ بے حد مشہور ہیں۔

اسی طرح سوامی دیانند سرسوتی نے ۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں آریہ سماج کی بنیاد ڈالی۔ آریہ سماج کے اغراض و مقاصد وغیرہ "ستیارتھ پرکاش" کے مستند اُردو ترجمے بھی دستیاب ہیں۔ یہ سوامی دیانند سرسوتی کی تصنیف ہے۔ اس کا پہلا ترجمہ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔ یہ ترجمہ ماسٹر آتما رام، پنڈت رمل جی، بابو نہال سنگھ اور پنڈت چموپتی رائے نے مل کر کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ رادھا کشن مہتہ نے ۱۹۰۵ء میں کیا، جس کے چھ ایڈیشن چھپے۔ لالہ جیون داس نے ۱۸۹۸ء میں حصہ اول کا ترجمہ کیا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں دھرم پال بی۔ اے نے لاہور سے اس کا ایک ترجمہ شائع کیا۔ سوامی دیانند سرسوتی کی دوسری کتاب "رگ وید آدی بھاشیہ بھومیکا" کا ترجمہ منشی رام جگیاسو نے ۱۸۹۸ء میں کیا ہے۔ دھرم پال بی۔ اے نے اس تصنیف کی شرح اُردو میں لکھی۔ مہاتما منشی رام جی، جن کو سوامی شردھا آنند بھی کہا جاتا ہے اور پروفیسر تارا چند نے "سنسکار دیپکا" کا ترجمہ "سنسکار ودھی" کے نام سے کیا ہے۔ مہاشے گوردھن جی کی تصنیف "قدامت وید" جدید سائنسی دور میں الہامیات کو سمجھانے کی اچھی کوشش ہے۔ منشی جے دیال سنگھ کی تصنیف "آئینۂ مذہب ہنود" ۱۸۸۷ء میں پانچ بار شائع ہوئی۔ ان کے علاوہ "صداقتِ وید دھرم"، "سندھیا"، "سورج کی روشنی میں سات رنگ"، "وحشتِ ہند"، "گیان بھاسکر"، "کلیاتِ آریہ مسافر"، "آریہ دھرم"، "آریہ جنون"، "گرہستہ دھرم اُپدیش"، "جواہر الصدق" وغیرہ اور سوامی دیانند سرسوتی کی سوانح حیات کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ اس طرح آریہ سماج کی اُردو میں ۵۶ کتب دستیاب ہیں۔

میڈم بلاوٹسکی اور کرنل اولکاٹ نے ۱۷ نومبر ۱۸۷۵ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کی۔ ۱۸۸۲ء میں یہ تحریک ہندوستان پہنچی۔ کرنل اولکاٹ کے بعد مسز اینی بسنٹ اس کی صدر منتخب ہوئیں۔ اس سوسائٹی کے تین خاص اصول تھے۔ بلا لحاظ مذہب و ملت، رنگ و نسل انسانی برادری کا ایک مرکز قائم کرنا، مذہب، فلسفہ اور سائنس کا تقابلی مطالعہ، انسان کی غیر مرئی طاقتوں کی تحقیق کرنا، سوسائٹی کی مشہور اُردو کتب مندرجہ ذیل دستیاب ہیں:

"تھیوسوفی کیا ہے؟" مصنفہ اینی بسنٹ، "دنیا و عقبیٰ" مسز اینی بسنٹ کے لیکچرس کا ترجمہ، مس ایجگر کی کتاب 'ELEMENTS of THEOSOPHY' کا ترجمہ از منشی راجیشور پرشاد "اصول تھیوسوفی" مشہور ہیں۔

۱۸۶۱ء میں ایک بزرگ شیو دیال نے آگرہ میں رادھا سوامی مت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۱۴ء میں انھی کی یاد میں آگرہ میں "دیال باغ" قائم کیا گیا۔ اسی میں شیو دیال جی کی سمادھی بھی ہے۔ اس تحریک کی مشہور اُردو کتاب ۱۸۹۵ء میں "ستہ مت کیٹکزم" شائع ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں رادھا سوامی مت نند سنگھ حیدرآبادی نے تالیف کی۔ ایک مشہور کتاب "نہا نتہ پرکاش" مصنفہ صاحب جی مہاراج آنند سروپ، ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی۔

اس کے علاوہ رادھاسوامی مت سندیش، بھی مشہور ہے۔

پنڈت شیونارائن اگنی ہوتری عرف ستیانند جی نے برہموسماج سے علیحدہ ہوکر ۱۸۸۷ء میں دیوسماج کے نام سے ایک تحریک شروع کی۔ زیادہ تر طالب علمی سے ہی انھوں نے مورتی پوجا ترک کر دی تھی۔ دیوسماج کی زیادہ تر کتب ستیانند جی کی لکھی ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ "دیوشاستر" مصنفہ بانی دیودھرم وغیرہ مشہور ہیں۔ برہموسماج کی بھی بعض کتب ستیانند جی کی لکھی ہوئی ہیں۔

جین مذہب کی تفصیلات سے آپ واقف ہیں۔ اس مذہب کی تبلیغ کے لئے تقریباً ۲۶ مستند کتب اردو میں ملتی ہیں۔ جن میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں: جین مت سار — از سمیر چند جین

سناتن جین درشن پرکاش — از سوہنی لال جین (۱۹۰۲ء)

جین کرم فلاسفی — از بابو رکھشب داس جین (۱۹۲۴ء)

جین رتن مالا — از لالہ کیوڑا مل جی (۱۹۰۳ء)

لطف روحانی — از ماسٹر بشمبر داس

آئینۂ ہمدردی — از پارس داس

رازِ حقیقت — از سوامی درگا داس جی

حسنِ ازل — از پنڈت گیانیشور پرشاد مائل دہلوی

سکھوں کی مقدس کتاب "گرنتھ صاحب" کا اردو ترجمہ مکمل موجود نہیں ہے۔ اس گرنتھ کی تدوین گرو ارجن سنگھ سے منسوب کی جاتی ہے۔ گروگوبند سنگھ جی نے جن کی سمادھی ناندیڑ میں ہے۔ اس گرنتھ میں مزید اضافے کئے۔ گرنتھ صاحب کے بعض اہم حصوں کے اردو میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ منشی برج لال نے "سری آدگرنتھ" کے نام سے ایک حصہ کا ترجمہ کیا ہے۔ سردار عطر سنگھ کی "عطر روحانی" کے علاوہ "جپ برمارتھ" اور "جپ جی صاحب" مشہور منظوم ترجمے ہیں جو کسی مشرقی نامی شاعر کی تخلیق ہیں۔ بعض میں نعت گرونانک جی بھی شامل ہے ؎

پس از حمد دارائے لوح و قلم ٭ کرائے مشرقی نعت نانک رقم
ضلالت پہ جب سب نے باندھی کمر ٭ لگے پوجنے لوگ شمس و قمر
کیا ترک جب دھرم سنسار نے ٭ تو نانک کو بھیجا نرنکار نے
امام الرسل قدوۃ الانبیاء ٭ شفیع الامم زبدۃ الاصفیاء

ان کے علاوہ 'پوتھی پنج گرنتھ'، 'پوتھی سکھ منی صاحب'، 'آسا دی وار'، 'جنم ساکھی' از بھائی بالاوالی، ترجمہ دیارام عاقت۔ 'گرو نانک درشن' از پنڈی داس قمر مشہور ہیں۔ تقریباً ۲۵ سے زائد کتب سکھ مذہب پہ اردو میں دستیاب ہیں۔

عیسائی مذہب پہ پہلی اردو کتاب "صلوۃ الجماعت کی کتاب" کے نام سے ملتی ہے۔ جو ۱۸۲۸ء میں شائع ہوئی۔ غیر اسلامی مذاہب میں سب سے زیادہ اردو کتب عیسائی مذہب پہ ملتی ہیں۔ اٹھارویں صدی ہی سے انجیل اور توریت کے ترجمے اردو میں ہونے لگے تھے۔ جن کی فہرست گریرسن نے اپنی کتاب میں دی ہے۔ مثلاً بنجامن شولسنر کی کتاب کا ترجمہ ۱۷۴۵ء میں کیا گیا ۱۷۴۸ء میں کتاب دانیال' ۱۷۴۹ء میں کتاب لوقا کے ترجمے ہوئے۔ اور مرزا محمد فرحت نے ۱۸۰۵ء میں 'نئے عہدنامے' کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۱۴ء میں ریورنڈ مارٹن نے انجیل کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا۔ 'کتاب المقدس' اور 'کتاب مقدس' کے علاوہ ریورنڈ ٹی۔ ہورن لے نے ایک جرمن کتاب کا ترجمہ اردو میں "مقدس کتاب کا احوال" کے نام سے ۱۸۵۹ء میں کیا۔ "زبور کی کتاب" ایک عربی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ اس طرح صرف انجیل کے ۲۰ ترجمے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض تفاسیر بھی ملتی ہیں۔ جیسے مزامیر با شرح و تفسیر از پادری یوسف آدن، 'منتہی الافکار' از رابرٹ کلارک اور مولوی عماد الدین لاہز وغیرہ۔ اس طرح (۲۰) تفاسیر دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیت پہ ۴۰ کتب ملتی ہیں۔ جن میں کتاب 'طریق الحیات'، 'سحرگاہ در انگلستان'، 'آئینۂ دل'، 'مسیح کا نمونہ'، زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ وغیرہ مشہور رہیں۔ بعض کتب اردو میں عیسائیت کے موضوع پر منظوم بھی ملتی ہیں۔ جیسے نظم المزامیر، زمزمۂ تبلیغ، ذکر مصلوب' وغیرہ۔ منشی کیدار ناتھ منت' اور مولوی صفدر علی صاحب صفدر'، پادری رحمت مسیح اور پیارے لال شاکر میرٹھی کی نظموں کے علاوہ ہندی بھجنوں کے مجموعے بھی ملتے ہیں۔ شاعری کچھ اس انداز کی ہے ؎

جب کہ مصلوب اسے کرتے تھے جلاد شقی
مرد شاگرد تو موجود نہ تھے نام کو بھی
عورتیں آئی تھیں کچھ ہمت مردانہ جو تھیں
نالہ کرتی تھیں اور اشکوں سے بہاتی تھیں ندی
تھے دلوں کے سوتے ہوئے چونک پڑے جاگ اٹھے
شورِ محشر تھا بپا شہر کے رخ بھاگ اٹھے

مذہب عیسائیت کو پھیلانے کے لئے مشنریوں نے بچوں کے لئے بھی اردو میں کچھ قابل قدر کتب شائع کی ہیں۔ جن میں سے بعض کو انھوں نے باقاعدہ مدارس کے کورس کی طرح ترتیب دیا ہے۔

بہائی فرقہ کے عقائد کی تبلیغ کے لئے بھی اردو نے نمایاں خدمت انجام دی ہیں۔ بہائی تحریک کی بنیاد ایران کے ایک نوجوان سید علی محمد باب نے ۲۳ مئی ۱۸۴۴ء کو رکھی۔ اور دنیا کو الحاد اور مادیت کے مقابلے میں روحانیت کا پیغام دیا۔ ۱۸۵۰ء میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد اس تحریک کو حضرت بہاء اللہ نے آگے بڑھایا۔ ان کے بعد حضرت عبدالبہاء (مرزا حسین علی)، نے تحریک کو جاری رکھا۔ وحدت عالم انسانی،

حقیقت بآنادی، وحدتِ ادیان، مساوات، بیت المال عموی وغیرہ اس تحریک کے بنیادی عقائد ہیں۔ اس فرقہ کی زیادہ تر کتب فارسی میں ہیں جن کے ترجمے اُردو میں کئے گئے ہیں۔ مثلاً باب الحیات' ترجمہ از سید مصطفیٰ صاحب رومی، لوح ابن ذئب، مفاوضات عبدالبہاء' ترجمہ از عباس علی بٹ۔

مختصراً یہ کہ انیسویں صدی میں تقریباً ہر مذہب کے پرچار کے لئے اُردو میں اخبارات اور رسالے جاری کئے گئے۔ جیسے گیان پرکاش 'آگرہ (۱۸۶۲ء)، گیادتی پتریکا۔ آبِ حیاتِ ہند' رسالہ' برادر ہند، آریہ سماچار (میرٹھ)، ریفارمر (مصور ہفتہ وار) ایڈیٹر دیارشی بی۔ اے، امرت کا گھونٹ ۱۸۲۵ء پریم بلاس (سکھ مذہب)، پیامبر، خیرخواہِ ہند (عیسائی مذہب) ۱۸۵۳ء، مخزن مسیحی ۱۸۶۸ء، کوکبِ ہند' ایڈیٹر پادری کریون صاحب' شمس الاخبار' ایڈیٹر پادری رجب علی وغیرہ۔

بہرحال اس مختصر سے جائزے کے بعد اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ہر مذہب اور ہر تحریک کا ادب اُردو میں موجود ہے۔ عیسائی مذہب پہ کل ۷۴۹، ہندو مذہب پہ ۳۷۷، اور دیگر مذاہب اور تحریکات کی مجلہ کتب سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستانی زبان کے نام سے اُردو ہی ہندوستان کی واحد زبان تھی۔ بعض پنڈتوں نے اپنی تصنیفات کے دیباچوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مذاہب اور تحریکات کو پھیلانے کے لئے اُردو سے زیادہ مناسب زبان ہندوستان میں نہیں ہے۔ اور آج کسی مذہب کا پیرو اگر صرف اُردو زبان ہی جانتا ہو تو اپنے مذہب کی صحیح پیروی میں کوئی دقت محسوس نہیں کرے گا۔

●●

صفحہ ۳ سے آگے

رکھنے والی معاون خدمات کو یکجا کیا جائے۔ ذیل میں ایسی چند خدمات کے نام دیئے گئے ہیں:

۱) امدادی غذا
۲) ٹیکہ لگانا
۳) طبی جانچ
۴) امدادی خدمات
۵) غذا و تندرستی کے متعلق تعلیم
۶) عام تعلیم

یہ تمام خدمات بنیادی تعلیم برائے خواتین نامی اسکیم کے تحت عمل میں لائی جاتی ہیں۔

گو کہ مذکورہ اسکیم مکمل طور سے مرکز کی جاری کردہ اسکیم ہے، ریاستی حکومت کو کم از کم ضرورت" پروگرام اسکیم کے تحت غذا کی فراہمی کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔

۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران حکومت ہند نے تالاساری ضلع تھانے اور جونیر ضلع پونے کے علاقوں تک اس اسکیم کی توسیع کی۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں حکومت ہند اس اسکیم کو مزید دو بلاک تک توسیع دینا چاہتی ہے۔ جس میں سے ایک قبائلی اور دوسرا بھی علاقہ ہوگا۔ اس توسیع کے پیشِ نظر اور مذکورہ علاقوں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ۸۰-۱۹۷۹ء سال کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئی ہیں:

	(لاکھ روپے میں)
عام منصوبہ (غیر قبائلی ضمنی منصوبہ)	۱۰٫۰۰ (ریاست)
عام منصوبہ (غیر قبائلی ضمنی منصوبہ)	۴٫۵۴ (مرکز)
قبائلی ضمنی منصوبہ	۱۹٫۰۰ (ریاست)
قبائلی ضمنی منصوبہ	۱۰٫۰۰ (مرکز)
کل میزان:	۴۴٫۵۴

**

مہاراشٹر کے دبستانِ اُردو

مالیگاؤں کی شعری تصنیفات

• عبدالمجید سرور
(مالیگاؤں)

جنوب مغربی ہندوستان میں واقع مالیگاؤں مہاراشٹر کا ایک ایسا شہر ہے جو ملک میں اپنی کئی حیثیتوں میں ممتاز ہے۔ رنگین سوتی ساڑیوں کی ارزاں اور خوبصورت تیاری جہاں اُسے ایک طرف ہندوستان کا مانچسٹر بناتی ہے وہیں اس کی علمی و ادبی سرگرمیاں اُسے شہرِ ادب میں تبدیل کرتی ہیں۔ سیاسی بیداری، [illegible] شہر [illegible] ہمیشہ اضطراب آسا اور انقلابی [illegible] رہتی ہیں۔

تاریخی اعتبار سے مرہٹہ فوج کے ایک اولوالعزم سردار نارو شنکر نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ شروع شروع میں یہ بستی[1] ۳۰-۴۰ گھروں پر مشتمل تھی۔ مغل بادشاہ غازی عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء سے ۱۷۵۹ء) کے ایک فرمان[2] کے ذریعہ پرگنہ گلشن آباد (ناشک) کے ۸ گاؤں نارو شنکر بہادر کو انعام میں دیئے گئے۔

اس بہادر سردار کی بہادری کی داستانیں مہاراشٹر سے پھیل کر تاریخِ ہند کے صفحات پر مرتسم ہیں، احمد شاہ ابدالی کی قوتِ قاہرہ سے جن مرہٹہ سرداروں نے لوہا لیا، ان میں سداشیو راؤ[3]، اسنے سینگے، بندے، آلتاجی، ہلکر اور نارو شنکر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ نارو شنکر دانی، جدید فنِ حرب کا ماہر تھا۔ اس عہد میں جنگ کا سب سے محفوظ اور جدید طریقہ قلعہ بندی کا تھا۔ چنانچہ مالیگاؤں میں موسم ندی کے کنارے ایک زمینی قلعہ تعمیر کیا جو ۱۷۳۰ء سے شروع ہو کر ۱۷۴۰ء میں تکمیل کو پہنچا۔ ۵۰ ہزار مزدوروں نے شب و روز کی محنت کے بعد اُسے دس سال میں مکمل کیا۔ اپنی تعمیری خوبیوں اور جنگی حکمتِ عملی کے حسنِ انتظام کے لئے یہ قلعہ مہاراشٹر کے اہم قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔

۱۶ مئی ۱۸۱۸ء کو جب انگریزی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو انگریز انجنیئر اس کی مضبوطی کا اندازہ لگانے میں دھوکا کھا گئے اور انھیں کئی اہم جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اس بہادر مرہٹہ سردار کی تیغِ خاراشگاف نے دہلی، جھانسی، دتیا اور چندیری کے حکمرانوں کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ نارو شنکر نے اپنی فوج کو بہترین عرب سپاہ سے منظم کیا تھا۔ اہم ترین عہدوں سے لے کر عام فوجی کے مرتبہ تک عربوں کو فراخدلی کے ساتھ خدمات تفویض کی گئی تھیں۔ ان کی بہادری اور وفاداری کے واقعات[5] آج بھی تاریخ کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۸۱۸ء میں لفٹننٹ کرنل میکڈاول نے راجہ ترمبک راؤ کے عہد میں قلعہ کا محاصرہ کیا۔ (واضح رہے کہ نارو شنکر کا انتقال ۱۷۷۵ء میں ہوا) عرب سپاہ نے زبردست مدافعت کی، بالآخر انھیں شکست ہوئی۔ لیکن فاتح انگریزی فوج کو بھی زبردست نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے ۳۲ سپاہی مارے گئے۔ ان میں ۴ لفٹننٹ، دو میجر، دو انسپائن، ۵ سرجنٹ اور ایک بڑا افسر ہلاک ہوا، ۱۷۵ سپاہی[6] زخمی ہوئے۔

مہاراشٹر کا یہ چھوٹا سا شہر "مالیگاؤں" اپنی بنیاد کے اعتبار ہی سے شعلہ ساماں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں بھی اس شہر نے قومی تحریکوں میں جانی، مالی، ذہنی اور فکری قربانیاں دیں۔ اور بیش از بیش دیں۔

مرہٹوں کی فراخدلی اور وسعتِ قلبی کے یہ وہ مظاہرے تھے جس نے بعد میں لسانی تبادلے کے فرائض انجام دیئے۔ آج بھی عربی زبان کے بہت سارے الفاظ مراٹھی میں اس طرح مستعمل ہیں جیسے یہ مراٹھی کے اپنے الفاظ ہوں۔

---

[1] "تاریخ مالیگاؤں" صفحہ ۵۸

[2] فارسی فرمان کی بعینہٖ نقل مؤلف تاریخ مالیگاؤں نے صفحہ ۴۵ پر شائع کی ہے [3] مرہٹی ریاست (پانی پت کی لڑائی) صفحہ ۱۳۷

[4] بمبئی گزٹ (ناسک۔ دکن) صفحہ ۴۵ - ۴۵۶

[5] "بمبئی گزٹ" (ناسک۔ دکن) صفحہ ۴۵ - ۴۵۶

[6] " " " " " "

وارث (वारस) تفصیل (तपसील) فارغ خطی (फारकती) ان بہت سارے الفاظ میں سے چند ہیں جنھیں مراٹھی نے اپنا لیا ہے۔

مرہٹوں کی اسی وسیع القلبی اور رواداری نے یہاں اُردو کی آبیاری کی، مالیگاؤں کے اُفق سے ۱۸۳۶ء میں دادا میاں عطاؔ، کی اُردو شاعری کی آواز اُبھری خادمؔ مالیگانوی بالکل اُن کے متوازی کھڑے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ خادمؔ مالیگانوی' مالیگاؤں کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر تھے، ان کا دیوان طبع شدہ حالت میں موجود نہیں ہے' اور ۱۸۳۶ء میں ہی ہندوستان میں اُردو صحافت کا آغاز ہوچکا تھا۔ یہ اُردو صحافت ہی تھی' جس نے سرکاروں، درباروں میں محبوس اُردو شاعری کو ملک گیر کیا۔ اور عصری تقاضوں کے قریب لانے کا فریضہ انجام دیا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف عام بغاوت ہوئی' جو ناکام ہوگئی۔ نتیجے میں بغاوت کا فعّال عنصر غیر ملکی ظلم وستم کا نشانہ بنا۔ مومن انصار برادری ظُلم و بہیمیت اور درندگی کا سب سے زیادہ نشانہ بنی۔ ان کے فن کاروں کے انگوٹھے تراش دیئے گئے۔ چنانچہ اس برادری کے لوگوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں ترکِ وطن کیا، اور شمال سے دور دراز علاقوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ انہیں برباد قافلوں کا بہت بڑا حصّہ مالیگاؤں میں آکر آباد ہوگیا۔ اور یہاں کی قدیم مرہٹہ برادری نے نہایت فراخدلی سے انھیں عزت کا مقام دیا۔ اس برادری نے بھی مہاراشٹر کو اپنا وطن سمجھا۔ اور اس پر اپنی بہترین فنکارانہ صلاحیتوں کا پرتو ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اب اس برادری کے بغیر مالیگاؤں کا تصور بھی عجیب سا لگتا ہے۔

مالیگاؤں میں ہتھ کرگھے سے بتدریج پاور لوم تک سخت محنت اور جدّوجہد کی کہانی ہے، جو ایک علیحدہ مضمون کی متقاضی ہے۔ مومن انصار برادری ایک آزاد پیشہ برادری ہے۔ اس نے صنعت کاری پر کبھی ملازمت کو ترجیح نہیں دی' یہی آزاد پیشگی تھی' جس نے اس برادری کو کبھی انگریزی استعمار کے آگے جھکنے نہ دیا۔ اس برادری کے جیالوں نے اپنے سر کٹا دیئے مگر سر جھکائے نہیں۔ تحریکِ آزادی کے ہر مرحلہ پر اس برادری نے قربانیاں دی ہیں' جانی بھی اور مالی بھی' ـــ رفتہ رفتہ مالیگاؤں میں شعر وادب کے چرچے جاری ہوئے۔ میلاد کی محفلوں نے اس فن کو مزید نکھار عطا کیا۔ یہاں کی اُردو شاعری کا دوسرا بڑا حصّہ حریت پسندی اور اولوالعزمی کے ترانوں سے معمور رہے۔ مالیگاؤں میں باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ ۱۹۱۰ء سے جاری ہوا۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۵ء تک مالیگاؤں سے شعر وسخن کے چار صحیفے آب وتاب سے نکلے۔ تاریخ کا وہ ایک منفی بہاؤ تھا جو، ۱۸۵۷ء کی خونچکانی سے نکل کر مالیگاؤں کو اُردو شعر وادب کا گہوارہ بنا گیا۔ اور آج اُردو کی خدمات کے لئے مہاراشٹر کا نام زندۂ جاوید بن گیا ہے۔ یہاں کے شعراء نے شعر وادب کو کبھی پیشہ نہیں بنایا۔ بلکہ سخت محنت سے گذارے ہوئے لمحوں کے بعد اُردو شاعری کی خدمت انجام دی ہے ؏

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

سقوطِ حیدرآباد کے بعد دکن کے پناہ گزینوں کا ایک بڑا قافلہ اپنے صحت مند تہذیبی اثاثوں کے ساتھ مالیگاؤں میں وارد ہوا۔ زبان کا انوکھا پن، لہجہ کا نوبلا انداز، سخن گوئی کے دکھنی انداز نے مالیگاؤں کی شاعری کو ایک نئے آمیختہ سے آشنا کیا۔

پہلے دور کے شعراء امیرؔ مینائی' جلیلؔ مانکپوری کے رنگِ سخن کا تتبع کرتے رہے، لیکن رفتہ رفتہ مولینا یوسف عزیزؔ کے عہد تک آتے آتے اُردو غزل مہاراشٹر اور ملک کی سیاسی جدوجہد کی دھڑکن بن گئی۔ اسی دور میں مالیگاؤں کی قدآور شخصیت ادیبؔ مالیگانوی کے روپ میں جلوہ گر ہوئی۔ یہ وہ شخصیت تھی' جو دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر کے ادبی اُفق پر چھا گئی۔ یہاں تک کہ اُردو انسائیکلو پیڈیا میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔ یہاں سے مالیگاؤں کی اُردو شاعری کا رجحان اور انداز بدلا۔ حضرت ادیبؔ نے عصری میلانات کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ اور یہ سفر آج بھی جاری ہے۔

تحریکِ ترکِ موالات (خلافت تحریک) ۱۹۲۱ء نے شعر وادب کو نوکیلا پن عطا کیا۔ ترقی پسند تحریک نے مالیگاؤں کی اُردو شاعری کو عوامی رجحان بخشا۔ نشاطؔ شاہدوی کی منفرد آواز للکار بن کر گونجی، اور امر بیل کے ساتھ ہمیشہ کے لئے امر ہوگئی ؏

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود!

مالیگاؤں میں ابتداء سے ہی صحافتی میلانات پائے جاتے ہیں۔ ابتدائی دور میں بہارِ سخن، معیارِ سخن، تاجدارِ سخن اور افتخارِ سخن کے نام سے شعری ماہنامے نکلتے ہیں' جس کا بیشتر سرمایہ غزلوں پر مشتمل ہوتا تھا۔

اس کے بعد علامہ عبدالحمید نعمانی مدظلۂ العالی نے ہفتہ وار "بیداری" کا اجراء کیا' ادیبؔ مالیگانوی کی ادارت میں' خورشید' جیسا معیاری ماہنامہ نکلا۔ جس کے فنکاروں میں مجنوںؔ گورکھپوری، ساغرؔ نظامی اور ملک کے دوسرے ممتاز اہلِ قلم شامل تھے۔ قلعہ مالیگاؤں سے بھی ایک ادبی جریدہ نکلا۔ رئیسؔ مالیگانوی کی ادارت میں ماہنامہ' جمال' کا اجراء عمل میں آیا۔ سلطانی سبحانی کی ادارت

(بقایا صفحہ ۲۲ پر)

۷ ـ مقدمۃ البرامکہ (عبدالرزاق کانپوری)

۸ ـ مولینا یوسف عزیز زبردست عالم تھے۔ اور مالیگاؤں میں شعر وادب باقاعدہ اور مسلّمہ اُستاذالاساتذہ ہوئے۔ آپکے شاگردوں میں نہایت قادر اور اُستاد شعراء آپ ہی کے ممنونِ فیض ہیں' آج بھی بزمِ عزیزی مرحوم کی یادگار کے طور پر زندہ ہے۔

اقبال بلگرامی (ایم۔اے)
اورنگ آباد

مَراٹھواڑہ کے لوک گیت

لوک گیتوں کی ویسے کوئی باضابطہ تاریخ نہیں لیکن ان کے مطالعے سے یہ بات کسی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ یہ گیت کس زمانے اور دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان گیتوں میں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کی جھلک نظر آتی ہے جس سے زمانہ کا پتہ چلانا کچھ حد تک آسان ہو جاتا ہے۔ ان گیتوں میں اکثر وقت، لباس، رسم و رواج، کھانوں، زیورات، وغیرہ کے ذکر سے بھی یہ بات اور آسان ہو جاتی ہے۔

لوک گیت دلی جذبات کی عکاسی اور ساتھ ہی سیدھے سادے اور بھولے بھالے عوام کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں لوک گیت کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں۔ ان کا مزاج ٹھیٹ عوامی ہے اور وہ صرف عوام کے ہی ہیں یہ صحیح ہے کہ ان میں اکثر شاعری کے اصول اپنائے جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اجتماعی جذبات و احساسات کے مظہر ہیں۔

لوک گیتوں میں خیال کا بانکپن ہوتا ہے لوک گیتوں میں جذبہ مشاہدہ اور لے تین عنصر ہیں۔

لوک گیتوں میں ردیف قافیوں کا اہتمام بس صوتی آہنگ کے لئے ہی کیا جاتا ہے لیکن اکثر لوک گیت ردیف قافیوں کی پابندیوں سے پاک دلی جذبات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس میں صرف آمد ہی آمد ہوتی ہے آورد کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ شاعری میں ہوتا یہ ہے کہ اکثر شاعر لفظ کو تراش خراش کر کے استعمال کرتے ہیں لیکن گیتوں میں جو لفظ استعمال ہوتے ہیں وہ اپنی صحیح شکل و صورت میں نظر آتے ہیں۔ جیسے لفظ عام بول چال میں استعمال ہوتے ہیں۔ تقریباً جوں کے توں گیتوں میں بھی اسی حالت میں نظر آتے ہیں مثلاً دولہا یا نوشہ کے لئے بنے یا بنڑے کا استعمال ہوتا ہے لیکن شاعری میں یہی لفظ تقریباً متروک ہے بنے یا بنڑے لفظ کی تشریح گیت کے ایک ٹکڑے سے ہوتی ہے، مثلاً

چھوٹے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں
بالے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں

ایسی کئی مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں۔ چند مثالیں سماعت فرمائیے

گیتوں میں اصلی لفظ		شستہ زبان یا شاعری میں استعمال ہونے والے لفظ
تلے	(مراٹھی کا اثر)	نیچے
بھینوں	(دکنی کا اثر)	بہنوں
بھایاں	(دکنی کا اثر)	بھائیاں
بنڑی یا بنّو		دلہن
اوڑے		اوڑھے
پاناں	(دکنی کا اثر)	پان یا گلوری

یہ بات تو کسی حد تک واضح ہو گئی کہ گیتوں کی زبان عام فہم سادہ اور سلیس ہوتی ہے۔ ساتھ ہی اس پر مقامی بولی کا اثر بھی پڑتا ہے۔ مراٹھواڑہ کا علاقہ پہلے حیدر آباد دکن سے منسلک تھا اس لئے گیتوں میں اکثر دکنی زبان کے الفاظ جو اردو کی ابتدائی شکل ہے نمایاں نظر آتے ہیں اس کے ساتھ ہی دکن کی دوسری زبانوں مثلاً مراٹھی، تلگو اور کنڑی کا اثر بھی اکثر گیتوں میں ملتا ہے۔ مثلاً

دیکھوں جیبہ تیرے ہاتھاں — ہاتھاں
جیسے چولائی کی پھلیاں — پھلیاں

چھوٹے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں
بالے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں — ہزاریاں

تیری ہلدی کے میں بل ہاریاں — ہاریاں
تیرے چھایوں میں ہے پھول باڑیاں — پھول باڑیاں

بنڑا میراں ماں ایکچ جوڑا لایا
ایکچ جوڑا لایا — ایکچ : ایک ہی (مراٹھی زبان کا لفظ)

سمدھن کے واسطے میں پاناں منگائی — پاناں
سمدھن کے واسطے میں بیڑے منگائی — (دکنی زبان کا اثر)
تمبولن کے ٹھیکے سے آئی میری سمدھن

گیتوں کی کئی قسمیں ہیں لیکن ان میں زیادہ تر دس عنوانات کے تحت ہی گیت ملتے ہیں مثلاً ۱۔ تہواروں پر گائے جانے والے گیت ۲۔ موسمی گیت ۳۔ برہ کے گیت ۴۔ مزاحیہ گیت ۵۔ عقیدت کے گیت (جو اکثر اولیائے کرام یا کوئی قومی ہیرو یا کسی امیر آدمی کی شان میں یا اس سے متاثر ہو کر گائے جاتے ہیں) ۶۔ جھولے کے گیت ۷۔ رسم و رواج کے گیت ۸۔ لوریاں (بچوں کو سلانے یا بہلانے کے لئے گائے جانے والے گیت) ۹۔ نوحے (مرثیوں کی بگڑی ہوئی شکل یا مرثیے عوامی زبان میں اکثر اتر پردیش کے دیہاتوں میں سوز کے انداز میں پڑھے جاتے ہیں مراٹھواڑہ میں بھی اس کی اکثر مثالیں محرم کے زمانے میں سننے کو مل جاتی ہیں) ۱۰۔ شادی کے گیت

ان تمام گیتوں میں زیادہ تر گیت شادی بیاہ کے تعلق سے ہی ملتے ہیں یا پھر شادی

کی رسومات جو شادی طے ہو جانے کے بعد سے دلہن کی رخصتی تک' ان موضوعات پہ بہت سے گیت مل جاتے ہیں. ان گیتوں کے گانے میں لڑکیاں اور عورتیں جن کو گانے بجانے سے دلچسپی ہوتی ہے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں ان کے ساتھ باقی دوسری عورتیں بھی شامل ہو کر مکھڑے کے بند کو کورس کی شکل میں گا کر ساتھ دیتی ہیں.

مراٹھواڑہ کی تہذیب پہ دکنی تہذیب کے ساتھ ساتھ دہلوی تہذیب کا اثر بھی نمایاں نظر آتا ہے.

مراٹھواڑہ میں کہیں شادی ہو یا کوئی تقریب' گیت اکثر سننے کو ملتے ہیں. جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی ہماری تہذیب کا ایک حصہ بن چکے ہیں مراٹھواڑہ کے اکثر گھرانوں میں بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پورے دکن میں ایک گیت جو سب سے زیادہ مشہور ہے وہ ہے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے" ہے اس گیت میں ایک خاص بات جو توجہ طلب ہے وہ یہ ہے کہ اس گیت کے مکھڑے میں یکسانیت تو ہر جگہ ملتی ہے لیکن ہر مقام پہ اس گیت کے انترے بدلے ہوئے ملتے ہیں. مراٹھواڑہ میں یہ گیت جس انداز سے پیش کیا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

مالی نے لایا ڈونا مالن نے لائی ہار ÷ اماں نے پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے

مالی نے لایا ڈونا مالن نے لائی ہار ÷ باوا نے پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

مالی نے لایا ڈونا مالن نے لائی ہار ÷ بھینوں نے پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے

مالی نے لایا ڈونا مالن نے لائی ہار ÷ بھایوں نے پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے

دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے

اس گیت کی خاص بات یہ ہے کہ گیت کا مکھڑا "دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے" ہر جگہ یکساں ہے اور ٹیپ کا بند یعنی "مالی نے لایا ڈونا مالن نے لائی ہار" ہر جگہ یکساں ہے. لیکن ضرورت کے مطابق ہر جگہ انترے بدلے ہوئے ملتے ہیں اور گانے والے اسے جیسا چاہتے ہیں ویسا موڑ دیتے ہیں' کبھی وہ "اماں" کے ہاتھوں ہار پہنوا دیتے ہیں تو کبھی "باوا" کبھی "بہنوں" تو کبھی "بھائیوں" غرض جتنے رشتے ناطے ہیں ان رشتوں ناطوں کا حوالہ دیکر ان لوگوں کے ہاتھوں دولہا دلہن کو پھول پہنوا دیتے ہیں. مراٹھواڑہ کے علاقے میں یہ گیت کا مکھڑا اگر "دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کے" ہے تو تلنگانہ کے دیہاتوں میں یہی مکھڑا "دیلان میں پہنائے ہار کیا خوش نما لگا کو" ہو جاتا ہے. مراٹھواڑہ میں یہ گیت "دیلان میں پہنائے ہار کیا خوشنما لگا کے" گایا جاتا ہے.

تب بھی اس کی دکنی چھاپ برقرار رہتی ہے. اردو الفاظ مثلاً اماں' باوا بھایاں' بھینوں وغیرہ دکنی تہذیب کی نشاندہی کرتے ہیں.

اورنگ آباد کی تہذیب پر خاص طور سے دہلوی رنگ اور وہاں کے رسم ورواج زبان وبیان کا نمایاں اثر آج بھی موجود ہے. گو اس میں دکنی تہذیب کا اثر بھی شامل ہے لیکن زیادہ اثر دہلی کا ہی ہے. اس کی مثالیں یہاں کے رسم ورواج (جو اکثر شادی بیاہ میں مروج ہیں) نیز زبان وبیان میں دہلوی چھاپ صاف جھلکتی محسوس ہوتی ہے. جیسا کہ دہلی میں شادی بیاہ میں اکثر گیت گائے جاتے ہیں. اسی طرح یہاں بھی شادی ہو یا کوئی تقریب اکثر گھرانوں میں بغیر گائے بجائے کوئی تقریب تکمیل کو نہیں پہونچتی. شادی شروع ہوتے ہی محلے اور خاندان بھر کی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں. منڈوا سجایا جاتا ہے. جھولے ڈالے جاتے ہیں اور ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ مختلف قسم کے گیت فضا میں گونجنے لگتے ہیں. اورنگ آباد میں شادی سے ایک دن پہلے جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا ہے

بنے کو مہندی لگا دو ماں میرے منڈوے تلے
بنا بیٹھا ہے مری جان نارنگی تلے

اس کے بعد عورتیں ڈھول کی تھاپ پہ کورس میں مبارکباد پیش کرتی ہیں.

شادی آئی مورے انگنا بنا بنی کو مبارک

اس کے بعد عقد کے دن صبح میں جو گیت گایا جاتا ہے وہ گیت ایک خاتون گاتی ہے اور باقی خواتین ہر انترے کے بعد مکھڑا دہراتی جاتی ہیں. اور منچلی خاتون تان لگا کر اس گیت کا رنگ اور جماتی ہے گیت کا مکھڑا اور کچھ بول اس طرح ہیں

چھوٹے بنے کے ساتھ فجر رنگ اڑائیں گے
بالے بنے کے ساتھ فجر رنگ اڑائیں گے
مہندی ہری ہری بھی چھاپے گل انار
چھوٹے بنے کے ساتھ فجر رنگ اڑائیں گے
مہندی ہری ہری بھی چھاپے گل انار
بالے بنے کے ساتھ فجر رنگ اڑائیں گے

عقد کی شام جس وقت جلوہ کی رسم ادا ہوتی ہے تب یہ گیت گایا جاتا ہے' مکھڑا سماعت فرمائیے.

اور کیسی خوشی کی ہی رات' شادی کی ہے برات
دولہا پھرائے دلہن شرمائے

تسمیہ خوانی اور سالگرہ کی تقریبات میں جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا یہ ہے

چھوٹے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں
بالے بنڑے تیری عمراں ہزاریاں

تسمیہ خوانی اگر بچی کی ہو تو گیت کا مکھڑا اس طرح ہوتا ہے

چھوٹی بنو تمہیں بسم اللہ ہو مبارک

پیاری بنو تمہیں بسم اللہ ہو مبارک

اورنگ آباد کے علاوہ مراٹھواڑہ کے دوسرے اضلاع مثلاً بیڑ، پربھنی، ناندیڑ، عثمان آباد میں شادی بیاہ میں اکثر لوک گیت گائے جاتے ہیں۔ پربھنی میں جو گیت سب سے زیادہ گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا اور بول اس طرح ہیں ؎

پیارے بنڑے تیری عمر ہو ہزاریاں

تیری ہلدی کی میں واریاں ؛ تیری ہلدی پہ پھول باڑیاں

پیارے بنڑے تیری عمر ہو ہزاریاں

سہاگن کے سنگار کے تعلق سے جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا اور بول کچھ اس طرح ہے۔

یہی ہے سہاگن کا اصل سنگار ؛ شرافت کا گہنا محمد کا پیار

اطاعت کے کنگن صنیار کا ڈوپٹہ ؛ سعادت کے جھمکے شرافت کا جامہ

یہی ہے سہاگن کا اصلی سنگار ؛ شرافت کا گہنا محمد کا پیار

پربھنی کے خواص و عوام میں یہ گیت جس کا مکھڑا ؎

جلیبی کی کھڑکیاں برفی کا بنگلہ

اماں کون آئے جی، اماں کون آئے جی

بہت مشہور ہے۔ گیتوں میں طنز و مزاح کا عنصر بھی شامل ہے جس کی مثال پربھنی کے ایک لوک گیت سے لی جا سکتی ہے جس کا مکھڑا ہے ؎

مبارک قدم سے تو آئی میری سمدھن

سلامت قدم سے تو آئی میری سمدھن

پربھنی کا ایک مشہور لوک گیت جو اترپردیش اور مدھیہ پردیش میں بھی گایا جاتا ہے ایک فلم میں تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس کا مکھڑا ہے۔

دلہن — میں میکے چلی جاؤں گی تو دیکھتا رہیو

دلہا — تو میکے چلی جائے گی میں ڈنڈا لے کر آؤں گا

ناندیڑ میں عقد کے وقت جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا اور بول اس طرح ہے ؎

جلدی آؤ نا بنے صبح ہو رہی ہے ؛ جلدی آؤ نا بنے صبح ہو رہی ہے

تیرے مہندی کا مول میں دے چکی ؛ تیرے مہندی کا مول میں دے چکی

مہندی لگا لو بنے صبح ہو رہی ہے ؛ جلدی آؤ نا بنے صبح ہو رہی ہے

دلہن کو سنوارنے کے وقت جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا یہ ہے ؎

چاند تاروں کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے ؛ بی بی دلہن بنیں آج کی رات ہے

سر پہ نور الٰہی کی کیا بات ہے ؛ بی بی دلہن بنیں آج کی رات ہے

سہرے کے گیت کا مکھڑا یہ ہے ؎

دلہن چھوٹی ہے مگر شان بڑی سہرے کی

دلہن چھوٹی ہے مگر شان بڑی سہرے کی

رخصتی کے وقت جو گیت گایا جاتا ہے اس کا مکھڑا یہ ہے ؎

سہیلی میری بھولی مولہ ؛ میرا دل وہیں وہیں لگے

سہیلی جاتی ہے بدیس ؛ میرا دل ہوگا پریشان

سنہری کارڈ ڈلانا ؛ میرا دل وہیں لگے ..!

سہیلی میری بھولی مولہ ؛ میرا دل وہیں لگے !

مجموعی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ اورنگ آباد کے لوک گیت اپنی انفرادیت لئے ہوئے ہیں۔ اس پر مراٹھی کا اثر کہیں کہیں نمایاں ہے۔ گیتوں کی زبان صاف، شستہ اور رواں ہے۔

مراٹھواڑہ کے دوسرے علاقے خاص طور پر پربھنی، ناندیڑ، بیڑ، عثمان آباد چونکہ حیدرآباد سے کسی قدر قریب ہیں اس لئے وہاں کے لوک گیتوں پر دکنی زبان اور تہذیب کا اچھا خاصہ اثر ہے۔ اس کی وجہ حیدرآباد سے قربت اور دوسری وجہ یہاں کی عام بول چال میں دکنی الفاظ کی بہتات ہے۔ ظاہر ہے جب عام بول چال میں دکنی الفاظ مستعمل ہوں تو ان کا اثر لوک گیتوں پر بھی ہونا ضروری ہے کیونکہ لوک گیت عوامی ہوتے ہیں نیز ان گیتوں میں دکنی چھاپ کا ہونا بھی ضروری ہے۔

* کوثر نظامی
۲۷، بیٹہ نالا۔ لکھنو۔۳

"مُنّا کی چھٹّی ہے"

ہے کون دعا ایسی جو رو رو کے نہ کی ہو
وہ کون سی مِنّت ہے جو مانی نہ گئی ہو
شاید ہی بزرگوں کی کوئی قبر بچی ہو
جا جا کے جہاں میں نے نہ یہ ناک گھِسی ہو
تب جا کے بڑھاپے میں اِک اولاد ہوئی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

ہر مولوی، عامل کو سیانے کو بلایا
ویدوں کی دوا کھائی، حکیموں کو دکھایا
کالج کبھی پہونچی، کبھی گھر ڈاکٹر آیا
دائی کے بھی چکّر میں بڑا وقت گنوایا
مشکل سے مقدّر میں یہ ترمیم ہوئی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

دِلّی گئی، اجمیر سے تعویذ منگائے
سونے کے چراغوں پہ کبھی نقش لِکھائے
گنڈے کبھی پہنے، کبھی چِلّے بھی بندھائے
کیلا گیا گھر اور فلیتے بھی جلائے!
تب جا کے نگوڑی یہ میری گود بھری ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

لوگوں نے بہت ٹونٹکے ٹونے بھی کرائے
بلوائے نجومی کبھی رمّال بھی آئے
پنڈت نے مرے سر سے سنیچر بھی ہٹائے
مندر کی بھوانی کو بھی دو بکرے چڑھائے
کیا جانے کہ کس در سے مجھے بھیک ملی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

بیٹے کے لئے دین بھی ایمان بھی گنوایا
مجھ کو نظر آتا تھا نہ کچھ اپنا پرایا!
گھر والوں نے اکثر مجھے پاگل ہی بنایا
اولاد نہ جب تک ہوئی آرام نہ آیا!
اللہ نے مرے خیر، مری لاج رکھی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

رہتا تھا ہمہ وقت الم ہائے نہ پوچھو
بس آنکھ رہا کرتی تھی نم ہائے نہ پوچھو،
رہ رہ کے گھُٹا کرتا تھا دم ہائے نہ پوچھو،
اولاد نہ ہونے کا بھی غم ہائے نہ پوچھو
کیا کیا نہ مصیبت کی گھڑی بیت چکی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

گو بیس برس بعد ہوا چاند سا بیٹا
جاگا بڑی مشکل سے میرا سویا نصیبا
اللہ نے مِرے خیر سے یہ دن تو دکھایا
گھر بھر کے لئے دیدیا انمول کھِلونا
اولاد کی صورت میں یہ کیا چیز ملی ہے
میں خوش ہوں بہت آج کہ مُنّا کی چھٹّی ہے

• نسیم نکہت
نذیر بلڈنگ، نخاس، لکھنؤ ۳

نالہ ہر اک لب سے اُٹھتا ہے
کون بزمِ طرب سے اُٹھتا ہے

بڑے کرب و طعب سے اُٹھتا ہے
درد جب دل میں شب سے اُٹھتا ہے

خاک پر کس کی جا کے روئے گا!
ابر یہ کس سبب سے اُٹھتا ہے

سوز کتنا ہے دل میں غنچوں کے
شعلہ ہر ایک لب سے اُٹھتا ہے

دل سے پہلے نگاہ بڑھتی ہے
ہاتھ پہلے طلب سے اُٹھتا ہے

ترا دیوانہ جب گزرتا ہے
ذرہ ذرہ ادب سے اُٹھتا ہے

سن کے شب کو صدا پپیہے کی
نالہ میرے بھی لب سے اُٹھتا ہے

خوب روتی ہیں تا سحر آنکھیں
ابر گِھر گِھر کے شب سے اُٹھتا ہے

شورِ جمہور پر دھیان نہ دو
اِنقلاب ایک لب سے اُٹھتا ہے

صہبا چھلکی ہے جب سے اے نکہت
جام سے شعلہ تب سے اُٹھتا ہے
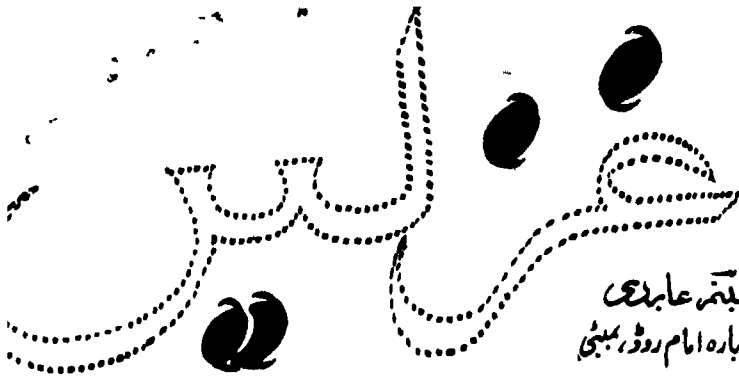
* رفیعہ شبنم عابدی
۱۳/۱۷۰ - بارہ امام روڈ، بمبئی

کیا اُس کو میری ذات کے اندر دکھائی دے
جو آئینہ بھی دیکھوں وہ ششدر دکھائی دے

آنکھوں سے خود پسندی کی عینک اُتاریئے
ہر شخص پھر تو اپنے سے برتر دکھائی دے

جب اپنے گھر کی سمت اُٹھے ہے مری نگاہ
ویرانہ ایک شہر کے اندر دکھائی دے

قاتل ہے کون، کون مرا چارہ ساز ہے
چہروں کا خول اُترے تو بہتر دکھائی دے

لاتا ہے اپنے ساتھ پیامِ حیاتِ نو
ہر طفل مجھ کو ایک پیمبر دکھائی دے

اُس کی بلندیوں کا قصیدہ فضول ہے
بونوں کی بزم میں جو قد آور دکھائی دے

اہلِ نظر تو جوہرِ پنہاں بھی دیکھ لیں
ہیرا بھی کم نگاہوں کو پتھر دکھائی دے

آخر کبھی تو اُجلی ندی میں نہائیگی
یہ تیرہ شب جو اپنا مقدر دکھائی دے

ہے شرطِ عاشقی فقط اک وسعتِ نظر
شبنم بھی ہو اگر تو سمندر دکھائی دے

• رشمی کانت راہیؔ
کٹک (اڑیسہ)

خورشید کے ساغر کو چھلکنا ہی پڑے گا
آکاش کے شیشے کو چٹخنا ہی پڑے گا

لمحوں کی صلیبوں پہ لٹکنا ہی پڑے گا
تقدیر کے لکھے کو بھگتنا ہی پڑے گا

عصیاں کے اُمنڈتے ہوئے دریا کو سرِ حشر
الطاف کے گوہر کو اُگلنا ہی پڑے گا

خوابوں کے فرشتوں کو حقیقت کی زمیں پہ
تھک ہار کے اک روز اُترنا ہی پڑے گا

ہر فرد کو اس شہرِ معلّق سے نکل کر
اُس عالمِ برزخ میں پہنچنا ہی پڑے گا

دوشیزۂ ہستی کو سنورنے کی غرض سے
لگتا ہے پھر اک بار بگڑنا ہی پڑے گا

اِحساس کی برفیلی چٹانوں کو بھی راہیؔ
جذبات کے شعلوں سے پگھلنا ہی پڑیگا
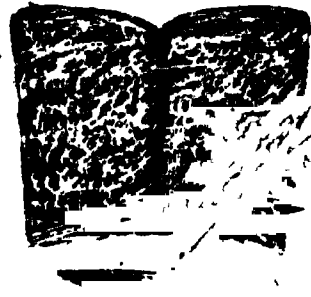
★ محمد عثمان اوج اعظمی
چریاکوٹ، اعظم گڈھ (یو۔پی)

زندگی کرب کے ماحول میں لبتی کیوں ہے
یہ نہ پوچھو کہ گھٹا غم کی برستی کیوں ہے

آدمی مائلِ اوہام پرستی کیوں ہے
سربلندوں کے خیالات میں پستی کیوں ہے

گاؤں میں آج بھی ہے قحط خریداروں کا
کیا پتہ جنسِ وفا شہر میں سستی کیوں ہے

جب کہ باقی نہ رہا کوئی تعلق تجھ سے
پھر تری یاد مرے ذہن کو ڈستی کیوں ہے

پیڑ کی چھاؤں تو کیا ابر کا سایہ بھی نہیں
زیست تپتی ہوئی سڑکوں پہ جھلستی کیوں ہے

چھیڑ نغماتِ وفا قلب میں بجلی بھر دے
مُطربہ ساز کے ہر تار کو کستی کیوں ہے

چاند سورج تو ہزاروں ہیں خرد کے روشن
پھر بھی ہر آنکھ اُجالے کو ترستی کیوں ہے

اوج کس بات پہ احباب خفا ہیں تجھ سے
ہدفِ سنگِ ملامت تری ہستی کیوں ہے

★ ظہیر احمد ظہیر
بالاپور۔ اکولہ (مہاراشٹر)

رگوں میں جوش ارادوں میں تاب پیدا کر
جو ہو سکے تو کوئی انقلاب پیدا کر!

ملے گا کچھ نہ یہاں پرسکوں سے جینے میں
دل و نگاہ میں اک اضطراب پیدا کر

ہو جس پہ ناز گلستاں کو اہلِ گلشن کو
اے باغباں کوئی ایسا گلاب پیدا کر!

دلوں پہ نقش ہو تحریر جس کی اے کاتب
وفا کے درس کی تو وہ کتاب پیدا کر

خُمار جس میں ہو اخلاق کی بلندی کا
اے ساقیا تو وہ جامِ شراب پیدا کر

دکھا کے اور حسین خواب زندگی کے ہمیں
رہِ حیات نہ پھر تو سراب پیدا کر

جو ختم کر دے اندھیرے ظہیر نفرت کے
ضیائے چشم سے وہ آفتاب پیدا کر

★ رفیق جعفر
۷۰/۱۲، مالوانی کالونی نمبر ۶
پوسٹ کھاروڈی۔ ملاڈ (ویسٹ) بمبئی

پیڑوں کے نیچے خون کے تازہ نشان تھے
شاید کہ اس چمن کے پرندے جوان تھے

پھر زندگی کی فلم ادھوری ہی رہ گئی
وہ سین کٹ گئے جو کہانی کی جان تھے

کیونکر کوئی زمین کو جھک جھک کے دیکھتا
محفل میں ان کی آج کئی آسمان تھے

سورج نڈھال ہو کے بلندی سے گر پڑا!
پربت کے آس پاس ہزاروں مکان تھے

ہم لوگ آنسوؤں سے اُگاتے ہیں کھیتیاں
ہم آج بھی کسان ہیں کل بھی کسان تھے

آوارگانِ شہر نے دیکھا جو صبح کو!
شبنم سے چوٹ کھائے ہوئے سائبان تھے

جب دشمنوں کا کال پڑا میرے گاؤں میں
مجھ پر مرے رفیق بڑے مہربان تھے

لوک مانیہ تلک کو خراجِ عقیدت

لوک مانیہ بال گنگا دھر تلک کی ۵۹ ویں برسی کے موقع پر یکم اگست کو منترالیہ میں ان کی یاد میں گلہائے عقیدت پیش کئے گئے۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ان کی تصویر کی گلپوشی کی۔ اس موقع پر ریاستی کابینہ کے ممبران، چیف سکریٹری شری پی۔ ڈی کسبیکر، اڈیشنل چیف سکریٹری شری کے۔ کے موگھلے، سرکاری افسران اور ملازمین نے بھی لوک مانیہ تلک کی تصویر پر پھول چڑھائے اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔

کوئلہ تقسیم مرکز کا افتتاح

سرکار ناگپور میں تجربے کے بعد بڑے قصبوں اور شہروں میں اس بات کے امکان پر غور کر رہی ہے کہ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے ذریعہ کوئلہ کی فروخت کو فروغ دیکر ذاتی کاروبار اسکیم کی توسیع کی جائے۔ اس بات کا اظہار شری چھیدی لال گپتا وزیر جنگلات نے حال ہی میں ناگپور میں کیا۔

شری گپتا کوئلہ تقسیم مرکز کے افتتاح کے موقع پر یہاں دھنتولی میں تقریر کر رہے تھے۔ یہ پہلا مرکز ہے جو کہ جنگلات ترقیاتی کارپوریشن کی اسکیم کے تحت شروع کیا گیا ہے۔

شری گپتا نے مزید فرمایا کہ تعلیم یافتہ بیروزگاروں کو ملازمت فراہم کرنے کے علاوہ اس اسکیم کا مقصد عام صارفین کو مناسب داموں پر کوئلے کی فراہمی بھی ہے۔ اس اسکیم پر ڈھنگ سے عملدرآمد کرنے میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سماجی ذمہ داری منحصر ہے۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ جنگلات کاٹنے پر لگائی پابندی پر سختی سے عمل کیا جانا چاہیئے تاکہ ریاست کو قحط سے بچایا جاسکے۔ اس مقصد کے لئے محکمۂ جنگلات نے ایک تربیتی پروگرام ادیباسی مزدوروں اور ان کے بچوں کے لئے وضع کیا ہے۔ جنگلات ترقیاتی کارپوریشن کے منیجنگ ڈائرکٹر شری مند کرنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

شری آئی۔ ایم قریشی، جنگلات کے چیف کنزرویٹر نے اپنی تعارفی تقریر میں بتایا کہ ۱۷ تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو اس اسکیم کے تحت منتخب کیا گیا ہے اور اسٹیٹ بنک آف انڈیا نے پیشگی رقم دی ہے۔

-o-

یکم اگست ۱۹۷۹ء کو پورے ملک میں لوکمانیہ تلک کی "۵۱ ویں پنیہ تیتھی" منائی گئی۔ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، منترالیہ میں لوکمانیہ تلک کی تصویر کو پھولوں کا ہار پہنا کر خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

سابق فوجیوں کے لئے ٹی۔ وی ٹیکنالوجی کورس

سابق فوجیوں کے لئے ایک ٹیلیویژن ٹیکنالوجی کورس ڈائرکٹوریٹ جنرل بازآباد کاری و روزگار، دہلی کی جانب سے انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سروسیز، بمبئی میں شروع کیا جائے گا۔

تربیت ماہ ستمبر ۱۹۷۹ء کے پہلے ہفتے سے شروع ہوگی۔ بمبئی کے باہر سے آنے والے سابق فوجیوں کو قیام وطعام کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ درخواستیں ضلع پرلیشد سینک بورڈ، ناگپور کے ذریعہ بھیجی جائیں۔

لومے تسلیم کر لئے گئے

حکومت مہاراشٹر نے مہاراشٹر پبلک سروس کمیشن بمبئی سے تبادلۂ خیال کے
ندرجہ ذیل ڈپلومے تسلیم کر لئے ہیں :

مینچیسٹر کالج آف سائنس کی جانب سے دیئے جانے والے گریفک ری پروڈکشن
رس میں ڈپلوما (دو سالہ کورس) لنڈن کالج آف پرنٹنگ کا گریفک ری پروڈکشن
ولوجی میں ڈپلوما (دو سالہ کورس) لیڈز کالج آف ٹیکنولوجی لیڈز کا فوٹو گرافک
پروڈکشن پروسیس اور اپلائیڈ مضامین (دو سالہ کورس)، مینچیسٹر پالی
یکس کا پرنٹنگ میں ڈپلوما (۳ سالہ) لنڈن کالج آف پرنٹنگ کے
ہ پرنٹنگ میں ہائر نیشنل ڈپلوما (تین سالہ) اور کنٹس کالج آف ٹیکنولوجی
پرنٹنگ میں ڈپلوما (تین سالہ) ان تمام ڈپلوموں کو حکومت مہاراشٹر کے تحت
روں اور ملازمتوں میں بھرتی کے لئے بورڈ آف ٹیکنیکل کے پرنٹنگ ٹیکنولوجی
دماکورس کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

بائیل ٹیکس کلیکشن سینٹر

موٹر گاڑیوں، موٹر سائیکلوں اور اسکوٹروں وغیرہ کے ٹیکس اکٹھا کرتے
لئے مندرجہ ذیل گشتی مراکز کھولے گئے ہیں :

۱) ایچ۔ پی پیٹرول پمپ سوامی ویویکانند روڈ، باندرہ، بمبئی ۵۰
۱) چھگن مٹھا پیٹرول پمپ، نزد سواستک کاٹن ملز کمپاؤنڈ، وی۔ این۔
پوراؤ روڈ، چمبور ۔۔ ان مراکز میں صبح ساڑھے دس بجے سے دوپہر کے ڈھائی
تک تمام کام کاج کے دنوں میں ہر ماہ کی یکم تا ۱۰ر تاریخ تک ٹیکس
ل کئے جائیں گے۔

موٹر گاڑیوں کی ٹیکس وصولی ٹرانسپورٹ کمیشن مہاراشٹرا سٹیٹ بمبئی
، چیمبرس، نریمان پائنٹ کے دفتر میں ہر ماہ پہلی تا دسویں تاریخ تک
دہ احکامات ملنے تک ملتوی کر دی گئی ہے۔

رسین کے بچوں کو وظائف

سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران جونیئر کالج، کالج آف ایجوکیشن کے لئے
ری اور ثانوی اسکول مدرسین کے بچوں کو وظائف عطا کرنے کے لئے مستحق
دداروں کی جانب سے درخواستیں مطلوب ہیں۔

جن طالب علموں نے اپریل ۱۹۷۹ء میں منعقدہ ایس ایس سی امتحان
یا زائد فیصد نمبروں سے پاس کیا ہو اور جن کے والدین کی کل آمدنی
سو روپے ماہانہ سے زیادہ نہ ہو، وہ وظیفہ کے لئے درخواستیں روانہ
کر سکتے ہیں۔ یہ وظائف ایس۔ ایس سی کے بعد منظور شدہ اداروں کے
کل وقتی کورس میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ہوں گے جوکہ آرٹ، سائنس، کامرس
انجنیئرنگ، ٹیکنالوجی، زراعت، میڈیکل اور تدریسی شعبوں میں
حاصل کئے جا سکیں گے۔

درخواست فارم متعلقہ تعلیمی اداروں کے سربراہان سے مل سکیں گے۔
جنھیں پُر کر کے ڈائرکٹر آف ایجوکیشن، ریاست مہاراشٹر، پونے ۴۱۱۰۰۱ کو
اپنے تعلیمی اداروں کے سربراہان کے ذریعہ ۳۱ راگست ۱۹۷۹ء تک بھیجا جا سکتا ہے

سماجی و معاشی کاموں میں شرکت کیجئے!
ـــ ہوم گارڈ سے اپیل

میجر جنرل ایچ۔ این شنگل، ڈائرکٹر جنرل آف سول ڈیفنس اور کمانڈنٹ
جنرل انچیف، ہوم گارڈز، مرکزی وزارت داخلہ نے یہاں سول ڈیفنس اور ہوم
گارڈز رضاکاروں سے فرمایا کہ وہ سماجی معاشی کارروائیوں میں اہم کردار ادا
کریں جیسے تعلیم بالغان، صحت اور صفائی، فرقہ وارانہ اتحاد وغیرہ۔

موصوف حال ہی میں رضاکاروں کے ایک جلسہ سے خطاب کر رہے
تھے جو کہ بمبئی عظمیٰ سول ڈیفنس کور، سنٹرل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، ہوم گارڈ
اور بمبئی عظمیٰ ہوم گارڈز کے تحت منعقد کیا گیا تھا۔

میجر شنگل نے دونوں رضاکار اداروں کو ان کے جذبۂ خدمت سے سرشار
کاموں پر مبارکباد دی۔

انھوں نے ہوم گارڈز اور سول ڈیفنس اداروں میں بہتر قیادت،
ڈسپلن اور تربیت کی اہمیت پر زور دیا۔

ناٹیہ مقابلے ـــ ۲۰ راگست تک مقابلے

ریاستی ناٹیہ مقابلوں کے لئے داخلے کی آخری تاریخ بڑھا کر ۱۰ راگست
کے بجائے ۲۰ راگست ۱۹۷۹ء کر دی گئی ہے۔

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا
پشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور
تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور
قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر فرمائیں۔ غیر طلبیدہ مضامین
کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ (ادارہ)

شری سامنت کا انتقال

سابق ڈائرکٹر آف پبلسٹی شری ڈی. آر سامنت کا ۷ راگست ۱۹۷۹ء کو جسلوک سپتال میں انتقال ہو گیا۔ شری سامنت ستمبر ۱۹۷۴ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ایک فری لانس جرنلسٹ کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔

شری سامنت نے ۱۹۴۸ء میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اس سے پہلے آپ نیشنل ہیرلڈ، لکھنؤ میں بحیثیت نیوز ایڈیٹر کام کرتے تھے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔

۸ راگست کی شام شری سامنت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے منترالیہ کے پریویو تھیٹر میں شری موہن پاٹل چیف ڈائرکٹر کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے تمام افسران و اسٹاف نے شرکت کی اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔

بہادری کے لئے منکر انعام!

۱۰ ر ستمبر تک درخواستیں دیں!!

پولس کمشنر بمبئی عظمیٰ اور ایڈمنسٹریٹر آف پائیلیٹ افسر چندر کانت کے 'منکر انعام' فنڈ کی جانب سے بمبئی عظمیٰ کے علاقے میں زمین، سمندر یا ہوا میں یکم ستمبر ۱۹۷۸ء سے ۳۱ راگست ۱۹۷۹ء تک اپنی جان جوکھم میں ڈال کر کسی کی جان بچانے والے شخص کو ۱۲۵ روپے کا انعام دیا جائے گا، بشرطیکہ اس شخص کا تعلق فائیٹنگ سروس، پولس فورس یا میونسپل فائر بریگیڈ وغیرہ سے نہیں ہو۔

ایسے افراد جنھوں نے بہادری کے یہ کام انجام دیئے ہوں وہ انعام پانے کے لئے درخواستیں دے سکتے ہیں۔ درخواستوں کے ساتھ ہی حادثات کی تفصیلات اور ضروری ثبوت جس سے ان کے مطالبے کو تقویت پہنچتی ہو، پولس کمشنر کے دفتر بمقابل مہاتما پھلے مارکیٹ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ کے پتہ پر ۱۰ ر ستمبر ۱۹۷۹ء سے قبل بھیجے جائیں۔

ایڈمنسٹریٹر کی رائے میں اس سال کے دوران جس شخص نے بہترین کارہائے نمایاں انجام دیا ہو گا وہی انعام کا مستحق سمجھا جائے گا۔ ایسے حالات میں جبکہ متعلقہ فرد کی کسی شخص کی جان بچاتے ہوئے موت واقع ہوئی ہو تو یہ انعام اس کے قانونی وارث کو دیا جائے گا۔ ●

صفحہ ۱۵ سے آگے

میں 'نشانات' اور پھر 'ہمزبان' شائع ہوا۔ سید عارف نے 'جواز' کی بنیاد رکھی۔ آج بھی دو ادبی جریدے اور ۱۵ ہفتہ وار اُردو میں نکل رہے ہیں۔ رائے حبیب الرحمٰن نے ماہنامہ 'جلیس ڈائجسٹ'، غلام مصطفےٰ (بی. ایس سی) نے 'نویدِ نو' اور 'اُردو کومِک' حفیظ الرحمٰن نے نکالا تھا۔

آیئے، اس پس منظر میں مالیگاؤں کی شعری تصنیفات دیکھیں، مہاراشٹر سرکار نے گذشتہ ۳ سال سے اُردو کے سلسلے میں جس رواداری اور وسیع المشربی کا ثبوت دیا ہے وہ عین مہاراشٹر کے قدیم بزرگوں کی صحت مندانہ روایات کا عکس جمیل ہے، اب مہاراشٹر اُردو اکادمی کے قیام نے مہاراشٹر سرکار کی رواداری کا ایک اور نقش قائم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو کے مسلّمہ مراکز دہلی، لکھنؤ اور حیدرآباد سے دور ہونے کے باوجود آج مالیگاؤں' مہاراشٹر میں دبستانِ اُردو کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔

اب تک مالیگاؤں سے ۲۰ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جو مختلف اصنافِ سخن پر مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ پاکٹ سائز (ڈائری نما) مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ ●●

یُوتھ فورم

'یُوتھ فورم'، کا مستقل فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:
ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ،
مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ADIVASIS AND BACKWARD CLASSES –

- Interest-free loan upto Rs 750/- to Adivasis
- Rs 30 crores provided for 'Khavati' loans
- Free legal aid to everyone having annual income upto Rs. 3600/-
- More seed-money to backward class educated unemployed

SMALL HOLDERS AND AGRICULTURAL LABOURERS –

- Rs 127 crores worth bunding loans liquidated
- Power for agriculture at cheaper rate
- Increased daily wages to agricultural labourers
- Permanent relief works in scarcity-affected areas

Government of Maharashtra

Issued by the Directorate General of Information and Public Relations, Bombay.

'स्वराज्य हा माझा जन्मसिद्ध हक्क
आहे व तो मी मिळवणारच'
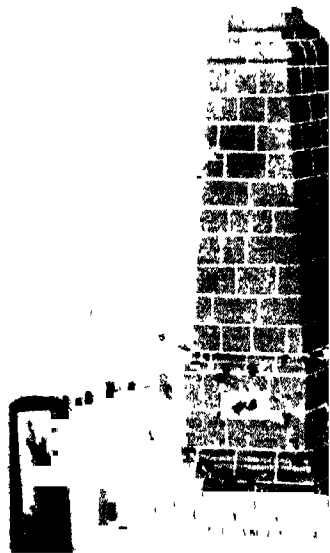
پنڈت جواہرلال نہرو،
قلعۂ احمد نگر میں اپنے زمانۂ نظربندی میں
اِس کمرہ میں رہے۔
بازو میں آپ کی وہ تصویر ہے جو اس تندھا
کی دیوار پر آویزاں ہے۔

ترتیب

ایم-ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

قارئین کی رائے

- **نیاز علی نیاز**۔ چوڑی محل، بالاپور (مہاراشٹر) ۴۴۴۳۰۱

شمارہ ۲۵ر جون نظر نواز ہوا۔ ادبی صفحات میں بڑی جاندار غزلیں پڑھنے کو ملیں نیز نثری حصے میں ندا فاضلی نے تو کمال کر دیا۔ ممتاز راشد کا تعاون بہت خوب ہے۔ اس جدید تیکنیک پر ندا صاحب کو پُرخلوص مبارکباد آپ کے موقر جریدے کے توسط سے ہی پیش کرتا ہوں۔ 'نیند' ایک انتہائی معلوماتی مقالہ ہے، قارئین اسے بہت زیادہ پسند فرمائیں گے۔

★

- **محمد ظہیرالدین انصاری**۔ شولینڈ، تلک روڈ، بیڑ (مہاراشٹر)

۲۵ر جون کے 'قومی راج' کے معلوماتی مضامین بہت پسند آئے احمد صدیقی صاحب کا 'نیند' پر جامع مقالہ پڑھا جو کہ بڑا معلوماتی مقالہ ہے ہم جناب احمد صدیقی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

'قومی راج' نے کم سے کم صفحات میں زیادہ سے زیادہ مضامین دیکر اپنی عظمت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ خدا کرے 'قومی راج' دن دُونی رات چوگنی ترقی کرے (آمین)۔

★

- **مہدی پرتاپگڈھی** دفتر اریگیشن ڈویژن۔ پرتاپگڈھ (یو۔پی)

۲۵ر جون کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ "سمندر، گیہوں اور دلواریں" ندا فاضلی نے ممتاز راشد سے متعلق بڑے چونکا دینے والے انداز میں لکھا ہے۔ عبدالحیٔ انجم اور حبیب راحت کی غزلیں بھی بہت خوب ہیں۔

عابد سہیل نے "ادبی جرائد کے مسائل" کے تحت اُردو اکادمی، اُترپردیش لکھنؤ کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار کی جو رپورٹ پیش کی ہے اس کے تحت جو مسئلے زیر غور آئے ہیں ان پہلوؤں پر واقعی سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان میں اُردو کی بقاء کا پہلو مضمر ہے۔

★

- **حبیب عالم**

معرفت ہیڈ ماسٹر محمد واصل خاں، مونڈی پورہ، کھنڈوہ (ایم۔پی)

یوں تو 'قومی راج' کا ہر خصوصی شمارہ بے مثال اور لاجواب ہوتا ہے لیکن "جنگلی جانور نمبر" نہ صرف دیدہ زیب ہے بلکہ پُراز معلومات بھی ہے۔ خوبصورت اور رنگین تصاویر سے مزین کر کے آپ نے اس نمبر کو بیحد حسین بنا دیا ہے۔ نہایت عمدہ مضامین شائع کئے ہیں جو کہ سائنس کے طلبہ کے لئے کارآمد ثابت ہونگے خصوصاً ونود مون، شمس کنول، ایس م سلیم اور خورشید جہاں ایڈوانی کے مضامین تحقیقی اور معلوماتی ہیں۔ آپ کا یہ اقدام مستحق اور قابل تعریف ہے۔ توقع ہے کہ آئندہ بھی اس قسم کے خصوصی نمبر نکال کر ہماری معلومات میں اضافہ کریں گے۔ اُردو زبان وادب کے ایسے رسائل کی کمی محسوس کی جاتی تھی۔ اس کمی کو حکومت مہاراشٹر کے محکمۂ اطلاعات وتعلقات عامہ نے 'قومی راج' کے ذریعہ پورا کر دیا ہے۔

★

- **جی۔جی خان**

۱۹/۲۱، خدیجہ ولا، لورنسبت روڈ، مجگاؤں، ممبئی ۴۰۰۰۱۰

یوں تو انسان دائم المریض نسیاں ہے۔ لیکن ابھی 'اقبال نمبر' کی خوشگوار یادیں اس مرضِ نسیاں کا پوری طرح شکار بھی نہ ہو پائی تھیں کہ 'قومی راج' نے اپنے نہایت ہی شاندار "جنگلی جانور نمبر" کے ذریعے اُردو داں طبقے پر ایک اور احسانِ عظیم کیا ہے ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

'جنگلی جانور نمبر' کے سارے ہی مضامین، خوبصورت رنگا رنگ تصویریں اور وہ بھی آرٹ پیپر پر' اس کی افادیت میں چار چاند لگا رہے ہیں' آپ کا ادارہ قابلِ مُبارکباد ہے اور اُمید ہے کہ مستقبل میں بھی اسی طرح آپ کا ادارہ افادیت سے بھرپور خصوصی نمبر شائع کرتا رہے گا۔ میری دانست میں زراعت (AGRICULTURE) نمبر، اینمل ہسبنڈری (ANIMAL HUSBANDRY) نمبر اور چھوٹی صنعت (SMALL SCALE INDUSTRY) نمبر وغیرہ ہر خاص وعام کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔

★

- **ایم سلیم الدین** (لیکچرر اِن کامرس)

وارڈ نمبر ۵۔ نزد پوسٹ آفس نوہ (گڑگاؤں) ہریانہ

'قومی راج'، "جنگلی جانور نمبر" کے سب ہی مضامین دلچسپ اور معلوماتی ہیں خاص طور سے ونود مون صاحب کا "تغدار" اور ریاض احمد خاں صاحب کا "ہندوستانی آبی پرندے" بے حد پسند آئے۔ مُبارکباد قبول فرمائیں۔

"قومی راج" کو دیکھ کر اس کے بلند معیار کا بھی اندازہ ہوا۔ اور اسی سے اس کی مقبولیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُردو میں واقعی اس طرح کے معلوماتی رسائل کی کمی کافی عرصہ سے محسوس کی جارہی ہے، قومی راج نے کچھ حد تک اس خلا کو پورا کیا ہے۔

میں نے اپنے ساتھیوں اور پرنسپل صاحب کو بھی 'قومی راج' دکھایا، سب کی رائے قومی راج کے بارے میں بہت اچھی ہے۔ میرے حلقے میں سب نے اسے پسند کیا ہے۔ پرنسپل صاحب اسے کالج کے نام جاری کرنے کے خواہشمند ہیں۔

غریبوں کی بہبود کے منصوبوں پر تیزی سے عمل

یومِ آزادی پر وزیراعلیٰ کا پیغام

وزیراعلیٰ شری شرد پوار نے ۳۲ ویں یومِ آزادی کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو اور بمبئی ٹی۔ وی پر ریاست کے باشندوں کے نام پیغام دیتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ وہ سماجی کشمکش سے بچیں، امن و امان قائم رکھیں اور ۲۰ نکاتی پروگرام کو زیرِ عمل لانے میں ہر طرح سے تعاون دیں۔ جو ریاست میں غریبوں، پسماندہ جاتیوں اور ادیباسیوں کی فلاح و بہبود کے لئے شروع کیا گیا ہے۔

آپ نے لوگوں سے مزید گذارش کی کہ وہ سماجی تناؤ بڑھانے والے عناصر سے چوکنا رہیں اور مختلف مسائل اور ان کے حل کے لئے تعمیری راہ اختیار کریں۔

وزیراعلیٰ نے دیس کی آزادی کی خاطر مجاہدینِ آزادی کی بے لوث قربانیوں اور گذشتہ اکتیس سال کے دوران ترقی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس تمام ترقی کے باوجود ابھی بہت کچھ فرق باقی ہے۔ سماج کے مختلف طبقات میں کتنے ہی اس ترقی سے دُور ہیں اور اس کا پھل نہیں پا رہے ہیں۔

شری پوار نے خصوصاً نوجوانوں کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ نوجوانوں میں جو بے چینی پائی جاتی ہے وہ عیاں ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ نوجوانوں کے مسائل کو سمجھا جائے اور ان کے مفاد پر نظر رکھتے ہوئے ان کی قوت و صلاحیت کو سماجی و قومی ترقیاتی کاموں میں استعمال کیا جائے۔ نوجوان ملک کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ انھیں یہاں ایک تاریخی کردار ادا کرنا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے سامنے بہترین آدرش رکھے جائیں اور ان کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ گذشتہ ایک سال کے دوران ان کے تعاون سے مہاراشٹر نے نمایاں ترقی حاصل کی ہے۔

شری پوار نے آگے فرمایا کہ قلت اور پھر موسلا دھار بارش کی وجہ سے ریاست کی معیشت پر بُرا اثر پڑا ہے۔ ودربھ کے تمام آٹھ اضلاع سیلاب سے متاثر ہوئے ہیں۔ حکومت ان مصائب کا مقابلہ کرنے اور سیلاب زدگان کو امداد دینے کے لئے کمربستہ ہے۔ مہاراشٹر کے عوام نے ناگہانی حالات میں ہمیشہ تعاون کیا ہے اور اُمید ہے کہ اس بار بھی عوام اپنی روایات برقرار رکھیں گے۔ ایسے کٹھن حالات کے نتیجہ میں قیمتوں میں اضافہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے عوامی تقسیم کاری کے طریقۂ کار کو بہتر بنانے کے تعلق سے ضروری اقدامات کی تفصیلات پیش کیں۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ حدِ غربت سے نیچے لوگوں کی فلاح و بہبودی کی خاطر کئی اقدامات کئے گئے۔ مہاراشٹر پہلی ریاست ہے جہاں دیہی علاقوں میں تندرست اور خواہش مند اشخاص کے لئے روزگار کی ضمانت دی گئی ہے۔ ضمانت روزگار اسکیم کے تحت گذشتہ سال ۶۵ کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا اور ۶۵ ہزار ٹن اناج مزدوروں میں تقسیم کیا گیا۔ ان اقدامات کے نتیجہ میں پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہوا ہے جس سے پوری ریاست کو فائدہ ہوگا۔

(باقی صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

آزادیٔ وطن کے شہید

* راجہ منگل وڈھیکر

*

اس سال بھارت آزادی کے ۳۳ویں سال میں داخل ہورہا ہے۔ تاریخ آزادی، مجاہدینِ وطن کی عظیم قربانیوں کی داستان سے پُر ہے۔ مہاراشٹر کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ اس سرزمین سے ایسے نامور مجاہدینِ آزادی تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے مادرِوطن کے لئے سختیاں جھیلیں اور جیل گئے۔ کئی ایک نے جان کی قربانی دی اور شہید ہوئے۔

یوں تو تمام مجاہدینِ آزادی کی جدوجہد کا مقصد آزادی اور سوراجیہ حاصل کرنا تھا لیکن عملی طور پر طریقہ کار دو حصوں میں بٹا ہوا تھا، ایک تو عدم تشدد کے اصول کے مطابق پرامن ستیہ گرہ اور دوسرے مسلح جنگ۔ یہ نظریاتی اور عملی اختلاف مراٹھی جواں مردوں اور محبِّ وطنوں میں خاص دیکھا گیا۔ انتہا پسندوں کے قابلِ ذکر رہنما گوکھلے تھے اور اعتدال پسندوں کے تلک۔ دوسری طرف "تشدد پسند" اور انقلابی ہیرو واسودیو بلونت پھڈکے بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔
۱۹۲۰ء میں تلک کے دور دورہ کا خاتمہ ہوا اور مہاتما گاندھی منظرِ عام پر آئے۔ آپ کا زمانہ ۱۹۴۷ء تک رہا جسے خصوصاً حصولِ آزادی کی جدوجہد کا زمانہ کہا جاسکتا ہے۔ دراصل یہ تشدد سے بری، پُرامن انقلاب تھا۔ کئی ستیہ گرہیوں نے آزادی کے لئے آزادی کی قربان گاہ پر اپنی جانیں دے دیں۔ لیکن حصولِ مقصد کے لئے عدم تشدد اور پُرامن مظاہرہ سے ذرہ بھر نہیں ہٹے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء کے زمانہ میں کئی "تشدد پسند" اور انقلابی ستیہ گرہیوں نے عظیم قربانیاں پیش کیں۔

مہاراشٹر کے شہیدانِ وطن میں بھگت سنگھ کے ساتھی راج گرو کا نام سرِفہرست ہے۔ ۱۹۲۰ء میں سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں مظاہرے ہوئے۔ انقلابی رہنما لالہ لجپت رائے لاہور میں ایک عظیم جلوس کی قیادت کررہے تھے۔ جلوس پر پولس نے لاٹھی چارج کیا۔ ایک پولس آفیسر نے جس کا نام اسکاٹ تھا، لجپت رائے کو بے دردی سے پیٹا۔ لجپت رائے کے سینے پر گہرے زخم آئے جس کی تاب نہ لاتے ہوئے انھوں نے موت کو لبیک کہا۔ مرتے وقت ان کے لب سے یہ مشہور الفاظ ادا ہوئے۔ "ہم پر ماری گئی ہر ضرب برٹش حکومت کے تابوت میں ٹھوکی گئی کیل ہے"۔

لالہ جی کی موت سے چندر شیکھر آزاد، جنہیں انقلابیوں کا شہنشاہ کہا جاتا ہے۔ طیش میں آگئے اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ لالہ جی کی موت کا بدلہ لے کر رہیں گے۔ راج گرو ہندوستان سوشلسٹ ری پبلک آرمی کے رکن تھے جنہوں نے دوسرے اراکین کے ساتھ قسم کھائی کہ وہ لالہ جی کی موت کا انتقام لیں گے۔ راج گرو کا پورا نام شیورام ہری راج گرو تھا۔ ۱۹۰۸ء میں پونے ضلع کے کھیڈ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ نوتن مراٹھی ودیالیہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۲۳ء میں ۱۵ سال کی عمر میں سنسکرت سیکھنے کے لیے وارانسی گئے جہاں انہوں نے وازے شاستری سے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور ترکا تیرتھ بنے۔

آپ کو جسمانی کسرت کا شوق تھا۔ امراؤتی میں ہنومان ویایام پرسارک منڈل میں ایک کورس مکمل کیا۔ مراٹھی کے علاوہ آپ انگریزی، کنڑ، سنسکرت ہندی، اردو اور ملیالم سے بھی واقف تھے۔ وارانسی میں ہی آپ کی ملاقات چندر شیکھر آزاد، سکھدیو اور بھگت سنگھ کے ساتھیوں سے ہوئی۔

راج گرو اور جے گوپال کو اسکاٹ پر حملہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ۱۷ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو لجپت رائے کی موت کا بدلہ لے لیا گیا۔ راج گرو جے گوپال اور بھگت سنگھ پولس آفیسر اسکاٹ کی تاک میں لگے رہے۔ جوں ہی وہ انگریز آفیسر دفتر سے باہر آیا۔ جے گوپال نے راج گرو کو اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی راج گرو نے گولی چلائی۔ بھگت سنگھ نے دوسری گولی چلائی لیکن جس پولس آفیسر کو وہ اسکاٹ سمجھ رہے تھے وہ ایک دوسرا ہی آفیسر سانڈرس نکلا۔

سانڈرس کے قتل کا مقدمہ کئی مہینے چلا۔ آخر میں بھگت سنگھ، سکھدیو اور راج گرو کو پھانسی دے دی گئی۔ یہ تینوں سرفروش "انقلاب زندہ باد" کا تاریخی نعرہ لگاتے ہوئے خوشی خوشی موت سے ہم آغوش ہوگئے۔ یہیں سے یہ نعرہ تمام انقلابات میں جنگی نعرہ کی حیثیت سے استعمال ہونے لگا۔

راج گرو کے پیدائشی مقام کھیڈ کو حال ہی میں اس عظیم مجاہد کی یاد میں "راج گرو نگر" کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

ویربابو گینو:- ۱۹۳۰ء میں گاندھی جی نے ترکِ موالات اور عدم تعاون کی تحریکیں چلائیں۔ ان تحریکوں میں بدیسی مال کا بائیکاٹ کیا گیا۔ اور کھادی کے استعمال کو فروغ دیا گیا۔ ملک بھر کے عوام نے گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہا اور بدیسی کپڑوں کی ہولی جلائی گئی۔ سودیشی مال کی نشانی کے طور پر چرخہ گھر گھر عام ہوگیا۔ بمبئی میں بدیسی مال لانے والی گاڑیوں کو روکا گیا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۰ء کا دن تھا۔ ایک انگریز بیوپاری [illegible]

بابو گینو نے بھی جیٹھا مارکیٹ سے آئی ہوئی ایک لاری کو روکنے کی کوشش کی۔ پولس کی ایک بھاری جمعیت لاری کی حفاظت کر رہی تھی۔ بابو گینو دیکھتے دیکھتے زمین پر لیٹ گئے تاکہ لاری آگے نہ جاسکے۔ لیکن لاری بابو گینو کو کچلتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ زخموں سے چور بابو گینو کو جی ٹی ہسپتال لے جایا گیا جہاں اسی روز شام میں وہ چل بسا۔

دوسرے روز بابو گینو کا مردہ جسم ایک جلوس کی شکل میں لے جایا گیا۔ اس جلوس میں کے۔ ایم۔ منشی، جمناداس مہتا، یوسف مہر علی جیسی معزز ہستیاں شامل ہوئیں، اور بابو گینو کو خراج عقیدت پیش کیا اور سیڑاوس کے قریب فوج نے جلوس کو روکنا چاہا۔ جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ بالآخر سوناپور کے شمشان میں بابو گینو کی آخری رسومات انجام دی گئیں۔

چرنیر:- مہاتما گاندھی کی نمک اور جنگل ستیہ گرہ نے پورے ملک کو گرفت میں لے لیا تھا۔ مہاراشٹر میں یہ دونوں تحریکیں خصوصاً ضلع رتناگری میں شرودا اور ضلع قلابہ میں چرنیر کے مقام پر زور شور سے چلائی گئیں۔ ۲۵ر ستمبر ۱۹۳۰ء کے دن ہزاروں ستیہ گرہی مرد و عورتیں پنویل سے چرنیر کی سمت چلے جارہے تھے۔ ۱۵ سے ۲۰ گاؤں کے لوگوں نے پربھات پھیری اور بھجن کے پروگرام منعقد کیے جو رام مندر چرنیر پر جاکر ختم ہوئے۔ ۲۰ پولس کے جوان پستول اور لاٹھی سے مسلح تیار کھڑے تھے۔ ستیہ گرہیوں نے پہلے پوجا کی اور بعد میں ۵۰۰۰ کی تعداد میں جلوس نکالا۔ جلوس انتہائی پُرامن تھا لیکن پولس جوانوں کی شرارت سے عوام میں غصہ اور نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ پولس جوانوں نے کچھ جلوسیوں کو دھکا دیا، چند کو تھپڑ مارا اور ہتھکڑی پہنائی۔ عوام غصہ سے بے قابو ہوگئے۔ پولس نے گولی چلائی۔ ۵۰۔۶۰ افراد زخمی ہوئے۔ سات اشخاص ہلاک ہوئے جن کے نام یہ ہیں آنند ماما پاٹل، رگھوناتھ مورلشور نہوی، ڈھاکو فوکر، اتیا بنبتیا پاٹل، پرشو رام راما پاٹل، راما باما کولی اور ہشی رام بدھیا پاٹل۔

شہید نکے:- بلاشی ضلع ستارہ میں جنگل ستیہ گرہ کے دوران ۱۲ر جولائی ۱۹۳۱ء کو ستیہ گرہیوں نے جنگل میں داخل ہوکر ایک سنت کاٹا اور مہادیو مندر کے سامنے لگا دیا۔ اس کے بعد اسی درخت پر ترنگا جھنڈا لہرایا گیا۔ یہ سب دیکھ کر انگریز پولس غصہ سے بے قابو ہوگئی اور ستیہ گرہیوں پر بے تحاشہ لاٹھی برسانے لگی۔ کچھ عورتیں جھنڈے کی حفاظت کے لیے آگے بڑھیں لیکن انہیں بھی نہیں بخشا گیا۔ یہاں تک کہ پولس مندر میں بھی گھس پڑی اور وہاں کی ہر چیز کو تباہ کر دیا۔ بعد میں مجمع کی جانب سے پولس پر پتھراؤ کا بہانہ بنا کر فائرنگ کا حکم دیا گیا۔ اسی

فائرنگ میں ۱۰ اور ۱۲ سال کے دو بچے ستارام بھاؤ چیمار اور ڈھونڈی سنتو کمار ہلاک ہوتے جن کی لاشوں کو پولس گھسیٹتے ہوئے لے گئی۔

سولاپور کے شہید:۔ نمک ستیہ گرہ کی حمایت میں سولاپور میں کام کاج میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ ٹیکسٹائل ملیں تین دنوں کے لئے بند کر دی گئیں۔ پولس کے بے رحمانہ ظلم و ستم سے عوام بھڑک اٹھے۔ ایک مشتعل مجمع نے چھ پولس اسٹیشنوں کو آگ لگا دی۔ سیشن کورٹ کو نذر آتش کیا گیا۔ ۱۲ رمئی کو کرفیو لگا دیا گیا اور مشین گنوں سے مسلح سپاہی گلیوں میں تعینات کر دیے گئے۔ فوجی عدالتوں میں ملپا دھن شیٹے، جگناتھ شندے، کسن سارڈا اور قربان حسین پر پولس افسران کے قتل کا مقدمہ چلایا گیا اور ۱۲ رجنوری کو یروڈا جیل میں چاروں کو سزائے موت دی گئی۔

ہندوستان چھوڑ دو تحریک:۔ ۱۹۴۲ء کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک نے حکومت برطانیہ کی بنیادیں ہلا دیں۔ ضلع ستارہ میں چند سرفروش محب وطنوں نے متوازی حکومت قائم کی اور مہاراشٹر بھر میں ترنگا جھنڈا لہرایا گیا۔

۹ ستمبر ۱۹۴۲ء کو وادوج میں معاملتدار کے دفتر پر ایک زبردست مورچہ لے جایا گیا۔ پولس نے مجمع پر فائرنگ کی۔ غیر مسلح جلوسیوں پر ۱۵ گولیاں داغی گئیں۔ پرشورام پہلوان نے آخری دم تک ترنگا جھنڈا ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یکے بعد دیگرے اس جواں مرد پر چھ گولیاں چلائی گئیں۔ فائرنگ میں دیگر ہلاک شدگان کے نام یہ ہیں :۔ پرشورام گھاٹگے، کسن بھونسلے، کشابا بھونسلے، شدوبا پوار، رام کرشنا کھشا دکر، اور شری رنگ ستارہ، دلبھ بھائی کھٹاؤکر اور بال شندے۔

دوسرے روز بھی معاملتدار کے دفتر پر دوسرا مورچہ لے جایا گیا۔ ۹ ستمبر کے مورچہ میں اور اس مورچہ میں کرلوسکر وارڈی کا ایک انجینئر ادماشنکر پانڈے بھی شامل تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے اس انجینئر سے پوچھا "تم کیا چاہتے ہو"۔ فوراً ہی جواب ملا۔ "سوراجیہ" جوں ہی یہ الفاظ اس کے منہ سے ادا ہوئے، اسے گولی مار کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ اس کے بعد پولس فائرنگ ہوئی جس میں وشنو برتکے مارا گیا۔

وارنا کے کنارے:۔ ۲۴ رجولائی ۱۹۴۶ء کو شری کرانتی سنہ (راؤ پاٹل) کے ہمراہ ۱۴ قیدیوں نے جن کے پاس ۱۹ پستول اور ۲۳۰ گولیاں تھیں جو انہوں نے پولس سے چھینی تھیں۔ سانگلی جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ وہ سب جیل کی لمبی دیوار پھاند کر فرار ہو گئے۔ گھوڑسوار پولس نے ان کا تعاقب کیا۔ کچھ قیدیوں نے وارنا کے مقام پر سنگم کو تیر کر پار کیا لیکن بابوراؤ جادھو جو پولس کی گولی سے زخمی ہو گیا تھا وارنا کے کنارے موت سے ہم آغوش ہو گیا۔ ۱۷ سالہ پتراولے کو بھی جسے پولس نے سانگل واڑی پر گرفتار کیا، گولی ماری گئی جب کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔

کولہاپور میں جنگ:۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کا آغاز ہوتے ہی ریاست کولہاپور کے عوام نے ایک جلوس نکالا جس میں یہ طے کیا گیا کہ آج کے بعد انگریز حکومت کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ہزاروں کی تعداد میں شہریوں نے اور طلبائنے اس تحریک میں حصہ لیا۔

۱۵ راگست ۱۹۴۲ء کو مہادیو بھائی ڈیسائی سورگ باس ہوگئے۔ کولہاپور کے عوام نے ان کی لاش سمیت جلوس نکالا۔ ستیہ گرہ جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا جس میں بہادر بندو نارائن زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گیا۔

لنگایت فرقہ کا ایک پادری کرد پرچیہ سوامی جس کا نام تھا، عہد کیا کہ وہ کارگوٹی علاقہ (واقع کپاشی) کو انگریزوں کے ہاتھوں سے آزاد کرا کے رہے گا۔ ۱۲ ردسمبر کو اس محب وطن نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ گارگوٹی میں واقع جیل اور دفتروں پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ ساتھ ہی گارگوٹی کو جانے والی چار سڑکوں کے درمیان ایک پل کو بھی اڑانے کا فیصلہ کیا گیا تاکہ فوج کی گارگوٹی تک رسائی نہ ہو سکے۔

۱۲ ردسمبر کو ساڑھے تین بجے تمام محب وطن "گاندھی جی کی جے" کا نعرہ لگاتے ہوئے سوامی جی کے ساتھ گارگوٹی پہنچے۔ انہوں نے کلکٹر کے دفتر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ دفتر کے اندر موجود پولس نے کھڑکیوں سے فائرنگ کی۔ سوامی کو گولی لگی اور وہ فرش پر گر گیا۔ اس پر مجمع مشتعل ہو اٹھا۔ اور بالآخر دفتر پر قبضہ کر لیا۔ ڈاکٹر کاکڑے اور وارکے نے تجوری توڑی۔ پولس دفتر سے نکل کر جھاڑیوں کے بیچ سے اب بھی فائرنگ کر رہی تھی۔ وارکے کو بھی گولی لگی۔ ان کے علاوہ تاوڑے، شنکر راؤ انگالے، تکارام بھرمل اور ملپا وغیرہ بھی ہلاک ہوئے۔

کرو یا مرو:۔ مہاتما گاندھی نے "کرو یا مرو" کا نعرہ لگایا تاکہ تحریک میں اور شدت پیدا ہو سکے۔ پونے شہر کی کالجوں اور اسکولوں میں بھی تحریک پھیل گئی۔ گاندھی جی کی گرفتاری نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اور ملک بھر میں مظاہرے، ہڑتالیں اور تحریک شروع ہو گئی۔ ۹ راگست ۱۹۴۲ء کو ایس۔ پی کالج، پونے میں ایسے ہی ایک مظاہرہ کے دوران مجمع اور

پولیس کے درمیان مڈبھیڑ میں رادھے نامی جوان ہلاک ہوا۔ اسی کالج کا وسنت داتے نامی دوسرا نوجوان جو بی۔ اے میں تعلیم حاصل کر رہا تھا مہاڈ گیا تاکہ نانا پروہیت کے ساتھ کام کرے جو ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو معاملتدار کے دفتر ایک مورچے لے جانا چاہتے تھے۔ عوام کی ایک کثیر تعداد مورچہ میں شریک ہوئی۔ راستے میں جلوسیوں نے ایک پوسٹ آفس کو آگ لگائی۔ پولس فائرنگ ہوئی جس میں وسنت داتے کے ساتھ مہاڈ کے طلباء کملاکر اور ڈانڈیکر، ارجن کادو اور ناتھو دولائی ہلاک ہوئے۔ ایس پی کالج میں وسنت داتے کی یاد میں "وسنت داتے میموریل فنڈ" قائم کیا جس کے تحت کالج کے ذہین طلبا کو انعامات دئے جاتے ہیں۔

پونے کا ایک نوجوان بھاسکر زنک مشہور انقلابی شری بھاؤ لیمائے کا ساتھی تھا۔ یہ نوجوان دیہو روڈ پر واقع ایک اسلحہ تیار کرنے والے کارخانہ میں ملازم تھا۔ پولس کو اس نوجوان کی انقلابی کاروائیوں کا پتہ چلا تو انہوں نے اس نوجوان کو پریشان کرنا شروع کیا اور اس پر جبر کرتے رہے کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام و پتہ بتا دے لیکن کارنک نے اپنے لب سی دیئے۔ جب برداشت نہ ہو سکا تو اپنے ناخن میں پوشیدہ زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کر لیا۔ اس نوجوان کی یاد میں پونے میں بدھوار پیٹھ کے مقام پر ایک یادگار قائم کی گئی۔

"میں یہاں ہوں":

سوشلسٹ پارٹی کے بھائی کوتوال ماتھیران میں منظم طور پر جدوجہد آزادی میں مصروف تھے۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک نے انہیں مزید حوصلہ دیا۔ اور انہوں نے اعلان کیا۔ "اب میری قبر یا تو آزاد ہندوستان میں بنے گی یا سورگ میں۔" سدھ گڑھ تھلنے میں انہوں نے اپنا مرکز قائم کیا اور ہیراجی پاٹل، درگا گو، بھگت، ماسٹر شیلار اماما دیگر ساتھیوں کے ہمراہ اپنی انقلابی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ ان لوگوں نے چند پولس والوں کو بے قابو کر کے ان کے اسلحہ چھین لیے۔ بجلی کی تاریں کاٹ دیں۔ فوجی ٹرینوں کی آمد میں رکاوٹ پیدا کرنے کے لیے ٹرینوں کی پٹریاں اکھاڑ دیں۔ اور کئی ڈاک گھروں کو تباہ کر دیا۔ ان تمام واقعات نے انگریز پولس افسران کی نیندیں حرام کر دیں۔ تھلنے کے ڈی ایس پی مسٹر ہال نے گھوڑ سوار مسلح سپاہیوں کو کوتوال کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ ۲ جنوری ۱۹۴۳ء کو کوتوال کا کچھ پتہ چلا۔ کوتوال کی پناہ گاہ سدھ گڑھ کے جنگلوں میں پولس اندھا دھند فائرنگ کرتی ہوئی گھس پڑی۔ ہیراجی پاٹل ہلاک ہوا کوتوال اپنے آپ کو بچاتے ہوئے ایک دوسری پہاڑی کی سمت دوڑ رہا تھا کہ اس کے پیر میں گولی لگی۔ وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ تب ہی مسٹر ہال اس جگہ پہنچے اور بلند آواز سے پوچھا۔ "کوتوال تم کہاں ہو، سامنے آؤ۔" فوراً ہی کوتوال نے جواب دیا۔ "میں یہاں ہوں!" یہ گویا اپنی موت کے پروانے پر خود ہی دستخط کرنے کے مترادف تھا کیونکہ جواب سنتے ہی مسٹر ہال نے کوتوال کو جا لیا اور ایک لمحہ بھی تاخیر کئے بغیر اپنے ریوالور سے کوتوال کے سر میں گولی داغ دی۔ ہیراجی پاٹل اور کوتوال کی یاد میں سدھ گڑھ میں ایک یادگار قائم کی گئی ہے۔

کمسن شہیدانِ وطن:

"ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کو جاری ہوئے ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ ۹ ستمبر ۱۹۴۲ء کو نندوربار کے شہریوں نے کلکٹر کے دفتر پر ترنگا جھنڈا لہرانے کا فیصلہ کیا۔ تمام شہری جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے۔ ایک ۱۵ سالہ لڑکا شریش کمار مہتا جھنڈا اٹھائے جلوس میں شامل تھا۔ ایک جگہ پولس نے جلوس کو روکا اور شریش کمار سے جھنڈا چھیننے کی کوشش کی۔ شریش کمار نے مزاحمت کی۔ آخرکار پولس نے اس کے سینے میں گولی مار دی۔ گولی لگتے ہی شریش گر گیا لیکن جھنڈے پر اس کی گرفت اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ اس نے دم نہیں توڑ دیا۔ دوسرے کمسن بچے جو اس واقعہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں: گھنشیام داس وانی لال داس شاہ، دھن سکھ لال وانی اور ششی دھر کینکر۔ ان بچوں کی عظیم قربانیوں کے پیشِ نظر سانے گروجی کی ایماء پر ایک یادگار قائم کی گئی۔

وددرکھہ۔ میدانِ جنگ:

مہاراشٹر امراوتی میں وددرکھہ کے علاقے میں یادلی نامی ایک چھوٹا سا دیہات ہے لیکن یہاں کے باشندوں کی سرفروشانہ سرگرمیوں کی بدولت یہ چھوٹا سا گاؤں ملک بھر میں شہرت پا گیا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں عدم تعاون کی تحریک کے دوران یادلی کا باشندہ لکشمن راؤ بھیگڑھے نے آزادی کی قربان گاہ پر اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا دیا۔ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کی حمایت میں ۱۸ اگست ۱۹۴۲ء کو یادلی کے مرد و خواتین نے انگریزوں کے ساتھ ایک زبردست جنگ چھیڑ دی۔ بالی رام جی بوراڈے، موتی رام جی بھیگڑھے، تلشی رام جی تاداس، کرشن راؤ پوار، راجہ رام جی ادرنگ پورے، جے رام جی باڈوجی اور گنپت راؤ یادولے اس تصادم میں مارے گئے۔

۱۹۴۲ء کی جدوجہد میں آشتی گاؤں کے دس افراد نے بھی اپنی جانیں دیں۔ ان کے نام یہ ہیں: گوند راؤ مالیے، نواب رشید خان، سعادت خان، مادھو راؤ دیشمکھ، میت راؤ جھو ہٹ بھر، ہری لال ماہداڑی، گنگا رام ناگپورے، باکے راؤ بھرٹکے، کشور راؤ ڈھنگے، نیچی گوند ادر اودے بھاؤ جی کباڑے۔

(بقایا صفحہ ۱۵ پر)

۱۹۴۶ء کی بحریہ بغاوت

• جے۔ وی۔ نائیک
شعبۂ تاریخ، بمبئی یونیورسٹی

۱۹۴۶ء میں رائل انڈین نیوی یعنی شاہی ہندوستانی بحریہ کے جہازیوں کی بغاوت قبل از آزادیٔ ہند تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہے۔

اس سے ہندوستان کی جدوجہدِ آزادی نے ایک نیا ہی رخ اختیار کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد آزاد ہند فوج کے سوا انگریزی راج کے لئے ہندوستانی ہتیار بند فوج کی جانب سے کبھی بھی اتنا بڑا خطرہ پیدا نہ ہوا تھا جسے خود انگریزوں نے بھرتی کیا تھا اور تربیت دی تھی۔ گوکہ یہ بحری بغاوت ۱۸ فروری سے ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء تک صرف پانچ دن جاری رہی لیکن اس کی شدت نے انگریزوں کی آنکھیں کھولدیں اور انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ ہند میں کس قدر جوکھم میں ہیں۔ انہیں پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ بھی پتہ چل گیا کہ اب وہ مادرِ ہند کی عوامی تحریک کو کچلنے میں ہتھیار بند فوج سے کسی حال میں کام نہ لے سکیں گے۔ مختصراً یہ کہ بحریہ کی بغاوت نے سامراجیوں کو جتادیا کہ اب ہندوستان میں ان کے لئے گنتی کے دن رہ گئے ہیں۔

اس بحری بغاوت کی تفصیل نیز ہندوستان جلد سے جلد چھوڑنے سے متعلق انگریزوں کے فیصلہ پر اس کے اثرات ابھی بھی پوری طرح روشنی میں نہیں آئے۔ پھر اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالنا اس وقت تک ممکن نہیں تاآنکہ اس واقعہ سے متعلق سرکاری ریکارڈ سامنے نہ آجائے۔ فی الحال اس غیر معمولی واقعہ سے متعلق کچھ ٹھیک ٹھیک کیفیت ذاتی یادداشت کی شکل میں بی سی دت کی کتاب میوٹنی آف دی اِن نوسینٹ MUTINY OF THE INNOCENT (سندھی پبلیکیشنز، بمبئی ۱۹۷۱ء) سے معلوم ہوتی ہے۔ شری دت خود ایک جہازی رہ چکے تھے اور ان کے بیان کے مطابق وہ اس بغاوت کے اصل بانیوں میں سے تھے جس میں سراسر قومی اور وطنی جذبہ کارفرما تھا۔ گو شری دت کا خلوص میں کلام نہیں، تاہم ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے بیان میں کلیتاً شخصی احساسات بھی آجاتے ہیں اور اسے مستند تاریخی ذریعہ سمجھنا مناسب نہیں ہے۔

شروعات:

یہ کہانی ۸ فروری ۱۹۴۶ء سے شروع ہوتی ہے جب کہ بمبئی میں رائل انڈین نیوی کے سگنل اسکول، ایچ ایم آئی ایس تلوار کے جہازیوں نے یکایک بظاہر ناقص اور ناکافی غذا کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھوک ہڑتال کردی لیکن ابتدائی اور بعد کے واقعات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جہازیوں کے اس اقدام میں غذا کے مقابلے میں سیاسی جذبہ

یہ بس "اچھے چاول اور دال" کے لئے ہنگامہ نہ تھا، حالانکہ عام لوگوں کو یہی سمجھایا گیا تھا۔

ہتھیار بند فوج کو ہڑتال کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسے کبھی بھی اس کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جہازیوں کا یہ اقدام بغاوت کے مترادف تھا اور یقیناً یہی حقیقت تھی۔

ایک عجیب صورتِ حال رونما ہوئی۔ اس سے نوے سال قبل ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی نے انگریزوں کو جتادیا تھا کہ ہندی سپاہی اس کا زرخرید غلام نہیں۔ اس زمانے میں بحریہ کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد سے انگریز حکام بڑی احتیاط برتنے لگے تاکہ اس قسم کی بغاوت پھر نہ پھوٹے فوج کی ازسرِ نو تنظیم کی گئی۔ ہندوستانیوں کو توپ خانہ سے بالکل الگ کردیا گیا، نیز انگریز سپاہ کے مقابلے میں پہلے سے ہندوستانی سپاہ کا تناسب بھی گھٹا دیا گیا۔ قبائلی اور فرقہ وارانہ خیالات کی دیدہ دانستہ حمایت کی جاتی۔ سپاہ کے مختلف درجے جو سماجی اور مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جدا جدا تھے ملا دیئے گئے تاکہ وہ متحدہ طور سے کوئی کاروائی نہ کرسکیں اس بات کی بڑی چوکسی کی جاتی کہ بھرتی کئے جانے والے نوجوانوں پر کسی قسم کا بھی سیاسی اثر نہ پڑے۔ بھرتی کرنے کے بعد بڑی نگاہ رکھی جاتی کہ کسی بھی قسم کی سیاسی کتاب ان کے ہاتھ نہ پڑے۔ ان کی ڈاک سختی سے سنسر کی جاتی مختصر یہ کہ ہتھیار بند فوج کو پوری طرح سے عوام سے الگ رکھا جاتا۔

پہلی عالم گیر جنگ چھڑنے کے بعد صورت حال تدریجاً بدلنا شروع ہوئی

جنگ عظیم کی، فوری ضروریات اور تقاضے بڑے شدید تھے اور قبل جنگ فوجی بھرتی کے اصول اور ضابطہ پر سختی سے عمل کرنا مشکل ہوگیا۔ دوسری عالمی جنگ شروع ہونے تک ہندوستان میں سیاسی صورت حال نمایاں طور سے بدل چکی تھی۔ درحقیقت دوسری عالمی جنگ اور اس کے ساتھ ہندوستان اور دنیا کے دیگر مقامات پر پیش آنے والے واقعات میں اس بغاوت کے سوتے ملتے ہیں اس جنگ میں پہلی جنگ کے برعکس کانگریس نے سختی سے یہ موقف اختیار کیا کہ ہر ایسی جنگ میں کسی طرح کا تعاون نہ دے گی۔ جو سامراج کی خاطر چھیڑی گئی ہے اور جس کا مقصد ہندوستان اور دیگر مقامات میں سامراجیت کو مضبوط کرنا ہے اس وقت "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک پورے زور شور سے جاری تھی۔ اسی موقع پر سگنل اسکول کے جہازیوں کے دستہ کو جنگی محاذ پر بھیجا گیا جس نے تاریخ میں ایک نیا باب کھول دیا۔

نسلی امتیاز

جنگ میں ہندوستانی بحریہ کے جہازیوں نے بھی ان کے ہم درجہ انگریز جہازیوں ہی کے برابر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ لیکن ہر قدم پر حتٰی کہ جنگ کے محاذ پر محض نسل کی بنیاد پر امتیاز برتا جاتا۔ ان جہازیوں کو جنھیں خاص ذمے داری سونپی گئی تھی اور جو نسبتاً پڑھے لکھے تھے یہ ذلّت آمیز نسلی امتیاز سخت ناگوار گذرتا۔ پھر بھی انھوں نے اپنا کام بخوبی انجام دیا۔ لیکن فتحیابی کے اعزازات دیتے وقت ان سے ایسا سلوک کیا گیا گویا کہ وہ گیڈر کے سمان ہیں۔ جنگ کے بعد ہزارہا جہازیوں کو پھر چھٹنی اور بے کاری کا خطرہ لاحق ہوا جس وقت انگریزوں کی خاطر جنگ لڑ رہے تھے، ان کے ہم وطن سخت جدوجہد کر رہے تھے تاکہ سامراجیوں کو ملک سے نکال دیں۔ اب اُن میں احساس پیدا ہو گیا تھا اور ان کے لئے یہ کوئی فخر کی بات نہیں رہی تھی کہ وردی پہنیں، بدیسی آقاؤں کا حکم مانیں اور اپنے ہم وطنوں کی نظر میں حقیر ہوں۔

مجموعی طور پر ان سب باتوں سے ان میں بے چینی پیدا ہوئی۔ جب انہوں نے یہ سنا کہ سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کے جوانوں کے خلاف مقدمات چلائے جائیں گے تو ان کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ لڑائی کے لئے تربیت یافتہ ان جوانوں کے لئے گاندھی جی کے فلسفیانہ اصول ستیہ اور اہمسہ کے مقابلے میں سبھاش چندر بوس کی مجاہدانہ قومیت زیادہ پرکشش اور پراثر تھی۔

ان پرانی زیادتیوں پر برافروختہ، حب وطن سے سرشار اور آزاد ہند فوج کی مثال سے متاثر ہو کر ایچ۔ ایم۔ ایس تلوار کے کچھ جیالے جہازیوں نے یہ طے کیا کہ دیس کو بدیسی راج سے نجات دلانے کیلئے جدوجہد کی جائے۔ انہوں نے خفیہ طور پر ایک تحریک شروع کی جسے انہوں نے سبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کی طرز پر آزاد ہند تحریک کا نام دیا۔

اس جماعت نے اولاً یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کی تاریخ رکھی جبکہ یوم بحریہ منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر شہریوں کو جہازوں پر آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ایچ۔ ایم۔ ایس تلوار اس نمائش میں خصوصیت کا حامل تھا۔ سازشیوں نے یہ طے کیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کوئی سنسنی خیز حرکت کی جائے۔ یوم بحریہ سے قبل شب میں انہوں نے سخت حفاظتی انتظامات کے باوجود جہاز کی دیواروں پر کسی نہ کسی طرح یہ نعرے لکھ دیئے "ہندوستان چھوڑ دو، سامراجی مردہ باد، اب بغاوت کرو، انگریز کو مار ڈالو"۔ انہوں نے ۲ر فروری ۱۹۴۶ء کو کمانڈر انچیف کی (تلوار) میں آمد کے موقع پر بھی سنسنی خیز نعرے بڑی دلیری سے دہرائے ———

——— قدرتی طور سے اس خطرے سے آگاہ ہو کر حکام نے چوکسی اور سخت کر دی۔ بحری سراغ رسانی سخت کی اور مجرمین کو گرفت میں لانے کے لئے پوری پوری کوشش کی۔ تاہم انہوں نے اس موقع پر یہ مناسب سمجھا کہ ان حادثات پر کوئی ہنگامہ برپا نہ ہو ورنہ باہر قوم پرستوں کو اس کی خبر لگ جائے گی۔

بھوک ہڑتال

سولہ دن بعد ۱۸ر فروری ۱۹۴۶ء کو صبح ۸ بجے ایچ۔ ایم۔ ایس تلوار کے جہازیوں نے بھوک ہڑتال کر دی اور کام بند کر دیا۔ بحریہ میں اس قسم کا واقعہ کبھی نہ ہوا تھا۔ تلوار کے افسران حیران و ششدر رہ گئے۔ جہازیوں کو نظم و ضبط اور قابو میں رکھنے کے لئے ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔

پانچ گھنٹے بعد یہ دیکھ کر کہ صورت حال قابو سے باہر ہو رہی ہے بمبئی میں بحریہ کے سب سے بڑے عہدہ دار ریئر ایڈمرل راٹرے لپک کر جہاز میں گئے اور عام ومراتب کا خیال کئے بغیر جہازیوں سے دوبدو بات چیت کی۔ انہوں نے انھیں یقین دلایا کہ کھانے کے بارے میں ان کی شکایت پر فوری طور پر غور کیا جائے گا ان کے شپ کمانڈر کنگ کی جگہ جس نے کچھ جہازیوں کو ذلیل کیا تھا، انھیں گالیاں دی تھیں اور ان کے قومی کردار پر ملامت کی تھی۔ دوسرا سنیئر افسر، کیپٹن [illegible] کو مقرر کیا جائے گا۔ جہازیوں کے لئے یہ اینگلو جونس کنگ سے بھی بڑھ کر بدنام تھے۔ بالآخر جہازیوں نے "ہندوستان چھوڑ دو" نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اس وقت ان سیانے ایڈمرل کی سمجھ میں آیا کہ اس ہڑتال میں سیاست کارفرما ہے صورت حال قابو سے باہر ہو چکی ہے۔ راٹرے جہاز سے چلے گئے۔ کچھ دیر بعد دوسرے افسران بھی رخصت ہوئے۔

ہڑتال کی سیاسی نوعیت اس وقت بالکل عیاں ہوگئی جبکہ اسی دن شام کے وقت بڑی عجلت میں ایک ہڑتال کمیٹی قائم کی گئی جس نے مطالبات مرتب کئے جن میں بہتر حالت ملازمت اور اچھی قسم کی غذا کی مانگ کے ساتھ یہ بھی شامل تھے "تمام ہندوستانی سیاسی قیدیوں نیز آزاد ہند فوج کے افراد کو رہا کر دیا جائے، انڈونیشیا سے ہندوستانی فوج واپس بلالی جائے اور ہندوستان چھوڑ دیا جائے"۔

اگلے روز تلوار کے جہازیوں نے بڑی ہوشیاری سے قریب ہی کے ساحلی ادارہ ' کیسل بیرکس ' کے ایک ہزار سے اوپر ملاحوں کی حمایت بھی حاصل کر لی۔ پی بی دت کے الفاظ میں ۱۹ر فروری کی شام تک بمبئی میں کل گیارہ ساحلی ادارہ جات اور بندرگاہ پر لنگر انداز تمام جہازوں کے لگ بھگ بیس ہزار جہازیوں نے برطانوی پرچم " یونین جیک " اتار پھینکا ———— بعد ازاں اڑتالیس گھنٹے سے کچھ اوپر وقت کے اندر ہی اگلے دن صبح اپنی ہندوستانی لڑاکا فوج کا ایک پورے یونٹ پر انگریز اقتدار کھو چکے تھے ' اور ہڑتال چوہتر جہازوں ' چار بیڑوں ' بیس ساحلی ادارہ جات بشمول چار بڑے اڈوں تک پھیل چکی تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ مکمل ہڑتال تھی۔

ابتداء میں دیگر بحری جہازوں اور ادارہ جات کے ملاح ' تلوار کے مذکورہ بالا جماعت کے سیاسی عزائم سے کچھ زیادہ واقف نہ تھے۔ شاہی بحریہ کے بقیہ ہندوستانی ملاحوں نے تلوار کے سب جہازی بھائیوں کی ہمنوائی کر کے محض اس بے چینی کا اظہار کیا تھا جو ان کے دل و دماغ میں تنخواہ ' غذا ' اور جابرانہ نسلی امتیاز کے خلاف بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن ہڑتال میں آکر یہ ایک ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پوری ہڑتال کے زمانہ میں مختلف ذات اور عقیدہ رکھنے والے ہندو ' مسلم ' اور عیسائی جہازی اپنے رہنماؤں کے پیچھے پیچھے مضبوطی سے جمے رہے۔

ہڑتال کمیٹی

' تلوار ' کے باہر مختلف یونٹوں کی سرگرمیوں کی رہنمائی اور ان میں باہم رابطہ قائم رکھنے کے لئے نیول سینٹرل اسٹرائک کمیٹی (این ' سی ' ایس ' سی) قائم کی گئی جس کے صدر اور نائب صدر بالترتیب لیڈنگ سگنل مین ایم ' ایس خان ' اور پیٹی افسر ' ٹیلیگرافسٹ مدن سنگھ تھے۔ اس کمیٹی نے سب سے اوّل یہ فیصلہ کیا کہ ' رائل انڈین نیوی ' کا نام بدل کر ' انڈین نیشنل نیوی ' رکھ دیا جائے۔ اس میں یہ قرارداد بھی منظور کی کہ آئندہ سے بحریہ کے تمام جہازی صرف قومی رہنماؤں سے احکامات لیں گے۔ جہازوں کے مستولوں سے یونین جیک اتار کر اس کی جگہ کانگریس اور مسلم لیگ کے جھنڈے جوڑ کر لہرا دیئے گئے۔

' شاہی ہندوستانی بحریہ ' میں ان واقعات کے بارے میں سب سے اوّل خبر باہر لانے کا سہرا شری ایس نٹ راجن کے سر ہے جو اس وقت ' فری پریس جرنل ' کے ایڈیٹر تھے۔ حکومت ہی نہیں بلکہ چوٹی کے کانگریسی رہنماؤں کی برہمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے بحریہ کی بغاوت کا خوب پرچار کیا اور پورے زور و شور سے اپنے اخبار کے ذریعہ جہازیوں کی ہمنوائی کی۔ بقیہ قومی اخبارات نے محتاط طریقے پر پیروی کی۔

نیول اسٹرائک کے لیڈروں کی قدرتاً یہ توقع تھی کہ قومی رہنما ان کے معاملہ کو ہاتھ میں لیں اور قوم کی جد و جہد آزادی میں ان کی قیادت کریں۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے رہنما مہاتما گاندھی کی اعلیٰ قیادت کے تحت سختی سے فلسفۂ عدم تشدد کے قائل تھے اور انہوں نے اس پورے واقعہ میں معتدل رویہ اختیار کیا۔

سنٹرل اسٹرائک کمیٹی کے ممبران بڑی امیدیں لیکر شریمتی ارونا آصف علی کے پاس پہنچے جو اس وقت بائیں بازو کی کانگریسی رہنما تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے موقف کی پرزور حمایت کریں۔ شریمتی ارونا آصف علی کو ان سے ہمدردی تھی ' لیکن کچھ زیادہ مدد نہ دے سکتی تھیں۔

انہوں نے ان سے کہا کہ ملازمت کے ضمن میں شکایات کے ساتھ سیاسی مطالبات ملا کر انہوں نے غلط کام کیا ہے۔ انہوں نے انھیں نصیحت کی کہ وہ ان دونوں باتوں کو الگ الگ کر دیں اور واضح طور پر اپنے مطالبات ملازمت الگ رکھیں۔ انہوں نے مزید ہدایت کی کہ وہ بمبئی میں کانگریس کے ممتاز ترین قائد سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملیں ' انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی تار بھیجا " بحریہ کی ہڑتال سخت ہے ' صورتِ حال خطرناک ہے ' جس کا اختتام بھیانک ہو سکتا ہے۔ صرف آپ ہی اس پر قابو پا سکتے ہیں اور سانحہ کو روک سکتے ہیں۔ فوراً بمبئی میں حاضری دیجئے " کوئی بھی کانگریسی لیڈر ' بمبئی نہیں آیا۔ گو کانگریس کو جہازیوں کی فلاح و بہبود کی فکر تھی ' لیکن اس نے ان کی بغاوت کو کلی طور سے ناپسند کیا۔

بحریہ کی ہڑتال شروع ہونے کے ایک دن بعد ۱۹ر فروری ۱۹۴۶ء کو برطانوی وزیر اعظم ' مسٹر ایٹلی نے ایوانِ عام میں یہ اعلان کیا کہ ان کی حکومت نے کابینہ مشن ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ ہند کے آئینی جمود کو حل کیا جائے۔ غالباً اس اعلان سے بحریہ کی ہڑتال کے بارے میں کانگریس نیز مسلم لیگ کے رویہ پر اثر پڑا۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا جو ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے زمانے میں سامراجیوں کی ہمنوائی کر کے اپنی ساکھ کھو چکی تھی۔ پورے جوش و خروش سے سرگرم تھی تاکہ اپنا مقام پھر بنالے۔ لیکن یہ بڑی قومی جماعتوں خصوصاً کانگریس کی جانب سے حمایت کے بنا کوئی نمایاں کام نہ کر سکتی تھی۔ البتہ بمبئی کے باشندے بلا لحاظ ذات پات اور مذہب و ملت جہازیوں کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ خبر ملنے پر کہ حکام جہازیوں کو جھکانے کے لئے انھیں بھوکا مارنا چاہتے ہیں ' تو انہوں نے جو کچھ میں پکا کر کھانا جہازوں میں پہنچایا۔ ان کی ہمدردی اور حمایت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن لوگوں کے اس ولولہ کو پھر حکام نے بیدردی سے کچل دیا کیونکہ ان کا کوئی رہنما نہ تھا۔

حکام نے اپنے تئیں یہ طے کر رکھا تھا کہ اپنی پوری قوت سے کام لیکر اس بحریہ کی بغاوت کو کچل دیا جائے۔ ہڑتال کے معاملہ میں کانگریس کے رویہ نے ان کا کام سہل کر دیا۔ زبردست فوجی اور بحری کمک بمبئی اور کراچی روانہ کر دی گئی۔ جو ہنگامہ کے بڑے مراکز تھے۔

فوراً کیسل بیرکس کے گرد و نواح میں پورے علاقے کو فوجی دستوں نے گھیر لیا۔ حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ طاقت استعمال کر کے جہازیوں کو کچل دیا جائے۔ جب

ہندوستانی سپاہ نے جہازیوں پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تو انگریز فوج طلب کی گئی چھ گھنٹہ کی لڑائی کے بعد یہ اطلاع ملنے پر کہ فلیگ افسر کمانڈنگ صورت حال کے بارے میں کمیٹی سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں تو نیول سینٹرل اسٹرائک کمیٹی نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔

حالانکہ بحریہ کے تمام ہی اداروں اور جہازوں نے ہڑتال میں حصہ لیا تھا لیکن بمبئی کے باہر وہ واحد مقام جہاں اصل لڑائی ہوئی کراچی تھا، وہاں ایچ ایم الیں۔ ہندوستان نے ڈٹ کر بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ جہازی ہندوستانی مسلح افواج کے دوسرے دو بازوؤں سے رابطہ قائم نہ کر سکے تھے۔ بہرصورت سائن (بمبئی)، مدراس، کانپور، اور انبالہ میں تعینات آر، آئی، الیف، کے افراد، کرلا (بمبئی) میں رائل انڈین آرمی سپلائی کارپس کے ایک یونٹ، ۱۳۶۸ء انڈین پائنیر کمپنی، کلکتہ اور کراچی گودی پر امبارکیشن یونٹ نے ہمدردی میں ہڑتالیں کیں۔

گاڈفرے کا الٹی میٹم:

۲۱ر فروری کو دوپہر بلے ۲ بجے "فوکرن"، ایڈمرل گاڈفرے نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد یہ الٹی میٹم نشر کیا: "فی الحال حکومت ہند کی تحویل میں جتنی بھی طاقت ہے اسے پوری طرح استعمال کیا جائے، خواہ اس طرح بحریہ تباہ و برباد ہی کیوں نہ ہو جائے جس پر ہندوستان کو فخر ہے۔"

کافی کمک مل جانے پر حکام کو بات چیت کے ذریعہ معاملہ طے کرنے سے کوئی دلچسپی نہ رہی۔ وہ یہی چاہتے تھے کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے جائیں جب سنٹرل اسٹرائک کمیٹی کے ممبران قبل ازیں فیصلہ کے مطابق بات چیت کے لئے ایڈمرل راٹرے کے پاس پہنچے تو انھیں بتایا گیا کہ یہ معاملہ اب نیوی کے ہاتھ سے فوج کے پاس پہنچ گیا ہے اور لیفٹیننٹ جنرل بروس لوک ہارٹ، جنرل افسر، کمانڈر انچیف، سدرن کمانڈ کو کمانڈر انچیف (جملہ افواج ہند) نے یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ رائل انڈین نیوی میں امن بحال کریں۔

جہازیوں کی حمایت میں بائیں بازو کی جماعتوں نے عام ہڑتال کا اعلان کیا تھا۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کانگریس کی جانب سے ہڑتال کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے خلاف یہ بیان جاری کیا۔

"ہڑتال کرنے، ملوں اور دکانوں کو بند رکھنے کی کوئی کوشش نہ کی جائے۔ اس اقدام سے غریب جہازیوں کو اپنے جائز مطالبات منوانے یا موجودہ مصیبت کو دور کرنے میں کوئی مدد نہ ملے گی۔ کانگریس ہر ممکن کوشش کر رہی ہے تاکہ انھیں مصیبت سے نجات دلائے۔ کانگریس مرکزی اسمبلی میں ایک بڑی پارٹی ہے اور ان کی مدد کرنے کے لئے جو کچھ ہو سکتا ہے کر رہی ہے۔ لہٰذا میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ لوگ صبر و ضبط سے کام لیں اور امن برقرار رکھیں۔"

ولبھ بھائی پٹیل کی اپیل کے باوجود ہڑتال کی آواز پر ۲۲ر فروری کو بمبئی کے باشندوں نے پوری طرح دھیان دیا۔ حکام وحشیانہ طریقے سے تحریک کو کچل دینا چاہتے تھے۔ انگریز فوجیوں نے اندھا دھند گولی چلائی۔ ۲۱ر سے ۲۳ر تاریخ تک تین دن کے اندر تقریباً ۲۵۰ ہلاک ہوئے اور ایک ہزار زخمی ہوئے۔

چشم دید بیان:

رجنی پالمے دت نے اپنی کتاب تصنیف "انڈیا ٹوڈے" (بمبئی پی۔ پی ایچ ۱۹۴۹ء) میں ایک انگریز افسر کا چشم دید بیان قلمبند کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکام نے کتنی بے دردی سے اس صورت حال کو دبایا۔ بیان حسب ذیل ہے۔

"میں بمبئی کے مزدور طبقہ کی بستی 'پریل' میں الفنسٹن روڈ کے ناکہ کے نزدیک سپاری باغ سے گذر رہا تھا اس وقت شام کے چار بجے تھے۔

سڑک پر کافی لوگ تھے، تاہم بھیڑ یا ہجوم نہیں تھا کمیونسٹ پارٹی کی ہدایت کے مطابق ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار حتیٰ کہ لکڑی یا پتھر نہ تھا۔

یکایک کسی قسم کی آگاہی کے بغیر انگریز فوجیوں سے بھری ایک لاری الفنسٹن روڈ سے گذری جن کے پاس رائفل اور برین گنیں تھیں۔

"لوگ دوڑ دوڑ کر دروازوں سے اندر جانے لگے، ان میں میں بھی تھا۔ فوجیوں نے اسی سمت گولی چلا دی۔ بیس اشخاص گھائل ہوئے اور ۴ کی موت واقع ہوئی۔

اس کے پیچھے کیا تھا؟

بحریہ کے جہازیوں کی ہمدردی میں مزدور انجمنوں نے ایک عام ہڑتال بلائی تھی۔ یہ ہڑتال ٹیکسٹائل ملوں، کارخانوں اور ریلوے ورک شاپس میں سو فیصد مکمل تھی۔

کسی اونچے عہدہ دار نے انھیں سبق دینے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا مسلح سپاہی جنگی طریقہ پر لاریوں میں بیٹھ کر گلیوں میں گشت کرنے لگے۔ یہ آباد گلیوں میں اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے اتنی تیزی سے گذر جاتے کہ کوئی شخص ان پر پتھر بھی نہ اٹھا پاتا۔

راستوں پر ایمبولنس کا نام و نشان نہ تھا۔ لوگ خود ہی جیسے تیسے ہسپتال پہنچنے کا انتظام کرتے۔ بعد میں ڈیلائل روڈ پر فوجی چالوں (جھونپڑوں) میں گھس پڑے اور گھر میں موجود لوگوں پر فائرنگ کی جس میں چار اشخاص ہلاک ہوئے اور ۱۶ زخمی۔ پریل حلقہ میں واقع کنگ ایڈورڈ میموریل ہسپتال میں ۵۰ اشخاص کی اموات ہوئیں۔ پریل کے ہسپتالوں میں ۶۰۰ زخمیوں میں سے ۲۰۰ جانبر نہ ہو سکے۔"

ان کا بیان ہے کہ مجمع نے اشتعال انگیزی کی (لیکن انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ پہلے ایک تیز رفتار ٹرک پر پتھر مارے گئے۔ جس نے ایک پرامن جلوس میں شریک لوگوں کو کچل دیا تھا) یہ شدید ظلم و ستم کے خلاف عوام کی اپنے جان و مال کی حفاظت کی خاطر ایک متحدہ جد و جہد تھی۔ اتحاد کا دلفریب منظر جس میں کانگریس کا

(بقایا صفحہ ۱۵ پر)

منصوبہ بندی، مُلازمت اور تعلیم

• شری کے. ایس. تنیکر
سکریٹری، امپلائمنٹ ایجوکیشن یوتھ سروسس

پچھلی تین دھائیوں میں اس ملک میں قومی منصوبہ بندی کے تحت اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا گیا ہے کہ بڑی صنعتوں اور بیوپار دل میں سرمایہ کاری سے قومی آمدنی میں کسی حد تک اضافہ ضرور ہوا ہے لیکن اس سے ملک کے معاشی توازن یا سماجی ترقی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا ہے۔ بڑی صنعتوں اور کارخانوں پر روپیہ لگانے کے بعد بھی عوام کی فلاح و بہبود میں کسی قسم کی ترقی نہیں پائی گئی ہے لہٰذا اس ضمن میں خاص اقدام کی اشد ضرورت ہے ورنہ بڑی صنعتوں اور کارخانوں سے صرف ایک ہی طبقہ کو فائدہ پہنچتا ہے اور سماجی توازن بگڑتا رہتا ہے جیسے مزدوروں کی تنخواہوں اور منافع میں فرق یا پھر تکنیکی کاموں میں ماہرین کی تنخواہوں اور غیر تعلیم یافتہ نیم اَن پڑھ کام کرنیوالوں کی تنخواہوں کا فرق۔

اِنسانی ذرائع

امریکہ، برطانیہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ غیر انسانی ذرائع کے مقابلے میں تعلیم پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اعلیٰ ٹیکنالوجیکل تعلیم میں بھی تیز رفتاری پیدا کی گئی ہے۔

ہمارے ملک پر نظر ڈالنے سے یہاں کے حالات قدرے مختلف نظر آتے ہیں ہمارے یہاں خاص طور سے مہاراشٹر میں عام تعلیم کے پھیلاؤ سے بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوا ہے، کیونکہ پڑھے لکھے افراد اپنی ملازمت کا انتخاب اپنی پسند سے کرنا چاہتے ہیں جبکہ ہمارے موجودہ طریقۂ تعلیم اور ملازمت میں کوئی ربط نہیں ہے۔ حالیہ مطالعہ سے اس ریاست کے ضلع ناسک کے قبائلی مواضعات میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے مطابق تعلیم یافتہ لڑکوں میں بیروزگاری کا فیصد کئی گنا زیادہ ہے اور غیر تعلیم یافتہ نوجوانوں میں بیروزگاری بہت کم ہے۔

تعلیم یافتہ نوجوان زرعی سیکٹروں میں کم تنخواہوں پر ملازمت کرنا بھی ناپسند کرتے ہیں اور سروس سیکٹر میں زیادہ تنخواہوں پر ملازمت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ معاشیات کے مطالبات سے تعلیم یافتہ نوجوان ہم آہنگی نہیں کر پاتے ہیں اس لئے تعلیم میں سُدھار پیدا کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسکول کھولے جائیں بلکہ تعلیم کے معیار میں تبدیلی کی جائے، تکنیکی اور معاشیات سے میل کھاتی ہوئی تربیت نوجوانوں کو دی جائے۔ جس سے تعلیمی ذرائع کے فضول جانے کا مسئلہ ختم ہو جائے، اور نوجوان ٹیکنالوجیکل یا پیشہ وارانہ ڈگری یا تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے متعلقہ میدانوں میں دلچسپی کے ساتھ کام کر سکیں۔

اعلیٰ تعلیم کا فروغ

مہاراشٹر میں اعلیٰ تعلیم کا فروغ بہت تیزی سے ہو رہا ہے یہ رفتار ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ ذیل کے خاکے میں یہ بات وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔ ۱۹۶۱ء میں جبکہ ابتدائی تعلیم کے فروغ کی رفتار ۸۶٪ ہے۔ ثانوی تعلیم میں یہ فیصد بڑھ کر ۲۱۶ ہو گیا اور اعلیٰ تعلیم میں ۲۶۱٪ ۱۹۷۸ء تک تھا۔

مہاراشٹر میں تعلیم کا فروغ

شمار نمبر	تعلیم کی نوعیت	۱۹۶۰-۶۱ء	۷۰-۷۱	۷۷-۷۸	فیصد میں فروغ
۱.	ابتدائی (اندراج ۰۰۰)	۴۱۷۸	۶۲۳۹	۷۸۷۰	۸۶٪
۲.	ثانوی (״ ״ ״)	۸۵۸	۱۹۳۷	۲۷۰۰	۳۱۶٪
۳.	اعلیٰ تعلیم (تمام قسم کی)	۱۱۱	۳۲۷	۵۱۲	۴۶۱٪

ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے اعداد و شمار ملازمت کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو مندرجہ ذیل خاکے میں ظاہر کرتے ہیں:

شمار نمبر	تعلیمی سطح	دسمبر ۱۹۷۰ء	دسمبر ۱۹۷۴ء	دسمبر ۱۹۷۵ء	دسمبر ۱۹۷۶ء	دسمبر ۱۹۷۷ء	دسمبر ۱۹۷۸ء
۱.	میٹرک اور انٹر میجیٹ	۱٫۱۵٫۲۶۵	۳٫۱۵٫۸۵۱	۳٫۵۶٫۳۰۷	۳٫۹۶٫۵۵۷	۴٫۰۵٫۰۲۵	۴٫۱۹٫۲۵۰
۲.	آئی ٹی آئی ٹرینڈ		۱۴٫۰۵۸	۱۷٫۹۷۰	۲۰٫۳۴۵	۲۱٫۰۵۹	۲۶٫۲۶۲
۳.	انجنیئرنگ ڈپلومہ ہولڈر		۱٫۳۷۵	۱٫۶۰۴	۱٫۹۴۲	۱٫۵۷۷	۲٫۱۸۰
۴.	انجنیئرنگ ڈگری ہولڈر ...	۱۳٫۵۷۱	۱٫۳۳۵	۱٫۳۶۴	۸۶۳	۱٫۰۳۵	۱٫۰۸۱
۵.	دیگر گریجویٹس		۵۱٫۲۴۶	۵۷٫۲۱۵	۶۹٫۵۹۲	۳۰٫۱۷۷	۹۴٫۴۶۹
۶.	پوسٹ گریجویٹس ...	۱۰۳۴	۴٫۴۸۳	۵ ۱۳۷	۶٫۷۷۷	۸٫۲۹۷	۹٫۲۱۰
	فیصد میں اضافہ +	۱٫۲۹٫۸۷۲	۳٫۸۸٫۳۴۸	۴٫۴۰٫۲۹۷	۴٫۹۶٫۰۷۶	۵٫۱۷٫۱۷۰	۵٫۵۲٫۴۵۲
				+ ۱۳۶۴٪	+ ۱۲۶۷۲٪	+ ۴۶۲٪	+ ۶۶۵٪

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے مالی امداد کی اسکیم

ڈویژن کے طور پر ۳۱ر مارچ ۱۹۷۹ء تک کی تعداد

ڈویژن	گریجویٹس اور ڈپلومہ ہولڈر		میٹرک پاس	
	اہل	جنھیں امداد دی گئی	اہل	جنھیں امداد دی گئی
بمبئی ڈویژن	۲۴۷	۳۷	۲۸٫۶۴۱	۶٫۴۴۶
پونے ڈویژن	۴۰۹	۱۴۸	۹٫۷۶۷	۴٫۷۲۳
اورنگ آباد ڈویژن	۵۴۸	۲۵۰	۱۵٫۲۵۸	۹٫۰۹۱
ناگپور ڈویژن	۲۰۹۸	۱۰۷۱	۳۵٫۸۲۱	۲۱٫۳۲۰
کل تعداد	۳٫۳۰۲	۱٫۵۰۶	۸۹٫۴۸۷	۴۱٫۵۸۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملازمت کے متلاشی میٹرک تک تعلیم یافتہ افراد جو ڈگری ہولڈر نہیں ہیں ان کی تعداد ۱۹۷۰ء میں ۱۵،۲۶۵ادا سے بڑھ کر ۱۹۷۸ء میں ۱۹،۴ لاکھ ہوگئی، جب کہ انجینئرنگ گریجویٹس کی تعداد ۱۹۷۰ء میں ۱۰۰۰ سے بڑھ کر ۱۹۷۸ء (...) ۹۴۰۰ ہوگئی۔ ڈپلومہ ہولڈرز کی ... ۸۰۰ اور پوسٹ گریجویٹس کی تعداد ۱۹۷۰ء میں ۱۰۰۰ تھی۔ ۱۹۷۹ء میں ۹۰۰۰ ہوگئی۔ نوکنا تعداد ۱۹۷۴ء میں ۵۱ ہزار تھی جو ۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۹۴ ہزار ہوگئی۔

اس کی ایک وجہ البتہ یہ بھی ہے کہ امپلائمنٹ ایکس چینج کے دفاتر شہری علاقوں میں واقع ہیں اور تعلیم یافتہ افراد ملازمت اپنی پسند کی چاہتے ہیں۔

امپلائمنٹ ایکس چینج ریاست کا واحد ادارہ ہے جو کہ منظم سیکٹر میں امیدواروں کو بھیجتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی واضح ہے کہ شہری علاقوں میں خاص طور سے تعلیم یافتہ افراد میں بیروزگاری کا فیصد زیادہ ہے جو تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ایک گریجویٹ امیدوار کو کالج سے نکل کر اوسطاً ایک سال سے زیادہ نوکری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس دہائی سے قبل یہ مدت اوسطاً گیارہ ماہ کی تھی ایسے گریجویٹس اور ڈپلومہ ہولڈر جن کے نام امپلائمنٹ ایکس چینج میں درج ہیں اور جو پچھلے چار سال کی مدت سے (اگر وہ منتج طبقہ کا ہے) یا ۵ سال کی مدت سے بیکار ہے اور جو ۱۰۰ روپے ماہانہ امداد کا مستحق ہے۔ اگر انھوں نے چار گھنٹہ روزانہ کام اور ایک ماہ میں ۱۵ روز کام کیا ہے تو ان کی تعداد ۳۰۳۰۲ تھی اور ان میں سے ۵۰ فیصد ناگپور علاقے کے ہیں۔ مندرجہ خاکہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

ملازمت کے حالات

منظم سیکٹر میں پچھلے چند سالوں میں ملازمت کی بڑھتی ہوئی رفتار زیادہ حوصلہ مند نہیں ہے۔ جہاں کہ تعلیم یافتہ افراد ملازمت تلاش کرتے ہیں۔ مندرجہ خاکہ نجی سیکٹر میں ملازمت میں اضافہ تو بالکل نہ ہونے کے برابر ظاہر کرتا ہے جس کا سالانہ مشترکہ نرخ ۷۷-۱۹۷۴ء کے لئے ۲،۳ فیصد ہے۔

(تعداد لاکھوں میں ہے)

سال	عوامی سیکٹر	نجی سیکٹر	کُل تعداد
۱۹۷۴ء	۱۶٫۰۳	۱۲٫۱۴	۲۸٫۱۷
۱۹۷۵ء	۱۶٫۴۰	۱۱٫۸۵	[illegible]
۱۹۷۶ء	۱۷٫۴۴	۱۱٫۹۴	۲۱٫۳۸
۱۹۷۷ء	۱۸٫۳۷	۱۱٫۹۸	۳۰٫۳۵
۱۹۷۸ء	۲۰٫۱۴	۱۲٫۱۰	[illegible]
(جون ۱۹۷۸ء تک)			

۱۹۷۴ء میں عوامی سیکٹر میں ۵۷ فیصد ملازمتیں مہیا کی گئیں اور یہ اوسط ۱۹۷۸ء میں ۱۲ فیصد تک بڑھ گیا اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تعلیم یافتہ افراد سرکاری نوکری کی طرف توجہ دینے لگے۔ سال برائے ۷۷-۱۹۷۵ء کے دوران کارخانہ جات سیکٹر میں ملازمت کا اضافہ تقریباً ۲،۳ فیصد رہا۔

ریاست مہاراشٹر میں صنعتوں میں ملازمت

(روزانہ روزگار پانیوالے ملازمین کا اوسط)

	۱۹۵۱	۱۹۵۶	۱۹۷۱	۱۹۷۵
تمام صنعتیں:	۷۸۷۴	۴۷۹۳	۹۹۷۷	۱۰،۱۴۷

	نصف سال کا		نصف سال کا		نصف سال کا
	۱۹۷۶	۱۹۷۶	۱۹۰۷	۱۹۷۷	۱۹۷۸
تمام صنعتیں	۱۰،۳۷۱	۱۰،۳۸۱	۱۰،۴۰۶	۱۰،۶۷۹	۱۰،۷۹۴

مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے دوکانات اور کارخانہ جات ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کارخانوں میں ملازمتوں کے فروغ کا پتہ چلتا ہے ۷۶-۱۹۷۵ء سے ۸۰-۱۹۷۷ء تک اوسطاً ۸ فیصد اضافہ کی توقع ہے۔

دوکانات اور کارخانہ جات ایکٹ کے تحت آنے والے کارخانوں میں ملازمین کی تعداد: (ایکٹ بابت ۱۹۴۸ء)

۷۶-۱۹۷۵ء	۷۷-۱۹۷۶ء	۷۸-۱۹۷۷ء	۷۹-۱۹۷۸ء	۸۰-۱۹۷۹ء (تخمینہ)
۱۰،۲۸،۴۰۱	۱۱،۳۷،۹۴۱	۱۲،۴۳،۶۴۲	۱۳،۹۰،۴۳۷	۱۴،۵۴،۷۰۰

حکومت ہند نے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں نیز انجینئرنگ پالی ٹیکنکس میں سیٹیں بہت کم اور مخصوص کر دی ہیں اس کے باوجود پیشہ ورانہ اداروں میں داخلے کے متلاشی امیدواروں کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے اور سرکار پر سیٹیں بڑھانے کا دباؤ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ خاص طور سے صنعتی تربیتی اداروں میں زیادہ سے زیادہ طلبہ کو تربیت دینے کا مطالبہ ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے۔

پیشہ ورانہ تعلیم

ہمیں ایک اور مسئلہ درپیش ہے اعلیٰ تعلیم میں فروغ اور سستی تعلیم کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ طلبہ پاس ہو کر ہر سال نکلتے ہیں۔ اس لئے ریاست کو اعلیٰ تعلیمی ادارے زیادہ تعداد میں کھولنے پڑتے ہیں سیٹوں میں

اضافہ اداروں اور ممبروں میں اضافہ کی وجہ سے ملازمت کی منڈی اور سرکاری اور عوامی سیکٹر میں تعلیم یافتہ بیروزگاروں کی بیروزگاری کے مسئلہ کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ملازمت میں بھرتی کے قوانین اس زمانے کے ہیں جب ڈگری یافتہ افراد بآسانی دستیاب تھے اور اب تک ان میں ایسی ترمیم نہیں کی گئی ہے جس کے تحت کم لیاقت والے افراد فائدہ اُٹھا سکیں۔

حکومت ہند کی حالیہ تعلیمی پالیسی کے تحت ڈگری اور ملازمت کے درمیان رابطہ دور کیا جا رہا ہے اور پیشہ وارانہ تعلیم کو فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ کام کی بھی مہارت حاصل ہو۔ مہاراشٹر میں گذشتہ سال سے ہی پیشہ وارانہ تعلیم ہائر سکنڈری اسٹیج سے ہی شروع کر دی گئی ہے حالانکہ فی الحال صرف ۴ فیصد طلبہ اس تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں پھر بھی تعلیمی نصاب میں یکسر تبدیلی آسان کام نہیں ہے۔ اس تبدیلی کے لئے پہلے اساتذہ کو اس قابل بنانا ہوگا کہ وہ اس نئی تبدیلی سے انصاف کر سکیں تاکہ نیا طریقہ "تعلیم کے ساتھ کام" مروج ہو سکے۔

(صفحہ ۳ سے آگے)

شری پوار نے فرمایا کہ حکومت نے ۶۲ء۳ لاکھ بے زمین اشخاص کو مکانوں کے لئے زمین فراہم کی اور ۴۰۱۶۴، ۵ مکانات ۔۔ لئے گئے۔ شہری علاقوں میں جھونپڑ پٹی بستیوں پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ ان کے کرایہ جات کم کر دیئے گئے ہیں اور بنیادی ضروریات مثلاً بجلی، پانی وغیرہ فراہم کی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ نوجوانوں خصوصاً تعلیم یافتہ بے روزگار افراد کے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے ایک علیحدہ شعبہ قائم کیا گیا ہے ریاست میں ان کی تعداد تقریباً ۵ء۵ لاکھ ہے۔ تخمی مالی امداد اسکیم جاری کی گئی ہے جس کا مقصد ایسے بے روزگاروں کو خود کا کاروبار قائم کرنے میں مدد دینا ہے۔

وزیر اعلیٰ نے آخر میں فرمایا کہ غریب، پسماندہ اور ادیباسیوں کی فلاح و بہبود کے پروگرام پر کامیابی سے عمل آوری کے لئے پُرامن سماجی ماحول ضروری ہے، اور یقین ہے کہ ریاستی عوام اس سلسلے میں بھرپور تعاون کرتے رہیں گے۔

— ھند سے مہاراشٹر

(صفحہ ۱۱ سے آگے)

ترنگا، مسلم لیگ کا سبز ہلالی پرچم، اور لال جھنڈا ایک ساتھ لہرا رہے تھے۔ جنگی جہاز نربدا پر لیگ اور کانگریس کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ جوں ہی ہم دروازے کے قریب پہنچے گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے قریب سے گذریں۔ ایک ہندوستانی نے کہا۔ "اس طرح انگریزی سوشلزم پر عمل ہو رہا ہے"۔ مجھے اپنی لیبر حکومت کی عزت کی فکر ہے۔ جس کی بچی کھچی حمایت ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر ونیشیا کے بعد ختم ہو چکی تھی۔ مجھے انگریز قوم کے وقار کی فکر ہے کیونکہ تمام فائرنگ انگریز سپاہی کر رہے تھے۔ پولس پیچھے رہی۔ میں نے کوئی ہندوستانی فوجی دستہ نہیں دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ فوج میں بد ظمی پھیلنے کی وجہ سے اعلیٰ عہدہ داروں نے ہندوستانی سپاہیوں کو استعمال ہی نہیں کیا۔"

آخر میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی یقین دہانی پر کہ "کانگریس پوری کوشش کریگی کہ کسی کو ستایا نہ جائے"۔ یہی بات جناح صاحب نے مسلم لیگ کی جانب سے دہرائی ۔۔ تب سنٹرل اسٹرائک کمیٹی نے ہتھیار رکھ دینے کا فیصلہ کیا۔ جس پر ۲۳ فروری ۱۹۴۶ء کے دن صبح ۶ بجکر ۱۲ منٹ پر عمل ہوا۔

اسطرح بحریہ کی ہڑتال ختم ہوئی۔ اس سلسلے میں بحریہ والوں کے جذبات کی ترجمانی سنٹرل اسٹرائک کمیٹی نے اپنے پیغام میں اس طرح کی :-

"نیول سنٹرل اسٹرائک کمیٹی ہندوستان کے عوام اور خاص طور پر بمبئی کے عوام کو آگاہ کرنا چاہتی ہے کہ کمیٹی نے ہڑتال ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہماری ہڑتال ہماری قومی زندگی میں ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے جب برسر خدمت افراد اور عام لوگوں کا خون ایک ہی مقصد کیلئے ساتھ ساتھ بہا۔ ہم فوجی اس بات کو کبھی نہیں بھولیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بھائی بہن بھی اس بات کو نہیں بھولیں گے۔ عوام زندہ باد! جے ہند!"

(صفحہ ۷ سے آگے)

چندر پور ضلع میں واقع چیمور گاؤں کے باشندوں نے جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور اپنی سرگرمیوں کی بدولت اپنے گاؤں کا نام روشن کر دیا۔ ۱۶ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کو یہاں کے باشندوں نے ایک زبردست جلوس نکالا۔ مظاہرہ گو کہ پُرامن تھا پھر بھی پولس نے فائرنگ شروع کر دی۔ لوگ مشتعل ہو اُٹھے اور انہوں نے پولس پر حملہ کر دیا جس میں سات پولس کے افراد مارے گئے۔ مجمع پر قابو پانے کے لئے فوج بلائی گئی ۱۲۰ افراد گرفتار ہوئے انہیں نہایت ہی تنگ و تاریک کمروں میں قید رکھا گیا۔ عورتوں پر ظلم کئے گئے اور کئی لوگوں کو پھانسی دی گئی

آزادی کی کہانی

• عثمان خان

عرصۂ دراز سے ہمارا ملک قدرتی ذرائع سے مالامال رہا ہے یہاں ہر قسم کی معدنی کانیں ہیں دنیا کی زرخیز ترین زمین ہمارے ملک میں ہے ہمارے یہاں کے لوگ جفاکش، محنتی، ایماندار اور مہمان نواز ہیں۔ ہمارا ملک قدیم تہذیبوں کا گہوارہ ہے کیونکہ صدیوں سے یہاں مختلف مذہب اور فرقوں کے جدا جدا تہوار بھی منائے جاتے ہیں۔ اس ملی جلی تہذیب نے ہندوستانی تہوار کو جنم دیا ہے۔ انہیں تمام خوبیوں کی بنا پر اس دیس کو سونے کی چڑیا کہا جاتا ہے۔ اسی سرزمین سے مہاویر، گوتم بدھ، اشوک، چشتیؒ، گرونانک اور مہاتما گاندھی جیسی مہان ہستیوں نے جنم لیا، اور کرۂ ارض پر انسانیت کے پرچم کو سے بلند تر کیا ہے۔ اس قدرتی عطیہ سے مالامال ملک سے دنیا کے دوسرے ... کی وسیع پیمانے پر تجارت ہوا کرتی تھی۔ دوسرے ممالک میں بھارتی اشیا ... و مارکٹ بہت زیادہ تھی، انہیں ملکوں میں ایک ملک تھا انگلستان جس کی حریصانہ نگاہیں ہمیشہ بھارت کی سرحدوں کو ٹٹولتی تھیں۔ مگر وہاں ایک مضبوط اور طاقتور قوم کو دیکھ کر ان کے حوصلے پست ہوجاتے۔ انگریزوں نے بھارت میں قدم جمانے کے لیے ہر قسم کے حربے آزمائے مگر وہ ناکام رہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مغل بادشاہ شاہجہاں کی بیٹی آگ سے جھلس گئی اور اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تو ایک انگریز آگے بڑھا اور اپنے ایک خاص مرہم سے اس کا علاج کیا جس سے شفا ہوگئی اور انعام کے طور پر بھارت میں اپنی کوٹھیاں بنانے کی مراعات حاصل کرلی۔ آہستہ آہستہ بھارت کی فوجی طاقت مختلف حصوں میں بٹتی گئی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے اس سنہری موقع سے فائدہ اُٹھاکر انگریزوں نے اپنی تعمیر کردہ کوٹھیوں میں فوجی رکھنا شروع کردیئے اور ایک حکمراں کو دوسرے حکمراں کے خلاف لڑاکر اپنا مفاد حاصل کرنے لگے۔ اس طرح کی دوغلی چال سے سارے بھارت کے حکمراں بن گئے۔

وہ بھارت کے خام مال کو انگلستان روانہ کرتے اور اس سے مختلف چیزیں تیار کرکے دنیا کی منڈی میں اپنے نام کا لیبل لگاکر فروخت کرتے۔ ان کی معاشی حالت مضبوط ہوتی گئی اور ہماری معاشی حالت کمزور۔

آہستہ آہستہ بھارتی عوام میں شعور پیدا ہوتا گیا اور ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی۔ اسی سال ۲۸ دسمبر کو کانگریس کا پہلا اجلاس بمبئی میں گوالیا ٹینک پر گوکل داس تیجپال ہال میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں بھارت کے مختلف صوبوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ کانگریس پارٹی کی بنیاد رکھنے والوں میں زیادہ تر بمبئی کے باشندے تھے، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: دادا بھائی نوروجی، جسٹس مہادیو گوبند راناڈے، سر فیروز شاہ مہتہ تلنگ اور بدرالدین طیب جی، غرض آزادی کی تحریک کی ابتدا بمبئی سے ہوئی اور اس تحریک کو مزید تقویت دینے والے لوکمانیہ تلک، گوکھلے اور مہاتما پھلے بھی سرزمین مہاراشٹر سے تعلق رکھتے ہیں۔ "آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے اور ہم اسے لے کر رہیں گے۔" تلک کا یہ مجاہدانہ نغمہ بمبئی ہی میں سب سے پہلے گونجا۔ مہاتما گاندھی کی افریقہ سے واپسی پر کانگریس کی قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔

لوگ گاندھی جی کے اردگرد جمع ہوتے گئے۔ گاندھی جی آہنسا کے پجاری

سے انھوں نے بھارتی عوام کی حصولِ آزادی کی تحریک کی قیادت کی ـــ اور انھیں سوراج حاصل کرنے کے لئے ایک نئے راستے پر چلایا۔ اس جنگ میں بھارتی عوام کے پاس ہتھیار کے طور پر نہ تو بندوقیں تھیں اور نہ ہی تلواریں، بلکہ انھوں نے حصولِ آزادی میں ایک بالکل نیا ہتھیار اپنایا اور وہ یہ تھا کہ اصول کی پابندی اور سوراج کا عزم اور عدم تشدد ـــ دیگر قوموں نے اس ہتھیار کا مذاق اُڑایا اور اسے ناقابلِ عمل بتایا۔ لیکن بھارتی عوام نے اس نئے طریقے سے آزادی حاصل کر کے دنیا کو ایک نئے راستے سے روشناس کرایا۔ مہاتما گاندھی اہنسا کے پجاری تھے اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ دورانِ جنگِ آزادی کسی بھی فریق کا خون بہایا جائے۔ لیکن اس کے برعکس برطانوی حکومت نے قدم قدم پر تشدد کا سہارا لیا۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت ہے جلیانوالا باغ کا خونی حادثہ ـــ آزادیِ وطن کیلئے ہزاروں محبانِ وطن نے جامِ شہادت نوش کیا اور ہنسی خوشی پھانسی کے پھندوں کو گلے لگا لیا۔

آج جب کہ ہم آزادی کی ۳۲ ویں سالگرہ منا رہے ہیں تو ہمیں ان لوگوں کو نہیں بھولنا چاہیئے جن کی قربانیوں کی بدولت آج ہم آزادی جیسی نعمت سے مالامال ہیں، بلکہ ہمیں ان کی اس بے مثال قربانی کے آگے اپنا سر عقیدت سے جھکا دینا چاہیئے۔

●●

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصلی نام بھی تحریر کریں ـــ غیر طلبیدہ مضامین کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ (ادارہ)
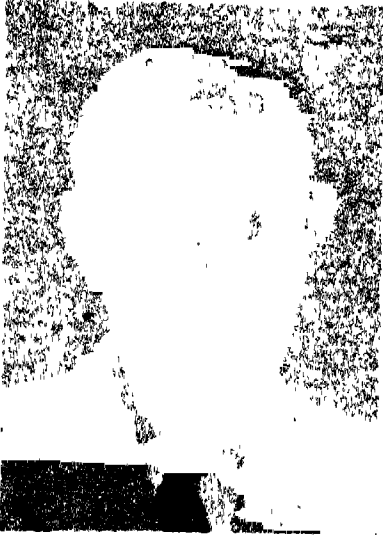
محمد ہدایت اللہ

جے۔ ڈی سنگھ

ایسے وقت میں جب کہ اہم سیاسی پارٹیوں کے آپسی تعلقات ذاتی رنجش میں ملوث ہیں، شری ہدایت اللہ کا نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدے پر اتفاق رائے سے منتخب ہونا اطمینان وتسکین کا پہلو پیش کرتا ہے۔

ان کے انتخاب کے سلسلہ میں اتفاق رائے ان کی ذاتی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی جماعتی مصالحت کی بھی دلیل ہے جنھوں نے نائب صدر جمہوریہ ہند کا انتخاب کیا۔

شری ہدایت اللہ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں جنھیں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ ایک ممتاز قانون داں، اسکالر اور ماہر تعلیم ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں 'لنکن اِن' سے بیرسٹری کی سند حاصل کرنے کے بعد انھوں نے اپنے شاندار کیریئر کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۲ء میں انھیں ملک کا سب سے کم عمر پلیڈر، ۱۹۴۳ء میں سب سے کم عمر ایڈووکیٹ جنرل، ۱۹۵۴ء میں سب سے کم عمر چیف جسٹس اور ۱۹۵۸ء میں سب سے کم عمر سپریم کورٹ کا جج بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے پر کام کرتے ہوئے انھیں ڈاکٹر ذاکر حسین کی وفات کے بعد جولائی ۱۹۶۹ء میں ایک مختصر عرصہ کے لئے صدر جمہوریہ ہند کی حیثیت سے کام کرنا پڑا۔

۱۷ دسمبر ایک ایسی تاریخ ہے جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا، یہی وہ تاریخ ہے جب کہ ۱۹۰۵ء میں وہ پیدا ہوئے اور یہی وہ تاریخ ہے جب ۶۵ برس بعد وہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدے سے سُبکدوش ہوئے۔

اب ایک اور تاریخ ان کی ڈائری میں جلی حروف میں لکھی گئی جب کہ آپ نے ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء کو بحیثیت نائب صدر ہند حلف لیا۔

بحیثیت اسکالر شری ہدایت اللہ نے شیکسپیئر، گورو نانک اور ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ جونیئر پر چند قابل قدر مقالے تحریر کئے ہیں۔

بحیثیت انسان وہ خوش خلقی اور انکساری کا مجسمہ ہیں۔ وہ صرف سیکولرازم میں اعتقاد ہی نہیں رکھتے بلکہ عملی زندگی میں بھی اس پر کاربند ہیں۔ وہ منشیات سے پرہیز کرتے ہیں اور سگریٹ تک نہیں پیتے۔

انھیں چیف جسٹس کے عہدے سے سُبکدوش ہوئے نو سال ہو گئے مگر انھوں نے اقتدار کی سیاست سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھا، نہ تو انھوں نے عہدوں کی ہوس رکھی اور نہ ہی گورنری یا کسی سفارتی عہدے کو قبول کیا۔

مختصراً یہ کہ نائب صدر کے اعلیٰ عہدے کے لئے ان سے بہتر انتخاب کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ ان کا تقرر بلا شبہ ملک کی اقلیتوں میں اعتماد پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

نائب صدر کے منصبی فرائض ادا کرنے کے علاوہ، وہ راجیہ سبھا کے چیئرمین بھی ہوں گے اور اس کے اجلاس کی صدارت کریں گے۔

صدر جمہوریہ ہند کے استعفیٰ دینے یا عہدے سے ہٹنے کی صورت میں نائب صدر قائم مقام صدر کی حیثیت سے اس وقت تک فرائض انجام دیں گے جب تک کہ نئے صدر منتخب نہیں ہو جاتے۔ علاوہ بریں اگر بیماری یا کسی اور وجہ سے صدر اپنے فرائض انجام نہ دے پائیں تو اس صورت میں بھی نائب صدر کو صدر جمہوریہ ہند کے فرائض انجام دینے ہوں گے۔

نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدے کی میعاد پانچ سال ہوتی ہے اور ان کا پارلیمنٹ کے دونوں ایوان کے اراکین کے ووٹوں سے منتخب کیا جاتا ہے اور چونکہ پارلیمنٹ میں کسی بھی پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں، لہٰذا ان کو متفقہ طور پر منتخب کرنا ناگزیر ضرورت تھی۔

*

ناگہانی آفات دنیا کے ہر حصہ میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ تقریبًا نو سال پہلے مہاراشٹر کے چند حصے بھی سوکھے سے دوچار ہوئے تھے۔ جام کھیڑ ان ہی میں سے ایک علاقہ ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بڑے پیمانے پر تباہکاریوں کے بعد عام طور پر وباء کے پھیلنے کا خطرہ رہتا ہے۔ جام کھیڑ میں بھی وہی ہوا۔ سوکھے سے پورا علاقہ متاثر ہوا۔ بڑے پیمانے پر جانی و مالی نقصانات ہوئے۔ اور پھر وباء نے زور پکڑنا شروع کیا۔

ان حالات میں گرفتار جام کھیڑ کے باسیوں کے لئے ڈاکٹر رجنی کانت اروڑے اور ان کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر میبل اروڑے فرشتۂ رحمت بنکر آئے اس فرشتہ صفت جوڑے نے جام کھیڑ میں قیام کیا اور بڑی خاموشی سے خدمت خلق میں مصروف ہوگیا۔ اُن کا سب سے پہلا محاذ وباء پر قابو پانا تھا اور پھر آہستہ آہستہ انھوں نے خستہ حالی اور مفلسی سے متاثرہ افراد کی تکلیفوں کو دور کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اس جوڑے نے بالکل رضاکارانہ طور پر اور ایک نیک جذبے کے تحت کسی قسم کی اشتہار بازی کو قبول نہ کرتے ہوئے اپنی کوششوں کا آغاز کیا۔ ان دونوں کی بے لوث خدمات ہی کا نتیجہ ہے کہ آج جام کھیڑ کے حالات میں خوش گوار تبدیلی دیکھی جا سکتی ہے۔ بیشک ڈاکٹر رجنی کانت اروڑے اور شریمتی ڈاکٹر میبل اروڑے قابلِ مبارکباد ہیں کہ جن کی پُرخلوص کوششوں کی بدولت جام کھیڑ میں وباء کی روک تھام ممکن ہو سکی۔

گذشتہ ہفتہ پھر ایک بار طوفانِ بادوباراں نے اس علاقے کو گھیرا۔ طوفانی بارش کے تھپیڑوں نے مواصلات قطع کر دیئے۔ اور ایک بار پھر یہ معزز ہستیاں انسانی خدمت میں مگن ہوگئیں۔ شاید یہ جوڑا اسی طرح گمنام رہتا اگر ۲ اگست کے خبرنامے میں آکاش وانی سے یہ خبر نشر نہ ہوتی کہ اروڑے خاندان کو 'میگسے سے ایوارڈ' کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

یہ خبر سُنکر علاقے کی تمام آبادی جیسے خواب سے بیدار ہوئی ہو۔ 'میگ سیسے' کا کیا مطلب ہے؟ یہ جاننے کی انھیں کوئی فکر نہ تھی تعجب تو ان کو اس بڑی رقم پر تھا جس کا انعام میں اعلان کیا گیا تھا۔ دس ہزار امریکن ڈالر' واقعی ایک بڑی رقم ہے۔

ڈاکٹر رجنی کانت اروڑے اور ان کی اہلیہ کس قدر بے غرض ہوکر کام کیا کرتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوگا کہ خود اس جوڑے کو اپنے انعام پانے کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب وہ شام کی اپنے گھر لوٹے تو علاقے کے باشندے انھیں مُبارکباد دینے کے لئے جمع تھے۔ یہ ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ کبھی بین الاقوامی اعزاز پائیں گے۔ اس خبر کی تصدیق بھی جلد ہوگئی۔ جب بی بی سی نے عالمی نشریہ میں اس خبر کو دُہرایا۔

عالمی شہرت پانے کے بعد بھی اروڑے خاندان اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا بلکہ اس اعزاز کا مستحق دیہی کارکنوں اور مقامی لیڈروں کو سمجھتا ہے جنھوں نے جام کھیڑ میں رہنے سہنے اور کام کرنے میں مدد دی۔

شری رجنی کانت اروڑے اور شریمتی موبیلے اروڑے

نظامِ ناقص و کہنہ بدل دینے کے دن آئے
زمیں والو! فلک کا سر کچل دینے کے دن آئے

گئے وہ دن بلند اقبال ہم کو نام رکھتے تھے
ہمارے سر غلامی کا بجا الزام رکھتے تھے
گئے وہ دن کہ ہم پر گولیاں برسائی جاتی تھیں
گئے وہ دن کہ ہم پر لاریاں چلوائی جاتی تھیں
گئے وہ دن بغاوت پر ہمیں اکسایا جاتا تھا
گئے وہ دن کہ ہم کو دار پر لٹکایا جاتا تھا
گئے وہ دن کہ ہم دن کاٹتے تھے قید خانوں میں
ہماری یاد میں روتے تھے گھر والے مکانوں میں
گئے وہ دن کہ دہقاں دانہ دانہ کو ترستا تھا
خوشامد کار غداروں کے سر پر دھن برستا تھا
گئے وہ دن کہ ہم تھے مبتلائے جورِ سلطانی
ہماری مشکلوں کو دیکھ کر ہنستی تھی آسانی

لکھا جائے گا آبِ زر سے یہ اعلانِ آزادی
کتابِ ہند کی تاریخ میں عنوانِ آزادی

• شاطر حکیمی
ڈاکٹر شیخ کالونی، کامٹی
ناگپور (مہاراشٹر)

نہیں ممکن شہیدانِ وفا کو بھول جائیں ہم
وطن کا نام جاری تھا زباں پہ جن کے مرتے دم
یہ سب اِن دوستوں کی جاں نثاری کا نتیجہ ہے
ہمارے ہاتھ میں جو عدل و حریت کا جھنڈا ہے
نشانِ راہ ثابت ہوگیا نقشِ قدم اُن کا
خوشی میں بھی جدا ہوتا نہیں ہے دل سے غم اُن کا
یقیناً ان کی رُوحوں کو سکوں کچھ اور بھی ہوگا!
رکھیں قائم ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد اپنا
ذرا یاد آگئے جب کارنامے اُن بزرگوں کے
جگر کا خون پانی ہو کے بہہ جاتا ہے آنکھوں سے

مُبارک ہو کہ باغِ ہند میں فصلِ بہار آئی!
عروسِ صبح گُل اندام اُٹھی لے کے انگڑائی،
مُبارک ہو کہ دہقاں جاگ اُٹھا خوابِ غفلت سے
زہے قسمت ہوئی ہے نور کی تخلیق ظلمت سے
مُبارک ہو کنارے آلگی ٹوٹی ہوئی کشتی
بحمداللہ چلی تیزی سے اصلاموج طوفاں کی!

نہ بھولے گا تمہارا جذبۂ اخلاص دیوانو!
سلامِ بے نہایت، شمعِ آزادی کے پروانو!

حلف لیں آج تعمیرِ وطن کا

عنایاتِ خداوندِ جہاں سے　　چھٹا باغِ وطن دورِ خزاں سے
بچے ہم شورشِ دورِ نہاں سے　　شبانہ روز کی آہ و فغاں سے
خوشا یہ روزِ عیش و شادمانی !
زہے یہ وقتِ کیف و ضوفشانی

وطن کی ہم پہ لازم ہے حفاظت　　نہ بھولیں ہم کبھی درسِ اُخوّت
رکھیں قائم بہم ربط و محبّت　　اسی سے باغِ اُلفت میں ہے نزہت
کریں پھر عہد، تزئینِ چمن کا
حلف لیں آج تعمیرِ وطن کا !

بڑے چھوٹے ستارے ہیں گگن میں　　بکثرت پھول کھلتے ہیں چمن میں
مگر جب مِل گئے حُبِّ وطن میں　　تو رونق آگئی ہے انجمن میں !
جڑیں حُبِّ وطن میں ہم بھی سارے
رہیں کثرت میں وحدت کے نظارے

معیشت کے جو منصوبے ہیں اپنے　　سیاست کے جو منصوبے ہیں اپنے
تجارت کے جو منصوبے ہیں اپنے　　زراعت کے جو منصوبے ہیں اپنے
وہ پورے ہوں گے جب محنت کریں سب
دکھائیں حوصلہ ہمّت کریں سب

بہر صورت یہ آزادی مُبارک　　ہر اک گلشن ہر اک وادی مُبارک
خوشی کی دل میں آبادی مُبارک　　یہ چرخا اور یہ کھادی مُبارک
خدا اس کو دوامی رنگ بخشے !
وہ آزادی کا ہم کو ڈھنگ بخشے

• مفتون کوٹوی
ہرن بازار، املی چوک، کوٹہ۔ ۳۲۴۰۰۶

• حضور سہسوانی

*

آؤ اِک بار پھر کریں اقرار
آؤ اِک بار پھر قسم کھائیں

ہم ہمیشہ، قبائے محکومی
بس یونہی تار تار رکھیں گے
اور اپنا نظامِ جمہوری
تا ابد برقرار رکھیں گے

توڑ کر رنج و غم کے سازوں کو
گائے جائیں گے ہم خوشی کے گیت
پاس آنے نہ دیں گے اشکوں کو
ہم رہیں گے یونہی ہنسی کے میت

بنجروں کو بنائیں گے زرخیز
ریگزاروں میں گل کھلائیں گے
جن زمینوں میں گھاس اُگتی ہے
اُن میں گیہوں کی فصل اُگائیں گے

آشتی کو فروغ دے دے کر
پیار کے پھول ہم کھلائیں گے
چھوت کا بھید بھاؤ کر کے فنا
سب کو بڑھ کر گلے لگائیں گے

کر کے تعلیم لازمی اِک روز
خواندہ ہر ایک کو بنائیں گے
ایک دن کر کے صنعتوں کو عام
کام ہر ایک کو دلائیں گے

ہم بڑھائیں گے ملک کی طاقت
ہم دکھائیں گے متحد ہو کر
ہم بچائیں گے آبروئے وطن
ہم کچل دیں گے دشمنوں کے سر

آؤ اِک بار پھر کریں اقرار
آؤ اِک بار پھر قسم کھائیں

*
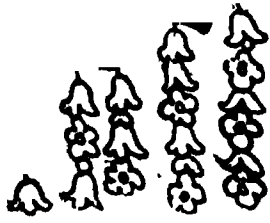
آزادی کا دن آیا
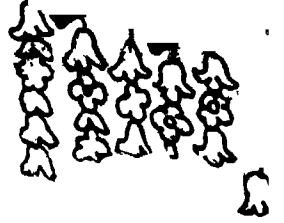
(حکیم) عزیز قدوسی، شاہی دواخانہ، نیا بازار، کامٹی، (ناگپور)

نویدِ کامرانی لے کے آزادی کا دن آیا
سُرور و شادمانی لے کے آزادی کا دن آیا
شہیدوں کی کہانی لے کے آزادی کا دن آیا
پیامِ زندگانی لے کے آزادی کا دن آیا
ترنگا اوج پر لہرا رہا ہے شان و شوکت سے
وطن کے لوگ ہیں مخمور صہبائے مُسرت سے

یہی دن ہے کہ جب خونِ شہیداں رنگ لایا تھا
یہی دن ہے کہ جب باطل پہ غلبہ حق نے پایا تھا
یہی دن ہے کہ جب اپنا مقدر مُسکرایا تھا
یہی دن ہے جب آزادی کا سورج جگمگایا تھا
یہی دن ہے کہ جب زنجیر ٹوٹی تھی غلامی کی
یہی دن ہے کہ جب منزل ملی تھی شادکامی کی

طلب گارانِ آزادی فرازِ دار سے گزُرے
برائے زندگانی موت کے بازار سے گزُرے
ہزاروں لوگ زنداں کے در و دیوار سے گزُرے
ہمارے رہنما ہر منزلِ دُشوار سے گزُرے
وطن ممنون ہے قدوائی و آزاد و نہرو کا
بھُلایا جا نہیں سکتا کبھی احسان باپو کا

جفائے دشمناں جلیانوالا باغ سے پُوچھو
چلیں جب گولیاں جلیانوالا باغ سے پُوچھو
قیامت کا سماں جلیانوالا باغ سے پُوچھو
ستم کی داستاں جلیانوالا باغ سے پُوچھو
نہتّوں پر ہوا جو ظلمِ ناحق، ہے عیاں اب بھی
کہ دیواروں پہ باقی ہے تشدد کا نشاں اب بھی

یہ عزّت ہے یہ عظمت ہے عظیمُ الشّان نعمت ہے
اسی کے دم سے وابستہ وطن والوں کی قسمت ہے
جو قُربانی سے ہاتھ آئی ہے اپنے یہ وہ دولت ہے
حقیقت میں یہ آزادی شہیدوں کی امانت ہے
عبادت کی طرح اس کی حفاظت فرض ہے ہم پر
ادا کرنا ہے لازم جس کو یہ وہ قرض ہے ہم پر

خوشی سے اتحادِ باہمی کا جام چھلکاؤ
فضائے میکدہ پر ابرِ رحمت بن کے چھا جاؤ
اُخوّت کا ترانہ سازِ دل پر جھُوم کر گاؤ !
عمل کے حُسن سے انسانیت کا نام چمکاؤ
کچھ اِس انداز سے تہذیب کا جوہر نمایاں ہو
وطن کا ذرّہ ذرّہ رُوکشِ مہرِ درخشاں ہو

نہ دل کا آئینہ آلودۂ گردِ کدُورت ہو
کسی سے بھی عداوت ہو نہ کینہ ہو نہ نفرت ہو
تقاضا آدمیّت کا ہے آپس میں محبّت ہو
ہماری ذات دنیا کے لئے پیغامِ راحت ہو
رہے قائم ہمیشہ دل میں جذبہ دردمندی کا
اسی میں راز پوشیدہ ہے اپنی سربلندی کا

ابھی کیا ہے ابھی تو اور بھی ہم کو اُبھرنا ہے
ابھی کچھ اور بھی دشوار راہوں سے گزرنا ہے
ابھی کتنے ہی خاکے ہیں کہ جن میں رنگ بھرنا ہے
سُنہرے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا ہے
برائے منزلِ مقصود یک جہتی ضروری ہے
یقینِ کامرانی دل میں ہونا بھی ضروری ہے

عظمتِ اگست

• مہدی پرتابگڈھی
دفتر ایگزیکیٹو آفیسر
ایری گیشن ڈیویژن
پرتاب گڈھ (یو۔پی)

اگست آیا ہے رعنائیِ حیات لئے
اگست آیا ہے خوشیوں کی کائنات لئے

حیاتِ نو کی علامت بنا ہے ماہِ اگست
چمن کے واسطے دستِ صبا ہے ماہ اگست

مرے وطن کی فضاؤں میں رچ گیا ہے اگست
مرے چمن کی ہواؤں میں رچ گیا ہے اگست

اگست ہی سے عبارت ہے ملک کی تعمیر
اگست ہی نے جگائی ہے دیش کی تقدیر
اگست ہی سے ہوئی ملک کی نئی تشکیل
اگست ہی نے نکالی ترقیوں کی سبیل

اگست جادہ بھی ٹھہرا، اگست منزل بھی!
اگست موجۂ طوفاں بھی اور ساحل بھی

اگست کھیت کی، کھلیان کی، رہٹ کی زباں
اگست سبھاش و اشفاق کا ہے جذبِ نہاں

اگست جواہر و گاندھی کے خواب کی تعبیر
اگست ہی تو ہے آئندہ نسل کی تصویر!

اگست ایک مہینہ نہیں، ایک عہد بھی ہے
اگست قصۂ جہد و عمل کی سرخی ہے

سحر کی ضو بھی ہے، رنگت بھی شام کی ہے اگست
رُخِ حیات پہ بکھری ہوئی خوشی ہے اگست

اگست بادِ بہاراں بھی، گل کی رنگت بھی!
اگست غنچۂ نورس، چمن کی زینت بھی

نہ جانے کتنے ہی برسوں کی جستجو ہے اگست
چمن کی آن ہے، غنچوں کی آبرو ہے اگست

متاعِ حُسنِ بہاراں ہے، رنگ و بُو ہے اگست
رگِ حیات میں بہتا ہوا لہو ہے اگست

اگست ایک وراثت ہے اس کی قدر کریں
ہم اس کی آن پہ خونِ جگر بھی نذر کریں!

غزل

• انجم عرفانی
گوردند باغ، بلرام پور (یو۔پی)

لاکھ ڈھونڈھا نہ کہیں مجھ کو کتابوں میں ملی
زندگی صرف سلگتے ہوئے خوابوں میں ملی

خوب پہچان لو، بھولا ہوا افسانہ ہوں
داستاں بکھری ہوئی میری سرابوں میں ملی

صرف شیشے میں، شفق میں ہے نہ مہتاب میں ہے
کچھ شباہت ترے عارض کی گلابوں میں ملی

زندگی ایک سوال اس کے ہزاروں ہی جواب
تشنگی پھر بھی مجھے سارے جوابوں میں ملی

ایک عنوان ہے، رودادِ غم دل بھی ہے ایک
جستہ جستہ یہ مگر سیکڑوں بابوں میں ملی

ہے کسے تاب، حقیقت کو جو دیکھے عُریاں
یہ تو ہر دور میں رنگین نقابوں میں ملی!

خوشبو آوارہ ہے، آوارگی فطرت اس کی
خیمۂ گُل میں نہ شاخوں کی طنابوں میں ملی

اب تو ملتی نہیں منزل پہ پہنچ جانے کے بعد
وہ خوشی صدیوں سفر کے جو عذابوں میں ملی

آپ کیوں رکھتے ہیں ہم خاک نشینوں سے اُمید
آدمیت تو فقط عالی جنابوں میں ملی!!

بے نیازی نہ ملی اُونچے مکانوں میں کبھی
گر ملی بھی تو وہ ہم خانہ خرابوں میں ملی!

انجم اس عہد میں اک قصۂ پارینہ ہے
پیار کی بات ملی بھی تو نصابوں میں ملی

جس دن کی عظمتوں پہ تصدّق ہزار دن

پندرہ اگست

*

★ڈاکٹر نایاب لکھنوی
روم نمبر ۴۹، ۲۴۸۔ ساتویں گلی،
نیا پورہ، مالیگاؤں (ناشک)

*

ہے پندرہ اگست وہ ایک یادگار دن
جس دن کی عظمتوں پہ تصدق ہزار دن

دو سو برس کا دور تھا جس میں لُٹے تھے ہم
غیروں کی دست برد سے اس دن چھٹے تھے ہم

اس دن کی آرزو میں مٹے کتنے نوجواں
رنگیں ہے جن کے خون سے بھارت کی داستاں

انگریز نے یہ حُبِّ وطن کا صِلہ دیا
جلیان والا باغ کو مقتل بنا دیا

باپو کے ساتھ ساتھ بہت دردمند تھے
زنداں میں برسوں نہرو و آزاد بند تھے

تحریر دب سکی نہ تشدد کے زور سے
جانباز سرفروش اُٹھے چاروں اور سے

کالوں کے عزم و جوش نے گوروں کو دی شکست
ہے فتح و کامرانی کا دن پندرہ اگست

طوفانِ غم سے تاج کی کشتی اُلٹ گئی
جبر و ستم کی آہنی زنجیر کٹ گئی

آزادیٔ حیات سے ہوں بہرہ ور عوام
نایابؔ! جگمگائیں ہمارے بھی صبح شام

**

• جلیل سازؔ
مومن پورہ، ناگپور

اپنی ہی ذات میں گھرے ہو میاں
تم بھی کس درجہ سرپھرے ہو میاں

اس زمیں نے پناہ دی ہے تمہیں
آسمانوں سے جب گرے ہو میاں

اُور اور چھور سب کا ہر جگ میں
ایک تم ہو کہ بے سرے ہو میاں!

بھاگتے ہو سراب کے پیچھے
عقل نا آشنا نرے ہو میاں

ڈوب جاتے ہیں لوگ ساحل پہ
تم کہ منجدھار میں ترے ہو میاں

سازؔ ہنس بول کر ملو سب سے
کیوں زمانے میں کرکرے ہو میاں

نونہالانِ وطن سے خطاب

★ محمد غوث محی الدین سوزاںؔ
محلہ عزیز پورہ - بیڑ ۴۳۱۱۲۲ (مہاراشٹر)

(بین الاقوامی سالِ اطفال کے موقع پر)

نونہالانِ وطن غور سے کچھ تو سن لو ۔۔۔ ہیں گہر یہ اسے دامن میں ہی اپنے چن لو
اپنے ماں باپ کے تو راج دلارے تم ہو ۔۔۔ آخری وقت کے یعنی کہ سہارے تم ہو
شاعرِ قوم کی نظروں کے ستارے تم ہو ۔۔۔ اپنے اُستاد کی اُمیدوں کے تارے تم ہو
اپنی دنیا کو بنانا ہو تو کچھ کام کرو ۔۔۔ کر کے کچھ کام دکھاؤ یہاں کچھ نام کرو
حُسنِ اعمال سے ہی بنتی ہے دنیا اپنی ۔۔۔ اجی دنیا کیا، سنور جاتی ہے عقبیٰ اپنی
اُٹھو کچھ کام یہاں کر کے دکھاؤ تو سہی ۔۔۔ زُلفِ گیتی کو سنوارو تو سجاؤ تو سہی
اُفقِ علم پہ چمکو تو ستارے بنکر ۔۔۔ اٹھو مظلوم کے بیکس کے سہارے بنکر
زیورِ علم سے آراستہ کر لو خود کو ۔۔۔ حُسنِ اخلاق سے پیراستہ کر لو خود کو
علم گر ہے تو ہے تہذیب و تمدن تم میں ۔۔۔ علم ہی سے تو ہیں انسان کے یہ گُن تم میں
علم روٹی بھی ہے کپڑا بھی مکان اور دوکاں ۔۔۔ علم سے معاشرۂ قوم، یہ ہر آن و زماں!
علم دولت ہے، یک دولتِ لافانی ۔۔۔ علم ہی کی تو اس دنیا میں ہے جہاں بانی
علم وہ دولت و حشمت کہ نہیں جس کو زوال ۔۔۔ علم سرمایۂ عزت کہ نہیں جس کی مثال!
علم ہے روشنی اور علم بصیرت کا نشاں ۔۔۔ جہل، تاریکیٔ و گمراہی و ظلمت کا نشاں
گر نہ ہو علم تو خود کو بھی نہ تم جان سکو ۔۔۔ گر نہ علم ہو خدا کو بھی نہ پہچان سکو
اُٹھو کچھ کام یہاں کر کے دکھاؤ تو سہی ۔۔۔ زُلفِ گیتی کو سنوارو تو سجاؤ تو سہی

کام سے پیار رہو اور کام تمھیں ہو پیارا
عاقبت اپنی اور انجام تمھیں ہو پیارا

★ ضیاء زخمی کھام گانوی
اُردو مڈل اسکول
چاندور بسوہ، بلڈانہ (ایم۔ ایس)

آج کے دن کی حقیقت میں تمھیں سمجھاؤں
آج کے دن کی رفاقت میں تمھیں سمجھاؤں
آج کا دن سبھی ایّام سے افضل کیوں ہے
آج کے دن کی فضیلت میں تمھیں سمجھاؤں

آج کے دن ہی مُسرّت کی شعاعیں پھیلیں
آج کے دن ہی جلائے تھے اُمیدوں کے چراغ
آج کے دن ہی تو آزاد ہوا تھا بھارت
آج کے دن تو ہوئے صاف غلامی کے وہ داغ

آج کے دن ہی تو چمکے تھے ستارے اپنے
آج کے دن ہی ملی ہم کو اسیری سے نجات
آج کے دن ہی مسرّت کے بجے تھے ناقوس
آج کے دن ہی تو بدلا گیا عنوانِ حیات

آج کے دن ہی تو رنگ لایا شہیدوں کا لہو
آج کے دن ہی تھا آزادی کے چہرے پہ نکھار
آج کے دن ہی تو مہکے تھے فسُردہ غنچے
آج کے دن ہی تو آئی تھی گلستاں میں بہار

آج کا دن ہے جسے کہتے ہیں ہم پندرہ اگست
آج کے دن ہی تو لہرایا ترنگا جھنڈا!
آج کے دن ہی تو لیں چین کی سانسیں ہم نے
آج کے دن ہی سُنایا گیا قومی نغمہ!

اب نہ چھائیں گے کبھی دیش پہ غم کے بادل
اب نہ پھیلے گی کبھی ظلم و تشدّد کی فضا
اب تو انصاف ہی انصاف یہاں پر ہوگا
اب نہ ہوگی یہاں ناکردہ گناہوں پہ سزا

اب تو ہر صبح نئی عید کے نغمے ہوں گے
اب تو اِس دیش کی ہر شام سُہانی ہوگی
اب تو دُہرائے گا ہر کوئی فسانہ اس کا
اب تو اس دیش کی زرّیں کہانی ہوگی

آن تہذیب و تمدّن کی بچانا ہوگا
سر اُٹھاتے ہوئے فتنوں کو دبانا ہوگا!
صفحۂ دہر سے مِٹ جائے گا دشمن کا وجود
متحد ہو کے قدم آگے بڑھانا ہوگا

بغض و نفرت و عداوت کو ہٹانا ہے ہمیں
شمعِ اخلاص و محبّت کی جلانا ہے ہمیں
نہرو، آزاد کی گاندھی کی، وہ ٹیپو کی طرح
دیش کی مانگ کو تاروں سے سجانا ہے ہمیں

اب نہ اس دیش پہ اُٹھے کسی دشمن کی نظر
آؤ اب اس کے تحفظ کا بھی وعدہ کرلیں
بھائی بھائی کی طرح رہنا ہے ہم کو زخمی
بھول کر اب وہ فسُردہ وہ پُرانی رسمیں

پیغامِ آزادی!

پروفیسر ایم۔ ایل سکسینہ وفا امروہوی

مُرادیں سب بر آئیں، سب تمنّائیں ہوئیں پوری
تھی اہلِ ہند کو اِس دن کے آنے کی بڑی چاہت
وفا خونِ شہیداں رنگ لاکر ہی رہا آخر
ہر اک صورت سے ہر حالت میں آزاد ہے بھارت

صبا نے آج بھارت کو دیا پیغامِ آزادی — وطن کے گوشے گوشے، چپّے چپّے میں ہوئی شادی
دلِ پژمردہ کی کلیاں کھلا دیتی ہے جو شادی — وہ شادی ہوتی ہے حاصل، اگر ملتی ہے آزادی
نہ کیوں اہلِ وطن مسرور و شاداں اب نظر آئیں؟ — مِلا اِس کی بدولت اُن کو اُن کا حقِ بنیادی
ہر اک بھارت نواسی مطمئن، آزاد اور خوش ہے — نظر آتے ہیں ہر جا مطمئن مظلوم و فریادی
گیا وہ دورِ محکومی اور اب آزاد بھارت میں — ہر اک بچّہ ہے شہزادہ، تو ہر بچّی ہے شہزادی
نہ کیوں احسان مانیں اہلِ بھارت رہنماؤں کے؟ — کہ آزادی یہ جانبازی نے اُن کی سب کو دِلوادی
ثمر آزادیوں کے جب ہی کھا سکتے ہیں باشندے — اگر ہو حوصلہ عالی، اگر ہو عزم فولادی
پڑا ہے تفرقہ آپس میں ایسا جس سے خطرہ ہے — یہ مَن مانی نہ لے آئے کہیں بھارت میں بربادی
خدا توفیق دے اس بات کی اپنی حکومت کو — رہے باقی نہ کوئی جور پیشہ اور نہ بیدادی
کوئی محتاج باقی رہ نہ جائے مُلک میں اپنے — اضافہ عزّتوں میں ہو، بڑھے وہ شانِ آزادی

وفاؔ وہ دن بھی آئے جبکہ بھارت فخرِ دنیا ہو
اِضافہ صنعتوں میں ہو، بنے یہ مُلک فولادی

**
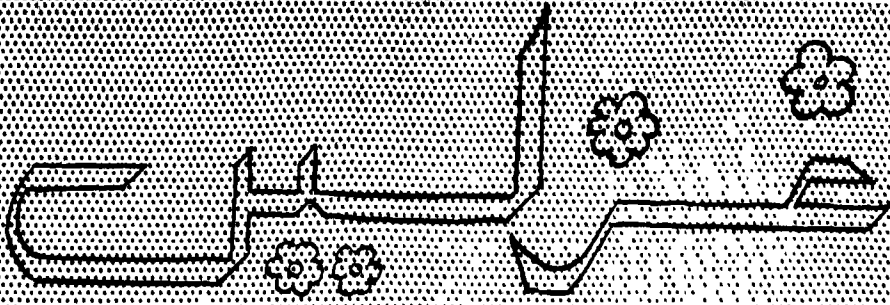
• سکندر علی وجد

وجد احساس کے اظہار میں ناکام نہیں
حسن کی خاص اداؤں کا کوئی نام نہیں

یاسِ حرماں کی دوا بادۂ گلفام نہیں
چشمِ ساقی ہے جنوں خیز، لبِ جام نہیں

انتہا کوئی نہیں درد کے افسانے کی!
عشق آغاز ہی آغاز ہے انجام نہیں

رنگ تھا دن کا نیا، رات کا آہنگ نیا
تیرے جانے سے وہ اب صبح نہیں شام نہیں

تو ہی آجا کسی شب میرے اندھیرے گھر میں
چاند کو راہ دکھانا تو میرا کام نہیں

شوقِ مے عام ہے ساقی تیرے میخانے میں
اسی نسبت سے مگر ذوقِ نظر عام نہیں

وجد سے جن کو حسد ہے وہ سمجھتے اے کاش!
شاعری ایک سزا ہے کوئی انعام نہیں

*

• حفیظ مالیگانوی
۸۴۹- نیا پورہ، مالیگاؤں ضلع ناشک

ذراسی بات پہ مصلوب کردیا مجھکو
دیا ہے میری صداقت نے کیا صلہ مجھ کو

بھٹک رہا ہوں میں صحرائے آگہی میں ہنوز
کسی میں ہوش ہو باقی تو دے صدا مجھ کو

یہ واقعہ ہے کہ دنیا بھری پڑی ہے مگر
دکھائی کچھ نہیں دیتا مرے سوا مجھ کو!

گذر رہا تھا غمِ کائنات سے بچ کر
اس اژدہے نے مگر پھر بھی ڈس لیا مجھ کو

بنامِ عظمتِ انساں مری بلندی سے
گرا کے اس نے تماشہ بنا دیا مجھ کو

اچٹ گئی جو مری نیند، شدتِ غم سے
نصیب پھر نہ ہوا خواب دیکھنا مجھ کو

میں اپنے خول سے باہر ہوا ہی تھا کہ حفیظ
کہاں کہاں لئے پھرتی رہی ہوا مجھ کو

• سرور حسن خاں سرور
غازی آباد (یو۔پی)

جانے کیا راز تھا اشاروں میں
جل گیا آشیاں بہاروں میں

عندلیبِ چمن ہے خوف زدہ
تتلیاں کھو گئیں غباروں میں!

ہم ہی کچھ خوگرِ وفا کم تھے
ورنہ کیا عیب تھا سہاروں میں

کچھ بھی نہ کام آئی ہمتِ آغاز
کشتیاں لٹ گئیں کناروں میں!

شمعِ مرقد ہے زندگی گویا
موت تو قید ہے مزاروں میں

*

• واحد محسن
وڈالا۔ بمبئی ۳۷

مجھے کانٹوں پہ سُلا دو مجھے مصلوب کرو
حق پرستوں کا ہوں حامی مجھے معتوب کرو

اس نئے عہد میں اب رشتۂ جذبات بھی کیا
اب وہ نام میرے نام سے منسوب کرو

اب وہ لذتِ ہجراں ہے نہ وہ کیفِ وصال
اِک ستم اور خدارا میرے محبوب کرو

آئینہ ہوں میں تمھارا، مرا چہرہ دیکھو
اپنی تصویر نہ اس طرح بھی معیوب کرو

سستے داموں کبھی شہرت نہیں ملتی واحدؔ
جلتے کانٹے ہیں لبوں سے اُسے دوب کرو

سکندر عرفانؔ
کھنڈوہ - (ایم ۔ پی)

یہ میرا وہم ہے، یا کوئی روبرو ہے ابھی
خموشیوں میں جو اندازِ گفتگو ہے ابھی

سخن شناس تجھے کس کی جستجو ہے ابھی
مری زبان کے دامن میں رنگ و بو ہے ابھی

خزاں میں پل کے بھی ہر پھول سرخ رو ہے ابھی
نظر میں ان کی جو گلشن کی آبرو ہے ابھی

بدن جھلس تو گیا غم کی دھوپ میں جل کر
مگر حیات مری پھر بھی خوبرو ہے ابھی

بھلا وہ گردشِ دوراں کو کیسے مات کریں
کہ جن کے ذہن میں بس جام اور سبو ہے ابھی

چراغ فن کا جلاؤں میں غم کی ظلمت میں
تڑپتے دل میں سسکتی سی آرزو ہے ابھی

وہ ایک سجدہ سرِ دار کیوں تڑپتا ہے؟
ہر اک تمنا مری یوں تو با وضو ہے ابھی

غزل کے خاکے میں عرفانؔ آؤ رنگ بھر لیں
جبینِ وقت پہ بکھرا ہوا لہو ہے ابھی

*

• بہارؔ صدیقی بدایونی
۲۰۲ بی۔ ڈبلو آر ایس کالونی،
کوٹہ جنکشن (راجستھان)

رُباعیات

سب پر یہی گماں ہوتا ہے بیگانوں کا
کچھ ایسا چلن آج ہے انسانوں کا
ارماں کی تڑپ غم کی گھٹن ہے دل میں
اب دل نہیں مدفن ہے یہ ارمانوں کا

ناکام وہیں جہد و جہد ہوتی ہے
گفتارِ حقیقت جہاں رَد ہوتی ہے
بے بات کا افسانہ مسلسل کب تک
'اے دوست ہر اک بات کی حد ہوتی ہے'

مُنہ اپنا وفاؤں سے نہ موڑا میں نے
آئینِ محبت کو نہ توڑا میں نے
برداشت کیا دہر کی کج خلقی کو
تہذیب کے دامن کو نہ چھوڑا میں نے

ہے دل میں کپٹ لب پہ تبسم جاری
اُف دورِ جدیدہ کی یہ ظاہر داری!
ہر سمت مسلّط ہیں سکوں پر خطرے
افسوس کہ انساں سے ہے انساں عاری

بکھرے ہوئے موتی سے جو یہ ہر سُو ہیں
شبنم نہ سمجھ پھولوں کے یہ آنسو ہیں
تعمیرِ چمن پر نہ ہو مغرور اے دوست
تعمیر میں تخریب کے بھی پہلو ہیں

تبصرہ
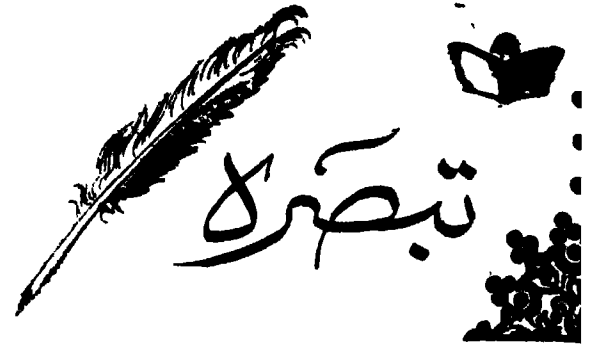
ورناچ —(ندا فاضلی)—

جدید شاعری پر اکثر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ یہ سیدھی سادی اور سپا
کیونکہ بے حد معمولی ذہنوں نے اس کو تخلیق کیا ہے لیکن ندا فاضلی کے
ی مجموعہ 'مور ناچ' کو پڑھ کر یہ الزام بے حد شدید اور بے بنیاد سا
ہے۔ ندا کے یہاں جدت، اچھوتے مضامین پر طبع آزمائی کے معنوں میں
۔ یہ مجموعہ جدید شاعری میں شخصی تجربات کی وہ آواز ہے جس میں ذہن
ودت، ادراک کی بلندی، مشاہدے کی وسعت اور گہرائی کے ساتھ
جی و عصری شعور کی بیداری بھی موجود ہے اور یہ سب ایک ایسے لب
ین جس کی واحد پہچان شعریت ہے۔

بوہیمین ازم کو جدید شاعری میں فیشن یا اندھی تقلید کے طور پر
یا گیا ہے۔ بہت سوں کو بے ترتیبی میں مسرت کی کھوج نے یا اقدار
فی میں سکون کے سپنوں اور جنسی اخلاقیات کے زوال میں نجات
حصول نے بوہیمین ازم کی جانب راغب ہونے پر مجبور کیا ہے لیکن ندا
یہاں بوہیمین ازم مذکورہ وجوہات کی بنا پر قطعی نہیں ہے ان کے یہاں
کی وجہ ان کے مزاج کا لاابالی پن ہے جو بے در و دیوار کا اک گھر بنایا
نے کی حسرت تعمیر کو لئے بھٹک رہے ہیں وہ صحیح معنوں میں بوہیمین
جیسا کہ کہتے ہیں ع

ملنے گئے کسی سے مل آئے کسی سے ہم

یا

ع میں ایک سرپھرا بادل مرا سفر پانی

نی اس افتادِ طبیعت کو وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ذہانت سے وابستہ
یتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے یہاں تجرباتی خلوص اور محسوساتی شدت
ناچ' میں ہر جگہ متاثر کرتی ہے ؎

کوئی یونہی تو بھٹکتا نہیں چلتے چلتے!
اس سے مل دیکھو ضرور اس میں ذہانت ہوگی

ایک اور جگہ کہتے ہیں ؎

شائستہ محفلوں کی فضاؤں میں زہر تھا
زندہ بچے ہیں ذہن کی آوارگی سے ہم

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ ان کی شاعری انفرادی تجربات کی حامل ہے۔ وہ کبیر داس کے لفظوں میں 'جگ بھو' کی جگہ انوبھو کے شاعر ہیں۔ ندا نے اپنے شعروں میں آپ بیتی سنائی ہے۔ وہ اپنی ذات کو ایک آئینہ کی طرح استعمال کرتے ہیں اور انھیں پرچھائیوں سے پیدا ہونے والے نتائج ہی کو ان کے یہاں زیادہ اہمیت دی گئی ہے اس طرح ان کی شاعری ان کی سوانح کی مانند دو حصوں میں بٹی نظر آتی ہے۔ ایک وہ جہاں شروعِ سفر میں وہ زمین سے، نیچر سے قریب ہے جہاں دنیاوی رشتے ناطوں سے شاعر جڑا ہوا لگتا ہے ان لوگوں سے اسے محبت ہے۔ ٹھہرا ہوا سکون اور مزاجی منچلاپن ہے ؎

دکھ میں نیر بہاتے تھے سکھ میں ہنسنے لگتے تھے
سیدھے سادے لوگ تھے لیکن کتنے اچھے لگتے تھے

اور دوسرا حصہ وہ ہے جہاں اس کا گھر بار چھن گیا (جس کا ذکر ندا نے اپنے پہلے مجموعہ 'لفظوں کا پل' میں بڑی خوبصورتی سے کیا ہے)۔

('مور ناچ' کی پہلی نظم) "تمام رشتے ناطے چھوٹ گئے" یہاں آکر انسانی قدریں ختم ہونے لگتی ہیں یہاں شاعر ایک FRUSTRATED انسان ALIENATION یا اجنبیت کا شکار رجحان پڑتا ہے۔ شہر سے بیزاری، یہاں کی کھوکھلی اور مصنوعی زندگی کے خلاف احتجاج کرتا ہے۔ یہاں دو متضاد رُویوں کا ٹکراؤ ملتا ہے۔ رشتوں ناطوں سے جڑا ہوا ایک شخص صنعتی تہذیب میں کس طرح خود کو ٹوٹتا بکھرتا محسوس کرتا ہے اس کا بھرپور اظہار ندا کی نظم 'بمبئی' میں ہوا ہے۔ یہی نظم 'مور ناچ' کا بیک ڈراپ بھی تیار کرتی ہے ؎

یہاں تو کچھ بھی نہیں
ریل اور بسوں کے سوا
زمیں پہ رینگتے بے حس سمندروں کے سوا
عمارتوں کو نگلتی عمارتوں کے سوا
یہ قبر قبر جزیرہ کسے جگاؤ گے
خود اپنے آپ سے الجھو گے ٹوٹ جاؤ گے
یہاں تو کوئی بھی چہرہ نظر نہیں آتا!

بڑی طاقتوں کے استحصال کے خلاف مادی ارتقاء کی روشنی میں ندا فکر کے احساس کو اور صنعتی تہذیب میں فرد کے اس کرب کے بیان کو وہ اپنی نظم 'مشین' میں پیش کرتے ہیں۔ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک بے معنی شے کی طرح ہر طرف سے بندھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس نظم کا فرد اقبال کے شاہین کی علامت نہیں ہے۔ اس مشینی عہد میں وہ مشین کے ایک مشینی پُرزہ کی طرح مشینی حرکات کا قیدی ہے ؎

مشینیں سوچتی ہیں
چیختی ہیں
جنگ کرتی ہیں
مشینیں چل رہی ہیں

اور ان سے مانوس ہونے کے بعد بھی اجنبیت نہیں ٹوٹتی۔ لکھتے ہیں ؎

جنگل میں دُور تک کوئی دشمن نہ کوئی دوست
مانوس ہو چکے ہیں مگر بمبئی سے ہم

ندآ کے یہاں خیر و بد کی تکرار، سیاسی یا غیر سیاسی اور مذہبی یا غیر مذہبی موضوعات کی تک بندی نہیں ہے بلکہ سچائی کی پہچان ہی ان کی اصل آواز ہے، اس سچائی سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کی شعری و تجرباتی صداقت سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ بھی ان کی سیلانی بالا اُبالی طبیعت کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ زندگی کا ایک واضح تصور پیش نہیں کر سکے اور اس سچائی کو ڈھونڈتے وقت وہ کچھ CONFUSED ہیں۔ ان کے یہاں آدمی ٹوٹا ٹوٹا سا ؎

جب تک رہے بکھرتے رہے ٹوٹتے رہے
ڈرا ڈرا سا، بھٹکا ہوا سا نظر آتا ہے۔

وہ کہتے ہیں ؎

مرے مزاج میں بے معنی اُلجھنیں ہیں بہت
مجھے اُدھر سے بُلانا جدھر نہ جاؤں میں!

یا پھر ؎

تمھارا تجربہ شاید الگ ہو
مجھے تو علم نے بھٹکا دیا ہے

باوجود اس بے معنویت کے، ان کا اسلوب لطیف، شوخ اور پُرزور ہے۔ جس میں صداقت، معصومانہ استعجاب اور نوکیلا پن انوکھے انداز سے رچے ہوئے ہیں۔

'مور ناچ' کا آخری حصہ گیتوں پر مبنی ہے، جہاں ان کی شاعری الفاظ، اصطلاحات اور استعاروں کے اعتبار سے جدید ترین ہے۔ اگر آپ ندآ فاضلی سے ملے ہیں تو وہ آپ کو THRILL، ایک سنسنی کی سی پُراسرار کیفیت کے ہمیشہ مداح نظر آئیں گے یہی کیفیت آپ کو ان کے گیتوں میں زیادہ ملے گی۔ بہت ہی فنکارانہ طریقے سے حسی کیفیات کا اظہار ان کے گیتوں میں ملے گا۔ اس کے علاوہ ان کے گیتوں میں جنسی جذبہ اور اس کی اہمیت بھی زیادہ کھُل کر سامنے آجاتی ہے۔ ان گیتوں میں لوک گیتوں کی سی مٹھاس نے شہری ذہن سے آمیز ہو کر ایک نیا پیراہن لیا ہے ؎

کھڑکی اندھیروں میں کھڑکی کو کھینچے
موسم نہ دیکھے کبھی آگے پیچھے
لیکن گلی اپنی آنکھیں نہ میچے

تھانہ کچہری میں
پھنس گیا پانی
دھوپ بھری چھت پر برس گیا پانی

ندآ کی شاعری ان کی اپنی ذاتی زندگی کا نچوڑ ہوتے ہوئے بھی اس دور کے انسانوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہے۔ جہاں آج کے دور کے انسان کو اپنا چہرہ نظر آتا ہے۔ فلموں سے وابستہ ہو جانے کے بعد اس مجموعے کی اشاعت باعثِ حیرت اور مسرت بھی ہے' ورنہ شاعر اور ادیب جب فلموں سے منسلک ہو جاتے ہیں تو ان کی ادبی زندگی ختم ہو کر رہ جاتی ہے، ہم ندا سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اسی طرح لکھتے رہیں گے اور ان کے اگلے مجموعہ سے بھی وہی THRILL کی سی کیفیت ہم حاصل کر سکیں گے جو ان کی خصوصیت ہے۔

۱۶۰ صفحات پر مشتمل 'مور ناچ' نیو رائٹرس پبلی کیشنز، ۵۹۰ پائپ روڈ کرلا، بمبئی ۷۰۰۰۷۰ سے شائع کیا گیا ہے۔ ملنے کا پتہ 'مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ پرنسس بلڈنگ نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳' ہے اور اس کی قیمت ۶ روپے ہے۔ ہاں ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حال ہی میں اس شعری مجموعہ کو اترپردیش اُردو اکادمی کی جانب سے ۲ ہزار روپے کا انعام بھی دیا گیا ہے۔

• بنت مسعود

پربائیں طرف موسمِ باراں میں "گرین بمبئی سوسائٹی" کی طرف سے درخت کاری کی مہم شروع کی گئی۔ اس مہم کا آغاز مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۲۳ جولائی کو بمبئی کے مالابار ہل باغ میں ناریل کی قلم لگا کر کیا۔

بر دائیں طرف اور بائیں

اسکولی بچوں میں درخت کاری اور پودوں کو بہتر طریقے پر پرورش کی تعلیم سبزہ زار بڑھانے میں معاون ثابت ہوتی ہے ان دونوں تصاویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا جگاؤں یا روتی وَن وہار کے آمدوں کے اسکولی بچے بڑی دلچسپی کے ساتھ شجر کاری میں مصروف ہیں

خبریں - تصویروں میں

اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد کی بیڑا ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ شاخ کی طرف سے ... ری والاس ... ٹ گئے تو جو کہ تعلیم یافتہ بیروزگار تھے۔ ۱۶ء۱ لاکھ روپے کی رقم بطور قرض ... ملی ... بالا تصویر میں شری شیواجی راؤ پنڈت اور شری بیڈ گے، ٹرک کی پوجا کر رہے ... ب جو اس رقم سے خرید آگیا ہے۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، سیلاب سے متاثرہ
سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ اپنے دو
دورے پر ناگپور پہنچے اور بذریعہ کار بوٹی۔
، گمگاؤں اور ہنگنا کے متاثرہ علاقوں کا
کیا۔ وزیر اعلیٰ کے ساتھ وزیر محصول، شری
ڈ پاٹل، وزیر صحت ڈاکٹر پرمیلا تائی ٹوپلے،
ملکت شری ڈی۔ آر میگھے، شری رام
ے اور شریمتی پربھا پاٹل بھی تھے۔

سیلاب کے متاثرین کے لئے تین کروڑ روپے
وزیر اعلیٰ کی اپیل

یر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۱۱ راگست کو ایک آل پارٹی میٹنگ میں فیصلہ کیا کہ
لاقے کے سیلاب سے متاثرین افراد کی امداد کے لئے تین کروڑ روپے جمع
یں گے۔ وزیر اعلیٰ کی اپیل پر اسی موقع پر آٹھ لاکھ روپے جمع ہوگئے۔
ھک سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے اس بات پر خاص زور دیا کہ
میں اعتبار پیدا کرنا بہت ضروری ہے کہ ان کی اس تکلیف میں مہاراشٹر
عوام شریک ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ کافی جانی و مالی نقصان کے
کھیتی باڑی کو بھی زبردست نقصان پہنچا ہے۔
سے قبل شری رجنی پٹیل نے سٹیزن ریلیف کمیٹی کی جانب سے وزیر اعلیٰ کو
روپے کا چیک پیش کیا۔
ی این۔ ایم ترڑکے (کانگریس)، شری رام نائیک (جنتا)، شریمتی پربھا
نگریس آئی) اور شریمتی پربھا راؤ (مہاراشٹر پردیش کانگریس) نے اپنی
وں کی جانب سے پورے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔
ی وسنت راؤ ہوشنگ (مل مزدور سنگھ) اور شری پربھاکر سانزگیری
ھوراٹ نے سی آئی ٹی یو اور ماتھاڈی ورکرز کی جانب سے بالترتیب
اور دس ہزار روپے کے عطیات کا اعلان کیا۔
ی رام جوشی، وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی نے طالب علموں کی طرف سے
بکہ شری اروند مفت لال اور شری للت مہتہ نے بیوپاریوں کی طرف سے
ین دلایا۔

بمبئی کے میئر شری راجہ بھاؤ چمبورکر اور شیرف بمبئی شری رام بترہ نے بمبئی
والوں کی جانب سے بھرپور مدد کا یقین دلایا۔ مشہور اداکار دلیپ کمار نے فلم انڈسٹری
کی جانب سے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔

سیلابوں سے متاثرین کی امداد کیلئے وزیر اعلیٰ کا دورہ

ودربھ اور گجرات کے سیلاب سے متاثرین کی امداد کے لئے مہاراشٹر نے جو مہم
ہاتھ میں لی ہے اس میں تیزی لانے کے لئے وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۱۹ راگست
اتوار کے روز شہر بمبئی کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔

ودربھ سیلاب سے متاثرہ علاقہ کا دورہ کر کے وزیر اعلیٰ ۱۹ رتاریخ کو
صبح بمبئی تشریف لائے اور فوراً ہی اپنا متذکرہ دورہ شروع کر دیا۔ صبح
۱۰ بجے سے وزیر اعلیٰ کا شروع ہونیوالا یہ دورہ شام تک چلا۔

اس دورے کے دوران وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، ولے پارلے، اندھیری،
گوریگاؤں، ماروے روڈ، کاندیولی اور بوریولی علاقوں میں گئے اور وہاں
کے سماجی کارکنوں، بیوپاریوں، صنعت کاروں، مزدور لیڈروں، مقامی
ایم۔ ایل۔ اے، نگرسیوک اور دیگر ممتاز شہریوں سے ملاقات کی اور
انھیں ودربھ میں آنیوالے سیلاب کے پورے حالات سے روشناس کرایا
اور ان سے مدد کے لئے اپیل کی۔

شہری سیلاب سے متاثرین کی امداد کمیٹی کے صدر، شری رجنی پٹیل،
میئر شری راجہ بھاؤ چمبالکر، شیرف شری رام بترہ بھی اس دورے میں وزیر
اعلیٰ کے ہمراہ تھے۔

مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری سنبھاجی نیلنگیکر ۱۱ راگست ۱۹۸۶ء کو ناگپور و وردھا اضلاع کے سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے لئے ناگپور پہنچے۔ آپ نے آئی۔اے۔ایف۔ کے ہیلی کوپٹر کے ذریعہ متاثرہ علاقوں کا فضائی جائزہ لیا۔ تصویر میں وزیراعلیٰ ہیلی کوپٹر میں بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے ساتھ (بائیں طرف) شری نانا بھاؤ امبیڈکر ایم۔ایل۔اے، سرمتی پربھا پاٹل، مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی کی اپوزیشن لیڈر اور شری اُمر راؤ پاٹل، وزیر محصول دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۳ راگست کو وزیراعلیٰ شری نیلنگیکر نے سیلاب سے متاثرہ ہنگن گھاٹ، وردھا، پل گاؤں علاقوں کا معائنہ کیا۔ تصویر میں آپ ہنگن گھاٹ علاقے کے لوگوں سے مل کر اُن کا حال دریافت کر رہے ہیں۔

۱۲ راگست کو وزیراعلیٰ نیلنگیکر نے ناگپور ضلع کے سیلاب سے متاثرہ دیہاتوں کا دورہ کرنے کے لئے دینا ندی کو ناؤ سے پار کیا۔ زیر نظر تصویر میں اپوزیشن لیڈر شریمتی پربھا پاٹل، شری امر راؤ پاٹل، وزیر محصول اور پولس کمشنر شری ایچ۔ سی۔ المیڈا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

لوٹی۔ بوری گاؤں۔ سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد

شری وسنت راؤ پھول سنگھ نائیک

مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ شری وسنت راؤ پھول سنگھ نائیک اور کانگریس پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ کا ۱۸ راگست ۱۹۷۹ء کو ۶۶ سال کی عمر میں سنگاپور میں انتقال ہوگیا۔ نائیک صاحب عارضۂ قلب میں مبتلا تھے۔ آپ اپنی بیگم کے ہمراہ ۶ راگست کو سنگاپور میں چھٹیاں گزارنے تشریف لے گئے تھے جس دن انھیں بمبئی آنا تھا اسی دن ان کا جسد خاکی بمبئی لایا گیا۔ سنگاپور میں آپ کو قلب کا دورہ پڑا جس سے آپ جانبر نہ ہوسکے۔

نائیک صاحب ایوت محل ضلع کی پوسد تحصیل کے گاہولی دیہات میں یکم جولائی ۱۹۱۳ء میں ایک زراعت پیشہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ نیل سٹی اسکول ناگپور سے ہائی اسکول کامیاب کرنے کے بعد مورس کالج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور ناگپور یونیورسٹی سے قانون کا امتحان پاس کرکے پوسد میں وکالت شروع کی۔ نائیک صاحب کو دیہی علاقوں کی ترقی اور فلاح و بہبود سے کافی دلچسپی تھی اور وہ اپنا زیادہ تر وقت اسی کام میں صرف کرتے تھے۔ آپ کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے ہی گاہولی دیہات ایک مثالی دیہات ثابت ہوا۔

آہستہ آہستہ آپ نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی اور ۱۹۴۶ء میں آپ پوسد میونسپل کونسل کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۲ء کے عام انتخابات میں پہلی مرتبہ آپ اسمبلی کے الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے اور کامیاب بھی ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ کو مدھیہ پردیش کابینہ میں بحیثیت نائب وزیر برائے محصول شامل کیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں، جب ریاستوں کی از سر نو تشکیل ہوئی تو آپ بحیثیت وزیر محصول، شری یشونت راؤ چوان کی کابینہ میں شریک ہوئے۔ اس زمانے میں آپ نے زمین کی بابت قانون لینڈ سیلنگ ایکٹ نافذ کیا، جس کی افادیت اور اہمیت ہمیشہ قائم رہے گی۔

شری ایم۔ ایس کنّموار کی وفات کے بعد شری نائیک ۱۹۶۳ء میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے اور ۱۹۷۵ء تک بحسن و خوبی اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ حکومت مہاراشٹر کی تاریخ میں صرف نائیک صاحب ہی کو اتنے طویل عرصے تک بحیثیت وزیر اعلیٰ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ نائیک صاحب نے اپنے دورِ حکومت میں کارہائے گرانمایہ انجام دیے ہیں آپ نے ریاست میں سبز انقلاب لانے کا بیڑہ اٹھایا اور اسے کامیابی سے ہمکنار کیا۔ مہاراشٹر میں پنچایت راج کا نفاذ کرنے والے بھی آپ ہی ہیں حکومت میں ضمانتِ روزگار اسکیم کے بانی بھی نائیک صاحب ہی ہیں۔ کپاس اور اناج کی اجارہ داری خرید کی اسکیمیں آپ نے بنوائیں اور باوجود کڑی مخالفت کے اس پر عمل پیرا ہوئے۔ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے شراب بندی کے قانون میں بھی نرمی برتی۔

ان تمام باتوں کے علاوہ نائیک صاحب ایک ملنسار، نیک، شریف اور روشن خیال انسان تھے۔ اپنے اخلاق سے انھوں نے نہ صرف اپنے دلیش واسیوں کو بلکہ بیرون ممالک سے آنے والوں کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ حکومت کے کام کاج کافی رات گئے تک کرتے مگر کبھی پیشانی پر بل نہ آنے دیتے۔ صاف ستھرے اور قیمتی لباس پہننے کا نائیک صاحب کو شوق تھا اور ہمیشہ جاذبِ نظر پوشاک میں ملبوس رہتے۔

یہ پیکر انسانیت اپنی نیکیاں اور ناقابلِ فراموش کارنامے چھوڑ کر چلا گیا۔ سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں دلوں میں اپنی یاد کے زخم چھوڑ کر چلا گیا۔ جس کے جسدِ خاکی کو بمبئی سے اکولہ بذریعہ طیارہ لے جایا گیا جہاں سے موٹر کے ذریعے گاہولی لے جایا گیا جہاں ان کا انتم سنسکار کیا گیا۔ اس وقت موجود لوگوں میں وزیر اعلیٰ شری شرد پوار ان کی کابینہ کے بہت سے ساتھی، لیجسلیٹو کونسل کے چیرمین شری آر۔ ایس گوائی، لیجسلیٹو اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر شریمتی پربھا پاٹل، ریاستی جنتا پارٹی کے صدر شری بابو راؤ ڈھکنے، ریاستی کانگریس پارٹی کے صدر شری ایم این تِڈکے متوازی کانگریس پارٹی کے صدر ڈی۔ ٹی روپاونے، شری جے۔ بی دھوٹے کے نام قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ ودربھ کے معزز شہری، ممتاز صحافی، شاعر اور سینکڑوں پرستار بھی حاضر تھے۔

وزیر اعلیٰ نے ودربھ کے سیلاب زدہ علاقے کا دورہ کیا

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۱۶ راگست سے ۱۹ راگست تک چندرپور، ایوت محل، امراؤتی اور اکولہ کا دورہ کیا۔ ودربھ کے ان چار اضلاع کے علاوہ بھی وزیر اعلیٰ نے سیلاب سے متاثرہ دیگر علاقوں کا بھی دورہ کیا۔

اپنے چار روزہ دورے کے دوران وزیر اعلیٰ نے ضلع چندرپور میں سوئیت اور پٹالہ، ضلع ایوت محل میں چینج منڈل، میدگاپور اور راستھا کا، ضلع امراؤتی میں بورگاؤں دھاندرے، منگرول دستیگرہ اور نائیگاؤں، ساترگاؤں ورکھر، جاندر دھور اور وانگاؤں کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا معائنہ کیا۔ دو امراؤتی کے دورے کے موقع پر دیگر سیلاب زدہ علاقوں میں بھی گئے جہاں آپ نے رات میں سرکاری، غیر سرکاری اور ممتاز شہریوں نیز دیگر ہستیوں کی ایک بیٹھک سے ملاقات کی تاکہ راحت اقدام کو بخوبی روبہ عمل لایا جاسکے۔

شری اتم راؤ پاٹل، وزیر محصول اور شری آر۔ اے پاٹل وزیر دیہی ترقیات نے بھی سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔

کمشنر کے دفتر کے ملازمین کی جانب سے

ایک روز کی تنخواہ کا عطیہ

ڈویژنل کمشنر ناگپور کے دفتر کے ملازمین نے ۱۰ راگست کو منعقدہ ایک بیٹھک میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ایک دن کی تنخواہ کا عطیہ سیلاب سے متاثرہ افراد کی امداد کے لئے دیں گے۔

شری وی۔ جی دیشپانڈے اسسٹنٹ کمشنر نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

شری ارون ادلے، اوّل کارکن نے ۱۰۰ روپے کا عطیہ دیا۔ شری لیفٹیننٹ نے لکھوتین کرمچاری سنگھ کی جانب سے ۱۰۱ روپے کا عطیہ دیا، ۱۰۰۱ روپے کرمچاری کریڈٹ سوسائٹی کی جانب سے پیش کئے گئے۔ ملازمین نے ۸۰۰ روپے اسی وقت جمع کر کے دیئے۔

اس بیٹھک کا اہتمام شری ڈی۔ آر۔ جاگیردار اکاؤنٹ افسر نے کیا۔ جمع کردہ رقم ڈویژنل کمشنر کی جانب سے وزیر اعلیٰ کے راحت فنڈ میں بھیج دی گئی ہے۔

سیلاب سے متاثرہ کاشتکاروں کے لئے بیج

ناگپور ضلع کے سیلاب سے متاثرہ کاشتکاروں میں ضلع پریشد بیج تقسیم کریگا۔ جو کاشتکار دس ایکڑ تک اراضی رکھتے ہیں، انھیں بیج مفت دیا جائے گا اور جو دس ایکڑ سے زائد زمین کے مالک ہیں ان کو بیج تقاوی قرض کے طور پر دیا جائیگا۔

شری مُولک نے ایک ماہ کی تنخواہ عطیہ میں دی

وزیر مملکت برائے شہری ترقی شری بھاؤ صاحب مُولک نے اپنی ایک ماہ کی تنخواہ ودربھ سیلاب متاثرین کے لئے ودربھ فلڈ ریلیف عطیہ میں عطا کر دی۔ آپ نے شہریوں سے بھی دل کھول کر چندہ دینے کی اپیل کی۔

ناگپور ڈویژن میں سیلاب

نقصان کا اندازہ

ناگپور ڈویژن میں زبردست سیلاب کے باعث ۲۱ افراد کی جانیں گئیں جو کہ اضلاع وار تعداد میں اس طرح ہیں: ناگپور آٹھ، وردھا پانچ، چاندہ ایک، بلڈانہ ایک اور امراؤتی چھ۔

۵۲۸ موضع جات متاثر ہوئے، جن میں سے تنہا امراؤتی ضلع کے ۲۰۴ موضع جات تھے۔ تقریباً ۱۲۳۴۳ مکانات متاثر ہوئے۔ فصل ۲۸۳۳۲ ہیکٹر پر متاثر ہوئی۔ ایوت محل ضلع میں اندازہ لگانا ابھی باقی ہے۔

اس کے علاوہ سیلاب میں ۸۸،۷۶۰ روپے مالیت کے ۱۵۳۱ مویشی ختم ہوگئے۔

غیر مجازی پاور لومز میں باقاعدگی

ستمبر کے اختتام تک درخواستیں مطلوب!

حکومت مہاراشٹر کی توجہ اس بات کی طرف دلائی گئی ہے کہ بڑے پیمانے پر ایسے پاور لومز لگائے گئے ہیں جن کے لئے ٹیکسٹائل کمشنر سے اجازت نہیں لی گئی ہے لیکن اس مقصد کے لئے مکاٹن ٹیکسٹائلز کنٹرول آرڈر بابت ۱۹۴۸ء اور ٹیکسٹائلز (پاور لومز کی بناوٹی چیزیں) کنٹرول آرڈر ۱۹۵۶ء کے قوانین کے تحت قانونی اجازت لینا ضروری ہے۔

مرکزی حکومت نے اس بات کا اعلان کردیا ہے کہ موجودہ غیر مجازی پاور لومز جو کہ لامرکزی سیکٹر میں ہیں، ان میں ٹیکسٹائل کمشنر سے جرمانہ کی ادائیگی کے بعد رجسٹر کر کے باقاعدگی پیدا کی جائے۔

۳۱ ردسمبر ۱۹۷۸ء سے قبل ایسے غیر مجازی پاور لومز قائم کرنے والے مالکان کو چاہیئے کہ وہ ٹیکسٹائل کمشنر، السیم مینشن، ممبئی ۲۹ کے پتہ پر درخواستیں بھیجیں، درخواست فارم اور دیگر تفصیلات بھی اسی دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

غیر مجازی پاور لومز کے اندراج کے لئے ۴ رجولائی ۱۹۷۹ء سے قبل کی گئی درخواستیں ناقابل قبول مانی جائیں گی۔

عظیم محبِ وطن اور معروف مراٹھی صحافی، آنجہانی شری آچاریہ اترے لوک مانیہ تلک کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر مہاراشٹر کے مراٹھی اخبارات کے مدیروں کا بمبئی میں یکم اگست کو ایک اجتماع ہوا۔ جس کا افتتاح مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے فرمایا۔ زیرِ نظر تصویر میں (بائیں طرف) شری مادھو گڈکری، ایڈیٹر بمبئی سکال، شری بھائی مدانے، ایڈیٹر ابلا مہاراشٹر، دھولے، گورنر شری صادق علی، شری رادھے کیلکر، آل انڈیا مراٹھی اخبار کار پریشد کے شری نرائن اٹھاولے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ حاضرین میں (دائیں طرف) شری آر۔ اے پاٹل، وزیر اطلاعات، شری اُتم راؤ پاٹل، وزیر محصول بھی نظر آ رہے ہیں۔

فاضل اراضی پر کمزور طبقات کے لئے مکانات — درخواستیں ۳۱ر دسمبر تک

حکومت مہاراشٹر نے اربن لینڈ (سی اینڈ آر) ایکٹ بابت ۱۹۷۶ء کے سیکشن ۲۰ (اے) (۱) کے تحت فاضل زمین رکھنے والوں کی جانب سے سماج کے معاشی طور پر کمزور طبقات کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کرنے سے متعلق ایک نظر ثانی شدہ اسکیم وضع کی ہے۔

چونکہ اس طرح کی اسکیم مرکزی حکومت کے زیرِ غور ہے اس لئے ریاستی حکومت نے خود اپنی اسکیم اکتوبر ۱۹۷۷ء میں جاری کی تھی۔ بعد میں مرکزی حکومت نے کمزور طبقے کے لئے گھروں کی ایک اسکیم کے رہنما اصول تیار کئے۔ جنھیں ریاستی حکومت نے اپنا لیا۔ اس حقیقت کے مدِنظر کہ مہاراشٹر کے بعض زمین مالکان وقت کی کمی اور دیگر مشکلات کے مدِنظر وقت پر درخواستیں داخل نہیں کر سکے اس لئے حکومتِ مہاراشٹر نے نظر ثانی شدہ اسکیم جاری کی جس میں خاص تبدیلی یہ ہے کہ مکان کا زیادہ سے زیادہ رقبہ ۴۰ مربع میٹر ہونا چاہیئے۔

بہرحال یہ اسکیم اس زمین پر نافذ نہیں ہوگی جو کسی عوامی مقصد کیلئے درکار ہوگی وہ زمین مالکان جن کی زمین فاضل قرار دی جا چکی ہے اور جن کی اصل اسکیم نامنظور کی جا چکی ہے وہ اسکیم داخل کرنے کے حقدار نہیں ہوں گے۔

بمبئی عظمیٰ میں ایسے مکان کی قیمت فروخت زیادہ سے زیادہ نوے روپے فی مربع فٹ (۹۶۸٫۷۶ روپے فی مربع میٹر) ہوگی۔ دیگر مقامات پر منعقد تکنیکل اسکروٹینی کمیٹی قیمت کا تعین کریگی۔ بہرحال کسی بھی حال میں ۹۰ روپے فی اسکوائر فٹ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

درخواستیں سیکریٹری، جنرل ایڈمنسٹریشن ڈپارٹمنٹ (یو۔ایل۔سی) منترالیہ، بمبئی ۳۲ کو بااختیار عہدیدار کے ذریعہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء تک بھیجیں۔

شیوراج پاٹل ماسکو روانہ

شری شیوراج پاٹل، اسپیکر مہاراشٹر قانون ساز اسمبلی اور چیرمین انڈو سوویت کلچرل سوسائٹی دہلی ہوتے ہوئے ۱۳ر اگست کو ماسکو روانہ ہوئے۔ جہاں آپنے ہندوستان کے یومِ آزادی کی ۳۲ ویں سالگرہ کے جشن میں شرکت کی۔

شری پاٹل اس وفد کی قیادت کر رہے تھے جو کہ ماسکو میں منعقد ہونیوالے یومِ آزادی کے جشن میں شرکت کی غرض سے گیا تھا۔

فصل اندازے کا نیا طریقہ —

— پائلیٹ بُنیاد پر نفاذ!

حکومت مہاراشٹر نے بمبئی، ناگپور، اورنگ آباد اور پونے ڈویژن سے بالترتیب ناشک، اکولہ، اورنگ آباد اور سانگلی اضلاع میں پائلیٹ بنیاد پر انیواری طے کرنے کے لئے ایک نظرثانی شدہ اسکیم کے نفاذ کا فیصلہ کیا ہے۔

یہ فیصلہ ساٹھے کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ جس کو فصلوں کا پوری طرح اندازہ لگانے پر نظرثانی کرنے نیز مناسب تبدیلیاں تجویز کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

اب سے انیواری پیسے واری تیکاری جائے گی اور دس سال کی اوسط پیداوار کو ۱۰۰ پیسے قیمت سمجھا جائے گا۔

تبدیل شدہ طریقہ کار کے لئے ضروری اسٹاف کو تربیت دی جائیگی

پی وی سی کیبل پر صنعتی کلینک

حکومت ہند کی اسمال انڈسٹریز سروسیز انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے انسٹی ٹیوٹ آف انجنیئرز ہال، حاجی علی پر پی وی سی کیبلز اور ربنا میل وائرز انڈسٹری پر منعقدہ ایک انڈسٹری کلینک کا افتتاح ۹ اگست کو وزیر ٹیکنیکل ایجوکیشن شری نہال احمد نے کیا۔ شری جی. ایس منل، چیف انجنیئر، مہاراشٹر اسٹیٹ الکٹریسٹی بورڈ نے صدارت کی۔ اس کلینک کا خاص مقصد متذکرہ اشیاء تیار کرنے والوں کو اس کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرانا ہے۔

شری بی. کے. کالے، ڈائرکٹر، ایس آئی ایس آئی، بمبئی نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

ریاستی آبپاشی پروجیکٹوں کیلئے ورلڈ بینک کی امداد

شری سی سی پٹیل، مرکزی آبپاشی سیکریٹری حال ہی میں مہاراشٹر کمپوزٹ آبپاشی پروجیکٹ جو کہ چھ آبپاشی اسکیموں پر مشتمل ہے، کے سلسلہ میں ورلڈ بینک سے امداد حاصل کرنے نئی دہلی سے واشنگٹن روانہ ہوئے۔

پانچ اسکیموں کے لئے شری پٹیل ۲۵.۵ کروڑ ڈالر (یو. ایس) کے قرض کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ ان اسکیموں کے نام یہ ہیں۔ کرشنا، ککری، باگی، وردھا پین گنگا اور وارنا۔ واشنگٹن سے شری پٹیل روم جائیں گے اور بین الاقوامی فنڈ برائے زرعی ترقیات کے ساتھ بھیما اسکیم کے لئے امداد حاصل کرنے کی غرض سے تبادلہ خیال کریں گے۔ اس اسکیم کے لئے مالی امداد کی رقم کا اندازہ پانچ کروڑ یو. ایس ڈالر ہیں۔

قومی راج

شری محمد ہدایت اللہ

— ہندوستان کے چھٹے نائب صدر

شری محمد ہدایت اللہ نے ہندوستان کے چھٹے نائب صدر کی حیثیت سے ۳۱ اگست ۱۹۷۹ء کو حلف لیا۔

صدر جمہوریہ ہند شری این. سنجیوا ریڈی نے راشٹرپتی بھون کے اشوکا ہال میں منعقدہ تقریب میں ان سے عہدہ کا حلف اٹھوایا۔

وزیر اعظم، شری چرن سنگھ، وزرائے کابینہ، چیف جسٹس ہندوستان، برخاست لوک سبھا کے اسپیکر اور دیگر ممتاز مہمان بڑی تعداد میں اس تقریب حلف برداری میں موجود تھے۔

ترقیاتی پروگرام کے لئے ریاستی قرض

حکومت مہاراشٹر ریاست میں ترقیاتی پروگرام پر ہونے والے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ۲۵ء۲۹ کروڑ روپے کے قرض کی اجرائی کر رہی ہے۔ قرض کی رقم یکم ستمبر اور ۳ ستمبر ۱۹۷۹ (۲ ستمبر کو اتوار پڑتا ہے) وصول کی جائیگی لیکن یہ قرض بغیر کسی نوٹس کے جیسے ہی قرض کی رقم یعنی تقریباً ۲۵ء۲۹ کروڑ روپے اور ۱۰ فیصد اضافی رقم وصول ہو جائے گی وصولی بلا کسی نوٹس کے بند کردی جائیگی لیکن کسی بھی صورت میں ۳ ستمبر ۱۹۷۹ء کے بعد قرض کی رقم نہیں لیجائیگی قرض کی رقم نقد یا چیک کی صورت میں یا ۵¾ فیصد ریاست مہاراشٹر ترقیاتی قرض بابت ۱۹۷۹ء کی سیکیوریٹیز کی شکل میں ہوگی۔

۶½ مہاراشٹر ریاستی ترقیاتی قرض بابت ۱۹۸۹ء جو کہ ۱۰۰ روپے پر سو روپے قرض کے لئے جاری کیا جائے گا۔ یکم ستمبر ۱۹۸۹ء کو واپس کردیا جائے گا قرض کے سلسلے میں تفصیلات و شرائط مہاراشٹر سرکار کے غیر معمولی گزٹ مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۷۹ء میں شائع کر دیئے گئے ہیں۔

مراسلت و ترسیل زر

کے دوران حوالہ نمبر (جو آپ کے پتہ یا خط کے اوپر درج ہوتا ہے) پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف لکھیے بلکہ اردو کے ساتھ ہندی یا مراٹھی یا انگریزی میں بھی تحریر فرما دیجئے۔ اس طرح اندراجات میں آسانی ہوتی ہے۔

(ادارہ)

رتناگیری میں لوکمانیہ تلک کا مکان

دیس بھر میں لوگوں نے یکم اگست ۱۹۷۹ء کو لوکمانیہ تلک کی ۵۹ ویں برسی پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس تصویر میں چیف جسٹس شری وائی۔ وی۔ چندر چوڑ، لوک مانیہ تلک چوک نئی دہلی پر لوکمانیہ تلک کے مجسمہ کو ہار پھول پہناتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔
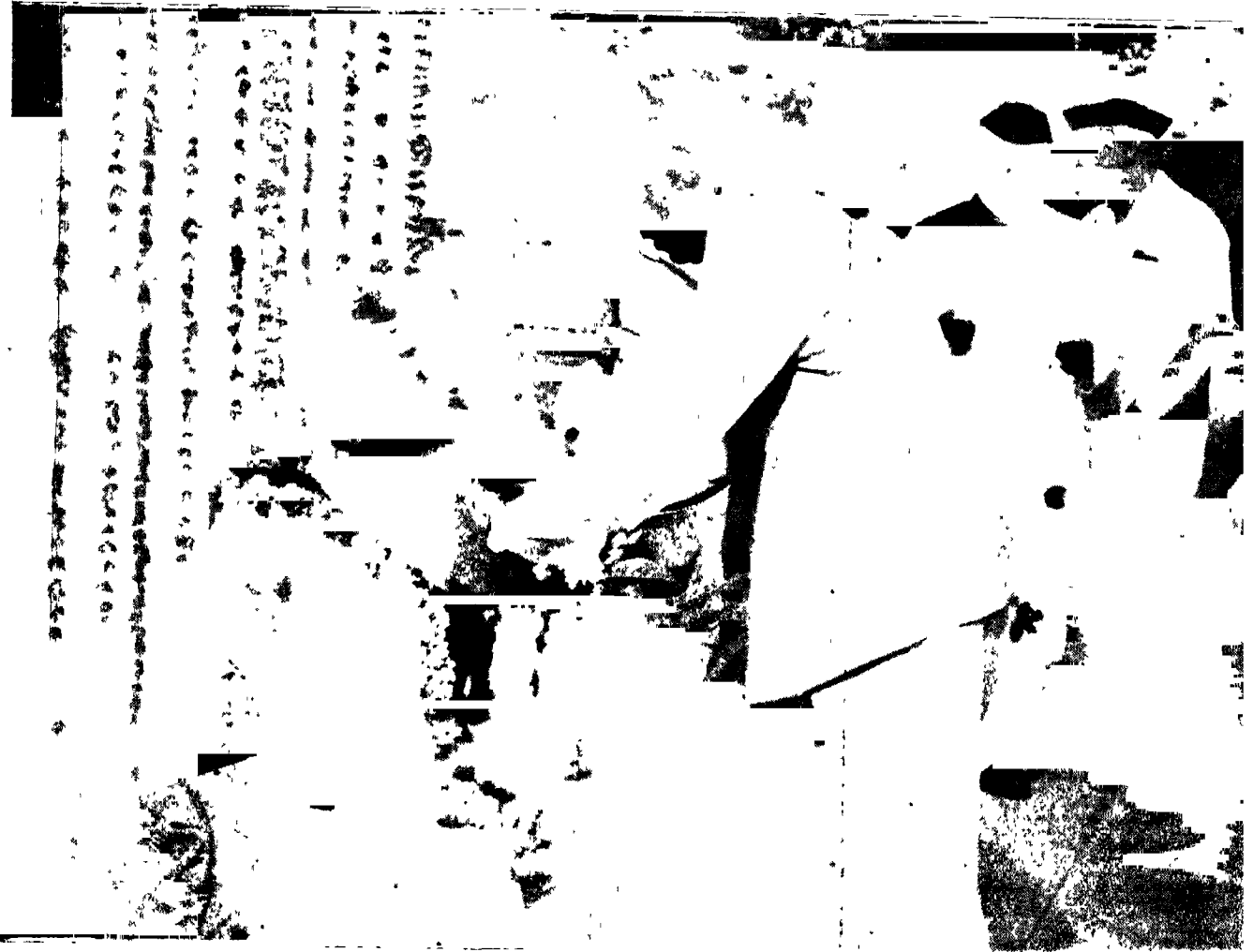
شری موہن پاٹل، چیف ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ، حکومت مہاراشٹر، بمبئی نے گورنمنٹ سنٹرل پریس بمبئی ۴ ..... ۴ میں چھپوا کر شائع کیا۔
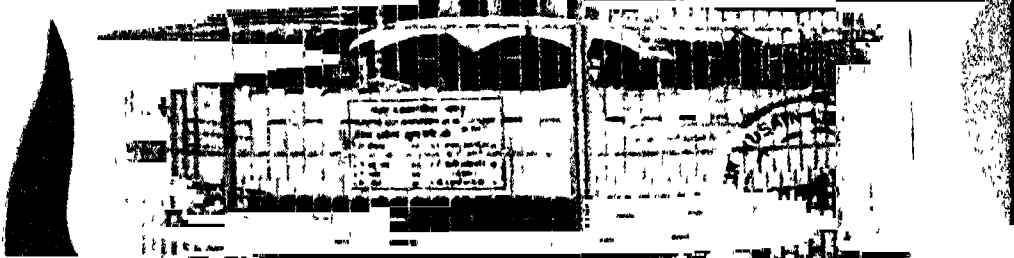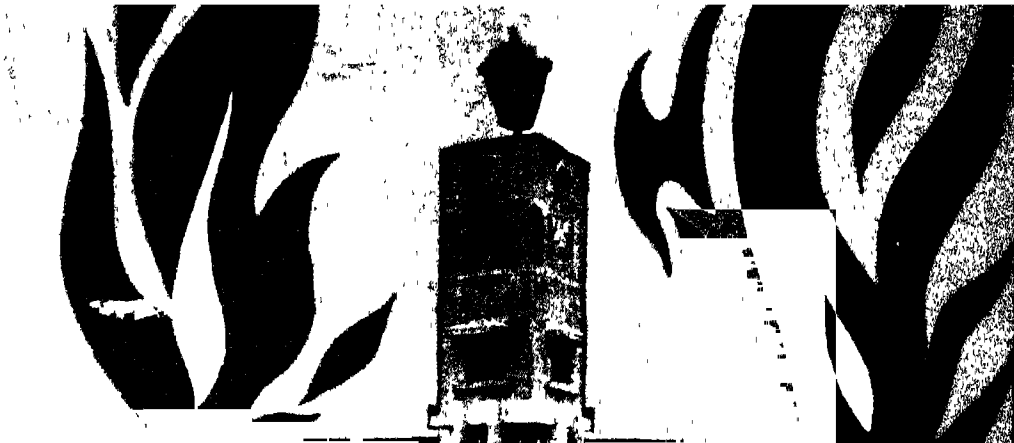
بدگاؤں نہر کا ایک منظر: ضلع پُونے میں واقع ککڑای پُروجیکٹ کے تحت پانچ بندھوں کی تعمیر ہو رہی ہے۔ جس میں سے بدگاؤں بندھ کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے اس پُروجیکٹ سے پونے، احمد نگر اور سولاپور اضلاع کی ۲۹ء۱ لاکھ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی ہو سکے گی۔ جون ۱۹۷۹ء تک ۱۰،۰۰۰ ہیکٹر اراضی کی صلاحیت آبپاشی میں اضافہ ہوا ہے۔

وزیر محصول شری اُتم راؤ پاٹل نے بوٹی بوری گاؤں میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا معائنہ کیا۔ زیرنظر تصویر میں آپ متاثرہ افراد سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔

حکومت مہاراشٹر نے سیلاب سے متاثرہ افراد کی فوری راحت کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ زیرنظر تصویر میں متاثرہ افراد کو غذا پہنچائی جارہی ہے۔ وزیراعلیٰ شری شنکر راؤ چوان، وزیر صحت ڈاکٹر شریمتی پرمیلا ٹوپلے اور وزیر مملکت برائے روزگار شری دتا میگھے، متاثرہ افراد سے بات چیت کر رہے ہیں۔ تصویر میں شریمتی پرتبھا پاٹل بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔

قومی راج

جلد نمبر ٦ ❋ ١٠ ستمبر ١٩٧٩ء ❋ شمارہ نمبر ١٧

ہر ماہ کی ١ اور ٢٥ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ✸ فی کاپی: پچاس پیسے ٥٠

نگران: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

فہرست

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامعی

* **طرفہ قریشی**

نزد لال اسکول، مومن پورہ۔ ناگپور ۱۸

۱۰ر جولائی اور ۲۵ر جولائی کا مشترکہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ سرورق سادہ مگر جاذبِ نظر ہے۔ مضامین کا تنوع بھی بڑی انفرادیت رکھتا ہے۔ مہاراشٹر کی ترقی اور اس کے ترقیاتی منصوبے اپنے اندر غربا پروری اور شہری سُدھار کا بہترین مواد رکھتے ہیں۔ ہماری مہاراشٹر حکومت کاروباری تمام شعبوں کو بھرپور اعانت دے رہی ہے۔ کسانوں اور صنعت کاروں کے بلند حوصلوں کی اچھی پرورش کر رہی ہے۔ پسماندہ طبقات کی بھلائی کے لئے بڑے اچھے خاکے مرتب ہو رہے ہیں۔ بیواؤں کی لڑکیوں کی شادی کے سلسلے میں جو امدادی اعلان حکومت مہاراشٹر نے شائع کیا ہے وہ دوسری صوبائی حکومتوں کے لئے بھی قابلِ تقلید عمل ہے آندھی اور سیلاب سے متاثرہ افراد کی باز آبادکاری تمام حکومتوں کا اولین فرض ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسے انتظامات بھی نہایت مضبوط طریقے سے ہونے چاہئیں کہ انسان کش عناصر دوبارہ سر ہی نہ اُٹھا سکیں۔

حضرت وجدؔ کی کتاب "انتخاب" اور اُن کے فکر و فن پر یوسف ناظمؔ صاحب نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ مراٹھی ابھنگوں اور نظموں کا منظوم اُردو ترجمہ بدیع الزماں خاورؔ کی اچھی کوشش ہے جو اُردو کے ادبی ذخیرے میں ایک اضافہ ہے۔ غزلیں تمام معیاری ہیں۔

❀

* **نیاز علی نیازؔ** ۔ جوڑی محل، بالاپور۔ ۴۴۴۳۰۲

۲۵ر جولائی ۱۹۷۹ء کے شمارے میں بطورِ خاص مہدی پرتاپگڈھی، ڈاکٹر منشاؔ، محبوب راہیؔ نہایت خوب ہیں نیز نظم "نونہالانِ وطن سے" بھی حلقۂ احباب میں کافی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جا رہی ہے۔ "ادھورے خاکے" آپ اپنا جواب ہیں۔ فلکشؔ جعفری صاحب نے بڑی عرق ریزی سے اس میں رنگ بھرے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے ۱۰ر جولائی کی کمی کا احساس بھی نہیں گذرا۔

❀

* **حفیظہ شبنمؔ** ۔ امراؤتی (مہاراشٹر)

'قومی راج' کا ۲۵ر فروری کا خاص نمبر دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ اس کی سج دھج نگاہوں کو خیرہ اور قاری کو محوِ حیرت کر دیتی ہے۔ آپ نے اس کی عادت اور ندرت میں جو اضافے کئے ہیں ان کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کے اس اقدام کے بعد اُردو کا قومی راج بدستور اُردو کو چار چاند لگاتا ہی رہے گا۔ سبھی مضامین بے حد پسندیدہ اور بہت عمدہ ہیں۔ سرورق بہت ہی حسین ہے۔ پرنٹنگ تصاویر لاجواب ہے۔ مجموعی طور پر یہ شمارہ ایک عظیم شاہکار ہے۔ آگے تبصرے کی ہمت نہیں۔ اُردو آپ کے احسان سے کبھی سبکدوش نہ ہو سکے گی۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے اور "قومی راج" کے سر پر قائم و دائم رکھے (آمین)

❀

* **ایم۔ عالم**۔ انچارج 'اسٹڈی سنٹر' بنیاد گنج، گیا (بہار)

مدت کے انتظار کے بعد ۲۵ر مارچ کا شمارہ ملا۔ پڑھ کر کافی مسرت ہوئی۔ اُردو زبان میں قومی راج نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ شاید محتاجِ تعارف نہیں۔ واقعی 'قومی راج' معیاری پرچوں میں سے ایک ہے۔ آپ کا پرچہ ممبرانِ 'اسٹڈی سینٹر' کے لئے تسکین کا باعث ہے۔ مہاراشٹر گورنمنٹ صحیح معنوں میں ادبی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کے لئے تمام ممبران 'اسٹڈی سینٹر' صد ہزار مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اس کے تابناک مستقبل کی دعا کرتے ہیں۔

❀

* **عبدالستار مِدری** ۔ بیگم پیٹھ، سولاپور ۴۱۳۰۰۱

۲۵ر فروری کا 'قومی راج'، موصول ہوا، پڑھ کر دل باغ باغ ہوا۔ "عوامی اقدام برائے ترقی" پر مختلف مضامین بے حد پسند آئے۔ 'خاص الخاص' وقت کی پکار اور غزلیں بہت پسند آئیں۔ مہاراشٹر کی ترقی کے مضامین پڑھنے سے دلی خوشی ہوتی ہے۔ سرورق درمیان و آخر کے رنگین ورق باغ کے گلاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اِس رسالے کو عروج پر لانے کے لئے جن حضرات نے بھی خون پسینہ ایک کیا ہے اور کر رہے ہیں میں ان کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ 'قومی راج' کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

❀

* **ڈاکٹر ضمیر الحق ضمیرؔ میرٹھی** ۔ گاندھی مارگ، لساری گیٹ، میرٹھ

۲۵ر مارچ اور ۱۰ر اپریل ۱۹۷۹ء کا مشترکہ شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ ماشاءاللہ بہت اچھی کاوشوں کا مُرقع ہے۔ مُبارک باشد۔

اشاعت میں بے قاعدگی، جو کہ فی الحقیقت گراں بارِ طبیعت تھی آپ کے انکشافات سے دُور ہو گئی۔

❀ ❀ ❀

آبپاشی کا مقصد زراعتی ترقی

• شرد پوار، وزیرِ اعلیٰ

حالانکہ زراعت کی ترقی آبپاشی اسکیم کا ایک بڑا مقصد ہے، لیکن یہ واحد مقصد نہیں۔ فی الحال آب پاشی کسی بھی ریاست یا قوم کے لئے ایک ہمہ جہت مسئلہ ہے۔ کسی بھی آبپاشی پالیسی یا اسکیم کی کامیابی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس سے نہ صرف مقررہ خطہ میں رہنے والے کسانوں بلکہ تمام شہریوں کی سماجی و معاشی ضروریات کس حد تک پوری ہوئی ہیں۔

کسی آب پاشی پالیسی کے وضع کرنے میں سیاسی صورت حال بھی ایک فیصلہ کن عنصر بن گئی ہے۔ پانی کی کمیابی اور اس کی بڑھتی ہوئی طلب کے باعث دریائی پانی پر مابین ریاست جھگڑے بھی بڑھ گئے ہیں۔ خوش قسمتی سے مہاراشٹر کے لئے صورت حال اب مبہم نہیں رہی ہے کیونکہ مابین ریاست دریائی پانی پر جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے مقررہ ثالثوں نے فیصلے صادر کر دیئے ہیں۔ اب صورت حال واضح ہوگئی ہے اور ریاست کسی سیاسی رکاوٹ کے بغیر اپنے کئی پروجیکٹ آگے بڑھا سکتی ہے۔

نئے زراعتی آب پاشی کمیشن کو مسئلہ آبپاشی کے تمام سیاسی و معاشی پہلو کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے ایسے طریقۂ کار کی سفارش پیش کرنا ہوگی جس کے تحت، ریاست پورا دستیاب پانی کام میں لا سکے اور سب لوگوں میں اس کی مساوی اور منصفانہ تقسیم یقینی ہو۔

حالانکہ پہلے بروے کمیشن، جو ۱۹۶۰ء میں مقرر کیا گیا تھا، نے زراعت اور آب پاشی کی صورت حال پر اپنی رپورٹ پیش کر دی تھی نیز یہ سفارش بھی کی تھی کہ کس طرح گنجائش آب پاشی بڑھائی جا سکتی ہے، تاہم جن حالات میں بروے کمیشن نے کارروائی کی تھی وہ آج کے حالات سے قطعی مختلف تھے۔ اس وقت ہماری ریاست ابتدائی زراعت کے مرحلے سے گذر رہی تھی۔

اب بیس سال گذرنے کے بعد صورت حال نمایاں طور سے بدل گئی ہے۔ نئے آبپاشی کمیشن کو اب ان بدلے ہوئے حالات میں کام کرنا ہوگا جبکہ مہاراشٹر میں ہر شہری ذرائع آب کے استعمال کے معاملے میں اپنے حقوق سے بخوبی آگاہ ہو چکا ہے۔ اسے قبائلی باشندوں نیز سماج کے دیگر سماجی و معاشی طور پر کمزور طبقہ کے لوگوں کے جذبات کا خیال بھی رکھنا ہوگا جن میں یہ خواہش بڑھ رہی ہے کہ سماج کے نسبتاً ترقی یافتہ اور خوشحال طبقہ کی طرح اپنی حالت کو بہتر بنائیں اور ترقی کے پھل میں حصہ پائیں۔

کمیشن میں شری اناصاحب شنڈے بحیثیت رکن شامل ہیں۔ ماضی میں مرکزی وزیر رہنے کے باعث شری شنڈے مسئلہ آبپاشی کو طے کرنے کے کام سے متعلق وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ کمیشن کو ہدایت کی گئی ہے کہ مقررہ مدت کے اندر اپنی رپورٹ پیش کر دے تاکہ ذرائع آب کو کام میں لانے کے تمام ممکنہ طریقے جلد سے جلد تلاش کئے جا سکیں۔

سابق آبپاشی کمیشن کے پیش کردہ خاکہ کے مدنظر مجموعی طور سے مہاراشٹر میں آب پاشی سے متعلق صورت حال مایوس کن ہے۔ ریاست میں کل اراضی کا تقریباً ۷۰ فیصد حصہ زیر کاشت ہے۔ اس زراعتی اراضی کے تقریباً ۹،۲۰،۸۰۰ ہیکٹر پر سینچائی ہوتی ہے جس کا مطلب ہے کہ صرف ۵۱۲

فیصد حصہ پر آبپاشی ہوتی ہے اور اس کے نصف حصہ پر کنوؤں سے اور بقیہ نصف حصہ پر آبپاشی پروجیکٹوں سے سنچائی ہوتی ہے۔

بڑمے کمیشن نے اس بات پر بھی زور دیا تھا کہ تمام دستیاب ذرائع آب سے پانی لے کر ۱۹۸۰ء تک پوری طرح سے استفادہ کیا جائے۔ اگر یہ ممکن ہو جائے تو تقریباً ۳۰ فیصد زراعتی اراضی زیر آبپاشی لائی جا سکتی ہے۔

فی الحال ریاست کی آبادی پانچ کروڑ ہے جس میں سے ۵ء۳ کروڑ یعنی ۸۰ فیصد لوگ زراعت پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ بارہ اضلاع میں کل ۸۷ تعلقہ جات میں مسلسل سوکھے کی حالت رہتی ہے، یہ ۸۷ تعلقہ جات مہاراشٹر کے ایک تہائی حصہ میں جہاں تقریباً ایک کروڑ لوگوں کی آبادی ہے۔

اناج کی پیداوار کے بارے میں مہاراشٹر کا نمبر دسواں ہے فی الحال ۵ء۱۱ فیصد زراعتی اراضی زیر آبپاشی ہے۔ پورے دیش میں مہاراشٹر قوتِ آبپاشی کے لحاظ سے کمترین تیسرے درجہ پر ہے۔ لہٰذا جو لوگ مہاراشٹر کی ترقی کے بارے میں اپنے تئیں مطمئن ہیں اور اسے ایک ترقی یافتہ ریاست سمجھتے ہیں انھیں چاہیئے کہ اس صورتِ حال پر دوبارہ نظر ڈالیں۔

ریاست کی تشکیل کے وقت صرف ۲۰ء۱۲ لاکھ ہیکٹر حصۂ اراضی زیر آب پاشی تھا۔ ۷۸-۱۹۷۷ء میں یہ عدد ۵ء۲۲ لاکھ ہیکٹر تک پہنچ گیا جس کا مطلب ہے کہ گذشتہ ۱۸ سال کے دوراں آبپاشی رقبہ میں ۵۵ء۱۰ لاکھ ہیکٹر کا اضافہ ہوا۔

جہاں تک مستقبل کا تعلق ہے ریاست اگلے پانچ سال کے اندر ۵ء۲ فیصد قوت آبپاشی بڑھانے کا نشانہ رکھا ہے۔ اس زبردست آب پاشی پروگرام میں نسبتاً پسماندہ سوکھے نیز ادیباسی علاقہ جات کے پروجیکٹوں کو اولین اہمیت حاصل ہوگی۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۳ء تک کی مدت کے لئے ۴۶ء۹۶۰ کروڑ روپے کی رقم مختلف آبپاشی پروجیکٹوں کیلئے طلب کی گئی ہے تاکہ مزید سات لاکھ ہیکٹر رقبہ زیر آب پاشی لایا جا سکے۔ اس مدت کے دوران ضمانتِ روزگار اسکیم کے لئے ۵۰ کروڑ روپے کی مخصوص رقم بھی قوتِ آب پاشی مزید بڑھانے کے لئے استعمال کی جائے گی۔ اس مدت کے دوران لگ بھگ ۲۱ بڑی سنچائی اسکیمیں شروع کی جائیں گی۔ جن میں سے گیارہ ودربھ خطہ میں اور چار خطۂ کوکن میں ہونگی۔ ایسے علاقوں میں جہاں بڑے یا درمیانی آب پاشی پروجیکٹ شروع نہیں کئے جا سکتے وہاں پروگرام کے چھوٹے منصوبوں پر زور دیا جائے گا۔ میدانی اور پہاڑی خطوں میں چھوٹے منصوبے شروع کرنے کے لئے مرکزی حکومت نے صرف ۲۵ لاکھ روپے اور ۳۰ لاکھ روپے کی مالی حد رکھی ہے۔ لیکن ۱۹۷۸ء میں اس فیصلہ پر نظر ثانی کی گئی جس سے چھوٹی آب پاشی اسکیموں کے لئے گنجائش بڑھ گئی۔ اب ۸۰ء۱ لاکھ روپے لاگت والی اسکیمیں بھی چھوٹے آب پاشی منصوبوں کے زمرہ میں شامل کی جا سکتی ہیں۔

ہر ضلع کے لئے بنائی گئی اسکیموں کے مطابق کل ۳۱۰۰ چھوٹی آبپاشی اسکیمیں شروع کی جائیں گی جس سے ۶۸ء۸ لاکھ ہیکٹر زمین پر سنچائی میں مدد ملے گی (اس میں ۳۰ء۳ لاکھ ہیکٹر شامل ہے جو جون ۱۹۷۸ء تک زیر آب پاشی لایا گیا ہے)۔ بقیہ ۳۸ء۵ لاکھ ہیکٹر پر آب پاشی گنجائش نکالنے کے لئے ۵۶۸ لاکھ روپے کی رقم صرف کی جائے گی۔

چھٹے پانچ سالہ منصوبے کے تحت ۱۰۰ کروڑ روپے کی رقم آب پاشی کے چھوٹے منصوبوں پر صرف کی جائے گی جس سے ایک لاکھ ہیکٹر مزید گنجائش پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

چھوٹی آب پاشی کو یہ اہمیت دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے بیشتر منصوبے قلت زدہ علاقوں، ادیباسی اور پسماندہ خطوں کے لئے ہیں جہاں پانی کی قلت ہے۔

لہٰذا نئے آب پاشی کمیشن کو اس زبردست کام کو پوری طرح نظر میں رکھنا ہے۔ بلاشبہ اسے ان تمام معاشی اور ٹکنیکل پیمانوں کا لحاظ رکھنا پڑے گا جو آب پاشی اور پبلک ورکس محکموں نے مقرر کئے ہیں اور جن میں سالوں سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ بعض مواقع پر کمیشن کو یہ اندازہ ہوگا کہ یہ پیمانے اس کام میں رکاوٹ ہیں۔ ایسے مواقع پر کمیشن کو اس سے ہٹ کر اسکیموں کو آگے بڑھانے کے لئے نئے اور دانشمندانہ طریقے سوچنا ہوں گے۔ یہ تمام معمولی باتیں اس کام میں رکاوٹ نہ بننا چاہئیں۔ دوسرے الفاظ میں جب صورت حال متقاضی ہو تو اُسے اپنا کام انجام دینے میں پرانے راستے چھوڑ کر نئی راہِ عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

[یہ مضمون وزیر اعلیٰ کی اس تقریر پر مبنی ہے جو موصوف نے ۱۰ مئی ۱۹۷۹ کو آل انڈیا ریڈیو آڈیٹوریم، بمبئی میں ریاستی زرعی و آب پاشی کمیشن کے افتتاح کے وقت کی تھی۔]

قومی راج

ملاڈ پروجیکٹ میں پانی کی نکاس کا ایک منظر، جس کی تعمیر اختتام کے قریب ہے۔ اس پروجیکٹ سے اورنگ آباد ضلع میں ۸۵٫۶۰۰ ہیکٹر زمین میں سے ۶۶٫۷۶۰ ہیکٹر زمین زیر آبپاشی لائی جا سکے گی۔

مہاراشٹر میں آبپاشی ترقیات

گووند راؤ اڈک، وزیر برائے آبپاشی

مہاراشٹر میں زرعی پیداوار کی سطح ہندوستانی معیار سے بھی نیچے ہے زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار میں کمی اور دیہی علاقوں میں بے روزگاری کے مسائل کا واحد حل یہی ہے کہ زمین کی زرخیزی کو بڑھایا جائے اور اتنی ہی اراضی سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کی جائے کیونکہ فی الحال اضافی اراضی کو زیر کاشت لانے کے مواقع بھی بہت کم ہیں۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کی خاطر صحیح وقت پر پانی کی فراہمی کی یقین دہانی کی گئی ہے چنانچہ اس ضمن میں آبپاشی سہولیات زرعی ترقی کو واضح کرتی ہیں۔ ریاست مہاراشٹر میں آبپاشی ترقیات کو خاص طور سے تیسرے پنج سالہ منصوبے کی درمیانی مدت سے بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ان تمام اقدامات کے باوجود ریاست میں آبپاشی ترقیات کی حالت ملک کے دیگر علاقوں کے مقابلے میں پیچھے ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

کرشنا اور گوداوری دونوں دریا مہاراشٹر کے ہی ہوتے ہوئے بھی محض موسموں میں ہی ان کے پاٹ چوڑے ہوتے ہیں۔ ورنہ عام دنوں میں یہ دریا بھی زیادہ تر خشک ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا پانی کا ذخیرہ برسات کے دنوں ہی میں آبپاشی کے لئے جمع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پانی کے قدرتی ذخائر اور راستے بہت زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ نہریں بنانے پر کافی خرچ آتا ہے۔ مہاراشٹر میں فی ہیکٹر آبپاشی پانی ایم سی ایف ٹی پانی کے ذخائر پر ملک بھر کے کسی بھی حصہ سے زیادہ خرچ آتا ہے۔

سال ۱۹۷۷-۷۸ء کے دوران مہاراشٹر ریاست میں زیر آبپاشی علاقہ بشمول تمام ذرائع مع کنوؤں کے ۲۲٫۷۵ لاکھ ہیکٹر تھا جو کہ کل فصل کے علاقہ کا ۱۱٫۵ فیصد ہے۔ پچھلے ۱۷ سالوں میں بھی یعنی ۱۹۶۱-۷۸ء تک یعنی ۱۹۶۰ء میں مہاراشٹر کی ریاست بننے کے بعد زیر آبپاشی علاقہ میں بڑی حد تک یعنی ۱۰٫۵۵ لاکھ ہیکٹر تک توسیع ہوئی ہے۔ فصل کے علاقے کا زیر آبپاشی علاقے کے فیصد سے مقابلہ کیا جائے تو اب بھی ہندوستان کی سطح پر بہ تناسب ۲۵ فیصد ملے گا۔

آنجہانی شری سی۔ جے بروے کی صدارت میں مہاراشٹر آبپاشی کمیشن کے زیر نگرانی مہاراشٹر میں آبپاشی کی کل ممکنات پر باقاعدہ مطالعہ کیا گیا تھا۔

آبپاشی استعداد سطحی اور زیر زمین ذرائع دونوں کا اندازہ فی الحال ۷۰٫۶۱ لاکھ ہیکٹر ہے۔ ۵۲٫۶۱ لاکھ ہیکٹر سطحی ذرائع اور ۱۸ لاکھ ہیکٹر زیر زمین آبی ذرائع سے۔ جبکہ ملک میں کل آبپاشی استعداد کا تخمینہ ۱۰۷٫۰ لاکھ ہیکٹر ہے۔ چنانچہ ریاستی استعداد ملک کی آبپاشی استعداد کے مقابلے میں صرف ۶٫۵ فیصد ہے۔

نیشنل کمیشن برائے زراعت نے ان باتوں پر غور کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس صدی کے اختتام پر ۲۳۸ لاکھ ہیکٹر پر فصل بوئی جائے گی اور ریاست کی کل آبپاشی استعداد اس وقت ۳۰ فیصد ہوگی جبکہ فی الحال یہ ۱۱٫۵ فیصد ہے۔

سطحی آبی ذرائع آبپاشی استعداد جو کہ ۵۲٫۶۱ لاکھ ہیکٹر ہے۔ بڑے اور درمیانی آبپاشی پروجیکٹوں سے ۴۰٫۲۷ لاکھ ہیکٹر، اور ریاستی سیکٹر چھوٹے آبپاشی کاموں سے ۸٫۶۶ لاکھ ہیکٹر علاقائی، چھوٹے آبپاشی کاموں سے ۳٫۶۶ لاکھ ہیکٹر حاصل کی جائے گی۔ ریاستی سیکٹر آبپاشی کاموں سے کل آبپاشی استعداد ۴۸٫۹۵ لاکھ ہیکٹر ہے۔

اپر پین گنگا پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد ناندیڑ، پربھنی اور ایوت محل اضلاع میں ۱٫۱۱ ہیکٹر زمین زیر آبپاشی لائی جا سکے گی۔

۱) مغربی مہاراشٹر کے چاول پیدا کرنے والے علاقے بھنڈارہ اور چندر پور میں چھوٹے آبپاشی کاموں بشمول مالگذاری ٹینک کے ۲۰ بڑے اور درمیانی کاموں کو مکمل کرکے منصوبہ جاتی مدت سے قبل ۲۷،۴ لاکھ ہیکٹر آبپاشی کی استعداد پیدا کی گئی تھی۔ پچھلے منصوبہ جاتی ۲۷ سالوں میں یعنی ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۸ء تک آبپاشی استعداد بڑھا کر ۱۳ لاکھ ہیکٹر کردی گئی تھی جو کہ جون ۱۹۷۸ء میں ۱۵،۷۰ لاکھ ہیکٹر تھی۔ اس مدت کے دوران ۹ بڑے اور ۸۵ درمیانی آبپاشی پروجیکٹوں کو مکمل کیا گیا۔ اور ۹ بڑے اور ۲۳ درمیانی آبپاشی پروجیکٹوں سے بھی کسی حد تک فائدہ اُٹھایا گیا اس مدت کے دوران ریاست کے سیکٹر میں آبپاشی ڈیولپمنٹ کارپوریشن ۹۰۰ چھوٹے آبپاشی پروجیکٹ اور ۳۴۰ سینچائی آبپاشی اسکیمیں مکمل کی گئیں۔

ii) موجودہ پنج سالہ منصوبے کے دوران (۱۹۷۸-۸۳ء) ۸ لاکھ ہیکٹر مزید آبپاشی استعداد کو بڑھایا جائے گا۔ لہٰذا ۱۹۸۳ء میں ریاست کے آبپاشی ہیکٹر کاموں کا نشانہ ۲۳،۷۰ لاکھ ہیکٹر کیا جائے گا جو کہ کل آبپاشی استعداد کا ۴۸٪ ہے۔ اس طرح کی سرگرمیوں کو بڑھاوا دیکر ۱۹۸۳ء تک پنجسالہ منصوبہ کے دوران ۲۵،۵۸ لاکھ ہیکٹر کے توازن کو مکمل کیا جاسکے گا۔ اس صدی کے اختتام میں ۱۹۷۸ء سے سطحی آبی ذرائع سے آبپاشی سہولیات کے لئے ۳۵۰۰ کروڑ روپے خرچ کرکے نشانہ کو مکمل کیا جاسکے گا۔

اس کے علاوہ کئی علاقوں میں برسات ۵۰۰ ملی میٹر (۲۰ اِنچ) سالانہ سے بھی کم ہوتی ہے اور وہ بھی یقینی نہیں ہے۔ قحط سے متاثرہ علاقوں کے سروے کے لئے مقررہ فیکٹ فائینڈنگ کمیٹی نے شری ایس۔ ای سکھنکر کی صدارت میں بارہ ضلعوں کے ۸۷ تعلقہ جات کی شناخت کی اور اس بات کا پتہ چلایا کہ ریاست کا ۳۵ فیصد علاقہ قحط سے متاثرہ علاقہ ہے۔

ریاست کے قحط سے متاثرہ علاقوں میں آبپاشی استعداد کا اندازہ ۱۸،۳۰ لاکھ ہیکٹر یا فصل اراضی کا ۲۱ فیصد ہے۔ قحط سے متاثرہ علاقوں میں ۴،۵۴ لاکھ کنویں ہیں اور ان کنوؤں سے ۱۹۷۴-۷۵ء کے دوران ۱۳،۱۰ لاکھ ہیکٹر اراضی زیرآب لائی گئی تھی۔ اگر نشانہ کے مطابق ان علاقوں میں آبپاشی استعداد کو ۱۸،۳۰ لاکھ ہیکٹر کردیا گیا تو سطحی آبی ذرائع سے ۲۶،۴۳ لاکھ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا۔

اس کے باوجود تقریباً ۶۰ فیصد علاقہ مانسون کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے آبپاشی سہولتوں کو جہاں تک ہوسکے بڑھاوا دینے کے لئے نئی زیر کاشت اراضی پر گنّے کی کاشت کو کم کردیا گیا ہے۔ اور نہروں خاص طور پر مولا اور ڈی سی گرنار، آر۔ بی۔ سی اور راویری گوداوری، پال گھر کے قحط زدہ علاقوں میں توسیع کی گئی ہے۔

حال ہی میں ککڑی پروجیکٹ کے ذریعے ہشت ماہی پروگرام وضع کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جس کے تحت سال بھر پانی مہیا رہنے والے علاقوں کو کم کردیا گیا ہے۔ ان اقدامات کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ قحط زدہ علاقوں میں پرکولیشن ٹینک، نالے وغیرہ مہیا کئے جائیں تاکہ موسمی فصل کو فائدہ پہنچ سکے۔

ریاستی حکومت نے اپنے ۲۰ نکاتی پروگرام میں کم از کم سال میں ایک فصل کے لئے قحط زدہ علاقوں میں پانی کی فراہمی کی پالیسی کو ظاہر کردیا ہے۔ موجودہ آبپاشی طریقے کے بجائے ہشت ماہی طریقۂ کار سے قحط سے متاثرہ علاقوں کو پانی بہم پہنچایا جائے گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہوا تو کم از کم خریف فصل کے لئے ریاستی حکومت کے عملی اقدام کے تحت پانی فراہم کیا جائے گا۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا تھا کہ ۶۱،۰۷ لاکھ ہیکٹر کی کل آبپاشی استعداد کو سطحی اور زیر زمین ذرائع کے ذریعے حاصل کرنے کے بعد بھی فصلی علاقوں کی ۷۰ فیصد اراضی مانسون پر منحصر رہے گی کیونکہ ریاست کے آبی ذرائع ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ لہٰذا یہ بے حد ضروری ہوگیا ہے کہ مہیا پانی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جاسکے اور فصلی استعداد کو بڑھایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ آبپاشی کی سہولتوں سے تکنیکی اور معاشی طور پر کاشتکاروں کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔

ریاستی حکومت نے اس ضمن میں زرعی و آبپاشی کمیشن نامزد کیا ہے، تاکہ پانی کے ذرائع کا بہتر طریقوں پر استعمال کیا جاسکے اور بڑھتی ہوئی آبادی کی زرعی مانگوں کو پورا کیا جاسکے۔

●●

مضمون نگار حضرات: اپنے مضامین کاغذ کے صرف ایک طرف لکھ کر روانہ فرمائیں۔ مضمون صاف اور خوشخط ہوں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی نقل اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔ (ادارہ)

مہاراشٹر میں آبپاشی ترقیات۔ اور عالمی بنک سے قرضوں کی سہولت

• وی۔ آر۔ دبوسکر
سکریٹری محکمۂ آبپاشی

آبادی کے لحاظ سے ریاست مہاراشٹر ملک بھر میں تیسرے نمبر پر ہے۔ یہاں ۹۰ فیصد زرعی زمین میں سے تقریباً ۳۵ حصہ کا دارومدار بارش پر منحصر ہے۔ جون ۱۹۷۸ء تک کئے گئے ایک اندازے کے مطابق کُل فصلی علاقوں میں سے صرف ۱۱٫۵ فیصد علاقہ آبپاشی کے قابل ہے۔ ان حالات میں آبپاشی کے نقطۂ نظر سے ریاست مہاراشٹر سب سے کم ترقی یافتہ ریاست سمجھی جاتی ہے۔

جون ۱۹۷۸ء تک ۹۵٫۸۴ لاکھ ہیکٹر اراضی میں سے، جس پر کہ آبپاشی ممکن ہے، صرف ۱۵٫۷ لاکھ ہیکٹر اراضی کو آبپاشی کے قابل بنایا جاسکا ہے۔ اس وجہ سے ۸۳-۱۹۷۸ء کے پنجسالہ منصوبے کے دوران آبپاشی ترقیات میں ترقی پیدا کی جاسکے گی، اور توقع ہے کہ اس مدت میں مزید آٹھ لاکھ ہیکٹر اراضی کو قابل آبپاشی بنایا جاسکے گا۔ اس طرح موجودہ پنجسالہ منصوبے کے دوران جون ۱۹۸۳ء تک صلاحیت آبپاشی میں ۵۰ فیصد اضافہ ہوگا۔ باقی ماندہ ۵۰ فیصد صلاحیت آبپاشی آئندہ دو پنجسالہ منصوبوں کے دوران حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس صدی کے خاتمہ تک آبپاشی ترقیات مکمل ہوسکیں۔

منصوبے کے مطابق آبپاشی ترقیات کاموں کو پورا کرنے اور اس میں سُرعت پیدا کرنے کے لئے حکومت نے آبپاشی کاموں میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانا شروع کردیا ہے۔ ۸۳-۱۹۷۸ء پنجسالہ منصوبے میں اس مقصد سے وقف کی گئی رقم پانچویں منصوبے سے دگنی ہے۔ دوسری طرف اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ ریاست کے دیگر ترقی یافتہ کاموں کی وجہ سے آبپاشی شعبہ میں سرمایہ کاری محدود ہی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا حکومت اس سلسلہ میں بین الاقوامی مالی اداروں مثلاً عالمی بنک کی ایک شاخ انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ السوسی ایشن، انٹرنیشنل فنڈ فار ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ وغیرہ سے مالی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کررہی ہے۔

ان کوششوں کے نتیجہ میں آئی۔ ڈی۔ اے (انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ السوسی ایشن) نے جائیکواڑی پروجیکٹ حصہ اول اور جائیکواڑی اور پُرنا پروجیکٹوں کے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ کے کاموں کے لئے ۶۳ کروڑ روپے (۷۰ ملین یو۔ ایس ڈالر) بطور قرض دینا منظور کیا ہے۔ یہ قرض جنوری ۱۹۷۸ء سے چار سالوں کے لئے منظور کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت نے حال ہی میں مہاراشٹر کمپوزٹ ایری گیشن پروجیکٹ (ایم سی آئی ایف سی) کے تحت ۶ بڑے آبپاشی پروجیکٹوں اور ۲ تجدیدی اسکیمات عالمی بنک (آئی ڈی اے) اور آئی ایف اے ڈی، کے روبرو تقریباً ۲۲۳ کروڑ روپے (۲۶۰ ملین یو ایس ڈالر) کے قرضہ جات منظوری کے لئے پیش کئے ہیں۔ توقع ہے کہ اکتوبر ۱۹۷۹ء سے ۵ سال کی مدت کے لئے یہ قرضہ جات منظور کئے جائیں گے ان پروجیکٹوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱) وارنا	۵) بالائی وردھا
۲) بھیمہ	۶) بالائی پین گنگا
۳) کرشنا	۷) مولا کی تجدید
۴) ککڑی	۸) گرنا کی تجدید

منصوبے کے مطابق اگر قرضہ جات کی منظوری حاصل ہوئی تو آئی ایف اے ڈی، کی جانب سے بھیمہ پروجیکٹ کے لئے مکمل مالی تعاون دیا جائیگا اور بقیہ سات پروجیکٹوں کیلئے آئی۔ ڈی۔ اے سے مالی تعاون حاصل ہوگا پروجیکٹ (ایم سی آئی پی II) کی کاغذی تیاری کی ذمہ داری واٹر اینڈ پاور ڈیولپمنٹ کنسلٹنسی سروس (انڈیا) لمیٹیڈ (واپکوس) کو سونپی گئی ہے

جو حکومت ہند کے ماتحت ہے۔ مذکورہ ادارہ، آئی ڈی اے، آئی ایف اے ڈی، اور حکومت مہاراشٹر کے مابین رائے مشوروں اور پروجیکٹ کے جائے مقام کے متعدد سروے کے بعد ستمبر ۱۹۷۷ء میں ایک رپورٹ تیار کی گئی جسے دسمبر ۱۹۷۸ء میں پیش کر دیا گیا ہے۔ عالمی بنک اور آئی ایف اے ڈی اب اس رپورٹ کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اگست ۱۹۷۸ء میں عالمی بنک اور مذکورہ ادارے کے عہدیداران سے واشنگٹن اور روم میں گفتگو کے بعد دستاویزات تیار کئے جا چکے ہیں اور امید ہے کہ ۱۹۷۹ء اکتوبر میں اس پر دستخط کئے جائیں گے۔ اس کے نتیجہ میں ۲۲۳ کروڑ روپیہ (۲۶۰ ملین یوایس ڈالرس) ۵۰ سال کی مدت کے لئے بطور قرض اکتوبر ۱۹۷۹ء سے منظور کیا جائے گا جس پر عمل آوری دستاویزات پر دستخط کے فوراً بعد شروع ہو جائے گی۔ حکومت مہاراشٹر کی جانب سے ان پروجیکٹوں پر تقریباً ۴۷۴ کروڑ روپیہ صرف کیا جائے گا۔

مذکورہ دونوں مالی اداروں کے منظور کردہ پروجیکٹ میں خاص کام مندرجہ ذیل ہیں:

چھ بڑے آبپاشی پروجیکٹوں پر بندھ کی تعمیر، ۶۴۰ کلومیٹر خصوصی اور متصل نہروں کی تکمیل (جس میں ۲۵۷ کلومیٹر کی لائن بندی شامل ہے) جس کے باعث کمانڈ ایریا کی ۱,۴۷,۰۰۰ ہیکٹر اراضی سیراب ہو سکے گی، تقسیم کاری، نالہ بندی اور کمانڈ ایریا میں سڑکوں کی تعمیر یا تجدید۔ پروجیکٹ ایم سی آئی پی II کی وجہ سے زراعتی ترقی، پروجیکٹ علاقوں میں نسبتاً بہتر انتظام، آب رسانی میں اضافہ اور ترقیاتِ اراضی اور آب رسانی سے متعلق ماہرین کی تربیت ممکن ہو سکے گی۔

آئی ڈی اے اور آئی ایف اے ڈی کے ساتھ آبپاشی پروجیکٹ عہدنامے کی مدت ستمبر ۱۹۸۴ء تک ہے۔ اس مدت کے خاتمے پر ۱,۴۷,۰۰۰ ہیکٹر اراضی (کل ۶,۲۰,۰۰۰ ہیکٹر اراضی میں سے) کو قابلِ آبپاشی بنایا جا سکے گا۔ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ پروجیکٹ پر اس وقت تک کام جاری رہ سکے جب تک کہ ہر پروجیکٹ کے تمام منصوبہ بند کام مکمل نہیں ہو جاتے۔ امید ہے کہ یہ تمام کام ۸۹-۱۹۸۴ء تک مکمل ہو جائیں گے۔

مطالبۂ قرض کے مطابق ۱۹۷۹ء اکتوبر تا ۱۹۸۴ء ستمبر کے دوران ۲۲۲٫۶۰ کروڑ روپیہ حاصل کیا جائے گا۔ یہ قرض حکومتِ ہند کے نام ہوگا اور سالانہ ۳/۴ شرح سود پر دیا جائے گا۔ جسے اکتوبر ۱۹۷۹ء سے ۵۰ سال کی مدت میں آسان قسطوں پر واپس کرنا ہوگا۔

ترقیات میں توسیع کے پیشِ نظر حکومت ہند کے روبرو سات دوسرے بڑے آبپاشی پروجیکٹ بھی پیش کئے گئے ہیں تاکہ اس سلسلے میں بھی مالی بنک، آئی ایف اے ڈی جیسے غیر ملکی مالی اداروں سے مالی تعاون حاصل کیا جا سکے۔ یہ پروجیکٹ اس طرح ہیں:

۱) زیریں وردھا
۲) زیریں اُونا
۳) اردناتی
۴) باون تھڑی
۵) نندور مدھ میشور
۶) زیریں دودھانا

اور (۷) بالائی تاپی اسٹیج - II

ان کے علاوہ مزید تین پروجیکٹ بھی حکومتِ ہند کو پیش کئے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱) کھڑک واسلہ ۲) چھاسکامن ۳) وشنوپوری

اُمید ہے کہ حکومت ہند ان پروجیکٹوں کے لئے بھی مالی تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی۔

**

یوتھ فورم

یوتھ فورم، کا مستقل فیچر، ابھریکی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی و معاشی ترقی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

(اپنے مضامین اس پتے پر رحمت فرمائیں:

ایڈیٹر 'قومی راج' ۵ اوال منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

مہاراشٹر میں کمانڈ ایریا ترقیات

• شریمتی ششی مصرا
ڈپٹی سکریٹری محکمۂ آبپاشی

مہاراشٹر میں یا کہیں اور کوئی بھی دریا ہو، ہمیشہ گھاٹیوں، جنگلات اور نشیب و فراز سے ہوتا ہوا سمندر میں جا ملتا ہے۔ انتظامی اور تکنیکی امور میں ترقی کی وجہ سے اب حکومت نے دریاؤں پر بندھ بنانا شروع کر دیا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شریر بچہ کسی شفیق نرس کے ہاتھوں میں دیدیا گیا ہو، جو اسے سمندر سے دور بڑی آہستگی سے بھرے جھیلوں اور تالابوں میں لے جائے اور تحسین طلب نظروں سے اپنے کام کی داد چاہے، اس کا کام ختم ہوا۔ کھیتوں کو پانی پہنچایا گیا۔ اب لوگ اس کا استقبال کرنے دوڑیں گے۔ وہ نسلیں لہلہائیں گی اور کسان خوشحال زندگی بسر کریں گے۔ مگر حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ شاید کسان کو پانی نہ ملے۔ کیونکہ وہ زراعت سے مطمئن نظر آئے لیکن آبپاشی کاموں میں خرچ کیا گیا لاکھوں روپیہ برباد ہو سکتا ہے۔ ایسی مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے جب حکومت نے اس معاملے پر سنجیدگی سے غور کیا تو پتہ چلا کہ اب تک صرف غیر یقینی حالات ہی قائم ہیں۔ یہاں کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ (یعنی زیر اثر علاقہ کی ترقیات) کا طریقہ کام آیا۔

مذکورہ ادارہ (سی اے ڈی) زراعت بذریعہ آبپاشی اور اس سے متعلق کسانوں کے مسائل پر توجہ دیتا ہے اگر آبپاشی کے لئے درکار پانی کی حصولی پر غور کریں تو یہ ظاہر ہوگا کہ نہری طریقے سے پانی کھیتوں تک نہیں پہونچ پاتا "نکاس" پر پہونچ کر اس میں مزید رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ نہروں کی کھدائی خود کسانوں کو کرنی ہوتی ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کسی مخصوص علاقہ میں کسانوں کو اس کام کے لئے پوری سہولیات دستیاب ہیں تو بھی کام مکمل نہیں ہو پاتا۔ وجہ یہ کہ زمین ناہموار ہے اور زمین ناہموار ہونے کی وجہ سے پانی ہر سمت میں یکساں نہیں پہونچ پاتا۔ ظاہر ہے کہ زمین کی ہمواری کئے بغیر نہر کا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اب کوئی بتائے کہ کسان ہر ہیکٹر آراضی میں نہر اور زمین کی ہمواری کے لئے تقریباً ۰۰۰،ا روپیہ کہاں سے لائے۔

صدیوں سے مہاراشٹر کا کسان صرف خشک فصلوں مثلاً جوار، باجرہ، کپاس وغیرہ کی کاشت ہی کیا کرتا تھا۔ آبپاشی کے نظام نے ان کسانوں کے مقررہ دستور میں خلل پیدا کر دیا۔ اب انھیں قابل آبپاشی فصلوں کے لئے کھاد، مخصوص قسم کے بیج، جراثیم کش ادویات پانی وغیرہ کی سخت ضرورت ہونے لگی۔ یہ تمام چیزیں اور ان کے لئے درکار بھاری رقم غریب کسان کہاں سے لائے۔ اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کی کیا ضمانت ہوگی کہ پانی بر وقت مل سکے گا۔

یہ مسائل ہیں جنہیں حل کرنا زیر اثر علاقہ جات ادارے یعنی کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ (سی اے ڈی) کا مقصد ہے اس طرح مذکورہ ادارہ اپنی ابتدائی کارروائی کا آغاز بندھ کو اہمیت دیتے ہوئے کرتا ہے کیوں کسان کا نظریہ ہے کہ بندھ ہی آبپاشی فصل کے ذریعہ

معاشی ترقی حاصل کرنیکے مسئلہ کا سب سے آسان حل ہے زراعت کے لئے پانی کے انتظام کے علاوہ مذکورہ ادارہ کے دائرہ عمل میں زراعتی پیداوار کو معاشی فائدوں میں تبدیل کرنا بھی ہے۔ اس اقدام کے تحت زراعت سے متعلق دیگر امور مثلاً مرغی پالن، بیطاری وغیرہ کے لئے سہولتوں کو مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی مذکورہ ادارہ پر عاید ہوتی ہے سی اے ڈی صحیح معنوں میں علاقائی پروگرام کا دوسرا نام ہے۔

۱۹۷۴ء میں سی اے ڈی نے مہاراشٹر میں قدم رکھا اسوقت سے ابتک ایسے پانچ ادارے اورنگ آباد، پونے، ناگپور، ستارہ اور جلگاؤں میں قائم کئے گئے جن کے تحت بالترتیب پرنا جایکواڑی گھوڑ، بھیمہ، باغ۔ ایتادودھ پنچ کرشنا اور گرنا بالائی ستاپی کے پروجیکٹ علاقے شامل ہیں۔ ان اداروں کے دو خاص مقصد ہیں۔

(۱) ترقیات آراضی کے کاموں کو حتی الامکان تیزی سے اور موثر طور پر پورا کرنا۔

(۲) پانی کے استعمال کو زیادہ سے زیادہ توسیع دینا۔

دونوں معاملوں میں سی اے ڈی نے نمایاں ترقی کی ہے مذکورہ ادارہ کے تحت ۵،۶۴ لاکھ ہیکٹر آراضی میں سے تقریباً ۳ لاکھ ہیکٹر آراضی کو ترقیاتی کاموں کے لئے استعمال کیا گیا جو کہ قوت آبپاشی میں اضافہ کے مناسب ہے۔ آبپاشی کا استعمال بھی ۴۶ فیصد سے بڑھ کر ۷۳ فیصد ہو گیا ہے اس بات کا اندازہ مندرجہ ذیل خاکہ سے کیا جا سکتا ہے۔

سال	سی اے ڈی اے پروجیکٹ کے تحت آبپاشی علاقے (ہیکٹر میں)
۱۹۷۴-۷۵ء	۸۱۷۸۸
۱۹۷۵-۷۶ء	۱۴۰۵۰۰
۱۹۷۶-۷۷ء	۱۸۲۱۸۰
۱۹۷۷-۷۸ء	۱۶۰۸۲۰
۱۹۷۸-۷۹ء	۱۹۷۵۴۰ (اندازاً)

۱۹۷۸-۷۹ء کے منصوبہ کی لاگت ۶،۷۸۷ لاکھ روپیہ تھی سی اے ڈی نے علاقہ کی ترقی کے لئے دو اصول اپنائے ایک تو یہ کہ کاشتکاروں سے رائے طلب کی ان پر عمل آوری کے طریقہ اور انتظامیہ پر متوقع اثرات کا اندازہ کیا اور دوسرے کاشتکاروں کی خواہش اور علاقہ کی ضرورت کی بنیاد پر علاقہ کی ترقی کا منصوبہ تیار کیا۔ مذکورہ بالا طریقوں میں پہلا طریقہ کاشتکاروں کے نقطہ نظر سے کاشتکاری بذریعہ آبپاشی کی اہمیت کا حامل ہے۔ سی اے ڈی کی کارکردگی کا اصل مقصد خود کاشتکاروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے۔ مثلاً اسے اپنے علاقہ کے لئے کتنے پانی کی ضرورت ہے "کھاد" بیج اور جراثیم کش ادویات میں اس کی کیا پسند ہے۔ کونسی فصل وہ اگانا چاہتا ہے اسے اپنی زمین پر کہاں تک ترقیاتی کام کی ضرورت ہے، اسے کونسی مارکیٹ پسند ہے اور ذخیرہ کہاں کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

سی اے ڈی اے بورڈ مختلف علاقوں میں قائم کئے گئے ہیں جس میں کاشتکاروں کے مسائل پر توجہ دینے کے لئے ان کے نمائندوں کو شامل کیا گیا ہے۔ مذکورہ ادارے کسانوں کو پانی استعمال کرنے والے ایک ادارہ کی شکل میں منظم کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس منظم گروہ پر بھی سی اے ڈی اے کی کچھ ذمہ داری عائد ہو سکے۔

دوسرے اصول کے تحت علاقوں کے سلسلے میں درکار مالی ضرورت عالمی بنک کی امداد سے فراہم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ ایسی امداد پرنا جایکواڑی کمپلکس کو پہلے ہی دستیاب ہو چکی ہے اور کرشنا، بھیمہ، گکڑی، وارنا، بالائی وردھا، بالائی پین گنگا پروجیکٹوں کے لئے اور گرنا اور ملا پروجیکٹوں میں نہروں کی تجدید کے لئے زیر غور ہے۔

مہاراشٹر میں سی اے ڈی اے کے لئے بدقسمتی سے حالات سازگار نہیں رہے۔ مثال کے طور پر ایک نیا پروگرام ہونیکی وجہ سے ڈی پی ڈی سی سے مالی تعاون حاصل کرنا دشوار تھا کیونکہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ پروگرام کے فائدوں کا انتظار کر سکے۔ پھر بھی ریاستی حکومت نے سی اے ڈی کے نہایت اہم کاموں میں مالی تعاون دینےکی ذمہ داری قبول کر کے اس مسئلہ کو کچھ حد تک حل کر دیا ہے۔ ترقیات آراضی کے سلسلے میں تو مالی مشکلات بہت زیادہ تھیں لیکن ایم ایل ڈی سی کے ذریعہ تجارتی بنکوں سے مالی ضرورت پوری کر کے اس معاملے کو بھی حل کر لیا گیا ہے۔

اب ماہر افراد کی کمیابی بھی سی اے ڈی اے پروگراموں کی ترقی میں ایک زبردست رکاوٹ بن گئی ہے۔ ترقیات آراضی کے سلسلے میں جس قسم کی مہارت اور انتظامیہ کی ضرورت ہے وہ نہ تو انجینیئروں اور نہ ہی ریاستی حکومت کے محکمہ زراعت سے پوری طرح حاصل ہو رہی ہے۔ اسی لئے ایک تربیتی پروگرام شروع کیا

گیا ہے۔ تاکہ دونوں معاملوں میں سی اے ڈی اے پروگراموں کی خاطر خواہ تکمیل ہو سکے۔

اسی دوران آراضی کے ترقیاتی کام انجینئرنگ مہارت سے پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جا رہی ہے تاکہ اس کام میں بہتری پیدا ہو سکے۔ سی اے ڈی اے پروگرام نے کھیتوں کے لئے پانی کی ایک نئی راہ کھولی ہے۔ اس بارے میں ریاستی حکومت ٹھیک طرح واقف نہیں تھی تاہم مذکورہ ادارہ نے اس بات کا پتہ چلایا کہ کسانوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ اپنے کھیتوں میں پانی کا استعمال کم سے کم اور بہتر طور پر کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا گیا کہ اکثر اوقات کھیتوں میں آبپاشی یا تو بہت ہی کم یا بہت زیادہ ہوا کرتی جس کی وجہ سے پانی کافی مقدار میں ضائع ہوتا۔ ان تمام مسایل کو سمجھنے کے لئے کاشتکاروں کے ساتھ رابطہ اور تعاون قائم رکھا گیا۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ اس پروگرام کو اتنی وسعت دیئے جانے کا منصوبہ ہے کہ جس کے تحت آئندہ پانچ سالوں میں زراعتی پیداوار ۲۰ لاکھ سے ۳۵ لاکھ ٹن ہو جائے، ۴۸ مارکیٹ علاقوں کی ترقیات ہو۔ ۱۴۵ کلو میٹر سڑک تعمیر ہو سکے پانچ ذخیرہ خانے قائم ہو سکیں۔ اور چار لاکھ ہیکٹر آراضی پر ترقیاتی کام ہو سکے۔ یہ یقینی ہے کہ آئندہ پانچ سالوں میں مہاراشٹر میں موجودہ زیر اثر علاقوں کی ترقیات پر ۱۳۰ کروڑ روپیہ کا سرمایہ درکار ہوگا

یہ صرف ابتداء ہے، موجودہ سی اے ڈی اے انتظامی امور میں محض ایک تجربہ ہے۔ اگر کامیابی کے امکانات ظاہر ہونگے تو شاید انہیں مزید توسیع دی جائے گی اور ان تمام علاقوں میں جہاں زراعت کے لئے پانی اشد ضروری ہے کارآمد طریقے آزمائے جائیں گے۔

***

آبپاشی کے ذریعے بھرپور فصل

کرشنا منصوبہ دیہی معیشت میں خود اعتمادی کا ضامن

• جی۔ بی گوجر
ایڈیٹر 'لوک راجیہ' (انگلش)

ڈھوم بندھ کا بیرونی علاقہ ۔ جس کی تعمیر مقررہ وقت سے ایک سال قبل ہی مکمل ہوگئی ۔ اب کرشنا پروجیکٹ کے تحت کنہیر بندھ کی تعمیر کا کام جون ۱۹۸۳ء تک مکمل ہونے کی توقع ہے، جس کی تکمیل کے بعد کرشنا پروجیکٹ سے ستارہ اور سانگلی اضلاع کی ۱۱۱،۳۷ ہیکٹر اراضی قابلِ آبپاشی بن سکے گی۔

کرشنا مہاراشٹر کا ایک بڑا دریا ہے جو مہابلیشور پر سہیادری پہاڑوں کی مغربی سرحد سے نکلتا ہے۔ یہ دریا مہاراشٹر کے اضلاع ستارا اور سانگلی سے گذرتا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں تعمیرشدہ کھوڈسی موڑ بند سے نکالی گئی پرانی غیر دوامی کرشنا نہر کے سوا اس دریا پر کوئی آبپاشی منصوبہ نہیں ہے۔

کرشنا آبپاشی پروجیکٹ کا مقصد کرشنا اور اس کی معاون ندی وینا کے ذرائع آب کو کام میں لانا ہے۔ ان دو دریاؤں کا پانی ضلع ستارا میں واقع ڈھوم اور کنہیر مقام پر اکٹھا کیا جائیگا۔ اس ذخیرۂ آب سے ضلع ستارا اور سانگلی میں ۱۱۱،۳۷ ہیکٹر زمین پر سینچائی ہوسکے گی۔ اس سے سیراب ہونےوالی زمین زرخیز اور جاذب ہے۔ کسان محنتی اور جفاکش ہیں۔ لیکن چونکہ بارش کم اور اکثر غیر یقینی ہوتی ہے لہٰذا ان ذرائع سے سودمند طریقہ پر فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ آبپاشی کے ذریعہ دوامی فراہمی سے اس خطہ کے کسانوں کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوگا۔

کنہیر بندھ ۔ ستارا ضلع میں وینا ندی کے کنارے زیر تعمیر

ڈھوم بندھ سے پانی کے بہاؤ کا منظر

اس پروجیکٹ کے تحت ضلع ستارا میں وائی سے ۹ کلو میٹر دور ڈھوم پر زائد پانی نکالنے کے لئے پختہ راستہ سمیت کچا بند، ضلع ستارا میں نہر پر پختہ راستہ سمیت کچا بند اور ۲۳۵ کلو میٹر لمبی اریھال نہر تعمیر کی جائے گی جس کے دہانے پر اخراج پانی کی گنجائش ۲۷،۷۵ کیومکس (CUMECS) ہے کرشنا آبپاشی منصوبے کی رپورٹ ۱۹۶۴ء میں تیار کی گئی تھی۔ انتظامی سطح پر پہلی منظوری جنوری ۱۹۶۷ء میں دی گئی جس کی لاگت ۲۷،۶۵ کروڑ روپے تھی۔ ۱۳۱،۷۱ کروڑ روپے کی رقم کے لئے نظر ثانی شدہ انتظامی منظوری جنوری ۱۹۷۷ء میں دی گئی۔ بہرصورت منصوبے کی گنجائش میں کسی حد تک ترمیم کی گئی ہے۔ نہروں کی لائن بندی جو پہلے تخمینہ میں شامل نہ تھی اب تجویز کی گئی ہے اور تخمینہ مصارف پر نظر ثانی کی جائے گی۔

اس منصوبے کے لئے ورلڈ بنک کی جانب سے امداد اکتوبر ۱۹۷۹ء سے اور آئندہ ملنے کی توقع ہے۔

ڈھوم بند: ڈھوم بند کچا بند ہے جس کے ساتھ پانی نکالنے کے لئے پختہ راستہ ہے۔ اس بند کی کل لمبائی تقریباً ۲،۵۰۰ میٹر ہے اور انتہائی اونچائی ۵۰ میٹر ہے۔ پختہ حصہ دریا کے بائیں بازو پر ہے آبپاشی اور پاور کا راستے پختہ حصہ میں ہیں۔ کچے بند کا کام (۶،۲۲۳ ایم کیومکس) محکمہ وارانہ طور پر انجام دیا گیا۔

مقررہ وقت سے ایک سال پیشتر ہی بند کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ بند ہر پہلو سے جون ۱۹۷۷ء تک پورا ہو گیا تھا۔ بند میں کل ۳۸۲،۲۷ ایم کیومکس ذخیرہ کی گنجائش ہے۔ وائی اور جاؤلی تعلقوں میں رز روائر سے ۲،۴۰۸ ہیکٹر اراضی زیر آب آ گئی ہے۔ بارہ گنوٹھانوں سے تقریباً ۹،۵۰۰ اشخاص کو منتقل کرنا پڑا۔

نہر دائیں جانب سے نکل کر دائیں کنارے کی نہر اور بائیں کنارے کی نہر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے اور دوسرے کلومیٹر پر موخر الذکر کرشنا دریا سے پار ہوتی ہے۔ ڈھوم دائیں بازو کی نہر ۵۲ کلو میٹر لمبی ہے جس کے دہانے سے ۶،۵۵ کیومکس پانی چھوڑا جا سکتا ہے۔ دائیں بازو کی نہر سے ضلع ستارا کے وائی، جاؤلی اور ستارا تعلقہ جات کی لگ بھگ ۶،۲۰۰ ہیکٹر زمین سیراب ہوگی۔ ڈھوم بائیں بازو کی نہر ۱۱۳ کلو میٹر لمبی ہے جس کے دہانے سے ۲۱،۲۵ کیومکس پانی چھوڑا جا سکتا ہے۔ ضلع ستارا میں وائی، ستارا اور کوریگاؤں تعلقہ جات کی ۲۲،۶۳۳ ہیکٹر اراضی بائیں بازو کی نہر سے سیراب ہوگی۔ ان نہروں کی لائن بندی کرنا باقی ہے۔

۱۹۷۶ء کے ربیع موسم سے ڈھوم دائیں بازو کی نہر سے ۲۸ کلو میٹر تک سینچائی شروع ہو گئی تھی۔ دائیں بازو کی نہر پر ۴۴ کلو میٹر تک اور بائیں بازو

کی نہر پر ۴۰ کلومیٹر تک نہری سسٹم ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے اور اب ۱۸٫۹۹۰ ہیکٹر اراضی پر سینچائی کی گنجائش نکل آئی ہے۔ دھوم بائیں کی نہر پر ۹۳ کلومیٹر تک اور دائیں بازو کی نہر پر ۵۲ کلومیٹر تک اصل نہر و تقسیمی سسٹم جون ۱۹۷۹ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا، اور اس سے ۴۷٫۰۰۰ ہیکٹر اراضی زیر آب پاشی آجائے گی۔

کنھیر بند: ضلع ستارا میں کنھیر مقام پر وینا ندی پر دوسرے بند کا کام جنوری ۱۹۷۷ء میں شروع ہوا تھا۔ کچا بند ہے اور اس کے ساتھ پانی بہانے کے لئے بائیں بازو پر پختہ راستہ ہے۔ اس بند کی کل لمبائی ۱۹۴۵ میٹر ہے اور زیادہ سے زیادہ اونچائی ۴۷ میٹر ہے۔ پختہ حصہ میں سینچائی اور پاور نکاس کے راستے ہیں۔

۹۱٫۵ ایم کیوبکس سمیت کچے بند کا کام محکمۂ آبپاشی کا میکانیکل شعبہ مٹی نکالنے کے بھاری ساز و سامان کے ذریعہ انجام دے رہا ہے۔ نہروں کا کچا کام ضمانتِ روزگار اسکیم کے ذریعہ روبہ عمل لایا جا رہا ہے۔ تکمیل پر اس بند میں ذخیرۂ آب کی گنجائش ۲۸۶ ایم کیوبکس ہوگی۔ زیر دائرہ ۱۸۶۲ ہیکٹر زمین زیر آب ہوگی۔ گیارہ گنؤ تھانوں سے ۲۰۰۰ اشخاص کو منتقل کرنا ہوگا۔

اصل نہر بائیں بازو سے جاری ہوگی۔ ۸٫۱ کلومیٹر فاصلہ پر یہ نہر دائیں اور بائیں دو شاخوں میں بٹ جائے گی۔ کنھیر پر دائیں بازو کی نہر ۵۸ کلومیٹر لمبی ہے جس کے دہانہ سے ۷٫۲۲ کیوبکس پانی چھوڑنے کی گنجائش ہے۔ اس نہر سے تعلقہ ستارا میں لگ بھگ ۷٫۷۱۶ ہیکٹر اراضی سیراب ہوگی۔ کنھیر بائیں بازو کی نہر ۲۱ کلومیٹر لمبی ہے جس کے دہانہ پر پانی چھوڑنے کی گنجائش ۲٫۸۵۵ کیوبکس ہے۔ تعلقہ ستارا کی لگ بھگ ۴۶۶ر۱۱ ہیکٹر اراضی اس نہر سے سیراب ہوگی۔ کنھیر بائیں بازو کی نہر پر ۲۱ کلومیٹر تک اور کنھیر دائیں بازو کی نہر پر ۴۰ کلومیٹر تک استواری نہر کی منظوری دی جا چکی ہے اور اس سلسلہ میں کام جاری ہے۔ یہ منصوبہ جون ۱۹۸۳ء تک پورا ہو جائے گا۔

ارپھال نہر: کرشنا ندی سے پار جانے کے بعد کنھیر بائیں بازو کی نہر کو ارپھال بازو کی نہر کا نام دیا گیا ہے۔ اس نہر کی کل لمبائی ۲۳۵ کلومیٹر ہے جس کے دہانہ پر پانی چھوڑنے کی گنجائش ۲۷٫۷۵ کیوبکس ہے۔ ضلع ستارا کے تعلقہ جات ستارا، کورے گاؤں اور کراڈ نیز ضلع سانگلی کے تعلقہ جات تاس گاؤں، کھانا پور اور میرج کی لگ بھگ ۲۹٫۴۵۳ ہیکٹر اراضی زیر آبپاشی لائی جائے گی۔ حال ہی میں ارپھال نہر کے سروے کا کام شروع کیا گیا ہے۔ اور اول ۴۳ کلومیٹر استواری کے کام کی منظوری دیدی گئی ہے۔ یہ کام جون ۱۹۸۵ء تک پورا ہو جائے گا۔

کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ پروگرام: پانچویں منصوبہ سے قبل آبپاشی منصوبہ جات ذرائع آبپاشی سمجھے جاتے تھے۔ مختلف محکمہ جات اپنے طور پر زراعت کیلئے ساز و سامان مہیا کرتے تھے اور ان میں باہم برائے نام رابطہ تھا۔ نتیجہ یہ کہ مہیا ذرائع آب سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ لہٰذا یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ مختلف اداروں کے درمیان ضروری تعاونِ عمل پیدا کر کے رضاکارانہ خدمات کو فروغ دیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ زراعتی پیداوار حاصل کی جا سکے۔ اس کے مقابل کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ پروگرام جاری کیا گیا اور ستارا میں کرشنا منصوبہ کے لئے کمانڈ ایریا ڈیولپمنٹ اتھارٹی کا تقرر ہوا۔ اُمید ہے کہ یہ مختار افسر مختلف محکموں کے کاموں میں تال میل پیدا کرے گا۔ اس طرح منصوبہ بندی مناسب ہوگی، مختلف قسم کے ساز و سامانِ زراعت وغیرہ کی سپلائی بر وقت ہوگی اور آبپاشی کی سہولتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکے گا۔ قدرتی طور سے اس پروگرام میں ڈرینیج، سڑک، منڈی، زراعتی توسیع، پانی استعمال میں لانے کی سہولتوں کو بہتر بنانے کے کاموں وغیرہ پر زور دیا گیا ہے۔

دیہی معیشت میں خود اعتمادی: کرشنا منصوبہ کے جاری ہونے سے کمانڈ ایریا میں زراعتی سرگرمیوں اور زراعت پر مبنی صنعتوں وغیرہ کے بڑھنے سے کارکنوں کے لئے روزگار کے مواقع بڑھیں گے۔ خصوصاً چار ہیکٹر رکھنے والے گھرانوں کے پڑھے لکھے بیروزگار ایسی چھوٹے پیمانے کی صنعتیں شروع کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ بہرصورت حکومت کو تربیت یافتہ سماجی کارکنوں اور توسیعی افسران کے ذریعہ ان پڑھے لکھے اشخاص میں بیداری اور اعتماد پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کرنا ہوگی تاکہ وہ زراعت سے حاصل ہونے والی فاضل رقم کام میں لگائیں۔ اگر سرکاری افسران پڑھے لکھے لوگوں کے دوست بن کر کام کریں تو یہ یقیناً دیہاتوں میں ہی رہیں گے اور زراعتی و صنعتی معیشت میں خود اعتمادی پیدا کرنے میں معاون ہوں گے۔

**

ضروری گذارش۔ رقم روانہ کرنیوالے حضرات سے:
منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور پنکوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر نام و پتہ تحریر ہو تو "قومی راج" فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

پینچ ہائیڈرو الیکٹرک اور آب پاشی پروجیکٹ

• ایس . ایم بھالے راؤ
چیف انجینئر، محکمۂ آبپاشی، ناگپور ڈویژن

ایک طویل عرصہ سے ہمارے ملک میں عوام کے فائدے کے لئے ذرائع آب، کو نفع بخش طریقے سے استعمال کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے آزادی کے بعد سے ہائیڈرو پاور اور آبپاشی کے لئے کئی پروجیکٹ قائم کئے گئے ہیں۔ اسی طرح کا ایک پروجیکٹ دریائے پینچ پر قائم کیا گیا ہے جو مدھیہ پردیش سے ہوتا ہوا مہاراشٹر میں داخل ہوتا ہے۔ اس پروجیکٹ کا مقصد ہائیڈرو پاور پیدا کرنا، آبپاشی، ناگپور شہر اور کھوپراڈی تھرمل پاور اسٹیشن کے لئے آب رسانی ہے۔

پروجیکٹ کی اہمیت : پینچ دریا، وین گنگا وادی میں واقع دریائے کنہان کی ایک بڑی شاخ ہے جس کے ذریعہ ۴٫۳۰۰ اسکوائر کلومیٹر طاس علاقہ سے پانی کا نکاس ہوتا ہے۔ مدھیہ پردیش اس کا جائے مقام ہے جہاں سے یہ مہاراشٹر میں داخل ہوتا ہے۔ اکثر اس کا گذر پہاڑی اور پتھریلے علاقوں سے ہوتا ہے۔ تونلاڈوہ مقام پر ناگپور سے ۸۰ کلومیٹر شمالی جانب اسے دو پہاڑیوں کے درمیاں سے گذرنا ہوتا ہے۔ ۴٫۳۰۰ کلومیٹر طاس علاقے سے
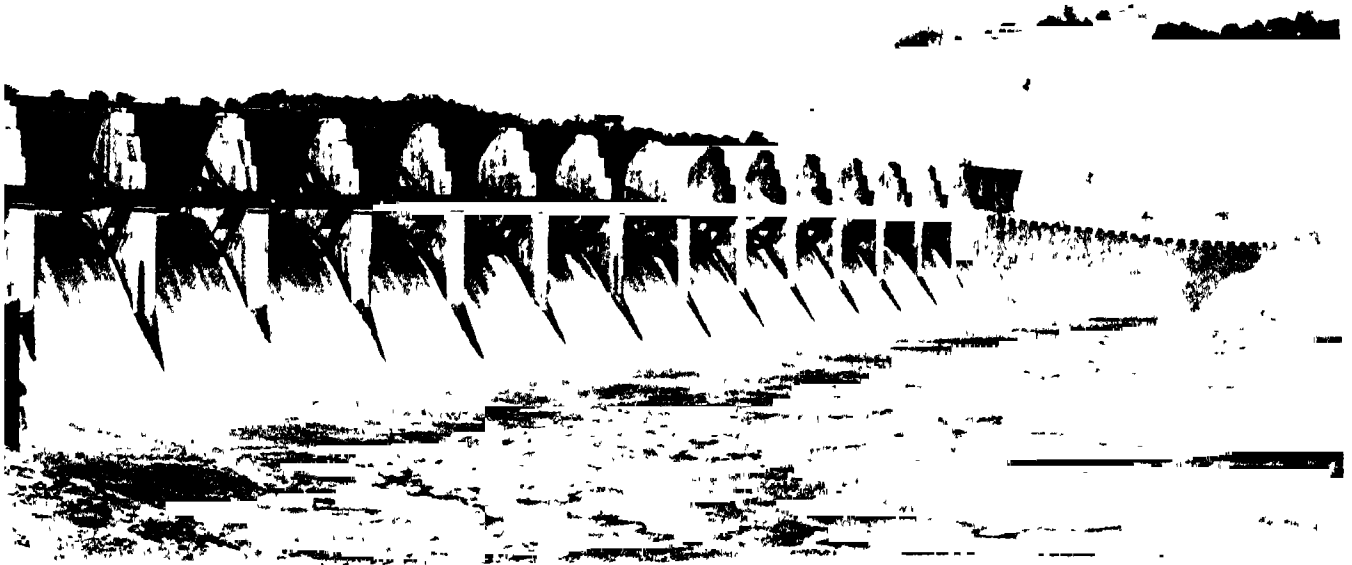
بینچ ہائیڈرو پاور پروجیکٹ کی تعمیر سرعت سے جاری ہے

نکلے ہوئے پانی کی احاطہ بندی کے لئے ۲۷ کروڑ روپے کے صرفہ سے ۷۵ میٹر اونچا سیمنٹ کنکریٹ کا ایک بند تعمیر کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اس پانی کو زمین دوز پاور ہاؤس میں لے جایا جائے گا۔ وہاں سے چرخاب کو گردش دیتے ہوئے پانی ۸ کلومیٹر لمبے پائپ سے گذر کر اسی دریا میں جا ملے گا۔ مکمل ہونے کے بعد اس پروجیکٹ سے ۱۶۰ میگھا واٹ بجلی پیدا ہوگی۔

بینچ پاور ہاؤس سے نکلا ہوا پانی کامٹی کھیری مقام پر ایک ۳۲ میٹر اونچے بند کے ذریعے جو ۱۹۷۷ء میں تعمیر کیا گیا تھا، روکا جائے گا۔ اس کے ذریعہ ۵۰۰، ۹۴ ہیکٹر اراضی کو ۴۸ کلومیٹر داہنی نہر اور ۳۲ کلومیٹر بائیں نہر کی مدد سے آبپاشی کی سہولت مہیا ہوگی۔ داہنی نہر سے کوراڈی تھرمل پاور اسٹیشن کو آب رسانی کے علاوہ ناگپور شہر کو بھی پانی سپلائی کیا جائے گا۔

بین الریاستی نظام : ہائیڈرو الیکٹرک پروجیکٹ میں مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر حکومتوں کا اشتراک ہے۔ اس پروجیکٹ کا انتظامی امور بین الریاستی کنٹرول بورڈ کے سپرد ہے۔ خانگی کاموں کا انتظام حکومت مہاراشٹر کے زیر تحت ہے اور بجلی کا کام مدھیہ پردیش کے ذمے۔

تخمینہ جات : اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۸۲ کروڑ روپیہ ہے جس میں سے ۹، ۲۴ کروڑ روپیہ پہلے ہی خرچ کیا جا چکا ہے۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران اخراجات کا تخمینہ ۸، ۱۱ کروڑ روپیہ لگایا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ سے حاصل ہونے والی بجلی اور اس پر ضروری اخراجات میں مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش کی حصہ داری ہے۔

اسی طرح کامٹی کھیری آبپاشی پروجیکٹ پر اندازاً ۹۷ کروڑ روپے کا سرمایہ درکار ہے جس میں سے ۵، ۳۱ کروڑ روپیہ پروجیکٹ سے متعلق کاموں پر خرچ کیا جا چکا ہے۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران ۵، ۶ کروڑ روپے کے اخراجات کا اندازہ لگایا گیا ہے

(بقایا صفحہ ۲۷ پر)
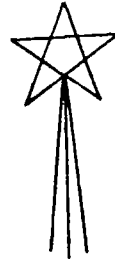
پانی کے اخراج کا راستہ

ککڑی پروجیکٹ

ککڑی پروجیکٹ ضلع پونے میں واقع ہے جس میں ۴۱۶ کلومیٹر رقبہ میں پانچ بندھ اور نہروں کی تعمیر شامل ہے۔ اس پروجیکٹ سے پونے، احمد نگر اور سولاپور اضلاع کی کل ۱۰۹۷۵۰ ہیکٹر اراضی کو فائدہ پہنچے گا۔ اس پروجیکٹ پر لاگت کا تخمینہ ۱۲ء۱۳۲ کروڑ روپیہ ہے اور مارچ ۱۹۷۸ء تک ۵۷ء۲۹ کروڑ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔

یدگاؤں بندھ کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ مانیکدوہ، ڈمبھے اور وڈاج بندھ کا کام تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ ۴۴ کلومیٹر لمبی ککڑی بائیں نہر کا کام ختم ہو چکا ہے اور مزید ۱۱۴ کلومیٹر کام ابھی جاری ہے۔ ۴۰ کلومیٹر لمبی ڈمبھے بائیں نہر کا کام بھی چل رہا ہے جس سے ۶۵۰۰ ہیکٹر اراضی قابلِ آبپاشی بن سکے گی۔

اس پروجیکٹ کے لئے عالمی بنک کے فصلی انتظام کے مطابق ۶۲ فیصد خریف اور ۶۲ فیصد ربیع فصل اگائی جائے گی۔

●●

زیر تعمیر واگھڑ بندھ کے خارجی راستے اور دروازے

ناشک آبپاشی پروجیکٹ سرکل ناشک۔ ۲

اپر (بالائی) گوداوری پروجیکٹ

• ایس۔ ڈی کلکرنی
چیف انجنیئر۔ بامبے ریجن
محکمۂ آبپاشی

تاریخ: دریائے کدوا ضلع ناشک میں دریائے گوداوری کی معاون ندی ہے۔ ۲۰ ویں صدی کے شروع میں نیپھاڑ اور رابولہ تعلقوں میں قلت زدہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولت مہیا کرنے کی غرض سے کدوا کے پانی کو استعمال کرنے کے لئے ابتدائی کوششیں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں دریائے کدوا سے نکلی ہوئی اونانڈا اور کولوان ندیوں کے پانی کو بھی استعمال کرنے کا منصوبہ خیال میں آیا۔ اس سے قبل واگھڑ گاؤں کے قریب کولوان کے مقام پر واگھڑ تالاب نامی ایک چھوٹا ذخیرۂ آب تعمیر کیا گیا۔ جس کا پانی پال کھیڑ بند سے حاصل کر کے آبپاشی کے لئے استعمال کیا گیا۔ یہ اسکیم ۱۸۸۰ء میں مکمل ہوئی۔

۱۹۰۵ء میں مسٹر ایچ۔ ایف بیلے سپرنٹینڈنٹ انجنیئر کو خصوصی طور پر اس کام کے لئے مقرر کیا گیا کہ وہ پتہ چلائے کہ دریائے کدوا کے پانی کو آبپاشی کے لئے کس طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تحقیقات کے بعد یہ طے کیا گیا کہ اوزرکھیڑ گاؤں کے نزدیک اونانڈا دریا پر بند باندھا جائے۔ اسی طرح کرنجوان

اور پال کھیڑ کے نزدیک دریائے گدوا پر بھی دو بڑے بند تعمیر کرنے کے امکانات پر غور کیا گیا لیکن پال کھیڑ پر بند تعمیر کرنے کے منصوبے کو بعد میں ترک کرنا پڑا، کیونکہ بند کی وجہ سے باغات اراضی کے غرق ہونے کا اندیشہ تھا۔ ۱۹۵۵ء تک اس اسکیم میں مزید کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ بعد میں اسی سال حکومت مہاراشٹر کی ہدایت پر اس اسکیم پر دوبارہ کام شروع کیا گیا۔

ان دریاؤں کے طاس علاقوں کی مدد سے زیادہ سے زیادہ علاقوں میں آبپاشی کی سہولیات بہم پہنچانے کے لئے کوششیں شروع ہوئیں۔ ۱۹۶۴ء میں مرکزی حکومت کے سپرد ایک اسکیم کی گئی جس کے تحت کر نجوان اور پال کھیڑ موضعات میں بند کی تعمیر اور پال کھیڑ بند سے ۶۵ میل لمبی بائیں نہر بنانے کی تجویز رکھی گئی۔ لیکن ڈاکٹر کے۔ ایل راؤ نے پال کھیڑ بند سے کچھ زرخیز زمین کو نقصان پہنچنے کے امکانات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس سلسلے میں چند مشورے دیئے، جس کی روشنی میں دوبارہ غور کرنے کے بعد چار بند اور دو نہروں کی تعمیر کی ایک نئی اسکیم پیش کی گئی۔

بالترتیب ۸۶ء۴۰، ۳۴ ملین کیوب اور ۲۱۸ء۶۰ ملین کیوب حاصل ہوگی۔

علاوہ ازیں پال کھیڑ بند سے ۱۱۰ء۹۰ کلو میٹر بائیں نہر، اوزر کھیڑ بند سے ۲۲ کلو میٹر بائیں نہر، واگھڑ بند سے ۴۰ کلو میٹر داہنی اور ۱۵ کلو میٹر بائیں نہر بھی تعمیر کی جائے گی۔ ۱۹ کلو میٹر پال کھیڑ دائیں نہر پہلے ہی سے موجود ہے۔ پہلے پہل صرف ۱۲ کلو میٹر لمبی پال کھیڑ اور اوزر کھیڑ بائیں نہروں کی تعمیر منظور کی گئی تھی اور یہ تجویز کیا گیا تھا کہ گنے کی دائمی کاشت کی جائے۔ لیکن بعد میں عوام کے مطالبہ کے پیش نظر کہ اوزر کھیڑ نہر میں مزید توسیع کی جائے اور واگھڑ بند سے نہریں نکالی جائیں، حکومت نے مذکورہ دائمی کاشت کے منصوبہ کو ترک کر کے ہشت ماہی فصل میں تبدیل کر دیا اور اس کے نتیجہ میں جو پانی بچ رہا اسے اوزر کھیڑ بائیں نہر کو ۲۲ کلو میٹر سے زائد توسیع دینے اور واگھڑ بند سے دائیں اور بائیں نہریں نکالنے کے لئے استعمال کرنا تجویز کیا گیا۔

اس پروجیکٹ کی تعلقہ واری آبپاشی مندرجہ ذیل ہے:

پال کھیڈ بند کے خارجی راستے اور دروازے

موجودہ اسکیم: ۱۹۶۶ء میں اس نئی اسکیم کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ۹۸ء۴۲۸ لاکھ روپے کی انتظامی منظوری دی۔ موجودہ بالائی گوداوری پروجیکٹ کے تحت کر نجوان اور پال کھیڑ کے نزدیک دریائے گدوا پر دو بند، اوزر کھیڑ کے نزدیک اونا ندا دریا پر ایک بند اور واگھڑ کے نزدیک کولوان دریا پر ایک بند، اس طرح چار بند کی تعمیر شامل ہے۔ اس اسکیم میں تقریباً ۶ء۴۴۴ ملین کیوب پانی استعمال کئے جانے کی توقع ہے۔ چار بند سے ذخیرۂ آب میں پانی کی مقدار

۱)	ڈنڈوری (ناشک)	۹۵۳۰ ہیکٹر
۲)	نیپھاد (ناشک)	۱۹۱۰۰ ہیکٹر
۳)	ایولہ (ناشک)	۲۰۵۰۰ "
۴)	چاندواڑ (ناشک)	۷۱۰ "
۵)	کوپرگاؤں (احمدنگر)	۲۴۰۰ "
		۵۲۲۴۰ ہیکٹر

ایولہ اور ویجاپور کے عوام کا مطالبہ مانتے ہوئے حکومت نے حال ہی میں طے کیا ہے کہ پال کھیڑ کی بائیں نہر کو خریف نہر کے طور پر ۱۴۴ کلومیٹر تک مزید توسیع دی جائے۔ اس توسیع کی وجہ سے ایولہ، کوپر گاؤں اور ویجاپور تعلقہ کی ۳۰۸۰ ہیکٹر اراضی قابلِ آبپاشی بن سکے گی۔ علاوہ ازیں حکومت نے واگھڑ دائیں نہر کو دریائے بن گنگا سے پرے ناشک بائیں نہر تک توسیع دینے کے منصوبے کو حال ہی میں منظور کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ڈنڈوری اور نپھاد تعلقوں کی مزید ۱۳۲۵ ہیکٹر اراضی کو آبپاشی کی سہولت مہیا کرنا ممکن ہو سکے گا۔ یہ نہر دو موسمی ہوگی۔

بازآبادکاری: نال واڑی، پال کھیڑ، راجاپور، بہیپل گاؤں، کیتنکی، واگھڑ کرشنا گاؤں اور روگھالا۔ ان سات دیہاتوں کے کرنجوان، پال کھیڑ، واگھڑ اور اوزر کھیڑ بند سے زیرِ آب ہونے کا اندیشہ ہے۔ ان میں سے نال واڑی، پال کھیڑ، راجاپور، بہیپل گاؤں، کیتنکی اور واگھڑ دیہاتوں میں بازآبادکاری کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اوزر کھیڑ بند کے تحت آنے والے کرشنا گاؤں اور روگھالا دیہاتوں میں بازآبادکاری تیزی سے جاری ہے۔ مذکورہ بالا چار بندوں سے زیرِ آب ہونے والی کل اراضی ۴۸۰۰ ہیکٹر ہے۔

اس پروجیکٹ کی ابتدائی تیاری ۱۹۶۶ء میں کی گئی۔ شری وائی۔ بی چوان کے ہاتھوں جو اس وقت مرکزی حکومت میں وزیرِ داخلہ تھے، کرنجوان بند کی بھومی پوجا انجام دی گئی اور اس کے بعد پروجیکٹ پر کام شروع ہوا۔ کرنجوان بند کا کام ۶۹-۱۹۶۸ء میں، پال کھیڑ بند کا کام ۷۲-۱۹۷۱ء میں، اوزر کھیڑ بند کا کام ۷۴-۱۹۷۳ء میں اور واگھڑ بند کا کام ۷۷-۱۹۷۶ء میں شروع کیا گیا۔

پروجیکٹ کی موجودہ حالت: پروجیکٹ میں شامل چار بند میں سے پال کھیڑ اور کرنجوان بند کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ واگھڑ بند کا کام تکمیل کے قریب ہے۔ اوزر کھیڑ بند کا کام ۵۰ فیصدی مکمل ہو چکا ہے اور باقی ماندہ کام بھی سرعت سے جاری ہے۔

نہریں اور تقسیم کاری: پال کھیڑ بائیں نہر کا کام ۹۹-۱۱۰ کلومیٹر تک ہو چکا ہے۔ اس نہر پر ۱۰۰ کلومیٹر تک تقسیم کاری کا کام بھی ختم ہو چکا ہے، اور مزید کام جاری ہے۔ اوزر کھیڑ بائیں نہر کا کام ۱۸ کلومیٹر تک زیرِ تکمیل ہے۔ اس کے علاوہ ۲، ۴، ۵ اور ۶ کلومیٹر میں کام قریب الختم ہے۔ واگھڑ بائیں نہر کے سروے کا کام مکمل ہو چکا ہے اور نہر کی کھدائی شروع ہو چکی ہے۔ واگھڑ دائیں نہر کا کام ۱۶ کلومیٹر تک سرعت سے جاری ہے۔ اس نہر کے سروے کا کام بن گنگا دریا تک اور مزید توسیع کے لئے ہو چکا ہے۔

قلت اور ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت کام:

۷۳-۱۹۷۲ء میں قلت کے دوران ایولہ اور نپھاد تعلقہ کے باشندوں کو کام مہیا کرنے کی غرض سے ۴۰ تا ۷۵ کلومیٹر پال کھیڑ بائیں نہر کی کھدائی شروع کی گئی۔ تقریباً ۲۰۰۰ مزدوروں کو اس مدت میں کام مہیا کیا گیا۔ اس تمام کام پر ۵۶.۴۵ لاکھ روپے خرچ ہوئے۔

اسی طرح اس نہر کی ۷۶ تا ۱۰۰ کلومیٹر کی کھدائی کا کام ۷۸-۱۹۷۴ء میں ضمانتِ روزگار اسکیم کے تحت شروع کیا گیا اور اس مدت میں ۱۰۰۰، مزدوروں کو کام مہیا کیا گیا۔ اب اسی نہر کو ۱۱۱ سے ۱۴۴ کلومیٹر تک توسیع دینے کا کام بھی مذکورہ اسکیم کے تحت کئے جانے کی توقع ہے۔ فی الحال ۱۲۳ اور ۱۲۴ کلومیٹر کا کام اسی اسکیم کے تحت جاری ہے۔ اس کام پر نیز ۱۰۰ کلومیٹر سے آگے نظامِ تقسیم کے کاموں میں لگے مزدوروں کی تعداد تقریباً ۱۲۰۰ ہے۔

فوائد: اس پروجیکٹ پر آبپاشی کا کام ۷۵-۱۹۷۴ء میں شروع کیا گیا۔ ۷۹-۱۹۷۸ء کے دوران ۳۴۸۰۰ ہیکٹر اراضی کو قابلِ آبپاشی بنایا گیا اور جون ۱۹۷۹ء تک ۳۶۲۰۰ ہیکٹر اراضی قابلِ آبپاشی بنائے جانے کی توقع ہے۔

۱۹۶۶ء میں اس پروجیکٹ کو انتظامی منظوری دی گئی اور اس پر لاگت کا تخمینہ ۱۴۲۸،۹۸ لاکھ روپیہ لگایا گیا۔ لیکن پروجیکٹ کے لئے درکار اشیاء کی قیمتوں اور مزدوروں کی اجرت میں اضافہ کے باعث اور اس پروجیکٹ میں چند تبدیلیوں کی وجہ سے نظرِ ثانی شدہ لاگت کا تخمینہ اب ۳۰۴۹،۱۰ لاکھ روپیہ لگایا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ کے جاری کام پر اب تک ۱۹۷۰،۱۰ لاکھ روپے کے اخراجات ہو چکے ہیں۔ جاری مالی سال کے دوران ۲۲۹،۸۱ لاکھ روپے کے اخراجات کا اندازہ ہے۔

چاندواڑ تعلقہ کے لوگ چاہتے ہیں کہ اوزر کھیڑ بند سے حاصل شدہ پانی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ چاندواڑ تعلقہ کو دیا جائے۔ اسی طرح ایولہ کے لوگوں نے مطالبہ کیا ہے کہ اوزر کھیڑ بائیں نہر کو پر کولیشن اور چھوٹے آبپاشی کے تالاب تک توسیع دی جائے۔ یہ دونوں تجاویز زیرِ غور ہیں۔ اور ان پر سروے کیا جا رہا ہے۔

ایم۔ اقبال

ایک شخص وقت کا بڑا پابند تھا۔ جب اچانک ہی وہ لگاتار چار، چھ دنوں تک آفس دیر سے پہونچنے لگا تو دفتر میں موجود لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ آفس کے صاحب نے جب اس سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ "کیا کروں صاحب! آج کل اخبار والا صبح کا اخبار دیر سے گھر پہنچاتا ہے"۔ بہت ممکن ہے یہ مبالغہ ہو۔ مگر صبح سے اخبار کا مطالعہ باقاعدگی سے کرنے والوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ صبح سے اخبار کا مطالعہ کہیں تو فیشن ہے اور کہیں یہ جنون کی حد تک عادت بن چکا ہے۔ اس بنیاد پر اخبار بین طبقہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو اخبار کو ضروری ضرورت سمجھتا ہے اور دوسرا وہ جو اسے محض وقت گذاری کا سامان۔

معنوی اعتبار سے اخبار خبروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں ان خبروں کی اشاعت ہر اخبار اپنے ڈھنگ سے کرتا ہے اور یہی ڈھنگ اخبار کے معیار کو گھٹانے بڑھانے یا اسے دلچسپ یا غیر دلچسپ بنانے میں ستون ثابت ہوتا ہے ایک ہی خبر کو مختلف اخبار مختلف عنوانات کے تحت پیش کرتے ہیں۔ یہ عنوانات کا ہی جادو ہے کہ اخبار بین حضرات اپنی جیب کے چار پیسے خرچ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ خبروں کا بھی ایک موسم ہوتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں آم کا موسم، امرود کا موسم ہوتا ہے۔ اسی طرح مختلف موسم میں مختلف خبریں اخبار کی زینت بنتی ہیں۔ مثلاً سیاسی خبریں، سماجی خبریں جیسے مار دھاڑ قتل و خون وغیرہ، کھیل کود کی خبریں۔ کھیل کود کی خبریں خاص طور سے عوام کے ایک بڑے طبقہ کو متاثر کرتی ہیں کیونکہ کھیل کود کا موسم ہی ایک ایسا موسم ہے جو سدا بہار رہتا ہے کھیل کود کے شوقین حضرات اپنے شوقیہ کھیل کی خبریں چاہتے وہ دنیا کے کسی بھی [illegible] ہوں۔ ضرور پڑھنا پسند کرتے ہیں یہ بیچارے عوام کے ہر دل عزیز کھیل کرکٹ کے موسم میں [illegible] ہوتا ہے۔ اخبارات بھی [illegible] [illegible] نظر ہیڈنگ لگا کر [illegible] ملاوٹ سے خبر [illegible] بنانے کی کوشش کرتے ہیں

مثلاً ہندوستان اور ایم سی سی کے مقابلوں کے دوران چندر شیکھر کی شاندار بولنگ کو سراہتے ہوئے کسی اخبار نے یہ سرخی قائم کی تھی:

'CHNDRA ECLIPSE THE HOPES OF M C.C."

اس عنوان کی خوبی یہ ہے کہ چندر شیکھر کو چاند کی مثال دیتے ہوئے ایم سی سی کے ہارنے کی پیشن گوئی کو گہن لگنے سے تشبیہ دی گئی تھی۔

سیاسی معاملوں میں اخبارات کے لئے خبروں کا دوسرا بہترین موسم الیکشن کا ہوتا ہے اس موسم میں اخبارات کا حال تو پوچھئے مت اخبارات زیادہ سے زیادہ فربہ ہوتے جاتے ہیں۔ بعض راشن کے بغیر اشاعت کے لئے اس قدر رسمی جاتے ہیں کہ اکثر اوقات ادارت کو صفحات کی کمی کی وجہ سے قارئین سے معذرت مانگنی پڑتی ہے ایک ایک امیدوار چاہتے وہ کتنا ہی پستہ قد کیوں نہ ہو اخبارات کا بڑے سے بڑا صفحہ گھیرنے کی کوشش کرتا ہے سچ پوچھئے تو یہ اخبارات کا کمال ہوتا ہے کہ وہ امیدواروں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے اس طرح ملاتے ہیں کہ بیچارے عوام سوچ میں [illegible] ہیں کہ وہ کس کا انتخاب کریں۔ نتیجتاً الیکشن کے دن

انھیں امیدوار کی بجائے صرف ان کی نشانیاں یاد رہ جاتی ہیں اور وہ بغیر سوچے سمجھے اپنی پسند کی نشانی پر مہر لگا بیٹھتے ہیں بعد میں انھیں پتہ چلتا ہے کہ وہ دراصل ووٹ کسی دوسرے امیدوار کو دے چکے ہیں۔

فلمی خبریں نہ ہوں تو شاید کوئی بھی اخبار پڑھنا پسند نہ کرے۔ گلیمر کی دنیا کا جادو بچے، جوان، بوڑھے، سب ہی کے سر چڑھ کر بولتا ہے۔ یہاں بازار ہمیشہ گرم ہی رہتا ہے لیکن اس میں چوپٹ راجہ کی اندھیر نگری کی طرح ہر چیز ٹکے ملتی ہے۔ بڑے سے بڑا آرٹسٹ، جس کا مارکیٹ فلمی صنعت میں کتنا بھی ہو، ۲ پیسے والے اخبار میں کسی سنسنی خیز خبر کے ساتھ آنے میں فخر محسوس کرتا ہے فلمی میدان میں باتیں بنانا محاورہ کا استعمال اخبارات خوب زور و شور سے کرتے ہیں۔ فلمی ہستیوں کے بارے میں مصالحہ دار باتیں اور ان کی چکا چوند تصویریں قارئین کے دماغ اور آنکھوں دونوں کو روشن کرتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اخبار اپنے معیار اور خبروں کی نوعیت کے مطابق اس روشنی کو تیز سے تیز تر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں کامیابی کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب ایسی ہی کسی اخبار کی گرما گرم تصویر منے سے لیکر منے کے ابا کے بیڈ روم کی زینت بنتی ہے۔

اخبارات کی زندگی میں ایک دن ایسا بھی آتا ہے جب وہ نوجوان بھی جو اپنے کسی دوست کو اخبار پڑھتے دیکھ کر کہتا ہو ارے ہٹاؤ یار کیا فضولیات میں وقت ضائع کر رہے ہو۔" صبح صبح اخبار خریدنے دوڑتا ہے اور پھر اس کی ورق گردانی میں مشغول ہو جاتا ہے جانتے ہیں آپ وہ کون سا دن ہے؟ وہ ہے امتحانات کے نتائج کا دن لیکن اخبارات کے لئے یہ منحوس دن بھی ہوتا ہے۔ وہ اس لئے کہ کئی مایوس دل شکستہ امیدوار اپنی ناکامی کا سامنا نہیں کر پاتے اور خطرناک اقدامات کر بیٹھتے ہیں۔

اخبارات کے قارئین کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اخبار کی قدر بالکل ایسا ہی کرتا ہے جیسے کوئی مستانہ فقیر کی شکر سٹہ یا ریس کے گھوڑے کے جیتنے کی الٹی سیدھی پیشین گوئی صحیح ثابت ہونے پر کرتا ہے۔ شیئر بازار کی خبر ہو یا آئندہ ہونیوالے ریس کی پیشین گوئی، اس میدان میں دلچسپی رکھنے والے اخبار پڑھنے سے پہلے ایکبار بھگوان کو ضرور یاد کرتے ہیں چلئے اس طرح ہی سہی ثواب تو بہر حال اخبار کو ہی جاتا ہے۔

قارئین کے مذکورہ بالا طبقات کے علاوہ اخبار کا صحیح استعمال کرنے والا طبقہ ایسا ہے جو حقیقی معنوں میں اخبار پر خرچ کیا ہوا ایک ایک پیسہ اخبار کا ایک ایک کالم پڑھ کر وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پاس صبح کا اخبار شام تک اور شام کا اخبار دوسرے دن تک نظر آتا ہے۔ اب یہ صرف اتفاق ہے کہ کچھ لوگ اخبار کے ساتھ ساتھ نظر ضرور آتے ہیں لیکن ۲۴ گھنٹوں میں بھی پورا اخبار نہیں پڑھ پاتے اور اس وقت حیرت زدہ رہ جاتے ہیں جب اخبار کو ایک نظر پڑھنے والے یاران سے اخبار کی کسی ایسی خبر کے بارے میں چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں جو انہوں نے ابھی تک پڑھی نہ ہو۔

غرض کہ ہماری زندگی کے ایک ایک شعبہ اور پہلو کو بتا کے چند صفحات پر پیش کرنا اخبار کا پیشہ ہے۔ اس معاملے میں اخبارات نے بھی اپنے آپ کو اسی طرح تقسیم کر لیا ہے جیسے ڈاکٹروں نے اپنے پیشہ کو کیا ہے۔ یعنی جس طرح ڈاکٹروں میں کوئی آنکھ کا ماہر ہے، کوئی ناک، کان اور گلا کا مخصوص ڈاکٹر ہے اسی طرح اخبارات میں بھی کوئی صرف سیاست میں ماہر ہے تو کوئی معاشیات میں۔ کوئی فلمی زندگی میں ماہر ہے تو کوئی سماجیات میں، کوئی نفسیات میں وغیرہ وغیرہ۔ اور ہاں کچھ اخبارات تو صرف خواتین کی قدر دانی میں پیش پیش نظر آتے ہیں اور تعجب تو یہ ہے کہ ایسے اخبارات کے اکثر ذمہ دار مذکر ہوتے ہیں پتہ نہیں خواتین کی نفسیات کا علم انہیں کیسے ہو جاتا ہے کہ وہ خواتین کی دلچسپی کا پورا پورا سامان اس طرح کرتے ہیں کہ خود خواتین بھی حیران رہ جاتی ہیں۔ ایک مرد کا باورچی خانہ سے لیکر بیوٹی ٹریٹمنٹ تمام معاملوں میں جانکاری رکھنا اور اہم ترکیبات پیش کرنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

اخبارات ضروری مصرف اور وقت گذاری کا سامان دونوں ہو سکتے ہیں۔ قارئین پر یہ منحصر ہے کہ وہ اپنی دلچسپی کے علاوہ اخبار کا پورا پورا مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیں تاکہ جس محنت سے اخبار تیار کیا جاتا ہے وہ رائیگاں نہ جائے۔ اگر ایسا ہو سکا تو شاید کسی بھی اخبار کو یہ شکایت نہ رہے گی کہ ان کے خریدار ان کی قدر نہیں کرتے۔

مولانا آزاد اور علامہ اقبال

• مقبول ظہیر ارشی، وارث پورہ ۔ کامٹی

مولانا آزاد اور علامہ اقبالؔ، برِ صغیر کی دو ایسی عظیم ہستیاں ہیں، جو اپنے معاصرین میں ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔ ہند کی خاک سے شاید ہی ایسی برگزیدہ ہستیوں کا ظہور ہوا ہو جو مسلمانوں کی فکری زندگی کا نیا باب مرتب کر سکیں۔ دونوں نے سوئے ہوئے ذہنوں پر دستک دی ہے۔ انھوں نے اپنے قلم کے ذریعے صحت مند قوم کا خاکہ پیش کیا ہے اور اس کی داغ بیل بھی ڈالی ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام کی نثر اور اقبالؔ کی شاعری نے مسلمانوں کے ذہن کو اسی پختگی اور استحکام بخشا کہ مولانا محمد علی جوہر جیسے بیباک رہنما کو کہنا پڑا کہ ”میں نے لیڈری ابوالکلام کی نثر اور اقبالؔ کی شاعری سے سیکھی ہے“۔

علامہ اقبال نے اپنی ساری زندگی شاعری کی نذر کر دی لیکن شاعری کا ایک مقصد تھا۔ ان کی شاعری ایک مشن تھی۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے انسانیت کو ایک ہمہ گیر پیغام دینا چاہتے تھے۔ فکر و عمل کا ایک نظریہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ اقبال کا پیام قرآن کا پیغام تھا۔ مولانا آزاد نے اپنی تمام سیاسی مشغولیت کے باوجود سرسیّد کی خشک اور حالی کی سادہ نثر کو اپنے منفرد اسلوب سے پُرکشش و توانا بنایا۔ مولانا آزاد نے بھی اقبال کی طرح قرآن کو موضوعِ سخن بنایا۔ چنانچہ اگر اسمتھ کے نزدیک اقبالؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مذہب کو زندگی اور خدا کو عرش سے اُتار کر انسان کے دل میں بٹھا دیا۔ بقولِ مالک رام، مولانا آزاد کا کارنامہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو طاق سے اُٹھا کر روزمرّہ کے استعمال کی چیز بنا دیا۔ دونوں کا یہ کمالِ فن انھیں فوق البشر کا درجہ عطا کرتا ہے۔

علامہ اقبالؔ اور مولانا آزاد نے چمنِ اُردو کو عربی و فارسی کے استعاروں اور کنایوں سے آراستہ کیا لیکن اُردو کو فارسی اور عربی کی گرفت سے آزاد کیا اور اُردو کو ایک نیا شعور عطا کیا۔ لہٰذا آلِ احمد سرورؔ ”اُردو نثر میں مولانا آزاد کا اجتہاد“ میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار فرماتے ہیں:

”عرب کے سوزِ دروں اور عجم کے حُسنِ طبیعت دونوں کو اُردو میں سمولینا اور اُردو کو عربی اور فارسی کا غلام نہ ہونے دینا معمولی کام نہیں ہے ۔ مولانا آزاد کی نثر سے یہ کام ختم ہوگیا اور اقبالؔ کی نظم سے“۔ (جامعہ اپریل ۱۹۶۹ء)

ہر دو صاحب فن کے نزدیک قول کے مقابل عمل کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ لہٰذا ”بالِ جبریل“ کو ”پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر“ کہہ کر مجاہدِ عمل کے نام منسوب کرتے ہیں۔ مولانا اس میدان میں اقبال سے کسی قدر کمتر نظر نہیں آتے وہ ”ترجمان القرآن“ کا انتساب اس مردِ مومن کے نام کرتے ہیں جو لاہور سے پیدل چلتا ہوا، ہوٹلوں میں کام کرتا ہوا نا معلوم مدّت کے بعد مولانا کے پاس پہنچا تھا کہ قرآن کا مطالب سمجھ سکے جو وہ ”الہلال“ کے صفحات پر پڑھتا تھا لیکن مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔

دونوں کی ادبی زندگی کا آغاز ”بلقان اور طرابلس“ کی جنگ کے زمانے سے ہوا۔ ان کے قلم کا سپاہی وہی کام ہندوستان میں کر رہا تھا جو مجاہدینِ طرابلس و بلقان جنگ کے میدانوں میں کر رہے تھے۔ وہ پکارتے، للکارتے، ہنستوں کو رُلاتے لیکن سُلاتے نہیں تھے۔ ایک مرتبہ ظفر علی خاں نے کہا تھا کہ:

”جنگِ طرابلس کے زمانے میں اقبال کا کلام مسلمانانِ عالم پر عربوں کی رجز خوانی کا اثر رکھتا تھا۔ ہندوستان افلاس کی وجہ سے توپ اور تفنگ اور سامانِ حرب نہیں رکھتا لیکن اقبال کا کلام رکھتا ہے“۔

ادھر رشید احمد صدیقی راوی ہیں:

”بلقان اور طرابلس کی جنگوں کا نعرہ مولانا کی زبان و قلم سے نکل کر پہلی بار ہمارے کانوں میں گونجا اور دلوں میں اُتر گیا ان کی تحریر و تقریر کی بجلیاں اور زلزلے ہندوستان میں وہی کام کر رہے تھے جو مسلمان مجاہدین یورپ اور افریقہ کے میدانِ

کارزار میں اپنے لہو اور تلواروں سے انجام دے رہے تھے۔
.... طرابلس اور بلقان کے محاربے جہاں کہیں برپا ہوں گے
مولانا کی تحریر و تقاریر دعوتِ دار و رسن دیتی رہیں گی۔"
(معارف، دسمبر ۱۹۵۸ء، ص ۴۵۹)

دونوں کے مکاتیب بیدار ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان خطوط میں عالمانہ، فاضلانہ اور فلسفیانہ عناصر کی جھلکیاں نمایاں ہیں لیکن مولانا ابوالکلام کے خطوط نمایاں ادبی حیثیت کے حامل ہیں۔ اس لئے کہ غبارِ خاطر، کا اسلوب اردو میں نامعلوم مدت تک باقی رہے گا۔ جب مولانا "چڑے چڑیا کی کہانی" سناتے ہیں تو ایک فلسفی نظر آتے ہیں۔ مذہب کے متعلق بحث کرتے ہیں تو ایک نیا تخیل پیش کرتے ہیں۔ مولانا موسیقی پر تبصرہ تحریر کرتے ہیں تو قاری کے تخیل کی عینک پر ایک موسیقار کی تصویر جھلکتی ہے غرض بقولِ پروفیسر رشید احمد صدیقی:

"غبارِ خاطر" وجود میں نہ آتا تو مولانا کی شخصیت اور انشاپردازی کا ایک دلآویز پہلو ہماری نظروں سے اوجھل رہتا۔"

اقبال بھی مولانا کی طرح اپنی شخصیت کو کئی پردوں میں چھپائے رکھتے تھے، اس ضمن میں پروفیسر آل احمد سرور اپنے خیالات تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" یہ خطوط "مجنوں کی ڈائری" نہیں جو کسی لیلیٰ کے جواب میں لکھے گئے ہوں۔ یہ ایک شریف آدمی کے آڑے ترچھے نقوش ہیں جو اس نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لئے دوسرے شرفاء کو لکھے ہیں۔ اقبال کے کلام کی سب سے اچھی شرح ان کے خطوط ہیں اقبال ہر ایک کے سامنے بے نقاب نہیں ہوتے تھے۔"
(تنقید کیا ہے، ص ۱۱۶)

دونوں مزاجاً سخت گیر اور خلوت پسند تھے۔ مولانا نے اقبال کے شاہین کی طرح پہاڑوں کی چٹانوں پر اپنا جہاں بسایا تھا وہ اپنے عقیدتمندوں کو کھیت کی کھاد سمجھتے تھے۔ اقبال بھی مزاجاً "نسیم سحر" نہ تھے۔

ان دونوں شخصیتوں کے سیاسی افکار و خیالات میں بلا کا تضاد تھا۔ مولانا سیکولرزم کے معمار تھے اور گاندھی جی کے ہمقدم۔ ادھر اقبال اسلامیات کے شیدائی اور جناح کے ہمنشین۔ مولانا کہا کرتے تھے

"تم لوگ کیچڑ اور پانی کو دیکھ کر بارش کا یقین کرتے ہو، میں اس کو ہوا میں سونگھ کر جان لیتا ہوں۔"

اقبال کے حصے میں یہ خوبی نہیں آئی، چنانچہ بقول شورش کاشمیری:

" اقبال کو مسلمانوں کی بے پناہ عقیدت لے ڈوبی ہے اور مولانا آزاد کو مسلمانوں کی بے پناہ نفرت ۔۔۔!"

قطعہ

کہتے ہیں علمداں کہ یہ دنیا حباب ہے
اعمال ہر بشر کی مسلسل کتاب ہے
نیت کو صاف رکھیئے کہ نیت ہے آئینہ
دنیا اس آئینے کا مکمل جواب ہے

مرزا پارس ہنگولوی

تبصرہ

* رفیق جعفر
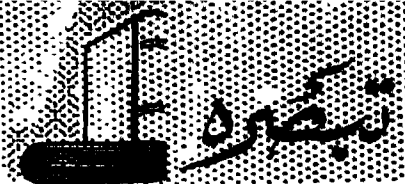
سایہ سایہ دھوپ

مصنف: اشفاق انجم

●●● اُردو زبان کی طرح اُردو غزل بھی بڑی سخت جان واقع ہوئی ہے۔ اس کو جتنا دبایا گیا اتنی ہی اُبھرتی گئی۔ اب ہم یہ کہنے کے موقف میں ہیں کہ آج کی غزل ہماری شاعری ہی نہیں بلکہ ہماری زبان کی نمائندگی کر رہی ہے۔ اس ظالم صنفِ سخن نے مخالفین سے بھی اپنا لوہا منوالیا ہے چنانچہ غزل کو وحشی صنفِ سخن کہنے والے اور اس کو صرف گالے کی شئے قرار دینے والے ہم نام نہاد قسم کے نظم گو شعراء بھی اس کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اِدھر چند ایک برسوں سے کچھ نوجوان شعراء نے غزل میں "نئے امکانات" تلاشنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور وہ اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔ اس فہرست میں ہم مالیگاؤں کے ایک نوجوان اشفاق انجم کا نام شامل کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ اس نوجوان کے پاس اتنی کم عمری میں ایسی "فنی پختگی" پائی جاتی ہے کہ دل داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انجم صاحب کہتے ہیں ؎

پیار کرنا کوئی مجھ سے تو سنورنا میں بھی
اتنا رسوا نہ کرو آئینہ دکھا کو مجھ کو

*

آنکھوں کو پھوڑ لیں گے وہ خود اپنے ہاتھ سے
یارو پرانے لوگ جو زندہ کئے گئے

*

مرے وجود نے کیا کیا لباس بدلے ہیں
کہیں چراغ، کہیں راستے کا پتھر ہوں!

مندرجہ بالا اشعار شاعر کی زمانہ شناسی کی غمازی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ایک مخصوص لہجہ کی نشاندہی بھی — یہ لہجہ نیا نیا یا نو نہیں مانوس ضرور لگتا ہے۔ دل میں یہ اُمنگ پیدا ہوتی ہے کہ ایسے لہجہ والا شاعر ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔ اِسے سُنا جا سکتا ہے پڑھا جا سکتا ہے۔

"سایہ سایہ دھوپ" انجم صاحب کا غالباً پہلا مجموعہ ہے، ہو سکتا ہے کہ کچھ ناقدانِ ادب اس مجموعہ کو جلد بازی کا "نتیجہ" قرار دیں لیکن اس میں شامل مواد قدر و منزلت کا حامل ہے۔ چونکنے کی بات تو یہ ہے کہ انجم صاحب کی شاعری پر اپنے ہم عصروں کی چھاپ نہیں ہے جب کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ بقول بشر نواز صاحب "گذشتہ دہے میں اُردو کے بہت سارے نوجوان لکھنے والے فنکاری کے منصب سے اُتر کر محض کرتب بازی پر قانع ہو گئے"۔ میرے خیال سے یہ ان نوجوانوں کی ہی بدنصیبی نہیں بلکہ ایک طویل عرصے تک تخلیق کئے جانے والے ادب کی بھی بدنصیبی ہے۔

انجم صاحب جیسے ہنرمند نوجوان غزل گو شعراء انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جو غزل کی اعلیٰ روایتوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے بڑی چابکدستی سے غزل کی نئی روایت کی عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔ اور ان کے پاس سیاسی اور سماجی شعور ساتھ ساتھ چلتا ہے اور یہ کسی بھی زبان کے ادب کی مقبولیت کے لئے لازمی ہے۔ انجم صاحب کے چند شعر ملاحظہ فرمایئے اور داد دیجئے ؎

اپنی پہچان کے اوصاف مقرر کر لو
یہ صدی روز ہی تم کو نئی صورت دے گی

*

اختیارات یوں لوگوں میں ہوئے ہیں تقسیم
جیسے نابینا کے ہاتھوں میں "دیا" دے کوئی

*

آدمی اپنی طبیعت ہی سے کھاتا ہے شکست
ورنہ آنکھیں تو سبھی کی ہیں ترازو جیسی

*

زمانہ سر پہ ہمارے بھی تاج رکھ دیتا
جو بہہ نکلتے ہوا کے بہاؤ پر ہم لوگ

*

خود جو زخمی ہیں وہ کیا تم کو دلا دیں گے
اپنی روداد نہ لوگوں کو سناؤ یارو

*

عجیب ڈھنگ سے چہرے بدل گئے سب کے
کہ اپنا چہرہ بھی اب اجنبی سا لگتا ہے

انجم صاحب کی شاعری ہوائی یا خیالی نہیں، حقیقی اور زندگی سے قریب والی شاعری ہے۔ اچھے خیالات اور سچے جذبات والی شاعری ہے — ساری

کتاب میں یہ احساس کہیں نہیں ہوتا کہ یہ شاعر پتہ نہیں کس دنیا کی بات کر رہا ہے جبکہ یہ آج کے اکثر شاعروں کا وطیرہ ہے۔ بہر حال انجم صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان سے اُردو غزل کو کافی امیدیں وابستہ ہو گئی ہیں۔ ان کی سلاست روی اور بہتر سوجھ بوجھ انھیں آگے اور آگے لے جاسکتی ہے۔

"سایہ سایہ دھوپ" ایک ایسا مجموعۂ کلام ہے جس کا مطالعہ نئی شاعری کے شیدائیوں کے لئے ضروری ہے۔ طباعت بُری نہیں ہے۔ کتابت گوارا ہے سرورق عمدہ ہے۔ کاغذ بھی اچھا ہے اور قیمت مناسب ہے صرف دس روپے۔ یہ کتاب مکتبۂ جامعہ کی تینوں شاخوں سے خریدی جاسکتی ہے اور چونکہ شاعر خود ناشر بھی ہے، اس لئے یہ راست شاعر سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ شاعر+ ناشر کا پتہ ہے:

اشفاق انجم ۔ ۴۹۷، نیا پورہ ۔ مالیگاؤں (ضلع ناشک)

صفحہ ۱۷ سے آگے

رفتارِ کام: ٹونلاڈدہ بند پانی کے زائد اخراج کے لئے بند کا نسبی حصہ سیمنٹ کنکریٹ سے اور این۔ او۔ الف حصہ اینٹ پتھر سے تعمیر کئے جانے کی تجویز ہے۔ اب تک ۵۰ فیصد کام مکمل ہو چکا ہے۔ دونوں کناروں پر کھائیاں ہیں جنھیں مٹی ڈال کر بند کیا جائے گا۔ یہ کام بھی سُرعت سے جاری ہے۔ زمین دوز پاور ہاؤس کی تعمیر کے لئے کھدائی کا کام تیزی سے ہو رہا ہے۔ اسٹیل لائن ڈالی جاچکی ہے۔ اب تک تقریباً ۳۵۰ میٹر کھدائی کا کام ہو چکا ہے۔ لیکن اس کام میں ابھی چند رکاوٹیں درپیش ہیں، مثلاً سیمنٹ اور بارود کی شدید قلت ہے۔ اس کے باوجود حتی الامکان یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مذکورہ پروجیکٹ مارچ ۱۹۸۲ء تک مکمل ہو جائے۔

اس کام کے لئے ضروری مشینیں مثلاً جنریٹرس، ٹرانسفارمرس وغیرہ بھارت ہیوی الیکٹریکلس لمیٹیڈ، بھوپال میں تیار کی گئی ہیں۔

ٹونلاڈدہ ذخیرۂ آب کے تحت علاقہ ۸۰۰۰ ہیکٹر پر مشتمل ہے۔ یہ سارا علاقہ تقریباً جنگلاتی ہے جہاں صرف ۷ دیہات اور ۹۰۰ نفوس پر مشتمل آبادی پائی جاتی ہے۔

کامٹی۔ کھیری کے مقام پر اوپر اُٹھنے والا بند مع ۱۶ دروازوں کے اور داہنی کنارے پر ۴۸ کلو میٹر نہر کا کام جون ۱۹۷۷ء میں مکمل ہو چکا ہے۔ اسی نہر کے ذریعہ ۱۹۷۵ء سے کوراڈی تھرمل پاور اسٹیشن کو آب رسانی جاری کردی گئی ہے۔ داہنی نہر کو باٹنے کا کام بھی تیزی سے چل رہا ہے اور ۱۹۸۱ء تک مکمل ہونے کی توقع ہے۔ اس کے علاوہ دونوں نہروں کے تحت کمانڈ ایریا میں تقسیم کاری کام شروع ہو چکا ہے۔ اسی طرح ۲۰،۷ ہزار ہیکٹر قطعۂ زمین کی حصولیابی اور ۱۳ دیہات میں بازآبادکاری کا کام بھی مکمل ہو چکا ہے۔

مختلف مقاصد پر مبنی اس پروجیکٹ کی تکمیل دراصل قوم کی ترقی کیلئے ایک سنگِ میل ثابت ہوگی۔ آج اس پروجیکٹ کے سلسلہ میں درپیش مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ماہرین اور دیگر افراد جس مستعدی سے دن رات محنت کر رہے ہیں اس کا نتیجہ یقیناً خاطر خواہ نکلے گا۔ ••

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس نیا دلئے خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر قومی راج، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۔ ۴۰۰۰۳۲

ساغر نظامی

351 - D II پنڈارہ روڈ، نئی دہلی

سبو و جام پہ کیا اور پیمانے پہ کیا گذری!
نہ تھا میکش تو ساقی تیرے میخانے پہ کیا گذری

بگو لو تم پہ روشن ہیں رموزِ خاک ویرانہ
کہ جب مجنوں نے دم توڑا تو ویرانے پہ کیا گذری

دِوانہ مرگیا طوق و سلاسل اب تو کچھ بولو
کہ زنداں سے رہائی پاکے دیوانے پہ کیا گذری

خدارا کوئی تو کھینچو اُجڑتی بزم کا نقشہ
بجھی جب شمع محفل میں تو پروانے پہ کیا گذری

تجھے تو ہوش ہے ساقی کہ جب میکش نے دم توڑا
تو بیتی جام پر کیا اور پیمانے پہ کیا گذری

نہیں ہے وہ تو اے شیخ و برہمن تُم ہی بتلاؤ
حرم کے دل پہ کیا بیتی، صنم خانے پہ کیا گذری

کہو کچھ میکشو رازِ آشنائے کیف و کم تم ہو
کہ ساغر کے نہ ہوتے اُس کے میخانے پہ کیا گذری

ڈاکٹر ساغر اعظمی

فیض آباد روڈ، بارہ بنکی (یو۔پی)

میرے لئے بھی وہ پُر اضطراب نکلے گا
میں پتھروں کو نچوڑوں گا، آب نکلے گا

نہ کوئی لہر، نہ کوئی حباب نکلے گا
ندی میں آب نہیں، عکسِ آب نکلے گا

تم اس کو دُور سے دریا سمجھ کے خوش ہو لو
اگر قریب گئے تو سراب نکلے گا

کرے نہ بند کوئی میرے گھر کے دروازے
اِدھر سے آج وہ خانہ خراب نکلے گا

وہی مہک ہے، وہی رنگ ہے، وہی نرمی
کسے خبر تھی یہ چہرہ گلاب نکلے گا

وہ دل کی بات ہو یا میری جان کی قیمت
چکاؤں گا میں، ترا جو حساب نکلے گا

ابھی سمجھ نہ سکو گے تم اپنے ساغر کو
وہ قتل گاہ سے بھی کامیاب نکلے گا

• حرمت الاکرام
رام باغ۔ مرزاپور (یوپی)

افسانہ بہ اندازِ دِگر

روشنی پھوٹی کہ ہوتا ہے سفر کا آغاز
ذوقِ درماندہ کو لیلائیں حسیں راہو ںکی

اپنی دلدار اداؤں کی قسم دیتی ہیں
(اپنی دیرینہ وفاؤں کی قسم دیتی ہیں)

وسعتیں بڑھنے لگیں نور فشاں باہوں کی
ساعتیں چونک اُٹھیں پھر نئی کروٹ لیکر

نکہتِ گُل سی بکھرتی ہے جرس کی آواز
جاگتے قدموں کی عہد آفریں آہٹ لے کر

کھُلتی ہے صورتِ آغوش فضائے پرواز
زندگی اور ہوئی شعلہ نظر، عشوہ طراز!

اونگھتی شمعوں سے وقتِ گزراں کی رفتار
ایک افسانہ بہ اندازِ دِگر کہتی ہے

پردۂ جاں میں چھپی کوئی نگاہِ بیدار
ایک افسانہ بعنوانِ سحر کہتی ہے

روشنی پھوٹی کہ ہوتا ہے سفر کا آغاز
زندگی اور ہوئی شعلہ نظر، عشوہ طراز!

• حضور سہسوانی
راز منزل، سہسوان (بدایوں۔ یو۔پی)

قطعات

★

عالمِ انتظار میں اے دوست
جب بھی نامہ ترا نہیں آتا
چاہتا تو بہت ہوں لیکن دل
ایک لمحہ سکوں نہیں پاتا

★

طے کیا ہے یہ بارہا میں نے
خط کسی کو نہیں لکھوں گا اب
لیکن آیا ہے جب بھی اس کا خیال
خود پہ قابو نہ رکھ سکا ہوں تب

★

گُل کو ہنستے دیکھنے والا
ہنسنے پر مجبور ہوا ہے
لیکن شبنم کے رونے پر
دل کس کا رنجور ہوا ہے

★

اپنے اپنے نصیب کی ہے بات
پائے کوئی خوشی تو کوئی غم
گُل ہمیشہ ہی ہنستے رہتے ہیں
رویا کرتی ہے رات بھر شبنم

★

کس لئے ہیں وہ مجھ سے برگشتہ
کچھ بُری چیز رسم و راہ نہیں
کیوں گنہ گار مجھ کو ٹھہرایا!
پیار کرنا کوئی گناہ نہیں

★

• اقبال گرامی
کھنڈوہ (ایم۔پی)

کہئے جوابِ حسن و وفا ہم ہوئے کہ تم
شانِ چمن پہ ہنس کے فدا ہم ہوئے کہ تم

ہر چند کہ سفینہ بچاتے رہے مگر
آخر شکارِ موجِ بلا ہم ہوئے کہ تم

پھولوں سے پوچھتی ہے یہ کانٹوں کی بیکسی
احسان مندِ بادِ صبا ہم ہوئے کہ تم

تم بھی رواں دواں تھے ہم بھی رواں دواں!
اس رہ گذر میں آبلہ پا ہم ہوئے کہ تم

کچھ لوگ پوچھتے ہیں بڑے اعتبار سے
اقبال زندگی کی ادا ہم ہوئے کہ تم
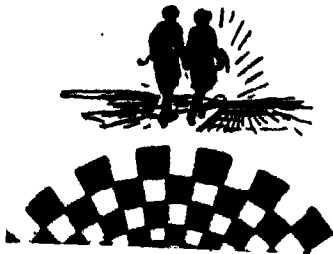
اساتذہ بہبود فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیجئے
وزیر تعلیم کا یوم اساتذہ کے موقع پر پیغام

اساتذہ کے لئے اپنے دل میں چھپی ہوئی عزت کو عیاں کرنے کے لئے دل کھول کر اساتذہ بہبود فنڈ میں چندہ دیں۔ اس بات کا اظہار شری سدانند ورد سے وزیر تعلیم نے آکاش وانی بمبئی کے اپنے نشریہ میں ۳ ستمبر کو کیا۔ یوم اساتذہ کے موقع پر ان کے پیغام کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

ہر سال ۵ ستمبر کے روز ہم یوم اساتذہ مناتے ہیں، یہ دن ہمارے سابق صدر ہند شری رادھا کرشنن کا جنم دن ہے، اساتذہ کی عزت کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور پھر اشادوں کی قدر کرنا ہماری قدیم تہذیب کا ایک جزو خاص ہے چاہے تعلیم کے معاملے میں لوگوں میں اختلاف رائے ہو لیکن اساتذہ کے مقام کے لئے کبھی کوئی اختلاف رائے نہیں ہوئی ہے یہ تعلیم ابتدائی ہو ثانوی ہو یا اعلیٰ تعلیم ہو اساتذہ کا مقام ہر جگہ اونچا اور قابل تعظیم ہے چاہے تعلیم کسی بھی زبان میں ہو اور کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتی ہو اساتذہ کا کام نہ صرف طلبہ میں تعلیم کی امنگ پیدا کرنا ہے بلکہ ان کے اندر چھپے ہوئے اوصاف کو بھی ابھارنا ہے۔ اور یہ کام بہت ہی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ کل کے شہریوں کے رجحانات اور اوصاف کی داغ بیل کی ذمہ داری اساتذہ پر ہی پڑتی ہے اچھے شہری بنانا انہیں کا کام ہے۔ وہ نہ صرف اپنے شاگردوں کو اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے ہیں بلکہ ان کے مسایل کو حل کرنے میں بھی معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان کی قدر کرنا اور انہیں عزت دینا ہر شہری کا فرض ہے لیکن محض عزت دینے سے ہی ہمارا کام ختم نہیں ہو جاتا ہے ہمیں ان کی بہتری کے لئے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں سرکار نے کئی اقدام کئے ہیں لیکن پھر بھی عوام کا تعاون درکار ہے۔ اساتذہ کے معاشی حالات میں سدھار لانے کے لئے اساتذہ بہبود فنڈ قائم کیا گیا ہے میں تمام شہریوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ دل کھول کر چندہ دیں اور اساتذہ کے لئے اپنے دلوں میں چھپی عزت کو عیاں کریں۔ اس فنڈ میں پچھلے ۱۱ سالوں میں ۹۰ لاکھ روپے جمع کئے جا چکے ہیں جن سے ہر سال اساتذہ کو امداد دی جاتی ہے اس لئے اس فنڈ میں زیادہ سے زیادہ عطیہ دے کر اس کام کو اور آگے بڑھائیں۔

سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے بھیونڈی کا عطیہ

لائن کے چیرمین شری کے ایس کپور کی سربراہی میں بھیونڈی کے لائنس کلب کے ممبران نے ہولی ہندی کانوینٹ ہائی اسکول اور چاچا نہرو ہندی ہائی اسکول کی مدد سے موردی اور وودربھ کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے ایک سیلاب راحت فنڈ مہم ۵ ستمبر کو چلائی۔ بھیونڈی کے افراد نے ۱۵۰۰۰ روپے کا نقد اور ۵۰۰۰ روپے کی مالیت کے کپڑے مذکورہ علاقوں کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے دیئے۔

بنکوں کے ذریعے سیلاب سے متاثرہ افراد کو قرضہ جات

فراہم کئے گئے بنکوں کے ذریعے وودربھ کے علاقے میں سیلاب سے متاثرہ چھوٹے کسانوں اور چھوٹے دکانداروں کو ۱۰ فیصد قرضہ جات دیئے جائیں گے اس بات کی اطلاع سٹیٹ لیول ریلیف کمیٹی کی ایک بیٹھک میں جو کہ ۳ ستمبر کو منعقد ہوئی بنکوں کے نمایندوں نے دی۔

بنک کے نمایندوں کا ایک وفد سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرے گا اور اس سے ہونے والے نقصانات کا اندازہ لگائیگا وزیر اعلیٰ کے راحت فنڈ میں امداد باہمی بنکوں کے نمایندوں نے ایک کروڑ روپے کا عطیہ دینے کا یقین دلایا ہے۔

کمزور طبقات کے قرضوں میں ہم آہنگی
یوم آزادی سے ایکٹ کا نفاذ

حکومت مہاراشٹر نے ضمنی کاشتکاروں، چھوٹے کاشتکاروں، دیہی ضلعوں دیہی مزدوروں اور ورکروں کے قرضوں میں ہم آہنگی لانے کی غرض سے مہاراشٹر ڈیٹ ریلیف ایکٹ بابت ۱۹۷۵ء میں ترمیم کر دی ہے۔

ترمیم شدہ ایکٹ کے تحت قرض کا مطلب ہے کوئی بھی دین داری نقد یا جنس کی شکل میں جو ایکٹ کے نفاذ کے وقت قرض دار پر واجب الادا تھی۔ جن لوگوں کا قرض مہاراشٹر (وودربھ ریجن) ایگریکلچرل ڈیٹبرز ریلیف ایکٹ بابت ۱۹۶۹ء حیدر آباد ایگریکلچرل ڈیٹبرز ریلیف ایکٹ بابت ۱۹۵۶ء یا کسی اور قانون کے تحت ہم آہنگ کر دیا گیا ہے وہ اس ترمیم شدہ ایکٹ کے تحت مزید ہم آہنگی کے مستحق نہ ہوں گے۔
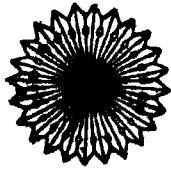
پولیس ریکری ایشن ہال، شیواجی نگر میں خواتین ہوم گارڈس کی جانب سے رکھشا بندھن کی تقریب منائی گئی۔ اس تصویر میں وزیر مملکت برائے امورِ داخلہ شری بھائی وبدیہ کو ایک خاتون ہوم گارڈ راکھی باندھ رہی ہیں۔

تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی امداد

حکومت مہاراشٹر نے ایس ایس سی پاس اور گریجویٹس امیدواروں کو جن کے نام ایمپلائمنٹ ایکس چینج اور سوشیل ویلفیئر دفاتر دں میں بالترتیب ۳ اور ۵ سال سے رجسٹر ہیں اور جنہیں ابھی تک روزگار نہیں ملا ہے انہیں جز وقتی ملازمت دینے یا مالی امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے ایسے امیدوار جو کہ مالی امداد کے خواہاں ہیں انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے قریبی ایمپلائمنٹ ایکس چینج یا سوشیل ویلفیئر دفتر سے اپنے رجسٹریشن کارڈ کے ہمراہ رابطہ قائم کریں۔

قومیائے گئے بنکوں کی جانب سے تعلیم یافتہ صنّاعوں کی امداد

مہاراشٹر کے قومیائے گئے بنکوں نے مہاراشٹر تخمینی امدادی رقم اسکیم کے تحت تعلیم یافتہ بے روزگار صناعوں کو ان کی صنعتیں جاری کرنے کے لیے تاپسے کمیٹی کی رپورٹ کے تحت ۲۵۰۰۰ روپے تک کے قرضہ جات کی منظوری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہٰذا بنک پوری طور پر برانچ منیجروں کو مذکورہ حدود تک قرضہ جات دینے کے لئے احکامات صادر کر دیں گے۔

اس بات کا فیصلہ ۳۰، اگست کو منترالیہ میں ریاستی سطحی کمیٹی کی خصوصی روزگار ترقی پروگرام کی ایک بیٹھک میں کیا گیا۔ اس موقع پر وزیر محنت شری نہال احمد نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

شری نہال احمد نے بنک کے نمایندوں پر زور دیا کہ وہ ۹۲۷۶ زیر غور واقعات کو نمٹائیں۔ بنک کے نمایندوں نے اس بات کی یقین دہانی کی۔

انجمن بقائے اردو بمبئی کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں نادار و مستحق طلبہ و طالبات کو بلاتفریق مذہب و ملت مفت کاپیاں تقسیم کی گئیں۔ زیر نظر تصویر میں بائیں سے دائیں: جناب سید محمد علی (صدر انجمن بقائے اردو)، شری پرشرام رائیکر، مراٹھی صحافی (صدر جلسہ)، تقریر کرتے ہوئے مہمان خصوصی شری دتارام بارسکر (ایڈیٹر نوا کال، بمبئی) جناب شیخ عبدالرحیم (جنرل سکریٹری) اور سید علی اکبر (جوائنٹ سکریٹری)۔

خبریں - تصویروں میں

۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کو 'یوم اساتذہ' کے موقع پر راج بھون بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب میں سرکار کی طرف سے اساتذہ کو اعزازی انعامات دیئے گئے۔ زیر نظر تصویر میں گورنر مہاراشٹر شری صادق علی انعام دے رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۲۹ اگست ۱۹۷۹ء کو منترالیہ میں منعقد کی گئی ایک تقریب میں "اوس ملا" نامی رسالہ کے خصوصی شمارہ کا اجراء کیا۔ آپ کے ہمراہ مذکورہ رسالہ کے چیف ایڈیٹر شری وسنت راؤ کانے بھی دیکھے جا سکتے ہیں ــــ
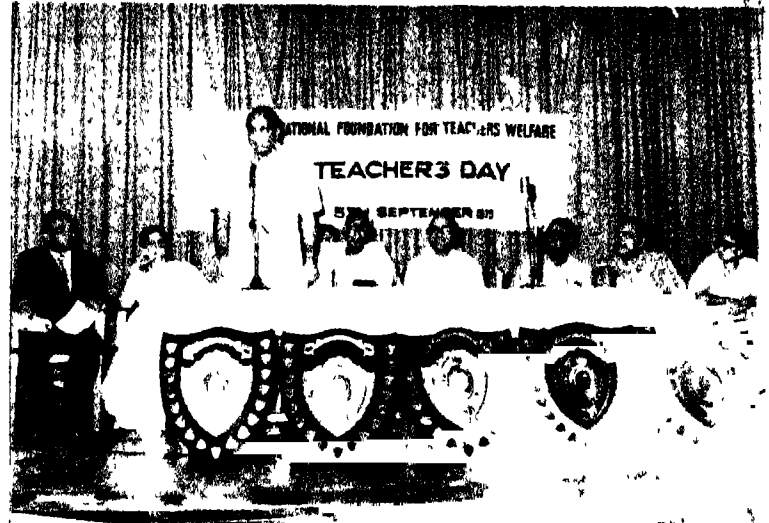
۵ ستمبر ۱۹۷۹ء کے "یوم اساتذہ" کے موقع پر بمبئی میں "نیشنل فاؤنڈیشن فار ٹیچرس ویلفیر" مہم کا آغاز کیا گیا۔ اس موقع پر وزیر اعلیٰ شری شرد پوار حاضرین جلسہ سے خطاب فرما رہے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں میئر شری چھوکر، وزیر تعلیم شری شدانند وردے، شری رجنی پٹیل اور شریف آف بمبئی شری رام نترہ بھی نظر آرہے ہیں۔
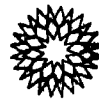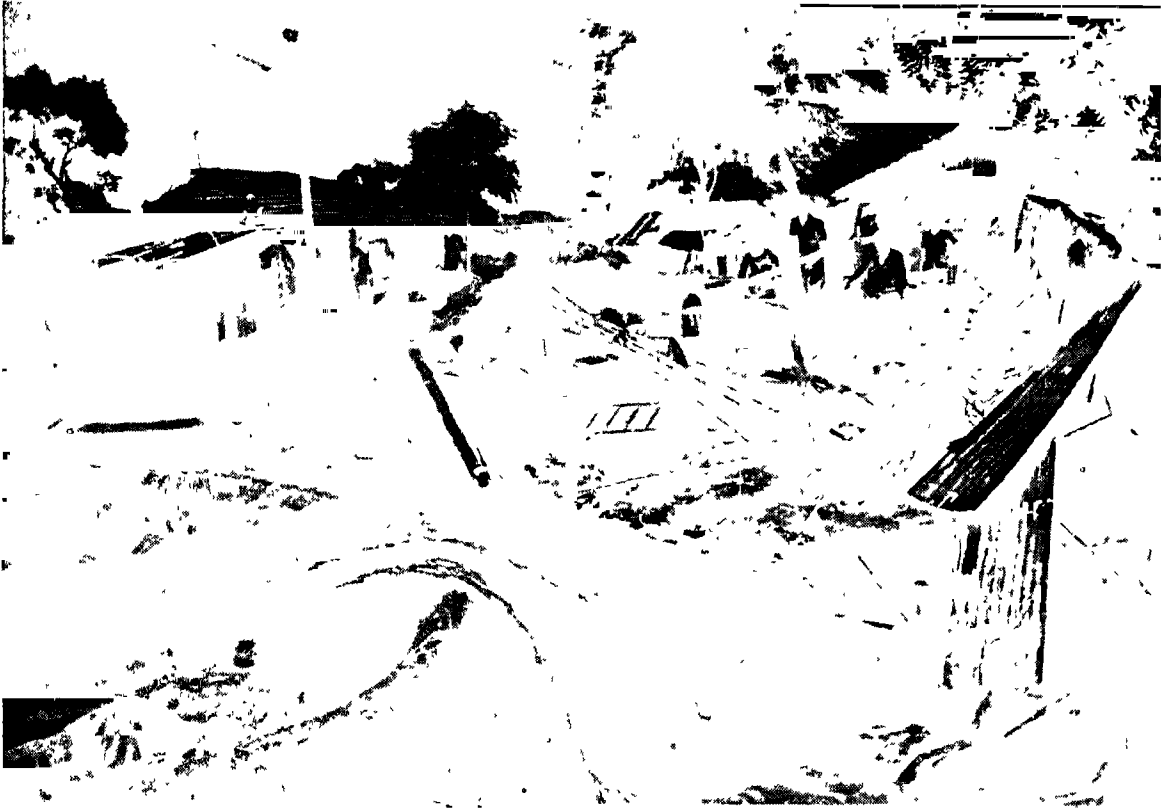
ودربھ میں حالیہ سیلاب کی وجہ سے ۸۴،۲۳۲ ہیکٹر اراضی اور ۳ء۲۴۲ کروڑ روپے مالیت کی فصلیں اور ۳۹،۰۰۰ مکانات اور جھونپڑے متاثر ہوئے، ۴۴ جانیں ضائع ہوئیں اور ۲،۲۶۷ مویشی تباہ ہوئے۔ تصویر میں (اوپر) ناگپور ضلع میں بوٹی بوری گاؤں میں تباہ شدہ مکانات (نیچے) شری شرد پوار، وزیر اعلیٰ، ہیلی کوپٹر کے ذریعے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔
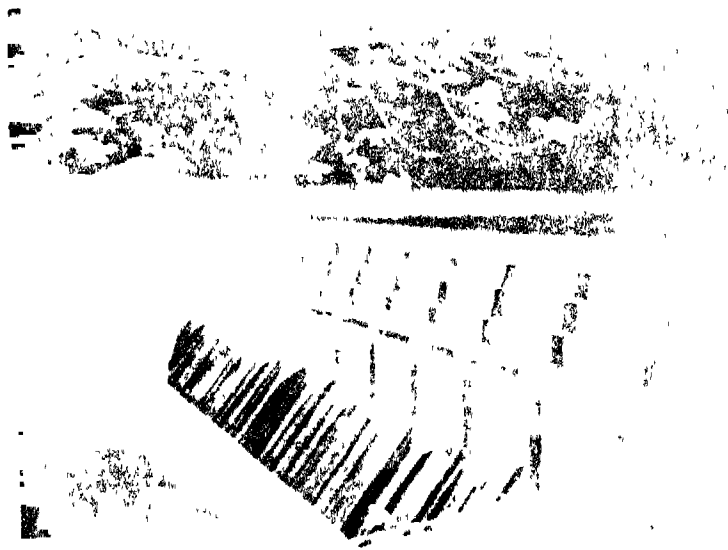
مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش میں الرپاسنی پنچ ہائیڈرو- پاور پروجیکٹ کے تحت
۸۰ میگاواٹ کے دو پاور جنریشن یونٹ لگائے جائیں گے۔ مذکورہ پروجیکٹ کے
فوائد اور اخراجات میں مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش ریاستوں کے درمیان ۱ : ۲ کے
تناسب سے حصہ داری ہوگی (اُدر پنچ (کامٹی - کھری) پروجیکٹ کا خارجی راستہ
اور نیچا ٹوٹلا دھو کے مقام پر پروجیکٹ میں شامل زیرِ تعمیر سُرنگ کا بیرونی رُخ -

قومی راج

۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء
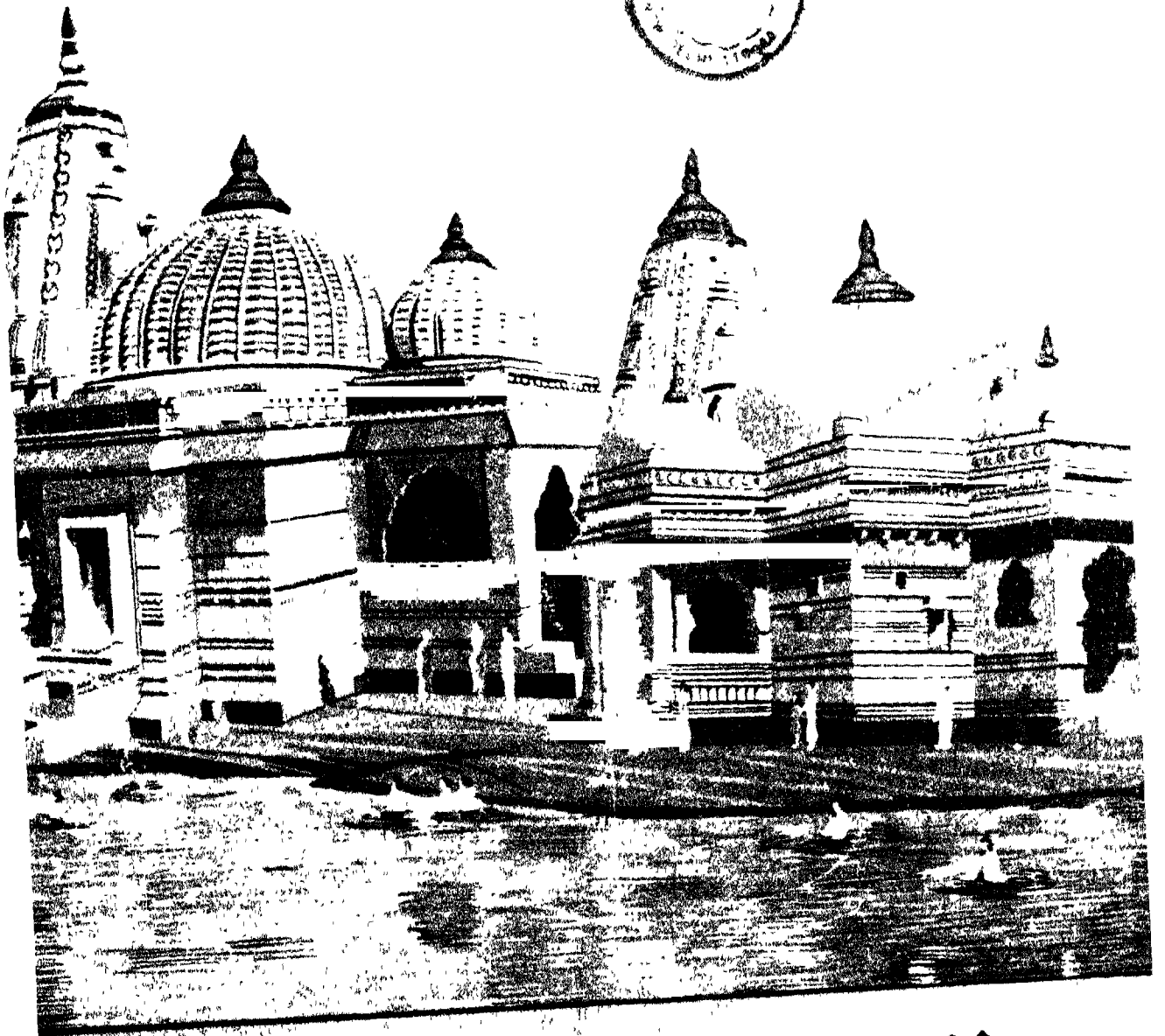
۳۰ اگست کو بمبئی میں منعقدہ ایک تقریب کے دوران وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، موروی کے سیلاب زدگان کی باز آبادکاری کے لئے ۵ لاکھ روپے کا چیک، گجرات کے وزیر اعلیٰ شری بابو بھائی پٹیل کو پیش کر رہے ہیں۔

▲ وزیر صنعت، شری سندر راؤ سولنکے کے ہاتھوں اس سال مہاراشٹر چیمبر آف کامرس انٹرپرینیر ۱۹۷۸ء کے ایم۔ ایل انٹرپرینیر انعامات تقسیم کئے گئے۔ زیر نظر تصویر میں شری دی۔ بی بھٹ کو بہترین صنعت کاری پر انعام حاصل کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

حال ہی میں لیجسلیٹو کونسل کے چیرمین شری آر۔ ایس گوائی نے بوٹی، بوری اور ہنگنا کے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔ بائیں طرف کی تصویر میں گورنر مہاراشٹر شری صادق علی دیکھے جا سکتے ہیں جنھوں نے ناگپور ضلع کے ساونگی مقام پر سیلاب سے متاثرہ اشخاص کے لئے قائم کردہ ایک راحت کیمپ کا معائنہ کیا۔

قومی راج

جلد ۶ ٭ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء ٭ شمارہ ۱۸

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

زر سالانہ: دس روپے فی کاپی: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

صفحہ

★

سخنہائے گفتنی

ہندوستان کو مختلف تہذیبوں کا گہوارہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں پر بڑے بڑے میلے لگتے ہیں، عرس ہوتے ہیں اور ہر مذہب کے ماننے والے اپنے اپنے تہوار کے دن ہندوستان کی اس رنگارنگ تہذیب کو نئے رنگوں سے آراستہ کرتے ہیں۔
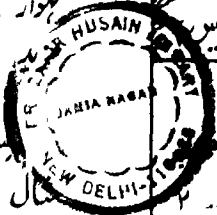
سن ہستھ کمبھ میلہ اسی تہذیب کی ایک قدیمی مثال ہے جو ملک کے چار مقدس مقامات پر ہر بارہ سال میں ایک مرتبہ منایا جاتا ہے۔ امسال یہ سن ہستھ کمبھ میلہ مہاراشٹر میں ناشک اور ترمبکیشور میں منایا جا رہا ہے۔ جہاں لاکھوں سادھوؤں، یاتریوں اور عقیدتمندوں نے شرکت کی۔ یہ سن ہستھ کمبھ میلہ ۲۹ راگست سے ناشک میں اور ۲۵ راگست سے ترمبکیشور میں شروع ہوا ہے اور پورے ایک سال تک جاری رہے گا۔ قومی راج کا یہ شمارہ "سن ہستھ کمبھ میلہ" کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرسکے گا۔

ملک میں ۲ راکتوبر کو گاندھی جی کا یوم پیدائش منایا جاتا ہے، قومی راج کے اس شمارے میں گاندھی جی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے دو نظمیں اور ایک مقالہ شائع کیا جارہا ہے۔ ساتھ ہی ادبی حصّہ میں دو اہم معلوماتی مضامین بھی ہیں۔

سن ہستھ کمبھ میلہ کے بارے میں قارئین اگر کچھ اور بھی معلومات حاصل کرنا چاہیں تو خط لکھ کر حاصل کرسکتے ہیں جس کے لئے جوابی خط یا لفافہ بھیجنے سے احتراز کیجئے۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

خ ع غ

٭ محمد غلام رسول اشرف
تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ۔ ناگپور ۱۸

'قومی راج' پابندی سے مل رہا ہے۔ ادبی مواد جاندار اور معیاری ہے۔ ریاستی اور علاقائی خبریں کافی معلوماتی ہیں۔

• ادریس خانم افروز۔ معرفت 'راج' دیکلی۔ کامٹی (ناگپور)
ہر شمارہ گوناگوں خوبیوں کا حامل ہوتا ہے لیکن ماہ فروری کا شمارہ انتہائی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کتابت و طباعت تو حد تعریف کے لئے جگہ ہی نہیں رکھتے۔ مضامین میں خصوصاً مہاراشٹر کے مراٹھی ادیبوں، شعراء، ڈرامہ نویسوں کے جو اردو میں ترجمات قومی راج پیش کر رہا ہے۔ اردو ادب کے لئے اضافی [illegible] ہے جسے ادب کبھی بھی فراموش نہ کر پائے گا۔

• شوق ماہری
موگھٹ روڈ، کھنڈوہ (ایم۔پی)
کوئی شک و شبہ نہیں کہ "قومی راج" روز بروز نکھرتا اور سنورتا جا رہا ہے اگر یہی ترقی کی رفتار رہے تو مستقبل انتہائی روشن اور تابناک ہے۔ مہاراشٹر کے متعلق بڑی وافر معلومات ہو رہی ہیں۔ مہاراشٹر کی ترقیوں پر رشک سا ہونے لگا ہے
جگن ناتھ آزاد اور سردار عرفان صاحب کے مضامین خاصے دلچسپ اور معلومات آفریں ہیں۔ مبارکباد قبول فرمایئے۔

● عارف الدین قاضی - اندرا نگر۔ اندھیری (ویسٹ) بمبئی
'قومی راج' کا جنگلی جانور نمبر دیکھا۔ بہت محنت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ خاص طور پر درمیانی صفحات میں مختلف ممالک کے اہم پرندوں کی جو تصاویر اکٹھا کی گئی ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔
مضامین والا حصہ بھی خوب ہے۔ چمپانزی کی خصوصیات، شیر ببر، بچھو، سانپ اور خاص طور پر کیچوے کے متعلق جو مضمون ہے، تحقیقی اور معلوماتی ہے۔ پرندوں سے متعلق معلومات بھی کافی اہم ہیں۔ غرضیکہ جنگلی جانور نمبر ہم لوگوں کے لئے ایک رنگا رنگ تحفہ سے کم نہیں ہے۔ امید ہے کہ 'قومی راج' کے آئندہ خصوصی شمارے بھی توقع سے بڑھ کر ثابت ہوں گے۔

• طرفہ قریشی - معرفت بنکر اسٹورس، نزد لال اسکول، مومن پورہ، ناگپور ۱۸
'قومی راج' ۱۰ر فروری ۱۹۷۹ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ حسب سابق اسے مفید اور خوبصورت پایا۔ یوم جمہوریہ پر محترم صادق علی صاحب گورنر مہاراشٹر اور وزیر اعلیٰ محترم شرد پوار صاحب نے باشندگان مہاراشٹر کو جو پیغام اور ہدایات فرمائی ہیں ان پر عمل کرنے سے ہی ہم ہندوستانیوں کی فلاح ہے۔ حکومت مہاراشٹر کے تعمیری پروگرام قابل ہزار ستائش ہیں۔ سر ورق کی دیدہ زیبی اور اندرونی تصاویر بھی بڑی جاذبیت رکھتی ہیں۔ تبصرے کے باب میں "نگاہِ شہر در" پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ انتہائی مبالغہ آمیز ہے۔ اس کے مصنف کی عمر کا تعین اور فریضۂ حج کی ۱۹ بار ادائیگی نیز مریدی و جانشینی کا ذکر بھی غلو کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ یہ بھی کہنا کہ شاعر نے "فنِ شعر گوئی کے لوازمات کا پورا خیال رکھا ہے۔" عجیب سی بات ہے کہ تعریف میں اور نمونے کے طور پر جو شعر پیش کیا گیا ہے وہ خود ہی عیب دار ہے اور جب نمونے کا شعر عیب دار ہے تو پوری کتاب میں کیا کچھ نہیں ہوگا۔
جشنِ جمہوریت پر ڈاکٹر نایاب لکھنوی کی نظم اور غزلوں میں سبھی غزلیں اچھی ہیں۔ بالخصوص حضرت تدبیر بنارسی کی غزل مسائل کا بہترین نمونہ ہے۔ تدبیر صاحب کے مندرجہ ذیل شعروں نے زیادہ متاثر کیا ؎

سر تو میں بھی تجھے دوں گا مگر اس شرط کے ساتھ
میرے ابرو میں جو خم ہے وہی خنجر میں رہے

پتھروں کی تو ہوئی مجھ پہ بھی بارش لیکن
وہ مرے سر پہ لگے جو مری ٹھوکر میں رہے

● محمد یعقوب الرحمٰن - ۴۔ محبوب بلاک تندرے نگر۔ ایوت محل
'قومی راج' دیکھنے کے بعد پتہ چلا کہ اکثر حضرات پرچے میں تخلیقی و تحقیقی مضامین دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔ ان حضرات کی خدمات میں مودبانہ درخواست ہے کہ اس خرابے میں کم از کم ایک پرچے کو تو بچائے رکھیں۔ صرف ہندوستان سے ہی کئی ایسے رسائل نکلتے ہیں جس میں افسانے، غزلیں اور مقالے پڑھے اور چھپوائے جا سکتے ہیں۔ میری نظر میں مقالوں، افسانوں اور منظومات کا موجودہ تناسب نہ صرف درست بلکہ قابل تعریف ہے۔ آپ ایک اہم ذمہ داری نبھائے جا رہے ہیں ورنہ ہم اردو والے اس نعمت سے محروم رہتے۔

سن ہستھ کمبھ میلہ - ناشک، ترمبکیشور ۸۰-۱۹۷۹ء

بھارت میں سن ہستھ کمبھ میلہ ہردوار، پریاگ، اُجین اور ترمبکیشور میں لگتا ہے۔ یہ میلہ ہر بارہ برس بعد لگتا ہے۔ اس میلہ کے بارے میں پرانوں میں کہا گیا ہے کہ دیوتاؤں اور راکھشسوں نے مل کر سمندر میں ۱۴ بار بھنور پیدا کیا۔ تیرہ چکّر میں انھیں تیرہ رتن ملے۔ ۱۴ویں چکر میں انھیں امرت کمبھ ملا۔ اس امرت کمبھ کے لئے دیوتاؤں اور راکھشسوں میں جنگ ہوئی جس میں دیوتاؤں کو فتح ہوئی اور انھوں نے امرت کمبھ اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اس کے بعد راکھشسوں سے بچانے کے لئے انھوں نے اُسے چار جگہوں پر رکھ دیا۔ ان چار جگہوں پر رکھے گئے امرت کمبھ کے کچھ حصّے دھرتی پر گرے، اور کہاجاتا ہےکہ یہ مقام ہری دوار، پریاگ، اجین اور ترمبکیشور ہیں، جہاں یہ حصے گرے۔ اسی لئے ان ہی چاروں مقامات پر بارہ برس بعد کمبھ میلہ لگتا ہے۔ اس میلہ کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ ہے کہ میلہ کے دن گنگا ندی اور دوسری ندیاں ہر جگہ سے گوداوری سے ملنے آتی ہیں اور ترمبکیشور میں کشن ورتھ تیرتھ میں ان کا میل ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بن باس کے زمانہ میں شری رامچندرجی نے ناشک۔پنچ وٹی میں سن ہستھ میں اشنان کیا تھا، اس لئے آج بھی یہاں پر اشنان کرنا پوتر سمجھا جاتا ہے۔

کالارام مندر ـ ناشک

ترمبکیشور مندر

کمبھ کے میلہ میں بھارت کے ہر حصّہ سے لاکھوں کی تعداد میں یاتری اشنان کرنے آتے ہیں۔ سادھوؤں اور سنیاسیوں کا ایک بڑا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ کچھ سادھو تو سیدھے ہمالیہ سے آتے ہیں۔ ناشک میں رام کنڈ کے مقام پر اور ترمبکیشور میں کش ورت کے مقام پر سادھو دھیان گیان سے اشنان کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دھارمک لوگ بھی یہاں اشنان کرتے ہیں۔

ناشک ـ ترمبکیشور کا میلہ: ناشک اور ترمبکیشور کے کمبھ میلے کی تاریخیں الگ الگ ہیں۔ ناشک میں کمبھ میلہ ۲۹ راگست، ۳ راور ۶ رستمبر ۱۹۷۹ء کو شروع ہوتا ہے جبکہ ترمبکیشور میں کمبھ میلہ کی تاریخیں ۲۵ راگست، ۹ راور ۲۱ رستمبر ۱۹۷۹ء ہیں۔

ناشک کا خوبصورت پس منظر: پُرانے زمانہ سے لے کر آج تک ناشک بھارت کے کاشی کے نام سے مشہور ہے۔ ناشک ۹ پہاڑیوں کی چوٹی پر بسا ہے۔ عظیم سمندر اور خوبصورت مناظر کی وجہ سے ناشک کی خوبصورتی میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ شہر ضلع ناشک کا صدر مقام بھی ہے۔

راماین میں کہا گیا ہے کہ شری رام چندر، سیتا ماں اور لکشمن نے اپنے بارہ برس کے بن باس میں ناشک میں واقع پنچ وٹی کے مقام پر قیام کیا تھا۔ ناشک، گوداوری جسے دکھشن گنگا کہا جاتا ہے، کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔ پنچ وٹی اور گوداوری گھاٹ مضبوط پتھروں سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اس گھاٹ پر کئی چھوٹے موٹے مندر قائم ہیں۔ مشہور رام کنڈ بھی یہاں موجود ہے۔ اس کے علاوہ گاندھی جیوتی سمارک بھی پنچ وٹی میں ہی واقع ہے۔ مہاتما گاندھی کی راکھ بھی یہیں بہائی گئی تھی۔

ترمبکیشور کا کشاورت تیرتھ

ترمبکیشور کے مندر کی نقاشی

کپالیشور، سُندر نارائن، نارو شنکر، گنگا مندر، بالاجی مندر، گورا رام، دُھل مندر، اہلیہ مندر، تِل بھانڈیشور، ایک مکھی دت، مرلی دھر، پاتالیشور، کاٹیا ماروتی، تلیہ گنپتی، یشونت مہاراج ۔ یہ سب ناشک کے مشہور مندر مانے جاتے ہیں۔ سیتا گپھا بھی پنچ وٹی میں ہے۔ شری رام چندر جی جب پنچ وٹی میں آئے تھے تب سیتا جی اسی گپھا میں رہتی تھیں۔ سیتا گپھا کے نزدیک پانچ برگد کے پیڑ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رام چندر جی جب ان ۵ برگد کے درختوں کے نزدیک پہنچے تو ۵ رشی کماروں کو شراپ سے مکتی ملی۔ یہ پانچ برگد کے پیڑ اب تک یہاں موجود ہیں۔ پنچ وٹی ان ہی کی وجہ سے مشہور ہے۔ مشرقی سمت میں دو کلومیٹر کی دوری پر تپوون نامی مقام بھی سیاحوں کے لئے قابلِ دید ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں رام چندر جی نے راکھششوں کا صفایا کر دیا تھا جس کے بعد رشی منیوں نے یہاں تپسیا شروع کی۔ اسی مقام پر لکشمن نے شُورپنکھا کی ناک کاٹی تھی۔

ناشک کے اطراف میں کئی تاریخی و مذہبی مقامات ہیں۔ آگرہ روڈ سے لگ کر جو پربت ہے اسمیں پانڈو گپھائیں ہیں۔ پربت کے دوسری طرف رام سیج، چینبھر لینی اور دیگر گپھائیں ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ گپھائیں مہاتما بدھ کے زمانے میں بُدھ مذہب کے پرچارک بھکشوؤں کے رہنے سہنے کی جگہ رہی ہوگی۔ چینبھر لینی گیارہویں صدی سے جین مذہب کے ماننے والوں کا ایک اہم مذہبی مقام رہا ہے۔ 'ٹکلی گاؤں' جہاں سمرتھ رام داس سوامی نے ۱۲ برس تک تپسیا کی تھی، ناشک سے صرف ۶ کلومیٹر دوری پر واقع ہے۔ ناشک سے کچھ دوری پر سات چوٹیاں اور چاندوڑ میں واقع رنگ محل بھی سیاحوں کے لئے دلچسپ مقام ہیں۔ ناشک کے شمال میں ۴۲ کلومیٹر کی دوری پر ڈنڈوری تحصیل میں سات چوٹی پہاڑی پر دیوی کا ایک مشہور مندر واقع ہے۔

چاندوڑ کا رنگ محل اہلیہ بائی ہولکر نے بنایا تھا۔ یہ دونوں مقامات سیاحوں کے لئے دلکش ہیں۔ پُرانا گنگاپور بند جہاں سے ناشک شہر کو پانی مہیا کیا جاتا ہے اور جس کے باعث یہاں سبز انقلاب رونما ہوا ہے، شہر کے

پنچ وٹی میں
رام کنڈ کا ایک منظر۔
گاندھی جوت بھی
تصویر میں
نظر آرہی ہے۔

بالکل قریب واقع ہے۔ بٹکو کا تشکیل کردہ مکتی دھام بھی سیاحوں کے لئے ایک نیا دلچسپ مقام ہے۔

جس طرح ناسک کے انگور اور چیوڑا مشہور ہیں اسی طرح ناسک کے برتن بھی مشہور ہیں۔ ناسک شہری و صنعتی ترقیات میں تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اوزر میں واقع مگ ہوائی جہاز کا کارخانہ، انڈیا سیکیورٹی پریس، دیولالی کا آرٹلری سینٹر، کروڑوں روپے کی صنعتی اشیاء تیار کرنے والی صنعتی بستی، بھوسلہ ملٹری اسکول، ایکلہرے میں بجلی کا پیداواری مرکز اور ایسے ہی بے شمار پروجیکٹوں کی بدولت ناسک کو صنعتی نقطۂ نظر سے نہ صرف ریاست بلکہ ملک کے نقشہ میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

ترمبکیشور : بھارت میں ۱۲ جیوتی لنگ ہیں جن میں ترمبکیشور کے جیوتی لنگ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ترمبکیشور مندر فاصل درد فنی نمونہ ہے۔ مشہور مذہبی مقامات یہیں واقع ہیں، جنوبی گنگا۔ گوداوری اسی جگہ سے بہتی ہے۔ یہاں سے برہماگری پربت سے نکل کر یہ ندی زمین کی طرف آتی ہے۔ ترمبکیشور میں گیا نیشور کے بڑے بھائی شری نیورتی ناتھ نے سمادھی لی تھی۔ اسی وجہ سے یہ مقام سنتوں اور لاکھوں عقیدت مندوں کا ایک اہم مقام بن گیا ہے۔ ترمبکیشور قدرتی مناظر سے پُر ہے۔

میلہ کا انتظام : ناسک۔ ترمبکیشور میلہ کے لئے حکومت مہاراشٹر نے کئی انتظامات کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں عوامی نمائندوں اور سرکاری عہدیداروں پر مشتمل ایک میلہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ ایک میلہ منتظم ایک ہیلتھ آفیسر مقرر کئے گئے ہیں۔ میلہ میں شرکت کرنے والے یاتریوں کی ضرورت کے پیش نظر حکومت اور میونسپل کمیٹیوں نے ضروری اقدامات کئے ہیں جن پر اخراجات کا تخمینہ تقریباً ایک کروڑ روپے ہے۔ ان اقدامات میں ناسک سڑک کی چوڑائی ناسک، ترمبکیشور کے درمیان ۲۸ کلومیٹر راستے کی درستگی اور چوڑائی، راستے کے خطرناک موڑوں کی درستگی، قدیم وکٹوریہ پل کی چوڑائی اور اس کے دونوں طرف آٹھ فیٹ کے راستے کی تعمیر، پنچ وٹی میں رام کنڈ اور گاندھی تالاب کی مرمت، سادھوؤں اور یاتریوں کے لئے اشنان کا انتظام، سادھوؤں کے لئے رہائش کی جگہیں، نیو دن کے راستوں کی مرمت، بجلی کا انتظام وغیرہ شامل ہیں۔
اسی طرح ناسک اور ترمبکیشور میونسپل کمیٹیوں نے بھی سنہستھ میلے کے دوران استعمال ہونے والی سڑکوں کی مرمت، پینے کے پانی کا انتظام اور دیگر شہری ضروریات پر بھی خاصی توجہ دی ہے۔

پنچ وٹی میں سنہستھ میلہ کے پیش نظر ۶۸ لاکھ روپے کی لاگت سے پانی کی سپلائی کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس اقدام کے نتیجہ میں یومیہ ۲۵ لاکھ گیلن پانی دستیاب ہو سکے گا۔ ترمبکیشور میں یاتریوں کے اشنان کا بہترین انتظام

کیا گیا ہے۔ ترمبک نگر میں گوداوری کے پاٹ کو ۵۰ امیٹر لمبی سلیب سے ڈھک دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یاتریوں کے رہنے کے لئے بھی بہتر انتظام کیا گیا ہے۔

طبّی دیکھ بھال : چونکہ ناسک۔ ترمبکیشور سن ہستھ میلہ میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ شرکت کرتے ہیں اس لئے عوام کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے محکمۂ صحت اور مقامی حکام کی جانب سے احتیاطی اقدامات کئے گئے ہیں۔ ہیضہ اور دیگر متعدی بیماریوں کی روک تھام کے لئے ٹیکہ لگانے کے کئی مراکز قائم کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ۵۰ چلتے پھرتے اسپتالوں کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ ناسک ضلع کے اسپتال میں تشویشناک قسم کے مریضوں کے لئے بھی خاص انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ پانی، دست وغیرہ کی جانچ کے لئے لیبوریٹریاں قائم کی گئی ہیں۔ گوداوری کے دونوں کنارے گھنی آبادی والے مقامات پر دواخانے کھولے گئے ہیں۔

آمدورفت : یاتریوں کی آمدورفت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ناسک روڈ ریلوے اسٹیشن پر یاتریوں کے لئے ایک نیا ویٹنگ روم بنایا گیا ہے۔ ٹکٹوں کی فروخت کا بھی علیحدہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ناسک شہر میں بکنگ آفس اور سنٹرل بس اسٹیشن پر بھی ٹکٹوں کی فروخت کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ ضرورت پڑنے پر دیولالی۔ منماڑ سے زائد ریل گاڑیاں چلائی جاتی ہیں۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی جانب سے بھی ناسک، ترمبکیشور اور دیگر جگہوں کے سفر کے لئے بھی بڑے پیمانے پر تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ ناسک کے لئے سن ہستھ میلے کے دوران سال بھر ۵۰ گاڑیاں چلائی جائیں گی۔ ضلع کے ہر ایک بس ڈپو سے ترمبکیشور کے لئے بس روانہ ہوگی۔ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کی جانب سے اس سلسلے میں مزید کارروائی کی جا رہی ہے۔ ترمبکیشور بس ڈپو کی مرمت کی جا رہی ہے۔ ناسک میلہ اسٹینڈ کو رنگ و روغن کیا جا رہا ہے۔ پنچ وٹی میں سن ہستھ کے لئے زائد بس اسٹینڈ قائم کئے جائیں گے۔ یاتریوں کے رہنے سہنے کا انتظام اور پینے کے پانی کی سپلائی پر خاص دھیان دیا جا رہا ہے۔

سفر کے دوران دیکھ بھال :

سن ہستھ کے دوران ناسک۔ ترمبکیشور آنے والے یاتریوں کی بے حد بھیڑ ہوتی ہے اس لئے ان کی حفاظت کے لئے پولس کی جانب سے بڑے پیمانے پر تیاریاں کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ اہم انتظامات بھی کئے گئے ہیں۔

سن ہستھ کمبھ میلہ
کے موقع پر
گوداوری ندی کے
گھاٹ پر
سادھو اور یاتریوں کا ہجوم
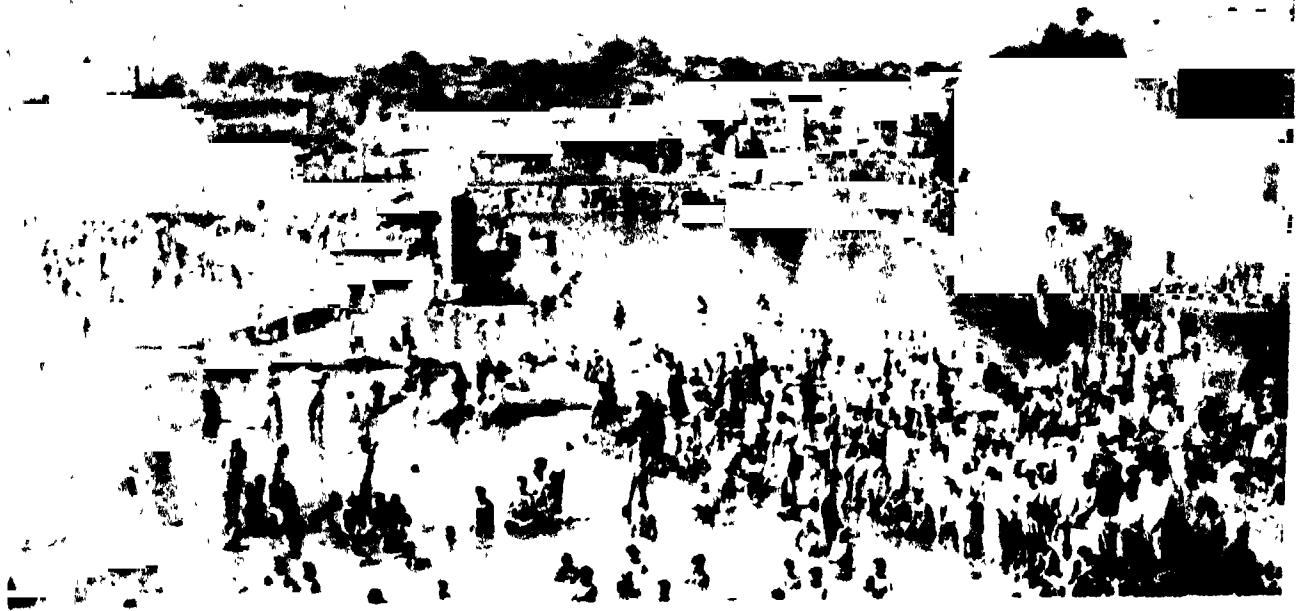
گوداوری ندی کے قریب "پنچ وٹی" کا ایک منظر

ذیل میں ناسک، ناسک روڈ اور ترمبکیشور کے کچھ اہم ٹیلیفون نمبر دیئے جارہے ہیں۔

سن ہستھ میلہ کے لئے ناسک، ناسک روڈ اور ترمبکیشور کے خاص ٹیلیفون نمبر:

ناسک ۔ پولس : ۱۰۰ ، ۳۳۳۳
بھدرا کالی پولس اسٹیشن : ۲۵۳۳
سرکارواڑا پولس اسٹیشن : ۲۶۴۰
پنچ وٹی پولس اسٹیشن : ۲۷۳۳
ضلع اسپتال ۳۹۰۶
فائر بریگیڈ ۱۰۱
ناسک نگر پالیکا : ۲۹۲۰
سن ہستھ میلہ منتظم : ۲۹۴۶
ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر : ۳۴۵۳
سنٹرل بس اسٹیشن : ۲۸۵۴

شالیمار بس اسٹیشن : ۲۱۸۱
شہری بکنگ آفس : ۲۷۱۵
ناسک روڈ ۔ پولس اسٹیشن : ۶۲۳۳
بس اسٹیشن : ۶۲۰۴
ریلوے انکوائری : ۶۲۷۴
نگر پالیکا : ۶۳۹۴
ترمبکیشور ۔ پولس اسٹیشن : ۳۳
نگر پالیکا : ۳۲
شفاخانے : ۴۲
بس اسٹیشن : ۲۶

مہاتما گاندھی

• علامہ محوی صدیقی لکھنوی (مرحوم)

وہ گاندھی، زندگی جس کی سراپا اک حقیقت تھی
وہ گاندھی، جس کی ہستی شاہکارِ دستِ قدرت تھی

وہ گاندھی، سر سے پا تک جو کمالِ عقل و حکمت تھا
وہ گاندھی، جو مجسم پیکرِ حسنِ صداقت تھا

وہ گاندھی، جاں نثاری جس کی ہے تسلیم دنیا کو
محبت کی دیا کرتا تھا جو تعلیم دنیا کو

وہ گاندھی، لاج رکھ لی جس نے آئینِ مروّت کی
دکھا دی شان جس نے عزم و ہمت، جوش و جرأت کی

وہ گاندھی، ختم جس پر ہوگئی انساں کی غمخواری
وہ گاندھی، جس نے پیدا کی دلوں میں روحِ بیداری

وہ گاندھی، جس نے بخشا بے حسوں کو ہوشِ آزادی
وہ گاندھی، جس کی ہمت سے ملا آغوشِ آزادی

وہ گاندھی، مسلم و ہندو، نظر میں جس کی یکساں تھا
وہ گاندھی، جو فقط اک غمگسارِ نوعِ انساں تھا

وہ گاندھی، سرنگوں تاجِ شہی جس کے تدبّر پر
وہ گاندھی، محوِ حیرت زندگی جس کے تہوّر پر

بظاہر اک نحیف و ناتواں کمزور سا انساں
بباطن کوہِ استقلال، عزم و ہوش کا طوفاں

گرادیں جس نے دیواریں قصورِ اہلِ سطوت کی
ہلادیں جس نے بنیادیں غرور و جہل و نخوت کی

کیا جو قوم سے وعدہ، وہ پورا کر دیا اس نے
وطن کو نورِ آزادی سے آخر بھر دیا اس نے

تدبّر بے مثال اس کا، سیاست پائیدار اس کی
محبت کامیاب اس کی، شہادت کامگار اس کی

نگاہیں نکتہ رس اس کی، تفکر دوربیں اس کا
حیاتِ نو جو بخشے کارواں کو وہ جرس اس کا

پیامِ نو سناتی تھی، ہر اک دلکش صدا اس کی
دلوں کو زندہ کرتی تھی ادائے روح افزا اس کی

جگایا سونے والوں کو، اٹھایا گرنے والوں کو
سمجھتا تھا وہ ہر اک دشمن کی چالوں کو

جسے کہتی ہے دنیا لیڈری وہ اس کو شایاں تھی
سیاست اس پہ نازاں تھی، [illegible] اس پہ قرباں تھی

وطن اور قوم پر قربان جانِ ناتواں کر دی!!
وطن جب ہوگیا آزاد، رخصت ہوگیا خود بھی!

مگر محتاج اس کی رہبری کا ہے وطن اب بھی
[illegible] نظر آتا ہے [illegible] چمن اب بھی

ابھی تک تفرقے موجود ہیں ہندو مسلماں کے
نظر آتے ہیں [illegible] پیاسے خونِ انساں کے

یہ بداقبال، بداندیش، بدقسمت وطن میرا
[illegible] پھر چمن میرا

خدا ہی جانے کیا انجام اس کا ہونے والا ہے
مجھے ڈر ہے کہ آزادی وطن پھر کھونے والا ہے

کدھر ہے تو ادھر آ، دیکھ تو حالِ زبوں میرا
یہ حالت دیکھ کر ہر سمت دل ہوتا ہے خوں میرا

رُلاتی ہے تری یاد آکے اَب تو خون کے آنسو
گریباں چاک ہیں تیرے الم میں مُسلم و ہندو

کہاں پائے گا تجھ سا رہنما ہندوستاں میرا
اُجاڑا آہ تیری موت نے یہ آشیاں میرا

اِدھر بھی اک نظر، انسانیت کے رہنما گاندھی
ہمارے تفرقوں سے ہوگیا کیا تو خفا گاندھی

اگر یہ ہے تو لے ہندو مُسلماں ایک ہوتے ہیں
گلے مِل مِل کے ہنستے ہیں گلے مِل مِل کے روتے ہیں

ترا بے وقت مرنا، لہو مُجھ کو رُلاتا ہے
جو یاد آتی ہے تیری، سانپ دل پہ لوٹ جاتا ہے

کیا صد حیف تجھ کو قتل اِک ظالِم سِتمگر نے
نہ کھایا رحم جانِ ناتواں پر فتنہ پرور نے

سِتم ہے ایسے نازک وقت پر تجھ کو اجل آئی
کہ حَبِ دشمن ہوا ہندوستاں میں بھائی کا بھائی

وطن کو اب بھی تیری رہنمائی کی ضرورت ہے
کہاں اہلِ وطن میں تیری ہمت اور حِکمت ہے

پریشاں ہوگیا شیرازۂ حُبِ وطن تیرا
ہَوا ایسی چلی مُرجھا گیا پیارا چمن سارا

خدا ہی جانے کیا لکھا ہے بدقسمت کی قسمت میں
پڑی ہے پھُوٹ ہر سو، کھوٹ ہے ہر ایک نیت میں

صفائے قلب ہے بَدلی ہوئی زنگِ کدورت سے
کہ ہر اک دُوسرے کو دیکھتا ہے چشمِ نفرت سے

دِلوں میں وسوسے ہیں بَدگمانی ہے طبیعت میں
پڑے ہیں تفرقے آکر، محبّت میں اُخوت میں

وہاں بھی کیا یوں ہی کھِنچتے ہیں خنجر بھائی بھائی پر
وہاں بھی ہے کدُورت حکمراں دِل کی صفائی پر

ضمیرِ آدمیت پر یوں ہی چلتی ہیں تلواریں !!
یوں ہی رحم و کرم کے ذوق پر پڑتی ہیں پھٹکاریں

گیا دنیا سے تو شاید وہاں تیری حاجت تھی
وَہاں بھی کیا یہی ہے زندگی جَہل و عداوت کی

وہاں بھی کیا ضرورت ہے تری ہی رہنمائی کی !
وہاں بھی منتظر ہے خلق تیری ناخدائی کی !

وہاں بھی کیا یُوں ہی ہندوستاں والے جھگڑتے ہیں
وہاں بھی بھائی بھائی کیا یوں ہی آپس میں لڑتے ہیں

عدم میں بھی یہی حالت ہے کیا ہندو مُسلماں کی
وہاں بھی کیا یوں ہی پھیلی ہوئی ہے نسل شیطاں کی

وہاں بھی کیا یونہی ہے کارفرما فتنہ سامانی
مُسلط نسلِ انسانی پہ ہیں آئینِ شیطانی!

یہ عالم ہے تو اچھا جا خدا حافظ ترا گاندھی
کہ ہے ہم بے نواؤں کا سہارا وہ خدا، گاندھی

وَہاں بھی سخت دیواریں کھڑی ہیں کیا شرافت پر
لگے ہیں سخت پہرے جذبۂ احسان و شفقت پر

وہاں بھی چھینے جاتے ہیں پسر آغوشِ مادر سے
نِکالی جاتی ہیں پردہ نشیں مار کر گھر سے

وہاں بھی کیا یوں ہی اب عصمتیں برباد ہوتی ہیں
یونہی کیا مائیں، بہنیں، بیٹیاں ناشاد ہوتی ہیں

جہاں ہیں جوہر و اقبال، اجمل اور انصاری
چلا تو بھی وہیں تیری بھی آخر آگئی باری

خدا حافظ مِرے ہندوستاں کینہ پرور کا
خدا حافظ ہے محوی اِس زمینِ فتنہ گستر کا

گاندھی جی اور تلاشِ حق

★ احمد صدیقی
۱۶۳- منہاج پور، الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

حصولِ آزادی کے بعد، آزاد ہندوستان کی آزاد فضا میں سانس لینے والے ایک عام ہندوستانی کے ذہن میں آزادی کے لئے تن۔ من۔ دھن کی بازی لگا دینے والے، مادرِ وطن کے جن جیالے سپوتوں کی شخصیتیں اُبھریں ان میں موہن داس کرم چند گاندھی کی شخصیت کافی اہم رہی۔

حصولِ آزادی کے لئے صف آرا ہونے والوں میں مادرِ وطن کے ایسے بھی سپوت تھے جنھوں نے سر بکف ہوکر مارنے اور مرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اور انھوں نے ملک پر مسلط انگریزی حکومت سے سینہ سپر ہوکر ٹکّر لی۔ چندر شیکھر آزاد، سردار بھگت سنگھ اور نیتا جی سبھاش چندر بوس کی شخصیتیں اس صف میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ انگریز فرمانرواؤں کے لامحدود اختیارات کا دارو مدار نہ صرف ان کی فوجی، انتظامی اور اقتصادی قوتوں پر مبنی تھا بلکہ اس وقت قوم کے کچھ خود غرض اور مطلب پرست افراد بھی انگریزوں کے شانہ بشانہ ملک کی تحریکِ آزادی کو کچلنے کے درپے ہو گئے تھے۔ ایسی صورت حال کے تحت یہ غیر ممکن تھا کہ آزادی کے متوالے طاقت کا جواب طاقت سے دے سکتے۔

گاندھی جی کا ذہن بالغ نظری کی عمر تک پہنچتے پہنچتے سچائی کے جذبہ اور عدم تشدد کے احساس سے معمور ہو چکا تھا، انھوں نے اس حقیقت کو سمجھا۔ عدم تشدد کے احساس سے مغلوب ان کے قلب میں انسانیت سے پیار و محبت کا بحرِ بیکراں ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اسی جذبے کے تحت اس ماحول میں بھی انھوں نے اپنے لئے اور اپنے ہمنواؤں کے لئے ایک الگ راہ متعین کی۔ یہ وقت کا تقاضا تھا اور اسی کے تحت ان کا عقیدہ سا بن گیا کہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے اور اپنے حق کے لئے ضروری ہے کہ راستہ بھی ایسا اختیار کیا جائے جس پر آزادی کے سپاہی تا دیر گامزن رہ سکیں۔ انسانی فطرت کے تحت یہ ظاہر بات ہے کہ انسان مستقل طور پر ظلم و تشدد اور جنگ و جدل کے ماحول میں سانس لے کر آسودہ نہیں رہ سکتا اور آخر کار اسے شانتی اور امن کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے اور یہی راستہ انسان کو اخوت و محبت اور ایثار کی منزل تک پہنچاتا ہے۔

گاندھی جی کے حق پرستی کے اس اصول نے حق گوئی و حق شناسی کے ساتھ حق طلبی کے لئے بھی نئی راہ کھول دی۔ دھیرے دھیرے آزادی کے متوالے اس طبقہ کے افراد بھی گاندھی جی کے شانہ بشانہ قدم ملاکر چلنے کو تیار ہو گئے جنھوں نے انگریزوں کی پھیلائی ہوئی مسموم فضا میں ملک کی آزادی کا جذبہ رکھتے ہوئے بھی خود کو آزادی کی تحریک سے کسی حد تک الگ رکھا تھا۔ گاندھی جی کی تحریکِ آزادی محض ایک قوم یا نسل کے لئے محدود نہیں تھی بلکہ ہر قوم ہر نسل اور ہر فرد کے لئے تھی۔ یقیناً یہ ان کا حق پسندانہ جذبہ ہی کارفرما رہا ہوگا جس کے زیرِ اثر اس دور کے سیاسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مختلف مذہب اور مختلف قوم کے لوگ ان کے ساتھ آگے بڑھے۔ چنانچہ آزادی کی تاریخ میں انڈین نیشنل کانگریس کے ایک اہم رکن ہونے کے ساتھ ساتھ گاندھی جی اسی کی ہم زمانہ تحریکِ 'خلافت' کے علمبردار بن گئے۔

مذہب پسندی کا یہ رجحان جو حصولِ آزادی کے لئے ایک اکائی بن کر نمودار ہوا تھا، اس نے لالہ لاجپت رائے، پنڈت مدن موہن مالویہ، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے عظیم رہنماؤں کی رہنمائی نے ہندوستانیوں میں عدیم المثال جوش و خروش پیدا کر دیا۔ خود گاندھی جی کی رہنمائی بھی اس میں پیش پیش نظر آتی ہے۔

اپنی خود نوشت سوانح حیات "تلاشِ حق" میں گاندھی جی نے اس ذہنی تبدیلی کی طرف وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ اس ذہنی تبدیلی کے باعث آزاد ہندوستان میں 'باپو' کہلائے جانے والے ہمارے عظیم اور عالیشان رہنما مسٹر گاندھی سے مہاتما گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آزادی کی تاریخ میں اور آزادی کے بعد بھی ہندوستان کی تاریخ میں انفرادی حیثیت و خصوصیت کے حامل مشہور و معروف رہنما اور جواہر لال نہرو کی زبان

(بقایا صفحہ ۱۹ پر)

۲۹ اگست ۱۹۷۹ء کو
سِں ہستھ کمبھ میلے
کے موقع پر
ہندوستاں کے
کونے کونے سے آئے
ہوئے سادھو
گوداوری ندی کے
کنارے رام کنڈ میں
اشنان کرتے ہوئے

*

سن ہستھ کمبھ میلے کے موقع پر ناشک کے بیچ وبیچ میں گوداوری ندی کے کنارے اشنان کرتے ہوئے یاتریوں کا ہجوم
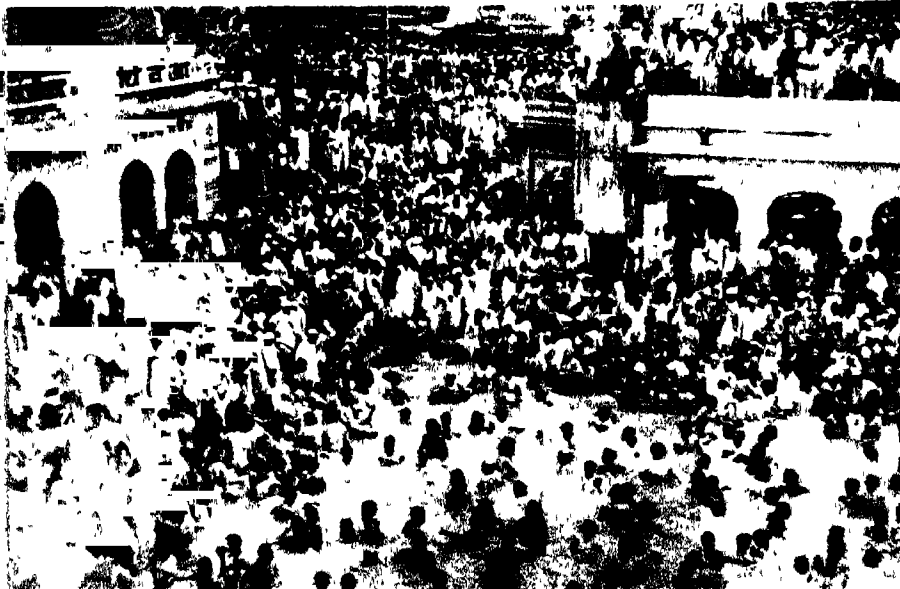
اہنسا کا رازداں

• شفیع اللہ خاں رازؔ اٹاوی
کٹرہ پردل خاں۔ اٹاوہ
(یو۔پی)

فرنگیوں کا جو یورپ سے کارواں آیا
اسی کے دامِ حوادث میں گلستاں آیا
نہ جانے کیسے تباہی نے گھیر لیں راہیں
کہ سر جھکتا ہوا زلزلہ یہاں آیا
ہمارے راج کی بنیاد آکے ڈھا ڈالی
غلامیوں کا لئے ساتھ ارمغاں آیا
تمام ہند نے یکبارگی بغاوت کی
غضب یہ جوش کا دریائے بیکراں آیا
فغاں اُٹھی دلِ ہندوستاں کے سینے سے
اسیر بن کے شہ پیر و ناتواں آیا
پھڑک پھڑک کے اسیروں نے جان ہی دیدی
مگر نصیب نہ بلبل کو آشیاں آیا
غرض کہ چاروں طرف ہند میں اندھیرا تھا
تو گاندھی بن کے اہنسا کا رازداں آیا
اُٹھو اُٹھو کہ وہ جانبازِ حریّت کا نقیب
ہمارے ہند کے گلشن کا باغباں آیا
کبھی نہ اس کے ارادے میں کچھ کمی آئی
وہی وجود میں آیا جو کچھ نہاں آیا
خوشی سے محفلِ زنداں میں زندگی کاٹی
کبھی نہ شکوۂ صیاد بر زباں آیا
زہے نصیب کہ آئی ہوائے آزادی
بہار جھوم اُٹھی وجد میں جہاں آیا
ہمارے مُلک کی انت کا فلسفہ سمجھا
ہریجنوں کا ایک اچھا سا مہرباں آیا

زبانِ ہندو مسلم پہ یہ ترانہ ہے
کہ وہ خلوص و محبت کا پاسباں آیا
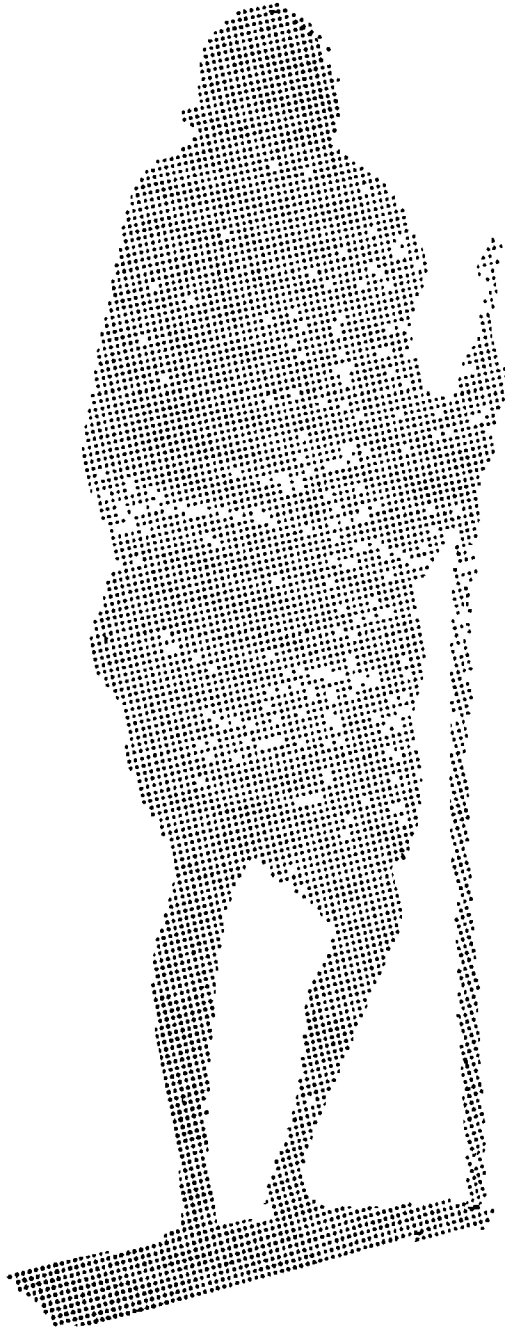
• کمال جائسی
کرنیل گنج، کانپور (یو۔پی)

نغموں کی دھوپ چھاؤں میں رقصاں ہے زندگی
آئی ہے کس دیار میں حیراں ہے زندگی
جلووں کی یورشیں ہیں پریشاں ہے زندگی

کہتے ہیں جس کو سورؔ دلوں کا قرار ہے
تہذیب کے وطن کا وہی تاجدار ہے

حرف و صدا کا نور لئے کون آگیا
توس قزح کا رنگ فضاؤں پہ چھاگیا
جو دل تھا بیقرار سکوں آج پاگیا!

روشن ہیں میکدے میں تخیل کے آفتاب
تشنہ لبوں میں ہنسنے لگی مستیٔ شراب

سرمایۂ سخن کی تجارت کے واسطے
بازارِ آرزو میں رفاقت کے واسطے
آیا تھا وہ فروغِ صداقت کے واسطے

دنیائے مہر و مہ کا طرحدار ہے وہی
سازِ یقیں کا لہجہ و گفتار ہے وہی

گلزار آگہی کی بہاروں سے پوچھ لو
پروردۂ خلوص کے یاروں سے پوچھ لو
ہنستے ہوئے ابد کے مناروں سے پوچھ لو

محرابِ دل پہ خطِ جلی سورؔداس ہے
میخانۂ ادب کا ولی سورؔداس ہے

• مترجم: شفیق حسن خاں
(بی۔ایس۔ای) ایٹہ۔(یو۔پی)

عزیز نسین - ایک تعارف
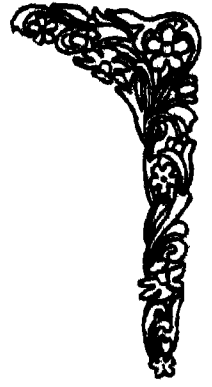
مندرجہ ذیل مضمون شری شفیق حسن خاں نے اپنے ایران کے دوران قیام ترکی کے ایک مشہور ادیب عزیز نسین کی زندگی کے حالات لکھے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم و ادب سے بے بہرہ خاندان کے ایک فرد نے کس طرح اپنی ذاتی کاوشوں سے ادب میں اپنا مقام بنایا۔

عزیز نسین پہلی جنگ عظیم کے آخر میں جزیرہ ہیلی میں پیدا ہوئے۔ یہ ترکی کے ان جزیروں میں سے ایک ہے جہاں بڑے لوگ رہتے ہیں۔ خیال نہ کیجئے کہ ان کے والد بھی کوئی بڑے آدمی تھے۔ اس کے برعکس ان کے والد (عزیز) میونسپلٹی کے مزدور تھے اور چوں کہ وہ اسی جزیرہ میں مشغول کار تھے لہٰذا وہیں ایک گوشہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نومولود کا نام نصرت رکھا گیا۔ جیسے کہ یہ دبلا پتلا بچہ روز اوّل سے والدین کی مدد کے لئے دنیا میں آیا ہو۔ ان کے چار بھائی ایک کے بعد ایک بھوک کی تاب نہ لا کر فوت ہو گئے اور یہ تنہا ایک مشکل کام کو انجام دینے کے لئے باقی بچے رہے۔ ان کے خاندان میں ایسا ایک آدمی بھی نہ تھا جسے لکھنا پڑھنا آتا ہو۔ لیکن سن کر متعجب نہ ہوں کہ ابھی ان کی عمر دس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ ان کے دماغ میں لکھنے کا سودا سمایا۔ بدقسمتی سے ابھی انہوں نے قلم سنبھالا ہی تھا کہ ان کو غریب اور بے سرپرست بچوں کے فوجی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا اور وہ نویسندہ ہونے کی بجائے سپاہی بن گئے۔

۱۹۳۳ء میں خاندانی نام (فیملی نیم) کے انتخاب کا قانون لازمی قرار دیدیا گیا اور ہر شخص اس کوشش میں لگ گیا کہ ایک یورپی نام چن کر اوروں پر اپنا بڑکپن جتائے۔ لیکن نصرت نے اپنے لئے لفظ 'نسین' کو بہ معنی "تو کس کام کا ہے" خاندانی نام انتخاب کیا

۱۹۳۸ء میں ان کو درجہ افسری دیا گیا۔ انہوں نے تصنیف کا باقاعدہ کام اسی دوران میں شروع کر دیا۔ چوں کہ وہ اپنے اصلی نام سے نہیں لکھ سکتے تھے۔ لہٰذا اپنے والد کے نام "عزیز نسین" سے لکھنے لگے اور یہی نام ان پر باقی رہا۔ اس موضوع نے

ان کے والد کے لئے بہت دشواریاں پیدا کیں اور اس لئے کہ ایک سرکاری ملازم سرکاری پالیسیوں پر تنقید کرتا ہے متعدد بار ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد میں خود ان کے لئے بھی درد سر کا باعث ہوا کیوں کہ مختلف ملکوں سے بھیجی گئی رائلٹی کی رقوم کو وہ بینکوں سے حاصل نہ کر سکتے تھے۔

فوجی افسروں کو سماج میں جو عزت اور احترام حاصل ہے اس کی وجہ سے ہر جوان کی آرزو ہوتی ہے کہ فوجی یونیفارم اس کے جسم پر ہو۔ لیکن فوج میں شعبہ (نویسندگی) نہ ہونے کی وجہ سے عزیز نے ۱۹۴۴ء میں استعفا دیدیا اور تصنیف کے کام میں لگ گئے۔ جلد ہی انہوں نے ایک رسالہ 'تان' جاری کیا۔ کام چل نکلا لیکن اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور جلد ہی سرکار کے اشارے پر ان کا دفتر ویران کر دیا گیا۔

اب عزیز مجبور ہو گئے کہ نت نئے مستعاری ناموں سے مختلف رسالوں میں اپنے مضامین دیں۔ جیسے ہی ناشر سمجھتے یہ عزیز نسین ہیں وہ پھر ایک دوسرا نام انتخاب کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے۔ اس سلسلے میں ان کے ساتھ بہت سے تلخ و شیریں حادثات پیش آئے جنہیں انہوں نے ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔

دو شادیاں کرنے کے باوجود اب تنہا زندگی گذارتے ہیں۔ ان شادیوں کے نتیجہ میں چار لڑکے اور ایک پوتا ہے عمر کا چھپنواں سال گذر رہا ہے اور جیل میں طولانی اقامت کے سبب جہاں سوائے کھانے اور سونے کے کوئی کام نہ تھا حد سے زیادہ موٹے ہو گئے ہیں پہلی بار ۱۹۵۶ء میں" فکاہی نویسان جہان" کا گولڈ میڈل حاصل کیا اس کے بعد ۱۹۵۷ء، ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۶ء میں بین الاقوامی مقابلوں میں ان کو رتبہ اول حاصل ہوا۔ اب تک انہوں نے دو ہزار داستانیں ۵۳ ناول اور سات ڈرامے لکھے ہیں جن کا دنیا کی اکثر زندہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے●

دوشنبہ میں پہلی شام

جگن ناتھ آزاد

اے مرے ذوقِ طلب یہ کس چمن کی شام ہے
تاجکستاں کی ہے یا سیرِ وطن کی شام ہے
مجھ کو تو اس شہر پر ہوتا ہے دہلی کا گماں
یہ تو ہیں اے جذبِ دل اپنے زمین و آسماں
اس زمیں کی خاک سے کشمیر کی خوشبو لئے
پیڑ پتے ہیں دیارِ ہند کا جادو لئے
رات کو دیکھا تو جیسے بمبئی کا شہر ہے
زندگی کا، سرخوشی کا، روشنی کا شہر ہے
ساحلِ دریا یہاں کا ساحلِ جمنا کا عکس
یہ تجلّی ہے یہاں کی یا مری دنیا کا عکس
ایک مہماں کے لئے کیسے بچھے جاتے ہیں لوگ
صدق کا، اخلاص کا پیکر بنے جاتے ہیں لوگ
کون سا رشتہ ہے وہ جو اس قدر پائندہ ہے
آج دنیا کی اندھیری رات میں تابندہ ہے
ایک رشتہ ہے زباں کا وہ بھی کچھ کمزور سا
شعر کے حسنِ بیاں کا وہ بھی کچھ کمزور سا
کیا خبر اس دیس کی کس بات سے مسحور ہوں
یہ خیال آتا نہیں ہے میں وطن سے دور ہوں
جاگ اے آزاد اب اس خواب کے عالم سے جاگ
کس لئے چھیڑا ہے تو نے بے یقینیت کا راگ
رشتۂ شعر و زباں کمزور ہو سکتا نہیں !!!
رشتۂ حسنِ بیاں کمزور ہو سکتا نہیں!
اور اس کی تہ میں اک پہلو بڑا گمبھیر ہے
جو دلوں کی وادیوں میں مثلِ جوئے شیر ہے
یہ تعلّق دردِ انساں کا، غمِ دوراں کا ہے
یہ تعلّق اک رجائیت بھرے ارماں کا ہے
جس کی ضو سے آج یہ شہرِ حسیں تابندہ ہے
جس کی ضو سے تاجکستاں کی جبیں تابندہ ہے

3 98596938775 5100

انسان کا سب سے زیادہ مہلک دشمن
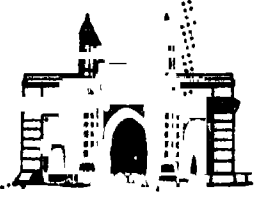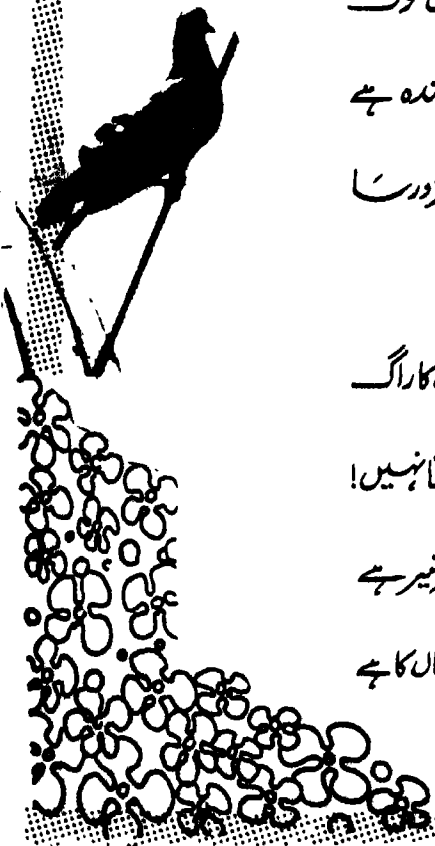
• فرح ناز رضوی
معرفت سلامت رضوی
کمال مینشن، تیسرا منزلہ،
آرتھر بندر روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۰۵

کیا آپ آسانی سے بتا سکتے ہیں کہ عنوان میں جو اعداد درج ہیں وہ ریاضی میں کتنی بڑی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور کیا یہ امر حیرت ناک نہیں کہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ہم کسی چیز کی مقدار یا تعداد کو ان ہندسوں سے ظاہر کریں۔ ممکن ہے کہ آپ کو اعتبار نہ آئے لیکن ہم آپ کو از روئے حساب یاد کرانا چاہتے ہیں کہ صرف ایک مکھی گرمی کے پانچ مہینوں میں (مئی سے ستمبر تک) اپنی ذریات کو بڑھا کر اس تعداد تک پہنچا دیتی ہے۔

اب ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی غور کیجئے کہ ہر مکھی اپنے پروں اور ٹانگوں میں کم از کم ۶۰ لاکھ جراثیم مہلک بیماریوں کے لیکر اڑتی ہے۔ اور جو عنوان کے اعداد کو ۶۰ لاکھ سے ضرب دیکر ان ہلاکتوں کا اندازہ کیجئے جو صرف ایک مکھی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیل سکتی ہیں۔ چہ جائیکہ دنیا کی بے شمار مکھیاں کہ اگر آپ ان کے پھیلائے ہوئے جراثیم کا اندازہ کرنا چاہیں تو ریاضی کیا انسان کا خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا

ماہرین حفظانِ صحت نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر جیسے انسان مکھی کے پھیلائے ہوئے مہلک جراثیم سے فنا ہوتے ہیں ان کی تعداد ان سے زیادہ ہے جو ۵ سال کی مدت میں بسلسلۂ جنگ عظیم ہلاک ہوئے گرم ممالک کی جہاں اور بہت سی بدنصیبیاں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ انسان کا یہ بڑا دشمن زیادہ تر یہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ مکھی کے نشو و نما کے لئے گرمی ہی زیادہ موزوں ہے اور دوسرے یہ کہ یہاں کے عوام حفظانِ صحت کے اصول سے ناواقف ہیں، صفائی کا خیال نہیں رکھتے اور یہ بلا گندگی سے ہی نشو و نما پاتی ہے۔ یہاں کے لوگوں میں مکھیوں کی طرف سے جو بے پروائی پائی جاتی ہے اس میں ایک حد تک مذہبی جنون بھی شامل ہے کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ خدا نے کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی، جو چیز پیدا کی ہے اس کا رزق بھی مقرر ہے۔

قومی راج

مکھی جتنی ہلاکت دنیا میں پھیلاتی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار کسی کھانے پینے کی چیز پر بیٹھ کر لاکھوں مہلک جراثیم اپنے بعد چھوڑ جاتی ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو انسانی خون کے ذرات ہلاک نہیں کر سکتے اور آخر کار موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

مکھی کی پرواز ایک گھنٹے میں پانچ میل ہے اور یہ اس پانچ میل کی پرواز میں سیکڑوں گھروں اور ہزاروں بازاروں کا جائزہ لے لیتی ہے۔ یعنی جو مکھی ہماری چائے کی پیالی میں پڑ گئی ہے وہ یقیناً ہزاروں ناپاک اور گندی جگہوں سے آئی ہے اور سب جگہ کے جراثیم چائے کے اندر چھوڑ کر فنا ہوئی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکھی بالکل بے ضرر چیز ہے بلکہ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ وہ گھروں کی گندگی دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے، لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیوں کہ جو اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ لاکھوں انسان صرف مکھی کے پھیلائے ہوئے زہر سے ہلاک ہوتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں جو ہندوستان سے بہت زیادہ سرد اور صاف ستھرا ملک ہے پچاس ہزار بچے ہر سال صرف مکھیوں کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔

توریت میں بھی ایک جگہ ذکر ہے کہ جب خدا نے فرعون و اہل مصر پر عذاب نازل کرنا چاہا تو مکھیوں کی بلا ان پر مسلّط کر دی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکھیوں کو ذریعۂ ہلاکت قرار دینا بہت قدیم بات ہے اور عہدِ عتیق میں بھی لوگوں نے اس کو محسوس کر لیا تھا۔

اطباء کا خیال ہے کہ مکھیوں کی غیر معمولی پیداوار کے لحاظ سے ان کے اسباب ہلاکت چونکہ بہت کم ہیں اس لئے بظاہر کوئی امید نہیں کہ یہ عذاب دنیا سے دور ہو سکے۔ ایسے جانور جن کی غذا مکھی ہے، بہت کم ہیں۔ سوائے بگلا، مینڈک، گرگٹ، بھڑ، مکڑی اور چھپکلی کے کوئی اور جانور ان کا شکار نہیں کرتا لیکن مکھیوں کا نشو و نما اتنا زبردست ہے کہ یہ ذرائع ان کے ہلاک کرنے کیلئے

بالکل ناکافی ہیں۔ اس لئے اس سے بچنے کی تدبیر صرف یہی ہے کہ گھر میں کہیں جگہ گندگی نہ پھیلنے پائے اور گرمیوں کے زمانے میں کم از کم دو تین بار روزانہ جھاڑو سے صاف کر دیا جائے۔ باورچی خانہ یا کھانے پینے کی جگہ خاص طور پر صاف رہنی چاہیئے اور اسی طرح نالیاں بھی۔ سو اس کے لئے نہ روپے کی ضرورت ہے نہ کسی خاص سلیقے کی بلکہ ایک جھاڑو اور دو جھاڑن درکار ہیں۔

جاڑوں میں مکھیاں غائب ہو جاتی ہیں لیکن فنا نہیں ہوتیں بلکہ گرم علاقوں میں چلی جاتی ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ صفائی وغیرہ کا خیال اخیر جاڑوں ہی سے رکھا جائے تاکہ گرمی کی ابتدا ہی میں کوئی گندگی ان کو گھروں کے اندر ایسی نہ ملے جس پر وہ آکر بیٹھ سکیں۔ یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ بازار سے جو چیز آئے اسے اچھی طرح دھو کر استعمال کیا جائے اور کھانا ایسی جگہ بیٹھ کر کھایا جائے جہاں مکھیاں نہ آئیں۔ لیکن اگر وہ کسی چیز پر بیٹھ جائیں تو مناسب یہی ہے کہ اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ مکھیوں کی پیداوار کا حال آپ سُنیں گے تو غالباً آپ کا سر چکرانے لگے گا ایک سبز مکھی اگر اسے کافی غذا میسر آئے تو ایک فصل میں اتنی مکھیاں پیدا کر سکتی ہے کہ اگر ان کا وزن کیا جائے تو ۰۰۰ر۸۲۲ٹن نکلے۔ انسان کی ۲۰۰ کروڑ آبادی میں سے اگر اوسط نکالا جائے تو فی کس یوں سمجھئے کہ دنیا کے تمام انسانوں کا وزن پندرہ کروڑ ٹن ہوتا ہے اب اس کے مقابلے میں صرف ایک مکھی سے پیدا شدہ نسل کو دیکھیئے کہ وہ تمام دنیا کی انسانی آبادی سے وزن میں پانچ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں صرف مقدار ہی کوئی چیز ہوا کرتی تو مکھیاں انسان کو کیوں زندہ رہنے دیتیں۔

✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱

(صفحہ ۱۱ سے آگے)

میں "میر کارواں" مولانا ابوالکلام آزاد بھی اس ذہنی تبدیلی سے گذرے ہیں۔ مولانا آزاد اور خود گاندھی جی کی شخصیتیں اپنی ذہنی تبدیلیوں کے بعد بھی برو تازہ رہ سکیں جس کے باعث وہ اپنا نصب العین اور منزل کی شاہراہ متعین کر سکے۔ گاندھی جی بھی مولانا آزاد کی طرح اپنی تمام تر لغزشوں کو یاد رکھنا پسند سمجھتے ہیں۔ وہ انھیں فراموش تو کر جاتے ہیں مگر ان کے محسوسات اپنی جگہ ہیں۔ وہ اپنے احساسات و خیالات کو بر سر عام پیش کرنا عار نہیں سمجھتے۔ یہ بھی ان کے جذبۂ حق پسندی کی ایک روشن دلیل ہے۔

حصول آزادی کے بعد گاندھی جی کی حق پسندی و حق پرستی بر سر عام اُبھر کر سامنے آئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسانیت مجروح ہو رہی تھی حقیقت سے فرد و قوم منہ موڑ رہی تھی، انسان، انسان سے آنکھیں چرا رہا تھا۔ آدمی آدمی کو بھول گیا تھا۔ زندگی زندگی کو فراموش کر چکی تھی۔ ہر طرف لہو کا بازار گرم تھا انسانیت نے ملت و قومیت کا جامہ پہن لیا تھا اور مذہبیت کا لبادہ اوڑھ کر ایک قوم کا فرد دوسری قوم کے فرد سے برسر پیکار تھا۔ اس وقت کی یہ نامہ ذہنیت بن گئی تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کے ٹھیکیدار ان بھی انسانیت کے تاجر اور آدمیت کی روح کے قاتل بنے ہوئے تھے۔ ایسے نازک دور میں بھی گاندھی جی نے انسانیت کی اس گمراہی پر باہمی مفاہمت، دردمندی، جذبۂ خدمت اور جذبۂ ایثار جیسے انسانی اخلاق کی روشن لکیر کھینچی۔ یہ انھیں کا ایثار تھا، یہ انھیں کا حوصلہ تھا اور یہ انھیں کا جذبۂ حق پرستی تھا کہ انسانیت پھر اس قابل ہو سکی کہ آئینے کے روبرو ہونے میں وہ شرم و ندامت کا احساس نہ کرے۔

اپنی حق پرستی کے اصولوں پر کاربند ہونے میں گاندھی جی نے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اپنے ان اصولوں کی کارفرمائی کے لئے انھوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ انھیں اصولوں کے تحت اور انسانیت کو حق و صداقت کی بارگاہ میں سجدہ ریز کرنے کے لئے وہ بے خوف و خطر ہو کر اس دور میں بھی ہر طرح کے مصائب و الام برداشت کرتے رہے اور بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ تمام تر الزامات اپنے سر لیتے رہے۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے اس عظیم مشن میں انھیں اپنی جان بھی قربان کرنی پڑی۔

اُن کی زندگی خود ان کو عزیز نہ رہی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنے جس مشن کی کامیابی کے لئے گاندھی جی نے جس آن اور جس انداز سے اپنی جان آفریں حق کے سپرد کی، وہ ہماری قومی زندگی کا بیش قیمت اور عظیم سرمایہ ہے۔ کیا ہم ہندوستانی آج اس سرمایہ کے صحیح معنوں میں وارث و محافظ ہیں؟ اس کا جواب آنیوالا کل اور مستقبل کا مورخ دے گا۔ ★

• کامل چاندپوری
۲۴/۶ ۔ نشان پاڑہ روڈ،
ڈونگری ۔ بمبئی ۹ ۴۰۰۰۰

عُود و عنبر کی ہو یا مُشکِ خُتن کی خوشبو
سب پہ حاوی ہے مگر تیرے بدن کی خوشبو

لب کھُلے ہیں کہ کوئی غنچۂ نورس چٹکا
ہائے غنچہ سا دہن اور دہن کی خوشبو

جب کوئی چہرۂ نمکین نظر سے گذرا
یاد آئی ہے ترے سانولے تن کی خوشبو

سیکھا کلیوں نے تبسّم تو گلوں نے ہنسنا
دُور تک پھیل گئی تیرے چلن کی خوشبو

ہم کہ آوارہ و آسودۂ غربت ٹھہرے
کھینچ لیتی ہے مگر پھر بھی وطن کی خوشبو

باغِ جنّت میں بھی تسکین نہ ملے گی ہم کو
یاد آئے گی ہمیں اپنے چمن کی خوشبو

لاکھ اُردو کی مخالف رہے دنیا کامل
اور بھی ہوگی سوا شعر و سخن کی خوشبو

• محمد غلام رسول اشرف
تکیہ معصوم شاہ، مومن پورہ، ناگپور ۱۸

جب سے مشہور ہو گیا وہ شخص
خود سے بھی دُور ہو گیا وہ شخص

ڈھلتے سورج کو اس نے دیکھا تھا
پھر بھی مغرور ہو گیا وہ شخص

جس کی پاکیزگی کا چرچا تھا
آج مغرور ہو گیا وہ شخص

عشق کی پہچان تک بھلا بیٹھا
اتنا مسرور ہو گیا وہ شخص

اُس کا سایہ بھی اب کہاں ہوگا
کتنا بے نور ہو گیا وہ شخص

• عبدالسلام اظہر مالیگانوی
نزد مدرسہ ملت، رسول پورہ،
مالیگاؤں، ضلع ناشک (مہاراشٹر)

جب تک مرا وجود ہوا کا عدو نہ تھا
مانندِ برگِ خشک اُڑا کو بہ کو نہ تھا

رنگین ساعتوں کے بھنور میں تھا ہر نفس
ٹوٹا بھنور تو میری رگوں میں لہو نہ تھا

اُتری نہ شگفتہ مزاجی تلک ہے دھوپ
یوں آدمی تو پہلے کبھی شعلہ رُو نہ تھا

یوں کھو گئے تھے دل میں لئے تیری جستجو
اپنا خیال تک بھی دمِ جستجو نہ تھا!

اس طرح سے خزاں کے تسلسل کا تھا عتاب
جیسے زمیں کے سینے میں سیلِ نمو نہ تھا

شاید تھا کوئی زہر ہواؤں میں گھُلا ہوا!
بستی میں میری فرد کوئی سُرخرو نہ تھا

اظہر شعاعِ درد نے چمکا دیا اسے!
ورنہ حسین اتنا رُخِ آرزو نہ تھا

"خاندان محدود تو دکھ محدود"

— گورنر مہاراشٹر شری صادق علی

"اپنے خاندان کو محدود رکھ کر ہم کوئی بہت بڑی قربانی نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنے دکھوں کو محدود کر کے اپنی فلاح و بہبود میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔" یہ بات مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے ۱۵ ستمبر کو اپنی اپیل میں کہی جو آل انڈیا ریڈیو سے 'قومی خاندانی بہبود پندرواڑہ' کے آغاز پر نشر کی گئی۔

شری صادق علی نے فرمایا کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی بہت بڑی حد تک ہماری ان کوششوں کے آڑے آتی ہے جو کہ ہم اپنے عوام کے رہن سہن کے درجہ میں ترقی اور زندگی میں بہتری لانے کے لئے کر رہے ہیں۔ اس لئے انھوں نے سماج کے ہر طبقہ سے اپیل کی کہ وہ اپنے خاندان کو محدود کر کے ملک کو خوشحال اور طاقتور بنائیں۔

گورنر کی اپیل کا متن مندرجہ ذیل ہے:

"قومی خاندانی بہبود پندرواڑہ' پورے ملک میں ۱۶ ستمبر سے منایا جائے گا۔ مہاراشٹر میں ہم یہ ۱۵ اکتوبر تک یعنی پورے ایک ماہ منائیں گے۔ اس مدت کے دوران ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اس بات پر ایک بار پھر زور دیں گے کہ خاندانوں کو محدود رکھنا ہی ان کے اور ملک کے مفاد میں ہے۔

مختلف صحت و دیگر اقدامات کے سبب ہمارے ملک کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ یہ کافی حد تک ہماری ان کوششوں کو عوام کے رہن سہن کا درجہ اونچا ہو، اور زندگی میں بہتری لائی جاسکے، پورا ہونے سے روک رہی ہے۔ جب ہمارا خاندان بڑا ہوتا ہے تو ماں تکلیف اٹھاتی ہے اور ساتھ ہی بچے بھی۔ ہر وہ بچہ جو اس دنیا میں لایا جاتا ہے اسے اس کے والدین کی جانب سے مناسب دیکھ بھال ملنی ضروری ہوتی ہے ہم سب چاہتے ہیں کہ وہ صحت مند اور خوش رہے۔ اس کو خوراک، تعلیم اور زندگی کی دیگر ضروریات حاصل ہوں۔ لیکن کیا یہ سب کچھ حاصل کرنا اس وقت ممکن ہے جبکہ بہت سے بچے ہوں؟ ہمیں یہ بھی آسانی سے نظر آجائے گا کہ ماں پر اس کا کتنا خراب اثر پڑتا ہے۔ ان کی صحت کئی طرح سے خراب ہوتی ہے۔

آزادی کے بعد سے ہی ہم اپنے عوام کے ہر طبقے کے لئے معاشی ترقی حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آبادی میں تیزی سے اور مستقل اضافہ ہمیشہ اور ہر وقت ہمارے آڑے آتا ہے۔ اس لئے یہ ہماری پالیسی ہے کہ ہم اپنے خاندان کے اضافے کو محدود کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ شہری علاقوں نیز دیہاتوں میں، امیر اور غریب، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ ہر ایک کا بھرپور تعاون ملے۔ اس عظیم ملک کے شہری ہونے کے ناطے ہم اپنا اپنا فرض نبھا سکتے ہیں۔ اپنے خاندان کو محدود رکھ کر ہم کوئی بہت بڑی قربانی نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم اپنے غموں اور دکھوں کو کم کر کے اپنی خوش حالی میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ ہم حکومت کے اس بوجھ کو بھی کم کرتے ہیں کہ جو اسے کام، تعلیم اور دیگر ضروریات ہر شخص کو فراہم کرنے کا ذمہ دار بناتی ہے لیکن ملک کے ذرائع لامحدود نہیں ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہمارے عوام کو یہ معلوم ہو جائے کہ ملک کی بہتری کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کتنی اہمیت رکھتی ہے تو وہ ضرور تعاون کریں گے۔ ہر گھر میں ہر دل میں یہ پیغام پہنچانا ہے۔ ایک بار نہیں بار بار، جس کے لئے سرکاری، نیم سرکاری ایجنسیوں، رضاکار انجمنوں، ٹریڈ یونینوں، مدیرین عوامی رائے عامہ کے قائدا در کمیونٹی لیڈروں کا تعاون ہمیں درکار ہے۔

کیا میں سماج کے ہر طبقے سے، تمام شہریوں سے اپیل کروں جو کہ بچوں کی ماؤں کی اور ملک کی فلاح کا جذبہ دل میں رکھتے ہیں کہ وہ وقت کی یہ پکار سنیں کہ ہمارے خاندانوں کو محدود کر کے ملک کو مستحکم اور خوشحال بنانے میں مدد دیں۔"

نابیناؤں کیلئے یوم پرچم

گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے ۱۴ ستمبر کو راج بھون میں نابیناؤں کے لئے 'یوم پرچم' کا افتتاح کیا، جس کا مقصد امسال نیشنل ایسوسی ایشن فار بلائنڈ کے لئے ذریعہ ۱۰ لاکھ روپے کی رقم اکٹھا کرنا ہے۔

ڈاکٹر جگدیش پاریکھ، این۔ اے۔ بی کے یوم پرچم، کمیٹی کے چیرمین نے گورنر کو فلیگ لگایا اور گورنر نے اس موقع پر عطیہ دیا۔

اس موقع پر شری وجے مرچنٹ، پریسیڈنٹ، لیڈی ڈگن، ٹریزرر اور شریمتی محبوب نصراللہ موجود تھے۔

ٹورسٹ ٹیکسی پرمٹ

سکریٹری، اسٹیٹ ٹرانسپورٹ اتھارٹی، بمبئی کی جانب سے ۵۰ کل ہند ٹورسٹ ٹیکسی پرمٹوں کے لئے مقررہ فارم کے ذریعہ درخواستیں مطلوب ہیں۔

درخواست فارم وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۰ اکتوبر ہے تفصیلات کیلئے ٹرانسپورٹ کمشنر، شل چیمبر نریمان پوائنٹ، بمبئی سے رجوع کریں۔

عوام کا پروگرام

قومی خاندانی بہبود پندرہ واڑہ کے موقع پر وزیراعلیٰ کا پیغام

وزیراعلیٰ شری شرد پوار نے قومی خاندانی بہبود پندرہ واڑہ کے موقع پر ۱۵ ستمبر کو اپنے پیغام میں فرمایا کہ بہبود کا یہ پروگرام سرکاری پروگرام نہیں ہے۔ یہ غریبی دور کرنے کا آلۂ کار ہے۔ لہٰذا اسے مقبول بنانا چاہیئے، اور اس کی سرپرستی لازمی ہے۔ وزیراعلیٰ کے پیغام کا متن ذیل میں درج ہے:

"قومی خاندانی بہبود پندرھواڑہ پورے ملک میں ۱۶ ستمبر ۱۹۷۹ء سے منایا جارہا ہے جو کہ چھوٹے خاندان کی اہمیت کو مشتہر کرنے کی غرض سے ایک خصوصی مہم کے طور پر شروع کیا گیا ہے۔

اس پروگرام کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے بارے میں جو غلط فہمی ہے وہ دور کی جائے۔ لوگوں نے اسے سرکاری پروگرام بنا دیا ہے، جبکہ یہ حقیقت نہیں ہے۔ اس پروگرام پر عمل آوری سے عوام کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہیں اور وہ آرام سے زندگی گذار سکتے ہیں۔ بڑا خاندان بڑی دشواریوں کا سامنا کرواتا ہے۔ لہٰذا یہ کوشش کی جارہی ہے کہ عوام کو چھوٹے خاندان کی اہمیت کی تعلیم دی جائے۔

یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پروگرام کی کامیابی میں ہاتھ بٹائیں، کیونکہ ایک خوشحال ملک ہی اپنے شہریوں کو خوشحال بنا سکتا ہے۔ تمام ذات پات اور فرقے نیز مذہب کے افراد کو چاہیئے کہ وہ غریبی کے قلع قمع کے لئے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے آگے بڑھیں۔ کبھی کسی جاتی یا مذہب نے چھوٹے خاندان کی مخالفت نہیں کی ہے اور نہ ہی اپنے خاندان کے افراد کی غریبی اور بدحالی کو کبھی سراہا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مہاراشٹر کے عوام اس ضمن میں ایک مثال قائم کریں گے اور سماج کی بہتری کے لئے ہمہ جہت کوشش کریں گے۔"

مرحوم شری زبیری

محکمۂ دیہی ترقیات کے افسران اور عملہ کے ممبران نے منترالیہ میں شری آر۔ اے پاٹل وزیر دیہی ترقیات، قانون و عدلیہ، انفارمیشن و پبلک ریلیشنز کی صدارت میں شری آر۔ اے زبیری، محکمہ کے سابق سیکریٹری کی موت پر منعقدہ ایک جلسہ میں اظہار افسوس کیا۔

شری پاٹل نے فرمایا کہ مرحوم شری زبیری دیہی ترقیات کے لئے لئے گئے تھے اور انھوں نے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی محکمہ سے دلچسپیوں کو وابستہ رکھا۔ جلسہ میں دو منٹ خاموش رہ کر مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

قومی راج

لائن سفاری پارک بند

بوریولی نیشنل پارک میں 'لائن سفاری پارک' ۲۴ ستمبر سے دو ماہ کی مدت کے لئے سڑک کی مرمت کے کاموں کی خاطر بند رکھا جائے گا۔

بینائی تحفظ پروگرام!

اساتذہ کیلئے تحریری مقابلہ

حکومت ہند کے صحت و خاندانی بہبود کی وزارت نے اساتذہ کے لئے ایک تحریری مقابلہ رکھا ہے۔ مقابلہ کے لئے موضوعات ذیل میں درج ہیں:

۱) بینائی میں خرابی کے تدارک اور نابینائی قابو کے لئے اساتذہ کا رول
۲) اسکول کے بچوں میں بینائی کی خرابی کو روکنے کے لئے اساتذہ کیا مدد کر سکتے ہیں؟ اور کس طرح اس بات کا پتہ چلا سکتے ہیں، نیز کس طرح بچوں کی اصلاح کر سکتے ہیں؟ (۳) بچوں کو آنکھوں کی تعلیم دینے میں پبلک اسکول کے اساتذہ کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔

مقابلے میں حصہ لینے والوں کے لئے کسی بھی اسکول/ادارے کا ٹیچر ہونا ضروری ہے اور کسی بھی ایک موضوع پر صرف ایک مضمون بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ مضمون انگریزی، ہندی یا کسی بھی دیگر مقررہ ہندوستانی زبانوں یعنی اردو، ملیالم، تامل، تیلگو، مراٹھی، گجراتی، اڑیہ، بنگالی، آسامی، گورمکھی اور کنڑ میں بھیجا جا سکتا ہے۔

مذکورہ ۱۳ زبانوں میں ہر زبان میں ۳ انعامات دیئے جائیں گے۔ پہلا انعام ۵۰۰، دوسرا انعام ۲۰۰ اور تیسرا پچاس روپے۔

داخلے کے لئے مضمون اسکول کے سربراہ/پرنسپل کے ذریعے منظور شدہ ہونا چاہیئے اور ڈائرکٹر نیشنل پروگرام فار پریوینشن آف ویژول امپیرمنٹ اینڈ کنٹرول آف بلائنڈنس ڈائرکٹوریٹ جنرل آف ہیلتھ سروس (اپتھلمولوجی سیکشن) نرمان بھون، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱ کے پتے پر بھیجا جانا چاہیئے۔ مضمون موصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء ہے۔

سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے عطیہ

شری بھاسکر راؤ شنگنے، ڈپٹی چیرمین، ڈسٹرکٹ جنرل کوآپریٹیو بنک نے حال ہی میں شری اوم پرکاش کپاروترا، کلکٹر بلڈانہ کو ۱۰۰۰۰ روپے کا چیک وزیراعلیٰ کے راحت فنڈ میں سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے پیش کیا۔

ڈومبیولی مارکیٹ کیلئے بی ایم آر ڈی اے کی امداد

اسٹیشن کے قریب خوانچہ فروشوں کے لئے منڈی کی تعمیر کے سلسلے میں ڈومبیولی

میونسپل کونسل کو بی ایم آر ڈی اے، کے ذریعہ ۱۸ء۷ لاکھ روپے کی امداد حاصل ہوئی ہے. مجوزہ مارکیٹ کی لاگت کا اندازہ ۹۶ء۲۲ لاکھ روپے کا ہے جو کہ اسٹیشن کے علاقے کی ترقیاتی اسکیم کا ایک حصہ ہے. جسے ڈومبیولی میونسپل کونسل اور بی ایم آر. ڈی اے نے تیار کیا ہے.

یہ چیک ڈومبیولی میونسپل کونسل کے صدر کو بی ایم آر ڈی اے کے دفتر میں منعقدہ ایک تقریب میں پیش کیا گیا. ڈومبیولی ریاست کے تیزی سے ترقی کرنے والے شہروں میں سے ایک ہے اور یہاں کی آبادی میں ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیان ۱۰۰ فیصد سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ہے، جبکہ ایک شہر کی آبادی بڑھنے کا اوسط ۴۰ سے ۴۵ فیصد ہوتا ہے.

آبادی میں غیر معمولی اضافہ نیز صنعتی ترقی کی وجہ سے اسٹیشن کے علاقے میں بڑی افراتفری رہتی ہے، لہٰذا ڈومبیولی میونسپل کونسل اور بی ایم آر ڈی اے نے مشترکہ طور پر اسٹیشن کے علاقے کی ترقی کی اسکیم تیار کی ہے. یہ مجوزہ منڈی اس بڑی اسکیم کا ایک جزو ہے.

بمبئی میٹروپولیٹن علاقے میں اسی قسم کی دیگر مضافاتی اسکیمیں وضع کرنے کے بارے میں بی ایم آر ڈی اے غور کر رہی ہے.

اسکولی بچوں کا بے مثال تحفہ

ہر سال ۵ ستمبر کو 'ٹیچرس ڈے' منایا جاتا ہے. یہ دن سابق صدر ہند آنجہانی ڈاکٹر رادھا کرشنن کی سالگرہ کا دن ہے. امسال ۵ ستمبر ناگپور میں ایک مثالی اور یادگار دن بن گیا جبکہ یہاں کے مہاتما گاندھی سینٹنل سندھو ہائی سکنڈری اسکول کے طلبہ نے اپنے ایک معذور ٹیچر کو برغرض علاج ایک خطیر رقم پیش کی.

اسکول کے ٹیچر شری بی. ڈی تلوانی جو اسکول میں حساب پڑھاتے ہیں ان کی ہڈی میں کینسر ہو گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی دونوں ٹانگوں کی ہڈی خراب ہو گئی تھی. ناگپور کے ایک مشہور آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر ستیش کالے نے، جو کہ مریض کے معالج تھے بتلایا کہ ماسٹر صاحب کے دو آپریشن کرنے ہوں گے جس پر دس ہزار روپے خرچ ہوں گے.

شری تلوانی دس ہزار روپے کا انتظام نہیں کر سکتے تھے مگر ان کے طلبہ نے بڑے حوصلے سے کام لیا اور روپیہ جمع کرنے کا بیڑہ اٹھا لیا. صرف چار دن کی قلیل مدت میں دس ہزار کی رقم جمع کر لی. یہ رقم شری تلوانی داس کو ۵ ستمبر کے دن اسکول میں منعقدہ جلسہ میں ناگپور کے میئر شری ایس. ایم چاند نے کے ہاتھوں دی گئی. اسکولی بچوں کا یہ ایک مثالی اور یادگار تحفہ ہے.

مراٹھواڑہ سے

بین الاقوامی یوم اطفال کے موقع پر
لاوارث اور نادار بچوں کے لئے خصوصی اسکیم

بین الاقوامی یوم اطفال ضلع کمیٹی اورنگ آباد کا اجلاس ۴ اگست کو کلکٹر اورنگ آباد کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں آوارہ گرد اور لاوارث بچوں کے سدھار کے لئے خصوصی اسکیم پر عمل آوری کے لئے تجاویز پیش کی گئیں ان تجاویز پر عمل آوری کے لئے ڈسٹرکٹ پلاننگ بورڈ نے سولہ ہزار روپے کا عطیہ دیا کیونکہ یہ عطیہ اس اسکیم کے لئے ناکافی ہوگا اس لئے دیگر سماجی علاقائی ادارہ جات سے اعانت کی اپیل کی گئی۔

اس اجلاس میں ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ وبجاپور، جعفرآباد، سوئیگاؤں اور کنٹر کے تمام بچوں کو غذا، لباس، کتابیں، کاپیاں اور طبی امداد مفت فراہم کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔

چھوٹی بچت کا نشانہ مکمل: شہر اورنگ آباد کے لئے ۸۰ لاکھ روپے کی چھوٹی بچت کا نشانہ مقرر کیا گیا تھا، جو مکمل ہو گیا ہے۔ اس اسکیم کے تحت جولائی کے اواخر تک ۲ کروڑ ۹۳ لاکھ ۷۴ ہزار ۹۵ روپے جمع کئے گئے۔

اورنگ آباد میں ہندوجا ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

۱۲ اگست کو اورنگ آباد میں قلیل المدتی فنی تعلیمی ادارہ ہندوجا ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس سال موٹر وائنڈنگ و الیکٹرک پمپ موٹر درستگی کے ششماہی نصاب کے علاوہ ایک سالہ بلڈنگ کنسٹرکشن سپروائزری کورس کا آغاز کیا گیا ہے۔ مراٹھواڑہ وقف بورڈ نے اس کار خیر کے لئے پچاس ہزار روپے کا تحفہ دیا ہے۔

قومی راج میں شائع شدہ مضامین حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کئے جا سکتے ہیں، تاہم جس شمارے میں مضمون شامل ہو، اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے نام ضرور روانہ کی جائے۔

(ادارہ)

پربھنی میں سیلاب سے متاثرین کے لئے
ایک لاکھ روپے سے زائد عطیات جمع

سیلاب سے متاثرہ افراد کی مدد کے لئے پربھنی میں جمع کردہ رقم صرف دو دن ہی میں ایک لاکھ روپے سے تجاوز کر گئی۔ تجارتی طبقہ نے اس مہم میں بھرپور تعاون دیا۔

راشٹریہ گنیش منڈل کی جانب سے اس مرتبہ میلوں کے تمام پروگرام منسوخ کر دیئے گئے۔ گنیش منڈل کے صدر نے سیلاب فنڈ میں ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا۔

عثمان آباد و جالنہ میں انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

امسال عثمان آباد اور جالنہ میں انڈسٹریل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ شروع کرنے کے لئے حکومت نے منظوری دیدی ہے۔

عثمان آباد میں الیکٹریشن، ریفریجریٹر درستی، ویلڈر اور فٹر کورس رکھے گئے ہیں۔ ساٹھ طلبہ کے داخلہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جملہ ۴ لاکھ ۸۰ ہزار روپے کے خرچ کی حکومت نے اجازت دی ہے۔

جالنہ میں آٹو الیکٹریشن، ٹرنر، موٹر درستی میکانک کورس رکھے گئے ہیں یہاں بھی ۶۰ طلبہ کے داخلے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

یوتھ فورم

یوتھ فورم کا مستقل فیچر کیریر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی و معاشی ترقی پر نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگراموں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کا خاتمہ، اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتہ پر مرحمت فرمائیں:

ایڈیٹر قومی راج، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ اول منزلہ، مقابل منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

۲۵ راگست کو انجمن اسلام ہائی اسکول گراؤنڈ پر عید الفطر کی نماز ادا کی گئی اور بعد نماز عید ملن کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر لی گئی تصویر میں وزیر اعلیٰ شری شرد پوار، گورنر مہاراشٹر، شری صادق علی، اور وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ شری اسحاق جمخانہ والا بھی نظر آرہے ہیں ▼

ضلع پریشدوں کے نئے منتخب عہدیداروں کا پہلا اجلاس گذشتہ ۳ رستمبر کو منترالیہ میں منعقد ہوا۔ وزیر اعلیٰ شری شرد پوار اس اجلاس سے خطاب فرمارہے ہیں۔ آپ کے ساتھ وزیر مملکت برائے دیہی ترقی شری پرتاب راؤ بھوسلے، وزیر محصول شری اکم راؤ پاٹل اور وزیر برائے دیہی ترقی شری راجہ رام باپو پاٹل بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

قومی راج
۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۹ء
"راجیہ بھاشا ورش" خصوصی نمبر
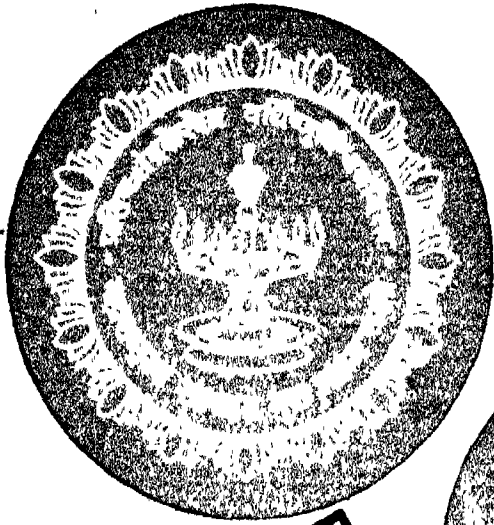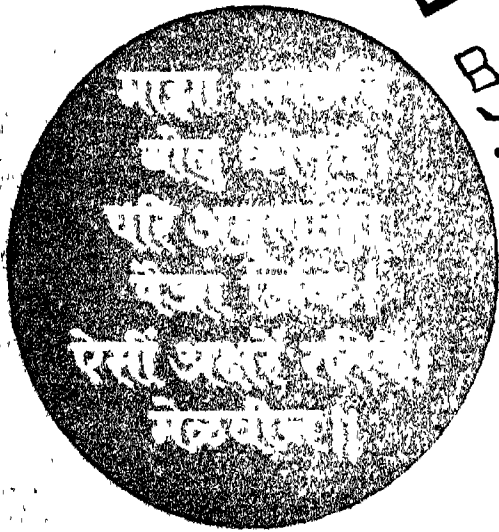
प्रास्ताविका

आम्ही, भारताचे लोक, भारताचे एक सार्वभौम
समाजवादी धर्मनिरपेक्ष लोकशाही गणराज्य घडवण्याचा
व त्याच्या सर्व नागरिकांस:
सामाजिक, आर्थिक व राजनैतिक न्याय;
विचार, अभिव्यक्ती, विश्वास, श्रद्धा
व उपासना यांचे स्वातंत्र्य;
दर्जाची व संधीची समानता;
निश्चितपणे प्राप्त करून देण्याचा
आणि त्या सर्वांमध्ये व्यक्तीची प्रतिष्ठा
व राष्ट्राची एकता आणि एकात्मता
यांचे आश्वासन देणारी बंधुता
प्रवर्धित करण्याचा संकल्पपूर्वक निर्धार करून;
आमच्या संविधानसभेत
आज दिनांक सव्वीस नोव्हेंबर, १९४९ रोजी
याद्वारे हे संविधान अंगीकृत आणि अधिनियमित
करून स्वतःप्रत अर्पण करत आहोत.

आतां अभिनव वाग्विलासिनी । जे चातुर्यार्थ कलाकामिनी । ते शारदा विश्वमोहिनी । नमिली मियां ॥ वरि साहित्याचिया वरवा । सांगिजेल म्हणोनि परि माळा । [illegible] ॥
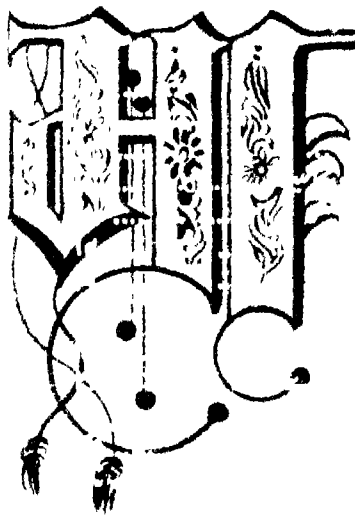
माझा मराठाचि बोलु कौतुकें । परि अमृतातेंही पैजा जिंके । ऐसीं अक्षरें रसिकें । मेळवीन ॥ मूळ ग्रंथींचिया संस्कृता । वरि मर्‍हाठी लोक पढतां । अभिप्राय मानलिया उचिता । कवण भूमी हें न चोजवे ॥ जैसें अंगाचेनि सुंदरपणें । लेणिया अंगचि होय लेणें । तेथ अळंकारिलें कवण कवणें । हें निर्वचेना ॥ तैसी देशी आणि संस्कृत वाणी । एका भावार्थाच्या सुखासनीं । शोभती आयणी । चोखट आडका ॥ एथ श्रवणाचेनि द्वारें । तीर्थी रिघतां सोपारें । ज्ञानदेवो म्हणे दातारें । माऊलि केलें ॥ तेणें संस्कृताचा गहन । तोडोनि मर्‍हाठिया शब्दसोपानें । रचिलें धर्मनिधानें । श्रीनिवृत्तिदेवें ॥

* ایم۔ اے خان (بی۔ اے۔ آنرز)

۱۵۳۔ بیگم پیٹھ۔ سولاپور (مہاراشٹر)

"قومی راج" کے تازہ ترین شمارے (۱۰ ر اگست ۱۹۷۹ء) کا مطالعہ کیا۔ یہ شمارہ بے حد معلوماتی اور قابلِ داد ہے۔ اس شمارے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو زبان کی کتنی بے لوث خدمت ہو رہی ہے۔

میں اپنی جانب سے حکومتِ مہاراشٹر کو تہ دل سے مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔

* مقیت اعظمی (ایم۔ اے۔ ہندی) ایم اے (اُردو) بی۔ ایڈ

اینگلو اُردو ہائی اسکول، اقبال روڈ، دھولیہ، ۴۲۴۰۰۱

۱۰ ر اگست کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ ترتیب و تزئین کے لحاظ سے "قومی راج" انفرادی حیثیت کا ابتدا سے ہی حامل رہا ہے۔ اس بار کے مضامین پُر از معلومات ہیں، خصوصی طور پر شاذ تمکنت، اقبال بلگرامی کے علاوہ معظم اور انور کے رشحات اس شمارے کی رُوح ہیں۔

منظومات میں رفیعہ شبنم عابدی کا پانچواں شعر اور اوج اعظمی کا تیسرا شعر اپیل رکھتا ہے۔

* بشیر بدر

ڈی۔ ۱۲۰، شاستری نگر، میرٹھ (یو۔ پی)

"قومی راج" نے ہر لحاظ سے ترقی کی ہے۔ ظاہر ہے کمال کی کوئی حد نہیں ہے اُمید ہے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

اچھے رسالے میں اچھی اور روشن کتابت اور طباعت کو میں ضروری سمجھتا ہوں "قومی راج" انہیں خصوصیات کا حامل ہے۔
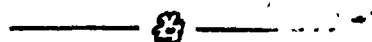
* شیخ عزیز شیخ مجید

ایم۔ اے (اُردو۔ تاریخ) بی۔ ایڈ

نائب مدرس، ضلع پریشد ہائی اسکول۔ اکوٹ، ضلع اکولہ

"قومی راج" کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ میں قومی راج کو عنوانات اور مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے بہت پسند کرتا ہوں۔

قومی راج ہماری مشترک تہذیب کی کامیابیوں پر توجہ دے رہا ہے۔ اس میں وہ خوبیاں نظر آئی ہیں جن کی ہمارے ملک و قوم کو اشد ضرورت ہے "قومی راج" اس ضرورت کو مکمل کر رہا ہے اور زبان و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دے رہا ہے۔

* حیات انور

مدرس ضلع پریشد اُردو اسکول، باڑے گاؤں (بالاپور)

ماہ اگست ۱۹۷۹ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ نثر میں بطور خاص محمد رضی الدین معظم صاحب کا مضمون "آپ کا بچہ قوم کی امانت ہے" انور پانی پتی صاحب کا آرٹیکل علامہ اقبال جدید شاعری کا نمائندہ" پروفیسر شاذلی صاحب کا "اُردو میں عالمی مذاہب" بہت خوب ہیں۔

اسی طرح منظومات میں محترمہ رفیعہ شبنم عابدی صاحبہ، رفیق جعفر صاحب و ظہیر احمد ظہیر بالاپوری نے کافی متاثر کیا۔

بدست دعا ہوں کہ "قومی راج" اسی طرح دلوں پر راج کرتا رہے"۔

* محبوب راہی

نزد گلزار مسجد، بارسی ٹاکلی ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

"یومِ آزادی" ہندوستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک باب ہے۔ اس مُبارک و مسعود موقع پر "قومی راج" کا یومِ آزادی نمبر ایک تاریخی دستاویز کی صورت میں پیش کر کے آپ نے حب الوطنی کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ بات سب ہی تسلیم کر چکے ہیں کہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں اُردو کے ادیبوں اور شاعروں کا نمایاں اور اہم رول رہا ہے۔ آپ نے اس یادگار نمبر میں ملک کے مشاہیر شعراء کی آزادی کے موضوع پر بیک وقت ۹ شاہکار نظمیں پیش کر کے گویا اس دلیل پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس مُسرت کے موقع پر کچھ کیف و سُرور کے اسباب بھی لازمی ہیں۔ جلیل ساز، سکندر علی وجد، حفیظ مالیگانوی، سرور حسن خاں، واحد محسن اور سکندر عرفان کی غزلیں اور بہار صدیقی کی رباعیات اس جشنِ عشرت کے لُطف کو دوبالا کئے ہوئے ہیں۔ "آزادی وطن کے شہید" "۴۷ ۱۹ء کی بحریہ بغاوت" اور "آزادی کی کہانی" ان مضامین سے ہماری جدوجہد آزادی کے بہت سے گوشے نمایاں ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ قومی راج کا یہ خصوصی نمبر ہندوستان کی یوم آزادی کے شایانِ شان ہے۔ مُبارکباد اور ہدیۂ تشکر تمام اربابِ اُردو کی جانب سے۔

وزیرِ اعلیٰ کا پیغام

مراٹھی مہاراشٹر کے باشندوں کی مادری زبان ہے۔ روزمرّہ کے کام کاج میں ہر فرد اولاً اپنی مادری زبان ہی استعمال کرتا ہے۔ قدرتی طور سے ایک فرد صرف مادری زبان ہی کے ذریعہ اپنے خیالات کا اظہار صحیح طور سے کرسکتا ہے۔ لہٰذا مادری زبان ایک فرد کی شخصیت کو بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔

لوگوں کی زندگی میں مادری زبان کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ہمارے دیس میں لسانی بنیاد پر مختلف ریاستوں کی از سرِ نو تشکیل کی گئی۔ مراٹھی بولنے والے لوگوں کے لئے ریاست مہاراشٹر قائم کی گئی۔ اس وقت مراٹھی زبان کو "راج بھاشا" قرار دیا گیا۔ سرکاری نظم ونسق میں 'راج بھاشا' کی حیثیت سے مراٹھی کو رواج دینے کے لئے خاص کوششوں کی ضرورت تھی جو کئی سالوں سے بدیسی راج کے ماتحت تھی۔ اس مقصد کے پیشِ نظر انتظامیہ کے مختلف شعبوں میں مراٹھی کو 'راج بھاشا' کے طور پر استعمال کرنے کے لئے کوشش شروع کی گئی اور دفترِ لسانیات قائم کیا گیا۔ گو اس کوشش میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے، لیکن ابھی کافی کام پورا کرنا ہے۔

مراٹھی کو اب مہاراشٹر کی 'راج بھاشا' بنا دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ لوگوں کو اس بنا پر یہ محسوس نہ ہو کہ انھیں ایک نئی زبان سیکھنا پڑ رہی ہے۔ سرکاری انتظامیہ میں صرف ایسے الفاظ ہی اختیار کرنا چاہئیں جو روزمرّہ کی زندگی میں رائج ہیں اور جنھیں لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ آئندہ نسل گرمجوشی سے 'راج بھاشا' قبول کرے گی، اس کا انحصار 'راج بھاشا' کے ذریعہ اعلیٰ اور تکنیکل تعلیم دینے میں ہماری کامیابی پر ہے۔ یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ علم یا انتظامیہ کی ترقی کی خاطر ٹکنالوجی، سائنس اور ریسرچ کے میدان میں مراٹھی میں ہم معنی مساوی اصطلاحات نہیں ہیں۔ ہم اس تاریخی حقیقت کو فراموش نہیں کرسکتے کہ ماضی میں مراٹھی کو 'راج بھاشا' کا اعزاز حاصل تھا۔ سرکاری اور عدالتی کارروائیوں میں بڑے پیمانے پر یہ زبان استعمال ہوتی تھی۔ فی الحال ضرورت اس بات کی ہے کہ مراٹھی زبان کے ذریعہ جدید سائنس، ریسرچ اور ٹکنالوجی کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس بات میں ماہرینِ تعلیم، سائنس دانوں اور محققین کی جانب سے ہمیں مثبت تعاون حاصل ہوگا۔

میرے خیال میں یہ محض حکومت ہی کا کام نہیں ہے کہ مادری زبان کو 'راج بھاشا' کا اعزاز دیا جائے۔ 'راج بھاشا' لوگوں ہی کے لئے ہے، لہٰذا ان کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ دل وجان سے تعاون دیں۔ حکومت اور جنتا دونوں ہی کے باہمی تعاون سے مراٹھی زبان مالا مال ہوگی اور اس طرح 'راج بھاشا' کی حیثیت سے شایانِ شان مقام حاصل کرسکے گی۔

'لوک راجیہ' کے 'راج بھاشا' نمبر میں 'راج بھاشا' اور متعلقہ مسائل پر کئی معلوماتی مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ لوگ 'لوک راجیہ' کی علمی کوشش کو سراہیں گے اور تعاونِ عمل کریں گے

شرد پوار
وزیرِ اعلیٰ مہاراشٹر

وزیرِ تعلیم کا پیغام

گذشتہ سال ماہ مارچ میں نئی دہلی میں کُل ہند ُراج بھاشا ' سمیلن منعقد ہوا تھا، جس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ۱۹۷۹ء ملک بھر میں ' راج بھاشا سال ' کے بطور منایا جائے۔ اس فیصلے کے مطابق حکومتِ مہاراشٹر نے جاری سال ' راج بھاشا سال ' قرار دیتے ہوئے ایک " راج بھاشا سال کمیٹی " قائم کی تاکہ اس سلسلے میں خصوصی پروگرام طے کئے جاسکیں۔ اور ان پر ٹھیک طریقے سے عمل آوری کی جاسکے۔ مذکورہ کمیٹی فی الحال چند خاص اسکیمات شروع کرچکی ہے۔ ' راج بھاشا ' پر پندرہ روزہ ' لوک راجیہ ' ایک خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ' لوک راجیہ ' کا یہ خصوصی نمبر مذکورہ کمیٹی کے کاموں میں معاون ثابت ہوگا۔

' لوک راجیہ ' کا ' راج بھاشا ' نمبر مشہور و معروف ماہرینِ لسانیات اور علم داں حضرات کے لکھے ہوئے کئی خیال انگیز مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ مضامین ' راج بھاشا ' سے متعلق متعدد مسائل پر بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خصوصی نمبر ایک خاص اہمیت کا حامل ہے جس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ ایک عام آدمی بھی ' راج بھاشا ' سے متعلق ماہرینِ لسانیات اور مفکروں کے خیالات سے واقف ہو سکے گا بلکہ خود بھی متاثر ہوگا۔

میں بذاتِ خود یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس خصوصی شمارے میں پیش کئے گئے زرین خیالات کی روشنی میں حکومت مہاراشٹر رہنمائی حاصل کرے گی۔

ہم نے جمہوری اُصولوں کو پُورے وثوق کے ساتھ اَپنایا ہے اور جمہوریت میں زبان حکمراں اور سماج کے درمیان ایک لازمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ خصوصی شمارہ اس رابطہ کو مزید استحکام بخشنے میں معاون ثابت ہوگا۔

سدانند وردے
وزیر برائے تعلیم، ثقافتی اُمور، یوتھ سروسیز و اسپورٹس
حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی

زبان اور الفاظ کا استعمال

یشونت کانیٹکر
ڈائرکٹر آف لینگویجز
حکومت مہاراشٹر۔

زبان بنی نوعِ آدم کو قدرت کا اعلیٰ ترین عطیہ ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز درجہ عطا کرتی ہے۔ انسان کو انسانیت سے نوازنے والے دو اہم ذرائع ہیں یعنی کلام اور اس سے پیدا ہونیوالی زبان۔ ان دو ذرائع کی مدد سے وہ دیگر مخلوقات کے مقابلے میں امتیاز پانے اور فطرت پر فتح پانے کے قابل ہوا۔ انہی ذرائع کی مدد سے وہ علم و ھنر کی دولت سے مالا مال ہوسکا اور اپنے افکار کی دولت کو آنیوالی نسلوں کو وراثتاً منتقل کرنے کے قابل ہوا۔ یہ زبان کا کرشمہ ہے کہ آج انسان ترقی کی بلندترین چوٹی پر براجمان نظر آتا ہے، زبان چونکہ انسان کی ہمہ جہتی ترقی کا اہم ذریعہ رہی ہے، اس لئے یہ موضوع انسان کو دل و جان سے عزیز رہا ہے۔ انسان جب بچپن میں اپنی ماں کی گود میں تتلاکر بولنا سیکھتا ہے تو وہی اس کی فطری زبان ہے جس میں اس کے ذہنی و جذباتی تصورات متشکل ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہی ایک زبان اسکی فکری و ذہنی نشو ونما کا واحد ذریعہ ہوسکتی ہے۔

مراٹھی زبان کے ایک شاعر نے کہا ہے کہ

"मातेचिया गोड दुग्धामृताची सवे आमुचि
तोडल्यापासूनी तुझ्याच दुग्धावरी, मायभाषे!
आम्ही वाढलो पोसलो जीवनी"

'مادرِ شفیق کے میٹھے دودھ امرت کی عادت جب سے چھوٹی ہے اے میری مادری زبان تیرے ہی دودھ پر میری زندگی نشو ونما پارہی ہے۔'
قومی راج

سچ ہے جس طرح جسم کی اولین نشو ونما ماں کے دودھ سے ہوتی ہے اسی طرح ہماری ذہنی نشو ونما کا انحصار محض زبان پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کوی نے "माता तशी स्वभाषा" کہہ کر زبان کو ماں ہی کی طرح پیاری بتایا ہے۔

جس طرح انسان زبان کے سہارے بڑھتا اور ترقی کرتا ہے اسی طرح زبان بھی انسان کی علمی وسعتوں کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے معاون ہیں اور ایک دوسرے کے سہارے سے آگے بڑھتے

ہیں۔ زبان تاریخ ساز ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے ہم بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔ زبان کی اس طاقت کو ہمارے شاعروں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تخلیقات میں بار بار مراٹھی کی حلاوت کے گُن گائے ہیں۔ گیانیشور نے مندرجہ ذیل شبدوں میں الفاظ کی طاقت کا ذکر کیا ہے:

"जरी बिंब तो बचकेचि एवढे। तरी प्रकाशा त्रिभुवन थोकडे। शब्दाची व्याप्ति एणे पाडे। अनुभवावी."

[سورج کا ہالہ ہتھیلی برابر ہی ہوتا ہے پھر بھی اس کی روشنی کے لئے روئے زمین اور افلاک کی وسعت کم ہوتی ہے۔ الفاظ کی وسعت کو بھی اسی طور سمجھنا چاہیئے۔]

اسی طرح تکارام نے بھی الفاظ کی اہمیت بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"आम्हा घरी धन शब्दाचीच रत्ने, शब्दाचीच शस्त्रे यत्न करू'

[ہمارے گھر الفاظ اور موتیوں کی دولت ہے اور اگر ہمیں ہتھیار کی ضرورت پڑی تو وہ بھی الفاظ ہی سے بنانے کی ہماری کوشش ہوگی]

اس طرح الفاظ نئی زندگی دے سکتے ہیں، نئی تہذیب کے معمار بن سکتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ میں جان ڈالنے کے لئے گیانیشور اور تکارام جیسی باصلاحیت شخصیتوں کی ضرورت ہوتی ہے بجلی کے بلبوں میں جب تک بجلی نہیں پہنچتی وہ محض کانچ کی نلیاں نظر آتے ہیں اور جب ان میں برقی قوت سرایت کر جاتی ہے تو ان کی جگمگاہٹ آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اس طرح وہ منجمد اور بے جان الفاظ جب کسی عبقری شخصیت کے طلسماتی تنفس سے جاندار ہو اٹھتے ہیں تو ان میں فکر و معنویت کا ایک سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔ زبان اور الفاظ کی اس اہمیت کو اگر ہم ٹھیک سے ذہن نشین کر لیں تو ہو سکتا ہے ہم اپنی زبان کی موجودہ حالت کو ٹھیک سے سمجھ کر اُسے سدھارنے کے لئے خود اعتمادی کے ساتھ قدم اُٹھا سکیں۔

مراٹھی زبان کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ابتداء سے لے کر آج تک اس زبان کا سفر متعدد نشیب و فراز اور خار دار راہوں سے ہوا ہے۔ متعدد سنتوں اور شیواجی مہاراج جیسے راجہ نے اس کی سرپرستی کی ہے اور اس کے باوجود بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قسمت آج تک پوری طرح جاگ نہیں پائی۔ اس زبان کے ابتدائی دور میں اسے سنسکرت کی سسرال ملی تھی۔ اور اس کے بعد فارسی کے زیر اثر رہی، پھر انگریزی کی فوقیت برداشت کرتی رہی ۔ ۔ ان تین زبانوں کا بوجھ سہہ کر وہ آج اس قابل نہیں ہے کہ ہم اسے بہ نظرِ تحسین دیکھ سکیں، گذشتہ سوڈیڑھ سو سال کے عرصے میں تعلیم، جدید علوم اور اخبارات میں اس زبان کا استعمال وسیع پیمانے پر ہوتا رہا ہے۔

تاہم اہم میدانوں میں مثلاً عدالتوں، دفتروں، کچہریوں اور کارخانوں میں، اسی طرح یونیورسٹیوں اور تجربہ گاہوں میں اس کا استعمال ہنوز خاطر خواہ نہیں ہے۔ اس نکتۂ نظر سے اس زبان کی بُنیادی طاقت بڑھانے کے لئے کوشش کرنا ضروری ہے۔ یہ نظریہ محض ایک رومانوی یا جذباتی رجحان کی تشکیل نہیں ہے بلکہ اس کے پسِ پشت ایک منطقی فکر کارفرما ہے۔

مادری زبان انسان کے اظہارِ خیال کا فطری ذریعہ ہے۔ بچپن سے وہ جس زبان میں اپنے جذبات، خیالات، تخیّلات اور تصورات کو پیش کرتا ہے، وہی زبان اس کی فطری ترقی کی ایک ایسی طاقت ہوتی ہے جسے وہ عزیز رکھتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو پھر ہم کسی غیر زبان کی فوقیت کا اظہار کیوں کریں؟ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو یہ نہیں کہ ہم کسی غیر زبان کی اہمیت کو بڑھاتے ہیں بلکہ ہماری آنے والی نسلوں کی صلاحیتوں کو کچل دیتے ہیں۔

مادری زبان کے علاوہ اگر کسی دیگر زبان کا بوجھ بچے کے ذہن پر پڑتا ہے تو اپنی زبان میں اظہارِ فکر کی وہ تازہ قوت جو اس نے ابھی ابھی حاصل کی ہے مجروح ہو جاتی ہے۔ یہ خیال اس میدان کے متعدد مفکروں نے پیش کیا ہے اور ہمیں چاہیئے کہ اس پر دھیان دیں۔ ہمارا سماج پہلے ہی رنگ و نسل اور ذات پات کے بھید بھاؤ سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں انگریزی کے رعب و دبدبہ سے تفریق اور بڑھے گی نیز تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ افراد کے درمیان خلیج وسیع تر ہوگی۔

سماجی یک جہتی کو بڑھانے کے لئے بھی اپنی زبان کا استعمال وسیع پیمانے پر کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اس کے لئے اپنی اپنی زبانوں کو الفاظ کے اضافوں سے مالا مال کرنا چاہیئے۔

آج جملہ علوم و فنون کی ترقی نہایت تیزی سے ہو رہی ہے۔ اگر اس ترقی کے ساتھ ہماری زبان کو قدم ملا کر چلنا ہے تو ضروری ہے کہ ہم ایک ایسے پروگرام پر عمل کریں جو مقررہ میعاد کے اندر مکمل ہو جائے۔

سنتوں اور مہنتوں نے اس علاقے کی زبان کو روحانی موضوعات سے مالا مال کر دیا ہے، اب ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم دنیاوی موضوعات کی طرف توجہ کریں اور جدید علوم و فنون کو اس زبان میں سمولیں۔ اس کیلئے کچھ زیادہ ہی کوشش کرنا ضروری ہے۔ مراٹھی زبان کے نکتۂ نظر سے ان علوم کے جملہ تصورات و افکار غیر معروف ہیں لہٰذا انھیں اس زبان میں سمونے کے لئے

کچھ مصنوعی طریقوں کا اختیار کیا جانا ضروری ہے۔ اگر سچ دیکھا جائے تو آج ہماری مکمل زندگی مغربی انداز لئے ہوئے ہے؛ ایسا کہنا کچھ غلط نہیں ہوگا۔ آج ہماری رہائش، طور طریق، انتظامیہ کی مشینری، حکومت کرنے کا ڈھنگ اور تعلیم وغیرہ سب ہی کچھ مغربی افکار کے تعلق اور اثرات کی رہینِ منت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری زبان کے روایتی انداز میں ان جملہ تصورات کے اظہار کے لئے الفاظ مشکل ہی سے مِل پاتے ہیں۔ جب تک ہماری زبان میں ان تصورات کے لئے الفاظ نہیں ہوں گے تب تک اس کی صلاحیت ادھوری رہے گی۔ زبان کو وسیع بنانا اور اس میں جملہ علوم کو جگہ دینا ہو تو ضروری ہے کہ زبان کے الفاظ کا ذخیرہ بڑھایا جائے۔ اس کے لئے ہم مختلف طریقے اپنا سکتے ہیں۔ اپنی زبان کے موجودہ الفاظ کو نئے معنی پہنا کر انھیں نئے مطالب کے اظہار کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، غیر زبانوں سے الفاظ مُستعار لے سکتے ہیں یا نئے الفاظ وضع کئے جا سکتے ہیں۔ ویسے دیکھا جائے تو کوئی زبان شدھ نہیں ہوتی، ہر زبان کو دوسری زبانوں سے الفاظ مُستعار لینا ہی پڑتے ہیں۔ جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک کی زبان میں لفظ "جنتا" کا کوئی مترادف نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں دو ہزار سال تک مسلسل صرف ایک ہی خاندان کے راجہ راج کرتے رہے ہیں جس کی وجہ سے وہاں صرف 'پرجا' کا تصور ہے۔ جہاں راجہ ہوگا وہاں پرجا ہی ہوگی۔ 'جنتا' کا تصور وہاں اُبھرتا ہے جہاں عوام کے ہاتھ میں اختیار آتا ہے۔ ایسے ترقی یافتہ ملکوں نے بھی ایسے تصورات کے اظہار کے لئے کثرت سے الفاظ مستعار لیے ہیں یا وضع کئے ہیں۔ اس تعلق سے کسی قسم کی علیحدگی پسندی مراٹھی زبان کو اپنانا نہیں چاہیے۔

جہاں تک سرکاری زبان کا تعلق ہے یہی پالیسی اختیار کی گئی ہے حسبِ ضرورت سنسکرت کا سہارا لیا گیا ہے لیکن اس کے لئے خاص وجہ ہے، مہاراشٹر کا معتمدِ اعلیٰ جب بہار کے معتمدِ اعلیٰ سے کوئی خط کتابت کرے گا تو ضروری ہے کہ یہ دونوں کسی ایک مشترکہ زبان کا سہارا لیں۔ اگر ایسے وقت دونوں کے عہدوں کے نام ایک ہی ہوں تو تعلق پیدا کرنے کے نکتۂ نظر سے بہت سہولت ہوگی۔ اسی لئے سرچٹنس یا پنتھ سچیو جیسے مراٹھی کہے جانے بوجھے الفاظ کو چھوڑ کر "مکھیہ سچیو" جیسا لفظ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ کل ہند سطح پر ایک قسم کی یکسانیت رہے۔ اگر کہیں سنسکرت الفاظ کا استعمال کچھ زیادہ نظر آتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ حکومت مہاراشٹر نے پورے ہندوستان کے مفاد کے پیشِ نظر اس پالیسی کو اپنایا ہے۔ تاہم جہاں ایسے الفاظ مراٹھی روایات کے خلاف ہوں یعنی ایسے لفظوں کا مراٹھی میں کچھ دوسرا ہی مطلب نکل آتا ہو تو وہاں ایسے لفظوں کو اختیار نہیں کیا گیا ہے، مثلاً ہم نے تعلیم کے لئے 'शिक्षा' کی بجائے 'शिक्षण' لفظ اختیار کیا ہے اور اسی طرح 'यातायात' اور 'समर्थन' کی بجائے 'दळणवळण' اور 'पाठिंबा' جیسے الفاظ کو اختیار کیا ہے۔ تمام ہندوستانی زبانیں سنسکرت سے نکلی ہیں اور سنسکرت سے الفاظ مُستعار لیتی ہیں لیکن ایسے الفاظ کو مختلف معنی مختلف زبانوں میں رواج پا چکے ہیں۔ ان حالات میں اپنی زبان کے مزاج اور رجحان کو دھیان میں رکھ کر ہی لفظوں کا انتخاب اور تعین کرنا پڑتا ہے اور یہی پالیسی 'بھاشا سلاّ گار منڈل' نے اپنائی ہے۔ کسی لفظ کا انتخاب کرتے ہوئے اس مخصوص زبان میں اس کے استعمال کو بھی دھیان میں رکھنا پڑتا ہے۔ ان الفاظ سے مشتق و مرکّب الفاظ بھی بنائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی دیکھنا چاہیئے نیز زبان کی روانی میں ایسا بنایا ہوا لفظ آسانی سے کھپ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔

مراٹھی زبان کو وسیع تر بنانے میں اگر ہم مندرجہ بالا تین اُصولوں کو دھیان میں رکھیں تو پھر جو زبان بنے گی وہ یقیناً مراٹھی بولنے والوں کے مُنہ سے بھلی معلوم ہوگی اور اس کا استعمال گھر اور بازار میں بِلا روک ٹوک ہوگا۔ سنسد، دودھان سبھا، وِدھیئیک، ادھیادیش، پردرشن، آیوگ، مہابھیوگ، پرشاسک، اُرجا، سوَرشکتی، سنکِرت، رسائنک، سنکلپنا جیسے متعدد الفاظ جو دس بارہ سال پہلے غیر معروف سے تھے، آج بلا تکلف استعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ نئے الفاظ گھڑتے ہوئے فطری طور پر مراٹھی کے اصل ماخذ سنسکرت کا سہارا لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے ایسے نئے الفاظ کسی بھی زبان میں بنائے جا سکتے ہیں۔ انگریزی زبان میں جدید علمی اور تکنیکی تصورات کے اظہار کے لئے یونانی اور لاطینی زبانوں کا سہارا نہایت آزادی سے لیا جاتا ہے۔ 'مونو، پنٹو، ہائڈرو، اکوا، فیرو' جیسے متعدد سابقے انگریزی میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

"ہیموگلوبین" جیسے الفاظ تو یونانی اور لاطینی دونوں کے اشتراک سے بنے ہیں۔ اُردو میں بھی عربی کے اصل الفاظ سے اسی طرح مشتق الفاظ بنائے جاتے ہیں: حکم، حکومت، حاکم، محکمہ یا حافظ، محافظ، محفوظ، حفاظت جیسے الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ ارتقائے زبان کے تعلق سے اس طریقے کو متفقہ طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے جو ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے، لہذا تکنیکی الفاظ گھڑنے کے لئے نہ صرف یہ کہ سنسکرت کا سہارا

لینا نہایت ضروری ہے بلکہ مناسب بھی ہے۔ اگر ہم پچھلے سو ڈیڑھ سو سال میں مراٹھی زبان کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو ہمیں سنسکرت سے مستعار لئے ہوئے سیکڑوں الفاظ ملیں گے، کوئی سا اخبار، رسالہ، ماہنامہ یا کتاب اُٹھا کر دو چار جملے پڑھ لیجئے تو آپ پر یقیناً اس کی صداقت واضح ہوگی۔ مہاراشٹر میں گھر گھر پہنچے ہوئے گیانیشور، نامدیو اور تکارام سے لے کر جدید ترین شاعر، مصنف، ادیب اور صحافی تک ہر قلم کار نے ایسے متعدد الفاظ بنائے ہیں اور استعمال کئے ہیں۔

آج کسی کو یقین نہیں آئے گا کہ 'پتنگ، کادمبری، سُنیت (سانیٹ) سمپادک، ماسِک اور ارتھ شاستر جیسے متعدد الفاظ سو' پچھتر سال کے اندر ہی بنائے گئے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ مہاراشٹر کے عوام کی زبان پر بہت جلد چڑھ جاتے ہیں، اور لوگ انھیں آسانی سے سمجھنے لگتے ہیں۔

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مراٹھی زبان کا مزاج ہے۔ مطلب یہ کہ الفاظ سازی کے دوران کسی ایک زبان پر اڑ جانا مناسب نہیں۔ ان الفاظ کو قبول کر لینا ہی پڑتا ہے جو پہلے ہی ہماری زبان کا حصہ بن چکے ہوں اس میں رواج پا چکے ہوں اور لوگ انھیں سمجھنے لگے ہوں' خواہ وہ کسی زبان کے ہوں۔ بھاشا سلّا گار منڈل اور حکومت کی یہی پالیسی رہی ہے۔ حکومت وقتاً فوقتاً گشتیاں نکال کر دفاتر کو اپنی اس پالیسی کی اطلاع دیتی رہتی ہے۔ حکومت کی جانب سے جو لغات تیار کی گئی ہے وہ محض رہنمائی کے لئے ہے' کرمچاریوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ اصل مراٹھی میں لکھتے ہوئے جو الفاظ فطری طور پر قلم کی روانی میں آجائیں ان کا استعمال ضرور کریں خواہ وہ کسی زبان کے ہوں۔

زبان کی ترقی کا ایک راستہ ذخیرۂ الفاظ کو بڑھانا ہے اور اس کے علاوہ ان الفاظ کو مختلف موضوعات کے تعلق سے جملوں میں استعمال کرنا بھی ضروری ہے۔ زبان جب تک استعمال میں نہ ہو وہ بڑھیگی کیسے؟ اس لئے اگر مختلف موضوعات بڑھانے والے پروفیسران اور مفکرین اپنی عبارت آرائیاں اصل مراٹھی میں پیش کرنے کی مثال پیش کریں تو خود بخود ان کی فکر کے دھارے اسی زبان میں بہنے لگیں گے نئے الفاظ وجود میں آئیں گے اور زبان' لفظ و معانی سے مالا مال ہو جائیگی۔

یونِسکو کی رپورٹوں سے واضح ہوتا ہے کہ زبانوں کی ترقی کے لئے ترقی پسند ممالک نے مذکورۂ صدر طریقوں کو ہی اپنایا ہے۔ جاپان' انڈونیشیا اسرائیل، مصر وغیرہ ممالک' انھیں طریقوں سے اپنی زبانوں کو ترقی دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ کرنا، جملہ موضوعات کے لئے زبان کا استعمال کرنا اور اسی زبان میں جملہ موضوعات پر لکھنا اگر یہ طریقہ اپنایا گیا اور ایسی پالیسی حکومت نے نیز علوم و فنون پر لکھنے والوں نے اور جملہ مفکرین نے اپنائی تو یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ مراٹھی کا مستقبل بہت ہی تابناک ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ جملہ مراٹھی بولنے والے اس راہ پر چلنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔

ترجمہ: علاء الدین جینا بڑے

**

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے گذشتہ سال بمبئی میں "وشوکوش" کی شائع شدہ اوّل پانچ جلدوں کی فروخت کا آغاز کیا تھا۔ مراٹھی میں یہ انسائیکلوپیڈیا مہاراشٹر اسٹیٹ لٹریچر اینڈ کلچرل بورڈ نے شائع کی ہے۔ زیر نظر تصویر میں بورڈ کے چیرمین ترک تیرتھ شری لکشمن شاستری جوشی ایک جلد وزیر اعلیٰ کو دکھلا رہے ہیں

ا نچ بھاشا سال" منانے کے سلسلے میں مہاراشٹر کے علاقائی صدر مقامات پر سیمنار منعقد کئے جانے
یا جن میں ماہرین زبان، ممتاز ادیب اور پروفیسر وغیرہ شرکت کرتے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں وزیر تعلیم شری
رانند ورد ے، پونے میں ایک سیمنار کا افتتاح فرما رہے ہیں۔

لسانی منصوبہ بندی

• اشوک آر کیلکر
پروفیسر لسانیات دکن کالج، پونے

زندگی تغیر پذیر ہے اور سکون و قرار کی طالب بھی۔ تغیر کے ذریعہ زندگی میں ہم آہنگی برقرار رہتی ہے۔ زندگی نے اولاً وراثت کو جنم دیا تاکہ اس کے ذریعہ تبدیلی کے ساتھ ہم آہنگی قائم رکھی جاسکے۔ ڈارون نے اپنے نظریۂ ارتقاء میں اس ارتقائی انقلاب کو واضح کیا ہے۔ لیکن آدمیت کے درجہ پر پہنچنے کے بعد ارتقاء صرف علم حیات کا مسئلہ نہیں رہتا۔ انسان نے ارتقا کو تیز تر کیا۔ اس نے قدرتی وراثت میں تہذیب کا اضافہ کیا۔ علم الانسان کے مطابق تہذیب کیا ہے؟ تہذیب رسم و رواج کا مجموعہ ہے، جس کے ذریعے لوگ اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرتے ہیں۔ کہاوتوں ہی کی طرح ان کے رسم و رواج سے پہلی نسل کی حکمت و دانائی موجودہ نسل میں آتی ہے۔ لیکن دانائی کے ساتھ ہمیشہ حماقت وابستہ رہتی ہے یا دوسرے الفاظ میں ایک وقت کی حکمت و دانائی وقت بدلنے کے ساتھ حماقت بن جاتی ہے اسی طرح واقعہ یہ ہے کہ "پرانا نظام بدلتا ہے اور نیا نظام اس کی جگہ لیتا ہے۔" لیکن اس کی رفتار بڑی سست ہوتی ہے۔ علم الانسان کی رفتار علم حیات سے تیز ہوسکتی ہے، لیکن موجودہ دنیا کے تیز تغیر کے لحاظ سے کافی تیز نہیں۔ رام موہن رائے اور ایم۔جی رانا ڈے جیسے جدید ہند کے معماروں نے اس بات کو سمجھ کر ہمیں یہ پرزور مشورہ دیا کہ ہم ہوش مندی سے کام لیں اور اپنے رسم و رواج میں تبدیلیاں لائیں۔ یہ ہے منصوبہ بندی کا خفیف سرا، یعنی وراثت اور رسم و رواج کے بعد تیسرا بڑا طریقِ ارتقاء۔

آج جب ہم منصوبہ بندی کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے معاشی منصوبہ بندی۔ معاشی منصوبہ بندی میں مفکرین کے مابین زبردست بحث ہمارے سامنے آتی ہے جن میں ایک طرف وہ ماہرین ہیں جن کے خیال میں قوانین طلب و رسد، محدود ذرائع اور انسان کی غیر محدود ضروریات کے درمیان تطابق رکھنے کے لئے کافی ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو طلب اور رسد پر سرکاری اور سماجی نگرانی کے حامی ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا مشکل ہے کہ حکومت کس طرح لسانی معاملات میں طلب اور رسد پر نگرانی رکھ سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ منصوبہ بندی کا بہت ہی محدود تصور ہے۔ منصوبہ بندی درحقیقت سماجی سطح پر منتقلی ہے جس کی ہمیشہ دانشمند فرد کوشش کرتا ہے وہ زندگی میں اپنی راہ پسند کرتا ہے۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ زندگی میں اسے کیا کرنا ہے۔ اس فیصلۂ نیز دنیا کے متعلق جو کچھ وہ جانتا ہے اس کی روشنی اسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ طے کرتا ہے کہ یہ کرے یا وہ کرے یا کچھ بھی نہ کرے۔ لیکن خواہ وہ کوئی بھی پالیسی اپنائے اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ان متبادل صورتوں کے آئندہ نتائج کو نظر میں رکھے۔ پھر ایک مرتبہ وہ جو پالیسی اپناتا ہے، اسے زیر عمل لانے کے لئے پوری سعی کرتا ہے۔ مشکل پیش آنے پر وہ اپنی پالیسی پر نظرثانی کرسکتا ہے۔ وہ طے کرتا ہے کہ اس کے بچوں کو اس سے بہتر تعلیم ملنی چاہیئے لہٰذا وہ اس مقصد کیلئے روپیہ بچاتا ہے۔ وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے بچے کم ہوں۔ وہ سوچتا ہے کہ تمباکو نوشی ترک کردینا چاہیئے۔ وہ بیوپار کرتا ہے اور اسے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تیز زبان اسے مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی زبان سنبھالنا

ہے۔ غرض کہ ایسی ہی تدبیریں کرتا ہے۔ جب ایک شادی شدہ جوڑا یہ طے کرتا ہے کہ بچے محدود ہوں تو یہ خاندانی منصوبہ بندی کہلاتی ہے۔ اسی طرح جب پوری سوسائٹی یہ طے کرتی ہے کہ سماجی پالیسی کے طور پر خاندانی منصوبہ بندی اختیار کرلے تو یہ 'منصوبہ بندی آبادی' ہوتی ہے جب ایک نوجوان یہ فیصلہ کرتا ہے کہ شیریں زبان بننے یا جرمن زبان سیکھے کیونکہ اسے کیمیکل انجنیئرنگ کی تعلیم حاصل کرنا ہے تو یہ اس کی انفرادی منصوبہ بندی ہے۔ جب ایک معاشرہ یا سوسائٹی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جرمن زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرے یا زبان میں نقائص کو دور کرے تو یہ لسانی منصوبہ بندی ہے۔

جمہوریت کے مانند منصوبہ بندی انسان کی سوجھ بوجھ اور لیاقت پر اعتماد کا اظہار ہے کہ وہ اپنے مسائل معقولیت کے ساتھ حل کرسکتا ہے۔ انسان حقیقت کو سمجھنے میں اپنی ذہانت وفراست کے استعمال سے مطمئن نہیں ہے تاہم وہ اسے استعمال کرتا ہے تاکہ تبدیلی لائے۔ منصوبہ بندی ایک انقلاب جو مستقل حیثیت رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ہم بدلتے ہوئے رسم ورواج کے توسط سے حیاتیاتی ارتقا، اور تہذیبی ارتقا سے اس کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ انسان بڑی حد تک تاریخ کی تخلیق ہے' تاریخ ہی انسان کی تشکیل کرتی ہے۔ منصوبہ بندی سے انسان کی کوشش یہ ہے کہ تاریخ کی تشکیل کرے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ روایاتی دستکاری اور فن کی جگہ انجنیئرنگ لائی جائے۔ درحقیقت بعض لوگوں نے اسے لسانی انجنیئرنگ کا نام دیا ہے جسے ہم یہاں لسانی منصوبہ بندی کہتے ہیں۔

زبان سے ہم خوب مانوس ہوتے ہیں اور ہمارے لیئے یہ مشکل ہوتا ہے کہ کس طرح لسانی منصوبہ بندی کریں۔ بسا اوقات ہم زبان اس مقصد سے استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے خیالات' جذبات نیز خواہشات کا اظہار کریں یا جیسی بھی صورت ہو انھیں مخفی رکھیں۔ ہم نیا جملہ بناتے ہیں یا بنا بنایا مقولہ دُہراتے ہیں مثلاً 'میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟' ہم خاص موقع پر اس کا استعمال کرتے ہیں اور پھر گویا بھول بھال جاتے ہیں۔ بہرحال مشکل پیش آنے پر مثلاً جب بولنے والا نہ جانے کہ مراٹھی میں کس طرح یہ کہے کہ باپ بیٹے سے مراسلت نہ کرسکا، یا سننے والا ریڈیو سماچار نہ سمجھ سکے، مسافر مقامی زبان سے ناآشنا ہو' یا معمولی سی بات سے شدید غلط فہمی پیدا ہوجائے تو ہمیں سنجیدگی سے یہ خیال آتا ہے کہ زبان کے باعث کیا کچھ مسائل پیش آتے ہیں۔ بلاشبہ لوگ ہمہ وقت زبان کے ایسے مسائل خود ہی حل کرتے رہے ہیں۔ بولنے والا نیا لفظ بناتا ہے یا گول مول بات کہتا ہے، خط پڑھنے والا وضاحت طلب کرتا ہے' مسافر اپنی جیب میں غیر زبان کے محاورات کی کتاب رکھتا ہے یا دوکاندار بورڈ پر لکھ دیتا ہے' یہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔'

لیکن بعض لسانی مسائل بار بار اُٹھتے ہیں۔ کچھ مسائل اس قدر کٹھن ہوتے ہیں جنھیں ماہرانہ صلاح کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا، اور بعض معاملات میں بڑے پیمانے پر تعاون اور رابطہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہمیں ماہرین لسانیات کی مدد سے لسانی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے اور بلاشبہ ہر شخص کم از کم ہر ایسا شخص جو پڑھنا لکھنا جانتا ہے' یہی سمجھتا ہے کہ وہ ماہر زبان ہے۔ لیکن صورت حال یہ نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں ہم نے زبان اور متعلقہ ضابطہ زبان مثلاً نغمیاتِ زبان اور عمرانیاتِ زبان کی تعلیم کی اہمیت کو نہیں سمجھا ہے۔ اس سے ادنیٰ درجہ پر کیا ہم نے ماہرینِ زبان کی صلاح لینے کی ضرورت تسلیم کی ہے۔

چند سال پیشتر مراٹھی ٹائپ رائٹر کے 'کی بورڈ' کو معیاری بنانے کی خاص کوشش کی گئی۔ ماہر ٹائپسٹ بلائے گئے، لیکن ماہرینِ زبان کو کبھی طلب نہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ کہ ایسی غلطیاں ہوئیں جن سے بچا جاسکتا تھا۔ پھر اُن کی اصلاح پر بڑا صرفہ ہُوا۔ ہندی تار بھیجنے کے لئے معیاری "ڈوٹ اور ڈیش کوڈ" یعنی بندی اور لکیر ضابطہ میں بڑی دِقت پیش آئی۔ پھر یہ ضابطہ ماہرین زبان سے استفادہ کئے بغیر بنایا گیا۔ یہ بے ربط ہے جس سے ترسیل میں غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت کم لوگ اسے استعمال کرتے ہیں۔ ہندی میں تار بھیجنے کے خواہشمند لوگ بھی بے تکے طریقے سے اُسے رومن بنا دیتے ہیں۔ (میں نے ایک متبادل ضابطہ تیار کیا اور حکام سے درخواست کی کہ اسے آزمائیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے اس کی رسید تک نہ ملی)۔

پھر ایک غلط رجحان یہ بھی ہے کہ سنسکرت جاننے والا خود بخود مسائل زبان کے تمام پہلوؤں میں کم سے کم اس صورت میں جبکہ یہ کوئی ہندوستانی زبان ہو' ماہر بن جاتا ہے۔ بعض اوقات سنسکرت کی جانکاری ممد ہوسکتی ہے۔ لیکن مسائل زبان پر علمی نظر کے بغیر ایسی جانکاری دراصل خامی ہی ثابت ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے لسانیات اور دیگر لسانی ضوابط کے بارے میں لاعلمی صرف عوام اور انتظامیہ تک محدود نہیں ہے۔ مہاراشٹر کا تعلیمیافتہ طبقہ بھی کچھ زیادہ لائقِ تحسین نہیں ہے۔ سب سے زیادہ غیر معقول بات تو یہ ہے کہ اکثر اوقات علانیہ یا پوشیدہ عداوت (خصوصًا ماہرینِ ادب کے درمیان) کے ذریعہ اس لاعلمی کو بڑھاوا دیا جاتا ہے یا پھر سطحی بےتعلقی (خصوصًا سماجی ماہرین کے درمیان) دکھائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہاراشٹر میں ایک اعلیٰ لسانی مرکز قائم ہونے کے باوجود لسانیات اور متعلقہ شعبوں میں تربیت یافتہ نوجوان ماہرین کی تعداد قلیل ہے۔

لسانی تکنیک سے متعلق ٹیلیگراف کوڈ اور ٹائپ رائٹر 'کی بورڈ' کی مثالیں اوپر دی جاچکی ہیں۔ اس میں برائل، شارٹ ہینڈ، ٹیلی کمیونیکیشن کوڈ، ٹائپ سیٹر اور کمپیوٹر کی۔ بورڈ وغیرہ کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ حروف تہجی کی

ترتیب، دیوناگری اور رومن رسم الخط میں خاص ہندوستانی ناموں اور جغرافیائی ناموں کی لکھائی، ہندوستانی اور بدیسی زبانوں میں معیاری مہارت کا امتحان اور مختلف زبانوں میں خط وکتابت کی اہلیت پر بھی توجہ دی جانی چاہیئے لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ معیاری لسانی تکنیک سے زیادہ لسانی منصوبہ بندی کی زیادہ اہمیت ہے۔ لسانی منصوبہ بندی کے تحت بنیادی مقصد یہی ہے کہ زبان ریلوے، انرجی وغیرہ ہی کی طرح قومی ذرائع کا ایک جُز ہے۔

ماہر، قابل اور قوی افراد سے قوم طاقتور بنتی ہے۔ جب کہ نااہل، سُست اور کاہل افراد آبادی کے لئے بوجھ ہوتے ہیں۔ یہی بات زبان کے لئے بھی صادق آتی ہے۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ دُنیا میں معاشی طور سے پسماندہ اقوام کئی زبانوں سے فیضیاب ہو سکتی ہیں یا اس کے برعکس محروم۔ بلاشبہ یہ اشارہ تو فوراً ہندوستان کے لئے بھی ہے۔

یہ حقیقت کہ ہندوستان میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں نہ ہی اچھا ہے اور نہ ہی بُرا۔ یہ صرف ایک تاریخی ورثہ ہے۔ اچھا یا بُرا اس بات پر منحصر ہے کہ ہم اس حقیقت سے کہاں تک انصاف کر سکتے ہیں۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ ہم اس معاملے میں انصاف نہیں کر پاتے۔ ایک زبان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے تو دوسری زبان سے بیزاری برتی جاتی ہے۔

گذشتہ نصف صدی سے یہ بحث چل رہی ہے کہ کنڑ اور تیلگو کا رسم الخط کم و بیش ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کی لکھاوٹ بھی ایک ہی ہو۔ لیکن ہر دفعہ یہی جھگڑا پیدا ہوتا ہے کہ کبھی کنڑ والے کہتے ہیں کہ تیلگو والوں کو کنڑ رسم الخط اپنانا چاہیئے تو دوسری طرف اس کے برعکس سوال اُٹھایا جاتا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہیں آتا کہ کنڑ والوں سے کہے کہ وہ خود تیلگو حروف کا اطالوی انداز میں استعمال کریں۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کی لکھاوٹ سے واقف ہوں اور ایک خط اپنانے کی شروعات ہو سکے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی خاص علاقائی زبان سے محبت یا نفرت دونوں انتہائی صورتوں میں قومی لسانی ذرائع کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ہندوستان جیسے وسیع اور کثیر آبادی والے ملک میں صرف ہوائی جہاز یا بیل گاڑی ہی آمد و رفت کا ذریعہ ہو۔ ہوائی جہاز کے ساتھ بیل گاڑی اور ان کے درمیان کئی چیزیں ضروری ہیں۔ اہم ضرورت اس بات کی ہے' ہوائی جہاز ہو یا بیل گاڑی' ان میں بہتری پیدا کی جائے جس سے ہماری ضرورت مُناسب ڈھنگ سے پوری ہو سکے۔ اسی طرح زبان کا بھی معاملہ ہے۔ اسے بھی ضرورت کے مطابق تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

لسانی منصوبہ سازوں کو دو اُصول مدنظر رکھنا چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ ملک میں بولی جانے والی ہر زبان کسی نہ کسی مقصد کے لئے ایک وسیلہ کی زبان ہے۔ اس طرح معیاری مراٹھی بھی مہاراشٹر کی مختلف مقامی اور علاقائی بولیوں کے درمیان ایک وسیلہ کی زبان ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنوبی رتناگیری کا ایک کسان اور شمالی چندرپور کا کسان دھان کی کاشت کے معاملے میں اگر دونوں اپنی اپنی مقامی بولی استعمال کرنے پر اصرار کریں تو دونوں بھی یقیناً بات چیت میں اپنا اپنا مقصد واضح نہیں کر سکیں گے۔ مراٹھی ادب و ثقافت کے سلسلہ میں یہ مشکل مسئلہ ہے۔ اگر ایک تامل نوجوان فرانسیسی زبان میں مہارت حاصل کر سکتا ہے تو کیوں نہ اسے اسکول یا کالج میں مراٹھی سیکھنے کا بھی موقع دیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں بجائے اس کے کہ ہم زبانوں کا انبار لگائیں ہمیں چاہیئے کہ زبان سیکھنے کے طریقوں کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنائیں۔

لسانی منصوبہ بندی کا مطلب زبان پر جبر نہیں بلکہ لسانی آزادی ہے۔ کوئی نئی زبان سیکھ کر کسی نئے ملک سے وابستگی اور نئی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔

جہاں تک دوسرے اُصول کا تعلق ہے سو اس معاملے میں پہلے ہی بیل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کو بہتر بنانے کی مثال دیکر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ مثال کے طور پر سویڈش زبان میں قدیم جاگیردارانہ مزاج کی حیثیت و وقار کی جھلک پائی جاتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں ایک نوجوان سویڈن باشندے کے لئے یہ زبان ناسازگار ہے۔ وہ اپنے مخاطب شخص کے مقابلے میں اپنی حیثیت کا اندازہ کئے بغیر کلام کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ سویڈش زبان کا یہ نقص ایک دن دور کر دیا جائے گا۔ ہندوستان میں ہم اس تبدیلی کو لانے میں دستور کی سُست رفتاری کو گوارہ نہیں کر سکتے ہیں ہمیں کچھ تبدیلیوں میں سُرعت لانا ہوگی اور دیگر تبدیلیوں کو روکنا ہوگا۔

ہمیں اپنی زبان میں ایسی تبدیلی لانی چاہیئے جس سے زرعی، دیہی اور سماج تینوں میں توازن قائم رہ سکے اور جدید سماج کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

ذیل میں چند اہم نکتے پیش کئے گئے ہیں جن پر غور کیا جانا چاہیئے:

الف) سائنس اور دیگر علوم میں معیاری اور مناسب اصلاحات کا استعمال تاکہ ضرورت مند شخص کی بھی سمجھ میں آسکے۔

ب) ادب و اخلاق میں شخصی احساسات اور خیالات کی واضح ترجمانی۔

ج) صحافت اور عوامی زندگی میں مبہم اور غیر واضح اصطلاحات کے بجائے مشترک خیالات اور احساسات کی صحیح ترجمانی۔

زبان میں ردّ و بدل کا مسئلہ کسی بند کمرہ میں بیٹھ کر حل نہیں کیا جا سکتا

(باقی ص[illegible] پر)

مراٹھی ادب کی ایک معنی خیز تحریک
"دلت ساھتیہ"

• جی. وی دیویکر

مراٹھی ادب کا آغاز بارھویں صدی سے مانا جاتا ہے۔ "دھرم سندھو" اس کی پہلی کتاب ہے۔ جس میں ھندو مذھب کے قواعد پر روشنی ڈالی گئی ہے مگر ادب کے لحاظ سے اس میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی ہے۔ مراٹھی کو ادبی زبان کے رتبے تک پہنچانے کا سہرا "مہانوبھاؤ پنتھ" کی دینی کتاب "لیلاچرتر" کو حاصل ہے۔ اسی سے متاثر ھوکر پنڈتوں (مہنتوں) اور سنتوں نے اپنی شاعری اور نثری تخلیقات کے تعلق سے مراٹھی کو سنسکرت پر ترجیح دی۔ اور مراٹھی ادب نے گذشتہ چھ۔ سات صدیوں میں ھر دور کے انقلابات اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے قابل داد پیمانے پر ترقی کی ہے۔ چنانچہ بھگتی کے دور میں اسلام کا اثر قبول کرتے ہوئے مراٹھی کے شاعروں نے اپنی شاعری کو نعت، مثنوی اور غزلوں کا جامہ پہنایا۔ اسی طرح انگریزی کے دور میں عموماً مغربی اور خصوصاً انگریزی ادب کی نہایت عقیدت مندی سے پرستش اور تقلید کی۔ اور اس کی وجہ سے حالیہ مراٹھی ادب صنف اور اسلوب کے اعتبار سے مایہ ناز تخلیقات سے مزین ہے۔ سنت گیانیشور، ایکناتھ، تکارام اور بھگتی پنتھ کے دیگر سنتوں نے ھندو دھرم اور سماج میں رائج چھوت۔ چھات۔ ذات پات وغیرہ کی مذمت کی ہے اور اسی طور سے نئے دور میں مہاراشٹر کے ممتاز ادیبوں، سماجی مصلحوں اور سیاسی لیڈروں نے ھریجنوں کی ناقابل بیان مصیبتوں کو دور کرنے کی غرض سے گوناگوں تحریکوں کو جنم دیا ہے

ڈاکٹر امبیڈکر: ہندوستان کے پسماندہ اور کمزور طبقوں (جن میں ہریجن بھی شامل ہیں) کی تعلیمی، مالی اور سماجی حالت سدھارنے کے لئے مہاتما جیوتی با پھلے، شاہو چھترپتی، وٹھل رامجی شندے اور دوسرے سماجی اور سیاسی کارکنوں نے اپنی زندگی وقف کی تھی۔ مگر یہ عموماً غیر ہریجن تھے۔ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر جو ہندوستان کے پہلے ہریجن لیڈر ہیں اور جن کی ذہنی اور ادبی کاوشوں سے اس مسئلہ کو نہ صرف ملک گیر سیاسی اور سماجی حیثیت حاصل ہوئی بلکہ ان کی تحریکات کا اثر مراٹھی ادب پر بھی نمایاں طریقے سے پڑا۔ جو دلت ساہتیہ" کے نام سے مشہور ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر امبیڈکر نے اپنے سماج کی حالت

سَدھارنے کے سلسلے میں تحریکیں چلائیں جو "چودار تلاؤ" (یعنی ہریجنوں کو عام کنویں سے پانی لینے کی اجازت)، "ناسکہ مندر پرویش" (ہریجنوں کا مندروں میں داخلہ) وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنے سَماج پر جو نمایاں احسان کیا وہ یہ تھا کہ انھوں نے مہاراشٹر کی "مہار" قوم کو احساسِ کمتری کے جذبے سے آزاد کرایا۔ اور اپنی انفرادیت (अस्मिता) کو اُجاگر کیا اور ان میں غیر ہریجنوں (سورنوں) سے ہر لحاظ سے مساوی ہونے کا احساس پیدا کیا۔ اپنے اس نصب العین کی تکمیل کے لئے انھیں یہ محسوس ہوا کہ جب تک ہریجن ہندو دھرم کے اصولوں کے ماتحت زندگی بسر کریں گے تو انھیں اپنی انفرادیت کو اُجاگر کرنے کا موقع حاصل نہیں ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ہریجنوں کو "بُدھ مَت" قبول کرنے کی تلقین کی۔ اور تیس۳۰۔ چالیس۴۰ برسوں کے مختصر عرصہ میں لاکھوں کی تعداد میں ہریجن "بودھ" بن گئے۔ اس نئے نرقے نے ہندو مذہب اور سَماجی قدروں سے منہ پھیر لیا۔ اپنی زندگی اور اپنے ادب کو "اسپر شیتا" کے کلنک سے ہمیشہ کے لئے بری کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ایک ایسے ادب کی بنیاد رکھی گئی جو روایتی ادب اور تنقید کے جمالیاتی اور اخلاقی تصوّرات کے خلاف بغاوت کی حیثیت رکھتا تھا۔

اسمتا درش : 'نوبودھ' ادیبوں کے لئے ایک زبردست مشکل یہ پیش آئی کہ ان کی شاعری اور افسانوں کو شائع کرنے کے لئے کوئی پرچہ یا رسالہ تیار نہیں تھا، کیونکہ یہ نیا ادب یا تو روایتی جمالیاتی اور اخلاقی نظریوں کو پامال کرنے پر تُلا ہوا تھا اور دوسرے یہ کہ اسلوب اور موضوعات کے اعتبار سے یہ شاعری اور افسانے "قانونِ تدارکِ عریانی" کی زد میں آسکتے تھے۔ اور ایسے رسالوں کے ایڈیٹروں اور بودھ ساہتیہ کے مصنّفین کے خلاف مقدمے دائر کئے جاسکتے تھے۔ کمیونسٹ پارٹی کے اخبارات۔ ترقی پسندوں کے رسالے' ان باغی ادیبوں کی شاعری، افسانے اور مقالے شائع کرتے تھے۔ چنانچہ "मजूर पत्रिका"، "[illegible]"، "[illegible]" میں نوبودھ ادیبوں کے مضامین شائع ہونے لگے۔ پھر بھی ان ادیبوں کو اپنے ایک ہی رسالے کی سخت ضرورت محسوس ہونے لگی۔ جو ان کے مضامین کو دانشوروں کے طبقوں میں مقبول بنا سکے۔ اس مقصد سے "اسمتا درش" کا اجرا ہوا۔ جس نے ادبی حلقوں میں بڑی کھلبلی مچا دی تھی، کیونکہ اس میں نہ صرف نوبودھوں کے مضامین ہی شائع ہوتے تھے بلکہ کوی کُسما گج وا۔ را۔ کانت وِندا کرندیکر، نارائن سروے اور دیگر مراٹھی ادب کے ممتاز "سورن" (غیر ہریجن) ادیبوں کی شاعری بھی شائع کی جاتی تھی۔

دلِت ساھتیہ : 'اسمتا درش' کے ذریعہ سے نوبودھوں کے ادب کو تسلیم کیا جانے لگا جو آگے چل کر "دلِت ساہتیہ" کے نام سے مشہور بھی ہوا۔ 'دلِت ساہتیہ' کے ایک نامور ادیب اور نقّاد پروفیسر گنگادھر پَن تاونے' نے روایتی مراٹھی ادب سے "دلِت ساہتیہ" کے امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ "میں دلِت ساہتیہ پر یوگ وادی (تجربہ پرستی) اور تنتر وادی (خوش اسلوب نوازی) نظریے کو اہمیت نہیں دیتا۔ کیونکہ یہ زندگی کی کشمکش سے گریز کی ترجمانی کرتے ہیں۔ دلِت ساہتیہ میں ترقی پسند۔ حقیقت پسند اور وجودیت پسند (" Existentialism ") کے نظریات کو نہ صرف ترجیح دی جاتی ہے بلکہ یہی اس کی رُوح کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ مراٹھی کے ادیب اور مصنّف پسماندہ طبقوں کے مسائل اور زندگی کی کشمکش سے ناواقف ہوتے ہیں جبکہ دلِت ادیبوں کو وجود سے ہی محروم کر دیا گیا ہے۔ وہ محض یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی کسمپرسی اور زبوں حالی کے صحیح بیان کے لئے ایسے ہی الفاظوں اور محاوروں و استعارات کا استعمال کریں جو روایتی ادب میں ممنوع ہیں۔ بعض 'سورن' (غیر ہریجن) ادیب۔ دلِتوں کے مسائل کے تعلق سے ہمدردی کا اظہار ضرور کرتے ہیں اور ان کی صداقت بھی مشکوک نہیں ہوتی، مگر دلِتوں کی زندگی ایک دلِت ہی جانتا ہے اور وہی اس کی مؤثر عکاسی بھی کرسکتا ہے۔ (ساہتیہ پتر کا شمارہ ۲۰۰ - ۲۰۱ اپریل، جون ۱۹۷۷ء)

انّا بھاؤ ساٹھے : انّا بھاؤ ساٹھے نے پسماندہ طبقوں کے زندگی کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرائی اور ان کے ناولوں کے ذریعے مراٹھی ادب میں ان کے مسائل کو شناخت کیا جانے لگا۔ ان ناولوں میں چند یہ ہیں :

"پھول پھاکرو، اہنکار، سنگھرش، آگ، کروپ، دیر، تارا، ولونی جیا واگھ، چندن الگوز، دیجینتا، ران گنگا، ماکڑی چا مال، اور کرشنا کا ٹھ چیا کتھا۔"

ان افسانوں میں انّا بھاؤ ساٹھے نے مراٹھی ناول کے روایتی رنگ کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں کی آپسی کشمکش کی طرف بھی افسانہ نگاری میں شنکر راؤ کھرات، بندھو مادھو، بابو راؤ باگل، وامن ہووال، کیشو مشرام یوگی راج واگھمارے، بھیم راؤ شروالے، ارون کامبلے، یوگیندر مشرام اور امیتابھ نے کافی شہرت حاصل کی ہے۔ امیتابھ کے افسانے "پڑ" کا موضوع ہے مہار جماعت کا مزاحمل سالہ وہ رواج یعنی مرے ہوئے جانور کے گوشت کی تقسیم کے سلسلے میں ہونے والے فسادات۔ باپو راؤ باگل کی 'دپتھا' اور ارون کامبلے

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

مادری زبان ذریعۂ تعلیم برائے سائنس

• جے. وی. نارلیکر
ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ، بمبئی ۵....۴

اس صدی کے مشہور سائنسداں البرٹ آئنسٹن کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی سائنس سے متعلق کوئی بحث ہوتی تو درمیان میں کسی مشکل نقطہ کو سمجھاتے وقت وہ اچانک اپنی مادری زبان جرمن میں بولنے لگتے۔ یہ واقعہ ۱۹۳۰ء کا ہے، میرے والد (پروفیسر وی. وی. نارلیکر) بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ انہیں موصوف کا ایک لیکچر سننے کا اتفاق ہوا، لیکچر انگریزی میں دیا جارہا تھا لیکن ایک نقطہ پر پہنچکر آپ نے یکایک جرمن میں بولنا شروع کردیا۔

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ سائنسی تعلیم کے لئے ذریعۂ تعلیم مادری زبان ہی ہونا چاہئے۔ تاریخ و جغرافیہ کے برعکس سائنس میں زیادہ تر دماغی کام ہوتا ہے جس میں فرد واحد کا تعلق ہوتا ہے اسی لئے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آیا مادری زبان کا استعمال اس سلسلے میں بہتر ہوسکتا ہے یا نہیں۔

مادری زبان کیا ہے؟ مادری زبان سے مراد وہ زبان ہے جس کے ذریعہ متعلقہ شخص اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ نانا پھڈنویس کے بارے میں مشہور ہے کہ انھوں نے کئی زبانوں کے جاننے والے ایک شخص کی مادری زبان کا پتہ لگانے کیلئے اس شخص پر جب وہ سو رہا تھا ٹھنڈا پانی اُلٹ دیا۔ جس زبان میں وہ چلاتے ہوئے اٹھا، نانا صاحب نے اسے مادری زبان قرار دیا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ سائنس صرف مادری زبان ہی میں اچھے طریقے سے سمجھائی جاسکتی ہے۔

زمانۂ طفلی سے ہی جب بچہ سمجھنے کے لائق ہو تو اُسے سمجھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے دل میں شوق پیدا کیا جائے۔ اُسے سوچنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ سب بچے کی مادری زبان میں آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے میں ۵ سے ۱۰ سال کی عمر کے بچوں کو خیالات سمجھنے پر زیادہ زور دینا چاہیئے، بجائے اس کے کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی اور زبان کے الفاظ یا تکنیکی جملوں کا خزانہ جمع کرتے رہیں۔

ثانوی درجات میں بھی مادری زبان اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن سائنس

کی تعلیم کے لئے انگریزی کا جاننا بھی ضروری ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس منزل پر جن طلبہ کی مادری زبان انگریزی نہ ہو انھیں سائنس کے تکنیکی الفاظ سے انگریزی میں متعارف کیا جانا چاہئے۔ لہٰذا ۱۰ اور ۱۷ سال کی عمر ایک ایسی مدت خیال کی جاسکتی ہے جس میں سائنسی تعلیم میں ذریعۂ تعلیم کو مادری زبان سے انگریزی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے انگریزی: سائنس ایک بین الاقوامی مضمون ہے۔ اسی لئے اس پر زیادہ تر انگریزی زبان کا غلبہ ہے۔ مثال کے طور پر الیکٹرک کمپیوٹر لیجئے۔ پُرانے کمپیوٹروں میں اعدادی کوڈ میں جواب حاصل ہوتے تھے۔ اب نئے قسم کے کمپیوٹرز انسانوں کی 'زبان' سمجھتے ہیں لیکن صرف انگریزی۔ آج سائنس دن بہ دن ترقی کی طرف گامزن ہے۔ روز بروز نئی نئی باتیں اور نئی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ آج بی۔ ایس سی اور ایم۔ ایس سی کے طلبہ سے ہم بجا طور پر یہ توقع کرسکتے ہیں کہ وہ سائنس کو اپنی کتابوں سے زیادہ سمجھنے کے قابل ہوں گے۔ اس سلسلے میں سائنسی رسالے مثلاً (SCIENCE TODAY) طلبہ کو بہترین معلومات بہم پہنچا سکتے ہیں لیکن یہ بھی انگریزی میں ہیں۔

سائنس کی تشہیر: وقت کا تقاضہ ہے کہ سائنس کی تشہیر ہندوستانی زبان میں کی جائے۔ یہ خیال رہے کہ سائنس سکھانے اور سائنس میں ریسرچ کرنے میں بڑا فرق ہے۔ جہاں تک ریسرچ کا سوال ہے یہ بے معنی سی بات ہے کہ تحقیقاتی اثبات کا پہلے مادری زبان میں ترجمہ کیا جائے اور پھر ریسرچ کی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو ہم ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ مادری زبان میں ریسرچ کرنے سے اس کی اہمیت بہت کم ہوجائے گی اور "بین الاقوامی سطح" پر غیر موثر ثابت ہوگی۔

آئنسٹن کی مادری زبان کے معاملے میں بھی، حالات تیزی سے بدلتے جارہے ہیں۔ جرمن کی جگہ انگریزی کو سائنس میں ریسرچ کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ یہاں ہندوستان میں یہ رجحان عام ہے کہ ہمارے سابقہ حکمرانوں نے انگریزی ہم پر ٹھونس دی ہے۔ یہ غلط خیال ہمیں ترک کردینا چاہئے کم از کم سائنس کے بارے میں ایسا نہیں سوچنا چاہئے۔ سائنس کے لئے بین الاقوامی سطح پر انگریزی ہی ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ عوام کو سائنس سے متعارف کرانے کے لئے مادری زبان کا استعمال موجودہ بارہویں جماعت تک کیا جاسکتا ہے۔ اس کے آگے سائنس کے طلبہ ریسرچ کے لئے انگریزی زبان کا استعمال کریں تو مفید ہوگا۔

●●●

بقیہ "لسانی منصوبہ بندی"

صفحہ ۱۳ سے آگے

ہاں اس سلسلے میں امکانات پر غور کیا جاسکتا ہے اور راہ متعین کی جاسکتی ہے۔ مصنفوں اور مقررین کے نئے انداز بیان سے لوگوں کو واقف کرایا جاسکتا ہے۔ مصنف کو یہ محسوس نہ ہونا چاہئے کہ اس کی لکھی ہوئی باتیں پڑھنے والے کی سمجھ سے باہر ہیں۔

کوئی اسکول آپ کو شیکسپیئر یا رسل نہیں بنا سکتا لیکن آپ کو اس قابل بنا سکتا ہے کہ آپ شیکسپیئر اور رسل کو سمجھ سکیں۔

ان حالات میں لسانی منصوبہ بندی کو کسی سرکاری ایجنسی پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ یہ کام ماہرین علم، تعلیم یافتہ افراد، مصنفوں، مقررین اور صحافیوں کو حتی کہ ہر شہری کو کرنا ہے۔

٭٭

قلمی معاونین سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر فرمائیں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ (ادارہ)

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ:
چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
منترالیہ ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ہندوستانی زبانوں میں ترجمہ کرنے کے مسائل

آر. بی. جوشی

ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجموں کا کام صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے اکثر معاملوں میں انفرادی دلچسپی اور معلومات کی خاطر اور کبھی کبھی دوسروں کی دلچسپی یا مطالبہ پر یہ کام کیا جاتا ہے۔ مختلف مضامین میں بامحاورہ اور مناسب ترجمے کرنا ایک مشکل کام ہے۔ آج بھی انگریزی سے ہندوستانی زبانوں اور خصوصاً مراٹھی میں ترجمہ ایک مشکل کام ہے لسانی بُنیاد پر ریاستوں کی از سرِنو تشکیل کے بعد اس بات کا امکان تھا کہ ریاستیں انتظامیہ میں مقامی زبان کا استعمال کریں گی اور صرف علاقائی زبان ہی ذریعۂ تعلیم بنائی جائے گی۔ لیکن مہاراشٹر میں ایسا نہیں ہوسکا یہی وجہ ہے کہ عوام میں بے چینی پھیلتی جارہی ہے جسے جلد از جلد دور کیا جانا چاہیئے۔

آج حالات بدل چکے ہیں۔ ریاستیں لسانی بنیاد پر قائم ہیں جمہوری نظام کو وسیع سے وسیع تر کر دیا گیا ہے تاکہ عوام کا ہر طبقہ چاہے وہ شہر میں ہو یا دیہات میں جمہوری حقوق کا صحیح استعمال کر سکے۔ ہر عام شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ملک میں کہیں بھی کسی بھی سطح پر کیا ہو رہا ہے، اس سے واقفیت رکھے۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ ریاست کے تمام محکموں میں مقامی زبان کا استعمال کیا جائے۔ جیسے مہاراشٹر میں مراٹھی کا کیا جانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ذریعۂ تعلیم بھی مراٹھی ہونی چاہیئے۔

یہاں اس کام کو شروع کرنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ محکمہ جاتی قوانین، ضابطوں اور شرطوں کا مراٹھی میں ترجمہ کرنا ہوگا۔ سرکاری کاموں میں استعمال ہونے والے مراٹھی الفاظ کی تشریحات و لغات کی تیاری، تعلیمی شعبہ میں تمام مضامین کے لئے مراٹھی کتابوں کی تیاری یہ تمام کام کرنے ہوں گے جو آسان نہیں ہے۔

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے مہاراشٹر میں زبان کے سلسلے میں ایسی ہی صورتِ حال پیدا ہوئی تھی جب پیشواؤں سے انگریزوں نے اقتدار چھین لیا تھا۔ اس وقت بھی مراٹھی کو تعلیمی، انتظامیہ، شہری و فوجی معاملوں میں عام کیا گیا تھا۔ کئی انگریزی کتابوں کے مراٹھی میں ترجمے کئے گئے۔ مراٹھی لغات تیار کی گئیں۔ مراٹھی میں کتابیں لکھی گئیں۔ مراٹھی قواعد تیار کئے گئے غرضیکہ مراٹھی کو فروغ دینے کے لئے تمام ضروری اقدامات کئے گئے۔ اس سلسلہ میں کیپٹن مولیورتھ اور میجر ٹی۔ کینڈی نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔

آج حالات ویسے نہیں ہیں۔ آج کا نظامِ حکومت عوامی زندگی کے ہر پہلو پر انداز ہے۔ اسی لئے حالات پُرانے زمانے کے برعکس زیادہ پیچیدہ ہیں۔ انگریزوں کے زمانے میں انگریزی سے مراٹھی میں ترجمے کے لئے خود انھیں پہلے مراٹھی سیکھنی ہوتی تھی۔ یہی حال مراٹھی جاننے والوں کا تھا۔ انھیں انگریزی سیکھنا ہوتا تھا تاکہ وہ مراٹھی پر

انگریزی کا صحیح ترجمہ کر سکیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوا کرتی تھی
آج انگریزی داں مراٹھی جاننے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں
کچھ لوگ تو سنسکرت سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ ایسے لوگوں کی مدد
سے سرکاری قاعدے و قوانین نیز مختلف مضامین پر انگریزی کتابوں کا
مراٹھی میں ترجمہ کروایا جا سکتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ ترجمہ کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اس میں بھی کئی مشکلات
پیش آتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ترجمہ نگار کے پاس الفاظ کا خزانہ ہو، لیکن
جب انگریزی محاوروں کا مسئلہ آتا ہے تو مشکل آن پڑتی ہے۔ آسان اور
مخلوط جملوں کا با آسانی ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پیچیدہ جملے، خاص طور پر
جانسونین ٹائپ کے جملوں کا ترجمہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار درجن بھر
سطروں پر مشتمل ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اصل مطلب کیلئے کئی استعارات
استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگر یہی کوشش مراٹھی میں کی جائے تو شاید ترجمہ نگار
خود گڑبڑا جائے اور معنی بیان نہ کر سکے یا پھر وہ جملوں کو توڑ کر آسان کرنے
کی کوشش کرے جس کے نتیجہ میں جملوں میں ربط قائم نہ رہ سکے اور جملہ میں
وہ وزن اور قوت قائم نہ رہ سکے جو اصل جملے میں موجود ہے۔ اس لئے ترجمہ
نگار کے لئے بہتر اور واحد طریقہ یہی ہے کہ وہ اصل جملے کی اہمیت اور مطلب
اچھی طرح سمجھ لے اور مراٹھی میں ترجمہ کرتے وقت اچھے الفاظ اور محاوروں کا
استعمال کرے۔ کیونکہ اسے ایک ہی جملے کا ترجمہ کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ لگاتار
مضمون (شاید دلائل) کا ترجمہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے پورے حاصل
مضمون کا خیال رکھنا ہوتا ہے ورنہ ہو سکتا ہے وہ جملے بنانے میں تو کامیاب
ہو جائے لیکن وہ صفات نہ لا سکے جو اصل جملہ میں پوشیدہ ہے

تشریحی تصنیف با آسانی ترجمہ کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے اصل اور
ترجمہ کی زبانوں پر عبور حاصل ہو تو کافی ہے۔ کہانیاں، ناول یا ڈرامے بھی
آسانی سے ترجمہ کئے جا سکتے ہیں۔ اب تک کئی انگریزی ناولیں اور ڈرامے ترجمہ
کئے جا چکے ہیں۔ ایسے ترجموں میں اگر مقصد صرف قارئین کو پلاٹ سمجھانا ہے
تو کوئی مشکل بات نہیں، لیکن اگر کسی اعلیٰ مصنف کے ناول یا ڈرامے کا صحیح
حرف بہ حرف ترجمہ پیش کرنا ہے تو معاملہ دقت طلب بن جاتا ہے۔ جب تک
کہ ترجمہ نگار خود ناول یا ڈرامے کے پس منظر وغیرہ سے اچھی طرح واقف نہ ہو،
صحیح ترجمہ نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر ایک مراٹھی داں نے بیری کی ناول۔
"What Every Woman Know" میں لفظ "منسٹر" کا ترجمہ
"मंत्री" "منتری" کیا تھا جب کہ مذکورہ لفظ کا مطلب "پادری" "पादरी" تھا۔
نظم کا ترجمہ تو اور بھی مشکل بات ہے۔ کیونکہ نظم میں استعمال ہونے
والے ہر لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں جس کا ترجمہ کرنا آسان بات نہیں
ہے۔ علاوہ ازیں نظم میں اشارات کا استعمال زیادہ ہوتا ہے اور ان اشارات
کا اصل کے مطابق ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح قدرتی، سماجی، سائنس، فلسفہ، نفسیات، اخلاقیات
پر مضامین کا ترجمہ بھی بڑا مشکل ہے۔ ایسے مضامین پر سنسکرت میں کچھ
کام ہوا ہے۔ جہاں تک ان مضامین پر انگریزی کی معیاری تصانیف کا تعلق
ہے، گذشتہ چند صدیوں میں نئے نئے تشبیہات و استعارات استعمال کئے
گئے ہیں، جن کے مساوی الفاظ مراٹھی میں نہیں ملتے۔ اس کے علاوہ یہ
بھی قابل غور بات ہے کہ تشبیہات و استعارات کے انگریزی الفاظ مسلسل
استعمال کی وجہ سے موزوں لگنے لگتے ہیں جب کہ مراٹھی کے مساوی الفاظ
میں یہ بات نہیں ہوتی۔ صرف سنسکرت ہی میں ان نئے نئے تشبیہات و
استعارات کے مساوی الفاظ ملتے ہیں جنہیں موزوں طریقے سے استعمال
کیا جا سکتا ہے۔

روزمرہ کی زبان میں اور اسی طرح کے دیگر معاملوں میں مخلوط الفاظ
جو دیگر زبانوں مثلاً سنسکرت، فارسی، عربی وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔
استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اہم موضوع پر یکسانیت قائم رکھنا ضروری
ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سنسکرت سے ہم کئی الفاظ بنا سکتے ہیں۔
مذکورہ بالا معاملوں میں ہم معنی یا متبادل مساوی الفاظ استعمال کئے
جا سکتے ہیں لیکن سرکاری قاعدے قوانین کے ترجموں میں اس کی اجازت
نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس سے ترجمہ مبہم ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔

اب معاملہ ہے صحیح الفاظ ڈھونڈنے کا۔ مثال کے طور پر انگریزی لفظ
'supervise' لیجئے لغت میں اس کے معنی 'superintend' اور
'oversee' بطور ہم معنی الفاظ دیئے گئے ہیں لیکن سرکاری معاملے میں
لفظ "superintendent"، 'supervisor' اور "overseer"
معنی کے لحاظ سے ان فرائض / کام کی نوعیت ظاہر نہیں کرتے، جن کے لئے یہ
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اب مراٹھی میں ان الفاظ کے لئے کون سے الفاظ لائے
جائیں؟ تمام الفاظ کے لئے صرف ایک لفظ سے کام نہیں چلے گا، کیونکہ عملی طور
پر کام کی نوعیت اور فرائض ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ اس لئے ہر
لفظ کے لئے مراٹھی میں یا تو الفاظ ڈھونڈنے ہوں گے یا ایجاد کرنے ہوں گے۔
اب دوسری مثال لیجئے۔ لفظ 'Ambassador'، 'Consul' اور
'High Commissioner' ان تمام کا مطلب ہوتا ہے ایک ریاست میں کسی
دوسری ریاست کے قیام پذیر نمائندے۔ کیا صرف ایک لفظ "वकील" یا

'प्रतिनिधी' استعمال کرنے سے تینوں کا مطلب واضح ہو جائے گا جبکہ مراٹھی کے ان دونوں لفظوں کا مطلب الگ الگ ہے۔ یہاں بھی ہر ایک کے لئے الگ الگ لفظ ڈھونڈنا یا ایجاد کرنا ہوگا۔

آجکل ہندی میں سنسکرت سے الفاظ مُستعار لئے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے الفاظ کا کثرت سے استعمال قارئین کے لئے اُلجھن پیدا کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر 'सांप्रदायिकता' ہندی میں فرقہ پرستی کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ مراٹھی میں اس کا مطلب ہوتا ہے 'فرقہ پرستی'۔ اسی طرح ہندی میں لفظ -- 'संभ्रान्त' کے معنی ہیں 'اعلیٰ تہذیب یافتہ'۔ مراٹھی میں اس کا مطلب ہے 'اُلجھن'۔ ہندی میں 'انٹرویو' کو 'साक्षात्कार' کہتے ہیں، جبکہ مراٹھی میں اس کے معنی ہیں 'حق پر راست ایمان'۔

مذکورہ حقائق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت انگریزی سے مراٹھی میں یا کسی بھی زبان میں ترجمہ کرتے وقت کئی مسائل سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر زبان پر عبور نہیں ہوتا، زیر ترجمہ زبان کے الفاظ، محاوروں، قواعد اور استعارات وغیرہ کی معلومات کم ہوتی ہیں۔ نتیجہ میں ترجمہ ناقص ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ خود ترجمہ نگار کو اپنی زبان پر عبور نہ ہو۔ اس نے اپنی زبان میں ہی زیادہ مضمون نویسی نہ کی ہو۔ یہ کمی بھی ترجمہ کرنے میں رکاوٹ پیدا کرسکتی ہے۔ ترجمہ میں مشکل وجوہات سے حکومت مہاراشٹر نہ تو لاعلم ہے اور نہ ہی اس سلسلے میں بے توجہی برت رہی ہے۔ حکومت اس طرف پوری توجہ دے رہی ہے اور ضروری اقدامات کر رہی ہے۔ حکومت نے ایک ڈائریکٹوریٹ برائے لسانیات قائم کیا ہے جہاں ماہرین ایک انگریزی۔ مراٹھی۔ لغات تیار کر رہے ہیں۔ جس کے ذریعے سرکاری معاملوں، ادب تبصروں وغیرہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

تعلیمی شعبے کے سلسلے میں نصابی بیورو قائم کیا گیا ہے جہاں اسکولوں میں پڑھائی جانے والی مراٹھی کتابیں تیار کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی سطح پر درکار کتابوں کے لئے بھی اسی طرح کا ایک بورڈ قائم ہے۔ ریاستی حکومت کا مقرر کردہ سہتیہ سنسکرتی منڈل مراٹھی انسائیکلوپیڈیا تیار کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ انگریزی تصانیف کا مراٹھی ترجمہ بھی شائع کرتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تمام کام مراٹھی کو سرکاری زبان یا ذریعۂ تعلیم بنانے کے لئے مکمل کئے جائیں۔ یہ کام کبھی ختم نہیں ہوگا، بلکہ ہمیشہ جاری رہیگا۔

اکثر اس بات کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ انگریزی الفاظ کے ہم معنی مراٹھی الفاظ سہل اور عام فہم ہوں۔ یہ بیشک ضروری ہے اور ایسا کرنے کی پوری کوشش کی جانی چاہئے۔ لیکن یہاں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ڈائرکٹوریٹ برائے لسانیات میں جو لغات تیار کی جاتی ہیں وہ ان مخصوص الفاظ کے لئے ہیں جن کا تعلق شعبوں اور فرائض سے ہوتا ہے۔ آج بھی عدالتوں اور سرکاری محکموں میں انگریزی الفاظ استعمال ہوتے ہیں، انھیں صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جو ان الفاظ سے یا تو اچھی طرح واقف ہیں یا انھیں تربیت کے ذریعہ ذہن نشین کرایا گیا ہو۔ یہ الفاظ عام آدمی کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں، بہر حال آج جو مراٹھی کے مشکل الفاظ سمجھ نہیں سکتے رفتہ رفتہ سمجھ جائیں گے۔ یہ مشکل الفاظ استعمال کرنے کی حمایت میں نہیں کہا جا رہا ہے بلکہ یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ سکوں دا استنلال قائم رکھا جائے تاکہ اجانک تبدیلیوں کو آسانی قبول کیا جاسکے۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان

آپ 'قومی راج' میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کرسکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات پسند اور کس قسم کی تخلیقات ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر آپ بحث بھی کرسکتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کرسکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ الفاظ سے زائد پر مشتمل نہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتہ پر روانہ فرمائیے:

مدیر، پندرہ روزہ 'قومی راج'، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، سترھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲

راج بھاشا سے دوری ممکن نہیں

• بہ نود راج

۱۹۵۶ء میں جب میں حیدرآباد سے ممبئی آیا تو مراٹھی زبان بہت کم جانتا تھا کیونکہ میں نے انگریزی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس وقت زبان میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ مجھے اس وقت بھی کوئی دقت نہیں پیش آئی، جب میں ممبئی میں انگریزی اخبار کے لئے کام کرتا تھا۔ اس کے بعد دہلی میں اور پھر حیدرآباد میں سرکاری ملازمت کے وقت بھی بہار میں ۱۹۴۸ء میں حکومتِ ہند کی انڈین سول سروس کے ایک رکن کی حیثیت سے کام کرتا تھا، مجھے زبان کے سلسلے میں کوئی مسئلہ پیش نہیں آئی۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ وفد متعدد زبان جاننے والوں پر مشتمل تھا۔ اس وقت کی ریاست ممبئی میں بھی کام کے دوران مراٹھی سے واقفیت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، کیونکہ یہاں بھی انتظامیہ اور عام ماحول مخلوط زبانوں کا ہی تھا۔

❀❀

یکم مئی ۱۹۶۰ء کو ریاست مہاراشٹر کی لسانی بنیاد پر تشکیل ہوئی۔ حالانکہ مراٹھی داں نہیں تھا پھر بھی حکومت نے مجھے برقرار رکھا اور مجھے فخر ہے ہلی بار ایک غیر مراٹھی داں کو ڈائرکٹر آف پبلسٹی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ مہاراشٹر کی تشکیل لسانی بنیاد پر ہوئی تھی پھر بھی مراٹھی سے میری ناواقفیت ے فرائض میں حائل نہیں ہوئی اور میں بھی مہاراشٹر کی تشکیل پر عوام کی شیوں میں شامل رہا۔ آج وہ دن یاد کر کے خوشی بھی ہوتی ہے اور غم بھی۔ ی اس لئے کہ ایسا ہوا، اور غم اس لئے کہ دوبارہ ایسا کبھی نہیں ہو سکا.

خوش قسمتی سے میری مادری زبان کوکنی ہونے کی وجہ سے مجھے بڑی مدد ۔ اس زبان کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ میں مراٹھی میں جو کچھ کہا جاتا تھا اچھی ح سمجھ لیتا تھا، بلکہ مجھے جلد ہی اس بات کا بھی پتہ چلا کہ میں خود بھی مراٹھی ، سکتا ہوں ۔ میں سوچ سمجھ کر بہت ہی کم کہتا تھا (میری رائے میں تو ہر سرکاری ملازم کو اسی طرح کسی بھی زبان میں کہنا چاہیے) اور مخاطب کو اکثر کہنے کا موقع دیا کرتا تھا. مجھ سے دور دور کے اضلاع سے لوگ ملنے آیا کرتے تھے جن میں اکثر صحافی، سرکاری ملازم وغیرہ ہوا کرتے تھے. وہ سب کے سب سوائے مراٹھی کے کسی اور زبان میں گفتگو نہیں کرتے تھے. اس طرح مراٹھی زبان سیکھنے میں مجھے بڑی مدد ملی. میں خود بھی اضلاع کا دورہ کیا کرتا تھا. ان میں سے چند لوگ ہی میری اس کمزوری سے واقف تھے.

لیکن صدر مرکز کے تو تمام لوگ واقف تھے، پھر بھی انھیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ کام ٹھیک طرح سے چلتا رہا۔ افسران سے میں زیادہ تر انگریزی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ وزرا سے نصف انگریزی اور نصف مراٹھی میں. وزیر اعلیٰ تو اس معاملے میں بہت ہی مہربان تھے. اس وقت تک جب شری وسنت داد ابرسر اقتدار آئے، میں نے اچھی طرح مراٹھی سیکھ لی تھی اتنی کہ

میں غیر ملکی مہمانوں سے وزیر اعلیٰ کی ملاقات کے وقت ترجمان کی حیثیت سے پیش ہوتا۔

بہرحال یہ ٹھیک ہے کہ مراٹھی سے میری کم واقفیت کی وجہ سے نہ تو میرا کوئی نقصان ہوا اور نہ ریاست کا۔ لیکن رفتہ رفتہ مجھ میں یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ اس زبان سے پوری واقفیت نہایت ضروری ہے جب بھی میں مراٹھی اچھی بول لیتا تاکہ میرا مخاطب مجھے مہاراشٹرین سمجھے مجھے بڑی خوشی، بڑا فخر اور بڑا اطمینان ہوتا۔ لیکن جہاں مجھے ناکامی ہوتی مجھے دل پر ایک بوجھ سا محسوس ہوتا اور میں مایوس ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں کچھ واقعات بیان کرتا چلوں۔

میں سچیوالیہ میں زینہ طے کر رہا تھا، میرے ساتھ ہی ایک شخص جو حلیہ سے مکمل دیہاتی نظر آرہا تھا وہ بھی سیڑھیوں پر آہستہ آہستہ چڑھ رہا تھا۔ اچانک اس نے زمینی منزلہ کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے مراٹھی میں پوچھا "آپ اسے کیا کہتے ہیں۔ شاید "تل مجلہ"۔ ہمارے یہاں اسے "پہلا مالا" کہا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں منزلوں میں یہ سب سے پہلا منزلہ ہے۔" مجھے اس کے اس مشاہدہ سے بڑا تعجب ہوا۔ اور پھر مجھے محسوس ہوا کہ مجھے بھی بہترین صلاحیت کا استعمال کرتے ہوئے مراٹھی میں جواب دینا چاہیئے (یہ عجیب بات ہے کہ جب کبھی مجھے تعجب، خوشی، غم یا غصہ کا احساس ہوتا تو میری مراٹھی بہتر ہو جاتی اس لئے کہ ایسے حالات میں میری کمزوری خود بخود دور ہو جاتی)۔ "آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں" میں نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ حقیقت میں امریکہ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے" وہ میرے جواب سے بڑا خوش ہوا۔ ہم لوگ سیڑھیاں چڑھتے رہے اور ساتھ ہی گفتگو بھی طول پکڑتی گئی۔ میری مراٹھی اب اپنے شباب پر تھی اور میرے مخاطب کو میری زبان مختلف ہونے کا ذرا سا بھی اندازہ نہ ہو سکا۔

جوں جوں دن گذرتے گئے مجھے محسوس ہوتا گیا کہ صرف ملاقاتوں کی حد تک مراٹھی کا استعمال کافی نہیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس زبان پر عبور حاصل کیا جائے تاکہ انتظامی اور سرکاری امور میں مراٹھی یعنی راج بھاشا کا استعمال ہو سکے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا ہے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کہیں کمی رہ گئی ہے یا یہ کہ ریاست کے کام میں مناسب حصہ لینے کا اہل نہیں۔

اس سے قبل کہ میں سرکاری کام پوری طور سے مراٹھی میں کرنے کے قابل بن سکوں، چند ناگزیر حالات کی بنا پر مجھے سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ لیکن اس پر بھی میں نے اس زبان میں مہارت حاصل کرنے کی اپنی کوششیں ترک نہیں کی ہیں۔ اب میں مراٹھی میں صرف ان لوگوں سے گفتگو کرتا ہوں جو یہ زبان مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کم مراٹھی جاننے والے میری ناکافی مراٹھی علم کا غلط مطلب نکالیں گے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری اُمور میں راج بھاشا یا ریاستی زبان کے استعمال کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ یہ بات بالکل قدرتی اور اٹل ہے۔ میرے خیال میں انگریزی اپنی جگہ قائم رہے گی لیکن جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے، عملی طور پر وقت کا یہ تقاضہ ہے کہ سرکاری امور میں ریاستی زبان یعنی راج بھاشا کا ہی استعمال کیا جائے۔ حکومت مہاراشٹر نے ہوشمندی سے، بغیر کسی عجلت کے اس سمت جو موثر قدم اٹھائے ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔ میں خود ایک ذمّہ دار شہری کی حیثیت سے حتیٰ الامکان کوشش کر رہا ہوں کہ سرکاری امور میں مراٹھی کے استعمال میں دن بہ دن ترقی کے ساتھ میں خود بھی اپنی قابلیت میں اضافہ کروں۔

●●

ضروری گذارش

رقم خریداری روانہ فرمانیوالے حضرات سے:

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام، پتہ تحریر نہیں کرتے، جس کی وجہ سے شکایتی خط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کیا جانا ممکن ہوتا ہے — اگر کوپن پر نام و پتہ تحریر ہو تو 'قومی راج' فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔

(ادارہ)

مہاراشٹر میں سرکاری طباعت کی خوش نمائی

• ایس اے ساپرے
ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ آف پرنٹنگ
، اینڈ اسٹیشنری، حکومتِ مہاراشٹر

اِیرازمس (۱۴۶۶-۱۵۳۶) پہلا مصنّف ہے جس نے پرنٹنگ پریس یعنی مطبع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اس نے عہدِ کتب کا آغاز کیا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک طوفانی شب میں گھر آتے ہوئے اس نے مٹی میں اپنے قدموں کے پاس ایک عجیب سی شے پڑی دیکھی۔ اس نے رُک کر اُسے اُٹھا لیا۔ یہ ایک نقش دار ٹکڑا تھا، وہ اُسے اُٹھاکر وہاں کھڑا رہا۔ اس عجیب شے کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور خوشی سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ آج سرکاری طباعت کی چمک دمک اور خوشنمائی دیکھ کر اِیرازمس کس قدر خوش ہوتے! پروفیسر ای۔ ایس براؤن نے سرکاری مطبوعات کے جائزہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "ہر انسانی سرگرمی میں سرکاری مطبوعات عملاً وسیع اور قابلِ قدر ذریعۂ معلومات ہیں۔"

ذی علم معاشرہ : یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ کس وجہ سے دنیا بھر میں حکومتیں وسیع اشاعتی پروگرام کو فروغ دے رہی ہیں۔ فی الحال ہم ایک ذی علم معاشرے میں رہتے ہیں۔ علم بجلی کی مانند توانائی کی ایک شکل ہے۔ علم خوشحالی کی بنیاد ہے۔ یہ تہذیب و تمدن کے لئے اصولِ عمل ہے۔ فرٹز میک لپ کی تصنیف The Production and Distribution of Knowledge in the United States اس میدان میں نمایاں کلاسیکل درجہ رکھتی ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ علم، تعلیم، ریسرچ، ترقی اور اشاعت کتب کی مختلف شاخوں میں حکومت بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔

ایک جمہوری ملک میں حکومت بھی علم و دانش پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ حکومت کی قانون ساز شاخ دراصل علم کی تخلیق کار ہے۔ حکومت کی مجلس قانون ساز میں سماج کو متاثر کرنے والے ہر موضوع پر مفصل بحث ہوتی ہے۔ اس بحث و تمحیص سے علم فروغ پاتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے عدلیہ اور عاملہ شعبہ جات انسانی علم کے چشمہ کو لگاتار بڑھاتے ہیں۔

اشاعتی کاروبار کی قدرتی ترقی افزائشِ علم کی مظہر ہے۔ طباعت کی ایجاد کے بعد ۱۴۵۰ء سے ۱۹۵۰ء تک پانچ سو سال کے دوران تقریباً ۳۰ ملین کتابیں شائع ہوئیں۔ مزید برآں گذشتہ ۲۵ سال کے دوران مزید کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ فی الحال فنی رسائل کی تعداد ۱۰۰،۰۰۰ سے زیادہ ہے۔ یہ کہنا ٹھیک ہی ہے کہ یونیورسٹی لائبریری، لیبوریٹری اور پریس پر مشتمل ہوتی ہے۔

حکومت کی حیثیت : یہ ذی علم معاشرہ بتدریج حصولِ علم

میں لگا ہے۔ حکومت کو بھی ایک وسیع نظامِ تعلیم سمجھنا چاہئے۔ مختلف سرکاری محکمہ جات اور جماعتیں یکسر مختلف اقسام کی سرگرمیوں میں منہمک ہوتے ہیں۔ جن میں پُرامن مقاصد کے لئے ایٹمی توانائی کی تیاری سے لے کر گاؤں پنچایت انتخابات کرانے تک سب ہی کام شامل ہیں۔ ان تمام کاموں کو انجام دینے میں حکومت کو کثیر عوام سے قریبی واسطہ پڑتا ہے اور قیمتی تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ ہر حکومت کو یہ جاننا پڑتا ہے کہ کس طریقے سے اپنے مسائل کو پہچانے، ان کا تجزیہ کرے اور انھیں حل کرے۔ حکومت کو مجموعی طور سے ایک پیچیدہ لیبوریٹری سمجھنا چاہئے۔ جس میں مختلف نظریات، خیالات اور طریقۂ کار وغیرہ کی مسلسل جانچ ہوتی ہے، ان میں ترمیم کی جاتی ہے اور انھیں زیرِ عمل لایا جاتا ہے۔ یہ تجربات بے شمار قوانین، روئیداد، دستاویزات، کارروائیوں اور کتب میں درج ہوتے ہیں جنھیں حکومت شائع کرتی ہے۔

جمہوریت اور طباعت: بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر جمہوریت طباعت کی ایجاد ہی کی وجہ سے ممکن ہوئی ہے۔ طباعت دراصل جمہوریت کی طرفدار ہے۔ ایک ممتاز ماہر کا کہنا ہے کہ حکومت اجزاء سے مرکب ہوتی ہے اور یہی اس کی تعریف ہے۔ کثیر اقسام کا طبع شدہ مواد مثلاً قواعد و ضوابط، قوانین، دستور العمل، سرکاری تجاویز، کرنسی نوٹ، چک، فارم، پوسٹر اور جرائد کارگذاری حکومت میں لازمی ہیں۔ کوئی نیا سرکاری پروگرام، منصوبہ یا اسکیم کسی خاص فارم، حکم نامہ یا قانون کے بنا آگے نہیں بڑھ سکتی۔ انتظامیہ میں طباعت کی لگاتار بڑھتی ہوئی کارفرمائی اس امر سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ۴۸-۱۹۴۷ء میں حکومت مہاراشٹر کی میزانیہ مطبوعات کے صفحات کی کل تعداد صرف ۱۴۰۰ تھی۔ جب کہ آج یہ ۱۸۰۰۰ ہے۔ ابتداء میں سرکاری مطبوعات بنیادی ضروریات مثلاً گزٹ، بجٹ، فارم اور قوانین و ضوابط تک ہی محدود تھیں۔ فی الحال کثیر سرکاری مطبوعات کا سلسلہ برابر بڑھ رہا ہے۔ اب اس سلسلہ میں لیٹر ہیڈ اور اشتہارات سے لے کر لاٹری ٹکٹ اور انسائیکلوپیڈیا تک شامل ہیں۔

تعلقاتِ عامہ: جدید دنیا میں تعلیم جُدا کام نہیں ہو سکتا جو صرف کسی مقام یا وقت تک محدود ہو۔ یہ کام تو عمر بھر جاری رہتا ہے۔ ایتھنز کے متعلق پلوٹارخ کا کہنا ہے کہ "یہ ایسا شہر ہے جس نے انسان کو تعلیم دی" تمام حلقوں بشمول عام انتظامیہ، صنعت اور مواصلات کو فروغ تعلیم میں حصہ لینا چاہئے۔

ہر جمہوری حکومت کو سوچ سمجھ کر عزم و استقامت کے ساتھ لگاتار کوشش کرنا چاہئے تاکہ حکومت اور لوگوں کے درمیان باہمی مفاہمت پیدا ہو اور قائم رہے۔ یہ کبھی نہ ختم ہونے والا کام ہے جس کا مقصد نئی پالیسی اور نئے پروگرام کے لئے لوگوں کے ذہن کو تربیت دینا ہے۔ سچی جمہوریت میں شہری مجموعی طور سے متبادل پالیسی بناتے ہیں۔ وہ محض سرکاری پالیسیوں اور پروگراموں کو قبول نہیں کرتے۔

یہ انتہائی ضروری ہے کہ نہایت اہم معلومات تیزی سے عام لوگوں میں پھیلائی جائے۔ مزید براں یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی سچی تصویر، ان کا طریق زندگی اور ان کی صلاحیتیں عام دنیا کے سامنے لائی جائیں۔ یہ مختصر مقاصد ہیں جنھیں ایک جمہوری حکومت کو اپنی واضح تعلقاتِ عامہ پالیسی میں اپنانا چاہئے۔ لوگوں کے دل جیتنے اور ان کے ساتھ انسیت قائم رکھنے کے مقصد سے طباعت غالباً مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

پبلسٹی مواد پرچار مواد نہیں ہے، یہ تعلیمی مواد ہے۔ دنیا بھر میں حکومتوں کی کارگذاری کے سلسلے میں وسوسے بڑھ رہے ہیں۔ بقول پیٹر ڈرکر "یہ حکومت کی بیماری ہے" یعنی یہ اس بات کا احساس ہے کہ سرکار ہر چیز کو خراب کر دیتی ہے۔ ہر حال اگر روشن خیالی سے کام لیا جائے تو نہ صرف یہ احساس دُور کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ مثبت اعتماد بھی پیدا کیا جا سکتا ہے کہ صرف حکومت ہی بعض سودمند کام انجام دے سکتی ہے۔ مثلاً لوک راجیہ کے خصوصی 'گیانیشور نمبر' کی ۵۰۰۰ کاپیاں فروخت ہوئیں۔ راجرشی شاہو گرو گرنتھ، اور ڈاکٹر امبیڈکر کی تحریر و تقاریر۔ جلد ۱ جیسی تصنیفات کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔

کتابی انقلاب: ابھی ہندوستان میں صحیح معنوں میں کتابی انقلاب رونما نہیں ہوا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ۱۰ لاکھ کی آبادی پر تیار کتب کی تعداد — اسرائیل میں ۱۵۰۱، انگلینڈ میں ۴۶۹، جاپان میں ۲۲۷ تھی جبکہ ہندوستان میں یہ صرف ۲۵ تھی۔ مواد اور تیاری کے لحاظ سے بھی ہندوستانی کتابوں کا معیار کچھ اونچا نہیں ہے۔ کتابوں کا شوق بڑھ نہیں رہا ہے بلکہ یہ شاید گھٹ رہا ہے۔ خریدارانِ کتب کی تعداد قلیل ترین ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں کتابی انقلاب لانے کی ذمہ داری حکومتوں ہی پر عاید ہوتی ہے۔ بہر صورت کتاب کی عظمت قائم رہے گی، حالانکہ اسے کمپیوٹر، ریڈیو اور ٹیلیویژن کی وجہ سے سخت مقابلہ درپیش ہے۔ ہر چھپا ہوا لفظ اصلیت، اثر، توازن اور سچائی کا حامل ہوتا ہے۔ یہی صرف انسان کو ذہنی قوت بخشتا ہے۔ یہ تخلیقی افکار کا سرچشمہ ہوتا ہے۔

اُوپر: فائن آرٹ کے نمونے 'اکبری'، ضلع رتناگیری

دائیں. شکنتلا، اپنی سہیلیوں کے ساتھ،
درختوں کو پانی دیتے ہوئے۔ اُوپر دُسعت
ان کی خوش گپیاں سُن رہے ہیں
(ابھیج نیان سکن تلم۔ کالیداس)
مصور: مادھو پوالے۔

دائیں: جیکٹ 'کالیداس'
از ۔ ڈاکٹر وی وی. مراشی
درمیان۔ نائیکا: وسطِ دسویں صدی کے
لکشمی مندر — کھجوراہو میں
سنگ تراشی کا نمونہ
نیچے: شریمد بھاگوت کا ایک ورق، جو
راجے راگھوجی بھوسلے آف ناگپور،
دکن (مراٹھا) اسکول (اواخرِ اٹھارویں
صدی) کے اصل مجموعہ سے لیا گیا ہے۔
بشکریہ: سینٹرل میوزیم، ناگپور۔

वा. वि. मिराशी
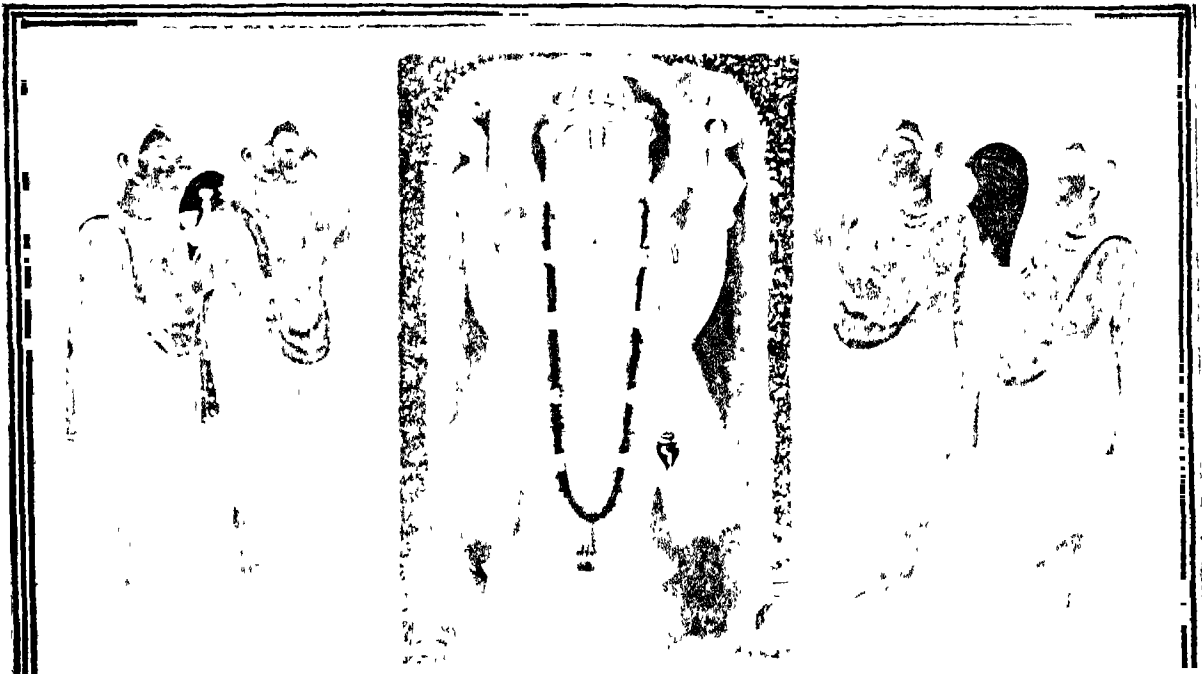
دائیں : بابوراؤ پینٹر کی بنائی ہوئی
جین پینٹنگ ۔
بشکریہ : شری ایس. گھوربڑے
درمیان : کرشن گوپیوں کے ساتھ
راگ مالا مصوری
نیچے : ایک لاٹری ٹکٹ کا عکس ۔

किंमत एक रुपया

१९९ वी
सोडत

महाराष्ट्र राज्य लॉटरी

दिवाळी भव्य सोडत

Rs. 5,00,000

प्रत्येक मालिकेत पहिले बक्षीस रु. १,००,०००

DATE OF DRAW
SUNDAY
NOV. 5, 78

BE

№ 4571505

یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ کتابیں کس قدر اہمیت رکھتی ہیں کتابیں ٹھیک سے لکھنا اور تیار کرنا چاہئیں۔ انھیں مناسب قیمت پر فراہم کرنا چاہیئے۔ بہر حال ایک خاص بات جسے ٹھیک سے سمجھا نہیں گیا ہے، یہ ہے کہ چھ سے بارہ سال تک کی عمر کے بچوں کے ذہنوں میں درسی کتابوں سے جو خیالات جاگزیں ہوتے ہیں وہ معاشی ترقی کی رفتار پر بھی مادی طور سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر کتابیں با مقصد مضامین کی حامل ہوں تو بچے بڑے ہو کر اہل کارکن اور منتظم بنیں گے۔ محرک کامیابی کے موضوع پر ڈاکٹر ڈی۔ میک لینڈ کی عمر بھر کی ریسرچ کا یہی خلاصہ ہے۔

کتب فنونِ لطیفہ: آرٹ بک یعنی کتب فنونِ لطیفہ ایسی ہلکی پھلکی آرٹ گیلری اور میوزیم کے مانند ہیں جسے ہم ساتھ لے کر چل سکتے ہیں۔ آرٹ گیلری اور میوزیم میں ہمارا ثقافتی ورثہ محفوظ رہتا ہے۔ ان سے ہمیں بے حد مسرّت حاصل ہوتی ہے جو حسین چیزوں سے لطف اندوز ہو کر پیدا ہوتی ہے۔ لیکن آرٹ کتابوں کی طباعت بڑی گراں بیٹھتی ہے۔ لہٰذا ترقی پذیر ملکوں میں حکومتوں کو اس میدان میں رہنمائی کرنا چاہیئے۔

سماجی زندگی کا آئینہ: فی الحال طباعت ہماری سماجی، ثقافتی اقتصادی، فنی اور سیاسی زندگی کے ہر پہلو میں بڑی حد تک داخل ہو چکی ہے اس سے انسانی جد و جہد کے مختلف میدانوں میں معاشرہ کے بدلتے ہوئے مزاج فیشن اور رُجحان کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں لاٹری ٹکٹ، کھاتے، بینک اور راشن کارڈ مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں یہ چیزیں دُور دراز گاؤں تک پہنچ چکی ہیں اور ان سے عام دل چسپی بہت کچھ بڑھی ہے۔ اس طرح سرکاری طباعت لگاتار کسی نہ کسی شکل میں قوم پر اثر انداز ہوتی ہے اور سوچ سمجھ کر اپنے معیار کو ڈھالتی ہے۔

بدلتے ہوئے رُخ: سرکاری دفاتر کے روزمرہ کاموں میں فارم اور گزٹ وغیرہ کی شکل میں سرکاری مطبوعات اولین لازمی ضرورت ہیں۔ ضروری طبع شدہ مواد کے بغیر کسی بھی نئی اسکیم، منصوبہ یا پروجیکٹ کو زیر عمل نہیں لایا جا سکتا۔ اکثر بہت سی اسکیموں کی تیزی سے عمل آوری کا انحصار دستیاب مطبوعہ مواد پر ہوتا ہے۔ سرکاری پریس کی ابتدائی ذمہ داری یہ ہے کہ اس قسم کا تمام مواد جہاں تک ممکن ہو سرعت سے فراہم کرے۔ اس معاملہ میں اہمیت کے لحاظ سے کالٹی دوسرے درجہ پر رہ جاتی ہے۔ لوک راجیہ جیسے رسائل لوگوں کو سرکاری پالیسیاں سمجھانے۔ مختلف اسکیموں کے مناسب پرچار اور حکومت کی صحیح تصویر لوگوں کے ذہن نشین کرنے میں بڑا موثر ذریعہ ہیں۔ یہ میکانکی کام نہیں ہے۔ پرچار مواد پر توجہ دینا نہایت ضروری ہے اور اسے دلکش انداز سے چھاپنا چاہیئے۔ اس میں ہمیشہ تر و تازگی رہنا چاہیئے اگر عمدہ سے عمدہ ڈیزائن کو دوبارہ استعمال کیا جائے تو یہ انسان کے ذہن پر اثر ڈالنے سے قاصر رہتا ہے۔

عام طور سے یہ خیال رہا ہے کہ سرکاری طباعت میں نفاست چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی اور تاریخی طور سے یہ غیر دلچسپ ہوتی ہے۔ بہر حال اب یہ خیال باقی نہیں رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج سرکاری طباعت کا معیار تکنیکی آرٹ اور انتظامی معاملات میں قومی ترقی کا مظہر ہے پرنٹنگ یعنی طباعت ٹیکنالوجی آرٹ اور منیجمنٹ کا سنگم ہے۔ مثال کے طور پر عمدہ طباعت، کاغذ اور روشنائی کے بغیر اچھی چھپائی ممکن نہیں۔ اسی طرح تخلیقی ڈیزائن عمدہ چھپائی کی بنیاد ہے۔ دل کش اور ٹھیک ٹھیک طباعت لازمی طور سے اسی وقت ممکن ہے جبکہ کارکن مل جل کر پوری یک جہتی سے کام کریں۔

لہٰذا ڈائرکٹوریٹ آف گورنمنٹ پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری اپنی طباعت کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے لگاتار کوشش کر رہا ہے اس سلسلے میں کئی اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس کی اِن پلانٹ ٹریننگ پبلیکیشنز "آرٹسٹک پرنٹنگ کا نمونہ عمل ہے" مثال کے طور پر آدھنک مدرا کشر کلا کتاب کی ڈیزائن اور طباعت ایک آرٹ بک کے مانند کی گئی ہے۔ مراٹھی میں مشکل سے ہی کوئی آرٹ بک ملے گی۔ آنند کمار سوامی کی زندگی اور کارناموں سے متعلق ایک اور آرٹ بک کا خاکہ بنایا جا رہا ہے۔ حال ہی میں اِن پریز آف ورک ("In Praise of Work") نامی کتاب ۱۹۷۸ء میں فرینکفرٹ میں ہونے والی قابل فخر بک آرٹ انٹرنیشنل ایگزیبیشن میں رکھنے کے لئے منتخب کی گئی تھی۔ بارہ اِن پلانٹ ٹریننگ پبلیکیشنز دوسرے ماسکو انٹرنیشنل بک فیئر کے لئے چُنی گئی ہیں جو ستمبر ۱۹۷۹ء میں منعقد ہوا۔

سرکاری پرنٹنگ پریس کی روایتاً خدماتی محکمہ جات کی حیثیت سے درجہ بندی کی گئی ہے جو سرکاری محکمہ جات کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ لاٹری ٹکٹوں کی چھپائی" اس روایتی عمل سے ہٹ کر ایک اہم کام ہے — لاٹری ٹکٹوں کے معاملے میں یہ اشد ضروری ہے کہ چھپائی ٹھیک ٹھیک ہو، اس کے نمبر صد فی صد درست ہوں، اس کی نقل نہ اتاری جا سکے اور نہ اس میں جعل سازی ہو سکے۔ اور اس کی فراہمی بر وقت ہو۔ نیز ان کا رنگ رُوپ دلکش ہو۔ یہ ایک تخلیقی آرٹسٹ کے لئے ایک چیلنج ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہفتہ بہ ہفتہ ایسا شگفتہ عنصر شامل کرے جو خریداروں

کا دل موہ لے۔

علم وثقافت کی ترقی: مراٹھی زبان شاندار ثقافتی ورثہ رکھتی ہے۔ گیانیشور کا کہنا ہے کہ یہ شہد سے بھی زیادہ میٹھی ہے۔ مراٹھی کتب کی طباعت اس زبان کے شایانِ شان ہونا چاہیئے۔ مراٹھی 'وِشوکوش' بلاشبہ حکومتِ مہاراشٹر کا قابلِ فخر اشاعتی منصوبہ ہے اور اس کی سات جلدیں فروخت کے لئے پیش کی جا چکی ہیں۔ یہ خوبصورت جلدیں (پہلی جلد کے سوا جو پرائیویٹ پریس میں چھپی تھی) وائی میں قائم شدہ نئے پریس نے تیار کی ہیں۔ یہاں 'ایکناتھی بھاگوت'، کا ذکر بھی ضروری ہے جو طباعت و اشاعت میں نادر نمونہ ہے۔ راجرشی شاہو گرو گرنتھ بھی نام پا چکی ہے۔ ... ۵ جلدوں پر مشتمل اس کا پہلا ایڈیشن فوراً ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ ۱۹۷۶ء میں اسے لیپزگ مقام پر منعقدہ 'بیسٹ ڈیزائنڈ بکس' نمائش میں رکھا گیا تھا۔ حال ہی میں شائع شدہ 'لیلا چرتر' جسے مہانو بھاؤ ادب کے ممتاز ماہر ڈاکٹر وی بی کولتے نے مرتب کیا ہے ہر لحاظ سے ایک شاندار مجلہ ہے۔

حکومت مہاراشٹر کی مطبوعات اب تک تیرہ بین الاقوامی نمائشوں میں پیش کی جا چکی ہیں۔ یہ یقیناً سرکاری طباعت میں بدلتے ہوئے رُخ کی علامت ہے۔ حکومتِ مہاراشٹر کے پریس نفیس طباعت پر ۲۵ انعامات حاصل کر چکے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طباعت کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کی لگاتار کوشش بار آور ہوئی ہے۔ ہندوستان میں کوئی دوسرا پریس اس کامیابی میں ہمسری نہیں کر سکا ہے۔ اس پہلو سے وسیع تر مقصد یہی ہے کہ مہاراشٹر میں سرکاری پریس علم اور ثقافت کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کریں۔

حکومت مہاراشٹر کے کیلنڈر: جدید فنِ طباعت کی جڑیں بیسویں صدی کی مصوری کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ فنِ مصوری ہمیشہ ہی سے تخلیق و جستجو کا حامل رہا ہے۔ فنِ طباعت، جسے فنِ تحفظ بھی کہا جاتا ہے تخلیقی اور تجرباتی ہونا چاہیئے تاکہ یہ زندہ رہے۔ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر حکومت مہاراشٹر کے کیلنڈروں کا موضوع چنا جاتا ہے۔ لہٰذا ڈائرکٹوریٹ آف پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری ڈائرکٹوریٹ آف آرٹ کے ساتھ قریبی رابطہ قائم کر کے کام کرتا ہے۔ ۱۹۷۷ء کے کیلنڈر میں مہاراشٹر میں مصوری کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ اس کیلنڈر نے اعلیٰ ترین نمونہ اور طباعت پر اول قومی انعام حاصل کیا۔ کیلنڈر بابت ۱۹۷۹ء کو بین الاقوامی سطح پر دادِ تحسین ملی ہے۔ رابرٹ اسکیلٹن، کیپر، انڈین سیکشن، وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم، لندن نے لکھا ہے:

"ڈاکٹر اسٹرڈنگ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ان کی جانب سے حکومت مہاراشٹر کا کیلنڈر بابت ۱۹۷۹ء ارسال کرنے پر آپ کا شکریہ ادا کروں اور اس امر پر مبارکباد دوں کہ آپ اس ذریعہ سے فنی نمونوں کو عام شہرت دیتے ہیں جنھیں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

"فی الحال میں آپ کی حکومت کے کیلنڈر بابت ۱۹۷۸ء کی جانب کئی اسکالروں کی توجہ مبذول کرا چکا ہوں، جو جہاں تک مجھے علم ہے پنگولی چترکاتھی مصوری کی واحد مطبوعات ہے۔ بہر حال کیلنڈر چند روزہ ہوتے ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے لئے کہاں تک یہ ممکن ہے کہ آپ بلاک استعمال کر کے کم و بیش للت کلا پورٹ فولیو جیسے پبلیٹوں کے سستے پورٹ فولیو تیار کرا سکیں۔ اس طرح ان تصاویر سے اور زیادہ لوگ روشناس ہوں گے جو اب تک بہت کم نظروں میں آئی ہیں۔ اس طرح یہ لائبریریوں میں پہنچیں گی اور اسکالر ان سے مستفیض ہوں گے۔"

"اب تک دوسرے علاقوں کے مقابلے میں مہاراشٹر کے مصوری کے نمونوں پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے۔ لہٰذا آپ کے کیلنڈروں پر مبنی پورٹ فولیو یا مونوگراف کا سلسلہ قابلِ قدر ہوگا۔"

یہ مستند خیالات دو وجوہات سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اولاً ان کیلنڈروں کے باعث مہاراشٹر کے باشندوں کی قدر و منزلت بڑھی ہے۔ دوسری بات جو اور بھی اہمیت رکھتی ہے یہ ہے کہ مہاراشٹر کی فن کاری کے ایسے بیش قیمت نمونوں کو فوراً دنیا کے سامنے لانا ہے جنھیں اب تک نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

اختتام: اس بیان سے یہ تاثر پیدا کرنا مقصود نہیں ہے کہ سرکاری طباعت نفاست و عمدگی کے لحاظ سے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ ابھی یہ دور کی بات ہے۔ ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ صحیح سمت میں یعنی ایسے باشعور معاشرے کی جانب اولین معقول قدم اٹھایا گیا ہے جو لازوال حسین اشیاء کی قدر کرتا ہے اور انھیں محفوظ رکھتا ہے۔

**

راج بھاشا کی مختصر تاریخ

• ریاض احمد خان

ملک کے طول و عرض میں یوں تو بے شمار زبانیں بولی جاتی ہیں مگر وہ زبانیں جو عام طور سے مُروّج ہیں ان کی تعداد انگریزی کو مِلاکر سولہ (۱۶) ہوتی ہے۔ ان سولہ زبانوں میں سب سے زیادہ قدیم سنسکرت زبان ہے۔ باوجود ملک کی قدیم ترین زبان ہونے کے سنسکرت عوام میں مقبول نہیں ہوئی اور اس قدر مُقدّس بنی رہی کہ اس زبان میں لکھی گئی سیکڑوں کتابیں برھمنوں اور پنڈتوں کے ذاتی کُتب خانوں کی زینت بنی رہیں ــــ سنسکرت کے عالموں نے یہ کبھی محسوس نہیں کیا کہ اسے عام زبان بنانے اور عوام میں مقبول کرنے کے ذرائع پیدا کئے جائیں، اس لئے آہستہ آہستہ سنسکرت زبان ہمارے مُلک کی قدیم ترین زبان ہونے کے باوجود ایک اجنبی زبان بنی ہوئی ہے۔ آزادی کے بعد سے اس امر کی طرف توجہ دی جارہی ہے کہ اسے دوبارہ روزمرّہ کی زبان بنایا جاسکے۔ اور اس مقصد سے اسکولوں اور کالجوں میں اس کی طرف خاص توجہ دی جارہی ہے۔

بعض محققین اس خیال سے متفق ہیں کہ مراٹھی زبان سنسکرت ہی سے وجود میں آئی ہے، لیکن اس تحقیق کو بیشتر محققین نے غلط ثابت کیا ہے اور ثبوت کے طور پر یہ کہا ہے کہ مراٹھی دراصل سنسکرت سے تعلق ضرور رکھتی ہے مگر اس کا یہ تعلق براہ راست نہیں ہے بلکہ پالی ۔ مہاراشٹری اور مہاراشٹر ۔ اپابرھمشا زبانوں کی معرفت ہے جو ایک ہزار برس سے قائم ہے۔ نئی تحقیقات کے ذریعہ یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ مراٹھی زبان اس سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اور ۷ ویں و ۸ ویں صدی میں بھی اس زبان میں کام کئے گئے تھے۔ صدیوں پرانے الفاظ اپنی ہیئت بدلتے رہے اور مراٹھی زبان میں شامل ہوتے گئے۔ مراٹھی زبان کی ترقی کی دو وجوہات سب ہی کے لئے قابل قبول ہیں اول تو یہ کہ اس زبان کو تقویت جادھو دورِ حکومت سے ملنا شروع ہوئی جن کا پایہ تخت دیوگیری تھا۔ جادھو خاندان ایک طویل عرصہ تک حکومت کرتا رہا اور اسی کے ساتھ ساتھ مراٹھی زبان بھی پھلتی پھولتی رہی۔ اس خاندان کے افراد نے مراٹھی اپنی زبان تسلیم کرلی۔ عام بول چال۔ درباری کاروبار میں مراٹھی کو خاص اہمیت حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ مراٹھی درباری زبان بن گئی اور اس کے جاننے والے پڑھے لکھے لوگوں کو حکومت میں اچھے عہدے ملنا شروع ہوگئے اور ان کی قدر و منزلت بھی بڑھتی گئی۔

یہ ایک اُصول کی بات ہے کہ جس زبان نے دربار میں جگہ حاصل کرلی وہ عوام کی زبان بن ہی جاتی ہے اور اس کے جاننے والوں کی نہ صرف حکومت میں بلکہ عوام میں بھی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ جادھو دورِ حکومت مراٹھی زبان کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں پیش پیش رہا۔ دوسری وجہ جس سے مراٹھی ایک مکمل زبان اور عام زبان کے رُوپ میں جلوہ گر ہوئی یہ تھی کہ ' مہانو بھاؤ پنتھ ' اور ' وارکری پنت ' دونوں مذہبی عقائد کا فروغ پانا۔

ان دونوں عقائد کے ماننے والوں نے مراٹھی کو ہی اپنے اظہار خیال کیلئے اپنایا۔ ایک طرف تو دربار ی زبان اور دوسری طرف مذہبی زبان بھی مراٹھی ہوگئی اس کی وجہ سے اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ آنے کا کھٹکا ہی نہیں رہا اور یہ زبان اپنے ماحول کو اپنی لطافت سے معمور کرتی چلی گئی۔ وارکری پنت، لکھنے والے ہی دراصل مراٹھی زبان کے بانی مانے جاتے ہیں اور ان کی قائم کردہ زبان بتدریج ترقی کرتی ہوئی موجودہ دور تک آئی ہے۔

مراٹھی ادب کو دو حصوں میں بہ آسانی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصہ کی ابتدا دسویں صدی مانی جاتی ہے حالانکہ ۷ویں اور ۸ویں صدی میں بھی مراٹھی زبان کی تشکیل ہو چکی تھی مگر کیونکہ اس وقت یہ زبان گھٹنوں کے بل چلتی تھی اس لئے وقت کا تعین ۱۰ویں صدی سے ہی کیا جا سکتا ہے اسی صدی سے اس زبان میں غیر معمولی اضافہ ہوتا چلا گیا جس میں اس وقت کے مفکروں اور دانشوروں نے اپنے اپنے خیالات سے اس زبان کو مالا مال کر دیا۔ اس زبان کی یہ ایک خصوصیت رہی ہے کہ تشکیل پا جانے کے بعد سے آج تک اس کی ترویج و اشاعت اور مقبولیت میں ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ روزافزوں ترقی کی راہوں پر گامزن رہی اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کا اجمالی خاکہ اور نکھرتا گیا۔ پرانے الفاظ کی جگہ نئے تراشیدہ الفاظ نے لی ہے جس سے اس کی خوبصورتی میں قدرے اضافہ ہی ہوا ہے۔

مراٹھی زبان کا پہلا حصہ جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے دسویں صدی سے شروع ہو کر ۱۸ویں صدی تک پہنچتا ہے اور اس کے بعد دوسرا حصہ یا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو ۱۸ویں صدی سے موجودہ زمانے تک آتا ہے۔ جسے ہم ترقی یافتہ زبان کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ پہلا دور جو دسویں صدی سے اٹھارویں صدی تک مانا گیا ہے وہ دور دراصل مراٹھی شاعری کے دور سے منسوب ہے۔ اس دور کی شاعری علامتی شاعری نہیں تھی بلکہ اس شاعری میں بھکتی پر لکھے ہوئے گیت اور شاعروں کا اندازِ بیان نمایاں تھا۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس دور کے شاعروں کو موجودہ دور کے اصنافِ سخن کی معلومات نہیں تھیں اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ آگے چل کر اس ادب میں ڈراموں، ناولوں، کہانیوں اور مختصر کہانیوں کا بھی رواج پسندیدہ نظروں سے دیکھا جائے گا۔ اس دور کے شعرا اپنا ایک محدود نظریہ رکھتے تھے اور انھوں نے زندگی کے اُجلے اور روشن پہلو پر نظر رکھنے کی بجائے یاس و حرماں نصیبی پر زیادہ توجہ دی یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کی شاعری سے آج بھی یاس و حسرت ٹپکتی محسوس ہوتی ہے۔ اپنے گیتوں میں انھوں نے ایک بھی ایسا پہلو نہیں رکھا جسے پڑھ کر لوگ وقتی طور پر ہی سہی اپنے ماحول سے چھٹکارہ یا فرار حاصل کر سکیں۔ یہ ان کے خیالات ہی تھے جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ تو لیا مگر اسی ماحول کو اپنی شاعری سے الگ رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی تمام ادبی کاوشیں بے اثر ہوگئیں اور وہ اپنے خیالات سے عوام کو متاثر نہ کر پائے۔ یہ اس وقت کے ادب کی ناکامیابی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس دور کے تمام شعراء نے راماءن اور مہابھارت جیسی عظیم تصنیفات سے اپنے آپ کو مستفیض کیا مگر اپنی شاعری میں شگفتگی، شیرینی، اتحاد و اتفاق سے سرشار نہیں کیا۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اگر ہم موجودہ دور کے مراٹھی ادب کا جائزہ لیں تو یہ محسوس ہوگا کہ اس دوسرے دور کے شعراء نے دورِ اول کے شعراء سے ورثہ میں کچھ بھی حاصل نہیں کیا، اسی وجہ سے ان کے کلام میں شیرینی ہے، لطافت ہے اور زندگی سے قربت ہے۔ موجودہ دور کا کلام زندہ رہنے کا پیغام دیتا ہے، ہمت اور شجاعت سے آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس دوسرے دور کے شعراء اور ادیبوں نے انگریزی ادب سے کافی استفادہ کیا۔ انھوں نے ڈراموں میں، کہانیوں میں اور ناولوں میں جہاں اپنی زبان اور اپنے الفاظ لئے ہیں وہیں نئی تہذیب سے روشنی اور خیالات بھی حاصل کئے ہیں۔ اس دوسرے دور کے شاعروں اور ادیبوں نے دوسروں کے خیالات، دوسروں کے شاہکار پڑھے اور ان کے تجربے کی روشنی میں اپنی راہیں متعین کیں۔ انھیں ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ پرنٹنگ پریسوں کی وجہ سے ان کی تخلیقات جلد از جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آنے لگیں، جس سے انھیں عوام کے رجحانات کا بھی پتہ چلتا رہا۔ زبان و ادب میں یہ ایک انتہائی ضروری بات ہے کہ عوام کے تاثرات پر جب تک نگاہ نہ رکھی جائے اور عوام کی حسبِ خواہش تخلیق نہ کی جائے، ہرگز کامیابی نصیب نہ ہو سکے گی۔ دوسرے دور کے مراٹھی شاعروں اور ادیبوں نے اس طرف خاص طور سے توجہ دی اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

قدیم مراٹھی ادب میں مکندراج اور گیانیشور کے نام سرِفہرست ہیں۔ یہی دونوں ہستیاں مراٹھی ادب کی بانی ہیں۔ سماجی قدروں، سماجی تقاضوں نے پرانے ادب کو نئی روشنی بخشنے کا کام کیا ہے۔ انھیں تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے مکندراج نے ویویکا سندھو اور گیانیشور نے "گیانیشوری" لکھی۔ اس امر سے تمام محققین متفق ہیں کہ 'گیانیشوری' ہی مراٹھی ادب کے فروغ اور ترقی کی ضامن ہے۔ گیانیشور کی مؤثر طرزِ تحریر اور خیالات میں سلجھاؤ، مراٹھی ادب میں ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کا اندازہ 'گیانیشوری' اور

’امرِتا نبھو‘ سے لگایا جاسکتا ہے۔ گیانیشور کے علاوہ، وہ شخصیت جس نے مراٹھی ادب کو مزید تقویت بخشی ’نامدیو‘ کی ہے۔ نامدیو نے اسی زبان میں گیت لکھے، بھجن لکھے جو سلیس زبان میں ہونے کے علاوہ عام فہم بھی تھے اور مؤثر بھی۔ نامدیو کے گیت اور بھجن نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ہندوستان کے دوسرے مقامات پر بھی گائے جانے لگے، اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مراٹھی زبان کو کس قدر مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی کہ وہ اپنے علاقے سے نکل کر ملک گیر بن گئی۔ نامدیو کے بھجن اس دور میں بھی گائے جاتے ہیں اور آج بھی ان کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی کہ نامدیو کے زمانے میں تھی بلکہ موجودہ دور میں انھیں اور بھی مقدس سمجھا جاتا ہے اور بڑے اہتمام سے پڑھا جاتا ہے۔ نامدیو کے بعد اس کے بھجن لوگوں کی روحانی تسکین کیلئے برسوں تک اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ نامدیو کے بعد ایکناتھ کے ظہور پذیر ہونے تک دوسو سال کا خلا رہا، جسے نامدیو ہی کے گیتوں نے پُر رکھا۔ دوسو سال بعد ایکناتھ نے مراٹھی ادب میں ایک شاعر کی حیثیت سے عظیم ترین مقام پایا اور جس طرح گیانیشور کی ’گیانیشوری‘ نے ملک گیر شہرت پائی، اسی طرح ایکناتھ کی ’ایکناتھی بھگوانۃ‘ نے بھی اپنا بلند درجہ پایا۔

ایکناتھ کی طرزِ تحریر عام فہم اور سادگی کے لبادے میں تھی اور ہر خاص و عام کے دلوں پر اثر کرتی تھی۔ ایکناتھ نے اپنے کلام میں ہندوستانی فلسفہ کو بھی جگہ دی مگر ایسا کرنے میں وہ زندگی سے قریب رہے اور فلسفہ کو اپنے اظہارِ خیال اور عوام کے درمیان دیوار نہ بننے دیا، یہی وجہ ان کی کامیابی کی ہے۔ ایکناتھ سمجھتے تھے کہ ان کے گیتوں میں جو بھکتی ہے وہ اگر عوام ہی نہ سمجھ پائیں تو ان کا لکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان کے انھیں خیالات سے مہاراشٹر میں انھیں عظیم مقام ملا۔ مراٹھی ادب میں ایکناتھ نے صرف گیتوں اور بھجنوں پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے کہانیاں بھی لکھیں جن کا محور انسانی زندگی کے اطراف گھومتا رہا۔ دوسرا کارنامہ ایکناتھ کا یہ بھی ہے کہ اس نے گیانیشوری میں استعمال مراٹھی کے دقیق اور ناقابلِ فہم الفاظ کو نیا جامہ پہنایا۔ اس لئے نہیں کہ انھیں گیانیشوری میں خامیاں نظر آئیں بلکہ صرف گیانیشور کی عقیدت کی وجہ سے انھوں نے ایسا کیا، اور گیانیشوری کو دوبارہ اس قابل کردیا کہ وہ عوام کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوسکے۔ ایکناتھ کو گیانیشور سے جتنی عقیدت تھی اس کو پوری طرح بروئے کار لاتے ہوئے انھوں نے گیانیشوری کو زندہ جاوید کردیا، اس طرح سے گیانیشور کے نام کے ساتھ ایکناتھ کا نام بھی مہاراشٹر کی ادبی تاریخ میں سرِفہرست ہوگیا۔

قدیم مراٹھی ادب میں تکارام بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ تکارام نے اپنے خیالات کو شاعری کا پیرایہ نہیں بخشا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انھوں نے سماج سُدھار کے کاموں میں بھی دلچسپی لی۔ سادھو اور سنتوں کو حالانکہ سماج سُدھار کا کام کرنا زیب نہیں دیتا مگر تکارام نے ادب کے ساتھ ساتھ اس طرف بھی توجہ دی اور ایک انفرادی شخصیت تسلیم کئے گئے۔ تکارام کے ساتھ سنت رام داس کا نام بھی قابلِ احترام ہے۔ مراٹھی ادب میں رامداس کی تخلیق ”دسابودھ“ اچھے خیالات کا مخزن ہے اور قدیم مراٹھی زبان کا کبھی نہ ختم ہونے والا سرمایہ۔ اس خیال کو بھی کافی تقویت ملتی ہے کہ رام داس شری چھترپتی شیواجی مہاراج کے گرو بھی رہے ہیں۔ مراٹھی میں انھوں نے بیشمار نظمیں، گیت اور پند و نصائح لکھے ہیں۔

سنتوں کے اس دور میں مراٹھی نے قابلِ قدر ترقی کی اور اپنی منزلیں طے کر کے جب ۱۸ویں صدی میں داخل ہوئی تو اس کا شاندار استقبال کیا ! سسبال کرپوالے شاعروں میں مورپنتھ بھی تھے جنھوں نے مراٹھی میں منظوم مہابھارت لکھی۔ یہیں پر مراٹھی ادب کا دورِ اولین اختتام تک پہنچتا ہے۔

دوسرا دور شروع ہوئے کم از کم ۱۵۰ سال کا عرصہ گذر چکا ہے جس میں مراٹھی زبان میں بے شمار تجربات کئے گئے ہیں اور ہر تجربہ کامیابی کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ یہ دوسرا دور ۱۸۸۵ء سے شروع ہوکر ۱۹۲۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ جس کے بعد تیسرا دور شروع ہوتا ہے جو ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۵ء تک ۲۵ سال کے عرصہ تک قائم رہا۔ اس دور نے دوسری جنگ عظیم دیکھی ہے اور اس سے اس دور کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے ذہن کو ایک نئی جہت کی طرف موڑ دیا ہے۔ اس زمانے میں مراٹھی ادب میں شاعری کے علاوہ ڈرامے، ناول، افسانے سب ہی روز بروز مزید تر ترقی حاصل کرتے گئے یہاں تک کہ سائنسی ادب نے بھی مراٹھی ادب میں بہتر جگہ بنالی۔

اسی دور کے مشہور شعراء میں ’کوی بی‘، ’کوی چندر شیکھر‘ اور کوی نیتو نے عوام کو اپنے افکار سے متاثر کیا۔ اسی دور میں اچاریہ پی۔ کے اترے نے ’جھینڈوچی پھولے‘“ لکھ کر اپنی انفرادی حیثیت منوائی۔ موجودہ دور کے مراٹھی شاعروں کے لئے راہیں متعین کرنے میں بی۔ آر تمبے پیش پیش ہیں۔ ان کے بعد ہی یہ کام ان کے نامور شاگرد بی۔ بورکر نے انجام دیا۔ انھی کی تعلیم نے مراٹھی ادب میں آنند کانیٹکر، کوی انیل، این۔ جی دیشپانڈے کو عوام میں مقبول بنایا۔ کوی بی۔ ایس مرڈھیکر کے ساتھ مراٹھی شاعری کو مزید ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے والوں میں پی۔ ایس ریگے، وِندا کرندیکر، وسنت باپٹ، منگیش پڈگاؤنکر، شانتا شیلکے، سنجیونی مراٹھے،

یا بینا بائی چودھری اور اندرا سنت کے نام بھی قابلِ ذکر ہیں.

مراٹھی ادب کو ڈراموں سے کافی مقبولیت ملی۔ اس سمت پہلا تجربہ بی. بی کرلوسکر نے کیا، حالانکہ ڈرامے کے بانی وشنو داس بھاوے تھے. جہاں تک مراٹھی ڈراموں کا تعلق ہے جی. بی دیوال، کے. پی کھاڈیلکر، ایس. کے کولہٹکر، این. سی کیلکر، وشنو دیو شاستری کھرے کے نام قابلِ ذکر ہیں.

سب سے پہلا ناول لکھنے کا سہرا ہری نرائن آپٹے کے سر ہے جنھوں نے ۱۸۸۵ء میں ایک ناول بعنوان "مدھالی استیتھی" لکھا۔ ناول لکھنے والوں میں ناتھا مادھو، سی. وی دیدیا، وی. ایم پرانجپے کے نام قابلِ ذکر ہیں جبکہ پروفیسر وی. ایم جوشی نے مراٹھی ناول نگاری میں ایک نئی بنیاد ڈالی۔ انھیں ناول نگاروں میں پروفیسر این. ایس پھڈکے اور وی. ایس کھانڈیکر کے نام درخشاں ہیں۔

مختصر کہانی اور افسانہ لکھنے والوں میں ایچ. این آپٹے، وی. ایس گوجر وائی. جی جوشی، وی. وی بوکل، آننت کانیٹکر، سی وی جوشی، ایس ایم مانے، پی. کے اترے کے نام نہ صرف مراٹھی ادب میں بلکہ ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک میں بھی جانے پہچانے ہیں. گنگا دھر گاڈگل نے افسانوں کو زندگی کی حقیقت سے قریب لانے کی کامیاب کوشش کی جس کی تائید اروند گوکھلے، پی. بی بھاوے، وینکٹیش ماڈگلکر، مہادیو شاستری جوشی، بی. ڈی موکاشی، این. جی گورے اور واسندھرا پٹوردھن نے کی، پی. ایل دیشپانڈے نے اپنا خاص مقام پیدا کیا اور مراٹھی ادب پر چھائے ہوئے ہیں۔ مراٹھی نثری ادب کے بانی وشنو شاستری چپلونکر مانے جاتے ہیں جنھیں مراٹھی ادب کا شیواجی بھی کہا جاتا ہے۔ لوکمانیہ تلک اور آگرکر نے انھیں کی تقلید کی۔

راج بھاشا کی بتدریج ترقی کو دیکھتے ہوئے آج اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مراٹھی زبان کتنی عظیم زبان ہے۔ زندگی سے کتنی قریب رکھتی ہے اور کس قدر ترقی کر رہی ہے۔ اگر ترقی کی یہی رفتار رہی تو ایک زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ یہ زبان ہر خاص و عام کی زبان بن جائے۔ اور جس طرح ملک میں دوسری زبانوں نے ترقی کی ہے مراٹھی بھی اسی رفتار سے ترقی کی منزلیں طے کرتی جائے۔

✱✱

بقیہ "دلت ساہتیہ"

صفحہ ۱۵ سے آگے

کیے مادا [illegible] میں [illegible] نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مراٹھی افسانہ لٹریچر میں دلتوں کی زندگی کی عکاسی نہیں پائی جاتی اور اسی لئے دلت ادیبوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے افسانے کا افق وسیع کر دیا ہے اور ان افسانوں میں دلتوں کی خانہ داری، چھوت چھات کی بدی کے نئے روپ وغیرہ موضوعات ہوتے ہیں۔ دلتوں کی زندگی پر پروفیسر دتا بھگت نے ایک ڈرامہ بھی لکھا ہے۔

دیا پوار: دیا پوار دلت ساہتیہ کے ایک ممتاز مصنف ہیں۔ اپنی شاعری اور افسانوں میں انھوں نے موجودہ دور میں دلتوں کے ساتھ سورنوں (غیر ہریجنوں) کے سلوک میں جو انقلاب رونما ہوا ہے، اس کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ خود دلتوں کے افکار میں بھی کافی تبدیلی آگئی ہے۔ — — پھر بھی ان کی رائے ہے کہ دلتوں کو خود کے 'اسپرشیہ بھاؤنا' (اچھوت ہونے کا احساس) سے چھٹکارا ملنا مشکل ہے، یہی حقیقت انھوں نے اپنی آپ بیتی 'بلوتے' میں مؤثر طریقے سے واضح کی ہے۔

دلت ساہتیہ نے اپنے وجود اور امتیاز کا مراٹھی ادب میں سکہ منوا لیا ہے اور گمان یہ ہے کہ ہندوستان کی اور زبانوں کے ادب میں بھی اپنا اپنا 'دلت ساہتیہ' وجود میں آئے گا۔ اور اس طرح ہریجنوں کے مسائل جلد حل ہونے میں کافی مدد ملے گی۔

••

سیتا سوئمبر سے فارس تک

• یونس اگاسکر

گذشتہ صدی میں مہاراشٹر میں کولہاپور کے نزدیک سانگلی نامی ریاست میں چنتامن راؤ اپّاصاحب کی حکومت تھی۔ ۱۸۴۲ء میں وہاں کرناٹک سے ایک ناٹک کمپنی آئی جو "بھاگوت" کے نام سے دیومالائی قصوں کو تمثیل کے رُوپ میں پیش کرتی تھی۔ رئیس سانگلی کی فرمائش پر اس کمپنی نے اپنے خاص خاص کھیلوں کا تماشا کیا، جن کا انداز راملیلا کا سا تھا اور عام لوگوں کے مذاق کی تسکین اُن سے خوب ہوتی تھی۔ چنتامن راؤصاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا، کیوں نہ ان کھیلوں میں ردّوبدل کرکے انہیں شائستہ لوگوں کے مذاق کے موافق بنایا جائے۔ انھوں نے اپنے ایک مُصاحب وشنوپنت بھاوے سے فرمائش کی کہ وہ مراٹھی میں اس قسم کی تمثیلیں پیش کریں۔ وشنوپنت بھاوے نہ تو عالم تھے اور نہ ہی اعلیٰ درجے کے شاعر (اُس زمانے میں مکالمے اور بیانات عموماً منظوم ہوا کرتے تھے) لیکن آدمی ذہین اور باصلاحیت تھے۔ انھوں نے رئیسِ سانگلی کی حوصلہ افزائی پاکر ایک ڈرامہ "سیتاسوئمبر" ترتیب دیا اور ۱۸۴۳ء میں اپّاصاحب کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح مراٹھی کا پہلا مکمل ڈرامہ وجود میں آیا اور مراٹھی اسٹیج کی داغ بیل پڑی۔

وشنوپنت بھاوے کا مختصر سا تعارف بھی ناموزوں نہ ہوگا۔ وشنوپنت بھاوے، ریاست سانگلی کے ایک فوجی افسر امرت وِٹھل بھاوے کے لڑکے تھے جنھیں شری اپّا صاحب، رئیس سانگلی نے بیلگام روانہ کرکے انگریزی قواعد کی تعلیم و تربیت دلائی تھی۔ انگریزی فوج کی تربیت کے زیرِ اثر امرت وِٹھل بھاوے بھی اردو زبان[1] میں فوجی احکامات تیار کرواکے ان کے مطابق اپنی فوج کی پریڈ کروانے لگے۔ اِنھی امرت راؤ کے چھوٹے بیٹے وشنوداس تھے۔ وشنوداس بچپن ہی سے آرٹ اور فنونِ لطیفہ سے دلچسپی رکھتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر میں انھوں نے سانگلی شہر کا منظر مٹی سے بنایا تھا جس میں بازار، حویلیاں، محل اور سواریاں بنائی گئی تھیں۔

وشنوپنت بھاوے نے اپنی سوانحی کتاب 'ناٹیہ کویتا سنگرہ' ("नाटकाचा कविता संग्रह") میں اپنے پہلے ناٹک کے بارے میں جو تفصیل لکھی ہے، اُسے اختصار کے ساتھ یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

"میری عمر اس وقت اٹھارہ اُنیس سال کی تھی اس کے باوجود میں

[1] جدید بھرت منی وشنوداس بھاوے؛ پروفیسر م۔ ل۔ وراڈپانڈے' مراٹھی ماہنامہ 'انورادھا' (رنگ بھومی اشاعتِ خاص) لفظ 'اُردو' پروفیسر وراڈپانڈے ہی نے استعمال کیا ہے۔

شریمنت (اپا صاحب) کی یقین دہانی پر مصمم ارادے کے ساتھ اس کام میں لگ گیا۔ مجھے بچپن ہی سے گانے بجانے کا شوق تھا پھر اس کام کا آغاز کرنے سے قبل میں نے مراٹھی کی بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں اور پوران کتھاؤں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا۔ اس کے بعد ساز و سامان اور اشخاص مہیا کرنے میں جُٹ گیا۔ جب ایک اچھی خاصی جماعت تیار ہوگئی تو رامائن سے "سیتا سوئمبر آکھیان" کو تمثیلی انداز میں پیش کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کچھ محنت کرکے اس آکھیان کو الگ الگ راگوں میں منظوم کرلیا۔ اسی طرح کردار اور تخت و تاج اور بہروپ جواہرات وغیرہ ساز و سامان مہیا کرکے ناٹک تیار کرلیا اور ۱۸۴۳ء میں پہلی [illegible] شریمنت کے سامنے پیش کیا۔"

بھاوے نے جس وقت یہ ناٹک پیش کیا اس وقت عورتوں کا پارٹ کرنے کے لئے عو[illegible] کا مہیا ہونا تو ناممکن تھا ہی، کمسِن لڑکوں کا ہاتھ آنا بھی دشوار تھا۔ لیکن [illegible] اپا صاحب کے اشارے پر یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔ بعد میں چند برہمنوں نے ان لڑکوں کو ذات باہر کرنے کی کوشش کی۔ اپا صاحب نے بڑے بڑے پنڈتوں اور شاستریوں کو بلا کر اس بارے میں رائے طلب کی۔ کافی بحث و مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ اس قسم کے کھیل اور پارٹ مذہبًا ممنوع نہیں [illegible]۔ چنانچہ بھاوے نے اس [illegible] شوق کو جاری رکھا اور مختلف تمثیلیں پیش [illegible] نے لگے۔ [illegible] ۱۸۵ء میں بھاوے کے سرپرست اپا صاحب کا انتقال ہوگیا اور سانگلی کی [illegible] ریاست کا انتظام سرکارِ انگریزی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ بھاوے نے اس عرصہ میں کتنی آکھیان پیش کئے تھے جن کے باعث ان کی قائم کردہ 'ہندو ناٹک منڈلی" مقروض بھی ہوگئی تھی۔ اپا صاحب کا جائز وارث کمسن تھا اور اس کے مختار نے بھا[illegible] کی سابقہ امداد جاری رکھنے سے انکار کردیا، چنانچہ قرض کی ادائیگی کی [illegible] سبیل یہ نکلی کہ سانگلی سے باہر ملک کے دوسرے حصوں میں کمپنی کو لے جا کر کھیل پیش کئے جائیں اور پیسہ کمایا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۶۱ء تک بھاوے نے اپنی منڈلی کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں کے دورے کئے اور جگہ جگہ کھیل پیش کرکے تھوڑی سی دولت اور بہت سی شہرت کمالی۔

ابتدا میں بھاوے کے ناٹک، میدانوں میں منڈوؤں کے نیچے ہوا کرتے تھے۔ داخلے کے لئے تماشبینوں کو ٹکٹ نہیں دیئے جاتے تھے صرف کچھ داخلہ فیس وصول کرکے انھیں تماشا گاہ میں داخل کرلیا جاتا تھا۔ اس خامی سے شریر لوگ فائدہ اُٹھا کر جبرًا بغیر فیس دیئے تماشا گاہ میں گھس جاتے تھے اور کبھی کبھی کھیل میں گڑبڑ اور بدنظمی پیدا کر دیتے تھے جس سے کمپنی کو خاصا نقصان اُٹھانا پڑتا تھا۔ علاوہ ازیں عوام میں مذہبی تعصب بھی اس قدر تھا کہ وہ ان مردوں کی شکل دیکھنا بھی منحوس سمجھتے تھے جو زنانہ پارٹ کرتے ہوں۔ اس وجہ سے بھی کمپنی کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن بمبئی کا دوسرا دورہ جو ۱۸۵۲ - ۵۳ء میں کیا گیا تھا غیر متوقع طور پر کامیاب رہا۔ اس دورے میں بھاوے نے پہلا کھیل ۱۴ فروری ۱۸۵۳ء کو وشوناتھ آتمارام شیمپی (درزی) کے باغ میں ٹکٹ لگا کر کیا اور دوسرا کھیل ۹ مارچ ۱۸۵۳ء کو گرانٹ روڈ کے تھیٹر میں کیا، جس کے منتظم اس دور کی مشہور شخصیت ڈاکٹر بھاؤ داجی لاڈ تھے۔ خود بھاوے کے الفاظ میں "کھیل ختم ہونے پر ڈاکٹر بھاؤ، گورنر کے سکریٹری صاحب کو لے کر ہماری ریہرسل کی جگہ پر آئے۔"

وشنو پنت بھاوے کی کامیابی و شہرت نے سانگلی اور پونا کے لوگوں میں ناٹک سے دلچسپی پیدا کردی، اور یکے بعد دیگرے کئی ناٹک کمپنیاں وجود میں آگئیں اور ملک کے مختلف حصوں میں گھوم پھر کر ناٹک کرنے لگیں۔ بھاوے کی 'ہندو ناٹک منڈلی' ۱۸۶۱ء تک قائم رہی۔ اسی طرز پر سانگلی کر، اچل کرنجی کر، کولہاپورکر، اپنے کر وغیرہ کمپنیوں نے بھاوے کی روایت کو آگے بڑھایا اور مراٹھی اسٹیج کے پھلنے پھولنے میں ہاتھ بٹایا۔ ایسی تقریبًا ڈیڑھ دو سو کمپنیاں وجود میں آئیں اور ختم ہوگئیں۔ اکثر شرکا میں اختلاف ہوجانے پر ایک کمپنی ٹوٹتی اور دوسری دو یا تین کمپنیاں وجود میں آجاتیں۔ یہ سب ناٹک منڈلیاں بھاوے کی کمپنی ہی کی طرح عمومًا پورانک اور دیو مالائی قصوں کو تمثیل کے روپ میں پیش کیا کرتی تھیں اور ان میں دیوی، دیوتاؤں، راکششوں وغیرہ کا وجود ضروری ہوتا تھا۔

وشنو پنت بھاوے اور اُن کے متبعین کے اسٹیج کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس پر بھرت منی کے ناٹیہ شاستر میں بیان کردہ قدیم ہندوستانی اسٹیج کا گہرا اثر ہے اس سے بھاوے کی سنسکرت دانی اور قدیم کتابوں کے بارے میں جانکاری پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس دور کے ناٹک گھر عمومًا مندروں کے صحن، بڑی حویلیوں کی چار دیواری یا کھلے میدان ہوا کرتے تھے۔ اسٹیج کے ایک طرف سیاہ رنگا ہوا کپڑا لٹکا دیا جاتا تھا جس کے پیچھے سے تیار ہوکر اداکار اسٹیج پر آتے تھے۔ (بمبئی کے دورے میں غالبًا سامنے کا پردہ انھوں نے استعمال کرنا شروع کردیا تھا) اس دور میں پرکاش (آرائش) سے زیادہ ڈرامے کے روپ (رُوح) کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس لئے ظاہری ٹیپ ٹاپ پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ ناٹیہ شاستر کے مطابق 'روپ'، ڈرامے کی اداکاری مکالمے اور پلاٹ کو کہتے ہیں اور 'پرکاش' کا مطلب ہے اسٹیج کی زیب و زینت اور آرائش وغیرہ جس سے ناٹیہ نظر نواز ہوجاتا ہے۔

ے[1] بھادے نے رُوپ کو پرکاشں پر ترجیح دی ہے البتہ انسان، دیو
شِشوں میں سے ہر ایک کے میک اپ کے سلسلہ میں بھادے
جداگانہ ڈھب اور انفرادی انداز اختیار کیا تھا، اسے آج بھی
سمجھا جاتا ہے۔
ں دور کے مکالمے نہ تو مکمّل نظم ہوتے تھے اور نہ ہی تمام تر نثر،
ں کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ سنسکرت ڈراموں کی طرح مراٹھی ڈرامے
ے سے اہم کردار سُوتر دھار ہوتا تھا جو اسٹیج پر دوسرے تمام کرداروں
ٹرل کرتا اور انھیں وقتاً فوقتاً اپنا پارٹ ادا کرنے کی منظوم ہدایتیں
ہتا تھا۔ پورے ڈائلاگ رٹنے کا رواج نہ تھا دوسرے اداکار سُوتر دھار
نسپریشن لے کر موقع کی مناسبت سے جو کچھ یاد آتا بولتے چلے جاتے، اور
ضرورت اپنی طرف سے اضافے بھی کرتے رہتے تھے۔ بھادے کے دور
امے چھاپنے کا رواج نہ تھا، اداکار بھی زیادہ تر اَن پڑھ ہوتے تھے اس
نھیں مکالمے لکھ کر دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کوئی دوسرا شخص
خاص خاص مکالمے یاد کراتا تھا۔ بعد کی کمپنیوں میں مکالمے لکھ کر
کا سلسلہ اپنایا گیا۔ اس میں بھی یادداشت کے دھوکہ دیئے جانے پر
یں کی مدد لینی پڑتی تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ دیوتاؤں میں سے کوئی
ردار دوسروں کو متوجہ کرلنے کے لئے کہتا "سُنیئے" یا "توجہ فرمائیے"
تر دھار فوراً نظم میں اس کردار کا مکالمہ کہنا شروع کر دیتا۔ اسی لئے
ر کے ڈراموں کے اسکرپٹ دستیاب نہیں ہیں۔
ڈراموں کا آغاز یوں ہوتا کہ سب سے پہلے سُوتر دھار پردے سے باہر
طرف کھڑا ہو جاتا اور خدا کی حمد و ثنا میں کچھ اشعار لَے کے ساتھ گا کر
اس کے بعد "وِدُوشک" (مسخرہ) ایک چرواہے کے بھیس میں جسم پر
باندھے ہوئے نمودار ہوتا اور تھوڑی دیر تک ناچتا اور اوٹ پٹانگ
کر کے لوگوں کو ہنسانے کی کوششیں کرتا رہتا۔ اس کے بعد سُوتر دھار
وِدُوشک میں دلچسپ مکالمہ شروع ہو جاتا جس میں ضلع جگت اور ظریفانہ
بازی ہوتی تھی۔ دورانِ گفتگو میں وِدُوشک پر سُوتر دھار ڈرامہ کرنے
ل ظاہر کرتا، اس طرح تماشائیوں کو ناٹک کے نام، اس کے موضوع سے
کرایا جاتا، ساتھ ہی سُوتر دھار وِدُوشک کو اسٹیج کا خیال رکھنے کی
بھی کرتا۔ اس کی بات چیت ختم ہوتے ہی ہری گجانن مہاراج (گنیش
ی) کی تعریف بیان کی جاتی اور گنیش جی پردے کے باہر آجاتے۔ سُوتر
نھیں پرنام کر کے ناٹک کی کامیابی کے لئے اشیرواد مانگتا اور مشکلات

دور کرنے کی دعا مانگتا تھا۔ گنیش جی کے بعد دیوی سرسوتی تشریف لاتیں۔
ان کی تعریف سُوتر دھار بیان کرتا اور ہمت و زورِ تقریر کے لئے ان سے
آشیرواد کا طلب گار ہوتا تھا۔

اب اصل ناٹک کا آغاز ہوتا۔ سب سے پہلے سُوتر دھار ناٹک کا خلاصہ
اور پیش کئے جانے والے منظر کا تعارف بیان کرتا پھر اداکار اسٹیج پر نمودار
ہونا شروع ہو جاتے۔ اسٹیج کا بیرونی پردہ ڈرامے کے دوران میں گرانے
یعنی ڈراپ سین کرنے اور منظر تبدیل کرنے کا رواج نہ تھا۔ بیرونی پردہ سرکنے
والے حلقوں کے ذریعہ ایک ڈوری میں آویزاں ہوتا تھا اور بہ وقتِ ضرورت
اسٹیج کے ایک طرف کھینچ دیا جاتا تھا۔ یہی گویا پردے کا اٹھنا تھا۔ پردہ
اُٹھ جانے کے بعد آخیر تک اسٹیج بلا وقفہ کھلا رہتا تھا۔ کردار اسٹیج پر آتے
سُوتر دھار کے اشارے پر اداکاری کرتے، ڈائلاگ بولتے اور چلے جاتے۔
جو سین پیش کرنا ہوتا اسے سُوتر دھار زبانی بیان کر دیتا یا اداکار خود ہی
اس کام کو انجام دیتے۔ سبھا یا مجلس کا انعقاد اس طرح ہوتا کہ اسٹیج
پر ایک قطار میں پانچ چھ کرسیاں رکھ دی جاتی تھیں، ان پر دیوتا
بیٹھ کر صلاح و مشورہ کرتے۔ ان کی مجلس برخاست ہو جانے کے بعد انھی
کرسیوں پر راکشسوں کی مجلس جمتی۔ اس کے بعد وہیں پر زنانہ پارٹ
کرنے والے کردار آکر بیٹھتے اور آپس میں بات چیت کرتے تھے۔ وہ
جب تک اسٹیج پر موجود ہوتے، سُوتر دھار ان کی حرکات اور بھاوؤں کی شرح
نظم میں کرتا جاتا تھا۔ اس طرح سُوتر دھار کو سارا وقت اسٹیج پر سازندوں
کے ساتھ مصروف رہنا پڑتا تھا۔ اسی طرح وِدُوشک کو بھی شروع سے
اخیر تک اسٹیج پر رہنا پڑتا تھا۔ وہ کبھی ضرورت کے مطابق اسٹیج کی
سیٹنگ بدل دیتا اور کبھی ضروری اشیاء مہیا کر دیا کرتا تھا۔ اگر کسی اداکار
کے آنے میں کسی وجہ سے دیر لگتی یا کوئی اداکار اپنا مکالمہ بھول جاتا تو اسٹیج
پر موجود دوسرا اداکار وِدُوشک کو مخاطب کر کے بات چیت شروع کر دیتا اس
طرح ڈرامے کے تسلسل کو برقرار رکھا جاتا تھا۔ بعض اوقات عورتوں کا پارٹ
ادا کرنے والے اداکاروں کے کان یا ناک کا کوئی زیور اسٹیج پر گر جاتا تو اسے
اٹھا کر دینے کی ذمہ داری بھی وِدُوشک ہی کی ہوتی تھی۔

غرض کہ سُوتر دھار اور وِدُوشک دونوں انتہائی ذہین، حاضر جواب
اور خوش مذاق انسان ہوتے تھے جنھیں بھادے اور اس دَور کے دیگر
ڈرامہ نگاروں کے ڈراموں کے اہم ستون سمجھنا چاہیئے۔ البتہ وِدُوشک
کے کردار میں یہ خامی ضرور تھی کہ وہ موقع بے موقع لوگوں کو ہنسانے کی
کوشش میں لگا رہتا تھا اور "رس بھنگ" ہونے کی مطلق پروا
نہ کرتا تھا۔

ے[1] ہندوستانی ڈرامہ: ڈاکٹر صفدر آہ صفحہ ۳۵

راکشسوں کا پارٹ کرنے والے اکثر ادنیٰ درجے کی خدمات انجام دینے والے مثلاً کمپنی کے باورچی یا پانی بھرنے والے تنومند اور اُجڈ افراد ہوا کرتے تھے۔ راکشس کا پارٹ کرنے والے شخص کی شکل مُہیب اور ڈراؤنی بنانے کے لئے وشنو پنت بھاوے نے کچھ جدتیں اختیار کی تھیں۔ راکشسوں کے چہروں پہ سُرخ، سفید اور کالے رنگوں کی پٹیاں کھینچ دی جاتی تھیں۔ منہ میں قینچی (پترے) اور ہاتھی دانت کے بڑے بڑے مصنوعی دانت لگا دیئے جاتے تھے۔ سروں پر لمبے لمبے مصنوعی بال یا سوت کی جٹائیں لگا دی جاتی تھیں اور کمر میں صوتو یا ساڑیوں کے بیچ لپیٹ دیئے جاتے تھے تاکہ کمر بڑی نظر آئے۔ بازوؤں پہ پیتیوں کے "بیچ بند" چڑھائے جاتے، گلے میں لکڑی یا کانچ کے بڑے بڑے منکوں اور پتے چڑھے ہوئے خشک آنولوں کی مالائیں پڑی رہتی تھیں۔ ہاتھ میں ننگی تلوار دی جاتی تھی جسے وہ بڑی صفائی سے چلایا کرتے تھے — راکششوں کی آمد رال کی مشعلوں کی تیز روشنی میں اور بڑے شور و غل کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اتنا شور ہوتا کہ کان کے پردے پھٹنے لگتے، اور بچے بالے باقاعدہ ڈر جایا کرتے تھے۔

راکشسوں کے برخلاف دیوتاؤں کی آمد کے وقت اسٹیج نہایت پُرسکون رہتا تھا۔ دیوتاؤں کی پیشانیوں اور ہاتھوں پر سفید پٹیاں کھنچی ہوتی تھیں اور بال کندھوں تک چھوڑے ہوئے ہوتے تھے۔ دیوتاؤں کے چار ہاتھ ہوتے تھے اور سروں پر سنہری پنی سے مڑھا ہوا اور مور کے پَروں سے سجا ہوا تاج رکھا ہوتا تھا، گلے میں نقلی زیورات اور بانہوں پر بازو بند ہوا کرتے تھے۔ ان کی گفتگو میں شاستریوں اور پنڈتوں کی مانند سنسکرت کے موٹے موٹے شبد اور بھاری بھرکم جملے ہوا کرتے تھے۔

گنیش جی کا پارٹ کرنے والے کا لباس اور اس کی کاغذی سونڈ بالکل سُرخ ہوا کرتی تھی۔ یہ سونڈ اندر سے کھوکھلی ہوتی تھی لیکن اس میں ہوا کے گذرنے کا کوئی راستہ نہ ہونے کی وجہ سے اداکار (جو عموماً لڑکا ہوا کرتا تھا) کا دم گھٹنے لگتا تھا۔

سرسوتی کا پارٹ کرنے والا لڑکا پشت پر مور کی دُم کے پَر اس طرح لگا لیتا تھا گویا مور نے دُم کھول رکھی ہے اور وہ اس پر سوار ہے، ایک ہاتھ میں رومال لے کر یہ لڑکا اس طرح رقص کرتا تھا گویا وہ مور ناچ رہا ہے جس پر وہ سوار ہے۔ بعد میں سرسوتی کی سواری کے لئے لکڑی کا مور بھی استعمال کیا جانے لگا تھا۔

ماروتی (ہنومان) کی دم بانس کی کھپچیوں سے تقریباً ۲۰ ہاتھ لمبی بنائی جاتی تھی، اس پر چیتھڑے لپیٹے جاتے تھے اور اس دم کو اُٹھائے رکھنے کے لئے دو تین آدمی کی ضرورت پیش آتی تھی۔ دُم کے ساتھ اُچھلنے کودنے میں یہ لوگ ماروتی کی مدد کیا کرتے تھے۔

راون کے "ایک اصلی اور ۹ نقلی منہ ہوا کرتے تھے (کل دس)۔ ان کے ساتھ دو اصلی اور اٹھارہ کاغذ کے ہاتھ ہوا کرتے تھے۔ راون جب اپنے اصلی ہاتھوں سے تلوار کے ہاتھ دکھاتا ہوا نمودار ہوتا تھا تو لوگ حیرت اور خوشی سے تالیاں بجانے لگتے تھے۔

نارد کا سوانگ بھرنے والے لڑکے کے چہرے پر مُدرا[1] کی مُہریں لگی ہوتی تھیں، اور اس کی چوٹی کھڑی رہتی تھی (فلموں میں آج بھی نارد کا یہی میک اَپ ہوتا ہے)۔

وشنوداس بھاوے کے ڈراموں میں جو پہلو سب سے زوردار طریقے پر پیش کیا جاتا تھا وہ ہے عمل (Action)۔ ارسطو کے نزدیک ناٹک اصل میں عمل کی نقالی کا نام ہے۔ وشنوداس کے ڈراموں میں یہی اُصول بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ مار دھاڑ، ایذا رسانی، جنگ و جدل، ماتم و بَین، نوحہ خوانی جیسے پرجوش اور المیہ مناظر کے ساتھ "راس کریڈا" شادی بیاہ اور سوئمبر، کھیل تماشے، چھیڑ چھاڑ جیسے پُر لطف اور مزاحیہ مناظر سے یہ ناٹک بھرے ہوتے تھے۔ حرکت و عمل پر اتنی توجہ ہوتی تھی کہ راکششوں کی آمد (اینٹری) کے وقت دہشت سی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن یہ سب ہنگامہ اور زور آزمائی کسی اندرونی کشمکش یا بیرونی تصادم کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی بلکہ محض ظاہری طور پر اس کا استعمال پورانک کتھاؤں کو عملی صورت میں پیش کرنے کے لئے ہوتا تھا۔

پورانک ناٹکوں کا رواج ۱۸۴۳ء سے ۱۸۹۶ء تک یعنی اُنیسویں صدی کے اختتام تک رہا، لیکن ۱۸۶۰ء سے ۱۸۸۰ء تک کے دو دہوں میں یہ ناٹک اپنے عروج پر رہے۔ اس عرصہ میں مہاراشٹر میں تقریباً پچیس تیس ناٹک منڈلیاں وجود میں آچکی تھیں جو پورانک ناٹک کیا کرتی تھیں۔ ان میں "اِچل کرنجی کر" ناٹک منڈلی سب سے اہم ہے۔ مراٹھی ڈرامہ اور اسٹیج کے ارتقا کی تاریخ میں اس کمپنی کا نام خاصا روشن ہے۔ سابق مہاراجہ آف اِچل کرنجی کی ایک بیاض کے مطابق ۵۰-۱۸۴۹ء میں اس منڈلی کی بنیاد پڑی۔ وشنوداس کے ناٹکوں کی بہ نسبت اس منڈلی کے پیش کردہ ناٹک فنّی اور نظریاتی اعتبار سے زیادہ پُختہ اور مہذّب تھے۔ اس کمپنی سے منسلک کوی پنڈت بابا جی داتار کی شاعری بھی وشنوداس بھاوے سے بہتر ہوتی تھی" بلکہ اس دور کی سبھی ناٹک منڈلیوں کے مقابلے میں اِچل کرنجی کر والوں

---

[1] : "مدرا" ایک قسم کی منقش مُہر ہوتی ہے، جس سے وشنو نرجے کے ہندو اپنے گالوں پر نقش بناتے ہیں۔

فنی وادبی معیار برتر تھا۔ اور اس کا سہرا پانڈورنگ رگھوناتھ عرف
باجی شاستری داتار کے سر ہے۔ وہ شاستری یعنی عالم تھے، ان کے قلم
ں تیزی، لطافت، الم انگیزی اور علمیت یکساں طور پر پائی جاتی تھی۔
بان بامحاورہ اور اسلوب بڑا اتیکھا ہوتا تھا۔ ان کے گیتوں کی دھنیں اکثر
دُہنوں سے مستعار ہوتی تھیں جو کانوں میں پڑتے ہی تماشبینوں کا دل
ہ لیتی تھیں۔ شاستری بُوا نے پورانک اور اساطیری کہانیوں میں اپنے
ر کے خیالات اور تصورات داخل کر کے انھیں مابعدالطبیعیاتی سطح
سے نیچے اُتارا اور عوام سے قریب تر کر دیا۔ پڑھے لکھوں کو اس میں رس
لینے پر آمادہ کرنے کے لئے سنسکرت کی چاشنی بھری۔ انھوں نے مراٹھی
ڈراموں میں کنڑ اور ہندوستانی کو بھی استعمال کیا۔

اگرچہ اس سے قبل ہندوستانی یا ہندی میں ڈرامے لکھے جا چکے
تھے۔ مراٹھی کے اولین ناٹک کار وشنو پنت بھاوے ہی نے ہندوستانی
ں بھی ایک ناٹک "راجا گوپی چند جالندھر" کے نام سے لکھ کر بمبئی
ں پیش کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے اسے اُردو کا پہلا ڈرامہ کہا ہے
چہ مصنف کا نام درست نہیں بتایا ہے۔ میرے نزدیک بھاوے ہی
ردو کے بھی پہلے ڈرامہ نگار ہیں، لیکن مراٹھی ڈراموں میں ہندوستانی
استعمال سب سے پہلے داتار شاستری کے ناٹکوں ہی میں نظر آتا ہے۔
وفیسر بن ہٹی کے خیال میں پورانک ناٹکوں کو ادبی و لسانی درجہ دینے
ں داتار شاستری نے جو کوششیں کیں ان کے نتیجہ میں یہ دور مراٹھی اسٹیج
ی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے [1]۔ غالباً شاستری
اہی کے ناٹکوں نے مراٹھی ناٹک کاروں کو سماجی ناٹک لکھنے کی راہ
کھائی۔ بھاوے اور اِچل کرنجی کر والوں کی کوششیں مراٹھی ناٹک کی
اریخ کے دو اہم سنگِ میل ہیں۔

اِچل کرنجی کر منڈلی کی اس کامیابی کے تقریباً ۶ سال بعد مراٹھی
سٹیج نے اپنے طویل و کامیاب سفر کا تیسرا سنگِ میل بھی نصب کر ڈالا۔
س کا سہرا بمبئی واسیوں کے سر ہے۔ بمبئی میں امرچند واڈی کر ناٹک
منڈلی نے ۱۹ر جنوری ۱۸۵۶ء کو اپنے اساطیری ناٹک کے ساتھ ایک
فارس" (FARCE) بھی پیش کیا جس سے مراٹھی اسٹیج کے تاریخی
سفر میں ایک نئے موڑ کا آغاز ہوا۔ یہ جدت بمبئی ہی میں کیوں اختیار
کی گئی؟ اس کی تاریخی وجہ ہے۔ بمبئی کے بامبے تھیٹر میں اور دوسرے
مقامات پر انگریز شہریوں اور فوجیوں کی تفریح کے لئے انگریزی میں فارس

پیش کئے جاتے تھے اور بمبئی کے دیسی باشندے بھی اس مزاحیہ صنف
ڈرامہ سے واقف ہو چکے تھے۔ جب وشنو پنت بھاوے نے بمبئی واسیوں
کو دیسی اسٹیج کی راہ بتائی تو ان میں آگے بڑھنے کے لئے خود اعتمادی
پیدا ہوئی اور انھوں نے انگریزوں کی تقلید میں مراٹھی میں "فارس"
پیش کر کے دوسروں کی رہنمائی کی۔

امرچند واڈی کر منڈلی کا یہ "فارس" کس موضوع پر تھا اور اس کا
نام کیا تھا، اس کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ پروفیسر
بن ہٹی نے اپنی تحقیق کے دوران قدیم اخبارات میں "اس مرتبہ ہم ایک
نیا عوامی اور ہنسنے لائق عمدہ ترین فارس پیش کرنے کا ارادہ رکھتے
ہیں"۔ یہ اعلان اور اس کی تاریخ دیکھ کر اس کا تذکرہ اپنی مراٹھی کتاب
"مراٹھی رنگ بھومی کا اتہاس" میں کیا ہے۔ اس میں عوامی سے مراد
غالباً سیکولر اور غیر مذہبی تمثیل ہے اور "ہنسنے لائق" واضح طور پر
مزاحیہ کی مترادف ترکیب ہے جو کہ فارس کی خصوصیت ہے۔

آہستہ آہستہ مراٹھی ڈراموں کے ساتھ کچھ دیر تک "فارس" پیش
کرنے کا رواج چل پڑا۔ پہلے پہل فارس کی یہ صورت ہوا کرتی تھی کہ ایک
آدھ گھنٹے تک مزاحیہ نقلوں اور عملی لطیفوں کا سلسلہ رہتا تھا جس میں
کہانی کا تانا بانا بڑا ڈھیلا اور غیر مربوط ہوتا تھا زیادہ زور مضحکہ خیز حرکتوں
اور فحش مکالموں پر دیا جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں یہ صنف مقبول ہوتی گئی۔
اس میں شائستگی اور چستی آتی گئی حتیٰ کہ مزاح بھی موزوں مواقع ہی پر
برتا جانے لگا۔ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۶ء کے عرصے کو 'فارس' کا سنہری دور سمجھا
جاتا ہے۔

اس عرصے میں اِچل کرنجی کر، الّنیکر وغیرہ ناٹک منڈلیوں نے بڑے دلچسپ
اور کامیاب فارس پیش کئے۔ 'فارس' کی مقبولیت سے ایک خاص فائدہ یہ
ہوا کہ مراٹھی اسٹیج دھارمک موضوعات کی حد بندیوں کو توڑ کر عوام کے مسائل
سے قریب تر ہو گیا اور سماجی و معاشرتی پہلوؤں کی مُرقع کشی کرنے لگا چنانچہ
ایک اور صنف کیری کیچر' (Caricature) نے ترقی کی اور اس کے وسیلے
سے سماج میں پائے جانے والے بِل نفرت و مضحکہ خیز عناصر کو طنز و مزاح
کا نشانہ بنا کر سماجی حقیقت نگاری کو پروان چڑھایا گیا۔ نوجوان خوبصورت
بیویوں والے بوڑھے کھوسٹ شوہروں، جھگڑالو ساسوں، آسمان میں
تھگلی لگانے والی بہوؤں، جاہل اور بد اطوار دامادوں، ڈھونگی اور
لپاٹیے سادھوؤں اور ان کے چیلوں، نئی تعلیم حاصل کر کے اپنی چال بھی
بھولنے والے نوجوانوں کی کھِلّی اُڑا کر فارس لکھنے اور اُسے پیش کرنے والو

(بقایا صفحہ ۴۴ پر)

[1] مراٹھی رنگ بھومی کی تاریخ (مراٹھی) نہری۔ نا۔ بن ہٹی صفحہ ۶۱

ڈاکٹر سیّد عابد حسین

خدا ترس انسان - صاحبِ طرز ادیب

• عبدالوحید خان جامعی

کچھ عرصہ ہوا، ایک المناک سانحہ گذرا۔ ملک کے نامور دانشور، مفکّر اور فلسفی، مشہور و معروف قومی یونیورسٹی جامعہ ملّیہ اسلامیہ، نئی دھلی کے سابق لائق و فائق پروفیسر اور حیاتی رکن، اردو، فارسی نیز انگریزی اور جرمن وغیرہ عالمی زبانوں کے ماہر، بلندپایہ صحافی اور مایہ ناز ادیب ڈاکٹر سیّد عابد حسین ۱۳ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے۔

ڈاکٹر سید عابد حسین کا خاندانی سلسلۂ نسب براہِ راست سید حسن بندگیؒ سے ملتا ہے جو ایک عالمِ دین، پارسا اور صوفی صفت بزرگ تھے. سب سے اول یہ بزرگ سید حسن بندگی سولہویں صدی میں "نرمض" سے ہندوستان آئے اور قنوج (یو۔پی) کے گرد و نواح میں ایک چھوٹے سے دیہات دائپور (DAIPUR) میں آباد ہوئے۔ وقت گذرنے کے ساتھ انہی بزرگ کی برکتوں سے یہ چھوٹی سی بستی ایک "خانقاہ" مرجع خلائق بن گئی۔ انہی بزرگ کی بصیرت، نیک خوبیاں اور خدا ترسی عابد صاحب کو خدا کے فضل و کرم سے وراثتاً ملی تھیں۔

سیّد عابد حسین ۲۵ رجولائی ۱۸۹۶ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد سید حامد حسین میونسپل بورڈ میں بحیثیت مشیرِ قانون برسرِ کار تھے۔ آپ کی والدہ یو۔پی میں واقع مقام موہن کے نامی تعلقدار سید محمد عابد صاحب کے گھرانہ کی تھیں۔ خانگی طور پر اُردو اور انگریزی میں کچھ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کے والد نے باقاعدہ تعلیم کے لئے جہانگیریا ہائی اسکول، بھوپال میں پانچویں جماعت میں داخل کرایا۔ ہونہار، ذہین اور شوقین عابد حسین نے تعلیم کے مختلف مدارج نمایاں کامیابی سے طے کئے۔ آپ نے ۱۹۱۶ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے درجۂ اول میں میٹرک پاس کیا اور ۱۹۲۰ء میں اسی یونیورسٹی سے فلسفہ میں بی۔اے کا امتحان بھی درجۂ اول میں پاس کیا اور یونیورسٹی نیز ریاست بھوپال کی جانب سے کئی وظائف پائے۔ آگے ایم۔اے کا مرحلہ تھا. مگر یہ قومی تحریک کا بڑا ہیجانی اور ہنگامہ خیز زمانہ تھا، تعلیمی ادارے بھی متاثر تھے. ان حالات میں اولاً ایم۔اے۔او کالج، علیگڈھ اور پھر الٰہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے، کرنے کی خواہش پوری نہ ہوسکی. عابد صاحب کو ہر حال میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کی فکر تھی، دُھن تھی۔ لہٰذا آپ جرمنی تشریف لے گئے، اور وہاں بالآخر برلن یونیورسٹی سے ۱۹۲۵ء کے اواخر میں، فلسفہ ہی میں ایچ ڈی کی اعلیٰ ترین سند با امتیاز حاصل کی۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد برلن (جرمنی) سے ڈاکٹر سید عابد حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر محمد مجیب صاحب کی معیت میں ۱۹۲۶ء میں دہلی تشریف لائے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وابستہ ہوئے اور تادمِ آخر رہے. بقول شخصے عابد جیسا لائق، باصلاحیت اور گوناگوں خوبیوں کا مالک فرد، ان کے لئے مواقع کمی کہاں تھی، جہاں جاتے جدھر نظر ڈالتے اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت پاتے اور عیش بھر چین سے بسر کرتے۔ مگر ان کی ذات ان باتوں سے بالا تھی اور دل میں قوم کا جذبہ موجزن۔ ان کی نظروں میں تو سما گئی تھی نوخیز جامعہ، اس کا وہ ابتدائی نازک دور، مالی حالت خستہ، ہر دم یہی کھٹکا کہ کب بند ہو جائے بس انھوں نے یہیں اور اعلیٰ ملازمت کے بجائے خدمت کو ترجیح دی اور ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر مجیب صاحب کے دوش بدوش جامعہ کی خدمت کا بار اٹھایا، سو سوا سو روپے ماہانہ کا حقیر مشاہرہ خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر

ٹھن سے کٹھن اور نازک سے نازک دور میں ایک دو نہیں تیس سال تک
معہ ملیہ اسلامیہ کی آبیاری اور اسے پروان چڑھانے میں موصوف کی جانفشانی
ار وقربانی اور بے لوث خدمات کی مثال ملنا مشکل ہے۔
ڈاکٹر ذاکر حسین کے ایما پر جامعہ ملیہ ہی سے منسلک طباعتی اور اشاعتی
رہ مکتبۂ جامعہ کے اولاً قیام، انتظام وانصرام اور اس کی ادبی خدمت —
پھر ۱۹۴۷ء میں دہلی کی تباہ کاری میں جب مکتبۂ جامعہ کا لاکھوں کا اثاثہ
لہ کا ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کے احیائے ثانی میں عابد حسین صاحب کی مساعی
بصہ ہمیشہ نمایاں رہا جسے کبھی فراموش نہ کیا جاسکے گا۔

جامعہ میں ڈاکٹر عابد حسین نے درس وتدریس کے علاوہ سب سے پہلے
یام تعلیم' اور بعد ازاں ماہنامہ 'جامعہ' کی ادارت کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم
ب' اس کے جلو میں بھیانک اور افسوسناک فسادات اور اس کے المناک
یج نے ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں میں زبردست ہیجان واضطراب
خوف وہراس پیدا کر دیا تھا۔ خاص طور پر مسلمان ہراساں اور پریشان
ھے، وہ مایوسی کے عالم میں ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔ اس ہیجانی دور
ں آپ نے انھیں امن وعافیت، صلح وآشتی، صداقت اور جمہوریت کی
ہ دکھانے کے لئے غالباً ۱۹۴۸ء کے وسط میں "نئی روشنی" نامی ہفتہ وار
اری کیا تھا۔ عمر کے آخری حصے میں "اسلام اور عصر جدید" نامی ادارہ کے
ر اہتمام دو سہ ماہی رسالے اردو اور انگریزی زبان میں جاری کئے۔ اردو
پہلا شمارہ "اسلام اور عصر جدید" اکتوبر ۱۹۶۹ء اور انگریزی کا پہلا شمارہ
" ISLAM & MODERN AGE جنوری ۱۹۷۰ء میں نکلا تھا۔
یہ رسائل خصوصاً ان کے اداریئے موصوف کی بلند
یہ، پاک وصاف، سچی اور بے لاگ صحافت کا قابل قدر، قابل تقلید اور
گار نمونہ ہیں۔

علم وادب کے میدان میں ڈاکٹر سید عابد حسین بہت بلند مقام
کھتے تھے۔ متعدد عالمانہ وفاضلانہ مضامین اور مقالات کے علاوہ موصوف
کے گراں قدر تراجم، تخلیقات اور مرتبہ کتب کی تعداد چالیس سے اوپر ہے۔
میں ۲۲ ترجمے ہیں، جو فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، تاریخ وسیاسیات،
ہم وادب اور سوانح عمری وغیرہ موضوعات پر ہیں۔ انھوں نے خصوصاً
سفہ، نفسیات اور عمرانیات جیسے اہم اور دقیق موضوعات پر انگریزی
جرمن کتابوں کا اردو زبان میں بڑی مہارت سے ترجمہ کیا۔ آپ کی ترجمہ
مہ کتابوں میں مندرجہ ذیل خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

'نفسیات عنفوان شباب' (جرمن زبان سے ایڈورڈ اشپرانگر کی تصنیف
کا ترجمہ)، 'تاریخ فلسفۂ اسلام' (جرمن زبان سے ڈی بوئر کی تصنیف کا ترجمہ)،
'سینٹ جان' (انگریزی سے جارج برنارڈ شا کی تصنیف کا ترجمہ)، 'فاؤسٹ'
(جرمن زبان سے گوئٹے کی تصنیف کا ترجمہ)، 'مبادی عمرانیات' (جرمن زبان سے
بلیک مارک کی تصنیف کا ترجمہ) 'ترکی میں مشرق ومغرب کی کشمکش' (جرمن
زبان سے، ترکی خاتون خالدہ ادیب خانم کی تصنیف کا ترجمہ) 'تنقید عقل محض'
(جرمن زبان سے کانٹ کی تصنیف کا ترجمہ) 'مکالمات افلاطون' (انگریزی سے
ترجمہ)، 'علم الاقوام' (جرمن زبان سے بیرن ایرن فلس کی تصنیف کا ترجمہ)
'ضبط نفس اور نفس پرستی'، اور 'تلاش حق' (انگریزی سے مہاتما گاندھی کی
تخلیقات کا ترجمہ) 'جگ بیتی'، 'تلاش ہند اور میری کہانی' (انگریزی سے
جواہر لال نہرو کی تصنیفات کا ترجمہ)۔ 'ہندوستان میں تعلیم کی از سرنو
تنظیم' (انگریزی سے ڈاکٹر ذاکر حسین کی کتاب کا ترجمہ) 'کلموہی' (رابندر ناتھ
ٹیگور کی تخلیق چوکھر بالی کا ترجمہ)

آپ کی اصل تصانیف میں سب سے اول 'پردۂ غفلت' (ڈرامہ) 'مسلمانوں
کی تعلیم اور جامعہ ملیہ، ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب' 'مضامین عابد'
'قومی تہذیب کا مسئلہ' (ساہتیہ اکادمی ایوارڈ یافتہ) 'ہندوستانی مسلمان
آئینۂ ایام میں'، 'مسلمان اور عصری مسائل'، 'شری برلا کا، کیا خوب آدمی تھا'
اور 'بزم بے تکلف' وغیرہ شامل ہیں۔

موضوعات کے لحاظ سے ڈاکٹر عابد حسین کے ترجمے اور تصانیف بڑی
اہمیت کی حامل ہیں اور ان کی زبان وبیان، اسلوب، سلاست اور روانی
لاجواب ہے۔ انھوں نے نامور مفکرین، دانشوروں اور ادیبوں کی رشحات قلم
کو اردو زبان کا جامہ پہنایا اور ایسی مہارت، لیاقت اور حسن وخوبی سے زیب تن
کیا کہ بقول بشیر حسین زیدی "ان کے ترجمے بسا اوقات پڑھنے میں اصل سے
بھی بہتر لگتے ہیں۔ ان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انھیں خصوصاً جرمن اور
انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا اور وہ ترجمہ کی خداداد صلاحیت رکھتے
تھے۔" اسی طرح خواجہ غلام السیدین مرحوم لکھتے ہیں کہ "لوگ محاورہ
کے طور پر کہا کرتے ہیں کہ ترجمہ پر اصل کا دھوکہ ہوتا ہے۔ عابد صاحب کے
ترجموں پر واقعتاً یہ گمان ہوتا ہے، بلکہ بعض دفعہ اصل سے بہتر ہونے کا
یقین ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ تصنیف کریں یا ترجمہ اس میں نہ صرف ایک عالم
کی پختگی اور وضاحت خیال ہوتی ہے، بلکہ ایک باکمال ادیب کی تراش
خراش اور آب وتاب بھی اسی وجہ سے ان کا شمار اردو زبان کے چوٹی کے
صاحب طرز ادیبوں میں ہوتا ہے۔"

ٹ یہ رسالہ سوا دو سال جاری رہا اور اگست ۱۹۵۰ء کے آخری ہفتے سے بند ہوگیا۔

ان علمی و ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے ساہتیہ اکادمی نے ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر عابد حسین کو ان کی تصنیف "قومی تہذیب کا مسئلہ" پر اپنا اُردو ایوارڈ عطا کیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۷ء میں حکومتِ ہند نے "پدم بھوشن" خطاب سے سرفراز کیا۔ ۱۹۷۴ء کے شروع میں دہلی انتظامیہ نے انھیں "سرسوتی ایوارڈ" سے نوازا۔

ڈاکٹر سید عابد حسین کی شخصیت مجموعۂ صفات تھی۔ انھوں نے ۸۲ سال کی عمر پائی۔ اس طویل زندگی کے سفر میں ہمیشہ سچی اور حقیقی مذہبی اقدار کے پرستار اور ان پر عمل پیرا رہے۔ عمر کے آخری حصے میں فریضۂ حج بھی ادا کیا۔ 'اسلام اور عصرِ جدید' نامی ادارہ کے بانی اور روحِ رواں رہے، جس کا مقصد اس جدید سائنسی و فنی ترقی کے دور میں اسلام کی صحیح ترجمانی اور مابین مذاہب مفاہمت پیدا کرنا ہے۔ خدا ترسی، انسان دوستی، رواداری، ملنساری اور خوش اخلاقی، یہی خوبیاں ان کی زندگی کا شعار رہیں۔ ایسی عظیم اور باکمال ہستیاں شاذ ہی پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی رحلت ایک دائمی صدمہ اور دنیائے علم و ادب کے لئے نقصانِ عظیم ہے۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران اس خاکسار، حقیر راقم الحروف کو خوش قسمتی سے محترم اُستاد عابد صاحب کی شاگردی کا شرف حاصل رہا۔ اپنے شاگردوں سے ان کی محبت، اُنسیت اور شفقت، درس دینے کا دل نشین انداز، درس کے دوران طلبہ کے بعض اوقات، خصوصاً مرزا غالب کی نرالی نیکھی شاعری پر طفلانہ سوالات۔ اس پر ان کا ہلکا سا تبسم، پھر ذرا ٹھیر کر ہاتھ اُٹھاتے، اپنے سینہ پر رکھتے۔ یہ دیکھ کر ہمیں یہی محسوس ہوتا کہ ہمارے بے تکے مہمل سوالات انھیں بُرے نہیں لگے۔ پھر بڑے سکون اور آہستہ روی کے ساتھ جواب دیتے، ہر بات کو، ایک ایک گتھی کو سلجھاتے، سمجھاتے اس طرح کہ ان کا ایک ایک لفظ دل پر نقش ہو جاتا۔ یہاں تک ہی نہیں، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی اپنے عزیز شاگردوں سے ان کا پدرانہ تعلقِ خاطر اور معاش کے سلسلے میں ان کی فکر اور رہنمائی بھی کبھی بھلائی نہیں جا سکتی۔

یہاں استادِ محترم کے پدرانہ سلوک اور احسانات کے بارے میں ناچیز کے ذاتی تاثرات کا مختصراً اظہار بے محل نہ ہوگا۔

"میں جامعہ کے آخری سندی امتحان (بی۔ اے) سے فارغ ہوا۔ ابھی نتیجہ نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک دن عابد صاحب ملے۔ پوچھا' پرچے کیسے ہوئے؟' میں نے کہا خدا کا شکر ہے' ٹھیک ہی ہوئے ہیں۔ اس پر مسکرا کر فرمایا' انشاء اللہ کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہاں یہ بتاؤ آئندہ کیا ارادہ ہے؟ میں حسبِ عادت خاموش، گومگو میں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا جواب دوں۔ کچھ توقف کے بعد خود ہی فرمانے لگے، بھئی میری مانو بمبئی جاؤ۔ وہاں معین الدین حارث جامعی کی زیرِ ادارت روزنامہ 'اجمل' اخبار نکلتا ہے۔ اس میں کام کرو۔ بمبئی بہت بڑا شہر ہے' وہاں آئندہ اور راہیں نکل آئیں گی۔ اس طرح بمبئی آنا ہوا اور یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ یہ سب جب بھی یاد آتا ہے دل بھر آتا ہے۔ ایسے مشفق، مہربان اور ہمدرد اُستاد اب کہاں ملیں گے۔ رُواں رُواں ان کے لئے دعا گو ہے۔

غزل

*

• بشیر بدر
ڈی۔ ۱۲۰، شاستری نگر، میرٹھ (یو۔ پی)

ہونٹوں پہ محبت کے فسانے نہیں آتے
ساحل پہ سمندر کے خزانے نہیں آتے

پلکیں بھی چمک اُٹھتی ہیں سوتے میں ہماری
آنکھوں کو ابھی خواب چھپانے نہیں آتے

اسکول کی دیواریں دروازے بھی رکھیئے
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

یہ شہر ہے اور شہر کا ماضی نہیں ہوتا
قبروں پہ یہاں پھول چڑھانے نہیں آتے

دُکھ درد میں، دُکھ درد کا اظہار کروں گا
کاغذ کے مجھے پھول بنانے نہیں آتے

*

کرناٹک میں واقع شراون بیل گول پر چمند راج اور گنگا راج کا شلالیکھ
شاکا ۳۹ - ۱۰۳۸ - مراٹھی میں یہ پہلا کتبہ ہے ۔

-: مراٹھی کے چند قدیم اخبارات :-

لسانی مشاورتی بورڈ کے پہلے صدر آنجہانی پروفیسر کے۔ بی کلکرنی "پدنام کوش" (مراٹھی میں خاص ناموں اور القاب کی لغت) کی ایک جلد اس وقت کے وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وائی۔ بی۔ چوان کو پیش کر رہے ہیں۔
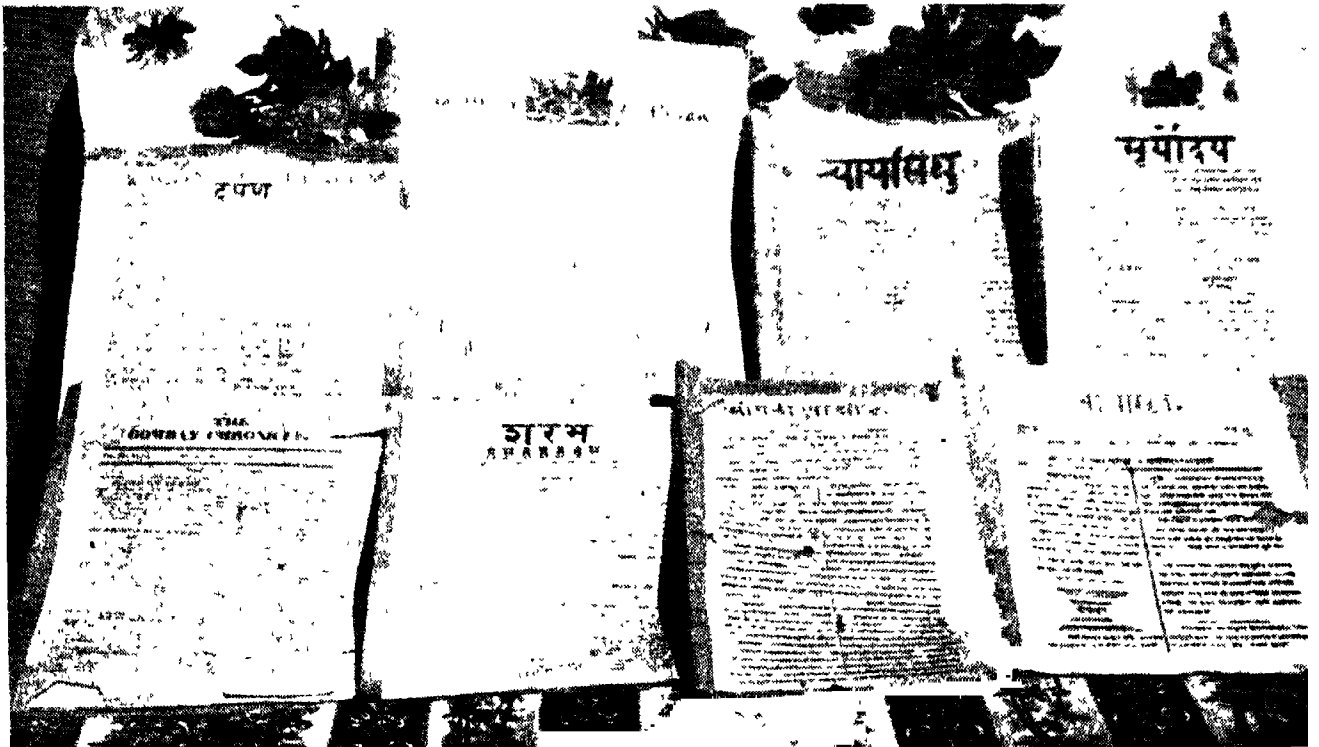
منترالیہ، بمبئی میں لسانی مشاورتی بورڈ کی آئینی کمیٹی کا ایک اجلاس۔

لوحِ محفوظ

علّامہ سیماؔب اکبرآبادی کا شمار اُردو کے ان چنندہ اساتذہ میں ہوتا ہے جنھوں نے اُردو شاعری کی نوک پلک سنوارنے میں اپنی زندگی گذار دی۔ نئے اور اچھوتے خیالات سے اس چمن کی آبیاری کی اور اسی خدمت میں اپنا تن من دھن سب کچھ لُٹا دیا۔ انھیں سب کچھ لُٹانے کا غم نہیں خوشی تھی اور یہی خوشی ان کی زندگی کا ماحاصل رہی۔ جو کچھ اس عظیم خدمت کے صلہ میں قسامِ ازل نے مقسوم کر دیا تھا اسی پر قانع رہے۔ علامہ سیماؔب اکبرآبادی وہی شخصیت ہیں جن کے سامنے سیکڑوں شیدائے اُردو نے زانوئے ادب تہہ کیا جو آج بھی ملک کے کونے کونے میں عظمت شاعری کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

حالانکہ علامہ سیماؔب اس دور میں بقیدِ حیات تھے جبکہ طباعت کی سہولتیں عام ہو چکی تھیں اور ہر خاص و عام اپنے تخلیقی کارناموں کو بہ آسانی زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے میں مُنہمک تھا، علامہ سیماؔب کا بیشتر کلام شائع نہ ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ ان کی خودداری اس کے آڑے آئی ہو۔ اور انھوں نے باوجود پیش کش کے اس بات کی اجازت نہ دی ہو۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ علامہ چاہیں اور ان کا کلام کتابی صورت میں شائع نہ ہو! وہی شاعر یا ادیب عظیم شاعر یا ادیب کہلایا جا سکتا ہو، جس میں خودداری بدرجۂ اتم موجود ہو اور جو دنیاوی مقاصد کی حصولیابی سے بے نیاز ہو۔ یہ خصوصیت علامہ سیماب میں تھی اور اسی خصوصیت نے انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز جگہ دی جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق تھے۔

علامہ سیماؔب اکبرآبادی کا وہ کلام جو ان کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا اسے سیماؔب اکاڈمی نے شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور نتیجہ کے طور پر "لوحِ محفوظ" ہمارے سامنے آئی۔ علامہ سیماؔب نے برسوں شاعری کی اور اس صنفِ سخن میں نئی جہتیں تراشیں۔ جیسے جیسے سنِ شعور پختہ ہوتا جاتا ہے تجربات کی ایک لمبی قطار سامنے کھڑی رہتی ہے۔ بعض ان سے استفادہ کرتے ہیں اور بعض نہیں۔ علامہ سیماب ان شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے تجربات سے استفادہ کیا۔

'لوحِ محفوظ' میں علامہ سیماؔب کی وہ غیر مطبوعہ غزلیں ہیں جو انھوں نے ۵۰-۱۹۴۳ء کے دوران کہی تھیں۔ یہ بھی ایک سیماؔب اکاڈمی کا قابلِ قدر کارنامہ ہے کہ انھوں نے ان دو غزلوں کو بھی اس مجموعہ کی زینت بنایا ہے جو علامہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں باوجود فالج کے سخت گیر حملے کے دوران علالت کہی تھیں۔ ان دو غزلوں کے شامل ہو جانے سے اس مجموعۂ کلام کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

'لوحِ محفوظ' میں علامہ سیماؔب کی ۱۰۶ غزلیں شامل ہیں جن میں سے ۱۹۴۳ء میں لکھی ہوئی غزلوں کی تعداد جو کہ شریکِ مجموعہ ہیں ۲۵ ہے۔ ۱۹۴۴ء کی بھی ۲۵ غزلیں ہیں۔ ۱۹۴۵ء کی ۸، ۱۹۴۶ء کی ۹، ۱۹۴۷ء کی ۸، ۱۹۴۸ء کی ۱۳، ۱۹۴۹ء کی ۱۰ اور ۱۹۵۰ء کی چھ غزلیں شامل ہیں۔ آخیر کی دو غزلیں وہی ہیں جو علامہ نے اپنے دورِ علالت میں لکھی تھیں۔

زیرِ تبصرہ مجموعے میں ہر غزل معیاری غزل ہے جو قارئین سے خراج حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خیالات کی بلندی، نزاکت، مشاہدے اور شعر کہنے پر دسترس علامہ کی خصوصیات ہیں جو ہر مصرع سے ظاہر ہوتی ہے۔ اشعار میں الفاظ کا استعمال اتنا مناسب اور معقول ہے جس سے شعر کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ کہیں بھی یہ نہیں محسوس ہوتا کہ ثقیل اور دقیق الفاظ استعمال کر کے مصرعوں کو بوجھل بنایا گیا ہو۔ علامہ کے مصرعے کہیں تیز گام ہیں اور کہیں سبک رو، جن کے امتزاج نے ہر غزل کو رنگین بنا دیا ہے۔

گردپوش سردار عرفاؔن صاحب کا بنایا ہوا ہے جو نہ صرف دلکش ہے بلکہ اس کے ذریعہ سردار عرفان صاحب نے علامہ سیماؔب اکبرآبادی کو اپنی طرف سے خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے۔

اس بات کی قوی امید ہے کہ اُردو داں طبقہ 'لوحِ محفوظ' کا شایانِ شان استقبال کرے گا اور سیماؔب اکاڈمی کو مجبور کرے گا کہ وہ اس کا دوسرا ایڈیشن جلد ہی شائع کریں۔

'لوحِ محفوظ' کی کتابت نہایت عمدہ ہے۔ بڑے سلیقے سے شائع کی گئی ہے جس کی سادگی میں بھی کشش موجود ہے۔ صاف ستھرے کاغذ اس دور میں بھی استعمال کئے گئے ہیں جب کہ کاغذی بحران عام ہے۔ مجموعہ کے کل ۲۳۲ صفحات ہیں اور ہر صفحہ قاری کو متوجہ کئے بغیر نہیں رہتا۔ طباعت کے فرائض مکتبۂ جامعہ لمیٹیڈ کے لبرٹی آرٹ پریس دلّی نے بحسن و خوبی انجام دیئے ہیں۔ لبرٹی آرٹ پریس قابلِ مبارکباد

ہے کہ اس نے بڑی جانفشانی سے طباعت کے مرحلوں کو کامیابی سے پورا کیا۔ 'لوح محفوظ' کے تقسیم کار مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ. نئی دلی ۲۵، دلی ۶ علی گڈھ اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی شاخ واقع پرنسس بلڈنگ' نزد جے جے اسپتال، بمبئی ۳ ہیں' جہاں سے یہ بیس روپے میں حاصل کی جاسکتی ہے.

(ر۔ ا۔ خ)

بادل چھٹ گئے

نیشنل بک ٹرسٹ' انڈیا نے ہندوستان کی مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں کا ترجمہ اردو ادب میں کرانے اور اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے. یہ کام بڑی مستعدی سے کیا جارہا ہے اور کئی نادر کتابیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں میں شائع ہوچکی تھیں اب اُردو ادب میں منتقل ہورہی ہیں۔ ان سے دوہرا فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے اُردو والے دیگر زبانوں کی رفتار ترقی معلوم کرسکتے ہیں اور دوسری زبانوں میں جن خیالات کی تشریح کی جارہی ہے اس سے بھی مستفیض ہوسکتے ہیں.

'بادل چھٹ گئے'، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو آسامی زبان میں لکھی گئی تھی اور جس کے مصنف یوگیش داس ہیں۔ ترجمہ رضوان احمد صاحب نے کیا ہے.

دیباچے میں ہیم بروا نے آسامی ادب کی ارتقائی منزل پر روشنی ڈالی ہے انھوں نے آسامی ادب کے کئی مصنفوں کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے ۔ اپنے دیباچے میں ہیم بروا لکھتے ہیں کہ یوگیش داس کا ناول 'ڈاورار ونائی' جس کا اُردو میں' بادل چھٹ گئے' نام دیا گیا ہے' ایک حقیقت پسندانہ ناول ہے. یہ ناول گذشتہ جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے' یہ ناول کردار نگاری اور پلاٹ کے اعتبار سے بھی ایک منفرد تخلیق ہے.

جہاں تک کتاب کے گیٹ اَپ کا سوال ہے نیشنل بک ٹرسٹ نے اپنی دیگر مطبوعات کی طرح اس کتاب پر بھی کافی توجہ دی ہے اور ہر لحاظ سے اسے خوبصورت بنانے کی کوشش کی ہے. پرنٹنگ چونکہ آفسیٹ پر ہوئی ہے اس لئے کتاب کی اہمیت اور جاذبیت میں مزید کشش پیدا ہوگئی ہے.

'بادل چھٹ گئے'، کی قیمت دس روپے پچاس پیسے ہے' جسے مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، دِلّی اور مکتبہ کی ہر شاخ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کو ڈائرکٹر نیشنل بک ٹرسٹ' ۵/۸ گرین پارک' نئی دِلّی ۱۶۰۰۱۱ نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز، جامع مسجد، دِلّی ۶ ۱۱۰۰۰ میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

(ر۔ ا۔ خ)

(صفحہ ۳۹ سے آگے)

نے سماج و ادب کی خاصی خدمت کی بعض کمپنیوں نے نام نہاد شخصیتو کے کیری کیچر (CARICATURE) بھی پیش کئے جس کے نتیجہ میں کورٹ کچہری تک نوبت جا پہنچتی۔ اس دور کے مشہور فارسوں میں "مورایل ایل۔ بی کا فارس"، "گلاب چھڑی کا فارس"، "داما جی پنت کا فارس" "جرنٹھ ور وِداہ" اور "تروَنی شکشن" کا شمار ہوتا ہے۔

فارسوں نے تمثیل کو بڑی تقویت پہنچائی ان کی مدد سے اسٹیج ا ڈرامے کے بندھے ٹکے اور فرسودہ اُصولوں سے پہلوتہی کی گئی۔ اساط کے محدود اور "RIGD" کرداروں کی بجائے عام زندگی کے متحرک اور جا کرداروں کو ترجیح دینے کا رجحان چل پڑا اور انسانی فطرت کی عکاسی طریقے پر ہونے لگی، ڈراموں میں آپسی تصادم اور سسپنس کا عنصر زیا دلچسپ اور کلائمکس زیادہ اہم ہوگیا اور سب سے اہم خدمت تو یہ انج پائی کہ مراٹھی میں سماجی ڈراموں کو اہمیت حاصل ہوگئی۔

" Just as the Farces superseded
the interest in the Old Puranic
Daramas, they have been in turn
succeeded by dramas which refer
to social and political subjects "

Justice Ranade,
"Miscellaneous writings"-P-41

وِشنو پنت بھاوے کے معاصرین اور متبعین نے ان کے بنائے ہ طریقوں اور اصولوں میں کچھ اضافے کئے مثلاً پردوں کی تعداد بڑھائی سین سینری اور ڈراپ سین کو اپنایا، ٹکٹوں کی فروخت اور اشتہار و اور ہینڈبلوں کی تقسیم کا سلسلہ شروع کیا، کھیل کے اوقات مقرر لیکن بنیادی طور پر وہ بھاوے کے پیش کردہ اسٹیج ہی کو اپناتے ر یہ وہی اسٹیج تھا جو بھاوے نے ناٹیہ شاستر اور سنسکرت ڈراموں ک مطالعے کے بعد تخلیق کیا تھا۔ آگے چل کر انیسویں صدی کے ربع آخر م مراٹھی اسٹیج میں اصلاح کے رجحانات بیدار ہونے لگے۔ تاریخی و معا ناٹکوں نے پورانک ناٹکوں کی جگہ لینی شروع کردی۔

۱۸۸۵ء میں انگریزی تعلیم یافتہ افراد نے "آریہ دھارک ناٹک کمپ قائم کی۔ ان لوگوں کا پیشہ ناٹک کرنے کا نہ تھا لیکن شیکسپیئر کے تراجم کرنے کی دُھن میں یہ لوگ ناٹک کار بن گئے۔ ان میں جوشی، گووندپ چھترے، دھارپ اور "شاردا" و "مترچھ کٹکا" جیسے ناٹکوں کے گووندبلّال دیول کا نام مراٹھی ڈرامے کی تاریخ میں ناقابلِ فراموش۔

* مقیت اعظمی
اینگلو اُردو ہائی اسکول،
اقبال روڈ، دھولے (مہاراشٹر)

کب تک منائے خیر کوئی اپنی جان کی
ہر بات لوگ کرتے ہیں وہم و گمان کی

جنّت کے در کھلیں کہ جہنّم کے در کھلیں
قاضی نہیں ہوں فکر کروں اس جہان کی

دیکھا ہے خواب میں نے درختوں کی چھاؤں میں
"بنیاد ڈال آیا ہوں پکّے مکان کی!"

حملے شدید جب ہوئے سورج کے چار سو
چھت بن سکی نہ ڈھال کسی سائبان کی

نیزے پہ انگلیوں کے انھیں پر چمک اٹھے!
باتیں زمیں پہ جس نے بھی کیں آسمان کی

گُل کر رہا ہے شمع جو ایمان کی ہر طرف
ہستی تو دیکھو واعظِ شعلہ بیان کی!

حیرت زدہ سی ہو گئی دنیا مقیت کیوں
آئی گھڑی ہے جب بھی ترے امتحان کی

★

* مصوّر سبز واری
پی. او نوح، ضلع گوڑگاؤں۔ (ہریانہ)

جاتا موسم تھا گیا اس کی خبر کیوں آئے؟
نہیں اس گھر کا تو وہ لوٹ کے گھر کیوں آئے؟

کیا منے روٹھے نہ جو ترکِ تعلّق کی طرح!
جس جگہ شام نہ آئی ہو سحر کیوں آئے

دل جو دکھنا تھا تو وہ یاد بھی آجاتا تھا
جب ہوا ہی نہ چلے چوٹ اُبھر کیوں آئے

کیسے دکھلاؤں وہ نادیدہ جہانِ خد و خال
وہ مرا خواب ہے اوروں کو نظر کیوں آئے

پتہ پتہ کفِ افسوس سا ملنے کے سوا
شجرِ یاد کی شاخوں میں ثمر کیوں آئے

آندھیاں لاکھ تعاقب میں مصوّر ہوں مگر
ہم بکھرنے کو سرِ راہ گذر کیوں آئے؟

★

* طلحہ تابش
پرتاب گڈھ (یو۔پی)

اَنگنت زخموں کا انبار لئے پھرتا ہوں
لطف یہ ہے کہ میں اس حال میں بھی زندہ ہوں

اپنی پہچان بھی اب میری نگاہوں میں نہیں
جانے اس دور میں کس ڈھنگ سے میں بکھرا ہوں

دربدر پھرتا ہوں ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح
اپنی منزل سے بہت دور ہوں اور تنہا ہوں

وُسعتِ درد کا اندازہ نہ کیجئے مجھ سے
غمِ دوراں کے سمندر کا میں اِک قطرہ ہوں

کسے فرصت جو کبھی مجھ کو مِلا دے مجھ سے
غیر کی طرح میں اپنے کو تکا کرتا ہوں!

جانے کب مجھ کو سجائے گا کوئی ہونٹوں پہ
وقت کے ساز پہ چھیڑا ہوا اک نغمہ ہوں

بھری دنیا میں خبر کس کو ہے تابش اسکی
ایک مدّت سے میں جو درد لئے بیٹھا ہوں

★

• متین اچلپوری
بیابانی، ڈاکخانہ، اچل پور شہر ضلع امراؤتی

عجوبہ اک ہمارے دیش کا ہے شامِ دیوالی
تہواروں سے بھر آیا ہے ہنگامِ دیوالی

منڈیروں کی ہتھیلی پر دیئے یوں جگمگاتے ہیں
فضا میں نور چھلکاتے ہیں گویا جامِ دیوالی

دیواریں ہیں گھروں کی یا ہیں قدِّ آدم آئینے
عجب یہ زیب و زینت لائے ہیں ایامِ دیوالی

پٹاخوں کی گرج میں قہقہوں کی ہے کھنک شامل
مچا ہے چار سُو اس طور سے کہرامِ دیوالی

سوار ہو کر چلی ہے برق پر اس طرح مہتابی
ستاروں کو وہ گویا دیتی ہے پیغامِ دیوالی

دیئے کی لَو نہیں ہے لب کسی کے جگمگائے ہیں
لیا ہوگا عقیدت سے کسی نے نامِ دیوالی

جوں فطرہ عید کا ہر سال یاں تقسیم ہوتا ہے
غریبوں کو امیروں نے دیا انعامِ دیوالی

کسی دہلیز سے نہ روٹھ کر اب لکشمی جائے
صبح ہر عید ہو، ہر شام اپنی شامِ دیوالی

اُردو رائٹرز ویلفیر ایسوسی ایشن کرلا کا افتتاح

ڈاکٹر محمد اسحٰق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، اوقاف وبرو ڈلوکر کے دستِ مبارک سے ۲۲ ستمبر کی شب میں انجمن اسلام ہائی اسکول، کرلا کے ہال میں اُردو رائٹرز ویلفیر ایسوسی ایشن کا افتتاح ہوا۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر جمخانہ والا نے اُردو کی ترقی کے لئے حکومت مہاراشٹر کے اقدامات پر روشنی ڈالی اور کہا کہ حکومت مہاراشٹر اُردو اکاڈمی کے ذریعہ اُردو کی خدمت کر رہی ہے اور اس مقصد کے لئے ۲۵ لاکھ رُوپے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ اُردو داں طبقہ اُردو کی ترویج واشاعت میں کسی بھی امداد کا طالب نہ رہے بلکہ اپنی ہمت واستقلال سے اُردو کا جائز حق حاصل کرے۔

ڈاکٹر جمخانہ والا نے اُردو رائٹرز کی فلاح وبہبود کی سمت اٹھائے جانیوالے اس قدم کو فالِ نیک بتلایا اور تمام منتظمین کو مبارکباد دی۔

آپ نے اس ایسوسی ایشن کو اپنی جانب سے پانچ ہزار روپے کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ اسی ... اُردو کے مشہور شاعر محمود درانی مرحوم کی بیوہ کو وزیر اعلیٰ راحت فنڈ سے پانچ ہزار روپے کا چیک بھی پیش کیا گیا۔

اپنی صدارتی تقریر میں شری رام منوہر ترپاٹھی نے اس ایسوسی ایشن کے قائم ہونے پر کرلا کے نوجوان اُردو ادیبوں، شاعروں اور منتظمینِ جلسہ کی ہمت افزائی کی۔

اس جلسہ کا آغاز تلاوت کلامِ پاک سے ہوا۔ شری ظفر گورکھپوری نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں انجمن کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔ شری وفا اعظمی نے بڑی خوبصورتی سے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

تقریب کے افتتاح سے پہلے انجمن اسلام کے نونہالوں نے شری جمیل قاضی اور شری عزیز الرحمان خاں کی بنائی ہوئی دُھن میں شری تاجدار تاج کا لکھا ہوا ترانہ بڑے دلکش انداز میں پیش کیا۔

اس تقریب کے بعد دوسرے دور میں مشاعرہ شروع ہوا جس میں مشہور شعراء نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔

مشاعرے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں شری قیصر الجعفری، شری ممتاز راشد، شری ضمیر کاظمی، شری تاجدار تاج، شری ساز عثمانی، شری خان ارمان، شری شاکر سوہاردی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اُردو رائٹرز ویلفیر ایسوسی ایشن، کرلا کا ۲۲ ستمبر کی شب میں انجمن اسلام ہائی اسکول کرلا ہال میں افتتاح ہوا۔ وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا سامعین سے خطاب فرما رہے ہیں۔ زیرِ نظر تصویر میں (اسٹیج پر بیٹھے ہوئے۔ دائیں سے) شری تاجدار تاج، شری رام منوہر ترپاٹھی، شری رامچندر پانڈے، شری دشرتھ مدھوکنٹا اور شری ریاض احمد خاں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

سیلاب سے متاثرہ افراد کو نئے پلاٹ

وزیر محصول نے متاثرہ علاقے کا دورہ کیا

سیلاب سے متاثرہ افراد جو کہ محفوظ مقامات پر منتقل ہونا چاہتے ہیں، انھیں موجودہ اراضی کے عوض متبادل اراضی دی جائے گی۔ اس بات کا اعلان وزیر محصول شری اتم راؤ پاٹل نے سیلاب سے متاثرہ افراد کے ایک اجلاس میں جو کہ ناگپور میں ۲۰ ستمبر کو منعقد ہوا تھا، کیا۔

وزیر موصوف نے بوٹی بوری تاکل گھاٹ اشٹا اور دہیلی موضع جات کا دورہ کیا اور ٹرانزٹ کیمپوں میں جا کر لوگوں کے مسائل پوچھے۔

وزیر محصول نے فرمایا کہ سرکار نے چیلنج کے طور پر بازآبادکاری کے سوال کو قبول کیا ہے اور اس سلسلے میں منصوبہ بند طور پر عمل کیا جائیگا۔ ایسے افراد جن کی اراضی بازآبادکاری میں لی جائے گی انھیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ وزیر موصوف نے تاکل گھاٹ کے طلبہ کو کتابیں تقسیم کیں۔

وزیر اعلیٰ کے راحت فنڈ میں ۲۰ء۵ لاکھ روپے کا عطیہ

شری کِشن راؤ دیشمکھ وزیر مملکت برائے منصوبہ بندی و محصول نے وزیر اعلیٰ راحت فنڈ میں ۲۰ ستمبر کو ۶۱-۶۵ر۲ روپے کا چیک پیش کیا۔ یہ رقم عثمان آباد ضلع میں جمع کی گئی۔ اس کے علاوہ ضلع میں ۵۴ء۶۵ء۳ روپے کی رقم براہ راست فنڈ میں دیدی گئی، حالانکہ اس وقت یہ ضلع قحط کا شکار ہے، لیکن اس نے ۵ لاکھ روپے کے مقررہ نشانے کو پار کر کے ۸۱ء۷۷ء۵۲ روپے کی رقم اکٹھا کر لی ہے۔

اسکولی عملہ کیلئے پینشن میں اضافہ

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ سرکاری پینشن پانیوالوں اور فیملی پنشن حاصل کرنیوالے افراد کی طرح عارضی اضافہ کی تبدیل شرح کی توسیع امداد پانیوالے اور تسلیم شدہ غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے تدریسی وغیر تدریسی ممبران کبھی جو یکم اپریل ۱۹۶۶ء سے یا اس کے بعد ریٹائر ہوئے ہیں، کی جائے گی

سرکار نے یہ بھی ہدایت کی ہے کہ امداد پانے والے غیر تسلیم شدہ غیر سرکاری ثانوی اسکولوں کے مرحوم اساتذہ کے خاندان کو بھی جو کہ خاندانی پینشن کے حقدار ہیں اس مراعات کی شرح سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا جائے گا۔

تجارتی میلے میں شرکت کرنیوالوں کو الوداع

مغربی جرمنی کے مقام ڈسلڈارف میں ۱۰ر سے ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۹ء تک منعقد ہونے والے دنیا کے عظیم بین الاقوامی تجارتی میلے میں شرکت کے لئے پلاسٹک اور ربر کی صنعتوں کے ۱۰۵ ماہرین پر مشتمل ایک جماعت ۲۴ر ستمبر کو بمبئی سے روانہ ہوئی۔ اس دورے کا انتظام انڈو جرمن چیمبر آف کامرس کے تعاون سے کیا گیا ہے۔ یہ جماعت میلے میں شرکت کے علاوہ یو۔کے، جرمنی، فرانس، اٹلی، سوئزرلینڈ، ہالینڈ اور روس کے اہم تجارتی مراکز کا بھی دورہ کرے گی۔

ہوٹل پریسیڈنٹ میں منعقد ہونیوالے ایک الوداعیہ جلسہ میں شری شیل کمار شنڈے، وزیر محنت اور شری ونائک راؤ پاٹل وزیر مملکت برائے صنعت بھی موجود تھے۔

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری شنڈے نے امید ظاہر کی کہ صنعت کاروں کے اس دورے سے ہندوستان اور مغربی جرمنی کے مابین دوستی میں مزید استحکام پیدا ہوگا اور شرکت کاروں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے دورے کو ملک کی بہتری کے لئے استعمال کریں۔

شری پاٹل نے اپنی تقریر میں صنعت کاروں کو مبارکباد دی، کیونکہ بجلی کی شدید کمی کے باوجود انھوں نے برآمد میں کافی ترقی کی اور امید ظاہر کی کہ شرکت کا اپنے دورے سے زیادہ فائدہ حاصل کریں گے۔ اس سے قبل شری ادم پرکاش نے وزیروں کا استقبال کیا۔

ضروری گذارش۔

- دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت 'حوالہ نمبر' ضرور تحریر فرمائیں جو آپ کے خط یا رسالہ کے ریپر کے اوپر درج ہوتا ہے۔
- جواب طلب امور کے لئے جوابی خط/لفافہ یا ڈاک ٹکٹ روانہ فرمانے کی زحمت نہ فرمائیں۔
- منی آرڈر کوپن پر (منی آرڈر فارم کے نچلے حصہ میں) ہمیشہ اپنا نام و پتہ صاف صاف اردو، مراٹھی، ہندی یا انگریزی میں ضرور تحریر فرمائیں۔

انتِ روزگار اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ چار اضلاع میں روزگار اسکیم کے
مزدوروں کو ان کی مزدوری کے طور پر گیہوں کی بجائے جوار دی جائے گی۔
لاع ہیں: احمد نگر، سولا پور، بیڑ اور عثمان آباد۔

ںیئروں کے لئے فوج میں کمیشن

سران ٹریننگ اسکول مدراس میں ۲۲ ویں کم مدتی سروس کمیشن (ٹکنیکل)
ں میں انجینئرز، سگنلز اور الیکٹریکل و مکینیکل انجینئرز کورس میں
داروں کے انتخابات مئی ۱۹۸۰ء سے شروع ہوں گے۔
ہ ہفتے کے اس کورس کے لئے آرمی ہیڈکوارٹر میں درخواستیں
ں کرنے کی تاریخ یوں ہے: ایسے امیدوار جو کہ ہندوستان میں رہتے
۳۰ر اکتوبر، سرکاری ملازمین کے لئے ۱۵ر نومبر اور غیر ممالک میں
والوں کے لئے ۳۰ر نومبر ۱۹۷۹ء۔
تمام شاخوں میں انجینئرنگ ڈگری / ڈپلومہ رکھنے والے امیدوار
ئے مائننگ، میرین، انسٹرومنٹ، ٹیکنولوجی، ایروناٹیکل اور کیمیکل
لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ ایسے امیدوار جو ۳۰ر اپریل ۱۹۸۰ء
نجینئرنگ کورس پاس کریں گے وہ بھی درخواست دینے کے اہل ہیں۔
البتہ امیدوار کی تاریخ پیدائش ۲ر مئی ۱۹۵۳ء سے قبل اور یکم مئی
اء سے بعد کی نہیں ہونی چاہیئے۔
درخواست فارم بغیر کسی فیس کے آرمی ہیڈکوارٹر سے اڈجیٹنٹ جنرلز
ح ریکروٹمنٹ ۶ (ایس پی)، (ڈی) (آئی) ویسٹ بلاک، ونگ نمبر ۱
کے پورم نئی دہلی ۲۲-۱۱۰۰ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔
پتہ لکھا ہوا ۲۵ سی ایم × ۱۲ سی ایم سائز کا لفافہ اور مندرجہ ذیل
یلات بھیج کر درخواست فارم منگوائے جا سکتے ہیں۔
(الف) تاریخ پیدائش جیسا کہ ایس ایس سی سرٹیفکٹ میں درج ہے
(ب) انجینئرنگ برانچ جس میں ڈگری یا ڈپلومہ حاصل کیا ہے۔
(ج) ادارہ کا نام / یونیورسٹی کا نام جہاں سے ڈگری / ڈپلومہ حاصل
کیا ہے۔

وری توجہ کیلئے ترسیل زر اور مراسلت کے دوران حوالہ نمبر جو آپ
کے خط یا پتہ کے اوپری حصہ میں درج ہوتا ہے۔ ضرور
تحریر فرمائیے۔
(ادارہ)

پرائمری اسکول کے بچوں کو دودھ - پہلے مرحلے میں پونے دو لاکھ بچے

حکومت مہاراشٹر نے ایسے گاؤں میں جہاں دودھ کافی دستیاب ہے موجودہ
'پوسٹک آہار اور سکھڑا' کی بجائے دودھ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اسکیم
گاندھی جینتی یعنی ۲ر اکتوبر سے نافذ کی گئی ہے۔
اس اسکیم کے تحت ریاست کے ۲۵ اضلاع میں واقع ۱۱۰۰ موضع جات
کے ۱،۷۵ لاکھ پرائمری اسکولی بچے آئیں گے۔
بہرحال یہ اسکیم کا پہلا مرحلہ ہوگا جبکہ آئندہ تمام پرائمری اسکول کے
طالب علموں کے لئے نافذ ہو جائے گا۔
یہ اسکیم ان موضع جات میں روبہ عمل لائی جائے گی جہاں پرائمری ڈیری
کوآپریٹو سوسائٹیز دودھ جمع کرتی ہیں۔ دودھ تقسیم کا کام ایسی سوسائٹیز
کو سونپا جائے گا۔
ہر بچے کو ۲۰۰ ملی لیٹر ابلا ہوا دودھ دیا جائے گا، جہاں گاؤں پنچائت
اپنے فنڈ سے رقم فراہم کرے گی وہاں دودھ میں شکر بھی ملائی جا سکے گی۔ گاؤں
اسکول میں دودھ کی تقسیم کا ذمہ دار گاؤں کا سرپنچ ہوگا۔
کوآپریٹو دودھ سوسائٹیز دیہی معاشیات کے استحکام میں زبردست کردار
ادا کرتی ہیں۔ ویسے ہی یہ اسکیم بھی دیہی مہاراشٹر میں استحکام پیدا کرنے میں
مددگار ثابت ہوگی۔

قومی خدمت اسکیم طلبہ کے لئے ضروری

قومی خدمت اسکیم جو کہ تعلیم کے ایک حصہ کے طور پر شروع کی گئی ہے۔ طلبہ
کے کردار کو بنانے میں بے حد معاون و مددگار رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے طلبہ کو
عملی تعلیم بھی حاصل ہوگی' اس بات کا اظہار شری وردے' وزیر تعلیم نے ۲۶ر ستمبر کو
کیا تھا۔
شری وردے، ڈاکٹر امبیڈکر کالج میں اس اسکیم کے تحت آنے والے طلبہ میں
سال برائے ۷۹-۱۹۷۸ء کے اعزازی اسناد تقسیم کر رہے تھے۔ انھوں نے اس
اسکیم کے تحت آئندہ تعلیمی سال کے دوران شروع کی جانے والی سرگرمیوں پر بھی
روشنی ڈالی۔
وزیر موصوف نے فرمایا کہ اعلیٰ تعلیم کے لئے طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور
تعلیم کا خرچ بھی بڑھ گیا ہے لیکن تعمیری کاموں میں طلبہ کی شرکت بتدریج کم ہوتی
جا رہی ہے۔

۵۶ طلبہ میں اسناد تقسیم کئے گئے جن میں سے ۲۲ خواتین طلبہ تھیں ۔ ان زمیوں میں جھونپڑپٹی سُدھار کام ۔ اسپتالوں میں مریضوں کی امداد اور ن عطیہ کیمپوں کا انعقاد شامل ہے ۔

شری آر ۔ جی ناتھ، کالج کے پرنسپل نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری یس ۔ ایس جادھو نے شکریہ ادا کیا ۔

ادہندہ کسانوں کے لئے یکساں پالیسی

— وزیر اعلیٰ کی گذارش

ریاستی حکومت نے ریزرو بنک سے یہ گذارش کی ہے کہ وہ نادہندہ صنعت کاروں عائد کی گئی پالیسی کا اطلاق نادہندہ کسانوں پر بھی کریں کیونکہ ریاست کے ۹۰٪ کاشتکار نادہندہ ہونے کے سبب دوسری رعائتیں نہیں حاصل کر سکتے ہیں ۔

۲۵ ستمبر کو ضلع قلابہ میں چرنیر کے جنگل ستیہ گرہ کے شہیدوں کی یاد میں منعقد کی گئی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے فرمایا ۔

وزیر اعلیٰ نے انسانی دیہی پانی فراہمی اسکیم کا چرنیر مقام پر افتتاح کیا جس پر ۳۵ لاکھ روپے خرچ کئے جائیں گے اور اس سے ۱۲ موضع جات فیضیاب ہوں گے ۔

وزیر اعلیٰ نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ گاندھی جینتی کے روز ۲ ر اکتوبر سے ۴ لاکھ کے قریب بچوں کو ۲۰۰ ملی لیٹر فی بچہ مُفت دُودھ دیا جائیگا ۔

صنعت، ٹیکنولوجی اور امداد باہمی تحریک کے باوجود ریاست کی ۴۰٪ آبادی غریبی سے نیچے کی زندگی گذار رہی ہے ۔ اس تبدیلی کے لئے مُسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے، شری پوار نے فرمایا ۔

وزیر زراعت شری جی ۔ اے دیشمکھ نے فرمایا کہ سرکار نے کاشتکاروں کو کافی رعائتیں فراہم کی ہیں ۔ اس پالیسی سے ان کو مزید فائدہ پہنچے گا، جن میں خاص طور پر غریب ادیباسی اور ہریجن کسان شامل ہیں ۔

کمزور طبقہ کے لئے آمدنی سرٹیفکٹ

ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں اندراج کے لئے معاشی طور پر کمزور طبقہ کے امیدواروں کو تحصیلدار کے ذریعہ ایفیڈیوٹ اور آمدنی سرٹیفکٹ حاصل کرنے کی مدت میں ۲ ر اکتوبر کے بجائے ۳۰ ر اکتوبر تک توسیع کر دی گئی ہے ۔

قحط زدہ علاقوں کے طلبہ کو رعائتیں، امتحان فیس سے مستثنیٰ

مارچ، اپریل ۱۹۷۹ء کے دوران حکومت مہاراشٹر نے بورڈ آف ٹکنیکل ایگزامینیشن مہاراشٹر اسٹیٹ کے ذریعہ چلائے جانے والے امتحانات میں شرکت کرنے والے ایسے طلبہ کو فیس سے مستثنیٰ کر دیا ہے جو کہ قحط زدہ علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔

ایسے طلبہ جو کہ امتحان کی فیس دے چکے ہیں، انھیں یہ رقم لوٹا دی جائے گی ۔ یہ رعایت ان علاقوں کے دیگر طلبہ کو دی جا چکی ہے ۔

श्री

چھترپتی شری شیواجی مہاراج
کے فرمان کا عکس جو مُوڑی رسم الخط
میں ہے۔
فرمان کے اختتام پر شیواجی
مہاراج کی اپنی تحریر میں 'لیکھن سیما'
الفاظ درج ہیں۔
ماخوذ: شیواچرتر ساہتیہ
جلد ۱۲، آرٹیکل ۸۶

قومی راج
۲۵ ر اکتوبر ۱۹۷۹ء
(25-10-79)
قیمت ۵۰ پیسے

لوک نائیک
جے پرکاش نرائن
سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں
کے ساتھ۔

مارچ ۱۹۷۷ء
جنتا پارٹی کے منتخب ممبران پارلیمنٹ کو
لوک نائیک جے پرکاش نرائن
دہلی میں راج گھاٹ پر ایکتا قائم
رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے۔

قومی راج

جلد نمبر ۶   ۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۹ء   شمارہ نمبر ۲۰

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ۞ فی کاپی: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

سخنہائے گفتنی

لوک نائیک جے پرکاش نرائن کے انتقال سے اس دور کا خاتمہ ہوگیا جو گاندھی جی نے آزادی حاصل کرنے کے لئے شروع کیا تھا۔ جے پرکاش جی نے نہ صرف جنگِ آزادی میں نمایاں حصّہ لیا بلکہ آزادی کے بعد بھی اپنی تمام تر قوت کے ساتھ عوام کی خدمت میں لگے رہے۔ ان کے دل میں قدرت کی طرف سے خدمت کا جو جذبہ عطا کیا گیا تھا وہی ان کا حاصلِ زندگی تھا۔ عوام کی خدمت کرنے میں ہی انھیں سکونِ قلب ملتا اور اس خدمت کو وہ عبادت سے کم درجہ نہیں دیتے تھے۔ آخر وقت تک لوک نائیک اپنے اس جذبہ میں سرشار و مگن رہے۔

جے پرکاش، ۸ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کی صبح اس دارِ فانی سے کوچ کرگئے۔ ہندوستان کے کروڑوں لوگوں نے اپنے آنسوؤں سے انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ایک ایسے شخص کے لئے لوگوں نے آنسو بہائے جس کے پاس نہ کوئی وزارت تھی اور نہ ہی کوئی عہدہ۔ یہ اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ جے پرکاش جی کس طرح لوگوں میں مقبول تھے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی کتنی محبت اور کتنی عظمت تھی۔

جے پرکاش اس جہاں سے رخصت ہوگئے مگر ان کی جلائی ہوئی جوت سے پورا ملک منور ہوتا رہے گا اور جبتک ہندوستان کا نام دنیا کی تاریخ میں آئیگا وہاں گاندھی جی، پنڈت نہرو کے ساتھ جے پرکاش کا نام بھی باحترام لکھا جائے گا۔

قومی راج کا یہ شمارہ جے پرکاش کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہے اُن سے، ان کی زندگی سے، ان کی تعلیم سے متعلق مضامین اور نظمیں شریکِ اشاعت ہیں۔

خواجہ عبدالغفور

چیف ایڈیٹر:
ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر:
ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر:
عبدالوحید خاں جامی

قارئین کی رائے

• **شاطر حکیمی** ۔ ڈاکٹر شیخ کالونی، کوارٹر نمبر ۱۷۷، کامٹی

قومی راج کا "یوم آزادی نمبر" ملا۔ شکریہ، حسنِ ترتیب تحسین و آفرین سے بالاتر ہے۔ سرورق نمایاں، عمدہ کاغذ، لکھائی چھپائی بہتر۔ خصوصاً یوم آزادی پر وزیر اعلیٰ کے پیغام سے کافی روشنی ملی۔

ایسے مدبر و مفکر کو مرکزی کابینہ میں ہونا چاہیئے تھا تاکہ سارے ملک کو آپ کی ذات سے فائدہ پہنچتا۔ راجہ منگل داڈھیکر، جے۔ وی۔ نائیک' شعبۂ تاریخ، بمبئی یونیورسٹی' عثمان خاں' بنت مسعود وغیرہ نے بڑی کاوش اور جانفشانی سے مضامین قلم بند کئے ہیں' ہر لحاظ سے قومی راج' قابلِ مطالعہ ہے۔

• **شافع قدوائی** ۔ خاتون منزل' حیدر مرزا روڈ، لکھنؤ (یو۔پی)

'قومی راج' صوری و معنوی دونوں اعتبار سے روز بروز نکھرتا اور سنورتا چلا جارہا ہے۔ ناسپاسی ہوگی اگر آپ کو اس کارِ خیر کے لئے داد نہ دی جائے۔ قومی راج کا 'پندرہ اگست نمبر' باصرہ نواز ہوا۔ حسبِ معمول معیاری مضامین اور بہترین منظوم ادب کا حامل ہے۔

• **سکندر حمید عرفان** (ایم۔اے) اُردو
ریلوے بک اسٹال، کھنڈوہ (ایم۔پی)

'آزادی نمبر' باصرہ نواز ہوا۔ یہ شمارہ یوں تو ہر لحاظ سے پسند آیا' مگر آزادی کے تعلق سے لکھی گئی ہر نظم خوب سے خوب تر ہے۔ شاطر حکیمی، ضیاء زخمی، مہدی پرتاپگڈھی اور ڈاکٹر نایاب کی تخلیقات قابلِ تحسین ہیں۔ غزلیات میں انجم عرفانی قابلِ مبارکباد ہیں۔

خدا کرے آپ کی کاوشیں اسی طرح اُردو ادب کو نکھارتی رہیں۔
اب بھی میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ آواز گونج رہی ہے ۔ "قومی راج ۔ پائندہ باد!"

• **انجم عرفانی** ۔ بلرام پور۔ گونڈہ (یو۔پی)

قومی راج کا 'آزادی نمبر' ملا۔ شعری و نثری دونوں حصے معیاری ہیں ۔ کس کس کی تعریف کی جائے۔

• **منور رتناگیروی**
۲۶۔ پردھان بلڈنگ' پہلا منزلہ، ٹینک بندر روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۱۰

۱۰ر اگست کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ تمام مضامین اور غزلیں بہترین ہیں رفیعہ شبنم عابدی، رشمی کانت راہی، رفیق جعفر کی غزلیں بہت خوب ہیں۔ خدا کرے یہ پرچہ آسمانِ ادب پر یونہی آب و تاب سے جگمگاتا رہے یہ آپ کی لگن اور محنت ہے کہ 'قومی راج' بتدریج ترقی کرتا جارہا ہے۔ اس کی اشاعت یقیناً قابلِ تحسین ہے میری طرف سے مبارک باد قبول کیجئے۔

• **واحد محسن** ۔ معرفت بی۔پی۔ٹی ہسپتال، وڈالا، بمبئی ۳۷

قومی راج کے 'آزادی نمبر' میں جناب راجہ منگل داڈھیکر کا مضمون "آزادیٔ وطن کے شہید" گویا شہیدوں کے خون سے لکھی گئی ایک حقیقت کو داستان کا روپ دیا گیا ہے۔ مضمون پڑھنے کے بعد ان شہیدانِ وطن کی یادوں کے دیپ جگمگا اُٹھے جنھوں نے اپنے خون سے آزادی کے چراغ کو روشن کیا۔ جناب عثمان خان کی 'آزادی کی کہانی' بھی بے حد پسند آئی۔ "پندرہ اگست" سے متعلق تمام نظمیں جاندار ہیں' جناب شاطر حکیمی کی نظم میں یہ شعر حاصل نظم ہے ؎

گئے وہ دن کہ ہم دن کاٹتے تھے قید خانوں میں
ہماری یاد میں روتے تھے گھر والے مکانوں میں

غرضیکہ "یومِ آزادی نمبر" چنیدہ چنیدہ پھولوں سے مزین ایک گلدستہ ہے جو ہمیں آزادی کی ۳۳ ویں سالگرہ پر تحفہ میں آپ نے دیا ہے۔ میں اس گلدستہ کو سنوارنے پر آپ سب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

• **عزیز قدوسی** ۔ شاہی دواخانہ، نیا بازار۔ کامٹی

'یومِ آزادی نمبر' صوری و معنوی ہر دو اعتبار سے قابلِ تعریف ہے قومی راج کے خصوصی نمبر کے علاوہ عمومی شمارے بھی اپنے اندر بڑی افادیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں حکومت کی کارکردگی اور آئندہ منصوبوں اور اسکیموں سے آگاہی اور ان سے فائدہ اُٹھانے کے لئے 'قومی راج' کا مطالعہ ہر اُردو داں کے لئے ناگزیر ہے۔

غمِ لوک نائک

• ڈاکٹر محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاء (ناگپور)

تھا دلِ اہلِ جہاں میں جس کا گھر جاتا رہا
کیا بتائیں کیسا اِک اہلِ نظر جاتا رہا

سچے دل سے لوک نائک، لوگ کہتے تھے جسے
سرزمینِ ہند کا وہ نامور جاتا رہا

مردِ میدانِ سیاست جس کو کہنا چاہیے
وہ حکیمِ وقت وہ پختہ نظر جاتا رہا

جو دکھی انسانیت کے درد میں تھا مبتلا
وہ شریف النفس وہ عالی گہر جاتا رہا

عام لوگوں کی بھلائی جس کے تھی پیشِ نظر
فکرِ انساں جس نے کی ہے عمر بھر جاتا رہا

رہبروں کی رہبری کا تھا شرف حاصل جسے
وہ شناسائے خمِ ہر رہگذر جاتا رہا

جو بلند و پستِ عالم سے بہت تھا آشنا
حیف وہ مردِ یقیں، وہ دیدہ ور جاتا رہا

عمر بھر سلجھائیں جس نے زندگی کی گتھیاں
آخرش وہ صاحبِ فکر و نظر جاتا رہا

یوں بچھڑنا اُس کا اشکِ خوں ہمیں رلوائیگا
لوک نائک کا سا انساں اب کہاں سے آئیگا

*

نذرِ جے پرکاش نرائن

• جاوید شہبازی
۸۳۱۔ ترکمان گیٹ
علی گڑھ (یو۔پی)

کبھی جو رمزِ حقیقت سے بے خبر نہ رہا
ہمارے درمیاں وہ صاحبِ نظر نہ رہا

ورق ورق پہ لکھا تھا جو اعتبار کے ساتھ
مری کتاب میں وہ لفظِ معتبر نہ رہا

دیا تھا جس نے ہمیں درسِ آگہی برسوں
وہ فن شناس وہ ایک شخصِ باہنر نہ رہا

ہر اک کے درد کا درماں تلاش کرتے ہوئے
چلا گیا وہ مسیحا وہ چارہ گر نہ رہا

سیاہیوں کے گھنے دشت میں بھٹکتے رہو
جو آشنائے سفر تھا وہ راہبر نہ رہا

یہ تیز دھوپ ہے، اب ہم ہیں اور صحرا ہے
سروں پہ اپنے جو تھا سایۂ شجر نہ رہا

*

جے پرکاش نرائن
انقلابی رہنما

• گنیش منتری
سدھارتھ نگر، گورے گاؤں (مغربی) بمبئی ۶۲ ۴۰۰۰

ایمرجنسی کے دنوں میں نظربندی کے دوران جے پرکاش جی نے چند اشعار لکھے تھے جن میں انھوں نے ایک ایسے سماجی انقلاب کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا، جس میں مساوات کو حقیقی معنوں میں فروغ حاصل ہو۔ دوسرے الفاظ میں ان اشعار کو جے پرکاش جی کے خیالات کی کنجی کہا جاسکتا ہے جے پرکاش جی کے خیالات کی پرواز ہمیشہ سیدھی نہیں ہوتی، اس میں کئی پیچیدگیاں اور اتار چڑھاؤ رہتے ہیں۔ اس لئے کہنے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جے پرکاش جی کسی فیصلہ کن نظریہ پر قائم نہیں رہے۔ ان کا اپنا کوئی انقلابی نظریہ نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ اندھیرے میں ٹٹولتے رہے ہیں۔ بیشک زندگی اور انقلاب کو بند سانچوں میں دیکھنے والوں کے لئے جے پرکاش جی ایسے ہی نظر آئے ہوں گے۔ لیکن نہ تو زندگی اور نہ ہی انقلاب کا راستہ کبھی کسی سانچے میں جکڑ کر ایک جیسا رہتا ہے۔ بدلتے حالات کے ساتھ یہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ لیکن ان بدلتے راستوں میں اگر کوئی شے اٹل رہتی ہے تو وہ ہیں زندگی کے گرانقدر اصول، جو کسی انقلابی کے حوصلے کو اس کی جدوجہد میں اور مشعل سے مشعل لمحوں میں بلند رکھتے ہیں۔

جے پرکاش جی کی نظروں میں یہ اصول دوسروں کے لئے مشعل راہ ہیں جو ہمیشہ غیر متبدل رہتے ہیں اور دوسروں کو راستہ دکھاتے ہیں۔ یہ اصول ہیں انقلاب اور مساوات کے۔ جے پرکاش جی چاہے مارکسٹ رہے ہوں یا گاندھی وادی، بھودان تحریک کے علمبردار رہے ہوں یا انقلابی تحریک کے رہنما، آزادی اور برابری کے اصول ہمیشہ ان کے سامنے رہے۔ جے پرکاش جی کی پوری زندگی اور ان کی جدوجہد آزادی اور مساوات کے اصولوں کو سماج میں پھیلانے میں صرف ہوئی۔ دراصل ان کی ساری زندگی آزادی اور مساوات کے گرانقدر اصولوں کو سماج میں مؤثر بنانے کی ایک مکمل تاریخ ہے۔

قومی راج

آزادی کا نظریہ تو جے پرکاش جی نے ۱۹ سال کی عمر میں ہی اپنا لیا تھا۔ گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے انھوں نے کالج چھوڑا اور مجاہدِ آزادی بن کر آزادی کی لڑائی میں کود پڑے۔ شروع شروع میں تو وہ بھی آزادی کا مطلب مادرِ وطن کی بدیسیوں کی غلامی سے نجات سمجھتے رہے۔ لیکن وقت اور تجربے کے ساتھ ساتھ آزادی کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ اب ان کے لئے اس کا مطلب تھا انسان کی ہر جگہ اور ہر طرح کی بندشوں سے نجات۔ اب آزادی کے معنی صرف وطن کی آزادی ہی نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی دماغی و روحانی آزادی تھے وہ کہتے تھے۔ "آزادی میری زندگی کی گہرائیوں کو چھو گئی ہے۔ میں روٹی کے لئے، اقتدار کے لئے، حفاظت کے لئے، خوشحالی کے لئے اور حکومت کے لئے یا کسی بھی چیز کے لئے اس میں کوئی کمی نہیں دیکھ سکتا۔"

جے پرکاش جی کی زندگی کا دوسرا نظریہ تھا، برابری۔ آزادی اور قومی جدّ وجہد کا حوصلہ تو انھیں گاندھی جی سے ملا۔ اور برابری کا نظریہ انھوں نے امریکہ میں اپنی تعلیم کے دوران پایا۔ جہاں انھیں پڑھائی کے اخراجات پورا کرنے کے لئے کھیتوں، کارخانوں، باغیچوں اور ہوٹلوں میں کام کرنا پڑا اور اس نظریہ کو استحکام ملا مارکس اور لینن کا مطالعہ کر لینے کے بعد۔ یہ جے پرکاش کی جوانی کا زمانہ تھا۔ نوجوان جے پرکاش صرف مجاہدِ آزادی ہی نہیں تھے بلکہ ایک ایسے سماج کے قیام کے محرک بھی بن گئے تھے جو آزادی کے بعد مکمل طور سے سماجی مساوات کا نمونہ ہوتا۔ ان کا خیال تھا کہ آزادیٔ وطن تو صرف ایک ٹھہراؤ ہے اور منزل ہے استحصال، غریبی اور بھید بھاؤ سے آزاد ایک سماج کا قیام۔ اسی منزل تک پہنچتے پہنچتے جے پرکاش، مارکس وادی سے چل کر گاندھی وادی موڑ تک پہنچے تھے۔

کیا مساوات اور آزادی کو یکجا کیا جا سکتا ہے؟ روایتی فکر نظر رکھنے والے اس کے منفی ہیں۔ ان کے مطابق یا تو آزادی یا مساوات قائم ہو سکتی ہے۔ دونوں ساتھ نہیں چل سکتے۔ آزادی کے معنی ان کے نظر میں مقابلے کی چھوٹ ہے۔ اس لئے برابری لانے کے لئے آزادی کو محدود کرنا ضروری ہے برابری اور آزادی، ان دو مختلف نظریات کے باعث ہی برابری کی تائید کرنے والے اکثر حکومت کے وسیع اختیارات ہی میں یقین رکھتے ہیں۔ برعکس اس کے آزادی کی تائید کرنے والے اقتدار کو آزادی کا دشمن تصور کرتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ ایک محدود دائرے تک مقید رکھنا چاہتے ہیں۔ مارکس وادی کی حیثیت سے جے پرکاش جی کے افکار پر بھی ان ہی نظریات کا غلبہ رہا۔ وہ کم و بیش ایک روایتی سماجی مصلح کی حیثیت سے صرف ایک ایسے سماج کی جدوجہد کرتے رہے جس میں ہر طرح برابری قائم ہو۔ لیکن اس دور میں بھی انھوں نے عوامی آزادی کے اپنے نظریئے کو نہیں چھوڑا۔ دراصل آزادی کے پسِ پشت اس گہرے نظریئے کی وجہ سے وہ جمہوریت کے سچے علمبردار بن گئے۔ ان کا یہی کہنا تھا کہ سچا اور حقیقی سماج صرف عوامی آزادی و مساوات کے اصول پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں "وہ ایک ایسا سماج ہوگا جس میں کوئی بھی شخص نہ تو کسی سرمایہ دار کا غلام ہوگا، نہ کسی پارٹی کا اور نہ حکومت کا۔ وہ آزاد ہوگا مکمل آزاد!"

لیکن اس طرح کا مثالی سماج قائم کیسے ہو؟ کیا پارٹی کو مضبوط بنا کر کیا حکومت کی طاقت بڑھا کر؟ ہرگز نہیں!

یہ سوالات عوامی آزادی کے حامی مجاہدوں کے سامنے اکثر اٹھتے رہے ہیں۔ جے پرکاش جی بھی ان سے الگ نہیں تھے۔ دراصل انھی سوالات کے حل تلاش کرتے ہوئے وہ پارٹیوں اور سیاسی کشمکش سے ہٹ کر ونوبا جی کی سرودیہ اور بھودان تحریکوں کی سمت مڑے تھے۔ تب چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیرے کے بیچ سے انھیں سرودیہ کے روپ میں ایک چمکتی کرن دکھائی دی۔ اور وہ اسی سمت چل دیئے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بھودان سرودیہ کے ذریعہ ہی عوام کی طاقت بڑھائی جا سکتی ہے۔ انھیں لگا کہ عوام اور حکومت میں طاقت آزمائی کی وجہ سے دیش ایک انقلاب کی دہلیز پر کھڑا ہے۔ یہ انقلاب لانے کے لئے جے پرکاش جی نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ اور تقریب بیس برسوں تک وہ بھودان تحریک میں شامل رہے۔

اس جدوجہد کے ساتھ ہی ان کے اپنے نظریہ کا حامل مساوات پر مبنی سماج کے قیام کی کوشش بھی جاری رہی۔ آپ نے بار بار اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس طرح کا سماج کسی پارٹی یا سیاسی بنیاد پر نہیں بن سکتا۔ پارٹی سیاست کے لئے تو لوگ صرف رائے دہندہ ہیں پارٹیاں صرف ووٹ لینا جانتی ہیں۔ ووٹ لینے کے بعد اسے پوچھا بھی نہیں جاتا۔ اگر اس سیاست کی جگہ صرف عوامی رسوخ و اثر چلے تو ہی ایسا سماج قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ "پارٹیوں کی سیاست کی فکر کئے بغیر سرکاری امور میں عوام کی راست ساجھے داری"۔ اسی بنیاد پر گرام پنچایت قائم کی جا سکتی ہے وہ چاہتے تھے کہ اگر گاؤں کی مجموعی حالت سدھارنا ہے تو جیسے گاندھی جی کا کہنا تھا کہ ترقی کو ایک جگہ جمع کر لینے کے بجائے اسے پھیلانا چاہئے۔ ان کا کہنا تھا "گاؤں میں صرف کھیتی ہی نہیں صنعتی ترقی بھی سرعت سے ہونی چاہئے۔ معاشی منصوبہ بندی اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے چلے"۔

سرودیہ تحریک کا مقصد یہ تھا کہ دیش کا منظم انتظامیہ بھی مساوات پر مبنی سماج کا محرک بنے۔ کوشش یہ تھی کہ عوامی تنظیم کو یکجا کر کے انتظامیہ کے ساتھ اس کا تعاون حاصل کیا جائے تو دیش میں رفتہ رفتہ نئے سماج کی بنیاد ڈالی جا سکتی ہے۔ سرودیہ کا سارا زور سرکار پر تھا۔ ستیہ گرہ کا ہتھیار اس کے لئے ناقابل استعمال بن گیا۔ حالات سنگین ہوتے گئے۔ سماج میں سماجی برائیاں پھیلتی گئیں۔ دوسری طرف سرودیہ تحریک دم توڑنے لگی۔ اس انتشار کے عالم کو اگر کسی نے سب سے پہلے سمجھا تو وہ تھے جے پرکاش۔

گاندھی جی کی ۱۰۰ ویں سالگرہ کے دوران ہی انھیں محسوس ہوا کہ جدوجہد کئے بنا نہ تو بے زمین کسانوں کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور نہ ہی مساوات پر مبنی سماج کا قیام ہو سکتا ہے۔ ان مسائل کا سامنا کرنے کے لئے جے پرکاش جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان تمام برائیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر تحریک کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں جے پرکاش جی نے طلبہ تحریک کے ذریعہ اس جدوجہد کو شروع کیا۔ اس تحریک کو کچلنے کے لئے طرح طرح کے اقدامات کئے گئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے ڈھائی برسوں میں مکمل انقلاب کی تحریک کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ اس کو منظم نہیں کیا جا سکا۔

بہرحال فوری کامیابی یا ناکامی کسی تحریک کی کسوٹی نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس کی کسوٹی ہوتی ہے عوامی مسائل کو سمجھنے اور سماج میں اصلاح کرنے کی خصوصیت۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو گاندھی جی کے بعد اگر کسی رہنما نے ہمارے دیش کو جھنجھوڑا تو وہ جے پرکاش جی تھے۔ ان کی تحریک یک طرفہ نہیں تھی بلکہ پورے سماج کو متاثر کرنے کے قابل تھی گاندھی جی کی طرح ہی جے پرکاش جی کی انقلابی جدوجہد اقتدار کے لئے نہیں تھی اور نہ ہی انھیں اس کا انتظار تھا۔ بلکہ ان کی جدوجہد اپنی اور ہر ایک کی زندگی میں آزادی اور مساوات کو اجاگر کرنے کی سمت شروع ہو چکی تھی۔ وہ نوجوانوں کو مکمل انقلاب کا سپاہی بنتا دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انھوں نے تعلیمی اداروں کی طرف اس تحریک کو موڑا۔

جے پرکاش جی نے جہاں منظم قوتوں پر زور دیا وہیں انھوں نے سماجی برائیوں کے خاتمے، خصوصاً جہیز کی لعنت اور ذات پات کی تفریق دور کرنے پر بھی توجہ دی۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے آپ نے عوامی تعاون پر زور دیا۔ لوک سمیتیوں کے لئے بھی ان کا یہی نظریہ تھا۔ آپ نے کہا بھی تھا کہ مکمل انقلاب کے لئے خدمتگاروں کی ایک ایسی فوج کی ضرورت ہے جو گاؤں گاؤں میں بیداری کا پیغام پہنچا سکیں۔ یہ خدمت گار اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جگہ حاصل کرنے کے لالچی نہیں ہوں گے۔ یہ جنتا کے پاس ووٹ مانگنے نہیں جائیں گے۔ وہ لوگوں کو سمجھائیں گے کہ عوام اپنا مقدر اپنے ہاتھوں بنائیں۔"

آج اگر انقلابی تحریک ساکن ہو گئی ہے تو اس کی سب سے اہم وجہ یہی ہے کہ انقلابی قدروں کو زندگی میں ڈھالنے والے افراد کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہو رہا ہے۔ لیکن اب یہ تعداد ضرور بڑھے گی۔ ان کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ انتظامیہ پر عوام کی قوت کا دباؤ رہے گا۔ کیونکہ اب اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ جے پرکاش جی نے دیش کو اسی راہ پر لانے کے لئے جدوجہد کی تھی۔ اگر ہم مصمم ارادہ کے ساتھ اپنے وطن کی رہنمائی اس راہ پر کریں گے تو اس میں مزید استحکام پیدا ہوگا۔ مساوات اور آزادی کی قدروں کو فروغ دینے کا جذبہ بڑھے گا۔ اگر ایسا ہوا تو دیش میں پھیلی ہوئی تفریق، استحصال، جبر اور بے انصافی کی تاریک گھٹائیں دور ہو جائیں گی۔ تب ہمیں اس تاریکی کے بیچ جے (فتح) کا پرکاش (روشنی) نظر آئے گا۔ وہ دن ہوگا جب آزادی اور مساوات کے اُجالے میں انسانیت کی فتح ہوگی۔

●●

یُوتھ فورم

'یُوتھ فورم' کا مستقل فیچر، کبیر بری کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی و معاشی ترقی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک' صفائی مہم' چھوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتے پر رحمت فرمائیں:

ایڈیٹر 'قومی راج' ۱۵ واں منزلہ، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

حق مغفرت کرے
عجب آزاد مرد تھا!

• خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

فی الواقعی جے پرکاش نرائن آزاد اور مرد مجاہد تھے۔ زندگی بھر ؏

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم

ئل اور اسی پر عامل رہے کہ یہی جہادِ زندگی کی شمشیریں ہیں۔ سیاسی
ڑہ بازی سے کنارہ کش، خودغرضی، ظاہرداری سے دور رہے اور دوسرں
سیدھا راستہ بتانے کے لئے اپنی زندگی کی قربانی دیدی۔ نوجوانی
ہی مہاتما گاندھی کی روحانیت اور جواہر لال نہرو کی مقصدیت سے
نر رہے۔ تیس سال کی عمر میں کانگریس کے جنرل سکریٹری رہے۔
ا سال کی عمر میں "WHY SOCIALISM" جیسی کتاب کی تصنیف
۔ ۱۹۴۲ء میں 'ہندوستان چھوڑ دو' کی تحریک میں فعال رہے جیل
، لیکن انھیں اس سیاسی بحران میں تسکین نصیب نہ ہوئی بالآخر
، ۱۹ء میں کانگریس سے اور ۱۹۵۷ء میں سیاست سے کنارہ کش
گئے۔ بھودان اور سرودیہ تحریک کو انھوں نے خاموش اور پُر امن
لاب کا ذریعہ سمجھا اور ونوبا جی کا ساتھ دیا، لیکن اس عظیم المرتبت
صیت کو تو اس انقلاب کی دھن تھی جس کے بعد دیس سے سارا
شن مٹ جائے، سچ اور ایمانداری کا دور دورہ ہو۔ اپنی عمر عزیز
ن نصب العین کے حصول کے لئے وقف کر دی اور بالآخر اسی نشاۃ
یہ کی اُمید میں جاں بحق ہو گئے۔ ان کی موت کا آج ساری قوم کو دُکھ
ہے ۔ انتقال کی خبر سے آہ وزاری اشکباری گھر بہ گھر ہونے لگی ؏

جس کو دیکھو محوِ غم ہے لب پہ ہے آہ و بکا

سچ تو یہ ہے کہ ملک وقوم کے اس نقصان کی تلافی ممکن نہیں ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جو یہ دیدہ ور اب ہم میں نہیں ہے تو لگتا ہے کہ یہ چمن ہی اُجڑ گیا ہے اور پھر سے کسی دیدہ ور کے پیدا ہونے کو نہ معلوم کتنی صدیاں لگیں گی۔

ان کی ہستی منفرد اور شخصیت ہمہ جہتی تھی یہ اپنی قوم اور اپنے بھائی بندوں کے لئے، ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہے۔ حتیٰ کہ جسم و جان کی قربانی دے دی، اسی اُمید پر کہ کسی طرف سے وہ کرن پھوٹ پڑے جو نویدِ صبح ہو۔ گویہ نامراد ناکام گئے لیکن منزلِ معین کر گئے اور منزل کے راستے مقرر کر گئے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ نشاۃ ثانیہ دور نہیں۔

راہبری کے لئے وہ زندہ نہیں لیکن ان کی الہامی طاقت ان کو زندہ جاوید بنائے ہوئے ہے اور اس کا فیضان ہمیں ضرور ملے گا۔

دنیں بھر کی سازشوں توڑ جوڑ، اتھل پتھل نے ان کی قوتِ برداشت کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن ۱۸ جنوری ۱۹۷۷ء کے چُناؤ کے اعلان نے ان کو پھر سے تازہ دم کیا، لیکن اس وقت تک صحت جسمانی نے جواب دے دیا تھا اور ایک حساس، مخلص مفکر و دانشور کے دل و دماغ کو اتنے دھکے لگے کہ مکمل صحت یابی ناممکن ہو گئی پھر بھی یہ میدان جنگ کے سُورما کی طرح ڈٹے رہے، جو زہر ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا اور حساس دل و دماغ چھلنی ہو چکے تھے اسی لئے انھیں داعیِ اجل کو لبیک کہنا ہی پڑا۔

ان کی قربانی، ان کا ایثار و اخلاص قوم کے نیتاؤں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگاتا رہے گا اور ان کی جلائی ہوئی جوت سے جوت جلتی رہے گی ؎

در و دیوار پہ حسرت سی برستی ہے نبیل
جانے کس دیس گئے پیار نبھانے والے

●●

جے پرکاش نرائن کی یاد میں

بے زبانوں کی تھے زباں جے پی
دشمنوں پر تھے مہرباں جے پی
اُن کی عظمت کے معترف سب تھے
اس زمیں پر تھے آسماں جے پی

جب بھی کہتے تھے سچ ہی کہتے تھے
اپنی مستی میں مست رہتے تھے

وہ اُصولوں پہ جان دیتے تھے
اپنی غلطی کو مان لیتے تھے
تھے ارادے ہمالیہ جیسے
بڑھتے قدموں کو روکتے کیسے

عزم و ہمّت جوان رکھتے تھے
حوصلوں میں وہ جان رکھتے تھے

صبر ایسا کہ سہہ گئے سب کچھ
تھی زباں بند کہہ گئے سب کچھ
حرص دولت کی تھی نہ شہرت کی
مرتے دم تک وطن کی خدمت کی

فرض پر جان نثار کرتے تھے
اپنے دشمن سے پیار کرتے تھے

قلبِ ہندوستاں کی دھڑکن تھے
تپتے صحرا میں جیسے ساون تھے
جسم کیا، دل پہ راج کرتے تھے
اپنے سائے سے آپ ڈرتے تھے

جذبے تخریب کے کچل ڈالے
محل تعمیر کے بنا ڈالے

موت اُن کی ہے زندگی اُن کی،
ہے اندھیروں میں روشنی اُن کی
بات کرتے ہیں اب سبھی اُن کی
کتنی پیاری تھی سادگی اُن کی

ان کی تقلید ہم کو کرنا ہے
ان کے نقشے میں رنگ بھرنا ہے

* مصطفےٰ اجمیلی
مومن پورہ، بالاپور ۴۴۴۳۰۲
ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

روتا ہے غم میں پیرِ فلک بے حساب آج

• ریاض احمد خاں

گاندھی دور کی آخری نشانی جو جے پرکاش نرائن کے نام سے مشہور تھی ۸ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کی صبح ۵ بجکر ۴۵ منٹ پر ختم ہوگئی
وہ ہستیاں جنھوں
نے جنگِ آزادی میں قربانیاں دیں ایک کے بعد ایک اُٹھتی گئیں مگر ایک کے اُٹھ جانے کے بعد دوسرے پر نگاہیں مرکوز ہوجاتی تھیں۔ دل کو تسلی ہوتی تھی کہ چلو ابھی تو اور ہیں

افسوس! یہ سلسلہ جے پرکاش نرائن کے اُٹھ جانے سے ختم ہوگیا۔ لیکن ان کی باتیں، ان کے کام اور کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

ہندوستان وہ واحد ملک ہے جس میں گاندھی جی کے بعد جے پرکاش نرائن کو باوجود اقتدار نہ ہونے کے عوامی مقبولیت نصیب ہوئی تھی۔ اور یہ مقبولیت انھیں ان کی وطن پرستی، عوام دوستی، رحمدلی، سچائی، نیک نیتی کے باعث حاصل ہوئی تھی۔ جے پرکاش بے لوث خدمتگار تھے۔ ایک عام آدمی سے بھی اسی جذبۂ خلوص سے ملتے، جتنے کہ بڑے بڑے سیاستدانوں اور بڑے لوگوں سے۔ بے غرض کام کرنے کی کچھ ایسی صلاحیت ان میں تھی کہ بھودان تحریک کے رُوحِ رواں اچاریہ ونوبا بھاوے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انھوں نے اپنی اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے جے پرکاش کو اپنا دست راست منتخب کیا۔ جے پرکاش نے بھی یہ محسوس کیا کہ اس تحریک کے لئے کام کرنے سے دیہاتوں میں بسنے والے بے زمین مزدوروں کا فائدہ ہے، چھوٹے کسانوں کا فائدہ ہے اس لئے سب کچھ چھوڑ کر اس تحریک کو کامیاب بنانے میں جُٹ گئے۔ بھودان تحریک دراصل ونوبا بھاوے کی جاری کردہ تحریک تھی مگر اس میں رُوح پھونکنے کا سہرا جے پرکاش کے سر ہے۔

جے پرکاش کو سیاست سے زیادہ دلچسپی عوام کی خدمت سے رہی ہے۔ سیاست میں حالانکہ ان کا مقام بلند تھا مگر سیاست کو انھوں نے اپنے جذبات پر کبھی غالب نہیں ہونے دیا، یہی وجہ تھی کہ ۱۹۵۷ء میں انھوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنی تمامتر توجہ ملک میں بسے ہوئے غریبوں کی گرتی ہوئی حالت سُدھارنے میں مرکوز کردی۔ انھیں یہ منظور نہیں تھا کہ آزادی حاصل ہو جانے کے بعد بھی آزاد ملک کے لوگ روٹی کو ترسیں اور برسرِ اقتدار لوگ من مانی کرتے جائیں۔ جب ہندوستان کی سیاست اس نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تو جے پرکاش کو دوبارہ سیاست میں حصّہ لینا پڑا۔

یہ ۱۹۷۴ء کی بات ہے کہ جے پرکاش نے 'بہار تحریک' شروع کی، جسے ملک کے تمام انصاف پسند لوگوں نے سراہا۔ نہ صرف بہار بلکہ ملک کے گوشے گوشے سے طلبہ نے اس تحریک کا خیر مقدم کیا اور اس میں شامل ہوگئے یہ ایک ایسی تحریک تھی جس نے حکومت ہند کے ایوانوں کو لرزا دیا۔ اور اسی بنا پر جے پرکاش کو بیماری، لاغری اور کمزوری میں بھی جیل جانا پڑا۔ انھوں نے جیل جانا منظور کیا مگر اپنے اصولوں کو شکست سے بچالیا۔ اس حوصلے کے انسان کم از کم اب اس دور میں باقی نہیں رہے۔

جے پرکاش صرف ایک سیاست داں یا ایک مخلص رہنما ہی نہیں تھے بلکہ میدانِ علم و ادب میں بھی انھوں نے اپنی بے مثال تحریریں چھوڑی ہیں۔ ان کی تصنیفات میں "سوشلزم کیوں؟" WHY SOCIALISM "فرام سوشلزم ٹو سروودیہ"، "اِن دی لاہور فورٹ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حال ہی میں جے پرکاش کی تازہ ترین تصنیف "جیل ڈائری" شائع ہوئی ہے جس میں انھوں نے اپنی ایمرجنسی کے دوران گرفتاری اور جیل میں ہر روز کے مشاغل لکھے ہیں۔ یہ ڈائری ایک تاریخی حیثیت اختیار

کرلے گی۔ نثر کے علاوہ جے پرکاش نے شعر و شاعری میں بھی اپنی انفرادیت کو قائم رکھا۔ انھوں نے بے شمار نظمیں لکھی ہیں جو ہندی ادب میں قابلِ قدر اضافہ ہیں۔

۱۹۰۲ء کا وہ اکتوبر ہی کا ماہ تھا جب ۱۱ر تاریخ کو جے پرکاش نے بہار کے ضلع سرن میں ستیاب دیارہ میں آنکھیں کھولیں۔ بہار کے خاندانی اور کائستھ ہنسو دیال کے فرزند تھے۔ کہا گیا ہے کہ بچّہ کی اصل تربیت گاہ ماں کی آغوش ہے۔ یہ بات سو فیصد جے پرکاش پر صادق آتی ہے۔ ان کی والدہ پھلو رانی نے بچپن ہی سے جے پرکاش کو مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ حُبّ الوطنی کی بھی تعلیم دی اور ساتھ ہی ساتھ "خدمت میں عظمت" کا درس دیا۔ جے پرکاش کے دل میں اس طرح کی سچی تعلیم نے جگہ پیدا کرلی اور وہ اپنی تمام زندگی سچّائی اور وطن پرستی میں گذار گئے۔ بحیثیت طالب علم جے پرکاش نے میٹرک میں ہی اسکالرشپ حاصل کرلی تھی۔ بنارس ہندو یونیورسٹی میں پروفیسر پھلدیو سہائے ورما کی زیرِ نگرانی انٹرسائنس کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۲۲ء میں کلکتہ کی ایک انجمن نے انھیں اسکالرشپ دے کر امریکہ مزید تعلیم کے لئے روانہ کردیا۔ جہاں وہ آٹھ سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے اور وہیں سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔

جے پرکاش کا رجحان یوں تو شروع ہی سے سوشلزم کی طرف مائل تھا مگر امریکہ کے دوران قیام انھیں ایم۔ این رائے کی تحریروں نے کافی متاثر کیا، اور یہ تاثر آخر دم تک قائم رہا۔ جے پرکاش کے روشن خیالات پر گاندھی جی کی تحریروں اور تقریروں کا بھی اثر ہوا۔ جب وہ امریکہ میں زیرِ تعلیم تھے، ان کی بیوی پربھاوتی گاندھی جی کے ساتھ ہی سابرمتی آشرم میں رہتی تھیں اور لوگ انھیں گاندھی جی کی بیٹی تصور کرتے تھے۔ امریکہ سے واپسی پر جے پرکاش نے ۱۹۲۹ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر ملازمت اختیار کرلی۔ ذہین انسان تھے، اچھی بُری بات فوراً سمجھ جاتے تھے اس لئے جب انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کے لاہور سیشن میں جواہر لال نہرو کی تقریر سنی اس سے متاثر ہوئے اور نہرو کے کہنے پر کانگریس کا شعبہ برائے محنت اپنے ذمّہ لے لیا دراصل امریکہ سے واپسی پر ہی جے پرکاش کا سیاسی شعور بیدار ہوا اور انھیں گاندھی جی کی قربت ملی۔ اس وقت جب کہ گاندھی جی نے تحریک نافرمانی شروع کی جے پرکاش نے اس میں عملاً حصّہ لیا جس کی وجہ سے انھیں گرفتار کرکے ناسک جیل بھیجا گیا جہاں اُن کی ملاقات اُچت راؤ پٹوردھن اور مینو مسانی سے ہوئی۔ یہ ملاقات جے پرکاش کی زندگی کا ایک اہم موڑ ہے اسی ملاقات نے انھیں دوبارہ سوشلزم کی طرف مائل کیا جس کے نتیجہ میں انھوں نے اچاریہ نریندر دیو کے ساتھ مل کر آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی کی داغ بیل ڈالی، اپنے اسی نصب العین کے تحت انھوں نے ۱۹۳۶ء میں "Why Socialism" کتاب لکھی۔

جے پرکاش کا عدم تشدد پر اعتماد تھا مگر "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک میں انھوں نے تشدّد کو جائز قرار دیا۔ فطری طور پر جے پرکاش ایک ہمدرد اور خدا ترس انسان تھے۔ انھوں نے غریبوں کی حالت سُدھارنے کے لئے زمینداری ختم کرنے، یعنی مزدوروں کے لئے زمین مہیا کرنے اور بڑے بڑے کارخانوں کو قومیانے کے کام شروع کئے جو اُس دور میں تو نہ ہو سکے مگر آزادی ملنے کے بعد حکومت ہند نے اس پر عمل کیا۔ جے پرکاش کا عقیدہ تھا کہ اگر قوم کو مُستحکم بنانا ہے تو دیہی مراعات دیہات میں بسنے والوں کو بھی ملنی چاہئیں جو شہر میں بسنے والوں کو ملتی ہیں۔ دیہات میں بسنے والوں کی سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی شہریوں کی زندگی سے قریب تر ہو تاکہ دونوں کو آگے بڑھنے کے مواقع یکساں میسر آتے رہیں۔ مگر آج جب ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں بھی دیہاتیوں اور شہریوں میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ہر جگہ بسنے والے غریبوں کی حالت میں سُدھار نہیں ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں جگہ بسنے والوں کو یکساں مواقع فراہم نہیں ہو رہے ہیں۔ جے پرکاش کا یہ خواب آج تک تو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا آگے کیا ہوتا ہے وہ وقت ہی ظاہر کرے گا۔

جے پرکاش کے دل میں ہزاروں ایسی خواہشیں تھیں جنھیں وہ ہر قیمت پر پورا کر کے ملک کی معاشی حالت سُدھارنے کا عزم رکھتے تھے، مگر افسوس ہے کہ ان کی ایک بھی خواہش پوری نہ ہو پائی۔ غربت جیسے پہلے تھی اب بھی باقی ہے۔ سیاسی حالات کا ذکر ہی کیا۔ دیہات میں بسنے والے آج بھی بے زمین اور بے مکان ہیں، تعلیم اب بھی عام نہیں ہے بچے اب بھی کڑی سے کڑی محنت کر کے اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔ ان تمام باتوں سے چھٹکارا اسی وقت پایا جا سکتا ہے جبکہ ہم مل کر اپنے رہنماؤں کی تعلیم پر عمل کریں۔

جے پرکاش نے اپنی زندگی میں اسی بات کی تلقین کی، جس پر وہ خود عمل پیرا ہوئے۔ انھوں نے پہلے خود جنگ آزادی میں حصہ لیا اور بعد میں دیش کے لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ تحریک نافرمانی میں پہلے خود حصہ لیا، گرفتار ہوئے اور بعد میں لوگوں سے انگریزی جیل بھرنے کی اپیل کی، یہ کام وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس کے دل میں اپنے وطن سے، اپنے وطن کے لوگوں سے محبت ہو، عقیدت ہو۔ جے پرکاش ایک

ایسے ہی شخص تھے انھوں نے اپنے اطوار سے اپنے کردار سے بہ ظاہر کر دیا۔

لوک نائیک جے پرکاش نرائن کی دُور اندیشی کی یہ ایک مثال قابلِ ذکر ہے۔ ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد جس وقت انھیں جیل میں ڈال دیا گیا تھا اس وقت سے وہ اسی خیال میں تھے کہ کسی طرح مختلف سیاسی پارٹیوں کو یکجا کر کے ایک مستحکم پارٹی بنائی جائے تاکہ ایمرجنسی کے ختم ہوتے ہی اس مشترکہ پارٹی کو عوام سے روشناس کرایا جائے۔ جے پرکاش جانتے تھے کہ ایمرجنسی وقتی طور پر کچھ عرصے کے لئے ہے اور ایک نہ ایک دن ختم ہو ہی جائے گی۔ جیل میں انھیں دُکھ بیماریوں نے گھیر لیا۔ گُردے خراب ہو گئے۔ عارضۂ قلب میں مبتلا ہوئے۔ ذیابیطس کے مریض تو تھے ہی۔ ان تمام بیماریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی انھوں نے ایک نئی پارٹی بنانے کے خیال کو ترک نہیں کیا۔ ایک طرف دُکھ بیماریوں سے بہر آزما ہوتے رہے تو دوسری طرف نئی پارٹی قائم کرنے کے عملی اقدام سوچتے رہے اور جب بغرض علاج انھیں جیل سے آزاد کر دیا گیا تو آپ نے اپنی تمام تر توجہ اسی مقصد کے حصول میں صرف کی اور جنتا پارٹی کا وجود عمل میں آیا۔

مارچ ۱۹۷۷ء میں الیکشن ہوا، اور جنتا پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ جے پرکاش کے مشورے سے شری مُرارجی دیسائی وزیرِ اعظم بنے۔ دلّی کے راج گھاٹ پر جنتا پارٹی کے تمام لیڈران جمع ہوئے اور وہاں قسم کھائی کہ وہ سب گاندھی جی کے اُصولوں پر چلیں گے۔ مگر جنتا پارٹی اس راہ سے بھٹک گئی، بکھر گئی، یہ دُکھ تھا، یہی صدمہ تھا جسے لوک نائیک جے پرکاش نرائن جنھوں نے اب تک بڑی جوانمردی سے موت کا مقابلہ کیا تھا، سہہ نہ سکے اور بالآخر آنکھیں موند لیں۔

●●

آہ! لوک نائک

• عبدالرؤف خاں ثاقب
دیسائی گنج (وارسا) ضلع چندرپور ۴۴۱۲۰۷

بھارت کی سرزمیں کا وہ رہبر چلا گیا
تاجِ وطن کا لعل وہ گوہر چلا گیا

نمناک یہ فضائیں ہیں سرگوشیوں میں یوں
قلب و نظر کا نور وہ دلبر چلا گیا

پرکاش بن کے جگ کو جو پرکاش دے گیا
ایسا وہ ماہتاب وہ اختر چلا گیا

انسانیت کو ناز تھا جس کے وقار پر
عظمت کے ہر نشاں کا وہ مظہر چلا گیا

وہ امن کا پیغامبر اس دور کا غازی
شمشیرِ اہنسا کا وہ جوہر چلا گیا

گاندھی کے اُصولوں کا وہ گائک چلا گیا
ہندوستانیوں کا وہ نائک چلا گیا

☆

دیہی ترقیات

دیہی ترقیات کا حقیقی مقصد روزگار کے طلبگاروں کو روزگار فراہم کرنا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ملک میں تمام ممکن ذرائع پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کئے جائیں۔ نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ دیہاتو سے شہروں میں لوگوں کی غیر ضروری آمد کا سدِّباب ہوسکے گا بلکہ مکانات، سڑکوں وغیرہ کی تعمیر جیسے کاموں پر اخراجات میں بھی کمی ہوگی۔ اور ریاستی خزانے پر اخراجات کا بوجھ نہیں پڑے گا۔ بہر حال یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے اور حکومت کے ساتھ ساتھ صنعتکاروں، ماہرین، نوجوانوں اور خود دیہی باشندوں کو بھی اس مسئلہ کے حل کے لئے مُشترکہ کوشش کرنی چاہیئے۔

پیڈ (PAD) ایک ادارہ ہے جو ایسی رضاکارانہ تنظیموں کی مدد کرتا ہے جن کے ذریعہ تعمیری و دیہی ترقیات کے حامل سماجی و معاشی کام انجام دیئے جاتے ہیں۔ گذشتہ تین سالوں میں مہاراشٹر میں دیہی ترقیات پر مبنی ۷۴ کاموں کے لئے ۳۱ لاکھ روپے تک امداد تقسیم کی گئی۔

ضلع قلابہ میں ناگوتھانہ کے مقام پر اسی سطور پر مکمل کئے گئے ایک کام کی مثال دی جاسکتی ہے۔ یہاں مقامی لوگوں اور عہدیداروں کی مدد سے ایک غیر استعمال شدہ تالاب کی درستگی کی گئی اور اس میں زیادہ پانی جمع رکھنے کی گنجائش پیدا کر کے مچھلیوں کی پرورش کا انتظام کیا گیا۔ صرف دو ماہ کی مدت میں ہی بنگال اور کھپولی سے ۲۵۰۰۰ مچھلیاں منگوا کر اس تالاب میں ڈالی گئیں۔

ناگوتھانہ، بمبئی سے ۱۰۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور ضلع قلابہ کا ایک مرکزی مقام ہے۔ اس مقام کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ چھترپتی شیواجی مہاراج اسی گاؤں سے گذرے تھے۔ علاوہ ازیں مشہور سیاح کھانوجی آنگرے اسی مقام پر عارضی طور پر ٹھہرے تھے اور آج بھی ایک بستی ان ہی کے نام سے منسوب ہے۔ یہاں ایک بازار بھی ہے جس کے ذریعہ اطراف میں واقع ۳۰ گاؤں میں بسنے والے چھوٹے کاشتکار، بے زمین مزدور اور قبائلی باشندے روزمرّہ کی ضروری اشیاء حاصل کرتے ہیں۔ اس گاؤں کی آبادی ۴۰۰۰ ہے پھر بھی اس علاقے کی خاطر خواہ ترقی نہیں ہوسکی ہے کیونکہ یہاں کے لوگ ساہوکاروں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار رہیں۔ کبھی یہاں بندرگاہ ہوا کرتی تھی اور مال سے لدے جہاز آیا کرتے تھے۔ یہاں تقریباً ۱۲۰ انچ بارش ہوتی ہے لیکن موسم گرما میں اکثر پانی کی شدید قلت ہو جایا کرتی ہے یہاں تک کہ پینے کا پانی بھی تالابوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

ان مشکلات کے پیشِ نظر دیہی باشندوں نے اپنے گاؤں کے حالات میں سُدھار کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ ان دیہی باشندوں نے "شرینگر تال" نامی ایک غیر استعمال شدہ تالاب پر جو کہ سمندری سطح سے ۳۲ فیٹ کی اونچائی پر واقع ہے، توجہ دی۔ اس تالاب کی کھدائی کی گئی اور اُسے چوڑا کیا گیا۔ اسی جھیل کے متصل ایک اور چھوٹی جھیل ہے۔ اس میں بھی مناسب تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔ تعمیری کام کے طور پر یہ طے کیا گیا ہے کہ ان دونوں جھیلوں کو ماہی گیری پیشہ کے لئے بھی استعمال میں لایا جائے۔

لہٰذا مقامی لوگوں کی جد و جہد اور ان کے عزم و ارادے کو دیکھتے ہوئے ساتھ ہی پروجیکٹ کی مناسبت پر غور کرتے ہوئے، وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری شرد پوار کی زیر قیادت برسر عمل 'پیڈ' نے اس پروجیکٹ کے لئے مالی تعاون دینا منظور کیا۔

غرضیکہ مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل کے سابق چیرمین شری وی۔ ایس پاگے کے ہاتھوں اس کام کو شروع کیا گیا۔ شری بی۔ ایل پاٹل، وزیر مملکت برائے

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

محمد عبدالحلیم
قدوائی روڈ، مومن پورہ
ناگپور - ۴۴۰۰۱۸

نائب صدر جمہوریۂ ہند

جسٹس محمد ہدایت اللہ

ہمارا دیش اس وقت زبردست سیاسی طوفانوں اور بحرانوں سے دوچار ہے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں جب تمام سیاسی جماعتوں نے اتفاق رائے سے جسٹس جناب محمد ہدایت اللہ صاحب کا نام نائب صدر جمہوریۂ ہند کے عہدے کے لئے تجویز کیا تو ان کے اس فیصلہ کا ملک کے ہر خاص و عام نے بڑی گرمجوشی اور مسرت سے خیر مقدم کیا۔ درحقیقت موجودہ سیاسی فضا میں اس اہم اور ذمہ دارانہ منصب کیلئے صاحبِ موصوف سے زیادہ موزوں اور بہتر کوئی اور شخص نہیں تھا۔

جناب محمد ہدایت اللہ صاحب بین الاقوامی شہرت یافتہ قانون داں و مُنصف، ایک عالم متبحر، ماہر السنہ اور غیر معمولی فہم و فراست و صلاحیت نیز ہمہ گیر خوبیوں کے وسیع مشرب، بیدار مغز فرض شناس اور جفاکش انسان ہیں۔ آپ کی زندگی سیکولرزم اور قومی یکجہتی کا ایک عملی نمونہ ہے۔ مختلف ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز رہ کر آپ نے اپنے فرائض جس حُسن و خوبی، خوش اسلوبی اور عزت و وقار کے ساتھ انجام دیئے اور جو امتیازات حاصل کئے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ہندوستان کی عدالتِ عظمیٰ کے منصفِ اعلیٰ کے منصب جلیلہ سے ۱۹۷۰ء میں سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے سیاست سے اپنے آپ کو ہمیشہ دُور رکھا اور کسی قسم کا امتیاز یا عہدہ حاصل کرنے کی بذاتِ خود کبھی کوشش نہیں کی۔ لیکن قدرت نے جس طرح پہلے آپ کو اعلیٰ ترین مناصب اور اعزازات سے نوازا تھا' پھر اس نازک دَور میں ملک کے ایک اہم اور ممتاز عُہدے سے سرفراز کیا۔

ہدایت اللہ صاحب کا تعلق بنارس کے ایک معزز اور ذی علم گھرانے سے ہے۔ آپ کے خاندان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ پچھلی پانچ پُشتوں سے چلا آرہا ہے۔ آپ کے دادا منشی محمد قدرت اللہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے زمانے میں بنارس سے مالوہ چلے آئے تھے اور راج گڈھ اور بھوپال میں مختلف عُہدوں پر فائز رہے۔ بھوپال ہی میں ۱۹۱۰ء میں ان کا انتقال ہوا منشی جی ایک بہت اچھے ادیب اور شاعر تھے۔ دیوان کے علاوہ ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان میں 'تاریخ مالوہ' اور 'ماجرائے قدرت' بہت مشہور ہوئیں۔ آخر الذکر کتاب میں منشی قدرت اللہ قدرت نے غدر کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

ہدایت اللہ صاحب کے والد' خان بہادر حافظ محمد ولایت اللہ ممالک متوسط و برار میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر تھے وہ حافظِ قرآن بھی تھے اور ایک خوش الحان قاری بھی۔ حافظ صاحب کو بھی شعر و سخن سے شغف تھا۔ وہ اکبر الہ آبادی کے مخصوص رنگ میں شعر کہتے تھے۔ اور 'اکبر ثانی' کہلاتے تھے۔ ان کے کلام کے دو مجموعے شائع ہو کر خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ حکومت وقت نے انھیں I.S.O. 'قیصرِ ہند اور 'خان بہادر' کے خطابات سے مفتخر کیا تھا۔

۱۹۴۹ء میں حافظ صاحب کا انتقال ناگپور میں ہوا۔

حافظ محمد ولایت اللہ کے تین بیٹے ہوئے۔ تینوں کو انھوں نے اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، جو بعد میں بڑے قابل اور مرتبے والے ہوئے۔ ان کے بڑے بیٹے محمد اکرام اللہ تھے۔ وہ آئی۔ سی۔ ایس تھے حکومت برطانیہ نے انھیں .K.C.M.G اور .C.I.E کے خطابات دیئے تھے۔ آزادی کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ وہاں انھیں فارن سکریٹری اور ہائی کمشنر کے عہدے دیئے گئے۔ حکومت پاکستان نے انھیں "ہلالِ پاکستان" کا خطاب مرحمت کیا تھا۔ اکرام اللہ صاحب کا انتقال ۱۹۶۳ء میں ہوا۔ ان کی اہلیہ ڈاکٹر شائستہ اکرام اللہ، کرنل سر حسان سہروردی کی صاحبزادی ہیں۔ پاکستان کی صفِ اول کی خواتین میں موصوفہ کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی ایک لڑکی شہزادی ثروت سلطنتِ ہاشمیہ اُردن کے ولیعہد جناب حسن بن طلال کی بیوی ہیں۔

حافظ صاحب کے منجھلے بیٹے محمد احمد اللہ صاحب بارایٹ لا ہیں۔ حکومتِ ہند کے ٹیکسٹائل کمشنر، کسٹوڈین اور ٹیرف بورڈ کے سکریٹری رہ چکے ہیں۔ ابھی بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور بمبئی میں مقیم ہیں۔

ہمارے نائب صدر جناب محمد ہدایت اللہ صاحب، حافظ محمد ولایت اللہ صاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں۔ ہدایت اللہ صاحب ۱۷ دسمبر ۱۹۰۵ء کو بیتول (Betul) مدھیہ پردیش میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان آپ نے گورنمنٹ ہائی اسکول، رائے پور اور بی۔ اے، مارس کالج، ناگپور (موجودہ ناگپور مہاودیالیہ) سے امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اور فلپس اسکالر اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے پہلے ایم۔ اے اور بعد میں وہیں سے ۱۹۳۰ء میں ۲۵ برس کی عمر میں بیرسٹری کی سند لی۔

انگلستان سے واپسی کے بعد ہدایت اللہ صاحب نے ناگپور ہائیکورٹ میں وکالت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۶ء تک آپ ایڈوکیٹ رہے۔ اسی دوران ۹ سال تک (۱۹۳۴ - ۱۹۴۲ء) ناگپور یونیورسٹی میں قانون کے لیکچرر کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیئے۔

۱۹۴۲ء میں آپ کا تقرر ممالک متوسط و برار کے سرکاری وکیل (Govt Pleader) کے عہدے پر ہوا۔ دوسرے سال (۱۹۴۳ء) میں آپ کو برنی دے کر صوبے کا ایڈوکیٹ جنرل بنا دیا گیا۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کو ہائیکورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔ آٹھ سال بعد ۱۹۵۴ء میں مدھیہ پردیش ہائی کورٹ (ناگپور) کے چیف جسٹس کے منصب پر فائز کئے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں صوبوں کی تشکیل جدید ہوئی تو ہائی کورٹ ناگپور سے جبل پور منتقل ہو گیا۔ جبلپور میں آپ ۱۹۵۸ء تک چیف جسٹس رہے۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کو سپریم کورٹ کا جج بنایا گیا۔ وہاں ۱۰ سال تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس شری کے۔ این وانچو ریٹائر ہوئے تو آپ کو ۱۹۶۸ء (۲۵ فروری) میں چیف جسٹس کے منصب پر مامور کیا گیا۔ تین سال تک ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت کے منصب اعلیٰ کی حیثیت سے فرائض انجام دے کر ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو سبکدوش ہوئے آپ کا ریکارڈ ہے کہ اپنی ۲۸ سالہ ملازمت کے دوران جن مناصب پر فائز کئے گئے، ان میں بیشتر عہدوں پر آپ اتنے کم عمر تھے کہ یہ سعادت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے آپ نے جو فیصلے دیئے ہیں، ان میں فلم سنسر شپ، گولک ناتھ اور راجاؤں کے صرفِ خاص (Privy Purses) کے مقدمے کافی مشہور ہیں۔

ہدایت اللہ صاحب کو فلپائن یونیورسٹی۔ روی شنکر یونیورسٹی اور راجستھان یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لاء (LL.D) کی اعزازی ڈگریوں سے سرفراز کیا ہے۔ علاوہ اس کے مُلک و بیرونِ ممالک سے آپ کو جو اعزازات اکرام ملے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

(1) ORDER OF THE BRITISH EMPIRE (1946)

(2) ORDER OF THE YUGOSLAV FLAG WITH SASH .. .. (1971)

(3) BENCHER, LINCOLN'S INN.

(4) KNIGHT OF MARK TWAIN .. (1974)

(5) Hon.Member International Mark Twain Society " (1975)

(6) MITCHELL FELLOW, UNIVERSITY OF NEW YORK (Buffalo).

آپ انڈین لاء انسٹی ٹیوٹ، انڈین سوسائٹی آف انٹرنیشنل لاء اور انٹرنیشنل لاء ایسوسی ایشن (انڈین برانچ) کے صدر رہ چکے ہیں۔

ہدایت اللہ صاحب کو تعلیم اور تعلیمی اداروں سے کافی دلچسپی ہے۔ اس میدان میں بھی آپ کی کارگزاری بڑی خصوصیت اور فراست کی حامل رہی ہیں آپ کئی سال تک ناگپور یونیورسٹی کے فیکلٹی آف لاء کے ڈین رہے علیگڑھ، دکرم، ناگپور اور ساگر یونیورسٹیوں کی ایکزیکٹیو کمیٹی کے ممبر یا Senate

(باقی صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرمایئے)

ے: حافظ صاحب کے مفصل حالات راقم الحروف کے مضمون حربدہ "آجکل" مطبوعہ مارچ ۱۹۷۸ء میں ملاحظہ فرمایئے۔

سوامی رام تیرتھ کی تاریخِ پیدائش ۲۲ راکتوبر ۱۸۷۳ء ہے۔ اس موقع پر علامہ اقبالؒ کی وہ مشہور نظم جو انھوں نے سوامی جی کے فلسفہ سے متاثر ہوکر لکھی تھی بطور خراجِ عقیدت شائع کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

سوامی رام تیرتھ
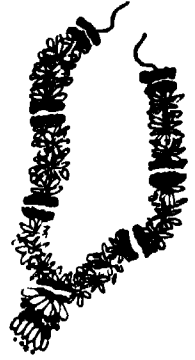
ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب! تو
پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہرِ نایاب تو

آہ! کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیرِ امتیازِ رنگ و بو

مٹ کے غوغا زندگی کا شورشِ محشر بنا
یہ شرارہ بجھ کے آتش خانۂ آذر بنا

نفیِ ہستی اِک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
لَا کے دریا میں نہاں موتی ہے اِلَّا اللہ کا

چشمِ نابینا سے مخفی معنیِ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیمِ خام ہے

توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیمِ عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستیِ تسنیمِ عشق

فانیؔ فاؤنڈیشن، پنجاب کی جانب
سے شری ایس۔ایم جوشی کے ہاتھوں
سپاسنامہ قبول کرتے ہوئے

جسلوک ہسپتال، بمبئی سے آخری مرتبہ پٹنہ روانگی

بھارتیہ ودیا بھون کی جانب سے بمبئی
میں منعقدہ ایک تقریب میں شری
جے پرکاش جی کو مذکورہ ادارہ کا اعزازی
رکن بنایا گیا۔ اس موقع پر مہاراشٹر کے
گورنر شری صادق علی موصوف کو ایک
یادگار تحفہ پیش کر رہے ہیں۔

لوک نائیک جے پرکاش نرائن حال ہی میں منعقدہ ایک عوامی جلسہ سے خطاب فرما رہے ہیں۔
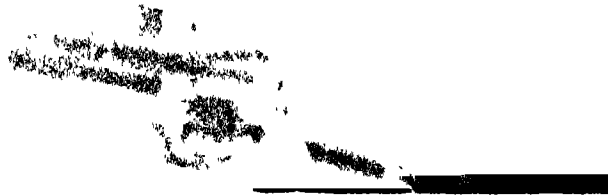
شری جے پرکاش نرائن اور صدرِ جمہوریۂ ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی

پونار آشرم میں ونوبا جی کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے۔
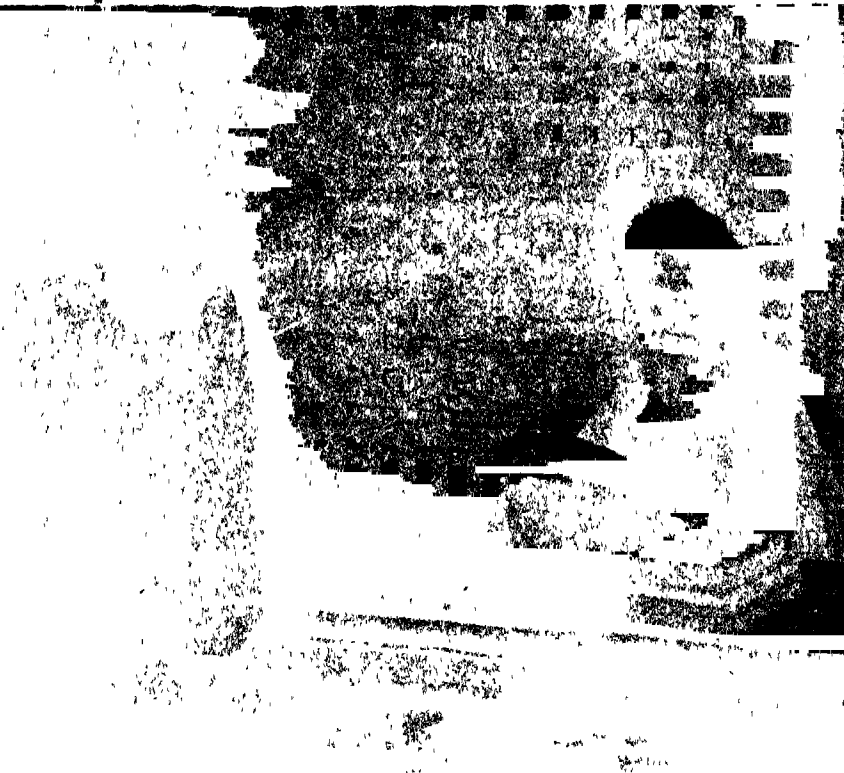
بیرونِ ملک فراہمیٔ روزگار کارپوریشن، ریاست مہاراشٹر

• ایس۔ایس ٹٹنیکر
سکریٹری
ایمپلائمنٹ، ایجوکیشن و یوتھ سروسیز

چھٹے پنجسالہ منصوبہ کے باب ششم میں روزگار کا مسئلہ معاشی ترقیات کی بنیادی ضرورت کے تحت شامل کیا گیا ہے۔ ۶۷ فیصد سے زیادہ بیروزگار افراد کی تعداد ملک کی چھ ریاستوں میں پائی جاتی ہے جن میں سے مہاراشٹر بھی ایک ہے جہاں بیروزگاری یا قلیل روزگار دس فیصد سے زیادہ ہے۔

یہ بالکل واضح ہے کہ بیروزگاری میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے خصوصاً تعلیم یافتہ بیروزگاروں کا مسئلہ زیادہ سنگین ہے۔ اس کی سب سے اہم وجہ اعلیٰ تعلیم کی غیر محتاط حوصلہ افزائی ہے۔ مہاراشٹر میں ۱۹۶۰ء سے ۷۸-۱۹۷۷ء تک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد میں ۴½ گنا یا سالانہ اوسطاً ۲۶ فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ پرائمری تعلیم حاصل کرنیوالے طلبہ کی تعداد میں ۵۶ فیصد یا سالانہ اوسطاً ۳ فیصد اضافہ ہوا ہے۔

بجی اداروں میں جہاں اُجرت اور حالات روزگار قانونی نظم و ضبط کی وجہ سے نسبتاً بہتر ہوتے ہیں، روزگار کی فراہمی کے سلسلہ میں دن بدن دباؤ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اس کے باوجود ان اداروں میں سالانہ اوسطاً صرف ایک لاکھ افراد کو ہی روزگار فراہم کیا جاسکتا ہے۔

دفتر روزگار کے ریکارڈ کے مطابق یہ دیکھا گیا ہے کہ اس دفتر کے ذریعہ روزگار حاصل کرنے والوں کی تعداد دن بدن گھٹتی جارہی ہے۔ اب مشرقِ وسطیٰ میں ماہر و غیر ماہر افراد کی زبردست مانگ کے پیشِ نظر ریاستی حکومت نے روزگار کی فراہمی کے لئے اس محاذ کو کام میں لانے کا فیصلہ کیا ہے بمبئی چیمبر آف کامرس کی جانب سے کیرالا میں کئے گئے حالیہ سروے کے مطابق ہندوستانی باشندوں کے لئے افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور عرب ممالک میں روزگار کے مواقع بے حد پائے جاتے ہیں، لاکھوں لوگوں کو روزگار کی فراہمی کے علاوہ اس ملک کو زرِ مبادلہ کا بھی زبردست فائدہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بیروزگار افراد کے خاندان کی معاشی حالت میں خاطر خواہ بہتری پائی گئی۔ ایک اندازے کے مطابق دو لاکھ کیرالا کے باشندے حال ہی میں بیرونِ ممالک منتقل ہو گئے ہیں۔ ان میں سے اکثریت عرب ممالک میں قیام پذیر ہے جہاں سے وہ سالانہ تقریباً چار سو کروڑ روپے زرِ مبادلہ بھیجتے ہیں۔ اس طرح فی شخص سالانہ ۱۱۷۰۰ روپیہ زر مبادلہ بھیجتا ہے پنجاب اور گجرات نے بھی غیر ممالک میں حصول روزگار کے ذرائع پر کافی حد تک رسوخ پالیا ہے۔

مرکزی حکومت نے اب ریاستی حکومتوں کو بھی بیرونِ ممالک میں روزگار کے طالب ہندوستانیوں کے لئے کارپوریشن قائم کرنے کی صلاح دی ہے۔ ۱۹۷۸ء میں مرکزی حکومت نے بیرونِ ممالک حصول روزگار کے سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی، وجہ یہ تھی کہ بیرونِ ممالک، خصوصاً عرب ممالک میں مقیم ہندوستانی ملازمین کی کثیر تعداد ضمانت، قانونِ ہجرت کے تحت تحفظ، بھرتی کرنے والی ایجنسیوں پر نگرانی اور ان کا باقاعدہ رجسٹریشن وغیرہ جیسے مسائل سے دوچار تھی، چند ملکی ادارے بشمول پبلک سیکٹرس نے مشرق

لی اور عرب ممالک میں تعمیری کاموں کے لئے کثیر تعداد میں کنٹراکٹ حاصل
ئے تھے اور انھیں قابل افراد کی بھرتی کے لئے باقاعدہ مدد کی ضرورت
وس ہوئی، اس کے علاوہ بھرتی کرنیوالے ایجنٹوں کے لائسنس کی تجدید
بنو بھی ضروری تھی، کیونکہ صرف بمبئی سے ہی ۵ سو اشخاص نے بطور
بنٹ اپنے آپ کو رجسٹرڈ کروایا تھا۔ لیکن ان میں سے کئی ایک مشکوک
دھوکہ دہی کی کارروائیوں میں ملوث پائے گئے، یہ دیکھا گیا کہ بھرتی
والے ایجنٹ جنھیں صرف غیر ملکی مالکان سے ہی قانون کے تحت
خدمات کا صلہ وصول کرنے کا حق ہے۔ اکثر روزگار کے طالب
دے سے ہی غیر ملک میں ملازمت دلانے کے لئے بڑی بڑی رقمیں،
کہ ... ۵ روپے سے زائد وصول کیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں روزگار کے سلسلہ میں متعلقہ شخص کو حالتِ روزگار اور
م کی نوعیت کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دی جاتی تھی، نتیجہ میں
ہندوستانی غیر ممالک میں پہنچنے کے بعد ہی یہ جان پاتے کہ ان کے ساتھ
کہ کیا گیا ہے۔ کئی ایک کو تو بڑی رقمیں دینے کے بعد بھی ملازمت نہیں
جاتی۔

لہٰذا اوورسیز امپلائمنٹ کمیٹی نے قانون ہجرت میں ترمیم کے علاوہ کئی
مفید تجاویز پیش کیں تاکہ بھرتی کرنے والے ایجنٹوں کی غیر قانونی حرکات
سدِباب ہو سکے۔ سب سے اہم تجویز یہ تھی کہ بہتر اور مناسب عہدنامے
رو سے غیر ممالک میں ہندوستانیوں کو ملازمت دلانے کے لئے بھرتی کا
پبلک سیکٹر ادارے کی حیثیت سے ہاتھ میں لیا جائے۔ اس کا فائدہ
دگا کہ عوامی ادارہ ہونے کی وجہ سے اس کی کارروائیوں پر عوام کھلی
نی اور تنقید کرنے کے حقدار ہونگے۔ اور پھر چونکہ یہ ضروری نہیں کہ غیر
مالکان صرف سرکاری عہدیدار ہوں یا خود غیر ملکی حکومت ہو، نیز
لہ غیر ملکی مالکان کے ساتھ بھرتی سے متعلق ضروری شرائط کی پابندی کیلئے
نامہ کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا بجائے اس کے کہ ریاستی یا مرکزی حکومت
بھرتی کی ایجنسی کے طور پر کام کرے، یہ ذمہ داری ایک کارپوریشن ادارہ
سونپ دی گئی۔ اس طرح ریاستی حکومت قانونی عہدنامے سے
نی طور پر آزاد رہتے ہوئے بھی کارپوریشن کے ذریعہ بھرتی سے متعلق
کارروائیوں کی نگرانی کر سکے گی۔

کیرالا، تامل ناڈو اور مدھیہ پردیش کی حکومتوں نے اپنی ریاستوں
ایسے کارپوریشن قائم کئے ہیں۔ اب حکومت مہاراشٹر نے بھی ایک
ہ بنام "اوورسیز امپلائمنٹ پروموشن کارپوریشن آف مہاراشٹر لمیٹڈ"
کیا ہے۔ جس کے صدر شری نہال احمد، وزیر روزگار ہیں۔ اس ادارے
راج

میں فی الحال محکمۂ روزگار و تعلیم سے منسلک افسران کے علاوہ دیگر ڈائرکٹرز
کی تقرری ابھی باقی ہے۔

مقاصد: اس ادارے کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱) ہندوستانی ماہر و غیر ماہر افراد کے لئے غیر ممالک میں روزگار کے
مواقع تلاش کرنا۔

۲) غیر ممالک میں روزگار کے امیدوار افراد کی جانچ کر کے غیر ملکی
مالکان یا غیر ممالک میں ملازمت کا کنٹراکٹ رکھنے والے ملکی مالکان کو
مناسب امیدوار فراہم کرنا۔

۳) ہندوستانی ملازمین کو ضروری سہولیات، خصوصاً اجرت اور رہائش
فراہم کئے جانے کا تیقن کرنے کی غرض سے غیر ملکی مالکان کے ساتھ
عہدنامہ قائم کرنا۔

مندرجہ بالا مقاصد کی تکمیل کے لئے غیر ممالک میں ہندوستانی
سفارتخانوں کے ساتھ ربط رکھا جائے گا اور ان کے ذریعہ ان ممالک
میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی مالکان کے ساتھ بھی ربط رکھا
جائے گا۔ یہ اور بھی بہتر ہوگا کہ اگر غیر ممالک سے ربط رکھنے والے یا ان
ممالک کے ساتھ تاجرانہ تعلق رکھنے والے ہندوستانی معاشی و سماجی
ادارے مذکورہ کارپوریشن کے ساتھ ربط رکھیں۔

آئی ایل او شرائط کے تحت امیدواروں کی بھرتی اور مطلوب اسامیوں
کی مناسبت سے ان کی جانچ پڑتال کے لئے ضروری فیس کے علاوہ
کارپوریشن کوئی فیس وصول نہیں کرے گی۔ غیر ملکی مالکان کو امیدواروں
کی بھرتی اور جانچ پڑتال کے کام کے لئے کارپوریشن کی مطلوبہ فیس
دینا ہوگی۔ اس طرح دراصل یہ کارپوریشن غیر ممالک میں ملازمت کرنے
والے ہندوستانی ملازمین کی سرپرست ہوگی۔

حکومت مہاراشٹر نے فی الحال ۵ لاکھ روپے کا سرمایہ اس کام
کے لئے وقف کیا ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر مذکورہ کارپوریشن ایک
خدمت گذار ادارہ ہے، اور چونکہ اسے کسی قسم کی فیس امیدواروں
سے نہ لینے کا پابند کیا گیا ہے، اس کی کارکردگی سے منافع کا کوئی تعلق
نہیں ہوگا بلکہ دیکھا یہ جائے گا کہ یہ ادارہ کتنے ہندوستانی امیدواروں
کو غیر ممالک میں نفع بخش روزگار فراہم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے،
اور یہ کہ منتقل شدہ امیدواروں کے زیر سرپرستی افراد کی دیکھ بھال
کے لئے ریاست کو ملنے والی رقم، ریاست کو حاصل ہونے والے زرمبادلہ
کے نتیجہ میں حالاتِ زندگی میں بہتری اور سب سے اہم پائیدار اور تعمیری

کاموں میں اس سرمایہ کا مصرف ان تمام باتوں پر ہی مذکورہ کارپوریشن کی کارکردگی کی کامیابی کا انحصار ہوگا۔ مذکورہ کارپوریشن ریاستی حکومت کے اشتراک سے حاصل ہونیوالے سرمایہ کے مصرف کے لئے بہترین مواقع کی پیشکش کرے گی اور ایسی رقموں کے ناجائز استعمال کو روکا جائے گا جس کے نتیجہ میں جیسا کہ کیرالا میں ہوا، اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

کارپوریشن کی کارکردگی : کارپوریشن کو دیگر بھرتی کرنیوالے ایجنٹوں سے بہتر اور ایماندارانہ کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہوگا، نیز ایک طرف پاسپورٹ جاری کرنیوالے عہدیداروں اور دوسری طرف غیر ملکی مالکان کے ساتھ جو اکثر بھرتی کرنے والے ایجنٹوں کی لالچ کا شکار ہو جاتے ہیں، بہتر تعلقات رکھنے ہوں گے۔ شہر بمبئی کے عرب ممالک کے ساتھ ویسے بھی بہتر تعلقات ہیں اور آج بھی یہ شہر عرب باشندوں کا دل پسند شہر ہے اس لئے مذکورہ کارپوریشن کے لئے عرب ممالک کے مالکان کے ساتھ تعلقات بڑھا کر عرب ممالک میں روزگار کے مواقع حاصل کرنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔

تشہیر کی ضرورت : چونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک عام مہاراشٹرین باشندہ غیر ممالک میں ملازمت حاصل کرنے کے ذرائع سے ناواقف ہو، اس لئے ضروری ہے کہ مہاراشٹرین باشندوں کو غیر ممالک میں ملازمت قبول کرنے پر راغب کرنے کے لئے تشہیر، رہنمائی اور ضرورت ہو تو تربیت کا انتظام کیا جانا چاہیئے۔ اس کارپوریشن کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عام مہاراشٹرین باشندے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے گاؤں چھوڑ کر روزگار کے اس نئے مواقع سے فائدہ اٹھائیں۔

صفحہ ۱۴ سے آگے

رہ چکے ہیں۔ دہلی یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر کی حیثیت سے بھی آپ نے فرائض انجام دیئے ہیں۔ فی الحال جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے چانسلر کے عہدہ پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے بنارس میں اپنے جد امجد منشی محمد قدرت اللہ کی یاد میں ایک نرسری اینڈ گرلس اسکول قائم کیا ہے اسکول کی موجودہ عمارت جو ہدایت اللہ صاحب اور انکے برادر بزرگ جناب احمد اللہ کی مشترکہ ملکیت تھی، دونوں بھائیوں نے اسکول کے لئے وقف کر دی ہے۔ یہ اسکول "قدرت اللہ گلز تعلیم" کے نام سے موسوم ہے۔ اسکول کی نئی عمارت (جس کی تعمیر کا تخمینہ پندرہ لاکھ روپیے ہے) کا سنگ بنیاد گذشتہ سال ۱۳ مارچ ۱۹۷۸ء کو متحدہ عرب امارات کے سفیر برائے ہند جناب شیخ محمد عبداللطیف راشد صاحب نے رکھا ہے۔

مطالعہ اور تصنیف و تالیف ہدایت اللہ صاحب کا پسندیدہ شغل ہے۔ اپنی گوناگوں مصروفیات سے جو وقت بچتا ہے اس میں آپ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا ذوق آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ شیکسپیئر، گورونانک اور ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ جونیئر پر آپ نے عمدہ مقالے لکھے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے ایک کتاب "۳۵ دن بہ حیثیت صدر جمہوریہ ہند" کے نام سے تصنیف کی ہے۔ آپ کی دیگر مطبوعات یہ ہیں:

(1) Democracy in India & The Judicial Process.
(2) The South-West Africa Case.
(3) A Judge's Miscellany.
(4) Mulla's Mohammaden Law (16 & 17 Edns) (Editor)
(5) U.S.A. & INDIA.

ہدایت اللہ صاحب کو ڈاکٹر ذاکر حسین کے انتقال کے بعد ہندوستان کا قائم مقام صدر جمہوریہ بنایا گیا تھا۔ اس عہدۂ جلیلہ پر آپ ۳۵ دن (جولائی۔ اگست ۱۹۶۹ء) تک فائز رہے۔ اس زمانہ میں آپ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی تھے۔ اس طرح آپ کو ملک کے دو سب سے اہم اور اعلیٰ ترین عہدوں پر بہ یک وقت کام کرنے کا موقع ملا۔ قوموں کی تاریخ میں ایسے مواقع شاذ و نادر ہی آتے ہیں۔ آپ نے بینکوں کو قومی ملکیت قرار دیئے جانے پر بحیثیت صدر دستخط کئے تھے۔ نیز امریکہ کے صدر رچرڈ نکسن کے دورۂ ہند کے موقع پر بحیثیت صدر جمہوریہ ہند ان کا استقبال کیا تھا۔

ضروری گذارش

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام رقم خریداری روانہ فرمانے والے حضرات سے: پتہ، پن کوڈ نمبر ضرور تحریر فرمایئے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ نام، پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کیا جانا ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر پتہ لکھا ہو تو فوراً "قومی راج" جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

بیکٹیریا

ہمارے دوست

• جاوید احمد سعیدی کامٹوی
قلندریہ جونیر کالج، منگرول پیر (آکولہ)

چند سادہ قسم کے پودوں کا جسم ریشہ نما ہوتا ہے جو ابتدائی قسم کے پودوں میں شمار کئے جاتے ہیں بیکٹریا بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کائی، پھپھوند، وائرس (جراثیم) جیسے نباتات بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ بیکٹریا نظر نہ آنے کے باوجود انسانی زندگی میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ آیئے اُن کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کریں۔

بیکٹریا کا جسم صرف ایک خلیہ Cell پر مشتمل ہوتا ہے اور اسے برہنہ آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا اس لئے انھیں "یک خلوی نباتات" کہتے ہیں۔ یہ اتنے مہین ہوتے ہیں کہ ایک پن کی نوک پر تقریباً ۱۰۰۰ بیکٹریا سما سکتے ہیں۔ یہ تقریباً ہر اس جگہ جہاں بھی زندگی کا امکان ہو حتیٰ کہ مُردہ جانوروں اور پودوں کے اجسام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے اِردگرد ہوا، پانی، زمین، خورد نی اشیاء کے علاوہ انسان سمیت کئی جانداروں کے جسموں میں پائے جاتے ہیں۔ پھل، سبزیوں اور پودوں کے سڑتے گلتے حصّوں پر بھی ان کا وُجود ممکن ہے۔

بیکٹریا کی تقسیم ان کی جسمانی بناوٹ پر کی گئی ہے۔ ان کی ہیئت گول، پیچ دار، چکر دار، سکتہ نما ہو سکتی ہے۔ خلیہ، کائیٹن Chitin نامی ایک سخت شے سے بنا ہوتا ہے اور ان میں سبز مایہ (کلوروفل) نہیں ہوتا ہے جو کہ عام سبز پودوں کے پتوں میں ملتا ہے لہذا یہ اپنی غذا تیار کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ اپنی غذائی ضرورت دوسرے پودوں اور جانوروں سے غذائی رَس چوس کر پوری کرتے ہیں اور اس طرح ان پر طفیلی زندگی گذارتے ہیں۔ بعض بیکٹریا گندخور / Saprophytic ہوتے ہیں یعنی سڑی گلی اشیاء اور کوڑا کرکٹ سے اپنی غذا حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان کے غذائی استحصال اور خلیہ میں خارج کردہ رطوبت یا زہر Toxin کے باعث انسانوں، ان کے پالتو جانوروں اور پودوں میں کئی قسم کی بیماریاں پھیلتی ہیں جن میں سے بعض بیماریاں وبائی صورت بھی اختیار کر لیتی ہیں اس لئے انھیں "اَن دیکھے دشمن" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیکٹریا کی اسی خصوصیت نے انسانی توجہ اس کے گہرے اور قریبی مطالعہ کی طرف مبذول کی۔ یہ بیکٹریا ہوا، پانی، اناج یا زخم کے ذریعہ انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں۔ انسانوں میں پھیلنے والے عام امراض جیسے ہیضہ، نمونیہ، ٹائیفائڈ، میعادی بخار، دِق (T.B.) سرسام، ڈیفتھیریا، اسہال (پیچش) جذام، طاعون، ٹیٹانس، بیکٹریا کے ذریعے لاحق ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں غذائی زہر آلودگی اور خون کے سُرخ ذرات کی تباہی کے ذمہ دار بھی یہی ہوتے ہیں۔

طفیلی بیکٹریا مختلف پودوں پر حملہ آور ہو کر ان میں بعض بیماریاں اور نقائص پیدا کرتے ہیں۔ تمباکو، لیمو، سنگترہ، ناشپاتی، آلو، گوبھی وغیرہ کو داغدار بنا کر ناقابلِ استعمال بنا دیتے ہیں۔

انسانی زندگی میں ایسے مُضر اثرات رکھنے کے باوجود بیکٹریا کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے بیکٹریا کی تعداد قابلِ لحاظ ہے جو ہمارے لئے کئی اعتبار سے مفید اور بہت سے تعملات میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، خاص طور پر زراعت، میڈیکل سائنس اور بعض صنعتوں میں ان کی اہمیت مُسلّم ہے۔

فضا میں پڑے ہوئے پودوں اور جانوروں کے مُردہ اجسام پر مختلف قسم کے بیکٹریا مخصوص تعملات کے نتیجہ میں ہوا میں نائٹروجن گیس دوبارہ لوٹا دیتے ہیں، اور اس طرح نائٹروجنی چکر Nitrogen Cycle کو گردش میں رکھتے ہیں۔ چند بیکٹریا سبز پودوں کے لئے ایسی قابلِ استعمال اشیاء تیار کر کے انھیں بہم پہنچاتے ہیں جو فضا میں یوں ہی بیکار پڑی ہوتیں۔ زمین میں مختلف کیمیائی، طبیعی اور حیاتی افعال و اعمال کی بدولت زرخیزی میں اضافہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سبز پتوں، سبز ترکاریوں کے

ڈنٹھل، گوبر، فضلات، کوڑا کرکٹ وغیرہ کو جزوی یا کُلّی طور پر کھاد میں تبدیل کرنے کا اہم کام بھی انجام دیتے ہیں، مختصراً یہ کہ وہ فضا کی گندگی کو صاف کر کے جہاں ایک طرف قدرتی توازن کو برقرار رکھتے ہیں، تو دوسری جانب آلائش اور گندگیوں سے ہماری فضا کو صاف کر کے ہمارے لئے ایک صحت مند ماحول تیار کرتے ہیں اس لئے انھیں "قدرتی خاکروب" ("Natural Scavangers") کہا جاتا ہے۔

اب ایسی صنعتوں اور کارخانوں کی طرف آیئے جو ان ننھے مُنّوں کی مرہونِ منت ہیں۔ مکھن، پنیر، اچار، سرکہ، الکحل (شراب) وغیرہ کی تیاری میں بیکٹیریا ہماری مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح پٹ سن، چائے، کوکو، کافی وغیرہ کے قابلِ استعمال حالت میں حصول کے لئے اور "چمڑا کمانے" میں بیکٹیریا کی مدد ناگزیر ہے۔ تمباکو کے پتوں پر خاص قسم کے بیکٹیریا عمل کر کے تمباکو تیار کرتے ہیں۔

بیکٹیریا کی کچھ انواع میڈیکل سائنس اور ادویات کی دنیا میں بڑا اہم مقام رکھتی ہیں۔ امراض کے علاج کے لئے جن مفید دواؤں کا استعمال آجکل زیادہ ہو رہا ہے ان میں جراثیم کش دوائیں Antibiotics سرِ فہرست ہیں۔ پینی سیلین اور اسٹرپٹو مائسین جیسی مشہور زمانہ دوائیں نمونیا، ڈفتھیریا، ٹی بی، ٹائیفائڈ جیسے خطرناک امراض سے کروڑوں انسانوں کی جانیں بچانے کی ذمہ دار ہیں۔ انسانی جسم خصوصاً آنتوں میں بسنے والے ان گنت بیکٹیریا بعض ایسی بیماریوں کی روک تھام کرتے رہتے ہیں جو جراثیم اور نقصان دہ بیکٹیریا سے پھیلتی ہیں۔ ہمارے جسم کے بہت سے افعال خصوصاً عملِ انہضام، انجذاب اور خامروں Engymes کے افراز میں بھی یہ مددگار ثابت ہوتے ہیں جیسے چھوٹی آنت میں موجود بیکٹیریا حیاتین ب (Vitamin B) تیار کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ نادیدہ جاندار ہماری صحت اور ہماری فضا و ماحول کو ٹھیک ڈھنگ سے چلانے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ ●●

(بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے)

بشریز نے مقامی لوگوں کو حکومت کی جانب سے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ اس طرح لوگوں کی ہمت بندھی اور انھوں نے پوری تندہی اور انہماک سے کام شروع کیا اور مونسون سے قبل ہی مکمل کر لیا۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ کاٹلا، راہو اور گرگل قسم کی افزائشِ نسل کے قابل مچھلیاں اس تالاب میں ڈالی گئیں۔

کوکن کے علاقہ میں جو کہ معاشی طور پر پسماندہ علاقہ ہے مونسون کے انحصار پر دھان کی کاشت کی جاتی ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے کئی ایک دیہاتوں میں بے شمار چھوٹی جھیلیں اور تالاب یوں ہی بغیر کسی استعمال کے پائے جاتے ہیں۔ ان تالابوں میں میٹھے پانی کو مچھلیاں پالنے کے لئے اگر چھوٹے پیمانے پر بھی استعمال کیا جائے تو دیہی باشندوں کو مقوی غذا یعنی پروٹین کافی مقدار میں حاصل ہو سکتا ہے۔ ایسی غذا نہ صرف یہ کہ زود ہضم ہے بلکہ بچوں اور زچہ ماؤں کے لئے خصوصاً توانائی بخش ہے۔ نیز مچھلیوں کے کاروبار سے مقامی ماہی گیروں کو معاون روزگار اور زائد آمدنی کا ذریعہ حاصل ہوگا جس سے علاقے کی ترقی کے کاموں میں مزید مدد ملے گی۔

ایسے تجربات اگر کامیاب ثابت ہوئے تو دیگر مقامات کے لوگ بھی غیر استعمال ذرائع کو کار آمد بنانے کی طرف توجہ دیں گے۔ ●●

نومی راج

ضروری گذارش:

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت 'حوالہ نمبر' ضرور تحریر فرمائیں' جو آپ کے خط یا رسالہ کے ریپر کے اوپر درج ہوتا ہے۔

جواب طلب اُمور کے لئے جوابی خط/لفافہ یا ڈاک ٹکٹ روانہ فرمانے کی زحمت نہ فرمائیں۔

منی آرڈر کوپن پر (جو منی آرڈر فارم کے آخر میں ہوتا ہے) ہمیشہ اپنا نام و پتہ صاف صاف اُردو، مراٹھی، ہندی یا انگریزی میں ضرور تحریر فرمائیں۔

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:-

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،
گورنمنٹ آف مہاراشٹر،
منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

میل گھاٹ کی جنگلاتی دولت

***

مہاراشٹر میں جنگلاتی حصّہ کا ۲۰ فیصدی وِدربھ علاقہ میں واقع ہے جوکہ خاص طور پر ضلع امراؤتی میں آتا ہے اس ضلع کی جغرافیائی اراضی پر جنگلات کا فیصد ۳۰ ہے جس میں سے ۸۰ فیصد صرف ایک تحصیل کے تحت آتا ہے اور وہ ہے میل گھاٹ۔ اس مضمون میں یہاں کے چرند پرند و نباتات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

یہ جوگھاٹوں کے ملنے کا مقام ہے (جیسا کہ لفظ 'میل' سے ظاہر ہے) پورا
اڑیوں، وادیوں کی مختلف لمبائیوں و چوڑائیوں پر مشتمل ہے۔ میل گھاٹ
ا نات و نباتات سے کافی بھرا ہوا ہے۔ یہ خاص طور پر خشک پت جھڑ
ے جنگلات پر مشتمل ہے۔ جو خاص خاص درخت وہاں ملتے ہیں ان میں ساگون'
د، کالم، عین' دھاوڑا، موائی، سلائی، لینڈیا تیوس' وغیرہ ہیں۔ بانس بھی ہوتا
ہ اور جہاں بانس نہیں ہے وہاں گھاس بھرپور ہے۔

ساگون کی پیداوار

ریاست میں یہ ایک واحد مثال ہے کہ اتنے بڑے علاقے میں جس میں بیش قیمت جنگلات کا ایک مربوط علاقہ ہے انتظامیہ کے انتخابی طریقے پر محکمہ جاتی طور پر کام ہوتا ہے۔ ساگون لکڑیوں کی اقسام میں سب سے قیمتی' میل گھاٹ میں ۶۰ فیصد پائی جاتی ہے۔ ساگون لکڑی کی سالانہ پیداوار اتنی زیادہ ہے کہ اس کو لے جانے کے لئے تقریباً آٹھ ہزار ٹرک درکار ہوں گے۔ یہ پیداوار مکعب میٹر کے ضمن میں تقریباً ساٹھ ہزار مکعب میٹر ہوتی ہے جبکہ غیر ساگون لکڑی دس ہزار مکعب میٹر

ہوتی ہے۔ تقریباً ۵ ہزار میٹرک ٹن بانس کاغذ ملوں کو سالانہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی استعمال کے لئے دو ہزار میٹرک ٹن بانس حاصل کیا جاتا ہے۔ ودربیہ وینیرز انڈسٹریز لمیٹیڈ، پراسپس ٹمبر پروڈکٹ لمیٹڈ دیگر صنعتیں ہیں جو کہ اپنا خام مال اس خطہ سے حاصل کرتی ہیں جن کو بالترتیب چھ ہزار اور ڈیڑھ ہزار مکعب میٹر لکڑی سالانہ ملتی ہے۔

جنگلوں پر منحصر صنعتیں: جنگلات پر منحصر صنعتوں کے قیام کو پھلنے پھولنے کے بہت مواقع ہیں۔ موجودہ جنگلات کی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کئی چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں، جیسے اوزاروں کے دستے، دروازے اور کھڑکیوں کے چوکھٹے، زراعتی آلات، آرائشی اشیاء و فوٹو فریم، شٹل اور بابن، جوتوں کے فرمے، موہوا تیل، اسٹرا بورڈ اور کاغذ، پیکنگ کیس وغیرہ۔ روزا تیل، جو کہ روزا گھاس سے کشید کیا جاتا ہے وہ ۲۵۰ - ۳۰۰ روپے فی کلو گرام فروخت ہوتا ہے۔ یہ خوشبوؤں میں استعمال ہوتا ہے اور غیر ملکی منڈی میں اسکی کھپت ہے۔

فی الحال میل گھاٹ میں واقع لکڑی کی قیمت موجودہ قیمت کے لحاظ سے ۴۰۰ کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع ہیں جن سے کافی آمدنی کی امید کی جا سکتی ہے۔

جنگل کو مزید دولت مند بنانے کی غرض سے اس علاقے میں ساگون کے نئے درخت لگانے کا کام شروع کیا گیا ہے۔ اب تک ۳،۷۵۵ ہیکٹر اراضی پر ساگون کے درخت لگائے گئے ہیں جن کا سالانہ نشانہ ۱۷۵ ہیکٹر ہے۔ اس وقت ساگون سے سالانہ محصول تقریباً چھ کروڑ روپے حاصل ہوتا ہے، جبکہ خرچہ ۱۶،۲۵ کروڑ روپے کا ہے۔

دو شہتیر یونٹیں، ایک پرتواڑا اور دوسری اکوٹ میں قائم کی گئی ہیں تاکہ بالترتیب مشرقی میل گھاٹ اور مغربی میل گھاٹ کے کام کر سکیں اور شہتیر کی صلاحیتوں میں ترقی لائی جا سکے۔ کھینچنے اور اٹھا کر لے جانے کے کام میں ٹرکوں اور ٹریکٹروں کی ایک پوری فلیٹ نیز چھ عدد ہاتھیوں سے مدد لی جاتی ہے۔

فروخت کے ڈپو، سیمادوہ، دھرنی، اکوٹ اور پرتواڑہ میں واقع ہیں۔ مشرقی میل گھاٹ کے لئے پرتواڑہ (اچل پور کیمپ) خاص فروخت ڈپو ہے اور اس ڈپو میں سالانہ تقریباً ۲۵ سے ۳۰ ہزار مکعب میٹر لکڑی فروخت کی جاتی ہے۔

پرتواڑہ میں واقع یکجہت یونٹ جو کہ ڈپو کی دیکھ بھال کرتی ہے اس کے پاس ایک آرہ مل بھی ہے اور موسمیانے کا انتظام بھی ہے، نیز فرنیچر کا شعبہ بھی ہے۔ آرہ مل سکشن سرکاری محکموں اور کارپوریشنوں کی چیری ہوئی لکڑی کی ضرورت پوری کرتا ہے۔ سالانہ ۱۵۰۰ سے ۱۶۰۰ مکعب میٹر چیری ہوئی لکڑی فراہم کی جاتی ہے۔

فرنیچر سیکشن دروازوں اور کھڑکیوں کے چوکھٹے شٹرز تیار کرنے کے علاوہ اچھی فرنیچر بھی تیار کرتا ہے۔ اس سیکشن سے سالانہ فروخت پانچ سے چھ لاکھ روپے تک ہوتی ہے۔

مختلف حیوانوں اور پرندوں کا مسکن

میل گھاٹ کی جنگلاتی دولت کا حساب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہاں پائے جانے والے مختلف جانوروں و پرندوں کا ذکر نہ کیا جائے۔ یہ شیر کا مشہور مسکن ہے جس پر چمکدار کالی دھاریاں ہوتی ہیں اور خوبصورتی و شان و شوکت سے بھرپور ہوتا ہے، تیندوا، جنگلی بھینسا جو کہ موجودہ دور کا سب سے اونچا اور شاندار جانور ہے۔ بھالو، سانبھر، بھونکنے والا ہرن، چار سینگوں والا ہرن اور جنگلی سور۔ میل گھاٹ پراجیکٹ ٹائگر جو کہ سائنٹیفک منصوبے پر منحصر ہے، امید ہے کہ اس سے شیروں کی تعداد میں اضافہ ہوگا جو کہ کم ہوتے جا رہے ہیں۔

شیروں کی تعداد جو کہ ۷۴-۱۹۷۳ء میں صرف ۳۲ تھی وہ میل گھاٹ ٹائگر ریزرو میں بڑھ کر اب ۶۳ ہو گئی ہے۔ اب تک جو نتیجے حاصل ہوئے وہ حوصلہ افزا ہیں اور آنے والے وقت میں علاقے کی جنگلاتی دولت میں کافی اضافہ ہونے کی امید ہے۔

☆☆☆☆☆

عبد السمیع لوہارے

تُلسی داس اور رام چرت مانس

تصنیف : ڈاکٹر صفدر آہ
ناشر : مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سینٹر، بمبئی ۴۰۰۰۰۲
قیمت : پندرہ روپے

تُلسی داس اور رام چرت مانس، ڈاکٹر صفدر آہ کی ایک ایسی قابل قدر تصنیف ہے جو محققین، دانشوروں اور نقادوں کو دعوت فکر دیتی ہے اور ادب و تحقیق کے طلباء کو علم و تحقیق کا ایک بیش بہا خزانہ عطا کرتی ہے۔ مذکورہ کتاب دراصل محترم ڈاکٹر صفدر آہ صاحب کے اُن تنقیدی و تحقیقی مقالات کی ایک کڑی بن گئی، جو عرصہ تک قلم بند کرتے رہے۔ مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ اور اب ایک وقیع اہمیت کی حامل کتاب کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

بیس کے قریب تصانیف کا اُردو ادب میں اضافہ کرنے والے ڈاکٹر صفدر آہ اُردو والوں کے لئے نئے نہیں۔ اس سے قبل ایک اور قابل قدر تصنیف "میرا اور میریات" نے اُردو کے ادبی حلقوں میں قبولیت پائی ہے۔

"تلسی داس اور رام چرت مانس" کے مطالعہ سے چند باتیں ہم پر واضح ہوتی ہیں کہ (۱) فاضل مصنف اس پیرانہ سالی میں خم ٹھونک کر میدان میں آئے ہیں اور موضوع سے صرف انصاف ہی نہیں کیا بلکہ اس موضوع پر اپنی تصنیف کو حرفِ آخر ثابت کیا۔

۲) یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا قلم (عادتاً یا ارادتاً) اکثر و بیشتر تنقید کے ضمن میں بہت سخت ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا مزہ صرف وہی لے سکتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی شخصیت یا تحریر سے واقف ہیں۔ بعض اوقات ڈاکٹر صاحب کے یہ جملے مزا دے جاتے ہیں۔

(الف) " (تُلسی چرت) یہ ضخیم کتاب اپنے بے سرو پا مواد اور ضخامت کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی۔"

(ب) "...اس کتاب کا مواد یک لخت غلط ہے"

(ج) "شاعر سطحی ہے...."

(د) "کسی شاعر کے موضوع پر شاید ہی اتنی جعلی کتابیں مل سکیں جتنی تلسی کے موضوع پر ہیں۔"

(ھ) "یہ تینوں کتابیں (مول گسائیں چرت کے تین مختلف ایڈیشن) کسی ایک ہی خیال کے تین زینے معلوم ہوتے ہیں۔"

۳) ڈاکٹر صاحب نے تُلسی کے عہد کا پس منظر، تلسی کی حیات، تُلسی پر کام، تلسی کی زبان، تلسی کی تصانیف، تلسی اور سور، رام چرت مانس، اور مانس پر متعلقہ مباحث پر جس عرق ریزی سے کام کیا ہے بلاشبہ انھوں نے تنقید و تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

۴) ڈاکٹر صفدر نہ صرف اُردو کے ممتاز محقق ہیں بلکہ اردو کے ساتھ ہی انھیں اودھی، برج اور ہندی زبانوں پر بھی عبور حاصل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اسی علمی لیاقت نے بقول ڈاکٹر عبد الستار دلوی (پیش لفظ) "برسوں کی کاوش کے بعد یہ تحقیقی شاہکار مرتب کیا ہے۔"

۵) ڈاکٹر صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں اس سے "تلسی کے بعد کا پس منظر" اور "تلسی کی حیات" پر مفروضات کی قلعی کھل جاتی ہے اور مزید دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۶) بحث، تنقید یا تحقیق کے ابتدائی مرحلے یا پیچیدگیوں کو سہل ممکنہ سے کس طرح قاری کے سامنے پیش کیا جائے یہ کتاب تحقیق کے میدان میں نئے آنے والوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے۔

۷) ڈاکٹر صاحب نے تلسی اور جائسی، تلسی اور سور، ان دو عظیم شاعروں کے فن کا تلسی کے فن کے ساتھ جو تقابلی موازنہ کیا ہے، وہ حاصل مطالعہ ہے۔

۸) "مانس کی روسی بھومیکا" میں تُلسی پر کام کرنے والے روسی پروفیسر برونی کاف کو "تلسیات" میں صفر ثابت کیا ہے۔ اور اس کی تحقیق کی بنیاد مفروضات اور غلط باتوں پر قائم ہے، یہ بات پہلی بار تلسی پہ

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

• بجسؔ الٰہ آبادی
انٹاپ ہل، وڈالا، بمبئی ۳۷

ہم ہوں کیوں مایوس اگر ہیں وقت کے گیسو برہم برہم
کیا کرلے گی گردشِ دوراں حوصلے گر ہیں محکم محکم

اہلِ خرد سوچا ہی کئے اور اہلِ جنوں جا پہنچے کہاں تک
دنیا پہ سب کر دیئے روشن تھے جو حقائق مُبہم مُبہم

چشمِ بصیرت ہو تو جہاں میں پردہ کوئی بھی چیز نہیں ہے
غور سے دیکھو تو ہر شے میں ذوقِ نمو ہے مدغم مدغم

کِس نے شب بھر اشک بہائے اہلِ چمن کو اِس کی خبر کیا
وقتِ سحر سب دیکھ رہے ہیں سبزہ و گُل پر شبنم شبنم

اہلِ وفا ہر راہ گذر میں نقشِ قدم چھوڑ آئے ہیں اپنے
بعدِ فنا بھی ذکر ہمارا ہوتا رہے گا عالم عالم

برہم ہو گئی انجمن شب وقتِ سحر نزدیک ہے بجسؔ
چاندنی ہے کچھ پھیکی پھیکی تارے بھی ہیں مدھم مدھم

• محبوب راہیؔ
نزد گلزاری مسجد۔ بارسی تاکلی
ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

بے بسی اپنا مقدر ہی سہی، ہے تو سہی
حال بہتر نہیں بدتر ہی سہی، ہے تو سہی

ہم تو یہ کہہ کے قناعت کا بھرم رکھتے ہیں
سر پہ اِک پھُوس کا چھپّر ہی سہی، ہے تو سہی

کیا ضروری ہے، ملے سب کو گلوں کی سوغات
اپنی تقدیر میں پتھر ہی سہی، ہے تو سہی

تشنگی کے لئے تسکین کا سامان تو ہے
سامنے تُرش سمندر ہی سہی، ہے تو سہی

کوئی اپنا بھی ہے دنیا میں یہ احساس تو ہے
میرا معشوق سِتمگر ہی سہی، ہے تو سہی

کچھ تعلق تو ہے اس سے کوئی نسبت بھی تو ہے
وہ مری آنکھ کا کنکر ہی سہی، ہے تو سہی

مرتبہ میرا بھی دنیائے سخن میں راہیؔ
غالبؔ و میرؔ سے کمتر ہی سہی، ہے تو سہی

• نیاز علی نیاز

جوڑی محل، بالاپور
ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

نقل میں آبرو نہیں ہوتی
کاغذی گل میں بو نہیں ہوتی

لالہ و گل ہو یا ہو رنگِ شفق!
آرزو کب لہو نہیں ہوتی

سجدۂ عشق میں سب ہوتا ہے
جنبشِ سر بہ مو نہیں ہوتی

آئینہ رو برو تو کرلیں مگر
آپ سے گفتگو نہیں ہوتی

پیٹھ پیچھے ہماری باتیں ہیں
بات کیوں دو بدو نہیں ہوتی

نیاز خود کا پتہ جو مل جائے
پھر کوئی جستجو نہیں ہوتی

• رفیق شاکر

قدیم فائل، کھام گاؤں (مہاراشٹر)

ہلچل سی مچاتی ہے جذبات میں انگڑائی
سو فتنے جگاتی ہے رنگینی و رعنائی

پھر آئی شبِ فرقت پھر ہے غمِ تنہائی
پھر درد اٹھا دل میں پھر یاد تری آئی

جب اپنی حقیقت کو پروانہ بھلا بیٹھا
شعلے پہ لپکنے کی فوراً ہی سزا پائی

ہر آنکھ میں شعلے ہیں ہر ہاتھ میں پتھر ہے
کیا جانے کیا ہوگا اب کے جو بہار آئی

طوفان اُٹھاتے ہیں شیشے کے بدن والے
کیا حشر بداماں ہے ظالم تری انگڑائی

گلشن کے محافظ ہیں نفرت نہ کرو اِن سے
آغوش میں کانٹوں کے غنچوں نے اماں پائی

آخر ترے شعروں میں کیا بات ہے اے شاکر
سن کر جسے بنتے ہیں اغیار بھی شیدائی

• کیفی اسماعیلی

نیا گودام، کامٹی، ضلع ناگپور (مہاراشٹر)

پھول پھل کر تو ہم اب سوکھ چلے
ہائے وہ غنچے جو پھولے نہ پھلے

شرط ہے عزم کے سانچے میں ڈھلے
ورنہ جینے کا کوئی نام نہ لے

منزل آجائے گی قدموں کے تلے
آدمی وقت کے ہمراہ چلے

دیکھتا کون ہمارا چلنا
ہم تو اے دوستو بے آگ جلے

ہم نے دیکھی ہے زباں کی تیزی
کٹ گئے کتنے ہی بے تیغ گلے

میں اگر دل سے نکالوں اے دوست
پھر کہاں جا کے ترا درد پلے

کتنی دشوار تھی میری منزل
جتنے ساتھی ملے دو گام چلے

یہ اندھیرا نہ رہے اے کیفی
شمع اخلاص جو ہر دل میں جلے

آل انڈیا خلافت کمیٹی کی طرف سے ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، محنت، اوقاف، پروٹوکول کے اعزاز میں حج خیر سگالی وفد کی قیادت کرنے کیلئے منتخب کئے جانے پر ایک عشائیہ ترتیب دیا گیا جس میں مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی صاحب نے شرکت فرمائی زیر نظر تصویر میں (دائیں سے بائیں) سعودی عرب کے قونصل جناب الشبلی، آل انڈیا سنٹرل خلافت ٹرسٹ کے چیرمین ڈاکٹر رفیق زکریا (ایم پی)، گورنر مہاراشٹر شری صادق علی ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا اور شری اسماعیل کانگا دیکھے جا سکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں اسلام جمخانہ میں بھی ایک عشائیہ دیا گیا۔ جس میں وزیر اعلی شری شرد پوار، ڈاکٹر اسحق جمخانہ والا کو ہار پہنا رہے ہیں۔

خبریں - تصویروں میں

۱۰ راکتوبر ۱۹۷۹ء کی سہ پہر کو پاکستان کے مشہور شاعر حضرت قتیل شفائی کے اعزاز میں مہاراشٹر کے وزیر مملکت ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا نے ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے پریویو تھیٹر میں ایک عصرانہ دیا۔ اختتام پر انھیں ایک رنگین ڈاکومینٹری فلم "راجہ کیلکر میوزیم" بھی دکھائی گئی۔ زیر نظر تصویر میں (دائیں سے) شری ونائیک راؤ پاٹل وزیر مملکت برائے صنعت، ثقافتی امور یوتھ سروسیز و اسپورٹس، ڈاکٹر جمخانہ والا، حضرت قتیل شفائی اور مائک پر خواجہ عبدالغفور دیکھے جا سکتے ہیں۔

۱۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو بمبئی میں جو پارٹی پر تمام سیاسی
دں نے آنجہانی جے پرکاش نرائن کو خراج عقیدت
ں کیا۔ زیر نظر تصویر میں مہاراشٹر کے گورنر شری
رق علی تعزیتی جلسہ میں حاضرین سے مخاطب ہیں۔

بامبے مرکنٹائل کوآپریٹو بینک لمیٹڈ کے
مینیجنگ ڈائرکٹر شری زین۔ جی رنگون والا،
وزیر اعلیٰ شری شرد پوار کو ودربھ میں سیلاب سے
متاثر افراد کی امداد کے لئے ۱۱ ہزار روپے کا چیک
پیش کر رہے ہیں، درمیان میں مہاراشٹر کے وزیر
مملکت برائے ہاؤسنگ، ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ
والا بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

شری پی۔ جی سالوی، سکریٹری محکمۂ داخلہ نے ۱۹ اکتوبر
۱۹۷۹ء کو برلا کریڈ اکیڈمی، بمبئی میں "گولڈن جوبلی رنگولی
آرٹ اگزی بیشن" کا افتتاح کیا۔
گنونت منجر یکر گنگو راؤ سمیتی نے اس نمائش کا اہتمام
کیا تھا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

حکومت فرانس کی جانب سے وظائف

ہندوستانی باشندوں کو حکومت فرانس کی جانب سے اعلیٰ تعلیم / تربیت برائے سال ۸۱-۱۹۸۰ء کے لئے خالص حساب ایرو ناٹیکل انجینئرنگ، کمپیوٹر سائنس، فزیکل (سولڈ اسٹیٹ / فزیکس آف لیزرس) الیکٹرونکس (ٹیلی کمیونیکیشن / مائکرو - الیکٹرونکس) اکونوفکس اور شیبوگرافی، مائکرو بائیلوجی، ایگریکلچرل سائنس اور فاریسٹری (پلانٹ پاتھولوجی سلویکلچر) تاریخ فرانس (بشمول فرانسیسی مصوری و سنگتراشی) مضامین میں ۱۸ وظائف دینے کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔

یہ وظائف پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ میں ایک سال کی مدت کیلئے اور فرانس میں ڈاکٹوریٹ کی تیاری کے لئے ۲ تا ۳ سال کے لئے ہوں گے۔ یکم ستمبر ۱۹۸۰ء تک امیدوار کی عمر ۳۰ سال سے کم نہ ہونا چاہیئے (مندرجہ جانبوں اور قبیلوں کے افراد کے لئے انتخابی کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق لیاقت کی بنیادوں پر عمر میں دو سال کی رعایت دی جاسکتی ہے۔)

فائن آرٹس کے علاوہ باقی کے تمام مضامین میں امیدوار کو پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ کے لئے پی ایچ ڈی کی ڈگری یافتہ ہونا ضروری ہے۔ امیدوار کے لئے فرانسیسی زبان کا جاننا ضروری ہے۔ انھیں فرانسیسی زبان کا امتحان فرنچ ایمبسی میں انٹرویو سے ایک دن قبل پاس کرنا ہوگا۔

مقررہ اکادمی قابلیت ایم / فلاسفی / پی ایچ ڈی جو کہ دو سالہ تجربہ گنی جائے گی ورنہ امیدواروں کو سوائے فائن آرٹ کے تمام دیگر مضامین میں اپنے منتخبہ مضامین کے میدان میں کم از کم ۲ سالہ ریسرچ / تدریسی / پریکٹیکل تجربہ ہونا ضروری ہے۔ مقررہ فارم ۵ ر نومبر ۱۹۷۹ء تک فراہم کئے جائیں گے اور ۱۲ ر نومبر تک بھرے ہوئے فارم قبول کئے جائیں گے۔

درخواست فارم اور دیگر تفصیلات کے لئے امیدواروں کو چاہیئے کہ اپنا پتہ لکھا ہوا بغیر ٹکٹ لگا یا لفافہ (۲۳ سی ایم × ۱۰ سی ایم) برائے "فرنچ گورنمنٹ اسکالرشپ ۸۱-۱۹۸۰ء" واضح کر کے منسٹری آف ایجوکیشن اینڈ سوشیل ویلفر (محکمۂ تعلیم، سیکشن ای۔ ایس آئی روم ۵۱۴ 'بی' ونگ شاستری بھون، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱ کو روانہ کریں۔

دستکاری میں قومی انعام

کل ہند ہینڈی کرافٹ بورڈ، نئی دہلی کو سال ۸۰-۱۹۷۹ء میں بہترین اور غیر معمولی اشیاء تیار کرنے والے ماہر دستکاروں سے دستکاری اشیاء کے داخلے مطلوب ہیں۔

بمبئی کے ماہر دستکاروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر آف انڈسٹریز (ایچ سی ٹی) سے نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، مقابل منترالیہ بمبئی ۴۰۰۰۳۲ پر رابطہ قائم کر کے پرد فارم بھریں اور درخواستیں داخل کریں، آخری تاریخ ۱۵ ر نومبر ہے۔

کل ہند دستکاری ہفتہ

کل ہند دستکاری ہفتہ پورے ہندوستان میں ۸ ر سے ۱۵ ر دسمبر تک منایا جائے گا۔

اس ہفتہ کے دوران ریاستی حکومت سے تسلیم شدہ ایجنسیوں اور امپوریا کے ذریعہ فروخت ہونیوالی دستکاری کی اشیاء پر ۵ فیصد چھوٹ دی جائے گی۔ اس ہفتہ کے دوران تمام اضلاع میں دستکاری کی نمائش، سمینار وغیرہ منعقد کئے جائیں گے۔

بمبئی میں ریاستی سطح کی دستکاری نمائش و فروخت مہم اور مقابلہ سی۔ جے ہال، میوزیم میں مہاراشٹر اسمال اسکیل انڈسٹریز ڈیولپ منٹ کارپوریشن لمیٹیڈ کی مدد سے منعقد کیا جائے گا۔ جو مقابلے میں شرکت کرنا چاہیں وہ اپنی دستکاری کی اشیاء لے کر سی۔ جے ہال پر ۸ ر دسمبر کو دن کے گیارہ اور پانچ بجے کے درمیان آجائیں۔

پرانی عمارتوں کی لکڑیوں پر نقاشی کے تحفظ کے لئے اسکیم

حکومت مہاراشٹر نے پرانی عمارتوں میں لکڑیوں پر نقاشی کے کاموں کے تحفظ کی خاطر جو کہ ریاستی روایتی منظر کے نادر نمونے ہیں، ایک اسکیم وضع کی ہے جس پر گاہے بگاہے عمل کیا جائے گا۔

اس اسکیم کے تحت امسال سب سے پہلے ہولکر کا باڑہ جو مراٹھواڑہ میں چینوڈ مقام پر ہے اس مقصد کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ ایک ٹیچر اور سات فن نقاشی میں پوسٹ گریجویٹ طلبہ کی ایک ٹیم کو منتخبہ لکڑی کے کاموں کے ڈرائینگ اور اسکیچ تیار کرنے نیز پلاسٹر وغیرہ بنانے کا کام سونپا جائے گا۔ اس پروگرام کے پہلے مرحلے میں لاگت کا تخمینہ ۵۰,۰۰۰ روپے کا ہے جس کی منظوری دیدی گئی ہے۔

تخمی امدادی رقم اسکیم میں تبدیلی

حکومت مہاراشٹر نے یکم نومبر ۱۹۷۹ء سے تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے تخمی امدادی اسکیم پر نظر ثانی کر دی ہے۔ کیونکہ کمرشیل بنکوں نے آرٹیسنز ان درگرام اُدیوگوں کو بنا کسی مدیر زور دیئے ... ۲۵ روپے کے قرضہ جات دینے کی منظوری دے دی ہے۔

لہٰذا ایسے پروجیکٹ جن پر ... ۲۵ روپے لاگت بیٹھتی ہے۔ سرکار نھیں کوئی تخمی امداد نہیں دے گی لیکن مالی اداروں کے ذریعے دیئے گئے کل پیشگی قرض پر سود سبسڈی ذیل میں دیئے گئے طریقے سے دے گی:

ایسے فائدہ اُٹھانے والے جو کہ معاشی طور پر کمزور طبقے سے تعلق نہیں رکھتے ہیں (الف) پسماندہ جاتی سے تعلق رکھنے والے فائدہ اٹھانیوالے افراد کے لئے ۲۵ء۱ فی صد اور (ب) ایسے فائدہ اُٹھانے والے جو کہ پسماندہ جاتی سے تعلق نہیں رکھتے ہیں ایک فیصد۔

ایسے فائدہ اٹھانے والے افراد جو کہ معاشی طور پر پسماندہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں:

(الف) پسماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد جن کو فائدہ پہنچتا ہے ۵۰ء۱ فیصد اور ایسے فائدہ اٹھانے والے افراد جو کہ پسماندہ طبقے سے تعلق نہیں رکھتے ہیں ۲۵ء۱ فیصد۔

... ۲۵ اور ایک لاکھ روپیے کے درمیان خرچ کے پروجیکٹوں کو اس اسکیم کے تحت مندرجہ ذیل امداد بہم پہنچائی جائے گی۔

۱) معاشی طور پر کمزور طبقہ سے تعلق نہ رکھنے والے فائدہ اُٹھانے والے افراد کیلئے تخمی امدادی رقم ۵٪ (ب) پسماندہ طبقے سے تعلق نہ رکھنے والے افراد کو تخمی امدادی رقم کچھ نہیں ہوگی (۲) معاشی طور پر کمزور طبقے سے تعلق رکھنے والے فائدہ اٹھانے والوں کو (الف) پسماندہ طبقہ۔ تخمی امدادی رقم ۵ء۷ فی صد تک دی جائے گی۔ (ب) پسماندہ طبقہ سے تعلق نہ رکھنے والوں کو تخمی امدادی رقم ۵ فیصد تک دی جائے گی۔

سبسڈی سود پیشگی قرضہ جات پر بنک کے ذریعہ فائدہ اٹھانیوالے تمام افراد کو ایک فیصد دیا جائے گا۔

ایسے تمام پروجیکٹ جن پر لاگت کا تخمینہ ایک لاکھ آتا ہے موجودہ سکیم ان کے لئے جاری رہے گی۔ اور ایسے جو قسم اُٹھانے والے تخمی امدادی رقم موجودہ شرح کے تحت پائیں گے۔

سبسڈی سود کے تحت امداد زیادہ سے زیادہ آٹھ سال یا جب تک بنک کا قرض نہ ادا کیا گیا ہو، جو بھی پہلے ہو دی جائے گی۔ سبسڈی سود کے طور پر فائدہ اٹھانے والوں کو امداد نہیں دی جائے گی، جو کہ سود کی اسکیم کی مختلف شرحوں کے تحت آتے ہیں۔

بین الاقوامی سال اطفال سیل کی فروخت
مہاراشٹر بیس لاکھ روپے اکٹھا کرے گا

ریاست مہاراشٹر نے نیشنل چلڈرنس فنڈ میں ۲۰ لاکھ روپے جمع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو کہ پوری ریاست میں بین الاقوامی سال اطفال سیل کی فروخت سے حاصل کئے جائیں گے۔ اس بات کا فیصلہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو اسٹیٹ چلڈرنس بورڈ کی ایک بیٹھک میں کیا گیا۔

اس بات کا بھی فیصلہ کیا گیا کہ چلڈرنس فنڈ پندرھواڑہ ۱۴ نومبر سے ۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء تک ریاست میں منایا جائے اور اس کا افتتاح ۱۴ نومبر ۱۹۷۹ء کو کیا جائے۔

شری ارجن راؤ کستورے وزیر سماجی بھلائی نے جو کہ اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے کہا کہ انھیں مہاراشٹر کے عوام پر پورا اعتماد ہے کہ وہ اس نشانہ کو مکمل کرنے میں بھرپور امداد کریں گے، جس کا مقصد بچوں کی بہبود ہے۔

گھروں کی تعمیر میں تعاون

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے فرمایا کہ بمبئی عظمیٰ میں گھروں کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پرائیویٹ بلڈرز کا تعاون حاصل کرنے پر حکومت غور کر رہی ہے۔

شری پوار فلم نگری گوریگاؤں کے قریب راشٹریہ مل مزدور سنگھ کے ملازمین کے ۱۰۰۰ مکانات تعمیر کرنے کے سلسلہ میں منعقدہ بھومی پوجا کے ایک پروگرام میں تقریر کر رہے تھے۔

حالانکہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حکومت ہر ممکن اقدام کر رہی ہے، لیکن مدتی پروگرام بنانا بھی ضروری ہے تاکہ اس پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ اس لئے نئے مکانوں کی تعمیر اور پرانے مکانوں کی مرمت کے سلسلہ میں پرائیویٹ بلڈرز کے تعاون پر بھی غور کیا جائے گا، اور ایسے بلڈرز جو کہ رضامندی ظاہر کرتے ہیں انھیں چاہیئے کہ وہ کم از کم مقررہ تعمیری لاگت میں یہ کام انجام دیں۔

شری شرد پوار نے راشٹریہ مل مزدور سنگھ کی کوششوں کو سراہا۔ شری دتہ میگھے وزیر مملکت برائے روزگار اور ٹورزم بھی اس موقع پر موجود تھے۔

شری وسنت راؤ ہوشنگ آر۔ ایم ایم سنگھ کے صدر نے وزیر اعلیٰ کا استقبال کیا۔

حج خیرسگالی وفد کے قائد
ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا

امسال حکومت ہند کی جانب سے ڈاکٹر محمد اسحٰق جمخانہ والا وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، محنت، اوقاف اور پروٹوکول کو حج کے موقع پر سعودی عرب جانے والے حج خیرسگالی وفد کا قائد منتخب کیا گیا ہے۔

اس وفد کے دیگر ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں: شری سید مجیب الرحمٰن (آسام)، شری ایس۔ اے خواجہ محی الدین (تامل ناڈو)، شری سید اطہر حسین (یو۔پی) اور شری شمسی مینائی (یو۔پی)

ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا ۲۵ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کو بذریعہ طیارہ عازم سفر ہوئے۔۔

قتیل شفائی کے اعزاز میں تقریب

پاکستان کے مشہور اردو شاعر جناب قتیل شفائی کے اعزاز میں ایک غیر رسمی تقریب کا اہتمام ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکاڈیمی و وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، محنت اوقاف اور پروٹوکول نے ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے پریویو تھیٹر میں ۲ر اکتوبر کو کیا۔

بورڈ کے تمام اراکین، اُردو شاعر و ادیب نیز اُردو سے دلچسپی رکھنے والے دیگر حضرات نے بھی اس موقع پر شرکت کی۔

اس تقریب کے بعد قتیل شفائی اور حاضرین کو ایک رنگین ڈاکومنیٹری "راجہ کیلکر میوزیم" دکھائی گئی۔

محصول حساب کتاب طریقۂ کار
تجاویز مطلوب

ریاستی حکومت نے مہاراشٹر اراضی محصول لگان داری نمبر ۳ کے تحت کمشنر بمبئی ڈویزن کی سربراہی میں ایک کمیٹی مقرر کی ہے جو کہ موضع جات فارمز پر نظر ثانی اور آسان کرنے کا کام انجام دیتی ہے۔ عوام اور مختلف جماعتیں جو مہاراشٹر محصول حساب کتاب طریقۂ کار سے متعلق تجاویز یا اعتراضات بھیجنا چاہیں انھیں مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ قائم کردہ کمیٹی کے ڈویزنل ہیڈ کوارٹرز یعنی اورنگ آباد، پونے، بمبئی اور ناگپور میں بیٹھک کے دوران رابطہ قائم کریں۔

اس سلسلے میں تجاویز کمیٹی کے چیرمین (کمشنر بمبئی ڈویزن، بمبئی) یا ممبر سیکریٹری (اسسٹنٹ سکریٹری ریوینیو اینڈ فاریسٹ ڈیپارٹمنٹ آئی۔ ایس ۱۱۱ منترالیہ بمبئی) کو ۱۵ر نومبر ۱۹۷۹ء سے قبل بھیجی جاسکتی ہیں۔

بقیہ "تبصرہ"

(صفحہ ۲۵ سے آگے)

کام کرنے والوں کے سامنے پیش کی ہے۔

بہرحال "تلسی داس اور رام چرت مانس" اُردو میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔ ڈاکٹر صفدر آہ نے برسوں کی محنت کے بعد ایک بیش قیمت تحفہ اَدب کو دیا ہے جس کے لئے وہ قابلِ مبارکباد ہیں۔

یہ کتاب مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکیڈمی کی مالی امداد سے شائع ہوئی ہے۔ کتابت جلی اور گوارا ہے۔ کاغذ سفید، ہستر کا بنایا ہوا ٹائٹل معنی خیز ہے، کتابت کی غلطیاں اس علمی کتاب میں کھٹکتی ہیں۔ حیرت ہے کہ اس قدر ضخیم، اتنی اچھی تحقیقی کتاب کی قیمت صرف پندرہ روپے ہے جو کسی صورت زیادہ نہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ یہ کتاب ہر لائبریری اور تعلیمی ادارے کی زینت بنے گی۔

کتاب ناشر کے پتے سے یا مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ کی کسی بھی شاخ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

قارئین کیلئے ضروری اعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ کچھ کمی کا احساس ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال و جواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا ــــ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ کر لیجئے:ــ

ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ۔ بمبئی ۴۰۰۰۳۲

□ संपूर्ण क्रांति

सात प्रकार की क्रांतियां मिलकर संपूर्ण क्रांति होती है। सामाजिक क्रांति, आर्थिक क्रांति, राजनीतिक क्रांति, सांस्कृतिक क्रांति, वैचारिक अथवा बौद्धिक क्रांति, शैक्षणिक क्रांति, आध्यात्मिक। सात की इस संख्या को बढाया भी जा सकता है और घटाया भी। उदाहरणार्थ, सांस्कृतिक (Cultural) में शैक्षणिक एवं वैचारिक सन्निहित हो सकते हैं। और यदि Culture का Anthropological अर्थ लिया जाय तो उसमें लगभग सभी कुछ आ जाता है किन्तु जो Primitive Society के संदर्भ में Culture का अर्थ है वह आम तौर पर Civilized Society के संदर्भ में नहीं लिया जाता। उसी प्रकार सामाजिक क्रांति को यदि मार्क्सवाद की भूमिका Social Revolution ऐसा अर्थ किया जाय तो आर्थिक, राजनीतिक क्रांतियाँ उसमें अवश्य आ जाती है, अन्य भी बहुत कुछ उसमें समा सकता है।

ये उदाहरण सात की संख्या के घटाने के हुए, बढाना है तो एक-एक क्रांति को break up किया जा सकता है। आर्थिक क्रांति के बदले में औद्योगिक क्रांति, कृषि क्रांति, यांत्रिक क्रांति आदि भेद किये जा सकते है : Industrial Revolution, Agricultural Revolution, Technological Revolution इसी प्रकार— बौद्धिक क्रांति का विभेद वैज्ञानिक क्रांति—Scientific Revolution and Philosophical Revolution कर सकते है : आध्यात्मिक के दो विभेद, नैतिक और आध्यात्मिक कर सकते है। Moral and Spiritual या नैतिक क्रांति को सांस्कृतिक क्रांति का एक विभेद मान सकते हैं।

आर्थिक क्रांति, समाज की आर्थिक रचना तथा आर्थिक संस्थानों मे क्रांतिकारी परिवर्तन और उनका नया क्रांतिकृत (क्रांत ?) रूप।—अर्थात क्रांति शब्द से परिवर्तन और नवनिर्माण दोनों ही अभिप्रेत है।

जगत में यूं तो हर कुछ परिवर्तनशील है। हर कुछ का नित नवीनीकरण भी निरंतर होता रहता है। तो फिर क्रांति या क्रांतिकारी परिवर्तन से क्या अभिप्रेत है ? एक यह की क्रांति या क्रांतिकारी परिवर्तन बहुत शीघ्र गति से होता है ! और परिवर्तन बडा दूरगामी और मूलगामी होता है—कभी कभी ऐसा कि परिवर्तित वस्तु में गुणात्मक परिवर्तन हो जाता है। जैसे पानी गर्म होते होते भाप बन जाता है।

आर्थिक क्रांति में यांत्रिक क्रांति, औद्योगिक क्रांति, कृषि क्रांति आ ही जाती है। साथ स्वामित्व तथा प्रबंध (Ownership and Management) में भी क्रांतिकारी परिवर्तन आ जाता है। स्वामित्व और प्रबंध के माने हर हालत में राज्य स्वामित्व तथा राज्य प्रबंध—State Ownership and Management—ही हो यह आवश्यक नहीं। स्वामित्व राज्य का हो सकता है, व्यक्ति या व्यक्तियों की कम्पनी या रजिस्टर्ड सोसायटी, इन के मिश्रित रूपों का स्वामित्व हो सकता है। सहयोग समिति आदि का भी हो सकता है। Local Communities—ग्राम सभा, ग्रामसमूह सभा, प्रखंड सभा, जिला परिषद—आदि का भी स्वामित्व हो सकता है। और इनके कई मिश्रित रूप हो सकते है—यानि Local के स्वामित्व तथा पूर्व वर्णित स्वामित्वों का भिन्न मिश्रण। उपभोक्ताओं का स्वामित्व (Consumers' Ownership), उत्पादकों का स्वामित्व (Producers' Ownership) आदि तथा इनके और पहले के स्वामित्वों के भी रूप हो सकते है।

इसी प्रकार प्रबन्ध के भेद किये जा सकते है : व्यक्ति द्वारा प्रबन्ध, व्यक्तियों के भिन्न भिन्न प्रकार के समूहों का प्रबन्ध, राज्य द्वारा प्रबन्ध, सहयोग समिति, स्वायत्त शासनाधिकारी संस्थाओं का (Local Communities) प्रबन्ध, उत्पादकों अथवा उपभोक्ताओं द्वारा प्रबन्ध आदि।

इसी प्रकार क्रय-विक्रय के रूपों में क्रांतिकारी परिवर्तन भी सामाजिक क्रांति के अन्तर्गत है। विभेद तो और भी हो सकते हैं, परन्तु आर्थिक क्रांति से जो अभिप्रेत है वह इतने से काफी स्पष्ट हो जाता है।

—जयप्रकाश नारायण

(ڈی بی ماتھر، ڈپٹی ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، ممبئی ۳۲ نے گورنمنٹ سنٹرل پریس، ممبئی ۴ میں چھپوا کر شائع کیا۔)

QAUMIRAJ : Regd. No. MH-BY South-544 *Licence No. 89 ' for without prepayment of pc*

۱۰ر نومبر ۱۹۷۹ء

Nov.10,1979.

قیمت ۵۰ پیسے

قومی راج

جلد ۶ ٭ ۱۰ نومبر ۱۹۷۹ء ٭ شمارہ ۲۱

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ٭ فی پرچہ: پچاس پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی اے ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

سخنہائے گفتنی
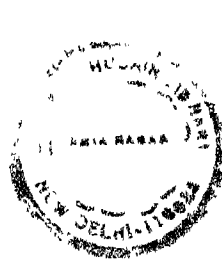
ریاست مہاراشٹر نے صنعت وحرفت، آبپاشی، زراعت، تعلیم پچھڑے طبقوں کے سُدھار، تعلیم یافتہ بیروزگاروں کے لئے روزگار، کھیتی مزدوروں کے لئے مکانات کی تعمیر جیسے کاموں میں خاطرخواہ ترقی حاصل کی ہے۔ جس کا اندازہ "قومی راج" کے قارئین کو بخوبی ہے۔ ضمانت روزگار اسکیم پر اس قدر عمدہ طریقہ سے عمل درآمد ہورہا ہے جس کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ قومی راج کے اس شمارے میں خاص طور پر بھاتسہ پروجیکٹ پر سیر حاصل معلومات دی گئی ہیں تاکہ آبپاشی کی سمت حکومت کے کارنامے گرانمایہ کا بخوبی اندازہ ہوسکے دوسرا خاص مضمون مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن پر مشتمل ہے، شریکِ اشاعت ہے۔ اس کارپوریشن نے ریاست کی صنعتی ترقی کے لئے بہت اہم خدمات انجام دی ہیں جن کا تذکرہ اختصار سے اس شمارے میں کیا گیا ہے۔ ایک اور خاص مضمون میں حکومت مہاراشٹر کی خاندانی بہبود تحریک پر روشنی ڈالی گئی ہے جو حال ہی میں ریاست میں جاری کی گئی ہے۔

قومی راج کے ہر شمارے کے بارے میں قارئین کے خطوط آرہے ہیں جن سے نہ صرف ہمت افزائی ہوتی ہے بلکہ ہمیں اس رسالے کو مزید دلچسپ اور معلوماتی بنانے میں مدد ملتی ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ قومی راج کے قارئین اسی طرح اپنا تعاون دیتے رہیں گے۔

اکثر قارئین شاکی ہیں کہ قومی راج پابندی سے ان تک نہیں پہنچ رہا ہے۔ دراصل قومی راج کی طباعت مقررہ وقت پر نہیں ہوپاتی اسی وجہ سے شکایت کا موقع ملتا ہے۔ اس سمت ہماری کوششیں جاری ہیں اور اس بات کی اُمید کرتے ہیں کہ 'قومی راج' مقررہ وقت پر آپ تک پہنچ سکے۔

خ ۔ عبدالغفور

چیف ایڈیٹر: ایم ۔ ایشور راج ماتھر
ایڈیٹر: ریاض احمد خاں
سب ایڈیٹر: حبیب الرحمن خاں سواتی

ترسیل زر ومراسلت کا پتہ: چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، ڈائریکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز حکومت مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

• طرفہ قریشی

معرفت عظیم بنکر اسٹور، مومن پورہ، ناگپور ۱۸

۲۵ ستمبر کا شمارہ اکتوبر اواخر میں موصول ہوا۔ یہ سلسلہ تاخیر کافی دنوں سے چلا آرہا ہے۔ ایسا کیوں؟ جبکہ 'قومی راج' سرکاری جریدہ ہے اور اسے ہر طرح کی سہولت حاصل ہے؟ اسے تو اپنی تاریخوں کے اندر ہی منظرِ عام پر آنا چاہئے۔ [آپ کی شکایت بجا ہے۔ سرکاری پریس میں جہاں پر قومی راج طباعت کی منزلیں طے کرتا ہے' اس قدر مصروفیت رہتی ہے کہ باوجود تمام تر کوشش کے قابو نہیں پایا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ عنقریب 'قومی راج' آپ کو وقت پر مل سکے گا۔ (ادارہ)]

زیرِ نظر شمارہ بھی اپنی صوری و معنوی حیثیتوں سے قابلِ قدر ہے۔ ٹائیٹل کی جاذبیت کے ساتھ ساتھ اپنے اندر مضامین بھی بڑے جاندار رکھتا ہے۔ "مہاتما گاندھی" کے عنوان سے علامہ محوی صدیقی لکھنوی (مرحوم) کی نظم کا کیا کہنا۔ علامہ محوی کی علمی شخصیت خود ایک بڑی یونیورسٹی کی سی تھی۔ راز اناوی کی نظم "اہنسا کے راز داں" بھی خوب ہے۔ اور "سور داس" پر کمال جائسی کی نظم بھی بڑی کشش رکھتی ہے۔ کامل چاندپوری، غلام رسول اشرف اور اظہر مالیگانوی کی غزلوں نے مزہ دیا۔ نثری مضامین میں "سن ہستہ کمبھ میلہ" بڑا پیارا اور سیر حاصل مضمون ہے' اس کے پڑھنے سے قارئین کو گھر بیٹھے۔ میلے کی سیر۔ کا لطف آتا ہے۔ اور حکومت نے یاتریوں کی سہولت اور آرام کے لئے جو انتظامات کر رکھے ہیں وہ بھی قابلِ ستائش ہیں۔ حکومت مہاراشٹرا ایسے معاملات میں بڑی فراخدل ثابت ہوئی ہے۔ "گاندھی جی اور تلاشِ حق" کے عنوان سے جناب احمد صدیقی نے جو مضمون قلمبند فرمایا ہے وہ مہاتما کی حق طلبی اور روحانی بلندی کا کھلا اعتراف ہے۔

• مہدی پرتاب گڈھی

دفتر اکزیکیٹو انجینئر اری گیشن ڈویژن۔ پرتاپگڈھ (یو۔پی)

"یوم آزادی نمبر" باصرہ نواز ہوا۔ اس بار نظموں اور غزلوں کی تعداد دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ ندا فاضلی کی کتاب "مور ناچ" پر تبصرہ پسند آیا۔

• ایم۔ کوشلیاوی راہی

ایڈیٹر "اشتراک" ویکلی، قاضی پور خورد، گورکھپور (یو۔پی)

قومی راج کا 'آزادی نمبر' ملا۔ صوری و معنوی ہر اعتبار سے خوب ہے خصوصی شمارے نکالنے میں تو اب آپ ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ صفحات کی کمی بعض اوقات کھل جاتی ہے۔ پھر بھی مواد کے معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوئے 'قومی راج' کا جواب نہیں۔

بھئی آپ کہانیاں کیوں نہیں چھاپتے، کچھ ماہ پہلے ایک کہانی دیکھ کر خوشی ہوئی تھی اور میں پر تول ہی رہا تھا کہ خود بھی کہانی بھیجدوں کہ یہ سلسلہ آپ نے منقطع کر دیا۔ کم سے کم ایک کہانی ضرور دیا کریں' ویسے مضامین نظم و نثر جو 'قومی راج' میں آتے ہیں' بہترین ہوتے ہیں۔

• نیاز علی نیاز

چوڑی محل، بالاپور۔ ۴۴۴۳۰۲ (ضلع اکولہ)

"آبپاشی نمبر" نظر نواز ہوا۔ نثر میں 'اخبار بینی'، مولانا آزاد اور علامہ اقبال" نہایت پسند آئے۔ منظومات میں قطعات بھی خوب ہیں۔

• محمد ہارون انصاری ساحل۔ وارث پورہ، کامٹی

۱۰ راگست کے شمارے میں "آپ کا بچہ، قوم کی امانت ہے" مجھے بہت پسند آیا۔ محمد عثمان آدج اعظمی صاحب کی غزل بھی بہت پسند آئی۔ امید ہے کہ آپ 'قومی راج' کو اور معیاری بنائیں گے۔

• مصطفےٰ اجمیل۔ مومن پورہ۔ بالاپور ۴۴۴۳۰۲ ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

'قومی راج' کا حسن نکھرتا جا رہا ہے۔ امید ہے (انشاءاللہ) یہ مزید ترقی کرتا رہے گا۔ میری اپنی ایک رائے ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کچھ صفحات خواتین اور بچوں کے لئے مخصوص کر دیں۔ خواتین سے متعلق ایک مضمون اور بچوں سے متعلق کوئی مختصر کہانی ہو تو اور بہتر ہوگا۔

قومی راج میں شائع شدہ مضامین حوالے کے ساتھ یا بلا حوالہ نقل کئے جا سکتے ہیں' تاہم جس شمارے میں مضمون شامل ہو' اس کی ایک کاپی چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز کے نام ضرور روانہ کی جائے۔

(ادارہ)

• جی۔ایچ۔ گانو
سپرنٹنڈنگ انجینیئر بھاتسہ سرکل تھانے۔

بھاتسہ ۔ متفرق المقاصد منصوبہ

ایک متفرق المقاصد منصوبہ جس سے شہر بمبئی اور گرد و نواح کے علاقہ کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہوگی، تقریباً ۱۱۰ کلومیٹر دور ضلع تھانے میں شاہ پور کے قریب روبہ عمل ہے۔

شہر بمبئی کی آبادی مسلسل بڑھنے کی وجہ سے یہاں پانی فراہمی کی ضرورت بھی ہمیشہ ہی بڑھتی رہی۔ ایک زمانہ میں سات جزیروں پر پھیلے اس شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم ہی تھی جب کہ فی الحال یہ ۴۳۸ مربع کلو میٹر سے زیادہ رقبہ میں پھیل چکا ہے۔ اور اس کی آبادی بڑھکر ۷۵ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد آبادی میں زبردست اضافہ ہوا جس کا اندازہ حسب ذیل اعداد و شمار سے کیا جاسکتا ہے:

سال	آبادی لاکھ میں
۱۸۱۶ء	۱٫۶۱
۱۸۴۴ء	۵٫۲۴
۱۸۵۶ء	۸٫۰۰
۱۹۱۱ء	۹٫۷۹
۱۹۲۱ء	۱۱٫۶۱
۱۹۳۱ء	۱۱٫۷۵
۱۹۴۱ء	۱۸٫۰۰
۱۹۵۱ء	۲۹٫۹۰
۱۹۶۱ء	۴۱٫۵۰
۱۹۷۱ء	۵۸٫۰۰
۱۹۷۸ء	۷۵٫۰۰

انیسویں صدی کے آغاز پر شہر میں خصوصاً کنوؤں اور چھتراستی چھوٹی جھیلوں سے پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ بہر صورت اِن ذرائع سے پانی کی فراہمی کافی نہ تھی جس سے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت پوری ہو سکتی۔ لہٰذا وہار جھیل کی تعمیر کا کام ۱۸۵۶ء میں شروع کیا گیا۔ ۱۴ میل لمبی زیر زمین پائپ لائن ڈالی گئی اور مارچ ۱۸۶۰ء سے شہر کے لئے پانی کی فراہمی جاری کردی گئی۔ وہار جھیل سے روزانہ تقریباً پچاس ملین لیٹر (۱۱ ملین گیلن روزانہ) مہیا کیا جاتا ہے۔ سال ۱۸۷۹ء میں ایک پختہ بند اور کچے پشتے تعمیر کرکے تلسی جھیل بنائی گئی۔ تلسی جھیل سے ۱۸ ملین لیٹر روزانہ (۴ ملین گیلن) پانی مہیا ہوتا ہے۔ پانی کی ضرورت بڑھنے پر ۱۸۸۳ء سال میں تانسہ بندھ کا کام شروع کیا گیا۔ اس کی تکمیل کے بعد بمبئی میں پانی کی فراہمی روزانہ ۱۸ ملین لیٹر (۰.۷ ملین گیلن) بڑھ گئی نیز ۱۲ لاکھ آبادی کے واسطے ۶۰ - ۶۵ گیلن فی کس روزانہ کے حساب سے پانی دستیاب ہونے لگا۔ ۱۹۴۴ء تک یہ اطمینان بخش صورت حال رہی۔ بمبئی کی زبردست توسیع و ترقی کے ساتھ فراہمی

۱۹۷۹ء کے موسم برسات میں دریائے بھاتسہ کے بائیں کنارے سے بھاتسہ بند کا دلفریب منظر، درمیانی حصہ میں پانی کے بہاؤ کا منظر ہے۔

آب پر بڑا دباؤ پڑا، لہذا بمبئی میونسپل کارپوریشن کو لوئر ویترنا اسکیم کے سلسلہ میں کام شروع کرنا پڑا۔ یہ اسکیم ۱۹۵۷ء میں مکمل ہوئی اور اس کے ذریعہ ۴۶۴ ملین لیٹر پانی روزانہ (۱۰۲ ملین گیلن) مہیا کیا جانے لگا۔

اسی سال کارپوریشن کی حدود مغربی سمت میں گوریگاؤں اور دہیسر کے قصبات تک اور مشرقی سمت میں ملنڈ تک بڑھا دی گئیں۔ اس طرح طلب مزید بڑھی۔ اس وقت الہاس ندی پر ایک پمپنگ سیٹ لگا کر ۹۱ ملین لیٹر روزانہ (۲۰ ملین گیلن) مقدار کا اضافہ کیا گیا۔ حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۷۴ء میں اپر ویترنا ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم مکمل کی، اور ۵۴۶ ملین لیٹر (۱۲۰ ملین گیلن) روزانہ پانی کی فراہمی شروع ہوگئی۔ مذکورہ بالا ان تمام اسکیموں سے مجموعی طور پر بمبئی کی ۷۵ لاکھ آبادی کے لئے ۱۵۰۰ ملین لیٹر (۳۳۰ ملین گیلن) پانی روزانہ مہیا کیا جاتا ہے۔ وسیع فراہمی آب کے لحاظ سے دنیا بھر میں بمبئی کا نمبر آٹھواں ہے اور پھیلتے ہوئے شہر کے ساتھ ساتھ ضرورت آب بھی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ موجودہ اندازہ کے مطابق ۱۹۸۴ء تک ضرورت مزید ۲۰۰ ملین گیلن روزانہ ہو جائے گی۔ مہیا کئے جانے والے پانی کا تیسرا حصہ صنعتوں کے استعمال میں آتا ہے اور بقیہ دو تہائی حصۂ آب سے گھریلو ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

منصوبہ کی تاریخ: حکومت مہاراشٹر نے ۱۹۶۱ء میں اعلیٰ سطح پر ماہرین کی ایک کمیٹی قائم کی تاکہ بڑھتے ہوئے فراہمی آب مسئلہ پر غور کر کے نئے ذرائع کے لئے سفارشات پیش کرے۔ کمیٹی نے چھ نئے ذرائع کے بارے میں تجویز پیش کی۔ سب سے بڑی ہونے کی بنا پر بھاتسہ اسکیم کو ترجیح دی گئی جسے نسبتاً کم لاگت سے روبہ عمل لانا ممکن تھا۔ ۱۹۶۶ء میں جگہ کے بارے میں تحقیقات پوری ہوئی، اور پہلی پروجیکٹ رپورٹ تیار کی گئی جس کے تحت ۲۵۰ ملین گیلن پانی روزانہ فراہمی کا اندازہ تھا بعد ازاں مفصل جائزے کے وقت یہ اندازہ ہوا کہ اسے متفرق المقاصد منصوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ لہذا ۱۹۶۸ء میں ایک پروجیکٹ رپورٹ تیار کی گئی جس میں شہر بمبئی اور راہ میں آنے والے مقامات کے لئے پانی کی فراہمی، ندی کے دونوں کناروں پر آبپاشی کی ترقی اور پن بجلی کی تیاری شامل تھیں۔ حکومت نے اسے منظور کر لیا۔ ۱۹۶۹ء میں بند کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ دو گاؤں اور تین پاڑے زیر آب آئے اور ۵۶۵

بھاتسہ منصوبہ
کے تحت
زیر تعمیر بند۔

باندارون کو دوبارہ بسانے کی ضرورت پیش آئی۔ مزید برآں دو گانووں کی زمین زیرآب آئے گی لیکن اصل گنو تھانوں پر اثر نہیں پڑے گا۔ زیر آب آنیوالی بیشتر زمین جنگلاتی ہے۔ زیر آب آنے والی ۲٫۶۵۷ ہیکٹر اراضی میں سے زیر کاشت اراضی صرف تقریباً ۱۷۰ ہیکٹر ہے اور بقیہ جنگلاتی اراضی ہے۔

گنجائش منصوبہ: بھاتسہ متفرق المقاصد اسکیم مندرجۂ ذیل پر مشتمل ہے:
تعلقہ شاہ پور میں ساجیوالی گاؤں کے قریب پختہ بند کی تعمیر جس سے ۹۵۷٫۵ ملین مکعب میٹر (۳۳۸۰۰ ایم سی ایف ٹی) بھرپور ذخیرۂ آب بنایا جاسکے اور بمبئی میونسپل کارپوریشن کو پانی سپلائی کے لئے بند کے زیریں بہاؤ پر پانی چھوڑا جاسکے۔ یہ پانی تقریباً ۵۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع پسے گاؤں تک جائے گا جہاں بمبئی میونسپل کارپوریشن نے اُٹھاؤ بند بنایا ہے۔ پانی پمپ کے ذریعہ بھرا جائے گا اور ابتدائی ٹھہراؤ کے بعد دوبارہ پمپ کے ذریعہ بڑی نالیوں میں پہنچا کر بھانڈپ فلٹریشن پلانٹ تک اور یہاں سے اور آگے تقسیم کے نیٹ ورکس' لے جایا جائے گا۔ جن دریاؤں پر بمبئی کو فراہمی آب کے لئے بند بنائے گئے ہیں وہ پہاڑی کے درمیان سے بہتے ہیں اور ان کے کناروں پر الگ الگ چھیلی بستیاں ہیں۔ ذخیرۂ آب میں قدرتی طریقے سے پانی خاص حد تک پاک صاف ہوجاتا ہے' لہٰذا بمبئی کے فراہمی آب کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ اس خیال سے کہ خاص بیماریاں پھیلنے نہ پائیں' اب تک صرف کلورین کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اب دریائی گذرگاہ سے ہوتے ہوئے بھاتسہ کا پانی ۵۰ کلومیٹر فاصلہ طے کریگا۔ اس دریا کے کناروں پر کچھ آبادی ہے۔ دیگر ذخیرۂ آب کے آس پاس بھی آبادی بڑھ رہی ہے' لہٰذا بھانڈوپ میں پانی کی صفائی کے لئے ایک بڑا پلانٹ قائم کیا جارہا ہے۔ یہ فلٹر کیا ہوا صاف پانی پمپ کے ذریعہ بڑے متوازن ذخیرۂ آب میں بھرا جائے گا اور وہاں سے متعدد طریقوں سے تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے ذریعہ 'بمبئی واٹر سپلائی سسٹم' یعنی بمبئی کے لئے فراہمی آب کے نظام میں دو بڑی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ پہلی تبدیلی یہ ہے کہ فلٹر کیا ہوا صاف پانی مہیا کیا جائے گا دوسرے روایتی بھاری سپلائی کے بجائے پمپ کے ذریعہ سپلائی ہوگی۔ مذکورہ بالا اسکیم کو 'بھاتسہ اسکیم' کا نام دیا گیا ہے اور اس پر خرچ کا تخمینہ ۲۸۸ کروڑ روپے ہے۔ بالترتیب ۲۴ کروڑ اور ۶۰ کروڑ روپے کی رقومات کے واسطے بمبئی ۱ اور بمبئی ۲ معاہدات کے تحت اس اسکیم کے لئے سرمایہ انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ ایجنسی نے دیا ہے جو ورلڈ بنک کا ماتحت امدادی شعبہ ہے۔ بھاتسہ بند کی تعمیر کا کام حکومت مہاراشٹر کا محکمہ آب پاشی انجام دے رہا ہے اور بقیہ کام بمبئی میونسپل کارپوریشن انجام دے رہی ہے۔

اصل اسکیم کے مطابق روزانہ ۳۰۰ ملین گیلن پانی شہر بمبئی اور درمیانی علاقوں کے لئے مہیا کیا جائے گا جبکہ روزانہ ۱۰۰ ملین گیلن پانی دریا کے دونوں بازؤں پر سینچائی بڑھانے کے لئے دیا جائے گا۔ ۱۵ میگا واٹ بجلی تیار کرنے کے بعد پاور ہاؤس کے راستے پانی دریا میں خارج کیا جائیگا۔
حالیہ مشاہدہ سے یہ واضح ہوا ہے کہ الہاس وادی میں کمبھاری ندی سے آگے مجوزہ ڈمبیولی۔ بسین ریلوے لنک تک اور تانسہ وادی میں

بھیونڈی تانسہ روڈ کے دونوں جانب تانسہ ندی تک اچھی زرخیز اراضی اس پروجیکٹ کے زیر اثر لائی جا سکتی ہے۔ بھاتسہ پروجیکٹ کے تحت اس زمین پر سینچائی کا مسئلہ زیر غور ہے کل ۲۳،۰۰۰ ہیکٹر قابل آبپاشی علاقے میں سے قبائلی علاقہ تقریباً ۹۰۵ ہیکٹر ہے۔ اس طرح حاصل شدہ پانی سے فراہمی آب اور آبپاشی دونوں ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ اگر ضروری ہو تو بھاتسہ ندی کی معاون ندیوں سے پانی لے کر اضافی ذخیرۂ آب بنائے جا سکتے ہیں تاکہ ان سے بمبئی اور درمیانی علاقوں کے لئے کافی پانی مہیا کیا جا سکے اور آبپاشی کی ضرورت بھی پوری کی جا سکے۔

پروجیکٹ کی خصوصیت :

بھاتسہ ندی پر زیر تعمیر بند کی لمبائی ۹۱۸ میٹر (۳۰۱۱ فٹ) ہے اور ندی کی تلہٹی سے انتہائی بلندی ۸۵،۶۳ میٹر (۲۸۰،۸۶ فٹ) ہے۔ یہ مہاراشٹر میں سب سے پختہ بند ہے۔ تعمیر کی جانے والی کل پختہ جسامت ۱۶،۸۸ لاکھ مکعب میٹر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے گویا کہ بمبئی سے دہلی تک ۳ میٹر اونچی (۱۰ فٹ)، ۰،۳۴ میٹر چوڑی (۱۳½ انچ) اور ۱۶۸۸ کلو میٹر لمبی دیوار بنائی جائے۔ ذخیرۂ آب کی جگہ کا مجموعی رقبہ ۹۵۷،۵۰ ملین کیوبک میٹر (۳۳،۸۰۰ ملین مکعب فٹ) ہے اور یہ اتنی بڑی ہے جس میں پانچ گنا تانسہ جھیل سما سکتی ہیں۔ اس ذخیرے سے بالآخر پانی کی سپلائی وہار، تلسی، تانسہ زیریں و بالائی ویترنا اور الہاس پمپنگ اسٹیشن سے مشترکہ فراہمی کے برابر ہوتی ہے۔ اخراج برائے فراہمی آب ۱۵ میگاواٹ بجلی تیار کرنے کے بعد پاور ہاؤس کی راہ سے ہوگا جو پسے پر کچا پانی کھینچنے کے لئے درکار بجلی کی ضرورت جزوی طور سے پوری کرنے اور بھانڈوپ میں بڑے متوازن ذخیرۂ آب میں فلٹر کیا ہوا صاف پانی پمپ کے ذریعہ بھرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ ندی کے دونوں کناروں پر ۲۰ کلو میٹر لمبی نہریں تعمیر کر کے ۲۳۰۰۰ ہیکٹر اراضی زیر سینچائی لائی جا سکے گی۔ یہ اس قابل آبپاشی رقبہ کا دوگنا ہے جو سوریہ پروجیکٹ کے زیر اثر ہے، یہ کوکن میں دوسرا بڑا آبپاشی پروجیکٹ ہے جو فی الحال ضلع تھانے کے جوہر تعلقہ میں زیر تعمیر ہے۔ بھاتسہ پروجیکٹ کے تحت قابل آبپاشی رقبہ کوکن میں کسی بھی دیگر مکمل یا زیر تعمیر پروجیکٹ کے زیر اثر آنے والے رقبہ سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔

پروجیکٹ کے فائدے :

اس پروجیکٹ کی تکمیل پر یعنی ۱۹۸۴ء کے بعد شہر بمبئی اور راستے میں واقع درمیان مقامات کے لئے پانی کی سپلائی دوگنا ہو جائے گی اور فی الحال روزانہ ۲۵ گیلن فی کس کے حساب سے پانی سپلائی بڑھ کر ۴۰ گیلن تک پہنچ جائے گی۔

فصلی نمونہ اقسام اس طرح ہے، ۲۰٪ دو فصلی ۸۰٪ موسمی اور ۸۵٪ پچھلی۔ کل ۱۸۵٪ مقدار کے لئے منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ گرمائی دھان فصل کے باعث سالانہ مزید ۲۳۰۰۰ ٹن چاول پیدا کیا جائے گا۔ چاول، سبزی اور دیگر فصلوں کی پیداوار میں اندازاً سالانہ کل اضافہ ۲،۳۵،۹۳۰ ٹن ہوگا۔ آبپاشی سے فی ایکڑ پر ۱۰۰۵ روپے خالص منافع بیٹھے گا اور آبپاشی حلقہ میں لوگوں کو کل ۵،۷۵ کروڑ روپے سے زائد فائدہ پہنچے گا۔ آبپاشی کی ترقی سے ۳۰۰۰ زمین مزدوروں کو سال بھر، ۱۶۰۰ مزدوروں کو دو فصلوں یا آٹھ ماہ اور مزید ۱۶۰۰ مزدوروں کو ایک فصل یا چار ماہ تک روزی ملے گی۔ مزید برآں زراعت پر مبنی صنعتوں مثلاً رائس ملوں اور ڈیری وغیرہ کی ترقی سے مزدوروں اور دیہی علاقوں کے پڑھے لکھے لوگوں کو روزگار مہیا ہوگا۔ بمبئی قریب واقع ہونے کی وجہ سے پھل اور سبزیوں کی برآمد سہل ہوگی۔ اس خطہ کی ہمہ جہتی معاشی ترقی سے روزگار کی تلاش میں بمبئی آنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

مچھلیوں کی افزائش کے لئے گذشتہ سال بھاتسہ ذخیرۂ آب میں ۵۰،۰۰۰ ننھی مچھلیاں چھوڑی گئیں۔ یہ زبردست ذخیرۂ آب اس کے ساتھ دونوں بازوؤں پر گھنا جنگل اور پس منظر میں خوبصورت پہاڑیوں کی وجہ سے یہ مقام بڑی دلکش سیرگاہ بن جائے گا۔ یہاں سیاحوں کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے کا بھی ارادہ ہے۔ اس طرح بمبئی سے اس قدر قریب بمبئی واسیوں کے لئے ایک راحت گاہ بن جائے گی۔

رفتارِ کام اور آئندہ کی منصوبہ بندی :

مرحلہ ۱ بند کی تعمیر کے سلسلہ میں جس کی تخمینی لاگت ۱۰۲۰ لاکھ روپے ہے، ۱۱،۳۶ لاکھ مکعب میٹر پختہ حصہ کی تعمیر کے واسطے ٹھیکہ مئی ۱۹۶۹ء میں میسرز جالی برادرس کو دیا گیا تھا اور اس کی تکمیل فروری ۱۹۷۶ء تک طے پائی تھی۔ محکمہ کی جانب سے دلچسپی اور ہر طرح کی اعانت کے باوجود ٹھیکہ دار ضروری رفتار سے کام انجام دینے سے قاصر رہا، اور مقررہ مدت کے اندر صرف ۴،۵۷ لاکھ مکعب میٹر پختہ حصہ پورا کر سکا۔ یعنی ٹھیکے کا بمشکل ۴۰ فیصد کام انجام دے سکا۔ لہٰذا کام اس سے لے لیا گیا تاکہ محکمہ واری طور پر انجام دیا جائے۔

بمبئی میونسپل کارپوریشن نے ورلڈ بینک سے وعدہ کیا تھا کہ جون ۱۹۷۸ء تک بھاتسہ اسکیم کے مرحلے ۱ کا سارا کام پورا کر کے بمبئی کے لئے پانی کی فراہمی روزانہ ۴۵۵ ملین لیٹر (۱۰۰ ایم جی۔ ڈی) تک بڑھا دی جائے گی۔ لہٰذا حکومت

ا یہ فرض تھا کہ بند کی تعمیر پوری کر کے فراہمیِ آب کے لئے ضروری ذخیرۂ آب مہیا
یا جائے۔ ٹھیکہ دار سے کام واپس لینے کے بعد محکمہ نے تیزی سے کارروائی کی
ۓ تشکیل شدہ بھاتسہ پروجیکٹ سرکل کی زیرِ نگرانی ایک میکانیکل ڈویژن
ہ اضافی سول ڈویژن کھولا گیا۔ کیونکہ اتنے بڑے پیمانے پر انجام دیا جانے والا
پہلا کام تھا، لہٰذا محکمہ کے کام میں پیش آنے والی مشکلات پر ہمدردی سے غور
یا گیا اور موجودہ محکمہ واری قوانین میں جو لازمی طور سے ٹھیکہ کی بنیاد پر کام کی عمل
دری کے لئے وضع کئے گئے ہیں، رعایت دی گئی نیز مزید اختیارات بھی تفویض کئے
گئے تاکہ محکمہ تین سال میں اس سے زائد کام انجام دے سکے جو ٹھیکیدار نے
ات سال میں انجام دیا تھا۔

یہ کام زیادہ آسان ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ محکمۂ آبپاشی میں سکریٹری
ی سطح تک تمام عملہ انجینئروں کے ماتحت کام کرتا ہے۔ ذیل میں اب تک
ام کی رفتارِ ترقی دکھائی گئی ہے:

فروری ۱۹۷۶ء سے جون ۷۶ء	۲۸,۰۰۰ مکعب میٹر
جولائی ۷۶ء سے جون ۱۹۷۷ء	۲,۰۳,۰۰۰ " "
جولائی ۷۷ء سے جون ۱۹۷۸ء	۱,۳۵,۰۰۰ " "
جولائی ۷۸ء سے جون ۱۹۷۹ء	۱,۶۴,۰۰۰ " "

کُل میزان: ۵,۳۰,۰۰۰ مکعب میٹر

خوشی کی بات ہے کہ عالمی بنک نے بھی حکومتِ مہاراشٹر کی کارکردگی
ی تعریف کی ہے۔ بھاتسہ مرکز کا دورہ کرنے کے بعد عالمی بنک کے نمائندے
ری ایرک ویلیم نے واشنگٹن پہنچ کر مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

[illegible]

اب تک ۹,۸۷ لاکھ سی یو ایم کام ہو چکا ہے۔ ابتداء میں بمبئی میں آب
سانی کے لئے جس کے واسطے مناسب انتظامات کئے گئے ہیں، ۱۰۰ ایم جی ڈی
سے شروع کیا جائے گا۔ توقع ہے کہ بمبئی میونسپل کارپوریشن اس ذخیرہ کو کام میں
ر بمبئی کی آب رسانی میں فروری ۱۹۸۰ء سے کچھ اور اضافہ کر سکے گی۔ ڈیم کے

باقی ماندہ کام کو مندرجہ ذیل طریقے سے پورا کیا جائے گا۔

سال	پروگرام۔ لاکھ مکعب میٹر میں
۱۹۷۹-۸۰ء	۱,۵۲
۱۹۸۰-۸۱ء	۱,۵۳
۱۹۸۱-۸۲ء	۱,۴۰
۱۹۸۲-۸۳ء	۱,۲۰
۱۹۸۳-۸۴ء	۱,۱۰
۱۹۸۴-۸۵ء	۰,۲۰

طریقۂ عمل: سال بہ سال پورے کام کا منصوبہ تیار کیا جاتا ہے اور اسے عمل میں لایا جاتا ہے۔ منصوبہ میں ماہر اور غیر ماہر مزدوروں کی فراہمی، تعمیری اشیاء حاصل کرنا اور وقت بہ وقت ضروری فیصلے کرنا شامل ہے۔ ہر سال پانچ تا چھ ہزار مزدور، سو، سوا سو ٹرک، ۳۰ - ۴۰ کنکریٹ مکسچر مشینیں، ۶ - ۸ کرین استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ روزانہ ۳۰۰ لاری پتھر روڑی، ۱۰۰ لاری ریت، ۱۶۰ ٹن سمنٹ (۳۲۰۰ بورے) اور ۱۰ - ۱۲ لاری دھات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان تمام اشیاء پر اخراجات کا تخمینہ ۲۰۰ لاکھ روپیہ ہے۔

اصل کام پر سالانہ اخراجات کا تخمینہ ۴۰۰ - ۴۵۰ لاکھ روپیہ ہے جس میں سے ۸۰ - ۹۰ لاکھ روپیہ مزدوری اُجرت کے بطور تقسیم کیا جاتا ہے۔ مزدوروں کو وقت پر تنخواہ دینے کے لئے مقررہ تاریخوں میں ہر ماہ تین دفعہ اُجرت تقسیم کی جاتی ہے۔ زیادہ تر مزدور آندھرا پردیش، مراٹھواڑہ اور دیگر جگہوں سے بلائے جاتے ہیں۔ شروع شروع میں تمام مزدور باہر سے حاصل کئے جاتے تھے لیکن اب مقامی مزدوروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ ادیباسیوں کو بھی یہاں روزگار حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ محکمہ جاتی کام شروع ہونے پر ہی روزگار کے یہ تمام مواقع میسر ہو سکے ہیں۔

مزدوروں کیلئے سہولیات: تعمیری کاموں کے لئے درکار مزدوروں کو بند کے مقام سے قریب ہی بہت ہی کم ماہانہ کرایہ پر سستے مکانات فراہم کئے گئے ہیں۔ مزدوروں کی بستی میں آب رسانی اور اسٹریٹ لائٹ کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ ۱۰ویں جماعت تک ایک ثانوی مدرسہ بھی قائم کیا گیا ہے جلتی سہولت کا خاص انتظام کیا گیا ہے نیز تفریح کے لئے ایک ٹی وی سیٹ بھی مہیا کیا گیا ہے۔

خصوصیات

۱۔ مقام :	نزد موضع ساجیوالی، تعلقہ شاہ پور، ضلع تھانے
۲۔ طاس علاقہ :	۳۸۶ مُربع کلومیٹر
۳۔ سالانہ بارش :	۳۳۳۴ ایم ایم
۴۔ ذخیرۂ آب میں کُل گنجائش :	۹۵۷٫۵۰ ایم۔ سی یو ایم
۵۔ سالانہ استعمال :	۷۲۱٫۲۰ ایم۔ سی یو ایم
فراہمیِ آب :	۱۳۶۰٫۰ ایم ایل ڈی
آبپاشی :	۴۵۵ ایم ایل ڈی
۶۔ بند کی انتہائی بلندی :	۸۵٫۶۳ میٹر
۷۔ بند کی نوعیت :	پختہ بند
۸۔ بند کی لمبائی :	۹۱۸ میٹر
۹۔ غرقاب علاقہ :	۲۶۵۷ ہیکٹر
قابل کاشت :	۱۷۰ ہیکٹر
جنگلاتی زمین :	۲۴۸۷ ہیکٹر
متاثرہ گنؤ تھان کی تعداد :	۷
متاثرہ جانداروں کی تعداد :	۵۲۵
۱۰۔ کُل زیرِ اثر علاقہ :	۴۷۸۶۰ ہیکٹر
قابلِ آبپاشی :	۲۳ ہزار ہیکٹر
۱۱۔ اقسامِ فصل :	
دوامی :	۲۰ فیصد
موسمی :	۸۰ فیصد
دیگر :	۸۵ فیصد
۱۲۔ پُروجیکٹ کی کُل لاگت :	۶۲۰۶ لاکھ روپے
الف) ہیڈورک کی لاگت : ...	۴۳۴۰ لاکھ روپے
ب) نہروں کی لاگت :	۱۸۶۶ لاکھ روپے
۱۳۔ اِفادہ لاگت تناسب :	۱٫۸۰ لاکھ روپے

آبپاشی: بھاتسہ دائیں نہری کنارے پر تعمیری کام ۲۲ کلومیٹر تک نہایت تیزی سے چل رہا ہے۔ اس میں ۶۲٫۸۹ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر ہونے والی ۲۴ تا ۲۷ کلومیٹر لمبی سُرنگ بھی شامل ہے۔ توقع ہے کہ اکتوبر ۱۹۸۰ء سے ۱۴۴۰۰ ہیکٹر اراضی پر آبپاشی کی جاسکے گی۔ رفتہ رفتہ

بقایا صفحہ ۲۴ پر

• ایل۔ این۔ دوشی
چیف ایگزیکیٹو آفیسر 'مڈک'،
ایم۔ آئی۔ ڈی۔ سی۔ ممبئی

مڈک۔ صنعتی ترقی کے لئے سرگرم عمل

مہاراشٹر انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (مڈک) یعنی مہاراشٹر صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کا قیام یکم اگست ۱۹۶۲ء کو عمل میں آیا تھا۔ اس وقت سے یہ کارپوریشن ریاست کی صنعتی ترقی میں بے مثال کردار ادا کر رہی ہے یہ مہاراشٹر میں تیز اور باقاعدہ صنعتی توسیع و ترقی کے لئے سرگرم عمل ہے۔

یہ ریاستی حکومت کے تعمیری ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ یہ کارپوریشن ریاست کے مختلف حصوں میں ریاستی حکومت کے حاصل کردہ بڑے قطعاتِ اراضی لے لیتی ہے تاکہ انہیں ٹھیک کر کے خواہش مند صنعت کاروں کو الاٹ کرے۔ یہ تمام صنعتی علاقوں میں جنہیں اس نے ترقی دی ہے' سڑکوں کی تعمیر، فراہمی آب، اسٹریٹ لائٹ، ڈاک و تار، بنک، پولس اسٹیشن، ڈسپنسری، کینٹین اور دکان وغیرہ کی عام سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔

فی الحال 'مڈک' نے ریاست کے ہر ضلع میں کم سے کم ایک صنعتی بستی قائم کی ہے۔ فی الحال کارپوریشن کے تحت ۶۰ باقاعدہ صنعتی علاقے ہیں جو ساری ریاست میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں مختلف پیمانے پر چھوٹی، درمیانی اور بڑی صنعتیں قائم ہیں۔ اب تک 'مڈک' نے صنعتی سدھار کے لئے ۱۹,۸۹۳ ہیکٹر اراضی کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ جس میں سے ۱۵,۷۵۰ ہیکٹر اراضی کارپوریشن کے قبضہ میں آگئی ہے۔ اب تک ۶,۴۹۷ پلاٹ صنعتوں کو دیئے جا چکے ہیں۔ 'مڈک'

ریاست بھر میں قائم چھوٹے، میانہ اور بڑے پیمانے کی صنعتوں کے لئے بنائے گئے ۶۰ صنعتی علاقوں میں سے ایک صنعتی علاقہ۔ ان علاقوں میں ۳,۸۴۰ کارخانے جاری ہیں۔ جن میں ۱,۳۶,۲۸۲ افراد برسرِ روزگار ہیں۔
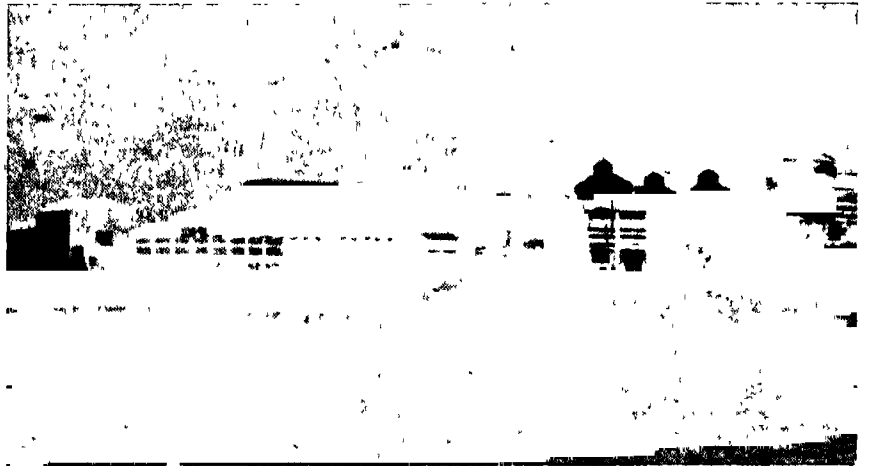
صنعتی علاقوں کی ترقی کے علاوہ 'مڈک' ماہرین و تعلیم یافتہ بیروزگار افراد کو اپنی نجی صنعت قائم کرنے میں مدد دیتی ہے۔ ایسے تیار شیڈس مذکورہ افراد کو آسان شرطوں پر مہیا کئے جاتے ہیں تاکہ انھیں کاروبار شروع کرنے میں مدد مل سکے۔

کے صنعتی علاقہ جات میں تین ہزار ۴۸ کارخانے مال تیار کرنے لگے ہیں۔ جن سے ریاست بھر میں ۲۸۲،۳۶،۱ اشخاص کو روزی ملی ہے۔

صنعتی علاقوں کو سدھار کر موزوں پلاٹ بنانے کے علاوہ' کارپوریشن باڑہ یا کارخانہ کی معمولی عمارت کی تعمیر کا ضروری کام بھی انجام دیتی ہے۔ اب تک 'مڈک' کے مختلف صنعتی علاقہ جات میں ۳۸۹،۱ باڑے ۶۶۶۹ لاکھ روپے کی لاگت سے بنائے جا چکے ہیں۔ نیز 'مڈک' نے آئندہ دو سال میں ۸۷۷ لاکھ روپے کی لاگت سے مزید ۲۷۱ باڑے تعمیر کرنے کا پروگرام شروع کیا ہے

پانی کی یقینی وافر فراہمی کے بغیر کوئی بھی صنعتی علاقہ نہ قائم رہ سکتا ہے نہ ترقی کر سکتا ہے۔ پانی عام صنعتوں اور خصوصاً کیمیکل صنعتوں کے معاملے میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے جن کا بڑا حصہ (پورے ملک میں تمام کیمیکل صنعتوں کا ۳۴ فیصد) ریاست میں ہے۔ کارپوریشن نے اب تک ۴۷،۴۲ کروڑ روپے کی رقم پانچ بڑے فراہمی آب سسٹم کے لئے خرچ کی ہے جس کی قائم گنجائش ۹،۱۱۸ ایم جی ڈی ہے۔ ان فراہمی آب سسٹم کے ذریعہ صنعتوں اور راہ میں آباد لوگوں کے لئے صاف پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ ان بڑی فراہمی آب اسکیمات کے علاوہ کارپوریشن فراہمی آب کے لئے کئی مقامی اسکیمیں ریاستی حکومت کے ایک ادارہ کی حیثیت سے سرانجام دیتی ہے۔ فی الحال تمام اسکیمات کو شامل کر کے فراہمی آب گنجائش ۱۴۷ ایم جی ڈی ہے۔

'مڈک' کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ صنعتوں کو ریاست کے پسماندہ خطوں میں پھیلایا جائے۔ فی الحال 'مڈک' کی زیر ملکیت کل اراضی کا صرف ۳۶ فیصد سدھارے علاقے میں ہے۔ بقیہ ۶۴ فیصد ریاست کے ترقی پذیر حصے میں ہے۔ اب تک 'مڈک' نے ریاست بھر میں ۴۸،۷۲ کروڑ روپے کی رقم ذیلی ڈھانچے کی ترقی پر صرف کی ہے۔ اس میں سے ۱۱ کروڑ روپے ریاست کے سدھارے حصہ میں اور ۱۶ کروڑ روپے ترقی پذیر حصہ (تقریباً ۶۰ فیصد) میں صرف کی گئی ہے۔

پلاٹ کی فروخت میں اختیار کردہ پالیسی کی رو سے ترقی پذیر علاقہ جات میں فروخت اراضی میں کافی اعانت کی جاتی ہے تمام ترقی پذیر علاقوں میں پانی بھی ۵۰ پیسے فی سی یو ایم، کی امدادی شرح پر مہیا کیا جاتا ہے۔ مشاہدہ یہی ہے کہ پانی کی شرح میں اس رعایت سے صنعت کاروں کو ترغیب ملتی ہے کہ وہ ریاست کے پسماندہ خطوں میں پانی بڑھو تری صنعتیں قائم کریں۔

اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ 'مڈک' مہاراشٹر میں صنعتوں کی باقاعدہ ترقی کے لئے بڑا اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ یہ ترقی پذیر خطوں میں زیادہ سے زیادہ علاقہ حاصل کر رہی ہے اور وہاں بنیادی سہولتیں بہم پہنچا رہی ہے تاکہ منظم طریقے پر تیزی سے صنعتوں کو پھیلانے کا مقصد پورا ہو سکے۔

★★

معاونِ اطباء
طبی سہولت میں نیا اضافہ

ڈاکٹر این۔ایچ کلکرنی، ایم۔بی بی۔ایس، ڈی۔پی۔ایچ (کلکتہ)

دیہی علاقوں میں بہتر طبی سہولیات فراہم کرنے کی غرض سے حکومت مہاراشٹر نے کئی اقدامات کئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم معاون طبیب (میڈیکل اسسٹنٹ) کا ایک تین سالہ تربیتی کورس ہے، جسے حکومت مہاراشٹر نے ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء کے اپنے ایک اعلان کے مطابق ۴۰ نکاتی پروگرام کے ۳۵ویں مد کے تحت جاری کیا ہے۔

ضرورت: ۲۵ سال پہلے میڈیکل کونسل آف انڈیا نے ملک بھر میں جاری تمام کم۔مدتی کورس مثلاً ایل۔سی۔پی۔ایچ، ایل۔ایم۔پی وغیرہ ختم کردیئے تھے اور صرف معیاری کورس ایم۔بی بی۔ایس جاری رکھنے کی اجازت دی تھی۔ کم۔مدتی طبی کورس کے سلسلہ میں اکثر وبیشتر یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہاں میڈیکل گریجویٹ کی کمی ہے؟ کیا حکومت ان تمام میڈیکل گریجویٹ کو روزگار فراہم کرنے سے قاصر ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب بے روزگار ڈاکٹروں میں سے کئی ایک دیہی علاقوں میں جانے کے خواہشمند ہیں تو پھر ایسے غیر معیاری کورس جاری رکھتے یا نیم تربیت یافتہ اطباء تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ جاننے کے لئے کہ حکومت نے اس سلسلے میں صحیح سمت قدم اٹھایا ہے ان تمام سوالوں کے

وزیر صحت ڈاکٹر شریمتی پرمیلا ٹوپلے نے دھولے میں تین سالہ مدتی میڈیکل کورس برائے میڈیکل اسسٹنٹ کی افتتاحیہ رسم دیپ روشن کرکے ادا کی۔ فی الحال اس کورس کے مراکز اکولہ، دھولے، رتناگیری، کولہاپور اور ناندیڑ میں ہیں۔

جوابات دینا نہایت ضروری ہے۔

اطبّاء کی موجودہ تعداد: ریاست مہاراشٹر میں ۱۳ میڈیکل کالج ہیں جن میں ہر سال ۵۲۵ اطلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ ان کالجوں میں سے سات کالج حکومت کے ہیں۔ میونسپل کارپوریشن کے تحت ۴ کالج، ایک کالج کستوربا ٹرسٹ اور ایک کالج آرمڈ فورس کے تحت چلائے جاتے ہیں۔ ہر سال اندازاً ۱۲۰۰ میڈیکل گریجویٹ کامیاب ہوتے ہیں اور تقریباً ۶۵۰ گریجویٹ مہاراشٹر ہی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں سولہ ایورویدک کالجوں سے ہر سال تقریباً ۸۰۰ ایورویدک اطبّاء کامیاب ہوکر نکلتے ہیں۔ اسی طرح ۲۴ ہومیوپیتھک کالجوں سے تقریباً ۱۰۰۰ ہومیوپیتھک ڈاکٹر کامیاب ہوتے ہیں۔ ان تمام اطباء کی تعداد مہاراشٹر میڈیکل رجسٹر کے مطابق اس طرح ہے: ۲۴,۴۴۴ ایلوپیتھک ڈاکٹر، ۲۵,۱۵۵ ایورویدک ڈاکٹر اور ۷,۲۲۳ ہومیوپیتھک ڈاکٹر۔

دیہی و شہری تعداد: ہماری ریاست میں ڈاکٹر۔آبادی تناسب دیہی علاقوں میں ۱:۲۵۰۰ اور شہری علاقوں مثلاً بمبئی جیسے شہروں میں ۱:۴۵۰ ہے۔ اس شرح میں ایورویدک اور ہومیوپیتھک اطباء شامل نہیں ہیں۔ اگر انھیں بھی شمار کیا جائے تو دیہی علاقوں میں ان کی شرح کم و بیش ۱:۲۰۰۰ ہو جاتی ہے۔ ان اعداد و شمار پر غور کیا جائے تو یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آبادی کے لحاظ سے اطبّاء یا ڈاکٹروں کی تعداد خاصی ہے۔ لیکن مسئلہ ڈاکٹروں کی تعداد کا نہیں بلکہ دیہی و شہری علاقوں میں ان کی غیر مناسب تقسیم کا ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ۶۸ فیصد ڈاکٹر صرف شہری علاقوں میں رہنا پسند کرتے ہیں جبکہ دیہی علاقوں میں جہاں ۷۸ فیصد آبادی ہے صرف ۳۲ فیصد ڈاکٹر پائے جاتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ دیہی اور شہری علاقوں میں سہولیات زندگی میں کافی فرق ہے۔ ہمارے کئی دیہاتوں میں چند بنیادی ضروریات بھی دستیاب نہیں ہیں جنھیں ایک شہری ڈاکٹر ضروری سمجھتا ہے۔ دیہی علاقوں میں حالات جوں کے توں ہیں۔ ان میں یکسر سدھار ناممکن ہے۔ اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے اطباء موجودہ حالات میں پریکٹس کرنے میں پس و پیش کریں گے، ہمیں ان اطبّاء کو اس بات پر راضی کرنا ہوگا کہ وہ ان حالات سے سمجھوتہ کریں۔

طبّی تعلیم کے اخراجات: طبّی تعلیم نہ صرف یہ کہ "مؤثر" ہونی چاہیئے بلکہ "تسلّی بخش" بھی ہونی چاہیئے۔ طبّی تعلیم کے اخراجات کے ساتھ ساتھ سماج کو ہونے والے فائدے پر بھی پورا پورا دھیان رکھنا چاہیئے۔ آجکل جدید طب میں تربیت حاصل کرنے والے ڈاکٹروں کے لئے خزانے پر فی ڈاکٹر ۱،۲۰،۰۰۰ روپے کے اخراجات کا بوجھ پڑتا ہے، اس میں طلبہ کے والدین یا سرپرستوں کی جانب سے ادا کئے جانیوالے اخراجات شامل نہیں ہیں۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ہندوستان میں دیگر ترقی یافتہ ممالک کی بہ نسبت طبّی تعلیم کے اخراجات نہایت کم ہیں، پھر بھی ملک کی آمدنی کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں۔ اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ موجودہ طریقۂ تعلیم ملک کے جاریہ حالات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ ضروری ہے کہ عالمی ترقی کے ساتھ قدم بہ قدم چلا جائے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ طبّی تعلیم کو اس قابل بنایا جائے کہ اس سے ملک و قوم کی ضرورت پوری ہو سکے۔

یاد رہے کہ اعداد و شمار مثلاً ڈاکٹروں اور آبادی کا تناسب کے انحصار پر کسی ملک کے صحت مند ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

ڈاکٹروں کے لئے روزگار کی فراہمی دوسرا اہم مسئلہ ہے۔ ویسے پیشہ ورانہ کورس مثلاً طبّی تعلیم وغیرہ کا مقصد روزگار کی فراہمی نہیں بلکہ عوام کو ذاتی روزگار کے قابل بنانا ہے۔ اسی لئے عام طور پر میڈیکل کالج کے طلبہ کوئی نوکری کرنے کے بجائے ذاتی پریکٹس کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے باوجود چند ایک کو روزگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ علمِ طب و حفظانِ صحت سے متعلق سرکاری پروگراموں کے لئے بھی ان کی ضرورت پیش آتی ہے۔

مختصر المدّتی کورس کے فوائد: مندرجہ بالا مسائل غور طلب ہیں، ان مسائل کا ایک حل یہ ہے کہ معاون اطبّاء (میڈیکل اسسٹنٹ) کا مختصر المدتی کورس شروع کیا جائے۔ اس کے بہت سے فائدے ہوں گے۔ مثلاً (۱) اسے ضلع کی سطح پر جاری کیا جا سکتا ہے۔ (۲) داخلے کے لئے دیہی علاقوں کے طلبہ کو ترجیح دی جا سکتی ہے (۳) طلبہ پر ہونے والے اخراجات میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ ایسے تربیت یافتہ اشخاص دیہی علاقوں کے لئے نہایت موزوں ہوں گے۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ میڈیکل اسسٹنٹ اور ایسے دیگر تربیت یافتہ اشخاص کی خدمات کئی ملکوں میں ایسے علاقوں میں کام میں لائی جا رہی ہیں جہاں اس سے قبل طبی سہولیات موجود نہ تھیں۔

تمام مسائل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد حکومت مہاراشٹر نے بالآخر اکتوبر و نومبر ۱۹۷۹ء سے ۳ سالہ شارٹ ٹرم میڈیکل ڈپلوما کورس ریاست کے پانچ ضلع اسپتالوں یعنی اکولہ، دھولے، رتناگیری، کولہاپور اور ناندیڑ میں شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کورس کے خاتمے پر طلبہ کو ایک سال کے لئے کسی تسلیم شدہ ڈاکٹر کے زیر تربیت رہنا ہوگا۔ اس کے بعد اسے ۵ سال تک صرف دیہی علاقہ میں ذاتی پریکٹس کرنے کی اجازت ہوگی۔

ہر سال ۲۰۰ طلبہ داخل کئے جائیں گے۔ گجرات اور بنگال کی حکومتیں بھی اسی طرح کے کورس شروع کر رہی ہیں۔ پلاننگ کمیشن نے بھی اس کورس کو پسند کیا ہے۔ ممکن ہے کہ کمیشن مالی امداد بھی دے۔

خصوصیات:

(۱) اس مقصد کے لئے صرف دیہی علاقوں کے طلبہ ہی کو اس کورس میں داخلہ مل سکے، داخلے کی شرائط میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ طلبہ جو کسی دیہاتی اسکول میں ساتویں جماعت تک پڑھے ہوں اور ۱۰ + ۲ امتحان کامیاب ہوں، انھیں مذکورہ کورس میں داخلے کے لئے قابلیت کی بنیاد پر ترجیح دی جائے گی۔

(۲) اس مقصد کے لئے کہ دیہی علاقوں میں ڈاکٹر دستیاب ہوں، ہر طالبعلم سے ۵۰۰۰ روپے بطور ضمانت لیا جائے گا اور شرط یہ ہوگی کہ تربیت اور اپرنٹس شپ مکمل کرنے کے بعد پانچ سال تک دیہی علاقہ میں ہی پریکٹس کرنا ہوگی۔

(۳) اس کورس کا نصاب تعلیم اس طرح رکھا گیا ہے جس کے نتیجہ میں طلبہ کو بیماری سے حفاظت و علاج دونوں کا علم ہو سکے۔ خصوصاً بیماریوں سے بچاؤ کے سلسلے میں میڈیکل اسسٹنٹ اس قابل بن سکے گا کہ وہ عام بیماریوں کی بآسانی تشخیص کر سکے، ان کا علاج کر سکے اور پیچیدہ امراض کے لئے نزدیک میں واقع ہیلتھ سینٹر یا اسپتال سے رجوع کر سکے اور اپنے علاقے میں حفظان صحت کے امور بروئے عمل لا سکے۔

روپیہ پیسہ کی طرح طبی افراد بھی ایک ذریعہ ہیں۔ تجربے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ڈاکٹر سے کچھ کم تربیت یافتہ افراد بھی اچھی طرح سے طبی فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ —— اور یہی مقصد خاص ہے مختصر المدتی مذکورہ کورس کا، جس پر معترض ہوئے بغیر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ معاون الطبی آخری حل نہیں ہے بلکہ یہ منجملہ دیہی آبادی کو صحت مند رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

*

یوتھ فورم:

"یوتھ فورم" کا مستقل فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھوت چھات کے خاتمے اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتے پر مرحمت فرمائیں:
ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ، پندرھواں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی نمبر ۴۰۰۰۳۲

ڈاکٹر شریمتی پرمیلا ٹوپلے، وزیر صحت

مہاراشٹر میں ۱۶ر ستمبر سے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کے دوران خاندانی بہبود مہینہ منایا گیا۔ محدود خاندان کے سلسلے میں ملنے والی خبریں بڑی حوصلہ افزا ہیں۔ اس مدت کے دوران ریاست میں کل ۱,۰۱,۸۲۴ نس بندی آپریشن کئے گئے اور اس طرح یہ ریاست ایک لاکھ کا مقررہ نشانہ پار کرگئی ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سال بھر کے دوران نسبندی کیلئے حکومتِ ہند کا مقررہ نشانہ ۲٫۴۶ لاکھ رکھا گیا ہے جبکہ اعداد و شمار کے مطابق ۱۵ر اکتوبر تک سال کے دوران ریاست مہاراشٹر میں ۱,۶۷,۶۸۹ نسبندی آپریشن کئے گئے جوکہ مقررہ نشانہ کا ۶۸٫۲ فیصد ہے۔

خاندانی بہبود تحریک

۱۶ر ستمبر تا ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۹ء

خصوصیات: ۱) ۲۶ اضلاع میں سے ۱۳ اضلاع مذکورہ تحریک کا نشانہ پار کر گئے ہیں۔ (خاکہ منسلک ہے)

۲) ان ۱۳ اضلاع میں سے بھنڈارہ، چندرپور، امراؤتی اور ایوت محل سالانہ نشانہ سے تجاوز کر چکے ہیں (خاکہ (ب) اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

۳) ضلع بھنڈارہ میں ۱۳۴۸۴ نسبندی آپریشن ہوئے، اس طرح یہ ضلع تمام اضلاع میں سر فہرست ہے۔ یہ ۳۳۴۰ مقررہ نشانے کا ۴۰۳ فیصد ہے۔ اس کے بعد ضلع چندرپور ہے جہاں ۱۱۲۴۰ آپریشن کئے گئے (یہ ۲۹۵۰ مقررہ نشانہ کا ۳۸۱ فیصد ہے)

۴) سب سے اہم بات یہ ہے کہ نسبندی آپریشن کرانے والوں میں ۷۰ فیصد مرد تھے۔ جبکہ سال کے دوران اگست تک خواتین کے نسبندی آپریشن کی تعداد صرف ۱۲ فیصد ہے۔

(خاکہ "الف")

۱۶ر ستمبر سے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۷۹ء تک مہم ماہ کے دوران نسبندی کا نشانہ مکمل کرنیوالے اضلاع کے نام یہ ہیں:

نام اضلاع	ماہ کے دوران مقررہ نشانہ	کل آپریشن	مقررہ نشانہ کا فیصد
۱۔ بھنڈارہ	۳۳۴۰	۱۳۴۸۴	۴۰۳٫۶۷
۲۔ چندرپور	۲۹۵۰	۱۱۲۴۰	۳۸۱٫۰
۳۔ ایوت محل	۳۱۷۰	۷۵۵۶	۲۳۸٫۳۴
۴۔ امراؤتی	۳۴۱۰	۷۰۱۱	۲۰۵٫۶۶
۵۔ ناگپور ضلع پریشد	۲۱۱۵	۴۲۴۳	۲۰۰٫۶۶
۶۔ اکولہ	۲۹۴۰	۳۷۴۵	۱۲۷٫۳۴

۷۔ سولاپور	۲۵۴۸	۳۰۷۷	۱۲۰٫۶۸
۸۔ پربھنی	۲۶۵۰	۳۱۵۸	۱۱۹٫۲
۹۔ وردھا	۲۲۷۰	۲۵۵۰	۱۱۲٫۳
۱۰۔ بلڈانہ	۲۷۷۰	۲۹۰۳	۱۰۴٫۸
۱۱۔ احمد نگر	۴۶۰۰	۴۷۶۵	۱۰۳٫۶
۱۲۔ دھولے	۳۴۴۰	۳۵۳۱	۱۰۲٫۷
۱۳۔ ناندیڑ	۲۹۹۰	۳۰۰۴	۱۰۰٫۵

خاکہ 'ب'

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء تک سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے لئے سالانہ نسبندی آپریشن کا نشانہ مکمل کرنے والے اضلاع

نمبر شمار	نام اضلاع	سالانہ نشانہ	۱۵ اکتوبر تک کئے گئے کل آپریشن	سالانہ نشانہ کا فیصد
۱۔	بھنڈارہ	۸۲۱۶	۱۴۱۲۱	۱۷۱٫۹
۲۔	چندرپور	۷۲۵۷	۱۱۹۰۹	۱۶۴٫۱
۳۔	ایوت محل	۷۷۹۸	۸۸۶۲	۱۱۳٫۶
۴۔	امراؤتی	۸۳۸۹	۸۵۰۹	۱۰۱٫۴

خاندانی بہبود مہینہ (۱۶ ستمبر تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء) میں خصوصی تحریک کے دوران نسبندی آپریشنوں کی تعداد (اندازاً) نیز یکم اپریل تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء تک ریاست میں کئے گئے آپریشنوں کی تعداد

نمبر شمار	نام اضلاع و کارپوریشن	مہم نشانہ	آپریشنوں کی کل تعداد	فیصد نشانہ (۸۰-۱۹۷۹ء)	سالانہ نشانہ (۸۰-۱۹۷۹ء)	۱۵ اکتوبر تک کل تعداد	فیصد سالانہ نشانہ
۱۔	قلابہ	۲۵۴۰	۶۹۸	۲۷٫۴۸	۶۲۴۸	۲۳۳۸	۳۷٫۴
۲۔	رتناگیری	۴۹۴۰	۳۱۰۴	۶۲٫۸۳	۱۲۱۵۲	۳۷۵۲	۳۰٫۹
۳۔	تھانے	۴۵۱۰	۲۹۸۹	۶۶٫۲۷	۱۱۰۹۵	۵۰۱۵	۴۵٫۲
۴۔	دھولے	۳۴۴۰	۳۵۳۱	۱۰۲٫۶۴	۸۴۶۲	۵۲۱۹	۶۱٫۷
۵۔	جلگاؤں	۴۴۰۰	۳۳۲۱	۷۵٫۴۷	۱۰۸۲۴	۵۷۶۶	۵۳٫۳
۶۔	ناسک	۴۹۹۰	۳۷۴۹	۷۵٫۱۳	۱۲۲۷۵	۸۰۶۷	۶۵٫۷
۷۔	احمد نگر	۴۶۰۰	۴۷۶۵	۱۰۳٫۵۸	۱۱۳۱۶	۸۶۷۹	۷۶٫۷
۸۔	پونے ضلع پریشد	۳۶۶۵	۳۰۰۳	۸۱٫۹۳	۸۴۷۵	۷۸۳۸	۹۲٫۵
۹۔	سولاپور ضلع پریشد	۲۵۴۸	۳۰۷۷	۱۲۰٫۷۶	۶۲۶۹	۵۴۸۸	۸۷٫۵
۱۰۔	ستارا	۳۳۷۰	۲۳۳۲	۶۹٫۱۹	۸۲۹۰	۴۷۹۳	۵۷٫۸
۱۱۔	سانگلی	۲۶۷۰	۱۳۰۰	۴۸٫۶۸	۶۵۶۸	۳۶۸۹	۵۶٫۱
۱۲۔	کولہاپور ضلع پریشد	۳۱۴۰	۱۹۸۱	۶۳٫۰۸	۷۷۲۶	۵۰۴۴	۶۵٫۳
۱۳۔	بھنڈارہ	۳۳۴۰	۱۳۴۸۴	۴۰۳٫۷۱	۸۲۱۶	۱۴۱۲۱	۱۷۱٫۹

(بقایا صفحہ ۱۸ پر)
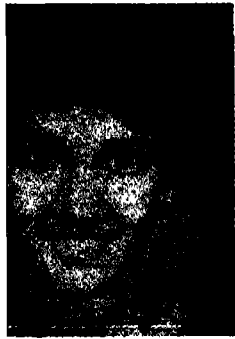
(بائیں سے دائیں) سنجیوتی کرند یکر (جمناسٹک)، ممتاز ایم ستاری (کبڈی)، ہوما دیلوی (باسکٹ بال)، روز الینڈ المیڈ (اتھلیٹکس، گونگے بہرے)، اینا رببلو (ہاکی)، شبیر تازکرسانی (اتھلیٹکس - پیرا پلیجک - وھیل چیئر)، راگنی این - بوکے (والی بال)، کرن وارڈیکر (ٹیبل ٹینس)، نیلما سی ٹیپلی وار (کھوکھو)، منگل کے بھوو ڈ (جوڈو)، پونم آر - ستید (اتھلیٹکس)، ہمنز لیش ایس - ٹریجان (بیڈمنٹن)، ہیر ور لاشاستری (تیراکی)، ایس - ایل نرودیہ اور الیکس واز (جسمانی تعلیم و کھیل کارکن)، لکشمن بی - بیرا کاواڑے (اتھلیٹکس - پیرا پلیجک، وھیل چیئر) اور جہانگیر کے - یا ڈواد (جسمانی صحت)

(بائیں سے دائیں) پرکاش ایم۔ ... (شطرنج)، ... بی۔ پوار (بیڈمنٹن)، مینو۔ بی۔ انکلیسریا (تیراکی)، اچنے۔
لے۔ سدھلے (ٹیبل ٹینس)، نیتن۔ یو۔ کانیٹکر (جوڈو)، رویندرا۔ ایس۔ گائکن (باکسنگ)، رام کریال۔ ایس۔ ڈاجیر
(کشتی)، بھرت کھتری (والی بال)، دلیپ۔ بی۔ وینگسرکر (کرکٹ)، نرشی بی۔ سانم (ویٹ لفٹنگ)، شانتارام۔ آر۔
جادھو (کبڈی)، الون ننو (میدانی کھیل)، ہسب لے۔ جگدیو (کھو کھو)، ادلیپو فرنانڈس (ہاکی)، مندل پال (ٹینس)،
رگھوناتھ ڈی۔ کھانولے (جسمانی تعلیم و کھیل کارکن)، رمیش رجے۔ کسلے (رائفل۔ نشانہ بازی)، اور میگھ ناتھ ناگیشکر
(جسمانی تعلیم و کھیل کارکن)۔

صفحہ ۱۵ سے آگے
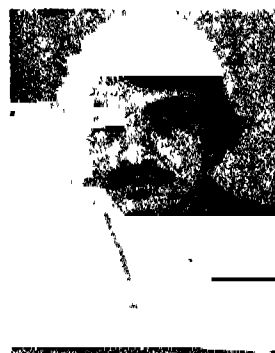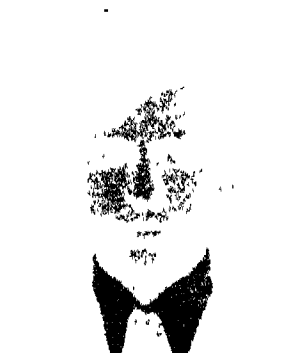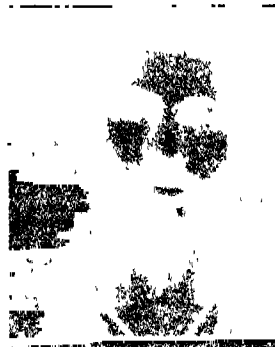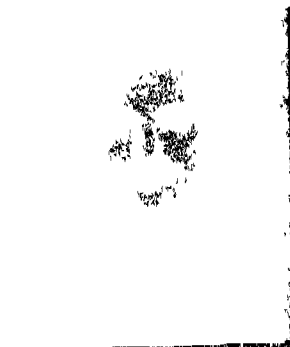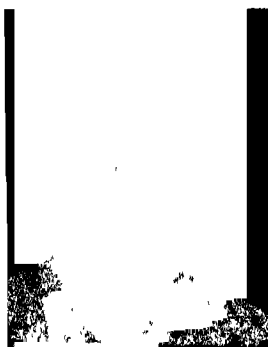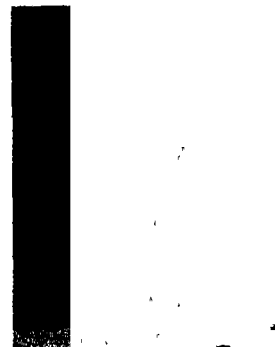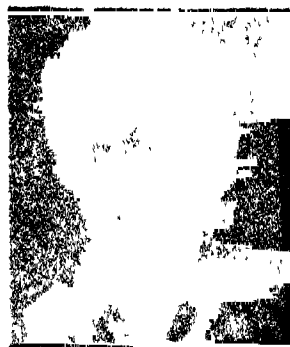
نمبر شمار	نام اضلاع و کارپوریشن	نشانہ کے تحت تحریک	آپریشنوں کی کل تعداد	فیصد نشانہ (۸۰-۱۹۷۹ء)	سالانہ نشانہ (۸۰-۱۹۷۹ء)	۱۵ راکتوبر تک کل تعداد	فیصد سالانہ نشانہ
۱۴۔	چندرپور	۲۹۵۰	۱۱۲۴۰	۲۸۱٫۰۱	۷۲۵۷	۱۱۹۰۹	۱۶۴٫۱
۱۵۔	ناگپور ضلع پریشد	۲۱۱۵	۴۲۴۳	۲۰۰٫۶۱	۵۲۰۳	۴۷۵۵	۹۱٫۴
۱۶۔	وردھا	۲۲۷۰	۲۵۵۰	۱۱۲٫۳۳	۵۵۸۴	۳۳۷۰	۶۰٫۴
۱۷۔	اکولہ	۲۹۴۰	۳۷۴۵	۱۲۷٫۳۸	۷۳۳۲	۵۳۷۱	۷۴٫۳
۱۸۔	امراؤتی	۳۴۱۰	۷۰۱۱	۲۰۵٫۶۰	۸۳۸۹	۸۵۰۹	۱۰۱٫۴
۱۹۔	بلڈانہ	۲۷۷۰	۲۹۰۳	۱۰۴٫۸۰	۶۸۱۴	۳۵۶۵	۵۲٫۳
۲۰۔	ایوت محل	۳۱۷۰	۷۵۵۶	۲۳۸٫۳۵	۷۷۹۸	۸۸۶۲	۱۱۳٫۶
۲۱۔	اورنگ آباد	۳۷۰۰	۱۹۳۷	۵۲٫۳۵	۹۱۰۲	۳ ۳۰	۳۵٫۵
۲۲۔	بیڑ	۲۷۰۰	۱۵۰۹	۵۵٫۸۸	۶۶۴۲	۲۵۳۸	۳۸٫۲
۲۳۔	ناندیڑ	۲۹۹۰	۳۰۰۴	۱۰۰٫۴۶	۷۳۵۵	۳۶۶۶	۴۹٫۸
۲۴۔	عثمان آباد	۴۰۹۰	۱۶۷۱	۴۰٫۸۵	۱۰۰۶۱	۳۰۱۲	۲۹٫۹
۲۵۔	پربھنی	۲۶۵۰	۳۱۵۸	۱۱۹٫۱۷	۶۵۱۹	۳۷۸۳	۵۸٫۰
	میزان 'الف'	۹۳۹۰۸	۹۷۸۶۱	۱۰۴٫۲۱	۲۰۵۸۷۲	۱۴۲۳۷۹	۶۹٫۲
	کارپوریشن:						
۱۔	ممبئی عظمیٰ	۱۰۱۴۱	۱۳۵۳	۱۳٫۳	۲۴۹۴۷	۱۳۳۴۵	۵۳٫۵
۲۔	پونے	۱۸۰۵	۸۸۲	۴۸٫۸	۴۴۴۰	۴۴۶۲	۱۰۰٫۵
۳۔	سولاپور	۱۵۶۲	۵۶۴	۳۶٫۱	۳۸۴۲	۲۶۲۸	۶۸٫۴
۴۔	کولہاپور	۴۷۰	۲۶۸	۵۷٫۰	۱۱۵۵	۱۵۲۵	۱۳۲٫۰
۵۔	ناگپور	۲۱۱۴	۸۹۶	۴۲٫۳۸	۵۲۰۳	۳۲۸۷	۶۳٫۲
۶۔	کرکی کنٹونمنٹ	–	–	–	۵۷۱	۶۳	۱۱٫۰
	کل میزان 'ب'	۱۶۰۹۲	۳۹۶۳	۲۲٫۹	۴۰۱۲۸	۲۵۳۱۰	۶۳٫۱
	کل میزان:	۱۰۰۰۰۰	۱۰۱۸۲۴	۱۰۱٫۸	۲۴۶,۰۰۰	۱۶۷۶۸۹	۶۸٫۲

"مزامیر"

کلام حیدری، ہندوپاک کی ادبی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی ادبی شخصیت مُسلّم ہے۔ اس سے قبل افسانوں کے تین مجموعے اُردو ادب کو پیش کر چکے ہیں جو کافی مقبول ہوئے۔ آج جب بھی افسانوی ادب پر کوئی تنقیدی مضمون لکھے گا تو اس کے لئے کلام حیدری کا نام دینا بہت ضروری ہے ورنہ پھر وہ مضمون نامکمل ہی کہلائے گا۔

زیر تبصرہ کتاب "مزامیر" کے شروع میں مصنف کی زندگی کے مختصر حالات ہیں جو قاری کے لئے بہت ضروری تھے۔ انتساب انھوں نے اپنے "نوشہ بیٹا افسر" کے نام کیا ہے جو حقیقی معنوں میں کلام حیدری کے لئے مضبوط اور جوان سہارا ہے۔

نوشابہ حق نے "گذارشاتِ مرتب" کے عنوان سے سرسری طور پر کلام حیدری کے فن اور شخصیت سے تعارف کرایا ہے، جو بہت ہی خوب ہے۔ کلام حیدری کی جتنی بھی کتابیں اب تک منظرِ عام پر آچکی ہیں ان میں کسی پر بھی ایسے بڑے تنقید نگار یا افسانہ نگار سے "پیش لفظ" نہیں لکھوایا گیا ہے۔ کیوں؟ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ کلام حیدری اپنی تخلیقات کے بل بوتے پر اپنی شناخت کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، جو بہت ہی قابلِ تعریف بات ہے اور حقیقت میں ان کی شناخت تخلیق کے ذریعہ ہی اُردو ادب میں ہوئی ہے۔ جس سے کوئی بھی تنقید نگار انکار نہیں کر سکتا۔

"مزامیر" ماہنامہ "آہنگ" (گیا)، کے ادبی تنقیدی اداریوں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تنقیدی صلاحیت کیا ہے جو بات دس سال قبل انھوں نے ادب کے بارے میں کہی ہے، اسی بات کو آج کے ادبا، دُہرا رہے ہیں۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلام حیدری کا ذہن آج کے فن کاروں سے دس سال آگے ہے۔ اور مستقبل کے بارے میں "پیشین گوئی" بھی ان کا طرۂ امتیاز ہے، جو اس کتاب کے پڑھنے سے پتہ چل جائے گا۔ نوشابہ حق نے ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ ـ

"کون جانے کلام حیدری کا یہ فکر ادبی تنقید کی دنیا میں کس دن ایسا انقلاب لے آئے جو کوئی بیدار ذہن ہی لا سکتا ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے مجھے ذرا اختلاف ہے کیونکہ کلام حیدری کے ادبی تنقیدی فکر کو انقلاب کے دن کا انتظار؟ کیا معنی؟ کلام حیدری کے دو تنقیدی مضمون میں نے بھی پڑھے ہیں۔ ان تنقیدی مضامین سے میں نے یہ نتیجہ اسی وقت اخذ کر لیا تھا کہ یہ ذہین فنکار ایک دن "تنقیدی ادب" میں ہنگامہ برپا کر دے گا۔ اور تنقیدی ادب کو آج کے دوسرے تنقید نگاروں سے بہتر تخلیق دیگا۔ لیکن اب تک انھوں نے باضابطہ تنقیدی ادب کی طرف توجہ نہیں کیا ہے۔ کب کریں گے، یہ معلوم نہیں۔ ممکن ہے وہ ایک کتابی صورت ہی میں قارئین کو اپنی تخلیقات دیں۔

بہرحال "مزامیر" ایک ادبی تنقید کی جھلکیاں ہے جو کلام حیدری کے تنقیدی ذہن کا مختصر تعارف ہے، اور جو بہت ہی خوب ہے۔ اس کتاب کا یونیورسٹی اور کالج کی لائبریریوں میں ہونا بہت ضروری ہے۔ کتابت و طباعت بہتر ہے لیکن قیمت کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مجموعی طور سے کتاب خوبصورت اور معلوماتی ہے، جو ہر تنقیدی ذہن رکھنے والے کے لئے انتہائی اہم ہے۔

"مزامیر" (ادبی تنقید کی جھلکیاں) کے مصنف کلام حیدری ہیں۔ جسے نوشابہ حق (ایڈیٹر "آہنگ" گیا۔) نے ترتیب دیا ہے۔ چھیانوے صفحات پر مشتمل یہ کتاب دس روپے میں "دی کلچرل اکیڈمی، جگجیون روڈ، گیا (بہار) سے خریدی جا سکتی ہے۔

**

ضروری گذارش۔ رقم روانہ کرنیوالے حضرات سے:

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام، پتہ اور پنکوڈ نمبر ضرور تحریر فرمائیے۔ عموماً منی آرڈر کوپن پر لوگ اپنا نام و پتہ نہیں لکھتے جس کی وجہ سے شکایتی خطوط آنے پر کافی چھان بین کے بعد پرچہ جاری کرنا، ممکن ہوتا ہے۔ اگر کوپن پر نام و پتہ تحریر ہو تو "قومی راج" فوراً جاری کر دیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

غزل

فراق گورکھپوری

کیسے کہوں کس طرح بتاؤں آ کے کہاں میں قید ہوا ہوں
گنج بیکراں کے زنداں میں سہم سہم کہنا بھول گیا ہوں

میں کیا جانوں دُوری و قربت میں کیا سمجھوں ہجر و وصال
تجھ سے مل کے ہُوا اندازہ اپنے سے کتنا دُور رہا ہوں

کاش بتا دیتے رُستم کو آہ کہ میں ہی ہوں سہراب
عشق کے ہاتھوں زندگی پائی عشق کے ہاتھوں قتل ہوا ہوں

اپنی گمراہی کے صدقے لاؤں کہاں سے راہ نما
میں تیرے گھر کا رستہ تھا اپنا رستہ بھول گیا ہوں

کتنے جگ آئے اور بیتے سب ہیں میری نظروں میں
یہ بھی دیکھا وہ بھی دیکھا لیکن اب کیا دیکھ رہا ہوں

خیر و شر میری پرچھائیں کیسی نیکی کیسی بدی!
مشکل سے سمجھیں گے مجھ کو میں ہی اہرمن میں ہی خدا ہوں

مجھ سے مشرق کی پیشانی ہو جاتی ہے رنگا رنگ
میں ہی دھرتی کا سہاگ ہوں روز اُفق پر جھلک جاتا ہوں

مجھ کو فراق اب صدیاں گذریں یاد نہیں کب نغمہ سرا تھا
اب بھی کان کھنک جاتے ہیں اب بھی فضا میں گونج رہا ہوں

فراق

مُضطرب نظامی
جوہری محلہ،
لکھنؤ۔ (یو۔پی)

جو دعاؤں سے بچھڑے جائے وہ اظہار ہیں ہم
جس کو کوئی بھی نہ سُن پائے وہ گفتار ہیں ہم

سینۂ سنگ میں خاموشیِ فنکار ہیں ہم
چھُو کے دیکھے کوئی ہم کو کہ صنم زار ہیں ہم

کبھی کھُلتے نہیں دروازے تمنّاؤں کے
آج بھی گنبدِ بے در میں گرفتار ہیں ہم

حاشیے لفظ و معانی نے تراشے ہی نہیں
سُرخیاں جس کی نمایاں ہیں، وہ اخبار ہیں ہم

نہ کوئی دھوُپ کی روکش ہے نہ سایہ ہے کوئی
حسرتیں جس میں چُنی ہیں، وہی دیوار ہیں ہم

کون بکھری ہوئی پرچھائی سمیٹے مضطرب
آئینہ خانوں کی گرتی ہوئی دیوار ہیں ہم

★ حبیب اللہ خاں ساز
بذریعہ محمد صابر صاحب، مکان نمبر ۵/۲۰۸
کھڑیالی محلہ، لکھنؤ۔ (یو۔پی)

گُل بھی چُبھ جاتے ہیں دل میں کبھی نشتر کی طرح
زخم پڑ جاتے ہیں لفظوں سے بھی پتھر کی طرح

کیوں تمنّا کا سفینہ لبِ ساحل ٹھہرا
آپ کہتے تھے محبّت ہے سمندر کی طرح

کبھی محرومیِ قسمت پہ بھی تنقید نہ کی...
میں نے خود توڑ دیا دل کو ستمگر کی طرح

مجھ کو دیکھو تو مِرا عکس اُبھر آئے گا!
آئینہ سے مجھے نسبت ہے سِکندر کی طرح

میرا ہر خواب ہے صہبائے تمنّا اے ساز
میری نیندیں ہیں چھلکتے ہوئے ساغر کی طرح

• تسنیم فاروقی
باغ قاضی۔ لکھنؤ ۳ (یو-پی)

اس فنا زار میں تعداد پہ اتراتے ہیں
سنگریزے ہیں ستاروں سے جلے جاتے ہیں

تیری محفل میں وہ دیوانے کہے جاتے ہیں
دل کو پہروں جو ترے نام سے بہلاتے ہیں

زندگی ایسی عدالت ہے کہ جس کی حد میں
کچھ نہ کر پائیں جو مجرم وہی کہلاتے ہیں

غم نے تہذیب سکھا دی ہمیں دل رکھنے کی
ہم کو مغموم ملے کوئی تو سمجھاتے ہیں

جب کہیں کوئی کمی پائیں گے شکوہ ہوگا
ملنے والوں میں کہیں دل سے گلے جاتے ہیں

کوئی جنبش نہ توازن نہ جسارت کوئی
ہم وہ کاغذ ہیں جو آندھی میں اڑے جاتے ہیں

ہم فقیروں پہ کوئی قید لگانے والو!
ہم محبت کے لئے تاج کو ٹھکراتے ہیں

میکدے سارے مقفل ہیں مگر اے تسنیم
لوگ بادل کی طرح شہر میں لہراتے ہیں

*

• ایم۔ کوٹھیاوی راہی
قاضی پور خورد، گورکھپور (یو-پی)

تو مجھے چھوڑ کے اس رات سے کیا پائے گا
اک دیا اور ترے صحن میں جل جائے گا

ابر اٹھا ہے نہ اٹھے گا سمندر کے قریب
آسماں آج لہو رنگ نظر آئے گا

یاد آئیں گے یہی سرد ہوا کے جھونکے
جب ترا جسم مری آگ میں جل جائیگا

کب سے اس جھیل میں ڈوبے ہیں شفق کے پیکر
دھندلکا شام کا ہر واقعہ دہرائے گا

غم کے صندل سے ہے لپٹا ہوا اک سانپ ابھی
زندگی کون ترے غم کی قسم کھائیگا

شاخ لمحات پہ کھل اٹھیں گی پچھلی یادیں
جب ترا خواب مرے خواب سے ٹکرائے گا

چند ٹھکرائے ہوئے لوگ یہاں رہتے تھے
یہ کھنڈر بھی نئی تاریخ میں آجائے گا

خواب کے پیڑ تلے تو جو نہ آیا راہی
موسم ہجر بہر رنگ چلا آئے گا

*

• حسّان صدیقی الہ آبادی
۲۷، اے، سکنڈ ایونیو
اسمتھ روڈ، الہ آباد ۱ (یو-پی)

بھٹکا سکا نہ راہ سے حسن بتاں مجھے
جاں سے عزیز تر ہے ترا آستاں مجھے

اب تاب ضبط غم ہے کہاں آسماں مجھے
دینے پڑیں گے اور بھی کیا امتحاں مجھے

ایک لمحہ بھی سکوں میسّر نہ آسکا!
لائی حیات آہ کہاں سے کہاں مجھے

فصل بہار اور بھی دل کو جلا گئی
دیتا تھا کچھ سکوں تو دور خزاں مجھے

کب تک رہیگا میری نگاہوں سے تو نہاں
مل جائے گا کبھی نہ کبھی کچھ نشاں مجھے

دم بھر نہ تیری یاد سے غافل رہوں گا میں
مل جائے چاہے زندگی جاوداں مجھے

غافل جو تیری یاد سے ہوتا ہوں میں کبھی
ہشیار کرتا ہے مرا درد نہاں مجھے

حسّان کوئی یاد مجھے کر رہا ہے آج
بے وجہ آرہی ہیں یہ کیوں ہچکیاں مجھے

*

اتر پردیش اردو اکادمی کو انعامات دینے کیلئے کتابیں مطلوب
کتابیں موصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۵ جنوری ۸۰ء

اتر پردیش اُردو اکاڈمی کو یکم جنوری ۱۹۷۹ء سے ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء تک مدت کے دوران ہندوستان میں طبع شدہ اُردو کتابیں مطلوب ہیں تاکہ ان پر انعامات دینے کے سلسلہ میں غور کیا جاسکے۔

۲۔ جن مصنفین کو ۱۹۷۷ء میں یا اس سے پہلے شائع شدہ ان کی کسی کتاب پر انعام مل چکا ہے وہ ۱۹۷۹ء میں مطبوعہ اپنی کتاب انعام کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ انعامات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۳۔ تین تین ہزار روپے کے اُنیس خصوصی انعامات ان کتابوں پر دیئے جائیں گے جو درج ذیل موضوعات میں سے سال زیرِ غور (۱۹۷۹ء) کی بہترین اُردو کتاب سمجھی جائے گی۔

۱) تنقید (۲) تحقیق (۳) تاریخ (۴) افسانہ (۵) ڈرامہ (۶) نثر
۷) نظم (۸) غزل (۹) صحافت (۱۰) ترجمہ (۱۱) ناول (۱۲) سائنس
۱۳) سماجی علوم (۱۴) سوانح وسفرنامے (۱۵) کامرس اور معاشیات
(۱۶) تعلیم (۱۷) طنز ومزاح (۱۸) بچوں کا ادب (۱۹) متفرقات

۴۔ اگر مذکورۂ بالا موضوعات میں سے کسی موضوع کی کوئی کتاب انعام کے لئے داخل نہ ہوئی یا خصوصی انعام کی مستحق نہ سمجھی گئی تو اس موضوع سے متعلق انعامی رقم سوخت ہوجائے گی۔

۵۔ ان خصوصی انعامات کے علاوہ دو دو ہزار روپے کے زیادہ سے زیادہ اُنیس انعامات اور ایک ایک ہزار روپے کے زیادہ سے زیادہ اڑتیس مختلف انعامات بھی سال زیرِ غور (۱۹۷۹ء) میں طبع شدہ اُردو کتابوں پر تقسیم کئے جائیں گے یہ انعامات بھی حتی الامکان، مندرجہ بالا موضوعات سے متعلق کتابوں پر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر کسی موضوع پر کتابوں کی مقررہ تعداد انعام کی مستحق نہیں سمجھی جاتی تو اس کا انعام دوسرے موضوع سے متعلق کتابوں پر دیا جائے گا۔

۶۔ اس کے علاوہ اُردو کے پبلشروں کو بھی حسب ذیل انعامات دیئے جائیں گے:

الف) ڈیڑھ ہزار روپے کا ایک خصوصی انعام کسی ایسے غیر سرکاری اشاعتی ادارے کو، اُردو کتابوں کی اشاعت کے سلسلہ میں، اس کی مجموعی خدمات کے اعتراف کے طور پر دیا جائیگا جو کم از کم پانچ سال سے اُردو کتابیں شائع کر رہا ہے اور اس مدّت میں کم سے کم دس اچھی کتابیں طبع کر چکا ہے۔

ب) پانچ پانچسو روپے کے چار انعامات دیگر اُردو پبلشروں کو اُن کی مطبوعہ اُردو کتابوں کے حسنِ طباعت وغیرہ کے پیشِ نظر دیئے جائیں گے اور ان میں سے کم سے کم دو انعامات اُتر پردیش کے پبلشروں کے لئے مخصوص ہوں گے۔ یہ انعامات اس شرط کے ساتھ دیئے جائیں گے کہ کتاب کسی اور پہلو سے قابلِ اعتراض نہ ہو۔ انعامی مقابلے میں شرکت کیلئے یہ لازمی ہوگا کہ پبلشر اپنی کم سے کم دو مطبوعات، مقررہ ڈیکلریشن فارم کی خانہ پُری کے ساتھ اکاڈمی کو ۱۵ر جنوری ۱۹۸۰ء تک ضرور بھیجدے۔

۷۔ انعامات کی مجموعی رقم ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے ہے۔ اور مذکورہ بالا تمام انعامات اس شرط کے ساتھ دیئے جائیں گے کہ ان کی مجموعی رقم بجٹ میں مختص مذکورہ رقم سے متجاوز نہ ہو۔

۸۔ انعامات کی مد پر مختص جملہ رقم کا کم از کم پچاس فیصد حصّہ، بہ شرط استحقاق اُتر پردیش کے مصنفین کے لئے مخصوص ہوگا۔ بقیہ رقم کُل ہند پیمانے پر تقسیم کی جائے گی۔

۹۔ انعام کی غرض سے موصولہ کسی کتاب میں اگر کسی ادیب یا شاعر کے مضامین، خطوط یا کلام کو بلا ایڈٹ کئے ہوئے جمع کر دیا گیا ہے تو اس کتاب کے مرتب کو کوئی انعام نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح کسی کتاب میں جمع کی گئی تصاویر کے البم پر بھی انعام کے لئے غور نہیں کیا جائے گا۔

۱۰۔ انعام کی غرض سے موصولہ اگر کوئی کتاب نامکمل ہے یا کسی کتاب کا صرف ایک حصّہ انعام کے لئے بھیجا گیا ہے تو اس کتاب پر بھی غور نہیں کیا جائے گا۔

۱۱۔ انعام کے لئے کتابیں بھیجتے وقت اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا جائے کہ جن مصنفوں یا شاعروں کو اب تک اکاڈمی کے تین بڑے خصوصی انعامات کسی ایک یا مختلف موضوعات کی کتابوں پر مل چکے ہیں، آخری انعام پانے کے دو سال بعد تک اکاڈمی ان کی اس موضوع یا ان موضوعات کی کسی کتاب پر غور نہیں کرے گی۔

۱۲۔ اگر کوئی کتاب جنوری ۱۹۷۹ء سے قبل شائع ہوئی ہے تو اس پر انعام کے لئے غور نہیں کیا جائے گا، اگر کسی مصنف کو سال ۱۹۷۸ء میں طبع شدہ اس کی کسی کتاب پر اکاڈمی سے انعام مل چکا ہے تو اس بار اس کی کتاب پر بھی غور نہ کیا جائے گا۔

۱۳۔ انعام کے لئے اکاڈمی کو موصول ہونے والی کوئی بھی کتاب کسی حالت میں واپس نہیں کی جائے گی۔

۱۴۔ انعام کی غرض سے بھیجی جانے والی کتابوں کی آٹھ آٹھ جلدیں سکریٹری اُتر پردیش اُردو اکاڈمی، بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ کو اس طرح بھیجی جائیں کہ وہ انھیں زیادہ سے زیادہ ۱۵ر جنوری ۱۹۸۰ء تک ضرور موصول

ہو جائیں۔ مقررہ تاریخ گذر جانے کے بعد اگر کوئی کتاب دفتر کو موصول ہوئی تو اسے شامل مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ مصنفین حضرات ریلوے پارسل سے کتابیں روانہ نہ فرمائیں، کیونکہ اس سے ان کی وصولیابی میں غیر ضروری تاخیر کا امکان ہے۔ ایسی تاخیر کی ذمہ داری اکاڈمی پر نہ ہوگی۔ جو کتابیں بھیجی جائیں ان کے سرورق کے بعد کے صفحہ پر مندرجہ ذیل تفصیلات (ہر تفصیل نئی سطر سے) دینا ضروری ہوگا۔

(۱) کتاب کا نام (۲) مصنف کا نام اور پتہ (۳) پبلشر کا نام اور پتہ (۴) سنِ اشاعت (اگر دوسرا ایڈیشن ہے تو پہلے ایڈیشن کا حوالہ بھی) (۵) کتاب کا موضوع (۶) کتاب کی قیمت۔ ان تفصیلات کے علاوہ مندرجہ ذیل اقرار نامہ بھی چسپاں کرنا ضروری ہوگا:

میں تصدیق کرتا ہوں / کرتی ہوں کہ ... ...

(۱) اس کتاب پر ہندوستان کے کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کی طرف سے کوئی انعام نہیں ملا ہے۔

(۲) گذشتہ برس (۱۹۷۸ء) میں میری کسی کتاب پر اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کی طرف سے کوئی انعام نہیں ملا ہے۔

(۳) انعام کے سلسلے میں اُتر پردیش اُردو اکاڈمی کا فیصلہ قطعی و حتمی ہوگا اور مجھے اس کے خلاف کارروائی کرنے کا حق نہ ہوگا۔

دستخط مصنف / ناشر / مرتب ... ...

تاریخ ... ...

صفحہ ۸ سے آگے

مندرجہ ذیل اراضی کو بھی قابلِ آبپاشی بنایا جائے گا۔

سال	کل قابلِ آبپاشی ہیکٹر اراضی
۸۱-۱۹۸۰ء	۱۴۴۰
۸۲-۱۹۸۱ء	۳۷۹۸
۸۳-۱۹۸۲ء	۷۳۵۵
۸۴-۱۹۸۳ء	۱۲۴۵
۸۵-۱۹۸۴ء	۱۶۸۲۹
۸۶-۱۹۸۵ء	۲۳۰۰۰

آبپاشی کام اصل کام کے ساتھ ہی ساتھ پورا کئے جانے کی تجویز ہے تاکہ ذخیرے کا فوری استعمال کیا جا سکے۔ اس تمام اسکیم پر لاگت کا تخمینہ ۶۲۰۶ لاکھ روپیہ ہے جس میں سے ۴۰۴۳۴ لاکھ روپے بند کی تعمیر اور ۱۸۶۶ لاکھ روپیہ نہروں اور نظام تقسیم کاموں پر خرچ ہوگا۔ مارچ ۱۹۷۹ء تک بند اور نہروں کی تعمیر پر ۲۲۳۶۰۴۷ لاکھ روپیہ صرف کیا جا چکا ہے۔ جاریہ پنجسالہ منصوبے میں باقی ماندہ تین سالوں کے دوران اصل کام کے لئے ۱۱۹۵ لاکھ روپیہ، نہروں کے لئے ۸۳۵ لاکھ روپیہ اور ۳۶۰ لاکھ روپیہ پاور ہاؤس کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ مذکورہ پروجیکٹ ۸۶-۱۹۸۵ء تک مکمل ہو جائے گا۔ علاقہ کوکن جو آبپاشی کے معاملے میں اب تک پسماندہ ہے، اس پروجیکٹ سے کافی حد تک فیضیاب ہوگا۔ ●●

قارئین کیلئے ضروری اعلان

"قومی راج" میں "قارئین کی رائے" کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ قومی راج میں شائع شدہ کسی بھی مضمون یا کالم پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں اور یہ بھی لکھ سکتے ہیں کہ آپ کس قسم کی تخلیقات کو پسند اور کس قسم کی تخلیقات کو ناپسند کرتے ہیں۔

حکومت کی کسی اسکیم پر بھی آپ بحث کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں اپنی تعمیری رائے کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔ بس یہ خیال رکھئے کہ آپ کا خط ۳۰۰ سے زائد الفاظ پر مشتمل نہ ہو۔ اپنے خطوط آپ اس پتہ پر روانہ فرمائیں:

مدیر، پندرہ روزہ "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، ۱۵ واں منزلہ، مقابل منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

انجمن اسلام کرلا ہائی اسکول کے طلبہ کا بمبئی سے پونے پیدل تعلیمی سفر

انجمن آرٹ اکیڈیمی (انجمن اسلام کرلا ہائی اسکول بمبئی) طلبہ کی جمالیاتی اور جسمانی نشو و نما کے لئے کام کرتی رہی ہے۔ آج کے نوجوانوں کو فطرت سے قریب تر کرنے، مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے اور مہاراشٹر کی سرزمین سے واقفیت بہم پہنچانے کے خیال سے بمبئی سے پونے تک پیدل تعلیمی سفر (HIKING) کا انتظام کیا گیا۔

اسکول کے ۱۹ طلبہ پر مشتمل اس مہم کی رہنمائی اسکول کے ڈرائینگ ٹیچر شیخ عزیزالرحمٰن نے کی۔ اردو اسکولوں کے لئے اپنی نوعیت کی اس نئی مہم کو سر کرنے والوں میں احمد علی، محمد نعیم، سلطان احمد، ظفر علی خاں، ممتاز احمد، محمد یونس، محمد عائد، نثار احمد، سعید احمد، تاج الدین، محمد حنیف، لیاقت علی، شیخ محمود، علاء الدین، سید اسحاق، عمران صدیقی، محمد عرفان، محمد اسلم اور سب سے کم عمر طالب علم حنیف اللہ خاں (۱۲ سال) شریک تھے۔

۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء صبح ٹھیک ۹ بجے انجمن اسلام ہائی اسکول کرلا سے یہ سفر شروع ہوا۔ جناب عبدالمجید پاٹکا (جنرل سکریٹری انجمن اسلام بمبئی)، جناب لیاقت حسین (ایم۔ ایل۔ اے) اور جناب عبدالرؤف (ایس۔ ای۔ ایم) نے اپنی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ سفر پر جانے والوں کو الوداع کہا۔ طلبہ کے والدین بھی اس مختصر سے الوداعی جلسہ میں شریک تھے۔

دوران سفر طلبہ نے پنویل، کھپولی، لوناولہ اور تلے گاؤں قیام کیا۔ راستے میں طلبہ نے فوٹوگرافی، ڈرائنگ کے اسکیچ اور لکڑی و پتھر کے خوبصورت اور قابل دید نمونے جمع کئے۔ پونہ پہنچ کر پہلے طلبہ نے جناب حسین صاحب (ڈائرکٹر آف اسپورٹس مہاراشٹر اسٹیٹ) سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ ایک یادگار تصویر لی گئی اور وقت مقررہ پر ۲۶ اکتوبر ٹھیک ۴ بجکر ۵۵ منٹ پر شام کو اینگلو اردو ہائی اسکول کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے جہاں سفر کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر عالی جناب قلعدار صاحب (پرنسپل ٹیچرس ٹریننگ کالج) نسیم صاحب پرنسپل اینگلو اردو ہائی اسکول، جناب مرزا حمید بیگ (جنرل سکریٹری مسلم لیگ پونے) اور دیگر اہم شخصیتوں نے شاندار استقبال کیا۔
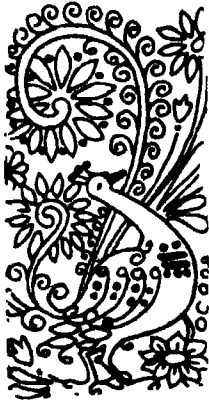
"تعلیمی سفر" میں شریک طلبہ اپنا سفر شروع کرنے سے پہلے۔

سردار پٹیل کو خراج عقیدت

۳۱ راکتوبر کے دن منترالیہ میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کی سالگرہ کے موقع پر انھیں خراج عقیدت پیش کیا گیا
وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے سردار پٹیل کی تصویر پر پھولوں کا ہار چڑھایا۔
کابینہ کے اراکین، چیف سکریٹری شری پی۔ جی گوائی، عہدیدار اور ملازمین نے بھی تصویر کے سامنے گلاب کی کلیاں نذر کر کے خراج عقیدت پیش کیا۔

نابینا شخص کو بنک کی امداد اسٹال کا افتتاح

شری این۔ ڈی۔ پاٹل وزیر امداد باہمی نے ۳۱ راکتوبر کو ایک وِنڈنگ اسٹال کا افتتاح کیا جو کہ نیشنل ایسوسی ایشن فار دی بلائنڈ کی طرف سے باز آبادکاری و تربیتی کیٹی اور مہاراشٹرا اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن لمیٹیڈ نے سکندر نامی نابینا شخص کو الاٹ کیا ہے۔
سنٹرل بنک آف انڈیا نے شری سکندر کو ۴ فی صد رعایتی شرح سود پر ساڑھے چھ ہزار روپئے کا قرض دیا ہے جو کہ ساڑھے آٹھ سال میں واپس ادا کیا جاسکے گا۔ بنک نے ہی ورلے پارلے میں اسٹال کے لئے جگہ بھی فراہم کی ہے۔
اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے شری پاٹل نے اس بات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا کہ قومیائے بنک کمزور اور غریب افراد کی باز آبادکاری میں رعایتی شرح سود پر قرض دے کر مدد کر رہے ہیں اس سے تعلیم یافتہ بے روزگاروں کو روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوں گے۔
اس موقع پر تقریب میں شری بالا صاحب پوار، چیرمین مہاراشٹر اسٹیٹ کوآپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن شری وجے مرچنٹ صدر نیشنل ایسوسی ایشن فار دی بلائنڈ اور سنٹرل بنک آف انڈیا کے عہدیداران موجود تھے۔
شری وی۔ ایس مہولکر نے مہمانوں کا استقبال کیا۔

نشہ بندی میں خواتین کے رول پر زور

شری چھیدی لال گپتا

صرف قانون کے ذریعہ نشہ بندی پر کامیابی کے ساتھ عمل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ خواتین اور نوجوان اس میدان میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس بات کا اظہار وزیر نشہ بندی شری چھیدی لال گپتا نے ڈائرکٹوریٹ آف پروہیبیشن کی جانب سے منترالیہ میں ۷ رنومبر کو منعقد کی گئی ایک بیٹھک میں کیا۔
ورلڈ ویمنز کرسچین ٹیمپرینس یونین کی صدر مسز مورلی جی۔ ہیتھ نے اس موقع پر مختلف شعبوں سے متعلق خواتین سماجی کارکنوں سے تبادلۂ خیال کیا
وزیر نشہ بندی نے مزید فرمایا کہ لگاتار جدوجہد اور تعلیم سے ہم نشہ بندی کے مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں۔
مسز ہیتھ نے کہا کہ الکحل سے آزاد زندگی حقیقتاً خوشحال زندگی کی ضمانت ہے اور اس سلسلہ میں خواتین اہم رول ادا کر سکتی ہیں
اس سے قبل سریمتی سوشیلا ادلوایکر ایم پی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

باندرہ میں اسٹیڈیم

ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسپورٹس لیاقت میں مزید ترقی کے مدنظر زیادہ اسپورٹس سہولتیں کھلے میدان اور کھیل کود کے گراونڈ مہیا کرے گی اس بات کا اظہار شری سدانند وردے وزیر تعلیم نے ۲۸ راکتوبر کو باندرہ میں موگھٹ لال بھٹ اسٹیڈیم کی بھومی پوجا کی ادائیگی کے وقت کیا۔
یہ اسٹیڈیم شانتارام بھٹ چیریٹیبل ٹرسٹ تعمیر کرے گی اور اس کے بعد یہ بمبئی میونسپل کارپوریشن کے سپرد کر دیا جائے گا۔
وزیر موصوف نے فرمایا کہ سرکار کی ان کوششوں میں جو کہ تمام انسانوں کے لئے تفریحی سہولتیں فراہم کرنے سے متعلق ہیں ٹرسٹ کا یہ اقدام تعاونی ہے۔
شری وردے نے اس موقع پر لوک نائک جے پرکاش نارائن کو بھی خراج عقیدت پیش کیا۔
اس اسٹیڈیم کی تعمیر میں لاگت کا اندازہ ۲ رلاکھ ہے اور اسٹیڈیم میں ... افراد کی گنجائش رکھی جائے گی اس کے علاوہ یہ اسٹیڈیم جو کہ اگلے چھ ماہ کے اندر مکمل ہو جائے گا۔ اس میں ایک چھوٹا آڈیٹوریم بھی تیار کیا جائے گا۔ کئی کونسلرز اور سابق میئر نے اس پروگرام میں شرکت کی۔ شری پراگ

جبٹ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری گوڈا بینے نے شکریہ ادا کیا۔

بچوں کو امداد

رقم اکٹھا کرنیکی مہم میں حصہ لینے والوں کو انعامات

شری ایس ایس وردے وزیر تعلیم نے چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کی جانب سے گزشتہ سال یوم پرچم پر فنڈ اکٹھا کرنے کی مہم میں حصہ لینے والے اسکولوں اور کالجوں میں ٹرافیس اور اسناد تقسیم کئے۔ یہ تقریب منترالیہ بمبئی میں ۱۷ ر اکتوبر کو منعقد کی گئی تھی۔

شری وردے نے تعلیم کے ساتھ ساتھ اس قسم کے عملی کاموں کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح طلبہ کے کردار بنانے میں بھی مدد ملے گی۔

سب سے زیادہ فنڈ اکٹھا کرنے پر رننگ ٹرافی ہزاری مل سومانی کالج کو دی گئی۔

شری کانتی کمار پودار، سوسائٹی کے چیرمین نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا شریمتی اسپنیہ ہیرپدیہ اعزازی سکریٹری نے شکریہ ادا کیا

شریمتی سرلا دیوی، شری بابا امٹے اور شری جے سی پاٹل کو جمنالال بجاج انعامات

صدر جمہوریہ شری نیلم سنجیوا ریڈی کے دست مبارک سے اترپردیش میں کساولی مقام پر کستوربا مہیلا آشرم منڈل کی شریمتی سرلا دیوی اور مہاراشٹر کے وروڑا مقام مہاروگی سیوا سمیتی کے مرلی دھر دیوداس عرف بابا امٹے کو دہلی میں ۴ ر نومبر کو مشترکہ طور پر جمنالال بجاج انعام ان کی تعمیری خدمات کے عوض دیا گیا۔ دوسرا انعام شری جینت شرما راؤ پٹیل کو جو کہ مہاراشٹر کے ضلع تھانے کے اگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ کوسباڈ سے تعلق رکھتے ہیں ان کی دیہی ترقیات کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں تحقیقی خدمات کے مدنظر دیا گیا۔

شریمتی سرلا دیوی علالت کے عوض اس موقع پر بذات خود انعام حاصل کرنے سے معذور تھیں اس وجہ سے ان کے لئے شریمتی شکنتلا گوئیل نے انعام قبول کیا۔

انعام کی رقم ایک لاکھ نقد اور ایک توصیفی سند ہے

جمنالال بجاج فاونڈیشن کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے چیرمین شری رام کرشنا بجاج نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور انسٹی ٹیوٹ کے تیسرے انعام کا اعلان کیا جو کہ کسی بھی خاتون یا خواتین ادارے کو سماجی بھلائی کے میدان میں اعلیٰ کارگزاری کے عوض دیا جائے گا

اردو ڈراموں کو امداد

حکومت مہاراشٹر نے اردو کے دو طویل ڈراموں اور دس یک بابی ڈراموں کے مقابلے کو اسٹیج کرنے کے لئے ۱۸۰۰۰ روپے کی امداد دینے کی منظوری دے دی ہے۔

۱۰۰۰ روپے اور ۵۰۰ روپے کے دو نقد انعامات مقابلے میں آنے والے دو ڈراموں کو دیئے جائیں گے۔

مقابلے میں شرکت کے لئے سوسائٹی کا دو سال قبل رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے نیز سوسائٹی کو پیشہ ورانہ نہیں ہونا چاہیئے۔

ریاستی آرٹ نمائش

پیشہ ورانہ فنکاروں کی سالانہ ریاستی آرٹ نمائش ۲۲ تا ۲۹ جنوری ۱۹۸۰ء سے جہانگیر آرٹ گیلری بمبئی میں منعقد ہوگی۔ نمائش میں چار درجے ہوں گے۔

(۱) ڈرائینگ اور پینٹنگ (۲) سنگ تراشی اور ماڈلنگ (۳) اپلائیڈ آرٹ اور (۴) گرافکس۔ نمائش کی انتخابات و خریداری کمیٹی ہر درجہ میں حصہ لینے والوں کے نمونوں کی سفارش کرے گی۔ اور حکومت ان سفارشات کی بنیاد پر ان نمونوں کو سرکار کی جانب سے جاری کردہ اسکیم کے تحت خریدے گی حصہ لینے والے فنکاروں کے لئے مہاراشٹر کا باشندہ ہونا ضروری ہے اور اسے اپنے فنی نمونہ کے ساتھ سرٹیفکیٹ بھی اس سلسلہ میں پیش کرنا پڑے گا۔

حصہ لینے والے فنکار صرف تین فنی نمونے اس نمائش میں ہر درجہ کے لئے بھیج سکتے ہیں۔

یہ فنی نمونے جمخانہ، سرجے جے اسکول آف آرٹ کمپاونڈ، ڈاکٹر ڈی این روڈ بمبئی ۱ کے پتہ پر ۱۳ اور ۱۴ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صبح ۱۰ بجے سے شام ۴ بجے تک بھیجے جا سکتے ہیں

نمائش کے پراسپیکٹس اور دیگر تفصیلات کے لئے ڈائرکٹوریٹ آف آرٹ، سرجے جے اسکول آف آرٹ کمپاونڈ ڈاکٹر ڈی این روڈ بمبئی ۱ سے رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

آئی آئی ٹی امتحان

بمبئی، دہلی، کانپور، کھڑگ پور، مدراس آئی آئی ٹی میں انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنولوجی، ورانسی میں داخلے کے لئے کل ہند مشترکہ امتحان ۵ ر اور ۶ ر مئی ۱۹۸۰ء کو ہوں گے۔ امیدوار کے لئے فزکس، کیمسٹری،

حساب اور انگریزی میں گیارہویں جماعت یا اس کے مساوی امتحان پاس ہونا ضروری ہے۔ امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ آئی آئی ٹی کے نائب چیرمین سے حوض خاص نئی دہلی ۱۱۰۰۲۹ کے پتہ پر مزید تفصیلات کے لئے رجوع کریں۔

ڈی ایڈ مواصلاتی کورس

غیر تربیت یافتہ اور نیم تربیت یافتہ اساتذہ ڈی ایڈ کورس میں داخلہ کے خواہش مند غیر تربیت یافتہ و نیم تربیت یافتہ اساتذہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ ڈائرکٹر اسٹیٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن سداشیو پیٹھ پونے ۳۰ کو ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء سے قبل اپنی درخواستیں بھیجیں۔

درخواست فارم تمام جونیر کالجوں اور گائیڈینس سنٹرز سے ایک روپے میں دستیاب ہیں۔

یوم اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کا ایک اہم مقصد لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے میں بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ کام کیا جا رہا ہے اس بات کا اظہار شری آر لے پاٹل وزیر اطلاعات نے ۲۴ اکتوبر کو بمبئی میں کیا۔

شری پاٹل مہاراشٹر یونائٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن اور ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلشنز حکومت مہاراشٹر کے زیر اہتمام یوم اقوام متحدہ کے موقع پر ۲۴ اکتوبر کو منعقدہ ایک تقریب میں تقریر کر رہے تھے۔

شری شیو راج پاٹل اسپیکر مہاراشٹر لیجسلیٹو اسمبلی اس موقع پر مہمان خصوصی تھے۔

شری پاٹل نے یو این او کو بین الاقوامی معاشی تنظیم قائم کرنے پر مبارکباد پیش کی۔

وائس چانسلر شری رام جوشی نے اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس ادارہ سے دنیا بھر کے عوام کی امیدیں وابستہ ہیں۔ شری ایشور راج ماتھر ایڈیشنل ڈائرکٹر آف ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلشنز نے اس ادارہ کی اعلیٰ کارکردگی کی ستائش کی۔

شری ایم لے پرمالے، نائب صدر مہاراشٹر یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

شری ایس بی سکینہ، سکریٹری جنرل نے شکریہ ادا کیا۔

۱۹۷۹-۸۰ء فصل میں جوار کی خریداری

حکومت مہاراشٹر نے فیصلہ کیا ہے کہ جو کاشت کار رضاکارانہ طور پر اپنی جوار ۱۹۷۹-۸۰ء سال کی فصل میں حکومت کو پیش کریں گے وہ حکومت خرید لے گی۔

جوار کو تین درجوں میں تقسیم کیا جائے گا یعنی اعلیٰ، درمیانی اور معمولی ان تین درجوں میں شامل مختلف اقسام اس طرح ہیں! (۱) اعلیٰ ۱-۱- ربیع جوار (۲) خریف اور ربیع مخلوط جوار (۳) (الف) ودربھ میں ساؤنیر کی بہتر اقسام (ب) مراٹھواڑہ میں ساؤنیر اور ورھاڑی کی بہتر اقسام اور دھولے اور جلگاؤں اضلاع میں ارسپوری (۲) درمیانی۔ خریف اور جوار جس میں اعلیٰ اور معمولی جوار اور پیلی جوار شامل نہیں ہے (۳) معمولی پیلی جوار اور دیگر اقسام۔ بد رنگ اور سیاہی مائل جوار خریدی نہیں جائے گی۔

فی کوئنٹل قیمت وصولی یہ ہے۔ اعلیٰ ۹۵ روپے درمیانی ۹۳ روپے اور معمولی ۸۷ روپے۔

پوری ریاست میں موٹے اناج کی خریداری فروخت نقل وحمل پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

زرعی سیکٹر میں برآمد سرگرمیوں کو بڑھاوا

ریاست مہاراشٹر ملک کی برآمد سرگرمیوں میں بہت اہم رول ادا کر رہی ہے جو کہ کل برآمد کا ۲۸ فیصد ہے اس بات کا اظہار شری سندر راؤ سولنکے وزیر برائے صنعت نے برآمد کے میدان میں اعلیٰ کارکردگی کے لئے ریاستی انعامات سال برائے ۱۹۷۷-۷۸ء دیتے ہوئے ایک تقریب میں کیا۔

یہ تقریب بمبئی میں ۲۴ اکتوبر کو بہترین برآمد کنندگان کو سرکاری انعامات دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھی شری سولنکے نے فرمایا کہ بین الاقوامی منڈی میں ہندوستانی برآمد کنندگان کے لئے کافی مواقع ٹکنالوجی اور ٹیکنکل خدمات سے متعلق فراہم ہیں اس کے لئے بین الاقوامی مارکیٹ میں اس موقع کا مکمل فائدہ اٹھا کر یہاں کے برآمد کنندگان کو کاروائی شروع کر دینی چاہیئے۔

وزیر موصوف نے فرمایا کہ مختلف ریاستوں کے ترقی پذیر علاقوں میں نئے صنعتی ترقیاتی مراکز تیز رفتاری کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ لہذا زرعی باغبانی اور زرعی صنعت کی استعداد میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ ان علاقوں میں برآمد کرنے کا شعور پیدا کر کے برآمد کرنے کے مواقع بڑھائے جا سکتے ہیں۔

سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے ۱ء۶۵ کروڑ روپئے

ودربھ ڈویژن کے سیلاب سے متاثرہ افراد کو قرضہ جات امداد اور اناج وغیرہ کی صورت میں اب تک ۱ء۶۵ کروڑ روپئے سے زائد رقم دی جا چکی ہے۔

اس امداد میں ۹۶۷،۳۱۴ روپئے ۴۸،۳۶۶ افراد کو مکانات کی مرمت کے لئے دئے گئے ہیں جس میں سے ۳۹،۹۱،۳۸۹ روپے ۲۴،۵۲۶ خاندانوں کو بطور امداد اور ۳،۲۳،۵۸۷ روپئے بطور قرض ۶۶۵ خاندانوں کو دیئے گئے۔

وزیر اعلیٰ کے سیلاب راحت فنڈ میں ۱۲،۸۱۲،۳۹،۸۰۴ روپئے اکٹھا کئے گئے اور ۱۱،۳۵،۸۲ روپئے زرعی ساز و سامان کی خریداری کے لئے ۷۵۹ خاندانوں کو دیئے گئے ۳۶،۰۲۷ روپئے دیہی کاریگروں کے ۱۲۷ خاندانوں کو ۳۴،۳۴۹ روپئے بنکروں کے ۱۸۹ خاندانوں کو دیئے گئے
اس علاقہ کے سیلاب سے متاثرہ ۵،۰۰۰ سے زائد طلبہ کو درسی کتابوں کی صورت میں امداد بہم پہنچائی گئی۔

ودربھ کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے لیے ۹،۷۰۰ مکانات

مختلف اداروں کے ذریعے جس میں کرسچین ایسوسی ایشن فار سوشیل ایکٹویٹیز (سی اے ایس اے)، مہاراشٹر ہاؤسنگ اینڈ ڈیولپمینٹ اتھارٹی، میسرز بمبئی ڈائینگ وغیرہ شامل ہیں ناگپور کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے لئے ۹،۷۰۰ مکانات تعمیر کئے جائیں گے
اس کے علاوہ، ریاستی حکومت نے ۳۹،۹۱،۳۸۹ روپئے بطور امداد ۲۴،۵۲۶ خاندانوں کو اور ۳،۲۳،۵۸۷ روپئے بطور قرض ۶۶۵ خاندانوں کو گھروں کی مرمت و تعمیر کے لئے دیئے ہیں۔
شری شرد پوار وزیر اعلیٰ مہاراشٹر نے حال ہی میں بھومی پوجا کی اور تعمیر کے کاموں کی شروعات کے لئے بار ہاڑی میں سنگ بنیاد رکھا جہاں ۱،۰۷۰ مکانات تعمیر کئے جائیں گے اس کے علاوہ ہنگن گھاٹ میں ۲،۰۰۰ مکانات تعمیر کئے جائیں گے۔

ودربھ میں سیلاب سے متاثرہ افراد کیلئے ۱۶،۰۰۰ مکانات

ناگپور ڈویژن میں سیلاب سے متاثرہ افراد کی بحالی کے لئے ۱۶،۰۰۰ مکانات کی تعمیر کا کام شروع کیا جائے گا اس بات کا اعلان ۱۸ر اکتوبر کو شری ڈی۔ این کپور، ڈویژنل کمشنر نے ہنگنا پنچایت سمیتی میں ساونگی کے مقام پر متاثرہ افراد میں کپڑے تقسیم کرتے ہوئے کیا۔
کپڑوں میں دھوتی، ساڑیاں، قمیضوں کے کپڑے وغیرہ شامل ہیں جو کہ ودربھ راحت کمیٹی نے عطیہ میں دیئے ہیں۔

مل مالکان کی جانب سے سیلاب سے متاثرہ افراد کی امداد

مل مالکان ادارہ، بمبئی کی جانب سے ۱۷ر اکتوبر کو وزیر اعلیٰ راحت فنڈ میں ۱۸ء۸۷ لاکھ روپے ودربھ اور موروی کے سیلاب سے متاثرہ افراد کے راحت کے کاموں کے لئے دیئے گئے۔ یہ رقم ادارہ کے ممبرز ملز کی جانب سے جمع کی گئی تھی۔ اس رقم کے ساتھ مل مالکان ادارہ کی جانب سے راحت فنڈ میں ۱۹ء۱۹ لاکھ روپئے عطا کئے جا چکے ہیں۔
اس کے علاوہ ادارہ نے ۹،۹۶۰ سوتی کمبل ودربھ کے متاثرہ افراد کے لئے دیا اور ۸۰۰ میٹر کپڑا عطیہ کی اپیل لکھنے کے لئے دیا۔

وزیرِ اعلیٰ راحت فنڈ

صدر کاندلیولی انڈسٹریل اسٹیٹ نے ۴۴ چیکوں پر مشتمل ۹۴،۰۴۰ روپئے کی رقم ۳۱ر اکتوبر کو وزیر اعلیٰ راحت فنڈ کے لئے پیش کی جو کہ کاندلیولی انڈسٹریل اسٹیٹ کے مالکان اور ملازمین سے جمع کی گئی تھی۔

فلم شو کی آمدنی وزیر اعلیٰ راحت فنڈ میں

فلم صنعت کے نمائندوں نے اتفاق رائے سے طے کیا ہے کہ فلموں سے حاصل کردہ دو روزہ آمدنی ودربھ کے سیلاب سے متاثرہ افراد کی بحالی کے لئے وزیر اعلیٰ راحت فنڈ میں دی جائے۔ سرکار نے اس بات کی کلکٹران کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے حلقہ اختیار کے تمام ڈسٹری بیوٹروں کو مشورہ دیں کہ وہ ۲۳ر دسمبر شو سے حاصل کردہ آمدنی وزیر اعلیٰ راحت فنڈ میں دیں۔
اس سے قبل ۲۱ر اکتوبر کو فلم شو سے حاصل کردہ آمدنی وزیر اعلیٰ کے راحت فنڈ میں دی جا چکی ہے۔

شری جی۔ وی کپاڈیہ، چیرمین، جنرل انشورنس کارپوریشن آف انڈیا نے ۶ر نومبر ۱۹۷۹ء کو وزیر اعلیٰ "سیلاب راحت فنڈ" میں چھ لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ یہ کُل رقم دو، دو لاکھ روپے کی صورت میں بالترتیب نیشنل انشورنس کمپنی، اورینٹل فائر اینڈ جنرل انشورنس اور یونائیٹڈ انڈیا انشورنس کمپنی لمیٹیڈ کی جانب سے جمع کی گئی تھی۔

خبریں - تصویروں میں

مہندرا اینڈ مہندرا ورکرس یونین کی جانب سے ۶ر نومبر ۱۹۷۹ء کو وزیر اعلیٰ سیلاب راحت فنڈ میں تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا گیا۔ زیر نظر تصویر میں وزیر اعلیٰ کو چیک پیش کیا جا رہا ہے۔

چوتھے میجر اسپورٹس فٹبال مقابلے میں جیتنے والی ٹیم کو وزیر تعلیم و اسپورٹس شری سدانند وردے کے ہاتھوں انعامات تقسیم کئے گئے۔ یہ تقریب پالونگا میں ۳۰ر اکتوبر کو منعقد کی گئی تھی۔ اس موقع پر موصوف تقریر کر رہے ہیں۔ دائیں طرف کو مین ٹیم کے کامیاب کھلاڑی دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ مہاراشٹر، شری شرد پوار، ممتاز صنعتکار شری جی. آر. ڈی ٹاٹا کو مہاراشٹر چیمبرس آف کامرس کی ۵۳ ویں سالگرہ تقریب کے موقع پر ۱۸ر اکتوبر کو اوبرائے ہوٹل، بمبئی میں اعزازی "سلور میمنٹو" پیش کرتے ہوئے۔ شری بی۔ ڈبلیو گوگاٹے، صدر چیمبر بھی موجود ہیں

شری آر۔ اے پاٹل، وزیر برائے قانون، عدلیہ اور اطلاعات، بمبئی میں ۲۴ر اکتوبر کو یوم اقوام متحدہ کے موقع پر منعقدہ تقریب میں خطاب فرما رہے ہیں جس کا اہتمام مشترکہ طور پر مہاراشٹر یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن اور اسٹیٹ ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے کیا تھا۔

چیف ڈائرکٹر، ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، حکومت مہاراشٹر، شری موہن پاٹل نے یکم نومبر کو دادر بمبئی میں دیوالی میگزین ایگزبیشن کا افتتاح کیا۔ جس کا اہتمام مشترکہ طور پر بمبئی مراٹھی پترکار سنگھ اور مراٹھی ورتا پتر لیکھک سنگھ نے کیا تھا۔ موصوف شری پی۔ آر۔ بہارے، ایڈیٹر لوشکتی کے ساتھ رسائل دیکھ رہے ہیں۔

۲؍اکتوبر ۱۹۷۹ء کی سہ پہر کو پاکستان کے معروف شاعر شری قتیلؔ شفائی کو مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکاڈیمی کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ مہاراشٹر کے وزیر مملکت شری ونائیک راؤ پاٹل، شری قتیلؔ شفائی کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکاڈیمی کے ممبر سکریٹری شری خواجہ عبدالغفور استقبالیہ تقریر کرتے ہوئے ۔ زیرِ نظر تصویر میں شری ونائیک راؤ پاٹل، ڈاکٹر جھنجانہ والا اور شری قتیلؔ شفائی دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس موقع پر شری ریاض احمد خاں ایڈیٹر 'قومی راج' شری قتیلؔ شفائی کی خدمت میں قومی راج کے 'خصوصی نمبر' پیش کر رہے ہیں۔

*

شریکِ محفل (دائیں سے ۔ اگلی صف میں)
شری انجمؔ رومانی، شریمتی سلمیٰ صدیقی، شری احمد زکریا، شری کاملؔ چاندپوری، شری ریاض احمد خاں، شری نویدؔ شفائی، شری صابرؔ دت، شری باقرؔ مہدی اور شری حسنؔ کمال وغیرہ
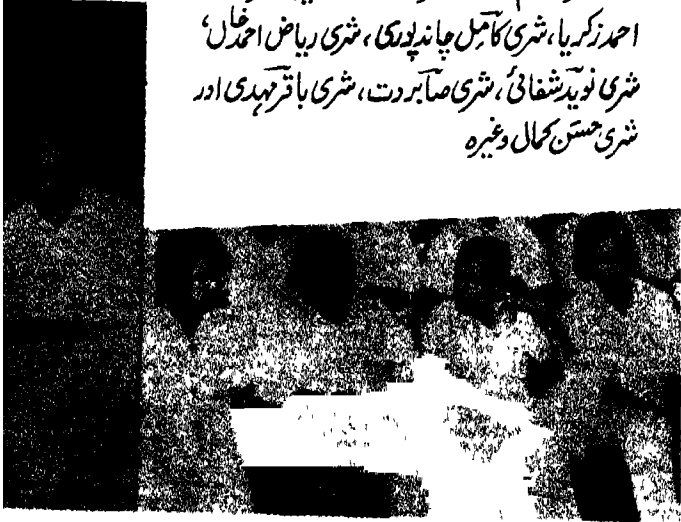
*

صدر جمہوریہ ہند شری نیلم سنجیوا ریڈی نے ۱۲ر نومبر کو نہرو سینٹر، بمبئی میں نیشنل سائنس ایگزیبیشن کا افتتاح فرمایا جو کہ پہلی مرتبہ نئی دہلی سے باہر منعقد ہوئی ہے۔ زیر نظر تصویر میں صدر موصوف اشیائے نمائش ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ آپ کے بائیں طرف گورنر مہاراشٹر شری صادق علی اور دائیں طرف مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر کرن سنگھ، وزیر اعلیٰ شرد پوار اور میئر بمبئی شری راجہ بھاؤ جمبولکر دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیر اعظم شری چرن سنگھ یکم نومبر کو پونے تشریف لائے جہاں لوہاگاؤں ایرپورٹ پر پونے کے ڈپٹی میئر شری موہن پوار نے آپ کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ضلع کلکٹر شری اجیت نمبالکر، صدر پونے ضلع پریشد شری باپو صاحب تیتھے اور شریمتی شانتی نائیک ایم۔ ایل۔ اے، صدر لوک دل اسٹیٹ یونٹ بھی موجود تھیں۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے بالائی تاپی آبپاشی منصوبہ کے مرحلہ ۲ کا سنگِ بنیاد رکھا جو حکومت مدھیہ پردیش، مہاراشٹر۔ مدھیہ پردیش مابین ریاستی مشترکہ آبپاشی منصوبہ جات کے تحت زیر عمل لا رہی ہے۔ یہ تقریب ۸ر نومبر کو مدھیہ پردیش کے مقام نوتھا میں منعقد ہوئی۔ وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش شری ویریندر کمار سکلیچہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں، جنھوں نے اس تقریب کی صدارت کے
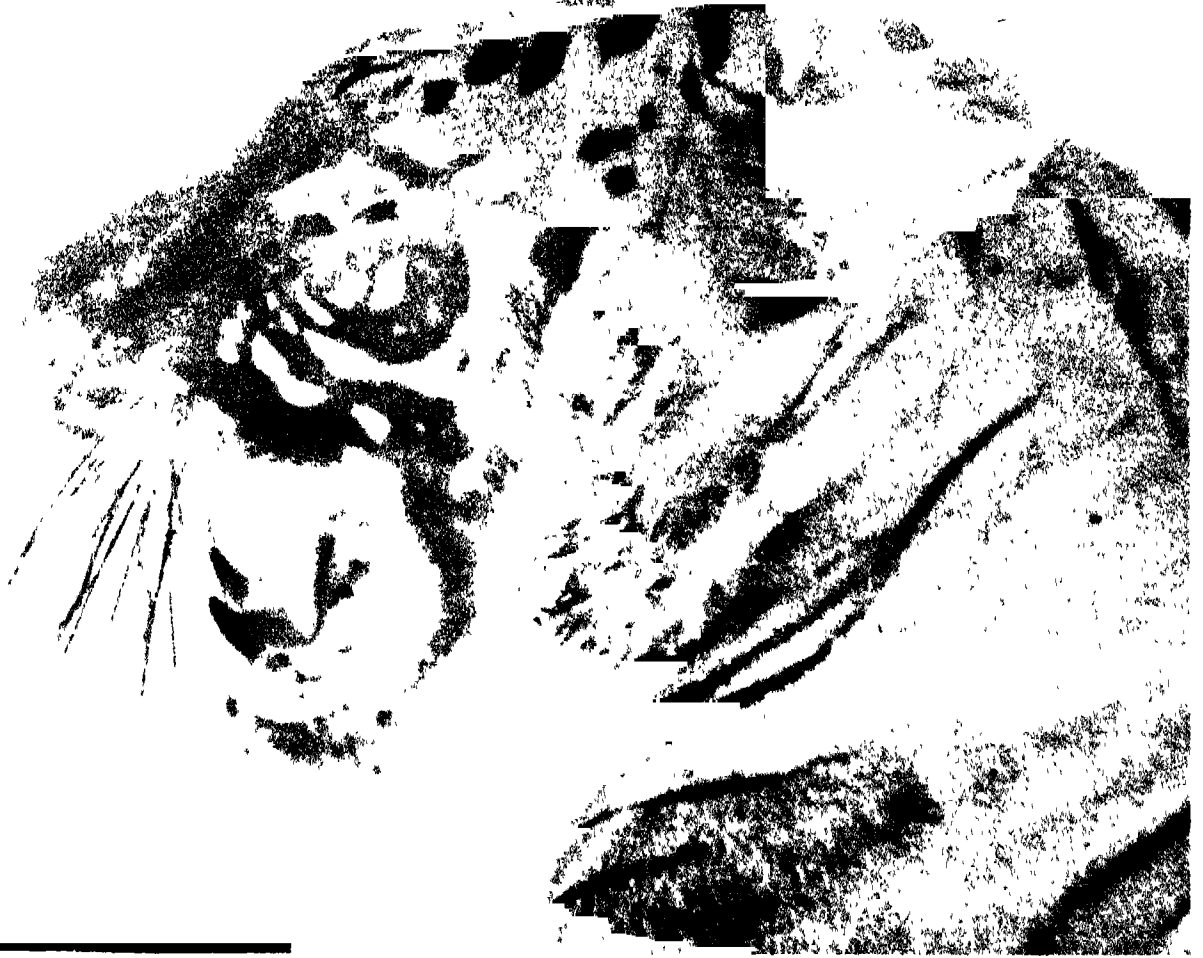
قومی راج

جنگلی جانور نمبر

جلد ۶ شمارہ نمبر ۲۲-۲۳

مشترکہ شمارہ: ۲۵ر نومبر اور ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء

ہر ماہ کی ۱۰ر اور ۲۵ر تاریخ کو شائع ہوتا ہے

سالانہ: دس روپے ✶ فی کاپی: ۵۰ پیسے

نگراں: خواجہ عبدالغفور (آئی۔ اے۔ ایس)

چیف ایڈیٹر: ایم۔ ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبدالوحید خاں جامی

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز

ڈائرکٹوریٹ جنرل آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز،

گورنمنٹ آف مہاراشٹر

ترتیب

صفحہ نمبر

• **حرمت الاکرام** ۔ رام بلغ، مرزاپور (یو۔پی)

"شراب بندی نمبر" کے علاوہ 'قومی راج' کے بعض دوسرے خصوصی نمبر بھی بڑے کامیاب اور قابلِ قدر تھے۔ قومی راج کے عام شماروں کی معنوی خصوصیات کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو اس کی صوری خصوصیات ہی اس کو مقبول بنانے کے لئے کافی ہیں۔ معلومات افزا اور افادہ بخش مشتملات کے پہلو بہ پہلو تصاویر، حد درجہ دلکش اور توجہ کش ہوتی ہیں۔ قومی راج کی تزئین و ترتیب سے متعلق آپ کی کاوشیں لائقِ تحسین و تہنیت ہیں۔

◎

• **شفیع اللہ خان راز اٹاوی** (ایم۔اے)

۔ ایس۔این کالج، کٹرہ پُردل خاں، اٹاوہ (یو۔پی)

'قومی راج' ۲۵ ستمبر ۱۹۷۹ء نظر نواز ہوا۔ خوشنما سرورق، دلربا تصاویر، جل پری کے مانند شفاف کاغذ، نفیس کتابت، دلکش طباعت، بلند معیار، مفید معلوماتی مضامین اور وجد آفریں منظومات، سلیقۂ ادارت کے آئینہ دار ہیں۔ ہر شمارہ ایسا لاجواب اور بےمثال کہ دُور ہی سے قاری کو متاثر کر دیتا ہے۔

"قومی راج" اس دور میں اُردو کی خدمت انجام دے رہا ہے یقیناً اسے دنیائے اُردو ادب کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

"دسن ہستھ کمبھ میلہ"، "انسان کا سب سے زیادہ مہلک دشمن"، "گاندھی جی اور تلاشِ حق" نیز "عزیز نسین" بے حد معلوماتی اور کارآمد مضامین ہیں۔ علامہ محوی صدیقی لکھنوی (مرحوم) کی نظم 'مہاتما گاندھی' اور جناب جگن ناتھ آزاد کی نظم 'دوشنبہ میں پہلی شام' اپنی نوعیت کے عمدہ شاہکار ہیں۔ محمد غلام رسول اشرف نیز عبدالسلام اطہر مالیگانوی کی غزلیات بہت پسند آئیں۔

◎

• **بہار صدیقی بدایونی**

سینیئر اے۔ ڈی۔ ٹی۔ او، ویسٹرن ریلوے، ورکشاپ کالونی، کوٹہ ۲ (راجستھان)

۲۵ اگست کا قومی راج "یوم آزادی نمبر" باصرہ نواز ہوا۔ ادبی اعتبار سے بھی پرچہ بہت خوب اور اچھی معلومات کا حامل ہے۔ کتابت و طباعت بھی عمدہ ہے۔ آزادی پر لکھے گئے مضامین حقائق پر مبنی ہیں۔

جناب مفتون کوٹوی، پروفیسر سکسینہ وفا امروہوی، شاطر حکیمی، حضور سہسوانی، حکیم عزیز قدوسی، مہدی پرتاپگڈھی، انجم عرفانی اور ڈاکٹر نایاب لکھنوی کی نظمیں بہت خوب ہیں۔ غزلیں بھی چنیدہ ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ 'قومی راج' ادبی پھولوں کا ایک گلدستہ ہے کیونکہ سرکاری ہونے کے باوجود ادبی ہے۔ خدا اس کو برقرار رکھے اور دن دونی رات چوگنی ترقی دے (آمین ثم آمین)۔

◎

• **شکیل غازیپوری**

۲/۷، آزاد کالونی (اٹالہ) الہ آباد (یو۔پی)

'قومی راج' کی زیبائش اس معیار تک پہنچ چکی ہے کہ ہر عام شمارہ اُردو زبان کے دوسرے جرائد کے مقابلے میں 'خاص نمبر' کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ مضامین نثر و نظم موضوع اور نوعیت کے لحاظ سے بڑے کارآمد ہوتے ہیں۔ ۲۵ جون ۱۹۷۹ء کے شمارہ میں جناب احمد صدیقی کا مضمون "بید" خاص طور پر پسند آیا۔ اُمید ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اپنی کاوشات سے نوازتے رہیں گے۔

◎

• **اے۔ ٹی فاروقی** (بی۔اے)

مکان نمبر ۲۹-۹-۱، لودھی پورہ 'بڑی لین' اورنگ آباد۔

قومی راج کا 'یوم آزادی نمبر' مطالعہ سے گذرا۔ اس کے ادبی معیار کی بلندی کے لئے مبارکباد قبول فرمایئے۔ سکندر علی وجد، شاطر حکیمی اور راجہ منگل واڈ صبکر کی تخلیقات بڑی اچھی رہیں۔ محمد غوث محی الدین سوزاں کا "نونہالانِ وطن سے خطاب" تو بڑا پسند خاطر رہا، یہ وقت کی اہم ضرورت بھی ہے جبکہ بین الاقوامی بچوں کا سال منایا جا رہا ہے۔

◎

• **تنویر اعجاز**

۱۵۲۵۔ رسول آباد سوسائٹی۔ شاہ عالم، احمد آباد نمبر ۲۸۔۔۳۸

گذشتہ چند ماہ سے 'قومی راج' میں آپ نے جو مواد پیش کیا ہے وہ بہت ہی معیاری اور معلومات افزا تھا۔ تقریباً تمام شمارے خصوصاً "سور داس نمبر"، "یوم آزادی نمبر' اور 'یوم مہاراشٹر نمبر' تو بہت ہی اچھے لگے، ایسا محسوس ہوتا ہے گویا آپ نے ہر شمارے کو خاص نمبر بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تازہ ترین شمارہ میں فرح ناز رضوی کا مکھیوں سے متعلق مضمون اپنا جواب آپ ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی نظم بے حد پسند آئی۔ انھیں مبارکباد پہنچا دیں۔ حصۂ غزل میں کامل چاندپوری اور غلام رسول اشرف کی غزلیں خوب ہیں۔ جہاں تک سن ستھ کمبھ میلہ کے مضمون کا سوال ہے، اس کا تو کہنا ہی کیا! ••

جنگلی جانوروں کی حفاظت کیجئے

وزیر اعلیٰ کا پیغام

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۳ر دسمبر ۱۹۷۹ء سے منائے جانے والے 'جنگلی جانور ہفتہ' کے موقع پر ریاست کے باشندوں کے نام اپنے پیغام میں ان سے پُرزور اپیل کی کہ وہ بیش قیمت جنگلی جانوروں کی پرورش اور حفاظت کی خاطر جنگلات کو بڑھانے اور مامن قائم کرنے کے لئے ریاستی اسکیم میں تعاون کریں۔

وزیر اعلیٰ کے پیغام کا متن حسبِ ذیل ہے :

" جنگلی جانور ہرے بھرے دلفریب جنگلات اور 'مامن' میں زندہ اور خوش و خرم رہتے ہیں۔ یہ قدرتاً انسان کے دل و دماغ کو فرحت بخشتے ہیں اور اس میں نیا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہمارے نظامِ حیات میں توازن برقرار رہے، تاکہ انسان' جنگل اور جنگلی جانور' جو اس کا جُز ہیں' مسرور اور مطمئن زندگی گذار سکیں۔

انسان' جنگل اور جنگلی جانوروں کے درمیان خوشگوار بقائے باہم کے مقصد سے جنگلات کا علاقہ کم از کم تیس فیصد ہونا چاہئے۔ بہرحال حالیہ سالوں میں اس فیصد حصہ میں کمی باعثِ تشویش ہے۔ مہاراشٹر میں یہ حصہ ۲۱ فیصد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ریاست میں اب مختلف اقسام کے بیش قیمت جانور جن کی کسی زمانے میں یہاں بہتات تھی' روبہ انحطاط ہیں اور بعض اقسام کے جانور تو معدوم ہونے لگے ہیں۔

حکومت ان بیش قیمت جنگلی جانوروں کی پرورش اور حفاظت کیخاطر جنگلات بڑھانے اور مامن قائم کرنے کی اسکیم زیرِ عمل لا رہی ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس کام میں دل و جان سے تعاون کریں۔ درخت کاری اور دیکھ بھال کے وسیع پروگرام میں حصہ لیکر ہر شخص جنگلات کی دولت کو بڑھانے کے قومی کام میں اپنا فرض ادا کر سکتا ہے۔

میری درخواست ہے کہ لوگ ان معصوم جنگلی جانوروں کو پکڑنے، ستانے اور ان کا شکار کرنے سے باز رہیں تاکہ ہمارے یہ جانور اپنے مامن میں آزاد اور خوش رہیں۔

جنگل قدرتی حسن کا مظہر ہیں اور جنگل کے جانور اور پرندے اس حسن کو بڑھاتے ہیں' مجھے یقین ہے کہ مہاراشٹر کے باشندے جنگلات کی دولت اور اس کے جانوروں کی حفاظت کرنے میں پیش پیش رہیں گے جو ہم سب کیلئے مسرت و شادمانی کا بڑا ذریعہ ہیں۔"

جنگلی جانوروں کو بچائیے

شری چھیدی لال گپتا
وزیر جنگلات ونشہ بندی

ریاست میں ۳ر دسمبر سے ۹ر دسمبر تک وائلڈ لائف ہفتہ منایا جا رہا ہے اس سلسلہ میں شری چھیدی لال گپتا، وزیر جنگلات و نشہ بندی نے ایک پیغام جاری کیا ہے جس کا متن حسب ذیل ہے:

"قدرت نے مہاراشٹر کی سرزمین کو ہرے بھرے جنگلات، مختلف اقسام کے نباتات و حیوانات سے نوازا ہے ریاست مہاراشٹر میں نباتات کی ۳۵۰۰ اقسام پائی جاتی ہیں جس میں ۱۲۰۰ مختلف اور ۱۵۰ ایک ہی قسم کے بیل بوٹے پائے جاتے ہیں، حیوانات میں دودھ پلانے والے جانوروں کی ۸۵ اقسام، پرندوں کی ۴۵۹ اقسام، رینگنے والے جانوروں کی ۸۷ قسمیں، خشکی اور تری میں رہنے والے ۲۲ قسم کے حیوانات اور ۱۸ قسم کے سمندری جاندار پائے جاتے ہیں. جنگلی جانوروں میں شیر، تیندوا، ارنا بھینسا، سانبھر، چیتل، سیاہ بطخ، نیل گائے، ہرن، ریچھ، لکڑبھگا اور جنگلی کتوں کی مختلف نسلیں ریاست میں پائی جاتی ہیں. اسی طرح رنگ برنگے، خوش الحان اور خوشنما پرندوں سے بھی ریاست مہاراشٹر خالی نہیں ہے.

لیکن رفتہ رفتہ انسان کی غیر ضروری دست اندازی کے باعث قدرتی توازن میں خلل پیدا ہوگیا ہے. قدرتی آماجگاہوں میں تخفیف اور آزادانہ شکار کے باعث ہماری ریاست جوکبھی نباتات وحیوانات کے معاملے میں مالا مال تھی اب اپنے اس قدرتی ورثہ کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہوچکی ہے. شیر اور تیندوا جیسے عظیم الجثہ جانور جو کبھی یہاں بےشمار تھے اب کبھی کبھار دکھائی پڑتے ہیں سانبھر، چیتل اور سیاہ بطخ تعداد میں تیزی سے کم ہوتے جا رہے ہیں. عظیم ہندوستانی تغدار جو ریاست میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے، اب قریب الختم ہیں.

ہم انسانوں کے لئے یہ حالات نقصان دہ ہیں. اگر انسان اپنے اطراف میں بسنے والے جانوروں کو ختم کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود اپنے وجود کو خطرہ میں ڈالتا ہے. لہٰذا ہم سب کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ نباتات وحیوانات کے موجودہ ورثہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ریاستی حکومت کے (باقی صفحہ ۱ پر)

یہ خوش رنگ ہندوستانی پرندے

نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں!

• سلیم علی ۔ وائس چیرمین، انڈین بورڈ آف وائلڈ لائف اور ممبر اسٹیٹ وائلڈ لائف ایڈوائزری بورڈ

آج پانچ قسم کے ہندوستانی پرندے ایسے ہیں جو بدقسمتی سے تیزی کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوتے جارہے ہیں، گو ان میں سے چند ابھی بالکل نابود نہیں ہوئے ہیں۔ موخرالذکر میں غالباً شمال مشرقی ہند کی 'گلاب سر مرغابی' (PINK HEADED DUCK)، ہمالیہ کی پہاڑی 'کوئل' اور سطح مرتفع دکن کا جوڑی پردہ (DOUBLE BANDED) یا جرڈن کورسر شامل ہیں۔ بقیہ دو یعنی عظیم ہندوستانی تغدار اور سفید پردار جنگلی بطخ جیسے پرندے معدوم ہوتے جارہے ہیں اور ان کو بچانے کے لیے فوری موثر اقدامات کی شدید ضرورت ہے۔

جانوروں یا پودوں کی نسل برقرار رکھنے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ یہ اقل ترین تعداد کی حد پر ضرور زندہ رہیں۔ اس طرح علم معیشت کے مطابق سازگار حالات میں قدرتی طریقہ پران کی افزائش جاری رہتی ہے اور اس نقصان کی تلافی بھی ہوتی رہتی ہے جو قدرتی اسباب مثلاً بیماریوں اور دشمنوں کے ضرر کے باعث ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نسل دباؤ، موسم یا انسانی دست اندازی کے باعث اس کی اس حد کو پار کر جائے تو پھر اس کی بحالی محال ہے۔ بہر صورت بر وقت دانشمندانہ اقدامات کر کے اسے محفوظ اور بحال کیا جا سکتا ہے، یا کم سے کم مصنوعی تنفس کی طرح کوئی طریقہ اختیار کر کے اس کی موت کو ٹالا جا سکتا ہے۔

مثلاً گلاب سر مرغابی کو لیجئے، یہ گھریلو بطخ کی جتنی بڑی ہوتی ہے اس کا رنگ سیاہی مائل کتھئی اور سر اور گردن گلاب کے مانند گلابی ہوتی ہے۔ یہ ہمالیہ کی ترائی میں دلدلی جنگلوں میں آباد تھی اور موسم سرما میں دور میدانوں میں چکر لگاتی لیکن ۱۸۸۰ء کے بعد سے یہ صورت حال نہ رہی اور مرغابیوں اور بطخوں کے شکار کے انتہائی عروج کے زمانے یعنی موجودہ صدی کے اول چوتھائی حصہ میں بھی اس کی آماجگاہ کی حدود میں سینکڑوں ہزاروں دیگر قسم کے پرندوں میں شکاریوں کو دو درجن سے زیادہ ایسے پرندے نظر نہ آئے۔ ۱۹۳۵ء کے بعد سے جبکہ جنگلی پرندوں کی اقسام کے آخری نمونے ملے تھے، اس مرغابی کے بارے میں کوئی قابل اعتماد معلومات حاصل نہیں ہوئیں، حالانکہ بعض ناتجربہ کار شکاریوں نے غلطی سے سرخ کلغی دار یورپی پرندہ کو گلاب سر مرغابی بنایا۔ 'گلاب سر مرغابی' پرندہ کی اس نابودگی میں براہ راست انسانی دست برد سے زیادہ قدرتی کارفرمائی کا دخل ہے۔ یہی نہیں بلکہ عظیم ہندوستانی پرندے 'تغدار' یا 'حُقنا' کی تیزی سے نابودی ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ حالیہ سالوں میں نہ صرف جیپ سوار حریص شکاریوں نے اس شاندار میدانی پرندہ کو جس کا قد تین فٹ، وزن ۱۰ کلوگرام اور گوشت خستہ ولذیذ ہوتا ہے، بری طرح نشانہ بنایا بلکہ بے پناہ انسانی آبادی کی خاطر اس کے قدرتی مسکن ۔ جھاڑی اور گھاس دار میدانوں کی جگہ جن میں جہاں تہاں کھیت بھی تھے، بتدریج اجاڑ گیا۔ حالانکہ جنگلی جانوروں کے حفاظتی قانون ۱۹۷۲ء کے تحت اس قسم کے پرندوں کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے، پھر بھی چور شکاری لگاتار اسے مار رہے ہیں کیونکہ اس قانون کے مؤثر نفاذ کے لئے کوئی خاص بندوبست نہیں ہے۔ اس طرح اب ہم اس حد پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ عملی قدم اٹھائیں اور اس منحوس دن کو نہ آنے دیں جبکہ یہ پرندے

کورسر پرندے کا جوڑا

بالکل نیست و نابود ہو جائیں۔ مخصوص آبادی کی حفاظت کے ساتھ یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ تغدار کے مسکن کی حفاظت کی جائے، اور دیس کے ایسے حصوں میں مثلاً مہاراشٹر، گجرات اور راجستھان وغیرہ میں جہاں یہ پرندہ اب تک زندہ سلامت ہے، چُنے علاقوں میں 'مامن' (سینکچوری) بنائے جائیں۔

سفید پر دار جنگلی بط جو قدرے نکٹا یا 'کومب ڈک' سے ملتی جلتی ہے ایک دلکش پرندہ ہے جس کی نابودی بھی محافظینِ جنگلات کیلئے باعث تشویش ہے۔ یہ بط بھی شمال مشرقی ہند کے دلدلی جھاڑی دار جنگلوں میں آباد ہے جہاں ماضی قریب میں یہ عام طور سے نظر نہیں آئی اور نہ کہیں ان کا جمگھٹا ہے۔ ان کی یہ کمی یقینی طور پر انسانی ہاتھوں سے ان کے مسکن کی بربادی کا نتیجہ ہے۔ حال ہی میں انھیں پنجروں میں پال کران کی افزائش کا تجربہ کامیاب رہا اور اس سے یہ اُمید بندھتی ہے کہ علم معیشت حیوانات کی روشنی میں قدرتی ماحول میں مناسب مامن بنا کر انھیں پھر سے پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

بقیہ دو پرندے جن کے بارے میں گلاب سر کی طرح یہ کہنا مشکل ہے کہ اب یہ یکسر معدوم ہو جائیں گے یا ابھی ان کی بقا کی اُمید ہے۔ ہمالیائی پہاڑی کوئل' اور 'جوڑی پرندہ کورسر' ہیں۔ حالیہ سالوں میں کئی خاص مہموں میں یہ معلوم کرنے میں ناکامی ہوئی کہ یہ کہاں گم ہیں' البتہ یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ پرندہ اب موجود ہی نہیں ہے۔ بہر حال اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ گاہے بگاہے چند روز کھوج کرنے والی پارٹیوں کے مقابلے میں مقیم نگران پرند کو یہ پرندے نظر آجائیں۔ 'کورسر' کے معاملے میں بازیافت کی زیادہ اُمید ہے کیونکہ مہاراشٹر اور آندھرا پردیش میں سیرونچہ، کڈپا اور اننت پور جیسے نواحی مقامات ایسے ہیں جہاں سے ماضی میں اس پرندے کے بارے میں معلومات ملی تھی۔ اس اُمید میں کہ شاید ان علاقوں میں مقیم کسی جانکار نگرانِ پرند کو یہ جوڑی کورسر پرندہ مل جائے یہاں ایک تصویر منسلک ہے تاکہ شناخت میں آسانی ہو۔ اگر کسی کو نظر آجائے تو بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی کے نام رپورٹ جس میں صحیح مقام جہاں یہ پرندہ دکھائی دیا تھا نیز دیگر متعلقہ معلومات درج ہوں، بھیج کر ممنون فرمائیں۔

[signature]

۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء

شیر کی سماجی زندگی

• وی. جی. ساورکر

ریسرچ افسر، میل گھاٹ ٹائیگر ریزرو، پرت واڑہ

ہم سماجی کردار کو بڑی اہمیت دیتے ہیں کیونکہ یہ اصطلاح انسان سے منسوب ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ کسی فرد کے مرتبہ خصوصاً مقبولیت کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ کتنے بہتر طریقہ پر اپنے ذاتی خیالات اور ردّعمل کو ماحول سے ہم آہنگ کرتا ہے جس کا دوسرے افراد اثر ہی نہیں بلکہ اہم ترین عنصر ہیں۔ اسی طرح جنگلی حیوانات بھی روز ازل سے انسان اور اس کی معاشرت سے وابستہ رہے ہیں۔ ان میں ٹائیگر یعنی شیر بھی ہے۔ لیکن اس کی اصلیت ابھی تک پردۂ راز میں ہے۔ اس راز کی تہہ تک پہنچنا اور اسے جاننا یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا۔

یہ سوچنا مشکل ہے کہ کیا شیر جیسا جنگلی درندہ بھی سماجی زندگی کا حامل ہو سکتا ہے؟ درحقیقت شیر لازمی طور سے تنہائی پسند ہے اور اس کا سبب پسند سے زیادہ ماحول ہے۔ عادات و خصائل میں شیر ببر، ٹائیگر کے مقابلے میں مختلف ہوتا ہے، شیر ببر دبنگ ہوتا ہے اور شان سے رہتا اور شکار کرتا ہے۔ یہ اس کی اعلیٰ فطرت کی علامت ہے۔ فی الحال ایسے شیر ببر صرف افریقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس امر کی وضاحت کرنا مشکل ہے کہ کن وجوہات کی بنا پر شیر ببر جو کبھی ہمارے دیس کے وسیع علاقے میں بھی موجود تھے آج صرف گیر حلقے میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کا ایک مادی سبب یہ ہے کہ ہندوستان میں گھنے جنگل اور اُن کی آماجگاہیں تیزی سے اُجڑ گئیں اور ایسا سازگار ماحول نہ رہا جس میں شیر ببر زندگی گذار سکے۔ علم ارتقا کی رو سے دوسرا پہلو یہ ہے کہ شیر اپنی فطرتی تنہائی پسندی کی بنا پر ایسے حالات میں زندہ رہ سکتا ہے اور گو یہ بھی بڑی حد تک اسے محبوب جنگل سے محروم ہو چکا ہے تاہم جو کچھ علاقہ بھی بچ گیا ہے وہاں اس نے اپنے قدم جمائے رکھے۔ اسے ہماری مدد کی شدید ضرورت ہے اور اس طرح یہ یہاں آباد رہ سکتا ہے۔

یہ بات بھی دلچسپی کا باعث ہے کہ کس طرح شیر جنگل میں اپنی اس تنہائی پسندی کو برقرار رکھتا ہے۔ ہم اپنے رہائشی مکانات کے گرد چھوٹے چھوٹے احاطے بناتے ہیں، اسی طرح شیر خاص جگہ معین کرتا ہے، وہاں کی زمین کھروچ ڈالتا ہے، جہاں تہاں اس کا پیشاب اور فضلہ جمع رہتا ہے اور ایک قسم کی خاص بُو بسی رہتی ہے۔ یہ اس علاقے میں وقتاً فوقتاً باقاعدہ گشت لگاتا ہے۔ اس سلسلے میں تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ شیر اپنی تیز فہم اور قوت شامہ کی مدد سے یہ تاڑ لیتا ہے کہ کس جگہ، جو دوسرے نے تیار کی ہے قدم رکھنا اس کے لئے منع ہے اور کہاں خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

ان علامات کے سہارے ایک دوسرے کے خطّے میں ایک حد تک دخل اندازی بھی ہوتی ہے تاہم باہمی طور پر آداب خلوت گاہ کا خیال رکھا جاتا ہے، آپس میں یکایک ٹکراؤ سے بچا جاتا ہے۔ ایک ہی جنس کے بالغان کے بارے میں یہ بات صادق آتی ہے۔ کچھ شیر ایسے بھی ہیں جو کسی خاص مقام پر نہیں رہتے بلکہ خانہ بدوشوں کی طرح گھومتے رہتے ہیں، مقیم شیر ان کا ستے بجی علاقے میں گاہے بگاہے آنے جانے والے ان شیروں کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ یہ اوّل د آخر آوارہ گرد ہوتے ہیں اور غذا یا گوشت کے معاملے میں ان سے شدید مقابلے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، البتہ مقیم شیروں کے درمیان "قلمرو" کے معاملہ پر لڑائی ہوتی ہے جس کا انجام بسا اوقات دونوں ہی کے لئے مہلک ہوتا ہے۔ بہرحال شیر کی یہ تنہائی پسندی کی خصلت لاعلاج نہیں ہے۔

شکار کی گھات میں

حملہ

شکار کو محفوظ جگہ لے جاتے ہوئے

شکار چھپاتے ہوئے

یہ قدرتی امر ہے کہ زمانۂ وصل میں نر اور مادہ ملتے ہیں۔ یہ زمانۂ وصل معین نہیں ہوتا بلکہ پورے سال پر پھیلا رہتا ہے۔ نر چند شیرنیوں سے محبت رکھتے ہیں اور گاہے بگاہے کسی مادہ کی خاطر آپس میں لڑ بیٹھتے ہیں جس کے نتیجے میں کبھی کبھار موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ شیر کے معیار کے مطابق وصل نہایت شریفانہ ہوتا ہے، وہ اپنی گرجدار آواز سے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ نر اپنی محبوبہ کی خوشبو سونگھ کر اسے دبوچ لیتا ہے اور چھیڑ خانیاں شروع کر دیتا ہے اختلاط سے پہلے باہم گردن اور گالوں کو رگڑتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ جسم کے بھرے بھرے حصوں کو خوب ملتے ہیں اور اپنی خاص آواز میں محبت و انس کا اظہار کرتے ہیں۔ وصل کے دوران اور اس کے بعد ایک دوسرے پر خوب غرّاتے ہیں۔ بڑی ہم آہنگی سے ایک دوسرے کو دھپ لگاتے ہیں اور جھنجھوڑتے ہیں۔ محبت و الفت میں نوچ کھسوٹ کے یہ نشانات ان کی دھاری دار کھال پر دکھائی دیتے ہیں۔

حمل کی مدت اندازاً ایک سو پانچ دن ہوتی ہے جس کے بعد شیرنی کسی

الگ تھلگ اور محفوظ جگہ جاکر بچے جنتی ہے۔ شیرنی بڑی خدمت گذار اور جاں نثار ماں ہوتی ہے۔ وہ بڑی دلیری اور ہوشیاری سے اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے انھیں صاف ستھرا رکھتی ہے اور بڑی محبت سے ان کی پرورش کرتی ہے۔ تین ماہ کی عمر تک وہ بچوں کو اسی محفوظ جگہ رکھتی ہے اور انھیں کہیں باہر جانے نہیں دیتی۔ بچے بڑے پیارے، چلبلے، شوخ اور شریر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ کھیلتے کودتے ہیں اور اُسے ستاتے ہیں۔ شیرنی ان کے ناز نخروں کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کرتی ہے اور انھیں سدھاتی رہتی ہے دوپہر کے وقت قیلولہ ان کا معمول ہے۔

شکار کو کیسے دبوچا جاتا ہے، شکار کا یہ سب سے پہلا سبق شیرنی اپنی دُم کے ذریعہ اپنے بچوں کو دیتی ہے۔ وہ اپنی دُم اِدھر اُدھر ہلاتی رہتی ہے اور بچے کھیلتے کھیلتے اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں کبھی بار شیرنی اچانک ان کے درمیان سے اُٹھ کر جھاڑیوں میں چھپ جاتی ہے اور بچے اپنی ماں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ آنکھ مچولی کا یہ کھیل گھنٹوں جاری رہتا ہے جس کا اصل مقصد بچوں کو جھاڑیوں میں چھپے شکار کو تلاش کرنے کی تعلیم دینا ہے۔

یہی نہیں بلکہ دوسرے معاملوں میں بھی شیرنی اپنے بچوں کو طرح طرح سے سدھاتی ہے۔ کبھی کبھار بے حد چالاک بننے کی کوشش میں کسی بچہ کو ماں کے طاقتور پنجوں کا طمانچہ کھانا پڑتا ہے۔ شیرنی چشم پوشی پر یقین نہیں رکھتی۔ اُسے اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے کہ اس کے بچوں کو طاقتور شیر بننا ہے نہ کہ اناڑی شکاری جانور۔ کئی موقعوں پر جب بچے شرارتی طبیعت کے باعث خطرات سے قریب ہوتے ہیں تو ماں انھیں عین وقت پر بچا لیتی ہے ماں انھیں سکھاتی ہے کہ آدمی کا پیچھا کرنا اور ہرن کا تعاقب کرنا ایک ہی بات نہیں ہے، بلکہ عقلمندی اسی میں ہے کہ آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔

چیتل

ایک دفعہ کنہا نیشنل پارک میں شیر کا ایک نابالغ بچہ اپنی نادانی کی بدولت سدھائے ہوئے ہاتھیوں کے قریب پہنچ گیا اور چاہتا تھا کہ اُچھل کر حملہ کرے کہ عین اسی وقت ماں بجلی کی سی تیزی سے وہاں پہنچی اور اپنے بچے کو ایک طمانچہ رسید کیا اور اپنی راہ ہولی، جیسے اسے اطمینان ہوگیا ہو کہ بچے کو اپنی نادانی کی مناسب سزا مل گئی۔ ویسے یہ بھی مانی ہوئی بات ہے کہ خطرہ پڑنے پر شیرنی اپنی جان پر کھیل کر اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔

۸ مہینے کی عمر سے ہی بچے اپنی ماں کے ساتھ شکار کو نکلتے ہیں اور ۱۸ سے ۲۴ مہینوں تک ماں کے ساتھ ہی شکار کرتے ہیں۔ نر بچے مادہ بچوں سے قبل ہی خودمختار بن جاتے ہیں۔ جب کوئی نر ماں کے ساتھ ہوتا ہے تو سیانے بچے قریب نہیں پھٹکتے بلکہ صرف شکار کے وقت ہی اپنی ماں کے پاس جاتے ہیں۔

شیروں کی چوپال کا بھی ذکر سنا گیا ہے۔ اکثر ان علاقوں میں جہاں غذا بافراط حاصل ہوتی ہے، کئی شیر اکثر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ جنوبی ہندوستان کے ایک باشندے نے بتایا کہ ایک بار اس نے ۹ شیروں کو ایک ساتھ دیکھا۔ نیپال میں ایک شیرنی کو کئی بار دوسرے شیروں کے درمیان دیکھا گیا۔ میل گھاٹ ٹائیگر ریزرو میں اکثر اوقات پانچ پانچ شیروں کو ایک ساتھ دیکھا گیا۔ شیروں کا یہ ملاپ

جنگلی سور - شیر کی پسندیدہ خوراک

ان درندوں میں موجود سماجی شعور کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ شکار کرنے کے بعد شیر بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان کا رویہ بالکل ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی میزبان کسی دعوت کا اہتمام کرتا ہو۔ شکار کو اکثر گھسیٹ کر شیروں کے "گڑھ" کے قریب لایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر شیر آداب مجلس کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ کھاتے وقت وہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ رکھتے ہیں۔ طاقتور کا احترام کیا جاتا ہے لیکن کمزور کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ہر کسی کو کھانے میں شریک کیا جاتا ہے، لیکن کمزور جب طاقتور کے ساتھ ہوتے ہیں تو انھیں معمولی حصہ پر گذارہ کرنا پڑتا ہے۔ شیرنی اپنے بچوں کے ساتھ ہو تو اسے زیادہ وقت دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کمزور شیر شکار کرتا ہے تو اس پر اسی کا حق ہوتا ہے۔ طاقتور اپنی باری کا انتظار کرتا ہے۔ شیر کے یہ آداب ببر شیروں میں نہیں پائے جاتے، ان میں تو شکار کی دعوت پر اکثر ہنگامے اور مارپیٹ ہوتی ہے۔

شیر چہروں کے اُتار چڑھاؤ، نقل و حرکات اور آواز کی مدد سے ایک دوسرے سے تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ سر نیچے ہو تو اس کا مطلب حکم ماننا، گردن گھمانے کا مطلب ہے دفاع، پیٹ کے بل اُلٹنے کا مطلب ہے ہتھیار ڈالنا، دم سخت کر کے گردش دینے کا مطلب ہے غصہ، ٹھہر ٹھہر کر غرّانے کا مطلب ہے دشمن پر حملہ، ناک سے آواز نکالنے کا مطلب ہے پیار۔

شیر کی عادات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سماجی شعور گو کہ نا پختہ سہی، موجود ضرور ہے۔ شیر میں طاقت کے ساتھ ساتھ حلیمی کا عنصر موجود ہونا ایک انوکھی بات ہے۔

●●

بالتو جانور بھینس

سانبھر

نیل گائے

گور

چیتل

صفحہ ۲ سے آگے

بقیہ "جنگلی جانوروں کو بچائیے"

اقدامات میں سرگرمی سے حصہ لیں

آیئے ہم 'جنگلی جانور ہفتہ' کے موقع پر جنگلی جانوروں اور ان کی آماجگاہوں کی حفاظت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عہد کریں۔

"قدرتی ماحول کی حفاظت کو بنیادی اہمیت سمجھتے ہوئے، اور اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہ اسی ماحول پر انسانی تہذیب کی بنیاد قائم ہے، میں عہد کرتا ہوں کہ جنگلی جانوروں کی قریب الختم نسل کو بچانے اور اجڑتے ہوئے جنگلات کی حفاظت کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

●●

۱۹۷۲ء میں شیروں کی تعداد ۳۲ تھی جو ۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۶۳ ہو گئی۔ اس طرح "ٹائیگر پروجیکٹ ریزرو" میں شیروں کی آبادی میں ۱۰۰ فیصد اضافہ ہوا۔

مہاراشٹر کا پروجیکٹ ٹائیگر

ایم۔ ایم جامکھینڈیکر، آئی۔ ایف۔ ایس۔ کنزرویٹر، فورسٹ اینڈ فیلڈ ڈائرکٹر، پروجیکٹ ٹائیگر میل گھاٹ

میل گھاٹ پروجیکٹ ٹائیگر، مہاراشٹر کا واحد اور ملک کا ۱۱ واں شیروں کا مامن ہے۔ شیروں کی نسل کو خاتمہ سے بچانے کی بین الاقوامی تحریک کے پیش نظر ۱۹۷۴ء میں اس مامن کا قیام عمل میں آیا، اور ابتک اسے پانچ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ شیروں کی تعداد میں اضافے کا سبب شیروں کی آزادانہ زندگی کے مناسب ماحول اور وسائل کی فراہمی، دیگر ترقی یافتہ اقدامات اور تحقیقاتی سرگرمیاں ہیں جو اس مامن میں مہیا کی گئی ہیں۔ میل گھاٹ کو عالمی سطح کا ترقی یافتہ نیشنل پارک کہا جا سکتا ہے۔

مہاراشٹر میں واقع میل گھاٹ پروجیکٹ ٹائیگر کی وہی حیثیت ہے جو خود شیروں کی حیوانات کی دنیا میں ہے۔ ہندوستان کے دیگر مامن کی بہ نسبت مہاراشٹر کے اس مامن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کسی کو اتفاق سے ہی شیر نظر آسکتا ہے شیروں کی زندگی یہاں بہت ہی محفوظ ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس علاقہ میں آدم خوری کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا۔ میل گھاٹ میں ہر ایک کی زندگی مقدس سمجھی جاتی ہے۔

جن خطرات اور مشکلات پر قابو پاکر میل گھاٹ کے اس مامن کا قیام عمل میں آیا، وہ ایک دلچسپ داستان ہے۔ جب ۱۹۷۴ء میں یہ پروجیکٹ بنا تو یہاں صرف ۳۲ شیر تھے اور پانچ سال بعد ۱۹۷۹ء تک یہاں شیروں کی تعداد ۶۳ ہوگئی۔ لیکن یہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی یہ کہ یہاں ان شکار خور درندوں کے ساتھ ساتھ شکاری جانور بھی یہاں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ممکن تھا کہ شکاری جانوروں کے خاتمہ سے قبل ہی ان درندوں کا خاتمہ ہوجاتا۔

میل گھاٹ ٹائیگر ریزرو ۱۵۷۱ مربع کلومیٹر اراضی پر مشتمل ہے جس میں سے ۳۰۱ مربع کلومیٹر علاقہ غاروں سے پُر ہے۔ اس علاقہ میں ست پڑا کی پہاڑیاں، گھنے جنگلات اور چٹانوں سے بہتے ہوئے چشمے اور میدانی علاقوں میں اُگی ہوئی لمبی لمبی گھاس شیروں کیلئے قدرتی آماجگاہ سے کم نہیں۔ اس علاقہ میں کسی انسانی مداخلت کی اجازت نہیں۔ نیز ۱۹۷۴ء سے جنگلات سے متعلق تمام کارروائیاں بند کردی گئی ہیں اور ان کا بطور چراگاہ استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

کوکنو وادی جو شیر، تیندوا، ریچھ، سانبھر، چیتا، ہرن، لکڑ بھگا اور جنگلی کتا جیسے جانوروں کا مسکن ہے، اور جہاں پہلے شکاریوں کی بندوقوں کی گھن گرج سنائی دیا کرتی تھی اب یہاں سناٹا سا چھایا رہتا ہے۔ کبھی کبھا کسی شیر کی غراہٹ، سانبھر کے چلّانے کی آواز یا پھر پرندوں کے نغمے سنائی دیتے ہیں۔ فاضل علاقے میں جنگلاتی کام چلتے ہیں۔ ادیباسیوں کے ۵۴ گاؤں یہاں آباد ہیں اور اس علاقے کو بطور چراگاہ استعمال کیا جاتا ہے جنگلی درندوں کو بھی یہاں شکار آسانی سے دستیاب ہوجاتا ہے۔ اس علاقے میں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ آب وہوا معتدل ہے۔ ژالہ باری بھی یہاں نئی بات نہیں ہے۔ یہ علاقہ مختلف اقسام کی جنگلاتی لکڑیوں سے پُر ہے۔ گھنے جنگلات اور جنگلی جانوروں کے محفوظ مسکن کے لئے نہایت موزوں یہ علاقہ دراصل مہاراشٹر کو قدرت کی دین ہے جس کا انتظام میل گھاٹ پروجیکٹ ٹائیگر کے زیر اہتمام ہے۔ میل گھاٹ ٹائیگر ریزرو تین باتوں میں سب سے اعلیٰ ہے۔ (۱) عام قدرتی ماحول، (۲) ایسے قدرتی وسائل جو کہیں کہیں نظر آتے ہیں (۳) غیر قدرتی فراہم کئے گئے

سانبھر

اور

چیتل

وسائل، تعلیمی و تفریحی لوازمات وغیرہ، یہ تمام اپنی مثال آپ ہیں۔

ماضی پر نظر: تاریخ کے صفحات اُلٹنے پر پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۵۵ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک شیروں کا شکار عام ہونے کی وجہ سے تقریباً ۹۸ شیر میل گھاٹ میں موت کے گھاٹ اُتارے گئے تھے۔ اس زمانہ میں شیروں کے تحفظ کے سلسلے میں کسی قسم کے اقدامات نہیں کئے گئے تھے، سوائے اس کے یہاں مقیم ادیباسی شیروں کو اپنا دیوتا مانتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ کورکو قبیلہ سے تعلق رکھنے والے صرف یہ ادیباسی ہی اپنے اعتقاد کی وجہ سے اس علاقہ میں شیروں کی نسل کو قائم رکھ سکے ہیں۔ ہندوستان میں شیروں کا وجود پانچ ہزار سال پُرانا مانا جاتا ہے۔

میل گھاٹ کے جغرافیائی حالات میں تاریخی تبدیلی ۱۸۶۶ء و ۱۸۷۶ء میں واقع ہوئی جب اس علاقہ میں مقیم ادیباسی کاشت کاروں نے کاشت کاری و زراعت جنگل کے اندرونی حصّوں اور غیر محفوظ علاقوں میں شروع کی۔ ۱۸۷۷ء میں سرڈی. برانڈس نے جو میل گھاٹ کے دورے پر آئے تھے، یہ مشورہ دیا کہ غیر محفوظ علاقوں میں جنگلات سے متعلق تمام اقدامات روک دیئے جائیں۔

آج بھی پُرانے سِکّوں، زیورات اور گاویل گڑھ اور نرنالا کے غاروں میں شیر کی تصاویر ملتی ہیں۔ شیر ہر قسم کے علاقوں سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ جھاڑ جھنکاڑ سے بھرے سُندربن میں بھی پائے جاتے ہیں۔ بہرحال میل گھاٹ میں پروجیکٹ ٹائیگر کے تحت جنگل کے تمام باسی جانوروں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس علاقہ میں شیروں کی آبادی خاصی اچھی ہے۔

قدرتی وسائل: جہاں تک میل گھاٹ کا تعلق ہے، یہاں قدرتی طور سے شیروں کے لئے نہ صرف رہن سہن کا بلکہ غذا کی با افراط فراہمی کا بھی مناسب بندوبست ہے۔ ورنہ ایک شیر جیسے یومیہ ۱۲ کلو گوشت کی ضرورت ہوتی ہے یعنی سالانہ ۳۵۰ چیتل ایک شیر کی خوراک بنتے ہیں، اس طرح میل گھاٹ کے ۶۲ شیروں کے لئے ۲۰۰۰۰ چیتل یا ۷۰۰۰ سانبھر چاہئیں۔ شیروں کو اتنی خوراک مہیا کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ صرف شیر ہی نہیں بلکہ دیگر گوشت خور جانور مثلاً جنگلی کتّے اور لکڑ بھگوں کو بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ شکر ہے کہ میل گھاٹ کے جنگلات اس معاملے میں کمی کا شکار نہیں، اس کے باوجود مذکورہ پروجیکٹ کے تحت اس بات کا خاص خیال [illegible] ہے [illegible] شکار جانور با افراط دستیاب ہوں تاکہ شیروں کی تعداد [illegible] اضافہ [illegible] تو

کم از کم ان کی موجودہ تعداد برقرار رہ سکے۔ آجکل بین الاقوامی مارکیٹ میں شیر کی ایک کھال کی قیمت ایک لاکھ روپے سے کم نہیں۔

انتظامی اُمور: جانوروں سے متعلق انتظامی امور آرٹ ہی نہیں بلکہ ایک سائنس ہے، مہارت اور لیاقت کی کسوٹی ہے۔ انتظامی اُمور اس طرح ترتیب دیئے جاتے ہیں کہ ان کی بدولت جانوروں کے تعلق سے انسانی مقاصد حاصل ہو سکیں۔ ایسا ہی ایک انتظامی منصوبہ ۱۹۷۳ء میں ترتیب دیا گیا تھا جس پر ۱۹۷۴ء سے عمل آوری شروع ہوئی۔ اس منصوبے کو ریاستی حکومت اور حکومت ہند دونوں کی جانب سے منظوری حاصل ہوئی تھی۔ شیروں اور قابل شکار جنگلی جانوروں کی تعداد اُن کا جنگلی صفات کے ساتھ قائم رکھنا مذکورہ پروجیکٹ کا خاص مقصد ہے۔ اس کے علاوہ اس پروجیکٹ کے تحت مقامی لوگوں کو روزگار بھی فراہم کیا جاتا ہے۔

تحفظات: اس پروجیکٹ کے تحت حفاظتی اقدامات سختی سے عمل میں لائے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں وائلڈ لائف ایکٹ سختی سے نافذ کیا جاتا ہے۔ گاڑیوں کا داخلہ اس علاقے میں ممنوع ہے۔ ان پر نظر رکھنے کے لئے نو دروازے تعمیر کئے گئے ہیں جہاں پروجیکٹ کے اسٹاف ممبر متعین ہیں۔ یہاں پالتو کتّوں کے ذریعہ شکار کرنا، اور غیر قانونی طور پر میدانی علاقوں کو بطور چراگاہ استعمال کرنا منع ہے۔ مقامی دیہی باشندے جو مچان بناتے ہیں، وہ ڈھا دیا جاتا ہے اس کے علاوہ مویشیوں کو ویٹرنری ڈپارٹمنٹ کی جانب سے ہر سال ٹیکہ لگایا جاتا ہے۔ مذکورہ پروجیکٹ کے تحت ۱۳۱۳ کلو میٹر علاقہ آتشی علاقہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام حفاظتی اقدامات نہ صرف یہ کہ جنگلی جانوروں کی زندگی کے لئے اہم ہیں بلکہ ان کی افزائش نسل میں بھی معاون ثابت ہوئے ہیں۔

جانوروں سے متعلق فلاحی کام: جانوروں سے متعلق فلاحی کاموں میں پانی کی صفائی، نالابوں کی دیکھ بھال، جگہ جگہ پیڑ پودے لگانا، گرمیوں میں مناسب مقدار میں پانی کا ذخیرہ کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ اس سال پن چکی کی مدد سے جنگل کے اندرونی حصہ کی ویران آبادیوں میں واقع کنوؤں سے پانی حاصل کرنے کا نیا تجربہ کیا گیا۔ پن چکیوں پر میٹر لگائے گئے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ کتنا پانی کنوئیں سے نکالا جا چکا ہے۔ جانوروں پر نظر رکھنے کے لئے سات ٹاور بنائے گئے ہیں جہاں سے جانوروں سے پوشیدہ رہ کر ان کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

نظامِ مواصلات: یہ علاقہ چونکہ پہاڑی حصہ میں واقع ہے اس لئے باہری دنیا سے رابطہ قائم رکھنے لئے سڑکیں قائم کی گئی ہیں۔ وائرلیس سیٹ لگایا گیا ہے اور اسٹاف کے ممبران کو موٹر سائیکل اور جیپ گاڑیاں فراہم کی گئی ہیں، نیز چوں کہ اسٹاف کے لوگوں کو زیادہ تر اندرونی علاقوں میں ہی رہنا پڑتا ہے اس لئے مذکورہ پروجیکٹ کے تحت اسٹاف کے لوگوں کے لئے ۲۸ رہائشی مکانات اور مزدوروں کے لئے دو بستیاں تعمیر کی گئی ہیں۔

دیگر لوازمات: عالمی وائلڈ لائف فنڈ کے ذریعہ فراہم کئے گئے سامان میں کیمرہ، دو جیپ گاڑیاں، ایک وان، وائرلیس سیٹ، بندوقیں، پروجیکٹر اور دوربین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پنجرے، مشاہدہ گاہیں، اسٹیل کے جھولا نما مچان، سامانِ رصدگاہ وغیرہ بھی مہیا کئے گئے ہیں۔

تحقیقاتی سرگرمیاں: درندوں، چرندوں اور پرندوں سے متعلق تمام تفصیلات کی علمی تحقیقات کے لئے یہ پروجیکٹ نہایت موزوں ہے۔ یہاں تین رصدگاہیں قائم کی گئی ہیں جن میں تمام اقسام کے درندوں، چرندوں اور پرندوں کی نسل پر تحقیقات کے لئے ان کے ڈھانچوں، پیروں کے نشانات اور دیگر اجزا کی جانچ کی جاتی ہے۔ اسی زاویہ سے اکٹھا کی گئی معلومات کے مطابق اس علاقے میں پرندوں کی ۲۳۵ قسمیں دریافت کی گئی ہیں۔ اسی طرح گھاس کے ۱۲۰۰ نمونے جمع کرکے نیشنل سروے آف انڈیا کو بھیجے گئے ہیں۔ شیروں کی غذائی عادات جاننے کے لئے ۳۴ خصوصی طریقے دریافت کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ مہلوک جانور کے بالوں کی مدد سے اس جانور کو پہچانا جاتا ہے۔ کئی تحقیقی اور علمی ادارے بھی اس سے منسلک ہو گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تحقیقی سرگرمیوں کی وجہ سے یہ پروجیکٹ کئی دوسرے پروجیکٹوں سے کئی گنا زیادہ آگے ہے۔ اب تک ۱۶ تحقیقاتی مقالے اس پروجیکٹ سے متعلق شائع ہو چکے ہیں۔

گنتی: ہر سال باقاعدہ جانوروں کی گنتی کی جاتی ہے۔ حالیہ سال کے موسم گرما میں کی گئی گنتی کے مطابق اس علاقے میں آباد شیروں میں ۲۷ نر، ۲۶ مادہ اور ۱۰ بچے ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں یہاں صرف ۳۲ شیر تھے اور اب ۱۹۷۹ء میں یہاں ۶۳ شیر آباد ہیں۔

نیا تجربہ: حکومت ہند کا مرتبہ مہاراشٹر کا یہ پروجیکٹ ٹائیگر بین الاقوامی سطح کا پروجیکٹ ہے جس کا انتظام مکمل طور سے ہندوستانی افسران کے ہاتھوں میں ہے۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۸ء تک پانچ سالوں کے دوران حکومتِ ہند نے اس پروجیکٹ کے لئے ۲۷ لاکھ روپیہ دیا ہے۔ ریاستی حکومت کی جانب سے ۲ء۱۵ لاکھ روپیہ دیا گیا۔ اس طرح سے کل ۲۹ء۱۵ لاکھ روپیہ اس پروجیکٹ پر صرف کیا گیا ہے۔

ریزرو کے میدانی علاقوں میں ۵۴ دیہات آباد ہیں جس میں ۱۱۱۴۲ افراد اور ۱۱،۵۴۷ مویشی بستے ہیں۔ چونکہ مویشی اس علاقے میں چرتے ہیں اس لئے حکومت نے ...... ۱۲ لاکھ روپے کی لاگت سے ایک اسکیم منظور کی ہے جس کے تحت گھنی جھاڑیوں والے علاقے سے ۶ دیہاتوں کو منتقل کیا جائے گا تاکہ ممنوعہ علاقوں میں مویشیوں کے داخلے کو روکا جا سکے۔ میدانی علاقوں میں عام حالاتِ زندگی مثلاً کاشتکاری، گاڑیوں کی آمدورفت، جنگلاتی کام وغیرہ اطمینان بخش طور سے جاری ہیں اور پروجیکٹ کی سرگرمیوں میں ان سے کوئی مداخلت نہیں ہوتی۔ اکثر علاقوں میں جہاں شیر پالتو مویشی شکار کر لیتے ہیں، زہر سے شیر کو ہلاک کرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن حکومت مہاراشٹر اس سلسلہ میں ایک اسکیم کے تحت مویشیوں کے مالکان کو ان کے نقصان کی تلافی کے لئے رقم ادا کرتی ہے۔

میل گھاٹ پروجیکٹ جو ۱۹۷۴ء میں قائم ہوا، دیگر پروجیکٹوں اور نیشنل پارک کی بہ نسبت کم ترقی یافتہ ہے۔ اس ریزرو میں بھاکنا کولکاز مامن بھی شامل ہے جو ۱۹۶۹ء میں بنا تھا۔ ابتدا میں یہاں کچھ بھی نہ تھا اور اب بھی یہ ترقی پذیر ہے۔ اس کے باوجود یہاں سیر و تفریح کا تمام سامان موجود ہونے کی وجہ سے عوام میں بے حد مقبول ہے۔ شیر، چیتے، لکڑ بھگا، چوسنگھا ہرن اور ریچھ جیسے کمیاب جانور اپنی تمام جنگلی صفات کے ساتھ آزادانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ خصوصاً موسمِ گرما میں یہ مقام بے حد دلچسپ بن جاتا ہے۔ اس علاقے کے اطراف آبادی اب آمدنی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ کاشتکاری یہاں عام ہے۔ یہ ریزرو 'فخرِ مہاراشٹر' کہا جا سکتا ہے۔ میل گھاٹ کا علاقہ تمام جانوروں اور خصوصاً شیروں کے لئے قدرتی ماحول سے پُر ہے۔ اسی لئے اگر پروجیکٹ ختم بھی ہو جائے تو بھی شیر یہاں اپنی نسل قائم رکھ سکتے ہیں۔

پروجیکٹ ٹائیگر کے سلسلے میں کسی نے خوب کہا ہے "جنگلات سے آمدنی حاصل کرنے کے سلسلے میں جو کچھ بھی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اس کا مقصد نیشنل پارکوں، مامن علاقوں اور خصوصاً ٹائیگر ریزرو علاقوں کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت بنانا ہونا چاہیئے۔ حساب کتاب میں تنگ نظری کے بجائے ہمارے اطراف جنگلاتی [illegible] میں بسنے والے جنگلی جانوروں کی فلاح و بہبود کی خاطر ہمیں [illegible] ثبوت دینا چاہیئے۔"

[illegible] کے لئے قدرت کا عطیہ ہے۔ اگر ہم حوصلہ رکھیں تو یہ علاقہ نہ صرف [illegible] پارکوں میں شمار کیا جائے گا بلکہ ایک دن نیا بھر میں اپنی مثال آپ ہوگا۔

۱۰ دسمبر ۱۹۷۹ء

ریاست مہاراشٹر کے تیندوے

• کفیل احمد شیخ، ڈپٹی ڈائرکٹر، پروجکٹ ٹائیگر میل گھاٹ، پرتواڑہ

جنگلی جانوروں میں تیندوا سب سے زیادہ چُست و چالاک سمجھا جاتا ہے۔ تیندوے کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ کسی بھی جگہ سے جلد مانوس ہوجاتا ہے۔ سات فٹ لمبا اور ۱۰۰ سے ۲۰۰ پاؤنڈ وزنی تیندوا جسامت میں شیر سے کچھ چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی جلد پیلی ہوتی ہے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ تیندوا اور چیتا ایک ہی نسل کے نر اور مادہ جانور ہیں۔ تیندوے کے بارے میں یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نر چیتے اور مادہ شیرنی کی مخلوط نسل ہے۔

تیندوا اور پینتھر ایک ہی جانور کے دو نام ہیں۔ چیتا ان سے مختلف ہوتا ہے، اس کا سر چوڑا ہوتا ہے اور جسم پر گلابی دھاریاں ہوتی ہیں چیتا چوپایوں میں سب سے زیادہ تیز رفتار جانور ہے۔ اس کی رفتار ۱۲۰ کلومیٹر فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔ ہندوستان میں تیندوے کے کئی نام ہیں۔ ہندی میں اُسے چیتا، سونا چیتا، چیتا باگ کہتے ہیں۔ مراٹھی میں اس کو، کورڈ، اسنی۔ سنگھیال [illegible] بلیا باگ کہا جاتا ہے۔

لینی یوس نامی شخص نے سب سے پہلے تیندوا دریافت کیا اور اس کا نام فیلس پارڈس FELIS PARDUS [illegible] کے ماہرین کی [illegible] میں اس چوپائے کی [illegible] قسمیں [illegible] لیکن تحقیقات میں اس کی ایک ہی قسم ہے۔ [illegible] کے مطابق اب اس کا نام انگریزی میں پینتھیرا پارڈس PANTHERA PARDUS قرار دیا ہے۔

عام طور سے تیندوا سیاہی مائل ہوتا ہے اور جسم پر گلابی دھبے ہوتے ہیں جو صرف روشنی میں نظر آتے ہیں۔ سیاہ تیندوے اور دھاری دار تیندوے دونوں ہی اتنے مہلک چوپائے نہیں جتنا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے۔

نیلی آنکھوں والے بھورے تیندوے چین، ہندوستان میں ہزاری باغ کے مقام پر، روہوڈیشیا اور مشرقی افریقہ میں دیکھے گئے ہیں۔

ریاست کے جنگلات، ہرن، بارہ سنگھا، جنگلی سوّر کے علاوہ گوشت خور جنگلی جانوروں کا بھی مسکن ہیں۔ ۱۹۰۰ء کے ضلع گزٹ اور ۱۹۰۹ء کے حیدرآباد اسٹیٹ گزٹ میں بیان کردہ رپورٹ کے مطابق مختلف اقسام کے جنگلی جانور بشمول شیر اور تیندوے ریاست مہاراشٹر کے تمام اضلاع میں پائے جاتے تھے۔ مگرمچھ، گلابی سروں والی بطخیں، ہندوستانی تغدار، چیتا، سیاہ بطخ اور بھیڑیا جیسے جانور اب قریب الختم ہیں۔ نیل گائے، چوسنگھا اور چکارہ کبھی کبھار دکھائی پڑتے ہیں۔ شیر اور تیندوے بھی اب تعداد میں بہت کم رہ گئے ہیں۔

مسکن: نباتات، پرندوں اور جانوروں کے لحاظ سے ریاست مہاراشٹر مالا مال ہے۔ یہاں گلدار پودوں کی ۳۵۰۰ اقسام پائی جاتی ہیں۔

مہاراشٹر میں جنگلات ۶۶,۷۲۵ کلومیٹر اراضی میں پھیلے ہوئے ہیں جو کہ کل جغرافیائی علاقہ کا ۲۱٫۶۸ فیصد ہے۔ یہ زیادہ تر سہیادری کے شمال مشرقی اور شمالی حصہ میں واقع ہیں۔ ان کا سلسلہ یوں ہے ز تھانے، قلابہ اور ناشک اضلاع میں مغربی گھاٹ، دھولے، جلگاؤں اور امراؤتی کے شمالی حصہ میں کوہ ست پڑا اور بھنڈارہ، چندرپور، ناگپور اور ایوت محل کا مشرقی حصہ۔

تیندوے کی موجودہ نسل

مہاراشٹر میں چونکہ تیندووں کی گنتی ٹھیک سے نہیں ہوسکی اس لئے ان کی تعداد کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ۱۹۷۶ء میں پروجیکٹ ٹائیگر میل گھاٹ کے تحت جانوروں کے پیروں کے نشانات کی بنیاد پر ان کی گنتی کی گئی۔ اس سلسلے میں ایک پریشانی یہ ہوئی کہ تیندوے اور نابالغ شیر کے پیروں کے نشان کم و بیش ایک جیسے تھے۔ لیکن جلد ہی اس کا اعادہ اس طرح ہوا کہ شیرنی کے ساتھ پائے جانے والے پیروں کے نشانات کو شیرنی کے بچے کے نشانات تسلیم کیا گیا اور اسی بنیاد پر تیندوؤں کی گنتی کی گئی۔ اس وقت کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۵۷۱٫۷۴ مربع کلومیٹر علاقہ پر مشتمل ٹائیگر ریزرو میں ۹۲ تیندوے شمار کئے گئے تھے۔ اسی طرح ناگزیرا میں جانوروں کی گنتی کے مطابق ۸ تیندوے پائے گئے۔

اس کے بعد جوائنٹ ڈائرکٹر، دہلی زولوجیکل پارک، نئی دہلی کے پیش کردہ سوالنامہ کی بنیاد پر چار نیشنل پارک اور SANCTUARY جنگلی جانوروں کے مامن، میں ڈائرکٹر نیچر کنزرویشن، مہاراشٹر اسٹیٹ کی جانب سے تیندوؤں کی گنتی کی گئی۔ اس سلسلہ میں، میں نے خود بھی فوریسٹ افسران سے معلومات اکٹھا کیں۔ ۱۹۷۹ء کے دوران اکٹھا کی گئی معلومات کے مطابق ۱۰۲۱٫۱۶ کلومیٹر اراضی پر مشتمل چار نیشنل پارک میں اور ۲۴۰۹٫۳۸ کلومیٹر اراضی پر مشتمل ۸ جنگلی جانوروں کے مامن میں، یعنی کل ملاکر ۳۴۳۰٫۵۴ مربع کلومیٹر کے علاقے میں موجود تیندوؤں کی تعداد صرف ۱۴۲ تھی۔ ان میں سے ۳۰ نیشنل پارک میں اور ۱۱۲ مامن میں پائے گئے۔

لیکن اس چوپایہ کے متعلق دیگر تفصیلات مایوس کن ہیں۔ ڈویزنل فوریسٹ افسران اور دیگر عہدیداروں کی پیش کردہ رپورٹ کے مطابق سوا یادل مامن کے جو ۲۵۲٫۷ ۱۱ مربع کلومیٹر اراضی پر مشتمل ہے اور جہاں تیندوؤں کی تعداد صرف ۱۲ ہے، شمالی دھولے، ستارا، اکولہ، مشرقی ایوت محل اور یادل کے جنگلاتی علاقوں میں ان کی نسل تقریباً ختم ہو چکی ہے جبکہ جلگاؤں سولاپور، بھوسب ڈویزن نندوربار، بلڈانہ، دھانو پروجیکٹ ڈویزن میں تیندوؤں کی تعداد صفر ہے۔

کولہاپور حلقہ میں صرف ۳ تیندوے ہیں جن میں سے ایک رادھانگر میں اور باقی سن مامن میں ہے۔ احمدنگر ڈویزن میں بمگری، تعلقہ سنگمنیر میں صرف ایک تیندوا دیکھا گیا ہے جو کہ شاید متصل جونیر ڈویزن سے منتقل ہوکر یہاں آیا ہے۔ اورنگ آباد کے پورے جنگلاتی حلقہ میں جو کہ ۲۸۳۳٫۶۹ مربع کلو میٹر اراضی پر مشتمل ہے یا جو مراٹھواڑہ کے پانچ اضلاع بالترتیب اورنگ آباد پربھنی، ناندیڑ، عثمان آباد اور بیڑ پر مشتمل ۶۴۲۵ مربع کلومیٹر کے کل جغرافیائی علاقہ کا ۴٫۳۹ فیصد ہے، ۱۰ سے زیادہ تیندوے نہیں ہیں۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ یہاں تیندوؤں کے لئے حالات ناسازگار ہیں۔

تیندوؤں کی خاطر خواہ آبادی مشرقی، مغربی، جنوبی اور مرکزی چاندہ، الاپلی، سادنت واڑی اور بھنڈارہ کے جنگلاتی علاقوں بشمول میل گھاٹ ٹائیگر ریزرو کے علاقوں میں پائی جاتی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق باقی ماندہ ریاست میں ان چوپایوں کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فی الحال ۳۴۲ تیندوے نیشنل پارکوں اور ریاست کے مامن میں محفوظ ہیں۔ باقی ماندہ علاقوں میں ان کی حالت ناگفتہ

شکاری اور شکار

کہی جا سکتی ہے۔ ان نیشنل پارکوں اور مامن میں تیندوؤں کی افزائش نسل اُمید افزا ہے۔ لیکن باقی ماندہ علاقوں میں اس سلسلے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ غلط طور سے مشہور ہے کہ گوشت خور جانور مثلاً شیر اور تیندوؤں کا نظر آنا اس بات کی ضمانت ہے کہ ان کی آبادی کثیر ہے۔ برعکس اس کے حقائق اور تجربات سے یہ واضح ہے کہ شیر اور تیندوے شرمیلے، تنہائی پسند رات کی تاریکی میں نکلنے والے اور زیادہ تر پوشیدہ رہنے والے جانور ہیں اس لئے راستے میں پائے جانے والے نشانات سے بھی ان کی آبادی کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

ریاست میں جنگلی جانوروں بشمول تیندوؤں کی آبادی میں مسلسل تخفیف کی کئی وجوہات ہیں۔ انسانی آبادی میں اضافہ کی وجہ سے زمین کی ضرورت، جنگلات کی کٹائی، ترقی یافتہ ذرائع آمد و رفت، فلش لائٹ، اعلیٰ قسم کی بندوقیں، جانوروں کا تجارتی استعمال اور زہریلے جراثیم کش ادویات کا غیر محتاط استعمال ان جانوروں کی آبادی میں تخفیف کی سب سے بڑی وجوہات ہیں۔

نیشنل پارک اور مامن (SANCTUARY): جنگلی جانوروں کے تحفظ کے لئے حکومت مہاراشٹر نے کل ۱۷۳۵۶۴ مربع کلو میٹر اراضی پر مشتمل چار نیشنل پارک اور آٹھ مامن تعمیر کئے ہیں۔ ان کی بدولت تیندوے اور دیگر جانوروں کی قریب الختم نسل کے بچاؤ کی اُمید پیدا ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں جانوروں کی زندگی پر تحقیقات کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا ہے۔

جنگلی جانوروں کی نسل کے تحفظ کے جو کچھ بھی اقدامات کئے گئے ہیں اس کے نتیجہ میں اُمید ہے کہ تیندوا ابھی اپنی تمام جنگلی خصوصیات مثلاً شکار خودی اور شیر کے ساتھ نبھانے کی عادت وغیرہ کے ساتھ اپنی نسل محفوظ رکھ سکے گا۔

• عبداللہ خالق

ننھا منا سا یہ خوبصورت جانور اپنی تیز رفتاری کے لئے ضرب المثل ہے۔ ہندوستان کے سب ہی جنگلوں میں پایا جاتا ہے جس طرح انسان سماج پسند ہے اور بستی بناکر ایک جگہ رہنا پسند کرتا ہے، اسی طرح یہ بھی بھٹ کے اندر سُرنگ بناکر اپنی بستیاں بساتے ہیں برسات کا موسم عموماً بھٹ ہی میں گذارتے ہیں۔

خرگوش شام کے وقت چارے کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ ان کی خوراک مختلف قسم کی سبزیاں، پتیاں، جڑیں اور پھل ہیں۔ بعض اوقات ان کے غول کے غول لہلہاتے کھیتوں پر حملہ آور ہوتے اور فصل کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ایسے وقت یہ بھی یہ اپنے سردار کی پیروی کرتے ہیں۔ سردار خطرے کے وقت اپنی پچھلی ٹانگ کو پٹک پٹک کر کھٹ کھٹ کی آواز سے پورے غول کو خبردار کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پورا غول آناً فاناً بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اور اپنے بھٹ میں جاکر پناہ لیتا ہے۔

خرگوش کی مادہ، بلّیوں اور کتّوں کی مادہ کی طرح، ایک وقت میں بھٹ کے اندر ہی پانچ یا چھ بچّے دیتی ہے اور بڑی محبت سے بچوں کو پالتی ہے۔ اپنے پیٹ پر سے بال نوچ نوچ کر بچوں کے لئے بھٹ کے اندر نرم سا بچھونا بناتی ہے۔ پرندوں کے بچّوں کی طرح، پیدائش کے وقت خرگوش کے بچوں کی کھال پر بال نہیں ہوتے۔ پانچ چھ ہفتوں میں جب ان کی کھال پر بال اُگ آتے ہیں تو وہ بھٹ سے باہر نکلنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح بلّی بچّوں کے پاس نر کو آنے نہیں دیتی اسی طرح مادہ خرگوش بھی نر سے بچوں کو محفوظ رکھتی ہے کہ مبادا نر بچوں کو کھا نہ جائے۔

وہ منظر بہت بھلا سا لگتا ہے جب خرگوش کے بچّے ماں کی حفاظت میں باہر چرنے چگنے کے لئے نکلتے ہیں۔ ایسے وقت میں مادہ خرگوش بچوں کو بھٹ سے زیادہ دور تک جانے سے گریز کرتی ہے۔

شکاری، خرگوش کا شکار بھی کرتے ہیں، اس کی کھال سے نرم گرم ٹوپیاں اور دستانے وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ بعض پرندوں اور چوپایوں کی طرح خرگوش بھی پالے جاتے ہیں۔

لومڑی، خرگوش کی سب سے بڑی دشمن ہے جو خرگوش کے بھٹ پر قبضہ کرلیتی اور اُسے بھٹ چھوڑنے پر مجبور کرتی ہے۔ خرگوش جیسے بھولے جانور کا شکار لومڑی بڑی چالاکی سے کرتی ہے وہ اس طرح کہ خرگوشوں کا جھنڈ دیکھ کر دُور ہی سے لومڑی انھیں طرح طرح کے کرتب دکھاتی ہے۔ کبھی اپنی دُم سے کھیلتی ہے کبھی زمین پر لوٹنے لگتی ہے کبھی اپنی پیٹھ پر لیٹ جاتی ہے۔ اس طرح کھیل کھیل میں لومڑی بھولے خرگوشوں کے بالکل قریب پہنچ جاتی ہے اور پھر دفعتاً حملہ کر کے کسی نہ کسی خرگوش کو قبضے میں کر کے چٹ کر جاتی ہے۔ خرگوش تیز رفتار تو ہے تیز فہم نہیں ہے۔

●●

کوّا

احمد صدیق بیخ (بی اے)
۱۶۳۔ منہاج پور،
الہ آباد ۔ ۲۱۱۰۰۳ (یو۔پی)

اِرض وسماء اور کون ومکاں کے خالق نے اپنی جملہ مخلوقات میں انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف بخشا ہے۔ علاوہ دیگر خصوصیات کے انسان کو سوچ و فکر اور احساس کرنے، اپنے گردوپیش کے حالات سے سبق حاصل کرنے کا مخصوص وصف قدرت کی طرف سے عطا کیا گیا ہے اور اپنی اس خصوصیت کی بنا پر انسان روزِ ازل سے کچھ نہ کچھ سیکھتا آیا ہے، اور اپنی سوجھ بوجھ کی انفرادی خصوصیت کی وجہ سے وہ اپنی زندگی اور طرزِ زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے پر عمل پیرا ہے۔

انسان کے ابتدائی حالات اور اس کی زندگی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گھر بنا کر رہنے اور زندگی گذارنے کا سلیقہ اس نے پرندوں سے سیکھا ہے، شروع شروع میں انسان ناموافق موسمی حالات اور دیگر خطرات سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے قدرتی طور پر تخلیق شدہ غار نما جگہوں میں پناہ لیتا تھا آسمان میں اونچی سے اونچی پرواز کرنے کی آرزو انسان کے دل میں سب سے پہلے پرندوں کو آزاد فضاء میں پرواز کرتے ہوئے دیکھ کر ہی پیدا ہوئی۔

علاوہ ازیں پرندوں میں بعض انفرادی اور دل لبھانے والی عادتوں اور ان کے دلکش انداز سے انسان کا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس طرح پرندوں سے انسان کا ایک طرح سے ازلی اور بڑا گہرا تعلق رہا ہے۔

پرندوں میں بعض اس قسم کے پرندے ہیں جو انسان کے دوست نہ ہو کر "دشمن" کہلاتے آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے پرندوں سے انسان کو نقصان پہنچا کرتا ہے۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر "انسان دوست" پرندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ پرندوں میں جب کوّے کا تذکرہ آتا ہے تو غیر ارادی طور پر ہمارے ایسے کتنے لوگوں کے چہروں سے نفرت اور بیزاری جھلکنے لگتی ہے۔ اس نفرت اور بیزاری کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہ ایک عیّار اور مکّار پرندہ ہے۔ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے اور اس کی آواز کرخت ہوتی ہے کچھ لوگ اس کی لمبی اور غیر متناسب چونچ ناپسند کرتے ہیں اور اکثر لوگ اس کی چھین جھپٹ کر کھانے کی عادت سے بیزار نظر آتے ہیں لیکن یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی اکثر حکایات، جانداروں سے متعلق مواد، مضامین اور افسانوں میں "کوّے" کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسرے پرندے کو حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ سنسکرت ادب کی کہانیوں میں مثلاً "پنچ تنتر ہتوپدیش" اور "رام چرت مانس" کے اکثر ابواب میں کوّے کے تذکرے کو اہمیت دی گئی ہے۔ یوروپی ممالک بالخصوص انگلینڈ کے قصے کہانیوں میں کوّے کا تعلق بھوت پریت سے تسلیم کیا گیا ہے اور ان کے وجود کو شیطانی طاقتوں سے منسلک بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر لندن کے مشہور و معروف "وھائٹ ٹاور" پر سالہا سال سے کوّوں کی ایک نسل کا بسیرا ہے اور اس کے بارے میں وہاں کے لوگوں کا یہ عام خیال سا ہو گیا ہے کہ جس دن وہ کوّے اس ٹاور سے اپنا

[illegible] گے اسی دن یہ ٹاور تہس نہس ہو جائے گا اور سارا ملک [illegible] برباد ی سے دو چار ہو گا۔ جرمنی کے لوگوں میں ایک بہت پرانا خیال [illegible] ہا ہے کہ "کوّا" عقل و ذہانت کی نمائندگی کرتا ہے۔ افریقہ میں کوّے کی [illegible] خاص طور پر بہت عزت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ [illegible] اور مہابھارت میں کوّے کا تذکرہ کئی جگہ اور متعدد انداز میں کیا گیا ہے۔

ہندوستان میں آج بھی طلوعِ آفتاب کے وقت گھر کی منڈیر پر بیٹھ کر "[illegible]ؤں۔کاؤں" کی رٹ لگاتا ہوا کوّا کسی عزیز یا مہمان کی آمد کا پیامبر سمجھا جاتا ہے۔ ساری رات جاگ کر آنکھوں میں کاٹ دینے والی برہن کے لئے صبح کی یہ "کاؤں۔کاؤں" بہت مسرّت آمیز اور حیات بخش بن جاتی ہے۔ ہندی ادب میں جابجا اس کے حوالے سے کاوشات موجود ہیں۔ ہندو مذہب کے عقیدہ کے مطابق پتر پکچھ کے موقع پر شرادھ کرنے کے لئے کوّے کو مخصوص کردار تسلیم کیا گیا ہے۔ اس موقع پر ہندو بھائی ذائقہ دار اور مزیدار کھانے بنا کر کوّوں کو بلا کر بڑی آؤ بھگت سے کھلایا کرتے ہیں۔

ہندوستانیوں کے آباؤ اجداد سے متعلق قصہ کہانیوں کے مطابق کوّوں کو آبِ حیات (امرت) کے قطرات حاصل کرنے کا بھی شرف ملا ہے۔ طالب علموں کو کوّوں کی طرح جانفشانی اور مستقل مزاجی سے تعلیم حاصل کرنے کا اولین سبق پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کوّوں سے متعلق شگونی اور بد شگونی کی روایتیں ہندوستانیوں کی عام زندگی میں بڑی حد تک اثر انداز ہیں۔

کوّوں کی ۱۰۳ نسلیں نیوزی لینڈ اور کچھ بحری جزیروں کو چھوڑ کر دنیا کے ہر گوشے میں دیکھی گئی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے کوّے کی ایک سفید نسل (البینو کوّا) پائے جانے کا سراغ بھی ملا ہے۔ ڈوم کوّا یا راوین (کورَدس کورَیکس)، جنگلی کوّا (کورَدس میکرو رہنکوج)، دیسی کوّا (کورَدس اسپلینڈس) اور پہاڑی کوّا یا جیکڑا (کورَدس مونیڈولا) کوّے کی کچھ مخصوص نسلیں ہیں۔

جنگلی کوّے کا سارا جسم کالا ہوتا ہے۔ دیسی کوّے کی گردن کے چاروں طرف سلیٹی رنگ کی پٹی ہوتی ہے۔ کوّے کی انھیں دو نسلوں سے عام طور پر لوگ واقف ہیں۔ ان کوّوں کا خاص وصف یہ ہے کہ تقریباً سبھی چیزیں کھاتے ہیں۔ سڑی گلی اور فضا میں تعفن اور بدبو پیدا کرنے والی چیزیں بھی یہ بڑے ذوق و شوق سے کھاتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کچھ حصوں میں اسے طہارت اور پاکیزگی کا ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے۔

کوّوں کی نگاہ اور قوتِ سماعت بہت تیز ہوتی ہے۔ اپنی فیملی کے تئیں ایثار و خدمت کا جذبہ ان میں بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ اپنے بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی حفاظت میں یہ بہت مستعد اور چاق و چوبند ہوتے ہیں اور ہر قسم کے دشمن سے نبرد آزما ہونے میں کبھی کبھی یہ خود بھی حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

کوّوں میں ایک خاص عیب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ بڑے شوخ اور ڈھیٹ ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ان میں چوری کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ چمکیلی اور رنگ برنگی چیزوں مثلاً دودھ کے برتنوں یا کبھی کبھی گھروں میں سے زیوروں تک کو چرا کر لے بھاگنے کی ان میں عام عادت ہوتی ہے۔

ان عجیب و غریب چیزوں کو چرا کر یہ کسی مخصوص جگہ پر اکٹھا کرتے دیکھے گئے ہیں۔ گذشتہ سال مدراس میں لاتعداد درختوں کے درمیان ایک درخت کی شاخ پر راحت کا کام کرنے والوں نے کوّے کا ایک عجیب سا گھونسلہ دیکھا۔ وہ پورا گھونسلہ مختلف رنگ کے ہینگروں (جو کپڑا ٹانگنے کے کام آتا ہے) سے بنا تھا۔ اس طرح لوہے اور المونیم کے ایسے ۷۴ ہینگر تھے جو قریب ہی کہیں سے چرا کر کوّے لائے تھے۔ جنگلی کوّوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ یہ دوسرے پرندوں کے انڈے اور ان کے بچوں کو مار کر کھا جاتے ہیں۔

کوّوں میں سماجی تنظیم بہت عمدہ ہوتی ہے۔ ان کی یہ فطرت ہم انسانوں کے لئے بھی قابلِ تقلید ہے۔ آسٹریلیا کے مشہور و معروف ماہرِ اخلاقیات ڈاکٹر کونریڈ لارینج نے تقریباً ۲۵ سال تک کوّوں کی عادت و اطوار کے متعلق بہ نظرِ غائر اور عمیق مطالعہ کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر ان کا قول ہے کہ ان پرندوں میں آپسی معلومات اور اطلاعات دوسروں تک پہنچانے کے طریقے بھی رائج ہیں۔ کسی دشمن یا ممکنہ خطرات سے اپنے گروہ کو آگاہ کرنے کے لئے کوئی معمر اور تجربہ کار کوّا فوراً ایک مخصوص قسم کی بولی بولتا ہے اور سب کو آنے والے خطرات یا اپنے دشمن کے متعلق خبردار کر دیتا ہے۔ جنگلی کوّا کسی شیر کے مارے ہوئے شکار کو اور کبھی کبھی وہیں کہیں آس پاس چھپے ہوئے شیر کو بھی ڈھونڈھ نکالتا ہے۔ درحقیقت یہ بہت مشکل کام ہے جو کوّا جیسا عیار اور چالاک پرندہ ہی سر انجام دے سکتا ہے۔

کوّوں کی کچھ قسمیں دوسرے پرندوں کی آواز (بولی) کی ہو بہو نقل اتارنے میں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ یہ خصوصیت عام طور پر طوطا یا مینا میں پائی جاتی ہے جو انسانی بولی کے اکثر الفاظ کی بالکل صحیح نقل اتارتے ہوئے بول سکتی ہے۔ پہاڑی کوّا (جیکڑا) بھی تربیت دینے پر کچھ الفاظ بول سکتا ہے مثلاً لفظ "جیک" بولنا وہ بہت جلد سیکھ لیتا ہے۔

اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ کوّے "امر" ہوتے ہیں کیونکہ بعض دھار[illegible]

کتابوں کے مُطابق انھیں "امرت" پینے کا موقع مل گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوّوں کی عمر حیرت انگیز طور پر لمبی بتائی گئی ہے۔ ڈاکٹر سلیم علی نے اپنی تصنیف "دی بُک آن انڈین برڈس" میں کسی چڑیا گھر کے ایک کوّے (راوین) کی عمر مستند طور پر ۶۹ سال تحریر کی ہے۔ اس کے باوجود انھوں نے اس خیال کو قطعی غلط اور بے بُنیاد قرار دیا ہے کہ کوّے "امر" ہوتے ہیں۔

دو مشہور سائنسداں ڈاکٹر مورِس اور رابرٹ برٹن نے جانوروں اور پرندوں کی زندگی اور اُن کی عادات و اطوار سے متعلق اپنی تصنیف "اِنسائڈ دی انیمل ورلڈ" (INSIDE THE ANIMAL WORLD) میں ان کی عادت و اطوار کی تفصیل بہت دلچسپ انداز میں پیش کی ہے۔ ایک تجربہ کے تحت ایک مضبُوط دھاگہ سے باندھ کر گوشت کا ایک ٹکڑا ایک تار کے سہارے نیچے لٹکا دیا گیا۔ اسے دیکھ کر ایک کوّا آیا۔ تھوڑی دیر تک آس پاس کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر مطمئن ہونے کے بعد وہ تار پر اُس جگہ پر جا بیٹھا جہاں سے گوشت کا ٹکڑا لٹکا گیا تھا۔ بعدازاں وہ بار بار اپنی چونچ سے دھاگے کو کھینچتا رہا اور دھاگے کے اس حصّہ کو اپنے پاؤں تلے مضبوطی سے دبا لیتا۔ اپنی ذہانت اور سمجھداری سے وہ یہ فعل تب تک کرتا رہا جب تک کہ وہ گوشت کا ٹکڑا اس کی چونچ تک نہیں پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی چونچ میں دبا کر فاتحانہ انداز میں ایک طرف اُڑتا چلا گیا۔ کوّوں کی ذہانت اور سمجھداری سے متعلق متعدد ماہرین نے اپنے انداز میں تذکرہ کیا ہے۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوّوں میں اس قسم کے خصائل پیدائشی خصلت (INSTINCT) کے تحت نہیں ہوتے بلکہ حالات اور ماحول کو سمجھنے کے بعد ان میں خود بخود یہ ردِعمل (INSIGHT LEARNING) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کوّوں کا ذہن دیگر پرندوں کے مقابلے میں بہت زیادہ وسیع اور ترقی پذیر ہوتا ہے۔ سخت قسم کے خول میں لپٹی ہوئی سیپیوں کو توڑنے اور ان کے کیڑوں کو کھانے میں کوّے جو طریقہ استعمال کرتے ہیں وہ ان کی (REASONING POWER) سوجھ بوجھ کی بہترین مثال ہے۔ یہ سیپیوں کو نرم جگہوں پر نہ لے جا کر پتھروں پر بار بار پٹختے ہیں اور پیچ کر توڑ ڈالتے ہیں۔ اکثر و بیشتر کوّے انسان کے چہرہ شناس بھی ہوتے ہیں اور ان کے متعلق ان میں غضب کی قوّتِ یادداشت ہوتی ہے۔ سرزمینِ روس کے ایک فنکار پروفیسر موتاتینیل کے تجربے کے تحت کوّے "ایک سے تین تک" گننے کی بھی استعداد رکھتے ہیں۔

ان تمام تر اوصاف کے باوجود کوئل کوّے کے گھونسلے میں انڈے دے آتی ہے اور کوّے کا جوڑا ان انڈوں کو سیتا ہے۔ اپنے ساتھ ہوئے اس دھوکے کا علم کوّے کے جوڑے کو نہیں ہو پاتا، بلکہ اپنے انڈوں بچوں کی طرح وہ کوئل کے انڈوں اور بچوں کی بھی دیکھ بھال اور سرپرستی کرتے ہیں۔ کئی ہفتہ تک وہ کوئل کے ان چھوٹے بچوں کو اپنا بچہ سمجھ کر کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ کوّوں کی زندگی، ان کے عادات و اطوار کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کی اس "کمزوری" کا پہلو بہت حیرت انگیز اور پُراسرار سا ہے۔ یہاں تک کہ اس مقام پر اُن کی سمجھداری اور سُوجھ بُوجھ کے متعلق انسان دوبارہ سوچنے پر مجبُور ہو جاتا ہے۔

ایک غیر ملکی پرندوں کے شائق سی۔ ایچ رودگرس نے کوّوں کی زندگی کی متذکرہ خصوصیات سے متاثر ہو کر انھیں پالتو پرندوں (PET BIRDS) کے زُمرے میں شامل کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہر طرح کے متضاد تصوّرات سے آزاد ہو کر اگر دیکھا جائے تو ایک خوبرُو پرندے کی صورت میں کوّے بھی پنجرے میں رکھے جا سکتے ہیں اور اس طرح وہ پنجروں اور ہمارے گھروں کی زینت میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ ان کا یہ بھی قول ہے کہ کوّے کے ذریعہ فصلوں کو نقصان پہنچنے کے متعلق حقائق میں مبالغہ آمیزی زیادہ کی جاتی ہے۔ درحقیقت ایک پرندے کی شکل میں ہم کوّے کو پیار و محبّت اور اہمیت نہیں دے سکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کے متعلق اپنا نظریہ بدلیں اور کوّے میں قدرت کی طرف سے جو خصوصیات ودیعت کی گئی ہیں ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے قائم کریں۔

●●

یُوتھ فورم

'یُوتھ فورم'، کا مستقل فیچر، کیریئر کی رہنمائی، مشہُور اشخاص اور نوجوانوں کی رہنمائی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس فیچر میں قوم کی سماجی اور معاشی ترقی میں نوجوانوں کے رول پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ قومی پروگرام میں جیسے جہیز مخالف تحریک، صفائی مہم، چھُوت چھات کا خاتمہ اور تعلیم کے فروغ پر لکھے گئے مضامین کو سراہا جاتا ہے۔

اپنے مضامین اس پتہ پر رحمت فرمائیں:
ایڈیٹر "قومی راج" نیو ایڈمنسٹریٹو بلڈنگ پندرھواں منزلہ،
مقابل منترالیہ، بمبئی ۳۲ ... ۴۰۰

سلطان ہاشمی

سانپوں کے متعلق عام آدمی کو صحیح جانکاری نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ صدیوں سے اُسے اپنا دشمن سمجھتا چلا آرہا ہے۔ خصوصًا گاؤں دیہات کے لوگوں میں تو اتنی خوفزدگی ہے کہ اس سے بچنے کے لئے انھوں نے جادو ٹونے تک کا سہارا لیا ہے۔ سانپ ڈسنے پر باقاعدہ علاج کے لئے وہ زخمی کو کسی ہسپتال میں لے جانے کے بجائے جادو ٹونے والے کے پاس لے جاتے ہیں اور کسی "چمتکار" کے منتظر رہتے ہیں۔ نتیجتًا مارگزیدہ نہ صرف اللہ کو پیارا ہوجاتا ہے بلکہ اِن لوگوں میں اس گمان کو پختہ کرنے کا باعث بھی بنتا ہے کہ مہلوک کے ہاتھوں سانپ کو کسی قسم کا نقصان پہنچا تھا جس کا اُس نے بدلہ لے لیا ہے۔

سانپوں کو لامحدود قوتوں کا مالک، ایک خوفناک مخلوق اور حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک سمجھنے میں قدیم روایتوں اور دیو مالائی کتھاؤں نے اہم حصّہ ادا کیا ہے۔ اس سلسلے میں "بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی" نے اپنے کتابچے میں جن من گھڑت داستانوں کی نشاندہی کی ہے ان میں ایک یہ ہے کہ "ہندو روایتوں کے مطابق ناگ کے سر پر زمین رکھی ہوئی ہے، بھگوان وشنو کا تخت سانپ کے سر پر دھرا ہے، اور شیو کی حفاظت کے لئے پھن اُٹھایا ہوا ناگ ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ اسی طرح مہابھارت میں یہ واقعہ ملتا ہے کہ ارجن کے نواسے "پریگشیتی" سے بدلہ لینے کے لئے اسے ناگ نے ڈس کر ہلاک کیا تھا۔

ان روایتوں کی وجہ سے ہندو دھرم میں سانپ کو تقدس کا درجہ حاصل ہوا ہے۔ ناگ پنچمی کا تہوار انھیں عقاید کی دین ہے۔ اس موقع پر شادی شدہ خواتین اور کنواری دوشیزائیں ناگ کی آرتی اُتار کر اُسے دودھ پیش کرتی ہیں، جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ناگ ہو یا کسی بھی قسم کا سانپ، وہ دودھ پیتا ہی نہیں۔ کیونکہ وہ سانپ کی غذا نہیں ہے، البتہ پیاسا ہونے کی صورت میں بطور پانی پی لیتا ہے۔ اسی طرح یہ روایت بھی خیالی ہے کہ جنگلوں میں بھینس یا بکری کی ٹانگوں سے لپٹ کر دھامن (RAT SNAKE) نامی سانپ اس کا سارا دودھ پی جاتا ہے۔

سانپ - حقائق کی روشنی میں: سانپ کا شمار رینگنے والے جانوروں (REPTILES) میں ہوتا ہے، جو سطح زمین پر ستر لاکھ سال سے بھی زیادہ

عرصہ سے پائے جاتے ہیں۔ ریپٹائل میں سانپ کے علاوہ چھپکلی، گرگٹ، مگرمچھ، گھڑیال وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ رینگنے والے جانوروں کا خون سرد ہوتا ہے۔ ان میں سے اکثر گوشت خور ہوتے ہیں۔

اب تک کی دریافتوں کے مطابق پوری دنیا میں قریب ڈھائی ہزار اقسام کے سانپ پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ۲۲۰ قسم کے سانپ ہندوستان میں ملتے ہیں۔ مہاراشٹر میں صرف ساٹھ قسم کے سانپ ہوتے ہیں۔ ان میں رتناگیری میں پایا جانے والا "بھونسا" (SAW SCALED VIPER) انتہائی زہریلا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر سال ایک ملین یعنی دس لاکھ افراد سانپ کے ڈسنے کا شکار ہوتے ہیں، جن میں سے ۴۰ ہزار افراد مر جاتے ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں ہر سال ۲ ہزار افراد ہلاک ہوتے ہیں۔ ان میں ۲۰ فیصد رتناگیری ضلع میں پائے جانے والے 'بھونسا' کا شکار ہوتے ہیں۔

جیسا کہ بتلایا گیا کہ ہمارے ملک میں ۲۳۰ قسم کے سانپ پائے جاتے ہیں۔ جن میں ۵۵ قسم کے سانپ کم و بیش زہریلے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۲۰ قسم کے سانپ سمندری یعنی کھارے پانی میں پائے جاتے ہیں۔ سمندری سانپ زہریلے ہوتے ہیں۔ البتہ دریاؤں، تالابوں اور میٹھے پانی میں پائے جانے والے سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔

دنیا میں پائے جانے والوں میں سب سے لمبا سانپ امریکہ کے جنگلوں میں پایا جاتا ہے، جسے اناکونڈا کہتے ہیں۔ یہ زہریلا نہیں ہوتا۔ اناکونڈا ۱۲ میٹر تک لمبا اور ۶ء۱ میٹر موٹا ہوتا ہے۔ اس کا وزن چھ سو تا ساڑھے سات سو کلوگرام تک ہوتا ہے۔ اناکونڈا کے بعد ایشیا کے اجگر (PYTHON) کا نمبر آتا ہے، یہ ۵ء۱۰ میٹر لمبا ہوتا ہے۔ یہ بھی زہریلا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد افریقہ میں پائے جانے والے 'ممبا' کا نمبر آتا ہے۔ ممبا سبز، سیاہ یا چتکبری رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی ۴ء۲ میٹر ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے سانپوں کی لمبائی ۱۰۰ تا ۱۵۰ ملی میٹر اور موٹائی ۲۰ ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ ان کا وزن چند گرام سے زیادہ نہیں ہوتا۔

مختلف علاقوں میں پائے جانے والے مختلف قسم کے سانپوں میں ایک بات مشترک ہے، وہ یہ کہ تمام سانپ گوشت خور ہوتے ہیں۔ دودھ کا استعمال نہیں کرتے البتہ پیاس لگنے کی صورت میں بطور پانی پی لیتے ہیں۔ ان کی مرغوب غذا مینڈک، چوہے، چوزے، پرندوں کے انڈے، گرگٹ، چھپکلی وغیرہ ہے۔ البتہ بڑی جسامت کے سانپ جیسے اناکونڈا، اجگر، ممبا اور کنگ کوبرا وغیرہ ہرن کے بچے، خرگوش، بھیڑ بکریاں اور چھوٹے سؤر وغیرہ سالم نگل جاتے ہیں۔ سانپ کے منہ میں جو دانت ہوتے ہیں وہ شکار کو چبانے کا کام نہیں دیتے، اس لئے سانپ اپنے شکار پر قابو پانے کے بعد اس کے جسم کے گرد لپٹ جاتا ہے، پھر اپنی گرفت بتدریج تنگ کرتے ہوئے اسے بے جان کر دیتا ہے۔ جب پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ شکار اب حرکت نہیں کر سکتا تو اس کے پورے جسم پر اپنا منہ پھیرتا ہے جب سانپ کا منہ شکار کی گردن تک پہنچ جاتا ہے تو اپنی گرفت ڈھیلی کر کے شکار کو اس کے منہ کی طرف سے نگلنا شروع کرتا ہے۔ قدرت نے سانپ کے جبڑے کچھ اس ڈھنگ سے بنائے ہیں کہ وہ اپنے سے بڑی جسامت کے جانوروں کو آسانی کے ساتھ نگل جاتا ہے۔ اس کا نچلا جبڑا دو ہڈیوں سے بنا ہوتا ہے جو اوپری جبڑے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس بناوٹ کے باعث وہ اپنا منہ ۹۰ درجہ تک بڑی آسانی کے ساتھ کھول دیتا ہے اور بڑے بڑے جانوروں کو نگل جاتا ہے۔

سانپ فطرتاً مدافعانہ مزاج رکھتا ہے، البتہ جب حضرتِ انسان اسے اپنا جانی دشمن تصور کر کے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ بھی جارحانہ رویہ اختیار کر کے انسان کو ڈسنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح یہ غلط فہمی کی جنگ اکثر اوقات کسی ایک کے خاتمے پر اختتام تک پہنچتی ہے۔

سانپ کا ڈسنا: جیسا کہ بتلایا گیا ہے کہ تمام سانپ زہریلے نہیں ہوتے البتہ جو زہریلے ہوتے ہیں وہ حملہ کرنے سے قبل اپنی گردن اونچی کر کے سر کسی قدر پیچھے لے جاتا ہے، پھر بڑی پھرتی کے ساتھ اپنے شکار کو ڈس لیتا ہے۔ سر کو پیچھے لے جانے کا سبب یہ ہے کہ اس کے اوپری جبڑے کے قریب زہر کے جو غدود ہیں اس میں سے زہر باریک نسوں کے ذریعہ دانتوں میں آجاتا ہے۔ پھر کھوکھلے دانتوں میں بھرا ہوا یہ زہر اپنے شکار کے جسم میں انڈیل دیتا ہے۔

زہریلے سانپوں میں ناگ (کوبرا) اور مینار (KRAIT) کا زہر انسانی دماغ اور اعصابی نظام کو متاثر کرتا ہے جس کی وجہ سے دماغ اپنا کام بند کر دیتا ہے اگر آدھ گھنٹہ کے اندر اندر علاج نہیں ہو سکا تو انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ البتہ بعض حالات میں آدمی ۸ تا ۲۴ گھنٹے تک بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

بھونسا (VIPER) اور گھونس کا زہر دورانِ خون کو متاثر کر کے انسان پر مدہوشی طاری کرنے کا سبب بنتا ہے۔

سانپ کے ڈسنے کا علاج: سانپ ڈسنے پر فوری علاج ایک تو یہ ہے کہ جس جگہ سانپ نے کاٹ کھایا ہے، اس سے قدرے اوپر ایک رسی یا رومال اس قدر کس کر باندھ دیا جائے کہ زہر کے جراثیم دورانِ خون کے ذریعہ جسم میں پھیلنے نہ پائیں۔ اس کے بعد زخمی کو قریبی اسپتال میں داخل کیا جائے۔ یہاں اسے 'ANTIVENIN' انجکشن دیا جاتا ہے جو سانپ کے زہر پر تریاق

رہے۔ 'انٹی وے نِن' کیا ہے؟ 'انٹی وے نِن' سانپ کے زہر سے تیار کردہ ایک سفوف کا نام ہے جسے محلول کی شکل میں بذریعہ انجکشن مارگزیدہ کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ بتلایا گیا ہے کہ ہندوستان میں پائے جانے والے ۲۳۰ اقسام کے سانپوں میں انتہائی زہریلے سانپ صرف چار ہیں:

۱) ناگ (COBRA)
۲) بینار (COMMON KRAIT)
۳) گھونس (RUSSELL'S VIPER)
۴) پھُونسا (SAW SCALED VIPER)

اِن چاروں سانپوں کا زہر نکال کر انجکشن کے ذریعے ایک گھوڑے کے جسم میں داخل کیا جاتا ہے۔ ایک معینہ مدت کے بعد سانپوں کے زہر کے اثرات سے گھوڑے کا تمام خون زہریلا بن جاتا ہے، پھر اس گھوڑے کا یہ خون نکال کر اس کے سُکھانے کے بعد سفوف کی شکل میں شیشیوں میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بوقت ضرورت اسے مائع میں تبدیل کر کے بذریعۂ انجکشن انسان کے جسم میں پہنچایا جاتا ہے۔ سانپ کے زہر کا انجکشن بنانے کی پورے ملک میں صرف دو لیبوریٹریاں ہیں۔ جن میں ایک بمبئی میں 'ہافکن انسٹی ٹیوٹ' (پریل) ہے اور دوسری یو۔پی میں کسولی مقام پر ہے۔ نئی تحقیقات کے بعد اب سانپ کے زہر کو سرطان (کینسر)، لیپرسی (جذام) اور عارضہ قلب کی بیماریوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

دنیا میں بارہ قسم کے ناگ (COBRA) پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ۳ ذات کے سانپ ہندوستان میں ملتے ہیں۔ ان میں ناگ راج یا کنگ کوبرا، اڑیسہ اور بنگال کے جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ ایک تندرست ناگ سے ہر پندرہ دن بعد زہر حاصل کیا جاتا ہے جو ایک وقت میں ۶ تا ۲۰ قطروں کے درمیان ہوتا ہے۔ بعض اوقات تیس قطرے بھی دستیاب ہوتا ہے۔ تازہ زہر ہلکے پیلے رنگ یا زیتون کے تیل جیسا ہوتا ہے۔

سانپ کی عمر: جنگلات میں رہنے والے سانپوں کی عمر ۲۰ تا ۲۵ سال تک پہنچتی ہے، البتہ یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ میوزیم میں رکھے ہوئے سانپوں کی عمر ۳۱ سال تک پہنچی ہے۔ اجگر (PYTHON) کی عمر ۴۵ تا ۵۰ سال کے درمیان رہتی ہے۔

اکثر لوگوں کو اس بات پر یقین ہے کہ سانپ کبھی نہیں مرتا صرف انسان کے ہاتھوں ہی اُسے موت آتی ہے یا یہ کہ سانپ جب بوڑھا ہو جاتا ہے، تو اُسے نیا جنم ملتا ہے۔ یہ باتیں سراسر غلط ہیں، البتہ وہ کیچلی ضرور بدلتا ہے جو سال میں بارہ یا پندرہ مرتبہ بدلی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے کہ سانپ بدلہ یا انتقام لیتا ہے۔ دراصل یہ سانپ کی خصلت سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ سانپ کے دماغ نہیں ہوتا اور نہ اس میں قوتِ یادداشت ہوتی ہے، اس کی ہر حرکت وقتی ہوتی ہے۔ دیگر خود ساختہ روایتوں کی طرح سائنسدانوں نے اس مفروضہ کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ بین کی آواز پر سانپ رقص کرتا ہے دراصل اس کے کان ہی نہیں ہوتے وہ قوتِ سامعہ سے یکسر محروم ہے، البتہ فضا میں جب کوئی آواز گونجتی ہے یا ارتعاش پیدا ہوتا ہے تو اس کی لہریں سانپ کی جلد اور اس کی پسلیوں سے ٹکراتی ہیں تو وہ ان سے سُننے کا کام لیتا ہے۔ اس طرح وہ بار بار اپنی زبان باہر نکالتا ہے۔ یہ عمل اُسے سونگھنے اور محسوس کرنے میں مدد دیتا ہے۔

سانپ، ہمارا دوست یا دشمن؟

سانپوں کے متعلق عام خونریزگی کا سبب ہماری ناواقفیت ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قدرت کی یہ خوبصورت تخلیق ہماری بہترین دوست ہے۔ خصوصاً اناج کی بربادی کو روکنے میں یہ بہترین رول ادا کرتے ہیں۔ جنگلوں اور کھیتوں میں رہنے والے سانپ، چوہے اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ یہ چوہے جو نہ صرف دھان کی فصل کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ ذخیرہ کردہ اناج بھی ہضم کر جاتے ہیں ایک جائزے کے مطابق چوہے ہر سال ۱۶ فیصد فصلوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ذخیرہ کردہ اناج کا دس فیصد حصہ ہضم کر جاتے ہیں۔ اگر چوہوں کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا تو ہر سال جو اناج بچے گا وہ ایک کروڑ افراد کے لئے کافی ہوگا۔ کیا اِن نقصان دہ چوہوں کو اپنی غذا بنانے والے سانپ انسان کے دشمن ہوسکتے ہیں؟؟

[اس مضمون کی تیاری میں 'بمبئی نیچرل ہسٹری سوسائٹی' کے کتابچہ "SNAKE WORLD" اور "THE SNAKE" (انگریزی) نیز "सर्प वाचवा त्या जाती" (مراٹھی) نامی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔]

کربِ خود کلامی

"کربِ خود کلامی" اس منفرد شاعر کا مجموعۂ کلام ہے جو اُردو کے کاز کے لئے تنِ تنہا میدانِ کارزار میں ڈٹا رہا اور دنیا کے تیر و نشتر اپنے ہلکے پھلکے سینہ پر برداشت کرتا رہا۔ حضرت اعجاز صدیقی کو قدرت کی طرف سے ہلکا پھلکا جسم ملا تھا مگر اس ہلکے پھلکے جسم میں آہنی عزم تھا جس نے ادبی ہو یا سماجی ہر مرحلہ میں ان کے حوصلوں کو بلند رکھا، دشواریاں ان کو مرعوب نہ کرسکیں مشکلیں ان کی راہ نہ روک سکیں اور یہ باعزم و باہمت شاعر پورے جوش و خروش سے آگے اور آگے ہی بڑھتا رہا، بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا اور شعر و ادب کی خدمت میں منہمک رہا۔

یہ حقیقت ہے کہ وہ آخر دم تک اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے کوشاں رہے، اعجاز صدیقی کو نہ تو نام و نمود کی کوئی خواہش تھی اور نہ ہی کسی صلہ کی پروا۔

حضرت اعجاز صدیقی کے اس مجموعہ میں وہ نظمیں شامل ہیں جنھیں لکھ کر وہ قومی شاعر کے روپ میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ 'سالِ نو'، 'راستے سنوار ہیں'، 'ترانۂ اُردو' کے بعد جذبۂ حبُ الوطنی سے پُر نظمیں 'ہماری جنگِ آزادی' - ۱۹۵۷ء کی عید'، 'آزادی'، '۱۵ راگست'، 'نغمۂ وطن'، 'قدم ملا کے چلو'، 'اپنی دھرتی'، 'اپنے گیت'، اس مجموعے میں شامل ہیں جنھیں ایک مرتبہ پڑھ لیا جائے تو ان کا تاثر ہمیشہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ "رزم نامہ" جیسے میں وہ نظم بھی شامل ہے جو اس مجموعہ کا عنوان ہے۔ اس کے علاوہ "ایک ناج" "ناگزیر"، "ہند کے بہادرو"، "اے لوگو"، "مژدۂ غم رُبا"، "تجدیدِ عہدِ الفت" اور "ہم امن چاہتے ہیں" جیسی نظمیں ہیں جن میں قوم کا وقار ہے، سنجیدگی ہے اور فکر و بصیرت ہے۔ ساتھ ہی ایک تاثر بھی شامل ہے جسے پروفیسر ڈاکٹر محی رضا نے لکھا ہے۔

بحیثیت انسان اور ایک حسّاس انسان اعجاز صدیقی بھی شخصیتوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ اس تاثر نے انھیں غالبؔ، 'نانتیا ٹوپے، بوڑھا ہادی'، 'تیرے بعد' اور 'خوابوں کا مسیحا'، جیسی نظمیں لکھنے پر اُبھارا۔ اس کا دیباچہ کرشن چندر کا لکھا ہوا ہے۔ کرشن چندر نے اعجاز صدیقی کی شخصیت ان کے کلام اور ان کی زندگی پر نئے اور اچھوتے انداز سے روشنی ڈالی ہے۔ ان کی نظموں اور غزلوں کا تجزیہ کیا ہے۔

آخری حصہ، 'نقطہ نقطہ، حرف حرف'، میں 'چھ کروڑ نقطے'، 'مہاراشٹر'، 'انقلاب کی دستک'، 'دعوتِ رقص'، 'یہ کون لوگ کھڑے ہیں'، 'بے زبان ہیں بغیر چیخ'، 'زخمی لو سے'، 'عیدِ قربان'، 'عید کس کی ہے' اور 'بچھوے'، نظمیں شامل ہیں۔ ایک طرف شاعر ملک میں ہونے والے فسادات سے دل برداشتہ ہوتا ہے تو دوسری طرف اس کا مجروح دل وطن کی عظمت کے نغمے بکھیرنے کے لئے تڑپتا ہے اور اپنے دل کی آواز ملک کے کونے کونے تک پہنچا دیتا ہے۔

'کربِ خود کلامی' کے مطالعے سے اعجاز صدیقی کی شخصیت اور ان کے کلام کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف اس موجودہ دور کے عظیم ترین شاعر تھے بلکہ ایک محبوب شخصیت بھی تھے۔ ان کی ہر غزل، ہر نظم نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ ملک سے باہر بھی احترام و عقیدت کی نظروں سے پڑھی گئی ہے۔

'خراجِ محبت'، میں سردار جعفری صاحب نے اعجاز صدیقی کی شخصیت ان کے فن اور ان کے جذبۂ حبُ الوطنی پر بڑے پُراثر انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ ماہنامہ 'شاعر' کا تذکرہ کیا ہے۔ جسے اعجاز صدیقی نے آخری دم تک اپنے رشحاتِ قلم سے نکھارا ہے۔

اردو ادب کے اس عظیم شاعر کا یہ مجموعۂ کلام مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکادمی کے مالی تعاون سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ یونیورسل فائن آرٹ لیتھو ورکس، بمبئی نے طباعت کی ذمہ داریاں بحُسن و خوبی ادا کی ہیں۔ یہ مجموعۂ کلام ۱۷۶ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ عمدہ قسم کا سفید کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔ کتابت بھی خوبصورت اور جاذبِ نظر ہے۔ سرورق دو رنگی ہے، جسے شکیل پر یاری صاحب نے بڑی لگن اور عقیدت کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ بارہ روپے میں یہ مجموعہ مکتبہ قصر الادب' پوسٹ بکس نمبر ۵۲۶۴ بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۸ سے یا مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ' نزد جے جے اسپتال بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۳ سے خرید یا منگوایا جا سکتا ہے۔

(ر - ا - خ)

قومی راج

غزلیاتِ منظرؔ

منظرؔ نوساروی گجرات کے اُبھرتے ہوئے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔
"غزلیاتِ منظرؔ" منظرؔ کا پہلا مجموعۂ کلام ہے، جس کے پبلشر سنسار پبلشنگ ہاؤس ہیں اور طباعت کی ذمہ داری سنسار پرنٹنگ پریس بمبئی نے ادا کی ہے۔ یہ ایک مختصر سا مجموعہ کلام ہے جو منظرؔ کی ۶۳ غزلوں پر مشتمل ہے۔ غزل کہنا ایک ایسا فن ہے جس پر دسترس رکھنا مشکل ترین کام ہے۔ منظرؔ نے اچھی غزلیں کہی ہیں جو فنی اور ادبی لحاظ سے عام طور پر پسند کی جائیں گی۔

شاعر جب اس بات کا دعویٰ کرے کہ اس کے اشعار میں اس کا مشاہدہ ہے، اس کے حساس دل کی آواز ہے، اس کے دماغ کی پرواز ہے اور جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا، اسی کی عکاسی ہے تو سمجھئے کہ شعر مکمل ترین ہے۔ یہی دعویٰ منظر نے کیا ہے اور اس میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ منظر کی وہ غزلیات چھوٹی بحروں میں ہیں اور اپنے اندر روانی رکھتی ہیں نیز الفاظ کا استعمال بھی مناسب نظر آتا ہے۔ جہاں تک مشاہدے کا سوال ہے منظر کو ابھی اس دشت کی سیاحی میں کئی اور ایسے بھی مقامات ملیں گے جہاں ان کا مشاہدہ اور گہرا ہوگا۔

مختصر سا یہ مجموعۂ کلام نوجوان شاعر کی طرف سے ادبی دنیا میں ایک تحفہ ہے، جسے امید ہے کہ کافی سراہا جائے گا۔

اس مجموعہ کی قیمت ۳ روپے ہے، سنسار پبلیشنگ ہاؤس ۵/۱۷ اے، موتی شاہ روڈ، ممبئی نمبر ۲...۴۔ یا منظر نوساروی، لال جال، اسٹیشن روڈ، نوساری، ضلع بلسار (گجرات) سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (ر۔ ا۔ خ)

نوائے طالب (مجموعۂ کلام)

... پچھلی نصف صدی میں حیدر آباد میں جن سپوتوں نے جنم لیا اُن میں طالب رزاقی مرحوم کا نام نامی دکن کے غزل گو شعراء کی فہرست میں اہم ہے۔ ویسے انھوں نے دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی، لیکن غزل کے میدان میں ہی مقام حاصل کیا۔

غزل چونکہ مشاعروں کی جان اور ادبی محفلوں کی آن سمجھی جاتی ہے اس لئے طالب نے غزل کا دامن آخری سانس تک نہیں چھوڑا اور حق بات تو یہ ہے کہ ان کی غزل نے حق ادا کیا۔ ان کے کہنے اور پڑھنے کا انداز منفرد تھا، اس لئے وہ مشاعروں اور محفلوں میں عزت سے بلائے اور شوق سے سُنے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حیدر آباد کے بہت سے شعراء کو اُن کے کلام پر اصلاح دی، آج بھی کئی شعراء اُن ہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ الغرض طالب کی ساری زندگی زبان و شعر کی خدمت میں گذری مگر صد حیف کہ زبان و شعر نے ان کی کوئی خدمت نہیں کی، آخر دم تک ان کا مجموعۂ کلام زیورِ طباعت سے محروم رہا۔ لیکن اب آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی نے "نوائے طالب" شائع کر کے طالب کی برسہا برس کی شعری کاوشوں کو محفوظ کر دیا۔ اکیڈیمی کا یہ اقدام قابلِ ستائش بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔

زیرِ نظر مجموعہ میں کئی غزلیں ایسی ہیں جو کہ اپنے وقت میں کافی مشہور ہوئیں اور وہ نہ صرف مشاعروں میں سُنی جاتی تھیں بلکہ گانے بجانے کی محفلوں میں بھی دھوم مچاتی تھیں، مثلاً

آجاؤ قریبِ دل اتنے، عشم جانِ تمنا ہو جائے
یہ دل جو کسی کا ہو نہ سکا ممکن ہے تمھارا ہو جائے

•

ہے مصر، مگر مصر کا بازار نہیں ہے
کیا ایک بھی یوسف کا خریدار نہیں ہے

•

جانے کیا سوچا کہ وہ غصّے میں آ کر رہ گئے
بھول سے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر رہ گئے

ایسی کتنی ہی غزلیں ہیں جو طالب کی فنکاری کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ایسے کتنے ہی شعر ہیں جو کم از کم حیدر آباد کے ادبی حلقوں میں مشہور ہیں۔

طالب کہیں غالب سے متاثر نظر آتے ہیں تو کہیں جوش و جگر سے، کہیں اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں تو کہیں انیس و فانی سے۔ بہرحال طالب نے اپنے کلام میں اعلیٰ روایتی قدروں کو عزیز رکھا ہے اور زبان و فن کو سلیقے سے برتا ہے۔ تغزّل کو برقرار رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ہے اور بڑی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ غزل کہنے کے لئے مترنم بحروں کا انتخاب کیا ہے اور سیدھے سادے لفظوں کے سہارے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہے۔

طالب مرحوم کی شاعری کا یہ مجموعہ کلاسیکل اور ترقی پسند رجحانات کے امتزاج کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس میں طالب کا اپنا رنگ بھی شامل ہے اور یہ دکن کی غزلیہ شاعری میں اضافہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ادب کے ہر طالبِ علم اور غزل کے ہر شوقین کو یہ مجموعہ مطمئن کرے گا اور علمی و ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

قیمت: آٹھ روپے

ملنے کا پتہ: آندھرا پردیش اُردو اکیڈیمی، اے سی گارڈز، حیدر آباد (اے پی)

(رفیقہ جعفر)

• شوقی ماہر
موگھٹ روڈ، کھنڈوہ - ۴۵۰۰۰۱

ہائے بیتابیٔ دل و دیدہ
شوخیاں ہوگئی ہیں سنجیدہ

تم نے کیا ساتھ میرا چھوڑ دیا
راستے ہوگئے ہیں پیچیدہ

دیدنی ہے یہ خواب کا عالم
فتنہ بیدار، حسن خوابیدہ

تو نے جینا سکھا دیا مجھ کو
شکریہ اے نگاہِ دُزدیدہ

کون جانے یہ کیا مقام آیا
اب وہ حسرت نہ وہ دل و دیدہ

دل کی گتھی سلجھنے والی ہے
یہ تبسم یہ زلفِ پیچیدہ

میں نے جس کو خدا بنا ڈالا
ایک پتھر تھا ناتراشیدہ

سینۂ شوق میں خدا جانے!
کتنے طوفاں ابھی ہیں خوابیدہ

٭

• محمود عشقی
وزیرآباد، ناندیڑ (مہاراشٹر) ۴۳۱۶۰۱

سُلگتی دھوپ میں صحرا بہت جھلستا ہے
شریر ابر نہ جانے کہاں برستا ہے

تمہارے حکم پہ شاخوں کے جھک گئے ہیں سر
تمہارے سامنے ماحول دست بستہ ہے

بجھا کے یادوں کا بستر میں جب بھی لیٹا ہوں
ترا خیال اندھیروں میں آکے ڈستا ہے

مصیبتوں نے بھی برسا دیئے بہت اولے
ہمارا حال بھی کُٹیا کی طرح خستہ ہے

عزیزوں اور محبوں کے چڑھ کے کاندھوں پر
یہ کون شہرِ خموشاں میں جاکے بستا ہے

شریف لوگوں پہ سب انگلیاں اٹھاتے ہیں
حوادثات پہ آوازہ کون کستا ہے!

٭

• عثمان عاجز
یو۔ ایم۔ اے۔ ریڈیو
۹۲/۱۰۲، ایم۔ ایس علی روڈ، ممبئی ۸

موت آتی نہیں بلانے سے
آئے گی وہ کسی بہانے سے

رازِ دل کھل گیا چھپانے سے
اشک بہنے لگے ہنسانے سے

مشک اور عشق، لوگ کہتے ہیں
کبھی چھپتے نہیں چھپانے سے

اور رسوا ہوئے زمانے میں
فائدہ کیا ہے دل لگانے سے

دل پہ عاجز یہ داغِ ناکامی
اور روشن ہوئے مٹانے سے

٭

"ثبات" کا جشنِ اجرا

۸ رنومبر ۱۹۷۹ء کی شب میں، بارسی ٹاکلی میں محبوب راہی کے اولین مجموعۂ غزلیات "ثبات" کے جشنِ اجرا کے سلسلہ میں ایک کل ہند مشاعرہ کا انعقاد عمل میں آیا۔ مشاعرہ کی صدارت ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ، ممبر مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکاڈیمی نے فرمائی، نظامت مشہور اناؤنسر ثقلین حیدر (کلکتہ) نے کی۔ "ثبات" کی رسمِ اجرا ڈاکٹر خورشید احمد صدیقی (کھنڈوہ) کے دستِ مبارک سے انجام پائی۔

ڈاکٹر مظفر حنفی (دہلی) نے محبوب راہی کی شاعری پر ایک جامع، مدلل، مبسوط اور پُر مغز مقالہ پڑھا۔

مشاعرہ صبح ۵ بجے تک جاری رہا۔ جس میں ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ، ڈاکٹر مظفر حنفی، قاضی حسن رضا، اختر قریشی، اخم آصف، عبدالرحیم نشتر، ڈاکٹر غازی امان، جبار سحر، ناظم انصاری، پاگل عادل آبادی، غلام ربانی اشرف، عاصی فائقی، غنی اعجاز، فیاض افسوس، منظور ندیم (ایڈوکیٹ)، صبا رحمانی، مصطفےٰ جمیل، سبحان انجم، انوار نشتر، فصیح اللہ نقیب، اقبال حامد حسن اور ضمیر الدین ساحد کے علاوہ مقامی شعراء جوش ادیب، رؤف انجم اور صاحبِ جشن محبوب راہی نے اپنے اشعار کی حرارت سے محفل کو گرمائے رکھا۔

مہمانانِ خصوصی میں شری کھوڑے، صدر ضلع پریشد اکولہ، خان محمد اظہر حسین سابق وزیر مملکت مہاراشٹر کے نام قابلِ ذکر ہیں

'ثبات' کا ایک ورق

بارِ اخلاص مرے سر سے اُٹھا لو لوگو
مجھ کو کربِ مسلسل سے بچا لو لوگو

دُور دنیا کے حقائق سے رہو گے کب تک
خود کو خوابوں کے گھروندوں سے نکالو لوگو

[illegible] کے الطاف و عنایات کی بارش [illegible]
مجھ کو [illegible] کی دوزخ میں نہ ڈالو لوگو

[illegible] فکر کے آفاق کی پانے کے لئے
خود کو اوہام کے محبس سے نکالو لوگو

کوئی رستہ تو بتاؤ کوئی منزل تو سُجھاؤ
کچھ تو بھٹکے ہوئے راہی کو دعا لو لوگو

"ثبات" کے جشنِ اجرا کے موقع پر منعقدہ آل انڈیا مشاعرہ کی جھلک۔ زیرِ نظر تصویر میں ڈاکٹر منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ، ڈاکٹر مظفر حنفی، قاضی حسن رضا اور محبوب راہی [illegible] کو [illegible] محظوظ کرتے ہوئے دیکھے جا سکتے ہیں۔

ہند بین الاقوامی تجارتی میلہ میں

"مہاراشٹر پویلین"

شری سدھا راؤ دیسائی مہاراشٹر کے وزیر صنعت و محصول نے ۱۲ نومبر کو دہلی کے پرگتی میدان میں انڈیا انٹرنیشنل ٹریڈ میلہ برائے ۱۹۷۹ء کے موقع پر مہاراشٹر پویلین کا افتتاح کیا۔

اس موقع پر وزیر موصوف نے برآمد کے میدان میں مہاراشٹر کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ملک کے برآمد کرنے کے سلسلہ میں مہاراشٹر کا مقام قابل فخر ہے۔ مہاراشٹر کی برآمد کرنے کی استعداد ۶۶-۱۹۶۵ء میں ۱۸۰ کروڑ روپے تھی جو کہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۱۵۱۳ کروڑ روپے ہو گئی ہے یعنی یہ اضافہ سالانہ ۳۹ فیصد کے حساب سے ہوا ہے۔

کُل ہند اکسپورٹ میں ریاست کا حصّہ ۱۶ فیصد سے اب ۲۸ فیصد ہو گیا ہے۔ مہاراشٹر پویلین میں زیادہ تر ریاست کے چھوٹے پیمانے کی برآمدی استعداد کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اس سے قبل شری ڈی۔ ایم سکھنکر، سکریٹری انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ نے وزیر اور مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

شری ایس۔ ایم لاڈ، انڈسٹریز کمشنر نے وزیر موصوف کی گل پوشی کی اور شری آر۔ آر منگالی ممبر سکریٹری مہاراشٹر اسٹیٹ پویلین کمیٹی نے شکریہ ادا کیا۔

وزیراعلیٰ کے ہاتھوں سی اے ایس کے یوم پرچم مہم کا آغاز

وزیراعلیٰ مہاراشٹر شری شرد پوار نے ۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء کو چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کے زیراہتمام یوم پرچم چندہ مہم کا آغاز کیا۔ اس مہم کے ذریعہ ۳۰ لاکھ روپے بال کلیان نگری پروجیکٹ کے لئے جمع کئے جائیں گے۔

کماری الکا درما، سومانی کالج کی طالبہ نے شری پوار کو پرچم لگا کر اس مہم کا آغاز کیا۔ اس موقع پر شری پوار نے ذاتی طور پر چندہ دیا۔

رضاکاروں کے علاوہ ۱۰٫۰۰۰ اسکول اور کالج کے طلبہ ڈبوں، کوپن، کار اسٹیکروں اور چندہ کارڈ کے ذریعہ عطیہ جات جمع کر رہے ہیں۔

اس موقع پر شریمتی پرتبھا پوار، شری کانتی کمار پودار، چیرمین آف سوسائٹی اور ممبران نیز سوسائٹی کے دفتر کے عہدیداران بھی موجود تھے۔

شہری دفاع تربیت پروگرام

سول ڈیفنس اسٹاف کالج، بمبئی جنوری، مارچ ۱۹۸۰ء کے سہ ماہی کے دوران مختلف شہری دفاع سے متعلق مضامین مثلاً آگ سے تحفظ، حادثات میں فوری خدمات، مواصلاتی طریقہ کار اور آپریشن، نیوکلیئر بائیلوجی کیمیکل اور نسٹیشن وغیرہ میں ۲۰ کورس چلانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

صنعتوں، تجارتی اداروں، سرکاری دفتروں میں قائم شہری دفاعی یونٹوں اور شہری دفاع رضاکاروں سے گذارش ہے کہ کالج میں تربیت کی ان سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں۔

مزید تفصیلات کے لئے کمانڈنٹ آف کالج سے کراس میدان دھوبی تالاؤ بمبئی ۴۰۰۰۰۲ کے پتہ پر کسی بھی کام کاج کے دنوں میں صبح ۱۰ بجے سے شام ۵ بجے تک رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

قومی وظائف اسکیم کے تحت ایم۔بی۔اے کورس

حکومت ہند نے ۸۰-۱۹۷۹ء سے ایم۔بی۔اے' (ماسٹر آف بزنس ایڈمنسٹریشن) کورس کو پوسٹ گریجویٹ کورس کے مساوی درجہ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ایسے طلبہ جو کہ بی۔اے / بی۔ایس سی / بی۔کام' کے بعد یہ کورس کرنا چاہتے ہیں وہ قومی وظائف اسکیم کے تحت وظائف پانے کے اہل قرار دیئے جائیں گے اور اس کے لئے انھیں کوئی مینس ٹیسٹ (MEANS TEST) دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب تک یہ کورس پہلا ڈگری کورس کہلاتا تھا اور وظائف کے لئے مینس ٹیسٹ دینا ضروری تھا۔

قومی راج

مسلح افواج 'یوم پرچم'

ہمیشہ کی طرح اس سال بھی مسلح افواج 'یوم پرچم'، ۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو منایا جائیگا جس کے تحت سابق فوجیوں، معذور سپاہیوں اور جنگ کے دوران مرنے والوں کے لواحقین کی امداد کے لئے عطیہ جات جمع کرنے کی مہم چلائی جائے گی۔

اس مد میں دیئے جانے والے عطیہ جات انکم ٹیکس ایکٹ کے سیکشن ۸۰/جی کے تحت مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

اطفال ڈرامہ مقابلے

ریاست مہاراشٹر بالکن جی باری کی جانب سے پانچواں اطفال ڈرامہ مقابلہ میرین ڈرائیو بالکن جی باری کے زیراہتمام جنوری ۱۹۸۰ء کے دوسرے ہفتے میں منعقد ہوں گے۔ ان مقابلوں میں ۱۸ سال سے کم عمر کے بچے حصہ لے سکتے ہیں۔

یہ مقابلے مراٹھی، گجراتی، ہندی، سنسکرت اور انگریزی میں ہوں گے۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے مہاراشٹرا اسٹیٹ بالکن جی باری کے دفتر' تمارینڈ اسٹریٹ' فورٹ' بمبئی ۴۰۰۰۲۳ سے (ٹیلیفون نمبر ۲۷۴۷۸۱) دوپہر ۳/۲ بجے سے شام ۲/۶ بجے تک رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

ریاستی ناٹیہ مہتسو

۱۹ رویں مہاراشٹر ناٹیہ مہتسو کے سلسلے میں ناشک مرکز پر منعقدہ شہری علاقوں کے مراٹھی ڈرامہ مقابلوں کے نتائج کا اعلان ہوگیا ہے۔ اس مرکز پر جج صاحبان نے ناٹیہ نمرتا ناشک کے 'سوپن کن' کو بمبئی میں یکم جنوری ۱۹۸۰ء سے ہونے والے آخری مقابلوں میں شرکت کے لئے منتخب کرلیا ہے۔

دوسرا اور تیسرا انعام بالترتیب ضلع احمد نگر کے ریاستی ملازمین سنسکرت دکاس منڈل' احمد نگر کے ڈرامے "میسا" اور ایجوکیشن سوسائٹی ہائی اسکول دیدیا سنگھ' احمد نگر کے ڈرامہ 'الکایت' کو دیا گیا۔

اس موقع پر جج کے فرائض شری پرشوتم دھاکرس، شری پربھاکر تمانے' اور ڈاکٹر شکنتلا پھاٹک نے انجام دیئے۔

محکمۂ موٹر گاڑی کے اسٹاف کے خلاف شکایتیں

ٹرانسپورٹ کمشنر، مہاراشٹرا اسٹیٹ کے مطابق محکمۂ موٹر گاڑی کے افسران اور عملہ سے متعلق کسی قسم کی بدعنوانی کی شکایت اسسٹنٹ کمشنر آف پولس (ویجیلنس)، متل چیمبر، پہلا منزلہ، نریمان پائنٹ، بمبئی ۴۰۰۰۲۱ کے دفتر پر کی جاسکتی ہے۔

بھارت کے نائب صدر، شری ہدایت اللہ، ۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء کو پونے کے ہوائی اڈے پر اترے، جہاں مہاراشٹر کے گورنر شری صادق علی نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ یہ اسی موقع کی تصویر ہے۔

خبریں ۔ تصویروں میں

نائب صدر شری محمد ہدایت اللہ ۱۸ نومبر کو ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامنٹل ریسرچ میں سینہ کی بیماریوں پر منعقدہ چھٹی ایشیائی پیسفک کانگریس کے افتتاحیہ اجلاس کے موقع پر تقریر فرما رہے ہیں۔ گورنر شری صادق علی بھی آپ کے ہمراہ دیکھے جا سکتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری شرد پوار نے ۲۲ نومبر کو انڈین مرچنٹ چیمبر س میں "مہاراشٹر میں صنعتی مواقع" کے عنوان پر ایک سیمینار کا افتتاح فرمایا۔ زیر نظر تصویر میں شری ایس۔ اے سولنکے وزیر صنعت کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر پرمیلا ٹوپلے، وزیر برائے صحت عامہ ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو تاج محل ہوٹل، ممبئی میں پیدائشی امراض قلب پر منعقدہ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے تصویر میں شری سوشیل کمار شندے وزیر برائے سیاحت اور پروفیسر بی۔ کے گوئل صدر سیمینار بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

ریاست میں ۱۴ر نومبر ۱۹۷۹ء سے "چلڈرنس فنڈ" کے سلسلے میں ٹکٹوں کی فروخت مہم شروع ہوئی وزیر اعلیٰ شری سندرلیوار نے ایک بچّہ سے ٹکٹ خرید کر اس مہم کا باقاعدہ آغاز کیا۔

وزیر اعلیٰ شری شردلیوار نے ۲۱ر نومبر کو اپنی رہائش گاہ پر چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کی جانب سے یوم پرچم مہم کا آغاز کیا۔ اس مہم کے ذریعہ بال کلیان نگری پروجیکٹ کے لئے ۳۰ لاکھ روپیہ جمع کئے جانے کی تجویز ہے۔

شری چھیدی لال گپتا وزیر برائے شراب بندی ۲۰ر نومبر ۱۹۷۹ء کو جہارشی دیانند کالج میں منعقدہ تقریب عام برائے اطفال میں صدارتی تقریر کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر نامدیو راؤ گاڈیکر وزیر مملکت برائے صحت عامّہ بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔
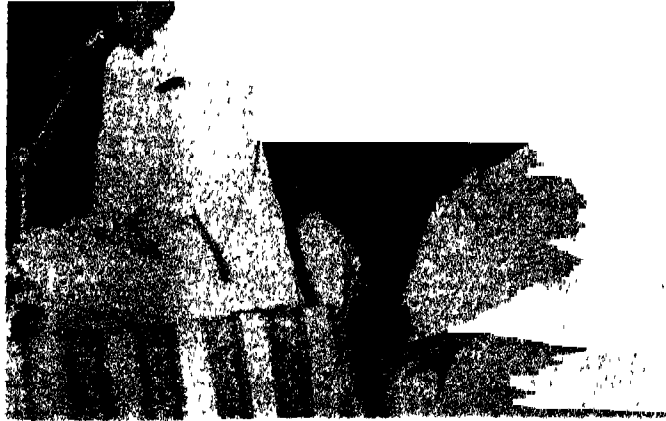
صدر جمہوریہ شری نیلم سنجیوا ریڈی مبلغ ایک لاکھ روپے کی رقم کا 'جمنالال بجاج ایوارڈ' شری مُرلی دھر دیوی داس آمٹے جو عوام میں 'بابا آمٹے' کے نام سے مشہور ہیں، کو پیش کر رہے ہیں، اس انعام میں سرلا دیوی بھی حصہ دار ہیں۔ یہ انعام جذام کے مریضوں کی صحت یابی اور بحالی کے میدان میں گرانقدر خدمات انجام دینے پر شری آمٹے کو دیا گیا ہے

شری جینت شام راؤ پاٹل ڈائرکٹر آف دی ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ کوسباد ہل، ضلع تھانے ۴ رنومبر کو ماؤلنکر آڈیٹوریم نئی دہلی میں منعقدہ ایک تقریب میں مبلغ ایک لاکھ روپے کا جمنالال بجاج ایوارڈ، صدر، شری نیلم سنجیوا ریڈی کے دست مبارک سے قبول فرما رہے ہیں۔ شری پاٹل کو یہ انعام زراعتی سائنس میں کارہائے نمایاں انجام دینے پر دیا گیا ہے جس کی بدولت ضلع تھانے کے ادیباسیوں کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔

سنت نامدیو، وٹھل بھگوان اور مقدس گائے کی مورتیوں کی استھاپنا کی رسم ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۹ء کو نامدیو بھون پر انجام دی گئی۔ اسی روز صبح ۵ بجے ان کی آرتی اُتاری گئی۔ نامدیو پنڈھرپور مہاراشٹر میں ۲۶ر اکتوبر ۱۲۷۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ نامدیو مشن، نئی دہلی کی جانب سے اس بھون کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ جو تکمیل کے بعد ہندوستان میں سب سے بڑا مندر ہوگا۔ سنگ مرمر سے بنا ہوا سنت نامدیو کا مجسمہ ۵ فٹ اونچا اور ۱۵ من وزنی ہے۔

قومی زبان

1979 International
Year of the Child

بین الاقوامی بچوں کا سال خصوصی نمبر

بچّے کی مُسکان ۔ قوم کی شان

1979 International Year of the Child

سخنہائے گفتنی

"بچّے" قومی سرمایہ ہیں، اُن کی نگہداشت، تعلیم و تربیت پر جس قدر بھی توجہ دی جائے کم ہے اس لئے کہ یہی بچّے آگے چل کر ملک و قوم کے معمار ہوں گے۔ یوں تو بچوں کی نگہداشت سب ہی ممالک میں بجا طور پر کی جاتی ہے مگر ہمارا ملک اس میں بہت پیچھے ہے۔ حکومت نے آزادی کے بعد سے بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی صحت کے بارے میں بہت کام کئے ہیں اور بے شمار منصوبے بھی بنائے ہیں جن پر بڑی تیزی سے عمل ہو رہا ہے۔

سال رواں کو بین الاقوامی سالِ اطفال قرار دیا گیا ہے اس سال کو "سالِ اطفال" قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بیشتر ترقی پذیر ممالک کے بچّے طرح طرح کی بیماریوں اور کم نصیبیوں کا شکار ہیں۔ بچوں کی تعلیم اور صحت کی اہمیت کو اوّلیت بخشنے کے لئے یہ سال بچوں کے سال کے نام سے منسوب کیا گیا ہے تاکہ نہ صرف والدین بلکہ ہر خاص و عام بچوں کی طرف سے غفلت یا لاپرواہی نہ برتیں، اور بچّے جو شفقت، محبت، اچھی غذا، اچھی تعلیم کے مستحق ہیں انھیں اپنا حق برابر ملتا رہے۔

"قومی راج"، کے اس شمارے میں بچّوں کی نفسیات، بچّوں کے غذائی مسئلے، اور بچّوں کی فلاح و بہبود پر مضامین شائع کئے جا رہے ہیں، جو یقیناً قارئین کو بھی پسند آئیں گے اور انھیں دعوتِ فکر و عمل بھی دیں گے۔

عبد الغفور

25-12-79

بین الاقوامی بچوں کا سال خصوصی نمبر

قومی راج

جلد ۶ ؛ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء ؛ شمارہ ۲۲

ہر ماہ کی ۱۰ اور ۲۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے
زر سالانہ: دس روپے ؛ فی پرچہ: پچاس پیسے

نگراں: خواجہ عبد الغفور (آئی۔اے۔ایس)

ترتیب

صفحہ نمبر

چیف ایڈیٹر: ایم۔ایشور راج ماتھر

ایڈیٹر: ریاض احمد خاں

سب ایڈیٹر: عبد الوحید خاں جامعی

قارئین کی رائے

بیکل اُتساہی ۔ بلرام پور (یو۔پی)

"قومی راج" ہر گوشہ سے اب نہایت معلوماتی، خوبصورت اور معیاری ہوتا جا رہا ہے۔ نثری اور شعری دونوں حصے بعید اپنی نوعیت کے اکیلے ہیں۔ میرے خیال میں سبھی (حکومتی) سرکاری رسائل و جرائد میں 'قومی راج' اپنا انفرادی، امتیازی مقام بنائے ہوئے ہے۔

خدا کرے 'قومی راج' دلوں پر حکومت کرتے ہوئے دلوں کی زبان اُردو کو جِلا بخشتا رہے۔

عثمان عاجز

۔ یو۔ایم۔اے ریڈیو، ۹۲/۱۰۲، ایم۔ایس علی روڈ، بمبئی ۸

قومی راج کا "راج بھاشا نمبر" بہت پسند آیا، بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ آپ نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

آپ اور آپ کا اسٹاف، عوام کو زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کر رہا ہے۔ قومی راج کے اس شاندار نمبر کی اشاعت پر ہم سب آپ کو اور آپ کے اسٹاف کو ساتھ ہی حکومت مہاراشٹر کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

مُصطفٰے جمیل ۔ انجمن بازار۔ بالاپور ۴۴۴۳۰۲ (ضلع اکولہ)

تازہ شمارہ ملا، "سن ہستہ کمبھ میلہ" دلچسپ لگا۔ مرحوم فضلہ محوی صدیقی کی تخلیق کافی دنوں کے بعد دیکھ کر خوشی ہوئی (میں مرحوم کی صدارت میں ایک مشاعرہ پڑھ چکا ہوں) "گاندھی جی اور تلاشِ حق" احمد صدیقی صاحب کی کوشش خوب ہے۔ حصہ نظم میں جگن ناتھ آزاد، کمال جائسی پسند آئے۔ غزلوں میں بطورِ خاص محمد عثمان اشتیاق کی غزل تو بےحد پسند آئی۔ یہ دو اشعار سے

جب سے مشہور ہو گیا وہ شخص
خود سے بھی دُور ہو گیا وہ شخص

ڈھلتے سورج کو اس نے دیکھا تھا
پھر بھی مغرور ہو گیا وہ شخص

غزل کی جان ہیں۔

شوق ماہری

موگھٹ روڈ، کھنڈوہ (ایم۔پی)

'قومی راج' کی روز افزوں ترقی بےمثال ہے۔ صوری و معنوی لحاظ سے بالکل غالبؔ کا مصرعہ ہے ع

اِک نگارِ آتشیں رُخ سر کھُلا

نظم و نثر کے لئے اگر کچھ کہا جائے تو غالبؔ کی زبان میں صحیح تعریف یہی ہو سکتی ہے کہ ع

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

مہاراشٹر کی بےپناہ ترقی کا علم 'قومی راج' ہی سے ہوا، ورنہ ہم تو اندھیرے میں تھے۔ کیا اچھا ہو کہ چند صفحات کا اضافہ کر کے اس میں تنقیدی و تاریخی مضامین بھی شامل کر دیئے جائیں۔

بہرصورت 'قومی راج' کی طباعت، کتابت، مضامین اور انفرادیت اپنا آپ جواب ہے۔ آپ حضرات قابلِ صد ہزار مُبارکباد ہیں۔

رفیق جعفر

۱۲/۶۱، مالونی کالونی نمبر ۶، پوسٹ کھارو ڈی، ملاڈ ویسٹ، ممبئی نمبر ۴۰۰۰۹۵

'قومی راج' کا عام شمارہ بھی اہمیت رکھتا ہے لیکن اس کے خاص نمبروں کا تو جواب ہی نہیں۔ اس میں کبھی کبھی وہ خاص مضامین پڑھنے کو مل جاتے ہیں جو کہیں اور نہیں چھپتے اور جنھیں پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی "راج بھاشا" نمبر ہے جو اپنی مثال آپ ہے، وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم کے پیغامات رسمی نہیں بلکہ معلوماتی ہیں۔ مضامین سب ہی اچھے ہیں خاص طور پر مراٹھی زبان کی اہم تحریک "دلت ساہتیہ" بر جی۔ وی۔ دیو بکر صاحب کا مضمون خوب ہے۔ یونس اگاسکر صاحب کا مضمون "سیبتا سو نمبر سے فارس تک" اور ریاض احمد خاں صاحب کا مضمون "راج بھاشا کی مختصر تاریخ" اپنی مثال آپ ہیں۔ غزلیں بھی پسند آئیں اور تبصرے بھی۔

کتابت اور طباعت کے لحاظ سے بھی 'قومی راج' بہت ہی خوبصورت ہے۔ بہرحال 'راج بھاشا نمبر' کی اشاعت پر دلی مُبارکباد قبول فرمایئے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ:

چیف ڈائرکٹر آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز، گورنمنٹ آف مہاراشٹر، منترالیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲

ایس۔ ڈی گوکھلے

اسسٹنٹ سیکریٹری جنرل انٹرنیشنل کونسل آف سوشل ویلفیئر ریجنل آفس فار ایشیا اینڈ پیسفک بمبئی

بچوں کی فلاح و بہبودی

میرے لئے ان تجربات کو فراموش کرنا مشکل ہے جو مجھے محتاج مفلس، لاوارث، معذور اور محروم بچوں کے ساتھ کام کرتے وقت حاصل ہوئے۔ مفلسی اور محرومی خواہ کسی نوعیت کی ہو، جنگ یا کسی حادثے کے مقابلے میں بچوں کی شخصیت اور کردار میں بڑی گہری اور بنیادی تبدیلیاں لاتی ہے۔ جب میں بمبئی کی جھونپڑپٹی کے بچوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا ہوں تو مجھے بھی جان پڑتا ہے کہ ان بچوں کے لئے زندگی ہمیشہ ہی مختلف رہے گی، کیونکہ وہ [illegible] کا شکار رہے ہیں یہ تبدیلی محرومی کے خلاف ابتدائی ردعمل کی حد سے بھی کہیں آگے بڑھ جاتی ہے۔ یہ انسان کے طور طریقے ہی نہیں اس کے ضمیر کو بھی بدل ڈالتی ہے۔

بدقسمتی سے میرا دماغ آئینہ کی خصوصیت نہیں رکھتا کہ اس کے سامنے سے ہٹتے ہی سب کچھ آنکھوں سے اوجھل اور دل سے فراموش ہو جائے۔ جب کبھی آسمان پر حسین دھنک دیکھتا ہوں تو یہی سوچتا رہ جاتا ہوں کہ کس طرح نابینا بچوں کو یہ خوبصورت رنگین منظر دکھاؤں۔ سینٹ پیٹرز چرچ کے بڑے گنبد کے نیچے نیاز مندی سے سر جھکائے کھڑا ہوں، ناقوس سے صدائے [illegible] بلند ہوتی ہے اور میں دل مسوس کر رہ جاتا ہوں کہ کیا [illegible] بچے اس [illegible] وانی کو سن سکیں گے؟ میں ایک ایسے [illegible] ملا جسے ایک بھکاری کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا تھا۔ میں ایسے بچوں میں رہا [illegible] ایسے بے شمار بچوں کے لئے کام کیا جن کی زندگی میں کبھی [illegible] آیا ہی نہیں۔ وہ تو بس دیکھتے دیکھتے [illegible] زندگی بسر کرنے کے لئے مزدوری [illegible] میں لگ گئے۔

اخلاق [illegible]

خلیل جبران نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "آپ کے بچے صرف [illegible] کے ہی بچے نہیں ہیں یہ تو خود زندگی کے بیٹے بیٹیاں ہیں، آپ انہیں اپنا پیار و محبت دے سکتے ہیں اپنے خیالات نہیں۔ آپ ان کے جسم کی نگہداشت کر سکتے ہیں مگر روح کی نہیں، کیونکہ وہ تو مستقبل کی دنیا میں رہتے ہیں۔"

میں اس ترقی [illegible] نہیں بلکہ بہت سے ملکوں میں ایک [illegible] ہے کہ ان لاکھوں [illegible] نہیں بلکہ ایک [illegible]

[illegible] کی بھلائی پر اثر انداز عناصر [illegible] ان نازک عناصر [illegible] فلاح و بہبود [illegible] پر اثر انداز ہوتے ہیں اور [illegible] احتیاجات کے لحاظ سے [illegible] کی نسبت زیادہ ہے [illegible] ہے جس کا تعلق خدمات کی ساخت اور مواقع سے ہے

یہ ضروری نہیں کہ اس قسم کی غربت کو بہتر جی این پی اور فی کس آمدنی کے ذریعہ دور کیا جا سکے۔ بصورت دیگر ایک مالدار ملک کو بھی جس کی معاشی کارگذاری پُراثر ہو، خدمات یا ذرائع کی یہ کمیابی پیش آ سکتی ہے۔ اس قسم کی غریبی اور اس کے سماجی نتائج سے ہندوستان میں بچوں کی بھلائی اقدامات کے لئے ابتدائی خاکہ مہیا ہوتا ہے۔ اگر دیہی اور شہری آبادی کے معاملے میں درجۂ آمدنی اور قوتِ خرید یکسر بڑھادی جائے تو بھی اس امر میں کافی وقت لگے گا کہ بچوں کی آبادی کے تمام طبقات کے لئے خدمات کی دستیابی یقینی ہو سکے۔

مذکورہ بالا بیان سے اس دیس میں بہبودیٔ اطفال کے بارے میں حالیہ اور آئندہ اندازِ فکر میں بیّن اختلاف واضح ہوتا ہے۔ ایک طرف ہم مسلسل جی این پی/جی ڈی پی بڑھانے کے 'طریقۂ کار' پر بحث کر کے اسے بہتر بنانے اور بیت معاشی افلاس کو کم کرنے کی فکر میں ہیں اور دوسری طرف ہم نے سماجی غربت دور کرنے کے لئے کوئی ایسا ہی 'طریقۂ کار' وضع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ مالداروں کے خاص خاص طبقے کو ترقی سے برابر فیض پہنچتا رہا جبکہ کثیر ضرورت مند آبادی محرومی کا شکار رہی۔ اس تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقتصادیاتِ ترقیٔ اطفال کی اصل حقیقت کو یکسر فراموش کر دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہے کہ صرف بہبودیٔ اطفال خدمات کے لئے زیادہ سے زیادہ بندوبست، اس پر خرچ ہونے والی رقم اور کون اس بندوبست پر آنے والی لاگت کو پورا کرے، وغیرہ جیسے چند خاص مسائل ہی سے نمٹا جائے۔

اس کے بعد ہم دوسرے اہم عنصر پر آتے ہیں جو ہندوستان میں بہبودیٔ اطفال کی حیثیت کو معین کرتا ہے اور شرحِ پیدائش و اموات کے دباؤ سے متعلق ہے۔ گو ہندوستان میں بچوں میں شرح اموات گھٹانے کے سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے اور یہ ۵۰-۱۹۴۱ء میں ۱۸۳ فی ہزار کی اونچی سطح سے گر کر ۱۹۷۱ء میں ۱۲۲ رہ گئی ہے، تاہم ابھی کافی کام باقی ہے۔ ادارۂ عالمی صحت کے ایک جائزہ کے مطابق جب تک بچوں میں شرح اموات گھٹ کر ۵۰ فی ہزار نہ رہ جائے اس وقت تک افزائش پر قابو پانا بھی محال ہے۔

دوسری طرف یونیسف (UNICEF) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ایسے بچے جو پیدائش کے بعد پہلا مہینہ گذار کر زندہ رہ جاتے ہیں لیکن عمر کا ایک سال پورا کرنے سے قبل ہی فوت ہو جاتے ہیں، عام طور سے مابعد پیدائش اسباب مثلاً وبائی امراض، تنفس کی تکلیف، ناقص غذا اور ماحولی اثرات کے باعث موت کا شکار ہوتے ہیں۔ اس طرح دوسرے سے لیکر بارہ ماہ تک کے عرصہ میں اموات کا سبب ماحولی اثرات ہیں جن پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ موجودہ نظام میں ہیلتھ سروس پروگرام کا محور میٹروپولیٹن اور بڑے شہروں کا نواحی علاقہ ہے جنھیں مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں درمیانی اداروں مثلاً ضلع ہسپتال، پرائمری ہیلتھ سروس، اور ذیلی مراکز کے توسط سے یہ کام انجام دیا جاتا ہے۔ اس طرح صحت عامہ کے سلسلہ میں مرکزی مقامات پر بہترین کام ہوتا ہے جبکہ درمیانی اور زیریں سطح پر اس کا معیار بتدریج گرتا جاتا ہے۔ انسدادی تدابیر اور عام علاج کے معاملے میں خاطر خواہ بہتری نہیں ہوئی ہے۔

چونکہ زیادہ بچے پیدا کرنے کی خواہش بڑھنے کا ایک بڑا سبب بچوں میں اونچی شرحِ اموات ہے۔ لہٰذا دیس کی صحت پالیسی کے سلسلے میں خاندانی منصوبہ بندی ایک کمزور عنصر بن گیا ہے۔ ایک جائزے کے مطابق ملک میں ایک وقت میں عموماً حاملہ عورتوں کی تعداد ۵ ملین رہتی ہے۔ ہمیں شرح پیدائش کو گھٹانے کی تدابیر سوچ کر عمل میں لانا ہے۔ اس کے بغیر اس مقصد میں کامیابی مشکل ہے۔

اس وسیع پیدائش اور اضافہ آبادی کی شرح کے نتیجہ میں مزدور منڈی میں جانے اور اس سے قبل اسکولوں اور تعلیمی اداروں میں داخل ہونے والے نوعمروں کی تعداد کہیں بڑھ جاتی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث سماجی بھلائی نیز قوت بخش غذا اور دیگر خدمات کے لئے اسی کے مطابق نئے طلبگار بڑھتے ہیں۔ آبادی کے اس نوعمر طبقے کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے باعث دستیاب اور آئندہ دستیاب ہونے والی سماجی اور معاشی خدمات پر بے پناہ دباؤ پڑتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پیدائش و اموات کے سلسلے میں یہ پیچیدہ پہلو منصوبہ سازوں کی نظر میں نہیں آئے۔

تعلیم: ہندوستانی منصوبہ سازوں اور محاسبین میں یہ خیال کارفرما رہا ہے کہ آبادی ایک 'بار' ہے۔ یہ خیال ہمیشہ ہی کے لئے درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چین میں وسیع آبادی کو باکار انسانی قوت اور انسانی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح بلاشبہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مؤثر نقطۂ نظر اور مین پاور پلاننگ یعنی انسانی قوت منصوبہ بندی، تربیتی اور استعمال پالیسی اختیار کی جائے جس سے مابین النسل تقاضے پورے ہو سکیں۔ مثال کے طور پر عام تعلیم کو لیجئے۔ باقاعدہ اور عام پروگراموں کے منصوبہ سازوں کو ہر مسئلہ کی شدت کا پورا احساس ہے اور وہ سرکاری تدابیر کا بھی اظہار کرتے ہیں لیکن عام تعلیم کے لئے معلمین کو تیار کرنے کے لئے کسی ٹھوس سرکاری پالیسی کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔

یہ سرگرمیاں کس حد تک رہنما ہیں، اس امر کا اندازہ اس سے ہو سکتا

ہے کہ لگ بھگ ۵۰۴ پرائمری اسکول ان سے متاثر ہوئے ہیں (حالاں کہ دیس میں کل تعداد ۴,۵۰,۰۰۰ ہے) ان ۴۵۰ اسکولوں میں سے صرف ۲۰ ایسے اسکول ہیں جنھیں 'اجتماعی مراکز' کی حیثیت سے ترقی دی جا رہی ہے تاکہ وہ بیرونِ اسکول لوگوں کی تعلیم کی فکر کریں۔ نہ ہی معاشی ترغیبات یعنی مُفت کھانے، یونیفارم اور درسی کتب کی باقاعدہ یا بڑے پیمانے پر فراہمی کا بندوبست ہے۔ اس اثنا میں تمام تعلیمی منصوبہ بندی برابر باقاعدہ اسکوں پر ہی مرکوز ہے اور اس تشویشناک صورت حال کو فراموش کر دیا گیا ہے کہ درجہ اول میں داخل ہونے والے ہر سو بچوں میں سے نصف سے کم تعداد پانچویں درجہ تک تعلیم پوری کرتی ہے اور صرف ایک چوتھائی آٹھواں درجہ پاس کرتے ہیں۔ مزید برآں موجودہ نظام کو محض بڑھانے سے معیاری حیثیت سے مختلف نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

صحت: بحرانی حالات میں لوگ خود بخود خدمت گزار بن جاتے ہیں۔ سیلاب سے متاثرہ لوگوں کی امداد کرنے والے چاہے ڈاکٹر ہوں یا زلزلہ سے متاثرہ لوگوں کی بحالی میں مدد کرنے والے سماجی خدمت گار، وہ اپنی پروا کئے بغیر لوگوں کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں لیکن عام حالات میں ترقی کے منصوبے ہوں یا تعمیری کام، ہمارے ملک کے عوام میں خدمت کا یہ شوق نہیں دیکھا جاتا۔ اب جاکر کچھ نئی اسکیمات مرتب کی گئی ہیں۔ ان میں سے طبقاتی صحت سے متعلق ایک اسکیم ہے جس میں ایک ہزار آبادی پر مشتمل دیہاتوں میں ایک کارکن صحت عامہ سے متعلق فرائض انجام دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نظام اتنا بہترین نہ ہو لیکن صرف یہی ایک مناسب طریقہ ہے جس کی بدولت عوام کے ایسے طبقوں کو صحت سے متعلق سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں جو بادی النظر میں اب تک ان سے محروم تھے۔ نیز یہ ایک نسبتاً سستا اور آسان راستہ ہے اگر سماجی خدمت کے شعبے میں اسی طرح 'عوامی جذبہ' کو اُجاگر کیا جائے تو ملک میں بچوں کی فلاح و بہبود میں خاطر خواہ بہتری پیدا ہوگی۔

بچوں کے لئے علیحدہ منصوبہ: ہندوستان کی آزادی کے بعد پہلے ۵ سالہ منصوبہ سے ہی بچوں کی فلاح و بہبودی کسی نہ کسی طور پیشِ نظر رہی۔ اس وقت کوئی یقینی پروگرام موجود نہ تھا۔ ۱۹۷۴ء میں حکومت نے اس پروگرام کو باضابطہ اختیار کیا۔ اس وقت بھی دستور کے مختلف دفعات سے بچوں کی فلاح و بہبود میں مدد لی جاتی تھی۔ اس طرح ملک میں اس پروگرام کی نوعیت کچھ پست رہی۔ بچوں کی فلاح و بہبود سے متعلق منصوبوں پر عمل آوری کے لئے نیشنل چلڈرنس بورڈ کا قیام ضرور ملک میں اس پروگرام کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے پانچ سالوں میں اس سلسلے میں جو بھی اقدامات کئے گئے ہیں اس کے نتیجہ میں بچوں کی فلاح و بہبود کو کہاں تک فروغ حاصل ہو سکا ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ گوکہ قومی پالیسی فائدہ مند ہے لیکن دو صورتوں یعنی کمزور معاشی ذرائع اور بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے اس پر خاطر خواہ عمل آوری ذرا مشکل معلوم ہوتی ہے۔

مذکورہ پالیسی میں چند نکتوں پر خصوصاً بچوں کو ایک طبقہ کی حیثیت سے اہمیت دینے اور لڑکیوں پر خصوصی توجہ دینے کے معاملے میں جو خامیاں ہیں ان پر از سر نو غور کیا جانا چاہیئے۔

اگر آج ہم کسی بات کی ضرورت شدید طور سے محسوس کرتے ہیں تو وہ ہے بچوں کے لئے علیحدہ منصوبہ۔ مثال کے طور پر یونیسف (UNICEF) اور بچوں سے متعلق دیگر ادارہ جات کی موجودگی میں بچوں کے لئے علیحدہ فلاحی منصوبے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ بچوں کو بالغوں سے علیحدہ رکھ کر ان کی بہتری کے بارے میں غور و فکر کیا جانا چاہیئے۔ ان سے متعلق اسکیمات میں لوگوں کو سرگرمی سے حصہ لینا چاہیئے یہی ان اسکیمات کی کامیابی کی لازمی شرط ہے۔

آئی سی ڈی ایس: انٹیگریٹیڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ سروس (ICDS) بچوں کی فلاح و بہبودی کی جانب ایک مثبت قدم ہے۔ یہ پروگرام ایک تجرباتی بنیاد پر ۳۳,۴۰۷ دیہاتوں اور ۲۸ لاکھ آبادی پر مشتمل ۳۳ پراجیکٹ علاقوں میں شروع کیا گیا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ چاہے مالی ہوں یا انفرادی محدود ذرائع ہونے کی وجہ سے سماجی خدمات کو ملک میں فروغ حاصل نہیں ہو رہا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ صرف ایک پروگرام یا صرف ایک خاص عمر پر توجہ دی جانی چاہیئے۔ بچوں کی فلاح و بہبود سے متعلق یہ عام [illegible]

ہے کہ بجائے مثالی ہونے کے یہ غیر استدلالی بنیاد پر قائم ہے۔ اسی لئے جب اہم یا غیر اہم معاملوں میں تصادم ہوتا ہے تو غیر اہم باتوں کو ہمیشہ نظر انداز نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر دودھ کو لیجئے۔ اگر روزمرّہ کی ضرورت کے مطابق دودھ نہ ملے تو چاکلیٹ، آئس کریم یا پنیر بنانے سے کیا حاصل؟ اسی طرح دیہی علاقوں میں اور شہر کے کمزور طبقات کے بچوں کی سہولیات یا فوائد سے محرومی بھی ان ہی غیر مناسب منصوبہ جاتی خامیوں کا نتیجہ ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ۵۰۰ سے کم آبادی والے علاقوں کو بچوں کی فلاح و بہبود پروگرام کے تحت نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ایسے دیہی علاقے تعداد میں ملک کے کل دیہی علاقوں کا ۵۵ فیصد ہیں۔

کم سن مزدور: بچے بطور مزدور، ہمارے ملک کی ایک سنگین حقیقت ہے۔ لیکن اس حقیقت کو غربت کے مارے حالات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جانا چاہیئے۔ بچّہ مزدوری کو اگر باقاعدہ قانونی شکل دی گئی تو نہ صرف یہ کہ ملازم بچوں کی حالت میں سدھار واقع ہوگا بلکہ انھیں کچھ حقوق بھی حاصل ہو سکیں گے۔ اس لئے ملازم بچے، چاہے وہ گھریلو ملازم ہوں یا باہری، اگر چند بنیادی ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اگر بچہ مزدوری کو ختم کرنے کے بجائے چند پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی رو سے جبر، استحصال، کم اُجرت یا زائد کام جیسی لعنتوں سے بچے کی حفاظت ہو سکے۔

خاندانی فرض: بچوں کی فلاح و بہبود سے متعلق مضبوط مالی اقدامات اور وسیع ریاستی انتظامات سب حال کی باتیں ہیں۔ لیکن ترقی یافتہ مغربی ممالک کے برعکس ہمارے جیسے نسبتاً غریب سماج میں جہاں ایک کثیر حلقہ فیض کا متوقع ہو، بہبودی اقدامات تمام تر ریاست پر نہیں چھوڑے جا سکتے۔ ان حالات میں ایک خاندان کو بچوں کی فلاح و بہبود کا ایک یونٹ ہی نہیں بلکہ ایک ایجنٹ کے فرائض نبھانے کا اہل ہونا چاہیئے۔ اسی طرح حوصلہ مند والدین محدود ذرائع کے باوجود بچے کی پرورش اور تعلیم میں نمایاں فرق پیدا کر سکتے ہیں۔

قانون: بچوں کی فلاح و بہبود سے متعلق صحیح پروگرام کا انحصار مناسب قانون پر ہے۔ آیا قانون ہی سماجی تبدیلی کا باعث ہو سکے گا، یہ ایک علیحدہ سوال ہے۔ لیکن شک و شبہ سے بالاتر یہ حقیقت ہے کہ یہ قانون پروگرام کی ایک حد مقرر کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔ بچوں کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں دماغی تدابیر کو قانونی روپ نہ دیئے جا سکنے کی وجہ سے اس میں باقاعدگی پیدا کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ بچوں کے قوانین میں بھی یہ خامی ہے کہ اس میں بے سہارا بچوں

قومی راج

اور مجرم بچوں کو ایک ہی طرح سمجھا گیا ہے۔ نتیجتاً ایک طرف معصوم بچوں کی زندگی پر داغ لگتا ہے تو دوسری طرف مجرم بچوں کو فی کس کے حساب سے سہولیات بہم پہنچانے میں دشواری ہوتی ہے۔ بچوں کے فلاح و بہبود بورڈ کا قیام ایک صحت مندانہ قدم ہے اور ملک کی تمام ریاستوں میں اس کا اجراء ہونا چاہیئے۔

کچھ عرصہ پہلے لے پالک قانون کافی عرصہ تک زیر بحث رہا لیکن پارلیمنٹ سے منظوری حاصل کرنے میں ناکامی اس بات کا ثبوت ہے کہ صرف قانون کو ہی سماجی تبدیلی کا ذریعہ سمجھنا غلط ہے۔ جب تک کہ سماج خود متعصبانہ اور مُضر عقیدوں کو ترک نہ کرے، ترقی یافتہ قوانین بنانا یا ان میں تبدیلی لانا ناممکن ہے۔ بچوں کی اصلاح و بہبود کی خاطر ضروری قوانین کو تیزی سے عمل میں لایا جانا چاہیئے تاکہ بچوں کے بنیادی حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہو سکے اور انھیں انصاف مل سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ حکمت عملی سے بچوں کی فلاح و بہبود کے نصب العین کے قریب نہیں پہنچا جا سکتا۔ مزید اسکول، مرکز صحت، بال واڑی، نیز زائد بجٹ بھی خدمتگار اور فائدہ پانے والوں کے درمیان خلاء پر نہیں کر سکتے حتیٰ کہ شرح آبادی یکایک گھٹ بھی جائے تو خدمتگاروں اور خدمت کے مستحق لوگوں میں اعدادی فرق کبھی نہیں مٹایا جا سکتا۔ لہٰذا ہمارا پہلا اصولی قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اعدادی یونٹوں کی بجائے خدمت کی انجام دہی کے حساب سے توسیع یا اضافہ کا شمار کیا جانا چاہیئے۔ یعنی یونٹوں میں اضافہ کو توسیعی بنیاد بنانے کے بجائے خدمت کی انجام دہی کے حلقۂ اثر کو بنیاد بنایا جائے۔ زیادہ زور مرکز صحت یا اسکول کی بجائے اصل طبّی کارکن یا مدرس پر دیا جانا چاہیئے۔ اسی طرح تعداد کی بجائے خصوصیات پر زیادہ زور دیا جانا چاہیئے۔ بعد الذکر میں معیشت کو دخل ہوگا اور یہی زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

ہمارا مقصد یہاں بچوں کے مستقبل کے لئے ایک متبادل راستہ ڈھونڈنا ہے۔ ایک خیال یہ ہے کہ چند کی خاطر ترقی اکثریت کی ترقی سے زیادہ مقدم ہے۔ ایسی ترقی کا مطلب ہے، سوائے چند کے سب کو فیضیابی کے حلقۂ اثر سے نکال دیا جائے یا بہبود صرف چند یا ایک خاص تعداد کی ہو تو ترقیات چہ معنی دارد؟ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ماہر سماجیات نے ایک متبادل راستہ تلاش کیا ہے۔ وہ یہ کہ ترقی کمتر درجہ سے ہو۔ کہنے کا مطلب یہ کہ صرف محدود مقاصد کے حصول کی کوشش کی جائے جس سے آبادی کا ایک بڑا حصہ فائدہ اٹھا سکے۔ طریقہ یہ ہو کہ 'بیسیہ'، 'غربت'، 'روزگار'،

(باقی صفحہ ۸ پر)

۲۵ دسمبر ۱۹۷۹ء

۱۹۷۹ء - یہ "بچوں کا سال ہے"۔ اس کے نشان میں ایک بچّہ معاشرہ کے توانا بازوؤں میں رہنے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے، یعنی بچّہ کو معاشرہ کی محبّت اور حفاظت درکار ہے۔ اس معاشرہ میں ہم سب ہیں۔ لہذا ہمیں بچّہ کی ضروریات کو سمجھنا چاہئے تاکہ بچّوں خصوصًا معذور بچّوں کے تئیں اپنا فرض ادا کر سکیں۔

نندن وَن

• ڈاکٹر کسم وانکر

میڈیکل سپرنٹنڈنٹ
ماتروسیوا سنگھ اور
پرنسپل افسر 'نندن وَن پروجیکٹ' ناگپور

'نندن وَن' ایک ایسا ہی ادارہ ہے جو ماتروسیوا سنگھ، ناگپور کی زیرِ نگرانی دماغی طور سے مفلوج بچوں کی فلاح و بہبود کے کام میں پوری تندہی سے لگا ہے۔ بچوں کے دُکھ بیماری میں سب سے زیادہ بھیانک بیماری 'دماغی رکاوٹ' ہے۔ دیگر قسم کے معذور تو اپنے نقص کو سمجھتے ہیں اور اپنی ذہانت اور صلاحیت سے کام لے کر کسی نہ کسی حد تک اس کی تلافی کر لیتے ہیں۔ مثلاً نابینا شخص مخصوص قاعدے کی مدد سے پڑھ لکھ سکتا ہے یا پولیو زدہ بیساکھی وغیرہ کے ذریعہ کام چلا لیتا ہے۔ لیکن دماغی طور سے مفلوج اپنے نقص کو سمجھ ہی نہیں سکتا، اور نہ ہی اس کے نقص کی تلافی ممکن ہے۔ اس طرح ایسے مفلوج بچوں کو معاشرہ میں باعزّت مقام دلانے کے لئے 'نندن وَن' کی کوشش بے مثال اور قابلِ قدر ہے۔

۱۹۶۰ء میں 'نندن وَن' کے قیام کے وقت ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ کتنا بڑا کام ہے۔ خوش قسمتی سے ہمیں ایک ایسا منصوبہ بنانے میں کامیابی ہوئی جس کا مقصد یہ ہے کہ 'دماغی رکاوٹ' کے اسباب و اثرات کا جائزہ لے کر ایسے بچوں کی بحالی کے لئے طریقہ معلوم کیا جائے اور تدابیر اختیار کی جائیں۔ ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۰ء تک زیرِ عمل لائے جانے والے اس منصوبے کے سلسلے میں بڑی کامیابی ہوئی اور اس کی رپورٹ کو ساری دنیا میں سراہا گیا۔

حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ کے محکمۂ صحت، تعلیم اور بہبودی نے مذکورہ رپورٹ کے بارے میں تحریر کیا کہ "ڈاکٹر (شریمتی) کے. وانکر نے یقیناً ایک زبردست قدم آگے اُٹھایا ہے۔ ایسے مظاہراتی منصوبہ جات بڑی اہمیت رکھتے ہیں جنھیں آگے بڑھانا اور جاری رکھنا چاہئے۔ مزید برآں اس منصوبہ کو زیرِ عمل لانے میں جذبہ کار اور اس کی روئیداد محکمۂ صحت، تعلیم اور فلاح و بہبود کے لائحۂ عمل کا مظہر ہے۔ اس طرح سماجی اور بحالی خدمات کے ضمن میں ہمارے لئے بھی یہ باعثِ تسکین ہے۔"

قدرتی طور سے نندن ون نے اس سلسلے میں دنیا کے نقشے میں مقام پالیا ہے اور آج دنیا بھر میں دماغی نقص سے متعلق اس ادارے نے شہرت حاصل کرلی ہے۔ نندن ون کے دو شعبہ جات ہیں:

(۱) ایک شعبہ ان بچوں کے لئے جو اس دماغی مرض میں شدت سے مبتلا ہیں۔ اس کا نام "کسٹوڈیل کیئر یونٹ" ہے۔ یہاں بچوں کو روزمرّہ زندگی میں صحت، تندرستی و صفائی، تن پوشی اور تہذیب سکھائی جاتی ہے۔ یہ بچے دستکاری نہیں سیکھ سکتے۔ لہذا منافع بخش پیشہ میں نہیں لگ سکتے۔

(۲) دوسرے شعبہ میں قدرے کمتر درجہ پر 'دماغی رکاوٹ' کے مرض میں مبتلا بچوں کو بُنائی، جلد سازی، موم بتیاں بنانے اور بید کی کرسیاں بُننے وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے۔ یہ پوری طرح تربیت پاکر روزانہ تقریباً دو روپے کمانے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھیں روزمرہ کے کام کاج میں وقت کی جانکاری اور معمولی حساب کتاب سکھایا جاتا ہے۔

— اس ابتدائی پیشہ ورانہ تربیت کے بعد انھیں کسی اسکول کی زیر نگرانی کارخانہ یا نجی کارخانے میں 'جاب ٹریننگ' پر رکھا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں گذشتہ اٹھارہ سال کا تجربہ حوصلہ افزا ہے۔ والدین نے ایسے اسکول کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھ لیا ہے اور وہ بخوشی اپنے بچوں کو داخل کراکر اس کام میں مدد دے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ والدین کی تعلیم و تربیت بھی لازمی ہے۔ اولاً تو وہ اپنے بچوں میں اس قسم کے نقص کو مانتے ہی نہیں اور پوجا پاٹ سے لے کر ہر طرح کی دیگر تدبیریں آزماتے ہیں، پھر آخر میں ہمارے پاس آتے ہیں۔ اس طرح کافی اہم وقت ضائع ہوجاتا ہے، حالانکہ ایسے معذور بچوں کی بحالی کے سلسلہ میں شروع ہی میں مرض کی تشخیص، بچوں کا علاج اور تربیت کامیابی کی ضمانت ہے اس کے علاوہ معاشرہ کی تعلیم و تربیت بھی ضروری ہے کیونکہ بچے معاشرہ ہی میں پروان چڑھتے ہیں۔ مناسب پرورش میں اس کی مدد لازمی ہے۔ ایسے بچوں کو کسی بھی چیز کی بہ نسبت، محبت اور حوصلہ افزائی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ فی الحال اسکول اور ورکشاپ دونوں کو ملاکر تقریباً ۱۲۵ بچے داخلِ فہرست ہیں۔ اسکول بیرونی مقامات کے بچوں کے لئے ایک ہوسٹل چلاتا ہے، جہاں فی الحال ۲۰ بچے مقیم ہیں۔ جرمن ادارہ 'تر دیس ہوم' نے گذشتہ سال ان بچوں کے لئے خصوصاً قوت بخش غذا کے سلسلے میں بڑی مدد دی۔ واقعہ یہ ہے کہ غذائی اور نفسیاتی محرومی ذہنی خامیوں کے خاص اسباب ہیں۔

اسکول کی اپنی عمارت ہے لیکن طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مدنظر اس کی توسیع کی اشد ضرورت ہے۔ تربیت یافتہ بچوں کو کام سے لگانے کے لئے آجروں کے تعاون کی بھی ضرورت ہے۔ اس کا اسٹاف مخلص اور محنتی ہے اور قلیل مشاہرہ پر کام کر رہا ہے۔ ان کے مشاہرے میں مناسب اضافے کی ضرورت ہے۔ ضروریات کثیر ہیں اور ذرائع محدود۔ لیکن اسکول کی باصلاحیت اور مستعد پرنسپل کماری گھاٹے سے یہی اُمید ہے کہ وہ ان پر قابو پالیں گی۔

دماغی طور سے مفلوج بچوں کے معاملہ میں والدین اور معاشرہ کی تعلیم و تربیت کا زبردست کام 'نندن ون' کے سامنے ہے۔ یہاں خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ سب ہی لوگ خصوصاً خدا ترس اور ہمدردِ انسان اس نیک کام میں تعاون کر کے ادارہ کی حوصلہ افزائی کر سکتے ہیں۔ ❋

(بقیہ) "بچوں کی فلاح و بہبود کی" صفحہ ۶ سے آگے

اور مواقع، کی مساوی تقسیم ہو۔ دوسرے لفظوں میں عزت سے بہتر سماج کی جستجو۔ اس طریقۂ کار میں عوام کی براہِ راست شمولیت، منصوبہ بندی کی ضمانت ہوگی۔ ایسے طریقۂ کار میں آج کا بچہ آج ہی فیضیاب ہوگا، اسے دیگر اقدامات اور انتظامات کا منتظر رہنا نہیں پڑے گا۔

مسکراتے چہروں اور بلوریں آنکھوں والے بچے صرف خوشحال گھرانے یا ترقی یافتہ ممالک کا ورثہ نہیں ہیں۔ وہ غریب گھرانوں کے چشم و چراغ بھی ہوسکتے ہیں جہاں والدین کے پاس ذرائع محدود ہوں لیکن بچہ کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرنے کی خواہش بے تحاشہ ہو۔ یہی ہم آہنگی اور معاشی راحت ہندوستانی بچہ کو زبردست فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ ہرمن اسٹیبن کے قول کے مطابق یہ والدین کو مشکل معلوم ہو لیکن منصوبہ ساز کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں۔ ٥٥

اُردو میں بچوں کا ادب

• سردار احمد (علیگ)
اردو لکچرار، اسلامیہ کالج
اٹاوہ۔ (یو پی)

سید احتشام حسین مرحوم کی رائے ہے:
اردو میں بچوں کے ادب کی ابتدا کے سلسلے میں
وہ جہاں تک اس ادب (بچوں کا ادب) کی ابتدا کا تعلق ہے تبرکاً "خالق باری"
اور اس سے ملتی جلتی کتابوں کے علاوہ مرزا غالب کے "قادر نامہ" کا ذکر
کیا جاسکتا ہے، لیکن واقعتاً سب سے پہلے مولانا محمد حسین آزاد
اور ڈاکٹر نذیر احمد ہی کے نام ذہن میں آتے ہیں۔ گو انھوں نے
بہت چھوٹے بچوں کے لئے کسی مخصوص اصول کے ماتحت کتابیں
نہیں لکھیں لیکن آزاد کی ریڈریں "قصص ہند" اور "نصیحت کا کرن
پھول" اپنی دلکشی اور اندازِ بیان کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی
ہیں۔ "قصص ہند" کا اندازِ بیان تو خصوصیت کے ساتھ بچوں کی
پسندیدگی سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد کے لئے بعض نقادوں
کا خیال ہے کہ وہ عربی کے زبردست عالم ہونے کی وجہ سے
عربی کے بھاری بھرکم الفاظ ہی استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ راہ میں
ان کے پہاڑ کھڑے کر دیتے تھے لیکن نذیر احمد کی ہمہ گیر ذہانت
کم سے کم بچوں اور بچیوں کی صلاحیتوں کا صحیح مطالعہ کرنے میں
کامیاب تھی کیونکہ "چند پند"، "منتخب الحکایات"، "مراۃ العروس" اور
"بنات النعش" کے مصنف پر عربی کے روڑے اٹکانے کا الزام
صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ "مراۃ العروس" کی دلکشی، حالات بدل
جانے کے باوجود آج بھی باقی ہے۔" علہ

لیکن مولانا حالی کی تصنیف "مجالس النساء" کو بھی نظر انداز نہیں
کیا جاسکتا، جس کا سادہ اسلوب، سیدھی سادی زبان اور مؤثر انداز
اسے شاہکار کا درجہ عطا کرتا ہے۔ نذیر احمد کی "بنات النعش" اور "مراۃ
العروس" کے ساتھ حالی کی "مجالس النساء" کا ذکر بھی ضروری ہے جو
اپنے وقت کی [illegible] اور جس کے لئے حالی کو کچھ نقد انعام
بھی ملا تھا [illegible] کی قومی اور ملی جذبات سے سرشار نظمیں
یا "بیوہ کی مناجات" [illegible] بچوں کے ادب میں کام آئیں۔

غرض کہ محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد دہلوی اور مولانا حالی جیسے اردو
کے تین عظیم ادیبوں نے بچوں کی بنیادی تعلیم و تربیت کی اہمیت کے پیش
نظر جو ادبی سرمایہ اپنی خداداد قابلیت و صلاحیتوں سے فراہم کیا، اسی سے
بچوں کے ادب کے لئے راستہ ہموار ہوا اور دوسرے لکھنے والوں کی
اس طرف خصوصی توجہ کی۔ ان سے بہت پہلے صرف نظیر اکبر آبادی کے یہاں

علہ "افکار و مسائل"، از۔ احتشام حسین صفحہ نمبر ۱۴۰-۱۴۱

بچوں کے لیے نظمیں ملتی ہیں. لیکن بچوں کے ادب کے فروغ کا زمانہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہی کا ہے. بچوں کے لئے لکھنا آسان کام نہیں ہے اس کے لیے بچوں کا مزاج داں اور مزاج شناس ہونا پہلی شرط ہے، پھر زبان و بیان میں بچوں کے ذہنی مدارج کا خیال رکھنا اور انھیں کی معلوم دنیا میں پہنچکر ان کی پسند ناپسند کو ہمہ وقت سامنے رکھنا اس کٹھن کام کی لازمی ضرورتیں ہیں. پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے بچوں کے ادیبوں اور شاعروں کے مشکل تجربات اور ان تجربات کی منازل کا ذکر کرتے ہوئے بہت صحیح فرمایا ہے :

" بچوں کے لئے کچھ لکھنا آسان کام نہیں ہے. شاعر کو اس سلسلہ میں تجربہ کی کئی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، اسے بچوں کا مزاج داں اور زبان داں ہونا چاہیئے، ان کی پسند، ناپسند، رغبت، اور نفرت کے جذبوں سے آگاہ ہونا چاہیئے... بچوں کا شاعر وہی کامیاب ہوتا ہے جو بچوں میں گھل مل جائے، بچے اس سے اجنبیت محسوس نہ کریں، وہ بچوں کے ذہن و دماغ کے ساتھ ساتھ چلے اور صحیح سمت کی طرف موڑ دے اور صحیح منزل کی رہنمائی کرے تاکہ وہ مستقبل میں اچھے انسان، کامیاب انسان اور باعزت انسان بن سکیں." [1]

بچوں کے لئے اُردو نثر و نظم کا بیش قیمت ذخیرہ تیار کرنے کا سہرا محمد اسمٰعیل میرٹھی کے سر ہے. ان کے قلم سے نکلی ہوئی بچوں کے ادب کی ہر چیز خواہ کہانی ہو یا مضمون یا نظم . اتنی سبق آموز، دلچسپ اور سیرت و کردار سازی کے لئے معاون ثابت ہوئی ہے کہ آج اتنی مدت گزرنے پر بھی اس کی افادیت، اہمیت اور تاثیر میں کوئی فرق نہیں آسکا ہے. وہ صحیح معنوں میں ہر طرح سے بچوں کے عظیم ادیب اور شاعر کہلانے کے مستحق ہیں.

علامہ شبلی کی تاریخی واقعات پر مبنی نظموں کی روانی، زورِ بیان اور شگفتگی بھی بچوں پر اچھا اثر ڈالتی ہے. علامہ اقبال نے بھی بچوں کیلئے بڑی خوبصورت، آسان اور پیاری نظمیں لکھیں جو خاصہ کی چیز ہیں اور علامہ کی زندگی ہی میں یہ بے حد مقبول ہو کر بچے بچے کی زبان پر عام ہو چکی تھیں. بچوں کے لئے ان کی نظمیں 'بچے کی دُعا'، 'ایک مکڑا اور مکھی'، 'ایک پہاڑ اور گلہری'، 'ایک گائے اور بکری'، 'ہمدردی'، 'ماں کا خواب' 'پرندے کی فریاد' ہر دور اور ہر زمانے کے لئے یکساں مقبول و مفید رہیں گی.

اقبال کے عہد میں چکبست کی نظمیں، جن میں قومی جذبہ اور حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، بچوں کے ادب میں اضافہ بن کر سامنے آئیں. بچوں کے ادب کے باغ کی آبیاری میں اپنا خونِ جگر دینے والوں میں تلوک چند محروم، سرور جہاں آبادی، حامد اللہ افسر، مقبول احمد سیوہاروی، راجہ مہدی علیخاں، الیاس احمد مجیبی، محمد حسین حسان، عبدالواحد سندھی اور عبدالغفار مدھولی کے نام بھی بہت اہم ہیں. اصغر گونڈوی نے بھی بچوں کے لئے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں، جن کے بارے میں رشید احمد صدیقی کی گرانقدر رائے یہ ہے :

" انڈین پریس الہ آباد کی فرمائش پر انہوں (اصغر گونڈوی) نے تحفوں کا ایک سلسلہ بچوں کے لئے تصنیف کیا جس میں مختلف ممالک کے حالات سے بچوں کو بڑے دلنشیں انداز سے روشناس کرایا ہے. کچھ دنوں لاہور کے ادبی مرکز میں بھی علمی خدمات انجام دیئے منتخبات کے بعض سلسلے اصغر گونڈوی ہی کے مرتب کئے ہوئے ہیں اور بڑے مستند اور وقیع سمجھے جاتے ہیں." [2]

بچوں کے ادب کا جائزہ شفیع الدین نیر کے ذکر کے نامکمل رہے گا، جنھوں نے بچوں کے لئے بچوں ہی کی زبان میں قریب پچاس کتابیں لکھیں جو ہر طرح بچوں کے ادبی ذخیرہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہیں.

علامہ محوی صدیقی بھی بچوں کے لئے کہانیاں اور نظمیں وقتاً فوقتاً لکھتے رہے. کہانیوں کے ان کی زندگی میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے لیکن نظموں کی کتاب "بالک باغ" ان کی وفات کے بعد چھپی ہے اور بچوں کے شعری ادب کے لئے ایک قابل قدر چیز ہے.

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) جن کی زندگی کا بڑا حصہ

---

[1] 'بالک باغ'، صفحہ ۱۴-۱۵ • [2] 'گنجہائے گرانمایہ' از : رشید احمد صدیقی (فرینڈز پبلشرز، راولپنڈی) صفحہ نمبر ۱۲۷-۱۲۸

تعلیمی ماحول اور تعلیم و تربیت کے اداروں میں گزرا۔ بچوں کے ایک بہت ہی اچھے مصنف بھی تھے۔ اُن کی "ابو خاں کی بکری" کو بچے کبھی نہیں بھول سکتے انھوں نے بچوں کے لئے زیادہ نہیں لکھا لیکن جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صلاحیتوں کی تربیت کے لئے اگر تعلیم کی ضرورت ہے تو بچے کی فکری، ذہنی اور جذباتی نشو و نما کے لئے ادب ناگزیر ہے۔

اُردو کے کچھ اور مشاہیر نے بھی بچوں کے ادب کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ قرۃ العین حیدر، رضیہ سجاد ظہیر اور صالحہ عابد حسین نے نیشنل بک ٹرسٹ کی فرمائش پر بچوں کے لئے بڑی خوبصورت کتابیں دوسری زبانوں سے ترجمہ کی ہیں۔ حیات اللہ انصاری، کوثر چاندپوری، رام لعل، زکی انور، سراج انور، محمد اسحاق صدیقی، افضل حسین، رفیعہ منظور الامین، یوسف ناظم، اطہر انسر، بکتا امروہوی، میرزا ادیب، اطہر پرویز، ابرار محسن، حمید آرموری، مرتضیٰ ساحل تسلیمی اور دیگر لکھنے والوں نے بچوں کے ادبی ذخیرہ کو کافی بڑھایا ہے، اور ان سب کی کوششوں سے بچوں کے ادب میں تنوع بھی آ رہا ہے۔

کرشن چندر نے بھی بچوں کے ادب کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کیا تھا۔ ان کے قلم سے جو کتابیں بچوں کے لئے لکھی گئیں وہ بچوں کے ادب کی شاہکار ہیں۔ فطرتِ انسانی کے اس زبردست نبّاض نے بچوں کی نفسیات، فطرت اور دلچسپی کا لحاظ و خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے سحر معنویت، تصوریت اور رمزیت سے لبریز قصے لکھے، جن میں "جڑاوں کی الف لیلیٰ"، "اُلٹا درخت" اور "ستاروں کی سیر" بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں میں بھی بہت مقبول ہوئے۔ "اُلٹا درخت" غالباً بچوں کے لئے کرشن چندر کی پہلی تخلیق ہے۔ اس میں کرشن چندر نے جس صنّاعی اور فنی چابکدستی سے کام لیا ہے اس کے لئے ریوتی سرن شرما کے یہ الفاظ حقیقت پر مبنی ہیں:

> "اِس ناولٹ (اُلٹا درخت) میں کرشن چندر نے خیال کا کانچ اس قدر باریک پیس کر کپڑچھن کرکے مواد میں ملایا ہے کہ کہیں دَرا دَراپن محسوس نہیں ہوتا۔ اس کے نفیس اور لطیف خالب کا کوئی تانا بانا خیال کی کھینچا تانی میں ٹوٹنے نہیں پایا۔"

بچوں کے لئے خوبصورت، دیدہ زیب اور معیاری مواد و دلچسپی کے رسائل کی ضرورت بھی ہر دور میں رہی ہے۔ اُردو میں صرف "کھلونا" دہلی اس ضرورت کو عرصۂ دراز سے پورا کر رہا ہے اور اس کے ساتھ کے بیشتر رسالے

کسی نہ کسی وجہ سے بند ہو چکے ہیں۔ لکھنؤ سے "کلیاں"، "پھول" اور "ثانی" بھی نکلتے ہیں۔ پٹنہ سے "مسرت" شائع ہوتا ہے۔ دہلی سے نکلنے والا "پیامِ تعلیم" بھی عرصہ سے اس ادب کی شمع جلائے ہوئے ہے۔ رامپور سے نکلنے والے دو رسائل "ہلال" اور "نور" بھی ایک مخصوص حلقے میں اخلاقی اور مذہبی قدروں کو عام کرنے میں اچھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

بچوں کو جتنا اچھا، معیاری و مفید ادب ابتدا میں دیا جائے گا وہی آگے چل کر ان کی شخصیت کا جزو بنے گا اور ان کی فکر و عمل کی بنیاد قرار پائے گا اس لئے مصنفین اور ناشرین کی بڑی سخت ذمہ داری ہے کہ وہ اس نازک لیکن مقدس کام کی طرف مزید توجہ دیں اور بچوں کے فکر و نظر کو بلندی، ان کے دل و دماغ کو روشنی، ان کے اندر یقین، خود اعتمادی، دیانتداری، پُرسوزی اور انسانیت کی جملہ صفات کو اُبھارنے اور جِلا بخشنے والا ادب تیار ہو جس کے معنوی حسن کے ساتھ صوری حسن کا بھی پورا خیال رکھا جائے تاکہ بچے اس کے مطالعہ کی طرف خود بخود راغب ہوں

مجرم بچّوں کے مسائل اور ہماری ذمّہ داری

جی ، ایس کالکرنی ناظم چلڈرنس ہوم ، عمر کھاڑی ، بمبئی ۸

انسان فطرتاً امن پسند واقع ہوا ہے ۔ اس کی دلی خواہش یہی رہی ہے کہ وہ اپنے تمام کام یکسوئی اور بغیر کسی کی مداخلت کے انجام دیتا رہے۔ روزمرّہ کے یہ کام دیتے وقت وہ نہ صرف اپنے فرائض کو پیشِ نظر رکھتا ہے بلکہ قانون کی پابندیوں اور سماجی ذمّہ داریوں کو بھی مقدم رکھتا ہے وہ اپنے کسی بھی فعل سے قانون شکنی کا مُرتکب نہیں ہونا چاہتا اور نہ ایسی سرگرمیوں میں مُلوِث ہونا چاہتا ہے جس سے سماج میں انتشار واقع ہو۔

لیکن ان تمام ترخواہشات کے باوجود بعض اوقات ایسے واقعات رونما ہوجاتے ہیں کہ کسی ایک فرد کی حرکت سے سماجی زندگی میں عدم تحفظ ، کشیدگی اور بے اطمینانی پیدا ہوجاتی ہے ۔ ان محرکات کے پس منظر میں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بعض اوقات بچے بھی ۔ پھران امن دشمن عناصر کو پولیس گرفتار کر کے عدالت کے روبرو پیش کرتی ہے ، جہاں قانون کے تقاضوں پر عمل درآمد کے بعدان لوگوں کو قرار واقعی سزا دی جاتی ہے ۔ لیکن انسانی فطرت شناسوں اور ماہرین نفسیات نے ان سزاؤں کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے افراد کی اصلاح پر زور دیا ہے ، ان ماہرین نفسیات نے "مجرم افراد جرم کرنے پر کیوں آمادہ ہوتے ہیں اور انھیں سزا دینے کی بجائے اصلاح کر کے معاشرہ کا کارآمد عنصر کیونکر بنایا جاسکتا ہے" اس نظریہ (THEORY) کی بنیاد پر سزا دینے کی مخالفت کی ہے۔

ماہرین نفسیات کے اسی نظریہ کی بنیاد پر مجرم بچوں کو سزا دینے کی بجائے ان کی اصلاح کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے ۔ بچّے حقیقت میں قومی دولت ہیں ' اس قومی دولت کی نگہداشت اور بھلائی کے لئے پورے ملک میں انھیں قانونی تحفظات عطا کئے گئے ہیں ۔ ان قوانین میں ایک قانون "بمبئی چلڈرنس ایکٹ ۱۹۴۸ء" ہے ' جس کی رو سے ایسے بچے جن کی عمر ۱۶ سال سے کم یا وہ لڑکیاں جن کی عمر ۱۸ سال سے کم ہے ، قانون شکنی کے الزام میں گرفتار ہونے پر پولس انھیں چلڈرنس کورٹ میں پیش کرتی ہے ۔ الزامات درست ثابت ہونے پر سزا دینے کے بجائے انھیں چلڈرنس ہوم میں روانہ کیا جاتا ہے ۔ جہاں پران کی اصلاح پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے ۔

پورے مہاراشٹر میں اس نوعیت کے ۳۵ اصلاح خانے (چلڈرنس ہوم) ہیں۔ ان اصلاح خانوں کے تحت جاری شدہ اسکولوں کی تعداد چالیس ہے۔ مہاراشٹر میں ہر سال اندازاً ۱۴ ہزار بچے چلڈرنس کورٹ میں پیش کئے جاتے ہیں، جن کی اصلاح پر حکومت سالانہ دو کروڑ روپے صرف کرتی ہے۔ ڈائرکٹر آف سوشیل ویلفیئر بورڈ حکومت مہاراشٹر کے زیر نگرانی ان بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے جدید طریقہ کار اپنائے گئے ہیں۔

چلڈرنس اینڈ سوسائٹی

بچوں کی اصلاح و فلاح و بہبود کا کام تنہا حکومت کی ذمہ داری نہیں، بلکہ سماج کا بھی فرض ہے کہ وہ اس کام میں ہاتھ بٹائے۔ اس مقصد کے پیش نظر مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے بچوں کی اصلاح کے لئے بمبئی میں چلڈرنس اینڈ سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس سوسائٹی کے تحت تین اصلاحی مراکز قائم ہیں۔ جن میں ۷۷-۱۹۷۸ء کے دوران چار ہزار ۱۸۸ بچے لائے گئے۔ ان میں تین ہزار ۸۸ لڑکے اور گیارہ سو لڑکیاں تھیں۔ ان کے علاوہ کنواری ماؤں کے ۳۱۲ بچوں کی نگہداشت کا کام بھی اس ادارہ نے انجام دیا۔

"بمبئی چلڈرنس ایکٹ ۱۹۴۸ء" کے تحت بمبئی میں ایک چلڈرنس کورٹ ہے جو سارا دن مصروف کار رہتا ہے۔ اس طرح ایک پولس یونٹ، ایک اصلاح خانہ ایک اعلیٰ عہدیدار اور ایک دفتر ہے جس میں تمام ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔

قانون شکنی کے مرتکب بچوں سے مراد ایسے لڑکے (۱۶ سال سے کم) اور لڑکیاں (۱۸ سال سے کم) ہیں، جو آوارہ گرد، بھیک منگے، گھر سے مفرور، لاوارث، چوری، ڈکیتی، جوا، مارپیٹ، قتل و خون، ٹکٹ کی کالا بازاری، بغیر ٹکٹ کے سفر وغیرہ وغیرہ اخلاقی جرموں میں ملوث پائے گئے ہیں۔ اس طرح محبت کا فریب دیکر، یا مکاری سے بھگائی ہوئی کمسن لڑکیوں کو پولس اپنی تحویل میں لے کر کورٹ کے روبرو پیش کرتی ہے۔

ان بچوں کی اصلاح خانوں میں روانگی کے بعد ان کی تعلیم، لباس، خوراک، ادویات، علاج معالجہ اور سیر و تفریح وغیرہ کی ذمہ داری ان اداروں پر عائد ہوتی ہے۔ ان مرکزوں میں آنے والے بچوں کی مکمل تحقیقات، ان کے گھر کا پتہ لگانے اور دیگر ضروری معلومات فراہم کرنے کے لئے یہاں ۱۴ افسران مقرر ہیں۔ ان افسروں کی تحقیقات کے بعد بعض بچوں کو ان کے گھر روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر والدین کی اقتصادی حالت غیر تسلی بخش ہو تو انھیں ان اداروں کے تحت جاری شدہ اسکولوں میں روانہ کیا جاتا ہے۔

اِن اسکولوں میں لڑکوں کو ۱۸ سال اور لڑکیوں کو ۲۰ سال کی عمر تک رکھا جاتا ہے۔ البتہ اپاہج، ذہنی طور پر پسماندہ، نابینا، یا کسی مرض کا شکار ہونے پر انھیں مخصوص اداروں کے حوالے کیا جاتا ہے، جہاں ان کی مکمل دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اِن اداروں کو حکومت کی جانب سے صد فی صد گرانٹ نہیں ملتی اور نہ انھیں کسی سرمایہ دار کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس لئے عوام کا فرض ہے کہ انھیں مالی تعاون سے نوازیں۔

اس میں شک نہیں کہ آوارہ گرد بچے مجرمانہ ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ انھیں مجرم قرار دیکر سزا کا مستحق سمجھا جائے۔ سات سال سے کم عمر کے بچوں کو مجرم قرار نہیں دیا جاتا اور نہ انھیں قابل تعزیر گردانا جاتا ہے۔ البتہ ان سے زائد عمر کے بچوں سے جرم سرزد ہونے پر پولس گرفتار کر کے فرد جرم عائد کر سکتی ہے۔ جرم کرنے والے یہ بچے اپنے ماحول کے ردِ عمل کا شکار ہوتے ہیں۔ خصوصاً گھریلو حالات یا اطراف کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ والدین کے آپسی جھگڑے، بھائی بہنوں کا ناروا سلوک اور دوستوں کی بُری صحبت کا اثر قبول کر کے ان کا ناپختہ ذہن جرم کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ چوری ایک عام بات ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں کہ غریب گھر کے بچے ہی چوری کرتے ہیں۔ چوری کوئی بھی اور کبھی بھی کر سکتا ہے۔ ان اداروں میں داخل کردہ بچوں کے جائزہ سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امیر گھرانوں کے بچے بھی چوری کرتے ہیں۔ البتہ نادار بچوں میں یہ تناسب زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ غریب گھرانوں میں بچوں کی بنیادی ضروریات کی عدم فراہمی ہے۔ اسی کے ساتھ جب کوئی بچہ خوشحال اور امیر خاندان کے بچوں کو دیکھتا ہے تو اس میں احساس

مجرمانہ ذہنیت کے حامل بچوں کی اصلاح اسی وقت ہوتی ہے، جب کہ انھیں اصلاح خانوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ ان بچوں کے علاوہ ایسے ہزاروں بچے ہیں، جو اپنے راستوں سے بھٹک گئے ہیں، ان کی بے چارگی اور ناداری کا فائدہ اٹھا کر سماج دشمن عناصر ان کا استحصال کر رہے ہیں۔ انھیں غلط راستوں پر ڈال کر مالی فائدہ حاصل کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہر ذمہ دار شہری کا فرض ہے کہ وہ ایسے بچوں کی مدد کے لئے آگے بڑھے۔

بچے قومی دولت ہیں، اس دولت کی حفاظت اسی وقت ہو سکتی ہے، جب ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اصلاحی اداروں سے تعاون کو اپنا فرض سمجھے۔

ترجمہ: سلمان ماہی

کمتری پیدا ہو جاتا ہے، جس کے زیر اثر وہ غیر قانونی حرکات کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ابتدا میں بتلایا گیا، چلڈرنس کورٹ میں جرم ثابت ہونے پر بچوں کو اصلاح خانہ میں روانہ کیا جاتا ہے، البتہ والدین اس کی اصلاح کی حامی بھریں تو اسے ان کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اس وقت والدین سے تحریری بیان لیا جاتا ہے کہ وہ بچہ کی تمام سرگرمیوں پر گہری نظر رکھیں گے اس کے علاوہ ان بچوں پر اصلاح خانہ کے افسر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ والدین سے رابطہ رکھ کر اس کے چال چلن سے آگاہی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ افسران اسکول میں جا کر مدرسین سے تبادلۂ خیال کر کے بچہ کی اصلاح اور اس کی ترقی کے لئے مشورہ بھی دیتے ہیں۔ جو بچے ملازمت پیشہ ہیں، ان کے کارخانوں میں جا کر چال چلن کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان کے ہمجو اور ملنے جلنے والوں پر بھی نظر رکھی جاتی ہے۔

فلاحی اداروں کے ان افسران کا کام انتہائی ذمہ داری کا حامل ہے۔ خصوصاً وہ بچے جو اداروں سے باہر رہتے ہیں، ان کی چھ ماہ تک یا زیادہ سے زیادہ تین سال تک نگہداشت کی جاتی ہے، اس کے باوجود اگر ان کے چال چلن میں اصلاح نہیں ہو سکی تو پھر انھیں اداروں میں لایا جاتا ہے

غریب بچوں کی کفالت

ان اصلاحی مراکز میں داخل کردہ بچوں کی امداد کے لئے دیگر ادارے بھی دست تعاون دراز کرتے ہیں۔ ان اداروں میں فیملی سروس سینٹر، فیملی ویلفیر سینٹر اور کمیونٹی ایڈ اینڈ اسپانسر شپ پروگرام نامی ادارے اہمیت رکھتے ہیں اگر بچہ ذہنی طور پر پسماندہ ہو تو اسے چائلڈ گائڈنس کلنک میں روانہ کیا جاتا ہے۔ ان دنوں اکثر شفا خانوں میں بچوں کے وارڈ کھولے گئے ہیں۔ جہاں نہ صرف ان کا علاج کیا جاتا ہے بلکہ والدین کی رہنمائی بھی کی جاتی ہے۔

لہروں سے لڑجانا سیکھو

• مقبول ظہیر ارثی
وارث پورہ، کامٹی

مانا کہ اقوام متحدہ کے فرمان کے عین برعکس ۲۶ سال گذر جانے کے بعد بھی بچوں کو کھانے کے حق، صحت کے حق اور رہنے کے حق سے محروم رکھا گیا۔ ۱۹۶۰ء چلڈرن ایکٹ کے برخلاف آج بھی بارہ سال سے کم عمر بچے مختلف کارخانوں میں کام کرتے ہیں، یہ بھی بجا ہے کہ اقوام متحدہ کے ایک جائزے کے مطابق ۵ سال سے کم عمر بچے تنہا ۱۹۷۸ء میں تقریباً ۱۳ ملین فوت ہوئے، جن میں سے گیارہ ملین بچے ترقی پذیر ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ خود ہندوستان میں ہر سات میں سے ایک بچہ اپنی پہلی سالگرہ بھی نہیں دیکھ پاتا۔ ۴۰ فیصد بچے پانچ سال کی عمر کو پہنچنے تک موت کی گود میں سما جاتے ہیں، باقی جو بچتے ہیں وہ کسی نہ کسی طرح اندھے پن، گونگے پن یا پولیو کا شکار ہوکر موت اور زندگی کے درمیان کشمکش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان کی کل آبادی کا ۲۰ فیصد بچہ اسکول کا منہ تک نہیں دیکھ پاتا۔

لیکن یہ تمام اعداد و شمار پریشان کن ہو سکتے ہیں مگر مایوس کن ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ان تمام تلخ حقائق کے باوجود آدم کا یہ گھرانہ پھلتا پھولتا جا رہا ہے۔ تاریخ کا کوئی بھی ورق ایسے انسانوں کی دلآویز کہانیوں سے خالی نہیں جنھوں نے اندھیروں کو بھگانے میں کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ آج

اندھیرا چھٹ رہا ہے، اُمید کی کرن پھوٹ رہی ہے۔ موتی ساگر سے نکالے جا رہے ہیں۔ ہیرا زمین کی گہرائیوں سے حاصل کیا جا رہا ہے۔ ہر ناممکن کو ممکن بنایا جا رہا ہے۔

متاعِ زندگی لُٹ جائے تو کوئی غم نہیں اگر انسان وسائل سے کام لے تو وہ بالآخر کامیاب ہو کر رہے گا۔ رات جتنی سنگین ہوگی، صبح اتنی ہی رنگین ہوگی۔

ہندی کے مشہور شاعر بال کوی بیراگی کے ماں باپ اندھے تھے اور وہ سڑکوں پر بھیک مانگا کرتے تھے۔ جب وہ ۱۶ برس کے ہوئے تو انھیں احساس ہوا کہ تعلیم حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ وہ دن میں اسکول میں پڑھتے اور راتوں کو سڑکوں پر بھیک مانگتے۔ بعد میں یہی بھکاری مدھیہ پردیش حکومت کا وزیر ہوا" اور آج ہندی شاعری میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکا ہے۔

انسان جدوجہد کو اپنا شعار بنالے تو کوئی چیز ناممکن نہیں۔ زندگی کے دشوار گذار راستے خود ہی ہموار اور سہل ہو جاتے ہیں۔ دو مرتبہ نوبل پرائز حاصل کرنے والی دنیا کی سب سے نامور خاتون سائنسداں مادام کیوری کا بچپن اور جوانی کا بیشتر حصّہ غریبی و مفلسی میں گذرا۔ وہ اتنی مفلس تھی کہ وہ اکثر بھوک کے مارے بے ہوش ہو جاتی۔ سونے سے پیشتر وہ خود کو گرم کرنے کی خاطر صندوق میں سے اپنے تمام کپڑے نکال کر چارپائی پر بچھا دیتی اور کچھ اوپر اوڑھ لیتی اس پر بھی اس کی سردی کم نہ ہوتی تو وہ کرسی پکڑ کر اپنے اوپر رکھ لیتی تاکہ اسی کے وزن سے اُسے کم سردی محسوس ہو۔

ہمارے سابق وزیر اعظم لال بہادر شاستری ایک نہایت غریب خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا بچپن کافی غریبی و ناداری میں گذرا۔ جب وہ اسکول میں زیرِ تعلیم تھے تو انھیں گھر سے اسکول دریا میں تیر کر جانا پڑتا، لیکن اس مردِ مجاہد نے زندگی سے کبھی فراری کا راستہ نہیں اپنایا اور زندگی کے کسی مقابلے میں کبھی پیچھے نہ رہا، نتیجتاً وہ ہندوستان کا وزیر اعظم بنا۔

مصوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی بے سہارا تھے، انھوں نے ایامِ طفل بڑی کسمپرسی میں گذارا۔ مایوسی و نامرادی کی زنجیروں نے انھیں گھیر رکھا تھا، لیکن انھوں نے ہمتِ مرداں مددِ خدا کے مصداق عمل پیرا ہو کر زندگی کے تمام صبر آزما دور کا مقابلہ کیا، حتیٰ کہ انھیں پیٹ کی آگ بجھانے کے سلسلہ میں اخبارات بھی فروخت کرنا پڑے، بعد ازاں شمس العلماء کے خطاب سے نوازے گئے۔ آج ان کے لاکھوں مُرید ہیں۔

(بقایا صفحہ ۲۹ پر)

بچّوں کا غذائی مسئلہ

• سلمان ہاشمی
ہاشمی ہاؤس، ڈاکٹر انصاری روڈ
رالوڑی، تھانے - ۴۰۰۶۰۱

ہمارے ملک میں بچّوں کے جتنے بھی مسائل ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ متوازن غذا کی فراہمی ہے۔ بچّوں کی غذا کے معاملے میں ہم نے اتنی سنجیدگی سے غور نہیں کیا جتنی کہ ضرورت تھی۔ نتیجتاً بچّوں میں مختلف امراض کا پھیلاؤ، ان کی ذہنی ساخت اور صحت و تندرستی پر تشویشناک اثر پڑا ہے۔ اگر ان خامیوں کی بنیادی وجوہات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ ملک کی بے پناہ آبادی ان کوتاہیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا سبب بچوں کے فلاحی اداروں کی غیر اطمینان بخش کارکردگی اور کاغذی اسکیمیں ہیں۔ ان اداروں نے اپنا دائرۂ عمل شہری علاقوں تک محدود رکھا ہے۔ دیہی بچّوں کی فلاح و بہبود کی جانب توجہ نہ دینے کی وجہ سے حکومت کے مفید منصوبے ان تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

ہمارے ملک میں ۵½ لاکھ دیہات ہیں اِن دیہاتوں میں رہنے والے بچّوں کی صحت، خوراک، لباس، تعلیم و تربیت پر صحیح خطوط پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے وہ بچوں کے عالمی معیارِ صحت سے کمتر ثابت ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کا تلخ ثبوت ہمیں چینی حملہ کے دوران ملا ہے۔ فوج میں بھرتی کے لئے جب نوجوانوں کی صحت اور قد کی پیمائش کی تو ان میں وٹامن کی بھاری کمی پائی گئی۔ اس خامی کو دور کرنے کے لئے حکومت نے اسی وقت متعدد کیمپ لگاکر ضروری وٹامن اور حیاتین سے بھرپور صحت بخش غذا کی فراہمی کا بندوبست کیا۔

۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق ملک کی کل آبادی ۵۴ کروڑ آٹھ لاکھ تھی اب یہ آبادی ۶۵ کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں ۱۴ سال سے کم عمر والے بچوں کی تعداد ۲۳ کروڑ ہے۔ ان بچوں میں ۷۰ فیصد (۲۵ فیصد لڑکے اور ۴۵ فیصد لڑکیاں) بچے ایسے ہیں جنھوں نے اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی ہے۔ نتیجتاً ناخواندگی کی شرح میں اضافہ تو ہو ہی رہا ہے، ساتھ ہی ساتھ اسکولوں میں نہ جانے کی وجہ سے حکومت کے فلاحی منصوبوں سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق ۱۴ سال عمر کے اندر والے ۸۰ فیصد بچے کسی نہ کسی مرض کا شکار ہیں۔ حیاتین الف کی کمی کی وجہ سے ۱۲ کروڑ بچوں کی بصارت میں کمی پائی گئی ہے۔ اسی طرح سات سال عمر کے اندر والے ۷۰ لاکھ بچے انیمیا یعنی خون کی کمی کا شکار پائے گئے ہیں۔

یہ تمام قسم کے نقائص حیاتین کی کمی کے باعث محسوس کئے گئے ہیں۔ بچوں کو متوازن غذا نہ ملنے سے اس کے اثرات تشویشناک ثابت ہو سکتے ہیں

، لئے حکومت نے ملک کے مختلف شہروں اور دیہاتوں کے منتخبہ خاندانوں
ں کے فلاحی مرکزوں اور تعلیمی اداروں کا سروے کیا تو پتہ چلا کہ بچوں میں
ازن غذا اور صحت بخش خوراک کی کمی صرف غریب اور نادار گھرانوں
ں ہی نہیں بلکہ امیر اور خوشحال گھرانوں میں بھی ہے۔ ان گھرانوں میں
ں کو پیٹ بھر کھانا تو ملتا ہے، مگر ضروری حیاتین اور صحت بخش غذا
جہ نہیں دی جاتی۔ اس بنیادی لاپرواہی کا سبب غذائی سائنس سے
ی کا نتیجہ ہے، جس طرح اسکولوں میں ہر مضمون کے لئے الگ الگ
ر مقرر ہیں۔ اگر اسی طرح غذائی سائنس کو بطور لازمی مضمون نصاب
ں شامل کر کے ایک ٹیچر مقرر کیا جائے تو عوام میں وٹامن اور متوازن غذا
اہمیت اُجاگر ہو سکتی ہے۔

عام طور پر غذا کی دو قسمیں مقرر کی گئی ہیں:

۱) متوازن یا صحت بخش غذا ۲) شکم پُری کی غذا

متوازن غذا میں بچوں کی عمر کے مطابق دودھ، مکھن، انڈے، سبزی
ل اور گوشت شامل ہے۔ جبکہ شکم پُری کی غذا میں گیہوں، باجرہ،
ری، چاول، دال، شکر اور گڑ آتا ہے۔

ہندوستانی بچوں کو جو غذا ملتی ہے، اس کا موازنہ ترقی یافتہ ممالک
سے کیا گیا تو ہمارے بچوں میں صحت بخش غذا کی بھاری کمی پائی گئی۔ یہ
ں درج ذیل اعداد سے واضح ہوگی:

ملک	اناج	دودھ	انڈے	گوشت	مچھلی
مریکہ	۷	۲۳	۲	۸	۰.۵
نگلینڈ	۹	۲۰	۱	۷	۱۰.۰
سٹریلیا	۹	۱۸	۱	۱۱	۰.۴
ندوستان	۱۳	۴	۔	۰.۱	۰.۱

اس تشویشناک غذائی عدم توازن کا اثر ہمارے بچوں کی تندرستی پر
ہے۔ وزن کے سلسلہ میں درج ذیل سروے اس کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔
زن کو پونڈ میں اور عمر کو اعداد میں پیش کیا گیا ہے)

ملک	۱۱ سال	۱۲ سال	۱۳ سال	۱۴ سال	۱۵ سال	۱۶ سال
نگلینڈ	۷۵ پونڈ	۹۲ پونڈ	۱۰۰ پونڈ	۱۱۵ پونڈ	پونڈ ۱۱۸	پونڈ ۱۲۰
ریکہ	۹۲ ״	۱۰۸ ״	۱۲۰ ״	۱۳۲ ״	۱۳۴	۱۳۸
ندوستان	۵۴ ״	۶۲ ״	۷۵ ״	۸۵ ״	۸۵	۸۶

ان اعداد و شمار سے واضح ہوجاتا ہے کہ ہمارے بچوں کی صحت دیگر ترقی یافتہ
ممالک کے بچوں کے مقابلے میں کمتر حیثیت رکھتی ہے۔ عمر کے مطابق صحت میں
اضافہ نہ ہونے کی بناء پر اُن کی جسمانی ساخت اور ذہنی صلاحیتوں کا متاثر
ہونا ناگزیر ہے، مگر یہ حقیقت کسی المیہ سے کم نہیں کہ ہمارے ملک میں محنت
کش بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ عام جسمانی کمزوریوں کے باوجود ان سے
بھاری کام لئے جاتے ہیں، جو دستور میں دیئے گئے تحفظات کے خلاف ہیں
دستور کی دفعہ ۳۹ کی ذیلی دفعہ (E) میں واضح الفاظ میں یہ یقین دلایا گیا ہے کہ
بچوں کی حفاظت حکومت کا فرض ہے اور ان سے بھاری مشقت لینا ایک جرم ہے۔

اس خلائی دور کے اندر جبکہ انسانی شعور نے چاند تاروں سے آگے
کے جہانوں کا پتہ لگایا ہے لیکن یہ حقیقت ہمارا منہ چڑا رہی ہے کہ آج پوری
دنیا میں ۵ کروڑ بیس لاکھ بچے مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ ان محنت کشوں میں
اندازاً چار کروڑ بچے ایسے ہیں جن کی مزدوری ان کے والدین یا ٹھیکیدار ہضم
کر جاتے ہیں۔ براعظم ایشیا میں مزدور بچوں کی تعداد سب سے زیادہ
یعنی پونے چار کروڑ ہے جبکہ افریقہ اور لاطینی امریکہ میں ایک ایک
کروڑ بچے ملازمت پیشہ ہیں۔

دنیا کے تمام ممالک کے محنت کش بچوں کا یہ سروے انٹرنیشنل لیبر
آرگنائزیشن (I.L.O) نے ابھی حال ہی میں کیا تھا۔ آئی۔ ایل۔ او نے اپنی
رپورٹ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے اکنامک اینڈ سوشل کمیشن فار ایشیا
اینڈ پیسفک (EASAP) کی ریجنل کانفرنس میں پیش کی جو (منیلا) امریکہ میں
منعقد ہوئی تھی۔

ہمارے ملک میں بچوں سے جبریہ محنت اور استحصال کو روکنے کیلئے
۱۹۳۸ء میں ایک قانون منظور ہوا تھا، جس کا نام "ایمپلائمنٹ آف
چلڈرن ایکٹ ۱۹۳۸ء" ہے۔ اس قانون کی رُو سے پندرہ سال سے کم عمر والے
بچوں سے کام لینے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ اس کے باوجود آج بھی ہمارے
ملک میں بچوں سے کام لیا جاتا ہے۔ دنیا کے محنت کش بچوں کی جملہ تعداد
کے پچاس فیصد بچے ایشیاء اور ہندوستان میں موجود ہیں۔ حالیہ جائزے
کے مطابق ملک کی کل آبادی کا ۴۲ فیصد حصہ ۱۵ سال سے کم عمر کے بچوں
پر مشتمل ہے۔

قوت بخش غذا کی کمی، معیاری صحت و تندرستی کے فقدان کے باوجود
اگر والدین اپنے بچوں کو کام پر روانہ کرنے پر مجبور ہیں تو اس کا سبب حدِ
غربت سے نیچے ان کا معیارِ زندگی ہے۔ اسی غربت و افلاس، ناداری و
بیچارگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر والدین اپنے جگر گوشوں سے مزدوری کراتے
ہیں۔ اس کے طفیل انہیں دو وقت کی روٹی تو مل جاتی ہے، مگر شرح پیدائش

کے نفاذ کی وجہ سے گھٹ کر ۱۹۷۵ء میں فی ہزار ۱۵ تک پہنچی ہے۔

بچوں کے لئے حکومت کے فلاحی منصوبے

جیسا کہ ابتدا میں بتلایا گیا، معصوم بچوں کی جبریہ محنت کے خلاف حکومت نے "ایمپلائمنٹ آف چلڈرن ایکٹ ۱۹۳۸ء" نافذ کیا تھا۔ حصولِ آزادی کے بعد قومی حکومت نے اپنے دستور میں بچوں کو قومی دولت قرار دیتے ہوئے زیر دفعہ ۳۹ (ای) ان سے بھاری مشقت لینے پر پابندی عائد کی تھی۔ دستور کے تیقن کے باوجود جب بچوں کے استحصال کا غیر انسانی کام جاری رہا تو ۱۹۷۳ء میں یہ مسئلہ پارلیمان میں زیر بحث آیا۔ ممبران پارلیمان نے عوام کی تشویش کے پیش نظر ۲۲ راگست ۱۹۷۴ء کو قومی سطح پر بچوں کے فلاحی پروگرام کا اعلان کیا۔ جس کا مقصد معصوم بچوں کی ہمہ جہتی ترقی لاوارث و نادار بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت نیز ان کے استحصال پر روک لگانا تھا۔ پارلیمان میں بچوں کے اس قومی پروگرام کے نفاذ کے لئے ۱۵ نکاتی لائحہ عمل ترتیب دیا گیا۔ البتہ موصولہ ذرائع اور فنڈ کے پیش نظر درج ذیل پانچ نکات کو بنیادی اہمیت دی گئی:

۱) بچوں کی صحت و تندرستی پر توجہ
۲) زچہ و بچہ کو قوت بخش غذا کی فراہمی
۳) بے سہارا بچوں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام
۴) ملازمت پیشہ ماؤں کے معصوم بچوں کی نگہداشت کے مراکز کا قیام
۵) معذور اور اپاہج بچوں کی پرورش اور تعلیم کا انتظام

میں بھاری اضافہ کی بنا پر ہر نومولود کو مناسب دودھ نہیں ملتا۔ اور نہ ہر زچہ کی بنیادی ضروریات کی کفالت ہوتی ہے۔ نتیجتاً ہر سال فی ہزار ۷۰ بچے اپنی عمر کے پہلے ہی سال کے اندر مرجاتے ہیں۔
معصوم بچوں کی شرح اموات درج ذیل ہے (شرح اموات فی ہزار)

نمبر شمار	عرصہ	شرح
۱	پہلے سات روز تک	۳۵
۲	،، ایک ماہ تک	۲۲
۳	ایک تا چھ ماہ تک	۳۲
۴	سات ماہ تا ایک سال	۱۸

اس جائزہ کی روشنی میں بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں بچوں کی شرح اموات قابل تشویش ہے جس کا بنیادی سبب زچہ و بچہ کی صحت و تندرستی اور ایام حمل میں زچہ کو پرسکون ماحول اور مقوی غذا کی عدم فراہمی ہے۔ ہمارے ملک میں ۱۹۴۱ء کے جائزہ کے مطابق بچوں کی شرح اموات فی ہزار ۴.۷۲ تھی۔ جو سال بہ سال کے فلاحی پروگرام

اِن نکات پر عمل درآمد اور قومی سطح پر ان کے نفاذ کے لئے نیشنل چائلڈ ویلفیئر بورڈ کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر وزیراعظم قرار پائے۔

پارلیمنٹ میں اس پروگرام کی منظوری کے بعد ریاستی سطح پر بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے ادارے قائم ہوئے ۱۹۷۶ء میں انٹی گریٹڈ چائلڈ ڈیولپمنٹ سروس پروجیکٹ کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا بنیادی مقصد معصوم بچوں کو انسدادی امراض کا ٹیکہ لگوانا، مقوی غذا فراہم کرنا، اور ان کی جسمانی ساخت و پرداخت کا معائنہ کرنا ہے۔

حکومت مہاراشٹر کے منصوبے

حکومت مہاراشٹر نے محکمۂ سماجی فلاح و بہبود، محکمۂ حفظان صحت اور محکمۂ تعلیمات کے تحت فلاحی اداروں کا جال بچھا کر عالمی سال اطفال کے موقع پر بچوں کی ہمہ جہتی ترقی کے اقدامات کا آغاز کیا ہے۔ گذشتہ سال سے حکومت نے ایک منصوبہ جاری کیا ہے۔ جس کے تحت شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے ۵۵ لاکھ بچوں کو ۸۳-۱۹۷۸ء کے درمیان ہر قسم کی مدد فراہم کر کے ان کی رہنمائی کا آغاز ہوا ہے۔ ان کے علاوہ ادیباسی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی منصوبہ بند کاموں کا آغاز ہوا ہے۔

تاریخی اقدام

ریاستی حکومت نے گاندھی جینتی کے دن بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو قدم اٹھایا ہے وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے فلاح اطفال کی خاطر ٹرسٹی شپ کے قیام کا اعلان کر کے ریاستی قبائلوں کے ۵۰ بچوں کی تعلیم و تربیت کا جو منصوبہ بنایا ہے وہ اپنی نوعیت کا ایک انوکھا منصوبہ ہے اس طرح پہلے مرحلے میں گیارہ سو دیہات کے ایک لاکھ ۷۵ ہزار بچوں کو دن میں دو مرتبہ فی کس ۲۰۰ ملی لیٹر دودھ کی تقسیم کا منصوبہ بنایا ہے اس طرح بمبئی کی جھوپڑ پٹیوں میں رہنے والے دو ہزار بچوں کی تعلیم و تربیت اور صحت بخش کھانے کی فراہمی کی اسکیم بھی بنائی ہے۔

سماجی ذمہ داری اور ہمارے فرائض

اس میں شک نہیں کہ فلاح اطفال کا کام حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس کے قومی فرائض میں بھی شامل ہے، مگر اس معاملہ میں صرف حکومت پر تکیہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ایک فرض شناس شہری کی حیثیت سے ہماری جو ذمہ داریاں ہیں۔ ان سے دامن بچایا نہیں جا سکتا

اس سلسلہ میں خاندانی فلاح کی منصوبہ بندی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے لوک نائک سری جے پرکاش نرائن نے اپنے ایک مشہور اسٹیٹمنٹ میں اضافہ آبادی کے خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ "اگر ہم نے منصوبہ بندی کے ذریعہ اضافہ آبادی پر قابو نہیں پایا تو ممکن ہے کوئی قدرتی آفت ہم پر نازل ہو جائے۔"

خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلے میں لوگوں میں آج بھی شبہات ہیں، انھیں تعلیم کے پھیلاؤ کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں حکومت نے تعلیم بالغاں کی جو اسکیم شروع کی ہے اس میں حصہ لینا ہم شہریوں کی اولین ذمہ داری اور ایک قومی فرض بھی ہے۔

XXXXX

• کانتی کمار آر. پودار
چیرمین، دی چلڈرنس
ایڈ سوسائٹی

چلڈرنس ایڈ سوسائٹی

سلسلے میں چند
حکومت ہند نے اس
بین الاقوامی سال اطفال ہے۔ سوسائٹی بمبئی نے
واضح کئے ہیں جن کے پیش نظر چلڈرنس ایڈ
مقاصد واضح کئے ہیں جن سے یہ واضح کرنا ہے کہ یہ
کچھ پروگرام مرتب کئے ہیں جن سے یہ بن کر نہ رہ جائے
بین الاقوامی سال اطفال صرف سال بھر کا پروگرام جو ہمیشہ ثمر دیتی
بلکہ اس میں سے چند شاخیں ایسی پھوٹیں کی ٹھیک ہی تشریح کی
ہیں۔ حکومت نے بین الاقوامی سال اطفال محروم بچوں تک ضروریات
ہے کہ مذکورہ سال اطفال کا مقصد عین ہوئے سال جاریہ کے
بہم پہنچانا ہے۔ ان تمام مقاصد کو مدنظر رکھتے کے بچوں کے فائدہ کے
مرتبہ پروگراموں میں سوسائٹی کے اپنے اداروں کے بچوں کے لئے ۳۸، شہر کی چند
لئے ۱۳۱ پروگرام، مختلف طبقات کے بچوں کے لئے سوسائٹی کے اسٹاف کی تربیت
غریب بستیوں کے بچوں کے لئے ۵، کرنے والوں اور خود
کے لئے ۸، بچوں کی فلاح و بہبود کا کام آوارہ اور دماغی طور پر
بچوں کی بہبودی کے ۱۴ اور نادار، مجرم، والے ۴۴ پروگرام ترتیب
معذور بچوں کی فلاح و بہبود کی ترغیب دینے اداروں اور کالج و
دیئے گئے ہیں۔ ان تمام پروگراموں میں سماجی
اسکول کے طلبہ کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔

ویسے بھی ۱۹۷۴ء سے مذکورہ سوسائٹی کی تمام سرگرمیوں میں سماجی اداروں کی ایک کثیر تعداد تعاون کرتی رہی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں اس سوسائٹی نے تعلیمی پروپیگنڈہ شروع کیا کہ قابل توجہ بچے، چاہے کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی فلاح و بہبودی کی ذمہ داری پورے طبقہ پر عائد ہوتی ہے۔

نومی راج

۱۹۷۴ء سے مذکورہ تحریک کو ایک منظم طریقے سے جاری رکھا گیا ہے' خوشی کی بات ہے کہ یہ تحریک جس میں مالی امداد کے علاوہ شہری اور سماجی ادارے بھرپور تعاون کرتے رہے ہیں' تیز روی سے کامیابی کی جانب گامزن ہے۔ سماجی بہبود کا جو نیا تصور سوسائٹی نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اسے قبول کیا جا رہا ہے۔

پانچ سالوں کے دوران مالی تعاون کے ذریعہ سوسائٹی نے ۱۷ لاکھ روپے جمع کئے ہیں۔ جس میں ۷ لاکھ سکّوں اور چھوٹے نوٹوں کی صورت میں ہے۔ ہر سال ۲ر اکتوبر' گاندھی جینتی' کے موقع پر' یوم پرچم' پروگرام جو ایک ہفتہ تک جاری رہتا ہے' شروع کیا جاتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں مانخورد میں سوسائٹی کی بچوں کی بستی کا سنگِ بنیاد' جس کا نام' بال کلیان نگری' رکھا گیا ہے۔ اس وقت کے صدر جمہوریہ شری فخرالدین علی احمد (مرحوم) کے دستِ مبارک سے رکھا گیا۔ یہ نگری تیزی سے بن کر مکمل ہوئی' جس کی بدولت سوسائٹی ایک وقت میں ۳۰۰ بچوں کی دیکھ بھال (اور ان کی بازآبادکاری) کے قابل ہو گئی ہے۔

بچوں کی فلاح و بہبودی کے سلسلہ میں سوسائٹی نے جو نظریہ پیش کیا ہے' حکومت مہاراشٹر، بمبئی میونسپل کارپوریشن اور حکومت ہند نے اسے یکساں طور پر سراہا ہے۔ پروگرام میں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ زیادہ زور پیشہ ورانہ تربیت پر دیا جاتا ہے تاکہ بالغ ہوتے پر ادارہ چھوڑنے کے بعد یہ بچے خود کفیل، عزت دار اور کارآمد شہری بن سکیں۔ آج پیشہ ورانہ تربیت گاہوں کے سات مراکز قائم ہیں۔ جن میں سے ۴ حال ہی میں ۵ سالوں کے دوران قائم کئے گئے ہیں۔

قابلِ توجہ بچوں کے مسائل مختلف انداز سے حل کرنے اور انھیں کارآمد شہری بنانے کی صلاحیت کی بنا پر مذکورہ سوسائٹی ہندوستان اور ایشیا میں بچوں کی بہبودی کا سب سے بڑا مرکز مانی جاتی ہے۔

یہ جانتے ہوئے کہ پورے طور سے ماہر بننے کے بعد بھی بیروزگاری عام ہونے کی وجہ سے بچے اپنے لئے سماج میں مقام پیدا کرنے میں دشواری محسوس کریں اور ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آوارہ گردی اور غیر سماجی حرکات میں مبتلا ہو جائیں، سوسائٹی ایک خاص اسکیم کی تیاری میں مشغول ہے۔ اس اسکیم کے تحت بعد از تربیت کا انتظام کیا جائے گا جس میں ایک ہوسٹل، تربیت کے ذریعہ پیداواری مرکز اور ایک مکمل پیداواری مرکز کے قیام کی تجویز ہے۔ دوسرے لفظوں میں سوسائٹی اپنی ذمہ داری کو مکمل اس وقت سمجھتی ہے جب تک کہ سوسائٹی سے نکلے ہوئے افراد سماج میں پوری طرح ضم نہیں ہو جاتے۔ فی الحال اس اسکیم کے تحت ۱۰۰ لڑکوں کی دیکھ بھال کی جائے گی۔

پیشہ ورانہ تربیت حاصل کرنے والے بچوں کے نام وہ رقم جمع کی
ں ہے جو وہ تربیت کے دوران حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ادارہ کو
ترنے کے بعد انھیں کچھ تخمی سرمایہ مل جاتا ہے جو وہ خود کے کاروبا
لئے استعمال کرسکتے ہیں۔ دماغی طور پر کمزور لڑکے اور لڑکیوں کے لئے
دہ علیحدہ طبی انتظامات کئے گئے ہیں۔ اس معاملے میں چلڈرنس ایڈ
سائٹی ملک میں سازوسامان سے پوری طرح لیس سب سے بڑا مرکز
ں جاتی ہے۔ مانخورد میں واقع دماغی طور پر معذور بچوں کے لئے ۱۹۴۱ء
، جو مرکز قائم کیا گیا ہے، حال ہی میں اس میں ۳۰۰ بچوں کے لئے
ر رہائش گاہ بنائی گئی ہے، جس میں ۱۵۰ لڑکیوں کے لئے مخصوص
۔ نیز طبی سہولتوں کے علاوہ ایک پیشہ ورانہ تربیتی مرکز، بچوں
شاورتی دواخانہ، دانتوں کا دواخانہ، سیر و تفریح کا شعبہ بھی قائم
گیا ہے۔ اخلاقی تعلیم کے ساتھ ساتھ کھیل کود کا بھی خیال رکھا
ہے۔

بمبئی چلڈرنس ایکٹ بابت ۱۹۲۶ء کے تحت ۱۹۲۷ء میں یہ
سائٹی بنی۔ اسی سال مئی میں عمرکھاڑی میں ایک ریمانڈ ہوم (اب
ر رولیشن ہوم) تعمیر کیا گیا تھا جس میں صرف ۱۰۰ بچے تھے۔ ۱۹۳۹ء
میں مانخورد میں چیمبور چلڈرنس ہوم بنا۔ اسی سال ڈیوڈ ساسون انڈسٹریل
اسکول جو اُس وقت ریاستی حکومت کے زیر انتظام تھا، سوسائٹی کے سپرد کیا گیا۔
۱۹۵۴ء میں جوینائل سروس بیورو قائم کیا گیا، جس کی شاخیں شہر کی بارہ
غریب بستیوں میں قائم ہیں جن کی مدد سے بچوں کو مجرمانہ کاموں سے بچایا
جاتا ہے۔

سوسائٹی اب اپنے پروگراموں کو وسعت دینا چاہتی ہے جس کے
لئے ۳۰ لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ سوسائٹی کے تاحال کارہائے
نمایاں کو دیکھتے ہوئے بمبئی اور ملک بھر کے مخیّر ادارے اس رقم کو
جمع کرنے میں پورا پورا تعاون دیں گے۔ چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کی مدد
کے لئے کھٹاؤ مل اور ایگل فلاسک کمپنیوں کے اشتراک سے ٹائمز آف
انڈیا ادارے کے رسالہ 'فیمینا' کی جانب سے شان مکھانند ہال میں
۷ر مئی ۱۹۷۹ء کو "مس انڈیا" شو منعقد ہوا، جس کے ذریعے ۶ لاکھ
روپیہ جمع کیا گیا۔ اسی طرح شریمتی نندنی دی. پودار کی تصاویر کی فروخت
کے ذریعہ ۲۵۰۰۰ روپیہ جمع کیا گیا۔ یہ نمائش ۳۱ر جولائی ۱۹۷۹ء کو تاج
آرٹ گیلری میں پیش ہوئی تھی جس کا افتتاح شریمتی شانتی صادق علی
نے فرمایا تھا۔ سوسائٹی کی مدد کے لئے اسی طرح کی تصویری نمائش
اگست ۱۹۷۹ء میں مس جے شری بینتھیا اور شری سریش پتھارے نے
پیش کی۔ جس کے ذریعہ ۱۱۰۰۰ روپیہ جمع کیا گیا۔ ستمبر ۱۹۷۹ء میں ریاست
مہاراشٹر کے ڈائرکٹر، اینٹی کرپشن اور اسپیشل انسپکٹر جنرل آف پولس شری
ڈی. اے کھامگاؤنکر کی تصاویر کی فروخت سے ۱۵۰۰۰ روپیہ جمع کیا گیا۔
سوسائٹی اپنے پروگراموں کو اس طرح ترتیب دیتی ہے جس میں ہر شعبے

سے تعلق رکھنے والے افراد کا تعاون حاصل ہو سکے۔ مسئلہ بنے بچے اپنے آپ کو عام بچوں کی طرح محسوس کرنے کی عادت ڈالیں۔ اس مقصد کو عملی طور پر حاصل کرنے کی غرض سے سوسائٹی نے پہلی بار ۲۵۰۰ بچوں کیلئے ۵ رجنوری کو شانمکھانند ہال میں ایک شاندار موسیقی پروگرام کا انتظام کیا اور ان تمام بچوں کو ہال میں لے جایا گیا۔ ان میں وہ مجرم بچے بھی شامل تھے جنھیں سدھارنا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ایک بھی بچہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر فرار ہونے کی کوشش نہیں کی۔ یہ موسیقی کا پروگرام شری جگدیش کمار کی قیادت میں مشہور اسٹیج آرٹسٹ جنھیں کاموزس کہا جاتا ہے، نے ترتیب دیا تھا جس میں شری مناڈے بھی شریک تھے۔ اس تجربے کی کامیابی سے سماجی اداروں خصوصاً کالجوں کی نیشنل سروس اسکیم یونٹوں نے بھی اس تجربے کو آزمایا۔ صوفیہ کالج اس سلسلے میں قابل ذکر ہے جس نے چلڈرنس ایڈ سوسائٹی کے زیر نگرانی بچوں کو ممبئی سے باہر ۴ یا ۵ روز کی پکنک کرائی۔ بچے پوری طرح لطف اندوز ہوئے اور انھیں محسوس ہوا کہ وہ بھی بالکل عام بچوں کی طرح ہیں۔

بی راج

سوسائٹی کی سرگرمیوں سے عوام میں بچوں سے ہمدردی کے جذبات ابھر رہے ہیں۔ لوگ سوسائٹی کو خود بخود عطیات روانہ کر رہے ہیں۔ ایک ڈاکٹر نے اپنے سورگباشی بچے کی یاد میں اس کی سالگرہ پر عطیہ روانہ کیا۔ ایک سرکاری افسر نے اپنی ماں کی یاد میں عطیہ بھیجا۔ کئی اسکولوں کے بچے اپنی سالگرہ پر سوسائٹی کو رقم بھیجتے ہیں اور اکثر اوقات خود مٹھائیاں لے کر ان بچوں سے ملاقات کرنے آتے ہیں۔

بھکاریوں کو بھیک دینے یا اسی طرح کی لغویات میں پیسہ برباد کرنے سے عطیات کا یہ بالکل صحیح استعمال ہے۔ بھابھا ایٹمک ریسرچ سینٹر کا ایک سینئر سائنٹسٹ باقاعدہ اپنی آدھی تنخواہ سوسائٹی کو بھیجتا ہے اور اس نے اپنا پراویڈنٹ فنڈ بھی سوسائٹی کے نام کر دیا ہے۔ ایک اعلیٰ عہدیدار نے جو ایک ماہر مصور بھی ہے، دو مرتبہ اپنی تصاویر فروخت کر کے ساری رقم سوسائٹی کو عطیہ میں دی۔

فلاح و بہبود سے متعلق سرگرمیوں کی تاریخ میں چلڈرنس ایڈ سوسائٹی ایک اہم کردار نبھا رہی ہے۔ عوام اور سماجی اداروں سے جو تعاون حاصل ہو رہا ہے اس پر سوسائٹی کو فخر ہے اور قوی امید ہے کہ خود سوسائٹی اور دیگر ایسے اداروں کی جدوجہد سے کئی سماجی برائیوں کا خاتمہ ہو سکے گا۔

۵۵

انجمن اسلام جنجیرہ

سیّدی ظفر شیخانی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ، مروڈ

کا

جلسۂ تقسیم انعامات

۲۵ نومبر ۱۹۷۹ء کی شام مروڈ، جنجیرہ میں اپنے ساتھ بلند عزائم، ہمت و استقلال ساتھ لے کر آئی، جبکہ سیّدی ظفر شیخانی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ میں جشنِ تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی۔ حکومت مہاراشٹر کے وزیرِ مملکت ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نے بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی اور الحاج جناب زکریا اگھاڑی صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے بمبئی سے کثیر تعداد میں معزز مہمانوں نے شرکت کی۔ جنھیں بمبئی سے مروڈ تک لے جانے، ان کے طعام و رہائش کا انتظام انجمن اسلام جنجیرہ کے اراکین نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

مہمان خصوصی کی تشریف آوری کے موقع پر سیدی ظفر شیخانی ٹکنیکل انسی ٹوٹ میں ان کا استقبال کیا جا رہا ہے۔

25-12-79
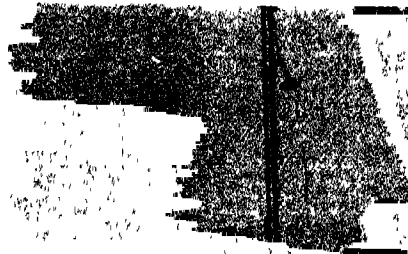
ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا، وزیر مملکت برائے ہاؤسنگ، حاضرین جلسہ سے مخاطب ہیں. آپ کے بائیں طرف صدر جلسہ الحاج زکریا اگاڑی تشریف فرما ہیں۔

یں تو کوکن کا علاقہ قدرتی مناظر کی کشش رکھتا ہی ہے مگر مروڈ جنجیرہ جو ساحل
ر کے کنارے آباد ہے اپنے اندر ہر صبح اور ہر شام کی مختلف کشش رکھتا
. قدرتی مناظر نے اس مقام کو جو لافانی ابدیت بخشی ہے وہ ناقابل بیا
. نواب صاحب کی کوٹھی سبزہ زاروں کے درمیان آج بھی اپنی عظمت
کھے ہوئے ہے. بیچ سمندر میں شیواجی کا قلعہ آج بھی صدیوں پرانی کہانیا
ا ہوا نظر آتا ہے. پہاڑ اور سمندر کے درمیان ناقابل تسخیر جنجیرہ کا قلعہ
سطوت کی شان لئے آج بھی ان دنوں کی یاد تازہ کرتا ہے جبکہ زندگی
وہاں مسکراتی تھی. دور پہاڑ پر عید گاہ ہر نووارد کو اپنی بلندی کی طرف متوجہ
ہے اور نووارد کا دل بے اختیار ہو کر اس جگہ جا کر سجدہ کرنے کو تڑپا ہے
اسی چھوٹے سے قصبہ مروڈ میں آج خوشیوں کی لہریں رواں دواں تھیں
ی کے اراکین و یونیفارم میں طلبہ سرگرم عمل تھے. آنے والوں کے استقبال
ن تھے، ان کی خدمت میں مصروف تھے.

دو بجے دوپہر کے قریب تمام مہمان اور میزبان انجمن اسلام جنجیرہ ہائی
ل کے میدان میں جمع ہوئے. ڈاکٹر اے. اے منشی نے اپنی مختصر سی تقریر
بتلایا کہ کس طرح ۱۹۰۷ء میں عوام کی تعلیمی اور سماجی ترقی کے لئے انجمن
م جنجیرہ کی داغ بیل ڈالی گئی. مہمانوں کا ٹھنڈے اور میٹھے ناریل کے
سے استقبال کیا گیا. ڈاکٹر منشی نے انجمن کی ملکیت کے ناریل اور سپاری
اڑیوں کی سیر کرائی. اسکول، جونیر کالج نیز گرلز کالج کا معائنہ کیا گیا
پھر نئی تعمیر شدہ مسجد میں نماز ظہر ادا کی گئی.

دوپہر کے کھانے کے بعد ہی مہمان ظفر شیخانی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ پہنچے
ں انسٹی ٹیوٹ کے گیٹ سے انسٹی ٹیوٹ کے دروازے تک دو قطاروں
میں کھڑے طلبہ نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا. انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل شری
راج نے طلبہ کی مدد سے اس موقع پر مختلف آلات، مشینریز اور کل پرزوں
کی نمائش سجا رکھی تھی. جسے تمام مہمانوں اور مروڈ کے لوگوں نے دلچسپی
کے ساتھ دیکھا اور انسٹی ٹیوٹ و انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کا ذوق و شوق
دیکھ کر خوشی ظاہر کی. طلبہ کا یہی جذبہ ان کی زندگی کو سنوارنے میں مددگار
ثابت ہوتا ہے. نہ صرف یہ کہ پرنسپل راج اپنے تمام تجربات کو بروئے کار لاتے
ہوئے طلبہ میں دلچسپی پیدا کر رہے ہیں بلکہ طلبہ بھی اسی ذوق و شوق سے
اپنی ٹیکنیکل تعلیم کے حصول میں مصروف ہیں.

حاضرین جلسہ

ڈاکٹر اے۔ اے منشی،
چیرمین انجمن اسلام جنجیرہ ٹکنیکل ایجوکیشن بورڈ
انجمن کی کارکردگی پر
روشنی ڈال رہے ہیں۔

مہمانِ خصوصی ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا نے اپنی تقریر میں اس بات کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ مسلمانوں کو اپنے مسائل خود حل کرنے چاہئیں اور ان مسائل کے حل کرنے میں اتحاد اور اتفاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے مسلمان چاہے وہ ملک کے کسی حصے سے تعلق رکھتا ہو، عزت سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ ہر مسلمان چاہتا ہے کہ وہ قومی دھارے میں سب قوموں کے ساتھ ساتھ رہے اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار بحسن وخوبی ادا کرے۔ آپ نے کہا کہ مسلمانوں کے ساتھ نابرابری کا جو سلوک اب تک ہوتا رہا، اس کا احساس غیر مسلموں کو بھی ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر جمخانہ والا نے کہا کہ مہاراشٹر سرکار ریاست کے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں تعاون پیش کر رہی ہے'

مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو اکاڈمی کے ذریعہ اُردو ادب کی خدمت اور ممبئی میں حج ہاؤس کی تعمیر اور خلافت ہاؤس کی تعمیرِ نو کے لئے عطیات مسلمانوں کے تعلیمی اور سماجی مسائل کے حل کی طرف نیک اقدام ہیں۔

ڈاکٹر جمخانہ والا نے انجمن اسلام جنجیرہ کی تعلیمی وسماجی خدمات کو سراہا آپ نے انجمن جیسے اداروں کے قیام پر زور دیا اور اراکینِ انجمن کو اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا اعلان کیا کہ صدر جلسہ الحاج زکریا اگھاڑی نے سیدی ظفر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے لئے دس ہزار ایک روپے کا عطیہ دیا ہے۔

صدر جلسہ الحاج زکریا اگھاڑی صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اس بات کا انکشاف کیا کہ غریبوں کے دُکھ درد وہی سمجھ سکتا ہے جس کے پہلو میں حساس دل ہو۔ انسان تب ہی انسان کہلانے کا مستحق ہے جب وہ غریبوں کا دُکھ سمجھے اور اسے دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے۔ اس ضمن میں آپ نے اپنی مثال پیش کی اور بتلایا کہ کس طرح انھیں غربت میں دن گذارنا پڑے۔ مگر چونکہ عزائم بلند تھے، ترقی کرنے کی خواہش دل میں جاگزیں تھی اس لیئے ہر آزمائش سے گزرتے گئے اور کامیابی حاصل کی۔

الحاج زکریا اگھاڑی نے عوام خصوصًا مسلمانوں کی رہائش کے مسائل حل کرنے کا بیڑہ اُٹھایا اور بے شمار رہائشی مکانات تعمیر کئے۔

انجمن اسلام جنجیرہ کے ٹیکنیکل ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر اے۔ اے منشی نے تمام مہمانوں کا استقبال کیا۔ آپ نے بڑی فراخدلی سے ہر مہمان کا حاضرینِ جلسہ سے تعارف کرایا۔ اپنی تقریر کے دوران آپ نے بتایا کہ ہمارے طلبہ میں زیادہ تعداد ایسے طلبہ کی ہے جن کے پاس مالی وسائل کی کمی ہے۔

اس تقریب کے موقع پر انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ایک نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر اسحٰق جمخانہ والا نمائش کا معائنہ کرتے ہوئے۔ انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل شری راج، وزیر موصوف کو انجن کی باریکیاں سمجھا رہے ہیں۔

سیدی ظفر ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کا خاص مقصد یہی ہے کہ اس علاقے کے طلبہ یہاں پر ٹیکنیکل تعلیم حاصل کر سکیں۔

آپ نے مزید فرمایا کہ فی الحال صرف آٹو موبائل کورس اس انسٹی ٹیوٹ میں سکھایا جاتا ہے مگر اس بات کی امید ظاہر کی کہ آہستہ آہستہ فنی تعلیم کے دیگر شعبہ جات بھی جاری کر دیئے جائیں گے۔ ڈاکٹر منشی نے اپنی تقریر میں مزید فرمایا کہ یہ انسٹی ٹیوٹ مالی خسارہ ہونے کے باوجود اپنے فرائض کی ادائیگی میں آگے بڑھ رہا ہے۔ آپ نے لوگوں سے ادارہ کے لئے مالی تعاون پیش کرنے کی اپیل کی۔

انجمنِ اسلام کے نائب صدر ڈاکٹر ضمیر الدین خطیب نے موجودہ دور میں ٹیکنیکل تعلیم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ٹیکنیکل تعلیم نہ صرف طلبہ کو نوکری حاصل کرنے میں معاون و مددگار ہوتی ہے، بلکہ ٹیکنیکل تعلیم سے آراستہ طلبہ ذاتی طور پر اپنے کارخانے کھول کر تجارت میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ شہروں میں ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے کے مواقع مسلمان طلبہ کو بہت ہی کم ملتے ہیں۔ معمولی سے سرٹیفکیٹ کورس میں داخلے کے لئے بڑی بڑی سفارش بیکار ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ غریب طبقے کے ایسے طلبہ جو کم مدت میں اپنے خاندان کے لئے سہارا بننا چاہتے ہیں، ان کے لئے اس انسٹی ٹیوٹ کے دروازے کھلے ہیں۔ علم و ہُنر سے روزگار فراہم کرنا ترقی کی راہوں کا زینہ ہے۔

ڈاکٹر خطیب نے غریب طلبہ کے تعلیمی مصارف کے لئے ایک اچھوتی اسکیم ظاہر کی۔ آپ نے کہا کہ ایک طالب علم پر تین ہزار روپے سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ وہ حضرات جو اپنے بزرگوں کے لئے ثوابِ جاریہ قائم کرنا چاہتے ہیں کم از کم ہر سال ایک ایک طالب علم کا خرچ اپنے ذمہ لے لیں۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو حضرات مل کر ایک طالب علم کا خرچ برداشت کریں اس سے دُہرا فائدہ یہ ہوگا کہ ایسے مخلص حضرات کو اللہ کی طرف سے جزائے خیر عطا ہوگی اور دوسری طرف وہ غریب طالب علم ٹیکنیکل تعلیم سے آراستہ ہو سکیگا جو افلاس کی وجہ سے باہنر ہونے سے قاصر تھا۔

ڈاکٹر خطیب نے مزید فرمایا کہ اس ادارے کے موٹر مکینک کے دو سالہ کورس میں ہنوز چند مشینریز کی ضرورت ہے۔ آپ نے بتلایا کہ اس مختصر سی مدت کے دوران ادارے کی ورکشاپ کے لئے ۲۵۰ مشینریز و آلات خریدے جا چکے ہیں، مگر پھر بھی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے کم از کم پچاس ہزار روپے کی فوری ضرورت ہے۔ دیگر متفرق اخراجات کے لئے ۳۵ ہزار روپے کی ضرورت ہے تاکہ عملے کی تنخواہیں دی جا سکیں۔ اور ٹیکنیکل ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے احکام کے مطابق انسٹی ٹیوٹ کو ضروری سامان سے لیس کر سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم ایسا نہ کر سکے تو بہت ممکن ہے کہ اس ادارے کو جاری رکھنے کی جو منظوری دی گئی وہ حکومت ختم کر دے۔

اور ہمارے طلبہ کو سالانہ امتحان میں شریک ہونے کی بھی اجازت نہ دے۔ آپ نے کہا کہ اس ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ میں دوسرے شعبے بھی جاری کرنا ہیں جیسے وائرمین کا کورس، کارپینٹری، ریفریجریشن وائیر کنڈیشننگ وغیرہ۔ ہر شعبے کو جاری کرنے کے لئے ایک خطیر رقم کی ضرورت ہے۔ آپ نے مخیر حضرات سے درخواست کی کہ وہ اس سمت قدم بڑھائیں اور شعبہ قائم کرنے میں مالی اعانت کریں۔

قاری عبدالخالق صاحب نے تلاوت قرآن پاک سے جلسہ کا آغاز کیا اور انجمن اسلام جنجیرہ کے سکریٹری شری عبداللہ جمعدار نے انجمن ہذا کی رپورٹ پیش کی۔

سیّد حامد خانزادہ نے نہایت مؤثر طریقے سے حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ ●●

بقیہ صفحہ ۱۶ سے آگے

فٹ بال کا بے تاج بادشاہ 'پیلے' کے بارے میں یوں مشہور ہے کہ وہ بہت ہی غریب تھے۔ بچپن میں انھیں فٹبال کا بہت شوق تھا، چناں چہ انھوں نے پھلیاں فروخت کر کے فٹ بال کے لئے بوٹ خریدا۔ ان کی شہرت اور عظمت کا یہ حال تھا کہ جب وہ ریٹائر ہو رہے تھے تو اسٹیڈیم میں بیٹھے ان کے لاکھوں مداح آنسو بہا رہے تھے۔

مشہور مفکر و ادیب جارج برنارڈ شا کی اسکولی تعلیم صرف ۵ سال تھی اور وہ اس قدر شرمیلا تھا کہ اپنے دوستوں سے بھی ملنے سے گھبراتا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دور کا عظیم ادیب بن گیا ادب کے نوبل پرائز سے بھی نوازا گیا۔

الفریڈ ای۔ اسمتھ کے والد کا جب انتقال ہوا تو تجہیز و تکفین کا انتظام اس کے دوستوں نے کیا، لیکن وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر ریاست نیویارک کا گورنر چار دفعہ بنا۔ وہ صرف سات برس اسکول گیا' اس کے باوجود سات یونیورسٹیوں نے اسے اعزازی ڈگریاں دیں۔

الغرض، بچے وسائل سے کام لیں، جد و جہد کو اپنا شعار بنالیں، کلی کا تبسم اور گلوں کی شگفتگی لے کر جینے کی راہ پر گامزن ہو جائیں تو یقیناً کامیابی ان کے قدم چومے گی۔ راتیں کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں آفتاب نکلے بغیر نہیں رہے گا دنیا کے تمام اندھیرے مل کر بھی روشنی کی ایک کرن پیدا نہیں کرسکتے ؎

ہزار برق گرے' لاکھ آندھیاں آئیں ! !
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

●●

اورنگ آباد کے مصوّر

* غیاث قریشی
(جی۔ڈی آرٹ)
امیر منزل، شاہ بازار
اورنگ آباد ۴۳۱۰۰۱

جہاں خونِ جگر پیتے رہے اہلِ ہنر برسوں
جہاں گھلتا رہا رنگوں میں آہوں کا اثر برسوں
جہاں کھنچتا رہا پتھر پہ عکسِ خیر و شر برسوں
جہاں قائم رہے گی جنت قلب و نظر برسوں
جہاں نغمے جنم لیتے ہیں رنگینی برستی ہے
دکن کی گود میں آباد وہ خوابوں کی بستی ہے

وجد صاحب کے یہ اشعار ان کی مشہور نظم "اجنتا" کے ہیں یہ خوابوں کی بستی اورنگ آباد کے شمال مغرب میں واقع ہے جہاں مصوّروں نے زمانے کی جبیں پر نگاہوں کے عکس چھوڑے ہیں وہیں اورنگ آباد خجستہ بنیاد سے قریب ایلورہ اور پیٹ کے غاروں کا سلسلہ ہے جہاں فن کاروں نے

تصورات کے پیکر تراش ڈالے ہیں
شیشے وہ دل جو ہمیشہ دھڑکنے والے ہیں

ایسے گمنام مگر باکمال مصوّروں کی سرزمین اورنگ آباد کی سرزمین ہے پتہ نہیں کتنے فنکاروں نے یہاں جنم لیا اپنے جوہر دکھائے اور اسی خاک کے پیوند ہو گئے، خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں، اجنتا کی تصویریں ایلورہ اور پیتھن کی سنگتراشی، عظیم تاریخی عمارتوں کے نقش و نگار اس کے گواہ ہیں۔ زمانہ اپنے رنگ بدلتا رہا فن کی تکنیک اور اس کے تقاضے بدلے ماضی اور حال کے درمیان طویل وقفہ ایسا ہے جس میں فن کے تعلق سے تاریخ خاموش ہے ہاں حسن کاری نے صنعت میں فروغ پایا پیٹھن کی زریں بارڈر نازک بیل بوٹے اورنگ آباد کے ہمرو مشروع کی خوبصورت طرح اندازی اور رنگوں کا حسین امتزاج اور شوخی اس کے گواہ ہیں۔

اورنگ آباد کے مصوروں کا تذکرہ کہاں سے شروع کروں اجنتا اور ایلورہ کے عظیم فنکاروں کے نام گنانے مشکل ہیں انھوں نے تو

جہاں چھوڑا تھا خوشی سے جاوداں پیغام کی خاطر
خوشامد اہلِ دولت کی نہیں کی نام کی خاطر

اجنتا کو روشناس کرنے والوں کے تذکرہ ہی سے شروع کرتا ہوں۔ خان بہادر سید احمد صاحب نے جلال الدین صاحب اور نظیر محمد صدیقی صاحب وغیرہ کے ساتھ مل کر اجنتا کی تصاویر کی نقول تیار کیں خان بہادر صاحب کا یہ خود ایک کارنامہ ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر موصوف نے ۱۹۴۰ء میں حیدر آباد میں اسکول آف آرٹ کی بنا ڈالی وہی اس کے پہلے پرنسپل بنے سید احمد صاحب پیٹھن کے رہنے والے تھے اس تعلق سے یہ اورنگ آباد کی انمول دین ہیں۔ موصوف نے فن کی شمع کو حیدر آباد میں روشن کیا جو آج بھی روشن تر ہے۔ خان بہادر صاحب کے فرزند مسعود احمد صاحب نے فن کی آغوش میں آنکھیں کھولیں بمبئی میں تحصیل فن کے بعد مزید تربیت کے لئے انگلینڈ تشریف لے گئے پھر حیدر آباد میں اپنے والد محترم کے قائم کردہ مدرسہ میں معلمی کے فرائض انجام دیئے بعد میں پرنسپل بھی بنے موصوف نے تنظیم اشکال اور دلواری تصاویر میں نئے موضوعات اور تکنیک کو اپنایا اور نت نئے تجربے کئے۔

اورنگ آباد کے مصوّروں کے سلسلہ میں جناب نظیر محمد صدیقی صاحب کا تذکرہ نہ کروں تو یہ مضمون نا مکمل رہے گا موصوف اجنتا کے سحر میں ایسے ڈوبے کہ اسی کے ہو رہے۔ مصوری سے ان کا لگاؤ فطری تھا قسمت دیکھئے ملازمت کی ابتداء گھوڑ سوار پولس سے ہوئی۔ انگریز افسرِ اعلیٰ نے آپکی صلاحیتوں کو پرکھا اپنے دوست سر جے جے اسکول آف آرٹ کے پرنسپل سے آپ کو متعارف کروایا۔ پرنسپل نے صدیقی صاحب میں چھپے فنکار کو

پہچان لیا۔ اسکول آف آرٹ میں انھیں داخل کرلیا ادھر پولس کی تنخواہ جاری رہی۔ تحصیل فن کے بعد زندگی کا رخ ہی بدل گیا بحیثیت آرٹ انسٹرکٹر آئی ٹی آئی میں کام شروع کیا پھر فنکاروں کی سرزمین اجنتا پہنچے اور وہیں کے ہو رہے برسوں پہلے حکومت کی طرف سے اجنتا کی تصاویر کی جو نقول تیار ہوئیں ان میں بیشتر تصاویر صدیقی صاحب کی تیار کردہ ہیں۔ موصوف کی انگلیوں نے صرف موقلم ہی کو نہیں تھاما بلکہ ستار کے تار اور بانسری کی لے کو بھی چھیڑا اور اس میں بھی کمال حاصل کیا ایسے آدمی کا شعر و ادب کی دنیا سے دور رہنا ممکن نہیں تھا کہ یہ بھی فنون لطیفہ میں شاعری کی ہے کاش کوئی ان کے تخلیقی سرمایہ کو جمع کرے۔ مصوری کے تعلق سے خود ان کی اپنی تخلیقات اجنتا کی نقولات کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر ہیں مگر اجنتا کی تصاویر کا جواب نہیں اجنتا کے رنگ و انداز کو اس طرح پیش کیا کہ اصل و نقل کا فرق باقی نہیں رہا۔ وفات سے دو تین سال پہلے بمبئی کی آرٹ کی نمائش کے تقسیم انعامات کا جلسہ آپ کی صدارت میں ہوا جس میں موصوف کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ آپ کے شاگردوں میں فضل الدین صاحب اور افلاطون خانصاحب قابل ذکر ہیں۔

اورنگ آباد میں شاید ہی کوئی شخص جسے فن و ادب سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہو افضل حسین حسینی صاحب کے نام سے ناواقف نہ ہوگا دوسری عالمی جنگ سے پہلے بمبئی کے مشہور جے جے اسکول آف آرٹ سے حصول ڈگری کے بعد فیلو منتخب ہوئے انڈین آرٹ کے رموز و نکات کو عام کیا۔ شبیہ سازی آپ کا محبوب موضوع رہا مگر تنظیم اشکال سے بھی دلچسپی رہی چنانچہ اسی زمانہ میں محبت کے موضوع پر ایک تخلیقی مقابلہ میں دوسرا انعام حاصل کیا تصویر کا موضوع گویا اس شعر کی تفسیر تھی ؎

بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
الفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں

آزادی کی جدوجہد میں سیف و قلم نہیں موقلم کو اپنا ہتھیار بنایا کیوں ہو۔
ع پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
ہندو مسلم اتحاد کے لئے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

اس شعر پر ان کی تخلیق نے وہ کام کیا جو شاید طویل تقریریں اور ضخیم کتاب بھی نہ کر پاتی۔ موصوف کے جوش اور جذبۂ عمل سے پنڈت جواہر لال نہرو بھی بے حد متاثر تھے چنانچہ انھوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین سے اس سلسلہ میں تذکرہ کیا اور اس طرح حسینی صاحب جامعہ ملیہ دہلی کے اساتذہ میں شامل ہوگئے کسانوں اور دیہاتیوں کے مراکز میں فن اور محنت کے امتزاج کو اجاگر کیا۔ مہاتما گاندھی نے بھی ان کے کام کی ستائش کی ہے موصوف کے فن میں روح کے لئے تازگی و شگفتگی اور زندگی کے لئے بے پناہ تڑپ پائی جاتی ہے۔ آپ کی تصاویر میں ایک پیغام ہے، دعوت عمل ہے قومیت و وطنیت کا جذبہ و ولولہ ہے۔ قحط بنگال کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا انھوں نے گاؤں گاؤں گھوم کر قحط بنگال کی جو تصاویر بنائی ہیں وہ حقیقت کی عکاس ہیں انھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فنکار کے اعصاب پر عورت سوار ہے۔ اقبال کی شاعری سے حسینی صاحب کو خصوصی لگاؤ ہے۔ اقبال کے کلام میں جہاں تلخ حقیقتوں کا انکشاف و اظہار ہے وہیں ایک دردمند اور غمگسار قوم کے ہمدردانہ لہجے کی کھٹاس بھی ہے یہی حال حسینی صاحب کی تصاویر کا ہے خدا نے انھیں دل فطرت شناس دیا ہے اس طرح وہ سکوت لالہ وگل سے بھی کلام پیدا کرلیتے ہیں۔ اقبال کے بیشتر اردو فارسی اشعار کو آپ نے مصور کیا ہے۔ اور اپنے فن کی داد پائی ہے داد دینے والے نہ صرف ملک کے دانشور ہیں بلکہ بیرونی ممالک کے اکابر نے بھی زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے

ریاستوں کی زبان داری تقسیم کے بعد اورنگ آباد میں پہلے انیشونت کلا مہا ودیالیہ اور بعد میں گورنمنٹ اسکول آف آرٹ کا قیام عمل میں آیا بہت سے نوجوان فارغ التحصیل ہوئے اور بہت سے زیر تربیت ہیں اس موضوع پر ایک الگ ہی مضمون چاہئے۔ روی راکھن گاؤں کر صاحب فن کا اچھا شعور رکھتے ہیں فن کے تعلق سے موصوف کی صلاحیتیں نشری اغراض کے لئے وقف ہیں اس کے علاوہ موصوف سماجی کاموں کے سلسلہ میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ شیخ امام صاحب مرحوم جو امام بھائی کے نام سے مشہور تھے ایک ایسے فنکار تھے جو اپنا فن اپنے ساتھ لے گئے پھلوں وغیرہ کے نقلی نمونے تیار کرنے میں انھیں کمال حاصل تھا۔ افسوس ان کے شہکاروں کو محفوظ نہیں رکھا گیا۔

اورنگ آباد کے فنکاروں کا یہ ایک مختصر تذکرہ ہے جسے مکمل نہیں کہا جاسکتا بہت ممکن ہے بعض فنکاروں کا تذکرہ رہ گیا ہو۔ آج کے فنکاروں کی یقیناً ایک طویل فہرست تیار ہوسکے گی جو ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے۔ اقبال کے اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا ع

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر
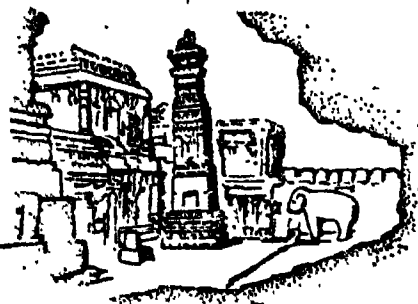
خطوطِ غالب کی تاریخی اہمیت

صابر تراب علی سید العلی
(ایم۔ اے)
شری شیواجی کالج، پربھنی (مہاراشٹر)

غالب کی اُردو شاعری اور غالب کے اُردو خطوط، ایک بڑی اور بیدار شخصیت کے دو پہلو ہیں۔ غالب کے خطوط اُردو نثر کا ایک نادر و دلکش مرقع ہی نہیں بلکہ لازوال سرمایہ ہیں۔ غالب کے خطوط کی ادبی اہمیت تو مُسلّم ہے ہی لیکن ان کی تاریخی اہمیت سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔ غالب کے خطوط ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غالب نہ صحافی تھے اور نہ مورخ لیکن وہ احباب کی خاطر وقائع نویس بھی بنے اور صحافی بھی اور اس طرح اپنے خطوط میں عصری تاریخ کا بہت سا قیمتی مواد چھوڑ گئے۔

غالب نے ان خطوط میں انیسویں صدی کے واقعات، دلی کی جھلکیاں اور اس کے نشیب و فراز، قدیم وجدید اقدار کا تصادم، مختلف فرقوں کے خیالات، معاشی پسماندگی سے رونما کردار کی پستی، بے علمی اور معاشرے کی دیگر برائیوں کو واضح کیا ہے۔ ان خطوط میں غدر کی بے کیف زندگی بھی ہے، دربار کی بزم آرائیوں کے افسانے بھی اور نئے حالات نئی تہذیب کے حقائق بھی ملتے ہیں۔ غالب نے اپنے دور کے مختلف سیاسی، معاشی، اور سماجی رجحانات کا ان خطوط میں حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی

"یہ خطوط تاریخ بھی ہیں اور سماجیات کی ایک کتاب بھی پھر سیاست کا ایک دلچسپ باب بھی اور معاشیات کا پر مغز مرقع بھی ہیں"

غالب نے اپنے خطوط میں اپنے عہد کی زندگی کی بہت سی جھلکیاں دکھائی ہیں جزئیات نگاری کی وجہ سے وہ بعض معمولی معمولی امور کا تذکرہ بھی کرجاتے ہیں۔ یہی باتیں آج کے محقق کو اس دور کی عمرانی زندگی کے بعید گوشوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ دلی کی بربادی اور پھر اس کی بتدریج آبادی کے کوائف خاص وعام کی زندگی و گذرا وقات، معاشی حالات، سفر کے ذرائع اور حالات ڈاک کے انتظامات، موسمی تغیرات وغیرہ۔

یہ وہ مختلف امور ہیں جو خطوط کی مجلسی فضاء سے ابھر کر اس عہد کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔

غالب نے تاریخی حالات کا اس انداز سے ذکر کیا ہے کہ تاریخی خشکیوں پر ان کے اسلوب کی شگفتگی نے انھیں دلچسپ بنادیا ہے۔ تاریخی نقطہ نظر سے غدر کے بعد دہلی کی زندگی کے حقیقی خدوخال کی موثر داستان ان کے خطوط میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں امراء اور شرفاء کی مجبوریاں، درباری زندگی، مغلوں کے زوال کے اسباب اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے اثرات سیاسی تبدیلیاں، علمی ادبی تحریکوں کے پس منظر اور روداویں، شاعرانہ ماحول کی خصوصیات، ادبی مباحث کے تذکرے، ہندوستان کی مکمل زندگی کی حقیقی تصویریں ان خطوط میں ابھرتی نظر آتی ہیں۔ غالب نے اپنے دور کے تمام سیاسی، معاشی حالات کا جائزہ لیا ہے وہاں انھوں نے خطوط کو

تاریخ کے خشک مضمون کی طرح غیر دلچسپ نہیں بنا دیا ہے۔ غالب نے جو باتیں دوسروں کے لئے بیان کی ہیں وہ ہر انسان سے وابستہ ہوجاتی ہیں اس طرح غالب کے خطوط آفاقیت کے پیکر بن جاتے ہیں۔ بقول آل احمد سرور "غالب نے اپنے خطوط میں دلی کی بربادی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ دلی کے تمام مرثیوں پر بھاری ہے۔"

غالب کے قلب وذہن پر دہلی کی تباہی وبربادی کا بڑا گہرا اثر تھا ان کے اکثر خطوط میں ان کا یہ شدید درد جھلکتا نظر آتا ہے۔ لال قلعہ کی محفلوں کا درہم برہم ہونا ان کے لئے عظیم سانحہ تھا۔ انھوں نے نادر شاہی کے قتل کے خونیں مناظر دیکھے اور خطوط میں دکھائے ہیں۔ مہاراجہ پٹیالہ نے دہلی کے چند حصوں میں جس میں غالب کا وہ کوچہ جس میں ان کا مکان تھا اس کی حفاظت کی اس کا بھی ذکر ان خطوط میں کیا ہے۔ بقول عابد صدیقی "غالب نے دہلی کی مٹتی ہوئی تہذیب اور ایک سسکتے ہوئے تمدن کا اپنی بصیرت افروز نگاہوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے شعور کی بلندیوں سے محسوس کیا وہ قلعہ کے مستقبل سے مایوس تھے۔ انھوں نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔

"کبھی اس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے اسے دوام کہاں، کیا معلوم اب کے نہ ہو اور اب ہو تو آئندہ نہ ہو۔"

انیسویں صدی میں بقول سید احتشام حسین

"ہندوستان تاریخ کی ایک بڑی پیچیدہ راہ سے گذر رہا تھا: اس زمانے میں مختلف تاریخی قوتوں کی کشمکش نقطۂ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ ایک بدیسی قوم یعنی انگریز اپنی حکمت عملی، مکاری اور طاقت کی بدولت صدیوں کے مغلیہ اقتدار کو زمین بوس کرنے میں کامیاب ہوئے۔ انگریزی حکام نے چاروں طرف کشت وخون اور غارت گری کا بازار گرم کیا انسانی قدروں کی بے حرمتی اور تباہی کے ہوش ربا مناظر غالب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور سہے۔ چنانچہ منشی ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں لکھتے ہیں۔

"یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق، سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو۔ اس کو زیست کیوں کر دشوار نہ ہو، اتنے یار مرے کہ جواب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا نہ ہوگا۔"

غالب بقول حالی ایک حیوان ظریف تھے، اس نوع کا انسان مجلسی زندگی کا دلدادہ ہوتا ہے۔ وہ کثیر الاحباب تھے۔ واقعہ انقلاب نے اس مجلسی زندگی کو درہم برہم کر دیا۔ انگریزوں نے سقوط دہلی کے بعد مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ انتقام بنایا اور انھیں شہر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور پھر ایک عرصہ تک انھیں شہر بدر رکھا گیا چنانچہ غالب تفتہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا۔ ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔"

دہلی کی تباہی کے بارے میں میر مہدی مجروح کو لکھتے ہیں

"اے میری جان! یہ وہ دلی نہیں جس میں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں جس میں تم نے علم تحصیل کیا۔ وہ دلی نہیں جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ وہ دلی نہیں جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کیمپ ہے مسلمان، اہل حرفہ یا احکام کے شاگرد پیشہ، باقی سراسر ہنود۔"

میر مہدی مجروح کے نام ایک خط کا اقتباس ملاحظہ کیجئے اس میں ان کی ذہنی حالت آئینہ ہوجاتی ہے۔

"راہ کی محنت کش، تپ کی حرارت، گرمی کی شرارت، یاس کا عالم، کثرت اندوہ وغم، حال کی فکر، مستقبل کا خیال، تباہی کا رنج آوارگی کا ملال، جو کچھ کہو وہ کم ہے، بالفعل تمام عالم کا ایک عالم ہے۔"

غالب کے تاریخی شعور کو ان کے خطوط کی روشنی میں بجا طور پر جانچا جاسکتا ہے۔ اور ان کے خطوط کا درجہ تاریخ ہند میں متعین کیا جاسکتا ہے۔ جو کہ ہماری تاریخ میں دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کو غالب نے بڑی اثر آفرینی سے پیش کیا ہے۔

عصرِ حاضر کے بچّے

[بین الاقوامی بچّوں کے سال کے موقع پر ایک ساٹنیٹ]

• اختر محمود کھنڈوی
معرفت حاجی محبوب خاں
حاتم پورہ، کھنڈوہ (ایم پی)

خداوندا! تری دنیا کے یہ معصوم بچے ہیں

بھلا کیونکر یہ خود ہی اپنا مستقبل سنواریں گے
یہ بھولے بھالے اپنی زندگی کیسے نکھاریں گے

ابھی یہ عقل سے عاری ہیں ان کے ذہن کچّے ہیں

ضرورت ہے انھیں ہر گام پہ اِک ایسے رہبر کی

وہ رہبر جو انھیں بیگانۂ منزل نہ کر ڈالے
کہیں تاریک ان کا حال و مستقبل نہ کر ڈالے

انھیں حاجت ہے اِک سادہ طبیعت قوم پرور کی

یہ ملکوں کی امانت ہیں یہ قوموں کا ہیں سرمایہ

ہیں وابستہ انھیں بچّوں سے اُمیدیں بزرگوں کی
چمک سکتی ہیں اِن کے دم سے تقدیریں بزرگوں کی

یہ معمارِ وطن دراصل ہیں جنسِ گراں مایہ

مرے معبود اِن بچّوں کو ذہنی پختگی دیدے
طہارت قلب کی، کردار کی پاکیزگی دے دے

غزلیں

• نسیم شاہجہانپوری
تارین جلال نگر، شاہجہاں پور (یو۔پی)

زخموں کی ہے بہار بھی، دل میں میلہ بھی ارمانوں کا
پھولوں کی خاموشی بھی ہے، شور بھی ہے طوفانوں کا

چہرہ دیکھنے والو! تم کیا جانو دل کی بیتابی!
مشکل ہے اندازہ ہونا، ساحل سے طوفانوں کا

شورش اہلِ جنوں کی ہے، نہ وہ جھنکاریں زنجیروں کی
جی بہلے تو کیونکر بہلے، گلشن میں دیوانوں کا!

اپنے دلِ برباد سے اب، تعبیر جسے ہم کرتے ہیں
سینۂ ویراں میں آباد اک شہر تھا وہ ارمانوں کا!

پی کر بہکے، بہک کر سنبھلے، اور سنبھل کر پھر بہکے
جب اٹھی وہ مست نظر جب کے دور رکا پیمانوں کا

طوفاں سے ٹکرانا آساں، دار و رسن سے گزرنا سہل
ہاں مشکل ہے بوجھ اٹھانا، اپنوں کے احسانوں کا

شکوہ کرنا، اشک بہانا، عہدِ وفا سے پھر جانا
مشکل کو بھی مشکل کہنا، کام نہیں دیوانوں کا

ساقی کی مخمور نظر نے، توڑ دیا محفل میں بھرم
کتنے زہد کا دعویٰ کرنے والوں کے ایمانوں کا

پہلو میں اس دل کا نہ ہونا، ہونے سے بہتر ہے نسیم
نور نہیں ہے شمع کا جس میں سوز نہیں پروانوں کا

• محمد عثمان اوجؔ اعظمی
چریاکوٹ، اعظم گڈھ (یو۔پی)

چھوڑ جاتے ہیں جدائی کی خلش خاروں میں
"پھول کھلتے ہیں تو بک جاتے ہیں بازاروں میں"

زینتِ دار بناؤ کہ گرفتار کرو
ہم بھی شامل ہیں محبت کے گنہگاروں میں

ہر طرف آدمِ خاکی کی ضیا بکھری ہے
ہے اسی خاک کے ذروں سے چمک تاروں میں

آج تک نقدِ ہنر آپ سے پرکھا نہ گیا
عیب ہی ڈھونڈیئے افکار کے شہ پاروں میں

ہر شبِ تار سے پھوٹی ہے اجالے کی کرن
ہم نے بہتے ہوئے دیکھے ہیں گہر دھاروں میں

جنسِ الفت کو بدستور گراں رہنے دے
کچھ ہوس کار بھی شامل ہیں خریداروں میں

روزِ اول ہی سے تحریکِ عمل جاری ہے
شاد پھولوں میں کوئی ہے تو کوئی خاروں میں

ہو اگر اہلِ نظر رقصِ شرر بھی دیکھو
ہاتھ ڈالو نہ دہکتے ہوئے انگاروں میں

تن کی خاطر نہ کریں فن کا کبھی جو سودا
اوجؔ کا نام بھی لکھوا انہیں فنکاروں میں

غزل

شاطر حکیمی

ڈاکٹر شیخ کالونی، کوارٹر نمبر ۱۷۷، کامٹی

دَور چل جائے چھلکتے ہوئے پیمانے کا
دم سلامت رہے ساقی ترے میخانے کا

نام گلزار کا لیتا ہے نہ ویرانے کا
عقل حیراں ہے عجب حال ہے دیوانے کا

غیرتِ عشق نے میری کبھی سوچا بھی نہ تھا
آپ بن جائیں گے عنوان مرے افسانے کا

دیکھ رفتارِ جنوں حالِ پریشاں کو نہ دیکھ
نقشِ پا خضر بنا ہے ترے دیوانے کا

قیس و فرہاد سے ٹھنی گرمئ بازارِ وفا
سلسلہ ختم ہوا عشق کے افسانے کا

تو ضرورت ہے کھڑی آگ میں جلنے کیلئے
شمع کو دیکھ سمجھ حوصلہ پروانے کا

صفِ محشر نہ الٹ دے کہیں اے داورِ حشر
دامنِ صبر و یقیں چاک ہے دیوانے کا

اس سے پہلے کہ گھٹا جھوم کے برسے ساقی
خم اٹھا کھول دے منہ شیشہ و پیمانے کا

کوئے رسوائی و صحرائے جنوں ہے خاموش
حوصلہ کون بڑھائے ترے دیوانے کا

کبھی بتخانہ و کعبہ تو کبھی طوق و صلیب
رخ بدلتا ہی رہا حسن کے افسانے کا

دور اندیش نہیں شیخ و برہمن شاطر
ہوش کعبے کا کسی کو ہے نہ بت خانے کا

ڈاکٹر نایاب لکھنوی

۷ دیں گلی نیا پورہ، مالیگاؤں

اضطرابِ شوق پر ہے، انحصارِ زندگی
سوزِ دل سے خاک نے پایا وقارِ زندگی

جس کی آنکھیں خوں فشاں ہیں نوعِ انساں کیلئے
ہے انھی کے واسطے فیضِ بہارِ زندگی

یہ بھی اک اعجاز ہے، بیداریٔ احساس کا
زندگی مجھ پر تصدق، میں نثارِ زندگی!

گردشِ دوراں سے گھبراتے نہیں ہیں زندہ دل
زندگی کی کشمکش میں ہے قرارِ زندگی

چومتی ہے فتح و نصرت اہلِ ہمت کے قدم
سرفروشی چاہتا ہے کارزارِ زندگی

گرمئ جذبات کی دولت جسے حاصل ہوئی
ہے وہ خستہ حال بھی سرمایہ دارِ زندگی!

جانتا ہے جو لہو سے رنگ آمیزی کا فن
اس کا ہر نقشِ عمل ہے شاہکارِ زندگی

مسکراتے ہیں بہر صورت جو پھولوں کی طرح
ہم سمجھتے ہیں انھیں کو راز دارِ زندگی

جس سے ہو نایاب ظاہر زندگی کا کیف و کم
شاعری ہوتی ہے وہ آئینہ دارِ زندگی

جوہر ہاشمی

بیرون کٹہ تالاب میر جملہ، حیدرآباد

ملا کرتے ہیں جب دل کو سہارے
نظر آتے ہیں تب رنگیں نظارے

تمناؤں کا عالم کچھ نہ پوچھو
حسیں دل جھیل میں جیسے شکارے

کبھی تو گفتگو سے بھی زیادہ!
چھلکنے لگتے ہیں آنکھوں کے اشارے

محبت کی گواہی دے رہا ہے
ابھی تک تاج جمنا کے کنارے

ہمارے دور کی شائستگی کو
نہ لے ڈوبیں کہیں عریاں نظارے

قریبِ دل بلا لے کوئی مجھ کو
کوئی اپنا سمجھ کر تو پکارے

جہانِ فن میں ہوتے ہی رہیں گے
ہمارے بعد بھی چرچے ہمارے

جہاں بازی کو ہر خوش بخت جیتا
وہیں ناعاقبت اندیش ہارے

سمجھ کر قلبِ جوہر ہاشمی کو
بنامِ شاعری پتھر نہ مارے
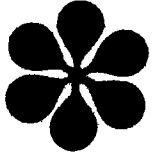
• عظیم حیدرآبادی
بی۔اے بی ایڈ (عثمانیہ)
۱۱/۳/۹۴. (ملے پلی) حیدرآباد

آپ کی چشمِ کرم سے دل ہے بسمل آجکل
عشق کی اُلجھن سے چھٹکارا ہے مشکل آجکل

کرنہیں سکتے تمیزِ حق و باطل آجکل
اپنے ہی ہمدم نظر آتے ہیں قاتل آجکل

ی آنکھوں کی شرابِ دلنشیں کیا بات ہے؟
ئی ہے میرے حق میں سُمِ قاتل آجکل

گُم رہی ایسی کہ اب جذبات پر قابو نہیں
خود ارادے ہی بغاوت پر ہیں مائل آجکل

لا اندیشہ، سُود و زیاں کی فکر کیوں؟
امانی کے ہیں ہر سُو مراحل آجکل

یست کی کشتی کو اب موجوں سے کچھ خطرہ نہیں
ے بہت طوفاں زدہ ماحولِ ساحل آجکل

بینی علامت ہے فراست کی عظیمؔ
کہنا عداوت میں ہے شامل آجکل

• تحریر انجم
قاضی پور خورد، گورکھپور (یو-پی)

وہ مُسافر جو شعلوں پہ چلتے رہے
راستوں کا مقدر بدلتے رہے

جسم پانی میں ڈوبا ہوا تھا مگر
ہم چراغوں کی مانند جلتے رہے

یاس کے پربتوں کا جگر چیر کر
آرزوں کے چشمے اُبلتے رہے

ہم ردیفوں کی مانند قائم رہے
قافیوں کی طرح وہ بدلتے رہے

تم برستے رہے بادلوں کی طرح
اور ہم برق کی طرح جلتے رہے

جانے کیا شئے انجمؔ جسے دیکھ کر!
ہم بڑی دیر تک آنکھ ملتے رہے

• منظور ندیمؔ (ایڈوکیٹ)
بالاپور۔ ضلع اکولہ (مہاراشٹر)

کبھی کھِلکھِلا کے ہنسے تھے غم تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کسی رہگذر پہ ملے تھے ہم تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

مِری شاعری ترے عارضوں ترے گیسوؤں کی اسیر تھی
ترے نام تھا کبھی یہ قلم تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

مجھے یاد ہے مِری چاہتیں تری بے رُخی پہ نثار تھیں
تری چاہتوں میں وفا تھی کم تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ترے آنچلوں کو ذرا ذرا میرے آنسوؤں سے لگاؤ تھا
انھیں یاد ہوگی یہ چشمِ نم تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو

"ترے ساتھ تھے، ترے ساتھ ہیں، ترے ساتھ رہنا ہے اے ندیمؔ"
کبھی تونے کھائی تھی یہ قسم، تجھے یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

ریاستی خبریں

گورنر کے ہاتھوں چھترپتی انعامات کی تقسیم

۱۳ر دسمبر کو راج بھون بمبئی میں بہترین کھلاڑیوں کو سال برائے ۷۸-۱۹۷۷ء کے ریاستی چھترپتی انعامات گورنر مہاراشٹر شری صادق علی نے تقسیم کئے۔ اس موقع پر انھوں نے قومی اسپورٹس مقابلوں میں ۲۲ فاتح ٹیموں کی بھی عزت افزائی فرمائی۔

شری سدانند ورد ے وزیر تعلیم نے اپنی استقبالیہ تقریر میں فرمایا کہ ریاستی حکومت کھیل کود سرگرمیوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے تاکہ مہاراشٹر قومی سطح پر اعلیٰ مقام حاصل کر سکے۔

۳۵ کھلاڑیوں کو چھترپتی انعامات دیئے گئے ضلع واری ان کی تعداد یوں ہے۔ بمبئی ۱۷، پونے ۱۴، کولہاپور ۲، ناگپور امراؤتی ایک ایک۔ فاتح ۲۲ ٹیموں کو نشانیاں اور توصیفی اسناد دیئے گئے۔

شری ایم۔ کے حسین ڈائرکٹر اسٹیٹ اسپورٹس، یوتھ سروس ڈپارٹمنٹ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری مینی مالتی تامبے ویدیا، سیکریٹری سوشل ویلفیر کلچرل افیرز اسپورٹس وٹورزم نے شکریہ ادا کیا۔

امداد باہمی اداروں میں پینل طریقۂ کار کا استعمال بند کیا جائے ۔ شری این۔ڈی۔ پاٹل

امداد باہمی اداروں کے انتظامیہ میں اگر ہمارے سماج کے کمزور طبقات کو نمائندگی کے مواقع دیئے جائیں تو اس غرض سے ہمیں پینل طریقۂ کار کو ختم کر کے رائے دہندگی کے طریقہ یا ایک شخص ایک ووٹ کو اپنانا چاہیئے۔ اس بات کا اظہار شری این۔ ڈی پاٹل وزیر امداد باہمی نے ۱۰ر دسمبر کو کیا۔ وزیر موصوف مہاراشٹر سہکاری بینک لمیٹیڈ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر منتر الیہ میں صدارت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

شری پاٹل نے فرمایا کہ موجودہ پینل طریقۂ کار کی وجہ سے طاقتور گروپ جن کو ممبران میں اکثریت حاصل نہیں ہے وہ امداد باہمی اداروں کو کنٹرول کرتا ہے۔ اور اگر اس طریقہ کو بدلا گیا تو یقیناً بدعنوانیاں دور ہو سکتی ہیں۔

بجائے سرکار کے منتخب ممبران کے ذریعے حساب کتاب اور دیگر چھان بین امداد باہمی اداروں کی کارکردگی کو زیادہ بہتر بنا سکتی ہے۔ شری پاٹل نے فرمایا۔

بنک کے ذریعہ حاصل کردہ ترقی پر وزیر موصوف نے اطمینان کا اظہار کیا۔ شری وی۔ ایس پاگے، ریاستی مجلس قانون ساز کونسل کے سابق چیرمین نے پچھلے پچاس سال سے بنک کی اعلیٰ کارکردگی کو سراہا۔

اس موقع پر خصوصی گولڈن جوبلی سووینیر نکالا گیا نیز بنک کے سابق ڈائرکٹران کو شال تحفے میں دیکران کی عزت افزائی کی گئی۔

اس سے قبل شری این۔ ڈی سروے نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور شری ایس۔ جی والوالکر نے شکریہ ادا کیا۔

دیہی علاقوں کے نوجوانوں کے لئے قومی اسکیم

دیہی علاقوں کے ایسے نوجوان جو کہ کسی ذاتی دھندے کے شروع کرنے کی کوشش میں اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں داخلہ نہیں لیتے ہیں۔ ان کے لئے حکومت مہاراشٹر نے ایک قومی اسکیم جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس سے دیہی معاشیات کو استحکام اور دیہاتوں کے نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دی جا سکے گی۔

اس اسکیم کے تحت چھوٹے کسانوں، درمیانی کاشتکاروں، بے زمین مزدوروں اور دیہی کامگاروں نیز دیگر دیہاتی غریب نوجوانوں کو ماسٹر کاریگر کی سربراہی میں زراعت اور دیگر متعلقہ سرگرمیوں میں ذاتی پیشہ شروع کرنے کے لئے تربیت دی جائے گی۔ اس اسکیم کے تحت ایسے سماجی اداروں کو جو کہ موضع میں ذاتی دھندوں کی ترقی سے منسلک پروجیکٹوں سے منسلک ہیں فوقیت دی جائے گی۔

ہر ماسٹر کاریگر کے ماتحت ۱۰ سے ۱۲ امیدوار تربیت حاصل کریں گے۔ اور مدت ۶ ماہ کی ہوگی۔ ہر امیدوار کو ۱۰۰ روپے ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ تربیت کے اخراجات کے لئے فی امیدوار کے حساب سے ۵۰ روپے ماہانہ تربیتی اداروں کو دیئے جائیں گے۔ ایسے سماجی ادارے جو کہ اس اسکیم سے دلچسپی رکھتے ہیں، مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ سکریٹری ایمپلائمنٹ اینڈ ٹی پاور، منتر الیہ، بمبئی ۴۰۰۰۳۲ کو دیگر تفصیلات کے لئے رجوع کریں۔

آبپاشی محصول کی پینل اور عام شرحوں پر وصولی

حکومت مہاراشٹر نے ہدایت کی ہے کہ محصول کھاتوں کے کتابچہ میں مقررہ پانی کے نرخ رجسٹر موضع فارم پر (کھتونی) اور پانی نرخ کی ادائیگی کی رسیدوں پر عام شرح، پینل شرح اور مقامی لگان سے حاصل کردہ پانی کی قیمتوں کی وصولی کو مناسب تبدیلی کے بعد مفصل طور سے لکھا جائے۔

پبلک اکاؤنٹس کمیٹی نے اپنی ۱۲ویں رپورٹ ۷۷-۱۹۷۶ء میں اس بات کی سفارش کی تھی کہ کھاتہ داروں کو جاری کی جانے والی رسیدوں میں تبدیلی کی جائے تاکہ عام شرح اور پینل شرح سے پانی کے نرخوں کی وصولی کو علیحدگی سے بتایا جاسکے۔

سرکار نے یہ سفارش منظور کرلی ہے اور اس ضمن میں عمل آوری کیلئے احکام صادر کئے ہیں۔

موٹر گاڑی ایکٹ کا سختی سے نفاذ
ہائی وے سیفٹی ورکشاپ کا شری جادھو کے ہاتھوں افتتاح

شری جگناتھ جادھو وزیر پبلک ورکس نے ۵ر دسمبر کو منترالیہ میں انڈین روڈ کانگریس کے زیر اہتمام چوتھے ہائی وے سیفٹی ورکشاپ کا افتتاح کیا۔

شری جادھو نے فرمایا کہ بہتر ٹریفک انجینئرنگ اور موٹر وھیکلز ایکٹ کے سختی سے نفاذ سے ملک میں حادثات کی شرح کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔

میٹروپولیٹن شہروں میں ٹریفک کے مسئلہ کا حوالہ دیتے ہوئے وزیر موصوف نے فرمایا کہ بھیڑ بھاڑ کے اوقات میں بسوں کے زیادہ استعمال اور نجی گاڑیوں کے کم استعمال پر سنجیدگی سے غور کیا جارہا ہے اور لاپرواہ ڈرائیوروں کے لائسنس بھی معطل کئے جانے چاہیئے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کہا کہ نصابوں میں روڈ سیفٹی جیسے مضمون شامل کئے جانے چاہیئے تاکہ بچوں کو اس کی بنیادی ضرورت سے متعلق تعلیم دی جاسکے۔ انھوں نے انڈین روڈ کانگریس کو اس قسم کے ورکشاپ کے انعقاد کے لئے مبارکباد دی۔

اس موقع پر صدارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے شری ہسمکھ بھائی اپادھیائے وزیر ٹرانسپورٹ نے فرمایا کہ آپریٹروں کو بنیادی ضروریات کے مطابق موٹر گاڑیاں چلانے سے قبل ہی اچھی طرح تربیت دینی چاہیئے۔

شری اے. سی پادھی، صدر انڈین روڈ کانگریس نے فرمایا کہ روڈ سیفٹی کے لئے موٹر وھیکلز ایکٹ میں تبدیلی ضروری ہے تاکہ موجودہ ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔

شری ایم. ڈی کالے، سکریٹری، پبلک ورکس ڈپارٹمنٹ نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ شری سی. آر علیم چندانی نائب صدر انڈین روڈ کانگریس نے شکریہ ادا کیا۔

نیوی میں داخلے کے لئے تربیتی کورس

حکومت مہاراشٹر نے ۱۱ر فروری سے ۱۰ر اپریل ۱۹۸۰ء تک پری کیڈٹ ٹریننگ سینٹر پر انڈین نیوی میں بطور آرٹیفائیزر اپرینٹس میں داخلے کے لئے ۲۰ویں تربیتی کورس چلانے کی منظوری دیدی ہے۔

انجنیئرنگ ڈپلومہ کے امتحانات

انجنیئرنگ ڈپلومہ کورس کے سمسٹر امتحانات جوکہ بورڈ آف ٹیکنیکل اکزامینیشنز، مہاراشٹر اسٹیٹ بمبئی کے ذریعہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۹ء سے شروع ہونے والے تھے لوک سبھا انتخابات کی بنا پر ملتوی کردیئے گئے ہیں۔ تھیوری امتحانات اب جمعہ ۱۱ر جنوری ۱۹۸۰ء سے شروع کئے جائینگے عملی / زبانی امتحانات ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۹ء سے ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء تک لئے جائیں گے۔

امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ پالیٹکنکس کے سربراہوں سے عملی / تھیوری امتحانات کے ٹائم ٹیبل کے لئے رجوع کریں

سابق فوجی ملازمین کے لئے نوکریوں کا تحفظ

حکومت مہاراشٹر کی ہدایت پر سابق فوجی ملازمین کو سرکاری نوکریوں میں تیسرے اور چوتھے درجہ میں بھرتی کے لئے امتحان اور درخواست فیس سے مستثنیٰ کردیا گیا ہے، اور ۱۵ فیصد آسامیاں ان کے لئے محفوظ کردی گئی ہیں۔ اس رعایت پر ۳۰ر جون ۱۹۸۰ء تک عمل درآمد کیا جائے گا۔

قلمی معاونین

سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پُشت پر اپنا مکمل پتہ، پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک ہی طرف اور صاف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصلی نام بھی تحریر کریں۔ غیر طلبیدہ مضامین کی نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

قارئین کیلئے ضروری اِعلان

ہماری یہ کوشش ہے کہ اپنے قارئین کو مختلف سرکاری پالیسیوں اور سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر رکھیں۔ تاہم قارئین کو اس میں کچھ نہ کچھ کمی کا احساس ہو سکتا ہے۔ لہذا آپ کی دلچسپی اور معلومات میں مزید اضافے کے خیال سے "سوال وجواب" کا خصوصی صفحہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس تبادلۂ خیال سے ہمیں اور بھی فائدہ پہنچے گا۔ انفرادی شکایتوں کی اشاعت تو مشکل ہے، البتہ سرکاری پالیسیوں، پروگراموں اور سرگرمیوں سے متعلق آپ کے خطوط، سوالات اور شبہات بخوشی قبول کئے جائیں گے۔ پتہ نوٹ فرمالیں:

ایڈیٹر "قومی راج"، نیو ایڈمنسٹریٹیو بلڈنگ، پندرہواں منزلہ، مقابل منترالیہ، ممبئی - ۴۰۰۰۳۲

ں کو "پھول" پیارے ہوتے ہیں۔
ے میں منعقدہ "پھولوں کی نمائش"
معذور بچے، کس قدر دلچسپی سے
ولوں کو دیکھنے میں محو ہیں۔

گاؤں میں بچے اپنی فطرت کے مطابق جو کچھ انھیں ملے اسی سے کھیلتے ہیں (دائیں طرف) ادیباسی بچے ضلع تھانے کے کوسباڈ میں واقع "آنگن واڑی" میں "گوگو بائی، گوگو، ماتی گوڈو" کھیل کھیل رہے ہیں (نیچے) ایک بچہ، بکری کے بچے کے ساتھ کھیل رہا ہے۔